تابوت

ایم اے راحت

ایک نظر

پراسرار کہانیوں کا ایک مزاج ہے۔ اور خاص طور سے اس دور میں تو ہر چیز پراسرار ہوگئی ہے۔

خوفناک، ہولناک، دہشت ناک اور پتہ نہیں کون کون سی ''ناکیں'' رسالوں کی شکل میں آ گئی ہیں۔ ہم ایک اور ''ناک'' آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ فکر نہ کریں اسے ''ناکوں'' میں شامل کرنے کے لئے ہم نے اسے ''نمناک'' یا ''غمناک'' بنانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ یہ بڑی ''خوش ناک'' کہانی ہے۔ اور اس طرح ہم نے ایک اور ''ناک'' ایجاد کر لی ہے۔ پراسرار کہانیوں میں ایڈونچر، سسپنس، کرائم سٹوری تو ہوتی ہی ہے لیکن ان میں مزاح کا عنصر شامل کرنا ایک مشکل کام ہے۔ زیرنظر ناول میں یہ انوکھی خوبی پیدا کی گئی ہے۔ فراعین مصر کی لا تعداد پراسرار کہانیوں میں اس حیرت انگیز داستان کی شمولیت ایک منفرد عمل ہے۔ جہاں اس میں لمحہ لمحہ سنسنی ہے، وہیں بے اختیار قہقہے بھی ہیں۔

یہ داستان اس سے پہلے ماہنامہ ''ایکشن'' میں ''سیاح'' کے نام سے قسط وار شائع ہو کر قارئین سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے اور ادارے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اپنے وقت کے اس مقبول سلسلے کو کتابی شکل میں شائع کر کے اپنے معیار کو برقرار رکھا ہے۔ ادارہ پورے اعتماد کے ساتھ یہ داستان پیش کر رہا ہے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ایم اے راحت کا قلم آپ کو مایوس نہیں کرتا۔

ادارہ

ایک خوفناک آواز اُبھری اور میں چونک کر رُک گیا۔ میرے ساتھی اس آواز کا سراغ لگانے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ لیکن قرب و جوار میں ہمارے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

''نیچے اترو!'' ہماری پارٹی کے لیڈر نے کہا جو بڑے بڑے گلچھوں والا بحری قزاق نما آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے اشارے پر ہم نیچے اُترنے لگے۔ پہاڑی ڈھلان دشوار گزار تھے اور ہمارے جسم زخموں سے چور۔ لیکن اس کے باوجود ہم نیچے اترتے رہے۔

ان ڈھلانوں کا اختتام جنگلوں پر ہوا تھا۔ شام جھک آئی تھی۔ بھوک پیاس سے بری حالت تھی۔ چنانچہ ایک جگہ قیام کا فیصلہ کیا گیا اور اس کے بعد ہم نے جو کچھ ہمارے پاس تھا، کھول کر سامنے رکھ لیا۔ پلاؤ، نرگسی کوفتے، دھنیے کی کھٹی کھٹی چٹنی۔ گلچھوں والے نے پلاؤ میں سے بوٹیاں چن کر نہایت کمینگی سے اپنی پلیٹ بھر لی۔ ''خدا تجھے غارت کرے۔'' میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ نرگسی کوفتوں کی تعداد بھی بہت کم تھی، لیکن ایک ہاتھ لگ گیا۔ البتہ چٹنی خاصی تعداد میں موجود تھی۔

پیٹ بھرنے کے بعد دل چاہ رہا تھا کہ کچھ دیر آرام کیا جائے لیکن وہ خبیث رُوح جو ہماری لیڈر تھی، گرج دار آواز میں بولی۔ ''ہمیں سفر جاری رکھنا ہے۔ دشمن مسلسل ہماری تاک میں ہے۔''

کوئی اس سے انحراف کی جرات نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ سب چل پڑے۔ آگے جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ پانی اور کیچڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رات ہو چکی تھی۔ ہم پنڈلیوں پنڈلیوں کیچڑ میں چل رہے تھے اور کیچڑ میں رینگتے کیڑے ہم سے کترا کر نکل رہے تھے۔ دفعتہً فائر کی آواز سنائی دی اور ہم چونک کر رُک گئے۔ میری آنکھیں اندھیرے میں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ دفعتہً تھپ سے کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور میں اُچھل پڑا۔ جنگی اصولوں کے مطابق مجھے فوری عمل کرنا تھا۔ چنانچہ میں نے اس ہاتھ کو پکڑ کر

زوردار جھٹکا دیا اور حملہ آور اُچھل کر میرے سامنے آ پڑا۔

''ارے تیرا ستیاناس..... ارے چھوڑ! ہائے میں مرگئی..... ارے پاگل ہو گیا ہے کیا؟ مارے گا.... ارے چھوڑ.....'' حملہ آور جدوجہد کرنے لگا اور اچانک روشنی ہوگئی۔ سورج نکل آیا..... اور یہ سورج میری کھوپڑی میں طلوع ہوا تھا سر میں چوٹ لگی تھی اور شاید سورج کے ساتھ کچھ ستارے بھی چمکے تھے۔ حملہ آور میری گرفت سے نکل گیا۔ لیکن یہ آواز..... میں نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اس بھیانک ماحول کو دیکھا۔ چھت کے ٹوٹے ہوئے تختے سے صبح جھانک رہی تھی اور پلنگ سے کچھ فاصلے پر خالہ شہادت اپنے ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں۔

''ارے باپ رے.....'' میں نے اچانک نعرہ لگایا اور پلنگ سے چھلانگ لگا دی۔

''نکل جا..... اسی وقت نکل جا..... خدا غارت کرے تجھے۔ نکل جا! کمبخت کہیں کا..... خدا کے لئے چھوڑ دے میرا پیچھا۔ کس عذاب میں گرفتار ہوگئی۔ اے اللہ! مجھے اس سے نجات دے۔ میرے مالک! نجات دلا دے اس سے۔ توڑ دیا اس ہاتھی نے میرا ہاتھ.....''

''شعر ہوگیا خالہ۔ ہاتھی اور ہاتھ۔ بخدا نثر میں شاعری، بندش الفاظ۔ واہ.....'' میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے خالہ کو مکھن لگایا۔

''نکل جا مرنے کے لئے۔ کب تک پالوں تجھ نکھٹو کو۔ آٹھ بج رہے ہیں صبح کے اور تو [illegible]ث صاحب کا بچہ ابھی تک بستر پر پڑا اینٹھ رہا ہے۔ کمبخت! یہ تو بتا کہ تو نے کیوں پکڑا تھا میرا ہاتھ؟ اب خوابوں میں بدمعاشی ہونے لگی۔ نہ بابا نہ! اب نہیں رکھوں گی میں تجھے ایک منٹ بھی اس گھر میں۔ چاروں طرف بہو بیٹیوں والے ہیں۔ اگر تیرے یہی لچھن رہے تو، تو میری عزت کی چادر پر چار چاند لگا دے گا۔ نکل جا کم بخت! میں کہتی ہوں نکل جا۔''

''وہ خالہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ تو جانتی ہیں کہ..... محلے میں آج تک کسی کو مجھ سے شکایت نہیں ہوئی۔ اور پھر خالہ! آپ خود سوچیں، کسی لڑکی کے ساتھ اتنا وحشیانہ سلوک تو نہیں کیا جا سکتا۔''

''پھر کیا مصیبت ٹوٹی تھی تجھ پر؟''

''دشمن تھا خالہ! خطرناک دشمن۔ اور فائر بھی ہوا تھا۔''

''فائر ہوا تھا۔ ارے کم بخت! بلی نے دودھ کی دیگچی پھینکی تھی۔''

''وہ بس! غلط فہمی ہوگئی خالہ۔ مگر میرے سر پر وار بھی ہوا تھا۔ اوہ، خالہ! میرا سر دیکھو۔''

''خالی دیگچی ماری تھی تیرے سر پر تو، تو میرا ہاتھ ہی توڑے دے رہا تھا۔ نامراد کہیں کا۔'' خالہ نے خطابات سے نوازتے ہوئے جواب دیا۔

''سب کچھ..... سب کچھ ٹھیک ہے خالہ۔ یہ خواب مجھے اس دنیا میں نہیں جینے دیں گے۔ چلا جاؤں گا خالہ اس گھر سے۔ آخری بار اور کہہ دیں۔'' میں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ بس اتنا ہی کہنا کافی ثابت ہوا۔ پھر ہمیشہ کی طرح خالہ پگھل گئیں۔ دودھ کے پیسے ہاتھ پر دھرے اور دیگچی اٹھا کر دی۔ اور میں دودھ لینے چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

اس کائنات میں خالہ کے علاوہ کوئی انسان باقی نہیں رہ گیا تھا۔ انسانیت تیسری جنگ عظیم سے پہلے فنا ہو چکی تھی، کم از کم میری ذات کے لئے۔ اور اب اس دنیا میں صرف دو ذی روح سانس لے رہے تھے، میں اور خالہ شہادت۔ نام ان کا شاید سعادت ہوگا۔ لیکن اہل خاندان تعلیم یافتہ تھے۔ انہوں نے ''س'' بولنا جہالت تصور کیا اور سعادت کو بزورِ عقل شہادت کر دیا۔ یا پھر مذہبی جوش اُبھر آیا ہوگا۔ کچھ بھی ہو، خالہ شہادت روح انسانیت تھیں۔ میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ بس! میں ان کی کسی رشتے دار بہن کے بیٹے کی صورت سے مشابہہ تھا جسے انہوں نے عالم جوانی میں گود لیا تھا اور جو سوکھے کے مرض میں گرفتار ہو کر چل بسا تھا۔

صورتوں کی مشابہت میری زندگی میں خاص دخل رکھتی ہے۔ بچپن تو یاد نہیں، ہاں! ہوش آیا تو لمبا کرتا پہنے، سر پر کالی رائے پوری ٹوپی لگائے، گلے میں کشکول ڈالے بسوں اور سڑکوں پر ''احسان یتیموں کی تقدیر پر کر ڈالو۔ فریاد ہے دل والو! فریاد ہے دل والو!'' کا راگ الاپتے ہوئے پایا..... پھر یتیم خانے کے سالانہ جلسے میں جمشید صاحب نے مجھے دیکھا۔ دیکھتے رہنے اور روتے رہے۔ پھر منشی صداقت علی سے بھیڑ بکریوں کی طرح سودا کر کے گھر لے گئے۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ میں ان کے مرحوم بیٹے کا ہم شکل تھا۔ زندگی بدل گئی۔ جمشید صاحب اور بیگم جمشید نے حق انسانیت ادا کر دیا۔ تعلیم دلائی، زندگی بنائی۔ لیکن تقدیر ساتھ نہ دے سکی۔ بی اے کیا تو جمشید صاحب دل کے دورے میں چل بسے۔ اس کے

بعد بیگم صاحبہ بھی جانبر نہ ہو سکیں۔

لے پالک کے لئے کوئی وصیت نہیں تھی۔ رشتے داروں نے چیل کوؤں کی طرح ورثے پر جھپٹے مارے اور سب کچھ نوچ لے گئے۔ میں نے رو رو کر فریاد کی کہ مرحومین ورثے میں مجھے بھی چھوڑ گئے ہیں۔ لیکن کسی نے مجھ پر جھپٹا نہیں مارا۔ میں نے بھی اپنی الگ دنیا بسانے کا فیصلہ کیا۔ رہائش کے لئے کسی نے ایک جگہ بتائی اور میں سر چھپانے کے ٹھکانے کی تلاش میں خالہ شہادت کے پاس آ گیا۔ خالہ شہادت نے ''میرا مجن'' کہہ کر مجھے گلے لگا لیا اور میں نے کہا۔ ''بالکل ٹھیک ہے۔''

منصور سے مجن بننے میں اگر رہنے کے لئے جگہ مل جاتی تو کیا برا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ حضرت مجن خود ملک عدم سدھار کر خالہ کی کھولی میں میرے لئے جگہ خالی کر گئے ہیں۔ احسان تھا ان کا۔ نہ مرتے تو کیا کرتا؟ بعد میں خالہ شہادت سے محبت ہو گئی۔ نرم دل خاتون تھیں۔ گالیوں کی فیکٹری لگا رکھی تھی اور عموماً اپنے کرایہ داروں کو بڑی فراخ دلی سے اپنی ''پروڈکٹس'' پہنچاتی رہتی تھیں۔ آنسو ان کی کمزوری تھے۔ اور اکثر کرایہ دار آنسو بہا کر چھ چھ ماہ کا کرایہ ہضم کر جاتے تھے۔ میری رہائش اور کھانا اب اُن کی ذمہ داری تھی۔ لیکن میں بھی بے غیرت انسان نہیں تھا۔ ایک سو بتیس روپے جو میرے کل اثاثہ کی صورت میں بطور نقد میرے پاس تھے، وہ میں نے خالہ شہادت کے حوالے کر دیئے تھے اور پانچ روپے روز اُن سے وصول کرتا تھا جنہیں وصول کرتے ہوئے تقریباً سوا سال سے زیادہ ہو گیا تھا۔

ہر بات کا احساس تھا مجھے۔ لیکن کیا کرتا؟ یہ بے التفات و بے ثبات دنیا اتنی آسان جگہ نہیں ہے کہ یہاں زندگی کے دن سکون سے گزارے جا سکیں۔ ضروریات انسانی نے جینے کے ڈھنگ بدل دیئے ہیں۔ اخلاقیات کی لغت تبدیل ہو گئی ہے۔ اب ہر شخص اوپر کی آمدنی کا خواہاں ہے۔ راحت جاں، مذہب پر فتح حاصل کر چکی ہے اور نئے طریق زندگی کے لئے پرانی اخلاقی، معاشرتی اقدار پر مشتمل لغت کے دوسرے رُخ یعنی منفی پہلو پر عمل کیا جا رہا ہے۔

بی اے پاس شخص کو ملازمت نہیں ملتی، یا پھر اس میں بی اے کا تصور بھی نہیں ہے۔ قصور کس کا ہے؟ یہ ایک طویل بحث ہے اور اس طویل بحث میں اُلجھا کر میں آپ کو بور نہیں کروں گا۔ ایک سال تک محاورتی جوتیاں گھسنے کے بعد بھی جب ملازمت کا حصول ممکن نہ

ہو سکا تو میں نے بھی اس دنیا کو ''بالکل ٹھیک ہے۔'' قرار دے دیا۔ ملازمت ہے، سفارش نہیں ہے۔ ''بالکل ٹھیک ہے۔'' آخر سفارش کے بغیر ملازمت کیسے دی جا سکتی ہے؟ گریجویشن سرٹیفکیٹ کو میں نے خالہ کے آثار قدیمہ ٹائپ کے صندوق میں اس لئے چھپا دیا تھا کہ کہیں گریجویٹ ہونے کے الزام میں نہ پکڑ لیا جاؤں۔ اس کے بعد دنیا کو سمجھنے کی کوشش شروع کر دی۔ یعنی پلمبروں کی ضرورت کا اشتہار شائع ہوا تو انٹرویو دینے پہنچ گیا اور خلاف توقع اپنی ذہانت سے صحیح جواب دے کر منتخب ہو گیا۔ لیکن تیسرے دن مجھ سے سوال کیا گیا کہ میں نے پلمبری کہاں سے سیکھی تو جھوٹ نہ بولا۔ ''پھر یہ نوکری تمہیں کیسے دی جا سکتی ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اسی طرح وی سی آر مکینک، الیکٹریشن، ٹیلی فون آپریٹر اور نہ جانے کیا کیا بن چکا ہوں اور تجربہ حاصل کرنے کے لئے کی بورڈ پر ٹرنک کالیں، ڈسکنکٹ کیس، شارٹ سرکٹ، اوپن سرکٹ میں بدل دیئے اور دو بار کرنٹ کھایا اور مین فیوز اُڑ جانے پر بونس کے طور پر گالیاں بھی۔ ٹریکنگ درست کرنے کی بجائے ہیڈ اُڑائے اور بطور معاوضہ جوتوں سمیت اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا۔ لیکن میرا جواب ایک ہی ہوتا ہے۔ ''بالکل ٹھیک ہے۔'' اور حقیقت بھی یہی ہے۔ سب کچھ بالکل ٹھیک ہے۔ کیونکہ اس شخص کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے جو کچھ ٹھیک نہیں کر سکتا۔

نا آسودہ تمناؤں کو آسودگی میں ڈھالنے کا ایک خوبصورت طریقہ آپ کو بھی بتا دوں، جو زندگی کو زندہ رکھنے میں نہایت ہی معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے، اور وہ ہے خواب دیکھنا۔ آہستہ آہستہ مشق کریں۔ انشاء اللہ جلد ہی مہارت حاصل کر لیں گے۔ ان خوابوں کو دیکھنے کے لئے نیند آنا ضروری نہیں ہے۔ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیجئے اور خود کو جو دل چاہے، بنا لیجئے۔ کوئی دقت نہیں ہو گی اور اتنا سکون ملے گا کہ آپ اس کو لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر رہیں گے۔

ہاکی میچ کھیلا جائے تو سمیع اللہ سے کہیں تیز دوڑ کر گیند گول میں پھینکا۔ ٹیلر کی ایسی تیسی کر دی ایک گول جو روک سکا ہو میرا۔ میانداد نے شارجہ میں صرف ایک چھکا مارا تھا۔ لیکن میں بار ہا اٹھے لگا چکا ہوں۔ اور میری گیند نہ صرف باؤنڈری لائن عبور کرتی ہے بلکہ تماشائیوں کو بھی عبور کر کے فضائے بسیط کی وسعتوں میں گم ہو جاتی ہے۔ اکثر فضائی

لیبارٹریاں خلاء سے میری گیندوں کے بارے میں اطلاع دے چکی ہیں اور اس کے بعد انعامات کی جو بارش ہوتی ہے، نا قابل بیان ہے۔ لا تعداد ہندوستانی اداکارائیں مجھے شادی کے پیغامات بھیج چکی ہیں۔ کبھی میڈیسن اسکوائر گارڈن نکل جاتا ہوں تو امریکی پہلوانوں میں کھلبلی مچ جاتی ہے۔ خاص طور پر اپنے کئی ناپسندیدہ پہلوانوں کی تو میں اتنی پٹائی کر چکا ہوں کہ اب وہ میرے نام ہی سے خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ گریک ویلنٹائن کی کمر کی ہڈی توڑ دی ہے میں نے۔ ووڈی پائپر اور بوب آرٹن اپنی حرکتیں بھول چکے ہیں۔ آئرن شیخ کے نوکیلے جوتے کو میں نے اس کی کھوپڑی پر اتنا بجایا ہے کہ بہت سی نئی دُھنیں ایجاد ہوگئی ہیں۔ بات یہیں تک نہیں ہے۔ بین الاقوامی سیاست میں بھی میرا بڑا دخل ہے۔ ہٹلر نے بڑے حسرت بھرے لہجے میں مجھ سے کہا تھا کہ کاش ماسکو کا رُخ کرتے ہوئے میں تم سے مشورہ کر لیتا وغیرہ وغیرہ۔ خوابوں کی سرزمین میں جا کر واپس آنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ صبح ہوتے ہی شہادت خالہ کی دہاڑیں مجھے اس بے کیف و ناآسودہ زندگی میں واپس آنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

''کام چور، آوارہ، نکھٹو! تو زندگی بھر کچھ نہیں کرے گا۔ دیر تک سونے والے کبھی اپنی زندگی میں کامیاب نہیں ہوتے۔'' خالہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ کرائے کی کھولی کی تلاش میں آیا تھا اور ان کی ایک کمزوری بن گیا۔ خالو مرحوم پانچ چھ کھولیاں چھوڑ گئے تھے جو خالہ کی کفالت کرتی تھیں۔ ورنہ ان کا ذریعہ آمدنی ہی کیا تھا؟

شکل وصورت کا تعارف بھی ضروری ہے۔ ورنہ آپ کے ذہن میں کہانی کا ہیرو تخلیق نہیں ہوگا۔ مگر شکل وصورت کے بارے میں کیا کہوں؟ میں ساری دنیا کا ہمشکل تھا۔ رچرڈ برٹن جیسی آنکھیں، ٹونی کرٹس جیسا چہرہ، دلیپ کمار جیسی مسکراہٹ۔ بس آپ اپنے کسی بھی پسندیدہ ہیرو کی شکل میں مجھے دیکھ سکتے ہیں۔

پروفیسر بیگ نے ایک بار مجھ سے کہا تھا۔ ''مسٹر منصور! تمہارا چہرہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ میں اپنے تمام تر تجربے کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایسے پراسرار چہرے دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں۔ اور یہی تمہارے خدوخال میں ایک عجیب بات ہے۔''

''کیا پروفیسر؟'' میں نے پوچھا تھا۔

''تمہارے نقوش انسان کی نگاہ کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ میں اس چہرے کو

آج تک نہیں پڑھ سکا۔ اگر یونان ذہن میں آئے تو تم میں یونان کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ روس کے بارے میں سوچا جائے تو تم روسی نظر آتے ہو۔ مغل دربار ذہن میں ہو تو شہزادہ سلیم۔''

پروفیسر بیگ معمولی شخصیت نہیں تھے۔ ملک کے بہت بڑے آدمی تھے۔ بے شمار موضوعات پر کتابیں لکھ چکے تھے، جن کی بڑی حیثیت تھی۔ کھولی کے آس پاس رہنے والی بہت سی نوجوان لڑکیاں میرا چہرہ دیکھ کر اپنی صبح کا آغاز کرتی تھیں۔ جسمانی حالت بھی قابل رشک ہے۔ خدا کے فضل سے مجھے کوئی بیماری یاد نہیں۔

☆.....☆.....☆

''کیا بات ہے بھائی؟'' خان صاحب کی آواز سنائی دی۔ جن کے سامنے میں دودھ کی دیگچی لئے کھڑا تھا۔

''جاپانی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''ایک قطرہ نکل آئے تو پانچ سو روپے دوں گا۔ بدنام کرتے ہو مجھے؟ اللہ کے فضل سے حلال رزق کماتا ہوں۔''

''جی؟'' میں نے تعجب سے کہا۔

''تم نے یہ الزام لگایا کیسے؟''

''کون سا الزام؟''

''پانی ہے میرے دودھ میں؟''

''آدھا سیر دودھ دے دیں۔ ویسے میں نے پانی نہیں، جاپانی کہا تھا جن کے علاقے میں، میں رات کو جا نکلا تھا۔''

خان صاحب بھلا میری بات کیا سمجھتے؟ آدھا سیر دودھ لیا اور واپس چلا آیا۔

''دودھ لینے گیا تھا یا بھینس؟'' خالہ شہادت نے آنکھیں نکالتے ہوئے اپنے روایتی انداز میں کہا۔

''بھینس اس دیگچی میں کیسے آتی خالہ؟''

''پانی پک پک کر ختم ہو گیا۔ پتی پیندے سے لگ کر کوئلہ بن گئی اور میں نگوڑ ماری تیرا انتظار کرتی رہی کہ کب لاٹ صاحب دودھ لے کر آئیں اور میں چائے بناؤں۔ اب دے

بھی دے کمبخت.....'' آج کے دن کی دوسری خوراک دیتے ہوئے خالہ شہادت نے دودھ کی دیگچی میرے ہاتھ سے چھین لی۔

''ہائے خالہ! یہ چائے تو دو آتشہ ہو گی۔ بالکل تمہارے مزاج کی طرح۔ بس! جلدی سے لے آؤ''

''ہاں! باندی ہوں تیری۔ بس تو خواب دیکھتا رہ زندگی بھر۔ کچھ نہیں کرنے کا تو۔ میں جانتی ہوں، تو کچھ نہیں کرنے کا سوائے ریشم کی جان کی طرح چارپائی پر پڑا رہنے کے۔''

''نہیں خالہ! اب ایسا بھی نہیں۔ منہ دھو سکتا ہوں۔ کلی کر سکتا ہوں اور پھر چائے پی سکتا ہوں۔ آپ دیکھتی رہیں۔'' میں نے کہا اور منہ دھونے چلا گیا۔

آج بھی انٹرویو تھا۔ کیونکہ درخواستیں دینا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ اگر جواب آ جاتا تو انٹرویو بھی دے ڈالتا۔ لیکن اس کھیل کا نتیجہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ دفتروں کے افسروں کا ایک محبوب مشغلہ ہوتا ہے، نوجوانوں کو احساس دلانا کہ تم دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے سوائے انٹرویو دے کر فیل ہونے کے۔

تین مد مقابل تھے۔ تینوں خرانٹ۔ ''ریاض کہاں ہے؟'' ان میں سے ایک نے کہا۔

''نوکری مل گئی ہو گی تو دفتر میں، ورنہ سڑکوں پر۔''

''نہر سوئز کتنی لمبی ہے؟''

''مصر بھیج دیجئے۔ پیمائش کر کے بتا دوں گا۔''

''مذاق کرنے آئے ہو؟''

''جی ہاں!''

''واپسی کا کیا لو گے؟''

''ٹوٹے ہوں تو سوا دو روپے دے دیجئے، ورنہ کوئی بات نہیں ہے۔ خدا حافظ!'' میں اٹھ کر باہر نکل آیا اور انٹرویو لینے والے میری صورت دیکھتے رہ گئے۔ سنجیدہ ہو کر کیا کرتا؟ نوکری کسی کو مل چکی ہو گی۔ یہ تو صرف دفتری کارروائی ہوتی ہے۔

اس طرح کے انٹرویو دینے کے بعد دیر تک میں ذہنی کرب کا شکار رہتا تھا اور اس کرب تحت اس کرب کو دور کرنے کے لئے کوئی پرسکون گوشہ درکار ہوتا تھا جہاں بیٹھ کر خود کو خوابوں کی جنت میں گم کر دوں۔ اور ایسے پرسکون گوشے میں نے منتخب کر رکھے تھے۔ چنانچہ بس میں بیٹھ کر چلا

پڑا۔

معمولات مختلف نہیں تھے۔ ملازمت کے اشتہاروں اور ان کے ذریعے کی جانے والی پر لطف تفریحات کو مجھ سے زیادہ اور کون جانتا تھا؟ نفرت تھی مجھے اس دنیا سے۔ اس کے اصولوں سے۔ اس کی بنائی ہوئی اقدار سے جو کسی کو کچھ نہیں دیتے۔ خالہ شہادت خود ایک غریب عورت تھی۔ اگر خالو مرحوم یہ کھولیاں نہ چھوڑ گئے ہوتے تو وہ نہ جانے کب کی بھوک سے بلک بلک کر دم توڑ چکی ہوتی۔ اس وقت مجھ جیسا کوئی شخص اس کی کفالت نہ کرتا۔ کون ان بوڑھی ہڈیوں کو سمیٹتا؟ مجھے اس پر بوجھ نہیں بننا چاہئے.....

ایسے خیالات ایسے پرسکون گوشوں میں بیٹھ کر بارہا میرے ذہن میں آئے تھے۔ بارہا میں نے دن کی روشنی میں بیٹھ کر سوچا تھا کہ آج رات واپس خالہ کی کھولی میں نہیں جاؤں گا۔ لیکن شام ہوتے ہی میرے قدم کسی مے کش کی مانند ساقی خانے کی سمت اٹھ جاتے تھے۔ کہاں جا سکتا تھا وہاں کے علاوہ؟''

سمندر کی لہریں ساحل سے سر پٹخ رہی تھیں۔ دُور دُور تک ریت کے خاموش ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان کہیں زندگی کا وجود نہیں تھا۔ ساری کائنات میں صرف دو ذی روح تھے۔ صرف دو.....خالہ اور میں۔

لیکن یہ خیال قائم نہ رہ سکا۔ کچھ اور لوگ بھی کسی اجنبی سیارے سے آ گئے تھے۔ وہ سرخ رنگ کی ایک کار میں یہاں آئے تھے۔ کار ساحل سے کچھ فاصلے پر رُک گئی اور دو افراد نیچے اُترے۔ خوبصورت نیلگوں اسکرٹ میں ملبوس ایک لڑکی اور گرے رنگ کے کوٹ پتلون میں ملبوس مرد۔ لڑکی نوجوان تھی۔ اس کے رنگے اور تراشے ہوئے براؤن بال ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ مرد کا سر گنجا تھا اس لئے ہوائیں صرف اس کی خالی کھوپڑی چھو سکتی تھیں۔ دونوں ساحل کی طرف چل پڑے اور پھر لہروں سے بچ بچ کر چہل قدمی کرتے رہے۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ بوڑھے شوہر کی نوجوان بیوی.....اس کے چلنے کا انداز بوڑھے سے رغبت نہیں ظاہر کرتا تھا بلکہ اس میں بیزاری پائی جاتی تھی۔ شاید زندگی کا کوئی اہم فیصلہ کرنے وہ اس ویران ساحل پر آئے تھے۔ حالات نے اس نوجوان حسینہ کو کسی مجبوری کے تحت اس بڈھے طوطے سے منسوب کر دیا ہو گا۔ لیکن اب صورت حال لڑکی کی قوت برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہو گا کہ اب وہ کسی قیمت پر اس کے

ساتھ نہیں رہ سکتی اور بوڑھے نے اس سے کہا ہوگا کہ وہ آخری بار سوچ لے۔

دفعتہً ان کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ اس طرح چونک پڑے جیسے انہوں نے بھوت دیکھ… ہو۔ ان کے قدم جم گئے تھے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ وہ مجھے دیکھ سکتے تھے اور میں انہیں… پھر اچانک لڑکی برق رفتاری سے میری طرف بڑھ آئی۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ نزدیک سے خدوخال اور بھی حسین نظر آنے لگے۔ ان حسین آنکھوں میں حیرت… سمندر موجزن تھا۔

"میرے خدا! دانش..... تم دانش ہو؟"

"ب..... بالکل..... بالکل ٹھیک۔" میری زبان سے عادتاً نکل گیا۔

"مسٹر عبداللہ..... مسٹر عبداللہ..... جلدی ادھر آئیے۔ میرے خدا....."

بوڑھا شخص بھی قریب آ گیا۔ دونوں پاگلوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے۔ پھر بوڑھے نے کہا۔ "بخدا! دانش..... یہ دانش ہی ہے۔"

"ہاں..... اس نے تسلیم کیا ہے۔" لڑکی بولی۔

"تمہارا نام دانش داؤدی ہے نا؟" بوڑھے نے تصدیق چاہی۔

پہلی بار میں نے عادتاً "بالکل ٹھیک" کہہ دیا تھا۔ لیکن اب صورت حال بالکل مختلف تھی۔ کوئی خاص ہی بات تھی۔ دفعتہً ذہن کی ایک کھڑکی کھل گئی۔ میں اس کائنات میں بہ… سوں کا ہم شکل ہوں..... پروفیسر بیگ کے الفاظ کانوں میں گونج اٹھے۔ "تمہارا چہرہ دنیا… آٹھواں عجوبہ ہے۔" تو کیوں نہ اس عجوبے سے فائدہ اٹھاؤں..... ایک چرخی سی گھوم… خیالات کی۔ مجھ جیسے دنیا سے اکتائے ہوئے انسان کے لئے کون سی جگہ غلط ہو سکتی… کون سی صحیح؟ اس کا فیصلہ کرنا حماقت تھی۔ یہ لوگ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ ان کی نگاہ میں د… کی کیا حیثیت ہے؟ میں نہیں جانتا تھا۔ لیکن زندگی میں کچھ تبدیلی تو ہو۔ اس لئے ا… منصوبہ ذہن میں آ گیا۔

میں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔ "ہاں! شاید..... یہی نام ہے میرا۔"

"شاید نہیں، حقیقتاً رباب! شاید تقدیر ہی ہمیں یہاں لائی تھی۔ میرے خدا! میں… بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ سفر ایک اہم حیثیت اختیار کر جائے گا۔ اب لطف آئے گا۔ اب… آئے گا۔ وہ شیطان کی اولاد خود کو بہت ذہین سمجھتی تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس نے دانش…

زندہ کیسے چھوڑ دیا۔ اٹھو دانش! تمہاری زندگی سے برا دور ختم ہو گیا ہے۔ اب تم ایک نئی زندگی کے مالک ہو گے۔ اٹھو میرے بچے۔"

جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑوں۔ الفاظ ایسے تھے، کاش یہ حقیقت بن جائیں۔

میں سعادت منڈی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لڑکی جس کا نام رباب لیا گیا تھا، بہت پرجوش نظر آ رہی تھی۔ سرخ کار میں بوڑھا میرے برابر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور لڑکی نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور پھر کار ریورس ہو کر چل پڑی۔ ہنسی بھی آ رہی تھی، حسرت بھی تھی دل میں، کاش میں کھویا ہوا دانش ہی ہوتا۔ بہرحال حرج بھی کیا تھا۔ جب تک دانش بن سکتا ہوں، دانش بنا رہوں اور جب اصل دانش مل جائے تو..... کچھ تو تبدیلی ہو گی زندگی میں۔ اپنے آپ کو کسی دھوکہ دہی سے بچانے کے لئے بس تھوڑی سی اداکاری کی ضرورت تھی۔

کار ایک خوبصورت سے ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں داخل ہو گئی۔ زندگی میں پہلے کبھی اس ہوٹل کے کمپاؤنڈ تک میں داخل ہونے کی جرات نہیں ہوئی تھی۔ دانش زندہ باد، بلکہ مردہ باد تاکہ دیر تک یہ ڈرامہ چل سکے۔ مجھے ہوٹل کے ایک کمرے میں لایا گیا۔

بوڑھے نے کہا۔ "میں واپس جاؤں گا رباب! کچھ لوگوں کو ٹیلکس دینے ہیں تاکہ وہ پہلے سے تیار رہیں۔ تم مسٹر دانش کو سنبھالو۔"

"اوکے مسٹر عبداللہ! آپ اطمینان رکھیں۔" ساری گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔ لیکن یہ انگریزی ذرا مختلف انداز میں بولی جا رہی تھی، جس سے احساس ہوتا تھا کہ وہ لوگ مقامی نہیں ہیں، بلکہ کسی اور ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ بوڑھے کے جانے کے بعد لڑکی مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اتنی صاف اور حسین مسکراہٹ اتنے قریب سے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ حسینہ بھی مسکراتی تھی اور نازنین بھی۔ لیکن نازنین کے دانت پان سے رنگے ہوئے تھے اور حسینہ کے دانت اوپر نیچے تھے۔ دونوں محلے کی لڑکیاں تھیں۔ جو مجھے دیکھ کر مسکرانا فرض سمجھتی تھیں، لیکن اس وقت جب کوئی آس پاس نہ ہو۔ اس مسکراہٹ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ لیکن اداکاری کرنی تھی تاکہ کچھ وقت تو چل جاؤں۔ نئے دور کی اس زندگی سے کیف اور سرور حاصل کر سکوں۔ اس طرح کم از کم زندگی سے یہ جمود تو ٹوٹے گا۔ ملازمت تقدیر میں نہیں تھی۔ دنیا میں رہنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی میرے لئے۔ بقول پروفیسر بیگ کے کہ اگر یہ چہرہ کچھ لمحات کی شگفتگی بن جائے تو کیسا حرج ہے؟ چنانچہ مجھے اب یہ بات ان

لوگوں کو باور کرانی تھی کہ میں دانش ہی ہوں۔

دانش کیا ہے؟ اس کے بارے میں بھی مجھے پوری سنجیدگی سے، غیر محسوس طریقے سے ان ہی لوگوں سے معلومات حاصل کرنی تھیں۔ ویسے میں جانتا تھا کہ اس قسم کی غلط فہمیاں زیادہ عرصے نہیں چلتیں۔ گمشدہ دانش کسی نہ کسی دن، ان لوگوں کو مل ہی جائے گا۔ لیکن جب تک وہ نہ ملے، اس کا قائم مقام بنے رہنے میں کیا حرج ہے؟ پراسرار حسین لڑکی عبداللہ کی ہدایت کے مطابق مجھے سنبھالے ہوئے تھی۔ ان حالات میں مجھے کیا کرنا تھا، یہ بھی میں اچھی طرح جانتا تھا۔ چنانچہ میرے انداز میں کھویا کھویا پن برقرار رہا۔ اس کی مسکراہٹ کے جواب میں، میں نے مسکرانے کی کوشش نہیں کی۔ تب وہ آہستہ سے بولی۔ ''تمہارا لباس بہت بوسیدہ اور پرانا ہے دانش! ہوٹل کے گراؤنٹ فلور پر کچھ سٹورز ہیں۔ مجھے وہاں تک جانے کی اجازت دو۔ دروازہ کھلا چھوڑ دینا۔ تم چاہو تو غسل کر سکتے ہو۔''

میں نے ایک بار پھر کہنے کی کوشش کی کہ ''بالکل ٹھیک ہے'' لیکن اب یہ جملہ ضرورت سے زیادہ ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے دانش کو یہ کہنے کی عادت نہ ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو روک لیا۔

لڑکی باہر نکل گئی تھی۔ مجھے غسل خانے میں جانے کی جلدی بھی نہیں تھی۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ مجھے اس کی ہدایت پر عمل کرتے رہنا چاہئے۔ چنانچہ میں باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ کیا حسین جگہ تھی۔ میں نے تو زندگی میں کیا، کبھی خواب میں بھی ایسے ہوٹلوں کے اندرونی ماحول کا تصور نہیں کیا تھا۔ کیا دنیا ہے، ایک سمت انسان گھاس پھونس کی چھت کی محرومی سے بے نیاز ہو کر فٹ پاتھ اور گندے نالوں کے کنارے سو کر زندگی گزارتے ہیں، دوسری طرف انہی جیسے انسانوں کے لئے یہ ہوٹل تعمیر کئے گئے ہیں جو الف لیلیٰ کے ابوالحسن کی داستان معلوم ہوتے ہیں۔ بہر طور جو کچھ کرنا ہے، جلد از جلد کر لینا چاہئے۔ کون جانے کب دانش انہیں واپس مل جائے اور میں اس انٹرویو میں بھی فیل ہو جاؤں۔

جدید طرز کے غسل خانے میں آنے کے بعد باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ پھر ہلکی سی دستک ہوئی اور رباب کی آواز سنائی دی۔ ''یہ کپڑے لے لو دانش! میں باہر موجود ہوں۔ یہ بتاؤ! کافی پیو گے یا چائے؟''

کافی کی سوندھی سی خوشبو دماغ میں چڑھ گئی تھی اور میں نے جلدی سے جواب دیا۔

''کافی۔''

''او کے!'' وہ بولی اور لباس میرے ہاتھ میں دے کر پیچھے ہٹ گئی۔

سبحان اللہ۔ لباس تھا کہ آسمان پر تیرتے ہوئے ریشمیں بادل۔ بہت حسین سلک کا سلیپنگ گاؤن تھا، جو خوبصورت طرز میں تراشا گیا تھا۔

میں غسل کرنا بھول گیا۔ ویسے بھی تقریباً فارغ ہو گیا تھا۔ یہ لباس پہننے کی آرزو دل میں مچلنے لگی۔ بدن پر پہنچ کر کیسا لگتا ہو گا؟ اور پھر جب میں نے بدن خشک کر کے سلیپنگ سوٹ اور اوپر سے گاؤن پہنا تو آپ یقین کیجئے یہی محسوس ہوا جیسے امریکہ کے نئے صدر کا عہدہ مجھے ملنے والا ہو۔ کیا شان تھی۔ کیا وقار تھا۔ میں آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ رہا تھا اور خود نثار ہوا جا رہا تھا۔ کیا حیثیت رکھتا ہے گریگوری پیک یا کیا حیثیت رکھتا ہے رچرڈ برٹن اب میرے سامنے؟ البتہ یہ تمام حیثیت عارضی تھی۔ لیکن ابوالحسن کو بھی تو رات ہی کے لئے بادشاہت ملی تھی۔ جب تک بھی چل جائے، بالکل ٹھیک ہے۔

باہر نکلا تو رباب کی آنکھیں میری منتظر تھیں۔ مجھے اس کی مسکراہٹ ساکن اور اس کے چہرے کے رنگ میں تبدیلی رونما ہوتی محسوس ہوئی۔ اور پھر اس کے نقوش میں والہانہ پن اور نظروں میں بے خودی نظر آنے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب پہنچ گئی۔ میرا بازو پکڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا نشہ تیر رہا تھا۔ لیکن صرف چند لمحات کے لئے۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس کے تاثرات کا جائزہ میں بخوبی لے رہا تھا۔ لیکن ان تمام چیزوں سے اجنبی بنے رہنا ہی میری کامیابی کی دلیل تھی۔ وہ مجھے میز تک لے آئی جہاں کافی رکھی ہوئی تھی۔

حسین برتن تھے۔ کافی کے ساتھ ہی مختلف اقسام کے سینڈوچز اور بسکٹ وغیرہ تھے۔ دل تو چاہا کہ رباب کو اٹھا کر باہر پھینک دوں اور یہ سب کچھ خود ہی کھا جاؤں ورنہ وہ اس میں حصے دار ہو گی۔ لیکن پھر طبیعت کے اس چھوٹے پن کو خود ہی سنبھالا اور اس پر ندامت محسوس کی۔ کھانے کے دوران بھی بڑی نفاست کا ثبوت دیا تھا۔ جو میرے ذہن و دل پر بارگراں تھا۔ لیکن اس ڈرامے کے کردار کی طلب تھی۔

رباب نے خود ہی مجھے کافی بنا کر دی اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''تم کہاں گم ہو گئے تھے

دانش؟ یہاں کیسے پہنچ گئے؟ کچھ اپنے بارے میں بتاؤ تو سہی۔''

''بالکل..... بالکل ٹھیک۔'' میں نے ایک بار پھر اپنے آپ کو سنبھالا اور اس کے فوراً بعد کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولا۔''میں نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ بس..... تم نے مجھے دانش کہہ کر پکارا تو میرے ذہن میں یہ بات اُبھری کہ میں دانش ہوں۔ ہاں..... میں دانش ہی تو ہوں۔ لیکن میں کیوں دانش ہوں؟ اس بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اوہ ڈیئر! عبداللہ کا کہنا درست تھا۔ یقیناً تم پر بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔ یقیناً تمہیں ذہنی طور پر ناکارہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن فکر مت کرو۔ دماغ پر زور دو۔ آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آ جائے گا۔ سب کچھ.....'' رباب نے کہا۔

''اس کے باوجود میں اپنی ذات کی شناخت کا خواہاں ہوں۔ میرے ذہن میں ہر وقت کرب سا رہتا ہے۔ میرا دماغ دُکھتا رہتا ہے۔ کوئی مجھے ماضی بتا دے۔ تم رباب ہو نا؟''

''ہاں دانش! ہاں..... میں رباب ہوں۔ عبداللہ ایڈووکیٹ کی بھتیجی۔ میری تم سے ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ آہستہ آہستہ تمہیں یاد دلاؤں گی۔ کیرونا کی وہ رات یاد ہے جب کیرونا کے ہال میں آگ لگ گئی تھی اور تم مجھے اس طرح اپنے بازوؤں میں اٹھا کر لے آئے تھے، جیسے میں پھول ہوں۔''

''کیرونا..... آگ؟'' میں نے دونوں آنکھیں بھینچ کر سر کو جھٹکا دیا۔

وہ اپنا نرم و ملائم ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے بولی۔''نہیں دانش..... کچھ یاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم اپنے بارے میں جاننا چاہتے ہو۔ میں تمہیں مختصر الفاظ میں بتا دیتی ہوں۔ لیکن اپنے ذہن پر زور مت دینا۔ رفتہ رفتہ خود ہی تمہیں سب کچھ یاد آ جائے گا۔ کافی پیو۔ پلیز! کافی پیو۔'' اور میں اس کی ہدایت پر عمل کرنے لگا۔

رباب کا رویہ بہت ہی دلآویز اور محبت سے سرشار تھا۔ کافی ختم کرنے کے بعد اس نے مجھے بستر پر لیٹ جانے کے لئے کہا اور خود ایک آرام دہ کرسی میں نیم دراز ہو گئی۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میرے لئے تو سوچنے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ حالات روز روشن کی طرح عیاں تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔''مسٹر عسکری کا نام تمہارے ذہن میں آتا ہے دانش؟''

میں نے اس کی جانب گردن گھمائی اور چند لمحات اس کے دلکش چہرے کو دیکھتے رہنے

کے بعد کہا۔''ہاں! یہ نام، کان آشنا ہے۔''

''اور صندل؟'' رباب بولی۔

''تم ایسے نام لے رہی ہو، جو میرے ذہن کے پردوں پر ضرب تو لگاتے ہیں لیکن ان کی صورتیں میری نگاہوں میں نمایاں نہیں ہوتیں۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ..... کچھ تو بتاؤ۔ یہ نام میرے ذہن کو کیوں ٹٹولتے ہیں؟''

''اس لئے دانش کہ ان ناموں کا تمہاری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔ کچھ زر پرستوں نے تمام انسانی رشتوں کو بھلا کر حصول زر کے لئے تمہاری زندگی تباہ کر دی ہے۔ عسکری تمہارے والد ابوداؤد کے جگری دوست تھے۔ خود بھی ایک بزنس مین۔ بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ ابوداؤد کے حاشیہ بردار۔ ان کا کاروبار ابوداؤد ہی کے ذریعے چلتا تھا۔ پھر انہوں نے ابوداؤد کے خلاف ایک سازش کی اور ابوداؤد نے خودکشی کر لی۔ یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں، بلکہ شاید صرف مسٹر عبداللہ کہ درحقیقت ابوداؤد نے عسکری کی وجہ سے خودکشی کی تھی اور عسکری نے نہایت چالاکی سے خود کو ساری دولت کا متولی بنا لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ تمہارے سرپرست بھی بن گئے تھے۔ کیا کہوں مسٹر عسکری کو۔ ایسی پرنور شخصیت کے مالک ہیں کہ دیکھنے والے ان پر ایمان لے آئیں۔ لیکن درحقیقت وہ شیطان کا دوسرا روپ ہیں۔ یہ بات میرے اور مسٹر عبداللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔''

''اوہ..... پھر کیا ہوا؟''

''عسکری مختلف ذرائع سے ابوداؤد کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے میں کوشاں رہے۔ لیکن انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں کسی وقت تم ان سے اپنے والد کی دولت کا حساب طلب کر کے ان کی گردن میں پھانسی کا پھندہ نہ بن جاؤ۔ چنانچہ مختلف طریقوں سے وہ تمہیں اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کرتے رہے اور جب وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو ایک رات..... ایک رات تم مصر سے غائب ہو گئے۔''

''م..... مصر سے.....'' میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔ کیا تم مصر کے باشندے نہیں ہو؟''

''جب..... بالکل ٹھیک۔ فراعین کے مقبرے اور ابوالہول..... سب کچھ میری نگاہوں میں آتا ہے۔ آہ! یقیناً میں راتوں کو ان کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ یہ سوچتا رہا ہوں

کہ ان چیزوں سے میری زندگی کا کیا تعلق ہے؟ لیکن یہ کہانی مجھے یاد نہیں آتی۔''

''اور اب؟''

''اب بھی مجھے یہ صرف ایک کہانی سی لگتی ہے۔ ایک ایسی کہانی جو بچپن میں سنی جائے اور ذہن و دل پر نقش ہو جائے۔''

''بلا شبہ۔ ان شیطانوں نے تمہارے ساتھ کوئی ایسا ہی عمل کیا ہے جس سے تمہاری یادداشت کو گھن لگ چکا ہے۔ لیکن میں تمہیں تمہاری پرانی زندگی میں واپس لاؤں گی۔ ہم دونوں چچا بھتیجی نے پہلے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ عسکری نے ضرور تمہارے ساتھ کوئی چال چلی ہے۔ لیکن افسوس! کوئی ثبوت نہ ہونے کی بناء پر ہم اس فریب کو دنیا کے سامنے نہیں لا سکے۔ اور اب جب کہ تم مل گئے ہو تو تم یقین کرو! ہماری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ مسٹر عبداللہ بھی معمولی انسان نہیں ہیں۔ میرے چچا، یوں سمجھ لو کہ حسن عسکری کی ٹکر کے آدمی ہیں۔ ہم تمہیں تمہارا منصب دلا کر رہیں گے دانش! یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اے دانش! کہیں تو زندہ نہ ہو۔ اے عسکری! کہیں تو نے کوئی اوچھا وار نہ کیا ہو کہ دانش منظر عام پر آ جائے اور میرا راز کھل جائے..... دل ہی دل میں، میں نے خالہ شہادت سے معذرت کی کہ پیاری خالہ جان! میں زندگی کے نئے سفر پر چل پڑا ہوں۔ آپ کا حساب کتاب سود در سود چکا دوں گا اگر اس سفر میں مجھے میری منزل مل جائے۔

لیکن اپنی تقدیر کی کھوٹ کو بھی پہچانتا تھا اور مجھے یقین تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر دانش پستول لئے ہوئے عسکری کے سامنے آ جائے گا۔ بہر طور وہ جب تک نہیں آتا، اس کی حیثیت اختیار کئے رہنے میں کیا حرج ہے؟ میں دعویٰ تو نہیں کر رہا کہ میں ہی دانش ہوں۔ بس یہ لوگ مجھے یاد دلا رہے ہیں اور مجھے یاد آتا جا رہا ہے۔

رات کو تقریباً ساڑھے دس بجے تھے جب مسٹر عبداللہ واپس آ گئے۔ صحت مند چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا۔ ہم سے پوچھا کہ ہم نے رات کا کھانا کھا لیا یا نہیں؟ جب نفی میں جواب ملا تو انہوں نے بھوک کی شکایت کرتے ہوئے کہا فوراً کھانا منگوایا جائے۔ کھانے کے دوران رباب مسٹر عبداللہ سے ان کی کارروائیوں کے بارے میں پوچھتی رہی۔

''ان تمام لوگوں کو چوکس کر دیا گیا ہے جو قاہرہ میں ہمارا استقبال کریں گے اور کل دن

کی روشنی میں، میں دانش کے لئے روانگی کے کاغذات تیار کروا لوں گا۔ ہمیں دو یا تین دن لگ جائیں گے اور اس کے بعد ہم قاہرہ روانہ ہو جائیں گے۔''

''بہت خوب۔ آپ نے مختصر سے وقت میں بہت کام کر لیا مسٹر عبداللہ۔'' میں نے کس متعجبانہ انداز میں ان چچا بھتیجی کو دیکھا تھا۔ دونوں کے درمیان خاصی بے تکلفی معلوم ہوتی تھی۔ وہ بوڑھے کو چچا جان کہنے کی بجائے مسٹر عبداللہ کہہ کر مخاطب کرتی تھی۔

عبداللہ نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دانش! کیا تمہارے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات محفوظ ہے کہ عسکری نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟''

''افسوس نہیں۔ ان سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے حالات یاد کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن کچھ ذہن میں نہیں آتا۔ بس مٹے مٹے سے نقوش ہیں۔ میں ایک لانچ پر سفر کر رہا تھا۔ بحری لانچ..... پتہ نہیں کیا نام تھا؟''

''ترانہ تو نہیں؟''

''ٹی آر اے..... شاید یہی نام ہو۔ اس کا آغاز ٹی سے ہوتا تھا۔ پھر مجھے سمندر کی گہرائیوں میں دھکیل دیا گیا اور پھر اس کے بعد..... اس کے بعد نجانے کیا ہوا؟ میں آج بھی سمندر کے کنارے اپنا کھویا ہوا ماضی یاد کرنے آتا ہوں۔ بس! یہ یاد کرنا چاہتا ہوں کہ میرا ماضی کیا تھا؟''

''خدا کی قسم..... خدا کی قسم دانش! میں تمہیں تمہارا ماضی یاد دلاؤں گا۔ اب میں عسکری کی چال سمجھ گیا۔ اس نے تمہیں کسی لانچ پر سفر کرنے کے لئے آمادہ کیا ہو گا اور پھر کھلے سمندر میں جا کر تمہیں پانی میں دھکیل دیا گیا ہو گا۔ سو فیصد ایسا ہی ہوا ہے۔''

''مجھے بھی یقین تھا کہ میرے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے اور اس یقین کو میں برقرار رکھنا چاہتا تھا۔''

عبداللہ نے شاید اپنے لئے اس ہوٹل کا کوئی دوسرا کمرہ حاصل کر لیا تھا۔ کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگوں سے آرام کے لئے کہہ کر وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ البتہ وہ بلائے جان میرے ساتھ ہی تھیں جن کا نام رباب تھا۔

''بہتر یہ ہے کہ اب تم بھی آرام کی نیند سو جاؤ اور اپنے ذہن کو ہر قسم کی تکلیف سے آزاد کر دو۔''

میں نے رباب کی طرف دیکھا اور وہ آنکھیں بند کر کے دلکش انداز میں بولی۔ ''میں اسی کمرے میں رہوں گی۔ لیکن تمہارے محافظ کی حیثیت سے۔''

میں نے آنکھیں بند کرلیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس نرم و گداز بستر پر کئی فٹ اونچی چھلانگ لگاؤں۔ اپنی زندگی میں اتنا حسین کمرہ..... اتنا حسین ماحول اور اتنے حسین بستر کا تصور میں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ جو کھانا کھایا تھا اسے کھا کر بس دل یہی چاہتا تھا کہ مر جاؤں۔ تاکہ اس کی..... لذت ذہن میں محفوظ رہے اور پھر اسی دال روٹی پر نہ اتر آؤں۔

رات کے کسی پہر سو گیا۔ صبح کو خوب دیر سے جاگا۔ کیا شاہانہ ٹھاٹھ تھے۔ کیا خاطر مدارت ہو رہی تھی۔ غسل کیا تو نیا لباس مجھے پہننے کے لئے دیا گیا جو بے حد خوبصورت ہونے کے ساتھ قیمتی بھی تھا۔

رباب کی نگاہیں غالباً میرے پورے بدن کی پیمائش کر چکی تھیں۔ چونکہ جو سلیپنگ سوٹ اس نے مجھے شام کو دیا تھا، وہ بھی میرے بدن پر فٹ تھا اور اس وقت جو حسین لباس میں نے پہنا، وہ بھی ذرہ برابر میرے بدن پر ان فٹ نہیں تھا۔ آئینے کے سامنے دیکھ کر میں نے دل میں سوچا کہ درحقیقت میں اسی ماحول کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ پتہ نہیں تقدیر نے منشی رفاقت کے پاس کیوں بھیج دیا تھا۔ وہ کون تھے جو مجھے یتیم خانے میں داخل کرا گئے تھے؟ ممکن ہے میری اصلیت کچھ اور ہی ہو۔ بالکل ٹھیک..... بالکل ٹھیک..... میں دانش ہی ہوں۔ سو فیصد دانش۔''

دوسرا دن بھی گزر گیا اور پھر تیسرا دن بھی۔ چوتھے دن عبداللہ نے قاہرہ جانے کے لئے تمام بندوبست کر لیا اور میں ہوائی جہاز کے تصور سے ہی دل میں گدگدی محسوس کرنے لگا۔ کبھی کسی خوبصورت کار میں بھی نہیں بیٹھا تھا۔ ہاں، قسمت نے دھوکہ دہی سے زندگی میں دو یا تین بار ٹیکسی میں بیٹھنے کا موقع دیا تھا ورنہ بس اور منی بسیں ہی اپنی گاڑیاں تھیں۔

وہ سرخ کار جس میں یہ لوگ سفر کرتے رہتے تھے، ہوٹل ہی کی ملکیت تھی اور اسے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔ اسی نے ہمیں ایئر پورٹ بھی پہنچایا۔ ایئر پورٹ کی زندگی کو ایک دو بار باہر ہی سے دیکھا تھا۔ آج اندر داخل ہونے کا موقع ملا تھا۔ میں خوبصورت سوٹ میں ملبوس، عبداللہ اور رباب کے ساتھ رن وے پر پہنچا اور پھر جہاز میں داخل ہو

گیا۔

حسین ایئر ہوسٹسیں، جنہیں صرف رسائل میں ہی اشتہارات کی زینت بنے دیکھا تھا، آج میری میزبان تھیں۔ جہاز کی نرم و آرام دہ سیٹیں اور پھر رباب کا قرب ذہن و دل کو مسحور کئے دے رہا تھا۔ وہ نہ صرف حسین صورت اور دلکش بدن کی مالک تھی بلکہ نفیس تراش کا لباس اور دلفریب خوشبوئیں بھی استعمال کرتی تھی۔ میں نے اس کی قربت کو ہمیشہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ لیکن اس کے انداز میں ایک رکھ رکھاؤ تھا۔ کبھی اس نے جائز حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور میں بھی اپنی اوقات سے واقف تھا اور سوچتا تھا کہ کہیں کوئی حماقت نہ ہو جائے مجھ سے، جو میرا سارا بھرم توڑ دے۔

ہوائی جہاز آسمان کی وسعتوں میں محو پرواز ہوا تو میرا کلیجہ حلق سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ بمشکل تمام خود کو سنبھالا تھا۔ دانش کی حیثیت معمولی نہیں تھی۔ ایک دولت مند نوجوان..... جس کا باپ مر چکا تھا۔ راستے میں، میں نے رباب سے پوچھا۔ ''میرے اہل خاندان کی کیا حالت ہے؟''

رباب نے میرے اس سوال پر چونک کر مجھے دیکھا اور پھر مسکرا دی۔ ''اس کا مطلب ہے کہ تم ذہن کو مسلسل استعمال کر رہے ہو۔ بہرطور ذرا سی احتیاط بھی رکھو۔ بہت زیادہ دباؤ تمہارے ذہن کو منتشر کر سکتا ہے۔ اہل خاندان میں تھا ہی کون؟ تمہاری والدہ تو بچپن ہی میں مر چکی تھیں، تمہارے والد ابوداؤد ہی تم پر جان نثار کرتے تھے۔ تمہارے علاوہ ان کی زندگی میں اور کوئی بھی تو نہیں تھا۔''

''ہاں! جب ہی تو میں سوچتا ہوں کہ ان کے علاوہ کوئی اور تصویر میری نگاہوں میں کیوں نہیں اُبھرتی؟ آہ..... یہ دماغ بھی کیا چیز ہے۔ ذہن کے کون سے خانے ہیں جو سو جاتے ہیں.....''

''میں نے کہا نا! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب ہم لوگ موجود ہیں تو تم کیوں الجھتے ہو؟''

''میں بالکل نہیں الجھ رہا۔ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔''

قاہرہ ایئر پورٹ، خوابوں کی دنیا، تصورات کی جنت، جوان گرم خون میں روانی پیدا کرنے والا پراسرار اہرام مصر، فراعنہ کے مقبرے، ابوالہول اور نجانے کیا کیا۔ مصر سے

متعلق لاتعداد داستانیں راستے بھر میرے ذہن میں گردش کرتے ہوئے مجھے باور کرا رہی تھیں کہ مصری نژاد ہونے کی حیثیت سے مجھے ان کے بارے میں تجسّس نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ہر بات اس طرح ظاہر ہو جیسے میں تمام چیزوں سے واقف ہوں۔ کیونکہ اجنبیت مجھے ان لوگوں کی نگاہ میں مشکوک کر سکتی تھی۔

رن وے سے گزر کر کسٹم ہاؤس میں داخل ہو گئے۔ یہاں سے فراغت میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

''کسی قسم کی گھبراہٹ تو نہیں محسوس کر رہے ہو؟'' رباب نے آہستہ سے پوچھا۔

''وطن کی خوشبو ذہن کو عجیب سا احساس دلا رہی ہے۔'' میں نے سحر زدہ انداز میں کہا۔

''کچھ یاد آ رہا ہے؟''

''ہاں! یہ سب کچھ مجھے اجنبی نہیں محسوس ہوتا۔ یوں لگتا ہے جیسے میں سوتا رہا ہوں اور اب آنکھ کھل گئی ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ اور اچانک میرے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ دل میں خیال آیا تھا کیا عالم خواب میں کوئی خواب کی باتیں کر سکتا ہے۔ کہیں یہ سب کچھ خواب ہی تو نہیں؟

''تمہارا ذہن جاگ جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ جب تم قاہرہ کی سڑکوں پر نکلو گے تو اس شہر میں گزرے ہوئے تمام لمحات تمہیں یاد آ جائیں گے۔ کسی بھی چیز کو دیکھ کر ذہن پر زور نہ دینا۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' رباب نے تلقین کی۔

''میں خیال رکھوں گا۔'' میں نے جواب دیا اور ہم ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر نکل آئے۔

قاہرہ ایئرپورٹ پر عبداللہ کے ساتھ موجود تھے۔ مسٹر ڈکلر کی ایک لمبی کار میں، جس کے شیشے تاریک تھے مجھے بٹھایا گیا۔ پھر وہ بے آواز کار پرواز کرتی ہوئی ایک خوبصورت محل نما عمارت میں پہنچ گئی۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ میں باہر کے مناظر سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہیں ہو سکا۔

یہ عمارت مسٹر عبداللہ ہی کی تھی۔ مجھے خاموشی سے عمارت کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ کمرے کی عقبی کھڑکی سے قاہرہ کی زندگی نظر آتی تھی۔ اس کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر میں نے باہر نگاہ جما دی۔ ہر آن یہ احساس ہوتا تھا کہ اب کوئی

دھماکہ ہوگا اور اس کے بعد خالہ شہادت کی خلوص کی چاشنی سے بھری تلخ آواز اُبھرے گی۔

''موئے مسٹنڈے..... لاٹ صاحب! کیا پوری زندگی سوتے ہوئے ہی گزار دے گا؟ کچھ کرنا ہے زندگی میں یا نہیں؟'' اور آنکھ کھل جائے گی اور اس کے بعد یہ دنیا پھر سے اتنی ہی ویران ہو جائے گی۔

کبھی خیال آتا کہ میں ایک ایسی نو بیاہتا دلہن ہوں جو بابل کا آنگن چھوڑ کر پیا کے دیس آ گئی ہو۔

عمارت میں میری خاطر مدارت میں کوئی کمی نہیں رکھی گئی۔ تین دن تک رباب اسی عمارت میں رہی۔ چوتھے دن اس نے کہا کہ وہ جا رہی ہے، میں آرام سے رہوں اور وہ مجھے فون کرتی رہے گی۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس دوران میرا زیادہ تر واسطہ رباب سے ہی رہا تھا کیونکہ عبداللہ صرف رات کے کھانے کی میز پر ہوتا تھا۔

اس رات صرف عبداللہ میرے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ اس نے کہا۔ ''کل صبح ڈاکٹر غضنفر تمہارا معائنہ کرنے آئیں گے دانش! میں تمہیں ان کے ہسپتال نہیں لے جانا چاہتا کیونکہ ابھی میں تمہاری آمد کی تشہیر نہیں چاہتا اس لئے کہ ابھی دشمن غافل ہی رہیں۔ ڈاکٹر غضنفر تمہارا علاج کریں گے۔ تم ان سے تعاون کرو گے؟''

''کیوں نہیں مسٹر عبداللہ۔''

''چین کی بنسی بجانے والے تمہارے دشمنوں کی بہت جلد نیندیں حرام کر دی جائیں گی۔''

برین سپیشلسٹ ڈاکٹر غضنفر جو ایک پستہ قد، سیاہ فام آدمی تھا۔ اس کے ساتھ تین آدمی تھے جو مختلف اقسام کی مشینیں لائے تھے۔ اور ساتھ میں ایک ٹیلیویژن ٹائپ کی چیز بھی تھی۔ میں خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتا رہا۔ مجھے ایک سٹول پر بٹھا کر ایک ہیلمٹ جیسی چیز سر پر چڑھا دی گئی۔ اس کے بعد نہ جانے کون کون سی دھنوں میں میرے سر پر طبلہ بجتا رہا۔ کوئی بیس منٹ اس کارروائی میں صرف ہوئے تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ پھر وہ میرے سامنے آ بیٹھا۔ ''میں کچھ چیزوں کے نام لوں گا مسٹر دانش! میرے الفاظ سن کر آپ کے ذہن میں جو پہلا خیال آئے، وہی لفظ بول دیں۔''

میں نے گردن ہلا دی۔ جاہل میں بھی نہیں ہوں۔ یہ میرا ذہنی تجزیہ ہو رہا تھا اور یہ تجزیہ

میری پول بھی کھول سکتا تھا۔ اس لئے دل میں تہیہ کر لیا کہ بیٹے جو دماغ میں آئے گا، وہ نہیں بتاؤں گا۔ آخر کچھ تو خرابی نکلے ذہن میں۔''

''تیار ہو؟'' ڈاکٹر نے سوال کیا۔

''ہاں!'' میں آہستہ سے بولا۔

''جواب فوراً دینا۔ تاخیر نہ ہو۔ سوچنے کی ضرورت نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''مچھلی؟'' ڈاکٹر نے کہا۔

''صوفیہ لارین۔'' میں نے جواب دیا۔ حالانکہ ذہن میں تالاب کا لفظ آیا تھا۔

''کیا؟'' ڈاکٹر چونک پڑا۔ پھر جلدی سے بولا۔ ''اہرام مصر؟''

''گول گڈو۔'' میں نے فوراً جواب دیا۔

''او مائی گاڈ۔ حیرت انگیز۔'' ڈاکٹر کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔ پھر اس نے کہا۔ ''ہٹلر؟''

''مینڈک۔'' میرا جواب تھا۔ ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئی تھیں۔

''جارج برنارڈ شاہ؟'' وہ رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

''امرود کا درخت۔'' میں نے مشینی انداز میں جواب دیا۔

''او شٹ اپ۔'' ڈاکٹر جھلا گیا۔ لیکن عبداللہ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے سخت نگاہوں سے گھورا اور ڈاکٹر سنبھل گیا۔ ''سوری! آئی ایم سوری۔''

پھر مجھے اپنی جگہ سے اٹھنے کی اجازت دے دی گئی۔ ڈاکٹر نے اپنے آدمیوں کو مشین ہٹانے کی ہدایت کر دی تھی۔ پھر وہ پر خیال انداز میں بولا۔ ''حیرت انگیز رپورٹ ہے مسٹر عبداللہ!''

''کیا ڈاکٹر؟''

''دماغی قوتیں بہترین، جسمانی صحت قابل رشک اور جسم اور ذہن کا رابطہ عام انسانوں سے کہیں زیادہ۔ دماغ کے کسی خلیئے پر کوئی داغ نہیں ہے۔ کوئی خلیہ ڈسٹرب نہیں ہے۔ لیکن آخری امتحان۔ کوئی بہت ہی پیچیدہ خرابی ہے۔ ذہنی سکون کی کچھ دوائیں لکھے دیتا ہوں۔ ممکن ہے عارضی انتشار ہو جو اس طرح دور ہو جائے۔ اگر نہ ہوا تو بعد میں دوسرا فیصلہ کروں

گا۔''

''او کے ڈاکٹر!''

وہ سب چلے گئے تو میں نے دل میں سوچا۔ ''بالکل ٹھیک!''

شام کو رباب آئی تو گویا زندگی کی روشن ساعتوں میں قوس قزاح اتر آئی۔ اس نے آج مجھے قاہرہ گھمانے کا فیصلہ کیا تھا۔ آج دوسری کار استعمال کی گئی تھی۔ لیکن اس کے شیشے بھی تاریک تھے تاکہ باہر سے مجھے دیکھا نہ جا سکے۔ ہم قاہرہ کے بازاروں میں نکل آئے۔ پر رونق سڑکیں.... حسین چہروں سے بھری ہوئی پر رونق سڑکوں سمیت ہر چیز قابل دید تھی اور ان میں سرفہرست قاہرہ ٹاور، ابوالہول اور نجانے کیا کیا تھا۔ لیکن میں نے یہ تمام چیزیں کار کے اندر ہی بیٹھ کر دیکھی تھیں۔

رات گئے ہم واپس آئے اور اس دن کے بعد سے یہ معمول ہو گیا۔ روزانہ شام کو ہم باہر نکل آتے۔ اب میں قاہرہ سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے میرا محل بھی دکھایا گیا جو میری ملکیت تھا۔ اسے محل ہی کہا جا سکتا تھا اور عسکری اسی عمارت قیام پذیر تھا۔

پھر ایک صبح خلاف معمول عبداللہ ناشتے کی میز پر نظر آیا۔ رباب بھی موجود تھی۔ عبداللہ نے ناشتے کی میز پر میرا خیر مقدم کیا تھا۔ ''تمہاری صحت پہلے بھی قابل رشک تھی دانش! لیکن اب اور شاندار ہو گئی ہے۔ کیا تم ذہنی طور پر پرسکون ہو؟''

''بالکل! اس لئے کہ میں دوستوں کے درمیان ہوں۔''

''رات کے کھانے پر میں نے قاہرہ پولیس کے اعلیٰ افسر ابو سلمان کو بلایا ہے۔ تم اس سے ملاقات کرو گے اور صرف قاہرہ میں اپنی موجودگی درج کراؤ گے۔ اس کے سوالات غیر متوقع ہو سکتے ہیں۔ لیکن تم ان کے جواب نہایت ذہانت سے دو گے۔ کیا میں تم پر بھروسہ کر سکتا ہوں؟''

''آپ اطمینان رکھیں مسٹر عبداللہ۔''

''کسی قسم کی الجھن یا خود پر بیتنے والے واقعات کا کوئی تذکرہ اس سے نہیں کرو گے۔ ہمیں صبر سے کام کرنا ہے۔ کیونکہ میں عسکری کو بدترین شکست دینا چاہتا ہوں۔''

''بالکل ٹھیک۔''

مصری نژاد ابو سلمان حلیئے اور جسامت سے بالکل پولیس افسر نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن وہ

تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک پروقار عورت اور دو توبہ شکن لڑکیاں بھی تھیں۔ جو رشتے میں اس کی بیوی اور بیٹیاں تھیں۔ میرے لباس کا انتخاب رباب نے کیا تھا اور شاید اس میں اس نے میری برتری کا اظہار بھی ملحوظ رکھا تھا۔ دونوں لڑکیاں مجھے دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھیں۔

''انہیں تو آپ جانتے ہوں گے ابوسلمان!'' عبداللہ نے سرسری انداز میں کہا۔

''ہاں شاید! دانش داؤد۔ آپ تو شاید ملک سے باہر گئے ہوئے تھے مسٹر دانش؟''

''جی۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''کہاں کہاں کی سیاحت کی؟''

''روم، پیرس اور ہندوستان۔'' میں نے جواب دیا۔

''مسٹر عسکری آپ کو بہت چاہتے ہیں۔ دوستی کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے انہوں نے۔ رباب! تم کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں انکل۔'' رباب نے جواب دیا۔ ابوسلمان کی بیٹیاں رشک بھری آنکھوں سے رباب کو دیکھ رہی تھیں۔ پرتکلف کھانے کے بعد گفتگو ہونے لگی یعنی ابوسلمان کی ایک بیٹی مجھ سے انٹرویو لینے لگی۔

''روم، پیرس اور ہندوستان کی سیاحت میں آپ کو بہت سی مشکلات سے گزرنا پڑا ہوگا مسٹر دانش؟''

''کیسی مشکلات؟''

''وہاں کی لڑکیاں آپ کو دیکھنے کے بعد پرسکون رہی تھیں؟'' لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کچھ بے سکون ہوگئی ہیں مس سلمان؟'' رباب نے طنزیہ کہا۔

''میں تو اس سے انکار نہیں کروں گی۔'' لڑکی بے باکی سے بولی۔ رخصت ہوتے ہوئے دونوں لڑکیوں نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تھی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد عبداللہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب ہم نہایت سکون سے عسکری پر حملہ کرسکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کل شام اس کے لئے بہترین ہوگی۔ کل شام تمہیں ہوٹل صحارہ منتقل کردیا جائے گا دانش! اس سلسلے میں تمہاری مکمل بریفنگ کردی

جائے گی۔''

''تو کیا مسٹر دانش اب صحارہ ہی میں مقیم رہیں گے مسٹر عبداللہ؟'' رباب نے بے چینی سے پوچھا۔

''ہاں رباب! کل سے کھیل کا باقاعدہ آغاز کیا جارہا ہے۔ تم جانتی ہو صحارہ کا گیمز ہال عسکری کی پسندیدہ جگہ ہے، جہاں وہ روزانہ جواء کھیلتا ہے۔ اسی جوئے خانے میں وہ دانش کو دیکھے گا اور اس کے بعد اس پر کیا ردعمل ہوگا، یہ ہم دیکھیں گے۔'' عبداللہ نے جواب دیا۔

''کیا میں دانش کے ساتھ یا صحارہ کے کسی دوسرے کمرے میں رہ سکتی ہوں؟ میرا مطلب ہے ان کی نگرانی کے لئے؟''

''ہرگز نہیں۔ ہمیں ان سے بالکل دور رہنا ہوگا۔ لیکن اطمینان رکھو! بے شمار آنکھیں ان کی نگران ہوں گی۔'' رباب ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح میری بریفنگ کی گئی۔ مجھے بتایا گیا کہ اس کے بعد مجھے بذات خود عسکری کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے عمل کے میدان میں اُترنا ہوگا۔ میں صحارہ کے ایک کمرے میں قیام کروں گا اور رات کو آٹھ بجے کے بعد اسی ہوٹل کے جوئے خانے میں جاؤں گا جہاں عسکری روزانہ آتا ہے۔ مجھے کچھ تصویریں دکھائی گئی تھیں جن میں عسکری اور اس کے اہل خاندان موجود تھے۔ میں نے اس بات کا اظہار کیا کہ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں۔

عبداللہ نے کہا۔ ''بعد کے حالات کو تم اپنے ذہن میں رکھو گے۔ ممکن ہے عسکری تم سے ملاقات کرے، تمہارا احوال پوچھے۔ یہ بھی کہے کہ تم بغیر اطلاع کہاں چلے گئے تھے۔ ہر مسئلے پر مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم خود بھی اہم فیصلے کرسکتے ہو۔ اور مجھے تمہارے فیصلوں سے اتفاق ہوگا۔ اہم ضرورتوں پر میں تم سے خود رابطہ قائم کرلوں گا۔ میری تم سے گفتگو ابن فیصل کی حیثیت سے ہوا کرے گی۔''

تمام امور میں نے بخوبی سمجھ لئے۔ اب مجھے دوہری اداکاری کرنی تھی۔ ایک ایسے شخص کی بھی جو حقیقت حال کو سمجھتا ہے اور اپنے دشمنوں سے واقف ہے۔ اور اس کی بھی جو چند لوگوں کا آلہ کار تھا۔ اب جب کہ یقین ہوگیا تھا کہ یہ سب کچھ ایک خواب نہیں ہے اور

تقدیر مجھے میری تمام محرومیوں کا قرض چکانے پر آمادہ ہے تو مجھے بھی باعمل ہونا تھا۔ تاکہ قاہرہ کے ایک دولت مند انسان کی حیثیت سے منظر عام پر آ کر بعد کی زندگی کو حسین بناؤں۔ اس کے لئے مجھے ذہانت سے کام کرنا تھا اور یہ اندازہ لگانا تھا کہ ان چچا، بھتیجی کا مجھ سے کیا مفاد وابستہ ہے اور وہ خود کیا چاہتے ہیں؟

دن کے تین بجے مجھے ایئرپورٹ پہنچا دیا گیا اور پھر ایئرپورٹ سے باہر آ کر میں نے ٹیکسی لی اور صحارہ چل پڑا۔ اخراجات وغیرہ کے لئے اتنی معقول رقم مجھے دی گئی تھی کہ ایک لمحے کو خیال آیا کہ کیوں نہ یہ رقم لے کر ہی چمپت ہو جاؤں۔ لیکن اس خیال کو میں نے خود ہی خیالی جوتے مار مار کر ذہن سے نکال پھینکا۔

صحارہ خوابوں کی جنت تھا۔ یہاں رہ کر خود کو دنیا کا کوئی بھی امیر کبیر انسان تصور کیا جا سکتا تھا۔ جی چاہا کہ خود کو ہنری فورڈ اور اوناسس کے روپ میں دیکھوں۔ لیکن کلب کی حسین ویٹرس نے مداخلت بے جا کر کے سارے خواب چکنا چور کر دیئے اور جیکولین کی مسکراہٹ خلاؤں میں گم ہو گئی۔ وہ میرا سامان سجانے آئی تھی۔

''کوئی اور ضرورت جناب؟'' اس نے جیکولین سے زیادہ خوبصورت مسکراہٹ اپنے حسین چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

''فی الحال نہیں۔ ضرورت پڑی تو.....''

''وہ میرا کال بٹن ہے۔ میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔'' اس نے دیوار کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میں اس بٹن کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے جیب سے ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ بڑے آدمی اسی طرح مقبول ہوتے ہیں۔ حالانکہ جتنی رقم میں نے ٹپ کے طور پر دی تھی، وہ عام حالات میں میرے پندرہ دن کے لئے کافی تھی۔

صحارہ کے اس ہوٹل میں کئی گھنٹے گزر گئے۔ رات سے قبل باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ پھر سات بجے میں تیاریاں کرنے لگا اور ایک خوبصورت سوٹ پہن کر آئینے کے سامنے آ گیا۔ اگر یہ کوئی طویل خواب ہے تو اس سے جاگنے کے بعد موت ہی میرے لئے سب سے مناسب چیز ہو گی۔ لیکن اسے خواب سمجھا ہی کیوں جائے؟ میں ایک باعمل انسان ہوں۔ آٹھ بجے کیل کانٹے سے لیس ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور نیچے جانے کے لئے چل پڑا۔

صحارہ کی رونق عروج پر تھی۔ ایک پرشباب حسن کائنات سٹیج پر اعضاء کی شاعری کر رہی تھی جسے دیکھ کر حقیقتاً میرا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔ کیونکہ اس شاعری کا چربہ پردۂ سیمیں تک ہی محدود رہ کر دیکھا تھا۔ یکبارگی دل چاہا کہ سٹیج کے قریب آلتی پالتی مار کر بیٹھ جاؤں۔ مگر دوسرے ہی لمحے عقل نے اس خیال کو بے پناہ القابات سے نوازتے ہوئے اتنے جوتے مارے کہ یہ خیال ہی مقتول ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے ہال کو نظرانداز کر کے اور ہوٹل کے مختلف گوشوں میں بیٹھے ملکی و غیر ملکی جوڑوں کو وقت اور دولت کی پرلطف ساعتوں سے لطف جاں کشید کر کے سرور حاصل کرتے ہوئے دیکھتا ہوا گیمز ہال کی جانب جا رہا تھا۔

شاید تقدیر کو میری شاہانہ بے کیف زندگی کو حسن کی جلوہ سامانیوں سے آراستہ کرنے کا خیال آ گیا۔ سرخ و سیاہ رنگ کے دلکش و حسین لباس میں ملبوس چاند کا ٹکڑا میری طرف بڑھا تو میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ مصری پولیس افسر ابوسلمان کی بیٹی تھی۔

''خدا کی پناہ! آج صحارہ میں آنے والیاں شدید خطرات کا شکار ہیں۔ میرے خیال میں تو تمہارے پیچھے زلیخاؤں کا مجمع ہونا چاہئے تھا اور ان کے پیچھے ہسپتال کی ایمرجنسی سروس کا عملہ۔''

''ہیلو مس سلمان!'' میں نے اس کی باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے پروقار لہجے میں کہا۔

''ہرگز نہیں جناب۔ میں آپ سے اس تنگ دلی کے اظہار کی توقع نہیں رکھتی۔ جتنی حسین صورت ہے، اتنا ہی کشادہ دل بھی ہونا چاہئے۔'' اس نے کہا۔

''میں ذہنی معمے سلجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔'' میں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

''آپ کے چہرے پر وہ پذیرائی نہیں ابھری، جس کی میں طالب ہوں۔ ویسے میرا نام تاباں ہیں اور آپ مجھے اسی نام سے پکاریں گے۔''

''بہتر۔'' میں نے بالکل ٹھیک کا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔

''تنہا ہیں؟''

''بہت۔'' جیسے اس ایک لفظ میں، میں نے زندگی کی ساری اُداسیاں سمو دی ہوں۔

''میرا خیال تھا کہ خاتون رباب آپ جیسی نادر و نایاب چیز کو کبھی بھی تنہا چھوڑ کر ہم دل رباؤں کو ڈاکہ زنی کی ترغیب نہیں دیں گی۔'' اس نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے

ہوئے کہا۔

''کیا چوروں کا خطرہ ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ایک ایک قدم پر۔ میں خود بھی چور ہوں اور آپ کو آپ سے چرا لینا چاہتی ہوں۔'' وہ ہنس پڑی۔

''چرا لیجئے۔ لیکن یاد رکھیے کہ اس چوری کی رپورٹ آپ کے ڈیڈی کے پاس ہی درج ہوگی اور وہ آسانی سے سراغ لگا لیں گے۔'' میں نے کہا۔

''آپ کے لئے تو پھانسی پر چڑھا جا سکتا ہے۔ جیل جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ آیئے کہاں بوڑھوں کے درمیان آ گئے۔'' وہ بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑ کر واپس ہال میں آ گئی جہاں شاعرِ اعضاء خواتین وجد کے عالم میں رقص غزل کا مقطع پیش کر رہی تھیں۔ کیونکہ چند لمحوں بعد ہی محورقص ہوش میں آ گئے تھے اور حسن جہاں سوز شاید تازہ دم ہونے کے لئے اندر چلی گئیں۔ لیکن جاتے جاتے اپنی دو قائم مقام کو سٹیج کی رنگینی کو مزید دو آتشہ کرنے کے لئے چھوڑ گئیں۔

''کچھ پئیں گے؟''

''ابھی نہیں۔ آیئے! گیمز روم میں چلیں۔''

''میرے نام سے کھیلئے۔ مستقبل کا فیصلہ ہو جائے گا۔'' اس نے کہا اور گیمز ہال کی طرف چل پڑی۔

''میں اپنے پسندیدہ لوگوں کو کبھی داؤ پر نہیں لگاتا۔'' میں اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔

''کون ہے وہ؟'' اس نے محبوبیت سے پوچھا۔

''آپ۔'' میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

گیمز ہال میں خوب رش تھا۔ میری نگاہیں عسکری کو تلاش کر رہی تھیں اور تھوڑی دیر بعد گوہرِ مقصود نظر آ گیا۔ سفید سوٹ اور سفید بالوں کے نیچے صحت مند چہرے کا مالک عسکری ایک میز پر پوکر کھیل رہا تھا۔ میری نگاہیں اس کا طواف کرتے ہوئے اس کی شخصیت کا جائزہ لینے لگیں۔ ایک نگاہ میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ سخت گیر اور خطرناک انسان ہے۔ اس کے نزدیک بیٹھے ہوئے لوگ بھی متمول اور صاحب حیثیت معلوم ہوتے تھے۔ میں تاباں کے ساتھ مختلف میزوں پر کھیل کھیلتا رہا۔ لیکن زاویئے ایسے رکھے کہ میری نگاہ عسکری

پر رہے۔ وہ پوری توجہ سے کھیل میں گم تھا۔ پھر شاید بازی ختم ہوئی اور اس نے مسکراتے ہوئے میز کی سطح پر رکھا پائپ اٹھا لیا۔ میں تاباں کے ساتھ ایک ایسے زاویئے پر آ گیا کہ وہ مجھے دیکھ لے۔ سونے کے قیمتی لائٹر سے پائپ سلگاتے ہوئے اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور اس نے زاویہ بدل لیا۔ لیکن اس طرح کہ اس کی حرکات مجھے نظر آتی رہیں۔ پائپ اُس کے دانتوں سے چھوٹ کر نیچے گرا اور چنگاریاں بکھر گئیں۔ ان چنگاریوں سے دوسرے لوگ بھی متاثر ہوئے تھے۔ چنانچہ کچھ انتشار پیدا ہو گیا۔ پھر عسکری اپنی میز سے اٹھ گیا۔ میں نے کن انکھیوں سے اسے گیمز ہال کے دروازے سے واپس جاتے دیکھا تھا۔

تاباں اس دوران بہت کچھ کہہ چکی تھی مجھ سے لیکن کیا؟ میں نے کچھ نہیں سنا تھا۔ جب وہ گم ہوا تو میں تاباں کی طرف متوجہ ہوا۔

''کیا خیال ہے؟'' تاباں کا آخری جملہ تھا۔

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے بے اختیار کہا اور وہ مسکرانے لگی۔

''اس کے لئے میں تمہاری شکر گزار ہوں۔'' وہ کسی قدر شرمائے ہوئے انداز میں بولی اور میں منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ نہ جانے اس کی کون سی بات میں نے ٹھیک قرار دے دی تھی۔

''تو پھر وعدہ رہا؟''

''ہاں!''

''مگر میں آپ کو کہاں ملا کروں؟''

''مجھے اپنا فون نمبر دے دیں۔ میں خود ہی آپ کو رِنگ کر لوں گا۔''

''کیا آپ یہاں رکیں گے؟''

''ہاں! ابھی مجھے کچھ کام ہے۔''

تاباں نے پرس سے اپنا کارڈ نکال کر مجھے دیا اور پھر الوداعی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''دل تو نہیں چاہتا۔ لیکن پولیس والوں کے اصول سخت ہوتے ہیں۔ اس لئے مجبوری ہے۔ لیکن میں تمہارے فون کا انتظار کروں گی۔''

''بالکل.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اور پھر وہ چلی گئی۔ صحارہ حسین تھا۔ اس کی رونق قابل دید تھی۔ اور میں وہ دیکھ رہا تھا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن زیادہ دیکھنا بھی مطلوب نہیں تھا۔ عسکری مجھے دیکھ چکا تھا اور اَب یہ دیکھنا تھا کہ اس دیکھنے کا نتیجہ کیا ہوتا

ہے؟ چنانچہ واپس اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔ میرے کمرے کی ویٹرس شاید کسی گوشے میں چھپی میرا انتظار کررہی تھی کیونکہ چند ہی لمحات کے بعد دروازے پر دستک اُبھری، پھر اندر داخل ہوگئی۔

میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ بولی۔ ''میری ڈیوٹی ختم ہوگئی ہے۔''

''اس میں میرا کوئی قصور؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ اب میں کل چار بجے واپس آؤں گی۔ اس وقت تک بالکل فرصت ہے مجھے۔''

''آرام کرو۔ خدا حافظ!'' میں نے جواب دیا اور وہ تعجب بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''میرے لئے اور کوئی خدمت؟'' اس نے سوال کیا۔

''شکریہ! دروازہ بند کرتی جانا۔'' میں نے کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے کہا۔ وہ ناراض ہوگئی۔ کیونکہ دروازہ خاصی آواز میں بند ہوا تھا۔

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ جوتے اُتارنے کے بعد میں لباسِ شب خوابی پہن کر مسہری پر جا لیٹا۔ دل میں، میں نے کہا۔ ''بیٹے منصور! دانش بن کر زندگی سے جو لطف اُٹھا رہے ہو اس کی قیمت چکانے کے لئے بھی تیار رہو۔ ہر منظر کا ایک پس منظر ہوتا ہے اور اس منظر کا پس منظر کیا ہے؟ اس کا اندازہ تم خود بھی لگا سکتے ہو۔ صرف دوسروں کی چالوں پر انحصار ہی کافی نہیں ہوتا۔ خود بھی بہت کچھ کرنا پڑے گا۔ عسکری نے دیکھ لیا ہے اور حالات جو اَب تک علم میں آئے ہیں، بتاتے ہیں کہ عسکری دیکھ کر باغ باغ نہیں ہوگیا ہے، کوئی کارروائی ہوگی اور ضرور ہوگی۔''

☆.....☆.....☆

صبح ہوئی تو یقین نہیں آیا۔ ہر صبح، بے یقینی کی صبح ہوتی تھی اور دل اسی خوف سے ڈرتا رہتا تھا کہ ابھی خالہ شہادت کی آواز سنائی دے گی۔ لیکن بے چاری خالہ..... اب وہ ہزاروں میل دُور ہوگئی تھیں مجھ سے۔ کاش! وہ مجھے اس فائیو سٹار میں زندگی سے لطف اندوز ہوتے دیکھ سکتیں۔

صبح کا یقین ہوگیا تو معمولات یاد آئے۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ویٹر کو کال کی اور جواب میں ایک نوعمر مصری اندر آ گیا۔ اس سے ناشتہ طلب کیا اور پھر ناشتے سے فارغ ہوا ہی تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔

''آپ کی کال سر!'' آپریٹر کی آواز سنائی دی۔ دوسری طرف سے بولنے والا عبداللہ ہی تھا۔

''میری آواز پہچان گئے؟ نام نہ لینا۔''

''کیوں نہیں جناب!''

''مبارک ہو۔ بہت عمدہ جا رہے ہو۔ رات کو تم نے اسے چت کر دیا۔ اس کے چھ افراد تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔ ایک بات کی خصوصی مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔'' پولیس افسر کی بیٹی تمہیں کہاں سے مل گئی؟''

''اوہ..... وہ یہیں صحارہ میں.....''

''یہ اتفاق سے بہت اچھا ہوا۔ اسے دیکھ کر وہ مزید بدحواس ہوگیا ہے۔ دوسری صورت میں وہ راتوں رات تمہارے خلاف کارروائی بھی کرسکتا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی جرات نہیں کرسکے گا۔ اس نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تمہاری واپسی مضبوط بنیادوں پر ہے۔''

''بالکل ٹھیک!''

''کام شروع ہوگیا ہے۔ ہوشیاری سے باعمل رہو۔ کسی غیر متوقع صورت حال پر خود ہی

فیصلہ کر سکتے ہو۔''

''آپ اطمینان رکھیں مسٹر....'' میں نے عبداللہ کا نام لینا چاہا۔ لیکن وہ فوراً ہی کھنکار دیا۔ ''اوہ... بالکل ٹھیک۔'' اور دوسری طرف سے لائن بے جان ہوگئی۔ میں فون رکھ کر مسکرانے لگا تھا۔

اس کے بعد میں آئندہ پروگرام کے بارے میں غور کرنے لگا۔ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں منظر عام پر آ گیا ہوں اور اب عسکری کو یہ معلوم کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ اس لئے آزادانہ باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قاہرہ کی سیر کر چکا تھا۔ لیکن تشنگی باقی تھی۔ کار میں بیٹھ کر ابولہول کے نیچے بیٹھے مصوروں، پتھارے والوں کی زندگی کے بارے میں کچھ معلومات نہیں ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ ہوٹل کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ لفٹ نے نیچے چھوڑ دیا۔ باہر نکلا ہی تھا کہ خوشبو کا ایک جھونکا ناک سے ٹکرایا اور ایک کلی میرے سامنے شگفتہ ہوگئی۔ اس کے سیاہ بالوں کے گچھے پیشانی پر جھلملا رہے تھے اور اس سیاہی کے نیچے شفق جھلک رہی تھی۔ وہ شاید لفٹ میں داخل ہونے والی تھی، لیکن مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اور دوسرے ہی لمحے میری آنکھوں میں بجلی سی کوندگئی۔ یہ صورت میں دیکھ چکا تھا۔ اس کی تصویر مجھے دکھائی گئی تھی۔ یادداشت کے خانے میں اس کا نام حسانہ عسکری درج تھا۔ عسکری کی چھوٹی بیٹی حسانہ۔ میں بھی رُک گیا۔

''میرا خیال تھا تم مجھ سے بھی ناواقفیت کا اظہار کرو گے۔''

''کیا جواب دوں اس بات کا؟''

''جو دل چاہے دے دو۔ کون روک سکتا ہے تمہیں؟'' اس نے اداس لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ ''کہاں جارہے تھے؟''

''کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔''

''آؤ!'' اس نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

''بہتر ہے مجھے تنہا چھوڑ دو حسانہ۔'' میں نے کمال جرات سے کہا دل دھکڑ پکڑ کر رہا تھا۔ لیکن زندگی یونہی تعمیر نہیں ہو جاتی۔ کسی جرات مندانہ انداز سے ہی میں گوہرِ حیات پا سکتا تھا۔

''اسی ہوٹل میں قیام پذیر ہو؟''

''ہاں! تم جانتی ہو۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ سے کہا۔

''میں تمہارے پاس ہی آئی تھی۔''

''اپنے ڈیڈی سے اجازت لے کر؟''

''ڈیڈی کے بارے میں شاید تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ مجھے کچھ وقت دو دانش! اپنے کمرے ہی میں واپس چلو۔'' اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا اور میں جھٹکے سے لفٹ کی طرف واپس پلٹ پڑا، جو دوبارہ نیچے آ گئی تھی۔

عسکری کی ذہنی کیفیت کا مجھے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے دل و دماغ میں ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ بے چارہ بدحواس ہو گیا تھا اور اس نے پے در پے کارروائیاں شروع کر دی تھیں۔ حسانہ سے گفتگو کرنے کے لئے میں نے ایک لائحہ عمل متعین کر لیا اور پھر میں اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔

''کیا پیو گی؟''

''کافی۔'' اس نے جواب دیا۔ میں نے روم سروس کو فون کر کے کافی طلب کر لی۔

تب وہ بولی۔ ''پوچھ سکتی ہوں، ہوٹل میں قیام کیوں کیا ہے؟''

''میرے بارے میں تمہیں کس نے اطلاع دی؟''

''ڈیڈی نے۔''

''اس سوال کے جواب بھی وہی بہتر دے سکتے تھے۔''

''میں نے پوچھا تھا ان سے۔ ان کا کہنا ہے کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتے ہو۔ یہ بتاؤ! تم چلے کہاں گئے تھے؟''

''اس کا جواب بھی مسٹر عسکری ہی دے سکتے ہیں حسانہ۔''

''مسٹر عسکری.... گویا اب وہ انکل نہیں رہے۔'' حسانہ نے شکایتی لہجے میں کہا اور میں پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ ''ڈیڈی نے حالانکہ تم سے اس خدشے کا اظہار کیا تھا۔ تم جانتے ہو بے شمار لوگ ہمارے درمیان نفاق ڈالنے میں کوشاں ہیں۔ آخر تم ان کا شکار ہو گئے۔''

''شاید....!''

''مجھ سے اس انداز میں گفتگو مت کرو دانش! میں ساری دنیا میں سب سے زیادہ تمہیں چاہتی ہوں۔''

''حسانہ براہِ کرم ایسی گفتگو نہ کرو۔''

''تمہیں گھر واپس چلنا ہوگا۔ ورنہ میں بھی یہیں تمہارے پاس آ کر رہنے لگوں گی۔''

''یہ سب کچھ اب ممکن نہیں ہے حسانہ! تمہیں سنجیدگی سے کام لینا ہوگا۔ مجھ پر جو گز
ہے، تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔ میرے لئے اب یہ سب کچھ ممکن نہیں ہے۔''

''پھر کیا کرنے کا اِرادہ رکھتے ہو؟''

''افسوس! اس بارے میں بھی تمہیں نہیں بتایا جا سکتا۔'' کافی سرد ہوگئی اور میں خام
سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ حسانہ تھوڑی دیر تک مجھے دیکھتی رہی۔ پھر وہ بھی کا
پینے لگی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک وہ میرے ساتھ رہی اور اس دوران مجھے بار بار ٹٹولتی رہی۔ مج
کرتی رہی کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی، میں اس کے ساتھ چلوں۔ لیکن میں نے ہر
انکار کر دیا۔ وہ بظاہر سسکیاں لیتی ہوئی رخصت ہوگئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد م
کھوپڑی کھجانے لگا۔

حسینانِ مصر مجھ سے التفات کے مظاہرے کئے جا رہی تھیں اور میں راہب بنا ہوا تھ
اس لمحاتی اقتدار میں زندگی کے اس راز سے بھی آگاہ ہونا چاہتا تھا۔ لیکن ابھی میں حالات
قیدی تھا۔ سب سے زیادہ حیرت اپنے اس انوکھے توبڑے پر تھی، جس نے اس بار بھی ک
کا ہم شکل بن کر دکھا دیا تھا۔ کسی کو کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اب مجھے بے چینی سے عبدا
کے رابطے کا انتظار تھا۔ باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے ب
دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ویٹر کی شکل نظر آئی۔

''روم نمبر آٹھ سو تیرہ میں شرقی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کون صاحب؟''

''شرقی صاحب۔'' ویٹر نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ میں مل لوں گا ان سے۔'' میں نے جواب دیا اور ویٹر باہر چلا گیا۔
لمحات سوچنے کے بعد میں اٹھ گیا اور پھر لفٹ نے مجھے آٹھویں منزل پر پہنچا دیا۔ روم
آٹھ سو تیرہ لفٹ کے قریب ہی تھا۔ میں دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ لمب
شکل کے ایک مقامی آدمی نے میرا استقبال کیا تھا۔

''مسٹر دانش! براہِ کرم اندر آ جایئے۔'' اس نے ادب سے کہا۔

''لیکن میں.....''

''آپ مسٹر عبداللہ کو فون کر لیجئے۔ میں آپ کے خادموں میں سے ایک ہوں۔ آپ کے کمرے کا فون مخدوش ہو چکا ہے۔'' اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تو یہ بات تھی۔ عبداللہ میرے فون کا منتظر تھا۔ میری آواز پہچان کر اس نے فوراً کہا۔

''طوفان کا شکار ہو گیا ہے وہ شخص۔ اس بری طرح بدحواس ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ چاروں طرف دوڑتا پھر رہا ہے اور ہم اس کی بھا دوڑ سے پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ کیا سمجھے؟''

''بالکل ٹھیک۔''

''آج رات کو تم سے ملاقات ضروری ہے۔ یہی شخص، جسے میں نے صحارہ میں تمہارے لئے فون کر دیا تھا، تمہیں لے کر یہاں آ جائے گا۔ کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے۔''

''میں اس پر بھروسہ کر لوں؟''

''مکمل۔ میرا خاص آدمی ہے۔'' عبداللہ نے جواب دے کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں خاموشی سے باہر آ گیا۔ آج کا پروگرام ملتوی کر کے رات کا کھانا کمرے ہی میں کھایا تھا۔ رات کو نو بجے کے قریب شرقی نے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھولنے پر اندر آ گیا۔ اس نے ایک پلاسٹک ماسک مجھے دیتے ہوئے کہا۔ ''یہ استعمال کرنی ہوگی آپ کو۔ کچھ لوگ مسلسل نگرانی کر رہے ہیں۔'' میں حیرت سے ماسک دیکھنے لگا تو اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں اور ماسک میرے چہرے پر لگا دیا۔ ماسک پہنتے ہی میری صورت بدل گئی تھی۔ ''نیچے آ کر یہاں لیموزین میں بیٹھ جایئے۔ جس کا نمبر ایچ زیڈ پانچ سو ستر ہے۔ میں وہیں انتظار کر رہا ہوں۔''

میں نیچے اُتر آیا۔ کمرے سے نکلتے ہوئے کافی احتیاط رکھی تھی۔ لیموزین تلاش کرنے میں بھی دقت نہیں ہوئی تھی۔ شرقی وہاں موجود تھا۔ اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور لیموزین سٹارٹ ہو کر چل پڑی۔

تھوڑی دیر کے بعد عبداللہ نے اپنے ڈرائنگ روم میں میرا استقبال کیا تھا۔ شکر تھا کہ رباب موجود نہ تھی۔ ''تہلکہ مچا دیا تمہاری آمد نے۔ میں نے کسی شخص کو اتنا بدحواس کبھی نہیں

دیکھا تھا۔'' عبداللہ نے جھکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیکن میں اُلجھن میں ہوں۔''

''اب تو لطف آ رہا ہے مقابلے کا۔'' بیٹھو! میں تمہیں برازیل کی خالص کافی پلواتا ہوں۔ ہاں! یہ تو بتاؤ، حسانہ عسکری سے کیا گفتگو ہوئی تمہاری؟''

''وہ مجھے یاد کراتی رہی کہ میں عسکری صاحب کی طرف سے غلط فہمی کا شکار ہوں اور مجھے گھر چلنا چاہئے۔ بالآخر مایوس ہو گئی۔''

''خوب۔ پر لطف بات ہے۔ عسکری کو ایک لمحہ قرار نہیں۔ جانتے ہو اس دوران اس نے کیا، کیا ہے۔ ابوسلمان کی بیٹی سے صحارہ میں تمہاری ملاقات ہوئی۔ عسکری کی چھوٹی بیٹی صندل عسکری، تاباں کی دوست ہے چنانچہ وہ فوراً اس سے مل بیٹھی اور یہ بات اُڑا لے گئی کہ تاباں کی ملاقات میری کوٹھی پر تم سے ہوئی تھی۔ اس نے دوسری بیٹی کو تمہارے پاس بھیج دیا اور خود جانتے ہو کہاں گیا تھا؟ ہاں.... تم صفولت نامی کسی شخص کو جانتے ہو؟''

''صفولت....'' میں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''جرائم پیشہ شخص ہے۔ کرائے کا قاتل۔ ایک بدنام ہوٹل کا مالک ہے۔ وہ صفولت سے ایک گھنٹے تک گفتگو کرتا رہا ہے۔ دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ صفولت کے ذریعے تمہارے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتا ہے، یا پھر صفولت ان لوگوں میں سے ہے، جنہوں نے عسکری کے اشارے پر تمہارے خلاف کارروائی کی ہوگی۔ عسکری ان سے یہ پوچھنے گیا ہوگا کہ وہ ناکام کیوں رہے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ یہ الفاظ ذرا پریشان کن تھے کہ کسی جرائم پیشہ شخص کی خدمات میرے لئے حاصل کی جا رہی ہیں۔

اسی وقت عبداللہ نے کہا۔ ''صفولت کو اب تک اغواء کیا جا چکا ہوگا۔ اگر تھوڑی دیر کے اندر اندر ہمیں اس کے اغواء کے بارے میں اطلاع نہ مل گئی تو صبح یہ کام ضرور ہو جائے گا۔ میرے آدمی اس کے پیچھے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک۔'' میری آواز صاف ہو گئی۔

''کام پورے زور و شور سے جاری ہو گیا ہے اور بہت جلد نتیجہ برآمد ہو جائے گا۔ میں نے تمہارے محافظوں کی تعداد بڑھا دی ہے۔ اس کے باوجود یہ پستول رکھ لو۔'' اس نے

سیاہ رنگ کا ایک خوفناک پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ اب یہ میں اسے کیسے بتا سکتا تھا کہ عالم خواب میں تو میں نے ٹینک بھی چلائے ہیں لیکن عالم ہوش میں پہلی بار پستول پکڑ رہا ہوں اور اس بات پر حیران ہو رہا ہوں کہ یہ اتنا وزنی ہوتا ہے۔ تاہم میں نے پستول لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''میں تم سے بہت کم ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے، اس کے بعد کئی دن تک تم سے ملاقات نہ ہو۔ کچھ ضروری کاغذات تمہیں دکھانا چاہتا ہوں جو مسٹر عسکری کے خلاف مقدمہ درج کرنے کے سلسلے میں تیار کئے گئے ہیں۔ انہیں ایک نگاہ دیکھ لو اور مجھے بتاؤ، کیا یہ درست ہیں؟ یہ اس جائیداد اور دولت کی تفصیل ہے جو تمہارا ورثہ ہے۔'' عبداللہ نے ایک کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

میں نے سرسری نگاہ دیکھ کر کاغذات عبداللہ کو واپس کر دیئے۔ تفصیل پڑھ کر چکر آ رہا تھا۔ ''تم پر حملے کی رپورٹ صفولت پر قبضہ کرنے کے بعد درج کی جائے گی۔ میں بغیر ثبوت کے کوئی کام نہیں کرتا۔ باقی یہ تمہاری طرف سے دعوے کی کاغذات ہیں۔ کل صبح میں ان سب کی نقول تمہیں مہیا کر دوں گا تاکہ تم اچھی طرح پڑھ لو اور اس کے بعد دستخط کر دو۔''

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے جواب دیا۔

عبداللہ انتظار کرتا رہا۔ پھر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا۔ ''میرے خیال میں آج کام نہیں ہو سکا۔ کل کی پوری کہانی میں کسی ذریعے سے تم تک پہنچا دوں گا۔ اور ہاں! اس دوران اگر عسکری کی طرف سے دوبارہ کوشش ہو تو تم جانتے ہو، تمہیں کیا کرنا ہے۔ میرا مطلب ہے اس کے پاس کسی طور پر نہ جانا۔''

میں نے گردن ہلا دی۔ دوبارہ ماسک چہرے پر چڑھائی اور اس کے بعد شرقی کے ساتھ صحارہ واپس آ گیا۔

جیب پستول کے وزن سے لٹک رہی تھی اور میرے ذہن پر ہول سوار ہو رہا تھا۔ دیر تک سوچتا رہا۔ خود کو تسلیاں دیتا رہا۔ جو عام لوگ عالیشان کوٹھیوں کے مالک ہیں، بڑے بڑے کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں۔ خطرات سے گزر کر ہی یہ حیثیت حاصل کرتے ہیں۔ انہیں یہ دولت پلیٹ میں رکھی نہیں مل جاتی۔ عمل کی دنیا، خوابوں کی دنیا سے مختلف ہے۔ کچھ بننے کے لئے بہت کچھ کرنا ہوتا ہے۔ اور پھر میں تو ڈبل کراس کر رہا تھا۔ عبداللہ کو بھی اور

عسکری کو بھی۔ کیونکہ میں وہ نہیں تھا، جو یہ دونوں سمجھ رہے تھے۔ اس لئے ہمت سے کام لینا تھا۔

رات کو کئی بار آنکھ کھلی۔ اسی وجہ سے صبح کو بہت دیر سے جاگا تھا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر روم سروس کو فون کر کے ناشتہ طلب کیا اور پھر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔ اب طبیعت سنبھل گئی تھی۔ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر طرح کے حالات سے مقابلہ کرنے کی کوشش کروں، اسی میں راہِ نجات ہے۔ اگر خوفزدہ ہو گیا تو بعد کی زندگی تو اور بھی خطرناک تھی۔ ابھی تک عبداللہ کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا تھا، لیکن اب میں خود بھی میدانِ عمل میں اُترنا چاہتا تھا اور اس کے لئے ہمت درکار تھی۔ سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ عبداللہ اور اس کی بھتیجی کی شخصیت ہنوز پراسرار تھی۔ یہ لوگ میرے لئے اتنی تگ و دو کر رہے تھے۔ ان کا بھی کوئی مفاد پنہاں ہو گا۔ یہ بات کافی وزنی تھی۔ ابھی تک میں نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن قابلِ غور بات تھی۔

کسی نے دروازے پر دستک دی تو میں چونک پڑا۔ جیب تھپتھپائی اور پستول کی موجودگی کا یقین کر کے دروازہ کھول دیا۔ لیکن آنے والی کو دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ یہ تاباں سلمان تھی۔

''ہیلو!'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہیلو تاباں۔ آؤ، خوش آمدید!''

تاباں مسکرائے بغیر اندر آ گئی تھی۔ ''ایک اطلاع مل چکی ہے؟''

''کیسی اطلاع؟''

''مسٹر عبداللہ کو قتل کر دیا گیا۔'' تاباں نے جواب دیا اور میں محاورتاً نہیں، حقیقتاً اُچھل پڑا۔ یہ خبر میرے لئے بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ چند لمحات تک تو مری آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے تاباں کو دیکھتا رہا۔ ''اس کی بھتیجی شاید بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ لیکن باوثوق اطلاع ہے کہ وہ بھی شدید زخمی ہوئی ہے۔''

''مسٹر عبداللہ کو کس نے قتل کیا؟''

''ایک جرائم پیشہ شخص صفولت نے۔ لیکن وہ خود بھی مسٹر عبداللہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا تھا۔ مسٹر عبداللہ شدید زخمی ہو گئے تھے۔ لیکن اس حالت میں بھی

انہوں نے صفولت پر گولیاں چلائیں اور اسے ہلاک کر دیا۔''

''بہت پریشان کن اطلاع ہے تاباں!''

''تمہارے نہ چاہنے کے باوجود بھی میں یہاں آ گئی۔ کیونکہ میں نے سوچا، شاید تمہیں اطلاع نہ ملی ہو۔''

''میرے نہ چاہنے کے باوجود؟''

''ظاہر ہے۔ تمہارا یہاں قیام ہے۔ لیکن تم نے مجھے گوارہ نہ کیا۔ بلکہ مجھے فون بھی نہ کیا۔ جب کہ تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''مجھے یقین ہے تاباں! میری پریشانیوں کا حال سن کر تم مجھے اس کے لئے معاف کر دو گی۔ تمہاری دل شکنی مجھے منظور نہیں تھی۔ لیکن میں پریشان کن حالات کا شکار ہوں تاباں! اور اب.... اب تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری مصیبتوں کے دن قریب آ گئے ہوں۔'' میں نے افسردگی سے کہا۔

یہ حقیقت تھی کہ عبداللہ ایڈووکیٹ کی موت نے مجھے نڈھال کر دیا تھا اور میں ایک طرح سے لاوارث ہو گیا تھا۔ یہاں وہی میری کفالت کر رہا تھا۔ ورنہ کیا ذریعہ تھا میرے پاس؟ کم بخت عسکری چال چلے جا رہا تھا۔ یہ بات میں جانتا تھا کہ صفولت بذاتِ خود عبداللہ کا قاتل نہیں تھا۔ بلکہ شاید وہ عبداللہ کی گولی سے ہلاک بھی نہیں ہوا ہو گا۔ عبداللہ کو ہلاک کرنے کے بعد عسکری نے فوری طور پر کسی اور کے ذریعے صفولت کو بھی قتل کروا دیا۔ تاکہ اس کا راز، راز ہی رہے۔

موت کا یہ خطرہ میرے سر پر بھی منڈلا رہا تھا۔ تاباں دیر تک میرے ساتھ رہی اور پھر اس نے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم کوئی الجھن محسوس کرو، یا پریشانی کا شکار ہو تو میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاؤں گی۔ دل چاہے تو اعتبار کر لینا۔''

میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور جب وہ چلی گئی تو سر پکڑ کر اپنے کمرے میں آ بیٹھا۔ رباب بے چاری زخمی ہو کر فرار ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں جان بچانے کے لئے کہاں جا چھپی ہو۔ مجھے اس سے اس لئے ہمدردی تھی کہ ان لوگوں نے میری زندگی کا وہ جمود توڑا تھا، جو مجھ پر طاری تھا۔ نجانے نوکری کی تلاش میں کب تک بھٹکتا رہتا؟ کب تک الجھنوں اور پریشانیوں

کا شکار رہتا؟ لیکن ان لوگوں نے خواہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر سہی، مجھے میری دنیا سے نکال
مجھ پر احسان کیا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا، کیا جائے؟ سب سے
سرپرست تو سر سے ہٹ گیا تھا۔ میں تنہا کس طرح عسکری کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اور ا
حالات میں جب کہ میں درحقیقت وہ نہیں تھا، جو سمجھا جا رہا تھا۔

تاباں کا باپ ابوسلمان بلاشبہ ایک اعلیٰ پولیس افسر تھا۔ لیکن اگر میری حیثیت کو چیلنج
دیا جاتا اور میرے بارے میں مکمل تحقیقات کی جاتیں تو یہ یقینی امر تھا کہ میری حیثیت کھل
سامنے آ جاتی۔ ابھی تک تو سب لوگ غلط فہمی کا شکار تھے۔ خود عسکری بھی سوچ رہا تھا کہ
طرح میں اس کے جال سے بچ نکلا ہوں اور اس کے لئے عذاب ہوں۔ چنانچہ وہ ب
راست مجھ پر ہاتھ نہیں ڈال پا رہا تھا۔ لیکن زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ خطرناک آ
اصل صورتِ حال سے واقف ہو جائے گا اور اس کے بعد سوائے اس کے کچھ نہ ہو گا
مصری جیل خانے میں مجھے اس جعل سازی کے جرم میں سزا ملے گی اور شاید بقیہ زندگ
وہیں بسر ہو جائے۔

بہت سوچتا رہا۔ بہت سے فیصلے کئے اور مسترد کئے۔ ابھی اسی غور و فکر میں غلطاں تھا
پھر کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''آ جاؤ بھائی! کو
ہے؟''

لیکن اندر داخل ہونے والی، بھائی کی بجائے بہن تھی۔ حسانہ کو میں نے ایک ہی ن
میں پہچان لیا۔ اس کی روشن پیشانی کے اوپر سیاہ بالوں کے جھولتے ہوئے گچھے اتنے حسی
لگتے تھے کہ بیان سے باہر۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ حسانہ نے مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔

''خواہ مخواہ خود پر نجانے کتنے عذاب نازل کر لئے ہیں۔ میں کہتی ہوں گھر چلو۔ اس
کے دروازے آج بھی تم پر کشادہ ہیں۔ کیوں پریشانوں کا عذاب مول لئے ہوئے ہ
تمہیں بہکانے والے نجانے تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہتے ہیں؟''

ذہن میں ایک دم چھناکا سا ہوا تھا۔ اب ان حالات میں، جبکہ عبداللہ بھی نہیں رہا
جو میرا سب سے بڑا معاون تھا، مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ایک اور خطرہ مو
لوں اور عسکری سے سمجھوتہ کر لوں۔ اگر وہ میری دولت اور جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتا ہے؟
حقیقت تو یہ تھی کہ اس دولت کا میرے والد مرحوم سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ والد مرحوم

تو ترکے میں یتیم خانہ چھوڑا تھا جہاں بھیک مانگ کر گزارہ کرنا پڑتا تھا۔ عسکری سے
اگر کوئی مناسب سودا ہو جائے تو کیا حرج ہے؟

میں دیر تک غور و خوض کرتا رہا۔ حسانہ میری صورت دیکھتی رہی۔ پھر میرے قریب پہنچ
کر بولی۔ ''اگر کوئی احساس مانع ہے تو میں تمام ذمہ داریاں قبول کرنے کو تیار ہوں۔ تمہیں
ایک باعزت مقام ملے گا اور پھر تم کیوں نہیں سوچتے کہ میں نے ہمیشہ تمہارا ساتھ دیا ہے۔
بے شمار معاملات میں ڈیڈی سے مخالفت بھی مول لی ہے۔''

''مجھ سے ملاقات کے بعد تمہاری اپنے ڈیڈی سے کچھ گفتگو ہوئی ہو گی؟''

''ہاں! لیکن میں تمہیں اس ملاقات کے بارے میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب
تک کہ تمہارے اور ڈیڈی کے درمیان تعلقات بہتر نہ ہو جائیں۔''

''ہوں۔ ٹھیک ہے حسانہ! میں تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور حسانہ متحیرانہ انداز
میں منہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک نظر آنے لگی اور پھر وہ
اتنی بے اختیار ہو گئی کہ میں بھی بے اختیاری کی منزل کی طرف دوڑنے لگا۔ مگر دوسرے ہی
لمحے عقل نے اس خیال کو ڈنک مار کر فنا کر دیا اور میں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

حسانہ نے بہت سی باتیں کیں اور اس کے بعد وہ مجھے ساتھ لے کر چل پڑی۔ اب کسی
سے مشورہ تو کرنا نہیں تھا۔ کم از کم عسکری کی رہائش گاہ میں دانش کی حیثیت سے کچھ نہ کچھ تو
زندگی ملے گی۔ ورنہ چند روز کے بعد میرے پاس موجود رقم ختم ہو جائے گی اور پھر مصر کی
سڑکوں پر بھیک مانگنا پڑے گی، جو اپنا پرانا پیشہ تھا۔

حسانہ کی خوبصورت کار عسکری کی یعنی میری کوٹھی میں داخل ہو گئی۔ جب میں حسانہ کے
ساتھ کار سے نیچے اترا تو کوٹھی کے صدر دروازے ہی میں ایک اور خوبصورت شکل نظر آئی۔
مصری خواتین کے بارے میں اس سے پہلے زیادہ نہیں جانتا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہاں
کا حسن بے مثال تھا۔ قلوپطرا کی سرزمین نسوانی حسن سے مالا مال تھی۔ جب کہ مردوں میں
شاید وجیہہ انسان مصر میں نہیں پیدا ہوا تھا جو حسن کے معاملے میں اپنی روایات چھوڑ جاتا۔

وہ لڑکی آگے بڑھی اور کسی قدر تیکھے انداز میں بولی۔ ''تو آپ آ گئے۔''

''صندل! تمہارا لہجہ بہتر نہیں ہے۔ جاؤ! اندر جاؤ۔'' حسانہ نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا
اور مجھے ساتھ لئے ہوئے کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑی۔

بڑی عالیشان کوٹھی تھی۔ عبداللہ کا مکان اس کے سامنے جھونپڑا معلوم ہوتا تھا۔ وہ بے چارہ واقعی بہت بڑے آدمی سے ٹکر لے رہا تھا اور اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا۔

حسانہ مجھے ایک کمرے کے دروازے کے سامنے لے آئی اور پھر اس نے دروازے کے اوپر ایک جگہ لٹکی ہوئی چابی اتار کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا کمرہ آج بھی اسی طرح آراستہ ہے اور تمہارا منتظر ہے۔ ہم میں سے کسی نے اسے استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بس اسے کھول کر صاف کر دیا جاتا تھا۔ صرف اس تصور کے تحت کہ تم واپس آؤ گے۔''

میں نے اپنے کمرے کا تالا کھولا اور اندر کا ماحول دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ دل چاہا کہ پاؤں سے جوتا اتار کر کھوپڑی میں دس بیس جوتے لگاؤں۔ اتنی آرام دہ رہائش چھوڑ کر میں عبداللہ کے چکر میں پڑا ہوا تھا۔ ارے بھائی! اگر رہنے کی جگہ ہی مل جائے یہاں پر۔ کھانے پینے اور جیب کا خرچ مل جائے تو کون بدنصیب ہے جسے عسکری سے مخاصمت ہو سکتی ہے۔

دبیز اونی قالین بچھے ہوئے تھے۔ اتنی عظیم الشان مسہری بچھی ہوئی تھی کہ میں اس پر قلابازیاں کھا سکتا تھا۔ ہر چیز سے نفاست ٹپک رہی تھی۔ چھت میں انتہائی قیمتی فانوس لٹکا ہوا تھا۔ دیواروں پر قیمتی تصاویر آراستہ تھیں اور یہ سب میری خواب گاہ میں تھا۔

لیکن ان تمام چیزوں کو دیکھ کر بے خود ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ ریل، پٹڑی سے اتر جائے۔ سو میں نے اپنے انداز کو بند ہی رکھا۔

حسانہ نے میرے دونوں شانوں پر دباؤ ڈال کر مجھے مسہری پر بٹھا دیا اور پرمسرت انداز میں بولی۔ ''اپنی دنیا میں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔ آج بھی ہر شخص تمہارے لئے اسی طرح اپنی آغوش وا کئے ہوئے ہے۔''

''شکریہ حسانہ! شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میں اپنی مرضی سے یہاں سے نہیں گیا تھا۔ بلکہ..... بلکہ.....''

''گزری ہوئی باتوں کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے دانش! غلط فہمیاں نجانے کون کون سے المیے جنم دیتی ہیں۔ بعض اوقات جوش جذبات میں انسان وہ سب کچھ کر بیٹھتا ہے جو اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ بہتر یہ ہے کہ گزرے ہوئے وقت کو ذہن سے بالکل نکال دو۔''

''ٹھیک ہے حسانہ! میں تمہاری ہدایات پر عمل کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

دوپہر کا کھانا تیار ہو گیا تھا۔ ایک ملازمہ نے میری رہنمائی کھانے کے کمرے تک کی۔ یہاں میں نے پہلی بار مسٹر عسکری کو دیکھا۔ مصری روایات کا نمونہ۔ بلند و بالا قد و قامت والے اس شخص کو دوسری بار میں نے بالکل قریب سے دیکھا تھا۔ سفید بالوں کے نیچے جاندار چہرہ۔ لباس میں نفاست اور ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ۔

''بیٹھو دانش! کھانا کھاؤ۔ کھانے کے بعد تم سے تفصیلی گفتگو ہو گی۔'' عسکری صاحب نے کہا اور میں خاموشی سے کھانے میں مصروف ہو گیا۔ ایسی ایسی لذیذ ڈشیں تھیں کہ دل چاہ رہا تھا کہ میز پر ہی چڑھ جاؤں۔ لیکن عقل سہارا دیئے ہوئے تھی۔

چند لقمے کھائے اور دل پر جبر کیا تاکہ میرے اضمحلال کا مکمل اظہار ہو سکے۔ بیگم عسکری بھی موجود تھیں۔ شکل ہی سے خرانٹ اور مکار نظر آ رہی تھی یہ عورت۔ آنکھوں میں نفرت کی جھلکیاں پائی جاتی تھیں۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی مجھ سے گفتگو نہیں کی تھی۔ کم بخت، ذلیل! بے چارے دانش کا مال کھائے ہوئے بیٹھی ہے اور کس طرح اس سے نفرت کا اظہار کر رہی ہے۔

عسکری صاحب نے کھانے کے بعد مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا اور اپنے کمرے میں لے گئے۔ یہ کمرہ بھی نفاست اور آراستگی کی اعلیٰ مثال تھا۔ کچھ کہنا ہی بے کار تھا۔ دولت مند لوگوں نے دنیا ہی میں دولت کی کرشمہ سازیوں سے اپنی جنت تعمیر کر لی ہے اور یہ اسی جنت کا نمونہ تھا۔ انہوں نے مجھے ایک آرام کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر خود سگار دانتوں میں دبا کر سونے کے خوبصورت لائٹر سے اسے سلگانے لگے۔

''تم نے اپنی یہ زندگی کہاں گزاری ہے دانش؟''

''یہ تمام باتیں اب بے مقصد ہیں عسکری صاحب! میں واپس آ گیا ہوں آپ کی شرائط پر۔''

''تمہارے دل میں ابھی تک کدورت ہے۔ سنو دانش! میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی میرے وہی الفاظ ہیں۔ ابوداؤد میرے دوست تھے۔ ہم دونوں مشترکہ کاروبار کرتے تھے۔ لیکن اس کاروبار کی ایک خاص نوعیت تھی۔ درحقیقت ہمارا اصل کاروبار کچھ اور ہی تھا۔ میں اس کا اظہار کر کے مرحوم کی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتا۔ یوں سمجھو، میں

دماغ تھا اور وہ بدن۔ میں سوچتا تھا اور وہ عمل کرتے تھے۔ جس کاروبار کے تم دعویدار ہو اگر اس کے لئے عدالتی کارروائی ہو جائے تو تم پائی پائی سے محتاج ہو جاؤ گے۔ تمام کاروبار میرے نام ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بہت سے مفادات ابوداؤد کو پہنچتے تھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ تمام ملکیت میری ہے۔ ابوداؤد کا بھی بہت کچھ تھا کیونکہ وہ بہرطور میرا ساتھی تھا۔ لیکن کاروباری طور پر تم مجھے مفلوج نہیں کر سکتے۔ عبداللہ ایڈووکیٹ اس کاروبار کا تیسرا دعویدار بننا چاہتا تھا۔ صرف اس بنیاد پر کہ اسے کاروبار کی حقیقت معلوم تھی۔ وہ بدبخت مجھے مسلسل بلیک میل کرتا رہتا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے تمہارے خلاف یہ کارروائی کرنا پڑی۔ بہتر یہ ہے کہ تم مکمل طور پر میرے حق میں دستبردار ہو جاؤ۔ تمہاری اپنی زندگی کے لئے وہی سب کچھ موجود ہے، جو ابوداؤد کے لئے تھا۔ یہ سب کچھ اتنا ہے کہ تمہاری پشتیں بھی عیش کر سکتی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اب اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کرو۔''

''میں ہارا ہوا جواری ہوں انکل! اور ہارے ہوئے جواری کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سودے بازی کرے۔''

''واہ! بہت خوب۔ اچھا فیصلہ ہے۔ اگر یہ بات ہے تو میری تم سے تمام دشمنی ختم۔ اب ہم نئے ساتھیوں کی حیثیت سے آغاز کریں گے۔''

میں نے گردن خم کر دی تھی۔ مسٹر عسکری کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا۔ انہوں نے میرے شانے پر تھپکی دی اور مسکراتے ہوئے بولے۔ ''جاؤ! عیش سے رہو۔ کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری زندگی میں وہ سب کچھ واپس آ گیا ہے، جسے تم کھو چکے تھے۔''

بظاہر مضمحل لیکن دل ہی دل میں قلقاریاں لگاتا ہوا میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ بھلا مجھے کیا پڑی تھی کہ ایک شاندار زندگی چھوڑ کر بہت بڑی دولت کے حصول کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا۔ جو کچھ تھا، یہی کافی تھا۔

حسانہ کا رویہ تو پہلے ہی میرے ساتھ اچھا تھا۔ اب صندل بھی مجھ سے گھل مل گئی تھی۔ یہ دونوں حسینائیں بارہا میرے دل و دماغ کو ابلیس کا مسکن بنا چکی تھیں۔ مگر میں ہر بار اس کو نقل مکانی پر مجبور کر دیتا تھا۔ میرے پاس ایک شاندار گاڑی تھی، جسے میں اپنی خواہش کے مطابق مصر کی سڑکوں پر دوڑا سکتا تھا۔ لیکن ابھی جلد بازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس دوران نہ تو تاباں سے ملاقات ہوئی اور نہ رباب کا پتہ چلا۔ عسکری صاحب سے یہ پوچھنا انتہائی

خوفناک تھا کہ عبداللہ کو کس نے قتل کیا؟

پھر ایک شام میں نے اپنی کوٹھی میں ابوسلمان کو دیکھا۔ وہ عسکری صاحب کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اندر آ رہا تھا۔ اس گٹھ جوڑ کو میں نے دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

ابوسلمان تنہا ہی تھا۔ وہ عسکری صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کافی دیر تک ان سے گفتگو کرتا رہا اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔ اسی رات کو عسکری صاحب ایک اور شخص کے ساتھ اندر آئے۔ یہ بھاری بدن کا جوان آدمی تھا۔ عسکری صاحب نے اس سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ فواد ایڈووکیٹ ہے اور کچھ کاروباری کاغذات تیار کر کے لایا ہے۔ جن پر مجھے دستخط کرنا ہیں۔

فواد نے ایک فائل نکال کر میرے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ ان کاغذات کی نقول ہیں دانش صاحب! بہتر یہ ہے کہ آپ اس کا جائزہ لے لیں اور اس کے بعد مجھ سے گفتگو کریں۔ ان کاغذات پر دستخط آپ کو عدالت میں پیش ہو کر کرنے ہوں گے۔''

میں نے کاغذات کی فائل لے کر رکھ لی۔ جو زندگی مجھے مل گئی تھی، اس کے بعد باقی کارروائیوں میں مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس پر آمادگی ظاہر کر دی۔

ماحول خوشگوار ہو رہا تھا۔ فواد چلا گیا۔ عسکری صاحب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔ ''تمہارے اس تعاون کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ تم اطمینان رکھو۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد تمہاری قدر و منزلت میں کچھ اور اضافہ ہو جائے گا۔''

میں نے اطمینان رکھا۔ لیکن اپنے کمرے میں داخل ہو کر ان کاغذات کو پڑھتے ہوئے میرا اطمینان رخصت ہو گیا۔ کاغذات میں واضح طور پر تحریر درج تھی کہ میرے والد ابوداؤد، عسکری کے کروڑوں ڈالرز کے مقروض تھے اور اپنے تمام حصص عسکری کے ہاتھوں فروخت کر چکے تھے اور اس کا اظہار انہوں نے مجھ سے کیا تھا اور مجھے ہدایت کی تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے، اپنی ہمت اور محنت سے عسکری کا قرض چکانے کی کوشش کروں۔ اپنے طور پر کسی چیز کو اپنا نہ سمجھوں، کیونکہ وہ سب عسکری کی ملکیت ہیں۔

شاید میں ان تمام باتوں کو مان بھی لیتا۔ جب عسکری مجھے ایک اچھی زندگی دینے پر آمادہ تھا تو میرا ان تمام چیزوں سے کیا واسطہ؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دانش کے دستخط کون کرے گا؟ میں نے تو کہیں اس کے دستخطوں کا نمونہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ عبداللہ

ایڈووکیٹ نے کچھ کاغذات تیار کئے تھے، جو مقدمے کے لئے تھے۔ اس وقت بھی میرے دستخطوں کی بات آئی تھی۔ لیکن اس وقت یہ خیال میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ ہاں! یہ ہو سکتا تھا کہ تھوڑی سی چالاکی میں بھی دکھا جاتا اور کسی طرح دانش کے دستخطوں کو طلب کر لیتا اور پھر اس کی نقل کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اب تو میرے سامنے بالکل اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کہیں میری پول نہ کھل جائے۔

بہت دیر تک اسی پریشانی کا شکار بیٹھا رہا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرطور کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔ ممکن ہے کسی طرح حسانہ میری معاون بن جائے۔ یہ لڑکی مجھ سے کافی متاثر معلوم ہوتی تھی۔ اس کی نگاہوں میں میرے لئے پیغامات تھے۔ لیکن ابھی تو میری اپنی زندگی ہی بھنور میں ڈول رہی تھی۔ کوئی مضبوط سہارا مل جاتا تو شاید میں نگاہوں کے ان پیغامات کا جواب دینے کی کوشش بھی کرتا۔ کیونکہ اتنا بے حس بھی نہیں تھا میں۔

سوچتے سوچتے دفعتہً ایک خیال ذہن میں آیا۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان الماریوں کی تلاشی لینا شروع کر دی، جو میری ملکیت تھیں۔ اور جن میں میرا تمام سامان پڑا رہتا تھا۔ میں نے اس سامان کی تلاشی لینا شروع کر دی اور دفعتہً میرا دل خوشی سے اُچھل پڑا۔

مجھے کچھ ایسے کاغذات مل گئے، جن پر دانش کے دستخط تھے۔ اس وقت کی خوشی کا عالم بیان نہیں کر سکتا۔ دل مسرت سے اُچھل پڑا تھا۔ پھر آدھی رات تک میں مختلف کاغذوں پر دانش کے دستخط کرتا رہا اور آہستہ آہستہ ان پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ کوئی ماہر ہی ان دستخطوں کو پہچان سکتا تھا۔ اس کارنامے پر مجھے جتنی خوشی ہو رہی تھی، بیان نہیں کر سکتا۔

آپ مجھے احمق سمجھ رہے ہوں گے۔ اپنے ہاتھ کاٹ کر بھلا کوئی خوش ہو سکتا ہے؟ لیکن جناب میں صلح جو انسان ہوں۔ اور پھر لڑائی کس بنیاد پر ہو؟ جو کچھ میں تھا، وہ نہیں تھا۔ اور اگر کوئی گہرائیوں میں اتر ہی جاتا تو.....؟ ابھی تک عسکری صاحب نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن اگر وہ تحقیقات کرنے بیٹھ جاتے تو پھر کیا ہوتا؟ جیل جاتا یا واپس بھیج دیا جاتا۔ اور واپسی پر خالہ شہادت کی کھولی میں جانے کی بجائے اب تو میں قبر میں جانا ہی پسند کرتا۔ اس تصور ہی سے خوف طاری ہو جاتا تھا۔ اس لئے تھوڑے ملے کو غنیمت جان رہا تھا۔

دوسری صبح عسکری صاحب نے ناشتے کی میز پر پہلا سوال یہی کیا تھا۔ ''کاغذات پڑھ

لئے تم نے؟''

''ہاں!''

''کیا فیصلہ کیا؟''

''میں آپ سے تعاون کروں گا۔'' میں نے جواب دیا۔

عسکری صاحب اُچھل پڑے۔ پھر انہوں نے میرا شانہ تھپکتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ فیصلہ تم پہلے ہی کر لیتے تو.....خیر! دیر آید درست آید۔ میں اپنے ایڈووکیٹ کو تمہاری رضامندی کی اطلاع کر دیتا ہوں۔''

میرے اس اقرار کے بعد حالات ہی تبدیل ہو گئے۔ عسکری صاحب کے اہل خاندان خوش تھے۔ ہر شخص مجھ سے محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ ایڈووکیٹ نے تین بار مجھ سے ملاقات کر کے مختلف کاغذات پر میرے دستخط لئے اور پھر ایک دن مجھے عدالت میں پیش کر دیا گیا۔ میں نے رٹایا ہوا بیان دوہرا دیا۔ آخری کاغذ پر عدالت میں جج کے سامنے دستخط کر دیئے اور کام پورا ہو گیا۔

لیکن واپسی کے بعد اچانک ہی میں نے حالات بدلے ہوئے محسوس کئے۔ سب نے کینچلی اُتار دی تھی۔ شام کی چائے پر مجھے نہ پوچھا گیا۔ رات کا کھانا مجھے میرے کمرے میں دے دیا۔ مجھ پر ایک دم ہول سوار ہو گیا تھا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ رات کے پہلے پہر میں نے حسانہ کی خواب گاہ پر دستک دی۔

اندر روشنی تھی اور حسانہ شاید کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر مجھے دیکھا اور سرد لہجے میں بولی۔ ''کیا بات ہے؟''

''حسانہ! میں دانش ہوں۔''

''میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں؟''

''تم سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں حسانہ! میری بات تو سن لو۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے حکم ملا ہے کہ تم سے کوئی بات نہ کی جائے۔ اس لئے معذرت خواہ ہوں۔'' اس نے کہا اور بے رخی سے دروازہ بند کر دیا۔ میں سناٹے میں رہ گیا تھا۔ اب اس چالاک خاندان کی سازش طشت از بام ہو گئی تھی۔ اب مجھے احساس ہوا کہ جعلی ہی سہی، وہ دستخط کر

کے مجھے کتنے بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ دل میں غم و غصے کا طوفان برپا ہو گیا۔ لیکن میری اپنی پوزیشن ہی کیا تھی؟ حسانہ کے کمرے سے پلٹا تو پیچھے ہی کوئی کھڑا نظر آیا۔ میں خوف سے جھرجھری لے کر رہ گیا۔ وہ عسکری صاحب تھے۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' ان کی بھاری آواز اُبھری اور میں ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ عسکری صاحب مجھے ایک کمرے میں لے گئے تھے۔ ''بیٹھو!'' انہوں نے کہا اور میں بے جان سے انداز میں بیٹھ گیا۔ ''حسانہ کے کمرے میں کیا کرنے جا رہے تھے؟''

''میں اس سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا تھا انکل!''

''انکل نہیں، صرف مسٹر عسکری۔ سنو نوجوان! میں تمہیں اپنی زندگی کا ایک سب سے تلخ سچ سنانا چاہتا ہوں۔ غور سے سنو۔ اس میں تمہارا مستقبل پوشیدہ ہے۔ تمہارا باپ ابوداؤد میرا دوست نہیں بلکہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ میں ایک چھوٹا سا کاروباری تھا اور وہ کاروبار کی دنیا کا عفریت تھا۔ اس نے مجھے کوڑی کوڑی کا محتاج کر دیا۔ میری ساکھ ختم کر دی اور نتیجے میں مجھے اس کے قدموں میں جھکنا پڑا۔ وہ یہی چاہتا تھا۔ میں جھکا تو اس نے مجھے سہارا دیا۔ لیکن میری ٹوٹی انا کی کرچیاں میرے دل میں پیوست تھیں۔ اور ہر کرچی میرے سینے میں کرب پیدا کرتی رہتی تھی۔ ابوداؤد نے ازراہِ کرم مجھے اپنا دوست بنا لیا تھا۔ لیکن اب میری زندگی میں اس سے انتقام کے سوا اور کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ میں حالات کا انتظار کرتا رہا۔ عیاش طبع ابوداؤد سے بدلہ لینے کے لئے میں نے اپنی عزت بھی داؤ پر لگا دی تھی۔ رفتہ رفتہ میری کوششیں بارآور ہوئیں۔ عبداللہ اس کا قانونی مشیر تھا۔ میں نے اسے توڑ لیا اور اس کی مدد سے ابوداؤد کے مفادات اپنے قبضے میں کرنے لگا۔ اور پھر ایک مرحلے پر مجھے ابوداؤد کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ میں نے اسے راستے سے ہٹا دیا۔ اب آخری کانٹا تم رہ گئے تھے۔ میں نے تمہارے گرد زبردست جال بنا لیا تھا اور پھر میں نے تمہیں بھی راستے سے ہٹا دیا۔ مگر کم بخت صفولت سے غلطی ہو گئی جس کی اسے پوری سزا دی گئی ہے۔ میرا تم سے اتنا ہی تعلق تھا دانش! کہ تم سے ان کاغذات پر دستخط کروا لوں۔ سو یہ کام میرے پورے خاندان کی مدد سے ہو گیا۔ ابوداؤد کے تمام اثاثے پر قبضہ کرنے کے بعد جب میں نے تمہیں راستے سے ہٹا دیا تو عبداللہ پھیل گیا۔ اس نے اس دولت میں سے آدھا حصہ مانگا جو میں نے دینے سے انکار کر دیا۔ میں اسے صرف پانچ فیصد دینا چاہتا تھا۔ وہ بے بس تھا،

کیونکہ اگر اس جرم کا انکشاف کرتا تو خود بھی مجرم گردانا جاتا۔ پھر نہ جانے کہاں سے اس بدبخت نے تمہیں برآمد کر لیا اور ایک نیا کھیل شروع کر دیا۔ اس کی موت میرے لئے ضروری ہو گئی تھی۔ چنانچہ صفولت نے اسے قتل کیا اور میں نے صفولت کو۔ بعد کی کہانی تمہارے علم میں ہے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے کہا۔

''اس گھر میں اب تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ جاؤ! قاہرہ کے گلی کوچوں میں بھیک مانگو۔ دنیا کو بتاؤ کہ تم مغرور ابوداؤد کے بیٹے ہو۔ یہی میرا انتقام ہے۔''

''لیکن انکل.....''

''انکل نہیں، مسٹر عسکری۔'' عسکری نے غرا کر کہا۔

''مسٹر عسکری! میں نے آپ سے تعاون کیا ہے۔ میں نے وہ سب کچھ کر دیا، جو آپ کی خواہش تھی۔ اس کا کچھ صلہ بھی دیں گے مجھے۔ صرف اتنا دے دیں مجھے کہ میں قاہرہ کے کسی گمنام گوشے میں انسانوں جیسی زندگی گزار سکوں۔''

''ہرگز نہیں۔ میں ابوداؤد کی نسلوں سے بھیک منگوانا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں زندگی دی ہے نوجوان! اسے غنیمت سمجھو۔ اگر اپنی انا کی تسکین کا خیال نہ ہوتا تو تم بھی ایک دن اپنے باپ کی مانند قبر میں جا سوتے۔ جاؤ! اس زندگی کو غنیمت جانو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ میرے لئے تمہیں یہاں سے ہٹانا مشکل نہ ہو گا۔''

''لیکن.....''

''جاؤ.....!'' عسکری نے پستول نکال کر لہراتے ہوئے کہا۔

''ب..... بالکل ٹھیک۔'' میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔ جان ہے تو جہان ہے۔ پہلے جان ہی بچائی جائے۔ اس کے بعد اس عمارت میں رُکنے کا کیا جواز تھا۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ تقدیر نے قاہرہ لا پھینکا تھا۔ اس سے خالہ شہادت کا گھر بھی کیا برا تھا؟ کم از کم سر چھپانے کا ٹھکانہ اور دو روٹیاں تو میسر تھیں۔

☆.....☆.....☆

میں آدھی رات تک بھٹکتا رہا۔ پھر ایک شبینہ ہوٹل میں جا بیٹھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اب کیا ہوگا؟ مرحوم عبداللہ کے دیئے ہوئے کچھ پیسے موجود تھے۔ لیکن وہ کب تک ساتھ دے سکتے تھے؟ دیارِ غیر میں کیا قسمت آزمائی کرتا؟ اپنے وطن میں ہی تقدیر نے ساتھ نہیں دیا تھا۔ ہوٹل میں بیٹھے بیٹھے صبح کر دی۔ کمر دُکھ کر رہ گئی تھی۔ چہرہ اُتر گیا تھا۔ سخت ہیجان برپا تھا دل و دماغ پر۔ قاہرہ کے گلی کوچوں میں آوارہ پھرتا رہا۔ کسی ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے بعد کھانے کے بھی لالے پڑ جاتے۔

دفعتہ تاریکی میں ایک شمع روشن ہوگئی۔ تاباں کا خیال آیا تھا۔ میں نے ٹیلی فون کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔ اور پھر ایک پبلک بوتھ سے تاباں کے دیئے ہوئے نمبر ڈائل کئے۔

''ہیلو'' ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

''ہیلو! مس تاباں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا نام ہے آپ کا؟''

''دانش داؤد۔''

''ہولڈ کیجئے۔'' اور پھر چند منٹ کے بعد تاباں کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو دانش!''

''ہیلو تاباں! تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کہاں؟''

''جہاں تم کہو۔''

''فروزاں کافی ہاؤس۔ قصر الحمرا والے راستے پر ہے۔ خوبصورت جگہ ہے۔ وہاں آ جاؤ۔''

''کتنی دیر میں پہنچو گی؟''

''یہی دس منٹ کے اندر اندر۔''

''او کے۔ پہنچ جاؤ۔'' میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔ پھر ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر قصرِ الحمرا جانے والی سڑک پر چل پڑا۔ فروزاں لب سڑک تھا۔ پرسکون ایئر کنڈیشنڈ۔ میرے پہنچنے کے چند منٹ کے اندر ہی تاباں آ گئی۔ حسب معمول شگفتہ۔ مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔

''ارے! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟ خیریت، کیا بات ہے؟''

''کیا پیو گی تاباں'' میں نے پھیکے لہجے میں پوچھا۔

''ابھی کچھ نہیں۔ پہلے اپنی اس کیفیت کے بارے میں بتاؤ۔'' تاباں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''تقدیر نے میرے وجود کو ٹھکرا دیا ہے تاباں! میں ہر بازی ہار چکا ہوں۔''

''مگر ہوا کیا؟'' اس نے پوچھا اور میں نے اسے پوری کہانی سنا دی۔

تاباں کے چہرے کے رنگ بدلتے رہے۔ پھر اس نے کہا۔ ''تم نے ان لوگوں پر اتنا اعتبار کیوں کیا؟ حماقت تمہاری ہے۔ آؤ! اٹھو۔ اس سلسلے میں ڈیڈی سے بات کئے لیتے ہیں۔ وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں کوئی مشورہ دیں گے۔ اٹھو! بعد میں کچھ پئیں گے۔'' تاباں نے ضد کی اور میں اٹھ گیا۔

ابوسلمان کے دفتر میں ہم نے اس سے ملاقات کی۔ مجھے دیکھ کر اس نے عجیب سی شکل بنائی تھی۔ تاباں نے پرجوش لہجے میں پوری کہانی ابوسلمان کو سنائی اور وہ بالکل بے حسی سے یہ داستان سنتا رہا۔

''آپ عسکری کو اس کے اس جرم کی سزا دیں ڈیڈی۔ اسے گرفتار کر لیں۔'' تاباں نے کہا۔

''یہ نہایت بے وقوفی کی بات کہی ہے تم نے۔ عسکری کو جانتی ہو تم؟ قصور کسی کا نہیں دانش! تمہارا ہے۔ تمہاری عقل کہاں چرنے گئی تھی؟ جس وقت عدالت میں دستخط کئے تھے تم نے، ہوش و حواس کے عالم میں تھے۔ کسی کا کیا قصور؟''

''لیکن مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔''

''کیا عدالت میں؟'' ابوسلمان نے پوچھا۔

''نن....نہیں۔''

''پھر اس زبانی وعدے کی کیا حیثیت؟ تم اپنا سب کچھ کھو چکے ہو نوجوان۔ بہتر ہے زندگی کھونے کی کوشش نہ کرو۔ عسکری کی قوتوں کا غلط اندازہ لگایا ہے تم نے۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ سنو! وہ اگر چاہے تو آسانی سے تمہیں عبداللہ اور صفولت کے قتل کے الزام میں پھنسا سکتا ہے۔ وہ اگر چاہے تو کسی بھی سڑک پر تمہاری خون میں ڈوبی لاش پڑی ہو گی۔ زندگی بچاؤ اور زندگی کے لئے نئے سرے سے جدوجہد کرو۔ اس کے علاوہ تمہیں کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔''

''لیکن ڈیڈی....'' تاباں نے کہا۔

''تم جا سکتے ہو دانش۔ تاباں! مجھے تم سے کام ہے۔ سنا تم نے نوجوان! تم جا سکتے ہو۔'' ابوسلمان نے اس بار کرخت لہجے میں کہا اور میں جلدی سے اٹھ گیا۔

''بالکل ٹھیک۔ میرا مطلب ہے خدا حافظ۔'' میں نے بوکھلائے ہوئے سے انداز میں کہا۔ قاہرہ کی کسی سڑک پر خون میں ڈوبی ہوئی اپنی لاش مجھے بھی نظر آ رہی تھی۔ میں پولیس آفس سے باہر نکل آیا۔ یہ آخری امید بھی ٹوٹ گئی تھی اور اب چاروں طرف اندھیرا تھا۔ رات بھر بیٹھ کر گزاری تھی، کمر سیدھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کہاں؟ کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا میں قاہرہ کے بارے میں۔

بہرحال کسی شہر کو جاننے کے لئے اس کی پیمائش کی جا سکتی ہے۔ سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک ہوٹل میں داخل ہو گیا اور وہاں کھانا کھایا۔ پانی کے کئی گلاس پیئے، پھر آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ پہلے سر چھپانے کے لئے کوئی چھت ملے۔ کاش! خالہ شہادت کی کچھ جائیداد یہاں بھی ہوتی۔ منہ اٹھائے سفر کرتا رہا۔ کوئی منزل نہیں تھی۔ دور سے ابوالہول کا مجسمہ نظر آیا تو قدم اسی طرف اٹھ گئے۔ ابوالہول کے مجسمے کے پاس لاتعداد خوانچے والے اور سیاح موجود تھے۔ گائیڈ ہر اجنبی صورت کی طرف لپک رہے تھے۔

دبلے پتلے سے ایک مدقوق گائیڈ نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے اپنی خدمات پیش کیں۔ میں نے ٹھکرا دیا۔ ''مجھے اس وقت کسی گائیڈ کی ضرورت نہیں دوست! بلکہ ایک ایسا رہنما چاہئے جو کسی سستی سی جگہ میرے قیام کا بندوبست کر دے۔''

''کتنی سستی جگہ ہونی چاہئے؟'' گائیڈ نے پوچھا۔

''جس قدر ممکن ہو سکے۔''

''اگر تم مجھے پانچ ڈالر ادا کر دو تو میں ایک ہفتے کے لئے تمہیں ایک آرام گاہ دے سکتا ہوں۔ کھانا وغیرہ تمہارا اپنا۔ اس سے سستی جگہ پورے قاہرہ میں مل جائے تو گولی مار دینا۔''

یہ امداد غیبی تھی۔ جگہ کیسی بھی ہو، خالہ شہادت کی کھولی سے تو بہتر ہو گی۔ پہلے ایک ہفتے کا بندوبست کیا جائے، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ میں نہ صرف تیار ہو گیا بلکہ پانچ ڈالر کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''آؤ!'' اس نے نوٹ احتیاط سے اپنی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور پھر کچھ دور چل کر بولا۔ ''ٹیکسی سے چلنا پسند کرو گے یا....؟''

میں نے ٹیکسی ہی کو ترجیح دی تھی۔ ٹیکسی پرانے شہر کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دیر کے بعد گائیڈ نے ٹیکسی رکوا دی۔ میں نے بل ادا کیا اور ہم نیچے اتر آئے۔ ''میرا نام اسماعیل ہے۔'' گائیڈ ایک پرانی عمارت میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

لکڑی کی بوسیدہ سیڑھیاں عبور کر کے ہم تیسری منزل کے ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔ اسماعیل نے جیب سے چابی نکال کر تالا کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے میں گندگی کے علاوہ حشیش کی بو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف میلا چیکٹ بستر بچھا ہوا تھا۔ کمرے کے وسط میں ایک سال خوردہ میز اور دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مسکرا کر بولا۔

''یہ تمہاری آرام گاہ ہے۔''

''شکریہ! میں یہ بستر استعمال کر سکتا ہوں؟''

''اس کمرے میں جو کچھ ہے، وہ تم استعمال کر سکتے ہو۔ بلکہ اگر چرانا چاہو تو چرا بھی سکتے ہو۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ اب تم آرام کرو۔ میں چلتا ہوں۔'' اس نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

میں نے دروازہ بند کیا اور اس میلے بستر پر آ لیٹا۔ سلگتے ہوئے ذہن کو سکون دینے کے لئے نیند اس وقت بہت ضروری تھی۔ جاگا تو شام ہو چکی تھی۔ میری خوشیوں کی شام کی مانند.... بھوک کا نام و نشان نہیں تھا۔ مستقبل کا احساس کھائے جا رہا تھا۔ آخر اب ہو گا کیا؟ دیر تک افیونیوں کے سے انداز میں بستر پر لیٹا اونگھتا رہا۔ پھر ایک طرف رکھے ہوئے پانی

کے ڈرم سے منہ دھویا اور پھر پیٹ پوجا کے لئے اس عیش گاہ سے باہر آ گیا۔ پورے شہر
عسرت زدہ لوگوں کے لئے سب کچھ تھا۔ میں نے ایک استھامے پر جا کر تھوڑا سا کھایا۔ کچھ دیر چہل قدمی کی اور پھر واپس آ گیا۔ رات ہو گئی۔ میں پھر بستر پر جا لیٹا تو رات کے کسی حصے میں نیند آ گئی۔ دوسری صبح جاگا تو اسماعیل مجھ سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا رہا تھا۔ یہ کمبخت اندر کیسے آ گیا؟ دروازہ تو بند تھا۔

میں منہ ہاتھ دھو رہا تھا کہ وہ اٹھ بیٹھا اور مجھے دیکھ کر غلیظ دانتوں کی نمائش کرتا ہوا بولا۔

''کوئی تکلیف تو نہیں ہے تمہیں؟''

''نہیں! مگر تم اندر کیسے آ گئے؟''

''جس طرح زمین، سانپ کو راستہ دیتی ہے۔ اسی طرح میرے اس کمرے میں آنے کے بہت سے راستے ہیں۔ ناشتے کا کیا کرو گے؟''

''کیا ہو سکتا ہے؟''

''اجازت ہو تو ناشتہ لے آؤں؟''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے اسے جیب سے ایک نوٹ نکال کر دے دیا اور وہ ناشتہ لے آیا۔ ناشتے کے بعد وہ تو چلا گیا لیکن میرے لئے وہی نحوست بھرا ماحول چھوڑ گیا۔ نیند پوری ہو گئی تھی۔ اب یہاں گھسے بیٹھے رہنا حماقت تھی۔ چنانچہ فلیٹ کو تالا لگا کر قاہرہ گردی کرنے نکل پڑا۔ مشکل پڑی ہے تو کسی نہ کسی شکل میں آسان بھی ہو جائے گی۔ اللہ مالک ہے۔ قاہرہ کی سیاحت سوجھی۔ جو چیزیں دُور دُور سے دیکھی تھیں، انہیں قریب سے دیکھنے کا خیال دل میں آیا۔ یہ بھی سوچا کہ یہاں اپنے لئے کوئی روزگار تلاش کروں تا کہ زندگی گزارنے کوئی حل تو نکلے۔ میں جدھر منہ اُٹھا چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد دریائے نیل کے کنارے پہنچا۔ تھوڑے فاصلے پر قاہرہ ٹاور بنا ہوا تھا جو دریائے نیل کے درمیان میں ایک ٹاپو پر تھا۔ اس ٹاپو کو ایک پل کے ذریعے کنارے والی سڑک سے ملا دیا گیا تھا۔ قاہرہ ٹاور سے قاہرہ کے نظارے کئے۔ بے شمار سیاح یہاں موجود تھے۔

قاہرہ ٹاور سے ایک بس سیاحوں کو لے کر ویلی آف کنگز جا رہی تھی۔ کرایہ معلوم کیا، بس میں آ بیٹھا۔ بھانت بھانت کے لوگ بس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن میری طرح کوئی پریشان حال نہیں تھا۔

بس، ابوالہول ایونیو سے گزرتی ہوئی قصبہ کرناک کی طرف چل پڑی جہاں فراعنہ کے مقبرے پھیلے ہوئے تھے۔ معبدوں کے قریب پہنچ کر بس رُکی تو سیاح نیچے اتر گئے۔ میں نے بھی ان کی تقلید کی تھی۔ تاحد نگاہ مصر کے پراسرار قدیم کھنڈرات بکھرے ہوئے تھے۔ ایک عجیب سا پراسرار سناٹا چاروں طرف جاری تھا۔

فراعنہ کی ہیبت صدیوں کے بعد بھی ماحول پر مسلط تھی۔ سیاح اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے تھے۔ میں ایک سمت چل پڑا۔ بغیر چھت کے ہال میں لاتعداد ستون نظر آ رہے تھے۔ ان کے درمیان فراعنہ اور ان کی ملکاؤں کے مجسمے مجھے گھور رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی پراسرار غیر مرئی قوت ذہن کو گرفت میں لے رہی ہو۔ بے شمار زیر زمین مقبرے بھی یہاں موجود تھے۔ میرے قدم خود بخود ایک سمت اٹھ گئے۔

ایک ٹوٹے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہوا تو ایک سرنگ سی نظر آئی۔ سرنگ نما راستہ مسلسل ڈھلان کی شکل میں اُترتا چلا گیا تھا۔ میں خیالات میں ڈوبا آگے بڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک وسیع و عریض ہال میں تھا۔ جس میں چاروں طرف تابوت رکھے ہوئے تھے۔ صدیوں پرانے بوسیدہ تابوت..... ماحول پر ایک گونج سی طاری تھی۔ بالکل اس طرح جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی ہوں۔ ان تابوتوں میں سینکڑوں سال قبل کے انسان سو رہے تھے۔ موت کی ابدی نیند..... یہ سونے والے نہ جانے کیسی کیسی پراسرار کہانیوں کے حامل ہوں گے۔ میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ ماحول میں ٹھنڈک تھی۔ کپکپی سی بدن میں طاری ہوتی جا رہی تھی۔ اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے پلکوں پر کوئی بوجھ پڑ رہا ہو۔ نیند کے جھونکے سے آنے لگے۔ قوت ارادی ساتھ چھوڑنے لگی۔ کیا حماقت ہے؟ یہ کوئی سونے کی جگہ ہے؟ مجھے فوراً باہر نکلنا چاہئے۔ میں ہمت کر کے اُٹھا، لیکن جیسے زمین نے میرے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ بدن بے جان ہونے لگا تھا اور میں مرنے سے بچنے کے لئے بیٹھ گیا۔ پھر نہ جانے بدن کس طرح زمین پر لڑھک گیا اور ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے.....

☆.....☆.....☆

فضا میں بے حد ٹھنڈک تھی۔ میری آنکھ خود بخود کھلی تھی۔ لیکن کیا آنکھ کھلی تھی۔ کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ ایسی بے پناہ تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ دفعتہً میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ مجھے یاد آ گیا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ ٹھنڈا

مقبرہ.... جس میں چاروں طرف تابوت بکھرے ہوئے تھے۔ یقیناً رات ہو چکی تھی۔ سیاہ رات.... اور میں صدیوں پرانی روحوں کے درمیان ہوں۔ ''بچاؤ....'' میں پھر گھگیائے ہوئے انداز میں چیخا اور اٹھ کر ایک سمت دوڑ پڑا۔ راستے کا کوئی تعین اس تاریکی میں نہیں ہو سکتا تھا۔ چند ہی قدم دوڑا تھا کہ کسی ٹھوس چیز سے ٹکرایا اور اس بری طرح گرا کہ آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ جس چیز سے ٹھوکر لگی تھی وہ کوئی تابوت تھا اور جس چیز پر گرا تھا، وہ بھی یقیناً تابوت ہی تھا۔ میں اس زور سے اس تابوت پر گرا تھا کہ اس کا سال خوردہ ڈھکنا ٹوٹ گیا تھا۔ ہال میں ابھی تک میری چیخ کی گونج کے ساتھ تابوت کے ڈھکن کے ٹوٹنے کی آواز بھی گونج رہی تھی۔ فضا میں ایک پراسرار ارتعاش طاری ہو گیا تھا اور اس وقت تو میرے دل کی دھڑکنیں جیسے رک گئیں جب میں نے گرتے ہوئے تابوت سے ایک روشنی سی ابھرتے دیکھی۔

ٹھنڈی پراسرار روشنی اس تابوت سے پھوٹ رہی تھی۔ بالکل غیر محسوس انداز میں، میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ روشنی اب تیز اتنی ہو گئی تھی کہ میں تابوت میں لیٹی ہوئی لاش کو دیکھ سکتا تھا۔ یہ مصر کے کسی فرعون کی لاش تھی۔ کسی نوجوان فرعون کی لاش.... بدن پر قیمتی زیورات سجے ہوئے تھے۔ ایک انوکھی خوشبو اس کے بدن سے اٹھ رہی تھی۔ میری دہشت زدہ نگاہیں اس پر جمی رہیں۔ دفعتہً میرے حلق سے پھر ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ ایسا ہی بھیانک منظر تھا وہ۔ لاش آنکھیں کھول رہی تھی۔ یہ میرا وہم نہیں تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں کے پپوٹے ہل رہے تھے اور ان میں جھری نمودار ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ پھر اس کی گردن ہلی اور اس نے گھوم کر میری صورت دیکھی۔ دیکھتا رہا اور یہاں تک کہ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔ انداز ایسا تھا، جیسے اٹھنے کے لئے سہارا مانگ رہا ہو۔

''ہی ہی.... ای ای....'' میرے الفاظ عجیب شکل اختیار کر گئے۔ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن زبان اینٹھ گئی تھی۔

''راع.... مساس....'' لاش کے ہونٹ ہلے اور ایک گونجدار آواز ان سے پھوٹ پڑی۔ ''تم راع مساس ہو۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟'' لاش نے کہا۔

''ب.... بالکل ٹھیک.... نہیں۔ ہرگز نہیں.... مم.... میں منصور ہوں۔ بالکل منصور

میرے بھائی.... مم.... میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔ بدقسمتی سے آ پھنسا ہوں۔ معاف کر دو۔ تمہیں اللہ کا واسطہ! مجھے معاف کر دو۔''

''سچ! تم جانتے ہو۔ سچ تمہارے دوست کی کمزوری ہے۔ ہاتھ آگے بڑھاؤ، مجھے سہارا دو۔'' اس نے پھر ہاتھ اٹھا دیا۔

''نہیں.... میں.... نہیں'' میں نے کہا۔ لیکن میرا ہاتھ خود بخود آگے بڑھا اور لکڑی کی مانند سخت اور یخ بستہ انگلیوں نے اسے اپنے شکنجے میں کس لیا۔ وہ میرا سہارا لے کر تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ میرا بدن اب باقاعدہ لرزنے لگا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ کھڑے کھڑے نقوش والا نوجوان فرعون تھا۔ اس کی آواز پھر ابھری۔ ''راع مساس! تم یہاں کیوں آئے تھے؟''

''قسم لے لو بھائی صاحب! کیسی بھی قسم لے لو فرعون بھائی! میں راع مساس نہیں، منصور ہوں۔ تم چاہو تو مجھے دانش کہہ سکتے ہو۔''

''میری آنکھیں دھوکہ نہیں کھا سکتیں۔ میں تمہارے خدوخال پہچانتا ہوں میرے دوست! میرے وفادار! تم نے میرے لئے جس قدر صعوبتیں اٹھائی ہیں، مجھے یاد ہیں۔ کاش! میں ان کا صلہ دے سکتا۔''

''خدوخال.... لعنت ہے ان خدوخال پر.... روحوں تک کو دھوکہ دے دیتے ہیں۔ قسم لے لو بڑے بھائی! میرا چہرہ ہی ایسا ہے۔ کچھ لوگ مجھے دھوکے میں یہاں لے آئے تھے دانش سمجھ کر۔ ساری زندگی یہی ہوتا رہا ہے میرے ساتھ۔ اب تم مجھے راع مساس سمجھ رہے ہو۔ مجھے یہاں سے نکال دو۔ تمہاری مہربانی ہو گی۔''

''اتنا بڑا دھوکہ.... میری آنکھیں اتنا بڑا دھوکہ کھا رہی ہیں یا پھر تم جھوٹ بول رہے ہو؟ دیکھو! جھوٹ مجھے ناپسند ہے۔ آخر تم مجھ سے خوفزدہ کیوں ہو؟ میں تمہارا دوست رائمیس ہوں۔ فرعون چہارم کا بیٹا رائمیس۔ کیا ساحل نیل کی وہ حسین شامیں بھول گئے جب ہمارا بجرا سولوپس تک جا نکلتا تھا اور رقاصائیں چاند کی پہلی کرن کے ساتھ رقصاں ہو جاتی تھیں۔ کیا تمہیں اشتارہ بھی یاد نہیں جس سے ہم دونوں بیک وقت عشق کرتے تھے اور بعد میں تم سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔''

''میں صرف منصور ہوں۔ مان لو میری بات۔ میں ایک مصیبت زدہ انسان ہوں۔ بڑی

پر درد ہے میری کہانی۔ بڑا پریشان ہوں۔''

''رب ای آ۔ کی قسم۔ کون بد بخت ہیں وہ جو میرے دوست کو پریشان کرنے کی جرات کر رہے ہیں؟''

''تمہاری زمین کے باشندے، یا میری تقدیر کے بدنما ستارے۔''

''وہ سب تمہارے زیر نگیں رہے۔ اگر تم راعمساس نہیں ہو تو اس جیسے ضرور ہو۔ یہ تاریخ کی انوکھی مشابہت ہے۔ راع مساس کے نام پر میں تمہیں قبول کرتا ہوں۔ میری ساری قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔''

''قوتیں؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں! راعمیس لاثانی قوتوں کا مالک ہے۔ ہم نے کائنات سے آنکھیں بند کر لی ہیں لیکن ہماری روحیں قانع ہیں ماحول پر اور آج بھی ہماری قلمرو ہیں۔ ہمارا ہی سکہ چلتا ہے۔ کون ہے جو ہم سے انکار کر جرات کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی ابدی آرام گاہوں میں محو استراحت ہیں۔''

''یہ چہرہ مجھے ہزاروں دھوکے دے چکا ہے۔ بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں میں نے اس چہرے سے۔ لیکن اگر یہ چہرہ تمہارے کسی دوست سے مماثلت رکھتا ہے تو مجھے میری مصیبتوں کا حل دے دو۔ تمہیں اپنے رب ای آ۔ او کا واسطہ۔''

''صرف ای آ'' اُس نے تصحیح کی۔

''چلو، وہی سہی۔ پہلے مجھے اس خوفناک جگہ سے نکال دو۔''

راعمیس اُٹھ کر کھڑا ہوا۔ بلند و بالا قد و قامت کا مالک تھا وہ۔ اس بار اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ چند قدم چلا۔ دفعتہً مجھے کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور میرے حلق سے آواز نکل گئی لیکن اس نے مجھے اپنے مضبوط ہاتھ میں سنبھال لیا۔ دوسری آواز میرے منہ سے اس وقت نکلی جب میں نے سنبھل کر ارد گرد کا ماحول دیکھا۔ میں اس ہال میں نہیں تھا۔ وہ مقبرہ نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا اور میں چاند تلے اُن ستونوں کے درمیان کھڑا تھا جنہیں میں دن کی روشنی میں دیکھ چکا تھا۔ دوسری حیرت مجھے اس وقت ہوئی جب میں نے راعمیس کو غائب پایا۔ لیکن اس کے ہاتھ کا لمس اب بھی مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ چاندنی میں زمین پر دو سائے نظر آ رہے تھے، جن میں ایک میرا تھا اور دوسرا اُس کا، جس کا وجود اَب صرف سائے کی شکل میں

تھا۔

''راع مساس کے ہم شکل! تمہارا کہنا درست تھا۔ یہی میری دنیا نہیں ہے۔ وقت آگے بڑھ چکا ہے۔ لیکن تم آج بھی میرے دوست ہو اور تمہارے دشمن، میرے دشمن۔ جاؤ! اپنی دُنیا میں جا کر سکون کی زندگی گزارو۔ تمہیں دشمنوں پر فوقیت حاصل ہو گی۔ لوگ تمہارے سامنے سچ بولیں گے۔ کیونکہ سچ میری کمزوری ہے۔ میں جھوٹ برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا وجود تمہارے ساتھ سفر کرے گا۔ جو تم نہ کر پاؤ گے، میں کروں گا۔ راع مساس کے نام پر۔''

میں لرزنے لگا اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ میرے سائے میں آہستہ آہستہ مدغم ہوتا جا رہا ہے..... یہ ناقابل یقین منظر، ناقابل یقین واقعات عالم ہوش میں رونما ہوئے تھے۔ میری ذہنی قوتیں مفلوج نہیں ہوئی تھیں، لیکن یہ سب کچھ حقیقت تھی۔ پُراسرار اور ناقابل تردید۔ چاندنی میں نہائے ستون مستعد سپاہیوں کی مانند کھڑے تھے اور تاحد نگاہ ویرانی تھی۔ اگر میں مقبرے سے باہر نہ نکل آتا تو ان واقعات کو دماغ کی اختراع کہہ سکتا تھا۔ خود بھی ان پر یقین نہ کرتا اور سوچتا کہ سب کچھ میرے خواب آفریں ذہن کا کرشمہ ہے۔ لیکن سر پر چمکتا چاند اور اطراف کے مناظر اس ناقابل یقین حقیقت کا یقین دلا رہے تھے۔ اب کیا کروں؟ میں نے سوچا۔

''یہاں سے نکل کر ناک کی سیدھ میں چل پڑو۔ چلتے رہو.... خطرے سے بے نیاز ہو کر۔'' ایک زوردار آواز سنائی دی اور میں سہم کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ آواز میرے کانوں نے نہیں سنی، بلکہ میرے دماغ نے محسوس کی تھی۔

''راع مساس! تمہیں مجھ پر یقین کرنا ہی پڑے گا۔ میں نے مقبرہ چھوڑ کر اب تمہارے وجود میں رہائش اختیار کر لی ہے۔ میری روح اب تمہارے قالب میں ہے۔'' آواز پھر اُبھری اور یہ آواز راعمیس کی تھی۔

''خدا کی پناہ! ایک جان دو قالب تو سنا تھا۔ لیکن اب ایک جسم، دو روح کا رواج بھی ہو گیا'' میں نے کہا۔

''جو دل چاہے سمجھو۔ تمہاری مرضی ہے۔''

''بالکل ٹھیک۔ تو میں ناک کی سیدھ میں چل پڑوں؟''

''ہاں! آگے بڑھو۔ اب میں تمہاری آنکھوں سے مصر کی نئی دنیا دیکھوں گا۔'' اس کی پر مسرت آواز اُبھری۔ میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اس ہولناک ویرانے میں آگے بڑھ گیا۔ مجھے اپنا جسم بالکل ہلکا پھلکا لگ رہا تھا۔ میں اس طرح کھل گیا تھا جیسے بھرپور نیند لے کر جاگا ہوں۔ چلتے ہوئے ذرا بھی تھکن نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ کوئی دو فرلانگ کا فاصلہ طے کر پایا ہوں گا کہ دفعتہً بائیں سمت سے دو تیز روشنیاں چمکیں اور بجھ گئیں۔ یہ کسی کار کی روشنی تھی۔ میں غیر ارادی طور پر اس طرف بڑھ گیا۔ دفعتہً مجھے محسوس ہوا، جیسے کسی نے چیخنے کی کوشش کی ہو اور اس کا منہ بھینچ لیا گیا ہو۔ میں ٹھٹک کر رُک گیا۔ دوسرے لمحے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے مجھے پیچھے سے دھکا دے دیا ہو۔ اسی وقت پھر ایک روشنی نظر آئی جو ٹارچ کی تھی۔ چونکہ میں اب اس کار کے قریب پہنچ گیا تھا، جس کی ہیڈ لائٹس جلی تھیں۔ اس لئے مجھے وہ بھی نظر آ گیا تھا جو کار کے انجن پر جھکا ہوا تھا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ میں تھی۔ کار کا بونٹ کھلا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' میرے منہ سے غیر ارادی طور پر نکلا اور میں ششدر رہ گیا۔ یہ الفاظ میں نے نہیں ادا کئے تھے۔ لیکن آواز میری ہی تھی۔

''پتہ نہیں گاڑی کے انجن میں کیا خرابی ہوگئی ہے۔'' کار پر جھکے ہوئے شخص نے کہا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔ کافی تنومند مصری تھا۔ پھر اُس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''مگر تم کون ہو؟ اور کیا کر رہے ہو؟''

''اُس ٹیلے کے پیچھے کون ہے؟'' میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اشارے کے لئے ہاتھ بھی میرا اُٹھا تھا اور آواز بھی میری ہی نکلی تھی۔ لیکن خالہ شہادت کی قسم! اس میں میری قوت ارادی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

تنومند مصری نے گردن گھما کر دیکھا اور اسی وقت گھٹی گھٹی چیخ اُبھری۔ ''بچاؤ..... بچاؤ.....'' آواز نسوانی تھی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر کچھ دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی ریت کے ٹیلے کے عقب سے نکل بھاگا اور اسی وقت بونٹ کے قریب کھڑے ہوئے مصری نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ پوری قوت سے میرے منہ پر دے ماری۔ اگر ٹارچ میرے منہ پر پڑ جاتی تو دو چار دانت تو ضرور ہی جھڑ جاتے۔ لیکن میرا ہاتھ مشینی انداز میں اٹھا اور ٹارچ میری انگلیوں کی گرفت میں آ گئی۔

بونٹ کے قریب کھڑے مصری نے اپنا یہ وار خالی جاتے دیکھ کر مجھ پر چھلانگ لگا دی۔ اس بار بھی اس کی پہنچ سے بچنے میں میرا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس یوں لگا جیسے کسی نے مجھے ایک طرف گھسیٹ لیا ہو۔ پھر میری ٹانگ کے جوڑ پر ایک ضرب لگی اور میرے حلق سے آواز نکل گئی۔ ضرب کی قوت سے میرے جوتے کی ٹھوکر چھلانگ لگانے والے مصری کی پیشانی پر پڑی اور پھر کسی نے مجھے بغلوں سے پکڑ کر اُچھال دیا۔ میں مصری پر جا پڑا اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ میرا گھٹنا اس کی ناک پر پڑا تھا۔ ٹیلے کے عقب سے نکل بھاگنے والا میری طرف دوڑا۔ دو سائے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے شاید اپنے ساتھی کا حشر دیکھ لیا تھا چنانچہ غصے میں بپھر کر انہوں نے بیک وقت خونخوار چیتوں کی طرح مجھ پر چھلانگ لگائی اور اسی وقت کسی نے میری کمر پر لات ماری تو میں وزن نہ سنبھال سکا اور چھلانگ لگانے والے دونوں مصری میرے اوپر سے گزرتے ہوئے اپنے ہی ساتھی پر جا پڑے۔ وہ ان کے نیچے بری طرح چیخا۔ دونوں اسے چھوڑ کر پھر مجھ پر لپکے۔ لیکن اسی وقت کار کی ہیڈ لائٹس جل اٹھیں۔ وہ دونوں ان روشنیوں کی زد میں تھے۔ چنانچہ دونوں ہی نے دہاڑ کر بے اختیار آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے اور اس بار پھر وہی ہوا۔ مجھے گردن اور پتلون سے پکڑ کر زور سے ان پر دھکا دے دیا گیا۔ میں نے گرنے سے بچنے کے لئے اس بار ان دونوں کا سہارا لیا اور اطمینان سے ان کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ دونوں کے سر اس طرح زمین پر ٹکرائے کہ اس کے بعد وہ اٹھنے کی ہمت نہ کر سکے۔ دو چار بار پاؤں مارے اور پھر لمبے ہو گئے۔ میں بوکھلاہٹ میں طرح طرح کی آوازیں منہ سے نکال رہا تھا۔ میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ گو سب کچھ میرے ہی ذریعے ہوا تھا، لیکن کرنے والا میں نہیں تھا۔ مجھے لڑائی بھڑائی کا کیا تجربہ تھا؟ زندگی میں کسی سے ہاتھا پائی تک نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت یہ تینوں آدمی میرے ذریعے لمبے کر دیئے گئے تھے۔

میں خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تب ہی میری نگاہ سیاہ لباس میں ملبوس اس عورت پر پڑی جس کا اگر چہرہ سامنے نہ ہوتا تو وہ رات کی تاریکی میں مدغم ہو جاتی۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر خوف منجمد تھا۔ کار کی ہیڈ لائٹس مستقل روشن تھیں۔ اور ان کی وجہ سے اب آس پاس کا منظر دیکھا جا سکتا تھا۔ عورت دہشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھتی رہی۔ پھر میری طرف گھومی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے قریب پہنچ گئی۔ ''خدا کے لئے

میری مدد کرو۔ مجھے یہاں سے لے چلو۔ مجھے یہاں سے نکال کر لے چلو۔''

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

''چلو.... جلدی چلو! کہیں وہ ہوش میں نہ آ جائیں۔ چلو، جلدی چلو.....'' وہ پھر بولی۔

اور اب میں نے سنبھالا لے لیا۔ صورت حال خاصی حد تک میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ یہاں سے نکل جانا ضروری تھا۔ میرا پراسرار دوست راعمیس میرے بدن میں حلول ہو کر یہ ہنگامہ آرائیاں کر رہا تھا۔ ہر چند کہ یہ ایک انوکھی بات تھی اور اسے صرف افسانہ طرازی ہی کہا جا سکتا تھا۔ لیکن اس وقت جو کچھ ہوا تھا، وہ افسانہ نہیں تھا۔

میں نے گردن جھٹکی اور اپنے حواس بحال کرنے لگا۔ ''چلو چلو.... تم بھی یہاں سے نکل چلو۔ یہ لوگ بہت خطرناک ہیں۔'' عورت نے پھر کہا۔ اس کے خدوخال بہت زیادہ واضح نہیں ہوئے تھے۔ عمر کا بھی کوئی تعین نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ بدن سے احساس ہوتا تھا کہ وہ عمر رسیدہ عورت ہے۔ میں تھکے تھکے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا کار کی طرف بڑھ گیا۔ عورت جلدی سے کار کے اسٹیئرنگ پر جا بیٹھی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر ہی لائٹس بجھائیں اور پھر سیلف لگا کر کار سٹارٹ کر لی۔ میں اس کے برابر بیٹھ گیا تھا۔

ایک لمحے میں مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پتہ نہیں میرا ہمدرد، میرا دوست کہاں ہے؟ اور تب ہی میرے ذہن میں آواز اُبھری۔ ''میری فکر نہ کرو۔ میں تمہارے اندر ہوں۔'' جی چاہا، بدن ٹٹول کر دیکھوں۔ لیکن پھر اپنی اس حماقت پر شرمندگی ہی ہوئی۔

عورت نے برق رفتاری سے کار سٹارٹ کر کے ایک سمت موڑ دی تھی اور پھر بڑی طوفانی رفتار سے وہ ریت اُڑاتی ہوئی کار آگے بڑھانے لگی۔

میں کار کا ہینڈل پکڑے مستعد بیٹھا تھا کیونکہ بار بار جھٹکے لگ رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کار سڑک پر آ گئی۔ سڑک پر آنے کے بعد عورت نے کار کا رُخ شہر کی جانب موڑ دیا تھا۔ اب میرے حواس کافی حد تک بحال ہو گئے تھے۔ عورت بھی مضبوط اعصاب کی معلوم ہوتی تھی کیونکہ ان حالات سے گزرنے کے باوجود اس کی ڈرائیونگ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

میں خاموش بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر تک عورت بھی خاموش رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

''میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ اگر اس وقت تم نہ ہوتے تو.... ونجانے کیا ہو جاتا؟''

''کیا ہو جاتا؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی اور پھر چونک پڑی۔ ''مگر تم.... تم یہاں کیا کر رہے تھے؟''

''اس سوال کا جواب آپ نہ مانگیں تو بہتر ہے۔''

''نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ بہرحال! تم میرے محسن ہو۔ میں نہیں جانتی کہ میں تمہارے کس مشغلے میں حارج ہوئی ہوں۔ لیکن اس وقت تم نے مجھے بچا کر بہت بڑا احسان کیا ہے۔''

میں خاموش ہی رہا تو عورت نے کہا۔ ''میرا نام شبہ پارہ ہے۔ ایرانی نژاد ہوں اور یہاں ایک چھوٹا سا ریستوران ''تہرانہ'' کے نام سے چلاتی ہوں۔ یہ غنڈے بہت عرصے سے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ اس وقت میں ایک ضروری کام سے نکلی تھی کہ یہ مجھے میری کار میں اغوا کر کے لے آئے۔ شاید یہ مجھ سے کچھ کاغذات پر دستخط کرانا چاہتے تھے۔ آہ! میں بہت پریشان ہوں۔ میں پولیس کی مدد بھی نہیں لے سکتی۔ کیونکہ ان لوگوں نے مجھے اپنے جال میں پھانسا ہوا ہے۔''

''کیا بلیک میل کر رہے ہیں آپ کو؟''

''ہاں!''

''بلیک میلنگ کی وجہ؟'' میں نے سوال کیا اور عورت خاموش ہو گئی۔ تب ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ سوال غلط تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی ایسی ہی کمزوری ہو گی کہ جس کی وجہ سے کوئی اسے پریشان کر رہا ہے۔

عورت نے کافی دیر تک مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ پھر آہستہ سے بولی۔ ''تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔''

''دانش۔'' میں نے جواب دیا۔

''شکریہ مسٹر دانش! ایک بار پھر میں تم سے ممنونیت کا اظہار کرتی ہوں۔ شہر میں تمہیں کہاں چھوڑ دوں؟''

یہ سوال میرے لئے تشویش ناک تھا۔ پتہ نہیں وہ کون ہے، میرے بارے میں جان کر کہیں وہ میرے لئے الجھن نہ کھڑی کر دے۔ لیکن بہرطور میں نے اس علاقے کا پتہ بتا دیا جہاں اسماعیل کی کھولی تھی۔ اس وقت وہاں کے علاوہ کہاں جا سکتا تھا؟ حالانکہ کافی رات گزر گئی تھی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اسماعیل کی رہائش گاہ میں داخل ہونے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی۔

تھوڑی دیر کے بعد عورت نے مجھے اُس جگہ اتار دیا جہاں سے میں پیدل چل کر اس گندے علاقے میں داخل ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنا ننھا سا خوبصورت کارڈ، کار کی ڈگی میں سے نکال کر میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''میں بار بار شکریہ ادا کر کے بیوقوفی کا اظہار نہیں کرنا چاہتی مسٹر دانش! لیکن اگر کبھی میری ضرورت پیش آئے تو براہِ کرم ہوٹل تہران چلے آنا۔ اس کارڈ پر مکمل پتہ درج ہے۔''

میں نے کارڈ لے کر جیب میں رکھ لیا اور پھر اس عمارت کی طرف بڑھ گیا جس میں اسماعیل کا کمرہ تھا۔ اسماعیل آج شاید واپس نہیں آیا تھا۔ کیونکہ باہر تالا لگا ہوا تھا۔ لیکن جب میں تالا کھول کر کمرے میں داخل ہوا تو فرش پر اسماعیل کو پڑے ہوئے پایا۔ میں اندھیرے میں چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگا۔ یہ کم بخت کہاں سے داخل ہوا۔ لیکن مجھے پچھلی رات یاد آ گئی۔ جب دروازہ بدستور اندر سے بند تھا اور اسماعیل اندر داخل ہو گیا تھا۔ شاید اس نے اپنے کمرے میں داخل ہونے کے لئے اور کوئی راستہ بھی بنا رکھا تھا۔ ویسے میرا بستر اُس نے خالی ہی چھوڑ دیا تھا کیونکہ پانچ ڈالر میں وہ ایک ہفتے کے لئے بُک ہو گیا تھا۔

میں بستر پر بیٹھ کر گردن جھٹکنے لگا۔ آنکھوں میں نیند کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ دل و دماغ عجیب سی کیفیات کا شکار تھے۔ جو کچھ گزری تھی مجھ پر، اب بھی اس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن یقین نہ کرنا بھی حماقت تھی۔ میرے نادیدہ دوست نے جس طرح میری مدد کی تھی، وہ ناقابل یقین تھا۔ میرا بدن اس کے زیر عمل کام کر رہا تھا۔ میرا دماغ اس کے زیر اثر تھا۔ لیکن صرف ان لمحات میں جب اس کی ضرورت پیش آتی تھی۔

میرے ہونٹوں سے بے اختیار نکل گیا۔ ''راعمیس!''

''کہو میرے دوست! کیا بات ہے؟'' مجھے اپنے ذہن میں اس کی آواز سنائی دی اور میں بے اختیار اُچھل پڑا۔

''گگ.... گویا... تم... تم یہیں موجود ہو؟''

''ہاں! میں تمہارے ساتھ، تمہاری دنیا میں آ گیا ہوں۔ اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا، کچھ وقت تمہارے ساتھ ہی گزاروں گا اور تمہاری دنیا کو دیکھوں گا۔ ویسے راعمساس! تم نے اپنی رہائش کے لئے بڑی بدنما جگہ منتخب کی ہے۔''

''میں کیا جواب دوں اس بات کا؟ میرے حالات اگر تمہارے علم میں آ جائیں تو پھر تم مجھے اس جگہ کے قیام میں حق بجانب قرار دو گے۔''

''تمہارے حالات؟'' سوالیہ انداز میں کہا گیا۔

اور میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ ایک خیالی پیکر سے گفتگو کر رہا تھا جس کا میرے سامنے کوئی وجود نہیں تھا۔ لیکن اس آواز کا تعلق انہی واقعات سے تھا اور اب اسے تسلیم نہ کرنا بھی کچھ عجیب سا ہی لگتا تھا۔ وہ مجھ سے گفتگو کرتا تھا۔ وہ میرے ہاتھ پاؤں کو مشینی انداز میں جنبش دیتا تھا۔ مجھے دوسروں کی دست برد سے محفوظ رکھتا تھا۔ اور اس کے بعد بھی میں اس کے وجود کو تسلیم نہ کروں۔ اسے حماقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

سرزمین مصر پراسرار روایتوں کی حامل تھی۔ یہ روایتیں میں نے افسانوی شکل میں کتابوں میں پڑھی تھیں اور کچھ روایتیں لوگوں کی زبانی سنی تھیں۔ لیکن خود میرا بھی ان روایتوں سے سابقہ پڑے گا، اس کا تصور بھی ذہن میں نہیں جاگا تھا۔

آہستہ آہستہ دل کے گوشوں میں ایک روشنی سی پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اگر واقعی میں بھی ان پراسرار روایتوں میں سے ایک روایت بن گیا ہوں تو پھر کیوں نہ اس روایت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مجھے اپنے ذہن میں ہنسی کی آواز سنائی دی اور پھر وہی آواز میرے دماغ میں گونجی۔ ''دوستوں کی دوستی سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا دوست راعمساس! اگر تم ماضی کی کہانیاں یاد کرو گے تو تم پر بڑے عجیب و غریب انکشاف ہوں گے۔ لیکن چھوڑو۔ تمہارا ذہن ویسے ہی پراگندہ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اب آرام کی نیند سو جاؤ۔ صبح جب جاگو گے تو تمہاری طبیعت سے یہ کوفت دور ہو چکی ہوگی اور اس کے بعد ہم اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کریں گے۔''

''پتہ نہیں یہ حکم تھا یا کوئی مقناطیسی اثر کہ مجھے فوراً ہی نیند آنے لگی۔ میں نے جوتے اُتارے اور انہی کپڑوں میں بستر پر دراز ہو گیا۔

دوسری صبح خوب دن چڑھے جاگا تھا۔ بڑی گہری اور پُرسکون نیند آئی تھی۔ آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اسماعیل اپنے بدنما اور غلیظ دانتوں کی نمائش کر رہا تھا۔ وہ مسرور نظر آتا تھا۔ اس نے شکر گزار لہجے میں کہا۔ ''میں جا رہا ہوں ماسٹر! معاف کرنا۔ تمہارے بغیر ناشتہ کر لیا۔ لیکن تمہارا ناشتہ میں نے الگ رکھ دیا ہے اور اس لذیذ ناشتے کے لئے بہت بہت شکریہ۔ تم اطمینان سے منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر پھر ناشتہ کر لو۔ خدا حافظ!'' یہ کہہ کر وہ دروازے کی جانب مُڑ گیا۔

آج یہ احمق آدمی خود ہی ناشتہ لے آیا تھا۔ لیکن میں نے اُسے ناشتے کے لئے پیسے تو نہیں دیئے تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر جب اس سال خوردہ میز پر پہنچا تو آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ انتہائی نفیس برتنوں میں ناشتے کی بہت سی اشیاء رکھی ہوئی تھیں جو قیمتی چیزوں پر مشتمل تھیں۔ یہ تمام چیزیں اسماعیل کے بس کی بات تو نہیں تھی۔

''میری طرف سے۔'' مجھے اپنے ذہن سے راعمیس کی آواز سنائی دی اور میں اُچھل پڑا۔

رات کے واقعات ابھی یاد نہیں آئے تھے لیکن راعمیس کی آواز نے بدن پر تھرتھری پیدا کر دی اور میں متحیرانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے راعمیس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا تھا۔ ''آخر مجھے کب تک تسلیم نہیں کرو گے۔ بہتر یہ ہے کہ میری حقیقت کو قبول کر لو۔ بیٹھو! ناشتہ کر لو۔ یہ میری طرف سے تمہارے لئے تحفہ ہے۔''

میں کرسی پر بیٹھ گیا اور سہمے ہوئے انداز میں، میں نے ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ مجھے بالکل ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے سامنے والی کرسی پر کوئی اور بھی بیٹھا ہو۔ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ ''کیا تم ناشتہ نہیں کرو گے؟''

جواب میں پھر وہی ہلکا سا قہقہہ میرے ذہن میں گونجا۔ ''میں مادی انسان نہیں ہوں۔ تم نے دیکھ لیا، میرا بدن مقبرے کے تابوت میں مدفون ہے۔ صدیوں سے میں گہری نیند سو رہا تھا کہ تم نے میرے تابوت کا ڈھکن کھول کر میری اس نیند میں خلل اندازی کی۔ شاید میں تم سے برگشتہ ہو جاتا لیکن تمہاری صورت میرے جگری دوست راع مساس سے ملتی جلتی ہے اور تمہیں دیکھ کر مجھے راع مساس یاد آ گیا۔ تم نہیں جانتے کہ سرزمین مصر کی زیریں وادیوں میں ہم نے کس طرح بچپن اور جوانی گزاری۔ کبھی تفصیل سے تمہیں سناؤں گا۔ میری زندگی

بہت خوب صورت گزری ہے۔ پھر موت نے ہمیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ راعمساس شاید کسی اور مقبرے میں مدفون ہو۔ میری رُوح اُسے تلاش نہیں کر سکتی۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مٹی میں مل کر خاک ہو گیا ہو اور اس کی لاش کو حنوط نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ ایک عام نوجوان تھا۔ میں اس کا ہم شکل ہونے کی حیثیت سے تمہیں اس کی جگہ دے سکتا ہوں۔ جو کچھ ہم روحیں کر سکتی ہیں، وہ تمہارے لئے کروں گا۔ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ دنیا کی ہر نعمت، ہر خوشی میں تمہارے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دوں گا۔ لیکن جو کچھ میرے بس میں ہے، اس سے میں تمہاری مدد کرنے میں دریغ نہیں کروں گا۔ تمہاری آنکھوں سے میں اس دنیا کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا اب یہ خیال تمہارے ذہن سے نکل چکا ہے کہ میں راعمساس ہوں؟''

''ہاں! ساری رات میں نے تمہارا ذہن پڑھا ہے۔ تمہاری داستانِ حیات میرے علم میں آ چکی ہے۔ تم واقعی راع مساس نہیں ہو۔ لیکن تمہارا پراسرار چہرہ مجھے راعمساس کی یاد دلاتا ہے اور میں اپنے دوست کے نام پر تمہیں بھی دوست گردانتا ہوں۔''

''میرے ذہن کو پڑھ کر تمہیں یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کیسے کیسے مصائب سے گزر چکا ہوں۔''

''تمہارا ماضی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میں تمہارے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ گو کہ تم وہ نہیں ہو، جو بن کر یہاں آئے ہو۔ لیکن اب تمہاری زندگی یہی ہے۔ تو پھر اپنے آپ کو وہی سمجھو، جو بنا دیئے گئے ہو۔''

''لیکن عسکری کے بارے میں تم جانتے ہو؟''

''ہاں! میں جانتا ہوں کہ وہ شخص شیطان کا آلہ کار ہے۔ دولت کے بل پر اس نے اپنے لئے بے شمار پناہ گاہیں بنا رکھی ہیں۔''

''اس کو شکست دینے کے لئے تم میری مدد کر سکتے ہو؟''

''یہ سوال تم نے بہت بہتر کیا ہے۔ میں تمہیں بتا دوں کہ کس کس طرح میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ میں تمہارے دشمنوں کی سازش سے آگاہ کر سکتا ہوں۔ بتا سکتا ہوں کہ وہ تمہارے خلاف کیا کارروائی کر رہے ہیں۔ لیکن میرے عزیز راع مساس! میں جسمانی قوتیں نہیں رکھتا۔ کیونکہ میں بے جسم ہوں۔ روحوں کی کچھ اقدار ہوتی ہیں۔ ان پر پابندیاں

عائد ہوتی ہیں۔ یہ راز موت کے بعد ہم پر کھلا۔ میں تمہیں روحوں کے راز سے آگاہ نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم جسمانی طور پر معطل ہوتے ہیں۔ پچھلی رات ان غنڈوں سے نمٹنے کے لئے میں نے تمہارے بدن کو تحریک دی اور ظاہر ہے اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن ہر جگہ میں ہی یہ سب کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنی جسمانی قوتوں کو خود استعمال کرنا ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں تمہاری رہنمائی کردوں گا۔ تمہیں اپنے آپ کو اپنے طور پر مضبوط بنانا ہوگا۔ صرف میرے اوپر بھروسہ کرنا مناسب نہیں ہوگا اور نہ شاید مجھے اس کی اجازت ملے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اپنے آپ پر قناعت کرو۔ دشمنوں سے نمٹنے کے لئے ذہنی اور جسمانی قوتوں کا استعمال ضروری ہے۔ میری مدد اس شکل میں تمہارے لئے حاضر ہے کہ میں قبل از وقت تمہیں تمہارے دشمنوں کی کارروائیوں سے آگاہ کردوں۔''

میں چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے اپنے ذہن میں گونجنے والی اس آواز کو سن رہا تھا اور غور کررہا تھا۔ تب میں نے کہا۔ ''کیا تم میری مالی اعانت بھی کرسکتے ہو؟ میرا مطلب ہے میری ضروریات پوری کرسکتے ہو؟''

''کسی حد تک۔ میں تمہیں شہنشاہ مصر نہیں بنا سکتا۔ جو کچھ میرے بس میں ہے، وہ ضرور کرتا رہوں گا۔ تم اپنے معمولات جاری رکھو۔ میں اپنی حدود میں رہ کر جو کچھ تمہارے لئے کرسکتا ہوں، ضرور کرتا رہوں گا۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ یہی کیا کم تھا کہ مجھے ایک انوکھی ہستی کی دوستی حاصل ہوگئی تھی۔ اور اب..... اب میرے سامنے زیادہ پراعتماد راستے آگئے تھے۔ لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ میں اپنے اندر تبدیلیاں پیدا کروں اور مضبوط بنیادوں پر عمل کروں۔ عسکری بے چارے دانش کی دولت ہضم کرنا چاہتا تھا۔ اور اس نے بڑی چالاکی سے مجھے درمیان سے نکال پھینکا تھا۔ لیکن اب.....

''یہ کام سوچ سمجھ کر اور ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔ میں تمہاری غلطیوں کا ازالہ نہیں کر سکتا۔''

''غلط اقدام سے مجھے روک تو سکتے ہو؟'' میں نے کہا۔

''ہاں! کیوں نہیں؟ لیکن خود پر انحصار کرنا سیکھو۔'' راعمیس نے کہا اور نہ جانے کیوں

ہنس پڑا۔

میں نے ذہن کے دروازے کھول دیئے۔ عسکری کے ہاتھ زک اٹھا چکا تھا۔ اس لئے دوبارہ اس کے پاس جانا مناسب نہیں تھا۔ اب کسی ٹھوس بنیاد پر ہی کام کرنا ہوگا۔ نئے حالات نے میرے دل میں اعتماد پیدا کردیا تھا۔ میرا نادیدہ دوست بہرحال میرا مددگار تھا۔ سب سے پہلے اپنے لئے کسی بہتر رہائش گاہ کا بندوبست کروں۔ لیکن اس کے لئے دولت کہاں سے آئے؟ رقم کا تھوڑا بہت بندوبست تو ضروری تھا۔

''اس کے لئے تم شہ پارہ سے کیوں نہیں ملتے؟'' میرے ذہن میں راعمیس کی آواز ابھری۔

''کیا وہ میری مدد کرسکتی ہے؟''

''اگر تم اسے شیشے میں اُتار سکو۔ وہ مجرمانہ کارروائیاں کرتی ہے اور اسے بہرطور ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''خوب..... اگر تم اتنا ہی کرتے رہو تو کافی ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ راعمیس نے بہترین تجویز پیش کی تھی۔

''وہ حسن پرست ہے اور تم مصر کے حسین لوگوں میں شمار ہوتے ہو۔ اپنا حلیہ بہتر کرکے اس کے پاس جانا۔'' راعمیس نے کہا اور میں پرمسرت انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کمرے کو تالا لگا کر میں نے جیب میں رکھے کرنسی نوٹ دیکھے۔ عبداللہ کا احسان ابھی کچھ عرصہ ساتھ دے سکتا تھا۔ چنانچہ میں بازار پہنچا اور ایک خوبصورت شاندار سٹور سے اپنے لئے نیا لباس خریدا۔ ایک حمام میں جاکر شیو بنوائی، غسل کیا اور پرانا لباس حمام ہی میں چھوڑ دیا۔ باہر آکر جوتے پر پالش کرائی اور اب میرا حلیہ انسانوں جیسا ہوگیا تھا۔ شہ پارہ کا دیا ہوا کارڈ اس دوران سنبھال کر رکھا تھا۔ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر اس کے ریستوران کی طرف چل پڑا۔

ریستوران کی زندگی شاید دوپہر کے بعد شروع ہوتی تھی کیونکہ اس وقت وہ سنسان پڑا تھا۔ وہ کار مجھے ریستوران کے باہر نظر آگئی جس میں رات کو شہ پارہ نظر آئی تھی۔ ایک ملازم کار کی صفائی کررہا تھا۔

''مجھے خاتون شہ پارہ سے ملنا ہے۔''

''وہ بیمار ہیں۔ اس وقت کسی سے ملنا پسند نہیں کریں گی۔''

''لیکن مجھ سے ملنا ضرور پسند کریں گی۔ تم یہ کارڈ انہیں دے دو۔'' میں نے شہ پارہ کا دیا ہوا کارڈ نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔ ملازم نے کارڈ اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر مجھے رُکنے کا اشارہ کر کے اندر چلا گیا۔ شاید شہ پارہ کا قیام بھی اسی ریستوران میں تھا۔

میں انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملازم مجھے بلانے آ گیا۔ ریستوران کے اندر ہال سے ہی ایک زینہ اوپر جاتا تھا۔ ملازم اس زینے سے گزار کر مجھے راہداری میں لایا اور پھر ایک کمرے کے دروازے پر چھوڑ کر چلا گیا۔ باقی کام مجھے کرنا تھا۔ میں نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرے کی سجاوٹ حسین تھی۔ سامنے ہی سفید سلک کے لبادے میں لپٹی ہوئی شہ پارہ بیٹھی تھی۔ اس کی مخروطی انگلیوں میں ہولڈر دبا ہوا تھا جس میں ایک پتلی اور لمبی سگریٹ سلگ رہی تھی۔

اس نے مجھے دیکھا اور چونکی۔ پھر سنبھل کر مسکرانے لگی۔ ''داؤد۔'' اس کے حلق سے ... کی سی آواز نکلی۔ اس کی بادامی آنکھوں میں ایک تیز چمک پیدا ہو گئی تھی۔ ''ہر نئے آنے والے کا ایک تعارف ہوتا ہے۔ لیکن تم تو سر سے پاؤں تک خود اپنا تعارف ہو۔ آؤ! آؤ آؤ۔ بیٹھو پلیز۔'' اس نے کہا۔ اس کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان تھی۔ بدن فربہی کی طرف مائل تھا۔ بال رنگے ہوئے تھے۔ چہرے اور ہونٹوں پر پھیلی ہوئی اوباش مسکراہٹ سے اس کے ٹائپ کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ میں آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ ''کیا منگواؤں تمہارے لئے؟ وہسکی یا کچھ اور.....''

''شکریہ! مجھے پہچان لیا آپ نے؟''

''حسین ہو۔ کون ہو؟ میرا کارڈ کہاں سے آیا تمہارے پاس؟''

''اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے نہیں پہچان سکیں۔'' میں آپ سے تم پر آ گیا۔

''آواز سنی ہوئی لگتی ہے۔ اوہ... نہیں۔ آہ! تم وہی ہو جس نے رات کو ویلی آف ... کے علاقے میں میری مدد کی تھی۔''

''اور تم نے مجھے اپنا کارڈ دیا تھا۔''

''مجھے افسوس کرنے دو کہ میں نے تمہیں رات کو غور سے کیوں نہیں دیکھا تھا۔ تمہیں میرے ساتھ ہی آنا چاہئے تھا۔'' اس نے کہا اور پھر ایک دم چونک گئی۔ اس نے سگریٹ

ہولڈر بلوریں ایش ٹرے میں رکھ دیا اور پھر سنبھل کر بیٹھ گئی۔ ''معاف کرنا! میں بے خیالی میں اُلٹی سیدھی باتیں کرنے کی عادی ہوں۔''

''میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔'' میں نے استہزائیہ مسکراہٹ سے کہا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ تب میں بولا۔ ''یقیناً تم سوچو گی خاتون شہ پارہ! کہ ایک چھوٹا سا کام کرنے کے بعد میں صبح ہوتے ہی تم سے اس احسان کا صلہ مانگنے چلا آیا۔ لیکن ایک پریشان حال انسان ہر سہارے کو ٹٹولتا ہے۔ میرے پاس اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا کہ میں تم سے بھی مل لوں۔ اس بات کا تمہیں مکمل اختیار ہے کہ میری مدد کرنے سے انکار کر دو۔''

''نہیں نہیں۔ اس رات کو میں بری طرح ان کے جال میں پھنس گئی تھی۔ غلطی میری ہی تھی جو بس اس طرح چلی گئی۔ اگر تم نہ ہوتے تو مجھے بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑتا۔ اگر تم پریشان ہو تو بے تکلفی سے مجھ سے اپنی پریشانی بیان کرو۔ کہو، کیا بات ہے؟''

''میرا نام دانش داؤد ہے۔''

''مجھے یاد آ گیا۔ تم نے بتایا تھا۔''

''انتہائی پریشان کن حالات کا شکار ہوں۔ میرے دشمنوں نے مجھ پر عرصہ حیات تنگ کر دیا ہے۔''

''دشمن..... کیا تمہارے بھی کچھ دشمن ہیں؟''

''ہاں! شاید تم نے عسکری کا نام سنا ہو۔ وہ شہر کے دولت مند لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن اس کی یہ آن بان میرے باپ ابو داؤد کی بنیاد پر ہے۔''

''ابو داؤد.... دانش داؤد.....'' وہ چونک پڑی اور پھر اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ ''اوہ میرے خدا! تم ابو داؤد کے بیٹے ہو۔ تم تو بہت بڑے آدمی ہو۔ میں عسکری کو جانتی ہوں۔''

''لیکن میں بہت چھوٹا انسان ہوں۔'' میں نے ضروری امور بچا کر اسے اپنی کہانی سنا دی۔ پوری تفصیل بتانے کے بعد میں نے کہا۔ ''اور اَب عسکری چاہتا ہے کہ میں سڑکوں پر بھیک مانگتا نظر آؤں۔ میرے وسائل محدود ہیں اور میں اُس کے مقابلے کی سکت نہیں رکھتا۔ میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کم از کم اتنا کہ اس کی خواہش پوری نہ ہو سکے اور وہ مجھے جس حال میں دیکھنا چاہتا ہے، اس میں نہ دیکھ سکے۔''

''کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ میں سمجھ رہی ہوں۔ اطمینان رکھو! اس کی خواہش کبھی پوری نہ ہو سکے گی۔'' اس نے مجھے دلاسا دیا۔

''مجھے تمہاری مدد درکار ہے میڈم شہ پارہ!''

''اپنے دماغ سے ہر اُلجھن نکال دو۔ تم اب میرے پاس ہو۔ میں اتنی بے وسیلہ بھی نہیں ہوں کہ عسکری جیسے لوگ میرے خلاف کچھ کرسکیں۔ اگر مجھ پر بھروسہ کرسکو تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ تم جوان اور طاقت ور انسان ہو۔ اپنے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دے سکتے ہو۔ تمہیں بھلا کون جھکا سکتا ہے؟''

''میں اس وقت تنکے کا بھی سہارا چاہتا ہوں۔''

''میرا سہارا ایک شہتیر کا سہارا ہوگا۔ اس وقت کہاں رہتے ہو؟''

''میں نے اس جگہ کا نام بتایا تو اس نے ناک سکوڑ لی۔'' اب تم وہاں نہیں جاؤ گے۔ یہاں بہت جگہ ہے۔ تمہاری یہ ضرورت یہاں پوری ہو جائے گی۔''

''میں نے ٹھیک کہا تھا نا؟'' ذہن میں رامیس کلبلایا۔

''بالکل ٹھیک۔'' میں آہستہ سے بولا۔

''کچھ کہا؟'' شہ پارہ نے خیالات سے چونک کر کہا۔

''ہاں! بالکل ٹھیک۔'' میں نے با دلِ ناخواستہ جواب دیا۔

''میرے برابر والے کمرے میں تمہارا قیام رہے گا۔ فی الحال میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتی۔ لیکن اطمینان رکھو! عسکری کو ناکوں چنے چبوا دیئے جائیں گے اور اسے تمہاری دولت اُگلنی پڑے گی۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔''

''اب کچھ پی لو۔''

''شراب کے علاوہ جو دل چاہے پلا دو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آہ! پینے کی ایک ہی تو شے ہے اس کائنات میں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ میں تمہارے لئے کافی منگوائے دیتی ہوں۔''

کافی پیتے ہوئے میں نے کہا۔ ''میں تمہارے اوپر بار نہیں بننا چاہتا شہ پارہ! اس دوران جب تک تم میری کفالت کرو، میرے سپرد کوئی ایسا کام کر دو جو میرے لئے مناسب

سمجھتی ہو۔''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ کچھ دن مہمان بن کر رہو۔'' اس نے سگریٹ کے پیکٹ سے دوسری سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبالی۔

جو کمرہ اس نے میرے لئے منتخب کیا تھا وہ خوب آراستہ تھا۔ ایک بار پھر تقدیر چمکی تھی۔ لیکن اب مجھے اس پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ کون جانے کب تقدیر کا چاند بدلی میں چھپ جائے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد شہ پارہ نے کہا کہ وہ شام تک کے لئے جا رہی ہے۔ ریستوران کے ملازم ایک معزز مہمان کی حیثیت سے میری ہر خواہش کی پذیرائی کریں گے۔ کوئی تکلف نہ کرنا۔

شام کو سات بجے کے قریب شہ پارہ واپس آ گئی۔ ریستوران آباد ہو گیا تھا۔ نیچے سے موسیقی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''رات کو دل افزا رقص کرے گی۔ بہت اچھی رقاصہ ہے۔ تمہیں اس کا رقص پسند آئے گا۔ آج تہرانہ میں خصوصی پروگرام ہے اس کا۔''

میں نے رقص سے دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ شہ پارہ نے مجھے ایک لباس دیتے ہوئے کہا۔ ''اسے پہن لو۔ ایک دوست کا تحفہ ہے۔ کوئی بات محسوس نہ کرنا۔''

میں نے دوست کا تحفہ بخوشی قبول کرلیا۔ ان حالات میں کر بھی کیا سکتا تھا؟ پھر غسل کر کے خود کو سنوارا اور لباس پہن کر تیار ہو گیا۔ رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے جب اچانک نیچے ہال میں لاتعداد نسوانی چیخیں گونج اٹھیں۔ ان میں مردانہ آوازیں بھی شامل تھیں۔ پھر کرسیاں، میزیں اُلٹنے کی آوازیں بھی ان میں شامل ہو گئیں اور میں بوکھلا کر باہر نکل آیا۔ شہ پارہ بھی وحشت زدہ ہو کر باہر آ گئی تھی۔ نیچے بوتلیں ٹوٹ رہی تھیں۔ ہم دونوں نے بیک وقت جھانک کر نیچے دیکھا۔ وہ چھ آدمی تھے۔ چست پتلونیں اور جیکٹیں پہنے ہوئے تھے۔ ہال تقریباً خالی ہو گیا تھا۔ خوفزدہ لوگ باہر بھاگ گئے تھے۔

پھر ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ ''اوپر..... اوپر..... وہ اوپر ہے.....'' اور چار خوفناک آدمی سیڑھیوں کی طرف لپکے۔ اُن کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔ میرے ہوش اُڑ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

میرا رُواں رُواں دہشت سے کانپ رہا تھا۔ چاروں غنڈے صورت سے ہی خطرناک نظر آ رہے تھے جن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ خطرناک قاتل ہیں۔ میں ان کے منہ سے ''اوپر'' کا لفظ سن چکا تھا جس سے صاف ظاہر تھا کہ انہیں میری یا شہ پارہ کی تلاش ہے۔

شہ پارہ جو صورتحال کا جائزہ لینے باہر آ گئی تھی، ایک دم اندر بھاگ گئی۔ لیکن مجھ سے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں گیا۔ ہر لمحہ ہر آن مجھے احساس ہو رہا تھا کہ اب وہ اوپر پہنچے اور میرا تیا پانچا کیا۔ لیکن پھر نجانے کیا ہوا، چاروں غنڈے سیڑھیوں پر اُچھلنے لگے۔ ان کے انداز سے احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی دانست میں برق رفتاری سے سیڑھیاں عبور کر رہے ہیں، لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اوپر نہیں آ پا رہے تھے۔ بس اپنی اپنی سیڑھی پر کھڑے اُچھل رہے تھے۔ البتہ ان کے انداز میں سخت جوش پایا جاتا تھا۔

تہرانہ کی تمام میزیں خالی ہو چکی تھیں۔ ہال میں ان چار غنڈوں کے بقیہ دو ساتھیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ یہاں تک کہ بارٹینڈر اور بیرے وغیرہ بھی حالات کی نزاکت کا احساس کر کے فرار ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کی یہ احمقانہ پریڈ میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ اوپر کیوں نہیں آ رہے؟ رفتہ رفتہ ان کا جوش سرد پڑنے لگا اور چہروں پر بوکھلاہٹ بھی نظر آنے لگی۔ وہ اب بھی اسی طرح پاؤں اٹھا رہے تھے، جیسے سیڑھیاں چڑھ رہے ہوں۔ لیکن جتنی سیڑھیاں چڑھ چکے تھے، ان سے ایک سیڑھی بھی آگے نہیں بڑھ سکے تھے۔ نیچے کھڑے غنڈے حیرت سے منہ پھاڑے اپنے ساتھیوں کو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ اپنے ساتھیوں کا یہ کھیل ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے والے غنڈے اس ناکامی کے باوجود اپنی کوشش ترک نہیں کر پا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی قوت ساتھ چھوڑنے لگی۔ وہ اب بھی پاؤں اٹھا رہے تھے لیکن تھکے تھکے انداز میں۔ اور اس کے بعد سیڑھیوں پر گر کر ہانپنے لگے۔ ان کی حالت خراب ہو گئی تھی۔

اسی وقت عقبی دروازہ کھلا اور پولیس کے بہت سے سپاہی اپنے افسر کی رہنمائی میں اندر داخل ہو گئے۔ پہلے نیچے کھڑے توڑ پھوڑ کرنے والے ان کی گرفت میں آئے اور پھر انہوں نے اطمینان سے سیڑھیوں پر چڑھ کر ہانپتے غنڈوں کو قابو میں کر لیا۔ شہ پارہ باہر آ گئی۔ پتہ چلا کہ وہ پولیس کو فون کرنے کے لئے اندر گئی تھی۔

پولیس افسر کا رویہ شہ پارہ کے ساتھ بہت نیاز مندانہ تھا۔ شہ پارہ نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

''تم اطمینان سے اپنے کمرے میں رہو۔ اب میرے آدمی یہاں پہرے پر آ گئے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے لئے پولیس افسر کے ساتھ جا رہی ہوں۔'' میں نے گردن ہلا دی۔ لیکن عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ یہ دلچسپ ہنگامہ کیسا تھا۔

''لطف نہیں آیا؟'' میرے ذہن میں راعمیس کی آواز اُبھری اور میں اُچھل پڑا۔

''کیا مطلب؟'' میں نے کہا۔

''عسکری کے بھیجے ہوئے غنڈے تھے۔'' راعمیس نے کہا۔

''اوہ...تت تو.....''

''وہاں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ تمہاری پٹائی کرنے کے ساتھ ساتھ تہرانہ کو بھی تباہ کر دیں تاکہ شہ پارہ کو تمہیں پناہ دینے کی سزا مل جائے۔''

''پھر انہیں کیا ہو گیا؟''

''کچھ نہیں۔ سیڑھیاں ذرا لمبی ہو گئی تھیں۔'' راعمیس نے کہا۔

''اوہ! اس کا مطلب ہے.....''

''وہ مسلسل سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ لیکن سیڑھیاں ختم کیسے ہو سکتی تھیں؟'' راعمیس کا ہلکا سا قہقہہ میرے کانوں میں اُبھرا۔

☆.....☆.....☆

میں شہ پارہ کی واپسی سے قبل ہی سو گیا تھا اور صبح کو اس وقت جاگا جب سورج کی نرم کرنیں آگ کا روپ اختیار کر رہی تھیں۔ آنکھ کھلی تو احساس ہوا کہ کوئی اور بھی میرے پاس موجود ہے۔ چونک کر دیکھا تو شہ پارہ تھی جو شب خوابی کے لباس میں بے سدھ سو رہی تھی۔ منہ سے خود بخود ''ارے باپ رے'' نکل گیا اور میں نے بوکھلا کر مسہری سے چھلانگ لگا

دی۔ مسہری میری اس حرکت سے زلزلے کا شکار ہوئی تو شہ پارہ بھی جاگ گئی۔ اس نے کروٹ بدل کر مسہری پر شاید مجھے ٹٹولا اور جب اس کا ہاتھ مجھ سے نہ ٹکرایا تو چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ میں ہونق سا بنا ایک سمت کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور مجھے یوں لگا جیسے میری روح عالم بالا کی طرف محوسفر ہوگئی ہو۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کی نشیلی کیفیت اور ہونٹوں کی لرزش بڑی تباہ کن تھی۔ میں تھوک نگلنے لگا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا ڈیئر؟ کیا نیچے پھر کوئی ہنگامہ ہو رہا ہے؟''

''نن.... نن.... نہیں..... ب..... باتھ روم...'' میں نے بوکھلاتے ہوئے کہا اور پھر تیزی سے باتھ روم کی طرف دوڑ گیا۔

ٹھنڈے پانی کے غسل نے طبیعت صاف کر دی تھی۔ رات کے واقعات مکمل طور پر یاد آ گئے اور تھوڑی دیر بعد میں باہر نکل آیا۔ شہ پارہ نے بیڈ ٹی طلب کر لی تھی۔ اُس نے چائے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''یوں لگتا ہے جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھ کر جاگے تھے۔ کیا ہو گیا تھا تمہیں؟''

''ک..... کک..... کچھ نہیں..... سس..... سردی لگ رہی ہے۔'' میں نے کپکپاتے ہوئے کہا۔

''لو! چائے پیو۔ ویسے میں بیڈ ٹی لینے کی عادی ہوں۔''

''شکریہ!'' میں نے کہا اور مسہری پر پڑی ہوئی ایک کرسی پر جا بیٹھا۔

''وہ کمبخت یقیناً میرے دشمنوں کے آدمی تھے۔ اور مجھے نقصان پہنچانے آئے تھے۔ لیکن پولیس سٹیشن میں انہوں نے بیان دیا ہے کہ وہ اس وقت نشے میں مدہوش تھے اور کسی جانے بوجھے پروگرام کے تحت تہرانہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ پولیس افسر میرا شناسا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں اور اب صحیح بات ان سے اُگلوانا اس کا کام ہے۔ کمبختوں نے اب تو میرا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ لیکن میں بھی اب انہیں ایسا مزہ چکھاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔''

شہ پارہ جس غلط فہمی کا شکار تھی، اس سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ لیکن اس وقت میں نے شہ پارہ کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شہ پارہ نے مجھے بتایا۔ ''اگر پولیس اس سے اصل بات معلوم نہ کر سکی تو پھر تہرانہ میں فرنیچر کی توڑ پھوڑ اور شراب کی بوتلوں کی ٹوٹ

پھوٹ سے جو نقصانات ہوئے ہیں، وہ پورے نہ ہو سکیں گے۔ اس نے کہا کہ پولیس نے ان لوگوں کو لاک اپ کر دیا ہے اور مجھ سے کہا ہے کہ میں کسی بھی وقت پولیس کے افسر سے ملاقات کر لوں تاکہ وہ صورت حال کے بارے میں میرا اور تمہارا بیان لے لے۔''

''میرا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں! میں نے پولیس افسر سے کہہ دیا ہے کہ میرا ایک عزیز دوست میرے ساتھ قیام پذیر ہے۔'' شہ پارہ نے جواب دیا۔ پھر بولی۔ ''تم تیاری کر لو۔ ناشتہ کرنے کے بعد ہم پولیس سٹیشن چلیں گے۔'' میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

شہ پارہ چائے پینے کے بعد خود بھی غسل خانے میں داخل ہو گئی۔ اس کے بارے میں، میں اچھی طرح اندازہ لگا چکا تھا کہ کس قسم کی عورت ہے۔ میں اس کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ راعمیس نے مجھے اس کی راہ دکھائی تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے احساس ہو رہا تھا کہ یہ جگہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔

غسل خانے سے شہ پارہ ایک خوبصورت لباس میں برآمد ہوئی اور پھر اس نے ٹیلی فون کر کے ناشتہ طلب کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد اس نے مجھے تیار ہونے کے لئے کہا۔ میں نے گردن ہلا دی اور تیار ہوتے ہوئے میں نے اپنے ذہن میں راعمیس کا نام دہرایا تو اس کی آواز میرے کانوں میں اُبھری۔

''میں تمہاری پریشانی سمجھ رہا ہوں۔ لیکن پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تم جس پر نگاہ ڈالو گے، وہ صرف سچ بولے گا۔ کیونکہ راعمیس کو صرف سچ پسند ہے۔ چنانچہ ان لوگوں سے ان کی حقیقت پوچھنا چاہو تو انہیں خود حکم دے دینا۔ وہ سب کچھ اُگل دیں گے۔''

''لیکن راعمیس! میرے لئے عسکری کی دشمنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔''

''بزدل دوست! ہر جگہ بزدلی مت دکھایا کرو۔ کیا رات کو عسکری کے آدمی تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے؟ اطمینان رکھو! جب تک میں تمہارے وجود میں چھپا ہوا ہوں، وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔''

''یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن.....''

''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ کمال کے دوست ہو؟ پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔ زندگی سے بھرپور

اور ہنگاموں سے خوش رہنے والے۔ پتا نہیں اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔''

''مجھے کچھ نہیں ہو گیا راعمیس! تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں، جو تم سمجھ رہے ہو۔''

''نہیں ہو تو بن جاؤ۔ ورنہ اگر مجھے یہ احساس ہو گیا کہ تم ان جیسے نہیں بن سکتے تو پھر میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ سوچ لو۔ مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے یہ تمہاری دنیا فراعنہ کے دور سے بالکل مختلف ہو گئی ہے۔ یہاں کی زندگی میں مکر و فریب، ظلم و بربریت سب کچھ ہے۔ جبکہ فراعنہ کے دور میں صرف چند ہی ایسی چیزیں تھیں جو عام لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھیں۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ تمہاری صورت میں، میں تمہاری دنیا کے ایک ایک گوشے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی اس نئی دنیا کی سیاحت کراؤ اور کسی بھی جگہ قیام نہ کرو۔ تفریح، ہنگامے زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ اور میں تمہارے اس دور میں جاگنے کے بعد نئی زندگی سے روشناس ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن بار بار مجھ سے انحراف کر کے تم میرے غضب کو آواز نہ دو۔''

''نہیں نہیں راعمیس! میں تم سے منحرف نہیں ہوں۔ بس! میں ذرا کمزور دل کا آدمی ہوں۔''

''فکر مت کرو۔ جہاں مصیبت کا شکار ہو جاؤ گے، وہاں میں تمہیں سہارا دوں گا۔''

اس نے دلی طور پر مجھے کافی مضبوط کر دیا اور میں تیار ہو گیا کہ شہ پارہ کے ساتھ پولیس سٹیشن چلا جاؤں۔ شہ پارہ تھوڑی دیر بعد میرے ساتھ اپنی خوبصورت کار میں بیٹھ کر چل پڑی۔ مرد مار قسم کی عورت تھی۔ کسی طرح کے ہنگاموں سے نہ گھبرانے والی۔ بس ان لمحات میں تو وہ بے بس ہو گئی تھی، جب میری اس سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ ورنہ شاید صورت حال مختلف ہوتی۔ پولیس سٹیشن پہنچ کر میں نے اس پولیس انسپکٹر کو پہچان لیا جس نے تہرانہ میں چھاپہ مار کر ان لوگوں کو گرفتار کیا تھا۔ پولیس انسپکٹر، شہ پارہ سے خصوصی لگاؤ رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بڑی بے تکلفی سے اس کا استقبال کیا اور اسے بیٹھنے کی پیشکش کر دی۔

''وہ بدبخت لوگ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہتے کہ وہ شراب کے نشے میں تہرانہ جا گھسے تھے۔ میرے افسر اعلیٰ نے مجھ سے ان کے بارے میں تفصیلات طلب کی تھیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی نے اُن کے لئے کوششیں کی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد اُنہیں افسر اعلیٰ کے

پاس لے کر جا رہا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں خانم شہ پارہ! تو میرے ساتھ چلیں۔''

خانم شہ پارہ نے آمادگی کا اظہار کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑے۔ پولیس کی ایک اور گاڑی میں ان چھ غنڈوں کو بھی ہمارے پیچھے ہی پیچھے لایا جا رہا تھا۔ پولیس ہیڈ کوارٹر میں جس شخص کے سامنے ان لوگوں کو پیش کیا گیا، اسے دیکھ کر میں نے گہری سانس لی تھی۔ کیونکہ وہ ابو سلمان تھا۔ ابو سلمان کے لئے ابتداء میں تو میرے دل میں بڑے اچھے خیالات تھے۔ لیکن بعد کی صورت حال کی وجہ سے میں اس سے بد دل ہو گیا تھا۔ ابو سلمان نے مجھے دیکھا تو متحیرانہ انداز میں آنکھیں گھمائیں اور پھر خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''دانش داؤد صاحب! آپ کا خانم شہ پارہ سے کیسے تعلق ہو گیا؟''

''اوہ! اس کا مطلب ہے، آپ دانش داؤد سے واقف ہیں۔'' شہ پارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور شاید آپ ناواقف۔ کیا آپ یہ بات نہیں جانتیں خانم شہ پارہ! کہ دانش داؤد، ابو داؤد کے صاحبزادے ہیں اور حال ہی میں وہ اپنی تمام دولت اور جائیداد سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ سنا ہے عسکری صاحب سے ان کا کوئی اختلاف چل رہا ہے۔''

''خیر! یہ سب بعد کی باتیں ہیں اور ان کا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں آپ کو ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات بتانے آئی ہوں۔''

ابو سلمان نے گہری نگاہوں سے اپنے سامنے پیش کئے جانے والے ان چھ غنڈوں کو دیکھا اور پھر اپنی ٹوپی سر سے اُتار کر میز پر رکھتا ہوا بولا۔ ''ہاں دوستو! خانم شہ پارہ کے ہوٹل کو تباہ کرنے کی کوشش کیوں کی تھی؟''

''ہم میں سے کسی نے یہ کوشش نہیں کی جناب! ہم اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس وقت ہم نشے میں تھے۔ خانم شہ پارہ کا جو بھی نقصان ہوا ہے، ہم اسے ادا کرنے کے لئے تیار ہیں اور ان سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔ پکڑے جانے کے بعد یہ لوگ خود کو نشے میں کہہ رہے ہیں۔ ورنہ میں جانتی ہوں کہ ان لوگوں کا تعلق کس سے ہے۔''

''ہمارا تعلق کسی سے نہیں ہے۔ ہم مصر کے شریف شہری ہیں اور اپنا چھوٹا سا جرم تسلیم کر

چکے ہیں۔''

''کیا آپ کے پاس ان کے خلاف کوئی موثر ثبوت ہے خانم شہ پارہ؟'' ابوسلمان نے سوال کیا۔

''اب میری باری تھی۔ چنانچہ میں نے راعمیس کی ہدایات کے مطابق ان لوگوں کے چہرے دیکھے۔ ایک ایک سے نگاہیں ملانے کے بعد میں نے خود اُن سے سوال کیا۔

''کیا تم حلفیہ بیان دے سکتے ہو کہ تم کسی برے ارادے سے تہرانہ میں نہیں داخل ہوئے تھے؟''

''وہ..... دراصل..... وہ....'' ان لوگوں نے بیک آواز گھبرائے ہوئے انداز میں کہا اور ابوسلمان چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''

''یہ حقیقت نہیں ہے جناب! کہ ہم خانم شہ پارہ کو کوئی نقصان پہنچانے کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ ہمارا اصل مقصد تو تہرانہ کو تباہ کرنا اور اس شخص کو زدوکوب کرنا تھا۔'' انہوں نے میری طرف اشارہ کر کے کہا اور ابوسلمان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

''کیا بکواس کرتے ہو؟ ابھی تم کچھ اور کہہ رہے تھے۔''

''اس وقت ہم جھوٹ بول رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں عسکری نے اس کام پر آمادہ کیا تھا۔ عسکری، دانش داؤد کا مخالف ہے اور چاہتا ہے کہ دانش داؤد، قاہرہ کی سڑکوں پر بھیک مانگتا پھرے۔ خانم شہ پارہ نے اس شخص کو پناہ دے کر عسکری سے دشمنی مول لی ہے اور یہ سب کچھ اس کے نتیجے میں تھا۔ اس نے ہمیں حکم دیا تھا کہ تہرانہ کو مکمل طور پر تباہ کر دیں اور اس شخص کو بری طرح مارا پیٹا جائے۔ اس طرح ان دونوں کو سزا دینا مقصود تھی۔

''کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ کیا تم سب کا ایک ہی بیان ہے؟''

''ہاں! ہم جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

''یہ لوگ..... یہ لوگ شاید پاگل ہو گئے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ یہ لوگ سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کرتے رہے تھے اور اوپر نہیں پہنچ سکے تھے۔ کیوں؟ تم نے اگر یہی فیصلہ کیا تھا کہ دانش داؤد کو نقصان پہنچاؤ تو تم سیڑھیاں عبور کر کے اوپر کیوں نہیں گئے تھے؟''

''تہرانہ ایک طلسمی جگہ ہے۔ حالانکہ اس کا اوپر کا حصہ صرف ایک منزلہ ہے۔ لیکن آپ

یقین کر سکتے ہیں کہ ہم نے کم از کم بیس منزلیں طے کی تھیں، بلکہ ممکن ہے کہ اس سے کچھ زیادہ۔ اور اس کے باوجود ہم اوپر نہیں پہنچ سکے تھے۔''

''دیکھ رہی ہیں خانم شہ پارہ! آپ ان کا حال دیکھ رہی ہیں؟ پتہ نہیں کون سا گندا نشہ کیا ہے انہوں نے کہ ابھی تک ان کے حواس قابو میں نہیں ہیں۔ آپ کے ایک منزلہ ہوٹل کی عمارت کو طے کرنے کے لئے انہوں نے بیس منزل تک کا سفر کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کا طبی معائنہ کرا لیا جائے۔ اگر واقعی یہ نشے میں تھے یا ہیں تو پھر جو کچھ انہوں نے کیا ہے، اس کے لئے یہ لمبی سزا کے مستحق نہیں ہیں۔''

میرے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ ابوسلمان، عسکری کے ہاتھوں بک چکا ہے۔ اور میں اگر چاہتا تو راعمیس کی مدد سے اسی وقت ابوسلمان کو سچ بولنے پر مجبور کر دیتا لیکن مصلحتاً میں نے ایسا نہیں کیا اور ابوسلمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے شہ پارہ سے کہا۔ کہ اگر وہ چاہے تو ان لوگوں پر مقدمہ قائم کر سکتی ہے۔ یہ لوگ ابھی پولیس کی تحویل میں رہیں گے۔ لیکن کسی نے اگر ان کی ضمانت کرانا چاہی تو پولیس کو اس پر اعتراض نہیں ہو گا۔ بہتر ہے کہ شہ پارہ اپنے وکیل سے پولیس افسر کی ملاقات کرا دے۔

شہ پارہ، پولیس ہیڈ کوارٹر سے واپس لوٹی تو اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔ راستے میں اس نے کہا۔ ''صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ابوسلمان ان لوگوں کی مدد کر رہا ہے۔ لیکن شاید وہ یہ بات نہیں جانتا کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں اس کے افسر اعلیٰ سے براہِ راست رابطہ رکھتی ہوں۔ اسے ناکوں چنے چبانے پڑیں گے۔''

''میرا خیال ہے شہ پارہ! اس مسئلے کو زیادہ طول نہ دو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عسکری صاحب میرے بدترین دشمن ہو گئے ہیں۔ وہ مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور یہ سب کچھ درحقیقت میری ہی وجہ سے ہوا تھا۔''

''لیکن دانش داؤد! میں تمہیں اپنا مہمان بنا چکی ہوں۔ میرا تعلق ایران سے ہے۔ اور یہاں میں اپنا بھرپور تحفظ رکھتی ہوں۔ میں دیکھوں گی کہ عسکری کہاں تک جا سکتا ہے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ مجھے بھی سزا دینا چاہتا ہے تو پھر اسے بھی بہت تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔ میں ابھی تہرانہ چل کر اپنے وکیل کو فون کرتی ہوں۔ دیکھوں گی کہ یہ لوگ کہاں تک جا سکتے ہیں۔''

میں نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اپنے طور پر میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس بات کا خدشہ بھی تھا کہ راعمیس میری بزدلی پر ناراض ہو جائے گا۔ یہ بہت بڑا سہارا مل گیا ہے مجھے۔ حالانکہ عقل اس بات کو تسلیم نہیں کرتی تھی کہ فراعنہ کے مقبرے میں سونے والی ایک روح میری ساتھی بن گئی ہے اور بقول اس کے، اس نے میرے وجود میں بسیرا کر لیا ہے۔ جو حالات سامنے آئے تھے، وہ عقل کو بھی چکر دے رہے تھے۔ ذہن میں گونجنے والی آواز، ہر لمحہ ایک نیا واقعہ اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ یہ مسئلہ ناقابل یقین سہی لیکن حقیقی ہے۔ اور پھر مجھے بھی خوف تھا کہ ایک فرعون شہزادے کی ناراضگی مول لے کر کہیں میں اپنی زندگی ہی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ میرے ذہن میں آواز اُبھری۔

''یہ حقیقت ہے راعمیس کے دوست کے ہم شکل! کہ اگر تم نے مجھ سے انحراف کیا تو پھر یہ دنیا تم پر تنگ ہو جائے گی۔''

''نہیں نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اتنا تو سوچو کہ میرے ذہن میں یہ خیالات آنا قدرتی امر ہے۔''

''جو کچھ بھی ہے، لیکن تم اب مجھ پر کوئی شک نہیں کرو گے۔ عجیب انسان ہو۔ میری مدد سے تو مکمل فائدہ اٹھاتے رہے ہو اور اب میری حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کر رہے۔''

''بب..... بالکل ٹھیک..... بالکل ٹھیک۔'' میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شہ پارہ کو اپنے وکیل کو ٹیلی فون کرنے دو۔ وہ تمہاری جس شکل میں بھی مدد کر رہی ہے، اسے قبول کرتے رہو۔ عسکری کو درحقیقت چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ بس! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اس سے انحراف کسی طور نہ کرنا۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد شہ پارہ نے مجھے ایک وکیل سے ملا دیا۔ خوش پوش اور نفیس طبیعت کا انسان تھا۔ بڑے اخلاق سے مجھ سے پیش آیا۔ اس نے بتایا کہ چونکہ دونوں ایک ہی پروفیشن سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے عبداللہ سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ وکیل نے مجھ سے تمام تفصیلات سنیں اور اس کے بعد شہ پارہ سے سوالات کرتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ ان پر مقدمہ دائر کر دیں۔ پولیس افسر نے آپ کی رپورٹ تو لکھ لی ہوگی۔''

''ہاں!''

''اس سے اس رپورٹ کی ایک نقل طلب کر لیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم عسکری کو براہِ راست گھیر سکتے ہیں۔''

میں نے ان باتوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس کے بعد یہ کارروائیاں دو دن تک جاری رہیں۔ اس دوران ہمیں اطلاع مل چکی تھی کہ ان چھ غنڈوں کو رہا کر دیا گیا ہے۔ وکیل نے عسکری کو نوٹس بھجوا دیا تھا۔ میں اس دوران میں شہ پارہ کے ساتھ ہی رہ رہا تھا اور شہ پارہ میری دلجوئی میں کوئی کمی نہیں چھوڑ رہی تھی۔ تہرانہ کے پروگرام جاری ہو گئے تھے اور ان پروگراموں سے نمٹنے کے بعد مجھے شہ پارہ کی قربت برداشت کرنا پڑتی تھی جو میرے لئے موت کے مترادف تھی۔ لیکن راعمیس اپنے دور کا بھٹکا ہوا شہزادہ تھا اور میں پوری طرح اس کے شکنجے میں۔ چنانچہ اب میری کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ خانم شہ پارہ مجھ پر جان نثار کر رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ میرے لئے اپنا سب کچھ لٹا سکتی ہے۔ لیکن مجھے اس لوٹ سے کوئی غرض نہیں تھی۔ ہاں! البتہ عسکری کا کیس اب میرے لئے دلچسپ ہوتا جا رہا تھا اور میرے دل میں بھی یہ تصور اُبھرنے لگا تھا کہ جس شخص نے میرے لئے گڑھا کھودا، ذرا اسے اس کی سیر کرا دوں۔ حسانہ تھی، صندل تھی، بیگم عسکری تھیں۔ کس کس طرح ان لوگوں نے مجھے اپنے جال میں پھانسا اور بے چارے دانش داؤد کی تمام دولت میرے ذریعے ہتھیا لی۔ بڑی دلچسپ صورت حال تھی۔ اور میں اگر ذرا سی ہمت کرتا تو عسکری کو مصر میں تماشہ بنا سکتا تھا۔ آہستہ آہستہ میرے دل سے خوف کی وہ کیفیت بھی دور ہوتی جا رہی تھی۔ گویا میں اپنی دنیا کا امن پسند انسان تھا اور ہنگاموں سے بچنے کا خواہش مند۔ لیکن ہنگامے مجھے بچنے نہیں دے رہے تھے تو میں کیا کرتا؟ حسن عسکری سے پہلی مڈبھیڑ تہرانہ میں ہی ہوئی تھی۔ وہ ابو سلمان کے ساتھ تہرانہ پہنچا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اسے ابو سلمان کا تحفظ حاصل تھا۔ شہ پارہ نے ان دونوں کا استقبال کیا اور میں اس وقت اس کے ساتھ ہی تھا۔

''تو تم اب یہاں آ پڑے ہو۔ میں نہیں جانتا خانم شہ پارہ! کہ آپ کو مجھ سے کیا اختلاف ہے یا اس قلاش شخص سے کیا دلچسپی ہے۔ لیکن میں آپ کو اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھ سے ٹکرانا آپ کے لئے سودمند نہیں ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ اس قلاش نوجوان کو یہاں سے نکال باہر کریں اور اپنی زندگی بچائیں۔''

''آپ ایک پولیس افسر کی موجودگی میں مجھے زندگی کی دھمکی دے رہے ہیں عسکری صاحب!'' شہ پارہ نے تیکھی نظروں سے عسکری کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں! میں ان الفاظ کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ لیکن اچھے انسان کی حیثیت سے آپ کو وہی مشورہ دیتا ہوں کہ اس کی پشت پناہی سے ہاتھ اٹھا لیجئے۔ یہ شخص ایک لٹا ہوا جواری ہے۔ اس کے باپ نے مجھ سے اتنا قرض لیا تھا کہ اس کا سب کچھ وصول کرنے کے بعد بھی میرا وہ تمام قرض وصول نہیں ہوتا۔ ایک ایسے شخص سے آپ کو بھی دلچسپی نہیں ہونی چاہئے۔''

''مجھے کس سے دلچسپی ہونی چاہئے اور کس سے نہیں، یہ میں بہتر جانتی ہوں مسٹر عسکری! آپ نے جس طرح اپنے غنڈوں کو یہاں بھیجا اور مجھے سزا دلوانا چاہی، اس کے بعد آپ مجھ سے کسی تعاون کی توقع کیوں رکھتے ہیں؟''

''یہ تعاون آپ ہی کے حق میں بہتر ہوگا خانم شہ پارہ!''

''نہیں! آپ غلط فہمی کا شکار ہیں مسٹر عسکری! اگر اگر ابو سلمان آپ کی مدد کر رہے ہیں تو انہیں یہ جان لینا چاہئے کہ میرا براہِ راست تعلق فیضان صاحب سے بھی ہو سکتا ہے اور ابو سلمان کی یہ رپورٹ فیضان احمد کو پہنچ جائے گی۔''

''نہیں نہیں..... میرا اس معاملے سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ ویسے فیضان احمد صاحب بھی قانون کے دائرے ہی میں رہ کر ہر کام کریں گے۔ یہ تو ہماری ذاتی گفتگو ہے اور میں اس وقت ایک پولیس افسر کی حیثیت سے نہیں، بلکہ آپ دونوں کے درمیان ایک مصلح کی حیثیت سے یہاں پہنچا ہوں۔''

''میں آپ کی حیثیت کو قبول نہیں کرتی سلمان صاحب! جائیے آپ لوگ۔ اپنا کام کیجئے۔ اور مجھے اپنا کام کرنے دیجئے۔''

شہ پارہ کم از کم۔ اور جو کچھ بھی ہو، لیکن وہ ایک نڈر عورت تھی اور کسی سے خوفزدہ نہیں ہوتی تھی۔ عسکری صاحب نے چند باتیں اور بھی کیں اور اس کے بعد غصے سے پھنکارتے ہوئے واپس چلے گئے۔ انہیں اپنی دولت، اپنے اختیارات کا زعم تھا۔ لیکن میں بھی اب'' منصور، معاف کیجئے گا دانش داؤد نہیں تھا جو آسانی سے ہار مان لیتا۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد شہ پارہ نے محبت پاش نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کہنے لگی۔

''ان لوگوں کو میری قوت کا احساس بہت جلد ہو جائے گا۔''

''یقیناً ہو جائے گا شہ پارہ! تم دیکھنا، میں کس طرح حالات پر قابو پا لیتا ہوں۔''

''واہ! یہ ہوئی نا بات دانش داؤد! تم اس عسکری کو اچھی طرح ذلیل کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اگر تم اس کے ہاتھوں اپنی دولت نکلوا سکو تو پھر میں تمہیں مشورہ دوں گی کہ قاہرہ میں تمہیں کیا کاروبار کرنا چاہئے۔ کیا تم ان لمحات میں مجھے قبول کر لو گے؟''

''کیسی باتیں کرتی ہیں شہ پارہ! آپ نے مجھے ان حالات میں جس طرح سہارا دیا ہے، کیا میں آپ کے اس احسان کو کبھی بھول سکوں گا؟ آپ مطمئن رہیں۔ اگر صورت حال میرے حق میں ہوگئی تو پھر آپ تماشہ دیکھئے گا۔'' شہ پارہ مسکرانے لگی۔

جلد ہی ہمارا کیس عدالت میں پیش ہوگیا۔ منصف اعلیٰ کے سامنے وکلاء نے اپنے اپنے کاغذات پیش کئے۔ خانم شہ پارہ اور میں عدالت میں موود تھے۔ عسکری صاحب کا صرف وکیل آیا تھا۔ البتہ ابو سلمان نے اپنے طور پر کچھ اور انتظامات بھی کر دیئے تھے۔

پہلی پیشی.... دوسری پیشی اور پھر تیسری پیشی ہوئی۔ ہمارے بیانات قلم بند ہوتے رہے۔ بات وہیں سے چلی تھی کہ تہرانہ میں چھ غنڈوں نے داخل ہو کر توڑ پھوڑ مچائی اور مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ لیکن اس کے بعد اس سے متعلق تفصیلات سامنے آتی رہیں۔ میں نے کھل کر عدالت میں یہ الزام لگایا کہ عسکری نے کس طرح مجھ سے کاغذات پر دستخط کرا کے میری تمام دولت ہڑپ کر لی اور اس کا پس منظر کیا تھا۔ یہ ساری باتیں سامنے آتی رہیں اور ان چھ غنڈوں کو ایک پیشی میں عدالت میں طلب کیا گیا۔ جب میری نگاہیں ان سے ملیں تو انہوں نے صرف سچ بولا۔ جبکہ پولیس کو بیان دیتے ہوئے انہوں نے یہی کہا تھا کہ وہ صرف نشے میں تھے۔ لیکن ان کے سچ نے صورت حال کو ایک دم تبدیل کر دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ ان کا لیڈر ہے اور درحقیقت اس کا تعلق صفولت کے گروہ سے تھا اور صفولت وہ شخص تھا، جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ اس شخص نے بتایا کہ وہ عسکری صاحب سے باقاعدہ تنخواہ پاتا ہے اور یہ تنخواہ اسے اس کام کے لئے ملتی ہے کہ عسکری صاحب کے دشمنوں کو ٹھکانے لگاتا رہے یا عسکری صاحب جس قسم کی مجرمانہ کارروائیاں کرنا چاہیں، ان میں ان کی مدد کرے۔

اس بیان نے جہاں عسکری صاحب کے وکیل کو ششدر کر دیا تھا، وہیں ابو سلمان اور

عدالت عالیہ کی آنکھیں بھی کھل گئی تھیں اور اسی دن سے اس کیس کی صورت حال بدل گئی تھی۔ ہم نمایاں طور پر کامیابیاں حاصل کرتے جا رہے تھے۔

اس شام شہ پارہ کا وکیل خصوصی طور پر ہمارے پاس آیا اور اس نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ ''ان لوگوں کے بیان نے اب تک لگائے ہوئے تمام الزامات کی تصدیق کر دی ہے اور اب وقت آ گیا ہے کہ عسکری صاحب کے خلاف ایک درخواست دانش داؤد کی طرف سے بھی دے دی جائے کہ عسکری صاحب سے ان کی دولت واپس دلائی جائے۔

میں نے اس مرحلے پر بہت غور و خوض کیا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ اگر میں خود کو دانش داؤد ظاہر کر کے ہی یہ ساری کارروائی کروں تو میں خود بھی مجرم بن جاؤں گا۔ کیونکہ درحقیقت میں دانش داؤد نہیں تھا۔ یہاں وقت آ گیا تھا کہ میں اپنا کچا چٹھا کھول کر رکھ دوں۔ اس طرح بہت ساری پیچیدگیاں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ مثلاً یہ کہ عسکری صاحب کی دولت کا جائز حقدار نہ ہونے کی وجہ سے ان کی دولت میں سے مجھے کم از کم کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن اتنے دن کی تمام تر کوششوں کے بعد میرے اندر جو اعتماد پیدا ہو رہا تھا، وہ بہت کافی تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرا حیرت انگیز دوست راعمیس میری زندگی بنانے کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا ہے، جو میں خود نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ضروری نہیں تھا کہ عسکری صاحب کی دولت ہی حاصل کی جائے۔ اس طرح خانم شہ پارہ کو بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جو منصوبے انہوں نے میری دولت کے لئے بنائے تھے، وہ سب ختم ہو جائیں گے۔ لیکن میں اب زندگی کے اس کھیل کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صرف خانم شہ پارہ ہی تو اس دنیا کی واحد خاتون نہیں ہیں، جو مجھے سہارا دے سکیں۔ میں تو اب بہت سی قوتیں حاصل کر چکا تھا جن پر رفتہ رفتہ مجھے مکمل اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔ اس سلسلے میں راعمیس سے مشورہ کیا تو اس نے بھی یہی جواب دیا۔

''تم اپنے آپ کو محدود کر کے مجھے بے چین کر رہے ہو۔ جب کہ میں بارہا تم سے درخواست کر چکا ہوں کہ مجھے اس دنیا کی ہنگامہ خیزیوں میں لے چلو۔ ضروری نہیں کہ قاہرہ ہی میں تمہاری زندگی بسر ہو جائے۔ حالات جو بھی رُخ اختیار کریں، مجھے ان سے دلچسپی ہو جاتی ہے کیونکہ یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی ہے۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ اب تم اس بات کا اظہار کر دو کہ تم دانش داؤد نہیں ہو اور تمہارے ساتھ یہ سازش کی گئی ہے۔''

''لیکن اس طرح میری مصر میں آمد غیر قانونی ہو جائے گی اور ممکن ہے مجھے گرفتار کر لیا جائے۔''

''قاہرہ کی سرزمین پر یا پورے مصر میں ایسی کوئی جیل نہیں بنی میرے دوست! جو تمہیں قید رکھ سکے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ہدایات کے مطابق ہی کام کروں گا۔ لیکن اس کے لئے اگر تھوڑا سا وقت لگ جائے تو محسوس نہ کرنا۔ اس عسکری کو میں اب اچھی طرح مفلسی اور دولت مندی کا فرق بتا دینا چاہتا ہوں۔''

راعمیس نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ چنانچہ عدالتی کارروائیاں ہوتی رہیں۔ عسکری کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔ لیکن بہرطور صاحب ثروت تھا۔ بہت سارے لوگ اس کے لئے کام کر رہے تھے۔ میری اس بات کو جھٹلانے کے لئے وہ مسلسل کوشش کر رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ ابو سلمان اب مکمل طور پر اس کے لئے مصروف عمل ہے۔

ایک شام خانم شہ پارہ کی رہائش گاہ پر مجھے عسکری کا ٹیلی فون موصول ہوا۔ اس نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں، اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ سوائے اس کے کہ میں اپنی زندگی کو کھو بیٹھوں۔

''میں آپ کے یہ الفاظ ریکارڈ کر کے پولیس تک بھی پہنچا سکتا ہوں عسکری صاحب! بہتر یہ ہے کہ آپ اس دولت سے دست بردار ہو جائیں۔''

''تم جو کچھ کر رہے ہو، وہ بالکل بے مقصد ہے۔ میرے سامنے تو تم ٹکنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔''

''عسکری صاحب! مرے پاس ایک ایسا خصوصی داؤ ہے، جو اگر میں نے لگا دیا تو آپ چاروں شانے چت ہو جائیں گے۔''

''ضرور کوشش کرو۔'' عسکری نے کہا اور قہقہہ مار کر ٹیلی فون بند کر دیا۔

میرے لئے اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا کہ میں اپنی حقیقت عدالت میں بیان کر دوں۔ چنانچہ اس پیشی پر میں نے خصوصی طور پر درخواست کی کہ آئندہ پیشی میں عسکری صاحب کو طلب کیا جائے۔ عدالت عالیہ سے میری اس درخواست کے جواب میں

عسکری کے لئے سمن جاری ہو گئے اور چونکہ تاریخ بہت قریب رکھی گئی تھی اس لئے چند روز بعد عسکری کا اور میرا عدالت میں سامنا ہو گیا۔

آج کی پیشی خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔ اس لئے بہت سے لوگ کمرہ عدالت میں موجود تھے۔ میں جانتا تھا کہ عسکری صرف سچ بولے گا۔ لیکن اس سے قبل میں اسے بری طرح بدحواس کر دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے بیان کا آغاز کیا۔ میں نے عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! اب تک اس سلسلے میں جو کارروائی ہوتی رہی ہے، آج میرا دل چاہتا ہے کہ اس سب کو بیکار کر دوں۔ میرے وکلاء نے دیانت داری سے اپنا فرض ادا کرتے ہوئے وہی سب کچھ عدالت کے سامنے دہرایا ہے جو میں نے انہیں بتایا تھا۔ لیکن صورت حال کا ایک ایسا گوشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے جسے میں عدالت کے سامنے لاؤں تو عسکری صاحب کی تمام حیثیت واضح ہو جائے گی۔''

''وہ کیا ہے؟'' منصف اعلیٰ نے مجھ سے سوال کیا۔

''سب سے پہلے میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرا تعلق سرزمین مصر سے ہے اور نہ میں ابوداؤد کا بیٹا، دانش داؤد ہوں۔ دراصل میں ایک ایشیائی باشندہ ہوں۔ اپنے وطن میں ایک معمولی سی زندگی گزار رہا تھا کہ عبداللہ نامی ایک ایڈووکیٹ نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے کی دانش داؤد سے مشابہت پر وہ مجھے یہاں لے آئے۔ دانش داؤد کی حیثیت سے وہ مجھے عسکری صاحب کے سامنے لا کر عسکری صاحب کو شکست دینا چاہتے تھے اور اس سلسلے کی وہ تمام کہانی عدالت کو سنائی جو اب تک پیش آ چکی تھی اور جس کے سلسلے میں عسکری صاحب نے مجھے تفصیلات بذات خود بتائی تھیں۔ اپنے بارے میں، میں نے کہا کہ مجھ سے اس کارروائی کے تحت جو جرم ہوا ہے اس کی میں سزا کاٹنے کے لئے تیار ہوں لیکن اصلیت عسکری صاحب ہی بتا سکیں گے۔ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ دانش داؤد کو انہوں نے کہاں غائب کر دیا اور اس کے ساتھ کیا کچھ کیا گیا۔ میرا مسئلہ عدالت کے سامنے آج ایک نئی شکل میں آ گیا ہے۔ چنانچہ میرے لئے جو بھی فیصلہ کیا جائے گا، میں قبول کر لوں گا۔ جہاں تک ان کاغذات پر دانش داؤد کے دستخط کا تعلق ہے تو عدالت عالیہ کے علم میں یہ بات لاتے ہوئے مجھے کوئی جھجک نہیں ہے کہ وہ دستخط دراصل دانش داؤد کے نہیں، بلکہ

میرے ہیں۔ اگر عدالت عالیہ ان کی تصدیق کرنا چاہے گی تو میں سمجھتا ہوں کہ بے شمار چیزیں ایسی مل جائیں گی جن سے تصدیق ہو جائے گی۔ باقی رہی عسکری صاحب کی بات تو مجھے عسکری صاحب سے کچھ سوالات کرنے کی اجازت دی جائے۔''

عدالت، وکلاء، جیوری کے ممبران اور تمام لوگ اس انکشاف پر انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔ بمشکل تمام میری اس بات کو تسلیم کیا گیا اور عسکری صاحب سے مجھے سوالات کی اجازت دی گئی۔ میں نے عسکری صاحب کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عسکری صاحب! جیسی کہ میری خواہش تھی کہ آپ مجھ سے سب کچھ لینے کے بعد مجھے صرف اپنے گھر میں اپنے اہل خاندان کے ایک فرد کی مانند پڑا رہنے دیں گے۔ اگر آپ اسے تسلیم کر لیتے تو شاید آج آپ کسی اُلجھن کا شکار نہ ہوتے۔ قصور میرا نہیں ہے۔ آپ نے انتقامی جذبوں کے تحت یہ فیصلہ کیا کہ دانش داؤد یعنی ابوداؤد کے بیٹے کو قاہرہ کی سڑکوں پر، گلیوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کر دیں۔ انسان بعض اوقات کسی کے لئے جو گڑھا کھودتا ہے، خود اس میں جا گرتا ہے۔ بتائیے! میں نے آپ پر جو الزام لگایا، حقیقت ہے یا نہیں؟''

عسکری نے غصیلی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا۔ لیکن دفعتہً اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں مجھے دیکھتا رہا۔ اور پھر اس نے آہستہ سے گردن ہلا کر کہا۔ ''ہاں! یہ سچ ہے۔''

عسکری کے وکیل کے ہاتھ سے کاغذات کا فائل گر گیا۔ لیکن اب عسکری پوری طرح میری طرف متوجہ تھا۔

''آپ بتا سکتے ہیں عسکری صاحب! کہ اصل دانش داؤد کو آپ نے کہاں اور کن حالات میں غائب کیا تھا؟''

''میں نے اسے کچھ جرائم پیشہ افراد کے حوالے کر کے ہدایت کی تھی کہ اسے لانچ میں بٹھا کر دریائے نیل میں اتنی دور لے جائیں کہ اس کی لاش بھی قاہرہ میں دستیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ مجھے ان لوگوں نے یہی اطلاع دی تھی کہ انہوں نے دانش داؤد کو دریا میں ڈبو دیا۔ لیکن اس کے بعد تم میرے سامنے آئے تو میں ششدر رہ گیا۔ اور میں نے یہی سوچا کہ وہ لوگ تمہیں کسی طرح ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔''

''لیکن مسٹر عسکری....'' عسکری صاحب کے وکیل نے دخل دینا چاہا۔ لیکن عدالت عالیہ نے اسے روک دیا۔

''بیان جاری رہنے دیا جائے۔''

''عبداللہ مجھ سے پرخاش رکھتا تھا اور ابوداؤد کی دولت میں اپنا بھی ایک حصہ چاہتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اس سلسلے میں کارروائیاں شروع کر دیں۔ مقصد دانش داؤد کی تلاش ہی تھا۔ نہ جانے وہ کہاں کہاں پھرتا رہا اور جب وہ واپس آیا اور میں نے تمہیں اس کے ساتھ دیکھا تو میں نے یہی سمجھا کہ کسی طرح وہ تمہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، یعنی دانش داؤد کو۔ چنانچہ عبداللہ کو میں نے قتل کرا دیا۔ صفولت کو بھی میں نے ہی قتل کرایا تھا تاکہ عبداللہ پر اس کا شبہ کیا جائے اور اس کے بعد جب تمہاری ہنگامہ خیزیاں بڑھیں تو میں نے ابوسلمان کو اپنے گھر بلایا اور انہیں ایک بھاری رقم پیش کر کے اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ چھ غنڈے میں نے خانم شہ پارہ کو دہشت زدہ کرنے کے لئے ہی بھیجے تھے تاکہ وہ تمہیں اپنے گھر سے نکال دے اور میری قسم پوری ہو جائے۔ وہ قسم.... جو تمہیں قاہرہ کی گلیوں اور سڑکوں پر بھیک مانگتے ہوئے دیکھنے کے لئے میں نے کھائی تھی۔''

عدالت میں جتنے افراد تھے، حیرانی سے عسکری کو دیکھ رہے تھے اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ عسکری کے وکیل نے کہا کہ شاید عسکری صاحب کا ذہنی توازن کسی وجہ سے اچانک خراب ہو گیا ہے۔ اس لئے آج اس کیس کی سماعت ملتوی کر دی جائے اور بعد کی کوئی تاریخ دے دی جائے تاکہ کسی بہتر ڈاکٹر سے عسکری صاحب کا معائنہ کرا لیا جائے۔ لیکن اس کی تردید بھی عسکری صاحب نے خود ہی کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ صحیح الدماغ ہیں۔ بس آج نہ جانے کیوں ان کا سچ بولنے کو دل چاہ رہا ہے۔

چنانچہ سارے مسئلے ہی ختم ہو گئے۔ عدالت کے فوری احکامات کے تحت عسکری صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ میرے سلسلے میں عدالت نے یہی حکم دیا کہ مجھے فی الحال حراست میں رکھا جائے کیونکہ میں ایک ایسی غیر ملکی ہوں جو باقاعدہ مصر میں داخل نہیں ہوا۔ میرے سلسلے میں محکمہ داخلہ فیصلہ کرے گا۔ چنانچہ مجھے بھی پولیس سٹیشن میں لا کر لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔

میں نے پولیس کی حراست میں جاتے ہوئے خانم شہ پارہ کی صورت دیکھی تھی۔ اس کا

چہرہ دُھواں دُھواں ہو رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے آج کے اس قدم سے میرے دوستوں پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ لاک اپ میں بند کرنے کے بعد وہ لوگ مجھے بھول ہی گئے تھے۔ تاہم میں بہت غیر مطمئن نہیں تھا۔ اپنے ذہن کے گوشوں میں، میں نے اپنے دوست راعمیس کو آواز دی تو پہلی بار مجھ پر انکشاف ہوا کہ راعمیس اس وقت میرے وجود میں موجود نہیں ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی میں بدحواس ہو گیا تھا۔ راعمیس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی، یا پھر میرا اب تک کا خواب ٹوٹ گیا تھا۔ میرے پورے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ میں گھگیائے ہوئے انداز میں بار بار راعمیس کو پکار رہا تھا۔ لیکن اس کی آواز کہیں سے موصول نہیں ہو رہی تھی۔ یہ کیا ہوا؟ میرا نادیدہ دوست مجھے چھوڑ کر کہاں غائب ہو گیا اس نے تو میرے وجود میں بسیرا کر لیا تھا۔

اس خوفناک صورتحال سے میری جو کیفیت ہوئی، وہ ناقابل بیان تھی۔ اب خوف و دہشت کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ عسکری کو میں اپنا بدترین دشمن بنا چکا تھا۔ اس انکشاف سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے خانم شہ پارہ بھی مجھ سے بدظن ہو گئی ہے۔ جبکہ اس نے ہر طرح میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس تہہ خانے میں، میں اپنی زندگی کا بدترین وقت گزار رہا تھا۔ ساری رات گزر گئی۔ دوسری صبح ناشتے کے لئے مجھے ایک پیالی چائے اور دو سلائس دیئے گئے۔ خدا کا شکر ادا کر کے انہیں زہر مار کر لیا۔ کئی بار مقامی سنتریوں سے میں اپنے بارے میں سوالات کر چکا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سب چلتے پھرتے مجسمے ہوں۔ ایک نے بھی میری بات پر توجہ نہیں دی تھی۔ راعمیس بڑا دھوکے باز ساتھی نکلا تھا۔ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟ کیا بیتی تھی اس پر، کیا واقعات پیش آئے تھے یا پھر اس انکشاف سے وہ خود بھی بدظن ہو گیا تھا۔ لیکن میں نے تو اس سے مشورہ کر لیا تھا۔

دوپہر ہوئی، شام ہو گئی اور اس شام کے تقریباً ساڑھے سات بجے تھے جب سنتریوں نے لاک اپ کا دروازہ کھولا۔ دو سادہ لباس آدمی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور ان میں سے ایک میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''چلو!''

''مگر کہاں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ابوسلمان نے تمہیں طلب کیا ہے۔''

میں ٹھنڈی سانس لے کر ان لوگوں کے ساتھ ہو لیا۔ ظاہر ہے، لاک اپ سے بلوانے

والا کوئی اعلیٰ پولیس افسر ہی ہو سکتا تھا ورنہ ابھی تک تو کسی نے میری ضمانت بھی دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے ایک جیپ میں بٹھا دیا گیا۔ جیپ میں میرے علاوہ چار افراد موجود تھے جن میں دو وہی تھے جو مجھے لاک اپ سے نکال کر لائے تھے۔ ان ہی چار میں سے ایک نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اس کے بعد جیپ سٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ ابو سلمان نے مجھے کہاں بلایا تھا اور اس نے کس سلسلے میں مجھے طلب کیا تھا؟ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں آ رہی تھیں۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ابو سلمان کے پاس پہنچے بغیر ان میں سے کسی ایک کی بات کا جواب بھی ملنا مشکل ہے۔ رات کی تاریکیاں چاروں طرف پھیل گئی تھیں۔ قاہرہ کی روشنیاں پیچھے جا رہی تھیں۔ ایک لمبی سڑک پر مجھے سفر کرایا جا رہا تھا، جو کچے میدانوں سے گزرتی تھی اور ان میدانوں میں جگہ جگہ درخت یا پھر کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ یہ راستہ ویلی آف کنگز کی طرف نہیں جاتا تھا۔ یہ کوئی نئی ہی سمت تھی، جہاں مجھے لے جایا جا رہا تھا۔

دفعتہً میرے ذہن میں ایک خدشے نے سر اُبھارا۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک سے سوال کیا۔ ''ابو سلمان نے مجھے کہاں بلایا ہے؟''

''اپنی دیہی رہائش گاہ پر۔ جو دریائے نیل کے کنارے واقع ہے۔''

''کیا یہ ملاقات غیر سرکاری ہے، میرا مطلب ہے ذاتی نوعیت کی ہے؟''

''ہاں!'' جس شخص سے میں نے سوال کیا تھا، اس نے جواب دیا اور میں تن بہ تقدیر ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ مجھے ایک ایسے علاقے میں لے پہنچے جہاں چاروں طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ دریائے نیل شاید زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ پانی کی نمی اور لہروں کے ہلکے شور کی آوازیں میرے کانوں میں اُبھر رہی تھیں۔ لیکن اطراف میں چھوٹے چھوٹے اہرام بکھرے ہوئے تھے یا پھر ایسی پہاڑیاں اور چٹانیں جو ہوا کی تراش سے اہرامین کی شکل ہی اختیار کر گئی تھیں۔ لیکن یہاں کوئی ایسی رہائش گاہ نہیں تھی جس کے بارے میں لوگوں نے مجھے بتایا تھا۔ جیپ یہاں رُک گئی اور وہ چاروں نیچے اُتر آئے۔ میں نے ایک لمحے میں خطرہ محسوس کر لیا اور اب میرے اوسان خطا ہونے لگے تھے۔ میں نے دہشت زدہ لہجے میں رامیس کو پکارا، لیکن نہیں صاحب! بزدل شہزادہ مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا

تھا اور ایسے نازک وقت میں بھاگا تھا کہ میری موت کا سامان کر گیا تھا۔ میں دہشت زدہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ انہوں نے چاروں طرف میرے اطراف میں گھیرا ڈال دیا تھا۔ اب میں نے غور سے ان کی شکلیں دیکھی تھیں اور مجھے احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب کے سب خطرناک آدمی ہیں۔

پھر ان میں سے ایک نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر باہر نکالا اور دوسرے ہی لمحے ایک لمبے پھل والا چاقو کھول لیا۔ اس کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ تھی۔ میری حیثیت کتوں کے غول میں گھرے ہوئے کسی خرگوش کی سی ہو گئی تھی۔ دل پسلیوں کا خول توڑ کر باہر آ جانے کے لئے بے چین تھا۔ میں خود پر نفرین کر رہا تھا کہ خواہ مخواہ ایک وہم کو اپنے اوپر مسلط کر کے دلیر بن گیا تھا۔ ورنہ مجھے سوچ لینا چاہئے تھا کہ یہ دور توہمات کا نہیں ہے۔ روحیں کسی کے جسم میں سرایت کر کے اس کی مدد نہیں کر سکتیں۔ بہرطور ایسا وقت آ گیا تھا مجھ پر کہ اب کوئی معجزہ ہی مجھے بچا سکتا تھا۔ لیکن یہ معجزہ خود میری اپنی ذات میں رونما ہوا۔ میں نے سوچا، مرنا تو ہے ہی۔ لیکن اس طرح بے بسی سے نہیں مرنا چاہئے۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ خود کو سنبھالنے لگا۔ میں نے اس انداز میں اپنے جسم کو جنبش دی جیسے ان پر حملہ آور ہونا چاہتا ہوں اور وہ چاروں پیچھے سرک گئے۔ ان کی اس حرکت نے میرے دل میں اعتماد بیدار کیا تھا اور مجھے یہ احساس دلایا تھا کہ بہرحال وہ بھی انسان ہی ہیں۔ اگر میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں تو کم از کم اپنی جانب سے تھوڑا بہت تو خوفزدہ کر ہی سکتا ہوں۔ وہ بڑی ہوشیاری سے مجھ پر نگاہیں جمائے حملہ کرنے کے لئے تیار تھے۔

رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی اور میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر یہ دیکھ رہا تھا کہ اگر میں ان کے نرغے سے نکل کر فرار ہونے کی کوشش کروں تو مجھے کون سا رُخ استعمال کرنا چاہئے۔ وہ لوگ مجھے مسلسل دہشت زدہ کئے جا رہے تھے۔ اور اب انہوں نے میرے چاروں طرف چکرانا شروع کر دیا تھا۔ چاروں ہی نے اپنے ہاتھوں میں گراری والے چاقو کھول لئے تھے اور انہیں مختلف انداز میں جنبش دے کر بھوکے کتوں کی طرح مجھ پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔

دفعتہً میں نے زمین پر لوٹ لگائی اور ان لوگوں کو دھوکہ دے کر ان میں سے ایک کے اوپر چھلانگ لگا دی۔ وہ میری اس کوشش کو سمجھ نہیں پائے تھے۔ چنانچہ میں ان کے درمیان

سے نکل گیا اور اس کے بعد میں نے ان پر چھلانگ لگانے کی بجائے اندھا دُھند ایک طرف دوڑ لگا دی تھی۔ لیکن وہ شخص، جو اُن کا لیڈر معلوم ہوتا تھا اور جس نے سب سے پہلے چاقو کھولا تھا، چھلانگ لگا کر مجھے دبوچ لیا۔ میں اس کی لپیٹ میں آ کر نیچے گرا تھا اور میرے حلق سے نکلنے والی چیخ قطعی اضطراری تھی۔ لیکن اس چیخ نے اس شخص کے اعصاب پر خاطر خواہ اثر کیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ مجھے اور کچھ تو نہ سوجھا، میں نے ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلا کر اس کے کانوں پر زوردار ضرب لگائی اور وہ ایک کراہ کے ساتھ مجھ پر سے اُلٹ گیا۔ لیکن باقی تین آدمی برق رفتاری سے میری طرف دوڑے اور پھر اُنہوں نے بیک وقت مجھ پر چھلانگیں لگا دیں۔ میں خوفزدہ انداز میں ان کی زد سے نکل گیا۔ وہ تینوں دھپا دھپ زمین پر گرے۔ گرتے ہوئے آخری آدمی کا چاقو ان میں سے ایک کی پسلیوں میں پیوست ہو گیا تھا۔ میں تو صرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ ظاہر ہے، نہ میرے پاس ان سے جنگ کرنے کے لئے کوئی اسلحہ تھا اور نہ ہی میں کسی ذریعے سے ان پر قابو پا سکتا تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، بس یوں سمجھ لیا جائے کہ اضطراری طور پر ہو رہا تھا۔ وہ تینوں ایک لمحے کے لئے آپس میں اُلجھ گئے تو مجھے پھر بھاگنے کا موقع مل گیا اور میں نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کس سمت میں دوڑ رہا ہوں۔ لیکن اپنے عقب میں دوڑنے کی آوازیں سن رہا تھا۔ وہ میرا تعاقب کر رہے تھے۔ دوڑتے دوڑتے دفعتاً میرے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں خلا میں تیر رہا ہوں۔ ایک صرف ایک لمحے..... دوسرے لمحے یہ خلا پانی سے بھر گیا۔ میں پانی سے بھرے ہوئے گڑھے میں جا گرا تھا۔ ٹھنڈا اور یخ بستہ پانی میرے وجود کے ریشے ریشے میں اُتر گیا اور میرا بدن سردی سے کپکپانے لگا۔ چند لمحات کے لئے تو پانی میرے سر سے اوپر بھی ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے فوراً بعد میں سطح پر اُبھر آیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں کسی ندی یا نالے میں ڈوبا ہوا ہوں یا پھر سیدھا دریائے نیل میں جا گھسا ہوں۔ یہ تصور میرے لئے سانس بند کر دینے والا تھا۔ بھلا مجھ جیسا آدمی زندگی کیسے بچا سکتا تھا؟ تیرنا بے شک آتا تھا لیکن تھوڑا بہت۔

میں نے اپنے بدن کی تمام قوتیں مجتمع کر کے اس پانی سے نکلنے کی کوشش کی اور آگے کی سمت تیرنے لگا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ مجھے کنارے کا احساس ہوا اور میں نے مضبوطی سے اُن پتھروں کو پکڑ لیا جو میری جان بچانے کے لئے میرے ساتھ آئے تھے۔ یہ چٹانی پتھر

تھے اور میں ان پر انگلیاں جما سکتا تھا۔ سردی کی شدت رگ و پے میں اُتری جا رہی تھی۔ لیکن جان بچانے کا تصور اس شدت پر حاوی تھا۔ چنانچہ میں پتھروں کو پکڑ کر اُوپر چڑھ گیا۔ سامنے ہی کچھ چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ اندازہ ابھی تک نہ ہو سکا تھا کہ میں دریائے نیل کی کسی شاخ میں، کسی نہر میں یا کسی کھاڑی میں گرا تھا یا براہ راست دریائے نیل میں ہی جا گرا تھا۔ لیکن یہ تصور بھی احمقانہ تھا۔ کیونکہ دریائے نیل میں گرنے کے بعد کوئی شخص اتنی آسانی سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ ان تمام باتوں پر توجہ دینے کی بجائے اس وقت ضروری تھا کہ میں اپنے بچاؤ کے لئے کوئی پناہ گاہ تلاش کر لوں۔ چنانچہ میں پتھروں پر دوڑنے لگا۔ پورے بدن سے پانی کی دھاریں بہہ رہی تھیں، جو میرے پیچھے ایک لکیر بناتی چلی جا رہی تھیں۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کون سی پناہ گاہ تلاش کروں۔ سامنے ہی تاریکی میں ڈوبی ہوئی کچھ چٹانیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ چٹانوں کے درمیان پہنچا تو ایک سیاہ دھبہ نظر آیا جس کے بارے میں، میں نے ایک لمحے میں اندازہ لگا لیا کہ کسی غار کا دہانہ ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دفعتاً مجھے میری زندگی کا راستہ سوجھ گیا ہو۔ چنانچہ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ یہ کیسا دہانہ ہے اور اس میں چھپنے کے لئے کوئی جگہ ہو بھی سکتی ہے یا نہیں، میں غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر پہنچا تو ایک سرنگ کا احساس ہوا۔ نیم تاریکی میں دونوں ہاتھ خلا میں مارتا ہوا سرنگ میں آگے بڑھنے لگا۔ لیکن سرنگ اتنی کشادہ تھی کہ ایک بار بھی دیوار میرے ہاتھ نہیں، بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اس طرح تیزی سے آگے بڑھنے میں میری اپنی قوت ارادی کو دخل نہیں تھا۔ بلکہ یہ ڈھلان خود بخود میری رفتار تیز کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے مدھم سی پیلی روشنی کی ایک رمق نظر آئی۔ پتہ نہیں، یہ میرا تصور تھا یا حقیقت۔ اگر تصور ہوتا تو روشنی مسلسل نہ رہتی، ایک لمحے کے لئے آنکھوں میں کوندتی اور پھر معدوم ہو جاتی۔ لیکن میں اس مسلسل روشنی کو دیکھ رہا تھا۔ روشنی ایک اور غار کے دہانے سے اُبھر رہی تھی۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک کشادہ اور وسیع چھت والا غار تھا، جس کی دیوار میں ایک مشعل نظر آ رہی تھی۔ گویا یہاں انسانی موجودگی ممکن ہے۔

میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اطراف کے ماحول کو دیکھا اور یہ دیکھ کر میری روح فنا ہو گئی کہ یہاں بھی چند تابوت رکھے ہوئے تھے۔ یہ تابوت ان ہی قدیم مصری فراعنہ کے

دور کے معلوم ہوتے تھے۔ تاریخ مصر کے چند باب میرے سامنے کھل چکے تھے اور یہاں
آنے کے بعد مجھے جس قدر معلومات حاصل ہوئی تھیں، ان کے تحت میں یہ اندازہ لگا سکا
تھا کہ یہ غار اگرچہ شہنشاہوں کا نہیں ہے، لیکن اس دور میں اُمراء کی لاشیں بھی اسی طرح
حنوط کر کے تابوتوں میں بند کر دی جاتی تھیں اور کسی زمین دوز تہہ خانے میں پہنچا دی جاتی
تھیں۔ یہ تہہ خانہ بھی ایسی ہی کوئی جگہ تھی۔

مصر کی بالائی زمین پر جتنے لوگ آباد تھے شاید اگر پورے مصر کی کھدائی کر دی جاتی یا
صرف قاہرہ کے نیچے کی زمین کی تلاشی لی جاتی تو شاید اوپر کی نسبت آدھی آبادی تو نیچے ہی
نکل آتی جو مُردہ انسانوں کی ہوتی۔ جگہ جگہ اہرامین، قبرستان، فراعنہ کے مقبرے زیرِ زمین
غاروں میں بکھرے پڑے تھے۔ بہرطور مجھے اس وقت اس غار کی تاریخ سے دلچسپی نہیں
تھی۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ کاش مجھے یہاں کہیں پوشیدہ رہنے کا موقع مل جائے۔ ادھر
اُدھر دیکھنے کے بعد دفعتہً میری نگاہ ایک سمت پڑی، جہاں کپڑوں کے انبار رکھے ہوئے
تھے۔ سرخ، پیلے، نیلے، عجیب و غریب طرز کے کپڑے جو میری سمجھ میں نہیں آ سکتے تھے۔
لیکن دفعتہً ہی مجھے کچھ سوجھ گئی۔ میرا گیلا لباس، میرے بدن میں سردی کی سوئیاں اُتار رہا
تھا۔ اگر ان کپڑوں میں سے کچھ کپڑے زیبِ تن کر لوں تو شاید اس سردی سے نجات مل
جائے۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی سوچی اور کپڑوں میں جو بھی لباس میرے
ہاتھ آیا، اسے میں نے اپنا یہ بھیگا ہوا لباس اُتار کر پہن لیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس لباس
کی نوعیت یا شکل کیا ہے؟ بس! جو کچھ میری سمجھ میں آیا، میں نے وہ کر ڈالا۔ سر پر ایک ٹوپی
نما شے رکھی جس میں عجیب و غریب قسم کے موتی ٹنکے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنا
بھیگا ہوا لباس اس غار کے ایک رخنے میں ڈال دیا اور اس کے بعد میں اپنے چھپنے کے لئے
جگہ تلاش کرنے لگا۔ دفعتہً ہی مجھے خیال آیا کہ اس غار کی مشعل بجھا دی جائے۔ کیونکہ یہ
روشنی جس طرح میری رہنمائی کرنے کا باعث بنی تھی، اسی طرح میرے تعاقب میں آنے
والوں کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلا کام میں نے یہی کیا کہ غار
کے اس حصے میں پہنچنے کے بعد اس مشعل کو بجھا دیا۔ مشعل بجھ گئی تو غار میں گھپ اندھیرا چھا
گیا۔ اتنا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔

میں اب اپنے لئے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں میں بیٹھ کر سانس درست کر

لوں۔ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے میں کافی آگے بڑھ آیا اور دفعتہً میرا پاؤں ایک تابوت
سے ٹکرایا۔ خاصی آواز غار کے اندر گونجی۔ میں سہم گیا اور گرتے گرتے بچا۔ میں نے تابوت
کو ٹٹول کر اپنے لیٹنے کے لئے ایسی جگہ بنانے کی کوشش کی جہاں میں سمٹ سکوں اور اگر وہ
لوگ تلاش کریں تو میں ان کی نگاہوں میں نہ آ سکوں۔ اسی کوشش میں میرا ہاتھ تابوت کی
بغلی سمت ایک کنڈے سے ٹکرا گیا۔ اس میں تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ کھولنے سے تابوت کا ڈھکن
اُوپر اٹھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ تابوت میں کسی کی لاش ضرور رکھی ہو گی لیکن یہ دیکھ کر میری
حیرت کی انتہا نہ رہی کہ تابوت کا اندرونی حصہ خالی تھا اور اس میں کسی انسان کے سما جانے
کی پوری پوری گنجائش تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اس فرعون یا اس امیر کا شکریہ ادا کیا
جس کا تعلق قدیم مصر سے ہو گا کہ کم از کم اس وقت وہ میرے لئے خالی تابوت چھوڑ گیا
ہے۔ تابوت میں لیٹنے کے بعد شاید ان لوگوں سے میری جان واقعی بچ جائے۔ چنانچہ برق
رفتاری سے تابوت کے اندر لیٹ کر میں نے ڈھکنا بند کر دیا۔ ایک بار پھر میں نے اپنے
اس محسن کا شکریہ ادا کیا جس کے گھر میں، میں فروکش تھا۔ لیکن میرا یہ محسن چلا کہاں گیا؟
کہیں سیر کرنے، یا پھر..... پھر..... اس تصور کے ساتھ راعمیس یاد آیا۔ بدمعاش شہزادہ،
دھوکے باز۔ اگر اس کا وجود نہیں تھا تو پھر میرے ذہن میں اس کا تصور کیوں سمایا؟ لیکن
میری یادداشت معطل نہیں ہوئی تھی۔ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو میں وہ آوازیں کہاں سے
سنتا؟ اس وقت ایک عجیب و غریب جنگ کیسے کرتا جب شہ پارہ سے ملاقات ہوئی تھی اور
اس کے بعد شہ پارہ کے ہوٹل تہرانہ میں وہ تمام ہنگامہ خیزیاں کیسے ہوتیں؟ اس طرح
راعمیس کا وجود تو ملتا تھا۔ لیکن اس نے جو بلند و بانگ دعوے کئے تھے، ان پر پورا نہیں اترا
تھا اور شاید اپنی ناکامی کے خوف سے ہی میرے وجود سے نکل بھاگا تھا۔ بہرطور! حماقت
میری بھی تھی کہ کسی ایسے پراسرار وجود کو اپنا رہنما سمجھ بیٹھا تھا۔ لیکن یہ سارے کھیل تقدیر
کے ہوتے ہیں۔ ایک یہ تابوت ہے جس میں مخمل ہی مخمل بچھی ہوئی ہے۔ بدن کے نیچے اس
مخمل کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسی نرم اور ایسی گداز کہ انسان اس پر لیٹنے کے بعد زندگی بھر اٹھنا
پسند نہ کرے۔ وہ لوگ بھی تھے جو اپنے مردوں کو اس طرح دفنایا کرتے تھے کہ مرنے کے
بعد ان کی ہڈیوں تک کو، کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اور ایک یہ دور ہے کہ انسانوں کے لئے فٹ
پاتھوں پر بھی سونے کی جگہ موجود نہیں ہے۔ پیٹ بھرنے کے لئے انہیں کتوں کی طرح مارا

مارا پھرنا پڑتا ہے اور پھر بھی ایک وقت کی روٹی نصیب نہیں ہوتی۔ خدا غارت کرے خا
شہادت کو۔ تنہا تھیں، لاوارث تھیں، اپنی جائیداد کا کچھ باقی ماندہ حصہ ہی میرے لئے وقف
کر دیتیں تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی؟ کیا کریں گی وہ اس تمام جائیداد کا؟ بلاوجہ عذاب
میں گرفتار رہوا۔ ان کی روز روز کی طعنہ زنی اور گالیوں کی صورت میں ملنے والی دعاؤں نے
پریشان کر رکھا تھا۔ ورنہ کیا تھا؟ پیٹ بھرنے کے لئے دو وقت کی روٹی ہی تو بطور ایندھن
درکار تھی۔ جیسے تیسے کر کے زندگی کے مفلس ایام گزار لیتا۔ آخر کبھی تو تقدیر مجھے خوش قسمتی
کے در پر لے جاتی۔ بلاوجہ میری گمراہ سوچ مجھے چمکارتی ہوئی بھٹکا کر یہاں لے آئی تھی۔
لیکن اب تو آ ہی گیا تھا۔ اب کیا کروں......؟

سوچوں کے انہی گرداب میں چکراتے ہوئے آنکھوں میں نیم غنودگی کی سی کیفیت
بیدار ہوگئی اور اس کے بعد میں نے ہوش کی دنیا سے ناتا توڑ کر خوابوں سے رشتہ جوڑ لیا۔

☆.....☆.....☆

نیند بھی ایک فطری تقاضہ تھا جو ہر حالت اور ہر کیفیت میں آ ہی جاتی ہے۔ عام حالات
میں ہم ایسے پراسرار مقبروں کا تصور کر کے ہی خوف سے لرز جاتے ہیں۔ رات کی تاریکی
میں قبرستان سے گزرتے ہوئے ہمارے دلوں میں نہ جانے کیسے کیسے خوف اور وسوسے جنم
لیتے ہیں۔ لیکن حالات ہمیں کسی قبر کی گہرائیوں میں پہنچا دیں تو پھر نیند وہاں بھی آئے گی۔
بھوک وہاں بھی لگے گی۔ پیاس کی شدت وہاں پر بھی محسوس ہو گی اور انسان اس خوف کو
بھول کر سب سے پہلے اپنی ضروریات پوری کرنے میں سرگرداں ہو جائے گا۔ چنانچہ
تابوت میں لیٹ کر نیند آنا میرے خیال میں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اور پھر خاص طور
سے میرے جیسے حالات کے شکار انسان کے لئے۔

دن کا نہ جانے کون سا پہر تھا، جب میری آنکھ کھلی۔ دماغ چکرا رہا تھا۔ پورے طور پر
آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے پھیپھڑوں پر وزن بھی محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن اتنا ناگوار نہیں کہ دم
ہی گھٹ کر رہ جائے۔ قفل کے سوراخ سے جو منظر نظر آ رہا تھا، اس سے یہ بھی احساس ہو رہا
تھا کہ غار میں اب اتنی تاریکی نہیں ہے۔ غور کیا تو دفعتہً خون خشک ہو گیا..... کیونکہ قدموں
کی آوازیں اور انسانی گفتگو کے الفاظ صاف سنائی دے رہے تھے۔ خدا غارت کرے ان
کمبختوں کو۔ غار میں بسیرا ہی کر ڈالا تھا۔ اور اب تو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی تعداد
بڑھ گئی ہے۔ گویا وہ مجھے گرفتار کئے بغیر دم نہیں لیں گے۔ لیکن احمق کے بچوں کو تابوت
کھولنے کی کیوں نہیں سوجھی؟

میں انتظار کرتا رہا۔ اور دفعتہً انسانی آوازیں اس تابوت کے پاس پہنچ گئیں..... آ گیا
برا وقت..... میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ تابوت کا ڈھکنا ہلنے لگا۔ غالباً اسے کھولنے کی
کوشش کی جا رہی تھی۔ زندگی سے مایوس ہو کر میں نے آنکھیں بند کر کے دم روک لیا۔
کیونکہ اب کسی بھی طور پر بچت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ کاش! یہ لوگ مجھے مردہ ہی تصور کر

لیں۔ پھر تابوت ڈھکن کھل گیا۔ ہوا کی مقدار بہتر ہوگئی تھی۔ لیکن میں نے سانس لینے کی
کوشش نہیں کی تھی۔

دفعتہً میں نے ایک آواز سنی۔ ''اوہو! دیکھو، اسے دیکھو! کیا تم یہ محسوس کر سکتے ہو کہ یہ
صدیوں پرانا جسم ہے۔ کیا تمہیں یہ اندازہ نہیں ہو رہا کہ اتنی قدیم شے کو کس طرح حنوط کر
دیا گیا ہے۔ قدیم مصریوں کو واقعی کمال حاصل تھا۔ میں اتنی صاف ستھری ممی کو پہلی بار دیکھ
رہا ہوں۔ بے شک سرزمین مصر کے مقبروں میں مدفون فراعنہ کے اجسام آج بھی اسی طرح
نظر آتے ہیں جیسے ابھی ابھی تابوت میں اپنی مرضی سے لیٹ کر سو گئے ہوں۔ لیکن اس کے
چہرے کی لطافت سے یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے اس کی جلد کے نیچے خون تک گردش کر رہا
ہے۔''

''یہ آپ کے خیال میں اخناتون خاندان کی ممی ہے۔''

''سو فیصد! میرا علم غلط نہیں ہو سکتا۔ میری معلومات کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس تابوت
کے ڈھکنے پر جو قدیم مصری زبان کی تحریر موجود ہے، کیا تمہیں اس کا ترجمہ سناؤں..... سنو
اس خاندان کا تعلق اخناتون ہی سے تھا جو تیرہ سو چھتر قبل مسیح کے وسط میں پیدا ہوا۔ اس
فرعون نے آتون یعنی قورس خورشید کے مذہب کی اشاعت کی۔ اس کا نشان ایک ٹکیہ تھی
جس میں سے شعاعیں نکلتی تھیں۔ اور ہر شعاع انسانی ہاتھ پر ختم ہوتی تھی۔ دوسرا سورج
دیوتا مصریوں کے بہت سے دیوتاؤں کے ساتھ انسانی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ اخناتون
کا اصل نام آمنوفس تھا۔ آتون کی خاطر اس نے اپنا نام اخناتون رکھ لیا۔ آتون، اخناتون
کی طرح دوسرے دیوتاؤں کا باپ نہ تھا بلکہ واحد دیوتا تھا، جس کی خواہش تھی کہ انسان
نیک کام کرے اور برائی سے بچے۔ یہ ہی خدا مخلصانہ پرستش کے لائق تھا۔ اس سورج دیوتا
کی مدح میں ایک ترانہ، اخناتون کے وقت سے چلا آتا ہے۔ اس فرعون کا عقیدہ، بائبل کے
عقیدے سے بہت قریب تھا۔ میرے خیال میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالنے کا وقت نہیں
ہے۔ اسے فوراً اپنے ساتھ لے چلو۔ ہمیں ایک نایاب چیز دریافت ہوئی ہے۔'' اس آدمی
نے کہا اور چند لمحات کے بعد تابوت کا ڈھکنا بند ہوگیا۔ میری کھوپڑی ہوا میں معلق تھی۔
جو کچھ میں نے سنا تھا، میرے بھیجے میں فٹ نہیں ہو رہا تھا کہ کون پروفیسر اور کیسا اخناتون
یہ تو میں تھا بھائی! یہ تو میں ہوں۔ کشتہ شہادت یعنی خالہ شہادت کا مارا ہوا منصور اور مو

دانش داؤد، جواب دانش داؤد بھی نہیں رہا ہے بلکہ اس کے نام کے ساتھ بھی موت کا تصور
وابستہ ہو گیا ہے۔ لیکن یہ الفاظ میں ان سے کہہ نہیں سکا۔

صورت حال کا کسی حد تک اندازہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ وہ لوگ نہیں تھے جو مجھے یہاں تک
لائے تھے اور میری زندگی کے درپے تھے۔ بلکہ کوئی نئی ہی پارٹی تھی جو شاید آثار قدیمہ یا
تاریخ دانوں سے تعلق رکھتی تھی اور مقبروں کو تلاش کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی تھی۔

تابوت ہلنے لگا۔ اس کا مطلب تھا وہ مجھے اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ چند لمحات کے لئے
دماغ سن ہو گیا تھا۔ کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن اگر کوئی فیصلہ کرتا بھی تو کیا؟
زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ تابوت سے نکل بھاگوں۔ لیکن باہر کی دنیا کے بارے میں
کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے ساتھ کیا سلوک ہو۔ ایک طرح سے میں اب مصری حکومت کا
مجرم بھی بن گیا تھا کیونکہ وہ لوگ مجھے تھانے سے نکال کر لائے تھے اور اس کے بعد میں
ایک مفرور تھا۔ اب یہ کس سے کہتا پھروں گا کہ اس تمام کوشش میں میرا کوئی دخل نہیں تھا
بلکہ یہ سب میرے خلاف ہونے والی سازشیں تھیں۔ تابوت غالباً اسی سرنگ میں سفر کر رہا
تھا، جس سے گزر کر میں یہاں تک آیا تھا۔ اور پھر ٹوٹے ہوئے ڈھکنے سے تیز ہوا اندر آنے
لگی جس سے اندر کافی آکسیجن پھیل گئی اور میرے سانس پر سے وہ گھٹن ختم ہو گئی جو اب تک
طاری تھی اور جس کے باوجود میں اب تک اس تابوت میں گزارا کر رہا تھا۔ تابوت کو غالباً
کسی گاڑی میں رکھ دیا گیا کیونکہ کھٹ پٹ کی آوازیں ایسی ہی تھیں۔ اس کے بعد گاڑی
سٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ اس کا سفر میرے اندازے کے مطابق نو یا دس منٹ کا تھا اور پھر
مجھے اس گاڑی سے اُتار لیا گیا۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اس چھوٹے سے سوراخ سے سوائے روشنی کے اور کچھ
نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ کون سی جگہ ہے۔ البتہ کانوں میں ایک
عجیب سا شور گونج رہا تھا جس کے بارے میں تھوڑی دیر کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ
پانی کا شور ہے۔ میرے تابوت کو انتہائی احتیاط کے ساتھ کسی دوسری چیز میں منتقل کر دیا
گیا۔ یہ دوسری چیز کیا تھی؟ اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ لیکن تھوڑی دیر کے
بعد یہ مشکل بھی حل ہو گئی۔ میرے کانوں نے کسی موٹر بوٹ کے انجن سٹارٹ ہونے کی آواز
سنی تھی اور پھر تابوت میں میرا بدن اس طرح ہلنے لگا جیسے میں پانی پر سفر کر رہا ہوں۔ گویا

اب مجھے پانی کے راستے کہیں اور لے جایا جا رہا تھا۔ تقدیر میں اتنی ہنگامہ خیزیاں لکھی ہوں گی، کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بہرطور اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا، سوائے اس کے کہ تن بہ تقدیر ہو کر وقت اور حالات کی کرشمہ سازیاں دیکھوں۔ غالباً اس موٹر بوٹ سے میرے تابوت کو کسی سمندری جہاز تک لے جایا گیا تھا کیونکہ اس کے بعد مجھے کرینوں کے ذریعے اوپر اٹھایا گیا تھا اور اس کے بعد تابوت کو مختلف راستوں سے گزار کر بالآخر ایک جگہ رکھ دیا گیا۔ اس دوران مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ میرا یہ انوکھا سفر کہاں سے کہاں تک تھا۔

کچھ دیر تک قدموں کی آوازیں اُبھرتی رہیں اور پھر گہرا سکوت اور سناٹا چھا گیا۔ ہاں چھت پر کبھی کبھی قدموں کی چاپ سنائی دے جاتی تھی۔ میں نے دیر تک انتظار کیا اور جب اس سکوت میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوئی تو تابوت کے ڈھکنے کو اپنی جگہ سے کھسکانے کی کوشش کی۔ مجھے اس کوشش میں دقت نہیں ہوئی تھی۔ غالباً ان لوگوں نے تابوت کی کنڈی کو بند کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس بات سے مجھے کافی تقویت ہوئی اور میں نے تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ اس کے بعد میں نے اطراف کے ماحول کو دیکھا۔ ایک اچھا خاصا وسیع اور عریض کمرہ تھا۔ جو لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ کمرے میں میرے اس تابوت کے علاوہ تین تابوت اور رکھے ہوئے تھے۔ میں چوتھا تھا۔ ان تینوں تابوتوں کو دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیا ان میں بھی مجھ جیسے موجود ہیں؟ ایک سمت مجھے ایک چوڑا سا خلا نظر آیا جس میں اوپر جانے کے لئے آٹھ سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ سیڑھیاں بھی لکڑی ہی کی تھیں۔ اوپر سے اُبھرنے والی قدموں کی آوازیں اس بات کا اظہار کر رہی تھیں کہ اوپر اچھے خاصے لوگ موجود ہیں۔ ویسے ہلکے ہلکے سے خفیف سے ہچکولے بھی لگ رہے تھے اور اس کے بعد جب کہیں سے جہاز کی وسل کی آواز سنائی دی تو میرا یہ شبہ تصدیق تک پہنچ گیا کہ میں کسی بحری جہاز میں ہوں۔ گویا وہ شخص، جسے پروفیسر کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا، اس قسم کی پراسرار ممیاں چرا کر مصر سے کہیں اور لے جا رہا ہے اور یہ کام اس جہاز کے ذریعے ہو رہا ہے؟ اس احساس سے میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ لیکن ایک اور احساس بھی اس کے ساتھ اُبھرتا جا رہا تھا کہ اگر مجھے کسی چوری شدہ ممی کی حیثیت سے مصر سے کہیں اور لے جایا گیا تو میرے حق میں بہتر ہی رہے گا۔ لیکن یہ بات میرے پیٹ کے حق میں بہتر نہیں تھی کیونکہ اب چوہوں کے علاوہ بلیوں نے بھی دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ ہونٹ پیاس سے خشک

ہو رہے تھے۔ اب تک ان تمام چیزوں کا احساس حیرت کی وجہ سے نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن اب حیرت رفع ہوتی جا رہی تھی، چونکہ حالات خود بخود سمجھ میں آ گئے تھے۔ چنانچہ بھوک کا چمک اٹھنا لازمی امر تھا اور یہ سوچ سوچ کر میری روح فنا ہو رہی تھی کہ میرے لئے تو خوراک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صدیوں پہلے مرنے والے اخناتون نامی فرعون کے خاندان کی کسی ممی کو بھلا خوراک دینے کا تصور کیونکر ان لوگوں کے ذہن میں آئے گا؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ میں سچ مچ ممی بن جاؤں گا۔ ظاہر ہے اس تابوت میں لیٹے لیٹے بھوک و پیاس سے دم توڑنے کے بعد انسانی زندگی کس طرح ممکن ہو گی؟ دیر تک اسی طرح تابوت کا ڈھکنا کھولے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر نیچے اتر آیا۔

سب سے پہلے خلا کی آٹھ سیڑھیاں طے کر کے اس دروازے تک پہنچ گیا جو لکڑی کے تختوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اور کافی مضبوط نظر آ رہا تھا۔ میں نے دروازے کو کھول کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ باہر تالا لگا ہوا ہے یا نہیں؟ اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں مسرت سے چمک اُٹھیں کہ باہر تالا نہیں ہے اور دروازہ کھل سکتا ہے۔ میں نے جھری کو تھوڑا سا کھولا اور گردن نکال کر باہر جھانکا۔ یہاں بھی ایک چھوٹا سا کیبن بنا ہوا تھا اور اس کیبن میں تین سیڑھیاں اوپر تک گئی تھیں۔ لیکن اس وقت باہر نکلنا مصیبت مول لینے کے مترادف تھا۔ ان لوگوں کو اگر یہ احساس ہو جاتا کہ کوئی ممی نکل بھاگنے کی فکر میں ہے تو وہ ڈنڈے مار مار کر واپس اس کی جگہ پہنچا دیتے۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا؟

میں واپس آیا اور اس چھوٹے سے کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ کمرہ جہاز کی نچلی منزل پر تھا اور شاید اسی مقصد کے لئے بنایا گیا تھا۔ دروازہ اندر سے بند کرنے کا بھی کوئی سسٹم نہیں تھا چنانچہ میں اپنے آپ کو کسی اور طریقے سے محفوظ نہیں کر سکتا تھا۔ چند لمحات کے بعد میں ایک دوسرے تابوت کے پاس پہنچ گیا اور اس تابوت کا ڈھکن کھول کر اندر جھانکا۔ ایک انتہائی پرہیبت اور پرجلال فرعون میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ چہرے پر نیلے رنگ کا کوئی سیال ملا گیا تھا۔ ہونٹوں پر سرخی تھی۔ آنکھوں کے پپوٹے بند تھے۔ سر پر بھی ایک عجیب طرح کا تاج پہنا ہوا تھا۔ میں نے چند لمحات اس کی شکل دیکھی اور پھر اس کے رُخسار کو انگلی سے ٹھکٹھاتے ہوئے بولا۔

''میاں بھائی! اگر اٹھنا چاہتے ہو تو اٹھ جاؤ۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔''

لیکن وہ ممی میری طرح کی جعلی ممی نہیں تھی۔ بلکہ اصلی ممی تھی۔ جب یہ احساس ہوا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے جلدی سے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا۔ اس کے بعد دوسرے تابوتوں کے قریب جانے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ گویا ان چار قدیم مردہ انسانوں کے علاوہ پانچواں فرد صرف میں ہی تھا، جو اُن کی مانند نہیں تھا۔ مجھے احساس ہو گیا کہ میں نے جو لباس پہنا ہوا ہے، اس نے میرے مصری ممی ہونے کی تصدیق کر دی ہے۔

☆.....☆.....☆

میں کراہتا ہوا دوبارہ تابوت میں آلیٹا اور پھر ڈھکنا بھی اپنے ہاتھوں سے بند کر لیا۔ یہی بہتر تھا، کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ میں نے ایک بار پھر سونے کی کوشش کی۔ لیکن اب ایسی نقاہت اور پیاس طاری تھی کہ ذہن خود بخود ڈوبتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا۔ چنانچہ غنودگی کے عالم ہی میں پڑا رہا۔

غالباً اس وقت رات ہو چکی تھی کیونکہ اس کا احساس چاروں طرف سے ہو رہا تھا۔ کمرہ بھی بالکل تاریک ہو گیا تھا۔ مجھ سے اب بھوک، پیاس ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اب جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ پہلے کھانے پینے کے لئے کچھ تلاش کروں۔ میں تابوت کا ڈھکن کھول کر باہر نکل آیا۔ ڈھکن اسی طرح بند کر دیا تاکہ اگر کوئی سرسری نگاہ سے دیکھے تو اسے کسی قسم کا شک نہ ہو۔ اس کے بعد آٹھ سیڑھیاں عبور کر کے کیبن میں پہنچا۔ پھر مزید تین سیڑھیاں عبور کر کے باہر نکل آیا۔ باہر چاروں طرف تاریک رات کی حکمرانی تھی۔ اس جگہ سے میں دور دور تک کے مناظر دیکھ سکتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھے تو صرف خوراک کی طلب تھی۔ جہاز کے عملے کے لوگ ابھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کیونکہ بہت زیادہ رات نہیں گزری تھی۔ جگہ جگہ تیز روشنیاں بھی ہو رہی تھیں۔ ایک جگہ سے موسیقی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے طور پر مگن ہے۔ جہاز خاصا وسیع و عریض تھا اور یہ بات قابلِ غور تھی کہ یہ وسیع و عریض جہاز کس ملک کا ہے اور یہاں اس پروفیسر نامی شخص کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟ لیکن پھر میں نے اپنے ان تمام خیالات پر لعنت بھیجی اور یہ سوچنے لگا کہ کچن کس طرف ہو سکتا ہے۔ لوگوں کی نگاہوں سے بچنا انتہائی مشکل کام تھا۔ ضروری تو نہیں تھا کہ جہاز میں مجھے ایسی ہی جگہ مل جاتی، جہاں میں آسانی سے پوشیدہ ہو

جاتا۔ لیکن تقدیر کی رہنمائی اور طلب کے سہارے میں آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر وہ شاید کھانوں کی خوشبو ہی تھی جس نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر خوشبو کے سہارے کچن تک کا سفر بہت زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا۔

کچن میں دو تین افراد موجود تھے اور ان کی موجودگی میں اس میں داخل ہو کر کچھ نکال لینا مشکل کام تھا۔ تاہم میری نگاہ ایک ایسی کھڑکی پر پڑی جو جہاز کے وسیع و عریض کچن کے کاؤنٹر کے بالکل نزدیک تھی اور اس کاؤنٹر پر کھانے پینے کی بے شمار اشیاء کا انبار پڑا تھا۔ اس کھڑکی کے راستے ہاتھ اندر داخل کر کے ان میں سے کم از کم اتنی چیزیں اٹھائی جا سکتی تھیں کہ پیٹ بھر جائے، بشرطیکہ تقدیر ساتھ دے اور کسی شخص کی نگاہ میرے ہاتھ پر نہ پڑ سکے۔ میں آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا اور پھر کھڑکی سے اندر کا منظر دیکھنے لگا۔ کک اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میرے عین سامنے ہنٹر بیف کے پیکٹ، ڈبل روٹیاں اور پنیر رکھا ہوا تھا۔ غالباً سینڈوچ وغیرہ بنائے جا رہے تھے۔ منہ میں پانی آ گیا۔ میں نے حسرت بھری نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھا اور پیٹ کی حالت پر غور کرنے لگا۔ اب جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ کام تو کرنا ہی چاہئے۔ چنانچہ ہاتھ بڑھا کر میں نے ہنٹر بیف کا ایک پیکٹ اٹھا لیا۔ میرا ہاتھ باہر آیا اور اندر کسی قسم کی تحریک نہ ہوئی تو میری ہمت بڑھ گئی۔ اب بار بار تہہ خانے سے باہر آ کر کچن تک پہنچنا تو ایک مشکل کام تھا۔ اس وقت کچھ زیادہ چیزیں ہاتھ لگ جائیں تو تھوڑا سا وقت نکل سکتا ہے۔ چنانچہ مزید کوشش کر کے میں نے ڈبل روٹیاں اور بیف کے دو پیکٹ اور اُٹھا لئے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا ہاتھ لگنا ممکن نہیں تھا۔ البتہ پانی کا مسئلہ ٹیڑھا تھا اور اس کے لئے میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا۔

میں ان چیزوں کو چھپائے ہوئے وہاں سے ہٹ آیا۔ اسی طرح چھپتے ہوئے مجھے واپس تہہ خانے میں پہنچنا تھا، لیکن انتہائی احتیاط کے ساتھ، تاکہ کہیں میرا راز فاش نہ ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وقت سے پہلے اُنہیں میرے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔ پھر تقدیر نے ایک اور یاوری کی۔ وہ یہ کہ ایک پائپ لائن مجھے نظر آئی، جس میں کئی نل لگے ہوئے تھے۔ ان کا مقصد کیا تھا؟ یہ تو میں نہیں سمجھ سکا۔ لیکن فوری طور پر پیاس بجھانے کی خواہش کو رد نہ کر سکا اور میں نے ایک نل کھول کر ٹھنڈا پانی پیا۔ پائپ لائن کی اس جگہ

موجودگی آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ بہر طور! میرا کام بن گیا تھا۔ پانی پینے کے بعد میں واپس اس تہہ خانے کی جانب چل پڑا اور بغیر کسی دقت کے تہہ خانے میں آ گیا۔ اپنے ساتھ لائی ہوئی چیزوں کو سنبھالے رکھنا بڑا مشکل کام تھا۔ میں ان چاروں تابوتوں کو نظر انداز کر کے ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ اور اس کے بعد میں نے تیزی سے پیکٹ کھول کر بیف اور ڈبل روٹی کھانا شروع کر دی۔ اس کے بعد ان دونوں چیزوں کو ایک ریپر میں لپیٹنے کے بعد میں نے تہہ خانے میں نگاہیں دوڑانا شروع کر دیں۔ کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں انہیں چھپایا جا سکے تاکہ یہ آئندہ بھی کام آ سکیں۔ پانی کا مسئلہ تو بہر حال رہے گا۔ لیکن کم از کم ایک ایسی جگہ دریافت ہو چکی ہے جہاں سے تھوڑی سی کوشش کے بعد پانی پیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں اپنے کام میں مصروف رہا۔ لیکن اس کمرے میں ان تابوتوں کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں تھی، جسے یہ چیزیں چھپانے کے لئے سٹور کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکے۔

دفعتہً میری نگاہ لکڑی کی اُن سیڑھیوں پر پڑی جن سے گزر کر اوپر جایا جا سکتا تھا۔ ان سیڑھیوں کے نیچے کچھ خلا سا محسوس ہوا اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ خلاء میں جھانک کر دیکھا گو اندر تاریکی تھی لیکن ہاتھ ڈالنے کے بعد کم از کم یہ اندازہ ہو گیا کہ جگہ صاف ہے۔ پھر کھانے پینے کی یہ چیزیں چونکہ میں نے احتیاط سے لپیٹ دی تھیں اور ان کی پیکنگ سلوفین کی تھی اس لئے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور میں نے وہ اشیاء وہاں چھپا دیں۔

ایک لمبی سی ڈکار لینے کے بعد میں نے سوچا کہ تابوت میں لیٹ کر آرام کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں اپنے تابوت کے پاس پہنچ گیا اور بڑے اطمینان سے میں نے تابوت کا ڈھکنا کھولا۔ لیکن دوسرے لمحے ڈھکنا میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے بقیہ تابوتوں کی طرف دیکھا اور پھر اس تابوت کی طرف جس سے نکل کر میں باہر آ گیا تھا۔ لیکن سمجھ میں نہ آنے والی بات تھی۔ تابوت تو میرا ہی تھا البتہ اس میں ایک ممی موجود تھی۔ ایک عجیب و غریب چہرہ، جس پر سفید رنگ کیا ہوا تھا۔ جبکہ میں نے صرف ایک تابوت کھولا تھا تو اس میں مجھے ایک نیلے چہرے والی ممی نظر آئی تھی۔ یہ سفید چہرہ بہت ہی حیران کن تھا۔ اس کے بدن پر لباس بھی ایسا ہی تھا جیسا خود میرے بدن پر۔ لیکن تابوت میرا تھا۔ کہاں غلطی ہوئی؟ کس طرح غلطی ہوئی مجھ

سے؟ میں نے سوچا اور پھر پریشانی کے انداز میں تابوت کا ڈھکنا بند کر کے ان چاروں تابوتوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ یقیناً ان تمام تابوتوں میں سے ایک تابوت میرا تھا۔ پھر مجھ سے اندازے کی غلطی کیسے ہوئی؟ میں نے ہمت کر کے دوسرے تابوت کو کھولا۔ یہ وہی تابوت تھا جسے میں پہلے بھی کھول چکا تھا۔ نیلے چہرے والی ممی پر ہیبت، پر جلال انداز میں آنکھیں بند کئے سوچ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے دہشت زدہ ہو کر اُسے بند کر دیا اور پھر تیسرے تابوت کو کھول کر دیکھا۔ اس میں ایک انتہائی بوڑھے چہرے والی ممی تھی۔ اس بوڑھے چہرے پر لاتعداد جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ چنانچہ میں نے اسے بھی بند کر دیا تھا۔ اب باقی دو تابوت رہ گئے تھے اور جب ان باقی دونوں تابوتوں میں بھی میں نے ایک ایک فرعون کی ممی رکھی دیکھی تو میرے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ میرا تابوت کہاں گیا؟ یقیناً وہ پانچواں تابوت میرا ہی تھا جس میں ایک اور ممی موجود تھی۔ سر میں کھجلی ہونے لگی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا قصہ ہے۔ اگر کوئی چھٹی ممی یہاں لائی گئی ہوتی تو اس کا تابوت بھی ہوتا یا میری غیر موجودگی میں کسی اور ممی کو میرے تابوت میں رکھا گیا تو پھر میری تلاش کیوں نہ کی گئی؟ یہ تمام سوالات اُلجھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک بار پھر اپنے تابوت کا ڈھکن کھولا اور اس ممی کو غور سے دیکھنے لگا۔ دفعتہً ہی مجھے محسوس ہوا کہ اس کے پپوٹے ہل رہے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے دل میں دہشت اُبھری لیکن میں نے تابوت کا ڈھکنا بند نہیں کیا۔ ممی نے آنکھیں کھول دیں۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ آنکھیں بہت خوبصورت ہیں اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو نسوانی آنکھیں ہیں۔ لیکن سرزمین مصر کی کوئی قدیم روح اس طرح آپ کے سامنے آنکھیں کھول دے تو آپ کی اپنی کیا کیفیت ہونی چاہئے؟ میں اگر رامیس سے ویلی آف کنگز میں نہ مل لیتا تو شاید اس وقت میرے دل کی حرکت بند ہی ہو جاتی۔ لیکن اب اس پُراسرار زمین کے اسرار سے میں آشنا ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا اور تعجب کی نگاہوں سے اس ممی کو دیکھتا رہا۔

جو کچھ دیکھ رہا تھا، وہ ناقابل یقین تھا۔ لیکن حقیقت میرے سامنے تھی۔ اس کی کھلی ہوئی سرخ سرخ آنکھیں مجھے گھورتی رہیں اور پھر اس کے منہ سے ایک آواز نکلی۔ ایک سمجھ میں نہ آنے والی زبان میں اس نے مجھ سے کچھ پوچھا..... میں بھلا اس کا کیا جواب دیتا؟ سوائے اس کے کہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے گھورتا رہا۔ وہ بغور میرا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر وہ

تھوڑی سی کھسکی اور اُٹھ کر تابوت میں بیٹھ گئی۔ اگر یہ زندہ ممی کسی اور تابوت سے برآمد ہوتی تو میں مصر کی سرزمین کے پراسرار اور پر ہول واقعات کا تجزیہ کر کے اس پر بھی یقین کر لیتا۔ لیکن حیرت اس بات پر تھی کہ وہ میرے تابوت میں کہاں سے آ گئی؟ اور چند لمحات کے بعد ایک اور خیال میرے ذہن میں اُبھرا۔ ممکن ہے یہ تابوت اسی کی ملکیت ہو۔ مقبرے میں خالی تابوت کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی؟ ممکن ہے یہ پراسرار فرعونہ اُس وقت اپنے تابوت میں موجود نہ ہو جب میں نے اس خالی تابوت کو پایا تھا۔ اور چونکہ یہ اس کی ملکیت تھا اس لئے اب وہ پراسرار طور پر اپنے تابوت میں واپس آ گئی ہو۔

بدن میں سرد لہریں اُٹھ رہی تھیں۔ اور میرے انداز میں دہشت پیدا ہو گئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہاں آ کر مارا گیا؟ اپنی دانست میں تو میں نے مصر سے نکلنے کے انتظامات کر لئے تھے۔ لیکن حالات بالکل ٹھیک نہیں تھے۔

وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر اس نے آہستہ اور ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا۔

''تم بے تابوت کیوں ہو؟''

میرے ذہن کو پھر ایک جھٹکا لگا۔ کیونکہ اس نے انگریزی زبان استعمال کی تھی۔ چند لمحات وہ خاموشی سے میرے جواب کا انتظار کرتی رہی۔ پھر دوبارہ بولی۔

''تم نے جواب نہیں دیا۔ تم بے تابوت کیوں گھوم رہے ہو؟''

''اس لئے کہ میرے تابوت پر تم نے موجودہ دور کے اس زمین کے باسیوں کی طرح ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔''

''اوہ! کیا یہ تمہاری آرام گاہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر میرا تابوت کہاں گیا؟

''مجھے نہیں معلوم۔ لیکن براہِ کرم! میرے تابوت سے باہر آ کر ناجائز قبضہ ختم کرو۔''

جانے کون سی ہمت کر کے میں نے اُس سے یہ الفاظ کہے تھے۔

وہ مجھ پر غور کرتی رہی۔ اور دفعتہً میں نے اس کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ دیکھی۔ لیکن صرف ایک لمحے کے لئے اور اس کے بعد وہ پھر اسی طرح سنجیدہ ہو گئی۔ ''اگر یہ تمہارا تابوت ہے تو پھر میرا تابوت کہاں گیا؟ نہیں نہیں! تم غلط کہتے ہو۔ یہ تابوت تمہارا نہیں ہے۔ میں اپنے تابوت کی تلاش میں سرگرداں تھی۔''

میرے ذہن سے خوف و دہشت کا غلبہ آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے سوچا

وہ خود بھی پورے اعتماد سے یہ بات نہیں کہہ رہی کہ یہ تابوت اسی کا ہے، اس کے علاوہ وہ انگریزی زبان بھی بول رہی ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ بھی میری ہی طرح کی فرعونہ ہو؟ اس احساس نے دل کو تھوڑی سی تقویت بخشی اور میں نے سنبھل کر کہا۔ ''مگر تم کون ہو؟''

''یہی سوال میں تم سے بھی کر رہی ہوں۔ تم پہلے اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''میرا نام راعمساس ہے۔''

''خادمہ کو آموناختہ کہتے ہیں۔'' اس نے گردن خم کر کے کہا۔

''کیا تم انگلستان سے یہاں پہنچی تھیں؟ میرا مطلب ہے کہ کسی فرعونہ کو اس سے قبل میں نے انگریزی بولتے نہیں دیکھا۔''

''اور زمانہ قدیم کے فرعون بھی انگریزی سے نابلد تھے۔ لیکن کیا، کیا جائے؟ زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ہم روحوں کو مختلف زبانیں بھی سیکھنا پڑتی ہیں۔ چنانچہ میں نہ صرف انگریزی، بلکہ جرمن، فرنچ اور پرشین بھی روانی سے بول سکتی ہوں۔''

''ایسی فرعونہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھی۔''

''لیکن فرعون اعظم راعمساس! تم بھی تو انگریزی بول رہے ہو۔ البتہ زمانہ قدیم میں تم نے کبھی پستول نہیں استعمال کیا ہو گا۔ جبکہ میں نے اس کا بھی معقول بندوبست کر رکھا ہے۔'' دفعتہً اُس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ رنگ کا آٹو میٹک پستول نکال کر اس کا رُخ میری جانب کر دیا۔

''کک.... کیا حماقت ہے؟ یعنی اب مرنے کے بعد بھی تم خونریزی کر سکتی ہو؟'' میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہاں! اگر تم اپنی اصلیت نہ اُگل دو۔ میری روحانی قوتیں کہتی ہیں کہ تم زمانہ قدیم سے تعلق نہیں رکھتے۔ پھر فرعون کے لباس اور اس کے حلیئے میں کیوں ہو؟ اور کیوں بھاگے بھاگے پھر رہے ہو؟''

حالات بتا رہے تھے کہ آموناختہ درحقیقت میری ہی طرح کی کوئی معزز خاتون ہیں۔ جن کا تعلق کسی بھی قیمت پر زمانہ قدیم کے فراعین سے نہیں ہو سکتا۔ اور یہ احساس مجھے نڈر کر رہا تھا۔ میں نے یہ اندازہ بھی کسی حد تک لگا لیا تھا کہ اگر وہ واقعی کوئی ممی یا بدروح نہیں

ہے تو پھر بلا وجہ آ کر نہ چھپی ہو گی اور کسی بھی قیمت پر یہ پسند نہیں کرے گی کہ ہنگامہ ہو اور ہم دونوں جہاز والوں کی نگاہ میں آ جائیں۔ چنانچہ میں نے پہلے سے کسی قدر مطمئن لہجے میں کہا۔

''مگر تمہاری روحانی قوتیں تمہیں یہ کیوں نہیں بتا رہیں کہ میں کون ہوں؟''

''اس لئے کہ میری روحانی قوتیں اس وقت سوئی ہوئی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے بارے میں تفصیل بتا دو۔''

''مزید بہتر یہ ہے کہ میں یہاں سے باہر جا کر جہاز والوں کو تمہارے بارے میں تفصیل بتا دوں۔'' میں نے کہا اور اس کے ہونٹ بھینچ گئے۔

''ذرا ایک قدم دروازے کی طرف بڑھاؤ۔ میں تمہارے پورے بدن کو گولیوں سے چھلنی کر دوں گی۔''

''ارے واہ! خوامخواہ میرے جسم کو خراب کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ظاہر ہے میں ان گولیوں سے مر تو نہیں سکوں گا، لیکن گولیوں کی آواز باہر ضرور جائے گی۔ اور اس کے بعد ہم دونوں فرعون پکڑے جائیں گے۔''

میرے الفاظ پر وہ بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر اس نے پستول اپنے لباس میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔ ''باہر سے آ رہے ہو۔ کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟''

''کس قسم کا خطرہ....؟''

''اب فضول باتوں سے گریز کرو۔ آؤ بیٹھو! مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ یوں لگتا ہے جیسے تم بھی میری ہی طرح کے فرعون ہو اور کچھ کر کے بھاگے ہو۔''

''خدا کا شکر ہے۔ بلکہ رب ای آ او کا شکر ہے کہ تم نے اپنی اصلیت قبول کر لی۔ ٹھیک ہے بی بی! میں بھی تمہاری طرح کا ایک فرعون ہوں۔ بلکہ فرعونوں کی پیروڈی۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ وہ ہنستی رہی۔ میں اس کے تابوت کے نزدیک کہنی رکھ کر بیٹھ گیا۔ وہ تابوت میں پالتی مارے بیٹھی ہوئی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں اب بھی حیرت کے نقوش جاگزیں تھے اور وہ بار بار گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لینے لگتی تھی۔ ''تمہیں مس آموناختہ کہوں یا صرف آموناختہ؟'' میں نے پوچھا۔

''فضول بکواس مت کرو۔ میں شدید بھوکی ہوں۔ کیا کوئی ایسا بندوبست نہیں ہو سکتا کہ

تھوڑا بہت کھانے کو مل جائے؟''

''دوستی شرط ہے۔ تمام بندوبست ہو سکتا ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ چند لمحات میری شکل دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ ''گو میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں ہوں لیکن اتنا اندازہ ضرور لگا سکتی ہوں کہ تمہارا تعلق کم از کم میرے دشمنوں سے نہیں ہے۔ اس لئے تم سے دوستی کرتے ہوئے مجھے کوئی جھجک نہیں ہو رہی ہے۔'' اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا اور میں نے اسے بغور دیکھتے ہوئے اس کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ کے پنجے میں لے لیا۔ اس ہاتھ میں زندگی کی گرمی دوڑ رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔ ''اب بتاؤ! کھانے کے لئے کیا بندوبست کر سکتے ہو؟''

''میری روحانی قوتیں تمہیں یہیں، اسی جگہ بیف اور ڈبل روٹی مہیا کر سکتی ہیں۔ لیکن افسوس! پانی کے لئے میں معذور ہوں۔ کیونکہ تمام روحیں پانی سے گھبراتی ہیں۔''

''چلو، کھانے کا بندوبست تو کرو۔ پانی کے بارے میں بعد میں سوچ لیں گے۔'' آموناختہ نے کہا اور میں نے سیڑھی کے نیچے سے بیف اور ڈبل روٹی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''خدا کی پناہ! تم تو واقعی بہت پہنچے ہوئے فرعون معلوم ہوتے ہو۔'' اس نے اپنے ہونٹوں پر کلائی پھیر کر وہ رنگ صاف کیا جس میں اس کے ہونٹ رنگے ہوئے تھے۔ اور پھر ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے، بیف کے ساتھ کھانے لگی۔ میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا تھا۔ خدوخال چونکہ رنگوں کی تہوں میں چھپے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ مصری نژاد ہے یا کہیں اور سے اس کا تعلق ہے۔ یہی کیفیت اس کے چہرے کے اصل رنگ کی تھی۔ لیکن میرے دل میں اُس کی اصلیت جاننے کا شدید تجسس موجود تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ بھی میرے بارے میں اسی انداز میں سوچ رہی ہو گی۔ اُس نے چند سلائس اور تھوڑا سا بیف کھایا اور اس کے بعد بقیہ چیزوں کو کاغذ میں احتیاط سے لپیٹ کر میری طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ ''اس جگہ کے علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جسے ہم محفوظ سمجھ سکیں۔ چنانچہ یہ قیمتی اشیاء وہیں چھپا دو۔''

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور پھر اس کے نزدیک آ بیٹھا۔ ''اب یہ بتاؤ! تابوت کے لئے کیا، کیا جائے؟ یہ تابوت اتنا کشادہ بھی نہیں ہے کہ ہم دونوں اس میں سما سکیں۔''

میں نے کہا۔

''اوہو! شاید کوئی تہہ خانے میں آ رہا ہے۔'' اُس نے کہا۔

میں نے بھی یہ آوازیں سن لی تھیں اور بدحواس ہو گیا تھا۔ اسی بدحواسی میں تابوت میں جا گھسا۔ اس نے کروٹ کے بل لیٹ کر مجھے جگہ دے دی اور میں نے فوراً ہی تابوت کا ڈھکن برابر کر لیا۔ ہم دونوں سانس روکے پڑے ہوئے تھے۔ تابوت میں ہم اس بری طرح ٹھنس گئے تھے کہ جنبش کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ سانسوں کی دھمک کنپٹیوں میں محسوس ہو رہی تھی۔ ہر آن یوں لگتا تھا جیسے اب تابوت کا ڈھکن کھلے گا اور ہماری گردنیں پکڑ کر ہمیں باہر نکال لیا جائے گا۔ لیکن آنے والوں نے کوئی تعرض نہیں کیا اور کھٹ پٹ کی آوازیں بلند ہوتی رہیں۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے وہ لوگ واپس جا رہے ہوں۔ اور چند ہی لمحات کے بعد خاموشی چھا گئی۔ ہمارے سانس گھٹ رہے تھے۔ دونوں کے سانسوں کی گرمی ایک دوسرے کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ لیکن مجبوری تھی۔ جان بچانے کے لئے اندر تو آ گھسے تھے لیکن پسلیاں چٹختی جا رہی تھیں۔

جب یہ احساس ہوا کہ اب تہہ خانے میں کوئی نہیں ہے تو کوشش کر کے تابوت کا ڈھکن کھول دیا گیا اور اس کے بعد ہم باہر نکلنے کی جدوجہد کرنے لگے جس میں بہر طور کامیابی ہو گئی تھی۔ آمونا ختہ بھی باہر آ گئی اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ ''خدا غارت کرے۔ کیوں آ کر مرے تھے یہ لوگ؟'' اُس نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔ اور اُن لوگوں کے آنے کی وجہ معلوم ہو گئی۔ تہ خانے میں اب ایک اور تابوت کا اضافہ ہو گیا تھا۔

''اوہ.... تو یہ بات تھی۔ ویسے کیا تم جانتے ہو کہ یہ جہاز آج صبح سے پہلے یہاں سے چل دے گا۔ اس کی روانگی کا وقت پونے چھ بجے ہے۔''

''خوب! تمہاری روحانی قوتیں اس سلسلے میں مجھ سے کچھ زیادہ ہیں۔'' میں نے کہا اور وہ برا سا منہ بنا کر تابوتوں کو دیکھنے لگی۔ اور پھر چونک کر بولی۔

''کیا تم ایک کام نہیں کر سکتے؟''

''کیا؟''

''ہم ایک تابوت اور خالی کر لیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے یہ تابوت اپنے لئے خالی کیا ہو گا۔ میرے لئے گنجائش بنا دو، دوست! ورنہ اگر ہمیں دوبارہ اس ایک تابوت میں گھسنا پڑا

تو اس کے بعد واقعی ہماری ممیاں ہی اس تابوت سے برآمد ہوں گی۔''

میں نے خوفزدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا اور سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کسی قدیم فرعون کی یہ بے حرمتی کر کے کہیں میں کسی مصیبت میں نہ گرفتار ہو جاؤں۔''

''اپنے لئے بھی تو تم نے ایسا ہی کیا ہو گا۔ اداکاری کیوں کر رہے ہو؟'' وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''نن..... نہیں۔ یقین کرو آمونا ختہ! میں نے ایسا نہیں کیا۔ خالی تابوت کی کہانی کچھ اور ہی ہے۔''

''ساری کہانیاں دوران سفر سن لی جائیں گی۔ تم پہلے یہ کام کر ڈالو۔ اس وقت موقع ہے۔ ورنہ دونوں ہی مارے جائیں گے۔ میں خود بھی تمہاری مدد کرتی ہوں۔''

تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد میں اس کام پر آمادہ ہو گیا اور ہم دونوں ایک تابوت کے قریب پہنچ گئے۔ تابوت کا ڈھکن کھولا اور اس میں لیٹی ہوئی لاش کو دیکھنے لگے۔ زمانہ قدیم کا کوئی پر جلال اور پر ہیبت فرعون اس تابوت میں بھی محو استراحت تھا۔ بلا شبہ وہ اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ دلیر نکلی۔ اس نے لاش کی گردن کے نیچے ہاتھ ڈال کر اس کا سر اُٹھا دیا۔ اکڑی ہوئی لاش تھوڑی سی اوپر اُٹھی اور اس نے دوسرا ہاتھ بھی نیچے ڈال دیا۔ اس کے بعد اُس کی مدد نہ کرنا بزدلی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں نے مل کر فرعون کی لاش کو تابوت سے نکال لیا اور اسے باہر رکھ دیا۔ اس تابوت کی بناوٹ بھی میرے تابوت سے مختلف نہیں تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ ہم احتیاط سے اُسے لے کر اُوپر پہنچیں اور دوسروں کی نگاہوں سے بچتے بچاتے اُسے سمندر میں پھینک دیں۔ میں نے لڑکی کو وہیں رُکنے کا اشارہ کیا اور پھر سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچ گیا۔ کسی بھی وقت جہاز کے عملے کے لوگ دوبارہ تہہ خانے میں آ سکتے تھے۔ چنانچہ احتیاط ضروری تھی۔ لیکن اس وقت باہر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دُور دُور تک کسی کی موجودگی کے نشانات نہیں ملتے تھے۔ چنانچہ میں پھرتی سے نیچے آیا اور لڑکی کو اشارہ کر کے بتایا کہ لائن کلیئر ہے۔ پھر ہم دونوں اس قدیم فرعون کی اکڑی ہوئی لاش کو لئے ہوئے اوپر آ گئے اور سخت جدوجہد کر کے بالآخر ہم نے اُسے سمندر میں اُچھال دیا۔ عرشے سے اسے نیچے پھینکتے ہوئے ہم نے خاصا خیال رکھا تھا کہ آواز نہ ہونے پائے۔ ویسے ہماری بچت اسی میں تھی کہ جہاز صبح ہونے سے پہلے روانہ ہو جائے ورنہ پانی میں فرعون کی لاش دیکھی جا سکتی تھی۔ اس

کام سے فارغ ہونے کے بعد ہم واپس تہہ خانے میں آ گئے۔ لڑکی نے اپنے تابوت میں لیٹ کر ڈھکن بند کر لیا۔ غالباً وہ سونا چاہتی تھی۔ میں البتہ تہہ خانے کی سیڑھی پر جا بیٹھا۔ ذہن بہت سارے خیالات کا شکار تھا کہ دفعتاً وہ ڈھکن کھول کر اپنے تابوت میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''زندہ درگور ہو جانا کیسا لگتا ہے؟''

''ہمارے ہاں گور کی شکل ذرا مختلف ہوتی ہے۔ تابوت کی حد تک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ تابوت زمین کے اندر پہنچ جائے تو؟''

''نہیں! شاید ایسا نہیں ہوگا۔ تمہیں شاید پروفیسر میتھون کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔''

''پروفیسر میتھون؟''

''ہاں! وہی بوڑھا، جو ان تابوتوں کو اس جہاز میں جمع کر رہا ہے۔''

''آہ! میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور لڑکی مجھے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''اب جب کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نہ تم دورِ فرعون سے کوئی تعلق رکھتے ہو اور نہ میں۔ تو کیوں نہ ہم ایک دوسرے سے اپنا تعارف کرا دیں۔ ظاہر ہے حالات نے ہمیں ایک ہی جہاز کا مسافر بنا دیا ہے۔ تو پھر ہم ایک دوسرے سے واقفیت کیوں نہ حاصل کر لیں؟''

''اس کی ابتداء تم کرو۔'' میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگی۔ پھر بولی۔

''نہ میرا نام آمو ناختہ ہے اور نہ تم راعمساس ہو۔ ناموں ہی سے ابتداء ہونا چاہئے۔ تم مجھے آئرن فیرین کہہ سکتے ہو۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''منصور۔''

''مصر سے تعلق رکھتے ہو؟''

''نہیں.....''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرا تعلق مصر سے نہیں ہے۔ بلکہ میں ایشیاء ہی کے ایک ملک کا باشندہ ہوں۔''

''مصر میں کیا کر رہے تھے؟''

''جھک مار رہا تھا۔''

''اچھا مشغلہ ہے۔'' لڑکی نے سنجیدگی سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ ''میں بھی مصری نہیں ہوں۔ لیکن یہاں آ پھنسی ہوں۔ ایک اچھے خاصے کھاتے پیتے خاندان سے میرا تعلق ہے۔ اور یوں سمجھ لو کہ میرے خاندان کے لوگ ہی میری زندگی کے گاہک بن گئے ہیں۔ اگر میں کچھ اور وقت قاہرہ میں گزار لیتی تو یقیناً ماری جاتی۔ چنانچہ میں نے یہاں سے فرار ہو کر ایران جانے کا فیصلہ کر لیا اور اب ایران کا سفر کر رہی ہوں۔''

''خوب.....اس تابوت میں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں! یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ مختصراً یوں سمجھ لو کہ پروفیسر میتھون کے پروگرام سے میں اتفاقیہ طور پر واقف ہو گئی تھی۔ پروفیسر میتھون ایک ماہر آثارِ قدیمہ ہے اور مصریات پر ریسرچ کر رہا ہے۔ لیکن اس کے لئے اس نے ایک خطرناک طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ وہ قدیم مصری مجسموں کو یہاں سے چرا کر لے جا رہا ہے۔ ظاہر ہے، عام حالات میں مصری حکومت اُسے اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے اُس نے یہ طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ میں یہاں سے فرار ہونے کے منصوبے بنا رہی تھی تو میرے علم میں اُس کا پروگرام آ گیا۔ یہ جہاز یہاں سے ایران جائے گا۔ میں نے سوچا کہ کسی طرح ایران تک کا سفر اختیار کیا جائے۔ جہاز کے کپتان سے پروفیسر میتھون کے بہت گہرے تعلقات ہیں اور اُسی کی مدد سے پروفیسر میتھون، قدیم مصری مجسموں کو پوشیدہ طور پر یہاں سے لے جا رہا ہے۔ جب یہ پروگرام میرے علم میں آیا تو میں نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ میں خود بھی کسی ممی کی حیثیت سے سفر کروں۔ میں نے پروفیسر میتھون کا تعاقب جاری رکھا اور اس کے پروگراموں سے آگاہ ہوتی رہی۔ بالآخر یہاں تک پہنچ گئی۔ یہ شکل وصورت اور حلیہ جو میں نے اختیار کیا ہے، سب میک اپ ہے۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ کوئی اور بھی بالکل میری ہی مانند سوچ سکتا ہے۔ تم مجھ سے پہلے اس شکل میں یہاں پہنچ گئے۔ تم پر کیا بیتی ہے؟''

''آہ..... یہ نہ پوچھو فیرین! میں بھی تقدیر کا ستایا ہوا ہوں اور میرے دشمن بھی میری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ جانے کس کس طرح یہاں تک پہنچا۔ فرعون کا یہ لباس مجھے ایک قدیم مقبرے ہی میں ملا تھا اور اسی مقبرے سے تمہارا پروفیسر میتھون براہِ راست مجھے

یہاں تک لے آیا۔ جبکہ میرے علم میں نہ پروفیسر میتھون کا کوئی پروگرام تھا اور نہ ہی میں اس جہاز کے بارے میں جانتا تھا۔ یہ صرف اتفاق ہے کہ مجھے یہاں اس شکل میں اپنے دشمنوں سے پناہ مل گئی۔''

فیرین مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے کہا۔

''ممکن ہے، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ لیکن ایک بات میں اعتماد سے کہہ سکتی ہوں کہ تم کم از کم میرے مخالفوں میں سے نہیں ہو سکتے۔ یقیناً! مجھے کم از کم اس حد تک اعتماد ہے۔''

''یوں تو میں تمہیں بھی جھوٹا سمجھ سکتا ہوں فیرین! تمہارا تعلق میرے دشمنوں سے بھی تو ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کسی کو یہ خبر مل گئی ہو۔ کیونکہ تم بالآخر میرے بعد یہاں پہنچیں تھیں۔''

''میں ہر طرح تمہیں اعتماد دلانے کے لئے تیار ہوں کہ میں نے زندگی میں پہلی بار تمہیں دیکھا ہے اور تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار مت بنو۔ میں چاہتی ہوں کہ اب تمہارا ساتھ رہے۔ اور اب تو میں اس بات سے بھی خوفزدہ ہو گئی ہوں کہ تم کہیں کسی پر میرا انکشاف نہ کر دو۔''

''تو پھر اس کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم دونوں جہاز کے اسی خفیہ تہہ خانے میں ساتھ ساتھ رہیں۔''

''تو پھر ایک بار اور ہاتھ ملاؤ۔ یہ عہد ہے کہ کم از کم ایران تک ہمارا ساتھ رہے گا۔''

اس نے پھر اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور میں نے مجبوراً اُس سے دوبارہ ہاتھ ملایا۔

''اب ہم ایک دوسرے کے لئے دل میں کوئی خدشہ نہیں رکھیں گے۔ کم از کم اُس وقت تک جب تک یہ احساس نہ ہو جائے کہ تم مجھے یا میں تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہوں۔ یہ بڑا اچھا ہوا کہ ایک خالی تابوت مجھے بھی مل گیا۔ پیٹ بھی بھر گیا ہے۔ چنانچہ اب کیوں نہ آرام کیا جائے.....''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور وہ اپنے تابوت میں لیٹ گئی اور میں اپنے تابوت میں چلا گیا تھا۔

حالات پر غور کرنے لگتا تو ہنسی آنے لگتی۔ میں کسی قدیم فرعون کے تابوت میں محو استراحت ہوں اور اُدھر میرے دشمن میری تلاش میں سرگرداں۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب آنکھ کھلی۔ تابوت ہچکولے لے رہا تھا۔ ہلکا ہلکا چکر

سا دماغ میں آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو اس بند کمرے کی نوعیت کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ لیکن پھر سب کچھ یاد آ گیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر تابوت کی چھت کو چھوا اور اس کے ساتھ ہی مجھے وہ پراسرار آمونا ختہ یاد آ گئی۔ میں نے جلدی سے تابوت کے ٹوٹے ہوئے حصے سے آنکھ لگا کر باہر جھانکا۔ تہہ خانے کا ماحول پہلے کی مانند نیم تاریک تھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی باہر آواز سنائی دے رہی تھی۔ چند لحات آہٹیں لینے کے بعد میں نے تابوت کے ڈھکن کو تھوڑا سا کھول دیا اور جب مکمل اعتماد ہو گیا کہ تہہ خانے میں اور کوئی موجود نہیں ہے تو تابوت سے باہر نکل آیا اور فیرین آئرن کی خبر گیری کے لئے اس کے تابوت کے نزدیک پہنچ گیا۔ میں نے تابوت کا ڈھکن کھولا اور اُس نے پستول کی نال سیدھی کر دی۔ پھر میری صورت دیکھ کر مسکرائی اور اُٹھ گئی۔

''تمہارا یہ پستول بے حد خطرناک ہے۔ کہیں کسی وقت اس سے فائر نہ کر دینا۔'' میں نے کہا۔

''سوری..... تمہارے قدموں کی آہٹ سے ہی میری آنکھ کھلی تھی اور میں خوفزدہ ہو گئی تھی۔''

''ویسے فیرین! اگر کوئی اتفاق سے آ ہی جائے تو تمہارا یہ پستول سیدھا کرنا مناسب نہیں ہے۔ وہ لوگ تو تمہیں قدیم ممی ہی سمجھتے ہیں۔''

وہ پرخیال انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔ پھر گردن ہلا کر بولی۔ ''ہاں! ٹھیک ہے۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔'' اُس نے اپنا ہاتھ سہارا لینے کے لئے اُٹھایا اور میں نے اُسے تابوت سے باہر نکال لیا۔

''مجھے بھوک بہت لگتی ہے۔ ہمیشہ سے اس کی مریض ہوں۔ جب بھوک لگتی ہے تو اور کوئی چیز مجھے پسند نہیں آتی۔ براہِ کرم! مجھے کھانے کے لئے دو۔''

''وہی دونوں چیزیں موجود ہیں۔ سیڑھی کے نیچے سے نکال لو۔''

تھوڑا سا بیف اور ڈبل روٹی میں نے بھی کھائی۔ پانی کا مسئلہ بدستور تشویش ناک تھا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ سارا دن ہم نے پیاس کے عالم میں گزارا۔ فیرین دن میں دو تین مرتبہ ڈبل روٹی اور بیف کھا کر اُن چیزوں کو ختم کر چکی تھی اور اب ہمارے پاس خوراک نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ہچکولے دن بھر لگتے رہے تھے۔ جہاز اپنی منزل کی

جانب رواں دواں تھا اور اس دوران ہمارے پاس کوئی نہیں آیا تھا۔ پھر رات گہری ہوتی چلی گئی۔ چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ جبکہ دن میں عرشے پر قدموں کی آوازیں اور مختلف قسم کی آہٹیں اُبھر رہی تھیں۔ اب مکمل طور پر تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

فیرین نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ ''باہر نہیں چلو گے؟''

''چلیں؟''

''ہاں..... میں پیاس سے مری جا رہی ہوں۔ زبان پر کانٹے پڑ رہے ہیں۔ عجیب سی طبیعت ہو رہی ہے۔ پانی پیئے بغیر زندگی ناممکن ہے۔''

''آؤ! پھر دیکھتے ہیں۔ اوپر کے ماحول کا جائزہ لینا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

ہم دونوں تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ بہت فاصلے پر دو تین خلاصی باتیں کر رہے تھے۔ ہم نے ان کو دیکھ کر دوسری سمت اختیار کی اور پھر ایک لمبا چکر کاٹ کر کچن کے اُس حصے میں پہنچ گئے جہاں وہ کھڑکی موجود تھی۔ اس وقت کھڑکی کا شیشہ گرا ہوا تھا۔ لیکن اس کا انداز ایسا تھا کہ اسے کھولا جا سکتا تھا۔ اس کھڑکی سے اندر داخل ہونا بھی مشکل کام نہیں تھا۔ میں نے کھڑکی کے شیشے کو تھوڑا سا ہٹایا اور اندر کا جائزہ لینے لگا۔ کچن میں دُھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن وہاں کوئی موجود نہیں تھا اور اسی بات کے امکانات تھے کہ اس وقت وہاں کسی کا وجود نہ ہو۔ چنانچہ میں نے فیرین سے کہا کہ وہ محتاط رہے، میں اس کھڑکی کے ذریعے اندر جا رہا ہوں۔ اُس نے گردن ہلا دی تھی۔ میں باآسانی کھڑکی سے اندر داخل ہو گیا۔ کچن میں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے ڈیپ فریزر اور ریفریجریٹر رکھے ہوئے تھے۔ ریفریجریٹر میں مرغی کی بھنی ہوئی رانیں، پنیر کے ڈبے تازہ ڈبل روٹیاں اور ایسی ہی دوسری چیزیں موجود تھیں۔ چائے یا کافی کی شدید حاجت محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا۔ سب سے پہلے میں نے پانی کی ایک بوتل ریفریجریٹر سے حاصل کی اور اُسے کھڑکی سے باہر فیرین کے ہاتھ میں تھما دیا۔ فیرین نے پانی کی بوتل کھول کر منہ سے لگا لی تھی اور کافی پانی پی گئی تھی۔ میں نے بوتل اُس سے لے کر فریج میں رکھ دی اور پھر دوسری چیزوں کے بنڈل بنانے لگا۔ پلاسٹک کے تھیلوں میں، میں نے اتنی خوراک محفوظ کر لی کہ تین چار دن آسانی سے گزر جائیں۔ چیزیں بھی ایسی منتخب کی تھیں جو اس دوران خراب نہ ہوں۔ پانی کی دو بوتلیں حاصل کیں اور ہم دونوں سامان سے

لدے پھندے وہاں سے واپس چل پڑے۔ دل چاہ رہا تھا کہ عرشے پر کھڑے ہو کر ٹھنڈی ہوا اور سمندر کا لطف لیں۔ لیکن اگر کسی خلاصی نے دیکھ لیا تو جہاز پر ہنگامہ ہو جائے گا۔ تہہ خانے میں واپس آنے کے بعد یہ تمام چیزیں سیڑھیوں کے نیچے پوشیدہ کر دی گئی تھیں۔ کھانے پینے کی کچھ چیزیں نکال لی گئی تھیں۔

فیرین نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔ ''اگر ہم یہاں اپنا میک اپ تبدیل کر لیں تو کیسا رہے گا؟''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ فرعونوں کی شکل چھوڑ کر اگر ہم جہاز کے عملے کے لوگوں کی شکل اختیار کر لیں تو کیا ہمیں سفر کرنے میں آسانی نہیں ہوگی؟''

''محترمہ! ان تابوتوں میں ہم جتنے محفوظ ہیں، اور ان ممیوں کی حیثیت سے جس سکون سے سفر کر سکتے ہیں، وہ سکون باقی نہیں رہے گا اور اس طویل سفر کے دوران ہم یقیناً پکڑے جائیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ اسی شکل میں وقت گزاریں۔ یہ ٹھیک ہے۔ پورا دن تابوت میں لیٹے لیٹے کمر تختہ ہو جاتی ہے۔ لیکن باہر نکلنے کی شکل میں اگر خود تختے پر لٹکا دیئے جائیں تو کیا بہتر رہے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں..... نہیں..... یہ تو بالکل مناسب نہیں ہوگا۔ مگر اب کیا کریں؟ عرشے پر بھی چہل قدمی نہیں کر سکتے۔ یہاں اس تہہ خانے میں گھومنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایک عجیب سی بو یہاں بکھری ہوئی ہے۔ مجھے تو اب فرعونوں کی ان ممیوں سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ جبکہ پہلے میں تنہا کسی مقبرے میں جاتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کیا تمہیں ان سے خوف محسوس نہیں ہوتا؟''

''زندگی کے خوف سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے فیرین! اور میں زندگی بچانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ باقی ہر قسم کے خوف کو نظر انداز کرنا ہی ہوگا۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔ اب کیا ارادہ ہے؟ لیٹ جائیں یا چہل قدمی کریں؟''

''جیسا تم مناسب سمجھو۔'' میں نے جواب دیا۔ اور ہم اس تہہ خانے میں ٹہلتے رہے۔

فیرین نے اس کے بعد اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور نہ ہی مجھ سے میرے بارے میں پوچھا تھا۔ لیکن میرے ذہن میں اُس کے لئے بدستور تجسس موجود تھا۔ جب ہم اس بے ہودہ قسم کی چہل قدمی سے تھک گئے تو ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر اپنے اپنے

تابوت میں جالیٹے۔ فیرین نے مسکرا کر ڈھکنا بند کر لیا۔ لیکن میں دیر تک اُسی طرح
سوچتا رہا۔ واقعی عجیب و غریب سفر تھا یہ۔ ایران تک جاتے ہوئے نہ جانے کتنا وقت
جائے۔ شدید بوریت سوار تھی۔ بہرطور! مصر سے نکل جانے کی خوشی بھی تھی۔ جب بیٹھے
بیٹھے دل اُکتا گیا تو ڈھکنا بند کر کے تابوت میں لیٹ گیا۔

دفعتہً ہی مجھے ایک عجیب سی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ یہ ٹھنڈک پتہ نہیں ذہن کے کس
سے گوشے کو ٹٹول رہی تھی۔ پھر ایک دم ذہن جھنجھنا اُٹھا تھا۔ پورے بدن پر ایک بوجھ سا
پڑا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میرا وزن بڑھ گیا ہو اور یہ احساس مجھے اُس وقت ہوا تھا جب
راعمیس نے پہلی بار میرے وجود میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی۔ میرے ذہن میں بے
اختیار اُس کا نام گونجا اور دوسرے لمحے میں شدت حیرت سے اُچھل پڑا۔ کیونکہ ذہن میں
راعمیس کی آواز سنائی دی تھی۔

''میں آ گیا ہوں میرے دوست..... میں آ گیا ہوں۔''

میں چونک کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ناک تابوت کے ڈھکن سے ٹکرائی اور اس کے
بعد میں نے تابوت کا ڈھکن کھولا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اس قدر بے سکون یا مضطرب ہونے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم اس
دوران میں میری غیر موجودگی سے کس قدر پریشان ہوئے ہو گے۔''

''کیا میں پھر دھوکا کھا رہا ہوں یا پھر تم واقعی مجھ پر مسلط ہو گئے ہو راعمیس؟''

''نہیں..... میں واپس آ گیا ہوں اور اب تمہارے وجود میں موجود ہوں۔''

''میری جان بخشی نہیں کر سکتے تم اب تو میں نے سرزمین مصر بھی چھوڑ دی ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو یار۔ اتنی قدیم رفاقت کو اس طرح ٹھکرا رہے ہو؟ تمہارے
لہجے میں ناگواری کی کیفیت ہے۔ ایک دوست کے لئے یہ ناگواری مناسب تو نہیں ہوتی۔''

''لعنت ہے ایسی دوستی پر، جو مصیبت میں پھنسا دے۔ تم مجھے پریشانی کے عالم میں
چھوڑ بھاگے تھے۔''

''میں کہاں نکل بھاگا تھا۔ بس یوں سمجھ لو کہ کچھ مصیبتوں کا شکار ہو گیا تھا۔''

''تو کیا رُوحیں بھی مصیبتوں کا شکار ہوتی ہیں؟''

''یہ سوال نہ کرو تو اچھا ہے۔ کیونکہ تم ابھی خاکی وردی میں ہو اور کسی بھی زندہ شخص کا

روحوں کی ذاتی کیفیت کے بارے میں نہیں بتایا جا سکتا۔ لیکن میرے دوست راعمساس!
مختصراً میں تمہیں اس بارے میں بتا دوں کہ عالم برزخ میں بھی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں اور
روحوں کو عالم انسانیت میں کھلے عام جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ مجھے روحوں کی عدالت
میں طلب کر لیا گیا تھا۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ اب تم ایک بار پھر میرے ذہن کو ساتویں آسمان پر پہنچا
دو۔ روحوں کی عدالت میں تمہیں کیوں طلب کر لیا گیا تھا؟''

''اس لئے کہ میں نے ایک زندہ وجود سے دوستی کر ڈالی تھی۔ تم راعمساس کے ہم شکل
ضرور ہو لیکن راعمساس نہیں ہو۔ میں اس وقت دھوکہ کھا گیا تھا۔ لیکن اس کا کیا، کیا جائے
کہ میرا دل تمہاری طرف مائل ہو گیا ہے اور اب میں برزخ سے نکل بھاگا ہوں۔ برزخ
کوئی قید خانہ نہیں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ روحوں کی رہائش گاہ ہے۔ وہاں کی زندگی میں بھی
عجیب عجیب ہنگامے ہیں۔ لیکن تمہاری دُنیا میں مجھے کچھ اس قدر دلکشی نظر آئی کہ میں
بہرحال برزخ کا مفرور بن گیا۔ چھپتا چھپاتا یہاں تک آیا ہوں اور اب بھی سکون نہیں
ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ محافظ رُوحیں کائنات کے آخری سرے تک میرا تعاقب کریں
گی۔ اب اُن کے ساتھ مجھے آنکھ مچولی کھیلتے رہنا ہو گا۔ لیکن میں شروع ہی سے ضدی
طبیعت کا مالک ہوں اور ایک بار جو فیصلہ کر لیتا ہوں، اُس سے کبھی نہیں ہٹتا۔ چنانچہ میں
برزخ میں بغاوت کر کے وہاں سے نکل بھاگا ہوں۔ تمہارا ساتھ مجھے بہت سرور انگیز لگتا
ہے۔ تمہیں تلاش کر کے یہاں تک آتے ہوئے مجھے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور اس
کی وجہ برزخ کی محافظ روحیں تھیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے عزیز راعمیس! لیکن تم نے مجھے جس طرح دھوکے سے مروا دیا، اسے
میں کبھی نہیں بھول سکتا۔''

''کیوں..... کیا ہوا تمہارے ساتھ؟ اور تم یہاں سمندر میں کیسے آ پہنچے؟''

''چھوڑو ان باتوں کو۔ ان میں کیا رکھا ہے؟ میں اب سرزمین مصر سے نکل جانے کا
خواہش مند ہوں اور یہ سمندری جہاز مجھے لے کر ایران جا رہا ہے۔''

''آہ! میرے دل میں بھی بڑی خواہش تھی کہ زندہ آنکھوں سے اس کائنات کے
دوسرے خطوں کو دیکھوں۔ میں نے تم سے پہلے ہی اس کی خواہش ظاہر کی تھی۔ لیکن میرے

دوست! تم کتنی آسانی سے مجھے چھوڑ کر بھاگے جا رہے تھے۔"

"تو کیا کرتا؟ دشمنوں سے جان بچانا مشکل تھی۔ پتہ نہیں کیسی کیسی پریشانیوں سے گزر
میں یہاں تک پہنچا ہوں۔"

"فکر نہ کرو۔ تم زندہ سلامت ہو، اتنا ہی کافی ہے۔ میں اب تمہیں مزید کسی پریشانی
شکار نہ ہونے دوں گا۔ بات اگر محافظ روحوں کی نہ ہوتی تو میں اب سے بہت پہلے تمہارے
پاس پہنچ چکا ہوتا۔ کہو! کیسی گزر رہی ہے؟"

"انتہائی نامعقول۔ قاہرہ میں میرے دشمنوں کی بن آئی تھی۔ مجھے ایک بار پھر پولیس
تحویل میں جانا پڑا اور میرے دشمن یقیناً مجھے قتل کرنے کے لئے صحرا میں لے آئے تھے۔
بمشکل تمام میں نے بھاگ کر جان بچائی۔"

"لیکن راعمساس! تم اپنی شکل وصورت میں وہ قدیم انسان معلوم ہو رہے ہو،
میرے دور میں تھے۔"

"اسی حلیئے نے مجھے اب تک بچائے رکھا ہے۔ ورنہ میری گردن کسی صحرا میں پڑی
ہوتی۔"

"آہ! میں شرمندہ ہوں۔ دراصل میں اُن کی نگاہوں میں نہ آتا۔ لیکن روحوں پر کچھ
پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ ہم زندہ انسانوں کو نقصان پہنچانے کے مجاز نہیں ہیں اور ہمیں اُن
کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ میں نے تمہارے لئے
کچھ لوگوں سے جنگ کی بھی تھی۔ اور اب بھی میں تمہیں ہوشیار کردوں کہ میں تمہارے لئے
کسی سے جنگ نہیں کر سکتا۔ ہاں! تمہیں بروقت ہوشیار کر سکتا ہوں۔ مجھ سے اس کے
اختیارات چھین لئے گئے ہیں۔ لیکن میں تمہارے ذہن میں پہلے سے وہ خطرات پہنچا
ہوں جو تمہیں پیش آنے والے ہوں گے۔ باقی تمہیں اپنی حفاظت خود ہی کرنا پڑے گی۔
کیونکہ مجھ سے وہ اختیارات چھین لئے گئے ہیں۔"

"بھائی راعمیس! میں یک سیدھا سادھا سا آدمی ہوں۔ لڑائی بھڑائی کی بجائے ا
لئے ایک بہتر زندگی کا خواہاں ہوں۔ میں تو دُنیا کے کسی پرسکون گوشے میں بیٹھ کر بس ا
چاہتا ہوں کہ کھاتا پیتا رہوں اور ایک پرسکون انسان کی حیثیت سے زندگی گزار سکوں۔ اس
سے زیادہ کی مجھے طلب نہیں ہے۔"

"پھر وہی احمقانہ بات۔ میں تمہاری آنکھوں سے یہ دنیا دیکھنے کا خواہش مند ہوں اور تم
دنیا کے کسی گوشے میں مدفون ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تم قدیم
فرعون کی کوئی ممی ہوتے اور میں تمہاری جگہ۔ لیکن ایک بات پہلے سے بتائے دے رہا ہوں
کہ اگر کبھی تم نے مجھ سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ تمہارے حق میں بہتر نہیں ہو
گا۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔ سرزمین مصر پر مجھے لانے والا وہ منحوس شخص عبداللہ اور اس کی بھتیجی
رباب تھی۔ اس کے بعد مجھے جن مصائب سے دوچار ہونا پڑا، میرا دل ہی جانتا ہے۔ اور
اب جبکہ مجھے یہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا ہے تو تم میری ذات پر مسلط ہو۔ تم سے پیچھا
چھوٹنا بھی آسان نہیں معلوم ہوتا۔"

میرے کانوں میں ہلکے سے قہقہے کی آواز اُبھری اور پھر راعمیس نے کہا۔ "ہاں! یہ
حقیقت ہے کہ یہ منحوس روح تم سے چمٹی ہی رہے گی۔ کیا، کیا جائے..... مجبوری ہے۔ اپنی
شکل وصورت تبدیل کر لیتے یہاں آنے سے پہلے۔ تم نے خود ہی مجھے جگایا تھا اور اب جب
میں جاگ گیا ہوں تو تم مجھ سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔ نتیجہ کچھ بھی ہو۔"

"واہ! زبردستی کی دوستی کم ازکم اس طرح پہلے نہیں دیکھی۔ دشمنی کے بارے میں تو سنتے
چلے آئے تھے لیکن دوستی کا یہ انداز واقعی دنیا کے لئے ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔"

"اب تم جو کچھ بھی کہو۔ بہرطور، راعمیس اب تمہارے ساتھ ہے۔" میں نے گردن
ٹیڑھی کی اور آنکھیں بند کر لیں۔

راعمیس نے اس کے بعد مجھے مخاطب نہیں کیا تھا۔ لیکن میں دیر تک اس کے بارے میں
سوچتا رہا تھا۔ بلاشبہ یہ انوکھی چیز تھی اور دنیا کے رہنے والے عموماً ایسی کسی دلچسپ کیفیت
سے دوچار نہیں ہوتے۔ میں غور کرتا رہا۔ اور پھر دفعتہً ذہن میں خیال آیا۔ تمام دنیا میں تنہا
ہوں۔ کوئی بھی ایسا ساتھی نہیں ہے، جو میرے بارے میں جانتا ہو اور میں جس سے واقف
ہوں۔ اگر یہ دلچسپ شخصیت اس طرح میرا ساتھ دینے پر تیار ہے تو کیا حرج ہے؟ کم ازکم
ایک نادیدہ ساتھی ہی سہی۔ باقی اپنے آپ پر مکمل بھروسہ کرنا ہو گا۔ خوداعتمادی سے آگے
بڑھنا ہو گا۔ اپنی دنیا سے نکل آیا ہوں تو پھر حالات اور اتفاقات کے سہارے جہاں تک بھی
پہنچ جاؤں۔ اور پھر جب یہ کھیل ختم ہو جائے تو بعد کی زندگی میں اپنے لئے راہیں تلاش

کروں۔ چنانچہ راعمیس کی معیت قبول کر لی۔

میرے ذہن میں اُس کی آواز اُبھری۔ ''یقیناً میرے دوست! یقیناً تم نے بالکل درست سوچا اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اب تم میری سوچوں پر بھی مسلط ہو۔ یعنی میں کوئی بات سوچتے ہوئے بھی اپنے آپ کو خفیہ نہیں رکھ سکتا۔''

''اس کی ضرورت بھی نہیں ہے تمہیں۔ میرے بارے میں بس یہ مت سوچنا کہ تم مجھ سے منحرف ہو جاؤ۔ باقی تم اپنی تمام تر سوچوں میں آزاد ہو۔ اگر کہیں تمہارے ذہن میں کوئی غلط خیال آیا یا تم کوئی ایسا کام کرنے پر آمادہ ہوئے جو تمہارے لئے آگے چل کر تکلیف دہ ہو جائے تو میں تمہیں اُس سے آگاہ کر دوں گا۔ اس سے تمہاری ذات پر میرا تسلط نہیں ہوگا۔''

''ہوں..... ٹھیک ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''تو پھر ہم ایران چل رہے ہیں؟''

''جی ہاں! میرے ساتھ ایک اور شخصیت بھی ہے۔'' میں نے انکشاف کیا۔ راعمیس کی کوئی آواز نہیں اُبھری تھی۔

''تم نے پوچھا نہیں کہ وہ کون ہے؟''

''تمہارے ذہن میں اسے تلاش کر رہا ہوں۔'' راعمیس بولا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

میں آئرن فیرین کے بارے میں سوچتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اسے راعمیس کی موجودگی کا کوئی علم نہیں ہو گا۔ ویسے وہ لڑکی کافی دلچسپ تھی۔ وقت گزرتا گیا اور رات کے کسی حصے میں پھر نیند آ گئی۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح اُس وقت جاگا جب آئرن فیرین نے خود ہی میرے تابوت کا ڈھکنا کھول کر مجھے آوازیں دیں۔ میں نے چونک کر اُس کی شکل دیکھی۔ اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُٹھ گیا۔

''صبح بخیر!'' آئرن فیرین نے کہا۔

''آہ! یہ تو قنطارہ ہے۔'' ذہن میں راعمیس کی آواز اُبھری۔

''کون قنطارہ؟'' میں نے چونک کر سوال کیا اور آئرن فرین مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

''کیا کہا تم نے؟''

''نہیں! کچھ نہیں.....'' میں نے سنبھل کر کہا۔

''نہیں! غلط کہہ رہے ہو۔ تم نے ابھی کسی قنطارہ کا نام لیا تھا۔ کون ہے یہ؟''

''رات کو خواب میں دیکھا تھا اسے۔ ذہن پر وہی مسلط تھی۔''

''ہوں..... تو اب تم کسی قنطارہ کے خواب بھی دیکھنے لگے۔ بھوک لگ رہی ہے۔ اُٹھو! ناشتہ کر لیں۔''

''کمال کی شخصیت ہو۔ تمہیں کھانے پینے کے علاوہ اور کچھ سوجھتی ہی نہیں۔''

''تو پھر کیا سوجھے یہاں اس قید خانے میں؟ میں تو سوچ رہی ہوں کہ یہاں سے باہر نکل جاؤں۔ اپنے آپ کو ان لوگوں کے درمیان ظاہر کر دوں اور اس کے بعد وہ لوگ میرے ساتھ جو کچھ سلوک بھی کریں، کم از کم آزادی تو ہو گی۔ کھانے پینے کو تو دیں گے۔ یہاں رہ کر تو بڑی جھنجلاہٹ سوار ہو رہی ہے۔ اعصاب بالکل ہی شل ہو کر رہ گئے ہیں۔''

''تم اپنی ہر سوچ میں آزاد ہو فیرین! میں بھلا اس سلسلے میں کیا انکار کر سکتا ہوں؟''

''انکار نہیں۔ کیوں نہ تم بھی باہر چلو۔''

''جی نہیں۔ آپ ایک حسین اور نوجوان خاتون ہیں۔ آپ کو تو ہر شکل میں قبول کر لیا

جائے گا۔ لیکن مجھے وہ لوگ بڑے اطمینان سے اُٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔'' میں نے کہا۔

آئرن فیرین ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''نہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ رات کو دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی ہوں اور بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں باہر چلی جاؤں۔''

''تمہاری مرضی ہے۔ لیکن وہ لوگ یہ ضرور سوچیں گے کہ تم جہاز میں کیسے آگئیں؟''

''کوئی سوچتا ہے تو سوچتا رہے۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہو گی۔''

''گویا تم آخری فیصلہ کر چکی ہو؟''

''ہاں!''

''ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔''

''تم نہیں چلو گے؟''

''لیکن میں اوپر جا کر تمہارے بارے میں بھی ان لوگوں کو بتا دوں گی۔'' اس نے کہا اور میں اُسے گھورنے لگا۔

''تب مجھے تمہاری ٹانگیں توڑ کر اس تابوت میں تمہیں سچ مچ کی ممی بنا کر رکھنا پڑے گا۔'' میں نے خونخوار لہجے میں کہا۔

''اے اے..... مجھے دھمکانے کی کوشش مت کرو۔ تم جانتے ہو، میرے پاس پستول ہے۔'' آئرن فیرین بولی اور پھر جھنجلا کر کہنے لگی۔ ''میں کہہ رہی ہوں، کھانے کا بندوبست کرو۔ تم فضول باتوں میں اُلجھے ہوئے ہو۔''

''یہ ذمہ داری تمہاری ہے۔ جو کچھ موجود ہے، اٹھاؤ اور کھا لو۔'' میں نے بگڑے ہوئے موڈ کے ساتھ کہا اور ایک گوشے میں جا بیٹھا۔

آئرن فیرین مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی جہاں اُس نے کھانے پینے کا سامان محفوظ کیا تھا۔ راعمیس پھر میرے دماغ میں بولا۔ ''رب ای، آ، کی قسم! وہ ہو بہو قنطارہ کی شکل میں ہے۔ پتہ نہیں! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ پہلے تم راعمساس کی شکل میں میرے سامنے آئے اور اب یہ لڑکی..... شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ یہ میری ایک خاص خادمہ قنطارہ کی ہم شکل ہے۔ اتنی ہم شکل کہ اسے دیکھ کر قنطارہ کا

دھوکہ ہوتا ہے۔''

''تو جاؤ! اب اُس کے وجود میں سما جاؤ۔''

''نہیں! وہ میری خادمہ تھی جو مجھ سے محبت کرتی تھی۔ لیکن میرے ذہن میں اُس کے لئے ایک خادمہ ہی کا تصور تھا۔ ایک کنیز کا تصور..... جسے ضرورت سے زیادہ کبھی اہمیت نہیں دی جا سکتی۔'' راعمیس نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ پھر بولا۔ ''لیکن وہ کون ہے؟ تمہارے ساتھ کیسے سفر کر رہی ہے؟''

''میری ہی طرح کی ایک مفرور ہے۔ جو گھبرا کر بھاگی ہے اور ایران جا رہی ہے۔''

''تم نے اس سے، اس کے بارے میں سوالات نہیں کئے؟''

''مجھے اس کے بارے میں جاننے سے اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ بس اچانک ہی اس کا ساتھ ہو گیا تھا۔ جو کچھ اس نے بتایا، میں نے اُسے سن کر خاموشی اختیار کر لی۔ اس سے زیادہ کی مجھے ضرورت بھی نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں..... ہمیں اس کے بارے میں معلومات تو حاصل کرنا چاہئیں کہ وہ کون ہے؟''

''تو تم کر لو۔ میں نے تمہیں کب انکار کیا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔ اب وہ تمہارے سامنے صرف سچ بولے گی..... سچ اور صرف سچ.....''

آئرن فیرین ناشتہ میرے لئے بھی لے آئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لو! آخری بار ناشتہ کر لو۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ انہیں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ لیکن خود میں اب باہر جاؤں گی۔ دیکھتی ہوں، صورت حال کیا رہتی ہے؟''

''تمہاری مرضی! مجھے ابھی ناشتہ وغیرہ نہیں کرنا۔''

''کمال کے انسان ہو۔ آخر کسی نہ کسی وقت تو کچھ کھاؤ پیو گے ہی۔ ابھی ہم کون سا ایران پہنچے جا رہے ہیں۔''

''مجھے جب بھوک لگے گی، کھا لوں گا۔ تم بلا وجہ کیوں پریشان ہو رہی ہو؟''

وہ مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی۔ پھر بولی۔ ''اچھا! اگر تمہیں میرے باہر جانے سے اختلاف ہے تو چلو، نہیں جاؤں گی۔ بس! میں یہاں پڑے پڑے بور ہو گئی ہوں۔ میں زندگی میں ٹھہراؤ کی قائل نہیں ہوں۔ کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہتی ہوں۔ اب یہاں اس قید خانے

میں پڑے رہ کر تو زندگی ایک عذاب محسوس ہو رہی ہے۔ باہر کے ہنگاموں ہی میں لطف لیا جائے۔''

''تم جو دل چاہے، کرو۔ میں کون سا تمہارے بارے میں جانتا ہوں۔'' میں نے کہا اور اسی وقت رامیس نے میرے دماغ میں کہا۔

''اس سے اس کے بارے میں پوچھو۔ پوچھو جو میں کہہ رہا ہوں، ضرور کرو۔''

میں فیرین کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر میں نے ناشتہ اٹھا کر سامنے رکھ لیا۔ ''ہم لوگوں کو اتنی قربت کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا چاہئے جبکہ ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ تم نے مختصراً اپنے بارے میں کہا تھا کہ حالات کا شکار ہو اور کچھ دشمن تمہاری تاک میں ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا تم نے کہ وہ کون ہیں اور تمہاری کہانی کیا ہے؟''

''کیا کرو گے میری کہانی سن کر؟''

''پھر بھی۔ کچھ تو مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور دفعتہً فیرین کی نگاہیں مجھ پر ٹھہر گئیں۔

وہ مدھم لہجے میں بولی۔ ''میں نے تمہیں اپنا نام غلط نہیں بتایا۔ میرا نام آئرن فیرین ہی ہے۔ قاہرہ کے ایک خوبصورت علاقے کی ایک عمارت میں ہوش سنبھالا تھا اور اس وقت سے اسی عمارت کی قیدی تھی۔ قیدی میں تم سے اس لئے کہوں گی کہ وہاں میرے اوپر بے پناہ پابندیاں تھیں۔ وقت پر باہر نکلو اور نکلو تو محافظ کے ساتھ۔ دو آدمی ہمیشہ میرے اوپر مسلط رہتے تھے۔ کسی سیرگاہ میں جاؤں تو وہ دونوں موجود۔ کسی دوست کے پاس پہنچوں تو ان کا نزول۔ کسی بھی جگہ مجھے تنہا نہیں چھوڑا جاتا تھا۔ انکل حکیم نے مجھے صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ میرے باپ نہیں ہیں، بلکہ چچا ہیں۔ میرے والدین کے بارے میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک حادثے میں ہلاک ہو چکے ہیں اور چچا میری پرورش کر رہے ہیں۔ میں ہمیشہ انکل حکیم کے بارے میں شبہے کا شکار رہی۔ اگرچہ وہ میرے چچا تھے، میری جائیداد کے متولّی تھے تو کم از کم اُن کا انداز خادمانہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ وہ ہمیشہ میرے سامنے بھیگی بلی بنے رہتے تھے۔ اپنے اختیارات کو انہوں نے ہمیشہ ہی میرے خلاف استعمال کیا۔ یعنی جو کام میں نے کرنا چاہا اور اُنہیں پسند نہ ہوا تو اُنہوں نے نہایت نرمی اور سادگی سے کہہ دیا کہ یہ کسی بھی قیمت پر نہیں ہوگا۔ مختلف طریقوں سے مجھے روک لیتے تھے۔ لیکن کبھی اُنہوں

نے اپنا لہجہ تلخ نہیں کیا۔ اب تم خود سوچو! اس طرح کہیں زندگی گزرتی ہے؟

میں عجیب و غریب حالات کا شکار تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا، میرا مستقبل کیا ہے؟ اس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں تھا۔ گھر میں انکل حکیم تھے، چند ملازم تھے یا پھر خاتون صاحبہ تھیں جنہیں میں دائی ماں کہہ کر پکارتی تھی۔ مجھے یہ تو یاد نہیں کہ انہوں نے کب سے میری نگرانی سنبھالی تھی۔ لیکن ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے انہیں ہی اپنے قریب دیکھا تھا اور وہ میری ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں۔ میں نے دائی ماں کو ہوش سنبھالنے کے بعد وہ مقام دینا چاہا جو احترام کا مقام ہوتا ہے۔ لیکن وہ ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے کھڑی ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ وہ صرف خادمہ ہیں۔ انہیں خادمہ ہی رہنے دیا جائے۔ تم بتاؤ! یہ حالات عجیب و غریب نہیں تھے؟ میرے ذہن میں بغاوت کیوں نہ بیدار ہوتی؟

بارہا میں نے حکیم عارفی سے اس بارے میں سوال کیا لیکن وہ یہ ہی کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ وہ صرف میرے متولّی ہیں اور اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر ایک رات میں نے حکیم عارفی کو کچھ پراسرار آدمیوں سے ملاقات کرتے دیکھا۔ یہ تین افراد میرے لئے بالکل اجنبی شکل و صورت کے حامل تھے اور میں نے اس سے قبل اُنہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حکیم عارفی ایک پُر وقار شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن اُن تینوں کے سامنے میں نے اُنہیں بہت مؤدب محسوس کیا۔ اور کچھ اُن کے الفاظ ایسے تھے جنہوں نے میرے تجسّس کو بری طرح بھڑکا دیا اور میں نے غور سے اُن کی گفتگو سنی۔ موضوع میں ہی تھی۔ وہ میرے بارے میں حکیم عارفی سے معلومات حاصل کر رہے تھے اور حکیم عارفی اُن سے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور میں یہاں اُن کے پاس پُرسکون ہوں۔ اُن میں سے ایک نے حکیم عارفی سے کہا کہ اگر مجھے کسی قسم کی اُلجھن یا دقت پیش آئی تو عارفی صاحب کو اس کے لئے جواب دہ ہونا ہوگا۔ جس پر حکیم عارفی گڑگڑانے لگے۔

یہ ساری گفتگو میرے لئے اس قدر تعجب خیز تھی کہ میں ساکت ہو گئی اور اس وقت تک میرے قدم وہاں جمے رہے جب تک وہ لوگ گفتگو کرتے رہے۔ میں کچھ بھی نہیں سمجھ پائی تھی۔ لیکن وہ رات میری زندگی کی بدترین رات تھی۔ اسی رات میرے ذہن میں ایک انوکھا تصور جاگا اور میں نے سوچا کہ درحقیقت میں ان میں سے نہیں ہوں۔ بلکہ یہ لوگ

میرے پرورش کنندگان ہیں اور کسی خاص مقصد کے لئے میری پرورش کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے؟ میں نہیں سمجھ پائی۔ دوسرے دن حکیم عارفی سے پھر اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے پریشان لہجے میں کہا کہ میں کوئی تردّد نہ کروں، وہ خود پریشان ہیں۔

اب میری قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ میں خود سے اجنبی ہوگئی تھی۔ ہفتوں میں نے مختلف ذرائع سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ میرے والدین کون تھے؟ عجیب و غریب انکشافات ہوتے تھے مجھ پر۔ کوئی میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے دائی ماں سے بھی یہ سوال کیا اور وہ لرز کر خاموش ہوگئیں۔ پھر جب میرا ذہنی ہیجان انتہا کو پہنچ گیا تو ایک دن میں نے دائی ماں کی گردن پر خنجر رکھ دیا۔ حکیم عارفی اُس رات موجود نہیں تھے۔ میں نے خوفناک لہجے میں کہا کہ میں اُسے قتل کر دوں گی۔ ورنہ وہ مجھے میرے بارے میں بتائے۔ میں دائی ماں کو خوفزدہ کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ انہوں نے لرزتے لہجے میں قسمیں کھا کر بتایا کہ وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتی، سوائے اس کے کہ میرا تعلق ایران کی ایک بڑی شخصیت سے ہے اور میں مصری نژاد نہیں ہوں۔ حکیم عارفی میرے لئے صرف خادم کی حیثیت رکھتے ہیں اور انہوں نے ہی دائی ماں کو میری نگرانی کے لئے ملازم رکھا تھا۔

میں نے حیرت سے یہ الفاظ سنے۔ پھر میں نے دائی ماں سے سوال کیا کہ ایران کی وہ کون سی شخصیت ہوسکتی ہے جس سے میرا تعلق ہے اور میری مصر میں پرورش کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ بے چاری نے یہی جواب دیا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ صرف ایک نام اتفاقیہ طور پر اس کے علم میں آیا ہے، جس سے کسی بھی شکل میں میرا تعلق ہوسکتا ہے۔ اور وہ ہے فصاحت خاطری۔ اُس نے کہا کہ اس شخصیت کے نام پر اکثر حکیم عارفی سے ملاقاتیں کی جاتی ہیں اور ان کا تعلق میری ذات سے ہے۔ بوڑھی عورت کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ واقعی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی۔ چنانچہ میں نے اُسے چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے ایک لمحہ مجھے سکون کا نصیب نہیں ہوا۔ میں اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں ہوگئی اور اس کے لئے میں نے اس بات پر یقین کرلیا کہ حکیم عارفی مجھے کچھ نہ کرنے دے گا۔ جو کچھ کرنا ہے، مجھے خود ہی کرنا ہوگا۔

دائی ماں کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ وہ میری اس حرکت کی اطلاع فوراً حکیم

صاحب کو دے گی، کیونکہ بہرطور! وہ اس کی ملازمہ تھی۔ اس لئے میں نے اپنی رہائش گاہ چھوڑ دی اور اس کے بعد نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ میرے ذہن پر بس ایک ہی خبط سوار ہے کہ کسی بھی طرح اپنی ذات کی شناخت کرلوں۔ باقی تفصیلات وہی ہیں جو میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ یعنی اتفاقیہ طور پر میں پروفیسر میتھون سے واقف ہوگئی۔ اُس کا منصوبہ میرے علم میں آ گیا اور پھر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی طرح اس جہاز تک پہنچ جاؤں جو ایران جا رہا ہے۔ چنانچہ جہاز میں داخل ہونے کے بعد پروفیسر میتھون کے منصوبے کے مطابق یہاں پہنچ گئی۔ مجھے یہ تابوت حیرت انگیز طور پر خالی ملا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ایسا کیوں ہے۔ لیکن میں نے اسے غنیمت سمجھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ تمہارا ہے۔''

لڑکی جس انداز میں سچ بول رہی تھی، اس پر اب مجھے حیرت نہیں تھی۔ کیونکہ میں رائمیس کی قوتوں سے واقف تھا۔ لیکن یہ بات میں نہیں جانتا تھا کہ اس سچ کا ردعمل آئرن فیرین پر کیا ہوگا؟ اُس کا نام بھی تعجب خیز تھا۔ یہ ایرانی نام تو نہیں ہوسکتا تھا۔ پتہ نہیں! کمبخت کی کیا شخصیت ہے اور اس سے تو وہ اور زیادہ اُلجھ گئی تھی۔ لیکن اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے کا مجھے کوئی شوق نہیں تھا۔ میں تو اپنے ہی لئے پریشان تھا۔

رائمیس نے میرے ذہن میں کہا۔ ''یہی تو زندگی ہے۔ کیا تمہیں یہ کہانی دلچسپ نہیں محسوس ہوئی؟ اب یہ لڑکی ایران جائے گی اور اس شخص کو تلاش کرے گی، جس کا نام فصاحت خاطری ہے۔ ہم بھی دیکھیں گے کہ اس کی شخصیت کیا ہے؟''

''کیا تم اپنی روحانی طاقت سے یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ یہ لڑکی کون ہے؟''

''نہیں! میری روحانی قوتیں ایک محدود دائرہ عمل رکھتی ہیں اور ہم پر بھی کچھ پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ خاص طور سے موجودہ حالات میں، جن کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں۔''

''یہ کوئی بھی ہو، میری طرف سے جہنم میں جائے۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟'' میں نے جواب دیا۔

آئرن فیرین پر نگاہ اُٹھی تو وہ شدید حیرت کا شکار نظر آ رہی تھی۔ اس کی چمکدار آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور چہرے پر زلزلے کی سی کیفیت تھی۔ پھر وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے نزدیک پہنچ گئی۔ اُس نے میرا گریبان پکڑا اور سرد لہجے میں بولی۔ ''تم کیا

ہو؟ کون ہو؟ مجھے بتاؤ! جواب دو۔ ورنہ درحقیقت میں تمہارا خون کردوں گی۔''

''ارے.....ارے.....اب کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر؟''

''تم.....تم اُن باتوں سے واقف ہو گئے ہو، جو میں اپنے وجود سے بھی چھپا کر رکھتی ہوں۔ میری زبان......آہ! میری زبان تمہارے سامنے کھل گئی۔ میں نے تمہیں یہ سب کچھ کیوں بتا دیا؟''

''شاید سچائی کے ان جذبوں کی وجہ سے، جو تمہارے سینے میں میرے لئے موجود ہیں۔''

''نہیں.....نہیں! میں اس حد تک کسی پر اعتماد نہیں کرسکتی تھی۔ اس وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم ہپناٹسٹ ہو اور تم نے میرا ذہن اپنی گرفت میں لے کر مجھ سے میرے بارے میں سب کچھ پوچھ لیا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے آئرن فیرین! تم کسی دیوانگی کا شکار نہ ہونا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں، میں بھی مصائب کا شکار ایک پریشان حال آدمی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اس تابوت میں چھپ کر کیوں سفر کرتا؟ اطمینان رکھو! تمہاری کہانی نہ سننے کے برابر ہے۔ میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ بے یقینی کے انداز میں مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے پیشانی کو مسلتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں نے تو تہیہ کرلیا تھا کہ اپنی زندگی کی کہانی دُنیا میں کسی شخص کو بھی نہیں سناؤں گی۔ کسی کو بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ پھر میری زبان کیوں کھل گئی؟ یہ سب کچھ...... یہ سب کچھ میرے حق میں بہتر نہیں ہوا۔''

''ایک بار پھر تمہیں یقین دلاتا ہوں آئرن فیرین! کہ میری ذات کسی بھی طور تمہارے لئے تکلیف کا باعث نہیں بنے گی۔ ان الفاظ کے علاوہ میرے پاس تمہیں اطمینان دلانے کے لئے اور کچھ نہیں ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ وہ بالکل نڈھال ہو گئی ہے اور گہری سوچ کا شکار نظر آتی ہے۔ بہرطور راعمیس کی خواہش کچھ بھی ہو، میں بلاوجہ اس لڑکی کے معاملات میں اپنے ذہن کو نہیں اُلجھانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ مسلسل مضمحل ہو گئی ہے اور خوف کا شکار ہے۔

کھانے پینے کی اشیاء کے لئے ہمیں راتوں کو باہر جانا پڑتا۔ راعمیس میرے ساتھ ہی سفر کر رہا تھا۔ کئی بار اُس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں تہہ خانے کی زندگی چھوڑ کر جہاز پر چلوں۔ کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکے گا۔ لیکن یہاں میں نے اُس سے کوئی تعاون نہیں کیا تھا۔ میں نے اُس سے کہا تھا کہ وہ اپنے طور پر جہاں جی چاہے، جا سکتا ہے۔ اس گفتگو کے بعد آئرن فیرین نے بھی تہہ خانے سے باہر جہاز کے اُوپر جانے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی اور نہ ہی وہ اب اس قدر ہشاش بشاش نظر آتی تھی، جتنی پہلے تھی۔ بس ایک ہی خیال اُس کے ذہن پر سوار رہتا تھا کہ کہیں میں اُس کی ذات کے لئے کوئی عذاب نہ بن جاؤں۔ میں اس خیال کو ذہن سے نہیں نکال پایا تھا۔

پھر ایک چمکتی دوپہر جہاز کی رفتار سست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ وہ رُک گیا۔ ہمیں اس تہہ خانے میں بھی صورت حال کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ میں اور آئرن فیرین اپنے اپنے تابوت میں موجود تھے۔ جہاز بالکل ساکت تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد تہہ خانے کے بیرونی دروازے پر آہٹیں سنائی دیں اور اس کے بعد بہت سی آوازیں، قدموں کی چاپ کے ساتھ تہہ خانے میں آ گئیں۔ تابوت اٹھائے جا رہے تھے۔

کیا ہم ایران پہنچ گئے ہیں.....؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ لیکن اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرا تابوت بھی اُٹھا لیا گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آئرن فیرین اپنی جگہ موجود ہے یا اُسے کہیں لے جایا گیا ہے۔ میرے بدن کو ہچکولے لگتے رہے۔ پھر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے تابوت بلندی سے سمندر میں پھینک دیا گیا ہو۔ اُس کے نیچے گرنے کی رفتار اتنی ہی تیز تھی۔ میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنے آپ کو رُکتے ہوئے محسوس کیا اور پھر مجھے کچھ لوگوں نے ہاتھوں میں لے لیا۔ یہ ساری کیفیتیں بخوبی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایک بار مجھے کسی جگہ رکھ دیا گیا تھا۔ لیکن میں صورت حال سے بالکل ہی ناواقف تھا۔ ایک چھوٹے سے سوراخ سے چمکتا ہوا آسمان نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھی کوئی انسانی شکل بھی نظر آ جاتی تھی، لیکن اتنا مختصر حصہ کہ میں اُسے دیکھ بھی نہ پاتا۔

جس جگہ مجھے رکھا گیا تھا، اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن پھر جب کسی سٹیمر کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنی تو صورت حال کا اندازہ بخوبی ہو گیا۔ میرے تابوت کو جہاز سے اُتار کر سٹیمر میں رکھا گیا تھا اور اب سٹیمر کسی نامعلوم منزل کی جانب

رواں دواں تھا۔ وہ منزل کیا تھی..... اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا مجھے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ میرے ساتھ آئرن فیرین کا تابوت بھی ہے یا نہیں؟ دماغ چکرا رہا تھا اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ آنے والے وقت کا منتظر تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ سمندری سفر میری توقع سے کہیں زیادہ طویل تھا۔ خدا خدا کر کے یہ جان لیوا سفر ختم ہوا اور سٹیمر کا انجن بند ہو گیا۔ کچھ آوازیں سنائی دینے لگیں۔ غالباً سٹیمر کو اب ساحل کی جانب چپوؤں کی مدد سے لے جایا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک جھٹکا لگا اور میرا سر، خستہ حال تابوت کی چھت سے ٹکرا گیا۔ آنکھوں میں تارے ناچ گئے تھے۔ ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ وہ صدیوں پرانے فرعون کی بجائے اس دور کے جیتے جاگتے انسان کو یہاں تک لائے ہیں۔ یقینی طور پر آئرن فیرین کا بھی یہی حشر ہوا ہو گا۔ کیونکہ جھٹکا خوب زوردار تھا۔ اسی حالت میں تابوت کو سٹیمر سے اٹھا لیا گیا۔ اندازے کے مطابق تقریباً سو گز کا سفر طے کیا گیا۔ جس میں کہیں بلندی بھی چڑھنا پڑی تھی۔ کیونکہ اب صورتحال یہ تھی کہ ٹانگیں اوپر اور سر نیچے اور اس کے ساتھ ساتھ میں ہوا کے دوش پر اُڑا چلا جا رہا تھا۔ لیکن یہ ہوا کا دوش نہیں تھا۔ بلکہ یقیناً چار آدمی مجھے اپنے دوش پر سوار کر کے لئے چلے جا رہے تھے۔

یہ سفر بھی تمام ہوا۔ اور اس کے بعد مجھے کسی گاڑی میں رکھ دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ کم از کم وہ جان لیوا جھٹکے اور ہچکولے تو ختم ہو جائیں گے۔ لیکن صاحب! کہاں..... کمبخت ڈرائیور اناڑی معلوم ہوتا تھا۔ یہ سفر بھی دو ڈھائی گھنٹے سے کم کا نہیں تھا۔ اس کے بعد گاڑی رُکی اور مجھے تابوت سمیت باہر نکال لیا گیا۔ مجھے بند گاڑی میں لایا گیا تھا۔ کیونکہ تابوت کے ٹوٹے ہوئے سوراخ سے کھلے آسمان کی بجائے سیاہ رنگ کی چھت نظر آ رہی تھی۔ لیکن اب کھلا آسمان اور تازہ ہوا مل رہی تھی۔ لیکن تقدیر کہاں ساتھ دیتی تھی؟ چھت پھر آ گئی۔ لیکن ایک ایسی خوبصورت چھت، جس میں جھاڑ فانوس لٹکے ہوئے تھے اور اس کے بعد غالباً کسی تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کی جانے لگیں۔ اور پھر ویسا ہی ماحول ملا، جیسا جہاز کی نچلی سطح میں تھا۔ خاموشی، سناٹا۔ لیکن یہ جگہ شاید ایئر کنڈیشنڈ تھی۔ کیونکہ ہلکی ہلکی خنکی محسوس

ہونے لگی تھی اور یہ خنکی اسی سوراخ سے داخل ہو رہی تھی۔ ابھی حالات ایسے نہیں تھے
اپنے اس نئے ٹھکانے یا اطراف کے ماحول کو جاننے کی کوشش کرتا۔ کسی بھی نئی جگہ کے
بارے میں جب تک اندازہ نہ ہو جائے، میں کوئی کارروائی کیسے کر سکتا تھا؟ البتہ میرے
کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے اور میں اس بات کا منتظر تھا کہ دوسرا تابوت بھی اندر لایا
جائے۔ لیکن اس کے بعد گہری خاموشی اور سناٹے کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دی
تھی۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی تھی اور مجھ سے جب برداشت نہ ہو سکا تو میں نے اس طویل
سفر کے بعد پہلی بار تابوت کے ڈھکن کو تھوڑا سا اُٹھایا۔ تابوت کے سوراخ سے مجھے پہلے ہی
ہلکی ہلکی روشنی کا احساس ہو رہا تھا۔ اب جب میں نے تابوت کا ڈھکن اٹھا کر باہر دیکھا تو
ایک عجیب و غریب منظر نظر آیا۔ بہت ہی خوبصورت جگہ تھی۔ دیواروں پر زمانہ قدیم کے مم
کی متعدد چیزیں آراستہ تھیں، جن میں انسانی سر، پتھروں سے بنی ہوئی تصویریں، مجسمے،
مختلف تحریروں کے نمونے اور نہ جانے کیا کیا۔ ہال کا کمرہ کافی وسیع تھا۔ ایک جانب
الماریاں نظر آ رہی تھیں جن کے اندر لاتعداد موٹی موٹی خوبصورت کتابیں سجی ہوئی تھیں۔
ان کتابوں کے قریب ایک وسیع و عریض میز، جس کے عقب میں ایک ریوالونگ چیئر،
سامنے چند کرسیاں، فرش پر دبیز قالین، غرضیکہ ایک انتہائی قیمتی لائبریری کا نمونہ پیش کرتا تھا
میرا یہ قید خانہ۔

ابھی میں اچھی طرح سے جائزہ بھی نہیں لے پایا تھا کہ دفعتہً ایک طرف روشنی نمودار
ہوئی اور میں نے جلدی سے تابوت کا ڈھکن بند کر لیا۔ کچھ قدموں کی آوازیں سنائی دینے
لگیں۔ شاید دو افراد تھے، ان کے بارے میں مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھے۔
آوازیں میرے قریب آ کر رُک گئیں۔ ایک شخص کہہ رہا تھا۔

''مصر کے لوگوں نے دو حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک بالائی مصر کی حکومت جو خاص
وادی نیل میں تھی اور دوسری زیریں مصر کی حکومت جو نیل کے زیریں حصے پر مشتمل تھی۔ پھر
یہ دونوں حصے ایک ہو گئے۔ تاہم ان کے اتحاد اور مرکزیت کا سلسلہ مختلف اوقات میں جاری
رہا۔''

اُن کی آوازیں مدھم ہوتی چلی گئیں۔ شاید وہ لوگ آگے بڑھ گئے تھے۔ میں آنکھیں بند

کئے چکراتے ذہن کو قابو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ قدیم مصری تاریخ میں مجھے زبردستی
ملوث کر دیا گیا تھا۔ میرا تو مصر سے دُور دُور تک تعلق نہیں تھا۔ دل چاہا کہ تابوت سے باہر
نکل آؤں اور ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاؤں اور کہوں کہ بھائی! اپنی تاریخ اپنے ذہن
میں دہراتے رہو اور مجھے یہاں سے جانے دو۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ کوشش میرے لئے
کیسی کیسی زحمتوں کا باعث بنے گی۔ لہٰذا میں ایسے ہی دم سادھے پڑا رہا۔ اُس شخص کے
بارے میں میرا اندازہ تھا کہ وہ پروفیسر میتھون ہے۔ آواز بھی کسی حد تک جانی پہچانی تھی۔
غالباً وہ اپنے کارناموں کے بارے میں اور اپنی تحقیقات کے بارے میں کسی خاص شخص کو بتا
رہا تھا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں دم سادھے پڑا رہوں۔ تقریباً
آدھے گھنٹے تک پروفیسر اس لائبریری میں رہا اور پھر باہر نکل گیا۔ شکر ہے کہ مجھے دیکھنے کی
کوشش نہیں کی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے ایک بار پھر تابوت کا ڈھکن کھولا اور
باہر کی سن گن لینے لگا۔

قرب و جوار میں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یقیناً یہ پروفیسر میتھون کی رہائش
گاہ تھی۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ وہ سمت، جہاں میں نے داخلی دروازہ دیکھا تھا،
میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ ایک لمحہ تک سوچتا رہا اور اس کے بعد تابوت سے باہر نکل
آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ دیکھ کر طبیعت پر ایک عجیب سی اُداسی چھا گئی کہ یہاں صرف میرا
تابوت تھا۔ یہ کیا ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟ پروفیسر نے اپنے لائے ہوئے تمام تابوتوں کو ایک
جگہ کیوں نہیں پہنچایا تھا؟ مجھ میں ایسی کون سی بات تھی کہ مجھے تنہا اس تہہ خانے میں پہنچا دیا
گیا۔ بے چاری آئرن فیرین کو کہاں لے جایا گیا ویسے وہ لڑکی اتنی چالاک تھی کہ مجھے اُمید
تھی کہ مجھ سے پہلے وہ یہاں سے نکل بھاگے گی۔ لیکن اس کے بارے میں ذہن میں تجسس
اُبھر رہا تھا۔

دفعتہً میرے ذہن میں راعمیس کا خیال آیا اور میں نے دانت پیستے ہوئے اُسے آواز
دی۔ لیکن راعمیس کا کوئی جواب نہیں ملا۔ دل ہی دل میں، میں نے اسے گھونسا دکھاتے
ہوئے کہا۔ راعمیس! اب تم پر اعتماد کرنا انتہائی بے وقوفی ہے۔ خاص مواقع پر تو میرا ساتھ
چھوڑ جاتا ہے...... یہ حقیقت تھی۔ اُس وقت راعمیس میرے پاس موجود نہیں تھا اور اس کے
قرب کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ایسے دوست پر واقعی کسی طور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

میں دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اندر سے ایک چوکور سی سیل نظر آ رہی تھی جو
دروازے کی شکل تھی۔ ویسے پتھر ہی کی معلوم ہو رہی تھی اور یہ دروازہ ہی تھا جو یقیناً کسی
میکنزم سے کھولا جاتا ہوگا۔ کیونکہ اندر کوئی ہینڈل وغیرہ نہیں لگا ہوا تھا۔

دفعتہً باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور میں نے برق رفتاری سے تابوت کی طرف دوڑ
لگا دی۔ تابوت کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ جلدی سے میں نے اُس میں لیٹ کر ڈھکنا بند کر لیا۔
قدموں کی چاپ میرے کانوں میں اُبھر رہی تھی اور وہ سوراخ میرے لئے معاون ثابت ہو
رہا تھا۔ کون اندر آیا تھا؟ اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ دل ہی دل میں
سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے؟ آنے والا اگر ایک ہے تو اس کی مرمت کر دوں اور یہاں
سے نکل بھاگوں۔ لیکن یہ بھی میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ دروازے کو دیکھ چکا تھا۔ پتہ
نہیں اُسے کھولنے کا کیا طریقہ تھا؟ مجھے تو معلوم بھی نہیں تھا۔ قدموں کی چاپ تابوت کے
قریب آ کر رُک گئی اور دو ہاتھ تابوت کو ٹٹولنے لگے۔ سوراخ سے مدھم سا سایہ نظر آ رہا تھا
اور اس کے بعد تابوت کا ڈھکنا کھل گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور میں نہیں دیکھ سکتا
تھا کہ آنے والا کون ہے؟ دوسری طرف مکمل خاموشی طاری تھی۔ لیکن پھر کچھ انگلیاں میرے
چہرے سے ٹکرائیں۔ وہ مخروطی اُنگلیاں تھیں۔ اس کا اندازہ اس نازک سے لمس سے ہو گیا
تھا، جو میرے چہرے پر تھا۔ پھر ایک آواز اُبھری۔ ''آہ! جیتا جاگتا..... بالکل زندہ انسان
کی مانند..... نہیں! ڈیڈی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ پاگل ہو گئے ہیں۔ زندہ انسانوں کو
قدیم مردہ سمجھ لیتے ہیں۔ اے سنو.....! اگر تم زندہ ہو تو آنکھیں کھولو۔ مجھ سے بات کرو۔
دیکھو! میں سیمونیا ہوں۔ سیمونیا میتھون۔ مگر تم مجھے کیا پہچانتے ہو گے؟ اُفوہ! تم..... تم.....
پتہ نہیں تم زندہ ہو یا پھر ڈیڈی ہی ٹھیک کہتے ہیں۔''

میں نے دل ہی دل میں یہ نام دُہرایا۔ سیمونیا میتھون..... یہ خاتون کیا اتنی ہی معصوم
فطرت ہیں یا پھر مجھے احمق بنا رہی ہیں؟ کہیں پروفیسر کو مجھ پر کوئی شبہ تو نہیں ہو گیا؟ اس
میں ہی بہتری تھی کہ دم سادھے پڑا رہوں۔ وہ لڑکی چند لمحات مجھے دیکھتی رہی۔ پھر ایک
گہری سانس لے کر بولی۔ ''نہیں..... کچھ بھی ہو جائے۔ میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں
کہ قدیم مصریوں کو اپنے فن میں اتنا کمال حاصل تھا۔ تم مجھے بالکل زندہ انسان لگتے ہو۔
اگر تم زندہ بھی نہیں ہو تو سنو! میں تمہیں زندہ کر سکتی ہوں۔ میں ایسے علوم جانتی ہوں کہ تم

نہیں زندہ کر لوں گی۔ کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے..... کیا.....''

دفعتہً لڑکی کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے ایک دم تیز روشنی محسوس کی تھی۔ غالباً وہ دروازہ
پھر کھلا تھا اور کوئی اندر آ رہا تھا۔ بہت سے قدموں کے دوڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی
تھیں۔ اس کے بعد پروفیسر میتھون کی آواز اُبھری۔ ''اوہ سیمونیا بیٹے! میں تمہیں کہاں کہاں
تلاش کر رہا تھا۔ یہاں کیوں آئی ہو؟''

''کیوں؟ کیا مجھ پر اس عمارت کے مختلف حصوں میں جانے پر پابندی ہے؟ کیا یہ
لائبریری صرف آپ کی ملکیت ہے ڈیڈی؟ اور کیا میں غیر تعلیم یافتہ لڑکی ہوں؟''

''ارے نہیں..... نہیں۔ تم سے کس نے کہا؟ تمہیں شاید یہ اندازہ نہیں کہ یہ وقت ہماری
چائے کا ہے اور تمہیں یہ بھی اندازہ نہیں کہ میں تمہارے بغیر چائے نہیں پیتا۔''

''جھوٹ نہ بولئے ڈیڈی! اتنے عرصے سے کون میرے ساتھ چائے پی رہا تھا؟ ناشتہ
کر رہا تھا؟ کھانا کھا رہا تھا؟ کیا میں تنہا نہیں تھی؟''

''بے بی! کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میں کس قدر اہم مشن پر گیا تھا؟''

''ڈیڈی! اس مشن سے واپسی پر آپ نہ جانے کس بے چارے کو پکڑ کر تابوت میں بند
کر لائے ہیں۔ کیا واقعی یہ مردہ ہے؟''

''ہاں بے بی! یہ ایک قدیم ممی ہے۔ ایک ایسے فرعون کی جس کے بارے میں نہ جانے
کتنے انکشافات باقی ہیں۔ آہ! افلاطون میری کاوشوں کی جان ہے۔ میں اس کے بارے
میں جو تاریخ اور تحریر مرتب کروں گا، اُس پر دنیا ناز کرے گی اور تمہیں بھی اس پر فخر ہوگا۔''

''مجھے اس وقت فخر ہوگا ڈیڈی! جب آپ اس بے چارے کو اس تابوت سے آزاد کر
کے اسے زندگی کے راستے پر دھکیل دیں۔''

''نہیں بے بی! شاید تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں کہ یہ صدیوں قبل مر چکا ہے۔''

''میں کسی زندہ انسان کو کبھی مردہ تصور نہیں کر سکتی۔ سنو..... تم زندہ ہو..... زندہ رہو
گے۔ اگر نہیں ہو تو میں تمہیں زندہ کر لوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''ٹھیک ہے بے بی! ہم اس سلسلے میں کسی مناسب وقت پر گفتگو کر لیں گے۔ باہر چلو
بچی! میں چائے پیئوں گا۔'' پروفیسر میتھون کے انداز میں بے حد پیار تھا۔ لیکن لڑکی سے
وہ جس انداز میں بات کر رہا تھا، وہ میرے لئے ذرا تعجب خیز بات تھی۔

میرا تابوت ایک مرتبہ پھر بند کر دیا گیا اور اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔ لیکن میرے پاس سوچنے کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے تھے۔ یہ لڑکی واقعی اگر مجھے زندہ کرنے پر تلی ہے تو پھر جلدی سے زندہ کرے اور پھر میری مدد کرے تاکہ مجھے یہاں سے نکلنے کا موقع ملے۔ بے چاری آئرن فیرین پر کیا گزری؟ ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ ایک بار رامیس کو پکارا..... لیکن جواب ندارد..... پھر اس پر لعنت ہی بھیجنے کو دل چاہا تھا۔

نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ اب وہ لوگ جا رہے ہوں گے اور جانے کے ساتھ ممکن ہے، دوسرے لوازمات بھی ہوں۔ میرے پیٹ میں چوہوں کی دھینگا مشتی سے انتڑیاں بھی تڑپنے لگی تھیں۔ یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا کم از کم جہاز میں کھانے کی آسائشیں تو میسر تھیں۔ کسی بھی طرح سہی، لیکن ہم دونوں خوراک حاصل کرتے رہے تھے۔ لیکن اب اس لائبریری میں کیا ہو سکتا تھا؟ سوائے کتابوں کے وقت گزرتا رہا۔ مجھ پر نقاہت طاری ہو رہی تھی۔ اب کچھ نہ کچھ کھانے کو ملنا ہی چاہئے تھا خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔

اس وقت غالباً رات کا ہی کوئی پہر تھا جب دروازہ ایک بار پھر کھلا۔ دوسری طرف سے آنے والی روشنی، جس کا اب صرف احساس ہوتا تھا، اتنی تیز نہیں تھی۔ قدموں کی چاپ میرے قریب آ کر رک گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس ہال نما تہہ خانے میں روشنی پھیل گئی یقیناً تیز روشنیاں جلائی گئی تھیں۔ سوراخ سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس کے بعد قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ میرے بالکل قریب آ کر رک گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کچھ فیصلے کر لئے تھے۔ پھر میرے تابوت کا ڈھکن کھلا اور ایک نفیس سی خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ خوشبو میں نے اس وقت بھی محسوس کی تھی، جب پہلی بار لڑکی جس کا نام سیمونیا تھا، میرے پاس آئی تھی۔ تو یقیناً اس وقت بھی وہ موجود ہے۔ میری مراد پوری ہوئی تھی۔ اس لڑکی سے اب گفتگو کر ہی لینی چاہئے۔

وہ ایک بار پھر میرے چہرے کو ٹٹولنے لگی۔ اور پھر درد بھرے لہجے میں بولی۔ ''آہ! تم نہیں جاگو گے۔ میری اتنی سی بات نہیں مانو گے؟ جاگ جاؤ..... میں جانتی ہوں کہ تمہیں حنوط نہیں کیا گیا ہے۔ تم ایک زندہ انسان ہو۔ تمہارے چہرے کے عضلات بتاتے ہیں کہ تم زندہ ہو اور میرا بھی کچھ تجربہ ہے۔ لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں۔ حالانکہ میں پاگل نہیں ہوں

میں حقیقتوں کی متلاشی ہوں۔ اُٹھ جاؤ..... آنکھیں کھول دو..... مجھ سے بات کرو..... مجھے اپنی کہانی سناؤ..... دیکھو! میں سیمونیا ہوں..... میں سیمونیا ہوں.....''

میں نے پپوٹے پٹپٹا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نگاہیں غالباً میرے چہرے پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر اُس کا چہرہ دیکھا۔ انتہائی حسین نقوش کی مالک ایک ایسی لڑکی تھی جسے دیکھ کر بار بار دیکھنے کو دل چاہے۔ اس کے سیاہ بال کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے اور بیضوی چہرہ انتہائی دلکش نقوش کا حامل تھا۔ میں نے اُس کے چہرے پر بے پناہ خوشیاں رقصاں دیکھیں۔ اُس کی آنکھوں میں روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ اور پھر اس کے خوبصورت دانت، آبدار موتیوں کی طرح نمایاں ہو گئے۔

''سن لی نا تم نے میری بات..... بہت بہت شکریہ..... بہت شکریہ..... اب میں ثابت کر سکتی ہوں کہ میں انتہائی ذہین ہوں اور ڈیڈی..... ڈیڈی اپنے فن میں بالکل ناکارہ۔ سنو! تم خود سوچو کہ وہ انسان جو زندوں کی مانند نظر آتے ہیں، وہ اتنے قدیم مردہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ ڈیڈی کی بات میں نے کبھی نہیں مانی اور کبھی نہیں مانوں گی۔ بس! میں جانتی ہوں کہ وہ دنیا کے ساتھ فراڈ کر رہے ہیں۔ زندہ لوگوں کو ممی بنا کر پکڑ لاتے ہیں اور اپنی تحقیقات پر کتابیں لکھتے ہیں۔ اُٹھو! اس تابوت میں نہ جانے کب سے لیٹے ہو۔ تمہاری کمر دکھ گئی ہو گی۔ اُٹھو..... پلیز! اُٹھ جاؤ۔''

میں نے خاموشی سے اُسے دیکھا اور پھر میری نگاہیں اس دروازے کی جانب اُٹھ گئیں، جہاں سے داخل ہوا جا سکتا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں پروفیسر پھر اس کی تلاش میں یہاں نہ پہنچ جائے۔ وہ غالباً میرا مقصد سمجھ گئی تھی۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''نہیں! ڈیڈی گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں اُن کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر آئی ہوں۔ اور اگر وہ اُٹھنے کی کوشش بھی کریں گے تو کم از کم وہ دروازہ کھول کر باہر نہ آ سکیں گے کیونکہ سب ملازم اپنے کوارٹروں میں سو رہے ہیں۔ کوئی اُن کی آواز نہیں سن سکے گا۔''

''تم کون ہو؟'' میں نے پہلی بار سوال کیا۔

''سیمونیا..... پروفیسر میتھون کی بیٹی۔ اچھا! ایک بات بتاؤ۔ کیا میں تمہیں چہرے سے پاگل لگتی ہوں؟''

''نہیں۔''

''ویری گڈ۔ اُٹھ کر بیٹھو۔ کیا لیٹے لیٹے تمہاری کمر نہیں دُکھ گئی۔ میں تو اگر صبح دیر سے اُٹھوں تو میری کمر میں سخت درد ہو جاتا ہے۔ تم نہ جانے کب سے اس تابوت میں لیٹے ہوئے ہو۔''

میں نے کہنیوں کا سہارا لیا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''باہر نکل آؤ! اور یہ تمہارے جسم پر کیسا عجیب و غریب لباس ہے؟ تمہیں اس لباس میں شرم نہیں آتی؟''

''آتی ہے۔''

''تو پھر لباس تبدیل کیوں نہیں کر لیتے؟''

''اس لئے کہ میرے پاس دوسرا لباس نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''اچھا، اچھا..... تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں دوسرا لباس پیش کر دوں گی۔ تم دیکھنا، اب میں دنیا کے سامنے اپنی تحقیق پیش کروں گی۔ ڈیڈی حیران رہ جائیں گے یہ جان کر کہ میں نے تمہیں زندہ کر لیا ہے۔ میں نے تمہیں زندہ کر لیا ہے نا؟ اس کے لئے میں نے ایک خاص طریقہ استعمال کیا تھا۔ اگر تم نہ جاگتے تو میں تمہارے جسم پر یہ سوئیاں چبھوتی۔ دیکھو! سوئیاں ساتھ لے کر آئی ہوں۔'' اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سفید سوئیاں میرے سامنے کر دیں اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ ورنہ سوئیاں میرے جسم میں چبھوئی جاتیں اور مجھے یہ بھی برداشت کرنا پڑتیں۔

لڑکی میرے اندازے کے مطابق کسی قدر خبطی یا پاگل معلوم ہوتی تھی۔ اس نے خود بھی اس کا اظہار کیا تھا کہ لوگ اُسے پاگل سمجھتے ہیں۔ لیکن اتنی خوبصورت اور اتنی پیاری تھی وہ کہ مجھے اس کے پاگل پن پر دُکھ ہونے لگا اور اس کے بعد اپنے پاگل پن پر کہ میں ابھی تک یہاں موجود ہوں اور اس کے پاگل پن پر اظہارِ افسوس کر رہا ہوں۔ چنانچہ میں نے کراہتی آواز میں اس سے کہا۔ ''سیمونیا! اب جب کہ تم نے مجھے زندہ کر دیا ہے تو کیا تم یہ جانتی ہو کہ زندہ انسانوں کو زندگی کی دوسری ضروریات بھی درکار ہوتی ہیں۔''

''ایں! ہاں..... شاید..... یقیناً..... میں سمجھ گئی۔ بھوکے ہو؟''

''تم واقعی بے حد ذہین لڑکی ہو۔ کون تمہیں پاگل سمجھتا ہے؟''

''ایں..... بس! ڈیڈی ہی ذرا زیادہ ناز برداریاں برداشت کرتے ہیں میری۔ وہ

کہتے ہیں کہ میں ذہنی طور پر کچھ کمزور ہو گئی ہوں۔ کیا میں تمہیں کمزور نظر آتی ہوں؟ دیکھو! میں نے کیسے پہچان لیا کہ تم بھوکے ہو۔''

''واقعی! کمال ہے۔ حالانکہ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں تھی۔''

''تم میرا شاہکار ہو۔ میں ڈیڈی کے پراسرار علوم سے تنگ آ گئی ہوں۔ کیا تم ڈیڈی کے بارے میں تفصیلات جانتے ہو؟''

''نہیں۔ لیکن کھانے سے قبل میں کسی بھی قسم کی تفصیلات میں دلچسپی نہیں لے سکوں گا۔''

''اوہ، ہاں! کچن میں بہت کچھ موجود ہے۔ آؤ..... باہر چلو۔''

''اور اگر تمہارے ڈیڈی یا دوسرے ملازموں نے مجھے دیکھ لیا تو؟''

''میں تم سے کہہ چکی ہوں نا کہ اس وقت اندرونی حصہ خالی ہے۔ ملازمین بیرونی حصے میں ہیں۔ رات کے لئے کوئی ملازم اندر نہیں ہوتا، اور ڈیڈی اپنے کمرے میں سو رہے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ بند ہیں۔ اگر وہ زور زور سے دروازہ پیٹیں گے تو میں دروازہ ہی نہیں کھولوں گی۔ کمرے سے باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ ہی نہیں ہے۔ آؤ! اطمینان سے بیٹھیں گے۔'' وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولی۔

میں فرعونوں کے شکستہ اور شرمناک لباس میں اُس کے ساتھ اس دروازے سے باہر نکل گیا، جس سے مجھے اندر لایا گیا تھا۔ میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا اور پھر اپنے تابوت کو الوداع کہہ کر سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر پہنچ گیا۔ دروازہ کھولنے کا میکنزم اب مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ یہ ایک نامعلوم سا چوکور خانہ تھا، جو دُور سے نظر نہیں آتا تھا لیکن اسے دبانے سے دروازہ سلائیڈنگ ڈور کی مانند ایک طرف ہٹ جاتا تھا۔ وہ غالباً پتھر ہی کا بنا ہوا دروازہ تھا۔

دوسری طرف پہنچ کر مجھے حیرت ہوئی۔ کیونکہ دروازہ بند ہونے کے بعد دیوار پر دروازے کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ انتہائی نفاست سے بنایا گیا تھا۔ جس جگہ میں پہنچا تھا، وہ جگہ اعلیٰ فرنیچر سے آراستہ تھی۔ اس کمرے کو بھی نشست گاہ کہا جا سکتا تھا۔ چاروں طرف خوبصورت آبنوسی فرنیچر سجا ہوا تھا۔ لیکن لڑکی اس کمرے میں نہیں رُکی اور آگے بڑھتی رہی۔ پھر وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

''بیٹھو! یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ڈیڈی کا کمرہ یہاں سے بہت دُور ہے۔ میں

تمہارے لئے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتی ہوں۔''

''اور لباس کا بھی۔'' میں نے کہا۔

''ہاں، ہاں! کیوں نہیں؟ دوسرا لباس بھی لے آؤں گی۔ ڈیڈی کا لباس تمہارے بدن پر یقیناً ٹھیک ہوگا۔ بس! وہ تم سے قد میں بڑے ہیں۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ چل جائے گا۔'' وہ بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اُس کے جاتے ہی میں نشست سے کھڑا ہو کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ اگر کسی طرح پروفیسر میتھون اپنے کمرے سے نکل آئے تو بھاگنے کے لئے مجھے کون سا راستہ مل سکتا ہے؟ نقاہت واقعی شدید ہو رہی تھی۔ بھوک اور پیاس سے جان نکل رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک خوبصورت ٹرالی میں کھانے پینے کی اشیاء اور کافی سامان سجائے اندر داخل ہوئی۔ اس وقت یہ لڑکی میرے لئے فرشتہ ہی ثابت ہوئی تھی۔ میں ٹرالی پر ٹوٹ پڑا۔ سیمونیا مجھے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اور میں اخلاقاً اُس سے کھانے کے بارے میں پوچھ بھی نہ سکا۔ پھر اُس نے بڑے پُر اخلاق انداز میں میرے اور اپنے لئے کافی بنائی اور خود میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اُس نے کافی ختم کر کے پیالی ایک طرف رکھ دی۔ پھر چند لمحات کے بعد وہ بولی۔

''اور کوئی چیز لاؤں؟ کافی اور بنا لاؤں؟ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں کافی بہت پسند ہے۔''

''نہیں..... شکریہ! میں اب یہ سوچ رہا تھا کہ تمہارے اس احسان کا صلہ کس طرح ادا کروں؟''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ تم بھی تو میری خواہش پر جاگ اُٹھے ہو۔ کب سے سو رہے تھے اس تابوت میں؟''

''شاید صدیوں سے.....'' میں نے ایک کراہ کے ساتھ جواب دیا۔

''کیا تم واقعی فرعون ہو؟'' اُس نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

''فرعون ہماری اصطلاح میں کسی اور کو ہی کہا جاتا ہے۔ لیکن جو فرعون تم مجھے سمجھ رہی ہو، میں وہ فرعون نہیں ہوں۔''

''میں جانتی تھی کہ تم وہ نہیں ہو سکتے۔ ارے..... میں تمہارے لئے لباس تو لائی نہیں۔

نہیں یقیناً اس لباس سے اُلجھن ہو رہی ہوگی۔ وہ دیکھو! سامنے غسل خانہ ہے۔ تم اس میں چلے جاؤ۔ میں ابھی تمہارے لئے لباس لاتی ہوں۔''

''پہلے تم لباس لے آؤ، اس کے بعد میں چلا جاؤں گا۔''

''نہیں.... نہیں.... فکر مت کرو۔ میں تمہارے لئے لباس لاتی ہوں۔ پھر تمہیں دروازے سے دے دوں گی۔ جاؤ، نہا لو پلیز! پتہ نہیں کب سے نہیں نہائے ہو گے۔ شاید صدیاں ہوگئی ہوں گی۔'' اُس نے کہا اور ایک بار پھر کمرے سے نکل گئی۔

میں اللہ کا نام لے کر غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ گرم پانی نے جسم کے تمام مسامات کھول دیئے تھے۔ اب تک میں جس عذاب میں مبتلا رہا تھا، اچانک ہی سر سے اُتر گیا تھا۔ لڑکی مجھے لباس لا دے تو پھر کسی طرح اُسے بہلا پھسلا کر یہاں سے نکل جاؤں۔ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔ چند لمحات کے بعد غسل خانے پر ہلکی سی دستک کی آواز اُبھری اور میں نے دروازہ کھول کر اس کے ہاتھ سے لباس لے لیا۔ یہ ایک قیمتی سوٹ تھا۔ قمیص کے ساتھ ٹائی بھی تھی۔ میں نے پتلون پہنی تو پائنچے ایڑھیوں سے نیچے جاتے محسوس ہوئے۔ پروفیسر میتھون کے قد و قامت کا میں نے صحیح اندازہ نہیں لگایا تھا۔ لیکن بہرطور اُس کے پائنچوں کی لمبائی دو تین انچ نیچی تھی۔ تاہم میں نے پائنچے نیچے سے موڑ لئے اور قمیص پہن کر باہر نکل آیا۔ اُس نے ٹائی میرے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ ''ٹائی بھی ہے اور یہ خوش قسمتی ہے کہ ڈیڈی نے یہ سوٹ دوسرے کمرے میں لٹکا دیا تھا۔ اگر وہ اسے اپنے ہی کمرے میں لٹکا دیتے تو اس کا حصول میرے لئے ممکن نہیں تھا کیونکہ ڈیڈی کی ڈریسنگ الماری اُن کے کمرے ہی میں ہے اور کمرے کا دروازہ باہر سے میں نے بند کر رکھا ہے اور اسے کھولنے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔'' وہ ہنس پڑی۔ پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''جوتے بھی ہیں۔ جوتے بھی پہنو۔ سوٹ پہنو، ٹائی باندھو۔ میں دیکھوں کہ زمانہ قدیم کا فرعون اس دورِ جدید میں یہ سوٹ پہن کر کیسا لگتا ہے؟'' میں نے ٹائی باندھ کر کوٹ پہن لیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''ڈیڈی کی تمام تھیوری بیکار ہو کر رہ گئی۔ اب دیکھو نا! وہ تو قدیم دور پر ریسرچ کر رہے ہیں۔ لیکن میری ریسرچ میرے سامنے ہے۔ انسان ہر دور میں یکساں ہیں۔ صرف لباس اور خیالات کا فرق ہوتا ہے۔ کیا سمجھے؟''

''بالکل.... بالکل ٹھیک....'' میں نے جلدی سے جواب دیا۔

''اب لطف آئے گا۔ ڈیڈی، ممی کو تلاش کرتے پھریں گے اور ممی میرے پاس موجود ہے۔''

''ممی؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں! میرا مطلب ہے فرعون کی ممی۔''

''اوہ سوری! معاف کرنا۔ میں تمہاری ممی سمجھا تھا۔''

''اوہ..... میری ممی نہیں ہیں۔ کبھی نہیں تھیں۔ بس! ڈیڈی ہی تھے۔'' اس نے کسی قدر افسردہ ہو کر کہا اور پھر اُس کے چہرے پر گہرے غم کے سائے نظر آنے لگے۔ ''میں سوچتی ہوں کہ اگر میری ممی ہوتیں تو کیسا لگتا مجھے..... تمہاری ممی تھیں؟'' اُس نے مجھ سے سوال کیا اور میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اُس کی صورت دیکھنے لگا اور پھر جلدی سے بولا۔

''ہاں تھیں۔ کبھی تھیں۔ لیکن اب نہیں ہیں۔''

''اب تو خیر کوئی نہیں ہوگا تمہارا۔ صدیوں پرانی بات ہے۔ ڈیڈی نے واقعی تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ کیا تم اس تابوت میں مطمئن اور خوش تھے؟''

''نہیں..... بالکل نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''خیر! کوئی بات نہیں۔ ہاں..... ہاں! اب یہ بتاؤ کہ اب کیا کرو گے؟ میں صبح کو ڈیڈی کے ساتھ ناشتہ کرتی ہوں۔ لیکن میں تمہیں ناشتہ پہنچا دوں گی۔ تم اس کی فکر مت کرنا۔ آؤ میں تمہارے آرام کے لئے ایک جگہ بتا دوں۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔'' میں نے اُس سے کہا۔

اس کے بعد وہ مجھے اس کمرے سے نکال لائی۔ پھر اس نے ایک دوسرے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ''اس کمرے میں کوئی نہیں رہتا۔ اس لئے یہ تمہارے لئے موزوں ترین ہے۔ تم چاہو تو میں یہ دروازہ باہر سے بند کر دوں۔ تاکہ کسی کو شک ہی نہ ہو سکے۔''

''ارے نہیں..... نہیں..... بالکل نہیں۔ دروازہ کھلا ہی رہنے دینا۔ میں خود ہی احتیاط کروں گا۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''او کے۔ پھر خدا حافظ۔ آرام سے سو جاؤ۔ ناشتہ ذرا دیر سے ضرور ملے گا۔ لیکن ڈیڈی دس ساڑھے دس بجے کے قریب چلے جائیں گے۔ انہوں نے مجھے اپنا پروگرام بتایا تھا۔''

''او کے ڈیئر سیمونیا! خدا حافظ۔'' میں نے اُس سے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

معصوم لڑکی اپنی معصومیت میں میرے کام آ گئی تھی۔ لیکن پروفیسر کو جب یہ بات معلوم ہوگی کہ اُس نے ایک ممی آزاد کر کے بھگا دی ہے تو پتہ نہیں، اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ لیکن مجھے اس وقت کسی کی کیفیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ بس تھوڑا سا وقت گزر جائے تو پہلی فرصت میں یہاں سے نکل بھاگوں گا۔ میرے لئے یہ جگہ بالکل اجنبی تھی۔ یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں کون سے شہر میں ہوں اور اس کی نوعیت کیا ہے؟ ویسے پروفیسر نے ایران کا نام لیا تھا تو ظاہر ہے، ایران میں ہی ہوں گا۔ اور ایران کے بارے میں میری معلومات کچھ بھی نہیں تھیں۔ چنانچہ اب جو بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔

تقریباً ایک گھنٹے تک میں انتظار کرتا رہا اور پھر میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ رات کی تاریکی پر سناٹے کی حکومت پھیلی تھی۔ یہ بات مجھے معلوم ہو چکی تھی کہ ملازم اپنے اپنے کوارٹر میں سو رہے ہیں۔ چنانچہ میں راہداری میں نکل آیا اور راہداری عبور کرتا ہوا اندازے کی بناء پر عمارت کے بیرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں صدر دروازے سے باہر تھا۔ باہر ایک خوبصورت سا لان تھا۔ ایک سائیڈ میں تین چار کوارٹر بنے ہوئے تھے۔ یقیناً یہی ملازموں کے کوارٹر تھے۔ اس کا مطلب ہے پروفیسر یہاں کے متمول لوگوں میں سے ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ کمپاؤنڈ میں کار کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اس کار سے بھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بس! میں تو یہاں سے فرار چاہتا تھا۔ چنانچہ سامنے کی طرف سے باہر نکلنے کی بجائے میں نے کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگ کر یہاں سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد دیوار پھاند کر باہر کود گیا اور اس کے بعد رات کی تاریکی میں ایک سمت چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

میں جس سمت سفر کر رہا تھا، یہاں گھاس کا چھوٹا سا میدان پھیلا ہوا تھا۔ اِکا دُکا مکانات میں روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں تن بہ تقدیر تھوڑی دیر چلتا رہا اور پھر ایک پکی سڑک پر پہنچ گیا، جو سیدھی چلی جاتی تھی۔ سڑک پر پہنچ کر میں نے کنارے کنارے چلنا شروع کر دیا۔ سڑک پر لاتعداد روشنیاں لگی ہوئی تھیں اور پوری سڑک روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ لیکن میرے پاس خود کو چھپانے کے لئے کوئی ذریعہ بھی تو نہیں تھا۔ بس! یہ سوچ رہا تھا کہ کسی مناسب سی جگہ پہنچ جاؤں تاکہ پروفیسر میتھون مجھے تلاش نہ کر سکے۔ ویسے اب اس بات کے امکانات نہیں تھے۔ قدیم مصری فرعون اور میرے موجودہ حلیے میں کافی تبدیلی ہو چکی تھی اور اب مجھے کوئی بھی قدیم انسان نہیں کہہ سکتا تھا۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد بائیں سمت ایک چوراہا نظر آیا اور میں اُس طرف چل پڑا۔ چوراہے سے ایک سمت اختیار کر کے میں بالآخر ایک شبینہ ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ گیا جس پر فارسی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ لیکن دفعتہً مجھے اس بات کا خیال آیا کہ میرے پاس تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ میں نے بے بسی کے انداز میں جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جیب میں پرس موجود ہے۔ بے اختیار ہو کر پرس کھولا اور یہ دیکھ کر سکون کی سانس لی کہ پرس میں کافی نوٹ موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ کاغذات اور دوسری چیزیں بھی تھیں۔ باہر کھڑے ہو کر میں نے دوسری جیبوں کی تلاشی بھی لی اور مجھے کئی ایسی چیزیں ملیں، جن کا تعلق پروفیسر میتھون سے تھا۔

یہ خوش بختی تھی کہ سیمونیا کے ہاتھ وہی لباس لگا تھا جس میں پروفیسر میتھون کا پرس وغیرہ پڑا ہوا تھا۔ ورنہ کرنسی کا مسئلہ میرے لئے کافی ٹیڑھا ہو جاتا۔ میں اب زیادہ اطمینان کے ساتھ ریسٹورنٹ میں داخل ہو گیا۔ میری جیب بھری ہوئی تھی۔ لوگ مختلف قسم کی تفریحات

میں مشغول تھے۔ شبینہ ریسٹورنٹ میں رات کے ایک پہر گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں ایک خالی میز کی طرف بڑھ گیا۔ اس میز کے گرد پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر میں نے اپنی پشت کرسی سے ٹکا دی۔ ایک ویٹر میرے قریب آیا تو میں نے اُس سے انگریزی میں چائے طلب کی۔ وہ گردن خم کر کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چائے کے خوبصورت برتن، میرے سامنے لگا دیئے گئے۔ چائے پینے کو قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا، کیونکہ کافی کی کئی پیالیاں پی چکا تھا۔ لیکن یہاں بیٹھنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے چائے کی پیالی بنا کر سامنے رکھ لی اور مستقبل کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ چائے کی پیالی سے بھاپ کی ہلکی ہلکی لکیر اُٹھ رہی تھی۔ لیکن دفعتہً یہ لکیر مجھ سے دُور ہونا شروع ہو گئی اور چائے کی پیالی کھسک کر میز کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اپنے کانوں میں راعمیس کی آواز سنائی دی۔

''میرے لئے بھی چائے منگواؤ!''

''تم.....تم.....؟'' دفعتہً میری تیوریاں چڑھ گئیں۔

''بگڑ کیوں رہے ہو؟'' راعمیس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

''دیکھو راعمیس! تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ یقین کرو کہ بس.... بس.....'' میں بے بسی سے خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے، میں اُسے کیا دھمکی دے سکتا تھا؟

راعمیس کی ہلکی سی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ ''پریشان کیوں ہو؟''

''تم.....تم..... مجھے اُس تہہ خانے میں کیوں چھوڑ بھاگے تھے؟ تم ہو کیا چیز؟''

''روح.... ایک روح..... مجھ پر پابندیاں عائد نہ کرو میرے دوست! میں تمہارے ذریعے یہ دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''لعنت ہے تم پر اور لعنت ہے مجھ پر۔ بھلا کیسے؟ آج اس بات کی وضاحت کریں گے۔ تم ہر جگہ اپنی مرضی سے آ رہے ہو، جا رہے ہو۔ میرا ذریعہ کیوں پکڑ رکھا ہے؟''

''تو پھر کیا کروں؟ کوئی نہ کوئی ساتھی تو ہو ایسا جس سے میں گفتگو کر سکوں۔ اور پھر کسی دوسرے کو کہاں دوست بناتا پھروں گا؟ تم تو میرے قدیم دوست ہو۔''

''تمہارے قدیم دوست پر بھی لعنت۔''

''بہت زیادہ غصے میں ہو کیا؟ آخر کیا مصیبت در پیش آ گئی ہے؟''

''تم یہ بتاؤ، کہ تم یہاں کیسے پہنچے؟ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں موجود ہوں؟''

''فضاؤں میں تمہاری بو سونگھی اور بس یہاں پہنچ گیا۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تم تہہ خانے سے نکل بھاگے ہو۔''

''اور تم میرے تہہ خانے سے نکلنے سے پہلے ہی بھاگ گئے تھے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں تو کسی تہہ خانے میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔''

''میرے سامنے سب لوگ سچ بولیں گے، سوائے تمہارے، کیوں؟''

''یقین کرو میرے دوست! میں کسی تہہ خانے میں داخل ہی نہیں ہوا تھا اور نہ ہی مجھے پتہ تھا کہ اس وقت تک کہ تم کسی تہہ خانے میں قید کئے گئے ہو۔''

''تو پھر اب کیسے معلوم ہوا؟''

''یہ سوالات مجھ سے مت کیا کرو۔ مجھے اس قسم کی معلومات میں بہت زیادہ دقت نہیں ہوتی۔''

''تم مر کہاں گئے تھے؟''

''میں قنطارہ کے پیچھے گیا تھا۔''

''کس کے پیچھے؟''

''قنطارہ کے پیچھے۔ مم.... میرا مطلب ہے، وہی لڑکی، جسے تم آئرن فیرین کہتے تھے۔''

''اوہ! اُسے تم نے قنطارہ کہا ہے؟''

''ہاں! تم یقین کرو میرے دوست کہ وہ سو فیصد قنطارہ کی ہم شکل ہے۔''

''راعمیس! مجھے تو تم کوئی بہت بڑے فراڈی معلوم ہوتے ہو۔ اس دنیا میں تمہارا کوئی نہ کوئی شناسا نکل ہی آئے گا۔''

''ہاں! اس کے امکانات ہیں۔ میں نے اس دنیا کو بڑی عجیب شکل میں دیکھا ہے میرے دوست راعمساس! یہاں مختلف شکلیں نظر آتی ہیں۔ لیکن ان کی شباہت کہیں نہ کہیں میرے دور سے جا کر مل ہی جاتی ہے یوں لگتا ہے کہ انسان شخصیتیں بدل بدل کر اس دنیا میں آ جاتے ہیں، شکلیں تبدیل نہیں کرتے۔'' راعمیس نے جواب دیا۔

''اب میں تم سے کیا کہوں؟ ظاہر ہے، ہاتھا پائی بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تمہارا کوئی وجود

ہی نہیں ہے۔''

''ہاں، واقعی! لیکن وجود تم جو ہو۔ میں تمہارے وجود ہی کا ایک حصہ ہوں اب۔''

''بس.... بس! میں اب اس قسم کی باتیں نہیں سننا چاہتا۔ مجھ سے بہت زیادہ یگانگت کا مظاہرہ نہ کیا کرو۔ جب جی چاہا، جہاں جی چاہا، مجھے مصیبت میں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔''

''پھر کیا کرتا؟ قنطارہ کو بھی چھوڑنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ آہ! تم نہیں جانتے، وہ خادمہ مجھے کتنی عزیز تھی۔ مجھ سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔''

''ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے۔ لیکن اب تمہاری وہ خادمہ کہاں گئی؟''

''اُسے ایک اور شخص لے گیا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''یہ جو تمہارا پروفیسر میتھون ہے نا، خاصا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تنہا وہاں نہیں گیا تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ پورا گروہ تھا اور یہ لوگ اپنی اپنی تحقیق کے لئے ممیاں لے کر آئے ہیں جو سب اُنہوں نے آپس میں تقسیم کر لی ہیں۔ قنطارہ کی ممی.... میرا مطلب ہے آئرن فیرین کی ممی ایک اور شخص لے گیا تھا، جس کا نام گیروز تھا۔ گیروز اُسے اپنی رہائش گاہ میں لے گیا۔ مگر وہ لڑکی تو آفت کا پرکالہ ہے۔ ویسے بھی قنطارہ قدیم دور میں کافی تیز و طرار تھی۔ اُس نے فوراً ہی ان لوگوں پر دہشت بٹھا دی۔ پانچ آدمیوں کا ایک گروہ تھا جو اس ممی پر تحقیق کرنے کے لئے اس کے گرد جمع ہوا تھا۔ اس نے پستول نکال کر فائرنگ شروع کر دی اور اس کے بعد جو تماشہ ہوا، وہ قابل دید تھا۔ صدیوں پرانی فرعونہ کو فائرنگ کرتے دیکھ کر اُن لوگوں کے ہوش اُڑ گئے تھے۔ وہ کونے کھدروں میں جا چھپے اور قنطارہ وہاں سے نکل گئی اور میں بدستور اس کے پیچھے تھا۔''

''خوب.... خوب! وہاں سے نکل کر وہ کہاں گئی؟''

''اس وقت وہ ہوٹل نیمروز میں مقیم ہے۔''

''کہاں؟''

''ہوٹل نیمروز۔ ویسے راعمساس! کیا تم کسی عمدہ ہوٹل میں قیام کرنا پسند نہیں کرو گے؟''

''ہرگز نہیں۔ اور خاص طور سے وہاں، جہاں تم کہو گے۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور راعمیس مجھے چمکارنے لگا۔

''نہیں میرے دوست! میں جانتا ہوں کہ تم اپنے قدیم دوست کو کبھی مایوس نہیں کرو
گے۔ ہم نیمروز ہی میں قیام کریں گے۔ وہاں پر ایک کمرہ حاصل کرلو، قنطارہ کے بالکل
قریب۔ تاکہ تمہاری اُس سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ دیکھو نا! میں ایک محرومی کا شکار ہوں۔
تم نہیں جانتے کہ تمہارے وجود میں مجھے کیا کچھ ملا ہے۔ اور پھر روحیں میرے تعاقب میں
ہیں۔ نہ جانے کب وہ مجھ تک پہنچ جائیں اور میں دوبارہ برزخ کا قیدی بن جاؤں۔ مجھے
اس مختصر سے وقت میں کم از کم اپنی دُنیا کے کچھ مناظر تو دکھا دو گے۔ کیا تم اپنے دوست کے لئے
اتنا بھی نہیں کر سکتے؟'' رائمیس کی آواز دردناک ہوگئی۔

''بس! میں کیا کہوں تم سے؟ میں تو خود بے بس آدمی ہوں۔ اب دیکھو نا! کہ میرے
لئے حالات کتنے پریشان کن ہیں۔ یہاں عجیب وغریب حالات میں داخل ہوا ہوں۔ ملکوں
کے قوانین ہوتے ہیں۔ ہر آدمی، ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کے لئے اُسے اجازت نامے
پاسپورٹ اور ویزا وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں یہاں ایک مجرم کی حیثیت رکھتا ہوں۔
اگر پولیس کا ہاتھ مجھ تک پہنچ گیا تو گلوخلاصی مشکل ہو جائے گی۔ ظاہر ہے، پولیس کو نہ میں
تمہاری کہانی سنا سکتا ہوں، نہ پروفیسر میتھون کی۔ ان حالات میں میرے لئے کتنی مشکلات
پیش آرہی ہیں۔''

''میں تمہاری مشکلات کا حل ہوں۔ فکر کیوں کرتے ہو؟ میں فضاؤں میں تمہاری بو سونگھ
کر پہنچ سکتا ہوں۔ اگر کبھی میں موجود نہ ہوں اور تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ اور جس سے
نکلنا تمہارے بس میں نہ ہو تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کسی نہ کسی طرح تمہیں
تلاش کرتا ہوا پہنچ ہی جاؤں گا۔ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ کسی خاص چکر میں نہ پھنس
جاؤں۔ اب دیکھو نا! مجھے بھی تو ان روحوں کی نگاہوں سے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی
ہے۔ اگر یہاں کی پولیس تمہارے پیچھے لگ جاتی ہے تو کم از کم اتنا تو سوچو کہ برزخ کی
پولیس، میرا مطلب ہے وہ روحیں جو میرے تعاقب میں ہیں اور مجھے تلاش کر کے قید کرنا
چاہتی ہیں۔ کیا سمجھے؟ چلو اُٹھو! یہاں سے سیدھے نیمروز چلو۔ تم معمولات کے مطابق کمرہ
حاصل کرلو گے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ کون سا کمرہ لینا ہے۔''

بالآخر ایک بار پھر میں رائمیس کے چکر میں پھنس گیا۔ کر بھی کیا سکتا تھا؟ ظاہر ہے
ساری رات اسی شبینہ ہوٹل کی میز پر تو نہیں گزار سکتا تھا۔ پروفیسر میتھون کے ہاں سے نکل

آنے کے بعد مجھے یہاں، اس نگری میں اپنے لئے محفوظ انتظامات کرنے تھے۔ چنانچہ میں
رائمیس کے ساتھ باہر نکل آیا اور اس کی رہنمائی میں ٹہلتا ہوا، ہوٹل نیمروز پہنچ گیا۔ جو وہاں
سے کافی فاصلے پر تھا۔ نیمروز کی ریسیپشن پر سناٹا طاری تھا۔ دو افراد بیٹھے بیٹھے اونگھ رہے
تھے، جن میں سے ایک کھڑے کھڑے بالوں والا عجیب سی شکل کا آدمی تھا۔ میں کاؤنٹر پر
پہنچا تو اُس نے چونک کر میری صورت دیکھی اور پھر مؤدب ہوگیا۔ چند لمحات کے بعد میں
اُس سے کمرہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور پھر میں اس کمرے میں داخل ہوگیا۔
سامان وغیرہ کا میرے پاس کوئی سوال ہی نہیں تھا اور مجھے حیرت تھی اس بات پر کہ ہوٹل
کے عملے نے مجھ سے میرے سامان کے متعلق کچھ بھی نہیں پوچھا۔ بہرطور! رائمیس اس
وقت میرے ساتھ تھا، شاید اس لئے بہت سی مشکلات میرے لئے آسان ہوتی جارہی
تھیں۔ کمرہ کشادہ اور اچھا خاصہ بنا ہوا تھا۔ میں نے رائمیس سے کہا کہ میں اب سونا
چاہوں گا تو اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ٹھیک ہے! تمہاری مرضی۔ ویسے میں اس وقت تمہارے پاس ہی ہوں۔ فکر مت کرنا
کسی بات کی۔''

میں جوتے وغیرہ اُتار کر بستر پر لیٹ گیا۔ اب اس لباس کے علاوہ میرے پاس کوئی
اور لباس نہیں تھا۔ میں دیر تک بستر پر لیٹا اس بارے میں سوچتا رہا۔ کئی بار ذہن، رائمیس
کی طرف گیا لیکن اس کی دوستی مجھے ناپائیدار محسوس ہوئی۔ اس پر بہت زیادہ بھروسہ کرلیا
تھا۔ لیکن اس کے اپنے جو مسائل تھے، وہی اس قدر تھے کہ وہ میرے کسی خاص کام نہیں آ
سکتا تھا۔ مجھے اس پر تکیہ کر کے ہر کام نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کہیں اس کی مدد حاصل ہو
جائے تو دوسری بات ہے۔ کافی دیر تک میں سوچتا رہا۔ یہ خوف بھی تھا کہ کہیں رائمیس
میرے ذہن میں موجود نہ ہو اور میرے خیالات نہ پڑھ رہا ہو۔ کیونکہ اس سے قبل مجھے اس
بات کا مشاہدہ ہو چکا تھا۔ نہ جانے کب نیند آگئی۔

دوسری صبح جاگا تو سورج چڑھ چکا تھا اور کمرے کے مختلف گوشوں سے دھوپ کی کرنیں
اندر آرہی تھیں۔ پردے میں نے نہیں کھینچے تھے، اس لئے دھوپ اندر آرہی تھی۔ میں نے
ایک طویل انگڑائی لی اور پھر میرے ذہن میں رائمیس کا خیال آیا اور میں نے بے اختیار
اُسے پکارا تو اُس کی آواز میرے ذہن میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ہاں میرے دوست..... میں تمہارے پاس ہی ہوں۔ میں تمہارے وجود کے اندر ہوں۔''

اُس کی آواز سنتے ہی میں اُس کی شان میں قصیدہ گوئی کرتا ہوا بستر سے اٹھ کر غسل خانے کی طرف چل پڑا تھا۔ میں نے غسل خانے میں داخل ہوکر لباس اُتارا اور شاور کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ نہاتے ہوئے میری نگاہ ایک سمت پڑی تو وہاں میں نے ایک انتہائی نفیس اور خوبصورت لباس لٹکا ہوا دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ لیکن دوسرے لمحے یہ احساس ہوا کہ اب راعمیس میرے ساتھ ہے۔ اور مجھے ماضی کے کچھ واقعات یاد تھے جن میں راعمیس نے اسی طرح میرے لئے اشیاء فراہم کی تھیں۔ یقیناً یہ لباس بھی اُسی کی طرف سے ہوگا۔ بہرطور! میں نے اس لباس کو پہننے سے گریز نہیں کیا۔ میرے جسم پر بالکل فٹ انتہائی نفیس لباس تھا۔ میں لباس پہن کر باہر نکل آیا اور میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن جس بے نام سی شے کو میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ تو میرے وجود میں تھی۔

''راعمیس.....!'' میں نے اُسے آواز دی۔

''میں موجود ہوں۔''

''تم سے بعض اوقات شرم محسوس ہوتی ہے۔ تم غسل خانے میں بھی میرے ساتھ تھے؟'' میں نے سوال کیا اور ہنس پڑا۔

''ہاں! میں ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوں۔ یوں سمجھ لو، تمہارے وجود ہی میں ہوں۔ میں دنیا سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ ورنہ ایک ہوا کو کبھی کسی چیز سے لطف حاصل نہیں ہوسکتا۔ یار! میں یوں محسوس کر رہا ہوں جیسے اپنے بارے میں تمہیں سمجھانے کی کوششوں میں ناکام رہا ہوں۔''

''پیٹ خالی ہے۔ اس وقت کچھ نہیں سمجھوں گا۔''

''تو پھر ناشتے کی میز پر پہنچ جاؤ۔ وہ دیکھو! ناشتہ موجود ہے۔'' راعمیس نے کہا اور میری نگاہیں سنٹر ٹیبل کی جانب اُٹھ گئیں، جس پر ناشتہ لگا ہوا تھا۔ ''میں نے تمہارے نام پر دنیا سے منگوا لیا۔'' راعمیس نے جواب دیا۔

''بڑی عنایات ہو رہی ہیں اس وقت میرے ساتھ۔''

''میں تمہاری تمام محرومیوں کو دُور کر دوں گا۔ فکر مند کیوں ہوتے ہو؟'' راعمیس نے کہا اور میں ناشتے میں مصروف ہوگیا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں صوفے پر ہی نیم دراز ہوگیا۔ مجھے احساس تھا کہ راعمیس میرے پاس موجود ہے اور اس احساس کی وجہ وہی ہلکی ہلکی ٹھنڈک ہے جو اس کی موجودگی سے ہونے لگتی تھی، خواہ موسم کیسا ہی ہو۔

تھوڑی دیر سوچتے رہنے کے بعد میں نے کہا۔ ''راعمیس! تم مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے؟''

''اپنے بارے میں تمہیں اگر سمجھاتا ہوں تو نہ جانے کتنا وقت بیت جائے اور اس کے باوجود بھی تم یہی کہو گے کہ تم مجھے نہیں سمجھ سکے۔ کیا سمجھنے کے لئے چند الفاظ کافی نہیں؟'' اُس نے کہا۔

''مثلاً؟'' میں نے سوال کیا۔

''مثلاً یہ کہ میں برزخ کا مفرور ہوں۔ میرے اُوپر روحانی پابندیاں ہیں۔ میں اُن سے فرار حاصل کر کے تم تک پہنچا ہوں۔ کیونکہ میری طبیعت اس دُنیا کو دیکھنے کی طرف مائل ہوگئی ہے۔ میں اُن روحوں سے بھی خوفزدہ ہوں جو میری تلاش میں سرگرداں ہیں اور کوئی بھی جگہ ان کی پہنچ سے دور نہیں ہے۔ یہ روحیں مختلف شکلوں میں اور مختلف ذرائع سے مجھے حاصل کرنے کے لئے تم تک پہنچ سکتی ہیں۔ لیکن میں تمہیں اُن سے آگاہ کرتا رہوں گا اور اس وقت تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔ بقیہ لمحات تمہارے لئے ہیں۔ مادی انسانوں پر تمہاری فتح یقینی ہے، کیونکہ میں انہیں زیر کر سکتا ہوں۔ ہر چند کہ مجھ پر کچھ پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں، جو مجھے نبھانی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جس حد تک بھی ہو سکا، میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس دنیا کی تفریحات میں تم مجھے شریک رکھو۔ تم کسی جگہ قیام مت رکھو۔ زیادہ سے زیادہ متحرک رہو۔ تاکہ میں زیادہ سے زیادہ کرداروں کو اپنے قریب دیکھ سکوں۔''

''اب قنطارہ رہ گئی؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''قنطارہ میری محبوبہ نہیں تھی۔ وہ صرف میری پسندیدہ کنیز تھی۔ اور جب وہ ایک نئی شکل میں میرے قریب آ گئی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ کم از کم اُس کا تھوڑا سا قرب ضرور رہے۔''

اور ہمیں اس نئی شکل میں اس کی مدد بھی کرنی چاہئے۔ جو کہانی اُس نے تمہیں سنائی ہے، دلچسپ نہیں ہے..... آخر اپنے اس نئے رُوپ میں وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ میں یہ مان لیتا ہوں کہ جس طرح تم راعمساس نہیں ہو بلکہ اس کے ہم شکل ہو، اسی طرح قنطارہ بھی قنطارہ نہیں بلکہ اس کی ہم شکل ہے۔ اور موجودہ حیثیت میں آئرن فیرین ہے تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جس طرح ہماری تمہاری دوستی نبھ رہی ہے، اسی طرح اگر ہم قنطارہ کے لئے بھی کچھ کر دیں تو کیا یہ اچھی بات نہیں ہے؟''

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم اپنی روحانی قوتوں سے کام لے کر اس کا مسئلہ حل کیوں نہیں کر دیتے؟''

''اس لئے کہ یہ میرے بس سے باہر ہے۔ اُسے اپنی دنیا میں رواں دواں رہنے دو۔ تم اُس کی مدد کرو۔ کم از کم تھوڑی سی تفریح سہی۔ اس میں آخر حرج ہی کیا ہے؟''

''اور اگر اس تفریح سے مجھے کچھ نقصان پہنچ گیا تو؟''

''اس کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ اگر تم کسی چکر میں پھنس بھی گئے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔'' راعمیس نے کہا۔

''چلو، ٹھیک ہے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ میرے لئے لباس وغیرہ اور بھی ہیں یا مجھے صرف انہی کپڑوں پر اکتفا کرنا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''الماری بھری پڑی ہے۔ کھول کر دیکھ لو۔ میں نے سب سے پہلا کام یہی کیا ہے۔ کیونکہ تمہاری شخصیت کے لئے یہ سب کچھ ضروری تھا اور اس کے علاوہ جو چیز تمہارے ہاں دولت کہلاتی ہے، تمہیں ملتی رہے گی۔ اس کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں، جس جگہ دولت کا حصول چاہو گے، وہاں دولت تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائے گی۔''

''بڑی بڑی باتیں کرتے ہو اور موقع پڑنے پر بھاگ نکلتے ہو۔ میرا مسئلہ دولت ہی تو تھا۔ جس کے لئے سرگرداں ہو کر میں یہاں تک پہنچا۔ یہی کمبخت شے تو مجھ تک نہیں پہنچ پاتی۔''

''اب وہ شے تم سے دُور نہیں رہے گی۔ میں اُس کے حصول کے طریقے بتاتا رہوں گا، ویسے جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو گی، وہ پوری ہو جائے گی۔''

''اچھا! اب یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟''

''قنطارہ سے ملاقات نہیں کرو گے؟''

''ہوں! کیا وہ اپنے کمرے میں موجود ہے؟''

''ہاں!''

''تو پھر مجھے اس کے سامنے ذرا مختلف انداز میں آنا پڑے گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے پہچانتی ہے کہ نہیں۔''

''باقی سب کام تمہارا ہے۔ تم اپنے طور پر کام شروع کر دو۔ میں تو صرف ایک دیکھنے والی نگاہ رکھتا ہوں۔'' اُس نے جواب دیا۔

میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ جس کمرے کے بارے میں راعمیس نے مجھے بتایا تھا، اس کا دروازہ بند تھا۔ آئرن فیرین ابھی اُسی میں مقیم تھی۔ لیکن ابھی زیادہ فاصلے پر نہیں گیا تھا کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکل آئی۔ خوبصورت لباس میں وہ اس وقت پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی تھی۔ میں انتظار کرنے لگا کہ وہ آگے بڑھ کر لفٹ میں داخل ہو جائے تو میں بھی اس کے ساتھ ہی لفٹ میں پہنچوں۔ دیکھوں کہ وہ کس قسم کے تاثرات کا اظہار کرتی ہے۔ اور پھر یہی ہوا۔ جوں ہی وہ لفٹ میں داخل ہوئی، میں بھی دروازہ کھول کر اندر پہنچ گیا۔

اُس نے سرسری نگاہ مجھ پر ڈالی تھی اور پھر میں نے اس کے چہرے پر چونکنے کے آثار دیکھے۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے اُس نے اپنے چہرے کو بے اثر بنا لیا۔ میں اُس کے بولنے کا منتظر تھا۔ وہ نیچے اُتری اور اُس کے بعد ہوٹل کے دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں اس سے کچھ فاصلے پر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مجھے پہچاننے کے باوجود مجھ سے اجتناب برت رہی ہے۔ لفٹ میں اُس کے چہرے کے تاثرات سے ان تمام باتوں کا اندازہ ہو گیا تھا۔

چند لمحات کے بعد اس نے گزرتی ہوئی ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چلی گئی۔ میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں بھی اس کا تعاقب کروں۔ راعمیس خاموش تھا۔ دوسری ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے ڈرائیور کو اس پہلی ٹیکسی کے پیچھے چلنے کو کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی ایک خوبصورت علاقے میں داخل ہو گئی جہاں پر رونق بازار تھے۔ آئرن

فیرین، ٹیکسی کا بل ادا کر کے آگے بڑھ گئی۔ میں نے بھی یہی عمل دُہرایا تھا اور اب ہم ایک فٹ پاتھ پر پیدل چل رہے تھے۔ اُس نے دو تین بار پلٹ پلٹ کر مجھے دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سی اُلجھن کے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ بازار میں چہل قدمی کرتی رہی۔ کہیں کسی دکان میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ کافی فاصلے پر رُک کر اس نے دفعتہً میری طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر غصے کے تاثرات اُبھر آئے۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

''آپ ''میرا پیچھا کر رہے ہیں؟'' اُس نے انگریزی میں کہا۔

''جی ہاں! آپ کا خیال درست ہے۔''

''کیا یہ بدتمیزی نہیں ہے؟''

''ہوسکتا ہے ہو۔ لیکن آپ نے جس طرح مجھ سے ناواقفیت کا اظہار کیا ہے، میرے خیال میں یہ اُس سے زیادہ بڑی بدتمیزی ہے۔''

''کیا فضول آدمی ہیں آپ۔ میں آپ کو کب سے جانتی ہوں؟''

''ذرا سا ذہن پر زور دیں تو یقین آ جائے گا۔ ہم نے ایک دلچسپ سفر کیا ہے۔''

''مسٹر! آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں آپ کو بالکل نہیں جانتی۔ اور اس کے بعد میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ میرا تعاقب نہ کریں۔ ورنہ میں پولیس سے رابطہ قائم کر لوں گی۔''

میں نے دل ہی دل میں رائمیس کو پکارا اور اُس کی آواز میرے ذہن میں گونج اُٹھی۔ میں نے اُس سے کہا۔ ''یہ مجھ سے جھوٹ بول رہی ہے رائمیس۔''

''بولنے دو۔ بولنے دو..... سچ بھی بولے گی۔ کیا حرج ہے؟ یہ ابھی جھوٹ بول رہی ہے تو اسے جھوٹ ہی بولنے دو۔''

ابھی میں رائمیس سے گفتگو میں ہی مصروف تھا کہ اُس نے ایک اور ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹیکسی ہوا ہو گئی تھی۔ آس پاس کوئی دوسری ٹیکسی نہیں تھی اس لئے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

''اب کہو! کیا کہتے ہو؟''

''کچھ نہیں دوست! جائے گی کہاں؟ تمہیں اس کی رہائش گاہ معلوم ہے؟''

''لیکن تمہیں اس سے فائدہ کیا ہوگا رائمیس؟ اگر وہ مجھ سے سچ بھی بول دے گی اور ہمیں اس کے بارے معلوم بھی ہو جائے گا تو ہمیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟'' میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''دلچسپی، تفریحات..... اس کے علاوہ ہمیں اور کیا چاہئے؟ لیکن تم ابھی تک جھلائے ہوئے ذہن سے سوچ رہے ہو کیا تمہیں دنیا دیکھنے کا شوق نہیں ہے؟ پتہ نہیں لوگ کس کس طرح کوشش کر کے سیاحت کرتے ہیں۔ ملک ملک کی چیزیں دیکھتے ہیں اور تم ہو کہ کسی بھی زندگی سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آخر تم کیسے آدمی ہو؟ ایران تمہارے سامنے کھلا پڑا ہے۔ یہاں کی روایات، یہاں کی تفریحات سے لطف اٹھاؤ۔ سیر و سیاحت کرو۔ اپنے آپ کو صرف ایک سیاح سمجھو۔''

درست ہی کہہ رہا تھا یہ نادیدہ دوست سیر و سیاحت کی خواہش تو میرے دل میں بھی ہمیشہ ہی مچلتی تھی۔ دنیا کے بے شمار ممالک ایسے تھے جنہیں دیکھنے کی آرزو دل میں رکھتا تھا۔ سرزمین مصر کی طرف روانہ ہوا تھا تو نہ جانے دل میں کیا کیا خیالات تھے۔ کس کس طرح اپنے دل میں سوچا تھا۔ اُن تمام ناآسودہ خواہشوں کو پورا کرنے کی ٹھانی تھی۔ دلفریب خوابوں کی سنہری تعبیر حاصل کر کے زندگی کا لطف اٹھانے کا سوچا تھا۔ لیکن اب نہ جانے کیوں ذہن پر بیزاری سی طاری ہوگئی تھی۔ مصر سے نکل بھاگنا چاہتا تھا اور اس کا موقع حاصل ہوگیا تھا۔ کیا حرج ہے اگر رائمیس میرے وجود پر اس طرح مسلط ہوگیا ہے۔ کم از کم وہ میری مرضی کے خلاف کچھ کرنے پر تو مجھے مجبور نہیں کرتا۔ وہ تو صرف میرے ساتھ رہنے کا خواہش مند تھا..... یہ خیالات دل میں آئے تو کچھ سکون سا ہوا اور میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ تب ہی رائمیس کی آواز ذہن میں اُبھری۔

''صرف اتنا ہی چاہتا ہوں میں..... بس! اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور تم ہو کہ ذہن پر ہزاروں پریشانیاں مسلط کر رکھی ہیں۔ میرے دوست! زندگی ان ہی ہنگاموں کا نام ہے۔ تم ان سے منہ نہ موڑو بلکہ پوری پوری دلچسپی لو۔ حالات کیا کیا رُخ اختیار کرتے ہیں؟ یہ حالات پر چھوڑ دو۔ ہمارے پاس ان حالات سے نمٹنے کے لئے ذرائع موجود ہیں۔ بس! اُدھر کی پریشانی ذہن سے نکال کر اپنی دنیا میں لطف اٹھاؤ اور کسی بات کی پریشانی مت لگاؤ۔''

''ٹھیک ہے بھائی.....ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ نعمتیں تو اب میری زندگی بن چکی ہیں۔ مگر کیا بتاؤں تمہیں میرے دوست! درحقیقت میں اس زندگی کا عادی نہیں ہوں اور یہ سب کچھ میری بساط سے آگے ہے۔''

''ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔ اور مجھے تو تم ایک بھی تصور نہ کرو، بلکہ بیس تصور کرو۔ چنانچہ بیس اور ایک اکیس۔''

''تم اکتیس اور اکتالیس بھی ہو سکتے ہو۔ تمہارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟'' میں نے کہا۔

رائمیس کے ہنسنے کی آواز میرے کانوں میں اُبھری۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔ ''ایران کی گلیاں، سڑکیں، بازار تمہارے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ عیش کرو۔ اس زندگی سے لطف اُٹھاؤ۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس یوں ہی جدھر منہ اُٹھا تھا، چل پڑا تھا۔ میدانِ سپاہ کو پار کر کے میں خیابانِ فردوسی پر پہنچ گیا۔ جس کے آخری سرے پر شاعر فردوسی کا مجسمہ، شاہنامہ کی جلد تھامے ایک ایسے شہر پر نگاہ ڈال رہا تھا جو اس کے تصور سے کتنا مختلف تھا۔ قدیم اور جدید کے درمیان صدیوں کے فاصلے تھے۔ منی اسکرٹ اور سبک فراک میں دل گدگدانے والی حسین لڑکیاں، پیئر گارڈن کے جدید سوٹوں میں اترانے والے نوجوان، ہر کونے میں آب جو، سینما، نائٹ کلب، کیبرے..... جدھر دیکھو، روشنی اور زندگی کا ایک طوفان بپا۔ خیابان، خیابان سڑک گردی کی اور اس کے بعد جب بھوک لگی تو ایک چھوٹے سے ریستوران میں جا بیٹھا۔ بہت سے چہرے شناسا محسوس ہوئے۔ خدوخال میں زیادہ تبدیلی نہیں تھی۔ یوں میں نے تقریباً سات بجے تک کا وقت سڑکوں پر گزارا اور اس کے بعد ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر نیمروز کی طرف چل پڑا۔

نیمروز میں داخل ہوتے وقت تک سڑکوں پر ہلکی ہلکی دُھند چھا گئی تھی اور اس دُھند میں لاتعداد روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ کمرے کی کھڑکی کھول کر میں چند لمحے کھڑا سوچتا رہا۔ رائمیس کے مہیا کردہ لباسوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ یہ سب کچھ تھا۔ لیکن وہ قلبی سکون اور وہ طمانیت کہاں سے لاتا جو کسی سیاح کو اپنے خرچ پر ملک ملک کی سیر کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔ بس! ایک چبھن سی دل کے کسی کونے میں محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ میں ان انوکھے لوگوں میں سے تھا، جو دنیا میں کوئی سہارا نہ رکھتے

ہوئے بھی کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔ مستقبل کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آنے والا وقت میرے لئے کون سے راستے متعین کرے گا۔ کمرے میں بیٹھے بیٹھے دل اُکتا گیا سوچا کہ نیمروز کے ریکریشن ہال کی دلچسپیاں دیکھوں۔ ایک خوبصورت سا لباس زیب تن کر کے اور اپنی نوک پلک سنوارنے کے بعد میں نیچے اُتر آیا۔

ریکریشن ہال کے بارے میں جس قدر تصور کیا تھا، اُس سے بھی زیادہ حسین مناظر یہاں بکھرے ہوئے تھے۔ میزیں تقریباً بھری ہوئی تھیں۔ خوشبو کے سمندر سے نکل کر کیف و سرور میں ڈوبی حسن کی جولانیاں، مترنم ہنسی کی دلربائیاں، نوجوانوں کے بہکتے سلگتے وجود سے پرخوابناک ماحول میں آرکسٹرا مدھم موسیقی بکھیر رہا تھا اور ایک ایرانی حسینہ فارسی زبان میں عمر خیام کے اشعار حسین انداز میں پیش کر رہی تھی۔ ایرانی حسینہ کے حسین نقوش اور اس کے ہونٹوں کی جنبش قابل دید تھی۔ اُس کے ساتھ ساتھ ہی لباس کے استعمال میں شاید عمر خیام کی حسن پرستی کو مدنظر رکھا گیا تھا۔

خیام کی رُباعی، اعضاء کی شاعری، حسن کی بے باکی، نوجوانوں کی سرگوشیاں، شراب کی بدمستیاں، بوڑھوں کی سسکیاں اور دولت کی فراوانی کے اس حسین سنگم کو دیکھ کر میرا ہاتھ بے اختیار سر پر اس خیال سے پہنچ گیا کہ شاید میں خالہ شہادت کی کھولی میں لیٹا کوئی خواب دیکھ رہا ہوں اور اس خواب کے حسن کو خراب کرنے کے لئے خالہ شہادت اپنے دعائیہ کلمات کو خالی فرائی پین سے میرے سر میں نہ اُتارنے لگیں۔ مگر یہ خواب نہیں، حقیقت تھی۔ کیونکہ میں موجودہ حالات کے ایک ایک پل کو دیکھ اور محسوس کر کے زندگی کا ایک نیا لطف اُٹھا رہا تھا۔

ویٹر کی آمد سے میں دوسرے ہی لمحے خیال سے حقیقت میں آ گیا۔ ویٹر نے ایک میز تک میری رہنمائی کر دی اور میں میز کے گرد پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ کر دونوں کہنیاں میز کی سطح پر ٹکا کر ہال میں بکھرے ہوئے مناظر کو دیکھنے لگا۔ تب ہی میری نگاہ کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی آئرن فیرین پر پڑی۔ ایک لمحے کے لئے ہونٹ سکڑ گئے، مجھ پر کیا مصیبت طاری ہوئی ہے کہ میں ان خاتون کے مسائل میں دلچسپی لوں۔ وہ تو بس حماقت تھی جو میں ان کی طرف راغب ہو گیا تھا اور انہوں نے بڑی نخوت سے مجھے ٹھکرا دیا تھا۔ میں نے اُس پر سے نگاہ ہٹالیں اور ویٹر کو ایک مشروب کا آرڈر دے دیا۔ وقت گزاری کے لئے کچھ نہ کچھ

ضروری تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد مشروب میرے سامنے سرو کر دیا گیا۔ گلاس اُٹھا کر ہونٹوں سے لگایا تو بے خیالی کے انداز میں نگاہیں سامنے اُٹھ گئیں۔ آئرن فیرین مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ میں نے جلدی سے نگاہیں پھیر لیں اور گلاس کے سپ لینے لگا۔ اس کے بعد میں نے دیر تک آئرن فیرین کی طرف دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن چند ہی لمحات کے بعد میرے سامنے کی کرسی کھسکی اور کوئی اس پر بیٹھ گیا۔ بے اختیارانہ انداز میں، میں نے چونک کر دیکھا تو وہ آئرن فیرین ہی تھی، جو سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے چہرے پر سپاٹ سے تاثرات پیدا کر لئے۔

''ناراض ہو؟'' اُس نے سوال کیا۔

''میں آپ کو نہیں جانتا۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

''لیکن میں آپ کو جانتی ہوں۔''

''میں اجنبی لوگوں سے بے تکلفی پسند نہیں کرتا۔''

''وہ تو میں بھی نہیں کرتی۔ لیکن ہم اجنبی کہاں ہیں؟''

''میڈم! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیجئے۔''

''میں صرف آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ناراضگی ختم کر دیجئے۔'' اُس نے دل آویز انداز میں کہا اور میں اسے گھورنے لگا۔

''مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے مسائل، تمہارے اپنے ہیں۔ اتفاق تھا کہ ہمارے درمیان چند روز کی رفاقت ہوگئی اور وہ بھی ایسے حالات میں جب کہ میں تمہارا تعاقب نہیں کر رہا تھا بلکہ ہم دونوں ایک دلچسپ حادثے سے دوچار ہو گئے تھے۔ اس سے زیادہ میرے ذہن میں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں ہے آئرن فیرین!''

''میں کہتی ہوں ناراضگی ختم کر دو۔ میں جن حالات کا شکار ہوں، اب تو تم جان ہی چکے ہو۔ کیا میں قابلِ معافی نہیں ہوں؟ بس! ذہنی الجھنوں میں اس قدر ڈوبی ہوئی ہوں کہ ہر چیز پر جھنجلاہٹ ہوتی ہے..... اور اسی جھنجلاہٹ میں..... پلیز! معاف کر دو۔'' آئرن فیرین نے کہا اور میں کسی قدر نرم ہو گیا۔

''کیا پیو گی؟''

اُس نے ناراضگی کے عالم میں کہا۔ ''جو بھی پلا دو۔'' اور آہستہ سے ہنس پڑی۔

میں نے اُس کے لئے بھی وہی مشروب منگوا لیا تھا جس سے میں شغل کر رہا تھا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔

''کچھ بات چیت نہیں کرو گے مجھ سے؟''

''کرو.....'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''تم پھر بتاؤ! تم پر کیا بیتی؟''

''کوئی خاص نہیں۔ پروفیسر میتھون مجھے اپنے تہہ خانے میں لے گیا اور اس کے بعد میں کوشش کر کے وہاں سے نکل بھاگا۔''

''اپنے مالی وسائل تم نے کیسے پورے کئے؟'' اُس نے کہا۔

''کسی نہ کسی طرح کر ہی لئے۔ تم پر کیا گزری؟'' میں نے سوال کیا اور آئرن فیرین نے وہی کہانی سنائی جو رائمیس مجھے بتا چکا تھا۔

''سوال تو میں بھی تم سے یہ کر سکتا ہوں کہ تمہارے مالی وسائل کیسے پورے ہوئے؟''

''لڑکیوں کو مالی وسائل پورے کرنے میں بہت زیادہ اُلجھن نہیں ہوتی۔''

''اوہ!'' میں نے ہونٹ سکوڑے۔

''احمقانہ بات مت سوچنا۔ ورنہ یہ گلاس اُٹھا کر تمہارے منہ پر دے ماروں گی۔ میں بد کردار لڑکی نہیں ہوں۔'' اُس نے بے تکلفی سے کہا اور پھر اس طرح سے مجھے دیکھنے لگی جیسے خدشہ ہو کہ میں ان الفاظ کا برا مان جاؤں گا۔ لیکن بہرطور! یہ برا ماننے والی بات نہیں تھی۔ پھر وہ خود ہی بولی۔ ''بس! ایک شخص کو مرغا بنانا پڑا تھا، لیکن اس انداز میں کہ وہ مرغا بعد میں اپنی جیبیں ہی ٹٹولتا رہ گیا تھا۔ تفصیل نہیں بتاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں نے کہا نا، تمہارا مسئلہ ہے، تم خود ہی نمٹ سکتی ہو۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری ذہنی اُلجھنیں مسلسل اُسی حد میں ہیں یا پھر کچھ آگے بڑھی ہو؟''

''بدقسمتی سے ابھی تک فصاحت خاطری کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا کیونکہ میرے وسائل بہت محدود ہیں۔ ایران سے میری واقفیت تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان حالات میں، میں کیا کر سکتی ہوں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ فصاحت خاطری کی تلاش میں کیا کروں؟''

''مجھے تم سے ہمدردی ہے آئرن فیرین!''

''صرف ہمدردی کرو گے یا میرا ساتھ بھی دو گے؟ دیکھو منصور! یہی نام بتایا تھا نا تم نے؟ میں بہت پریشان ہوں۔ میرا تم سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ لیکن اتفاقات ہم دونوں کو بار بار سامنے لا رہے ہیں اگر کچھ دن میرا ساتھ دے دو تو کیا حرج ہے؟ بشرطیکہ تمہارا اپنا کوئی پروگرام نہ ہو۔''

''کیا چاہتی ہو مجھ سے؟''

''میں چاہتی ہوں کہ ایران کے مشہور شہروں میں گھوم کر کسی نہ کسی طرح فصاحت خاطری کو تلاش کروں۔ اس طرح ہم ایران کی سیاحت بھی کر لیں گے۔ تم یقین کرو، میں نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے، وہ میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ مصر میں، میں نے اپنے طور پر اپنے لئے تفریحات مہیا کر رکھی تھیں لیکن اپنی شناخت میں ناکام رہ کر دل اس قدر اُکتا گیا تھا کہ اُس کے بعد میں وہاں سے نکل بھاگنا چاہتی تھی۔ بہت سے خیالات ہیں دل میں۔ میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ اس بارے میں اگر مجھے معلوم ہو جائے تو یقین کرو کہ مجھ سے زیادہ ہنس مکھ لڑکی تمہیں اور کوئی نہ ملے۔ بہرطور! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ یہاں کی سیاحت کریں اور جہاں تک ممکن ہو سکے، مختلف مقامات پر فصاحت خاطری کو تلاش کریں۔''

میں نے چند لمحات سوچا۔ آئرن فیرین کی یہ پیشکش میرے لئے غیر دلچسپ نہیں تھی۔ ظاہر ہے، میری زندگی کا ابھی کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ بلکہ آج میں نے ہوٹل میں بیٹھ کر یہی سوچا تھا کہ اپنے آپ کو ہوٹل کے ماحول میں گم کر دوں گا۔ جب تک یہاں کا آب و دانہ ہے، سیر و سیاحت کروں گا اور اس کے بعد یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ میرا وہ نادیدہ دوست، ہمدرد بھی یہی چاہتا تھا جس کا اس وقت کوئی پتہ نہیں تھا۔ یا ممکن ہے میرے وجود کے کسی گوشے میں بیٹھا ہوا خاموشی سے یہ سب تماشہ دیکھ رہا ہو۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ اس کے بارے میں نہ کبھی مجھے معلوم ہو سکا ہے اور نہ کبھی معلوم ہو سکتا تھا۔ لیکن آدمی بہت چالاک تھا۔ اگر واقعی وہ زمانہ قدیم کے کسی فرعون کی روح ہے تو زندگی میں نہ جانے کیا چیز ہوگی وہ؟ راعمیس کا سایہ اس وقت مجھے اپنے قرب و جوار میں موجود محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ آئرن فیرین کے پروگرام سے میں متفق ہو گیا اور اس کے بعد ہم نے پہلے دن مقامی طور پر آوارہ گردی کا پروگرام بنایا۔

آئرن فیرین دیر تک میرے ساتھ رہی۔ رات کا کھانا بھی اُس نے میرے ساتھ کھایا۔ ہمارے کمرے بھی چونکہ نزدیک نزدیک تھے، اس لئے ہال سے اُٹھنے کے بعد تقریباً ایک ڈیڑھ بجے تک ہم لوگ ساتھ ساتھ بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہ مجھ سے اجازت لے کر چلی گئی۔ میں اس کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ گیا۔ راعمیس کو آواز دی تو اس بدبخت کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ اس شخص سے تو اب میری جان ہی جلنے لگی تھی۔ مطلب کا ساتھی تھا۔ جب دل چاہا، میرے نزدیک پہنچ گیا اور جب چاہا غائب ہو گیا۔ میرا اُس پر کوئی تسلط نہیں تھا۔ باتیں وہ بڑی خوبصورت کر لیا کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ میں تمہارے وجود کا ایک حصہ ہوں۔ میں تمہاری ذات میں پوشیدہ ہو گیا ہوں اور نہ جانے کیا، کیا.....لیکن میں نے جب بھی اپنی ذات کو ٹٹولا اور جب بھی اس کی ضرورت محسوس ہوئی.....اُسے غائب پایا۔ اب میں اس پر کوئی بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ ہاں! اگر موقع پر ساتھ دے جائے تو غنیمت تھا۔ اب اس احساس کو میں نے اپنے ذہن سے پوری طرح خارج کر دیا تھا کہ اس پر تکیہ نہیں کروں گا۔ جو جی چاہے گا، کروں گا اور اگر اس نے میری مدد کی تو ٹھیک ہے اور اگر نہ کرے تو مجھے خود ہی اپنے حالات سے نمٹنا ہوگا۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح آئرن فیرین نے ناشتہ میرے ساتھ ہی کیا۔ اور اس کے بعد فیصلہ کیا کہ ہم
عام سیاحوں کی حیثیت سے یہاں کی سیر کریں گے۔ چنانچہ ہم باہر نکل آئے۔ ایک بک
سٹال سے کتابچے خریدے، جن پر ایران کی سیاحت کے بارے میں تفصیلات درج تھیں۔
چنانچہ اس کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے شمران چلتے ہیں۔ شمران، کوہ دماوند
کے پہلو میں واقع ہے اور باقی شہر سے دو ہزار فٹ بلند ہے۔ سخت گرمیوں میں جب خیابان
فردوسی تپنے لگتا ہے تو شمران میں بہار کا موسم ہوتا ہے۔

پر رونق بازار اور بلند و بالا عمارتیں آہستہ آہستہ پیچھے رہ گئیں۔ ہماری ٹیکسی برق رفتاری
سے آگے بڑھ رہی تھی۔ فضا میں موٹروں کے ہارن اور شہر کے شور وغل کی بجائے سڑک کے
پہلو میں گنگناتی ہوئی ندی کا شور اور پرندوں کی چہچہاہٹ شامل تھی۔ پہاڑی چشموں کی مدھ
دل نزل اُبھر رہی تھیں۔ خنکی بتدریج بڑھ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف پھولوں کے تختے
اور گھنے سرسبز چناروں کی قطاریں تھیں۔ ہم اس پر پیچ سڑک پر کوئی موڑ مڑتے تو یوں محسوس
ہوتا جیسے گھنے چنار ہمارا راستہ روک لیں گے، جن کی شاخیں ٹیکسی کی چھت پر آ کر یوں گتھی
ہوتی تھیں کہ سبزے اور خنکی کی ایک سرنگ سی بن گئی تھی۔ خشک ہوا کے تھپیڑے چل رہے
تھے اور چنار کے سرخی مائل پتے ہماری ٹیکسی پر بارش کے قطروں کی طرح برسنے لگے۔
تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی دربند کی بلیو وارڈ میں جا کر رُک گئی اور ہم ایک پتھریلی چٹان میں
تراشی ہوئی سیڑھیاں طے کر کے ایک اوپن ریسٹورنٹ میں آ گئے اور ایک میز منتخب کر لی۔
تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پہاڑی چشمہ اُبل رہا تھا۔ بہت حسین سجاوٹ تھی۔ یہاں
میزوں کے اُوپر رنگ برنگے گلدانوں کی بجائے ننھے ننھے پرندوں کے پنجرے رکھے ہوئے
تھے۔ انتہائی حسین اور رُومانی ماحول تھا۔ میں نے آئرن فیرین کی آنکھوں میں ایک عجیب
سی کیفیت دیکھی۔ اُس پر نگاہ پڑی تو وہ مجھے دیکھ رہی تھی، اور پھر مجھے اپنی جانب دیکھ

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
''کیا خیال ہے، کچھ کھایا جائے؟'' میں نے کہا۔
''ہاں.....کوئی ایسی چیز، جو ہم نے پہلے نہ کھائی ہو۔''
میں نے ویٹر کو بلا کر اس سے انگریزی میں یہاں کے کھانوں کی تفصیلات پوچھیں اور
پھر اسی کا مشورہ لیا تو اُس نے ہنس کر کہا۔ ''آب جو خنک اور جگرِ مرغ۔''
''لے آؤ!'' میں نے کہا اور اس کے بعد ویٹر نے ہمارے سامنے خوبصورت برتن
لگانے شروع کر دیئے اور تھوڑی دیر کے بعد ویٹر ہماری مطلوبہ اشیاء لے آیا۔
آئرن فیرین نے جگرِ مرغ بڑی دلچسپی سے کھایا تھا۔ آب جو کے گھونٹ لے کر اُس کی
آنکھوں میں ایک سرور کی سی کیفیت نمودار ہو گئی تھی۔ میں نے آرڈر تو دے دیا تھا، لیکن چند
لمحات کے بعد مجھے احساس ہو رہا تھا کہ ذہن میں سرور کی ایک ترنگ سی اُٹھی ہے۔ مجھے
اپنے آپ کو سنبھالنے میں کافی مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ آئرن فیرین نے کہا۔ ''تم جو کوئی
بھی ہو منصور! دلکش انسان ہو۔ تمہارے ساتھ ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔''
''ہوں، شاید.....'' میں نے کہا۔
''میرا خیال ہے، تم مجھ سے متاثر نہیں ہو۔''
''اگر نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ یہاں کیوں بیٹھا ہوتا؟'' آب جو کا سرور جب تک
ہمارے ذہن پر طاری رہا، ہماری گفتگو میں رومانیت رہی اور اس کے بعد ہم وہاں سے اُٹھ
گئے۔

خراج کے قصبے سے گزرنے کے بعد ہماری ٹیکسی دریائے خراج کے ساتھ ساتھ آگے
بڑھنے لگی۔ دریا، سڑک اور پتھریلی چٹانوں کے درمیان سر پٹختا ہوا زور وشور سے بہہ رہا
تھا۔ اس کے کنارے درختوں کی گھنی چھاؤں میں پتھروں پر بچھے ہوئے دیدہ زیب قالینوں
پر بیٹھے ہوئے لوگ پکنک منا رہے تھے۔ ساری فضا اس رنگین وادی میں رومان پرور کیفیت
پیدا کر رہی تھی۔ ایک موڑ پر دریا گھنے درختوں کے درمیان گم ہو جاتا تھا۔ یہاں ہم نے
ٹیکسی رکوائی اور وادی میں اُترتی ہوئی کچی سیڑھیاں طے کر کے دریا کے کنارے واقع ایک
ریستوران میں آ گئے۔ بلند درختوں پر خوشگوار پھول، بہتے ہوئے دریا کا شور اور ہوا کی
سرسراہٹ.....جس میں زندگی کی لہر تھی.....جس میں ڈوب جانے کو جی چاہتا تھا۔

اوپن ایئر ریسٹوران کے ایک کچے تالاب میں خراج سے پکڑی ہوئی مچھلیاں اُچھل رہی تھیں۔ یہاں کا طریقہ یہ تھا کہ اپنی پسند کی مچھلی خود ہی پکڑیئے اور ویٹر کے حوالے دیجئے۔ وہ میز کے ساتھ ایک چھوٹا سا باورچی خانہ لگا کر آپ کے سامنے بڑی نفاست سے یہ مچھلی تیار کر کے آپ کو پیش کر دے گا۔ آئرن فیرین کے اندر ایک بالکل بچگانہ سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ پانی میں ہاتھ ڈال کر بیٹھ گئی۔ ہم نے بار بار مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کیں، لیکن مچھلیاں ہاتھوں میں گدگدیاں کرتی ہوئی پھسل جاتی تھیں۔ چنانچہ اس کوشش میں ہمارے لباس پانی میں تر بتر ہو گئے اور ایک بھی مچھلی ہمارے ہاتھ نہیں آ سکی۔ پھر ہم نے طے کیا کہ یہ فرض ویٹر ہی کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ہماری پسند کی مچھلیاں پکڑ کر ہمارے سامنے ہی تلنا شروع کر دیں۔ اطراف کی تمام میزیں بھری ہوئی تھیں اور اکثر لوگ جو یہاں کی اُونچی سوسائٹی سے تعلق رکھتے تھے، شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ہماری برابر والی میز پر مشاعرہ ہو رہا تھا۔ خیام کے ملک میں شعر و شاعری کی محفل نہ ہوتی تو تعجب کی بات تھی۔

دوپہر ڈھل رہی تھی اور دھوپ کی ملاحت میں خنکی کا اثر نمایاں تھا۔ ہم لوگ ریسٹوران سے نکل کر دریا کے قریب ایک پتھر پر جا بیٹھے۔ پانی میں ہاتھ ڈالا تو انتہائی سرد تھا۔ خراج کے بہتے پانی کا شور اور ہوا کی سرسراہٹ سے کانوں میں ایک عجیب سے ساز کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ آب جو کا اثر ابھی تک ذہن پر سوار تھا یا پھر آئرن فیرین ہی کے انداز میں لچک پیدا ہو گئی تھی۔ خود میری اپنی کیفیت زیادہ پریشان کن نہیں تھی۔ البتہ اُس کا قرب مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ آئرن فیرین کافی دیر تک یہاں بیٹھی رہی۔ پھر اُس نے ایک کتابچہ نکال کر اُس کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی سرخی چھائی ہوئی تھی۔ پتہ نہیں، وہ ایرانی نژاد تھی یا مصری..... لیکن اُس کے نقوش کی دل آویزی اب مجھ پر واضح ہو رہی تھی۔

دفعتہ اُس نے اپنی سیاہ گہری آنکھیں اٹھائیں اور کہنے لگی۔ ”کیپسین کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”اگر تمہاری خواہش ہے تو چلو! چلتے ہیں۔“ میں نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو میں نے پورے دن کے لئے مخصوص کر لیا تھا اور وہ ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ چنانچہ ہم نے

اُسے کیپسین چلنے کے لئے کہا۔ ڈرائیور نے گردن گھما کر ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اُس نے مسکراتے ہوئے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

آئرن فیرین نے آہستہ سے میرے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ ڈرائیور مسکرایا کیوں تھا؟“

”اس پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔“ میں نے بے خیالی میں جواب دیا۔ لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد اندازہ ہو گیا کہ اُس کی مسکراہٹ کیا معنی رکھتی تھی۔ کیپسین کا راستہ نہایت دشوار اور پرخطر تھا۔ گہری کھائیاں اور خوفناک موڑ جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سب سے خوفناک رویہ ڈرائیور کا تھا جو انتہائی برق رفتاری سے ٹیکسی دوڑا رہا تھا۔

”واپسی کا سفر خوفناک ہو گا۔ ڈرائیور کو شاید ٹیکسی کی رفتار پر کنٹرول نہیں ہے۔ کہیں بھی اس کا ہاتھ بہک سکتا ہے۔“ آئرن فیرین خوف سے گہری سانس لے کر رہ گئی۔

میں اُس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ ”تو پھر رات کو واپسی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کسی نہ کسی جگہ رات کو قیام کر لیں گے۔“

فیرین کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے تھے۔ وہ چند لمحات عجیب سے انداز میں مجھے گھورتی رہی۔ پھر بولی۔ ”کیا یہ ڈرائیور رات کو رُکنے کے لئے تیار ہو جائے گا؟“

”اسے رات کا معاوضہ بھی ادا کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔“

میں نے انگریزی میں ڈرائیور سے کیپسین کے کنارے قیام کے بارے میں پوچھا تو اُس نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے بتایا کہ وہاں ہوٹل دستیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ بات سن کر کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا۔ جب سیاحت ہی کی ٹھہری تھی تو اس ایڈونچر سے کیوں گریز کیا جاتا؟ چنانچہ ہم کیپسین کے ساحل پر پہنچ گئے اور شب کے اس پہر صرف لہروں کا شور اس بات کا اعلان کر رہا تھا کہ سمندر قریب ہے۔ ٹیکسی سمندر کے کنارے کچھ دُور تک گئی۔ پھر دائیں سمت میں ایک ہوٹل کے نیون سائن بورڈ نظر آنے لگے اور ٹیکسی کا رُخ اس کی جانب ہو گیا۔ دلچسپی بھی محسوس ہو رہی تھی اور ہلکا سا خوف بھی ذہن میں جاگزین تھا۔ ممکن ہے، آئرن فیرین کے سوچنے کا انداز مجھ سے مختلف ہو۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر ایک معمر عورت اور ایک اُسی کی عمر کا مرد بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں نے ہمیں مسکراتی نگاہوں سے دیکھا اور ہمارے لئے خیر مقدمی کے الفاظ ادا کئے۔

شب بسری کے لئے ہمیں آسانی سے ایک کمرہ مل گیا تھا۔ لیکن کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے ہمارے ذہن میں معمر جوڑے کی چبھتی ہوئی نگاہیں گردش کر رہی تھیں۔ یہاں غالباً شب بسری کے لئے آنے والے مشکوک ہی ہوتے ہوں گے۔ کمرہ کافی خوبصورت تھا۔ اس کی عقبی کھڑکی سے کیپسین کو دیکھا جا سکتا تھا۔ ہم نے کمرے کا جائزہ لیا۔ آئرن فیرین عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا تو وہ کھڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی اور کھڑکی کھول دی۔ سمندر کی طرف سے سرد ہوائیں اندر داخل ہونے لگیں۔ لیکن اس وقت وہ انتہائی خوشگوار لگ رہی تھیں۔

''تم پریشان ہو آئرن فیرین؟''

''نہیں۔ کیوں، کیا بات ہے؟''

''میں تمہارے چہرے پر ایسے ہی آثار دیکھ رہا ہوں۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔ اور یوں بھی تو ہم ایک طویل سفر ساتھ ساتھ کر چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُس وقت ہمیں سفر تابوتوں میں کرنا پڑا تھا۔''

''ہاں! کیوں نہیں؟ میں تمہیں اپنی طرف سے ایک شریفانہ رویئے کا اطمینان دلاتا ہوں۔''

''منہ دھو رکھو! میں خود بھی اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔''

''نہیں آئرن فیرین! یہ الفاظ کہہ کر تم اس اعتماد کو مجروح کر رہی ہو جو ہمارے تمہارے درمیان موجود ہے۔''

''اعتماد'' آئرن فیرین کے لہجے میں ایک عجیب سی لرزش تھی۔ پھر اُس نے گردن جھٹکی اور ایک دم ہنس پڑی۔

''ہاں! کیوں نہیں؟ یقیناً ہمارے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم ہے۔ ویسے کیپسین کو سمندر نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسے بہت بڑی جھیل کا نام دیا جا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن یہ جھیل کسی طور سمندر سے کم نہیں۔''

رات کی تاریکی میں لہروں کے جھاگ صرف لکیروں کی شکل میں نظر آ رہے تھے۔ ہم

دونوں دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ پھر پلٹے تو فیرین بے اختیارانہ انداز میں میرے جسم سے ٹکرا گئی۔ میں نے اُس کے شانے پر تھپکی دی اور اُس سے کھانا کھانے کے بارے میں پوچھا۔

''کچھ بھی منگوا لو۔ کھائے بغیر تو نیند نہیں آئے گی۔''

''ہاں! جہاز پر بھی یہی ہوتا تھا۔'' میں نے کہا اور ہنس پڑا۔

پھر ہم نے ویٹر کو بلا کر رات کے کھانے کا آرڈر نوٹ کرایا جو ہمیں آدھے گھنٹے کے بعد سرو کیا گیا۔ لیکن آدھے گھنٹے کے اس انتظار کا صلہ اچھا ملا تھا۔ بہت نفیس کھانا تھا۔ کئی چیزیں اجنبی تھیں، جنہیں کھانے میں لطف آیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم دونوں ایک بار پھر کھڑکی کے نزدیک جا بیٹھے۔ ہوٹل میں نیچے جانے کی کوئی تک نہیں تھی۔ کیونکہ وہاں بہت زیادہ رش نظر نہیں آتا تھا۔

ہم کافی دیر تک کھڑکی کے ساتھ بیٹھے ہوئے رات کی تاریکی میں سمندر کے اُڑتے ہوئے جھاگوں کو دیکھتے رہے۔ پھر آئرن فیرین بولی۔ ''سونے میں ذرا دقت ہو گی۔ کم بختوں نے صرف ایک ہی بستر بچھایا ہے۔''

کم بختوں کا قصور نہیں ہے۔ یہاں غالباً وہی لوگ آتے ہیں، جنہیں ایک.....''

''شرارت نہیں۔ میرا خیال ہے، تم آرام سے سو جاؤ۔ مجھے نیچے سونے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔''

''ایسے موقعوں پر مرد اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا میں بھی اُن کی تقلید کروں گا۔''

آئرن فیرین بمشکل تمام بستر پر سونے کے لئے تیار ہوئی۔ میں نے نیچے ہی ایک جگہ منتخب کر لی اور پھر کھڑکی بند کر دی تا کہ سمندر کی طرف سے آنے والی خنک ہوائیں رات کو جاگنے کا سبب نہ بن جائیں۔ آئرن فیرین پتہ نہیں سوئی تھی یا جاگ رہی تھی۔ لیکن میرے ذہن میں عجیب عجیب خیالات جنم لے رہے تھے۔ حالانکہ ہم نے تنہا طویل سفر طے کیا تھا۔ لیکن اس وقت ذہنی کیفیت یہ نہیں تھی۔ یا تو یہ موسمی اثر تھا یا پھر یہ ہوٹل اور یہاں کا ماحول..... میں ذہن سے خیالات کو جھٹکنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور پھر دفعتہً میرے ذہن میں رالمیس آ گیا۔

''میرے ناقابل اعتماد دوست! کیا اب بھی تم مجھ سے دُور ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

لیکن راعمیس کی کوئی آواز نہ اُبھری۔

''ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے۔ اب میں نے تمہارا تصور تک چھوڑ دیا ہے۔'' میں نے کہا اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

نیند آنے میں کافی دیر لگی تھی۔ لیکن جب نیند آئی تو ایسی آئی کہ صبح کو آنکھ کھلی۔ اُس وقت آئرن فیرین صبح کا اخبار دیکھ رہی تھی جو پرشین زبان میں تھا۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا تو اس نے اخبار رکھ دیا اور مسکرا کر بولی۔ ''اب اُٹھ جاؤ۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ تمہیں ایک بے سکون رات گزارنی پڑی۔''

میں انگڑائی لے کر اُٹھ گیا۔ آئرن فیرین دُھلی دُھلی سی نظر آ رہی تھی۔ غالباً وہ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی، کیونکہ اُس کے بالوں میں نمی محسوس ہوئی تھی۔ میں خاموشی سے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ گرم پانی موجود تھا۔ اُس سے غسل کرنے میں کافی لطف آیا اور رات کی کسلمندی دُور ہو گئی۔ اُس کے بعد باہر نکلا تو غالباً آئرن فیرین ناشتہ منگوا چکی تھی۔ سامنے ہی ناشتے کے برتن لگے ہوئے تھے۔

''خوب! عورت ہونے کا پورا پورا ثبوت دے رہی ہو۔''

''لطف آ گیا منصور! یقین کرو، لطف آ گیا۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں ناشتے کے فوراً بعد چلنا چاہئے۔''

''ڈرائیور سے ملاقات تو نہیں ہوئی؟''

''ابھی آیا تھا تو میں نے اُس سے کہا کہ ہم لوگ ناشتے کے فوراً بعد روانہ ہو جائیں گے۔''

''بالکل ٹھیک.....'' میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل سے باہر نکل آئے۔

کیپسین کے کنارے تھوڑی دیر تک چہل قدمی کی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سمندر صرف سمندر ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد ہم ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔ چونکہ اس علاقے میں زیادہ تر سفر رات کی تاریکی میں طے کیا گیا تھا، اس لئے بہت سے مناظر ہمیں دن کی روشنی میں اجنبی اجنبی لگے۔ ڈرائیور نے حسب معمول اپنی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا اور اگر ہم سہمے ہوئے نہیں ہوتے تو یقیناً واپسی کے سفر سے بھی پوری طرح لطف اندوز ہوتے۔

ڈرائیور نے ہماری خواہش کے مطابق ٹیکسی نیمروز کے سامنے روک دی۔ ٹیکسی کا پورا کرایہ ادا کر کے ہم اُترے، اور نیمروز میں داخل ہو گئے۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر میں اندر پہنچا تو فیرین بھی میرے پیچھے اندر آ گئی۔ چند لمحے بیٹھنے کے بعد وہ بولی۔ ''اچھا! اب میں چلتی ہوں۔ دوپہر کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

میرے لئے اب اور کوئی مشغلہ نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بقیہ وقت کمرے ہی میں گزارا۔ دوپہر کو وہ تیار ہو کر میرے کمرے میں پہنچ گئی۔ ''آؤ! کھانا نیچے ہی کھائیں گے۔'' اُس نے کہا اور ہم دونوں نیچے چل دیئے۔

نیمروز کا ڈائننگ ہال اس وقت بھی خاصا آباد تھا۔ ویسے بھی یہاں اچھی خاصی رونق رہتی تھی۔ ملکی اور غیر ملکی افراد کی اچھی خاصی تعداد یہاں نظر آتی تھی۔ اس وقت بھی ڈائننگ ہال میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ ہم ایک میز کی جانب بڑھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد کھانے میں مصروف ہو گئے۔ کھانے کے دوران آئرن فیرین کہنے لگی۔ ''میں سوچ رہی ہوں منصور! کہ اخبار میں ایک اشتہار دے دوں۔''

''کس سلسلے میں؟'' میں نے سوال کیا۔

''فصاحت خاطری کے لئے۔ میں اشتہار میں ایک چھوٹا سا مضمون لکھ دوں گی کہ فصاحت خاطری جہاں بھی ہوں، نیمروز کے اس کمرے میں اپنی ایک شناسا سے ملاقات کریں۔ ممکن ہے اس طرح کوئی کام بن سکے۔ ویسے تو وسیع و عریض ایران میں فصاحت خاطری کو تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔''

''سوچ لو۔ اگر اس طرح تمہیں کچھ آسانیاں حاصل ہو سکتی ہیں تو ضرور کرو۔''

''میں یہ اشتہار کوشش کر کے آج ہی اخبارات کو دے دیتی ہوں۔ میرا خیال ہے ہوٹل کا منیجر اس سلسلے میں میری مدد کرے گا۔ تم تصور نہیں کر سکتے منصور! کہ میرے دل میں کیا، کیا خواہشیں ہیں۔ میں اپنی شناخت چاہتی ہوں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ مجھے میرے بارے میں علم ہو جائے۔ پتہ نہیں میرے وہاں سے آ جانے کے بعد اُن لوگوں پر کیا گزری۔''

''حکیم عارفی کی بات کر رہی ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''بالکل ٹھیک۔'' اُس نے جواب دیا۔

''ممکن ہے، اُس نے یہاں فصاحت خاطری سے رابطہ قائم کیا ہو۔ کیونکہ تم کہتی ہو کہ وہ فصاحت خاطری ہی کی ایماء پر تمہاری پرورش کر رہے تھے۔ اب یہ اشتہار اگر فصاحت خاطری کی نظر سے گزرے تو شاید اُس کے دل میں یہ خیال آ جائے کہ وہ تم ہی ہو سکتی ہو جو اُس کی تلاش میں یہاں آئی ہو۔''

''بالکل..... بالکل..... میں نے بھی اسی انداز میں سوچا تھا۔ کھانے کے بعد ہم یہاں سے اُٹھ جائیں گے۔ تم چاہو تو کہیں چلے جانا۔ میں یہ کام کرلوں گی۔'' اُس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ مجھے اُس سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ چنانچہ کھانے کے بعد ہم ڈائننگ ہال سے باہر نکل آئے۔ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں آ گیا۔ راعمیس کو ایک بار پھر پکارا اور اس کی طرف سے جواب نہ آنے پر اس پر ہزار بار لعنت بھیج کر میں اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ کھانے سے ذرا طبیعت بوجھل سی ہو گئی تھی۔ آنکھیں بند کیں تو نیند آ گئی۔

شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے میری آنکھ کھلی تھی۔ منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر لباس تبدیل کیا اور پھر ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ آئرن فیرین کا کمرہ بند تھا۔ وہ ابھی واپس نہیں آئی تھی۔ یوں ہی آوارہ گردی کرنے کے لئے میں سڑکوں پر نکل آیا۔ سڑکوں پر وہی روایتی رونق نظر آ رہی تھی۔ میں آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا کافی دُور نکل گیا اور پھر ایک چھوٹے سے پبلک پارک میں داخل ہو گیا جہاں زندگی کی رونقیں شباب پر تھیں۔ نوجوان جوڑے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گشت کر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت بچے اِدھر سے اُدھر بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ خوانچہ والے اور بہت سے لوگ موجود تھے جو زندگی کی ضروریات فروخت کر رہے تھے۔

میں پارک میں ٹہلتا رہا۔ پھر میں ایک گوشے سے نکل رہا تھا کہ دفعتہً میں نے دو آدمیوں کو اپنی طرف نگراں دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے۔ دراز قامت اور اچھے لباس میں ملبوس تھے۔ اُن میں سے ایک کے منہ میں پائپ دبا ہوا تھا اور وہ اُس کے گہرے گہرے کش لے رہا تھا۔ میں نے جب اُن کی جانب دیکھا تو وہ دونوں اس طرح بے نیاز ہو گئے کہ جیسے اُنہوں نے میری طرف توجہ ہی نہیں دی ہو۔ پتہ نہیں، وہ کیوں ٹھٹکے تھے؟ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ مجھے دیکھ کر چونکے ضرور تھے۔

کہیں کوئی مصیبت نہ نازل ہو جائے..... میں نے سوچا اور پارک سے باہر نکل آیا۔ اس کے بعد میں دیر تک پیچھے مڑ مڑ کر اُن دونوں کو تلاش کرتا رہا تھا، لیکن اُن دونوں میں سے کوئی نظر نہیں آیا۔ چنانچہ میں واپس ہوٹل میں آ گیا۔

شام کو تقریباً ساڑھے سات بجے آئرن فیرین میرے پاس پہنچی تھی اور مجھ سے اپنی کارروائی کی تفصیلات بیان کرتی رہی تھی۔ اُس نے بتایا کہ میں نے تمام اخبارات میں اشتہارات دے دیئے ہیں اور مینیجر نے اُس سے پورا پورا تعاون کیا تھا۔

ڈنر کے بعد ہم دیر تک ہوٹل کی تفریحات میں مشغول رہے اور پھر جب نیند آنے لگی تو اپنے کمروں کی جانب چل پڑے۔ اس وقت تقریباً پونے بارہ بجے تھے۔ آئرن فیرین نے مسکراتے ہوئے مجھے الوداع کہا۔

میں دروازہ کھول کر اندر پہنچا۔ لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر بستر پر لیٹنے ہی جا رہا تھا کہ دفعتہً ہی ایک عجیب سا احساس ہوا۔ غالباً یہ میری چھٹی حس ہی تھی کہ جس نے مجھ سے کہا تھا کہ کمرے میں میرے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔ اور پھر میری نگاہ وارڈروب کی طرف گئی۔ کیونکہ اس کا فاصلہ دیوار سے اتنا تھا کہ کوئی الماری کے عقب میں چھپ نہیں سکتا تھا۔ اسی وقت الماری کے پیچھے سے دو افراد باہر نکل آئے اور انہیں پہچاننے میں مجھے دقت نہیں ہوئی۔ یہ وہی دونوں تھے، جنہیں میں نے پارک میں دیکھا تھا۔ میں بوکھلائے ہوئے انداز میں مسہری سے نیچے اُتر آیا۔ لیکن ان دونوں کے ہاتھوں میں دبے ہوئے پستولوں کا رُخ میری ہی طرف تھا۔ اُن میں سے ایک نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''اگر تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی، تو وہ تمہارے منہ سے آخری آواز ہو گی.....''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُنہیں دیکھنے لگا۔ اُن میں سے ایک میرے قریب پہنچ گیا۔ پھر اُس نے میرے لباس کی تلاشی لے ڈالی۔ لیکن لباس میں کوئی چیز ہوتی تو اُسے ملتی۔ اس کے بعد اُس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر ایک سمت دھکا دیا اور اُسی وقت دوسرے آدمی نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز میری ناک سے لگا دی۔ یہ تو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ بدبودار شے کیا ہے۔ لیکن اس ایک لمحہ میں میرے ہوش و حواس رخصت ہو گئے تھے۔ اور اس کے بعد ماحول میں تاریکی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

یہ تاریکی نہ جانے کب تک میرے ذہن پر مسلط رہی۔ اور جب حواس جاگے تب بھی

یہ تاریکی میری آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی تھی۔ میں اپنے آپ کو محسوس کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ کہاں ہوں؟ بدن کے نیچے بستر محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن.... لیکن گزرے ہوئے واقعات بھی ذہن کے پردے سے ٹکرا رہے تھے۔ میں نے خوفزدہ انداز میں مسہری ٹٹولی اور چند ہی لمحات میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ کم از کم یہ میرے ہوٹل کے کمرے کی مسہری نہیں ہے۔ میں بوکھلا کر اُٹھ بیٹھا۔ پاؤں نیچے رکھے تو کسی نرم اور دبیز قالین کا احساس ہوا۔ جبکہ ہوٹل کے کمرے میں قالین ضرور تھا لیکن اتنا نرم اور شاندار نہیں..... گویا یہ کوئی اور جگہ ہے۔ وہ لوگ، وہ بدبو جس نے میرے حواس سلا دیئے تھے، کسی نشہ آور شے کی تھی۔ ہوسکتا ہے کلورو فارم ہو۔ زندگی میں چونکہ کبھی کلورو فارم سے واسطہ نہیں پڑا تھا اس لئے اس کی بو کو میں نہیں پہچانتا تھا۔ لیکن وہ لوگ کون تھے؟ اور جگہ....؟

میرے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ دل ہی دل میں، میں نے ایک مرتبہ پھر راعمیس کو پکارا۔ لیکن اس کی آواز معدوم تھی۔ مجھے اب خود پر ہی غصہ آنے لگا۔ نہ جانے کیوں میں اسے بار بار پکارتا ہوں۔ اُس روح نے بلکہ بدروح نے مجھ سے میری خود اعتمادی چھین لی تھی۔ میں نے گردن کو جھٹکا اور فیصلہ کیا کہ اب جو کچھ بھی کروں گا، اپنی ہی ذات کے سہارے کروں گا۔ کم از کم یہ تو پتہ چلے کہ یہ لوگ کون تھے، اور کم بختوں نے مجھے کیوں اغواء کرلیا تھا....؟ لیکن اس تاریک جگہ کے بارے میں کچھ تو معلوم ہو۔ یہاں تاریکی اس قدر پھیلی ہوئی ہے۔ ممکن ہے، رات ہی کا وقت ہو۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور فرش پر چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ تاریکی اتنی گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ایسی حالت میں کیا چیز تلاش کرسکتا تھا؟ لیکن ناک کی سیدھ میں چلتا ہوا بالآخر ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا اور پھر دیوار کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ الیکٹرک سوئچ جتنی بلندی پر لگائے جاتے ہیں، اتنی بلندی پر ہاتھ پھیرتا ہوا دیوار کے سہارے سہارے آگے بڑھتا رہا۔ پھر کسی چیز سے ٹکرایا اور اس کے گرنے کی آواز بلند ہو گئی۔ وہ غالباً دھات کی کوئی چیز تھی۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے جھکا اور دیوار پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ دیئے۔ پتہ نہیں کیا چیز گری تھی؟

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتہً چٹ کی آواز ہوئی اور روشنی پھیل گئی۔ اندھیرے سے اچانک روشنی میں آتے ہوئے میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔ لیکن میں کمرے میں کسی کے سانسوں کی بازگشت سن رہا تھا۔ میں نے خود کو سنبھال کر اُس کی طرف دیکھا تو

ایک دراز قد آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اُس کا سر گنجا تھا۔ ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ سامنے ہی ایک دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یقیناً وہ اس کھلے ہوئے دروازے سے اندر آیا تھا اور اب کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ جو چیز نیچے گری تھی، وہ ایک پیالہ نما گلدان تھا جو ایک خوبصورت سے سٹینڈ پر رکھا ہوا تھا۔ میں اُس شخص کی طرف دیکھنے لگا، جو مجھے کینہ توز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''کون سی جگہ ہے یہ؟ کون ہو تم؟'' میں نے اُس سے پوچھا۔

اس نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''تم وقت سے پہلے ہوش میں آگئے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ پھر بے ہوش ہو جاؤ۔ تمہیں کم از کم دن کے دس بجے ہوش میں آنا ہے۔''

''فضول بکواس مت کرو۔'' میں غصیلے انداز میں اُس کی طرف بڑھا تو اُس نے پستول والا ہاتھ میری طرف کر دیا۔

''مجھے اجازت ہے کہ میں تمہارے پیروں کو زخمی کر دوں۔''

''ارے واہ! بلا وجہ زخمی کر دو..... میں نے کیا بگاڑا ہے تم لوگوں کا؟''

''یہ دس بجے ہی معلوم ہوگا اور اس سے پہلے تمہیں صرف بے ہوش رہنا ہے۔''

''نہیں.... میں دس بجے تک انتظار کرلوں گا۔ بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''یہ کام کی بات ہوئی نا'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ قد و قامت میں بھی بہت زیادہ تھا۔ اگر میں اُس سے لڑنے کی کوشش کرتا تو مجھے ہی نقصان پہنچتا۔ چنانچہ میں نے صبر کیا اور واپس مسہری پر جا بیٹھا۔ وہ شخص چند لمحات مجھے گھورتا رہا۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر گلدان اُٹھا کر اپنی جگہ پر رکھا، پھول اُس میں جمائے اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ دروازہ باہر سے بند ہو گیا تھا، لیکن اُس نے لائٹ بند نہیں کی تھی۔ میں مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا اور پریشان نگاہوں سے کمرے کے ماحول کو دیکھنے لگا۔ یہ ایک وسیع کمرہ تھا۔ جس میں قالین کی مناسبت سے بہترین چیزیں سجی ہوئی تھیں، خواب گاہ ہی معلوم ہوتی تھی۔ وہ مسہری بھی بہت شاندار تھی۔ ہوٹل کی مسہری سے زیادہ شاندار تھی، جس پر میں لیٹا رہا تھا۔ لیکن یہ کون سی جگہ ہے؟ اور مجھے اغواء کر کے لانے والے کون لوگ ہیں؟ جس شخص کو دیکھا تھا، وہ تو شکل ہی سے غنڈہ نظر آتا تھا۔ مقامی آدمی ہی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کم بخت بے پناہ تن و توش کا مالک۔ ظاہر

ہے، رستم اور سہراب کی سرزمین کا باشندہ تھا۔ لیکن میں اس سے یہاں کشتی نہیں لڑنا چاہتا تھا۔

میں پھر انتظار کرنے لگا۔ صبح کی روشنی آہستہ آہستہ پھوٹنے لگی تھی، جس کا احساس دروازوں اور کھڑکیوں سے ہو رہا تھا۔ اور پھر اُجالا پوری طرح نمودار ہو گیا۔ میرے لئے کوئی کام نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ بیٹھا رہوں، سوچتا رہوں۔ راعمیس کا نام میں اب بھول کر بھی اپنے ذہن میں نہیں لینا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ غصہ اسی پر آ رہا تھا۔ اسی کم بخت کی وجہ سے مری یہ حالت زار ہوئی تھی۔

گھڑی میں سات بجے تھے جب دو افراد اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جس سے میری ملاقات ہو چکی تھی۔ دوسرا باورچی قسم کا آدمی تھا جو ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا لا رہا تھا اور ٹرالی پر ناشتے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ اس شخص نے مجھ سے ناشتہ کرنے کے لئے کہا اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر باہر نکل گیا۔

میں نے ایک نگاہ ناشتے پر ڈالی اور پھر گردن جھٹک کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ناشتے پر غصہ کیوں اُتارا جائے؟ ملحقہ باتھ روم میں منہ ہاتھ دھویا، دانت وغیرہ صاف کئے اور باہر نکل کر ناشتے میں جت گیا۔ اب جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ آج تک تو یہی ہوتا رہا تھا۔ میرا کسی بھی سلسلے میں کوئی اختیار نہیں تھا۔ میں حالات کے ہاتھوں راستے کا پتھر بنا ہوا تھا۔ جس کا دل چاہے، جدھر لڑھکا دے۔ چنانچہ زندگی کا جب یہی مقصد رہ گیا تھا تو خود پر یا حالات پر طیش کھانے سے کیا فائدہ؟

خدا خدا کر کے دن کے دس بجے اور میں نے کم از کم یہ بات محسوس کی کہ یہ لوگ زبان کے پابند ہیں۔ دس بجے دو آدمی اندر آئے۔ اس بار وہ گنجا اندر آیا تھا اور اس کے ساتھ دوسرا آدمی تھا جو جسامت میں کسی بھی طور اُس گنجے سے کم نہیں تھا۔ لیکن لباس وغیرہ، شکل و صورت سے قدرے مہذب نظر آتا تھا۔ اُس کے بال حیرت انگیز طور پر سفید تھے۔ جب کہ اس کی عمر سے ان سفید بالوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

''آؤ!'' اُس نے گونج دار آواز میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔

میں نے چند لمحے سوچا اور پھر یہ جائزہ لینے کے لئے کہ دیکھوں تو سہی کہ یہ لوگ آخر مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ اُن دونوں کے پیچھے پیچھے نکل آیا۔ دروازے کے پیچھے ایک پتلی سی

راہداری تھی جس میں دو آدمی بیک وقت گزر سکتے تھے۔ ان میں سے ایک میرے پیچھے ہو گیا، دوسرا آگے۔ گویا مجھ پر نگاہ بھی رکھ رہے تھے اور میری طرف سے مشکوک بھی تھے۔ اس طرح مجھے لئے ہوئے وہ لوگ ایک اور کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ایک تیسری شخصیت ایک سیاہ میز کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کے قد و قامت کا اندازہ تو نہیں ہو سکا لیکن اس کے چوڑے شانوں اور پُر وقار چہرے سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ ان دونوں میں نمایاں شخصیت کا حامل ہے۔ اُس نے تیکھی اور طنزیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آیئے مسٹر باتش! آپ کا کیا خیال تھا کہ آپ ہماری آنکھوں میں دُھول جھونک کر آسانی سے نکل جائیں گے؟ لیکن آپ کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ ہم لوگ جس سے معاہدہ کرتے ہیں، اُسے ہر قیمت پر اپنا مطیع دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کا سابقہ ریکارڈ بلاشبہ بہت خطرناک ہے۔ لیکن آپ کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا مسٹر باتش! کہ آپ کا واسطہ کن لوگوں سے ہے اور آپ کس کے لئے کام کر رہے ہیں۔''

''سبحان اللہ! یہ آپ نے مجھے نیا نام دیا ہے۔'' میں نے کہا۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اپنی مادری زبان میں گفتگو کریں؟'' اُس شخصیت نے کہا۔

''مم.... میرا مقصد ہے، تم اور میں..... ٹھیک ہے، مجھے اپنی مادی زبان بولنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' میں نے اس بار اُردو میں کہا۔

وہ شخص چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''غالباً تم اُردو بول رہے ہو۔''

''مادری زبان کی بات کی تھی نا تم نے.....''

''اوہو! یہ تمہاری مادری زبان اُردو کب سے ہوگئی مسٹر باتش؟'' اُس نے سوال کیا۔

''تم اگر میرا نام تبدیل کرنے پر تلے ہوئے ہو تو مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ایک بات تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا نام باتش نہیں ہے، بلکہ منصور کے نام سے پکارا جاتا ہے۔''

''گویا اب تم پاگل پن کا مظاہرہ کرو گے؟'' اُس شخص نے کہا۔

''میں پاگل پن کا مظاہرہ ابھی نہیں کروں گا۔ اگر تم لوگ مجھے باتش بنانے پر تل گئے تو

پھر شاید میں پاگل ہی ہو جاؤں۔''

''ہمارے پاس ہر قسم کے پاگل پن کا موثر علاج ہے مسٹر باتش! لیکن آپ انتہائی غلط انسان نکلے۔ آپ کے بارے میں تو ہمیں یہ پتہ چلا تھا کہ آپ معاوضہ لینے کے بعد نہایت ایمانداری سے اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ برے آدمیوں میں آپ کو ایک اچھا آدمی تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے آپ کو ہمارے مقصد پر چلنے سے روک دیا؟ آپ جانتے ہیں مسٹر باتش! کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ ایران کے بہترین مفاد میں ہے۔ آپ کو ایران کا باشندہ ہونے کی حیثیت سے ذہنی طور پر بھی اس کام کے لئے تیار ہونا چاہئے تھا۔ لیکن آپ نے انتہائی بد دیانتی کا ثبوت دیا اور اپنے معاوضے کی آدھی رقم وصول کر لینے کے باوجود آپ نے راہِ فرار اختیار کی۔ آپ سے پہلے ہی پوچھ لیا گیا تھا کہ آپ خوشی سے ہمارا کام کرنے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟ اگر آپ یہ کام نہیں کرنا چاہتے تھے تو پہلے بھی انکار کر سکتے تھے۔ لیکن اب صورتِ حال مختلف ہے۔ آپ ہمارے رازدار بن چکے ہیں اور اس رازداری کے بعد ہمارے لئے یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ ہم آپ کو تنہا چھوڑ دیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اب ہم کو خطرہ بھی لاحق ہو گیا ہے کہ کہیں آپ ہمارے دشمنوں کے ہاتھ نہ بک گئے ہوں۔''

''میرے بھائی! میرے پیارے بھائی! ایک بار پھر اپنی ان چھوٹی چھوٹی آنکھوں پر غور کر لو جن میں شاید حقیقتوں کو پرکھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ میرا نام باتش نہیں، منصور ہے۔ ذرا غور سے دیکھ لو میرا یہ مکروہ چہرہ۔ جو ساری زندگی ہی مجھے مصیبتوں میں پھنساتا رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے اس بار پھر یہ چہرہ میرے ساتھ کوئی مذاق کر رہا ہے۔''

بھاری بھرکم شخص کی آنکھوں میں طنز کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بیٹھ جائیے مسٹر باتش! بیٹھ کر گفتگو کرنا بہتر رہے گا۔ ایک بات اور عرض کر دوں کہ ان حالات کے باوجود ہم آپ سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ اس ماحول کو قائم رہنے دیں۔''

''گویا باتش بنے بغیر چارہ کار نہیں ہے؟''

''بننے کی ضرورت نہیں۔ آپ باتش ہیں۔''

''گنجائش نکال لو.... گنجائش نکال لو برادر! کہیں تمہیں بعد میں افسوس نہ کرنا پڑے۔ اور

ایک بات اور سن لو کہ اگر تم نے اپنا کوئی گہرا راز باتش کو سونپا ہے تو مجھے اس راز میں شریک کار بنانے کی کوشش مت کرو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اصل باتش تمہیں مل جائے گا تو پھر تم اس تشویش کا شکار ہو جاؤ گے کہ میں بھی تمہارے راز سے واقف ہو چکا ہوں اور بلا وجہ میری جان کے لئے مصیبت کھڑی کر دو گے۔ اور پھر اپنے راز میں مجھے شریک کرنے سے پہلے ایک بات پر پوری طرح اطمینان کر لو کہ میں باتش نہیں ہوں۔ اس کے باوجود اگر تم کچھ بتانا چاہتے ہو تو بتا دو۔ بعد میں میرا قصور نہیں ہوگا۔''

''کچھ کہنا ہی بے کار ہے مسٹر باتش! آپ نے اپنے آپ کو باتش تسلیم نہ کر کے ہمارے منصوبوں کو ناقابلِ تلافی ٹھیس پہنچائی ہے۔ پہلے ہم آپ کو مطمئن کرنا پسند کرتے ہیں اور یاد دلا دینا چاہتے ہیں کہ آپ باتش ہی ہیں۔ باقی تمام باتیں بعد میں ہوں گی۔''

''چیف! اگر مجھے اجازت ہو تو میں اِسے یاد دلا دوں کہ یہ کون ہے؟'' گنجے نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''مسٹر باتش کے ساتھ ہم کوئی سخت سلوک کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن حالات عجیب سا رُخ اختیار کر گئے ہیں۔ تاہم انہیں موقع دیا جائے۔ انہیں ان کی رہائش گاہ میں چھوڑ آؤ۔ اور ہاں مسٹر باتش! جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آپ باتش نہیں ہیں تو پھر یہ بھی بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ تاکہ آپ کے بارے میں چھان بین کر لی جائے۔ آپ کو علم ہے کہ ہمارے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے اور ہمارے منصوبے کی ابتداء میں صرف چالیس گھنٹے رہ گئے ہیں۔''

''میرا نام منصور ہے اور میں کون ہوں؟ اس بارے میں بتانا بالکل بے کار ہوگا، میرے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی۔''

''آپ کا قیام کہاں ہے؟''

''ہوٹل نیمروز میں۔'' میں نے جواب دیا اور کمرہ نمبر بھی دُہرا دیا۔

''بہتر ہے۔ یہ معلومات بھی حاصل کر لی جائیں گی اور میرا خیال ہے کہ کچھ اور لوگوں کو بھی تصدیق کے لئے طلب کر لیا جائے گا۔ اُس وقت تک آپ کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کریں، ورنہ ہمارے لئے یہ مشکل ہو جائے گا کہ ہم آپ کو زندہ رکھیں۔ اپنے منصوبے کی تکمیل کے لئے ہم میک اپ سے بھی کام چلا سکتے ہیں۔ لیکن میک اپ بہت

زیادہ پائیدار ثابت نہیں ہو گا۔ آپ یہ کام با آسانی کر سکتے تھے کیونکہ آپ اس کے لئے نہایت موزوں تھے۔ تاہم اب یہ نیا مسئلہ آپ نے کھڑا کر دیا ہے تو اس کے لئے تھوڑی سی کارروائی کرنا پڑے گی...... جاؤ! لے جاؤ اسے...... بند کر دو۔'' آخر میں اُس نے اپنا شرافت اُتار کر کندھے پر ڈال لی اور وہ دو آدمی بھی مجھے دھکیلتے ہوئے دوبارہ میری رہائش گاہ میں قید کر گئے۔

...... یا الٰہی! کس مصیبت میں پھنس گیا؟ اب اس نئی مصیبت سے چھٹکارہ کیسے حاصل ہو گا......؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

اُسی وقت میرے کانوں میں راعمیس کی آواز اُبھری۔ ''باتش بن جاؤ! کیا حرج ہے؟'' میرے تلوؤں سے لے کر سر تک آگ سلگ اٹھی تھی۔ غصے کی شدت کی وجہ سے میرے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

راعمیس کا ہلکا سا قہقہہ میرے کانوں میں اُبھرا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''دیکھو دوست! مجھے یقین ہے کہ تم عادت کے مطابق مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دو گے۔ لیکن میں بھی تم سے جو تعاون کر رہا ہوں، اس پر بھی تم نے غور کیا؟ اگر ان میں سے کوئی بھی شخص تمہیں انگلی بھی لگا دیتا تو اُس کے ہاتھ پر کوئی بھی انگلی باقی نہیں رہتی۔''

''چلے جاؤ...... میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے......'' میں نے فضا میں گھونسا نچاتے ہوئے کہا۔

''میرے ساتھ یہی ایک آسانی ہے کہ میں مجسمہ نہیں ہوں۔ ورنہ شاید تم مجھ پر حملہ کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن سوچو...... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو! یہاں سے نکل کر جانا چاہتے ہو تو بھلا کون تمہارا راستہ روکے گا؟ لیکن ایک منٹ...... صرف ایک منٹ میری جان! میری بات تو سن لو......''

''راعمیس! میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔ دیکھو! میری زندگی سے نکل جاؤ۔ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے ساتھ اب ایک لمحہ بھی نہیں گزار سکتا۔''

''آہ، میرے دوست! میں نے تمہارے لئے صدیاں گزاری ہیں اور تم میرے ساتھ ایک لمحہ نہیں گزار سکتے۔ تم مجھے بتاؤ! اس دوران میں نے تمہیں کب تکلیف پہنچائی ہے؟ کون سی جگہ تم مصیبت کا شکار ہوئے تھے؟ آرام کرتے پھر رہے ہو۔ اس خوبصورت ملک

کی سیاحت بھی کر رہے ہو اور ایک حسین لڑکی کا تمہیں قرب بھی حاصل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم فطرتاً احمق ہو۔ لیکن میں نے کسی بھی مسئلے میں ٹانگ نہیں اڑائی بلکہ تم سے اتنی دور رہا کہ تمہیں میری موجودگی کا احساس بھی نہ ہو۔ جانتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟ میں تمہارے ذہن پر مسلط رہ کر تمہیں بد اعتمادی کا شکار نہیں ہونے دینا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ تم جب بھی محسوس کرو گے تو تمہارے اندر ایک جھجک پیدا ہو جائے گی اور تم اپنی خواہشات کو وہ شکل نہیں دے سکو گے، جو تم دینا چاہتے ہو۔ اس لئے تم سے دور چلا جاتا ہوں۔ تاہم خیال رکھتا ہوں تمہارا کہ اگر تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو فوراً تمہاری مدد کے لئے پہنچ جاؤں۔''

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے راعمیس! مجھے تمہاری مدد کی بالکل ضرورت نہیں ہے......''

''چلو ٹھیک ہے۔ کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ میں تمہاری خواہش کے بغیر تمہاری مدد بھی نہیں کروں گا۔ لیکن مجھے ذرا بتاؤ تو سہی کہ تمہیں تکلیف کیا ہے میرے بھائی؟ بقول تمہارے تم اپنے ملک سے مصر پہنچے تھے۔ عبداللہ نامی شخص لایا تھا۔ اور تمہیں وہاں کا دولت مند شخص بنانا چاہتا تھا۔ تم نے اس کے لئے کوششیں کیں۔ نقصانات اٹھائے خطرات میں تھے تو میں نے تمہاری مدد کی۔ صرف اس وجہ سے کہ تم میرے عزیز ترین دوست راعمساس کے ہم شکل ہو لیکن تمہارے اندر راعمساس کی فطرت کا ایک بھی پہلو نہیں ہے۔ وہ میرے لئے جان دینے پر آمادہ رہتا تھا جبکہ تم مجھ سے ہمیشہ بیزاری کا اظہار کرتے رہے ہو۔ تاہم میں نے یہ بات قبول کر لی۔ میں نے اپنی دُنیا سے بغاوت کی۔ برزخ کا مجرم بنا اور اس وقت سے تمہارے پیچھے پیچھے لگا پھر رہا ہوں۔ ایک خواہش، ایک شوق ہی ہے نا۔ یہ ہی خواہش تمہارے دل میں بھی تھی نا! تم بھی تو دُنیا میں اپنی زندگی عیش و عشرت سے بسر کرنا چاہتے تھے اپنے ملک میں اگر چلو تمہیں کچھ مل بھی جاتا تو کیا کرتے وہیں پر رہتے نا! یا پھر سیاحت بھی کرتے تو اب وہی سب کچھ کر رہے ہو۔ فرق بس اتنا ہے کہ میں تمہیں بس کسی ایک جگہ قیام نہیں کرنے دینا چاہتا۔ میری صرف اتنی سی خواہش کا احترام نہیں کرتے۔ تم جانا چاہو تو جاؤ نکل جاؤ کوئی تمہیں نہیں روکے گا لیکن میرا مشورہ ہے زندگی کی ان ہنگامہ خیزیوں اور دلچسپیوں میں حصہ لو میں ان سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ مجھے تو بے حد مزہ آ

رہا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ۔ یہ لوگ اگر تم سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں اور باتش ہی بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو باتش بن جاؤ۔ دیکھو تو سہی کہ یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟''

''تمہیں معلوم ہے۔ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟''

''یقین کرو نہیں معلوم۔ میں ہر ایک کے ذہن میں نہیں جھانک سکتا۔ وہ جس کا تعلق تم سے ہو جائے اس کا ذہن اور اس کے اقدامات کے بارے میں جاننا میرے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ ورنہ یہ تو وسیع و عریض دُنیا ہے اور مجھ پر بے شمار پابندیاں ہیں ہر ایک کے ذہن میں نہیں جھانک سکتا۔''

''لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں جو اُن کے ملک کے مفاد میں ہے۔ مجھے بھلا کیا ضرورت پڑی ہے۔''

''پھر وہی بات، کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تمہاری زندگی کا کوئی مقصد ہے تو ٹھیک ہے تم اس پر کام کرو اور اگر نہیں ہے تو واقعات تمہیں جس ڈگر پر لے جا رہے ہیں چلتے رہو! مزہ تو آ رہا ہے نا کم از کم.....''

''مزہ صرف تمہیں آ رہا ہے مجھے نہیں۔''

''اگر مجھ پر یہ الزامات لگائے جاؤ گے تو میں بددل ہو جاؤں گا۔ ایک بات سن لو۔ کرنا تمہیں وہی ہے جو حالات کہیں گے۔ چلو ٹھیک ہے میں تم سے الگ ہوا چلا جاتا ہوں۔ تم مجھے جب تک آواز نہیں دو گے تمہارے نزدیک نہیں آؤں گا۔ جاؤ نکل جاؤ یہاں سے، چلے جاؤ، جہاں دل چاہے جو کچھ بھی کرو۔ میں نے قنطارہ کو بھی تمہاری وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ کیا تمہیں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ کیپسین میں جب تم ایک ہوٹل میں مقیم تھے اور تمہاری نگاہیں محبت کے تبادلے کر رہی تھیں تو میں تم سے بہت زیادہ دُور نہیں تھا لیکن میں نے دل پر جبر کیا۔ اور سوچا کہ قنطارہ زمانہ قدیم کی عورت تھی۔ میری خادمہ مجھ سے محبت کرنے والی لیکن زمانہ جدید میں وہ آئرن فرین تھی اور میرے دوست کے ہم شکل راعماس میں دلچسپی رکھتی ہے تو مجھے ان کے معاملات میں ٹانگ نہیں اڑانا چاہئے میرا انصاف دیکھو اور اپنا رویہ دیکھو۔'' اس نے کچھ ایسے دردناک لہجے میں کہا کہ مجھے ہنسی آ گئی۔

''راعمیس! بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے تم نے۔ میں خود تو اعتماد کرنا چاہتا ہوں اور جب خود کو اس کے لئے تیار کرتا ہوں تو تم غائب ہو جاتے ہو اور میرا راستہ کاٹ دیتے ہو۔''

''نہیں، نہیں..... اب میں تمہارا راستہ کاٹوں گا۔ میرا وعدہ۔'' اس نے کہا اور میں پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

''لیکن تم اس دوران کیا کرتے رہے ہو؟'' میرے سوال کے جواب میں راعمیس کی آواز نہیں اُبھری تو میں نے اُسے پھر پکارا۔ ''راعمیس.....'' لیکن اس کے وجود کا کوئی احساس نہیں تھا کئی آوازیں دینے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ اب اس جگہ موجود نہیں ہے۔

میں ٹھنڈے دل سے حالات پر غور کرنے لگا ایک طرح سے راعمیس ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ واقعی جس کی زندگی کا کوئی لائحہ عمل نہ ہو، اُسے حالات میں کافی دلچسپیاں شامل کر لینی چاہئیں۔ چنانچہ غور و خوض کرنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے خود کو باتش تسلیم کر لینا چاہئے دیکھیں تو سہی یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کو وہی دونوں افراد کھانا لے کر آئے جو میرے لیے صبح کا ناشتہ لے کر آئے تھے۔ گنجا آدمی مسلسل تمسخرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''کھانا کھالو میرے دوست! اور اس کے ساتھ ساتھ ہی چیف نے یہ سوال بھی کیا ہے کہ اگر تم نے کوئی رائے قائم کر لی ہو تو مجھے جواب دے دو۔''

''میں تمہارے چیف سے ملنا چاہتا ہوں'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ کھانا کھالو، میں اطلاع دے دیتا ہوں۔ چیف جس وقت بھی تمہیں طلب کرے گا۔ تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا''۔ وہ واپس نکل گیا تھا۔ دروازہ حسب معمول بند ہو گیا تھا۔

میں نے کھانے پر حملہ کر دیا اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ خوب ڈٹ کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد دانت وغیرہ صاف کر کے مسہری پر جا لیٹا۔ آرام سے سونا چاہتا تھا۔ قسمت نے زندگی میں عیش ہی عیش لکھے ہوئے تھے۔ اس سے قبل میں نے ایسی آرام دہ زندگی کا تصور بھی نہیں کیا تھا اور اگر اس کے لئے تھوڑی سی ذہنی پریشانی برداشت کرنا پڑ رہی تھی تو کوئی حرج نہیں تھا۔ جسے جب ہوش آجائے گا۔ مجھے میری حقیقت پر چھوڑ دے گا۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ حماقتیں کرتا پھروں۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں باتش ہوں۔

شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے آنکھ کھلی۔ اس دوران کسی نے مجھے ڈسٹرب نہیں کیا تھا۔ جاگنے کے بعد غسل خانے میں پہنچ گیا نہایا، دھویا۔ اس کمرے میں البتہ اب کوفت محسوس ہونے لگی تھی، یہاں سے باہر جانا چاہتا تھا۔ آئرن فیرین کئی بار یاد آئی۔ مجھے نہ پا کر اس کی نہ جانے کیا کیفیت ہوئی ہو گی۔ لیکن جہنم میں جائے مجھے کسی سے کیا دلچسپی ہے۔ وہ اپنے معاملات میں خود مختار ہے اس نے فصاحت خاطری کی تلاش میں اشتہار دیا تھا ممکن ہے

اس اشتہار سے اس کا مقصد حل ہو جائے۔ بہرحال وہ اپنا سراغ پالے گی تو اپنی راہ لے گی مجھے اس سے کیا مل سکتا ہے البتہ اس کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات دل میں گدگدی پیدا کر رہے تھے۔ زندگی کے ان راستوں پر کبھی سفر نہیں کیا تھا۔ حالات نے موقع ہی نہیں دیا تھا حالانکہ اس سے قبل بھی، اس قسم کے واقعات پیش آچکے تھے کئی لڑکیاں میرے نزدیک پہنچی تھیں اور میں نے دل ہی دل میں ان کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا۔ لیکن آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں پائی تھی ان میں رباب تھی، ابوسلمان کی بیٹیاں تھیں، اور سب سے آگے بڑھ کر، شہ پارہ تھی جس نے آگے بڑھ کر میرے سلسلے میں بہت کچھ چاہا تھا۔ بہرطور اس کے مواقع کبھی حاصل نہیں ہوئے تھے۔ آئرن فیرین ایک اچھے دوست کی حیثیت سے کئی دن میرے ساتھ رہی تھی لیکن جہاز میں اس سے زیادہ قربت ہو نہیں سکی تھی اور گزرے ہوئے دو دن بلاشبہ اُسے میرے بہت قریب لے آئے تھے۔ اگر معاملات اس انداز میں کچھ اور آگے بڑھتے تو شاید ہم دونوں ایک دوسرے کو ذہنی طور پر قبول بھی کر لیتے۔ لیکن یہ سب کچھ ابھی میری تقدیر میں نہیں تھا۔ آئرن فیرین کو ذہن سے جھٹک دیا۔ وہ اپنے معاملات کی خود مختار ہے میں تو خود اپنے حالات پر قادر نہیں ہوں کسی کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ یہ فیصلہ کر کے میں مطمئن ہو گیا تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ باتش کی حیثیت سے اپنے آپ کو تسلیم کر کے میں ان سے کہوں گا کہ نگرانی میں ہی سہی لیکن کم از کم باہر نکلنے کی سہولت تو فراہم کی جائے۔ اس بھاری بھرکم شخص نے کہا تھا کہ چالیس گھنٹے کے اندر اندر مجھے کوئی کام انجام دینا ہے۔ پتہ نہیں یہ کام کس قسم کا ہے۔ ہونہہ! جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا۔

ساڑھے آٹھ بجے تک کوئی میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے تعجب ہوا تھا کیونکہ میں نے گنجے کے ہاتھوں اپنا پیغام اس شخص تک پہنچا دیا تھا جسے گنجے نے شاید چیف کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ آٹھ بج کر پینتیس منٹ ہوئے تھے جب دروازہ کھلا اور چار بالکل ہی نئے آدمی اندر داخل ہو گئے یہ بھی مقامی ہی تھے۔ لباس اور چہروں سے مہذب نظر آتے تھے۔ انہوں نے میرے قریب پہنچ کر مجھے حیرانی سے دیکھنا شروع کر دیا میں خاموشی سے ان کی صورتیں دیکھ رہا تھا پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''آیئے'' اور میں نے ان کے ساتھ وہاں سے باہر نکل آیا کسی قسم کا سوال بے مقصد ہی تھا۔ کوئی فائدہ ہی نہیں ہوتا اس سے۔ اسی راہداری سے گزارنے کے بعد جس سے پچھلی بار

مجھے گزار کر لے جایا گیا تھا وہ پھر مجھے اسی کمرے میں لے آئے پانچ افراد بیٹھے ہوئے
تھے۔ درمیان میں وہ بھاری بھرکم آدمی موجود تھا جو صورت ہی سے پُروقار نظر آتا تھا بیٹھے
ہوئے لوگوں نے مجھے دیکھا بغور دیکھتے رہے اور اس کے بعد بھاری بھرکم شخص نے مجھے
بیٹھنے کی پیشکش کی وہ آدمی جو مجھے یہاں لے کر آئے تھے وہ بھی اپنی سیٹیں سنبھال کر بیٹھ
گئے۔ مجھے ان کے درمیان ایسے بٹھا دیا گیا جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں۔ میں نے اپنے آپ کو
بے پروا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا بھاری بھرکم شخص نے اپنے سامنے رکھے ہوئے
سگریٹ کے پیکٹ سے ایک سگریٹ نکالی اور اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''سگریٹ پلیز۔''

''نہیں، شکریہ...... میں سگریٹ نہیں پیتا۔''

''کیا فیصلہ کیا آپ نے...... اپنے بارے میں؟''

''ٹھیک ہے میں باتش ہوں'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن یہ انداز تو اس قسم کا اظہار کرتا ہے کہ جیسے آپ باتش نہ ہوتے ہوئے
اپنے آپ کو باتش کہنا چاہتے ہیں صرف اس لیے کہ آپ ہمارے چنگل میں آ پھنسے
ہیں۔''

''اس موضوع پر میں مزید بات نہیں کروں گا۔''

مسٹر باتش! آپ کے بارے میں نیمروز کے اس کمرے سے بھی معلومات حاصل کر لی
گئی ہیں جہاں کی نشاندہی آپ نے کی تھی۔''

''وہ حماقت تھی میری، میں بس آپ لوگوں سے بچنے کے لیے اس کمرے میں منصور کے
نام سے مقیم ہو گیا تھا'' میں نے جواب دیا۔

''مسٹر باتش! آپ کو علم ہے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔''

''میری یادداشت اچانک کچھ خراب ہو گئی ہے جو کچھ مجھے کرنا ہے اس کے بارے میں
آپ ہی لوگ مجھے سمجھا دیں۔''

''ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب اگر ہم آپ کو اس کام کے بارے میں بتا دیتے ہیں تو کیا
آپ ہمارے لئے وہ کام کرنے پر تیار ہو جائیں گے؟''

''یقیناً ہو جاؤں گا۔ وعدہ کرتا ہوں'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کو آدھا معاوضہ ادا کیا جا چکا ہے مزید آدھے معاوضے کے بارے میں آپ کیا
کہتے ہیں؟''

''وہ بھی مجھے دے دیں تو اچھا ہے لیکن اس وقت جب میں آپ کے کام کر دوں۔ فی
الحال مجھے رقم کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے کہ مجھے اس کمرے میں قید نہ رکھا جائے
بلکہ باہر گھومنے پھرنے کی آزادی دی جائے۔''

''ہر کام آپ کی خواہش کے مطابق ہو سکتا ہے لیکن اس وقت جب آپ صدق دل سے
ہمارا کام کرنے پر رضامند ہو جائیں'' بھاری بھرکم شخص نے کہا۔

''اس خلوص کا اظہار میں کیسے کر سکتا ہوں اگر آپ اس کا کوئی مناسب طریقہ بتا دیں تو
میں حاضر ہوں۔''

''کہہ سکتے ہیں'' اس شخص نے کہا اور میز پر لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

''گھنٹی کی آواز کہیں دُور اُبھری تھی لیکن اس کی بازگشت یہاں تک سنائی دے رہی تھی
چند ہی لمحات کے بعد دروازہ کھلا اور کچھ لوگ ایک تابوت دھکیلتے ہوئے اندر لے آئے یہ
تابوت ایک ٹرالی پر رکھا ہوا تھا۔ لانے والوں میں وہ گنجا بھی شامل تھا۔

''میں نے متحیرانہ انداز میں تابوت کو دیکھا۔ گنجے نے آگے بڑھ کر تابوت کا ڈھکن ہٹا
دیا۔ تابوت میری نگاہوں کے سامنے تھا اور اسے دیکھ کر میرا چونک پڑنا لازمی امر تھا۔ کیونکہ
نیچے لیٹا ہوا شخص سو فیصد میرا ہم شکل تھا۔ بالکل میرے جیسے خدوخال تھے میری جیسی
جسامت تھی مجھے ایک عجیب سا ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں خود بھی اپنے کسی ہم
شکل کو دیکھ رہا تھا جبکہ اس سے قبل لوگ صرف مجھے دوسروں کا ہم شکل قرار دیتے تھے میرے
منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے میں اس لاش کو دیکھتا رہا پھر میں نے اس
کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور پھر متحیرانہ انداز میں بولا۔''

''کیا یہ مر چکا ہے؟''

''ہاں! افسوس اسے ہلاک کر دیا گیا ہے اس کے سینے میں عین دل کے مقام پر گولی کا
زخم ہے'' بھاری بھرکم شخص نے کہا اور گنجے نے لاش کے سینے سے کپڑا اٹھا دیا۔

''مگر، مگر، یہ کون ہے؟'' میں نے متعجبانہ انداز میں سوال کیا۔

باتش......'' بھاری بھرکم شخص کی آواز اُبھری اور میری کھوپڑی میں کھجلی ہونے لگی۔

دل چاہ رہا تھا کہ سر کے بال نوچ ڈالوں اور اتنا کھجاؤں کہ بھیجا باہر نکل آئے۔ میں نے آہستہ سے سر کھجایا اور نہ سمجھنے والے انداز میں بھاری بھرکم شخص کی طرف دیکھنے لگا اس کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے پھر وہ بولا۔ ''یہ حقیقت ہے مسٹر منصور! یہ شخص باتش ہے اور اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔''

''گویا اب میں باتش نہیں ہوں۔'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں، لیکن باتش سے آپ کس قدر ملتے جلتے ہیں اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے ہم نے اسی لیے یہ لاش ابھی تک محفوظ رکھی ہے۔ ورنہ اسے قتل ہوئے چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ اس کے بدن پر اسپرے کر کے بدبو ختم کر دی گئی ہے لیکن اسپرے کا اثر زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ کہیں تو تابوت بند کر دیا جائے۔''

''نہیں مجھے اس کے گلے مل کر دھاڑیں مار مار کر رو تو لینے دو۔ بدبخت میرا ہی ہم شکل کیوں تھا۔'' میں نے کہا اور وہاں بیٹھے ہوئے کچھ لوگوں کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

بھاری بھرکم شخص نے گنجے کو اشارہ کیا اور گنجے نے تابوت کا ڈھکنا بند کر دیا پھر وہ لوگ اس تابوت کو اُسی ٹرالی پر واپس لے گئے میری کھوپڑی فضا میں معلق ہوگئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا گورکھ دھندہ ہے۔ بہرطور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں، میں نے بھاری بھرکم شخص کی طرف دیکھا۔ ''اگر باتش مر چکا ہے، تو آپ لوگوں کو یقین آ گیا ہوگا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہی سچ ہے کہ میں باتش نہیں ہوں۔''

''ہاں ہمیں یقین ہو گیا ہے لیکن اس بات نے ہمیں انتہائی حیران کیا ہے کہ آپ باتش نہ ہونے کے باوجود اس کے ہم شکل کیوں ہیں؟ کیا آپ کے چہرے پر کوئی میک اپ ہے؟''

اس کا بھی اندازہ لگا لیجئے۔ محترم چیف میں حاضر ہوں۔''

میں نے منہ آگے کرتے ہوئے کہا۔

''معاف کیجئے گا مسٹر منصور۔ یہ ہمارے لیے بہت ضروری ہے۔'' بھاری بھرکم شخص نے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا چپٹا سا بکس نکالا اور پھر اس کے اوپری حصے میں کچھ کرنے لگا چند ہی لمحات

کے بعد بکس میں ایک سائفن نمودار ہو گیا اور وہ شخص میرے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے سائفن کی پھواریں میرے چہرے پر ماریں اور میں نے آنکھیں بند کر کے چہرہ پیچھے ہٹا لیا لیکن وہ میرے چہرے پر میک اپ تلاش کرتے رہے پھر میں اطمینان سے بیٹھ گیا۔ چند لمحات انتظار کرنے کے بعد اس شخص نے رومال سے میرا چہرہ صاف کر دیا اور اس کے بعد ٹھوڑی اٹھا کر دیکھنے لگا۔ گردن کے نیچے بھی اس نے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا تھا مگر کوئی چیز ہوتی تو اسے ملتی اس نے گردن خم کر کے کہا۔

''نہیں جناب! یہ اصلی چہرہ ہے''

''کھال اُتار کر دیکھ لو۔ ممکن ہے کھال کے نیچے کوئی اور چہرہ برآمد ہو جائے'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا لیکن کسی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا بھاری بھرکم شخص سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''آپ کے ساتھ اب تک جو واقعات پیش آئے ہیں مسٹر منصور! ان کے تحت کوئی بھی شخص ہوتا تو اس کی کیفیت آپ سے مختلف نہیں ہوتی۔ وہ ہم سے برگشتہ ہی ہوتا لیکن آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ جس شخص کے دھوکے میں آپ کو اغواء کر کے لایا گیا تھا اس کی اور آپ کی صورت اور جسامت میں سرمو فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ان حالات کے تحت آپ ہمیں کسی حد تک بے گناہ قرار دے سکتے ہیں۔ تاہم انتہائی افسوس کے ساتھ آپ کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کی معافی طلب کی جاتی ہے اور اس اُمید پر کہ آپ فراخدلی سے کام لیں گے۔''

میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ آزاد ہو گیا تھا لیکن ان کے چہروں پر سنجیدگی ہی چھائی رہی۔ ''بڑی دلچسپ باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ۔ مجھے ایک قیدی کی حیثیت سے یہاں لایا گیا ہے اور قید رکھا گیا ہے۔ میں آپ لوگوں کی تحویل میں ہوں اس عذاب سے بچنے کے لیے جو آپ لوگ مجھ پر مسلط کرنے والے تھے میں نے اپنے آپ کو باتش تسلیم کرا لیا تو اب آپ اس بات پر مصر ہیں کہ میں باتش نہیں ہوں، دوستو! ذرا فیصلہ کر لینے دو کہ ہم میں سے پاگل کون ہے۔''

''آپ سب کچھ کہنے میں حق بجانب ہیں مسٹر منصور! اور ہم اپنی اس غلطی کو تسلیم کر چکے ہیں۔''

"تو پھر اب میرے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے یہاں سے باہر نکال دیا جائے۔" میں نے بھاری بھرکم شخص کو بغور دیکھتے ہوئے کہا اور اس کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے پھر اس نے دوسروں کی طرف دیکھا اور پھر گلا صاف کر کے بولا۔

"باتش ہمارے لیے ایک انتہائی اہم شخصیت تھی۔ اس کے ذریعے ہم ایک ایسا کام کرنا چاہتے تھے جو ایرانی حکومت کے مفاد میں ہے اور یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے ہمارے لئے باتش بھی حکومت کا آدمی نہیں تھا۔ بلکہ ایسا غیر متعلق شخص تھا جو معاوضہ لے کر ہر قسم کے کام کر دیا کرتا تھا۔ ایرانی نژاد ہونے کی حیثیت سے وہ اس بات کو تسلیم کر چکا تھا کہ ہمارا کام غیر قانونی انداز کا ہونے کے باوجود غیر قانونی نہیں ہے بلکہ حکومت ایران کو اس وقت درپیش سنگین مسائل میں وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تاہم اس نے ہمارا پیش کردہ معاوضہ قبول کر لیا تھا اور ہم نے اس معاوضہ کی آدھی رقم اسے ادا کر دی تھی۔ لیکن جو کام ہم اس سے لینا چاہتے تھے وہ ہمارے لیے اتنا اہم ہے کہ ہم معاوضے وغیرہ کی فکر نہیں کرتے۔ مسٹر منصور آپ کی قومیت کیا ہے، اور آپ کی مالی حیثیت کیا ہے؟ یہ ہم نہیں جانتے لیکن ایران کے قومی مفاد کے سلسلے میں اگر آپ ہماری تھوڑی سی مدد کر دیں تو اس کے لیے ہم آپ کے انتہائی شکر گزار ہوں گے اور اس شکریہ کے ساتھ ساتھ ہی آپ کو ایک گراں قدر معاوضہ بھی پیش کیا جائے گا جس کی آدھی رقم حسب روایت آپ کو اسی وقت ادا کی جا سکتی ہے۔"

بھاری بھرکم شخص نے اپنی میز کی دراز میں ہاتھ ڈالا اور ایرانی کرنسی نوٹوں کی بہت سے گڈیاں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں، پھر بولا۔

"یہ اتنی رقم ہے کہ آپ اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ، مالی سکون میں بسر کر سکتے ہیں اور اگر آپ مالی طور پر مطمئن آدمی ہیں تو بھی یہ رقم اتنی غیر دلچسپ نہیں ہے کہ کوئی آسانی سے اسے ٹھکرا دے آپ ہماری پیشکش قبول کریں مسٹر منصور! اور باتش بن کر ہمارا ایک بہت !! سا کام کر دیں۔ درحقیقت یہ کام کسی اور کے ذریعے لیا جا سکتا ہے لیکن ہم کسی پہلو کو تشنہ چھوڑنا نہیں چاہتے۔ آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ لاکھوں انسانوں کی بھلائی کے لئے ایک حکومت کی مدد کریں اور مالی فائدہ بھی حاصل کریں۔"

"خوب، خوب....." میں نے آگے بڑھ کر نوٹوں کی گڈیاں دیکھیں اور پھر ان پر ہاتھ رکھ دیا۔ دولت میری کمزوری تھی اور اس کی محرومی نے ہمیشہ مجھے در بدر رکھا تھا۔ چنانچہ اس

بات اس کے علاوہ ذہن میں اور کچھ نہیں تھا کہ میں ایک خاصی بڑی رقم کا مالک بن رہا ہوں۔ کوئی بھی یاد نہیں رہا تھا یہاں تک کہ راعمیس بھی..... اور پھر راعمیس تو ویسے بھی زبانی حد تک رہا تھا۔ کوئی بہت بڑا کارنامہ اس نے میرے لئے انجام نہیں دیا تھا۔ میرے اس انداز پر اُن سب کے چہرے خوشی سے کھل اُٹھے۔

"آپ کا بے حد شکریہ مسٹر منصور! ہر ذی عقل آدمی یہی فیصلہ کرتا اور یوں سمجھ لیجئے کہ اس وقت آپ کا شمار ہمارے بہترین دوستوں میں ہے۔ نہ صرف ہمارے دوستوں میں بلکہ حکومت ایران کے دوستوں میں۔ آپ کی اس منظوری کے بعد آپ کی حیثیت تبدیل ہوگئی ہے اور اب اس عمارت میں آپ ایک معزز مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ براہ کرم یہ رقم اپنی تحویل میں لے لیں، ہمیں خوشی ہوگی۔"

مجھے بھی خوشی تھی، چنانچہ میں نے تمام گڈیاں اپنی جیبوں میں ٹھونس لیں اور اس کے بعد ان تمام لوگوں نے مجھ سے ہاتھ ملائے۔ بھاری بھرکم شخص نے کہا۔ "بس! اب آپ آرام کیجئے میں بہت جلد آپ سے دوسری ملاقات کروں گا۔ دراصل ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، اس لیے آپ کو انتہائی مشکل وقت میں یہ مختصر رول سمجھنا ہوگا۔"

"عمارت وہی تھی کمرہ دوسرا تھا جو پہلے کمرے سے کہیں زیادہ کشادہ اور خوبصورت تھا اپنے کمرے میں آکر میں نے نوٹوں کی گڈیاں گنیں اور پھر سوچنے لگا کہ ان کے تحفظ کا کیا بندوبست کروں؟ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ ظاہر ہے جس کام کے لیے مجھے جانا تھا اس میں نوٹوں کی گڈیاں تو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا لیکن کم از کم یہ بات باعث طمانیت تھی کہ معاملہ ایرانی حکومت کا تھا۔ ممکن ہے مجھے اس خوف سے نجات مل جائے کہ میں یہاں غیر قانونی طور پر داخل ہوا ہوں۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہی بھاری بھرکم شخص اندر آیا اور مسکراتے ہوئے مجھ سے بولا۔

"میرا نام حارث شاہ ہے اور اب آپ سے انتہائی ضروری امور پر گفتگو ہو جانی چاہئے۔"

"میں تیار ہوں مسٹر شاہ!" میں نے کہا۔

"آپ کے بارے میں تفصیلات، مسٹر منصور..... آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟"

میں نے حارث شاہ کو اپنے ملک کا نام بتا دیا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

'' آپ کی گفتگو اور آپ کے لہجے سے ہم لوگوں نے یہ ہی اندازہ لگایا تھا۔ یہاں ایران میں کب تشریف لائے؟''

'' یوں سمجھ لو صرف چند روز قبل۔''

'' آمد کی وجہ؟''

'' آپ یقین نہیں کریں گے مسٹر حارث!'' میں نے جواب دیا۔

''نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ بالکل بے فکر ہو کر اپنے بارے میں بتائیے۔ آپ کی بات کا یقین کیا جائے گا۔''

اور پھر میں نے خالہ شہادت کے گھر سے لے کر نیمروز تک پہنچنے کی ساری روداد اسے سنا دی۔

حارث شاہ متحیرانہ انداز میں اور کسی قدر مشکوک انداز میں میری صورت دیکھتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ''گویا آپ کا کوئی پیشہ، آپ کو کوئی مصروفیت نہیں ہے''؟

نہیں دوست! پیشے اور مصروفیت کے لیے ہی سرگرداں تھا۔''

'' یہ باتیں میری سمجھ میں صحیح طرح نہیں آئیں۔ اس کے باوجود آپ نے جو کچھ کہا ہے، میں اس پر یقین کئے لیتا ہوں اور اگر واقعی آپ کسی گہرائی میں نہیں ہیں تو مسٹر منصور! یوں سمجھ لیجئے کہ اب ایران میں آپ کی حیثیت ایک معزز مہمان کے طور پر تسلیم کر لی جائے گی اور کوئی آپ سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ آپ غیر قانونی طور پر یہاں کیسے داخل ہوئے۔ دوسری بات میں احتیاطاً اور عرض کر دینا چاہتا ہوں مسٹر منصور! وہ یہ کہ اگر آپ کسی ایسے ارادے سے بھی یہاں آئے ہیں جس میں آپ کا مالی مفاد وابستہ ہے اور ایرانی حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، تب بھی اس کام کی انجام دہی کے بعد آپ سے تعاون کیا جائے گا اور ہم لوگ قطعی یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے کہ آپ کی یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟ میں نے نیک نیتی سے یہ الفاظ کہے ہیں۔ ہاں اگر آپ کی آمد کے مقصد میں ایرانی حکومت کا کوئی نقصان ہے تو پھر دوستانہ طور پر آپ سے درخواست کی جائے گی کہ آپ وہ سب کچھ نہ کریں اور یہاں سے چلے جائیں۔ لیکن دوسری صورت میں اگر آپ کا بیان درست ہے تو ہم ہر طرح آپ کی مدد کریں گے اور یہ بات آپ کے لیے باعث اطمینان ہونی چاہئے''

''بالکل ٹھیک..... میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہاں میں کسی غلط مقصد کے

نہیں آیا اور ایرانی انتظامیہ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔''

''چلئے! بات ختم ہوگئی۔ اب میں آپ کو مختصراً آپ کے کام کی تفصیل بتا دوں۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ ایرانی حکومت کا ایک گہرا راز ہے جو آپ کو سونپا جا رہا ہے۔ آپ کا کام صرف اتنا ہوگا مسٹر منصور! کہ آپ کو حکومت ایران کے خلاف ایک اہم راز حاصل کرنا ہے اس کی تفصیل یوں ہے کہ خاتون وحدت بلیغہ بظاہر تو ایرانی شہریت رکھتی ہیں لیکن ان کے بارے میں یہ بات حکومت کے ریکارڈ میں آ چکی ہے کہ وہ کچھ غیر ملکی قوتوں کے لیے کام کر رہی ہے۔ حکومت ایران کا ایک اہم راز، وزارتِ داخلہ سے چوری ہو گیا ہے جس میں خاتون وحدت بلیغہ کا ہاتھ بتایا جاتا ہے یہ صرف شبہ ہی نہیں بلکہ اب ایک ٹھوس حقیقت بن چکی ہے کہ خاتون وحدت بلیغہ ایک شخص کی منتظر ہے جسے اس راز کو ٹھکانے لگانے کا کام انجام دینا ہے اور اس شخص کا نام عاطف کمال ہے۔ نوعمری کے زمانہ میں یہ ملک سے باہر چلا گیا تھا لیکن مقامی باشندہ ہے لیکن اب یہ ہی شخص اس راز کی دشمن ملک کے ہاتھوں فروخت کا ذریعہ بنے گا۔ خاتون وحدت بلیغہ اس شخص کا انتظار کر رہی تھیں۔ ہمیں جب تفصیلات معلوم ہوئیں تو ہم خاتون وحدت بلیغہ پر براہِ راست تو ہاتھ نہیں ڈال سکے کیونکہ خود ان کی شخصیت بھی مستحکم ہے اور ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن عاطف کمال کو ہم نے بڑی ہوشیاری سے یوگوسلاویہ سے گرفتار کر لیا اور اب وہ ایرانی حکومت کا قیدی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عاطف کمال، باتش کا ہم شکل تھا اور آپ ان دونوں کے ہم شکل۔ گویا یہ کام ہم باتش سے لینا چاہتے تھے اس کی موت کے بعد آپ کو اس کا ہم شکل ہونے کی حیثیت سے انجام دینا ہے۔''

میرے پیٹ میں ایک بار پھر قہقہہ مچل گیا تھا۔ یک نہ شد تین شد۔ لیکن اب اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی میرے خدوخال نہ جانے کتنے انسانوں کو دھوکہ دے چکے تھے آنے والے وقت میں اس چہرے کی بناوٹ اور ایک ہلکی سی جنبش سے اس کے تبدیل ہو جانے والے نقوش نہ جانے کس کس مصیبت کا شکار بنیں گے۔ بہرحال میں سنجیدگی سے حارث شاہ کی گفتگو سنتا رہا پھر اس نے کہا۔

''اب آپ کو تھوڑی سی ریہرسل کرا دی جائے گی اور اس کے بعد مقررہ وقت پر آپ کو ایک شاندار پارٹی میں شریک ہونا پڑے گا۔ جس میں آپ کی ملاقات خاتون وحدت بلیغہ

سے ہوگی۔ مختصراً تمام تفصیلات آپ کو بتا دی جائیں گی، تا کہ آپ اپنا کام بخوبی انجام دے سکیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے چنانچہ آپ جلد از جلد اپنے آپ کو اس کام کے لیے تیار کرلیں۔''

''میں اپنی آمادگی کا اظہار کر چکا ہوں مسٹر شاہ!'' میں نے جواب دیا۔

''بہت، بہت شکریہ! ابھی تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگ آپ کے پاس پہنچ جائیں گے جو آپ کی مکمل بریفنگ کر دیں گے۔ مجھے اجازت دیجئے۔''

وہ مجھ سے ایک گرمجوش مصافحہ کر کے اٹھنے لگا تو میں نے کہا۔'' میرے پاس آپ کی ایڈوانس دی ہوئی جو رقم محفوظ ہے، میں اسے کسی بینک میں رکھوانا چاہتا ہوں۔''

''مجھے دے دیجئے۔ میں فوری طور پر اس کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔'' اس نے جواب دیا اور میں نے اس پر بھروسہ کر لیا۔ حارث شاہ چلا گیا اور میں ان دلچسپ واقعات پر غور کرنے لگا۔

مزید کچھ دیر کے بعد ایک دراز قامت عورت، جس کی عمر چالیس سے اوپر تھی لیکن جو اپنے بدن کی بناوٹ اور حسین نقوش کی بناء پر اس عمر میں بھی دلکش لگتی تھی، میرے پاس آ گئی اور مودب لہجے میں بولی۔

''آیئے میں آپ کو بریفنگ روم میں لے چلوں''

میں عورت کے ساتھ چلتا ہوا میں اسی عمارت کے ایک اُوپری حصے میں پہنچ گیا جہاں ایک بہت بڑا ہال بنا ہوا تھا ہال میں تین افراد موجود تھے ایک طرف ایک سکرین لگا ہوا تھا اور اس کے سامنے کی طرف ایک پروجیکٹر رکھا ہوا تھا۔ پھر مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی گئی اور دو آدمی میرے ساتھ بیٹھ گئے۔ تیسرے آدمی نے پروجیکٹر آن کر دیا اور سکرین پر بجلیاں سی تڑپنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چہرہ سکرین پر نظر آیا اور میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بتایا کہ یہ وحدت بلیغہ ہے۔ وحدت بلیغہ کے بارے میں اسی نے مجھے مختصر تفصیل بھی بتا دی کہ وہ ایران کے ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے تعلقات خاصے وسیع ہیں پھر مجھے اصل، عاطف کمال کی صورت دکھائی گئی اور یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ مجھ سے یا باتش سے مختلف نہیں تھا اس شخص کے بارے میں مکمل تفصیلات مجھے بتائی گئیں اور اس کے بعد عاطف کمال کی ایک فلم چلائی گئی ... میں اسے کھاتے، پیتے

بولتے، سوتے دکھایا گیا تھا۔ اور میں اس کے ایک ایک انداز کو نوٹ کر رہا تھا تین بار یہ فلم مجھے دکھائی گئی اور مجھ سے پوچھا گیا کہ کیا میں مطمئن ہوں تو میں نے جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک..... اس سے زیادہ ضرورت نہیں ہے۔ اس کی نقل با آسانی میں کرسکتا ہوں۔''

عاطف کمال کی آواز بھی مجھے سنائی گئی تھی جس میں اور میری آواز میں فرق ضرور تھا لیکن اتنا زیادہ نہیں اگر میں تھوڑی سی محنت کر کے بولنے کی کوشش کرتا تو اس میں ناکام نہیں رہتا۔ اس کے بعد مزید کچھ دیر تک مجھے تفصیلات بتائی جاتی رہیں کہ مجھے خاتون وحدت بلیغہ سے کس طرح ملنا ہے کیا گفتگو کرنی ہے اور اس کے آئندہ کے حالات کے لئے کیا صورت حال پیش آئے گی؟ اور کس طرح میرا رابطہ حارث شاہ کے آدمیوں سے رہے گا؟ یہ تمام باتیں ذہن نشین کرانے کے بعد مجھ سے ان کے سلسلے میں مختلف طریقے سے سوالات کئے گئے، جن کے جواب میں نے نہایت اطمینان بخش دیئے جس کا اظہار ان کے چہروں سے ہو رہا تھا پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

''اب آپ مکمل ہیں مسٹر عاطف کمال.....'' اس نے مجھے عاطف کمال کے نام سے مخاطب کیا تو میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

''ٹھیک ہے۔ آپ لوگ مطمئن رہیں، میں اپنے فرائض کی بجا آوری کے لیے مکمل طور پر تیار ہوں۔''

اس کے بعد صرف انتظار تھا۔ باقی کام ان ہی لوگوں کو کرنا تھا۔ جو ذمہ داری میرے سپرد کی گئی تھی وہ میری ذات کے لیے بالکل انوکھی اور اجنبی تھی لیکن ایسا تو بہت عرصے سے ہو رہا تھا لوگ مجھے اپنے معاملات کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ البتہ ان کا نتیجہ بڑا عجیب نکلا تھا دیکھیں اس بار کیا ہوتا ہے؟ میں نے تو اب زندگی کو ایک کھیل ہی سمجھ لیا تھا اور درحقیقت کھیل ہی تو ہوتی ہے۔

وہ وقت آ گیا جب مجھے اس پارٹی میں شریک ہونا تھا، جس میں میری ملاقات خاتون وحدت بلیغہ سے ہونی تھی۔ میں نے اس دوران اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کام کے لیے تیار کر لیا تھا اور جو ریہرسل مجھے کرائی گئی تھی، اسے میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔

اس دوران بار بار متعدد لوگوں کا خیال آیا جن میں آخری خیال آئرن فیرین کا تھا۔ پتہ

نہیں اس پر کیا بیتی؟ اشتہار دینے کے بعد اس کا رابطہ فصاحت خاطری سے ہو سکا یا نہیں
بہر طور میرا تو کھیل ہی تبدیل ہو گیا تھا اب اگر موقع ملا اور اس کھیل سے فارغ ہو گیا تو پھر
کہ حارث شاہ نے کہا تھا کہ بعد میں مجھے ایرانی حکومت سے مراعات دلوا دے گا تو پھر
میں آئرن فیرین کے لئے کھل کر کچھ کرسکوں گا۔ میں اپنے کام کے لیے تیار تھا، وہی دراز
قامت خاتون جس سے اس عمارت میں پہلے بھی میری ملاقات ہو چکی تھی، میرے پاس آئی
اور مجھے چلنے کے لئے کہا۔ راستے میں اس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا اور بولی۔

''یوں تو آپ کی شخصیت بہت شاندار ہے۔ لیکن میں نے آپ کے لئے جس لباس
وغیرہ کا انتظام کیا ہے، اس میں آپ نمایاں نظر آئیں گے۔''

وہ مجھے ایک کمرے میں لے گئی۔ لباس پریس کیا ہوا رکھا تھا۔ اس نے لباس پہننے میں
میری مدد کی تو میں نے اُس سے معذرت کر لی۔ ''یہ سب میں خود کر لوں گا۔ آپ مطمئن
رہیں۔''

''لیکن یہ میری ڈیوٹی ہے.....''

''آپ کی ڈیوٹی یہ تو نہیں ہے کہ آپ مجھے لباس پہنائیں۔''

''اوہ..... اگر آپ پسند نہیں کرتے تو ٹھیک ہے۔'' اُس نے کہا۔

ویسے میں اُس کی نگاہوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھ رہا تھا اور اس چمک سے واقف
بھی تھا۔ آخر وہ بھی عورت ہی تھی نا۔ میں نے لباس پہنا اور پھر اُسے اشارہ کیا تو وہ میری
طرف متوجہ ہو گئی۔ ٹائی کی ناٹ اُس نے خود اپنے ہاتھوں سے درست کی۔ کم بخت زیادہ
سے زیادہ قریب آنے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ پھر ایک مخصوص قسم کا پرفیوم اُس نے
میرے لباس پر لگایا اور کہنے لگی۔ ''یہ عاطف کمال کی پسندیدہ خوشبو ہے۔ اور خاتون وحدت
یہ بات جانتی ہیں۔''

'ایک بات اگر تم جانتی ہو تو مجھے بتاؤ۔ خاتون وحدت اور عاطف کمال کے درمیان
ذاتی تعلقات کیا ہیں؟''

''اوہ! یہ تو میں بالکل نہیں جانتی۔''

''حالانکہ یہ بات جاننا ضروری تھی۔ میں نے اس کے بارے میں سوچا تھا۔''

''اگر آپ ذہانت سے کام لیں گے تو اس کا اندازہ آپ کو خود ہو جائے گا۔ ویسے

خاتون وحدت بلیغہ کی عمر اس وقت باون سال ہے۔''

''تب ٹھیک ہے۔'' میں نے پر اطمینان انداز میں گردن ہلائی اور وہ ہنس پڑی۔ میں
نے تیکھی نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ سنبھل کر میرے بالوں کو درست کرنے لگی۔ پھر اُس
نے اپنے لباس سے چند انگشتریاں نکال کر میرے ہاتھوں میں ڈال دیں۔

''یہ..... یہ.....''

''یہ عاطف کمال کی ہیں جو آپ کی شناخت میں معاون ہوں گی۔ عاطف ہمیشہ یہ
انگشتریاں پہنے رہتا ہے۔'' جوتے پہنا کر فیتے بھی اُس نے باندھے اور اپنے طور پر اس نے
مجھے تیار کر دیا۔

''مجھے کسی ہتھیار وغیرہ کی ضرورت ہے؟''

''قطعی نہیں۔ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آپ اطمینان رکھیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا۔ اور اس کے بعد وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت
دیکھ کر بولی۔

''اب آپ تشریف لے آئیے۔ آپ کے کام کا آغاز ہو چکا ہے۔''

باہر ایک چھوٹی سی خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی، جس میں ڈرائیور موجود تھا۔ میں پچھلی
سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جب کار سٹارٹ ہو کر آگے بڑھی اور عمارت کے گیٹ پر پہنچی تو کسی سمت
سے حارث شاہ نکل آیا۔ اُس کو دیکھ کر ڈرائیور نے کار روک دی تھی۔

''میں آپ کی کامیابی کی دعائیں کرتا ہوں مسٹر منصور!''

''سوری! میرا نام عاطف کمال ہے۔'' میں نے کہا۔

''یقیناً مسٹر عاطف کمال! اللہ حافظ.....''

ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی اور میں شاہانہ انداز میں کار میں بیٹھا گزرگاہوں کو دیکھتا
رہا۔

بہت سے راستے اب میرے جانے پہچانے تھے۔ لیکن اب جس راستے پر کار مڑی، اس
طرف میں پہلے نہیں آیا تھا۔ یہ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ اس کے اطراف میں شو روم
بنے ہوئے تھے۔ اس کا اختتام ایک چوراہے پر ہوا اور چوراہے سے کار بائیں سمت گھوم
گئی۔ پھر کسی قدر ڈھلان میں اُتر کر وہ ایسے خوش نما علاقے میں پہنچ گئی جسے شاندار لوگوں

کی رہائش گاہ کہا جا سکتا تھا۔ اعلیٰ طرز کی کوٹھیاں اطراف میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے آگے دربان اور کتے گشت کر رہے تھے۔ کار، سڑک سے گزرتی ہوئی بالآخر اسی علاقے کی ایک کوٹھی میں پہنچ گئی جہاں زیادہ ہی گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔

گیٹ پر دربان کھڑے ہوئے تھے اور اندر وسیع وعریض لان بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ بے شمار کاریں پارکنگ لاٹ میں کھڑی ہوئی تھیں اور بہت بڑے سوئمنگ پول کے کنارے بکھری ہوئی گھاس پر کرسیاں اور میزیں لگی ہوئی تھیں۔ ڈرائیور نے کار روکی اور نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا۔ میں نیچے اُتر آیا۔

فوراً ہی سیاہ سوٹ میں ملبوس میں سمارٹ سے آدمی نے میرا استقبال کیا اور میں نے جیب سے وہ کارڈ نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیا، جو چلتے وقت میرے حوالے کیا گیا تھا۔ اُس نے مؤدبانہ انداز میں گردن خم کی اور مجھے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ پھر اُس نے مشینی انداز میں وہاں کھڑے ہوئے لوگوں سے کہا۔

''جناب عاطف کمال.....''

میں نے مسکرا کر گردن خم کی اور لوگوں کے ہجوم کی جانب بڑھ گیا۔ تاحد نگاہ حسن ہی حسن بکھرا ہوا تھا۔ سوئمنگ پول میں خاص طور سے رنگین پانی ڈالا گیا تھا۔ اس کی تہہ میں برقی قمقمے جگمگا رہے تھے۔ ہر طرف نوجوان جوڑے مصروف گفتگو تھے۔ بے شمار افراد، اس پارٹی میں شامل ہوئے تھے۔ ایران کے چیدہ چیدہ لوگ یہاں موجود تھے۔ مجھے اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں عاطف کمال کے دوسرے شناسا بھی یہاں موجود نہ ہوں۔ عاطف کمال کی شخصیت کے بارے میں تو اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن جس حد تک معلومات ہو سکیں تھیں، وہ یہ تھیں کہ وہ کہیں باہر سے آیا ہے اور وحدت بلیغہ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

ایک ویٹر نے شراب کا جام میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں اُسے لے کر ایک گوشے میں جا کھڑا ہوا۔ ہر شخص اپنے اپنے طور پر مصروف تھا۔ مجھے اب کسی شناسا کی تلاش تھی، جو میرے نزدیک پہنچ کر مجھے مخاطب کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میری نگاہیں خاتون وحدت بلیغہ کی تلاش میں تھیں۔ فلم کے ذریعے مجھے اُن کی شخصیت سے اچھی طرح روشناس کرا دیا گیا تھا۔ چنانچہ میری نگاہیں گردش کرتی رہیں۔ خواتین کے غول کے غول ایک دوسرے سے بھڑے بیٹھے تھے۔ خاتون وحدت بلیغہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔ یہ ممکن ہی نہیں

سکتا تھا کہ وہ یہاں نہ ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور موقع پا کر اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا جام ایک گملے میں خالی کر دیا، لیکن اس طرح کہ کوئی میری اس حرکت کو دیکھ نہ سکے۔ اس کے بعد میں معزز مہمانوں کے درمیان چکراتا رہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد میری آنکھوں نے خاتون بلیغہ کو دیکھ لیا۔ بہت ہی نفیس قسم کے سفید لباس میں خاتون بلیغہ نظر آ رہی تھیں۔ چہرے پر گہرا میک اپ تھا۔ آنکھیں بہت حسین اور بے حد کشادہ تھیں۔ وہ پروقار انداز میں کچھ خواتین سے گفتگو کر رہی تھیں۔ میں اُن کی شناخت کے بعد اپنے لئے وہ جگہ متعین کرنے لگا، جہاں میں اُن سے ملاقات کر سکتا تھا۔ اور یہ اتفاق ہی تھا کہ خاتون بلیغہ نے اپنی دراز قامتی کی بنیاد پر مجھے دیکھ لیا اور پھر تیر کی طرح میری طرف بڑھیں۔ گویا وہ آزادانہ طور پر مجھ سے ملاقات کر سکتی تھیں۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ میرے قریب تھیں۔ میں نے مسکرا کر انہیں سلام کی تو انہوں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

''کتنی دیر سے میری نگاہیں تمہیں تلاش کر رہی ہیں کمال! کہاں چھپے ہوئے تھے؟''

''میں بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں تھا خاتون!'' میں نے جواب دیا۔

''بہت سمارٹ ہو گئے ہو۔ پہلے سے کہیں زیادہ۔''

''اور آپ اپنے بارے میں کیا کہتی ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں..... میں تو جیسی تھی، ویسی ہی ہوں۔''

''ہاں! لیکن مجھے جب بھی آپ نظر آتی ہیں، پہلے سے زیادہ حسین اور جوان نظر آتی ہیں۔''

''اوہ..... شرارتیں بھی سیکھ گئے ہو۔ تمہاری بے باکی مجھے پسند آئی۔ آؤ بیٹھو! بہت دیر سے یہ لوگ مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔''

''جو حکم!'' میں نے گردن خم کرتے ہوئے کہا اور خاتون بلیغہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک میز کی طرف بڑھ گئیں۔ میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں میں سے میں نے ایک کرسی کو گھسیٹا اور وہ بڑے ناز سے بیٹھ گئیں۔ میں اُن کے سامنے ہی بیٹھ گیا تھا۔ شکر ہے، کسی اور نے ہمارے پاس آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''سب خیریت تو ہے نا؟ کم از کم مجھے اپنے پہنچنے کی اطلاع تو دے دیتے۔ میں انتظار

کرتی رہی۔"

"اس کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ میں نے سوچا کہ آپ سے ملاقات میں زیادہ وقت نہیں۔ یوں سمجھئے کہ یہاں تک پہنچنے میں، میں نے اپنی تمام صلاحیتیں ختم کر دی تھیں۔"

"کوئی دقت پیش آ گئی تھی؟" خاتون بلیغہ کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

"نہیں۔ اس کے باوجود احتیاط ہماری زندگی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں! اور تم جیسا انسان ہمیشہ اپنے اطراف سے چوکنا رہتا ہے۔ تمہیں دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی ہے۔ باقی تمام باتیں اپنی جگہ، لیکن میرے اور تمہارے درمیان دوستی کا رشتہ بھی تو قائم ہے۔"

"بلاشبہ۔ اور میں اس دوستی کا خلوص دل سے احترام کرتا ہوں۔"

"سناؤ..... ہمارے دوسرے دوست کیسے ہیں؟"

"سب ٹھیک ہیں۔ اور اگر میں کسی کو یہ بتاتا کہ مجھے آپ سے ملنا ہے تو پھر آپ کے لئے پیغامات بھی لانے پڑتے۔"

"ہاں! اس وقت رازداری شرط ہے۔ تم نہیں سمجھتے، میں نے کس کس طرح اپنے آپ کو شبہات سے محفوظ رکھا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد یہ کام انجام پا جائے تاکہ ہم اپنے فرائض سے نجات حاصل کر لیں۔"

"یقیناً..... یقیناً....."

"تم تمام تیاریاں مکمل کر کے آئے ہو نا؟ میرا مطلب ہے کہ متعلقہ افراد سے گفتگو کر لی ہے نا؟"

"بلاشبہ! ظاہر ہے، اس کے بغیر میں آپ کے پاس کیسے پہنچ سکتا تھا؟"

"تو پھر کوئی جگہ متعین کرو۔ ہاں یہ بتاؤ کہ قیام کہاں ہے؟" انہوں نے سوال کیا۔

"ایک پرائیویٹ رہائش گاہ میں۔ ہوٹل میرے قیام کے لئے ناموزوں ہوتے ہیں۔"

"مجھ سے کب ملاقات کرو گے؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"کل صبح گیارہ بجے میں اپنی رہائش گاہ پر تمہارا انتظار کروں گی۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اسی وقت ایک کوتاہ گردن شخص، خاتون بلیغہ کے پاس پہنچ گیا اور وہ مجھ سے معذرت کر کے اُٹھ گئیں۔ بہرحال ہمارے درمیان پروگرام طے ہو گیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجھے ان کی رہائش گاہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ لیکن یہ قابل تشویش بات نہیں تھی۔ اور اس کے بعد میرے لئے یہاں رکنا موزوں نہیں تھا۔ وہ کار پارکنگ لاٹ سے باہر نکلی گئی تھی جو مجھے یہاں لائی تھی۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ لیکن ابھی چند قدم ہی بڑھا تھا کہ دفعتہً لائٹ چلی گئی اور گھپ اندھیرا پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک موٹا کمبل میرے اوپر آ پڑا اور بہت سے ہاتھوں نے مجھے دبوچ لیا..... اس غیر متوقع صورت حال پر میرے حواس ایک لمحے کے لئے گم ہو گئے تھے.....

☆.....☆.....☆

مجھ پر کمبل ڈال کر دبوچنے والے کئی افراد تھے۔ چنانچہ جدوجہد کی کوشش بے اثر ثابت ہوئی۔ انہوں نے مجھے کمبل سمیت اُٹھایا اور برق رفتاری سے چل پڑے۔ میرا دم گھٹا جارہا تھا۔ مہمانوں میں شور وغل کی آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی جارہی تھیں۔ پھر مجھے کسی گاڑی میں ٹھونس دیا گیا۔ گاڑی سٹارٹ ہو کر چل پڑی۔ وہ لوگ اب بھی مجھے دبوچے ہوئے تھے۔ گھٹن اس قدر شدید تھی کہ آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا اور رفتہ رفتہ ہوش وحواس رخصت ہو گئے۔

نہ جانے کتنی دیر تک ہوش وحواس گم رہے۔ پھر ہوش آ گیا اور روشنی نظر آئی۔ اس روشنی میں، میں نے چھت میں لگی ہوئی اُس گول دائرے نما ٹیوب لائٹ کو دیکھا جس سے ٹھنڈی روشنی خارج ہو رہی تھی۔ اُس کے بعد اپنے آپ کو محسوس کیا۔ حالات آہستہ آہستہ ذہن میں جاگے تو یہ محسوس کرنے کی کوشش کی کہ گاڑی میں ہوں یا باہر نکل آیا ہوں۔ لیکن یہ نیم غنودگی کے بعد کی سوچ تھی۔ گاڑی میں کم از کم یہ ٹیوب لائٹ تو نہیں ہو سکتی تھی۔ نہ ہی بدن ہچکولے لگ رہے تھے۔ کیونکہ اب میں ایک آرام دہ مسہری پر پڑا ہوا تھا۔ واقعات مزید کچھ یاد آئے تو بے اختیار اُچھل کر بیٹھ گیا۔ تبھی میری نگاہ اُن تین افراد پر پڑی جو ایک قطار کی شکل میں بت بنے بیٹھے تھے۔ یہ بھی غالباً مقامی ہی آدمی تھے۔ بھاری بھرکم جسموں کے مالک۔ لیکن چہرے سے وہ زیادہ برے لوگ نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں احمقانہ انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا کچھ ہو رہا ہے؟ جس کا دل چاہتا ہے، پکڑ کر لے جاتا ہے۔ پتہ نہیں، اُن لوگوں نے مجھے کیا سمجھا ہے؟ شدید جھنجلاہٹ ذہن پر سوار ہونے لگی تو میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُن تینوں افراد کی نظریں میرے چہرے کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھیں۔

''کیا یہ پاگل خانہ ہے؟'' میں نے سوال کیا۔ لیکن اُن تینوں میں سے مجھے کسی نے کوئی

جواب نہیں دیا۔ تب میں آگے بڑھ کر اُن کے قریب پہنچ گیا۔ وہ تینوں بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑے ہو گئے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکے اور پھر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ''میں نے پوچھا تھا، کیا یہ پاگل خانہ ہے؟''

''نہیں.....'' اُن میں سے ایک نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''تو پھر تم تینوں پاگل ہو؟''

''نہیں..... بالکل نہیں۔ ہم تینوں بھی صحیح الدماغ ہیں۔''

''یہ کون سی جگہ ہے؟ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

''یہ سب سے مناسب جگہ ہے۔ یہیں پر تمہارا احترام ہو سکتا ہے اے پاک روح!'' اُن میں سے ایک نے کہا۔

''میں تمہیں صرف دو منٹ کی مہلت دیتا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ اور کون لایا ہے؟ اگر تم نے جواب نہیں دیا تو اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا، اُس کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔''

''اس کا جواب میں دوں گا۔'' دروازے سے آواز آئی اور ایک شخص اندر داخل ہو گیا۔ میں نے اُسے دیکھا اور میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ پروفیسر میتھون تھا۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ پیچھے دو افراد بھی تھے جو دروازے پر کھڑے رہ گئے۔

''تم کون ہو؟'' میں نے ایک دم اپنے لئے لائحہ عمل مرتب کر لیا تھا۔ لیکن دماغ کی جو کیفیت تھی، اُسے خدا ہی جانتا تھا۔

کیا پروفیسر میتھون بھی اس قسم کی حرکات کر سکتا ہے.....؟ ایک خیال سا اُبھرا۔ مگر ذہن نے خود ہی اس کا جواب دے دیا۔ جو شخص کسی غیر ملک میں داخل ہو کر وہاں کے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فراعنہ کے قدیم مقبروں سے ممیاں چرا کر لا سکتا ہے، وہ بہت زیادہ اچھا انسان تو نہیں ہو سکتا۔ مجھے اغواء کرنا اس کے لئے اتنا مشکل بھی نہیں تھا۔ لیکن پروفیسر میتھون نے مجھے کہاں سے دیکھ لیا اور یہ اغواء کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تاہم میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا تھا کہ میں پروفیسر میتھون سے اجنبیت کا اظہار کرتا رہوں۔

پروفیسر میتھون نے اُن تینوں افراد کو پیچھے ہٹا دیا جو ابھی تک میرے سامنے کھڑے

ہوئے تھے۔ ’’ہاں.....آرام سے بیٹھ جاؤ اور مجھ سے گفتگو کرو۔‘‘

’’میں پوچھتا ہوں، تم نے ایک مہذب اور شریف انسان کو اغواء کرنے کی جرات کیسے کی؟‘‘

’’تمہاری تہذیب اور شرافت سے مجھے انکار نہیں ہے معزز اخناتون! لیکن اگر میرے کاسہ فقیری میں تم اپنی عنایات کی کچھ بھیک ڈال دو تو کیا حرج ہے؟ میری زندگی ایک ایسے انوکھے تجربے سے دوچار ہونے جا رہی ہے، جس کا انکشاف اگر اس دُنیا پر ہو جائے تو یقین کرو، تمام محققین میرے سامنے کان پکڑیں گے اور مجھے وہ عالمی حیثیت و شہرت حاصل ہو جائے گی، جو اس وقت دُنیا کے کسی انسان کو نہیں ہے۔ عظیم اخناتون! تیری تھوڑی سی عنایت میری تقدیر بدل سکتی ہے۔‘‘

’’میں نے ان تینوں سے پوچھا تھا کہ کیا یہ پاگل خانہ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ نہیں۔ لیکن اس کے باوجود کیا میں اس جگہ کو پاگل خانہ نہ سمجھوں؟‘‘

’’پاگل خانہ؟‘‘ پروفیسر میتھون نے پلٹ کر اپنے ان ساتھیوں کی طرف دیکھا، جو دروازے کے دائیں بائیں کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی پروفیسر ہی کے انداز میں دُہرایا۔

’’پاگل خانہ.....نہیں! یہ پاگل خانہ تو نہیں ہے۔‘‘

’’یہ پاگل خانہ نہیں ہے۔‘‘ پروفیسر میتھون نے میری طرف دیکھ کر کہا اور میں دونوں ہاتھوں سے سر کو پیٹتا ہوا مسہری کی جانب بڑھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت میری طرف سے کوئی جارحیت، صرف میرے لئے ہی نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ دروازے پر موجود دونوں آدمی شکل و صورت سے اچھے نظر نہیں آتے تھے اور نہ ہی مجھ سے مرعوب معلوم ہوتے تھے۔ پروفیسر چند قدم چل کر میرے نزدیک پہنچ گیا۔ ’’فرعون کی کوئی ممی، عالم ارواح کو چھوڑ کر عالم انسانیت میں آ جائے تو اُسے دنیا کا حیرت انگیز واقعہ کہا جائے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قدیم فراعنہ کی روحیں ابدیت رکھتی ہیں اور اُن کی پُراسرار طلسمی زندگی، دنیا کے لئے حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس ابدیت کا یہ اظہار فراعنہ کی تحقیق کی تاریخ میں سب سے نمایاں حیثیت کا حامل ہو گا۔ عظیم اخناتون! تیرا ایک معمولی پجاری تجھ سے اپنی بقا کی بھیک مانگتا ہے۔ مجھے وہ لافانی شہرت بخش دے جو میری زندگی کا حاصل ہو اور میں تحقیق کی

دنیا میں ایک عظیم انسان کہلواؤں۔‘‘

میں غصیلی نگاہوں سے پروفیسر میتھون کو دیکھنے لگا۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ پروفیسر میتھون مجھے کسی خاص مقصد کے لئے نہیں لایا۔ بلکہ اس کے ذہن میں یہ خناس سما گیا ہے کہ میں قدیم فرعون ہی ہوں اور اپنے تابوت سے ذی روح کی حیثیت سے نکل بھاگا ہوں۔ اس سلسلے میں وہ قدیم مصری عقیدے کا سہارا لے رہا تھا۔ جو شخص اپنے عقیدے میں اس قدر پختہ ہو اور اس اصلیت پر بھی غور نہ کر پا رہا ہو کہ قدیم فرعون کی ممیاں کم از کم انسانی اجسام میں فرار نہیں پا سکتیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی روحیں بھٹکتی پھرتی ہوں، وہ بھی ایک روایت کے تحت۔ اُسے سمجھانا آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلی پیدا کی اور مسہری پر بیٹھ کر گہری نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے اُس سے سوال کیا۔

’’تم نے مجھے تلاش کیسے کیا پروفیسر میتھون؟‘‘

’’آہ.....میں نے جتنی کاوشیں تیرے لئے کی ہیں اور میری خوش بختی نے مجھے جس طرح تجھ تک پہنچایا تھا، اس کے بعد میرے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ میں تجھ سے ہاتھ دھو بیٹھوں عظیم اخناتون! قدیم مصر کے سب سے بڑے فرعون! تجھے پا کر میں اپنی تحقیق کو روشنی بخش سکتا تھا اور جس طرح تو مجھ سے روٹھ کر چلا گیا، اس کے بعد میں نے سوچا کہ خوش بختی کے دروازے مجھ پر بند ہو گئے ہیں۔ لیکن میری طلب صادق دیکھ! کہ بالآخر اُس نے مجھے تجھ تک پہنچا دیا۔ میں بھی اُسی پارٹی میں شریک تھا جو میرے مقدر میں تھی کہ میں تجھے دوبارہ پالوں اور ایک بار جو صورت میری نگاہوں میں بس جاتی ہے، شاید میں اُسے موت کے بعد بھی فراموش نہ کر سکوں.....تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں تجھے نہ پہچان لیتا۔ بس! میں جس طرح تجھے یہاں لایا، اُس کے لئے مجھے معاف کر دے۔ لیکن اور کوئی ذریعہ بھی تو نہیں تھا میرے پاس۔‘‘

’’ہوں.....اپنے ان ساتھیوں کو یہاں سے روانہ کر دو۔ میں تمہاری ضرورت پوری کر دوں گا۔‘‘

’’تب میرے ساتھ آ! تیرا تابوت، تیرے استقبال کے لئے تیار ہے۔‘‘

’’وہ تہہ خانہ، جہاں تو نے قدیم کتابیں سجا رکھی ہیں، میرے لئے نفرت کی جگہ ہے۔

میں وہاں قیام کرنا پسند نہیں کروں گا۔ اگر تابوت ہی میں مجھے قید کرنا ہے تو تابوت اُوپر منگوا کر کسی اور جگہ رکھ دے۔''

''عظیم سورج دیوتا کی تعمیل ہو۔'' پروفیسر میتھون نے کہا۔

میں تو اُس کی بیٹی ہی کو پاگل سمجھتا تھا۔ لیکن میرے خیال میں وہ حقیقت پسند تھی۔ جب کہ پروفیسر میتھون خود مجھے کھسکا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ پتہ نہیں، اس شخص کی حقیقت کیا ہے؟ اگر جو ظاہر کر رہا ہے، وہی ہے تو پھر اسے احمق بنانا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن یہاں سے نکلنے کے لئے اُس پر اعتماد قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ میں اپنے آپ کو اُسی کے انداز میں پیش کر کے جان بچا سکتا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اُس کے آدمیوں نے اُسے اطلاع دی کہ تابوت کمرے میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اور میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جس کمرے میں تابوت پہنچایا گیا تھا، وہ بالکل خالی تھا۔ فرش پر بھی کوئی چیز نہیں بچھی ہوئی تھی۔ پروفیسر میتھون کے وفاداروں نے اُسے مقبرہ بنانے کے تمام تر انتظامات کر دیئے تھے۔ چنانچہ اب بخور دانوں میں لوبان سلگ رہا تھا اور کمرے کی فضا میں ہلکی ہلکی گھٹن پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ جگہ جگہ اگر بتیاں لگا دی گئی تھیں۔ میرے استقبال کی بہترین تیاریاں کی گئی تھیں اور جدید سوٹ میں ملبوس ایک شگفتہ شخصیت کا مالک فرعون پہلی بار ہی کسی ایسے تابوت سے دوچار ہونے جا رہا تھا، جس سے نکل بھاگنے کے لئے اُسے کافی محنت کرنا پڑی تھی۔

بالآخر میں اُس کمرے میں داخل ہو گیا اور پروفیسر میتھون کی خواہش کے مطابق مجھے تابوت میں بھی بیٹھنا پڑا۔ اس دوران میرا ذہن بہت سے فیصلے کرتا رہا تھا۔ اب کمرے میں پروفیسر میتھون کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پروفیسر میتھون دونوں ہاتھ سینے سے باندھے میرے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ یہ دنیا کا دلچسپ اور حیرت انگیز ترین منظر تھا۔

پھر پروفیسر میتھون نے گڑگڑانے والے انداز میں کہا۔ ''قدیم مصری ثقافت اور دورِ فرعون کے بہت سے باب میرے ذہن میں کھل چکے ہیں۔ لیکن اگر عظیم اخناتون میری رہنمائی کرے تو میں وہ سچا محقق ہوں گا جو دنیا کے سامنے مصریات کی ابتداء کو پیش کرے گا۔ مجھے اپنے دور کی داستان اور اپنے اُن تمام قوانین کے بارے میں بتا! جو تیرے دور میں رائج تھے۔''

میں کھوپڑی سہلانے لگا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کوئی فلمی گیت شروع کر دوں یا پھر خالہ

شہادت کو دُعائیں دینا شروع کر دوں۔ لیکن اس طرح گلوخلاصی نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے گلا صاف کیا اور کچھ بولنے کی کوشش کی تو دفعتاً میرے جسم میں سرد لہریں دوڑنے لگیں اور میں اُچھل پڑا..... یہ رامیس کی آمد کا اعلان تھا۔ اس سے پہلے کہ میں رامیس سے کوئی سوال کرتا، میرے حلق سے ایک پھٹی پھٹی آواز بلند ہوئی۔

''مصر کی چار ہزار سالہ تاریخ میں ایک چیز نمایاں ہے۔ خاندانوں اور سلطنتوں کے عروج و زوال، مرکزیت اور لامرکزیت، اجنبی حملوں اور مقامی کامیابیوں، ثقافتی ترقی اور انحطاط..... غرض ہر حال میں مصری زندگی کا ایک تسلسل قائم ہے، مصری معاشرہ جو عہد قدامت میں قائم رہا، ایک خاص وضع پر قائم کیا گیا تھا۔ عمرانی مینار کے سب سے بالائی حصے میں مذہبی پیشواؤں اور اُمراء کا ایک چھوٹا سا طبقہ تھا۔ نیچے محنت و مشقت کرنے والے لاکھوں کسان رہتے تھے۔ مصر کی اقتصادی زندگی نیل کی طغیانیوں سے فصلوں کی تقسیم تک باقاعدہ منظم کر دی گئی تھی۔ اور ہر فرعون کے کارندے اس کے نگران تھے۔ زمین، فرعون کی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اس کا تقدس نام ہی سے ظاہر ہے فرعون کے معنی ہے بیت الکبیر یعنی وہ معبد جس میں دیوتا رہتا تھا۔

فرعون کو لامحدود اختیارات حاصل تھے۔ حیات بعدالموت کا تصور ابتدائیت رکھتا تھا اور ابرامین بھی اس ابتدائیت میں شامل ہو گئے۔ جسم کا عقیدہ ہے کہ جسم ایک مضع ہے جسے 'کا' کہتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی انسان زندہ رہتا ہے۔ تمام اشارے اسی 'کا' کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ روح غیر فانی ہے اور انسان کے لئے بہشت، دوزخ دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب آسان ہے۔ یعنی امون رے کا کہنا ہے، جو ازل کا دیوتا، غریب کا وزیر، جو ناپاک نظریں قبول نہیں کرتا اور اس سے ہم کلام نہیں ہوتا، جو قسم کھاتا ہے اور اُس پر نظر نہیں اٹھاتا، جو صرف وعدے کرتا ہے اور انہیں پورا نہیں کرتا، امون رے انگشت شہادت سے فیصلہ کرتا ہے اور گنہگار کو دوزخ کی جانب اور پاک باز کو بہشت بھیجتا ہے۔ وہ جو سورج کا دیوتا تھا، جو روزانہ مرتا اور زندہ ہوتا تھا، وہی تمام دیوتاؤں کا آقا اور باپ تھا۔ اُس کی تجسیم حیوانی جسم اور انسانی سروں کی شکل میں موجود ہے اور یقیناً یہ بات تیری تحقیق میں شامل ہوگی پروفیسر میتھون.....''

''عظیم اخناتون کا روحوں کی دُنیا میں وقار بلند ہو..... تیرا دورِ حکومت کون سا تھا؟''

پروفیسر میتھون نے کہا۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ اُٹھ کر ایک زوردار گھونسہ اُس کی ناک پر رسید کروں۔ اور اس رائمیس کو بس کیا ہی کہتا، سوائے اس کے کہ خدا اُسے غارت کرے..... اب اُس نے میری زبان پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور اس وقت میرے حلق سے اُس کی آواز نکل رہی تھی۔ وہی کم بخت اپنے دور کی داستانیں سنا رہا تھا جو بے سروپا تھیں۔ میں تو ان داستانوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ لیکن میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میرے منحوس منہ سے پھوٹا.....

''میرا ظہور 1375 ق م اور 1385 ق م کے عقیدۂ توحید میں ہوا۔ میں نے قرص خورشید کے مذہب کی اشاعت کی جس کا نشان ایک ٹکیہ تھی، جس میں سے شعاعیں نکلتی تھیں۔ اور ہر شعاع ایک انسانی ہاتھ پر ختم ہوتی تھی۔ دوسرا سورج دیوتا مصریوں اور دوسرے دیوتاؤں کے ساتھ انسانی شکل میں آیا۔ دراصل میرا نام آمنوفس تھا۔ اخناتون آمون کی حیثیت سے مجھے تسلیم کیا گیا۔ یہ اور آمون کی طرح دوسرے دیوتاؤں کا باپ نہیں تھا بلکہ واحد دیوتا تھا، جس کی خواہش تھی کہ انسان نیک کام کرے اور برائی سے بچے اور میں ہی لائق پرستش تھا۔ میرے افکار تھے کہ انسان لاقانونیت کی طرف سفر کرے اور عقیدۂ توحید کو قبول کرے۔''

میری زبان اس وقت رائمیس کے قبضے میں تھی۔ لیکن جسمانی حرکات پر اس کا کنٹرول قائم نہیں تھا۔ چنانچہ میں غیر محسوس انداز میں جنبش کرنے لگا اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ پروفیسر کو احساس بھی نہ ہو سکا۔ ہاں! جب میری لات اُس کے پیٹ پر پڑی تو اُس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔ رائمیس میرے وجود میں بولتے بولتے خاموش ہو گیا تھا اور اب میں اپنے ذہن پر حاوی ہو چکا تھا۔ پروفیسر بوڑھا آدمی تھا، میری لات کی ضرب سے دُور جا گرا اور میں نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اور باہر نکل آیا۔ اس عمارت سے کسی حد تک واقفیت حاصل ہو گئی تھی اور خوش بختی تھی کہ کسی نے راستے میں مزاحمت کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ صدر دروازے سے باہر نکل کر بھی میں نے رُکنے کی کوشش نہیں کی اور بھاگتا رہا۔ [illegible]یں اجنبی تھیں لیکن راستے بند نہیں تھے۔

بہت دور پہنچ کر رُکا۔ سینہ دھونکنی بنا ہوا تھا۔ دوسرے لوگوں کا خیال بھی تھا۔ چنانچہ رُک

کر سانسیں لینے لگا۔ دوڑنے سے لباس بے ترتیب ہو گیا تھا۔ سانس درست کیا، حلیہ درست کیا اور وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کہاں جاؤں..... کیا کروں.....؟

''یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے؟'' دماغ میں رائمیس کی آواز اُبھری اور میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''یہ سوال میں نے تم سے نہیں کیا۔'' میں غرا کر بولا۔

''دوستوں کو سوال کرنے سے قبل ہی حقیقت سمجھ لینی چاہئے اور میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہاری جیبیں مقامی کرنسی سے بھری ہوئی ہیں۔ یقین نہ ہو تو دیکھ لو۔ پھر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی دوستی پر۔ تم میرے بدترین دشمن ہو۔'' میں نے چڑچڑے لہجے میں رائمیس سے کہا۔

''کمال کے انسان ہو۔ بھلا میں نے کیا قصور کیا ہے؟'' رائمیس کی آواز اُبھری۔

''رائمیس! اگر تم انسانی شکل میں میرے سامنے آ جاتے تو شاید میرے ہاتھوں سب سے پہلا قتل تمہارا ہی ہوتا۔''

''چلو ٹھیک ہے، میں انسانی شکل میں نہیں ہوں۔ یہ میری خوش بختی ہے۔ لیکن رائمیس! کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے کہ اس نفرت کی کیا وجہ ہے؟''

''وجہ پوچھ رہے ہو؟ تم نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی ہے۔''

''تعجب ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ میں نے تمہاری زندگی میں دلچسپیاں پیدا کر دی تھیں۔''

''ان دلچسپیوں پر میں ہمیشہ کے لئے لعنت بھیجتا ہوں۔ تمہارے ذریعے جو کچھ بھی حاصل ہو، مجھے اس سے نفرت ہے۔'' میں نے دانت کچکچا کر کہا۔

''اس کی وجہ؟'' رائمیس کا لہجہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔

''اس کی وجہ یہ ہے رائمیس! کہ تم نے میری ذات کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ تم میری شخصیت پر حاوی ہو گئے ہو۔ میں تمہاری مرضی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ میں یہ زندگی نہیں چاہتا۔ مجھے جواب دو! جب میں پروفیسر میتھون کے سامنے کچھ بولنا نہیں چاہتا

تھا تو تم میری آواز میں کیوں بول پڑے تھے؟''

''صرف دلچسپی کی خاطر۔ میں اُس کی خواہش کی تکمیل کرنا چاہتا تھا۔ اخناتون کی تاریخ بتائی تھی میں نے۔ اس کے علاوہ اور کیا، کیا تھا میں نے؟ تم خود ہی بتا دو۔''

''مگر میں جب اخناتون نہیں ہوں تو مجھے اس کی تاریخ سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ تم نے میری شخصیت کو اُس کی نگاہ میں وہی ثابت کر دکھایا ہے، جو وہ چاہتا تھا اور یہ سب کچھ میری مرضی کے بغیر ہوا۔ بتاؤ! تمہیں یہ حق کس نے دیا؟''

''تمہاری دوستی نے راعمساس! تمہاری دوستی نے۔''

''میں راعمساس نہیں ہوں۔ میرا نام منصور ہے اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔''

''ٹھیک ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟''

''سب سے پہلے تم سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔ ذہنی کیفیت کچھ ایسی ہی ہو رہی تھی۔

''ہوں..... تمہاری مرضی ہے راعمساس! میں نے سوچا تھا کہ تمہاری اور میری دوستی دونوں کے لئے سود مند ثابت ہوگی۔ لیکن اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔'' راعمیس نے کہا اور اس کی آواز معدوم ہوگئی۔

میں چند لمحات اپنی جگہ کھڑا رہا۔ جو کچھ میں نے کہا تھا، اس پر شرمندہ نہیں تھا۔ راعمیس نے واقعی مجھے زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ میری اب تک کی زندگی میں جو کچھ بھی ہوا تھا، اس نے مجھے کم از کم یہ قوت ضرور بخش دی تھی کہ میں حالات سے سمجھوتہ کر لیتا تھا۔ لیکن اگر کوئی میری سوچ پر حاوی ہو جائے اور مجھے اس کی وجہ سے وہ سب کچھ کرنا پڑے، جو میں نہیں چاہتا تھا تو مجھے بڑی مشکل پیش آسکتی تھی۔ چنانچہ راعمیس سے میں نے اسی وجہ سے اس قدر رکھائی سے بات کی تھی۔ میں گردن جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ اُس کے بارے میں کچھ سوچنا ہی فضول تھا۔ لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد پھر یہ تصور ذہن میں بیدار ہوگیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ میرے لئے ایران میں سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ بلا وجہ کے دشمن بن گئے تھے، جو میری تاک میں تھے۔ ایسی کوئی جگہ نہیں تھی، جہاں میں سکون سے وقت گزار لوں۔ نہ جانے کس خیال کے تحت جیب میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ نوٹوں کی گڈی سے ٹکرایا اور میں نے اُسے مٹھی میں بھینچ لیا۔ اس سے قبل یہ میری جیب میں نہیں تھی۔ لیکن پھر مجھے

راعمیس کے الفاظ یاد آئے۔ اُس نے کہا تھا کہ پریشانی کس بات کی ہے..... تمہاری جیبیں بھری ہوئی ہیں.....

اس کا مطلب یہ راعمیس کا کارنامہ تھا۔ دل چاہا کہ گڈی نکال کر باہر پھینک دوں۔ لیکن پھر عقل نے ساتھ دیا۔ جذباتی ہو کر ایسا قدم اٹھا لیا تو اس کے بعد کیا کروں گا؟ میں نے دوسری جیبیں ٹٹولیں، واقعی اُس کا کہنا درست تھا۔ اچھی خاصی کرنسی موجود تھی۔ یہ کرنسی مجھے کم از کم یہاں قدم جمانے کا موقع تو دے گی۔ چنانچہ میں نے اُسے احتیاط سے اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ اس کی موجودگی سے ذرا سی تقویت ہوگئی تھی۔ کم از کم ہوٹلوں کے کمروں میں تو چھت حاصل ہوسکتی ہے۔ کہیں سکون سے بیٹھوں اور اپنے بارے میں سوچوں اور پھر کوشش کروں کہ تہران چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر سنبھال کر ایک بازار کا رُخ کیا۔ خدشات تو لاتعداد تھے۔ میرے شناساؤں کی تعداد کافی بڑھ چکی تھی۔ کوئی بھی ٹکرا سکتا تھا۔ لیکن کیا، کیا جا سکتا تھا میں اپنے چہرے کو تو تبدیل نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ یہ خطرہ مول لینا پڑا۔ بازار سے میں نے کچھ ایسی اشیاء خریدیں، جو فوری ضرورت میں کام آسکتی تھیں۔ کچھ لباس، شیونگ بکس، سوٹ کیس وغیرہ وغیرہ..... اور اُس کے بعد میں ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ نہ جانے کیوں ذہن میں نیمروز کا خیال ہی آیا تھا۔ جانا پہچانا ہوٹل تھا۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی آئرن فیرین بھی یاد آئی۔ پھر ایک مصیبت گلے پڑ جائے گی..... میں نے سوچا۔ لیکن ٹیکسی ڈرائیور کو ہوٹل نیمروز کا پتہ بتا چکا تھا۔ چنانچہ ٹیکسی نیمروز کے کمپاؤنڈ میں پہنچ کر رُک گئی۔ یہاں میں نے از سر نو کمرہ حاصل کیا، جو اُس منزل پر نہیں تھا جس پر آئرن فیرین موجود تھی۔ بلکہ بالکل ہی الگ تھلگ تھا۔ مجھ سے اس سلسلے میں کوئی باز پرس بھی نہیں کی گئی۔ پتہ نہیں، بکنگ کلرک مجھے پہچان بھی سکا تھا یا نہیں؟ یا پھر ممکن ہے یہ وہ آدمی نہ ہو، جس نے پہلے مجھے اس ہوٹل میں کمرہ دیا تھا۔

اپنے کمرے میں گھس کر میں نے دروازہ بند کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ اب جو کچھ بھی ہوگا، میں اُس پر توجہ ہی نہیں دوں گا۔ زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزاروں گا تاکہ مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکوں۔ کمرے میں داخل ہو کر میں نے اپنا سامان وغیرہ رکھ دیا اور جوتے اُتار کر مسہری پر لیٹ گیا۔ تھکے ہوئے جسم، تھکے ہوئے ذہن اور تھکے ہوئے اعصاب کو سکون دینے کے لئے کم از کم دو تین گھنٹے اسی طرح گزارنے چاہئیں تھے۔

چند ہی لمحات کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور اجازت پا کر ہوٹل کا ایک ملازم کمرے میں داخل ہو گیا۔ پھر اُس نے میرا سامان الماری وغیرہ میں سجایا اور ٹپ وصول کر کے چلا گیا۔ ٹپ دیتے ہوئے میں نے پھر اُن کرنسی نوٹوں کی گڈیوں کا اندازہ کیا، جو میرے پاس موجود تھیں۔ جب پورٹر چلا گیا تو میں اُن گڈیوں کو گننے لگا۔ کافی بڑی رقم تھی جو یہاں ایران میں نیمروز جیسے ہوٹل میں میرے لئے بہت تھی اور اس کے علاوہ بھی میں اس رقم سے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ رقم کے ساتھ ساتھ ہی راعمس کا تصور بھی ذہن میں آ جاتا تھا۔ لیکن میں نے اس سلسلے میں ڈھٹائی سے کام لیا۔ یعنی اُس کی رقم استعمال کرنے میں مجھے کوئی عار نہ ہوا۔ جبکہ اُس کے تصور سے مجھے مسلسل نفرت ہو رہی تھی۔

دو ڈھائی گھنٹے آرام کرنے سے جسم اور ذہن کو کافی آرام ملا اور اس کے بعد میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے رُوم سروس کو فون کر کے اپنے لئے کافی اور کچھ ڈرائی فروٹ طلب کئے اور تھوڑی دیر کے بعد میں پُر خیال انداز میں کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ کا رُخ کیا جائے۔ لیکن یہاں سے کہیں جانے کے لئے بہت سے لوازمات درکار ہیں۔ پتہ نہیں ایران میں اس قسم کے معاملات کی کیا نوعیت ہے؟ کاغذات، پاسپورٹ اور اس قسم کی دوسری چیزیں حاصل کرنے کے لئے یہاں کیا بندوبست ہے؟ یعنی رقم کے ذریعے کام ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ سوچنا تقریباً حماقت ہی تھی۔ کیونکہ دنیا اس وقت دولت کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ کرنسی نوٹ اور سونے کے ٹکڑے انسان کی ذات پر حاوی ہو چکے تھے۔ چاہے وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں۔ چنانچہ میں نے دل میں سوچا کہ مجھے ذہانت سے کام لے کر ایسے لوگوں کی تلاش کرنی چاہئے جو مجھے یہاں سے نکال سکیں۔ ویسے میرے لئے یہاں سے نکل جانا ہی بہتر تھا۔ کیونکہ یہاں جس قسم کے شناسا پیدا ہو گئے تھے، وہ مجھے کبھی سکون نہیں لینے دیں گے۔

رات ہو گئی اور کمرے میں گھسے گھسے طبیعت اکتانے لگی تو میں نے سوچا کہ کیا حرج ہے اگر تھوڑا سا وقت ڈائننگ ہال میں گزار لیا جائے۔ خطرات تو اس کمرے میں بھی پیش آ سکتے ہیں۔ لیکن زندگی یہیں تک تو محدود نہیں رہ سکتی۔ اس وقت نہ سہی، کل کا دن..... باہر تو نکلنا ہی ہو گا۔ کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہو گا اپنے لئے۔ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ اب میں کسی کی برتری قبول نہیں کروں گا اور اگر اُن لوگوں نے مجھے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے کی

کوششیں کیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کروں گا کہ پولیس سٹیشن پہنچ جاؤں گا اور اپنا کچا چٹھا پولیس کو بتا دُوں گا۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ سزا ہی تو ہو جائے گی۔ میں اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ ان مصیبتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنا اب میری اولین خواہش تھی۔ چنانچہ تیار ہوا اور ہوٹل کے ریکریشن ہال میں نکل آیا۔ خطرہ تھا کہ کہیں آئرن فیرین نہ ٹکرا جائے۔ کیونکہ وہ اسی ہوٹل میں مقیم تھی۔

ڈائننگ ہال کی ایک میز پر بیٹھ کر میں نے اپنے لئے ڈنر طلب کر لیا اور ڈنر کرتے ہوئے آئرن فیرین کے بارے میں سوچنے لگا۔ پتہ نہیں فصاحت خاطری کی تلاش میں اُس نے جو اشتہار دیا تھا، اس کا کیا نتیجہ ظاہر ہوا؟ دل میں ایک لمحہ کے لئے خیال آیا کہ آئرن فیرین میرے لئے اتنی خطرناک نہیں ہے۔ پھر وہ مجھے اپنے کسی مسئلے میں شریک کرنے کی کوشش کرے گی تو زیادہ سے زیادہ اُس سے معذرت کرنا پڑے گی اور میں اُس سے کہہ دوں گا کہ میں قطعی اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کے لئے کچھ کر سکوں۔ مجھے اس سلسلے میں معاف کر دیا جائے..... چنانچہ کیوں نہ آئرن فیرین سے ملاقات کر لی جائے؟ انسان کو ہمیشہ کسی نہ کسی شناسا کی ضرورت ہوتی ہے۔ شناسا کے تصور سے پھر ایک نام ذہن میں اُبھر آیا۔ اُسے صرف نام ہی کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ راعمیس کی کوئی شکل تو میرے سامنے نہیں تھی۔ لیکن میں نے اپنے ذہن کو جھٹک دیا اور بازو پر زور سے چٹکی لی۔ مجھے اس کا نام بھی نہیں لینا چاہئے، جو میری ذات پر حکمران بننے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

آئرن فیرین، ڈائننگ ہال میں نظر نہیں آ رہی تھی۔ ممکن ہے اُس نے ڈائننگ ہال کا رُخ ہی نہ کیا ہو۔ میں نے ایک لمحہ کے لئے سوچا کہ اُس کے کمرے میں جا کر اُس کا جائزہ لوں اور اس خیال نے اس قدر شدت اختیار کر لی کہ میں تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

آئرن فیرین کے کمرے کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔ لیکن کمرہ تاریک تھا اور یقیناً دروازہ لاک ہو گا..... اس کا مطلب یہ ہے کہ آئرن فیرین اس وقت اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا۔ اگر مل جاتی تو نہ جانے کس اُلجھن میں ڈال دیتی۔ پھر میں وہاں سے پلٹا اور اپنے کمرے کا رُخ کیا۔ لیکن جب میں کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو میری بدنصیبی، میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ دو افراد تھے جو دروازے کے

نزدیک ہی کھڑے ہوئے تھے۔ کمرے کے دروازے کا تالا کھول کر اندر داخل ہو جانا اُن کے لئے مشکل نہیں تھا۔ روشنی کر کے میں نے انہیں دیکھا اور میرا سانس رُک گیا۔ دونوں کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔

میں نے خونی نگاہوں سے اُنہیں دیکھا اور غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''یہ کیا ہے تمہارے ہاتھ میں؟''

''پستول.....'' اُن میں سے ایک نے نرم لہجے میں کہا۔

''میرے بدن میں گولیاں اُتارنا چاہتے ہو تو ایسا کر ڈالو۔ اس کے عوض میں تمہیں خاصی رقم دوں گا۔'' میں نے کہا اور وہ کسی قدر نروس ہو گئے۔ پھر دوسرے آدمی نے کہا۔

''ہم سمجھے نہیں جناب؟''

''بکواس مت کرو اور فوراً میرے کمرے سے باہر نکل جاؤ۔''

''بہتر.....آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ لیکن ہمیں ذرا باہر تک چھوڑ دیجئے۔''

''ارے! تم انسان ہو یا جانور؟ کیا کتوں کی طرح منہ اُٹھائے ہوئے میرے کمرے میں چلے آئے ہو؟ کہہ دینا اُن لوگوں سے کہ اب میں کسی کے لئے کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوں، سمجھے؟ کوئی بھی ہو، میں کسی کے لئے کچھ نہیں کروں گا، چاہے مجھے جان دینی پڑے۔''

''ہوں.... یہ بات تو ذرا تشویش ناک ہے۔'' ایک شخص نے دوسرے سے کہا۔ ''پھر ترکیب نمبر دو۔'' اُس نے کہا اور پستول جیب میں رکھ لئے۔

میں بھی ترکیب نمبر دو کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اگر ہاتھا پائی کرنی پڑی تو اس سے دریغ نہیں کروں گا..... میں نے دل میں سوچا۔ لیکن ترکیب نمبر دو، انتہائی ذلیل ترکیب تھی۔ انہوں نے ایک عجیب سا پائپ نکال کر اس کا رُخ میرے چہرے کی جانب کرتے ہوئے ایک بٹن دبا دیا۔ اس میں سے ایک زرد رنگ کی پھوار سی نکلی اور سیدھی میرے چہرے پر پڑی۔ میں فوراً ہی پیچھے ہٹا۔ لیکن ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں یہ احساس ہو گیا تھا کہ یہ پھوار خواب آور ہے۔ پیچھے ہٹنے کے بعد میں اپنے توازن کو نہیں سنبھال سکا اور سیدھا زمین پر آ رہا۔ اس کے بعد کوئی احساس ہی نہیں رہا تھا جو کسی قسم کی مدافعت کرتا.....

لیکن زندگی بڑی بدبخت چیز ہے۔ اگر انسان زندہ ہو تو اُسے ہوش بھی آتا ہے اور ہوش میں آنے کے بعد اُسے ذہنی کوفت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک بار پھر مجھے

ہوش آیا۔ میں مسہری پر ہی تھا۔ اور سفید چھت پر ایک عدد پنکھا گردش کرتا نظر آ رہا تھا۔ اطراف کا ماحول سیدھا سادھا سا تھا۔ لیکن وہی جو آج تک میرے ساتھ ہوتا رہا تھا، معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ البتہ چہرے بدلتے رہتے تھے۔ اُن دونوں آدمیوں کو بھی میں نہیں پہچان سکا تھا جو میرے کمرے میں آئے تھے اور جنہوں نے مجھے بے ہوش کر کے اغواء کر لیا تھا۔ اور اب یہ جگہ بھی میرے لئے اجنبی تھی۔ یعنی اس سے پہلے میں کبھی اس جگہ نہیں پہنچا تھا۔ لیکن معمولات تو جوں کے توں ہی رہنا تھے۔ چنانچہ میں اُٹھ گیا اور مسہری پر بیٹھ کر گالیاں بکنے لگا۔ جتنی گالیاں یاد تھیں، اپنے نامعلوم اغوا کنندگان کو دے ڈالیں۔ اُس کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ البتہ اب ذہن یہ سوچنے لگا تھا کہ کس کے جال میں پھنسا ہوں؟ اُن لوگوں کے جنہوں نے پہلے باتش اور عاطف کمال بنا دیا تھا یا پروفیسر بیتھون کے آدمی پھر میرے راستے پر لگ گئے تھے؟ کون لوگ تھے یہ؟ اس کے بارے میں کیسے پتہ لگے؟

پھر میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس واحد دروازے کے پاس پہنچ گیا جو لازمی طور پر باہر سے بند تھا۔ اس کے بعد میں اپنے ہاتھوں کی قوت دروازے پر آزمانے لگا۔ اتنی زور زور سے دروازہ بجایا میں نے کہ دروازے کی چولیں تک ہل گئیں۔ دوسری طرف سے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور پھر کسی نے کہا۔

''کیا بات ہے؟ کیوں شور مچا رہے ہو؟''

''دروازہ کھول کر اندر آؤ۔'' میں نے کہا اور دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی۔ لیکن کسی نے دروازہ کھول کر اندر آنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

ہاتھوں میں درد شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے کسی ایسی چیز کی تلاش شروع کر دی، جس سے دروازہ بجانے میں آسانی ہو۔ اُس مسہری کے علاوہ کمرے میں کم بختوں نے کوئی ایسی چیز ہی نہیں چھوڑی تھی جس سے دروازہ بجایا جا سکے۔ چنانچہ دو چار لاتیں مزید دروازے کو رسید کر کے مسہری پر آ بیٹھا۔ بیٹھے بیٹھے کوئی دس منٹ گزرے ہوں گے کہ دروازے پر آہٹیں سنائی دیں اور میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے خونی نگاہوں سے اندر آنے والوں کو دیکھا۔ یہ وہی دونوں افراد تھے جو مجھے اغواء کر کے یہاں لائے تھے۔ اب بھی اُن کے ہاتھوں میں پستول دبے ہوئے تھے۔

اُن میں سے ایک نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تمہیں یہاں تک لانے کا مسئلہ دوسرا تھا۔ اس وقت تم نے کوئی گڑبڑ کی تو ہم بے دریغ فائر کر دیں گے۔''

''میں تمہارے باپ کی ملکیت ہوں، فائر کر دیں گے۔ کیوں؟ آخر کیا چاہتے ہو؟ کون ہو؟ اور مجھے آخر کیوں میرے کمرے سے اغواء کیا ہے؟''

''اگر اس سلسلے میں تمام معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہلے آدمی بنو۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں تمہیں آدمی نظر نہیں آ رہا؟''

''تم اس وقت کٹکھنے کتے نظر آ رہے ہو۔'' اُن میں سے ایک نے ہنستے ہوئے کہا اور دوسرا بھی مسکرا پڑا۔

میں نے غراتے ہوئے انداز میں آگے بڑھنے کی کوشش کی تو اس کم بخت نے فوراً ہی فائر کر دیا۔ گولی میرے پیروں کے قریب فرش پر لگی اور پھر اُچٹ کر نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اُنہیں دیکھا۔ یہ ذلیل تو جارحیت پر آمادہ نظر آ رہے تھے اور میں اس طرح تو زندگی دینے کا قائل نہیں تھا۔ چنانچہ دماغ معمول پر آتا چلا گیا اور میں خاموشی سے انہیں گھورتا رہا۔

''شرافت کے دائرے میں آ جاؤ۔ تمہارا مسئلہ ابھی حل ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ چلو!'' میں نے کہا۔

میرے لباس کی شاید وہ لوگ تلاشی لے چکے تھے اس لئے اس کی طرف سے مطمئن تھے۔ نہ جانے کس خیال کے تحت میں نے جیبیں ٹٹولیں تو میری جیبوں میں کچھ نہیں تھا۔ میں پھر غرایا۔ ''تم نے میری رقم بھی نکال لی؟''

''وہ تمہاری امانت ہے۔ واپس مل جائے گی۔''

''بہت شریف لوگ ہو تم.....''

''چلو!'' اُن میں سے ایک نے میرے کوٹ کا، کالر پکڑ کر آگے دھکا دیا اور پستول کی نال میری کمر کے ساتھ لگا دی۔ دوسرا آدمی میرے آگے آگے چل رہا تھا۔

تن بہ تقدیر ہو کر میں اُن کے ساتھ چلتا رہا۔ یہ عمارت بھی نئی تھی۔ نہ تو یہ وہ عمارت تھی جس میں مجھے حارث شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا اور نہ ہی پروفیسر میتھون کی رہائش گاہ معلوم ہوتی تھی۔ بہرحال! میں نے اس سلسلے میں اُن سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ذہن میں

ہی تصور تھا کہ حارث شاہ کے ہاتھ لگ گیا ہوں۔ لیکن حارث شاہ نے مجھے دوبارہ اغواء رنے کی کوشش کیوں کی؟ شاید وہ میری طرف سے بدگمان ہو گیا تھا۔ لیکن اس بدبخت کو یا پتہ کہ میں خود بھی اپنے بس میں نہیں تھا۔ میں تو مصیبتوں ہی کا شکار ہوتا رہا تھا۔ جس رے میں مجھے داخل کیا گیا، اُس کی آرائش بھی قابل تحسین تھی۔ لیکن اُس میں جن لوگوں ے میری ملاقات ہوئی، وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھے۔

ایک دراز قامت شخص، جس کا سر درمیان سے گنجا اور اس کا قد معمول سے کچھ زیادہ ہی ا تھا۔ بدن سڈول، لباس انتہائی نفیس۔ اس کے حلیئے سے پتہ چلتا تھا کہ وہ بہت ہی لت مند آدمی ہے اور انتہائی مغرور اور بد دماغ۔ دوسرا شخص جو اُس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، رے اندازے کے مطابق مصری نژاد تھا۔ میں اُسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ کیا یہ اُس دور کوئی داستان ہے، جب میں قاہرہ میں مقیم تھا؟ لیکن مصری کو میں خود بھی نہیں پہچان سکا ا۔ وہ صورت بھی میرے لئے اجنبی تھی۔ دراز قامت شخص مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے ردن سے اشارہ کر کے مجھے بیٹھ جانے کے لئے کہا۔

''میں تمہارا غلام نہیں ہوں کہ تمہارے اشاروں کی پابندی کرتا پھروں۔'' میں نے ڑے ہوئے لہجے میں کہا اور اُس شخص نے عقب میں کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں کو یکھا۔

''یہ اسی قسم کی بد دماغی کا مظاہرہ کرتا رہا ہے۔'' اُن میں سے ایک نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ تم لوگ جاؤ۔'' دراز قامت آدمی نے گونجدار آواز میں کہا۔ اور میری ف دیکھ کر بولا۔ ''شریفانہ انداز میں گفتگو کرنے کے قائل نہیں ہو؟''

''ہرگز نہیں۔''

''تو اس کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔'' اُس نے کہا اور جس میز کے سامنے وہ بیٹھا ہوا ا اُس کی سطح کے نیچے لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ ایک آواز کہیں دُور سے سنائی دی تھی۔ انتظار کرتا رہا۔ پھر عقبی دروازے سے ایک اور آدمی اس کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ھاری دار بنیان اور چست پتلون میں ملبوس تھا۔ بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں۔ نکھوں میں وحشت نظر آ رہی تھی۔ اندر داخل ہو کر وہ الہ دین کے چراغ کے جن کی مانند ردن خم کر کے کھڑا ہو گیا۔

''یہ شخص کہتا ہے کہ شرافت سے گفتگو کرنے کا قائل نہیں ہے۔ کیا تم اسے مجبور کر سکتے ہو؟''

''ایک منٹ میں باس.....'' اُس نے کہا اور میری طرف بڑھنے لگا۔

''اے.....اے..... ہوش و حواس میں رہ۔ ورنہ..... ورنہ.....'' لیکن میں ورنہ، ورنہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر برق رفتاری سے میرے کوٹ کا گریبان پکڑا اور اُس کے بعد کم بخت نے مجھے زمین سے تقریباً ایک فٹ اونچا اُٹھا لیا۔

''ہاں.....اب لیول میں آئے ہو۔ کہو! کیا کہنا چاہتے ہو؟'' اُس نے شیطنت آمیز مسکراہٹ سے کہا۔

''فی الحال صرف اتنا کہ مجھے نیچے اُتار دو۔'' میں نے کہا اور اُس شخص نے ہنستے ہوئے مجھے اس طرح زمین پر اُتارا کہ میں اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا اور نیچے گر پڑا۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اُس نے اپنا ایک پاؤں میرے پاؤں کی پنڈلی پر رکھ دیا۔

''اے.....اے..... کتے! پیچھے ہٹ..... پیچھے ہٹ.....'' میں نے کہا۔ پنڈلی درد سے ٹوٹی جا رہی تھی۔ اور جب یہ درد نا قابل برداشت ہو گیا تو میں زمین پر لیٹا اور پوری قوت سے دوسرے پاؤں کی ٹھوکر اُس کی پنڈلی پر ماری۔ پتہ نہیں میرے اندر اتنی طاقت ہی تھی یا اُس وقت غصے میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ وہ شخص ایک خوفناک دھاڑ کے ساتھ نیچے جا گرا اور اُس کے بعد اپنی پنڈلی پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں پنڈلی کو دیکھا اور اُٹھنے کی کوشش کی۔ پھر وہ کھڑا ہونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اُس سے سیدھا کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ پتہ نہیں اُس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی یا صرف چوٹ لگی تھی۔ لیکن اس کی کراہیں یہی بتاتی تھیں کہ وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔

میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا، اور اس پر حملہ آور ہونے کی بجائے میں نے اپنے کوٹ کا، کالر درست کیا تھا۔ البتہ میں یہ محسوس نہیں کر سکا تھا کہ میز کے نیچے کی سطح پر لگی ہوئی گھنٹی دوبارہ بج رہی تھی۔ اور اس بار تین چار آدمی اندر داخل ہو گئے تھے۔ انہوں حیرت سے دھاڑتے ہوئے خوفناک آدمی کو دیکھا اور پھر میری طرف بڑھنے لگے۔

''اس کا دماغ درست کرو۔'' دراز قامت آدمی نے اُن سے کہا اور میں نے محسوس کیا

کہ مجھے اپنا یہ انداز برقرار رکھنا مشکل ہو گا۔ چنانچہ جب وہ چاروں میری طرف بڑھے تو میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے۔ میں تم سے گفتگو کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''مجبوری تھی، لاچاری تھی۔ میں کیا کر سکتا تھا؟ چنانچہ اُس شخص نے اُن چاروں کو پیچھے ہٹنے کے لئے کہا اور میں واپس اُسی کرسی پر بیٹھ گیا، جس پر مجھے دراز قامت آدمی نے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ دراز قامت آدمی کی نگاہوں میں کینہ توزی کے آثار تھے۔ البتہ مصری شخص مجھے قابل رحم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میرا نام فصاحت خاطری ہے۔ اور اگر تم ایران میں زیادہ عرصے سے مقیم ہو تو تمہیں میرے بارے میں جان لینا چاہئے تھا۔''

میرا منہ حیرت سے کھل گیا اور بے اختیار میں اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ''کیا کہا؟ کیا نام بتایا تم نے؟'' میں نے سوال کیا۔

''فصاحت خاطری.....''

''اوہ.....اوہ.....'' میں نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا اور دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

''اس نام سے واقف ہو؟''

''اچھی طرح واقف ہوں۔ اب ان لوگوں کو یہاں سے دفع کر دو۔'' میں نے کہا۔

''دیکھو! اسے کیا ہو گیا؟'' دراز قامت آدمی نے اُن چاروں آدمیوں کو مخاطب کر کے کہا جو ابھی اندر آئے تھے۔ اشارہ اُس قوی ہیکل شخص کی طرف تھا، جسے میرا دماغ درست کرنے کے لئے کہا گیا تھا اور میں نے اُس کی ٹانگ درست کر دی تھی۔ وہ چاروں اُسے سہارا دے کر باہر لے گئے۔ تب دراز قامت شخص نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے واقفیت کا اظہار یہ ثابت کرتا ہے کہ تم براہِ راست اُس لڑکی سے متعلق ہو۔''

''براہِ راست تو نہیں مسٹر خاطری! میری اور اُس کی ملاقات عجیب و غریب حالات میں ہوئی۔ پہلے آپ یہ بتائیے کہ وہ ہے کہاں؟ کیا آپ کی اُس سے ملاقات ہو گئی؟ میرا مطلب ہے، اُس اشتہار کے جواب میں آپ اُس سے ملے؟''

فصاحت خاطری مجھے گھورنے لگا۔ اُس کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ اور

اُس کے بعد اُس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''دیکھو نوجوان! میں تمہیں ایک بات بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر میں نے اپنے ہاتھ سے کیے ہوئے کی بھی نقصان کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ میں تمہارے اس بدن کو گولیوں سے چھلنی کر دوں گا یا پھر اتنے ٹکڑے کروں گا تمہارے بدن کے کہ انہیں گنا بھی نہ جا سکے اور اس پر ذرا برابر افسوس نہیں کروں گا۔ میں چالبازی برداشت نہیں کر سکتا۔ شاید تم نے غلطی سے میرے نام سے واقفیت کا اظہار کر دیا تھا اور اب فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔''

جواب میں، میں نے بھی اُسی کے انداز میں اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''میکسیکو کے بوچڑ معلوم ہوتے ہو تم۔ گولیاں چلا کر بدن چھلنی کرنا میکسیکو کے کاؤبوائے کی فطرت کا اظہار کرتا ہے اور بدن کے ٹکڑے کرنے والی بات بتاتی ہے کہ نسلاً قصائی ہو۔'' میں نے کہا اور اُسی وقت عربی النسل شخص مضطربانہ انداز میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مسٹر.... مسٹر.... کیا بدتمیزی ہے؟ کیا تمہیں اندازہ نہیں کہ تم فصاحت خاطری کے سامنے ہو۔''

''ہاں، ہوں۔ ان سے کہو کہ پہلے یہ میرے بدن میں اتنے سوراخ کر دیں کہ میرا بدن چھلنی ہو جائے اور اس کے بعد میرے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے دھوپ میں سکھا دیں۔ کمال کی بات ہے یار! جسے دیکھو، دھمکیوں پر دھمکیاں دیتا چلا آ رہا ہے جیسے میں انسان نہیں ہوں۔'' میں نے بھی غصیلے لہجے میں کہا۔

فصاحت خاطری نے ہاتھ اُٹھا کر مصری شخص سے بیٹھنے کے لئے کہا اور بولا۔ ''تم اطمینان رکھو حکیم عارفی! یہ شخص ابھی میرے سامنے اس طرح زبان کھولے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔''

اس دوسرے نام نے بھی مجھے چونکا دیا تھا۔ آئرن فیرین نے بتایا تھا کہ مصر میں حکیم عارفی اُس کا سرپرست تھا اور وہ اُسی کو دھوکہ دے کر فرار ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ دوسرا نام بھی میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں نے گہری نگاہوں سے مصری شخص کو دیکھا اور پھر فصاحت خاطری کی طرف دیکھنے لگا۔ ''ہاں! اب تم مجھے یہ بتاؤ مسٹر فصاحت خاطری! کہ مجھے اغواء کر کے تم نے یہاں کیوں بلوایا ہے؟''

''لڑکی کہاں ہے؟'' فصاحت خاطری نے سوال کیا۔

''آئرن فیرین کی بات کر رہے ہو؟''

''ہاں، وہی۔''

''تو پھر تم انتہائی احمق معلوم ہوتے ہو۔'' میں نے کہا اور مصری شخص ایک بار پھر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

فصاحت خاطری نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''بیٹھے رہو..... بیٹھے رہو..... بار بار کیوں کھڑے ہو جاتے ہو؟''

''مسٹر.... مسٹر..... براہِ کرم.....'' عربی النسل شخص نے ایک بار پھر میری طرف دیکھ کر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

پھر فصاحت خاطری بولا۔ ''میں احمق کیوں ہوں؟''

''کیونکہ ہوٹل کے جس کمرے سے تم نے مجھے اغواء کرایا ہے، اُس سے تھوڑے سے فاصلے پر اُس کا کمرہ بھی موجود تھا۔ اگر تمہیں اُس کی ضرورت تھی تو مجھے اغواء کرنا کیسے سود مند ہو سکتا ہے تمہارے لئے؟''

''وہ نیمروز میں نہیں ہے۔'' فصاحت خاطری غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''نہیں ہے؟'' میں نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

''ہاں! وہ وہاں سے فرار ہو گئی ہے۔''

''فرار؟'' میں نے اُسی طرح حیرت سے پوچھا۔ ''میرا خیال ہے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے فصاحت خاطری! وہ تو تمہاری تلاش مین کافی دن سے ماری ماری پھر رہی ہے۔''

''پھر رہی تھی کہو۔ اب اُسے کچھ اور لوگ مل گئے ہیں جو اُسے میرے خلاف بھڑکا چکے ہیں۔ لیکن آئرن فیرین کا حصول میرے لئے انتہائی ضروری ہے۔ تم اس کے ساتھ مسلسل دیکھے گئے ہو اور اس کی گمشدگی میں تمہارا ہی ہاتھ ہے۔ دیکھو لڑکے! میں بہت خطرناک آدمی ہوں، اور تم سے کہہ چکا ہوں کہ اگر تمہارے ذریعے مجھے معلومات حاصل نہ ہوئیں تو تمہیں ہلاک کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کروں گا۔ چنانچہ بہتر ہے اپنی زندگی بچاؤ۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ آئرن فیرین کو تم نے مصر سے کس کے ایماء پر اغواء کیا ہے؟''

''سبحان اللہ..... سبحان اللہ..... فصاحت خاطری، سنو! میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہاری اس اہمیت کو تسلیم کرتا ہوں جس کے تحت یہ شخص یعنی حکیم عارفی بار بار

اُٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ میں اپنی دُنیا کا بادشاہ ہوں۔ اگر تم کوئی بہت بڑی شخصیت ہو گے تو اپنے لئے۔ میں تم سے نہ کوئی مدد مانگوں گا اور نہ ہی تمہارا احترام کروں گا۔ ہاں! انسان کی حیثیت سے کسی کا احترام کرنا بری بات نہیں ہے۔ لیکن اس کی کیا گنجائش رہتی ہے کہ تم نے مجھے اپنے دو آدمیوں کے ذریعے بے ہوش کر کے یہاں بلوالیا ہے۔''

''ہوں! تو تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ فصاحت خاطری کیا چیز ہے.....''

''ذرہ برابر بھی نہیں۔ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آئرن فیرین اور میرے بارے میں اگر کچھ معلومات حاصل کر لیتے تو میرا خیال ہے میری طرف رُخ بھی نہیں کرتے۔ سمجھے تم؟ مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ میں اُسے اغواء کر کے یہاں لاتا۔ میرے بارے میں بس اتنا جان لو کہ میں ایک بے وطن ہوں اور حالات کے ہاتھوں شکار ہو کر مصر پہنچ گیا تھا جہاں سے فرار ہونے کے لئے مجھے نہ جانے کیا کیا ذرائع استعمال کرنا پڑے؟ پھر ایک جہاز میں چھپ کر میں یہاں تک پہنچا اور اُسی جہاز میں میری ملاقات آئرن فیرین سے ہوئی تھی۔ وہ بھی چھپ کر سفر کر رہی تھی۔ جہاز کے بارے میں پوری تفصیلات نوٹ کر لو۔ دل چاہے تو معلومات حاصل کر لینا۔ یہاں آنے کے بعد وہ ایک بار پھر مجھ سے بچھڑ گئی۔ پھر جب میں نے ہوٹل نیمروز میں قیام کیا تو اُس سے دوبارہ ملاقات ہوگئی۔ وہ تمہاری تلاش میں تھی۔ یہ مشورہ میں نے ہی اُسے دیا تھا کہ اگر فصاحت خاطری کا کوئی پتہ نہیں چلتا تو کیوں نہ وہ اخبار میں اشتہار دے دے۔ اس کے بعد سے اب تک میری اُس سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ میں تو ہوٹل نیمروز کے جس کمرے میں مقیم تھا، دوبارہ اس کمرے میں بھی نہیں گیا اور دوبارہ دوسرا کمرہ حاصل کر کے وہاں مقیم ہو گیا۔ یقین کرو! نہ تو میرا اُس سے کوئی تعلق ہے اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ اب وہ کہاں ہے۔ میری، اُس کی لمحاتی ملاقات ہوئی تھی اور اس ملاقات میں اُس نے مجھے مختصراً اپنے بارے میں بتایا تھا، جس کی میں نے تصدیق کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔ کیونکہ میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اُس نے حکیم عارفی کا حوالہ بھی دیا تھا، جو اُس کے سرپرست کی حیثیت سے مصر میں مقیم تھا۔ اس طرح میں حکیم عارفی کا نام بھی جانتا ہوں۔ بس! اس سے زیادہ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بلکہ میں نے اُسے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی تھی، لیکن اُس کے کمرے کا دروازہ بند دیکھ کر اور اندر اندھیرا پا کر واپس اپنے کمرے میں پہنچ گیا تھا اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب

تمہارے آدمی مجھے اپنے کمرے میں ملے تھے۔'' میں نے کہا۔ اس دوران فصاحت خاطری کی گہری نگاہیں میرا جائزہ لیتی رہی تھیں۔

پھر اُس کے خدوخال میں کسی قدر نرمی پیدا ہوگئی۔ ''جھوٹ اور سچ کی پرکھ بہت زیادہ مشکل نہیں ہوتی دوست! تمہارا نام کیا ہے؟''

''منصور۔''

''تعلق کہاں سے ہے؟'' اُس نے کہا اور میں نے اپنے وطن کا نام اُسے بتا دیا۔

''مصر میں کیا کر رہے تھے؟''

''جھک مار رہا تھا۔''

''اس جھک کی تفصیل بھی بتا دو۔'' اب اُس کا موڈ بدلتا جا رہا تھا۔

میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں اُسے عبداللہ کے بارے میں بتایا اور پھر وہ پوری داستان سنا دی جو یہاں تک آنے کا ذریعہ بنی تھی۔ باقی کسی اور سلسلے میں، میں نے اُس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ البتہ پروفیسر میتھون کا تذکرہ اس انداز میں کر دیا تھا کہ اُسے پتہ چل جائے۔

فصاحت اطری پر خیال نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا اور میرے خاموش ہونے پر بھی خاموشی سے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''مجھے اطلاع ملی تھی کہ ایک نوجوان کو اُس کے ساتھ دیکھا گیا ہے اور اس کے بعد تمہاری نشاندہی بھی کر دی گئی۔ لیکن جو داستان تم نے سنائی ہے، اگر وہ حقیقت ہے تو پھر تو واقعی میں تم سے شرمندہ ہوں کہ میں نے تمہیں اتنی تکلیف دی۔ لیکن نوجوان! میرا مسئلہ بھی خاصا اُلجھا ہوا ہے اور اُس لڑکی کی تلاش میرے لئے انتہائی ضروری ہے۔ مجھ سے ملاقات سے قبل ہی وہ کچھ ایسے لوگوں سے ملی تھی، جو بُرے دشمن ہیں اور انہوں نے اُسے میرے خلاف بھڑکا دیا اور یوں وہ روپوش ہوگئی۔ حالانکہ تمہاری داستان بتاتی ہے کہ وہ میری ہی تلاش میں یہاں آئی تھی۔''

''سو فیصد مسٹر خاطری..... سو فیصد! لیکن وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اُسے بھڑکا دیا؟''

''اُس نے اخبار میں اشتہار دیا اور میں اُسی اشتہار کی بناء پر اُس کے پاس ہوٹل نیمروز پہنچا تھا۔ لیکن وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ مجھے جلد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ چند افراد مجھ سے پہلے اُس سے ملے تھے اور یہ وہی لوگ تھے۔ یہ مسئلہ دراصل ایک بالکل ہی منفرد نوعیت کا

ہے۔ یوں سمجھ لو کہ میں پس پردہ رہ کر اُس کی کفالت کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُس کا باپ میرے گہرے دوستوں میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن میرے کچھ دشمن بھی اُس کی تاک میں تھے۔ اور انہی کی وجہ سے میں نے آئرن فیرین کو مصر میں پرورش کے لئے بھیجا تھا۔ چونکہ حکیم عارفی میرا پرانا دوست اور بہی خواہ ہے۔ بہت عرصے تک میں نے اس کی بھرپور حفاظت کی اور وہ نازک وقت نکال لیا جب اُس کے لئے خطرات ہو سکتے تھے۔ لیکن اُس احمق لڑکی نے نہ جانے کہاں سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد میرے تمام کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ اگر وہ مزید دو سال اور مصر میں گزار لیتی تو اُس کے بعد وہ سب کچھ اُسے حاصل ہو جاتا، جس کے لئے میں نے ایک طویل جدوجہد کی ہے۔ اب پتہ نہیں بدبخت کس حال میں ہے؟ میرے دشمن اُسے طرح طرح سے بہکا رہے ہوں گے اور بالآخر وہ اُسے بھی میرا دشمن بنا دیں گے۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''لیکن مسٹر فصاحت خاطری! مکمل تفصیل کیا ہے؟ اگر وہ آپ کے دوست کی بیٹی تھی تو آپ اُسے اپنے دشمنوں سے کیوں بچا رہے تھے؟ اس کا راز آخر ہے کیا؟ وہ دوست کون تھا؟ مجھے کچھ تو بتایئے۔''

نہیں مسٹر منصور! یہ تمام باتیں ایک انتہائی گہرا راز ہیں۔ ایسا راز جو کسی کو نہیں بتایا جا سکتا۔ بس! یوں سمجھ لیجئے آپ کہ آئرن فیرین جن ہاتھوں میں پڑ گئی ہے، وہ اُس کے مفاد میں نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اُسے بھٹکا کر نہ جانے کہاں کہاں لے جائیں گے۔ ایک سوال آپ سے اور کرنا چاہتا ہوں مسٹر منصور!''

''جی فرمایئے۔ ویسے معاف کیجئے گا مسٹر فصاحت خاطری! آپ کے لہجے میں بڑی شرافت پیدا ہو گئی ہے۔''

''جس وقت تک مجھے یہ شبہ تھا کہ تم ہی وہ شخص ہو، جو آئرن فیرین کو بہکا کر مصر سے لایا ہے تو میرے دل میں تمہارے لئے نفرت کے جذبات تھے۔ لیکن جو کہانی تم نے سنائی ہے؟ اس میں اس قسم کے شواہد جگہ جگہ ملتے ہیں کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، درست ہے۔ اس کے بعد میری تم سے نفرت برقرار نہیں رہ سکتی۔ میں دوستوں کا دوست ہوں اور دشمنوں کا دشمن۔ چنانچہ مجھ سے تعاون کرو۔ یہاں ایران میں یہ سمجھ لو کہ تمہیں جو بھی مشکل درپیش ہوئی، اس کا حل میرے پاس ہو گا۔''

''ہوں..... آپ سے سودا کیا جا سکتا ہے مسٹر فصاحت خاطری۔'' میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

''ہاں، ہاں! جو کچھ تم چاہو۔ اگر تمہارے ذریعے آئرن فیرین مجھے حاصل ہو گئی تو میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔''

''اس منہ مانگے انعام کے ساتھ ساتھ آپ مجھے ایران سے باہر بھی بھجوا سکتے ہیں۔ میرے پاس کاغذات وغیرہ موجود نہیں ہیں۔ اس لئے ایران سے باہر نکلنا میرے لئے ممکن نہیں رہا ہے۔ کیا یہ تمام کارروائی آپ اس کے عوض کر سکتے ہیں اگر میں آپ کو آئرن فیرین سے ملا دوں؟''

''یہ کارروائی تو میرے لئے چٹکیوں کا کام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں تمہیں اچھی خاصی رقم بھی پیش کروں گا۔''

''اور میری رقم کہاں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ میرے پاس بطور امانت محفوظ ہے۔ جس وقت چاہو، اُسے حاصل کر سکتے ہو۔''

''تو پھر ٹھیک ہے مسٹر فصاحت خاطری! اس بنیاد پر میں آپ کے لئے کام کر سکتا ہوں۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''تمہیں ہر طرح کی سہولتیں دی جائیں گی۔ لیکن بس! کسی بھی طرح آئرن فیرین کو حاصل کر کے مجھ تک پہنچا دو۔''

''میں اس کے لئے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

اس گفتگو کے بعد فصاحت خاطری کا انداز ہی بدل گیا۔ اُس نے اپنی رہائش گاہ کے عمدہ کمرے میں مجھے فروکش کر دیا اور پھر مجھے آرام سے یہاں رہنے کی ہدایت کر کے چلا گیا۔ اُس نے کہا تھا کہ مجھے باہر نکالنے کے لئے کچھ تیاریاں کرنی ہوں گی۔ تھوڑی بہت معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔ اپنی اس نئی رہائش گاہ میں مسہری پر لیٹ کر میرا دل چاہا کہ فلک شگاف قہقہے لگاؤں۔ کیا مزے کی زندگی تھی۔ جس کا جو دل چاہ رہا تھا، میرے ساتھ کر رہا تھا۔ لوٹ کا مال بن کر رہ گیا تھا۔

چند لمحات اسی انداز میں سوچتے رہنے کے بعد آئرن فیرین کا خیال آ گیا اور اس کے بارے میں سوچنے لگا کہ اگر وہ کچھ اور لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہے تو کیا یہ اُس کے حق میں نامناسب ہوگا؟ راعمیس سے اس بارے میں کچھ مدد لی جا سکتی تھی۔ لیکن اُس جیسے مددگاروں کا دُور رہنا ہی میرے لئے بہتر تھا۔

نہ جانے کتنے گھنٹے گزر گئے۔ رات کو میں سو گیا تھا۔ صبح کو جاگا تھا اور اس وقت دوپہر کا کھانا مجھے مسٹر فصاحت خاطری کے ساتھ ہی کھانے کی دعوت دی گئی۔

ڈائننگ ہال میں فصاحت خاطری کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں تھا۔ فصاحت خاطری نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ ''اُس کی تلاش کی ہر ممکن کوشش کر لی گئی ہے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ اب صرف تمہارا ہی ذریعہ رہ گیا ہے۔ وہ تمہیں دوست سمجھتی ہے۔ تم جس طرح بھی ممکن ہو سکے، تہران کی گلیوں، بازاروں، سڑکوں اور ہوٹلوں کا چکر لگا کر اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔'' میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

میں نے دل ہی دل میں یہ سوچا تھا کہ تہران کی سڑکوں پر نہ جانے کتنے شکاری میرے لئے جال لگائے ہوئے ہیں۔ آئرن فیرین سے میری ملاقات اس قدر آسان نہیں ہوگی۔ لیکن یہ سب کچھ تو کرنا ہی تھا۔ میں نے اُس سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا۔ میری رقم مجھے لوٹا

دی گئی اور اس کے بعد استعمال کے لئے مجھے معہ ڈرائیور کے ایک کار بھی دے دی گئی۔

''یہ کار پہچانی جا سکتی ہے مسٹر خاطری؟''

''نہیں پہچانی جا سکتی۔ میں احمق آدمی نہیں ہوں۔'' خاطری نے جواب دیا۔

''بالکل ٹھیک۔ بلکہ بہت اچھا ہے۔ کیونکہ مجھے ایران کی سڑکوں اور گلیوں سے واقفیت بھی نہیں ہے۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گا۔ کسی بھی طرح کی ہدایات تم اس ڈرائیور کو دے سکتے ہو۔ یہ صرف ڈرائیور ہی نہیں، تمہارا محافظ بھی ہوگا۔ ایک بات اور ذہن میں رکھنا منصور! بہت سی نگاہیں تمہارا تعاقب کریں گی۔ اگر تم کسی خطرے میں گھرے تو یہ لوگ تمہاری مدد بھی کریں گے اور اگر تم نے چالبازی کر کے میرے دشمنوں کی مدد کرنے کی کوشش کی تو پھر یہی لوگ تمہاری زندگی کا چراغ کسی بھی سڑک پر گل کر دیں گے۔''

''بس، بس.... دھمکیاں دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ویسے ہی بہت خوفزدہ اور پریشان حال آدمی ہوں۔ اب میں چلتا ہوں۔'' میں نے کہا اور فصاحت خاطری نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن پھر بھی مجھے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا ہی پڑا۔ اور اس کے بعد وہ حسین کار اس عمارت کے احاطے سے باہر نکل آئی۔

تہران کی خوشنما سڑکیں نگاہوں کے سامنے تھیں۔ میں تقریباً دو گھنٹے تک ان سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔ اور اس کے بعد میں نے ڈرائیور کو ہوٹل نیمروز چلنے کے لئے کہا۔ ڈرائیور نے کار کا رُخ نیمروز کی جانب کر دیا تھا۔ نیمروز پر اُترتے ہوئے میں نے اُس سے کہا۔ ''اگر کوئی خاص ہی ضرورت ہوئی تو میں کہیں جاؤں گا، ورنہ میں اپنے کمرے میں موجود ہوں۔ تم مجھ سے رابطہ کر سکتے ہو۔'' ڈرائیور نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نیمروز میں داخل ہو کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر میں نے دروازہ بند کیا اور تھکے تھکے انداز میں مسہری پر گر پڑا۔ ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ بال بال بچا تھا۔ ورنہ فصاحت خاطری میری اچھی مرمت کرا دیتا۔ یہ حالات میرے لئے انتہائی پریشان کن تھے۔ کوئی جائے قرار نظر نہیں آ رہی تھی۔ آئرن فیرین کے بارے میں سوچنے لگا۔ کون سا ایسا واقعہ ہوا تھا، وہ کیا حالات تھے جن کی بنا پر وہ فصاحت خاطری سے برگشتہ

ہوگئی تھی؟ جبکہ وہ اُسی کی تلاش کے لئے یہاں آئی تھی۔ کیا وہ اپنی شناخت میں کامیاب ہو
گئی؟ کیا اُس کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوگئی جو اُس کے بارے میں جانتے تھے؟ اُسے
یہ کس طرح معلوم ہوا کہ فصاحت خاطری اُس کا دوست نہیں، دشمن ہے۔ ویسے وہ شخص کافی
خطرناک نظر آتا تھا اور اب تک میری خطرناک لوگوں سے ملاقات ہوتی رہی تھی۔ جیسا کہ
فصاحت خاطری نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں آئرن فیرین کو اُس تک پہنچانے میں
کامیاب ہو جاؤں تو وہ میرا ایران سے نکلنے کا بندوبست کر دے گا۔

فصاحت خاطری درحقیقت آئرن فیرین کا دوست ہے یا دشمن؟ اس کا بھی کوئی صحیح
اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کوئی بات ذہن میں فٹ نہیں ہو رہی تھی۔ میں پھر اپنی جگہ سے اُٹھا
اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ آئرن فیرین کے کمرے کے چکر لگائے۔ لیکن کمرہ مسلسل بند
تھا۔ پھر میں نے یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی کہ آئرن فیرین نے وہ کمرہ چھوڑ دیا
ہے یا ابھی تک وہ اُسی کے نام پر ہے۔ تھوڑی دیر میں مجھے معلوم ہوگیا کہ آئرن فیرین کمرہ
چھوڑ چکی ہے۔ اس کا مطلب ہے، کم از کم اب نیمروز میں اُس سے ملاقات نہیں ہوسکتی
تھی۔ میں خود بھی اُس سے ملنے کے لئے پریشان نہیں تھا۔ اگر اُسے اُس کے دوست مل گئے
ہیں اور وہ محفوظ ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے تو یہ اُس کی خوش بختی تھی۔ نہ پہنچتی تب بھی مجھ پر کیا
اثر پڑ سکتا تھا؟ میرا اُس سے کون سا رشتہ تھا، اور نہ ہی میں ذہنی طور پر اُس سے متاثر ہوا
تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ وہ رات میں نے سکون سے گزاری تھی۔

دوسری صبح ڈرائیور کا خیال ذہن میں آیا۔ ظاہر ہے، آس پاس ہی کہیں ہوگا۔ لیکن جہنم
میں جائے۔ مجھے اُس سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی؟ تاہم اب فصاحت خاطری کے اطمینان کے
لئے آج بھی مجھے تہران گردی کرنی تھی۔ آج میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ایسی جگہوں کو ذہن
میں لانے کی کوشش کروں گا جو میرے سلسلے میں بھی معاون ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ میں تیار ہو
کر باہر نکل آیا۔ ناشتہ وغیرہ کر چکا تھا۔ سرخ رنگ کی وہ کار فٹ پاتھ پر دوسری جانب
کھڑی ہوئی تھی، لیکن اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور موجود نہیں تھا۔ میں اِدھر اُدھر نگاہیں
دوڑاتا ہوا کار کے قریب پہنچا تو ایک اور شخص کسی جگہ سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔

''مسٹر منصور! میرا نام فرقان جاوید ہے۔''

''کون ہیں آپ؟''

''آپ کا ڈرائیور ہوں۔ ڈیوٹی تبدیل ہوگئی ہے میری۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے کہا اور کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ ''آج ہمیں تہران
کے بازاروں کا سفر کرنا ہے۔''

''بہتر! ویسے خاطری صاحب بھی اس سلسلے میں مسلسل کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن ابھی
تک کوئی سراغ نہیں مل سکا۔'' فرقان نے کہا اور میں خاموش ہی رہا۔

میری نگاہیں دوسری طرف بھٹک رہی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ ظاہر
ہے، اس طرح آئرن فیرین کو تلاش کرنا حماقت ہی کی بات تھی۔ اس وقت شام کے تقریباً
ساڑھے پانچ بجے تھے جب فردوسی کے مجسمہ کے پاس ایک خوبصورت سے راوپن
ریستوران کی صورت نظر آئی تھی۔ میں نے شام کی چائے یہیں پینے کا فیصلہ کیا اور گاڑی
ایک طرف رُکوا دی۔ ریستوران بہت ہی اعلیٰ پائے کا تھا۔ اندر داخل ہوا تو رنگ برنگی
بزوں کے درمیان لاتعداد کھنکتے ہوئے قہقہے سنائی دیئے۔ میں اس محفل رنگ و بو میں آگے
بڑھتا چلا گیا۔ درمیان میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے خوبصورت حوض بنے ہوئے تھے جو شیشے
سے ڈھکے ہوئے تھے اور اُن کے نیچے رنگ برنگی مچھلیاں نہایت سکون سے رنگ رلیاں منا
رہی تھیں۔ ان کے درمیان ہی میزیں لگائی گئی تھیں۔ میں ایک میز کے گرد پڑی ہوئی
کرسیوں کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنے لئے ویٹر سے چائے طلب کر لی۔ نفیس
برتنوں میں چائے کے لوازمات میری میز پر پہنچ گئے اور میں چائے بنانے لگا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور چائے کے چند ہی گھونٹ لئے تھے کہ میں نے عقب سے
اُٹھتی ہوئی خوشبو محسوس کی اور پھر کسی نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں چونک کر پلٹا
اور چائے میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ چہرہ اُٹھا کر دیکھا تو ایک شناسا شکل نگاہوں
کے سامنے تھی اور اُسے پہچاننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔

خاتون بلیغہ سنجیدہ چہرہ بنائے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میرے پورے بدن میں گرم گرم
لہریں دوڑ گئیں۔ دماغ ایک لمحے کے لئے سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے عاری ہوگیا۔ اور پھر
دوسرے ہی لمحے میں نے اپنے آپ کو سنبھالا، چائے کی پیالی میز پر رکھی اور کرسی کھسکا کر
کھڑا ہوا۔ احترام سے جھکا اور خاتون بلیغہ کو اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کر
دی۔ خاتون بلیغہ نے عقب میں کسی کو دیکھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ اُن کے چہرے پر پہلی

ملاقات کی نسبت انتہائی سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر خاموش نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''کیسے مزاج ہیں آپ کے؟'' میں نے سوال کیا۔

''تم کہاں رُوپوش ہو گئے تھے؟''

''آپ کو علم ہے خاتون بلیغہ! کہ اس وقت وہاں کیا ہوا تھا؟''

''روشنی گل ہوئی تھی اور اُس کے بعد تم مجھے نظر نہیں آئے تھے۔''

''کیسے نظر آتا؟ مجھے اغواء کر لیا گیا تھا۔'' میں نے کہا اور خاتون بلیغہ کے جبڑے مضبوطی سے ایک دوسرے پر جم گئے۔ اس وقت ان کے چہرے پر ایک عجیب سی سفاکی نظر آ رہی تھی۔

''کون تھے اغواء کنندگان؟'' انہوں نے سوال کیا۔

''کیا منگواؤں آپ کے لئے؟''

''وقت گزاری کے لئے چائے منگوا لو۔ ویسے میں چائے پی چکی ہوں۔''

میں نے اس موقع کو انتہائی غنیمت تصور کیا تھا۔ ویٹر کو بلا کر چائے کا آرڈر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد چائے کے برتن آ گئے۔ اس دوران خاتون بلیغہ خاموش بیٹھی ہوئی میری شکل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر انہوں نے کہا۔ ''میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کچھ بدلے بدلے سے ہو۔''

''میں جن حالات کا شکار ہوں خاتون! اگر آپ اُن کے بارے میں تفصیل جان لیں تو آپ کو میری یہ تبدیلی عجیب محسوس نہ ہو۔''

''پوری تفصیل جانوں گی۔ لیکن فی الحال تو اپنی گمشدگی کے بارے میں بتاؤ۔'' چائے کی پیالی اپنے سامنے کھسکاتے ہوئے خاتون بلیغہ نے کہا۔

''مجھے اغواء کرنے والے عجیب و غریب لوگ تھے خاتون! انہوں نے شاید کسی دھوکے میں مجھے اغواء کیا تھا۔'' میں اس وقت بے اختیاری کے انداز میں بول رہا تھا۔ کوئی منصوبہ ذہن میں نہیں تھا۔ بس اپنی جان بچانا چاہتا تھا اور جس طرح ایک ڈوبتا ہوا آدمی معمولی سے معمولی شے کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے، میری کیفیت اُس سے مختلف نہیں تھی۔

''کس کے دھوکے میں پکڑا گیا تھا تمہیں؟''

''کیا ساری تفصیل اسی جگہ بتا دی جائے؟''

''نہیں! چائے پیو۔ تمہیں یہاں سے کہیں اور تو نہیں جانا؟''

''میں آپ سے کچھ اور بھی عرض کرنا چاہتا ہوں خاتون بلیغہ!'' میں نے کہا۔

''ہاں، کہو!'' خاتون بلیغہ نے ایک چھوٹے سے رُومال سے اپنے ہونٹ خشک کرتے ہوئے کہا۔

اس وقت بھی بہت سے لوگ، میری نگرانی کر رہے ہیں۔ وہ جو سرخ کار آپ کو نظر آ رہی ہے، مڑ کر اُس طرف نہ دیکھئے۔ اُس میں ایک ڈرائیور موجود ہے اور یہ ڈرائیور بھی میرا نگران ہے۔ اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ یہاں کتنے افراد میرے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں اور میری کسی بھی غلط حرکت پر وہ شاید میرے بدن کو گولیوں سے داغدار کرنے سے بھی نہ چوکیں۔''

''اوہ.....!'' خاتون بلیغہ نے آہستہ سے کہا اور پھر سخت لہجے میں بولیں۔ ''ٹھیک ہے۔ اس کا بندوبست بھی کر لیا جائے گا۔ لیکن اب تمہیں یہاں سے کہیں اور جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ مجھ سے کوئی بہانہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

''میں تو آپ سے درخواست کر رہا ہوں خاتون! کہ مجھے اپنے ساتھ لے جایئے۔ لیکن میرے تحفظ کے بندوبست کے ساتھ۔''

''مجھے اچھی طرح جانتے ہو تم۔ کس کی مجال ہے کہ میرے ساتھ ہوتے ہوئے کوئی تمہیں نقصان پہنچا سکے۔'' خاتون بلیغہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور خاموشی سے چائے پیتی رہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک ہاتھ بلند کیا اور ریستوران کے کسی گوشے سے ایک شخص اُن کے قریب پہنچ گیا۔ وہ بڑے ادب سے خاتون بلیغہ کے سامنے جھکا تھا۔

''ابھی ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ بیس منٹ کے اندر اندر میرے گارڈز کو یہاں ہونا چاہئے۔ میں ان صاحب کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔ ان کے کچھ دشمن، ان کی تاک میں ہیں۔ اگر کوئی انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے تو اُسے بے دریغ بھون دیا جائے۔''

''مادام کے حکم کی تعمیل ہو گی۔'' اُس شخص نے سیدھے ہو کر مؤدبانہ انداز میں کہا اور پھر ایک سمت بڑھ گیا۔

خاتون بلیغہ کرسی کی پشت سے پُر اطمینان انداز میں ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔ میں خاموش نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتا رہا۔ بظاہر یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ فصاحت خاطری کے کہنے کے مطابق کون لوگ میری نگرانی کر رہے ہیں۔ لیکن فصاحت خاطری نے جس اعتماد کے ساتھ یہ بات کہی تھی، اُس سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ بہت سے خطرناک افراد میرے گرد بکھرے ہوئے ہیں اور پھر وہ ڈرائیور بھی کچھ کم نہیں تھا۔

میں خاموشی سے بیٹھا رہا۔ دفعتہً خاتون بلیغہ نے چونک کر کہا۔ ''عاطف! تم شاید اب بھی خوفزدہ ہو۔ اور تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ خوف میری توہین ہے۔''

''نہیں مادام! میں آپ کی توہین کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہوں؟''

''تب پھر کھل کر بیٹھو۔ اطمینان سے گفتگو کرو۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''اب میں پریشان نہیں ہوں۔'' میں نے خواہ مخواہ دانت نکال دیئے۔

خاتون بلیغہ تھوڑی دیر بیٹھی رہیں۔ اور اس کے بعد بولیں۔ ''چلیں؟''

''جی ہاں! وہ آپ کے گارڈز.....؟'' میں نے کہا اور خاتون بلیغہ نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ ''مم..... میرا مطلب ہے..... بس ایسے ہی کہہ رہا تھا..... آپ کے آدمی نے آ کر آپ کو جواب نہیں دیا۔''

''مجھے جواب کی ضرورت نہیں پیش آتی۔'' خاتون بلیغہ نے درشت لہجے میں کہا اور میں خاموشی سے اُن کے ساتھ اُٹھ گیا۔

ظاہر ہے فصاحت خاطری کی دی ہوئی کار کا استعمال کرنا اب کسی طور ممکن نہیں تھا۔ خاتون بلیغہ کی شاندار کار ایک سمت کھڑی ہوئی تھی۔ باوردی ڈرائیور نے جلدی سے نیچے اُتر کر دروازہ کھولا اور خاتون بلیغہ نے مجھے بھی اپنے ساتھ ہی بیٹھنے کی پیشکش کر دی۔ میں چور نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ لیکن اس بات کا میں نے خاتون بلیغہ کو احساس نہیں ہونے دیا۔

کار آگے بڑھ گئی۔ خاتون بلیغہ آنکھیں بند کر کے کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔ میں نے موقع غنیمت دیکھ کر پچھلے شیشے سے پیچھے جھانکا۔ لیکن تعاقب کا کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ فصاحت خاطری نے خاتون بلیغہ کی وجہ سے میرا تعاقب نہیں کرایا۔ دل میں قہقہے مچل رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ فصاحت خاطری کو خوب چوٹ ہوئی۔ اُس کے

وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا کہ میں کس طرح خاتون بلیغہ کا شناسا نکل آؤں گا اور یہ خاتون بلیغہ..... ابھی میں اتنا ہی سوچ پایا تھا کہ خاتون بلیغہ کہنے لگیں۔ ''تم جس قدر جلد ممکن ہو سکے میرے ساتھ اپنے کام کی تکمیل کر لو۔ اور اس کے بعد اطمینان سے یہاں وقت گزارو۔ ہم لوگ بہت لیٹ ہو چکے ہیں۔''

''جی ہاں..... جی ہاں.....'' میں نے بے تکے انداز میں کہا۔

''ویسے تمہارے یہ دشمن کون ہو سکتے ہیں؟ میں تمہاری گمشدگی کے بعد سے مسلسل اسی بات پر غور کرتی رہی ہوں۔''

''تفصیل تو میں بھی نہیں جانتا۔ لیکن میں بہت جلد.....''

''نہیں۔ اب یہ سب کچھ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو یہی افسوس ہے کہ اُس پارٹی میں، میں نے تمہارے تحفظ کا بندوبست کیوں نہیں کر ڈالا۔ اس بات کو میں نے نظر انداز کر دیا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان کچھ اور لوگ بھی آ سکتے ہیں عاطف کمال!''

''کوئی بات نہیں میڈم!'' میں نے گردن ہلا کر کہا۔ خاتون بلیغہ سامنے دیکھنے لگیں اور اس کے بعد کسی خیال میں گم ہو گئیں۔ میں نے سکون کا سانس لیا۔

پھر یہ شاندار کار جس عمارت میں داخل ہوئی تھی، اُسے دور ہی سے دیکھ کر اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس کار کی جگہ یہی عمارت ہو سکتی ہے۔ وسیع و عریض لان جس کے دونوں طرف سوئمنگ پول پھیلا ہوا تھا اور جس روش سے گزر کر پورچ تک پہنچنا ہوتا تھا، وہ شیشے کی بنی ہوئی تھی اور اس کے نیچے سے پانی نظر آ رہا تھا جو سوئمنگ پول ہی کا تھا۔ گویا یہ گزرگاہ ایک پل کی حیثیت رکھتی تھی۔ سوئمنگ پول کے اطراف میں انتہائی نفاست سے تراشی ہوئی گھاس نظر آ رہی تھی جو بہت زیادہ سبز تھی۔ بالکل کناروں پر پھولوں اور پھلوں کے درخت جھول رہے تھے جو عمارت کے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور اُن کے درمیان یہ انتہائی نفیس ڈیزائن کی عمارت ایسے ہی محسوس ہوتی تھی جیسے کسی نے سبز گھاس پر ایک کھلونا رکھ دیا ہو۔

بیرونی برآمدے کی سیڑھیوں ہی سے قالین بچھا ہوا تھا جو ایرانی صناعی کا شاہکار تھا۔ یہ قالین اندر ایک چوڑی راہداری سے گزر کر بڑے ہال میں جاتا تھا جہاں یہ پورے ہال میں پھیلا ہوا تھا۔ ہال میں تقریباً دس کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے اور اس کے ساتھ

ساتھ ہی یہ راہداری وہاں سے آگے بڑھ گئی تھی۔ گویا یہ اس عمارت کا پہلا حصہ تھا۔ لیکن خاتون بلیغہ نے مجھے اس پہلے حصے میں نہیں رکھا۔ بلکہ دوسری راہداری سے بھی گزار کر ایک اور خوبصورت کمرے میں داخل ہوگئیں جسے ڈرائنگ روم کہا جا سکتا تھا۔ ڈرائنگ روم کے دونوں اطراف سے سیڑھیاں اُوپر کی سمت جاتی تھیں اور خاتون بلیغہ کی رہائش گاہ اُوپر تھی۔ چنانچہ ہم سیڑھیاں طے کر کے اُوپر پہنچ گئے اور خاتون بلیغہ نے اپنے عقب میں آنے والے باوردی آدمیوں سے میرے بارے میں کچھ کہا، جس کے جواب میں اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

''آپ اِدھر تشریف لے آیئے عاطف صاحب! آپ کی رہائش گاہ اس سمت ہے۔''

خاتون بلیغہ مجھ سے کوئی الوداعی لفظ کہے بغیر دوسری سمت مڑ گئی۔ میں اُسی باوردی شخص کے ساتھ اُس حصے میں آ گیا جو اُس کے کہنے کے مطابق میرے لئے تھا۔ جس خواب گاہ میں مجھے پہنچایا گیا، وہ یقینی طور پر خوابوں کی جنت تھی۔ اتنا حسین ماحول اور اتنی اعلیٰ درجے کی ڈیکوریشن میں نے اس سے پہلے کسی عمارت میں نہیں دیکھی تھی۔ میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ خدا کے کام بھی عجیب ہیں۔ کسی کو دیا ہے تو اتنا کہ وہ زندگی کی کسی بھی پریشانی کے قریب سے ہو کر نہیں گزرتا اور کوئی خالہ شہادت کی جھونپڑی بلکہ کھولی میں ساری زندگی خوابوں پر ہی اکتفا کر کے گزار دیتا ہے۔

بہرطور! میں جوتے اُتار کر مسہری پر بیٹھ گیا اور پریشان نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بہت سے کردار میرے اِردگرد بکھر گئے تھے۔ پروفیسر میتھون، اُس کی بیٹی سونیا، حارث شاہ، فصاحت خاطری، آئرن فیرین اور راعمیس..... لیکن میں نے اپنے ذہن سے اس آخری نام کو جھٹک دیا۔ راعمیس نہیں ملا تھا تو میں زیادہ مطمئن تھا۔ اپنے آپ کو دوسروں کے ہاتھوں میں دے دینا کوئی عقل مندی کی بات تو نہیں تھی۔ اور پھر وہ تو مجھ پر بلاوجہ مسلط ہو گیا تھا۔ میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''راعمیس! اگر تو میرے آس پاس ہی کہیں موجود ہے تو براہِ کرم مجھے اسی طرح تنہا چھوڑ دینا۔ میں تیری موجودگی میں زیادہ پریشان ہو جاتا ہوں۔ اس طرح میں اپنے آپ پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔'' اس بات کا میرے ذہن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ راعمیس کو اس بار میری بات بری لگ ہی گئی ہے اور یہ میرے لئے خوشی کا مقام تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص اندر آیا۔ اُس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کچھ لباس میرے سامنے رکھ دیئے اور کہنے لگا۔ ''خاتون بلیغہ نے آپ کے لئے بھجوائے ہیں۔''

''اوہ! شکریہ۔ لیکن کیا یہ میرے سائز کے ہوں گے؟''

''سو فیصد..... آپ ان میں سے کوئی سا بھی لباس پہن کر دیکھ لیجئے۔''

''انہیں الماری میں لگا دو۔''

''وہ غسل خانہ ہے۔ جس چیز کی بھی ضرورت ہو، وہ دیوار میں لگی ہوئی گھنٹی بجا کر ہمیں بلا لیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے، شکریہ'' میں نے کہا اور وہ شخص چلا گیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دوبارہ آیا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ''خاتون بلیغہ اس وقت آرام فرما رہی ہیں۔'' اُس نے کہا۔

''تو پھر ٹھیک ہے۔ مجھے کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟''

''اوہ..... بس! میں اطلاع دینے آیا تھا۔'' اُس شخص نے کہا اور واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔

لیکن اُس کی دوبارہ آمد نے مجھے چونکا دیا تھا۔ کیونکہ وہ دوبارہ کسی خاص مقصد کے تحت نہیں آیا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رُکا۔ دروازہ کھول کر وہ اس طرح باہر نکلا جیسے وہ باہر جا رہا ہے۔ لیکن پھر فوراً ہی اندر آ کر اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ اُس نے دروازہ اندر سے بند کیا تو میرے دل کی دھڑکنیں بھی بند ہونے لگیں۔ میں نے متعجبانہ نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ جلدی سے میرے قریب آ گیا۔

''میں شاہ کا آدمی ہوں۔''

''شاہِ ایران کا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اوہ..... حارث شاہ۔'' اُس شخص نے جلدی سے جواب دیا اور میرا رنگ فق ہو گیا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا۔

''یہاں کیا کر رہے ہو؟'' میں نے بمشکل پوچھا۔

''میری ڈیوٹی یہیں لگائی گئی تھی۔''

''ہوں....کیا نام ہے تمہارا؟''

''یہاں مجھے زاہد فراز کہتے ہیں۔''

''حارث شاہ کے آدمی ہو۔کوئی ثبوت ہے اس کا؟''

''ہاں! ثبوت بس یہی دے سکتا ہوں کہ آپ کو حارث شاہ کا پیغام پہنچا دوں۔''

''کیا پیغام ہے؟''

''آپ یہاں عاطف کمال کی حیثیت سے آئے ہیں اور آپ کا نام درحقیقت باتش ہے۔'' اُس شخص نے کہا۔

''درحقیقت باتش؟'' میں نے گہری نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، حقیقت درحقیقت تو آپ منصور ہیں۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔

''حارث شاہ کو میں ٹیلی فون پر آپ کی یہاں آمد کی اطلاع دے چکا ہوں۔''

''گڈ....یہ اچھا کیا تم نے۔کوئی پیغام تو نہیں ہے میرے لئے؟''

''ہاں! حارث شاہ نے پوچھا ہے کہ آپ اُس پارٹی سے کہاں غائب ہو گئے تھے اور آپ کو اغواء کر کے لے جانے والے کون تھے؟ دراصل یہ بات اچھی طرح معلوم کر لی گئی تھی کہ اُس وقت اس پارٹی میں روشنی اس لئے گل کی گئی تھی کہ آپ کو اغواء کر لیا جائے۔ آپ کو چند لوگوں نے اغواء ہوتے ہوئے دیکھا بھی تھا اور وہ ہمارے آدمی تھے۔لیکن بدقسمتی سے آپ کا تعاقب کر کے ہم اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکے کہ آپ کو اغواء کر کے لے جانے والے کون لوگ ہیں اور اس کے بعد سے ہم مسلسل آپ کے لئے پریشان تھے۔ فی الحال آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کی طرف سے تو حارث شاہ کے لئے کوئی پیغام نہیں ہے؟''

''ظاہر ہے کہ تم فوراً ہی حارث شاہ کو مجھ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتاؤ گے۔''

''جی ہاں۔اس کی مجھے ہدایت کر دی گئی ہے۔''

''تو پھر حارث شاہ سے کہنا کہ اُس سے ملاقات کرنے کے بعد ہی میں اُن لوگوں کے بارے میں تفصیل بتا سکتا ہوں جنہوں نے مجھے اغواء کیا تھا۔لیکن فی الحال میں اس کام کے

لئے یہاں پہنچ گیا ہوں جو حارث شاہ نے میرے سپرد کیا تھا۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ جناب؟''

''نہیں۔بس اتنا ہی کافی ہے۔'' میں نے جواب دیا اور وہ شخص گردن خم کر کے وہاں سے نکل گیا۔

لیکن میرے اوسان ایک بار پھر خطا ہو گئے تھے۔گویا یہاں آنے کے بعد بھی سکون نہیں تھا۔سکون کہاں سے ہوتا؟ مجھ پر دوہری، تہری بلکہ چار گنا مصیبتیں ٹوٹ پڑی تھیں۔ جس طرف جاتا، ایک نہ ایک ضرورت مند موجود تھا جو صرف میری جان کا گاہک بنتا تھا۔ زندگی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔کیا کرتا اور کیا نہ کرتا۔بہر طور! وقت گزرتا رہا۔

رات کو خاتون بلیغہ سے ملاقات ہوئی اور وہ مجھے اپنے ساتھ لئے ہوئے باہر لان پر چہل قدمی کرنے نکل آئیں۔''عاطف کمال! تمہارے مشاغل اس دوران کیا رہے؟ اپنے مقصد میں کامیاب رہے یا نہیں؟''

''میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہوں خاتون!''

''مجھے اُمید تھی۔ ویسے یقین کرو کہ میں تمہارے لئے بہت بے چین تھی۔تمہیں اغواء کرنے والوں کے بارے میں چھان بین کرنے کے لئے میں نے بے شمار آدمی مقرر کر دیئے ہیں جنہیں ابھی تھوڑی دیر قبل اطلاع دے کر میں نے اُن کے ٹھکانوں سے ہٹایا ہے۔''

خاتون بلیغہ کے ان الفاظ پر ایک بار پھر مجھے ہنسی آنے لگی۔حارث شاہ نے بھی تو ایسا ہی کیا تھا اور فصاحت خاطری.....اُس بے چارے کا تو کھیل ہی بگڑ گیا تھا۔تھوڑی دیر تک میں خاتون بلیغہ سے گفتگو کرتا رہا۔

''میرا خیال ہے، کل صبح ناشتے کے بعد ہمیں اپنی کارروائی مکمل کر لینی چاہئے۔ میں اب اس سلسلے میں مزید انتظار نہیں کر سکتی۔'' اُس نے کہا۔

''بالکل ٹھیک۔'' میں نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''چلو! پھر واپس چلتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں، میں تھکن سی محسوس کر رہی ہوں۔'' خاتون بلیغہ کہنے لگیں۔

''مناسب۔'' میں نے کہا اور اُن کے ساتھ واپس اندرونی حصے میں آ گیا۔

خاتون بلیغہ مجھ سے معذرت کر کے اپنی خواب گاہ میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے کی جانب۔ لیکن کمرے میں داخل ہوا تو زاہد فراز موجود تھا اور مسکرا رہا تھا۔ اُسے دیکھ کر ایک ار پھر میرے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ لیکن زاہد فراز کے انداز میں احترام تھا۔

''حارث شاہ صاحب آپ کی کارکردگی سے بے حد خوش ہیں منصور صاحب! لیکن اچانک ہی پروگرام کچھ تبدیل کر دیا گیا ہے۔''

''کیا.....؟''

''مجھے زیادہ تفصیلات تو نہیں معلوم لیکن خاتون بلیغہ نے کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کیا ہے اور وہ صبح کو یہاں پہنچنے والے ہیں۔ فی الحال ہمارے پروگرام میں کچھ تبدیلیاں ہوگئی ہیں اور ہم سب سے پہلا کام یہ کرنا چاہتے ہیں کہ خاتون بلیغہ کو راستے سے ہٹا دیں۔''

''کیا.....؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں منہ پھاڑ دیا۔

''اگر آپ چاہیں تو حارث شاہ صاحب سے اس بارے میں گفتگو کر لیں۔ لیکن آپ یوں سمجھیے کہ آپ کا، کام تسلی بخش ہے۔''

''تو خاتون بلیغہ کو راستے سے ہٹانے کے لئے کیا بندوبست کیا گیا ہے؟''

''کچھ نہیں۔ یہ کام آپ ہی کو انجام دینا ہوگا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ اس کام کا نعم البدل ہے جو آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔ باقی اس سلسلے میں حارث شاہ صاحب سے جو گفتگو ہوئی تھی، وہ اس کے ہر طرح پابند ہیں۔''

''اوہ!'' میں نے کراہتے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ ''لیکن زاہد فراز! میں نے آج تک کسی کو قتل نہیں کیا۔ کیا اس سلسلے میں تم میری مدد نہیں کر سکتے؟''

''سو فیصد.....کر سکتا ہوں۔ بلکہ حارث شاہ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کی مدد بھی کروں۔''

''یہ زیادہ موزوں ہوگا۔ قتل کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟''

''خاتون بلیغہ کمزور خاتون ہیں۔ میرا خیال ہے اگر آپ اُن سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کریں اور اس کے بعد اُن کی خواب گاہ میں پہنچ جائیں تو آپ با آسانی انہیں گردن دبا کر مار سکتے ہیں اور اس کے بعد آپ کا اس عمارت میں رہنا ضرورت نہیں ہوگا۔ میں آپ کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔''

''میں چند لمحات سوچتا رہا۔ کسی کو قتل کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور خاص طور سے خاتون بلیغہ جیسی عورت کو۔ اس کے برعکس میں نے کچھ اور بھی سوچا تھا۔ کیوں نہ اس وقت خاتون بلیغہ کی زندگی بچانے کی جدوجہد کی جائے؟ یہ خیال میرے ذہن میں اس قدر جڑ پکڑ گیا کہ میں مضطرب ہو گیا۔ تاہم کچھ دیر سوچنے کے بعد میں نے زاہد فراز سے کہا۔

''تمہارا قیام کہاں ہے زاہد فراز؟''

''اسی عمارت کے ایک بیرونی گوشے میں۔''

''مجھے اپنی قیام گاہ دکھا دو۔ تاکہ میں اپنے کام کی تکمیل کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں۔''

''آپ میری قیام گاہ ضرور دیکھ لیجئے۔ بلکہ میں آپ کو اس کا پتہ بتا سکتا ہوں۔ لیکن یہ کام آپ کس وقت تک تکمیل تک پہنچائیں گے؟''

''میرا خیال ہے، بارہ اور ایک بجے کے درمیان۔''

''ٹھیک ہے۔ وہی وقت سب سے مناسب ہے کیونکہ اس وقت وہاں اور کوئی نہیں ہوتا۔''

''لیکن میں خاتون بلیغہ کے پاس بارہ بجے پہنچوں گا، تاکہ انہیں کوئی شک و شبہ نہ ہو سکے۔ تھوڑی دیر اُن سے گفتگو کروں گا اور اُس کے بعد اپنا کام انجام دے لوں گا۔''

''اس وقت میں آپ سے دُور نہیں ہوں گا۔ آپ اپنے کام کی تکمیل کے بعد باہر مجھے تلاش کر سکتے ہیں۔''

''ہوں.....ٹھیک ہے۔'' میں نے دل ہی دل میں ایک پروگرام بناتے ہوئے کہا اور زاہد فراز گردن ہلا کر باہر نکل گیا۔

اُس کے بعد تقریباً آدھے گھنٹے تک میں با قاعدہ تھر تھر کانپتا رہا تھا۔ دل کو لاکھ تسلی دینے کی کوششیں کرتا رہا۔ لیکن کم بخت دل قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ میں نے خود کو سنبھال لیا اور پھر وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔ کوئی بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے جب میں اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ دروازے کے باہر ہی زاہد فراز مجھے نظر آ گیا تھا۔ اُس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور کامیابی کی دُعائیں دے کر وہاں سے ہٹ گیا۔ میں لرزتے قدموں سے خاتون بلیغہ کے کمرے کی جانب چل پڑا اور پھر اُن کے کمرے

کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔

اندر مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن خاتون بلیغہ سوئی ہوئی نہیں تھیں۔ انہوں نے وہیں سے پکار کر پوچھا۔ ''کون ہے؟''

''میں عاطف کمال ہوں۔'' میں نے کہا۔

زاہد فراز کا سایہ میں اپنے سے کچھ فاصلے پر ایک ستون کی آڑ میں دیکھ چکا تھا۔ لیکن میں نے محسوس نہیں ہونے دیا کہ میں اُسے دیکھ چکا ہوں۔ خاتون بلیغہ نے چند لمحات کے بعد دروازہ کھول دیا۔ شب خوابی کے شفاف لباس میں ملبوس وہ مجھے متحیرانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

''کیا بات ہے عاطف؟ کچھ پریشان نظر آرہے ہو۔''

''جی ہاں! کیا ایسا ممکن نہیں ہوسکتا کہ.....'' میں نے کہا اور پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

خاتون بلیغہ متعجبانہ انداز میں مجھے دیکھ رہی تھیں۔

پھر انہوں نے کہا۔ ''کیا ممکن نہیں ہوسکتا؟''

''کیا یہ ممکن نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی ایسی جگہ پہنچ جائیں، جہاں ہماری گفتگو کوئی نہ سن سکے؟''

''اس کمرے میں ہماری گفتگو کون سن سکتا ہے.....اور اس وقت؟''

''نہیں خاتون! کوئی ایسا انتظام کرنا ہوگا۔''

''تو انتظام کئے دیتی ہوں۔'' خاتون نے کہا اور پھر ایک دیوار کی طرف بڑھ گئیں۔

انہوں نے دیوار پر نصب ایک لمبا سوئچ اُوپر کی جانب کیا اور دروازے پر جست کی پلیٹیں آ پڑیں۔ گویا کمرہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہو گیا تھا۔ یہی کیفیت یہاں موجود دو بڑی بڑی کھڑکیوں کی تھی۔ اُن پر بھی جست کی چادروں نے پردہ ڈال دیا تھا۔ ''اب یہ کمرہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہے۔ آؤ بیٹھو! وہ کون سی اہم بات ہے، جس کا تمہیں اس کوٹھی میں سن لئے جانے کا خدشہ ہے؟''

''اگر میں آپ سے یہ کہوں خاتون بلیغہ! کہ درحقیقت میں عاطف کمال نہیں ہوں تو کیا آپ کو حیرت نہیں ہوگی؟''

خاتون بلیغہ چونک کر مجھے دیکھنے لگیں۔ چند لمحات خاموش رہیں۔ پھر بولیں۔ ''آگے

بولنے سے پہلے میں آپ کو یہ یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ میں عاطف کمال نہیں ہوں۔''

''تو پھر کون ہو؟'' خاتون بلیغہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک ایسی کرسی پر جا بیٹھیں جسے ڈیکوریشن پیس ہی کہا جا سکتا تھا۔ بہت ہی عجیب سی کرسی تھی اور چند ہی لمحات میں مجھے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ یہ جادوئی کرسی بہت سی خوبیوں کی حامل ہے۔ یعنی اگر خاتون بلیغہ اس پر بیٹھی ہوں تو دشمن انہیں آسانی سے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

''میرا نام منصور ہے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن کیا تمہارے چہرے پر میک اَپ ہے؟''

''افسوس! نہیں۔ یہ میری اصل شکل ہے۔''

''عاطف! اگر یہ کوئی سنجیدہ مذاق ہے تو تم یہ بات جانتے ہو کہ بعض حالات میں، میں کسی مذاق کی متحمل نہیں ہو پاتی۔''

''میں آپ سے کسی مذاق کی جرات نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ میرا نام منصور ہے اور مجھے عاطف کمال بنا کر بھیجا گیا ہے۔''

''کس نے بھیجا ہے؟'' خاتون بلیغہ کے لہجے میں بے پناہ سکون تھا۔

''حارث شاہ نامی ایک شخص نے۔ جو بھاری بھرکم جسم کا مالک ہے۔'' میں نے کہا اور اس بار خاتون بلیغہ کا ذہن جاگ گیا۔ وہ ایک لمحے کے لئے چونکے ہوئے انداز میں منہ کھول کر مجھے دیکھنے لگیں۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

''حارث شاہ.....ہوں۔ لیکن اگر ایسی بات ہے تو تم مجھ پر منکشف کیوں ہو گئے؟''

''تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں خاتون! اجازت دیجئے گا؟''

''دیکھو نوجوان! تم جو کوئی بھی ہو، ان الفاظ نے میرے دل میں تمہاری وہ قدر و منزلت ختم کر دی ہے جو عاطف کمال کی حیثیت سے قائم تھی۔ اور اب بہتر یہ ہوگا کہ تم اپنی اصلیت پر سے ایک ایک نقاب ہٹا دو اور مجھے کسی سوال کا موقع نہ دو۔''

''جی بہت بہتر۔'' اور پھر میں نے خالہ شہادت کی کھولی سے نکلنے اور خاتون بلیغہ تک پہنچنے کی ساری رُوداد تفصیل سے سنا دی۔

’’عاطف کمال کہاں ہے پھر؟‘‘ خاتون بلیغہ نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

’’خدا کی قسم خاتون بلیغہ! مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ سوائے اس کے کہ حارث شاہ نے مجھے عاطف کمال بنا کر آپ کو بے وقوف بنانے کے لئے بھیجا تھا۔‘‘

خاتون بلیغہ کے چہرے کی کیفیت ایک دم تبدیل ہوگئی تھی۔ بظاہر پروقار نظر آنے والی یہ عورت، اس وقت نہایت خونخوار نظر آ رہی تھی اور اُس کے چہرے پر وحشت کے آثار بکھر گئے تھے۔ لیکن چند لمحات کے بعد اُس کا چہرہ آہستہ آہستہ پُرسکون ہوگیا اور پھر اُس نے کہا۔ ’’تمہارا یہ انکشاف کسی حد تک میرے حق میں جاتا ہے اور یقیناً اس کا اظہار کر کے تم نے مجھ پر احسان بھی کیا ہے۔ ورنہ میں، تم اور عاطف کمال میں کوئی تمیز نہ کر سکی تھی اور شاید کل کا دن میرے لئے زندگی کا پچھتاوا بن جاتا۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھ پر یہ انکشاف کر کے حارث شاہ کو اپنا دشمن کیوں بنا لیا؟‘‘

’’خاتون! فصاحت خاطری کے آدمیوں سے جان بچانے کے لئے میں نے آپ کی پناہ لی تھی۔ ورنہ شاید دوبارہ آپ تک عاطف کمال کی حیثیت سے نہیں آتا۔ میں وہ سب کچھ نہیں چاہتا جس کے لئے مجھے مجبور کیا گیا ہے۔ اور پھر مزید مجھ پر جو ذمہ داری ڈالی گئی ہے، وہ سب سے زیادہ خطرناک ہے اور حقیقت یہی ہے کہ میں، آپ کے پاس کچھ وقت گزار کر کہیں اور بھاگ جاتا۔ لیکن کیا آپ اس بات پر یقین کریں گی خاتون بلیغہ! کہ حارث شاہ کا ایک آدمی آپ کی اس کوٹھی میں موجود ہے؟‘‘

’’کیا.....؟‘‘ خاتون بلیغہ پھر اُچھل پڑیں۔

’’جی ہاں! وہ آپ کے ایک ملازم زاہد فراز کی حیثیت سے یہاں کام کر رہا ہے اور جب میں یہاں پہنچا تو اُس نے فوراً ہی حارث شاہ کو اطلاع دے دی کہ میں خاتون بلیغہ کے پاس آ گیا ہوں۔ حارث شاہ نے اس کے ذریعے میرے لئے ایک نیا پیغام بھجوا دیا۔‘‘

’’نیا پیغام کیا؟‘‘ خاتون بلیغہ نے پوچھا۔

’’آپ کو قتل کر دیا جائے۔ وہ کام جو عاطف کمال کے ذریعے کرانا چاہتے تھے، وہ کسی اور ذریعے سے ہوگیا ہے۔‘‘

’’اوہ.....اوہ! کیا واقعی؟‘‘ خاتون بلیغہ اس بار اپنی کرسی سے کھڑی ہوگئیں۔ وہ چند لمحات پریشانی کے انداز میں کچھ سوچتی رہیں۔ پھر بولیں۔ ’’اگر حارث شاہ نے یہ سوچا ہے

تو اس کا مطلب ہے کہ اُس نے حماقت کر ڈالی۔ کیونکہ اگر اُس نے کسی اور ذریعے سے یہ سب کچھ..... یہ سب کچھ.....‘‘ خاتون بلیغہ ایک دم خاموش ہوگئیں اور پھر بولیں۔ ’’تو وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔‘‘

’’جی ہاں..... اور یہ ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے۔ اور اس کے لئے مجھے ایک گراں قدر معاوضہ دیا جائے گا۔‘‘

’’کمال کے آدمی ہو۔ ایسی بات ہے تو تم نے مجھے خاموشی سے قتل کیوں نہیں کر دیا؟‘‘

’’اس لئے خاتون بلیغہ! کہ میں صرف زمانے کا ستایا ہوا ہوں۔ پیشہ ور قاتل نہیں ہوں۔ زندگی میں کبھی ایک کتا بھی نہیں مارا۔ پھر ایک انسان کی جان کیسے لے سکتا ہوں؟ میں آپ کے احسانات کا صلہ اسی شکل میں دے سکتا تھا کہ آپ کو اپنے اور حارث شاہ کے بارے میں اطلاع دے کر آپ کی زندگی بچاؤں۔‘‘

خاتون بلیغہ چند لمحات خاموشی سے کچھ سوچتی رہیں۔ پھر اُس کرسی سے اُٹھ کر ایک صوفے پر جا بیٹھیں۔ ’’واقعی! تم نے ایسا کیا ہے۔ میں اس بات کی معترف ہوں۔ بہرحال! حارث شاہ جس غلط فہمی کا شکار ہوا ہے، وہ بھی میرے لئے کارآمد ہی ہے۔ بلکہ ایک خوشخبری ہے۔ تشویش صرف یہ ہے کہ اصلی عاطف کمال کہاں گیا؟‘‘

’’خدا جانے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔‘‘

’’تو پھر.....لیکن ٹھہرو۔ تم کہہ رہے تھے کہ زاہد فراز اُن کا آدمی ہے۔‘‘

’’جی ہاں۔ میں آپ کو اس کا ثبوت دے سکتا ہوں۔‘‘

’’ہاں! میں ثبوت چاہتی ہوں۔‘‘

’’تو پھر آپ مسہری پر لیٹ جایئے اور اس طرح بے سدھ ہو جایئے جیسے میں نے آپ کو قتل کر دیا ہو۔ طریقہ قتل آپ کو گلا گھونٹ کر مارنا تھا۔ میں آپ کے چہرے پر تکیہ رکھے دیتا ہوں۔ آپ بالکل سانس بند کر دیجئے گا۔ زاہد فراز کو بلا کو آپ کی لاش دکھائے دیتا ہوں۔‘‘

’’گڈ.....اچھا آئیڈیا ہے۔ ایسا کر لو۔‘‘ خاتون بلیغہ نے کہا اور میں اس سلسلے میں عمل کرنے لگا۔

خاتون بلیغہ کو میں نے اس طرح بے ترتیب کر کے مسہری پر لٹا دیا کہ وہ بالکل ہی بے

سدھ معلوم ہوں۔ اس کے بعد میں دروازے پر جا پہنچا۔ جست کی پلیٹیں میں نے خاتون بلیغہ کی ہدایت پر دیوار میں لگا ہوا سوئچ نیچے کر کے ہٹا دیں اور اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ میں وحشت زدہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

زاہد فراز اُسی ستون کی آڑ سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ ''کہو دوست! کیا خبر لائے؟''

''اندر آ جاؤ'' میں نے کہا اور وہ خود دروازے کی طرف مڑ گیا۔ زاہد فراز بے اختیارانہ انداز میں اندر آ گیا تھا۔ خاتون بلیغہ کی مسہری پر اُس نے نظر ڈالی اور پھر اُس کے حلق سے پرمسرت آواز نکلی۔ ''تو تم نے اپنا کام مکمل کر لیا منصور!''

''ہاں! دیکھ لیا، حارث شاہ کے کہنے کے مطابق میں نے خاتون بلیغہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ لیکن اب میرے تحفظ کا بندوبست بھی کر دیا جائے۔''

''تم حارث شاہ کو نہیں جانتے منصور! وہ دوستوں کا بہترین دوست اور دشمنوں کا بدترین دشمن ہے۔ خاتون بلیغہ کی موت سے تہران میں ایک طوفان برپا ہو جائے گا اور اس وقت اس کے قاتل کی تلاش کے لئے پولیس ہر وہ کارروائی کرے گی، جو ہو سکتی ہے۔ مگر تم مطمئن رہو۔ حارث شاہ تمہارا ہر طرح سے تحفظ کرے گا۔''

خاتون بلیغہ بے سدھ پڑی ہوئی تھیں۔ یہ الفاظ کم از کم میری پوزیشن مکمل طور پر صاف کر دیتے تھے۔ چنانچہ زاہد فراز میرا بازو پکڑ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ لیکن ابھی زاہد فراز دروازے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ عقب سے خاتون بلیغہ کی آواز سنائی دی۔ ''بس! رُک جاؤ۔''

اس آواز نے مجھ پر تو کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ لیکن زاہد فراز اس طرح پلٹا تھا، جیسے عقب سے گولی لگی ہو۔ اُس نے پلٹ کر خاتون بلیغہ کو دیکھا۔ خاتون بلیغہ ایک عجیب ساخت کا پستول ہاتھ میں لئے کھڑی تھیں۔ یہ پستول یقیناً اُن کی مسہری کی کسی دراز ہی میں موجود ہو گا۔ ہمیں ذرہ برابر آہٹ نہیں ملی تھی اور خاتون بلیغہ نے اپنا کام کر دکھایا تھا۔ اس کی نال تقریباً دو انچ چوڑی تھی اور پچھلا حصہ چوڑا تھا۔ خاتون بلیغہ نے پستول کے اشارے سے مجھے ایک طرف ہٹنے کے لئے کہا۔ جوں ہی میں زاہد فراز کے نزدیک سے ہٹا انہوں نے فائر کر دیا۔ پستول سے گولی کی بجائے ایک عجیب سا غبار نکلا تھا۔ جس نے برق رفتاری سے

بڑھ کر زاہد فراز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور پھر جب زاہد فراز کے گرد سے غبار چھٹا تو میں نے زاہد فراز کو سلوموشن میں نیچے گرتے ہوئے دیکھا۔ یقیناً وہ بے ہوش کر دینے والا غبار تھا۔ خاتون بلیغہ کے چہرے پر پتھروں کا سا سکون نظر آ رہا تھا۔ وہ چند لمحات زاہد فراز کو دیکھتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور پاؤں کی ٹھوکر سے اُسے سیدھا کر دیا۔ پھر وہ میری طرف رُخ کر کے بولیں۔

''تمہارا شکریہ منصور! میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اس وقت تم نے میری زندگی بچائی ہے۔ لیکن یہ حارث شاہ.... اس نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے ساتھیوں کی زندگی کا چراغ گل کر لیا ہے۔ اب اُسے کون میرے ہاتھوں سے بچا سکتا ہے۔''

''خاتون بلیغہ! میں نے یہ حقیر سی خدمت انجام دے کر اگر واقعی آپ کے لئے کچھ کیا ہے تو اس کے عوض اللہ کے واسطے مجھے ایران سے نکالنے کا بندوبست کر دیجئے۔''

''اطمینان سے بیٹھو۔ اگر کوئی خطرہ محسوس کرتے ہو تو ایک بار پھر اس کمرے کو ساؤنڈ پروف کر دو۔''

''اس کے ہاتھ پاؤں کس کر باندھ دوں؟'' میں نے زاہد فراز کے بارے میں خاتون بلیغہ سے پوچھا اور وہ زہریلے انداز میں مسکرا دیں۔

''ہاتھ پاؤں..... یہ کم از کم ایک ہفتہ تک اپنے بدن کو جنبش نہیں دے سکے گا۔ پڑا رہنے دو بدبخت کو اسی طرح۔'' انہوں نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور میں آگے بڑھ کر اُن کے اشارے پر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''میں تمہاری شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے، میرے بدترین دشمن سے نہ صرف بچایا بلکہ اس حقیقت کا اظہار بھی کر دیا جو بہت دنوں سے میرے دل میں مچل رہی تھی۔''

''براہِ کرم مجھے اپنے اس راز کے بارے میں کچھ نہ بتایئے گا خاتون! میں ویسے بھی ایک بے تعلق سا انسان ہوں اور ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اگر آپ نے مجھے کچھ بتا دیا تو ممکن ہے، کسی دوسرے ذریعے سے آپ کی ان باتوں کے افشاء ہونے کے بعد آپ مجھ پر ہی شبہ کرنے لگیں۔''

''میں تمہیں کچھ نہیں بتانے جا رہی منصور! بس تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا مجھے۔ ہاں! ابھی تم نے کچھ الفاظ کہے تھے اور کہا تھا کہ تم ایران سے باہر جانا چاہتے ہو؟''

''جی ہاں! یہاں میں ایسے حالات میں گرفتار ہو گیا ہوں کہ میرے لئے بڑی مشکلات پیش آ گئی ہیں۔ اب آپ دیکھئے نا! اتنے بڑے بڑے لوگوں سے میں بے وطن کس طرح نبرد آزما ہو سکتا ہوں؟ آپ کسی بھی طرح مجھے ایران سے باہر نکال دیجئے۔''

''صرف چوبیس گھنٹے صبر کر لو۔ چوبیس گھنٹے کے بعد میں تمہارے پر آسائش سفر کا بندوبست کر دوں گی۔ تم اطمینان رکھو! تمہیں یہاں سے نکلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔''

''یہ چوبیس گھنٹے میرے لئے کہیں موت کی ساعت نہ لے آئیں۔''

''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ کسی کی یہ جرات نہیں ہو سکتی۔ ہاں! ان جیسی کالی بھیڑوں سے مجھے خطرہ ضرور ہے۔ یہ بے شک میرا قدیم ملازم ہے۔ پتہ نہیں وہی ہے یا کسی نے اُس کا میک اَپ کیا ہوا ہے۔ تمہارے تحفظ کے لئے یہاں ایک تہہ خانہ موجود ہے۔ جس میں تم اطمینان سے وقت گزار سکو گے۔ صرف چوبیس گھنٹے..... میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ چوبیس گھنٹے کے بعد تمہیں تمہارے اس احسان کا صلہ دے دیا جائے گا۔''

''بہت بہت شکریہ خاتون! آپ نے میرے بدن میں نئی زندگی دوڑا دی ہے۔'' میں نے کہا اور خاتون بلیغہ کچھ سوچنے لگیں۔ پھر انہوں نے مجھے انگلی سے اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ اپنی خواب گاہ کے ایک ایسے حصے میں پہنچ گئیں جہاں دیوار کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ لیکن دیوار پر آویزاں ایک تصویر پر اُنگلی رکھ کر خاتون بلیغہ نے اس دیوار میں ایک شگاف پیدا کر دیا۔ یہ شگاف اُسی تہہ خانے کا ایک راستہ تھا، جس کا وہ مجھ سے ذکر کر چکی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے ایک انتہائی آرام دہ ایئر کنڈیشنڈ خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا جہاں ملحقہ غسل خانہ بھی تھا اور آرام کے لئے نفیس قسم کی مسہری بھی تھی۔

''تمہاری ہر طرح سے نگہداشت کی جائے گی۔ چوبیس گھنٹے ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو کر گزارو اور اس کے بعد تمہیں ایران سے نجات مل جائے گی۔ میں اب چلتی ہوں۔'' خاتون بلیغہ نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد تہہ خانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے اپنے اس نئے قید خانے کو دیکھا اور اس کے بعد مسہری پر دراز ہو گیا۔ لیٹتے ہی ذہن پر خیالات کا حملہ ہونے لگا لیکن اس وقت میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لے کر ذہن کو ان خیالات کی زد سے آزاد کر لیا۔ یہ خیالات تو اُس وقت

تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک ذہن سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے چنانچہ اپنے آپ کو ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز کر کے صرف آرام کرنا تھا اور میں آرام کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی..... جب جاگا تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ خاتون بلیغہ نے مجھے چوبیس گھنٹے کا وقت دیا ہے اور ان چوبیس گھنٹوں میں سے گیارہ گھنٹے گزر چکے تھے۔ ابھی تو بہت وقت باقی تھا۔ چنانچہ اپنے لئے کوئی دلچسپ مشغلہ تلاش کرنا ضروری تھا تاکہ وقت گزر سکے۔ غسل وغیرہ کر کے میں انتظار کرنے لگا کہ شاید خاتون بلیغہ میرے لئے ناشتے وغیرہ کا بندوبست کریں۔

تہہ خانے میں صرف غسل خانہ تھا یا پھر آرام کرنے کی جگہ۔ ایک الماری پر کچھ کتابیں بھی رکھی ہوئی تھیں کھانے پینے کا بندوبست باہر ہی سے ہو سکتا تھا۔ پتہ نہیں خاتون بلیغہ نے میرے لئے ناشتہ کیوں نہیں بھیجا؟ ممکن ہے مصروف ہو گئی ہوں یہ تو کوئی اچھی بات نہیں تھی لیکن مرتا کیا نہ کرتا۔ وقت گزاری کے لئے کتابیں ٹٹولنے لگا اور پھر اس تہہ خانے کو پوری طرح کھنگال ڈالا۔ کوئی خاص چیز نہیں تھی جب ساڑھے بارہ بج گئے تو غسل خانے میں جا کر چلوؤں سے پانی پیا اور پیاس بجھا کر بھوکے پیٹ مسہری پر آ لیٹا۔ شدید جھنجھلاہٹ ذہن پر طاری ہو رہی تھی، عجیب میزبان تھی یہ عورت۔ کم از کم کمبخت کو میرے لئے ناشتے وغیرہ کا تو بندوبست کرنا چاہئے تھا۔ اب تو کھانے کا وقت ہو رہا تھا۔ ممکن ہے ناشتہ اور کھانا ایک ساتھ ہی مل جائے۔ ظاہر ہے اپنے دشمنوں سے واقف ہونے کے بعد وہ اُن کے ساتھ مصروف ہو گئی ہو گی۔

انتظار اور صرف انتظار..... ڈھائی بجے کے قریب ایک بار پھر غسل خانے میں داخل ہوا اور پانی پی کر پیاس بجھائی۔ لیکن نہ جانے کیوں دل کو ایک عجیب سی بے چینی کا سا احساس ہونے لگا تھا۔ خاتون بلیغہ کی مسلسل گمشدگی کیا معنی رکھتی ہے چوبیس گھنٹے تک کیا وہ مجھے بھوکا ہی رکھے گی۔ میں انتظار کرتا رہا اور اب تو مجھ پر نقاہت سی طاری ہونے لگی تھی۔ یہاں تک کہ رات کے تقریباً دس بج گئے۔ اب کیفیت یہ تھی کہ پورے بدن پر سنسناہٹ طاری تھی پانی پینے کی کوشش کی تو متلی سی ہونے لگی۔ چنانچہ اب پانی پینا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ خاتون بلیغہ اگر میرے سامنے آئی تو کم از کم اس کی شکل پر تھوک ضرور دوں گا۔ میں نے غصیلے انداز میں فیصلہ کیا۔ ساڑھے گیارہ..... بارہ اور پھر ایک چوبیس گھنٹے پورے ہو

چکے تھے اور ان چوبیس گھنٹے میں ایک کھیل بھی میرے منہ میں نہیں گئی تھی۔ میں اب خاتون بلیغہ کو، کوسنے کا سلسلہ بھی ترک کر چکا تھا اور نہ جانے کیوں مجھ پر ایک خوف سا طاری ہو گیا تھا۔ خاتون بلیغہ کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نہیں معلوم کہ میں تہہ خانے میں قید ہوں۔ تہہ خانے کا راستہ بھی مجھے نہیں معلوم تھا اگر خاتون بلیغہ کسی وجہ سے مصروف ہو کر مجھے بھول گئیں تو کیا.....تو کیا اسی تہہ خانے میں دم توڑ دینا پڑے گا.....؟ نیند آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر چار بج گئے اور اب مجھ پر ہیجان طاری ہونے لگا۔ میں تہہ خانے کے دروازے کے پاس پہنچا اسے کھولنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن مشینی دروازے اس آسانی سے تو نہیں کھل جاتے۔ پتہ نہیں اندر سے اس دروازے کو کھولنے کا کوئی نظام بھی تھا یا نہیں میں اپنی سی ہر کوشش کر چکا تھا لیکن دروازہ ٹس سے مس بھی نہیں ہوتا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ خاتون بلیغہ نے اس عمارت میں اپنے تحفظ کا معقول بندوبست کر رکھا ہے۔ اس ساؤنڈ پروف کمرے کو دیکھ کر اس بات پر یقین ہو جاتا تھا کہ تہہ خانے تک کسی اور کا پہنچنا ممکن نہیں ہے لیکن اب جتنا وقت گزر چکا تھا اس کے تحت اب یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی کہ یا تو خاتون بلیغہ تہران سے کہیں باہر چلی گئیں یا پھر کسی حادثے کا شکار ہو گئیں لیکن وہ اگر کسی حادثے کا شکار ہوئی بھی ہے یا کسی بہت ہی اہم سلسلے میں مصروف ہو بھی گئی ہے تو میرا کیا ہوگا کیا میں اسی تہہ خانے میں سسک سسک کر مروں گا۔ تہہ خانہ ایئر کنڈیشن تھا۔ ایئر کنڈیشن برابر چل رہا تھا جس کی وجہ سے اندر کی فضا معتدل تھی۔ ورنہ شاید دم گھٹ کر ہی مر جاتا۔ کیونکہ ایئر کنڈیشن ہونے کی وجہ سے کوئی ایسا رخنہ نہیں چھوڑا گیا تھا جس سے نکاسی کے راستے کا کوئی اندازہ بھی لگایا جا سکے صرف کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی تھی جو وقت کا احساس دلا رہی تھی بشرطیکہ دن اور رات کو یاد رکھا جا سکے۔

ساری رات گزر گئی اور پھر تقریباً صبح کے سات بج گئے اب میرے ذہن نے ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا۔ عجیب طرح کے خیالات آ رہے تھے کبھی کوہ قاف کی وادیوں کی سیر کرنے لگتا اور کبھی جہنم زار نگاہوں کے سامنے آ جاتا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہوتی جا رہی تھیں۔ شدید نقاہت آنکھیں بند کرنے پر مجبور کر رہی تھی وقت گزرتا رہا میں مسہری پر سے اتر کر اب زمین پر آ پڑا تھا۔ کافی دیر تک زمین پر لوٹیں لگاتا رہا۔ بھوک جب ناقابل

برداشت ہو گئی تو پھر ایک بار غسل خانے کی طرف کا رخ کیا، پانی کا البتہ معقول انتظام تھا چلو پانی پیا تو غسل خانے کے فرش پر ہی لیٹ جانے کو جی چاہا اور میں نے اپنی اس خواہش کو نظرانداز نہیں کیا اور کپڑوں سمیت غسل خانے کے فرش پر لیٹ گیا پھر مزید وحشت ہوئی تو شاور کھول دیا۔ ٹھنڈے پانی کی پھواریں میرے بدن پر پڑنے لگیں۔ یہ پھواریں مجھے بار بار چونکا دیتی تھیں ذہن تو سونے کی کوششیں کر رہا تھا۔ شاید جانکنی کی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ وہ دن بھی رفتہ رفتہ گزر گیا۔ پھر رات کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے تھے جب میں نے اپنی بھرپور قوتیں مجتمع کر کے چیخنا چلانا شروع کر دیا میں بری طرح مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ ان الفاظ کا میرے ذہن سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میرا ذہن تو سوچنے سمجھنے کی قوت ہی نہیں رکھتا تھا آواز بھی شاید چڑیا کی چوں چوں کی طرح نکل رہی تھی کیونکہ حلق میں چیخنے کی قوت ہی کہاں تھی۔ بڑی عجیب سی موت مقدر میں لکھی تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ غسل خانے سے باہر نکل آیا تھا اور کمرے کے فرش پر پڑا ہوا تھا۔ بار بار ہاتھ پیروں میں اینٹھن ہونے لگتی اور جان ہاتھ پیروں کے راستے باہر نکل رہی تھی پھر نہ جانے کیا ہوا۔ ہاتھ ہی کسی شے پر پڑا تھا اور اس کے بعد ایک عجیب سی بو نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ آنکھیں شاید خود بخود کھل گئی تھیں.....ورنہ انہیں کھولنے میں میری قوت ارادی کو، کوئی دخل نہیں تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ نظر آیا، اس وقت وہی نظر آنا چاہئے تھا۔ میرے نزدیک ایک تھال رکھا ہوا تھا، جس میں بھنا ہوا مرغ اور کچھ سلائس اور چائے کے برتن نظر آ رہے تھے۔ اس وقت ان کے علاوہ اور کیا تصور میں آ سکتا تھا؟

میں پرمسرت نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ اب دو نادیدہ ہاتھ میرے چہرے کی طرف بڑھیں گے اور مرغ کی ران میرے منہ میں ٹھونس دیں گے، پھر میں اسے چبا جاؤں گا۔ اس طرح.....اس طرح میرا منہ چلنے لگا اور پھر مجھے یوں ہی محسوس ہوا جیسے میں کسی مرغ کی ران چبا رہا ہوں۔ میں نے ران چبا کر معدے میں اُتاری اور کچھ تقویت کا سا احساس ہوا۔ پھر میں مزید گوشت کھاتا رہا۔ اس کے بعد سلائس کا ایک ٹکڑا بھی میرے منہ میں آ گیا اور معدے میں حیرت انگیز طور پر توانائی پیدا ہونے لگی۔ اس توانائی نے ہوش و حواس کسی حد تک بحال کئے۔ حالانکہ یہ صرف ایک تصور تھا.....ایک خواب تھا، جو میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن معدے کی توانائی نے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ یہ خواب کیسا تھا؟

میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ یقین نہ کرنے والی بات تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تہہ خانے کے دروازے کی سمت دیکھا۔ یہ کون کرم فرما تھا جو میرے لئے یہ خوانِ نعمت پہنچا گیا تھا۔ ہاں! یہ سب کچھ غلط نہیں تھا۔ میرے سامنے بڑی سی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ خوبصورت کیتلی سے بھاپ اُٹھ رہی تھی اور مرغ مسلّم کا بہت بڑا حصہ ابھی پلیٹ ہی میں موجود تھا۔ لیکن تہہ خانے کا دروازہ بدستور بند تھا۔ کھولنے والے کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ یہ ساری باتیں بھلا اس وقت سوچنے کی کہاں تھیں؟ میں تو اس مرغ کو دیکھ کر ہی فرطِ مسرت سے پاگل ہو گیا تھا اور پھر اتنی مختصر مدت میں پورا مرغ مسلّم معہ ایک درجن سلائس کے ہضم کر جانے کا ریکارڈ ہی قائم کیا تھا میں نے۔

شکم سیری ہوئی تو چائے کی طلب بھی محسوس ہوئی اور میں نے چائے کی پیالی میں کیتلی سے چائے انڈیلی۔ واہ..... کیا چیز تھی۔ کیا بات تھی..... جب چائے کی دو پیالیاں پی چکا تو پھر میری نگاہیں دروازے کی طرف اُٹھ گئیں۔ اگر خاتون بلیغہ یہاں آئی تھی تو اس طرح یہ سامان رکھ کر خاموشی سے کیوں چلی گئی؟ اُسے یہ اندازہ تو ہوگا کہ میں کب سے بھوکا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ بوجہ شرمندگی اُس نے ایسا کیا ہو۔ گوشت کی وہ ران جو میرے تصور کے ساتھ ہی میرے منہ میں چلی گئی تھی اور جس نے مجھے اٹھنے کی قوت فراہم کی تھی، وہ میرے منہ تک کیسے آ گئی؟ اُسے سالم مرغ مسلّم سے کیسے توڑا گیا؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ذہن اب بھی سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اتنی دیر کے بعد جسم میں غذا پہنچی تھی کہ اعضا ایک دم اینٹھن سی محسوس کرنے لگے تھے۔ چنانچہ کچھ فاصلے پر پہنچ کر میں فرش ہی پر چت لیٹ گیا۔ خاتون بلیغہ نے بہرطور دیر سے انتظام کیا تھا۔ کیا خوب کیا تھا۔ اُس نے واقعی مجھے موت کے منہ سے نکال لیا تھا۔ لیکن یہ تو عجیب بات ہے۔ کم از کم اُسے مجھ سے گفتگو کرنی چاہئے تھی۔ شرمندگی کسی کی زندگی تو نہیں بچا سکتی۔

☆.....☆.....☆

بہت دیر تک اسی عالم میں لیٹا رہا اور جب بدن کی سنسناہٹ آہستہ آہستہ کم ہوئی تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ نیند چونکہ پوری طرح آ چکی تھی۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں بھی کافی وقت گزرا تھا اس لئے ذہن پر نیند کا شائبہ نہیں تھا چائے کی کیتلی میں کچھ چائے اور بچی ہوئی تھی جسے میں نے احتیاطاً معدے میں اُتار لیا کہ کہیں اس کے بعد پھر مجھے طویل عرصے تک کچھ نہ ملے۔

بہت دیر تک اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ پھر اُٹھا اور دروازے کی جانب چل پڑا۔ کون سا وقت تھا؟ اس کا کوئی اندازہ نہ ہو سکا اور نہ ہی اس وقت، وقت کے بارے میں، میں نے سوچا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے اُسے آزمانے کی کوشش کی اور پھر ایک جگہ مجھے دروازہ کچھ اُبھرا ہوا سا نظر آیا۔ میں نے اُنگلیاں پھنسا کر اسے کھولنے کی کوشش کی اور اس وقت میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا جب دروازہ آسانی سے کھل گیا۔ اس سے پہلے میں یقیناً وہ تمام کوششیں کر چکا تھا، جو دروازہ کھولنے کے لئے کارآمد ہو سکتی تھیں۔ دروازہ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ ممکن ہے، خاتون بلیغہ ہی یہ دروازہ کھول کر چلی گئی ہوں۔ کچھ عجیب سی بات تھی یہ۔ لیکن میں اب ان عجائبات پر غور نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس تہہ خانے سے مجھے نجات مل رہی تھی جسے میں اپنی قبر سمجھا تھا۔ ایک خوبصورت جنت جو بعد میں میرے لئے جہنم زار بن گئی تھی۔ اتنا ہی کافی تھا۔ باہر نکلا تو گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ دو بج رہے تھے اور یقیناً رات کے ہی دو بجے تھے۔ گویا چوبیس کی بجائے مجھے اڑتالیس بلکہ انچاس گھنٹے گزر چکے تھے۔ یا ممکن ہے، عالم بے ہوشی میں اس سے بھی کچھ زیادہ ہی وقت گزر چکا ہو۔ میں نے سوچا۔ اور اب مجھے خاتون بلیغہ کی تلاش تھی۔

میں تاریک عمارت کے مختلف کمروں میں جھانکتا پھرتا رہا۔ کہیں پوری عمارت میں روشنی

کی رمق نظر نہیں آتی تھی۔ میں اُن کمروں کو ٹٹولتا ہوا راہداری سے گزر کر بالآخر بیرونی دروازے تک پہنچ گیا۔ اور جب میں نے بیرونی دروازے سے گردن نکال کر باہر دیکھا تو مجھے روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی سوئمنگ پول کے اس حصے میں تھی جو گیٹ سے قریب تر تھا۔ لیکن اس روشنی میں مجھے کچھ اور بھی نظر آیا تھا۔

یہ ایرانی پولیس کے جوان تھے جو کرسیوں پر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ اُن کے درمیان ایک بیٹری لائٹ جل رہی تھی۔ اُن جوانوں کی باتیں کرنے کی آوازیں یہاں تک پہنچ رہی تھیں۔

''پولیس.....'' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور خوف سے ایک ستون کی آڑ میں سمٹ گیا۔ عمارت میں گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ گیٹ کے پاس پولیس موجود تھی۔ کیوں.....آخر کیوں.....؟ یہ تمام چیزیں ایسی نہیں تھیں جن کے بارے میں، میں سوچنے پر مجبور نہیں ہو جاتا۔ نہ جانے کیا کیا خیالات میرے ذہن کے پردوں سے ٹکرانے لگے۔ اس وقت سیدھا پولیس کے پاس پہنچ جانا دُنیا کی سب سے بڑی حماقت ہو گی۔ اول تو میری شخصیت ہی مشکوک تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ یہ خاتون بلیغہ کی رہائش گاہ تھی۔ اس وقت تو ملازم بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ یقیناً کوئی حادثہ یا واقعہ پیش آ گیا ہے..... میں نے دل ہی دل میں سوچا اور سب سے پہلے میں نے اس عمارت سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں سے بھاگنے کے لئے مجھے کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا تھا جو پولیس والوں کی نظروں سے بچا کر مجھے باہر تک پہنچا دے اور اس کے لئے میں نے عقبی حصہ منتخب کیا تھا جس کی تقریباً آٹھ فٹ اُونچی دیوار کو عبور کرنا میرے لئے کافی مشکل ثابت ہوا۔ لیکن زندگی بچانے کے لئے انسان ہر قسم کی جدوجہد کر لیا کرتا ہے۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں احاطے کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ میرے نیچے گرنے سے آواز بھی پیدا ہوئی تھی اور پیروں میں چوٹ بھی لگی تھی۔ لیکن میں ان دونوں باتوں سے بے پرواہ ہو کر ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ یہ جگہ ایک وسیع میدان تھی جو کافی دُور جا کر اُن مکانات کے سلسلے پر ختم ہوتا تھا جن میں مدھم مدھم روشنیاں جلتی نظر آ رہی تھیں۔ میں رُکے بغیر دوڑتا رہا اور اُن مکانات کے قریب ہی جا کر دم لیا۔ میدان خاصا وسیع و عریض تھا۔ پھیپھڑے دھونکنی بن گئے تھے۔ لیکن میں ان مکانوں کے نزدیک پہنچ کر بھی نہیں رُکا

تھا۔ ظاہر ہے رات کے دو بج گئے تھے بلکہ اب تو ڈھائی یا پونے تین بجے کا وقت ہو گا۔ ایسے عالم میں ایک ایسا شخص جس کے پاس ایران میں داخل ہونے کے کاغذات تھے اور نہ کوئی شناخت..... اگر ان تاریک گزرگاہوں پر دوڑتا ہوا پکڑا جائے تو یقینی طور پر اس کے خلاف بہت سے مقدمات بن سکتے تھے اور مجھے یہاں پر بچانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ یہاں بھی دشمنوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو میرے تعاقب میں دوڑ رہی تھی جس میں پولیس بھی شامل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اب کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی، جہاں مجھے رات کے ان بقیہ لمحات میں پناہ مل سکے۔ ایسی جگہ کی تلاش میں، میں روشن سڑکوں سے گزرتا رہا۔

کچھ دُور چلنے کے بعد ایک چوراہا نظر آیا جہاں اکا دُکا ٹریفک چلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ایک دو بار میں نے پولیس کی گاڑیاں بھی دیکھیں لیکن اپنے آپ کو ایسی تاریک جگہ چھپا لیا جہاں کسی کی نگاہ مجھ پر نہ پڑ سکے۔ یقیناً اس وقت میری حالت بہت خراب تھی۔ خدا خدا کر کے اس قید خانے سے نجات ملی تھی تو اب باہر کی دُنیا میرے لئے اتنی ہی تنگ تھی۔ کیا کروں.....کہاں جاؤں.....؟ خدا غارت کرے اُس خاتون بلیغہ کو جس نے مجھے ایک بار پھر عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔ حالانکہ میں نے تو اُس کی جان بچانے کی حتیٰ الامکان کوشش کی تھی۔ لیکن وہ کمبخت تہہ خانے میں مجھے بھول کر ایسی روپوش ہوئی تھی کہ پلٹ کر خبر تک نہیں لی تھی۔ لیکن.....لیکن وہ کھانا.....اور وہ سب کچھ.....کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ممکن ہے، خاتون بلیغہ کسی ایسے جال میں پھنس گئی ہوں جس کی وجہ سے خود کو ظاہر نہ کرنا چاہتی ہوں۔ ممکن ہے..... ممکن ہے.....اس سے آگے ذہن نے سوچنا چھوڑ دیا۔ کوئی بھی فیصلہ کن بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چوراہے پر میں نے اُوپری سمت پر تختیاں لگی دیکھیں جو مختلف علاقوں کی جانب اشارہ کرتی تھیں۔ ایک تختی داہنی سمت کی سڑک کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور اُس پر تبریز لکھا ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی تبریز تک فاصلے کی پیمائش بھی۔

''تبریز.....'' میں نے ذہن میں سوچا۔ ظاہر ہے، یہ فاصلہ میں پیدل طے نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس سڑک پر آگے بڑھتا چلا جاؤں تو کسی ایسی جگہ پہنچ سکتا ہوں جہاں میں عام لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہوں۔ شہری آبادی کے بعد یقینی طور پر سنسان علاقہ آئے گا تو کسی جگہ ٹک کر اپنے بارے میں سوچوں گا۔ ممکن ہے، مجھے تبریز تک جانے کے لئے کوئی

ایسی سواری مل جائے جو میں استعمال کرسکوں اور مجھے کوئی دقت نہ ہو۔ میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد اُسی سڑک پر چل پڑا۔

آبادی ابھی میلوں دُور پھیلی ہوئی تھی اور میں تیز تیز سفر کر کے کم از کم اس کے آخری کنارے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ مسلسل جدوجہد جاری رکھی جائے تو اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور برآمد ہوتا ہے۔ میں سب کچھ بھول کر بس اس سڑک پر چلتا رہا۔ راستے سے گزرتی ہوئی ٹریفک کو ذہن میں رکھا تھا اور اُس سے بچتا ہوا چل رہا تھا۔ نہ جانے کتنا سفر طے ہو گیا..... اور اس کے بعد مجھے آبادی خال خال نظر آنے لگی۔

یہ نواحی علاقے تھے۔ کچھ کارخانے بھی نظر آئے۔ میں ان سب کو نظرانداز کر کے آگے بڑھتا چلا گیا اور اب اُونچے نیچے پہاڑی ٹیلے اور اسی طرح کی چیزیں نظر آرہی تھیں۔ میں نے اپنے بدن کی تھکن کا کوئی احساس نہیں کیا تھا۔ بس! میرے دل میں خواہش تھی کہ یوں ہی چلتا ہوا تبریز پہنچ جاؤں۔ یہاں سے نکلنے کے بعد ممکن ہے مجھے اپنے دشمنوں سے نجات مل جائے جو بلاوجہ دشمن بن گئے تھے۔ مزید ایک گھنٹے تک چلتا رہا اور پھر جب صبح کی روشنی پھوٹنے لگی تو میرا بدن تھکن سے چور چور ہو گیا تھا۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد میں جس جگہ پہنچا، وہاں ایک چھوٹا سا نالہ بہہ رہا تھا جو سڑک کے نیچے سے گزر رہا تھا اور اس پر ایک چھوٹا سا پل بنا ہوا تھا جو آگے جا کر ایک موڑ اختیار کر لیتا تھا۔ موڑ کے پاس چند اونچے درخت تھے جن کے نیچے سرسبز ریشمی گھاس نظر آرہی تھی۔

بدن کی تھکن بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ یہ گھاس مجھے انتہائی نرم اور آرام دہ محسوس ہوئی۔ میں اُس پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ میں نے درختوں سے کچھ فاصلے پر اس تاریک دھبے پر کوئی توجہ نہیں دی جو بعد میں مجھے نظر آیا تھا۔ لیکن میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ بس میں آنکھیں بند کئے لیٹا رہا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے اپنے قریب قدموں کی چاپ سنائی دی اور چونکہ نیند نہیں آئی تھی، اس لئے یہ چاپ سن کر میں اُچھل کر بیٹھ گیا۔ روشنی اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ اطراف کا ماحول اب نگاہوں کے سامنے تھا۔

میں نے اپنے سامنے ایک دراز قامت شخص کو دیکھا جو تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو اُس کے ہونٹوں پر ہنسی آگئی۔ ''میں تمہیں مردہ سمجھا تھا۔ بالکل مردوں ہی کے انداز میں لیٹے ہوئے تھے۔''

''اوہو.....'' میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ''اب دیکھ لو! میں زندہ ہوں۔''

''ہاں..... لیکن یہاں کیوں پڑے ہوئے ہو؟ کیا دنیا سے بیزار ہو؟'' اُس نے پوچھا۔

میں اُس آدمی کی شخصیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر وہ سیاہ دھبہ اب نمایاں ہو گیا تھا۔ وہ ایک آئل ٹینکر تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ شخص آئل ٹینکر کا ڈرائیور ہو سکتا ہے۔ حلیئے چہرہ سے بھی یہی لگ رہا تھا۔ دوسرے لمحے میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور پھر میرے آواز میں شیرینی گھل گئی۔ ''آپ کون ہیں؟''

''انسان..... صرف انسان..... کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا تم مجھے انسان سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو؟''

''نہیں..... آپ تو بہت زیادہ انسان معلوم ہوتے ہیں۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہاں کیوں پڑے ہوئے تھے؟''

''تبریز جانا چاہتا تھا اور سفر کے لئے میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''تو کیا پیدل ہی ارادہ کر لیا تھا؟''

''ہاں! سوچا تھا کہ پیدل ہی چلتا رہوں گا اور کبھی نہ کبھی تبریز پہنچ جاؤں گا۔''

''نہیں..... کبھی نہ کبھی نہیں، بلکہ تم جلد ہی تبریز پہنچ جاؤ گے۔ ابھی سفر کرنا پسند کرو گے یا کچھ دیر رکنا چاہو گے؟''

''کیا مطلب؟''

''میں اُس آئل ٹینکر کا ڈرائیور ہوں اور تبریز ہی جا رہا ہوں۔ اگر تم میرے ساتھ چلنا چاہو تو چل سکتے ہو۔''

میں خوشی سے اُچھل پڑا تھا اور پھر دوسرے لمحے میں اُٹھ کر اُس کے ساتھ چل پڑا تھا۔ آئل ٹینکر بہت شاندار تھا۔ میں نے اس میں بیٹھتے ہوئے اُس سے پوچھا۔ ''کیا تم تنہا ہو؟''

''تنہا ضرور ہوں۔ لیکن تم میرے یہ بازو دیکھ لو۔ تمہاری کسی بھی حرکت پر تمہاری گردن اُڑا دینے کے لئے کافی ہیں۔'' اُس نے اپنے قوی ہیکل بازوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ! میزبان بھی بنے ہو اور خوفزدہ بھی کر رہے ہو۔''

''پیش بندی کر رہا ہوں۔'' اُس نے آئل ٹینکر کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر انجن سٹارٹ

کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں کیوں رُک گئے تھے؟''

''ایک ٹائر تبدیل کرنا تھا۔'' اُس نے جواب دیا اور میں اُسے دیکھنے لگا۔ ڈرائیور کے الفاظ میرے لئے دلچسپ بھی تھے اور اطمینان بخش بھی۔

وہ اپنے لئے پیش بندی کر رہا تھا۔ جبکہ میں اُس سے خوفزدہ تھا۔ تن و توش میں وہ مجھ سے کہیں زیادہ تھا۔ تھوڑی دیر مکمل خاموشی رہی۔ ڈرائیور ان سڑکوں کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ میرے خیال میں وہ آنکھیں بند کر کے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد اُس نے مجھ سے سوال کیا۔ ''تم ایرانی نہیں معلوم ہوتے۔''

''تمہاری معلومات خاصی اچھی ہیں۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''مونس اعلیٰ۔'' اُس نے جواب دیا اور پھر خود ہی بولا۔ ''میں کرد ہوں۔ کردستان کا رہنے والا ہوں۔'' اُس کے لہجے میں ایک فخر سا پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور تم..... میرا یہ اندازہ غلط تو نہیں ہے کہ تم ایرانی نہیں ہو۔''

''میں تمہارے ایک دوست ملک کا باشندہ ہوں۔'' میں نے کہا اور وہ پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

''پاکستانی.....؟''

''ہاں! پاکستانی.....'' میں نے جواب دیا۔

''میں اس آئل ٹینکر میں تیل لے کر افغانستان اور پاکستان آتا جاتا رہتا ہوں۔ میں ذاتی طور پر پاکستان کو پسند کرتا ہوں۔ میرے قصبے چلو گے؟ ایک کرد باشندہ تمہیں اپنا مہمان بناتے ہوئے فخر محسوس کرے گا۔''

''کون سا قصبہ ہے تمہارا؟''

''قزبین سے ایک بس ہمارے پہاڑی قصبے تک جاتی ہے۔'' اُس نے جواب دیا۔

''اگر موقع ملا تو ضرور چلوں گا۔'' کچھ اور فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے اُس سے پوچھا۔ ''تم تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتے ہو مونس!''

''ہاں! میں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں آئل ٹینکر چلاتا ہوں۔ وجہ مت پوچھنا۔''

''نہیں..... میں وجہ نہیں پوچھوں گا۔'' میں نے کہا۔

''کیا تم میرے ساتھ قزبین میں قیام کرنا پسند کرو گے؟ اُس کے بعد میں تمہیں تبریز پہنچا دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ تمہارے ساتھ کچھ دیر قیام کر کے مجھے مسرت ہو گی۔ لیکن کسی اجنبی پر اس طرح اعتماد کر لینا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے مونس!''

''تم اجنبی نہیں ہو، پاکستانی ہو۔'' اُس نے آہستہ سے جواب دیا اور اس کے لہجے میں گھلی ہوئی مٹھاس سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔

اس کے بعد میں نے اُس کی بات ماننے میں کوئی تامل نہیں کیا تھا۔ بالآخر آئل ٹینکر، قزبین میں داخل ہو گیا۔ چھوٹی سی نیم بوسیدہ مکانات پر مشتمل یہ آبادی شاید اپنے دوسرے رُخ سے خوبصورت ہو۔ لیکن جس حصے میں مونس اعلیٰ نے آئل ٹینکر روکا تھا، وہاں مخصوص قسم کے مکانات بنے ہوئے تھے۔ اُن کے آگے وسیع و عریض احاطوں میں درختوں کی بہتات تھی۔ آئل ٹینکر کے رُکتے ہی تقریباً بارہ، تیرہ سال کے دو لڑکے وہاں پہنچ گئے۔ مونس نے اُن دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیر کر میرا اُن سے تعارف کرایا۔ یہ اُس کے چھوٹے بھائی تھے۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میرے گھر میں کوئی بہن نہیں ہے اور نہ ہی اور کوئی چھوٹا بچہ۔ بس! ماں ہیں اور ہم تینوں ہیں۔''

مونس اعلیٰ کی ماں قدرے فربہ بدن اور سفید رنگ کی خاتون تھیں جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ احترام کے جذبے پیدا ہو جاتے تھے۔ مونسل اعلیٰ نے میرا اُن سے تعارف کرایا تو اُنہوں نے بڑی اپنائیت سے میرے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پیشانی چوم کر دُعائیں دیں۔ اُس کے بعد خاطر مدارت شروع ہو گئی۔ میں ایک مخصوص قسم کی چارپائی پر بیٹھ گیا اور اسی چارپائی پر مجھے دودھ، پنیر سے بنی ہوئی کھیر نما کوئی چیز اور خاص قسم کی روٹیاں فراہم کی گئیں جن پر تل لگے ہوئے تھے۔ لیکن کیا ہی لطف آیا اس کھانے میں اور اس کے ساتھ ساتھ جو محبت پیش کی جا رہی تھی، وہ انتہائی قابلِ احترام تھی۔ رات کو میں اُسی احاطے میں سویا اور مونس اعلیٰ بہت دیر تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا۔

دوسری صبح اُس نے جانے کی تیاری کرتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر منصور! تم بلاشبہ جب تک

چاہو، یہاں رہ سکتے ہو۔ ہم سب تمہاری آمد سے بہت خوش ہیں۔ لیکن اگر تمہارا فوراً ہی تبریز جانا ضروری ہے تو میں تمہیں وہاں بھیجنے کے انتظامات کئے دیتا ہوں۔ یا اگر تم چاہو تو میں خود تمہیں تبریز چھوڑ آؤں.....''

''نہیں! اگر تمہارا پروگرام خود وہاں جانے کا نہیں ہے تو اتنی زحمت مت کرو۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تبریز پہنچنے کے لئے مجھے کیا ذریعہ استعمال کرنا چاہئے؟''

''تمہیں قزوین سے تبریز جانے کے لئے بس مل جائے گی اور اس میں تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ ویسے تبریز میں تم کہاں قیام کرو گے؟''

''بس! جو جگہ مناسب لگی، دیکھ لوں گا۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

''اگر تین چار دن کے اندر اندر میں پہنچا تو تمہیں تلاش کر لوں گا۔'' اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر وہ مجھے ساتھ لے کر اُس جہاں آ گیا جہاں سے میں تبریز جانے والی بس میں سوار ہو سکتا تھا۔ تبریز کے لئے جانے والی بس میں مجھے جگہ مل گئی اور مونس نے پرجوش مصافحے کے بعد میری پیشانی چوم کر مجھے رُخصت کر دیا۔

بس میں طرح طرح کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں سب سے الگ تھلگ ایک کونے والی سیٹ پر بیٹھا رہا اور بالآخر قزوین سے تبریز تک کا سفر طے ہو گیا۔ بس تبریز پہنچ گئی تھی..... یہاں پہنچ کر میرے ذہن میں تبریز دیکھنے کی خواہش بیدار ہو گئی۔ جب میں یہاں آیا تھا اور کم از کم تہران کی اُس پر ہول زندگی سے نجات مل گئی تھی تو تھوڑی سی سیاحت ہی کیوں نہ کی جائے.....

بس سے اُترنے کے بعد میں نے سب سے پہلے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کر لینا مناسب سمجھا، جہاں قیام کیا جا سکے۔ اندرونِ شہر بے شمار اعلیٰ پائے کے ہوٹ وغیرہ بھی ہوں گے۔ لیکن بیرونِ شہر ہی مجھے فانوس نام کا ایک ہوٹل نظر آ گیا۔ ایک منزلہ عمارت تھی، بے رنگ و روغن۔ یقیناً اُس پر رنگ و روغن اُس وقت کرایا گیا ہوگا، جب اُسے تعمیر کیا گیا ہوگا۔ چھوٹے چھوٹے مسافر خانے نما کمرے بنے ہوئے تھے۔ باہر ایک ایسی جگہ بنا دی گئی تھی جہاں آگے کی سمت ہوٹل کا مالک ایک چھوٹی سی میز کے گرد بیٹھا ہوا تھا اور اُس کے عقب میں بہت بڑا باورچی خانہ تھا۔

اُس نے مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو میں نے اُس سے قیام کے لئے جگہ طلب کی۔

کچھ بھی نہیں پوچھا تھا اُس بے چارے نے۔ بس حساب لگا کر روزانہ کے قیام و طعام کا معاوضہ بتا دیا تھا اور میں نے اُسے ایک ہفتے کی پیشگی رقم ادا کر دی جو شاید اُس کے لئے حیرت اور مسرت خیز تھی۔ کیونکہ اُس کے انداز میں تپاک پیدا ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد مجھے اُس کمرے میں منتقل کر دیا گیا جہاں ہسپتالوں جیسا لوہے کا پلنگ پڑا ہوا تھا جس پر بہت موٹے سے گدے اور چادر منڈھ دی گئی تھی۔ بیت الخلاء مشترک تھا۔ غسل کے لئے کسی حمام کا رُخ کرنا پڑتا۔ یہاں اس کا بندوبست نہیں تھا۔ لیکن بہر طور! یہ جگہ میں نے اس لئے پسند کی تھی کہ یہاں کم از کم عام نگاہوں میں آنے سے محفوظ رہوں گا۔ میں نے کھانا کھایا اور اُس کے بعد بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔

شام چار بجے تک آرام کی نیند سوتا رہا اور پھر ساڑھے چار بجے منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آیا۔ کافی دیر تک میں شہر میں گھومتا رہا۔ بلا شبہ حسین جگہ تھی۔ منفرد قسم کے مناظر یہاں بکھرے پڑے تھے جن سے سکون کے عالم میں لطف اندوز ہوا جا سکتا تھا اور مجھے یہاں کم از کم اُن لوگوں کا خطرہ نہیں تھا جو میری جان کے درپے تھے۔ ایک چھوٹے سے کھلے ہوئے ریستوران میں بیٹھ کر میں نے قہوہ طلب کیا اور انتہائی نفیس قسم کی قہوے کی پیالیاں میرے سامنے لگا دی گئیں۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اخبار کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ میں نے یوں ہی اُس پر پاؤں رکھا لیکن دفعتاً ایک چہرے نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرا لی جس کی تصویر اخبار میں چھپی ہوئی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اخبار وہ ٹکڑا اُٹھا لیا۔

یہ دو دن پہلے کا اخبار تھا۔ انگریزی زبان میں تھا۔ اس لئے پڑھنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ لیکن اُسے پڑھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ ایران کی ایک متمول شخصیت اور بے شمار خوبیوں کی مالک خاتون بلیغہ کے قتل کی خبر تھی جنہیں انتہائی بے دردی سے گردن پر چھری پھیر کر ہلاک کر دیا گیا تھا...... جس قدر خبر اخبار کے اس ٹکڑے میں مل سکی، وہ نامکمل تھی۔ لیکن اُسے پڑھنے کے بعد میرے ذہن میں سناٹے در آئے۔ خبر پڑھنے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ خاتون بلیغہ میرے مسئلے میں بے قصور تھیں۔ انہیں غالباً اُسی دن قتل کر دیا گیا تھا، جس دن انہوں نے مجھے اپنے ہاں محفوظ کیا تھا۔ قتل کی پوری تفصیلات سالم اخبار ہی میں مل سکتی تھیں۔

میں بے چین ہو گیا کیونکہ یہ ادھوری خبر پڑھ کر مجھے مکمل آگاہی نہیں ہوئی تھی۔ میں کسی

بک سٹال کی تلاش میں چل پڑا۔ لیکن کئی بک سٹال چھاننے کے بعد بھی مجھے پچھلے دنوں کا اخبار نہیں مل سکا۔

خاتون بلیغہ کے قتل کی اطلاع تو مل ہی گئی تھی۔ تمام حالات ذہن میں روشن ہو گئے تھے۔ ظاہر ہے، وہ بے چاری مجھے تہہ خانے میں پہنچانے کے بعد اپنے معمولات میں مصروف ہو گئی تھی اور اس دوران میں اُسے قتل کر دیا گیا تھا..... پھر وہ تہہ خانے کی طرف رُخ کیسے کر سکتی تھی؟ میرے دل میں خواہ مخواہ اس عورت کے لئے بدگمانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اُس نے میری طرف سے بے پروائی نہیں برتی تھی، بلکہ زندگی ہی نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ دل کو ملال تھا۔ لازمی بات تھی کہ خاتون بلیغہ کے قتل میں حارث شاہ کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔ اگر میں ایرانی پولیس کو اس کے بارے میں تفصیلات فراہم کر دوں تو یقینی طور پر حارث شاہ کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ کیونکہ خاتون بلیغہ اچھی خاصی حیثیت کی مالک معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن خود میری زندگی کا پھر کون سہارا ہوتا؟ حارث شاہ کو یقیناً اس بات کا خطرہ بھی ہو گا کہ کہیں میں پولیس کے سامنے اُس کی پول نہ کھول دوں۔ اس خیال کے ساتھ ہی میرے ذہن پر خوف و دہشت کا غلبہ طاری ہو گیا۔ ممکن ہے حارث شاہ، تہران کے گلی کوچوں میں مجھے تلاش کر رہا ہو، صرف اس خوف کے تحت کہ کہیں اُس کے ہونے کا راز فاش نہ ہو جائے۔ میں ترچھی نظروں سے اپنے اطراف میں بکھرے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کوئی میری جانب متوجہ تو نہیں ہے؟ لیکن حالات پرسکون تھے۔ کسی کو بھی میری طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔

اس بات سے میں سخت خوفزدہ تھا۔ میں فوراً ہی وہاں سے اُٹھ گیا اور ہوٹل فانوس میں آ کر قلعہ بند ہو گیا۔ یہی گوشہ عافیت تھا۔ لیکن خوف و دہشت شاید میری زندگی کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ اب تک جو پیچ در پیچ واقعات پیش آئے تھے، اُن کو جوڑنے بیٹھتا تو اتنی لمبی زنجیر بن جاتی کہ کوئی اُسے ناپ نہ پاتا۔ پاکستان سے مصر اور مصر سے ایران تک کے سفر میں جو کچھ ہوا تھا، وہ دُنیا کے حیرت انگیز ترین واقعات پر مبنی تھا۔ میں اپنی داستان لکھنے بیٹھوں تو شاید کوئی اس پر یقین نہ کرے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات اتفاقات کی کہانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئے..... ایران چھوڑ دینا بے حد ضروری تھا۔ لیکن ایران کی سرحد عبور کرنے کے لئے میرے پاس ذرائع نہیں تھے۔

معلومات حاصل کر کے میں کوشش بھی کرتا تو کم از کم ایرانی سرحدوں کو پار کرنے کا کوئی راستہ تو ہوتا ہی ہے۔

میں پریشانی کے عالم میں سوچتا رہا۔ کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آ سکی تھی، سوائے اس کے کہ تبریز کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا رہوں..... جب تک جیب میں رقم موجود ہے، فانوس میں قیام کروں اور اُس کے بعد یہاں کی سڑکوں پر بھیک مانگوں۔ نہیں..... یہ میری زندگی تو نہیں تھی۔ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہو گا۔

تین دن گزر گئے۔ میں تبریز کے مختلف مقامات کی سیر کر چکا تھا۔ خوش بختی تھی کہ کسی بھی حادثے سے دوچار نہیں ہوا تھا۔ البتہ ایسا کوئی ذریعہ نظر نہیں آیا جس سے میں ایران سے نکل سکوں۔ مجھے علم ہو گیا تھا کہ تبریز سے بازرگان، جو ایران، ترک سرحد پر واقع ہے، بس کے ذریعے سرحد عبور کی جا سکتی ہے اور وہاں سے ارضِ رُوم پہنچا جا سکتا ہے۔ ارضِ رُوم پہنچنے کے بعد استنبول میں داخل ہونا بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہو گا۔ اور میں سمجھتا تھا کہ اگر میں کسی طرح یہاں سے نکل کر ارضِ رُوم پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں تو میری مشکل حل ہو سکتی ہے۔ لیکن کاغذات کا کیا ہو گا؟ کوئی ترکیب ذہن میں نہیں تھی۔ میں زندگی بچانے کے لئے سرگرداں تھا، لیکن سارے راستے رُکے ہوئے تھے۔

یہ رات بڑی بے چینی کے عالم میں گزری۔ یہاں سے اب دل اُکتا گیا تھا اور میں ہر قیمت پر اس بے بسی کی زندگی سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اس دوران میں یہ دل بھی چاہا کہ خود کو ایرانی پولیس کے حوالے کر دوں اور اعتراف کر لوں کہ میں بغیر کاغذات کے یہاں داخل ہوا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ کچھ عرصے کی سزا ہو جائے گی اور اُس کے بعد شاید مجھے پاکستان واپس بھیج دیا جائے۔ ظاہر ہے، کسی جرم میں گرفتار نہیں ہوں گا۔ جو کہانی سناؤں گا، وہ لوگوں کے لئے ناقابلِ یقین تو ہو گی۔ زیادہ سے زیادہ مجھے خبط الحواس سمجھ لیا جائے گا اور کسی طور میری کہانی پر یقین نہیں کیا جائے گا جس کا نتیجہ..... یہ نتیجہ ہی مجھے پریشان کر رہا تھا۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ ان حالات میں واپس جاؤں۔

پندرہ روز اور اسی طرح گزر گئے۔ فانوس کی چھت کے نیچے پناہ تو مل گئی تھی لیکن اس سے سارے راستے بند تھے۔ میرے دل کی بے چینی جب انتہا کو پہنچ گئی تو بالآخر میں نے وہی قدم اٹھایا جس کے سوا اُس وقت اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ معلومات حاصل کر کے میں اُس

جگہ پہنچ گیا جہاں سے بسیں ایران، ترک سرحد بازرگان کی طرف جاتی تھیں۔ ایک بس پر مجھ جیسے بے یار و مددگار انسان کو بھی جگہ مل گئی اور میں دھڑکتے دل کے ساتھ اُس میں سوار ہو گیا۔ اس کے علاوہ اور کیا کرتا؟ بہرحال ذہن کو اس طرف سے ہٹا کر راستوں کے مناظر کی جانب لگا دیا۔ تبریز سے نکلتے ہی بلند و بالا برفانی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بازرگان تک یہ برف پوش پہاڑ یونہی آنکھ مچولی کھیلتے رہے۔ بازرگان وہ جگہ تھی جہاں سے ترک علاقے میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد راستے کے مناظر اور ایران کی تاریخ ذہن سے محو ہو گئی اور مجھے اپنی تاریخ سامنے نظر آنے لگی۔ مستقبل..... جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری، کوڑے، لاتیں، گھونسے، تھپڑ...... جن سے میں کبھی روشناس نہیں ہوا تھا۔ لیکن اب وقت آ گیا تھا کہ میں ان لطافتوں کا مزہ بھی چکھوں۔ مجھے غیر ملکی جاسوس بھی سمجھا جا سکتا تھا اور کوئی تخریب کار بھی...... جو بغیر کاغذات کے سفر کر رہا ہو۔ اپنے آپ کو اس عذاب میں جھونک دینا عقل مندی نہیں تھی۔ لیکن بس! ذہن پر ایسا ہیجان طاری ہو گیا تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی بات سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

بس سے دوسرے مسافر بھی اُترے۔ بے شمار افراد تھے جو بازرگان سے سرحد عبور کر کے ترکی کے علاقے میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اُن کے پاس کاغذات وغیرہ سب موجود تھے۔ سرحدی چوکی پر موجود محافظوں نے سب مسافروں میں مخصوص قسم کے فارم تقسیم کر دیئے اور اُن کا سامان، اُن کے کاغذات سمیت محافظوں کی تحویل میں پہنچ گیا۔

سب لوگ فارم پڑھنے اور پُر کرنے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن میں قلم ہاتھ میں لئے بیٹھا سوچتا رہا کہ کیا لکھوں؟ کاغذات سب لوگوں نے محافظوں کے حوالے کر دیئے تھے۔ لیکن کاغذات لینے والے ذرا بے ترتیبی کا شکار تھے۔ میرے پاس سے گزرتے ہوئے انہوں نے میری طرف ہاتھ ضرور بڑھایا تھا۔ لیکن ظاہر ہے، میرا ہاتھ انہیں کیا دے سکتا تھا؟ چنانچہ میں خاموش کھڑا رہا اور وہ آگے بڑھ گئے۔ اُس کے بعد وہ فارم سب مسافروں سے لے لئے گئے، جو پُر کرنے کے لئے دیئے گئے تھے۔ میرا فارم ہنوز سادہ تھا اور میں تقدیر کا فیصلہ سننے کا منتظر تھا..... تقدیر کا فیصلہ تو بظاہر میری نگاہوں کے سامنے تھا اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا کہ میں اپنا بچاؤ کر سکوں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟ جہاں تک میں پہنچ گیا تھا، وہاں سے فرار اب ممکن نہیں تھا۔

لوگوں نے اپنے اپنے کوائف اور سامان کی تفصیل فارم میں درج کر کے فارم محافظوں کے حوالے کر دیئے تھے۔ ایک طرف چند محافظ اسیشین کتوں کی زنجیریں تھامے کھڑے ہوئے تھے اور یہ کتے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے اُس سامان کو سونگھ رہے تھے، جو مسافروں سے حاصل کیا گیا تھا۔ پتہ چلا کہ یہ کتے منشیات کا کھوج لگاتے ہیں اور ان کے سامنے تمام مشینی آلات دھرے رہ جاتے ہیں۔ کئی افراد کو منشیات کی موجودگی کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا اور اُن کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر محافظ انہیں بے دردی سے دھکیلتے ہوئے آگے لے گئے۔ ایسا لگتا تھا، چند لمحات کے بعد میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہونے والا ہے لیکن منشیات کے سمگلر کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک غیر ملکی جاسوس کی حیثیت سے جس کے بارے میں ثبوت مہیا ہو جانے پر اُسے گولی بھی ماری جا سکتی تھی۔ مجھے اپنے بدن میں جگہ جگہ خون اُگلتے ہوئے سرخ سرخ سوراخ نظر آنے لگے..... لیکن کچھ نہ ہوا۔ مجھے اُن لوگوں کے ساتھ ایک میدان کی طرف بھیج دیا گیا جہاں مسافروں کا کلیئر کیا ہوا سامان رکھا تھا۔ ایک طرف کاؤنٹر بنا ہوا تھا جہاں ایرانی ریال، ترک لیرا میں تبدیل کئے جا رہے تھے۔

چند ہی لمحات کے بعد محافظوں میں سے ایک نے کچھ کاغذات میری طرف بڑھا دیئے۔ میرے ہاتھ بے اختیار اُس کی طرف بڑھ گئے۔ یہ ایک پاسپورٹ اور کچھ کاغذات تھے۔ لیکن شاید کسی اور کے دھوکے میں یہ کاغذات میرے حوالے کئے جا رہے تھے۔ ان کاغذات کے ساتھ کرنسی بھی تھی جو ایرانی ریالوں کی شکل میں تھی۔ میں نے لرزتے ہاتھوں اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے پاسپورٹ کا پہلا صفحہ کھول کر دیکھا۔ پہلا صفحہ پلٹنے کے بعد میری جو کیفیت ہوئی، وہ ناقابل بیان تھی۔

خود مجھے بھی یقین نہیں آ رہا تھا کیونکہ پاسپورٹ کے پہلے صفحے پر میری ہی تصویر چسپاں تھی جس پر باقاعدہ ایرانی حکومت کی مہر بھی تھی۔ لیکن آنکھیں اب بھی اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھیں۔ دھندسی چھا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے پہاڑوں پر پھیلی ہوئی ساری دھند میری آنکھوں میں سمٹ آئی ہو..... بڑی مشکل سے آنکھوں کو صاف کیا۔ تصویر دیکھی، نیچے اندراجات دیکھے۔ تصویر میری ہی تھی۔ میں ایرانی باشندے کی حیثیت سے ترکی کی جانب سفر کر رہا تھا۔

ناممکن..... ناقابل یقین..... یہ کاغذات کیسے تیار ہوئے؟ اور محافظوں کے پاس کیسے

پہنچے؟ میں نے تو انہیں کچھ بھی نہیں دیا تھا..... اور یہ کرنسی نوٹ، جو اچھی خاصی تعداد میں تھے۔ بہت دیر تک ان چیزوں پر یقین نہیں آیا۔ پھر ایک محافظ نے مجھے وہاں سے آگے بڑھنے کے لئے کہا۔ ہر مسافر کا سامان، اُس کے حوالے کرنے کے دوران ایک چھوٹا سا خوبصورت سوٹ کیس میرے ہاتھ میں بھی تھما دیا گیا۔ میں نے حیرت سے محافظ کی طرف دیکھا۔ لیکن وہ دوسری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

یہ سوٹ کیس بھی میرا نہیں تھا۔ میں تو بے سروسامانی کے عالم میں یہاں تک آیا تھا..... پھر یہ سوٹ کیس کس کا ہے؟ میں نے بغور سوٹ کیس کا جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر میری آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہو گئے کہ سوٹ کیس کے ایک مخصوص حصے پر میرے نام کا، کارڈ لگا ہوا تھا۔ میری جو کیفیت ہوئی ہو گی، اُس کا تصور آپ بھی کر سکتے ہیں۔ چونکہ دوسرے مسافر آگے بڑھتے جا رہے تھے، لہٰذا میں بھی اُن کے ساتھ بوجھل قدموں سے چل پڑا۔ چند قدم ہی چلا تھا کہ دفعتہً میرے ذہن میں ایک نام گونجا..... راعمیس..... اور اس نام کے ذہن میں آتے ہی حیرت یوں غائب ہو گئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ..... راعمیس! میں نے ہونٹ بھینچ کر سوچا..... راعمیس..... میرے ذہن میں ایک ٹھنڈک سی اُبھری..... راعمیس..... میرے ذہن میں گرم گرم لہریں اُبھرنے لگیں اور ان ہی کیفیات کے عالم میں، میں اُس جگہ پہنچ گیا، جہاں بسیں کھڑی ہوئی تھیں۔

ذہن اب بھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ہی ہستی کا، کارنامہ ہو سکتا تھا۔ اور وہ ہستی..... آہ! میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ عجیب کیفیت ہو رہی تھی میری۔ کبھی ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی تھی اور یہ احساس ہوتا کہ راعمیس نے اب تک میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے، یہ اُس میں سب سے بڑا احسان ہے۔ بات اب میری نگاہوں سے چھپی نہیں رہی تھی۔

خاتون بلیغہ نے مجھے جس قید خانے یا تہہ خانے میں رکھا تھا، وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ جس وقت میں جانکنی کے عالم میں گرفتار تھا اور بھوک سے نڈھال ہو کر موت کی سرحد پر پہنچ چکا تھا تو میں نے نعمتوں کے خوان پائے تھے۔ لذیذ کھانا میرے سامنے موجود تھا۔ پیٹ بھر کر کھایا اور کھاتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ تہہ خانے میں یہ چیزیں کہاں سے آ گئیں؟ اور اس کے بعد دروازہ، جسے کھولنے کے لئے میں اپنی آخری جدوجہد تک کر

چکا تھا، مجھے کھلا ہوا ملا۔ کیا یہ سب کچھ قابل یقین تھا؟ کیا یہ سب کچھ انسانی کارنامہ معلوم ہوتا تھا؟ مجھے پہلے ہی سوچ لینا چاہئے تھا۔ راعمیس کو ذہن سے نکال کر میں نے اچھا نہیں کیا۔ مجھے جگہ جگہ اُس کی ضرورت تھی۔ لیکن کیسی شخصیت تھی وہ، مجھے کسی نہ کسی چکر میں پھنسا کر خود لطف اندوز ہوتا تھا..... اور اس وقت اُس نے ایک کھیل اور کھیلا تھا۔

''راعمیس.....!'' میں نے اُسے آواز دی۔ لیکن میرے ذہن میں اُس کی کوئی آواز نہیں اُبھری۔ نہ ہی اُس کی موجودگی کے وہ مخصوص اثرات مجھ پر نمودار ہوئے، جن سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ راعمیس میرے پاس موجود ہے۔ وہ مجھ سے ناراض تھا۔ میں نے اُس کی توہین کی تھی اُس سے نفرت کا اظہار کیا تھا لیکن اُس کی یہ عنایت بلاشبہ اس وقت میرے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

کسٹم ہاؤس کے وسیع احاطے سے نکل کر میں نے ترکی کی سرزمین پر پہلا قدم رکھا تو آنکھیں چکا چوندسی ہو گئیں۔ سامنے ہی خنک چاندی کی چمکتی دیوار سی کھڑی تھی۔ دامن سے چوٹی تک سفید برف کے بوجھ تلے دبا ہوا بلند پہاڑ جو سرحد کے اس پار سے دھندلا، کہر آلود بادل معلوم ہوتا تھا، اب اتنا نزدیک تھا کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہاتھ بڑھاؤ تو ایک چھناکے سے چھن چھن کرتی تمام چاندی پوری وادی میں بکھر جائے۔ یہ کوہِ آرارات تھا روایت کے مطابق ......طوفان نوحؑ کے بعد حضرت نوحؑ کی کشتی اسی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی تھی۔ آرارات کے پہلو میں بے شمار پہاڑی چوٹیوں نے سر اُبھار رکھے تھے لیکن سب ہی خشک اور ویران تھیں۔ کوہِ آرارات کے خوبصورت مناظر آنکھوں کے سامنے تھے ہوا کسی قدر یخ تھی اور آرارات کے دامن کو چھو کر نکلتی ہوئی نیچے آ رہی تھی۔ سیٹیوں کی سی آوازیں چاروں طرف بکھری ہوئی تھیں سڑک کے کنارے مٹی کا بنا ہوا ایک قہوہ خانہ نظر آ رہا تھا جس کے احاطے میں چند ٹوٹے ہوئے بنچ پڑے تھے۔ ایک طرف سے دھواں اٹھ رہا تھا جو جما جما سا محسوس ہوتا تھا۔

''میرے ساتھ آنے والے مسافر اپنی اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے بسوں کی طرف بڑھ گئے تھے لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی...... ترکی میں کون میرا منتظر ہے...... میں نے سوچا اور میرے قدم اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ جو راعمیس کا عطیہ تھا اور جس کے بارے میں مجھے اندازہ تھا کہ اس میں میری ضرورت کی تمام چیزیں ہوں گی، قہوہ خانے کی طرف

بڑھ گیا۔ قہوہ خانے کے بنچ خالی پڑے تھے۔ مسافروں میں سے کسی نے اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔ سب کو اپنی اپنی منزل پر پہنچ جانے کی جلدی ہو گی لیکن میں واحد ایسا آدمی تھا جس کی کوئی منزل نہیں تھی۔ میں قہوہ خانے میں داخل ہو گیا۔

'' ایک بوڑھا اور صحت مند شخص ایک چھوٹی سی تنور نما جگہ پر بیٹھا کسی کام میں مصروف تھا مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں اس کے قریب پہنچ گیا اور اس سے قہوہ طلب کیا اس نے گردن خم کر کے میری بات سمجھ جانے کا اشارہ کیا اور اپنے سامنے ہی بیٹھ جانے کی پیشکش کی۔ وہ تنور نما جگہ ایک خاص قسم کی بھٹی تھی جو گرم ہو رہی تھی اور جس جگہ قہوہ خانے کے مالک نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا تھا، وہاں آگ کی لطیف تپش پہنچ رہی تھی جس کی وجہ سے میرا جی چاہنے لگا کہ گھنٹوں یہیں بیٹھا رہوں۔ تھوڑی دیر بعد اس شخص نے میرے سامنے قہوہ رکھ دیا اور میں اس کا شکریہ ادا کر کے قہوہ پینے لگا۔ ایک پیالی قہوے نے کوئی اثر نہیں کیا تھا لہذا میں نے دوسری پیالی طلب کی۔ قہوہ خانے کا مالک مجھے مسکراتی نظروں سے دیکھتا رہا تھا پھر میں نے اس سے قہوے کی قیمت پوچھی تو اس نے انگلی کے اشارے سے دو لیرا بتائی میں نے اسے دو لیرا ادا کر دیئے۔ میری نگاہیں ان بسوں کی جانب اٹھی ہوئی تھیں پھر میں نے اس شخص سے انگریزی میں پوچھا۔

'' ارضِ روم جانے والے بسیں کس وقت تک مل جاتی ہیں؟''

'' شام تک۔'' اس نے جواب دیا میں گردن ہلا کر اس کی جانب دیکھتا رہا۔ قہوہ خانے کا مالک کم گو معلوم ہوتا تھا یا پھر زبان سے ناواقفیت کی بنا پر، زیادہ بولنا اس کے لئے ممکن نہیں ہوگا...... بالآخر میں نے سوچا کہ اب یہاں سے نکل چلنا چاہئے اس ویران اور مختصر سی جگہ پر ٹھہرنے کا کیا فائدہ...... ویسے بھی ارض روم تو جانا ہی تھا۔ آرات کا پہاڑ سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا لیکن آس پاس کے پہاڑوں اور وادیوں میں دھند چھائی ہوئی تھی۔

'' میں بسوں کی جانب چل پڑا اور ایک بس منتخب کر کے اس میں بیٹھ گیا۔ بس میں مسافروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی آٹھ یا نو مسافر بیٹھے ہوئے تھے لیکن بس، وقت سے چلتی تھی۔ ایک اچھی شکل وصورت کا آدمی مجھ سے چند سیٹیں آگے بیٹھا ہوا تھا۔ بس کے کنڈیکٹر نے وسل بجائی اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ چند لمحات انتظار کے بعد بس چل

پڑی۔ مجھے حیرت ہوئی تھی...... اتنی کم سواریوں کو لے کر یہ بس اپنا خرچ بھی پورا نہ کر پاتی ہوگی۔

'' ادھیڑ عمر، خوش شکل شخص، جو مجھ سے چند سیٹیں آگے بیٹھا ہوا تھا، گردن گھما کر مجھے دیکھ چکا تھا...... پھر وہ اٹھا اور مسکراتا ہوا میرے برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔''

'' انڈین...؟'' اس نے میری طرف انگلی اٹھا کر پوچھا۔

'' نہیں، پاکستانی۔''

'' اوہ، پاکستانی... میں لبنانی ہوں، لبنان کا باشندہ۔ رضا طاہری میرا نام ہے۔'' اس نے میری طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے اس سے پرجوش مصافحہ کیا۔

'' آپ کا نام؟'' اس نے شستہ انگریزی میں پوچھا۔

'' منصور......''

'' پاکستان سے کب آئے؟'' وہ گفتگو کرنے پر آمادہ تھا میں نے بھی سوچا کہ اگر ایک ہم سفر سے گفتگو رہے تو کیا حرج ہے۔

'' زیادہ عرصہ نہیں ہوا'' میں نے مختصر جواب دیا پھر وہ مجھ سے پاکستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔

میں نے بھی اس سے چند سوالات کئے، لبنان کے بارے میں، فلسطین کے بارے میں اور وہ نہایت تدبرانہ انداز میں مجھے ان کے جوابات دیتا رہا۔ باہر آرات کی چوٹیاں ہمارے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھیں اور بس میں کافی خنکی پھیلی ہوئی تھی۔

'' اگر ناگوار نہ ہو تو یہ شیشہ بند کر لیں'' اس نے کہا۔

'' ہاں، ضرور'' میں نے جلدی سے جواب دیا۔ بے خیالی میں، میں نے شیشہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ بس کے دوسرے مسافروں نے بھی اٹھ کر باقی شیشے بند کر دیئے۔ کنڈیکٹر، ڈرائیور کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے ابھی مسافروں سے سفر کا کرایہ وصول نہیں کیا تھا۔ ہم دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے میں نے آرات کی چوٹی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

'' اس کی برف کس موسم میں پگھلتی ہے؟''

'' اوہو...... آرات کی برف کبھی نہیں پگھلتی۔ یہ نوحؑ کا پہاڑ ہے دیکھو، اس دھبے کو دیکھو تم سیاح ہو تو یقیناً تمہیں اس کے بارے میں معلومات حاصل ہونی چاہیں'' رضا طاہری نے کہا۔

'' کیا مطلب؟'' میں نے پوچھا۔

'' وہ سیاہ دھبہ جو یہاں سے نظر آتا ہے، نوحؑ کی کشتی کا ایک حصہ ہے یہاں کے لوگوں کی یہی روایت ہے''

'' وادی کے اس پار تو رُوس ہے'' میں نے دلچسپی سے کہا۔

'' ہاں، ایک مرتبہ رُوسیوں نے نوحؑ کی کشتی کی تلاش میں آرات پر ایک مہم بھی بھیجی تھی جو بالکل ناکام رہی۔''

'' ہوں...... ان روایات کی کوئی نہ کوئی حقیقت تو ضرور ہوگی؟'' میں نے پوچھا۔

'' ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے آپ کو ان پر یقین ہونا چاہئے'' رضا مذہبی آدمی معلوم ہوتا تھا۔

'' ہاں یقیناً..... میں نے پرخلوص انداز میں گردن گھما کر کہا۔

'' یہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

'' فی الحال تو اس بس سے ارضِ رُوم جاؤں گا اور وہاں سے استنبول۔''

'' یہ بس، ارضِ روم نہیں جاتی۔''

'' کیا مطلب؟'' میں چونک پڑا۔

'' یہ صرف بایزید تک جائے گی اور اس کے بعد ارضِ روم جانے کے لئے دوسری بس پکڑنی پڑے گی۔''

'' اوہ...... مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ گویا سرحدی چوکی سے مختلف جگہوں کو بسیں جاتی ہیں؟''

'' ہاں، ہر جگہ کے لئے الگ الگ بسیں جاتی ہیں۔'' رضا نے جواب دیا۔

میں نے مایوسی سے ہونٹ سکیڑے پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔'' ٹھیک ہے، بایزید ہی سہی۔''

'' ویسے بھی سیاحت میں جگہوں کا تعین کرنا ناانصافی ہے۔'' رضا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

'' ہاں شاید۔'' میں نے مختصراً جواب دیا اور پھر میری نگاہیں باہر اٹھ گئیں۔

سڑک کے کنارے، سفید سنگ میل پر'' ارض روم تین سو چوراسی کلومیٹر'' کے الفاظ درج تھے۔ پکی سڑک بالکل ہموار اور سیدھی جا رہی تھی۔ بائیں ہاتھ پر پہاڑیاں اور ٹیلے تاحدِ نظر پھیلے ہوئے تھے اور دائیں جانب فصلوں اور چراگاہوں کا ایک وسیع اور سرسبز میدان، آرات کی خنک دیوار کے دامن تک چلا گیا تھا میدان کے خاتمے پر، آرات کے پہلو میں گڑیوں کے گھرندوں جیسے ننھے منے مکانوں کے گاؤں آباد تھے۔ برف، مکانوں کی چھتوں کو چھو رہی تھی۔ خنک ہوا کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا...... اور شیشے بند ہونے کے باوجود مسافر ٹھٹھر رہے تھے۔ آرات کے دامن میں کچے گاؤں اور لہلہاتی فصلوں کا منظر ایسا تھا کہ انسان ساری زندگی یہیں گزارنے کا فیصلہ کرلے۔ میں بھی آنکھوں...... اور ذہن میں سکون محسوس کر رہا تھا۔

رفتہ رفتہ شام ڈھلنے لگی، سورج چھپ گیا اور اب رات ہونے کو تھی۔ وادیوں میں ملگجا اندھیرا پھیل رہا تھا لیکن آرات کی چوٹی ابھی تک سورج کی آخری ڈوبتی کرنوں کی پیلی روشنی میں جگمگا رہی تھی اور یہ منظر اس قدر حسین تھا کہ نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن جب سورج پہاڑوں میں گم ہوگیا تو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی جلتی ہوئی مشعل اچانک بجھ گئی ہو۔ میں نے گہری سانس لے کر نگاہیں باہر سے ہٹائیں تو میرے قریب بیٹھا ہوا رضا طاہری بول اٹھا۔

'' سورج ڈوبنے کا منظر جس قدر حسین ان سفید پہاڑوں میں ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا''

'' ہاں...... اس میں کوئی شک نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ پھر پوچھا'' کیا آپ بایزید ہی میں قیام کریں گے یا آپ کا ارادہ بھی وہاں سے آگے جانے کا ہے؟''

'' نہیں، میں نے بایزید ہی میں رکوں گا۔ ویسے تمہیں بھی رکنا پڑے گا کیونکہ ارض روم جانے والی بس رات کو نہیں بلکہ صبح ہی کو مل سکتی ہے۔''

'' ٹھیک ہے، سیاح ہوں کہیں نہ کہیں ڈیرہ ڈال لوں گا۔''

'' کہیں نہ کہیں کیوں؟ میں تمہارے لئے بندوبست کردوں گا۔''

'' کیا بایزید میں آپ کے شناسا موجود ہیں، مسٹر طاہری۔''

"ہاں ....." اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کا شغل کیا ہے؟"

"بس، یوں سمجھ لو کہ پروفیسر ہوں۔ درس و تدریس کا کام کرتا ہوں۔"

"واہ! یہ تو نہایت مقدس پیشہ ہے۔"

"تاریخ، میرا دلچسپ موضوع ہے۔" اس نے کہا۔

"تب تو آپ ترکی کے ان راستوں کے بارے میں اچھی طرح جانتے ہوں گے؟"

"کیوں نہیں ..... مجھے یہاں کا جغرافیہ ازبر ہے۔"

رضا طاہری مجھے تفصیلات بتاتا رہا اور ہم بایزید پہنچ گئے ..... یہاں پہنچ کر رضا طاہری نے میرے لئے ایک میزبان کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس نے کہا۔

"اگر کوئی مصروفیت نہ ہو تو ایک آدھ دن میرے ساتھ گزارو۔ اس کے بعد میں تمہیں ارض رُوم جانے والی بس میں بٹھا دوں گا۔"

"اوہ، مسٹر طاہری! اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"نہیں، اس میں کیا تکلف ہے، آؤ ..... طاہری نے کہا اور ہم بس سے نیچے اتر آئے۔

بس کے دوسرے مسافر بھی اتر چکے تھے۔ دفعتہً میں نے وردی میں ملبوس، پولیس کے چند مسلح افراد کو بس کے مسافروں کے گرد گھیرا ڈالتے دیکھا اور پھر ایک پولیس افسر نے میگافون پر کہا۔

"بس کے مسافروں سے التماس ہے کہ اپنا اپنا سامان نیچے رکھ کر ہاتھ بلند کر لیں۔ ہمیں ایک خطرناک مجرم کی تلاش ہے جو اسی بس سے یہاں پہنچا ہے۔ کسی نے اپنی جگہ سے جنبش کی تو نتیجے کا خود ذمہ دار ہوگا۔" میں نے یہ الفاظ سنے تو میری ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی، کنپٹیاں گویا آگ اُگلنے لگیں۔ آہ! یہ کیسے ممکن تھا کہ میری بدبختی مجھے سکون کے لمحات میسر آنے دیتی۔ میں نے تھکے تھکے انداز میں اپنا سوٹ کیس نیچے رکھ کر ہاتھ بلند کر دیئے اور سرد نگاہوں سے پولیس والوں کو دیکھنے لگا جو ایک ایک مسافر کو گھورتے ہوئے میری طرف بڑھ رہے تھے ایک پولیس افسر کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی جس سے وہ مسافروں کے چہروں کا موازنہ کرتا آ رہا تھا۔ اب بچنے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

☆.....☆.....☆

دل کی دھڑکنیں اس قدر بڑھ گئیں تھیں کہ کانوں میں دھمک ہو رہی تھی۔ پولیس والوں کے بڑھتے ہوئے قدم ایسے ہی لگ رہے تھے جیسے جلاد گردن میں پھندا لگانے آ رہے ہوں۔ آنکھوں میں دھندلاہٹیں سی اتر رہی تھیں لیکن پھر ایک ناقابل یقین بات ہوئی۔ پولیس والوں نے تصویر سے میرا چہرہ ملایا اور آگے بڑھ گئے۔ ہاں، وہ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے ..... واقعی وہ مجھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ تو کیا تصویر میری نہیں ہے؟

"دوسری حیرت انگیز بات بھی فوراً ہی ہوئی تھی۔ دفعتہً پولیس والے رضا طاہری پر ٹوٹ پڑے تھے۔ انہوں نے رضا طاہری کو بری طرح جکڑ لیا تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ رضا طاہری جیسا عالم، پولیس والوں کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایک لمحے کے لئے جی میں آیا کہ اس گرفتاری پر احتجاج کروں۔ ان احمقوں کو رضا طاہری کی شخصیت کے بارے میں بتاؤں لیکن عقل نے ٹھوکا دیا۔ میری پوزیشن خود بہت خراب ہے۔ پولیس سے دور ہی رہا جائے تو بہتر ہے۔ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

پولیس والے رضا طاہری کو لے کر واپس پلٹ گئے۔ باقی مسافروں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ دوسرے مسافروں کی مانند میں بھی آگے بڑھ گیا۔ اس حادثے نے میرے اوسان بری طرح خطا کر دیئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ بہرحال ایک قلعہ نظر آیا۔ یہ بایزید قلعہ تھا۔ اس کے پہلو میں ایک گندا سا قہوہ خانہ نظر آیا اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر خوب رونق تھی۔

مجھے اجنبی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ تھوڑی دیر کے لئے خاموشی سی چھا گئی پھر لوگ اپنے آپ میں مصروف ہو گئے۔ میں سہما سہما ایک میز پر جا بیٹھا۔ کھانے پینے کی اشیاء سرو ہو رہی تھیں۔ ایک کاؤنٹر پر ایک فربہی مائل بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ چہرے سے ہی سخت گیر معلوم ہو رہا تھا۔ دو ویٹر سروس کر رہے تھے۔ ایک میرے پاس پہنچ گیا اور اس نے نامانوس زبان

میں مجھ سے کچھ کہا۔

''کھانا مل سکے گا؟'' میں نے پوچھا۔ ظاہر ہے وہ میری زبان نہیں سمجھ سکا تھا۔ ''کھانا.....کھانا.....'' میں نے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ کیا اور پیٹ پر ہاتھ مارا۔ ویٹر نے پھر کچھ کہا اور میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ ویٹر چند لمحات کھڑا سر کھجاتا رہا اور دو تین پالتو جانور اس کے سر سے نکل کر میز پر گر پڑے۔ پھر وہ چلا گیا۔ اس کا رخ کاؤنٹر کی طرف تھا۔

بوڑھے کاؤنٹر مین کو اس نے شاید اس پرابلم کے بارے میں بتایا تھا۔ بوڑھے نے جواب میں اس سے کچھ کہا اور ویٹر اوپر چلا گیا۔ ایک سیڑھی قہوہ خانے کی اُوپری منزل کو جاتی تھی۔ میں خاموشی سے انتظار کرتا رہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے ایک بھرے بھرے بدن کی لڑکی کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ ویٹر اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس نے میری طرف اشارہ کیا تھا۔ لڑکی ویٹر کو رکنے کا اشارہ کر کے میری میز کی طرف آ گئی تھی۔

''ہیلو'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''خدا کا شکر ہے۔ تم انگریزی جانتی ہو؟'' میں نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

''پورے بایزید میں۔ صرف میں'' وہ فخریہ انداز میں بولی

بوڑھا کاؤنٹر مین کڑی نگاہوں سے ادھر ہی دیکھے جا رہا تھا۔

''خوب، تب میری مدد کرو۔''

''مسلم ہو؟''

''الحمدللہ'' میں نے جواب دیا۔

''کھانا کھاؤ گے۔''

''سخت بھوک لگی ہے۔''

''کیا کھاؤ گے؟ یہاں چاول، سبزیوں کا سوپ تلے ہوئے گوبھی کے پتے، قیمہ بھرے بینگن، چاول اور سلاد کے کوفتے اور کباب مل سکتے ہیں۔''

''پیٹ بھرنے کے لئے جو بھی ممکن ہو سکے بھجوا دو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اگر بایزید کی یہ فربہ حسینہ بھی انگریزی سے واقف نہ ہوتی تو شاید بھوکے ہی مرنا پڑتا۔ وہ چلی

گئی اور میں اس دلچسپ صورتحال پر غور کرنے لگا۔ دونوں ویٹروں میں سے ایک نے میرے آگے چند پلیٹیں لگا دی، جن میں تلے ہوئے بند گوبھی کے پتے اور قیمہ بھرے بینگن اور چاول کے ساتھ تھے۔ نہایت ہی لذیذ غذا محسوس ہوئی لیکن اب بایزید سے ارضِ روم کی جانب روانہ ہونے کے لئے معلومات کی فراہمی ضروری تھی اور بایزید کی اکلوتی انگریزی داں حسینہ سے رابطہ قائم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ لیکن کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا بوڑھا جس طرح گھور رہا تھا اس سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔ میں خاموشی سے کھانے میں مصروف رہا۔ لڑکی کو شاید اس لئے روک لیا گیا تھا کہ وہ میری کسی اور ضرورت پر میرے پاس بھیج دی جائے اور میں نے اس سے قبل کہ وہ واپس چلی جائے ایک بار پھر انگلی سے اسے اشارہ کیا اور بوڑھا پھر میری جانب نگراں ہو گیا۔ لڑکی مسکراتی ہوئی میرے پاس پہنچ گئی تھی۔

''کہو اب کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''کیا تم کچھ دیر میرے پاس بیٹھ سکتی ہو؟''

''کیوں نہیں، لیکن میرے باپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔ تاہم اس نے میری ضرورت محسوس کر کے مجھے بلایا ہے اس لئے اب اس کی جو بھی کیفیت ہو'' لڑکی.....ایک کرسی گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھا ہوا بوڑھا پھرتی سے کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ کاؤنٹر پر رکھے بڑی خونخوار نگاہوں سے مجھے اور لڑکی کو دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ شاید اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ لڑکی کے انداز میں لگاوٹ تھی۔ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر پسماندہ نہیں تھی اور کسی مرد سے گفتگو کرنے کو اتنا خطرہ نہیں سمجھتی تھی جتنا وہ بوڑھا سمجھ رہا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' میں نے اس سے سوال کیا۔

''میرا نام معلوم کرنا شاید تمہاری ضرورت نہ ہو'' لڑکی نے خشک سا جواب دیا لیکن اس کے ہونٹوں سے مسکراہٹ بدستور چپکی ہوئی تھی۔ میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ لڑکی شاید میری توجیہہ کو کوئی غلط رنگ دے رہی تھی جبکہ اسے معلوم نہیں تھا کہ میں کس فطرت کا انسان ہوں۔ بہرحال یہاں وہ واحد تھی۔ چنانچہ خود کو جو کچھ بھی سمجھ لیتی، کم تھا۔ میں نے بھی کسی قدر خشک لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

''ناموں سے مخاطب کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں۔

تاہم میں تمہیں مخاطب کرنا نہیں چاہتا۔ میری ایک اور ضرورت ہے، جسے تم ممکن سمجھو تو پورا کر دو۔"

"ہاں..... کہو! ویسے شاید تم برا مان گئے۔ میرا نام فتلا ہے۔"

"مجھے ارضِ رُوم جانا ہے۔ اُس وقت تک قیام کے لئے کسی جگہ کی ضرورت ہے۔ میں اُس جگہ کا مناسب معاوضہ ادا کر سکتا ہوں۔ کیا اس سلسلے میں تم میری مدد کرو گی؟"

"ہر چند کہ یہ جگہ قیام کے لئے نہیں ہے۔ لیکن میرے باپ کا قول ہے کہ دولت جس راستے سے بھی آتی ہو، اُسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہئے۔ ہم نے اپنی رہائش گاہ میں ایک کمرہ ایسے ہنگامی مواقع کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ اور تمہیں اس کا معاوضہ خاصا دینا پڑے گا۔ کہو تو میں اپنے باپ سے بات کر لوں؟"

"کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ہوا شخص تمہارا باپ ہے؟"

"ہاں! یہ ہوٹل ہمارا ہی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر تم اُس سے بات کرو گی تو وہ تمہیں تھپڑ مار دے گا۔"

"کیوں؟" لڑکی نے کہا اور ہنس پڑی۔

"اس لئے کہ وہ اس وقت اپنے تمام فرائض بھول کر صرف تمہاری اور میری نگرانی کر رہا ہے۔"

"یہ اُس کی عادت ہے۔ ایک خوفزدہ باپ ہے وہ۔" فتلا نے جواب دیا۔

"بہرحال! تم اُس سے معلوم کر لو۔ میں کمرے کا منہ مانگا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ ویسے ارضِ رُوم جانے والی بسیں کس وقت مل سکتی ہیں؟"

"صبح ساڑھے چار بجے سے دوپہر ایک بجے تک۔ وقفے وقفے سے یہ بسیں چلتی رہتی ہیں۔ تمہیں جو وقت بھی مناسب لگے، اُس سے چلے جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ پہلے تم اپنے باپ سے معلوم کر لو۔" میں نے کہا۔

فتلا اپنی جگہ سے اُٹھی اور کاؤنٹر کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس کے بعد وہ اپنے بوڑھے باپ سے کئی منٹ تک اس موضوع پر گفتگو کرتی رہی۔ اور پھر دُور ہی سے میں نے دیکھا کہ بوڑھے کا انداز نرم ہو گیا تھا۔ تب وہ میرے پاس آئی اور کمرے کی پیشگی رقم کی ادائیگی کے لئے کہا۔ میں نے فوراً ہی اُس کی بتائی ہوئی رقم اُس کے حوالے کر دی اور جب یہ رقم

ڑھے کے پاس پہنچی تو وہ کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔ اسی رقم میں اس وقت کی خوراک کی رقم ی شامل تھی۔ میری رہنمائی کے لئے لڑکی کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟ چنانچہ وہ میرے آ گئی اور مجھے ساتھ چلنے کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گئی۔ میں وہی سیڑھیاں عبور کر کے ی کے ساتھ راہداری میں پہنچا۔ سامنے ہی کی سمت کا ایک کمرہ کھول دیا گیا۔ لکڑی کا بنا کمرہ تھا کھپریلوں کی چھت تھی۔ لمبائی چوڑائی تقریباً 10x10 ہو گی۔ ایک کونے میں بستر ہوا تھا۔ ایک طرف تین پایوں کی بھدی سی میز تھی جس کے نزدیک کسی بچے کی استعمال رنے والی کرسی بھی رکھی ہوئی تھی۔ کیونکہ اُس کا سائز عام کرسی سے بہت چھوٹا تھا۔

لڑکی نے مجھے بتایا کہ باتھ رُوم کے لئے صبح ہی کو گنجائش نکل سکتی ہے۔ رات کی ورتوں کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیا جائے۔ پانی بھی صبح ہی کے وقت مل سکے گا۔ لیکن طور! اُس نے ازراہِ عنایت باتھ رُوم کا دروازہ کھول دیا تھا۔ پتہ نہیں تالا لگانے کی کیا ت تھی؟ میں صبر اور شکر کے ساتھ اس عجیب و غریب کمرے میں فروکش ہو گیا۔

فتلا چلی گئی تھی۔ لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ زلزلہ اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک موٹے بھدے بدن کی عورت تھی۔ جس نے انگریزوں کی نقل کرنے کی کوشش میں اپنے آپ کو یب و غریب بنا لیا تھا۔ شوخ پھولدار کپڑے کا سکرٹ پہنے اور سر پر بچوں جیسے سٹائل کی ٹیا منڈھے جس کے بند نیچے گلے میں بندھے ہوئے تھے، وہ اندر داخل ہو گئی اور میں زدہ ہو کر اپنی چارپائی کے ایک گوشے میں ہو گیا۔ عورت کے چہرے کے تاثرات کا ازہ بھی نہ ہو سکا تھا۔ چند ہی لمحات گزرے تھے کہ اُس کے عقب میں فتلا بھی اندر داخل ئی اور پھر دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ فتلا نے گہری سانس لے کر گردن اِدھر اُدھر جھٹکی ھر میری طرف متوجہ ہو کر بولی۔ "مسٹر! براہِ کرم پریشان مت ہونا۔ یہ میری ماں ہے۔ تور کا شکار۔ اور یہ ذہنی فتور میرے باپ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اب میں اس کی تسلی کے م سے کچھ گفتگو کروں گی۔ براہِ کرم اُسے سنجیدگی سے محسوس نہ کرنا بلکہ اس بے چاری ت کی تسلی کر دینا۔"

میں حیران نگاہوں سے فتلا کو دیکھتا رہا۔ فتلا اپنی ماں کی طرف متوجہ ہوئی اور اُس سے ولنے لگی۔ پھر وہ میری طرف رُخ کر کے انگریزی میں بولی۔ "دراصل میری ماں ہمیشہ ے باپ کی سختیوں کا شکار رہی ہے اور اُس سے متنفر ہے۔ میری ماں کی دلی خواہش ہے

کہ اُسے کوئی ایسا پیشہ ور قاتل مل جائے جو میرے باپ کو موت کی نیند سلا دے۔ بازیدے
رہنے والے تمام بدمعاشوں سے بارہا وہ اس سلسلے میں سودے کر کے اچھی خاصی رقمیں گنوا
بیٹھی ہے۔ لیکن لوگ جانتے ہیں کہ وہ ایک نیم پاگل عورت ہے اور اُس کی باتوں پر سنجیدگی
سے توجہ نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ اُسے تسلیاں تو دے دی جاتی ہیں لیکن کسی نے آج تک
میرے باپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ وہ رقم اُن کی ملکیت ہوتی ہے جو
انہیں میری ماں ادا کرتی ہے اور اس طرح تم خود سمجھ سکتے ہو کہ میری ماں کے تاثرات اُن
لوگوں کے بارے میں کیا ہوں گے۔ چنانچہ اُس نے اب مقامی لوگوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا
ہے اور کسی ایسے غیر ملکی قاتل کی تلاش میں ہے، جو درحقیقت اُس کا کام تمام کر دے۔
چنانچہ اُس نے یہ جاننے کے بعد کہ کوئی غیر ملکی یہاں مقیم ہے، فوراً ہی اپنی کوششوں کا آغاز
کر دیا ہے اور تمہارے پاس بھی وہ اسی لئے آئی ہے کہ تم میرے باپ کے قتل کی حامی بھر
لو۔''

میری آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ میں پریشان نگاہوں سے فتلا کو دیکھ رہا تھا۔
پھر میں نے کہا۔ ''تو کیا تم چاہتی ہو کہ میں یہ قتل کر دوں؟''

''ارے نہیں.... نہیں.... میرے باپ کی انگلی بھی کٹ جاتی ہے تو یہ محترمہ اپنی جان
دینے پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ غصے کے عالم میں یہ ہمیشہ اُس کے قتل کی خواہاں رہتی ہیں۔ لیکن
اگر اُس کے حلق سے سوتے میں بھی ایک کراہ نکل جائے تو پھر ان کا پاگل پن قابل دید ہوتا
ہے۔''

''خدا کی پناہ ایک رات کے قیام کے لئے میں نے معاوضہ بھی ادا کیا ہے محترمہ! اور
اس کے بعد ان لطافتوں سے بھی نمٹنا پڑے گا۔ کیا یہ زیادتی نہیں ہے؟''

''پلیز! الفاظ ہی کا تو معاملہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اس بات کا اعتراف کر لو۔''

''کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے؟ میں ایک شریف آدمی ہوں۔''

''تاہم میں اپنی ماں کو یہ اطمینان دلائے دیتی ہوں کہ اجنبی شخص ضرور میرے باپ کو
قتل کر دے گا۔ اگر اس سلسلے میں تمہیں کچھ معاوضہ دیا جائے تو وصول کر لینا۔''

میں نے عجیب سے انداز میں لڑکی کو دیکھا۔ اور پھر اس بلا کو ٹالنے کے لئے چہرے کے
تاثرات میں نرمی پیدا کر لی۔ لڑکی اپنی ماں کو کچھ بتا رہی تھی۔ عورت مجھے دیکھنے لگی اور پھر

چھ کہا، جس کا ترجمہ لڑکی نے انگریزی میں یوں کیا۔

''میری ماں کا کہنا ہے کہ اس بار وہ رقم کی ادائیگی، کام ہونے کے بعد کرے گی۔
چنانچہ تم اس بات کو منظور کر لو۔''

''مجھے منظور ہے۔'' میں نے جواب دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو مطمئن کرنے کے لئے
اس سے کچھ کہنا شروع کر دیا۔ عورت نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ
باہر نکل گئی۔ میں گہری سانس لے کر دوبارہ پلنگ پر دراز ہو گیا تھا۔ ہنسی بھی آ رہی تھی اس
کیفیت پر۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی پتہ نہیں کیوں اُلجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے
بعد فتلا واپس نہیں آئی اور میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کیں۔ لیکن جیب میں رکھی ہوئی کوئی چیز پسلیوں کے
ایک چبھنے لگی۔ کوئی سخت سی چیز تھی۔ چند لمحات تک تو میں اس چبھن کو برداشت کرتا رہا
اور جب ذہن اس طرف مائل ہوا تو میں نے چونک کر اپنی جیبوں کی تلاشی لینا شروع کر
دی۔ بظاہر ایسی کوئی چیز تو نہیں تھی جو اس طرح چبھے۔ جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک بالکل ہی
ی شے میرے ہاتھ میں آ گئی۔ پتہ نہیں کیا تھا؟ میں نے اُسے نکال لیا اور میری آنکھیں
دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ وہ ایک پتلے چمڑے کی تھیلی تھی۔ یہ تھیلی اس سے قبل میری
جیب میں نہیں تھی۔ لیکن اس میں پتہ نہیں، کیا شے بھری ہوئی تھی؟ میں نے اُسے اس کی
پ کھول کر دیکھا..... اور دوسرے ہی لمحے میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ تھیلی کے اندر سے
ی تیز روشنی نکلی تھی کہ آنکھیں چکاچوند ہو جائیں۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھال کر ایک
ر تھیلی کو دیکھا..... اندر ہاتھ ڈالا اور چھوٹے چھوٹے پتھروں کے سے ٹکڑے میرے
ھ میں آ گئے۔ میں نے انہیں باہر نکالا اور انہیں دیکھنے لگا..... سچی بات یہ ہے کہ اُس
ت میرا دل و دماغ پر قابو رکھنا انتہائی مشکل ہو گیا تھا۔ یہ قیمتی ہیرے تھے۔ ترشے ہوئے
ین پتھر..... جن سے روشنی اس طرح پھوٹ رہی تھی جیسے سورج سے چند ٹکڑے الگ کر
انہیں میری ہتھیلی پر رکھ دیا گیا ہو۔

میں جوہری نہیں تھا۔ بلکہ اس سے قبل ہیرے کبھی دیکھے ہی نہیں تھے۔ لیکن اس وقت
ان کے یہ ٹکڑے اپنی قیمت آپ بتا رہے تھے۔ وہ میری جیب میں بھرے ہوئے تھے
ان کی تعداد کافی تھی۔ یہ کہاں سے آئے؟ یہ میری ملکیت تو نہیں تھے..... دوسرے لمحے

راعمیس ذہن میں اُتر آیا اور میرے ہونٹ بھنچ گئے۔ میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''راعمیس! مجھے تمہارے ان تحفوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے حماقت کی ہے۔ میں بھلا ان قیمتی پتھروں کا کیا کروں گا؟ میں ہیروں کا سوداگر تو نہیں ہوں اور نہ ہی میری کوئی حسین محبوبہ ہے جسے میں یہ قیمتی پتھر تحفتاً پیش کر دوں۔ مجھے تو یہ بھی اندازہ نہیں ہے کہ ان کی مالیت کیا ہے؟ حماقت ہے راعمیس..... سو فیصد حماقت..... یہ میرے پاس ضائع ہو جائیں گے۔ بلکہ میں تمہارے اس تحفے کو قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوں.....''

دیر تک میں اُن ہیروں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ جی چاہ رہا تھا کہ تھیلی اُٹھا کر اتنی دور پھینکوں کہ اس کے بعد مجھے اُس کی شکل نظر نہ آئے۔ بھلا مجھے اس مصیبت میں پھنسنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہتھیلی پر نکالے ہوئے یہ ہیرے واپس تھیلی میں رکھ کر اُن کا منہ بند کیا اور تھیلی مٹھی میں دبا کر اس کے بارے میں سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہئے.....

دفعتہً ذہن پر ایک ضرب سی لگی۔ یوں محسوس ہوا، جیسے کسی نے کھوپڑی کے بیچوں بیچ چپت رسید کر دی ہے اور پھر خیالات نے دماغ میں گھسنا شروع کر دیا..... بیوقوف آدمی! تجھے آخر کس چیز کی ضرورت تھی؟ کیا چاہتا تھا اس دنیا سے؟ کیا دولت مند بننے کی خواہش تیرے دل میں نہیں تھی؟ کیا ہمیشہ ہی تو دولت کے لئے سرگرداں نہیں رہا؟ اگر یہ قیمتی دولت تیرے پاس آئی ہے تو اسے ٹھکرانا کیا معنی رکھتا ہے؟ ان میں سے اگر ایک ہیرا کسی کو دے دیا جائے تو وہ اپنی خوش بختی پر زندگی بھر کے لئے ناز کرے گا۔ لیکن احمق آدمی! تو ہیروں کے اس انبار کو ضائع کر دینا چاہتا ہے؟ یہ جہاں سے بھی آئے ہیں..... جس طرح بھی تیرے پاس پہنچے ہیں..... بہرطور! اب تیری ملکیت ہیں اور ان کے ذریعے تو دنیا کا دولت مند ترین انسان بن سکتا ہے۔ اپنے آپ کو مصیبتوں سے نکالنا چاہتا ہے تو ان ہیروں کو صحیح جگہ استعمال کر۔ انہیں احتیاط سے اپنی تحویل میں رکھ۔ کسی ایسی مناسب جگہ پہنچ کر جہاں ان کے قدردان موجود ہوں، انہیں فروخت کر اور اپنی زندگی کو ایک مرکز دے دے۔ احمق آدمی! ایسے مواقع بار بار نصیب نہیں ہوتے۔ جو مل جاتا ہے، اُسے ٹھکرانا موزوں نہیں۔ اس سے فائدہ اٹھا.....

میں نے دل ہی دل میں خود پر لعنت بھیجی۔ راعمیس سے دشمنی کی بنیاد پر میں اتنی قیمتی چیز ضائع کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ لعنت ہے مجھ پر..... میں نے پھرتی سے ہیروں کو واپس

اپنی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور اس کے بعد بھلا نیند آنے کا کیا سوال تھا؟ ہیرے اب میرے سارے وجود کو منور کر رہے تھے۔ مستقبل انہی چمکدار پتھروں میں پوشیدہ تھا۔ رات بھر سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ سب سے پہلا مرحلہ تو یہ تھا کہ بایزید سے ارضِ رُوم پہنچوں اور پھر وہاں سے اپنے لئے کوئی اور جگہ منتخب کروں۔ مجھے ہوشیاری سے معلومات حاصل کرنا تھیں کہ میں کس طرح اور کہاں پہنچ سکتا ہوں۔ پاسپورٹ وغیرہ میرے پاس تھا اور اب میری غیر قانونی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ بہرطور! اگر غور کرتا تو راعمیس نے ہر ایسے کٹھن مرحلے پر میری مدد کی تھی، جب میرے ہاتھ پاؤں کٹ جاتے تھے۔ اُس نے اپنے دوست کے ہم شکل ہونے کی وجہ سے مجھے بڑی عنایات سے نوازا تھا۔ بعض مواقع پر اُس پر تکیہ کر کے مجھے جو تکلیفیں پہنچی تھیں، انہوں نے مجھے راعمیس سے برگشتہ کر دیا تھا۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں تھی۔ دل میں اُس کے لئے کچھ نرمی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں نے اُسے نہیں پکارا تھا۔

خدا خدا کر کے صبح کی روشنی ہلکی ہلکی جھلکی۔ فتلا نے مجھے بتایا تھا کہ ساڑھے چار بجے سے لے کر دن کے ایک بجے تک ارضِ رُوم جانے کے لئے بسیں مل جاتی ہیں۔ میں نے بہت زیادہ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور منہ اندھیرے ہی اُٹھ کر وہاں سے باہر نکل آیا۔ قہوہ خانہ سنسان پڑا ہوا تھا۔ لیکن باہر نکلتے ہوئے مجھے دقت نہیں ہوئی۔ عجیب وغریب بات تھی۔ اس طرح سے تو کوئی بھی اُچکا، لوگوں کو دھوکہ دے کر یہاں سے فرار ہو سکتا تھا اور جو بھی قیمتی چیزیں اُس کے ہاتھ آ جاتیں، انہیں لے کر جا سکتا تھا۔ لیکن میں اُچکا نہیں تھا۔ اس لئے میں نے کسی شے پر توجہ نہیں دی اور دُھندلاہٹوں میں آگے بڑھتا رہا۔ کچھ لوگوں سے میں نے بسوں کے اڈے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس سلسلے میں میری کوئی رہنمائی نہ ہو سکی۔ البتہ تقدیر نے خود بخود میری رہنمائی کر دی تھی۔ وہ بس بھی اسی سمت سے آ رہی تھی۔ میں نے ہاتھ دے کر اشارہ کیا تو وہ رُک گئی۔ بس میں زیادہ مسافر نہیں تھے۔ کنڈیکٹر نے ارضِ رُوم کی آواز لگائی تو میں اطمینان سے بس میں سوار ہو گیا۔

ماحول پر ابھی تک تاریکی کا راج تھا۔ بس آگے بڑھ گئی۔ قصبے سے دوسری طرف کوہِ رات کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں، جن پر آہستہ آہستہ سورج طلوع ہو رہا تھا۔ پھر پہلی کرن

پہاڑ کی برف پوش چوٹی پر پڑی تو پوری وادی روشن ہوگئی۔ آسمان دھندلاہٹوں سے پاک تھا۔ وادی کی دوسری طرف آرات کی روشن برف میں ایک سیاہ دھبہ نظر آرہا تھا جو حضرت نوحؑ کی کشتی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ ہم آرات کی حدود سے باہر نکل آئے۔ یہاں تک کہ مجھے پہاڑ کی سفید برف پر دُھند یا بادل کا گمان ہونے لگا۔ بس نے ایک موڑ کاٹا اور قصبہ نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ آرات کا مقدس اور خوبصورت پہاڑ بھی پیچھے رہ گیا تھا۔

گردونواح کی پہاڑیوں پر ابھی تک سرما کی برف پوری طرح نہیں پگھلی تھی۔ کہیں کہیں گڈریوں کے چھوٹے چھوٹے گاؤں نظر آرہے تھے۔ زندگی رواں دواں ہوگئی تھی۔ ایک سرسبز میدان کے آخری حصے میں کچھ عجیب سے خطوط نمودار ہونے لگے۔ فاصلہ بہت زیادہ طے نہیں کیا گیا تھا۔ ڈرائیور نے پلٹ کر مسافروں کو بتایا کہ ارضِ رُوم آنے والا ہے۔ شہر کے مکانوں کی سرخ چھتوں کے درمیان شیفتہ مدرسے کے مینار دھوپ میں چمک رہے تھے۔

بس رُکی تو میں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ نیچے اُتر گیا۔ دل میں ایک اعتماد پیدا ہوگیا تھا۔ مستقبل کے بارے میں جو فیصلے کئے تھے، اُن کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا۔ دل میں چونکہ ایک اُمنگ پیدا ہو چکی تھی اس لئے اب کوئی کام بھی مشکل محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ بس! ایک ہی خواہش تھی کہ کسی طرح کسی ایسی مناسب جگہ پہنچ جاؤں، جہاں ان ہیروں کو فروخت کر کے دولت حاصل کروں اور اس کے بعد اپنے لئے ایک جگہ منتخب کرلوں اور اس کے لئے فی الحال استنبول جیسی بین الاقوامی جگہ پر اگر ذہانت سے کام لیا جائے تو چند ہیرے فروخت کر کے میں ایک صاحب حیثیت انسان بن سکتا ہوں۔

راعمیس نے مزید امداد طلب کرنا تو اب میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ میرے اور اُس کے درمیان کافی تلخی پیدا ہو چکی تھی۔ اور پھر اس تمام عرصے کے دوران ایک بار بھی راعمیس سے کسی قسم کا ذہنی رابطہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ اُس نے مجھے جو تحفہ دیا تھا، میں اُسے استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کر سکتا تھا۔ یہ میرے نزدیک ایک سراسر حماقت تھی۔

بہرطور! ارضِ رُوم کے کوچہ و بازار کی زندگی کو دیکھتا ہوا میں آگے بڑھنے لگا۔ پھر ایک قہوہ خانے میں داخل ہو کر میں نے صبح کا ناشتہ کیا اور دوپہر تک شہر میں گھومتا رہا۔ یہاں

انگریزی سے نابلد لوگ نہیں تھے۔ بہت سے لوگوں سے گفتگو ہوئی۔ استنبول کے لئے گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ شام کو چھ بجے استنبول کے لئے گاڑی مل سکتی ہے۔ ابھی بہت وقت تھا۔ میں نے ایک جگہ سے دورانِ سفر کے لئے خشک مچھلی، پنیر، انڈے اور ڈبل روٹی وغیرہ خریدی اور پھر ارضِ رُوم کے مختلف حصے دیکھتا رہا..... پھر سٹیشن پہنچ کر ٹکٹ خریدا، مزید معلومات حاصل کیں۔ کافی طویل سفر تھا۔ بہرطور! استنبول ہی ایسی جگہ تھی، جہاں میں اپنے طور پر قسمت آزمائی کرسکتا تھا۔

میں ٹرین کی جانب بڑھ گیا لیکن ٹرین میں بے پناہ رش تھا۔ ہر دروازے اور کھڑکی میں جسموں کی ایک دیوار سی چنی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے گارڈ سے مدد کی درخواست کی تو اُس نے سامان مجھ سے لے کر ایک کھڑکی کے اندر دھکیل دیا اور ساتھ ہی گاڑی چلنے کی وسل بھی دے دی۔ میں بڑی مشکل سے جگہ بناتا ہوا اندر پہنچا اور لوگوں کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا۔ مختصر سامان مجھے حاصل ہوگیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد لوگوں کی مہربانیوں سے کھڑکی کے قریب تھوڑی سی جگہ بھی مل گئی۔

میرے اطراف میں زیادہ تر دیہاتی لوگ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں یہاں ریلوے کا نظام کیسا تھا؟ لیکن مجھے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسی عالم میں دو دن کا سفر طے کرنا پڑا تو کیفیت کیا ہوگی؟ بہرطور! میں صبر وسکون کے ساتھ بیٹھا مناظر دیکھتا رہا۔ دوپہر ہوئی تو سادہ لوح دیہاتیوں نے اپنے اپنے دستر خوان بچھا لئے۔ روٹی کے ساتھ پیاز اور شہتوت کھائے جا رہے تھے اور وہ لوگ اپنی اس خوراک سے خاصے مطمئن نظر آرہے تھے۔ میری عیاشی کو گہری نگاہ سے دیکھا گیا۔ کیونکہ میں نے ڈبل روٹی کے ساتھ پنیر اور انڈے وغیرہ بھی نکال کر رکھ لئے تھے۔ ابھی تک کسی سے ایسا تعارف نہیں ہوا تھا، جس کی بناء پر میں اُسے اپنے ساتھ کھانے میں شامل کرتا۔

بہرطور! سفر جاری رہا۔ عجیب وغریب مناظر نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔ مگر میں ان کا کوئی صحیح تجزیہ نہیں کر پایا تھا۔ پھر کافی رات گئے ٹرین انقرہ پہنچی۔ انقرہ، روشنیوں کا شہر..... جیسے دیوالی کی رات ہو..... لاکھوں روشنیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ ٹرین کا یہ طویل سفر بے حد صبر آزما اور اُکتا دینے والا تھا۔ غسل خانے موجود تھے لیکن پانی ندارد..... ڈائننگ کار موجود اور ڈنر غائب..... ارضِ رُوم سے خریدی ہوئی اشیاء کام آرہی تھیں، ورنہ حالت ہی

خراب ہو جاتی۔

سفر جاری رہا۔ گاڑی پر سوار ہوئے تقریباً تیس گھنٹے گزر چکے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے یہ سست رفتار ٹرین زندگی بھر یونہی چلتی رہے گی اور کبھی استنبول پہنچ نہ پائے گی۔ کبھی کبھی نیند آ جاتی تھی، لیکن چند لمحات کے لئے۔ کیونکہ یہ سفر سونے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ بالآخر خدا خدا کر کے یہ رات بھی گزری اور دوسری صبح جب میں سو کر اُٹھا تو ڈبے میں تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ آنکھیں بری طرح جل رہی تھیں۔ کھڑکی کا شیشہ بند تھا۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ اُوپر سرکا کر سر باہر نکالا اور ایک گہری سانس لی۔ فضا میں نم آلود سمندری ہوا کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور دُور اُفق پر ایک نیلی لکیر اُبھر رہی تھی۔ ٹرین سبز کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے اُس نیلی لکیر کے بارے میں پوچھا تو وہ میری زبان نہ سمجھ سکے۔ لیکن اشارے سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ آہستہ سے بولے۔ ''بحیرہ مرمر.... استانبول۔''

میں نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ بالآخر تکلیف دہ سفر ختم ہو گیا تھا اور استنبول کا حسین شہر میرے استقبال کے لئے تیار تھا۔ تھوڑی دیر بعد نگاہوں کے سامنے گنبدوں اور میناروں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ استنبول نگاہوں کے سامنے تھا۔ یہ تاریخی شہر بازنطائیوں کا بازنطائین، کانسطنطانیوں کا قسطنطنیہ اور اب عثمانی ترکوں کا استنبول کہلاتا تھا۔ ایک شہر تین عہد، تین روپ اور تین ہی حصے..... ایک حصہ ایشیاء میں جہاں سے سفر کر کے میں یہاں پہنچا تھا۔ دوسرا یورپ میں اور تیسرا اُس سے الگ۔ ہمارے گرد آ بنائے باسفورس میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ ایشیاء اور یورپ کے درمیان درجنوں مسافر بردار کشتیاں رواں دواں تھیں۔ سامان سے لدے ہوئے بیڑے، مچھیروں کی کشتیاں تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھیں۔ دنیا کے ہر گوشے سے آئے ہوئے تجارتی جہاز..... دنیا بھر میں کسی بھی شہر کے نزدیک پھیلا ہوا سمندر اتنا حسین نہیں، جتنا باسفورس ہے۔ میں اس حسین شہر کے طلسمی خطوط دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ صوفیہ کا عظیم الشان گنبد، احمد مسجد کے نازک و نفیس مینار، ترک سلطانوں کے محل سرا اور چاروں طرف بلند پتلے اور لمبے میناروں کی سرزمین، جن کی نوکیں نیلے آسمان کے سینے میں تیز چمکتے ہوئے برچھوں کی مانند گڑی ہوں۔ میرے لئے استنبول کی پہلی ہی جھلک انتہائی دلفریب ثابت ہوئی تھی۔

سٹیمر کا سفر صرف دس منٹ میں طے ہو گیا۔ دوسرے کنارے پر اُترنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر مجتمع کیا اور سوچنے لگا کہ استنبول میں داخل ہونے کے بعد ایک با سلیقہ انسان کی حیثیت سے کس طرح قیام کیا جا سکتا ہے؟ مقامی کرنسی میرے اندازے کے مطابق اب بھی اتنی تعداد میں میرے پاس موجود تھی کہ میں کافی وقت پرسکون رہ کر گزار سکتا تھا۔ میرے دل میں اُمنگیں پیدا ہو چکی تھیں۔ میرے پاس دنیا کے قیمتی ترین ہیرے تھے جنہیں اگر صحیح طور پر استعمال کر لیا جاتا تو وہ میری تقدیر بدل سکتے تھے۔

مختلف ممالک کے لوگ اطراف میں بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ مجھے کسی سیاح کی حیثیت سے یہاں قیام کرنا چاہئے۔ ابتدائی وقت سنبھالنا ہی سب سے مشکل کام ہوتا ہے اور اب تو میں ایک نئے انسان کی حیثیت رکھتا تھا۔

میں آہستہ روی سے ٹہلتا ہوا، وہاں سے آگے بڑھتا رہا۔ حسین بازار، خوبصورت سڑکیں اور ان پر مختلف ممالک کے لوگ چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ صوفیہ کی دیوار کے دائیں طرف ڈھلوان گلی سے نیچے اُتر کر میں باسفورس کے کنارے آ گیا جہاں بے شمار افراد سیر و سیاحت کے لئے اُمنڈ آئے تھے۔ بچوں کا شور، خوانچے والے، اخبار والوں کی صدائیں، بوٹ پالش کرنے والے اور نجانے کون کون..... اس جگہ سے گزر کر کچھ اور آگے بڑھا تو ایک حسین بازار میں پہنچ گیا جہاں انتہائی خوبصورت دُکانیں نظر آ رہی تھیں، جن میں دُنیا کی ہر شے موجود تھی۔

میں نے اطمینان سے دُکانوں سے خریداری شروع کر دی اور اس طرح کا انداز اختیار کر لیا کہ کسی بھی طرح کوئی مشکوک انسان نہ سمجھا جاؤں۔ غیر ملکی سیاحوں کے لئے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ یہ اطمینان بھی تھا کہ میرے پاس پاسپورٹ اور ضروری کاغذات موجود تھے۔ انتہائی نفیس ساخت کے بنے ہوئے جرمن سوٹ کیس میں اعلیٰ پائے کے چند لباس بند کئے۔ وہیں ایک ڈریسنگ رُوم میں ایک نیا لباس زیب تن کیا، جو ہر لحاظ سے مکمل تھا۔ میں ایک ایسے سٹور میں داخل ہوا تھا جہاں سر سے پاؤں تک کے لوازمات دستیاب تھے۔ چنانچہ نئے جوتے بھی وہیں سے خریدے اور اچھی خاصی رقم خرچ کر کے میں لدا پھندا، سٹور سے باہر نکل آیا۔ طبیعت پر ایک انوکھی فرحت طاری تھی۔ اب سب سے پہلے کسی قیام گاہ کا انتخاب کرنا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے فیصلہ کسی اور پر ہی چھوڑنا مناسب سمجھا۔ ایک ٹیکسی کو

روکا اور اس میں سامان رکھ کر پچھلی نشست پر بیٹھ گیا۔

''مجھے کسی ایسے ہوٹل لے چلو، جو نہ بہت اعلیٰ درجے کا ہو اور نہ تھرڈ کلاس..... اس کا انتخاب میں تم پر چھوڑتا ہوں۔''

''سیاح ہیں آپ؟'' ٹیکسی ڈرائیور نے سوال کیا۔

''ہاں! استنبول کی سیر کے لئے آیا ہوں۔''

''تو پھر میرے خیال میں آپ ریالٹو منتخب کیجئے۔ بہترین ہوٹل ہے۔ نہ بہت مہنگا، نہ بالکل سستا۔''

''میں نے اس کا فیصلہ تم پر چھوڑ دیا ہے۔'' میں نے جواب دیا اور ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

ریالٹو بلاشبہ میری توقع سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا۔ کمرہ حاصل کر کے میں ہوٹل کے اُس کمرے میں منتقل ہو گیا۔ ضروریاتِ زندگی کا تمام سامان یہاں موجود تھا۔ سکون سے کمرے میں قیام پذیر ہونے کے بعد میں نے ایک بار پھر محتاط نگاہوں سے اُن ہیروں کو دیکھا۔ اُن کی چمک دمک واقعی حیرت ناک تھی۔ لیکن اب مجھے اُن کی حفاظت کا بندوبست کرنا تھا کیونکہ اتنی قیمتی چیز لے کر سڑکوں، گلیوں اور بازاروں میں گھومتے رہنا جس قدر خطرناک ہو سکتا تھا، مجھے اُس کا اندازہ تھا۔ استنبول میں ایک سیاح کی حیثیت سے قیام کرتے ہوئے مجھے کوئی دقت نہیں تھی۔ جتنے دن چاہتا، یہاں رہ سکتا تھا۔ اس کے انتظامات ہو سکتے تھے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ یہاں سے کہیں اور جانے کے لئے ان ہیروں کے بارے میں کوئی مناسب فیصلہ کرنے کے لئے جو وقت درکار تھا، اُس میں ان ہیروں کے تحفظ کا کیا بندوبست کیا جاتا؟ پھر ایک ہی فیصلہ کیا میں نے اور وہ یہ کہ یہ ہیرے کسی بینک کے لاکر میں رکھوا دیئے جائیں۔ اس سے زیادہ محفوظ طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ اس کرنسی کا جائزہ بھی لینا تھا، جو ابھی کافی مقدار میں میرے پاس موجود تھی۔ لیکن بہرحال! اُسے ختم ہونا تھا۔ ہر چند کہ میں اپنے طور پر محتاط ہی رہنا چاہتا تھا اور اتنا زیادہ خرچ کر کے دوسروں کو اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتا تھا کہ میں کوئی دولت مند آدمی تصور کیا جاؤں۔ اس طرح بہت سی اُلجھنیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ دل میں یہی فیصلہ کیا کہ ریالٹو کا قیام اپنی جگہ لیکن باقی زندگی فقیرانہ انداز میں گزار دی جائے..... یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ ہیروں کو کہاں ٹھکانے لگایا جائے؟

جتنا بھی وقت درکار ہو، اس میں پرسکون ہی رہا جائے اور ایک دولت مند آدمی ہونے کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ اب یہ کام دوسرے دن ہی ہو سکتا تھا۔ بقیہ وقت میں نے ریالٹو ہی میں گزارا۔ رات کو بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا تھا کیونکہ نہ تو ہیرے کمرے میں چھوڑے جا سکتے تھے اور نہ انہیں ساتھ لئے پھرنا مناسب تھا۔

یہ رات گزارنے کے بعد دوسرے دن صبح میں نے جو سب سے پہلا کام کیا، وہ یہ تھا کہ یہاں بینکنگ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ لاکر کے حصول میں ذرا دقت پیش آئی تھی، لیکن کرنسی کی سفارش سے کام بن گیا اور میں نے ہیروں کی وہ تھیلی ایک پیکٹ میں محفوظ کر کے بینک کے ایک لاکر میں محفوظ کر دی اور چابی لے کر وہاں سے نکل آیا۔ اس چابی کو بھی بحفاظت رکھنا تھا۔

ریالٹو کے کمرے میں واپس آنے کے بعد میں نے چابی رکھنے کے لئے جگہ تلاش کی اور پھر ایک جگہ منتخب کر لی۔ جو مسہری اس کمرے میں بچھی ہوئی تھی، وہ سٹیل کی بنی ہوئی تھی اور اس کے پایوں کے نیچے ربڑ کے ٹپ لگے ہوئے تھے۔ میں نے مسہری کا ایک پایہ اُٹھا کر ربڑ کا ایک ٹپ کھینچ کر باہر نکالا اور چابی پائے میں ڈال کر ربڑ کی ٹپ دوبارہ اُسی جگہ لگا دی۔ اس سے زیادہ محفوظ جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہیروں کو محفوظ کرنے کے بعد میں نے سکون کی گہری سانس لی تھی اور اس کے بعد استنبول کی زندگی میرے لئے انتہائی دلکشی کا باعث تھی۔

میں غور و خوض کر رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ استنبول میں ان ہیروں کی کھپت ممکن ہے یا نہیں؟ یا پھر اس کے لئے کسی کو اپنا رازدار بنایا جائے؟ لیکن اس طرح بہت سے خطرات درپیش تھے۔ یہ بھی عجیب بات تھی۔ بعض اوقات دولت حاصل تو ہو جاتی ہے لیکن اسے صحیح طریقے سے استعمال کرنا بھی ایک عذاب بن جاتا ہے اور اس وقت میں اسی عذاب کا شکار تھا۔ لیکن اپنے آپ کو ایک سیاح کی حیثیت سے روشناس کرانے اور دوسروں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے یہی بہتر تھا کہ چند روز استنبول کی مکمل سیر کر لی جائے اور اس کے بعد اس سلسلے میں فیصلہ کیا جائے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

وہ رات بھی گزر گئی اور دوسری صبح تمام تیاریوں کے بعد میں باہر نکل آیا۔ استنبول کو دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ویسے بھی اس تاریخی اور قدیم شہر کے بارے میں کسی قدر معلومات

حاصل تھیں۔ لیکن ہوٹل سے باہر نکلتے ہی مجھے ایک دراز قامت نوجوان مجھ سے ملا۔ مقامی ہی تھا۔ اچھی شکل وصورت کا مالک اور چہرے سے خاصا سمارٹ نظر آتا تھا۔

''میں گائیڈ ہوں اور میرا نام ہارون بے ہے۔''

میں نے ہارون بے سے مصافحہ کیا اور اس کے بعد اُس سے اخراجات وغیرہ کا پوچھا تو اُس نے کہا کہ اگر میں پسند کروں تو پورے دن کے لئے کارئے کی کار حاصل کرلوں اور اس کے لئے مجھے سولیرا دینے پڑیں گے۔

میں نے دل میں سوچا کہ استنبول کے تفریحی مقامات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اگر ہارون بے کی خدمات حاصل کر لی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک یا دو دن اس کے ساتھ یہاں کی سیر کروں گا اور اس کے بعد اپنے طور پر وقت گزاروں گا۔ چنانچہ میں نے منظور کرلیا۔

ہارون بے نے خود ہی کرائے کی کار حاصل کی۔ ڈرائیونگ وہ خود ہی کرسکتا تھا۔ چنانچہ مجھے کار میں بٹھا کر وہ، وہاں سے چل پڑا۔

صوفیہ کی قدیم دیوار کے سائے میں چلتے ہوئے وہاں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر واقع ہیپڈ رُوم یعنی رُومی کھیلوں کے وسیع میدان میں پہنچ گئے۔ اس میدان ہی سے اس شہر کی عظمت کی ابتداء ہوئی تھی۔ ہمارے پہلو میں ایا صوفیہ کی عمارت تھی۔ اس کی مخالف سمت میں سلطان احمد مسجد کا دالان نظر آرہا تھا اور بیچ کے میدان میں پرانے قسطنطنیہ کی چند یادگاریں آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھیں۔ دو سو چونتیس عیسوی میں یہ شہر جو اس وقت بازنطائن کہلاتا تھا، رُومنوں کے ہاتھوں فتح ہوا تھا اور بعد میں اس کا نام کانسٹنٹائن کے نام پر قسطنطنیہ رکھ دیا گیا۔ کانسٹنٹائن کا شہر اگرچہ ان دنوں زوال پذیر تھا۔ مگر رُومی تہذیب میں اب بھی زندگی کی حرارت موجود تھی۔ کانسٹنٹائن نے نیزے کی انی سے شہر کی وسیع تر حدود کی نشاندہی کی اور کہا کہ یہ شہر رُوم کی جگہ لے گا۔ اس کی سات پہاڑیوں پر رُوم کی عظیم تر عمارتیں اور وسیع تر باغات کی تشکیل ہوگی۔ چنانچہ رُومی سلطنت کے خزانے، نئے رُوم کی تعمیر کے لئے کھل گئے۔ سات پہاڑیوں پر سنگ مرمر کے چار سو محلات تعمیر کئے گئے۔ نئے رُوم کے شہر نے تمام سلطنتوں کے تاجروں، کاریگروں اور فنونِ لطیفہ کے ماہروں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور مستطیل شکل کے اس وسیع میدان کے دونوں طرف بلند و بالا مجسمے نصب

کیے گئے۔ یہاں پر پیرس کی ہیلن تھی۔ ایک کونے میں ابوالہول کے آٹھ دیوزاد بت کھڑے ہوئے تھے۔ دوسری طرف خسروانہ رُوم کا نشان مادہ بھیڑیا، مجسمے کے رُوپ میں جلوہ گر تھی۔ اور پھر پیتل کے بنے ہوئے چار خوبصورت گھوڑے جو ستونوں پر نصب تھے اور جنہیں صلیبی جنگوں کے دوران اہل وینس اُکھاڑ کر لے گئے تھے، آج بھی وینس کے سینٹ مارک چوک میں یہ گھوڑے، قسطنطنیہ کی عظمت کی یاد دلاتے ہیں۔

ہارون بے کا اندازِ بیان نہایت دلکش تھا۔ اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ جس ماحول کی وہ منظر کشی کر رہا ہے، وہ نگاہوں کے سامنے ہی گردش کر رہا ہے۔ بہرحال! اُس کے ساتھ دن کا تمام وقت بہترین گزرا تھا۔ شام کو میں نے اُس سے فرمائش کی کہ وہ واپس مجھے ریالٹو چھوڑ دے۔ چنانچہ ہارون بے مجھے ریالٹو چھوڑ کر چلا گیا۔

آج ذہن زیادہ مسرور تھا۔ کوئی خاص بوجھ نہیں تھا۔ چنانچہ شام کو ریالٹو کی تفریحات میں بھی حصہ لینے کے لئے نیچے اُتر آیا۔

ریالٹو کے ڈائننگ ہال میں مخصوص قسم کے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے۔ جن میں رقص وسرور کی محفل بھی تھی اور شعبدہ گری بھی۔ ایسی ہی شعبدہ گری کے دوران میری نگاہیں ایک میز کی جانب اُٹھ گئیں اور ایک چہرے پر میری آنکھیں جم کر رہ گئیں۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ آئرن فیرین تھی۔ سو فیصد آئرن فیرین..... ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ بہت دنوں کے بعد ایک ایسی شکل نظر آئی تھی، جو گزرے ہوئے دنوں کی یاد دلاتی تھی۔ آئرن فیرین کے ساتھ گزرا ہوا وقت مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ تجسّس بھی ذہن میں تھا۔ ایک دل کہہ رہا تھا کہ اسے نظرانداز کر کے فوراً اپنے کمرے میں جا گھسو اور دوبارہ ریالٹو کے اس کی تفریحات سے لطف اندوز ہونے کی کوشش نہ کرو۔ آئرن فیرین سے ملنے کا مطلب تھا کہ یہاں وہ خطرناک لوگ آپہنچے ہیں جن سے میری ذات کو خطرہ تھا اور اب میں اپنے آپ کو کسی اُلجھن میں پھنسانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اور بھی بہت سے سوالات ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ فصاحت خاطری کو آئرن فیرین کی تلاش تھی۔ اگر آئرن فیرین کو فصاحت خاطری کی اس تلاش سے مطلع کر دیا جائے تو کیا اُس کی مدد نہیں ہوسکتی؟ یا پھر یہ بھی معلوم کی جائے کہ آئرن فیرین نے ایران سے ترکی کا سفر کیونکر اختیار کیا؟

بہت دیر تک کشمکش کے عالم میں بیٹھا رہا۔ سٹیج پر شعبدہ گر نہ جانے کیا کیا کمالات دکھا رہا

تھا۔ بار ہا تالیوں کی گونج سنائی دی تھی اور اس کی وجہ سے ذرا سا ذہن بھٹک گیا تھا۔ لیکن فیصلہ کرنے میں دشواری ہو رہی تھی۔ بالآخر یہی سوچا کہ آئرن فیرین سے ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ممکن ہے، ترکی میں قیام کا وقت اور دلچسپ ہو جائے۔ چنانچہ آخری فیصلہ کرنے کے بعد میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس کے قریب پہنچ گیا۔ اُس کے اطراف میں تینوں کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک کرسی گھسیٹی اور اُس پر بیٹھ گیا۔

کرسی گھسیٹنے کی آواز کے ساتھ ہی آئرن فیرین چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار پھیل گئے تھے۔ غالباً وہ مجھے پہچان نہیں سکی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے اُس کے حلق سے ایک پر مسرت سی آواز نکلی۔

''ارے تم..... منصور...... میرے خدا! کیا واقعی یہ تم ہی ہو..... تم ہی ہو یہ.....؟''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''تمہارا کیا خیال تھا آئرن فیرین! ایران سے اتنی خاموشی سے نکل آنے کی وجہ سے میں تمہیں تلاش نہیں کر سکوں گا؟''

''اوہ، نہیں..... مائی ڈیئر! نہیں۔ آہ! کس طرح میں اپنی خوشی کا اظہار کروں۔ تم سے ملاقات کر کے مجھے دلی خوشی ہوئی ہے منصور! واقعی یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے پہلی بار کسی اپنے سے ملاقات ہوئی ہے۔ منصور..... منصور! میں کس قدر خوش ہوں، تمہیں بتا نہیں سکتی۔''

''شکریہ فیرین! میں بھی تمہیں یہاں دیکھ کر مسرور ہو گیا تھا۔ اور پھر میں کسی بھی طرح اپنے آپ کو تمہارے قریب لانے سے باز نہ رکھ سکا۔''

''گویا..... گویا تم مجھے نظر انداز بھی کر سکتے تھے۔'' آئرن فیرین نے شکایتی انداز میں کہا۔

''کر سکتا تو تمہارے قریب کیوں آتا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرانے لگی۔

''اُٹھو..... یہاں سے اُٹھو! مجھے اس شعبدہ گری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے مل جانے سے میں کس قدر اپنے آپ کو ذہنی طور پر ہلکا محسوس کر رہی ہوں، بیان نہیں کر سکتی۔''

''اوکے..... اُٹھو۔'' میں نے کہا اور ہم باہر نکل آئے۔

آئرن فیرین نے ہوٹل کے بیرونی برآمدے کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے کہا۔ ''ہم

ان پرسکون گوشوں کی جانب چلیں گے، جہاں درختوں کے وہ کنج نظر آ رہے ہیں۔ دیکھو نا! کنج میں ایک مدھم روشنی جل رہی ہے۔ ان کے نیچے میزیں بچھی ہوئی ہیں۔'' پھر وہ میرے ساتھ آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''دراصل یہ جگہ رُومان پسندوں کے لئے ہے۔ خدا کرے، ہمیں درختوں کے نیچے کا کوئی حصہ خالی مل جائے۔ ورنہ تم جانتے ہو کہ یہاں کی دنیا کے کسی گوشے میں کمی نہیں ہے۔''

میں مسکرا دیا۔ آئرن فیرین اور میرے درمیان کبھی کوئی رُومانی رشتہ قائم نہیں ہو سکا تھا۔ بہرطور! وہ میری زندگی میں خاصی گہرائی تک داخل ہو گئی تھی۔ ہم نے عجیب و غریب حالات میں تنہا سفر طے کیا تھا۔ لیکن ذہنی طور پر وہ بھی مضبوط تھی اور میرے کردار میں بھی اس نے یقیناً کوئی کمی نہیں پائی تھی جس کی وجہ سے اُسے مجھ پر اعتماد تھا۔ ہمیں ایک درخت کے نیچے میز خالی مل گئی۔ تین اطراف سے درختوں نے میز کو گھیرا ہوا تھا۔ اُوپر ایک گھرے گھنے درخت کا سایہ تھا۔ بلاشبہ اُن لوگوں کے لئے یہاں بہت دلکشی تھی جو اپنے مطلوب کی قربت سے لطف اندوز ہونا چاہیں۔ ہم بھی وہاں بیٹھ گئے۔ ویٹر کو بلانے کا طریقہ ایک چٹ پر انگریزی زبان میں لکھا ہوا تھا۔ اگر چٹ کے نیچے لگا ہوا بٹن دبایا جائے تو باہر ایک ہلکی سی روشنی جل اُٹھتی تھی اور یہی روشنی دیکھ کر ویٹر یہاں آ سکتا تھا۔ جب تک روشنی نہ ہو، کسی کو اس کنج میں داخل ہونے کی اجازت نہ ہوتی۔

''اب یہ بتاؤ! تم کیا پیو گی؟'' میں نے پوچھا۔

''کچھ بھی منگوا لو۔ میرا خیال ہے، کافی مناسب رہے گی۔'' آئرن فیرین نے جواب دیا۔ میں نے بٹن دبا دیا۔ ویٹر عقب سے ہمارے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد ہم لوگ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ''تم یقین کرو منصور! تمہیں دیکھ کر اتنی مسرت ہوئی ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔ تہران میں تم سے جدا ہونے کے بعد بڑی عجیب و غریب اُلجھنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تمہاری رائے پر میں نے اخبار میں فصاحت کی تلاش کے لئے اشتہار دے دیا تھا۔ لیکن فصاحت خاطری کی بجائے مجھ سے کسی نے فصاحت خاطری سے پہلے ملاقات کر لی۔''

''کسی اور نے؟'' میں نے سوالیہ انداز میں آئرن فیرین کو دیکھا۔

''ہاں! بلکہ یوں سمجھو، یہ میری خوش بختی ہے۔'' آئرن فیرین چند لمحات سوچتی رہی۔

میں خا ن سے اُس کی صورت دیکھتا رہا۔ آئرن فیرین چند لمحات سوچتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔
''زندگی کے کھیل بھی نرالے ہیں منصور! تم نے اپنے بارے میں مجھے جس قدر بتایا ہے، وہی میرے لئے کم حیرت انگیز نہیں تھا کہ خود میری زندگی بھی ایسے ہی افسانوی حالات سے دوچار ہوگئی۔ فصاحت خاطری کو میں اپنا سرپرست سمجھتی تھی۔ اُس نے مصر میں مجھے بظاہر میرے دُشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے رکھا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہی میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔''

میرا دل چاہا کہ اس حقیقت کی تصدیق کر دوں اور آئرن فیرین کو بتا دوں کہ فصاحت خاطری کس طرح اُس کی تلاش کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ لیکن یہ جلد بازی تھی۔ آئرن فیرین سے اُس کی اپنی کہانی تو سن لی جائے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کی۔ آئرن فیرین چند لمحات کے بعد کہنے لگی۔ ''میں انتظار کر رہی تھی کہ فصاحت خاطری کو اگر میری آمد کے بارے میں علم ہو جائے تو ممکن ہے وہ مجھ سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن ایک دن جب میں اپنے کمرے میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی تو ایک بھاری بھرکم شخصیت، ایک خوبصورت عورت کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اُس نے اپنا تعارفی کارڈ میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ براہِ کرم اُسے دیکھ لیا جائے۔ تعارفی کارڈ پر عصمت شیرازی لکھا ہوا تھا۔ میں نے اُس بزرگ شخصیت کو احترام سے خوش آمدید کہا تو وہ کہنے لگے۔

''خاتون آئرن فیرین! ہوٹل کے اس کمرے کا آپ نے اپنے اشتہار میں پتہ دیا ہے۔ میں تو یہ سوچ کر یہاں پہنچا تھا کہ ممکن ہے، آپ سے ملاقات نہ ہو سکے اور مجھ سے پہلے فصاحت خاطری یہاں پہنچ جائے۔ لیکن اب اگر خوش قسمتی نے ہمارا ساتھ دیا ہے تو کیوں نہ ہم پہلے اپنے تحفظ کا بندوبست کر لیں؟''
''میں سمجھی نہیں جناب؟''

''براہِ کرم! اگر بہت زیادہ دُور نہیں تو کم از کم ہوٹل کے اس کمرے سے نکل کر کسی ایسی جگہ ہم لوگ گفتگو کر لیں جہاں ہمارے درمیان کوئی مداخلت نہ کر سکے۔'' عصمت شیرازی شریف صورت انسان تھے اور پھر اس قدر عمر رسیدہ تھے کہ مجھے اُن کی ذات پر کوئی شک و شبہ نہ ہوا اور اُن کی خواہش پر میں نے ہوٹل کے کمرے سے نکل کر کہیں اور گفتگو کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ تب وہ مجھے اپنی کار میں ساتھ لے کر اپنے دفتر پہنچے۔ یہ دفتر ایک

خوش نما عمارت میں تھا۔ دفتر میں آنے کے بعد میں بالکل مطمئن ہوگئی۔ کیونکہ یہ ایک ایڈووکیٹ کا دفتر تھا اور باہر عصمت شیرازی کے نام کا بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔ بزرگ شیرازی نے مجھے بیٹھتے ہوئے کہا کہ یہ اشتہار تمہاری بدقسمتی کا سائن بورڈ بھی ہو سکتا تھا، اگر تم فصاحت خاطری کے ہاتھ لگ جاتیں..... تم سمجھ سکتے ہو منصور! کہ مجھے کتنی پریشانی ہوئی ہو گی ان الفاظ پر۔ میں پاگلوں کی طرح عصمت شیرازی کی صورت دیکھتی رہی۔ تب اُنہوں نے کہا۔

''عزیزہ! میں تم سے چند سوالات کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ کہ کیا تمہیں اپنی حقیقت معلوم ہے یا یہ کہ تم ایران کے کون سے گوشے میں پوشیدہ تھیں؟''
''میری حقیقت کیا ہے شیرازی صاحب! اسی کی تلاش میں ایران آئی ہوں۔''
''آئی ہوں سے کیا مراد؟ اس سے پہلے تم کہاں تھیں؟'' عصمت شیرازی نے سوال کیا۔

''میرا قیام مصر میں تھا، اور میں وہاں حکیم عارفی کے پاس رہتی تھی۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حکیم عارفی ہی میرے نگران تھے اور انہی کے ذریعے مجھے معلوم ہوا کہ ایران کے فصاحت خاطری میرے سرپرست ہیں۔ لیکن جناب! آپ کا انداز کچھ عجیب سا ہے۔ فصاحت خاطری کے بارے میں آپ کہتے ہیں کہ وہ میرے دشمن ہیں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟''

''میں زبانی گفتگو کر کے تمہیں اُلجھنوں میں نہیں رکھ سکتا بیٹی! اس کے لئے کچھ تحریریں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں جو تم پر حقیقت آشکار کر دیں گی۔''
شیرازی صاحب نے مجھے کچھ بوسیدہ فائل دکھائے، اور ان فائلوں سے منصور! مجھ پر ساری حقیقتیں آشکار ہوگئیں۔ میرے والد بہت بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ ایران کی ایک ممتاز تاجر شخصیت جو اب پتی تھی۔ فصاحت خاطری میرے والد کا جنرل منیجر تھا اور سارے کاروبار وہی سنبھالتا تھا۔ میرے والد نے بہت عرصہ قبل ایک وصیت تیار کر دی تھی جس کی بناء پر میں اُن کی تمام جائیداد کی وارث تھی اور اکیس سال کی عمر تک میری پرورش کی ذمہ داری فصاحت خاطری کے سپرد تھی۔ فصاحت خاطری نے بڑی چالاکی سے میرے والد کی تمام دولت اور تمام جائیداد پر اپنا عمل دخل قائم کر رکھا تھا اور والد کو اس طرح اپنے شکنجے میں

جکڑ رکھا تھا کہ وہ اُس سے قطعی انحراف نہیں کرتے تھے۔ لیکن ایک بار والد صاحب کو حقیقت معلوم ہوگئی اور انہوں نے فصاحت خاطری کو طلب کر لیا۔ صورتِ حال سے واقف ہونے کے بعد فصاحت خاطری نے میرے والد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اُن کی موت بظاہر طبعی تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ فصاحت خاطری کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے۔ فصاحت خاطری با اختیار آدمی تھا۔ اُس نے اس قتل کو طبعی موت ثابت کرنے کے لئے بہت سے لوگوں کا سہارا لیا اور دولت سے اُن کے منہ بند کر دیئے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ میں وارث کی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی۔ لیکن پھر ایک ایسے ڈاکٹر نے، جس کے تعلقات شیرازی صاحب سے بھی تھے، شیرازی صاحب پر حقیقت منکشف کر دی اور شیرازی صاحب اس طرح کوششوں میں مصروف ہو گئے کہ کم از کم میرا تحفظ کر سکیں۔

فصاحت خاطری کو جب ان کوششوں کی بھنک ملی تو اُس نے مجھے تہران سے غائب کروا کر مصر پہنچوا دیا۔ جہاں حکیم عارفی اُس کے کارندے کی حیثیت سے میری پرورش کرنے لگے۔ فصاحت خاطری میرے اکیس سال پورے ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ اور اس کے بعد جب قانونی طور پر دولت میری طرف منتقل ہو جاتی تو وہ مزید اقدامات کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اور اس کے لئے شاید اُس نے مکمل بندوبست بھی کر لیا تھا۔

شاید میں عصمت شیرازی پر پوری طرح یقین نہ کرتی اور یہ سوچتی کہ ممکن ہے، اس میں بھی کوئی چال کارفرما ہو۔ لیکن اُن تحریری ٹھوس ثبوتوں کا کیا کرتی جو میرے سامنے ڈال دیئے گئے تھے..... اور اُس کے بعد عصمت شیرازی نے چند گواہ بھی پیش کر دیئے جن کا تعلق میرے والد سے براہِ راست رہا تھا۔ یہ سب معزز لوگ تھے۔ انہوں نے بھی یہی مشورہ دیا کہ میں مصر سے نکل تو بھاگی ہوں لیکن تہران میرے لئے بہت خطرناک ہے۔ کم از کم اس وقت تک فصاحت خاطری کی نگاہوں سے رُوپوش رہنا چاہئے، جب تک میری عمر پوری اکیس سال نہ ہو جائے۔ اُس کے لئے عصمت شیرازی نے اپنی طرف سے پیشکش بھی کر دی کہ وہ میرے ہر طرح کے اخراجات اُٹھانے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ میں ایران سے باہر نکل جاؤں اور کسی پوشیدہ جگہ رہ کر اپنی زندگی کا تحفظ کروں۔ باقی کام وہ خود کریں گے۔ شک و شبے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ میں عصمت شیرازی کی بات مان گئی اور خفیہ طور پر ایران سے نکل کر ترکی آ گئی اور اس وقت سے میں استنبول میں

ہی مقیم ہوں۔ یہاں شیرازی صاحب نے میرے لئے ایک رہائش گاہ کا بندوبست کر دیا ہے جو ایک چھوٹے سے فلیٹ پر مشتمل ہے۔ یہاں میں پرسکون زندگی گزار رہی ہوں۔ میں نے اپنا نام بھی تبدیل کر لیا ہے اور اب اسی تبدیل شدہ نام کے ساتھ رہتی ہوں۔ زیادہ دوستیاں نہیں کیں۔ صرف اپنے پڑوس کی ایک دو لڑکیوں سے میری شناسائی ہے۔ مردوں کو میں نے پہلے بھی اپنی زندگی میں شامل نہیں ہونے دیا تھا۔ سیر اور تفریح کے لئے بھی تنہا نکلتی ہوں۔ استنبول کی تاریخ میری بہترین دلچسپی کا باعث ہے اور میری زیادہ تر مصروفیات انہی تاریخی مقامات پر ہوتی ہیں۔ میں اُن کا اچھی طرح تجزیہ کر رہی ہوں اور اُن کی تاریخ سے پوری طرح واقفیت حاصل کر رہی ہوں۔ یہ ایک دلچسپ مشغلہ ہے میرے لئے۔''

میں حیرت سے آئرن فیرین کی کہانی سن رہا تھا۔ بلا شبہ بڑی عجیب و غریب اور دلکش کہانی تھی۔ کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ ہم دونوں اس طرح گفتگو میں محو ہوئے تھے کہ کافی پینے کا خیال ہی نہ رہا تھا۔ بہرطور! ٹھنڈی کافی ہی کے کپ حلق سے اُتارے۔ اس دوران آئرن فیرین کچھ سوچ میں ڈوبی رہی تھی۔ دفعتاً اُس نے چونک کر کہا۔ ''لیکن تم استنبول میں کیسے نظر آ رہے ہو منصور؟''

''کہانی میری بھی تم سے کم دلچسپ نہیں ہے آئرن فیرین۔ تمہیں کم از کم اس بات کا اندازہ تو ہے کہ پروفیسر میتھون میری جان کا گاہک بن گیا تھا۔ لیکن بات اتفاقاً پروفیسر میتھون تک ہی محدود نہ رہی، بلکہ کچھ اور لوگ بھی میرے چکر میں پڑ گئے.....'' میں نے آئرن فیرین کو مختصراً اپنی داستان سنائی۔ لیکن اس داستان میں ہیرے وغیرہ نہیں تھے۔ بس! اپنے دشمنوں کا تذکرہ کرنے کے بعد میں نے اُسے بتایا کہ بالآخر میں نے استنبول میں پناہ لی ہے اور اس وقت ریالٹو ہی میں مقیم ہوں۔

آئرن فیرین متعجبانہ انداز میں مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری زندگی بھی عجیب چیز ہے منصور! بے شمار واقعات کا مجموعہ..... میں نے کبھی کسی انسان کے ساتھ اتنے مختلف واقعات رونما ہوتے نہیں دیکھے۔ استنبول آنے کے بعد اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''کچھ نہیں آئرن! بس میں اپنے طور پر قسمت آزمائی کی کوشش کروں گا۔ بڑی دلچسپ زندگی ہے میری۔ جگہ جگہ خطرناک واقعات و حادثات سے ٹکراتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے۔

ممکن ہے، کبھی کوئی ٹکر اتنی سخت ہو جائے کہ اس زندگی کا خاتمہ ہی ہو جائے۔ میں اپنے وطن میں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے جی رہا تھا۔ لیکن راتوں کی نیند اپنی ہوتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ بیروزگاری کا شکار تھا۔ لیکن ایک شخصیت ایسی مل گئی تھی، جو گالیوں کے ساتھ روٹی بھی دیا کرتی تھی اور یوں پیٹ بھر جاتا تھا۔ وہاں سے نکلا تو وہ تمام خواب پورے ہو گئے، جنہیں صرف خوابوں کی شکل میں دیکھا تھا۔ یعنی دنیا گردی..... عیش وعشرت کی زندگی بھی گزاری اور فاقہ مستی بھی کی۔ لیکن نہ جانے یہ حالات مزید کیا، کیا رُخ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے خود کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اب تقدیر جو بھی فیصلہ کرے۔''

''ہوں.....'' آئرن فیرین خاموشی سے گردن جھکائے میز کی سطح کھرچتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔ ''منصور! ایک پیشکش کروں؟ بشرطیکہ اس کے بارے میں کسی غلط انداز سے نہ سوچو۔''

''میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے آئرن فیرین کی شکل دیکھتا رہا۔ چند لمحات کے بعد وہ بولی۔ ''اگر تم میرے ساتھ ہی رہنا قبول کر لو تو..... دیکھو! یہ بات میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ تم نے ابھی تک اپنی زندگی کے لئے کوئی مقصد نہیں چنا۔ استنبول میں آئے ہو تو صرف اس پروگرام کے تحت کہ سیر و سیاحت کرو اور یہاں اپنے آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھو۔ بالآخر اس کے بعد تمہارا کہیں نہ کہیں جانے کا ارادہ تو ضرور ہو گا۔ تو کیا ضروری ہے کہ تم استنبول سے کہیں اور چلے جاؤ؟ میرا مطلب ہے کہ جب تک میں اپنی زندگی کا وہ مقصد حاصل نہ کر لوں، جو میرے لئے ضروری ہے، کیوں نہ تم میرے ساتھ ہی رہو۔ اور اگر میرا کاروبار مجھے واپس مل جائے تو پھر میرے مینیجر کی حیثیت سے یہ تمام چیزیں سنبھال لو۔ تم خود بھی زیادہ دنیا گردی کے قائل نہیں ہو اور اپنے آپ کو کسی ایک جگہ ٹھہرا بھی سکتے ہو تو پھر کیوں نہ وہ جگہ ایران ہی ہو..... فصاحت خاطری بہرطور! شکست کھا جائے گا کیونکہ وہ غاصب ہے اور اُس نے میرے باپ کی دولت غاصبانہ طور پر ہضم کی ہے۔ شیرازی ہی نہیں، بلکہ میں اپنے طور پر بھی فصاحت خاطری کے مقابلے کے لئے معقول بندوبست کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ بالآخر میں اُسے اُس کی اس بدکرداری کی سزا ضرور دُوں گی۔ اس کے بعد ظاہر ہے، زندگی گزارنے کے لئے مجھے کچھ ساتھیوں کی ضرورت تو ہو گی۔ تو کیوں نہ ان میں تم بھی شامل ہو جاؤ اور پہلے ساتھی کی حیثیت سے اپنے

آپ کو میرے حوالے کر دو۔''

آئرن فیرین کی پیشکش پر میں مسکرا دیا۔ درحقیقت وہ تو مستقبل میں دولت مند بننے والی تھی۔ جبکہ میں دولت مند بن چکا تھا۔ بس! صرف تھوڑی سی محنت کی ضرورت تھی۔ اس کے بعد ممکن ہے، میں آئرن فیرین سے زیادہ دولت مند انسان ہو جاؤں۔ لیکن یہ فیصلہ ابھی نہیں کر سکا تھا کہ آئرن فیرین پر اس بات کا اظہار کر دوں یا پھر خاموش رہوں۔

میری خاموشی جب طویل ہو گئی تو اُس نے کہا۔ ''میں تم سے پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ یہ دوستانہ پیشکش ہے اور وہ بھی حالات کا جائزہ لینے کے بعد۔ اگر تم اسے منظور نہیں کرو گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''نہیں آئرن فیرین! میں تمہاری اس پیشکش کے خلوص پر کوئی شبہ نہیں کر رہا۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا یہ بات میری فطرت سے میل کھاتی ہے یا نہیں؟ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم مجھے ایک آدھ دن سوچنے کا موقع دو.....''

''میں یہ تو نہیں کہہ رہی کہ تم یہاں سے میرے ساتھ چلو۔'' آئرن فیرین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری یہ پیشکش پوری طرح خلوص پر مبنی ہے۔''

''یقیناً! اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' آئرن فیرین نے کہا۔ پھر بولی۔ ''میرے فلیٹ کا پتہ نوٹ کر لو۔ تمہیں جب بھی کبھی مجھ سے رابطے کی ضرورت پیش آئے تو فوری طور پر ٹیلی فون کر سکتے ہو یا وہاں آ سکتے ہو۔ میں ہمیشہ تمہارے لئے چشم براہ رہوں گی۔ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ کوئی فیصلہ جب چاہو، کرو۔ لیکن ہمارے درمیان ملاقات تو ہوتی رہنی چاہئے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے کسی کو دوست نہیں بنایا۔ صرف شناسائی ہے۔ تم سے گہرا دوست میرا اس وقت شاید پوری دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ اور یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔''

''شکریہ فیرین! میں بھی اس بات کو نظرانداز نہیں کروں گا۔'' میں نے کہا۔

کافی دیر تک ہم کنج میں بیٹھے رہے۔ دوسری بار کافی منگوائی گئی اور اُسے گرم گرم ہی پیا گیا۔ پھر آئرن فیرین نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب مجھے چلنا چاہئے۔ اجازت دو۔ ریالٹو میں تمہارا کمرہ نمبر کیا ہے؟''

میں نے اُسے اپنے کمرے کا نمبر بتا دیا۔ میں آئرن فیرین کو رُخصت کرنے اُس کی کار تک آیا تھا جو شاید اُس نے یہاں آ کر خرید لی تھی۔ آئرن فیرین چلی گئی تو میں نے ایک طویل سانس لی اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

☆.....☆.....☆

میرے ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ ظاہر ہے، آئرن فیرین نے جو پیشکش کی تھی، وہ میرے لئے قابل قبول نہیں تھی۔ میں اُس کے ملازم کی حیثیت سے بھلا کہاں زندگی گزار سکتا تھا؟ حالانکہ زندگی کا بیشتر حصہ کسی ملازمت کی تلاش ہی میں گزرا تھا۔ لیکن اب صورت حال مختلف ہوگئی تھی۔ آنے والا وقت تو وہ تھا جب میں درجنوں افراد کو ملازم رکھ سکتا تھا۔ بس! ایک ٹھوس کارروائی کی ضرورت تھی۔ فیصلہ یہ کرنا تھا کہ آئرن فیرین کو اپنے راز میں شامل کروں یا نہ کروں؟ یہ مسئلہ میرے لئے ذرا سنگین نوعیت کا تھا۔ آئرن فیرین بظاہر اب تک جس شخصیت میں نمایاں ہوئی تھی، اُس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بری لڑکی نہیں ہے۔ حالات کا شکار ہونے کی وجہ سے اُس نے اپنے آپ کو بہت زیادہ تیز طرار بنا لیا تھا۔ لیکن بذات خود وہ ٹھیک ٹھاک لڑکی ہے اور جیسا کہ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس کی عمر کے 21 سال پورے ہونے میں کافی وقت ہے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں آئرن فیرین کو لے کر استنبول سے نکل جاتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ عصمت شیرازی کو اس کے لئے اطلاع دے دیتی کہ وہ ابھی سیاحت کے لئے جا رہی ہے۔ پھر یورپ کے کسی ملک پہنچ کر میں یہ ہیرے فروخت کر دیتا اور اپنی وہ حیثیت حاصل کر لیتا جو بظاہر میرا مقدر بن گئی تھی۔ لیکن کیا آئرن فیرین اِس کے لئے تیار ہو جائے گی؟ وہ رازداری سے میرے اس راز کو راز رکھ سکے گی؟ کہیں یوں نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ زندگی میں کسی کو اگر اپنا ساتھی یا رازدار بنایا جائے تو پوری طرح دیکھ بھال کر کے۔ ورنہ انسان ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے۔ میں انہی لائنوں پر سوچتا ہوا بالآخر اپنے کمرے میں داخل ہوگیا۔

کمرے میں قدم رکھتے ہی میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ تالا میں نے اپنی چابی سے کھولا تھا۔ لیکن جب میں نے کمرے میں روشنی کی تو مجھے سامنے ہی وہ دو افراد نظر آئے جو شکل وصورت سے انتہائی خوفناک معلوم ہوتے تھے۔ ان دونوں

کے ہاتھوں میں دبے ہوئے سیاہ رنگ کے ریوالوروں کا رُخ میری ہی جانب تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں حیرت اور خوف سے اُن پر نگاہیں جمائے اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ تب اُن میں سے ایک اپنی جگہ سے اُٹھ کر آگے بڑھا اور میرے قریب سے گزر کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ میں کسی روبوٹ کی طرح اُن کی جنبشوں کے ساتھ جنبش کر رہا تھا اور میری نگاہیں اُن خوفناک ریوالوروں پر جمی ہوئی تھیں، جن کے ٹرائیگر اگر دب جاتے تو اُن سے نکلنے والی گولیاں میرے بدن میں سوراخ ہی کر دیتیں۔ میرے بدن سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ خارج ہونے لگا تھا اور میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکا تھا۔

بالآخر اُن میں سے ایک کی کرخت آواز اُبھری۔ ''اِدھر آؤ! اور اس صوفے پر بیٹھ جاؤ۔'' میں نے اُن کی ہدایت پر عمل کیا اور کسی بت کی مانند صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' اُن میں سے ایک نے سوال کیا۔

میں جواب دینے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ اُن میں سے ایک آگے بڑھا اور ریوالور کی نال میری پیشانی پر رکھتے ہوئے غرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''کیا نام ہے تمہارا؟''

''ممن..... من.....'' میں نے پھر اُسی انداز میں کہا۔

''یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں دوسرے کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''نام سے ہمیں دلچسپی نہیں ہے مسٹر! کیا تم تہران سے سفر کر کے ہاں پہنچے ہو؟''

''تت..... تہران..... میرا مطلب ہے جی ہاں..... جی ہاں.....'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''ہوں..... کیا بایزید میں تمہاری ملاقات کسی رضا طاہری نامی شخص سے ہوئی تھی جس نے بس میں تمہارے ساتھ سفر کیا تھا؟''

''جی ہاں..... جی ہاں.....'' میں نے مشینی انداز میں جواب دیا۔

''تب یہ وہی شخص ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے، ہمیں غلط فہمی نہیں ہوئی۔'' دوسرے آدمی نے پہلے آدمی سے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ رضا طاہری میرے سامنے ہی گرفتار ہوا

تھا، لیکن اُس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ اُس شخص نے بھاری لہجے میں کہا۔

''دوست! رضا طاہری تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''آہ! کیا پولیس نے اُسے چھوڑ دیا؟''

''ظاہر ہے، وہ بے قصور آدمی تھا۔ تاریخ کا پروفیسر۔ بھلا اُسے مجرمانہ زندگی سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ پولیس نے غلط فہمی کی بنیاد پر اُسے پکڑ لیا تھا اور پھر جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ اُس نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے تو اُسے چھوڑ دیا گیا۔ لیکن پروفیسر رضا طاہری تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''میرے اور اُس کے درمیان صرف اتنی ہی شناسائی تھی کہ ہم دونوں نے بایزید تک بس میں سفر کیا تھا۔ اس سے زیادہ تو ہمارے درمیان کوئی رابطہ نہیں رہا۔ پھر وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟''

''اس کا جواب تمہیں رضا طاہری ہی دے گا۔ ہم دونوں تمہیں یہاں سے ساتھ لے جانے کے لئے آئے ہیں۔''

''مم..... مگر میں..... میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ کسی شخص سے ملاقات کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ ریوالور کے بل پر اُسے لے جایا جائے؟''

''اگر تم ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے تو پھر تمہیں اُوپر جانے کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔'' ایک آدمی خونخوار لہجے میں بولا اور پھر اُس سے پستول میری پیشانی کی جانب اُٹھا لیا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کمبخت ریوالور کی گولی میری پیشانی میں اُتار دے گا۔ آنکھوں ہی سے وحشی درندہ معلوم ہو رہا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر صوفے کی پشت سے ٹیکتے ہوئے کہا۔ ''سنو، سنو..... بلاوجہ..... بلاوجہ کیا حماقت ہے یہ؟ یعنی..... یعنی مجھے ایک شخص سے ملاقات کرنا ہے اور اگر نہیں کروں گا تو مجھے گولی مار دی جائے گی۔ واہ! بھلا یہ کیا بات ہوئی؟ کیا تم لوگ..... تم لوگ پاگل ہو؟ مجھے تو تم جنونی معلوم ہوتے ہو۔''

''تم مجھے، بلکہ ہمیں جنونی سمجھ سکتے ہو۔ اور اسی جنون کے عالم میں ہم تمہیں ہلاک کر کے یہاں سے نکل جائیں گے۔ اس بات کو ذہن نشین کر لو۔ چنانچہ تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ ہمارے ساتھ خاموشی سے چلو۔ اور سنو! کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ریوالور کی

نال تمہاری کمر سے لگی رہے گی۔ اگر تم نے کسی کو اشارہ کرنے یا کوئی اور حرکت کرنے کی کوشش کی تو تمہیں اسی جگہ ہلاک کر دیا جائے گا اور ہم لوگوں کو فرار ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ دراصل تم ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ چنانچہ تمہارے حق میں بہتر یہی ہوگا کہ تم ہمارے ساتھ خاموشی سے چلو اور جس طرح کہا جا رہا ہے، کرو۔''

''رضا طاہری سے ملنے پر مجھے کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔ بس! تمہارا یہ انداز عجیب سا لگتا ہے۔ بہرطور! چلو۔'' میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا اور یہ حقیقت تھی کہ میں نے ہوٹل سے نکلتے ہوئے کسی قسم کی حرکت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ مجھے ایک کار میں بٹھا کر چل پڑے۔ کار کون کون سے راستوں سے گزری؟ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بہرطور! وہ ایک عجیب وغریب عمارت کے سامنے رُکی اور اُن لوگوں نے مجھے اُترنے کے لئے کہا۔ میں اُتر کر اُن کے ساتھ عمارت میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

کمرے میں میری ملاقات رضا طاہری کی بجائے ایک اور شخص سے ہوئی۔ جو دُبلے پتلے بدن کا مالک تھا۔ لیکن اُس کا چہرہ ضرورت سے زیادہ پھولا ہوا تھا اور جسم سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ آنکھوں میں خطرناک تاثرات تھے۔ مقامی ہی معلوم ہوتا تھا کیونکہ اُس کے خدوخال اس بات کا اظہار کرتے تھے۔ وہ مجھے اپنی تیز اور چمکیلی نگاہوں سے گھورتا رہا۔ پھر اُس نے آہستہ سے سوال کیا۔

''ہوں..... تو تم ہو وہ جو رضا طاہری کے ساتھ سفر کر رہے تھے؟''

''رضا طاہری کہاں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ ابھی تک پولیس کی تحویل میں ہے۔ لیکن اُس کی امانت کہاں ہے؟''

''کیا؟'' میں نے متعجبانہ انداز میں سوال کیا۔

''وہ ہیرے کہاں ہیں جو رضا طاہری نے تمہاری جیب میں رکھے تھے؟''

میرے ذہن میں ایک شدید دھماکہ سا ہوا۔ میں تو وہ ہیرے، راعمیس کی ملکیت سمجھ رہا تھا جس نے وہ مجھے تحفتاً دیئے تھے۔ لیکن کیا اُن ہیروں کا تعلق کسی طور رضا طاہری سے ہے..... میرے ذہن میں ایک فلم سی چلنے لگی۔ پولیس والے ایک تصویر ہاتھ میں لئے اُس شخص کو تلاش کر رہے تھے جو بقول اُن کے ایک خطرناک مجرم تھا اور وہ مجرم رضا طاہری نکلا۔ رضا طاہری شاید ہیرے سمگل کر کے لا رہا تھا اور اُس نے اُن کے تحفظ کے لئے انہیں

میری جیب میں ٹھونس دیا تھا۔ کب اور کس وقت؟ اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ لیکن بہرطور! وہ ہیرے اُس کے پاس سے برآمد نہیں ہوئے ہوں گے۔

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور اُس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ ''میرے دوست! میری ملاقات رضا طاہری سے کرا دو۔ یوں لگتا ہے، جیسے تم لوگ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہو۔''

''ہیرے کہاں ہیں؟'' اُس شخص نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا

''جہنم میں..... سمجھے؟ اگر تم لوگ مجھے بے وقوف سمجھ رہے ہو تو یہ خود تمہاری حماقت ہے۔ کیسے ہیرے؟ کون سے ہیرے؟ میرے پاس کوئی ہیرے نہیں ہیں۔ رضا طاہری نے اگر مجھے کوئی چیز دی ہوتی تو مجھے یقیناً اُس کے بارے میں علم ہوتا۔ لیکن ایسی کسی چیز کے بارے میں، میں کیسے بتا سکتا ہوں، جس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔''

''لیکن رضا کہتا ہے کہ اُس نے ہیرے تمہاری جیب میں رکھے تھے۔''

''اور پھر میری جیب سے غائب ہو گئے۔ کیوں..... دیکھو دوست! میں بالکل ہیروں کے بارے میں نہیں جانتا۔ اگر تم لوگ میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کرنا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔ ظاہر ہے، میں استنبول میں تنہا ہوں اور تمہارے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔''

''معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔ صرف ہیروں کے بارے میں بتاؤ.....''

''لعنت ہے تم پر اور تمہارے ہیروں پر..... اب تم سے جو کچھ کیا جا سکتا ہے کر لو۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ شخص میرے عقب میں کھڑے ہوئے لوگوں کی جانب دیکھنے لگا۔

''بعض لوگ شرافت سے بات ہی نہیں کرنا جانتے۔ ٹھیک ہے۔ اس سے ہیروں کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔ لے جاؤ اسے اور جب یہ زبان کھول دے تو مجھے آ کر حقیقت بتا دینا۔''

مجھے لانے والے، مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑے ہوئے اُس کمرے سے نکال لائے..... پھر ایک اور کمرے میں مجھے پہنچا دیا گیا۔ یہ کمرہ خالی تھا۔ فرش تک ننگا تھا۔ دیواروں پر مخصوص قسم کے کپڑے لگے ہوئے تھے۔ میں ان تمام چیزوں کو دیکھ کر سمجھ گیا کہ اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ اور یہ سب کچھ میرے لئے بڑا سنسنی خیز تھا۔ میرے دونوں ہاتھ دو کڑوں سے باندھ دیئے گئے اور ایک شخص سگریٹ سلگانے لگا۔ پھر سگریٹ

لے کر وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ اُس نے سگریٹ کا سرا میرے بازو سے لگاتے ہوئے کہا۔

''یہ اذیت رسانی کا ایک نمونہ ہے۔ تمہارے پورے بدن کو لوہے کی سلاخوں سے داغ دیا جائے گا۔ آنکھیں پھوڑ دی جائیں گی۔ وہ ہیرے اتنے قیمتی ہیں کہ ہمیں ملنے ہی چاہئیں۔''

میرے لئے صورت حال انتہائی تشویش ناک ہوگئی تھی۔ اگر اُن لوگوں کو ہیروں کے بارے میں بتا دوں تو اس کے بعد پتہ نہیں گلو خلاصی ہوگی یا نہیں؟ کم از کم اگر ہیرے میری تحویل میں رہے تو یہ لوگ مجھے زندہ تو رکھیں گے۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے ہیروں کے بارے میں نہیں معلوم۔ تم میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہتے ہو، کرلو۔''

''ہوں! بہتر.....'' اُس شخص نے کہا اور پھر ایک چمڑے کا چابک لئے ہوئے میرے نزدیک پہنچ گیا۔ پہلا چابک میرے بدن پر پڑا تو لطف آ گیا۔ ایسا ہی لگا تھا جیسے کوئی جلتی ہوئی شے میرے بدن پر چپکا دی گئی ہو۔ دوسرا چابک..... تیسرا چابک..... چوتھا چابک..... پانچویں چابک پر میرے ہوش وحواس ساتھ چھوڑ گئے اور میری گردن لٹک گئی۔

مجھے اپنی بے ہوشی کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کتنی طویل ہے۔ لیکن جب ہوش آیا تو میں ایک بستر پر پڑا ہوا تھا۔ یہ بستر کہاں تھا اور میں کن لوگوں کی تحویل میں تھا؟ اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بدن پر شاید مرہم وغیرہ بھی لگا ہوا تھا۔ اطراف میں کوئی موجود نہیں تھا۔ پورا کمرہ سنسان پڑا ہوا تھا۔ میں کراہتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس کے بعد دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ زخموں کے نشان اب بھی جل رہے تھے لیکن اس قدر نہیں کہ مجھے چلنے پھرنے میں دقت ہوتی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے دروازے کو ٹٹولا تو وہ با آسانی کھل گیا۔ مجھے حیرت ہوئی تھی۔ باہر ایک سنسان برآمدہ نظر آ رہا تھا اور گیسٹ رُوم۔ عمارت کس جگہ تھی؟ اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ لیکن بہرطور! مجھے باہر آنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ انتہائی حیرت کی بات تھی۔ وہ لوگ تو مجھے جان سے مار دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔ پھر انہوں نے مجھے اس طرح کیوں چھوڑ دیا؟ نہ صرف چھوڑ دیا، بلکہ میرے زخموں پر مرہم تک رکھا۔ کیا قصہ ہے؟ اور اس کے بعد تقدیر میرے ساتھ کیا کھیل، کھیلنا چاہتی ہے؟ بہرطور! وہ پانچ کوڑے شاید زندگی بھر کے لئے کافی تھے۔ میں حیرانی سے باہر کے منظر کو دیکھنے لگا۔ پتہ نہیں، کون سے علاقے میں تھا؟ کون سے شہر میں تھا؟ کوئی بات

سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

تھوڑی دُور تک پیدل چلنے کے بعد میں نے دفعتہً اپنے بدن پر نگاہ ڈالی۔ لباس مکمل تھا۔ جب کہ اس سے قبل اُن لوگوں نے میرے جسم سے لباس بھی اُتار لیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ٹیکسی مجھے لئے ریالٹو کی جانب جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ اور کیا کرسکتا تھا؟ ریالٹو ہی ایسی جگہ تھی، جہاں فی الحال میری پناہ گاہ تھی۔

ریالٹو میں داخل ہوتے ہوئے بھی میں چاروں طرف سے چوکنا رہا تھا۔ وہ لوگ ایک بار میرے ہوٹل میں آ چکے تھے، دوبارہ بھی آ سکتے تھے۔ لیکن بس! حیرت کی بات یہ تھی کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کیوں دیا؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں دیر تک اپنی مسہری پر خاموش لیٹا رہا۔ زخموں کی جلن کافی حد تک کم ہوگئی تھی۔ پھر غسل خانے میں جا کر ہاتھ منہ دھویا۔ نہانے کا تو تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ لباس تبدیل کیا۔ ہر شے جوں کی توں تھی۔ لیکن ایک بات میں نے خاص طور سے محسوس کی تھی، وہ یہ کہ میرے تمام سامان کی تلاشی لی گئی ہے اور اس کی وجہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ لیکن صبر سے کام لینا ضروری تھا۔

جب کئی گھنٹے یہاں گزر گئے اور میں ہوٹل سے کھانا منگوا کر کھا چکا تو میرے دل میں اُس چابی کی تلاش کی خواہش ہوئی، جو میں نے یہاں محفوظ کر رکھی تھی۔ دروازہ بند کرنے کے بعد میں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ یہ اندازہ لگایا کہ کوئی دیکھنے والی آنکھ مجھے دیکھ تو نہیں رہی ہے؟ اس کے بعد مسہری کا پایا اُٹھا کر ربڑ کا ٹپ ہٹایا..... چابی نکل پڑی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس چابی تک نہیں پہنچ سکے۔ چابی کو پھر اُس جگہ واپس رکھنے کے بعد میں نے ٹپ لگایا اور مسہری کو نیچے رکھ دیا۔ فی الحال اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ کمرہ زیادہ سے زیادہ عرصے تک اپنی تحویل میں رکھوں گا..... میں نے سوچا۔

لیٹا ہوا تھا کہ آئرن فیرین کا خیال آیا۔ یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ میں کتنی دیر بے ہوش رہا؟ یا کتنا وقت گزر گیا؟ لیکن بہت زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتہً مجھے اپنے کمرے کے دروازے پر دستک سنائی دی اور میں خوف سے اُچھل پڑا۔ کیا وہ لوگ پھر آ گئے؟ میں نے سوچا۔ لیکن کیا کرسکتا تھا؟ بھرائی ہوئی آواز میں دستک دینے والے کو اندر آنے کے لئے کہا۔ لیکن دروازہ بند تھا۔ چنانچہ دوسری بار دستک ہوئی اور میں نے جا کر دروازہ کھول دیا۔

دروازے میں آئرن فیرین کھڑی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر بکھرے بکھرے سے تاثرات تھے۔ مجھے دیکھ کر مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

''ہیلو! صبح سے کئی بار ٹیلیفون کر چکی ہوں۔ کہاں چلے گئے تھے؟''

''کیا وقت ہوا ہے آئرن فیرین؟'' میں نے اُس سے سوال کیا۔

''ساڑھے چار بج رہے ہیں۔ کیا سو رہے تھے؟''

''نہیں.... کہیں گیا ہوا تھا۔ دراصل میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے۔''

''اوہو..... کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔ بس جسم میں درد ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''تو کسی ڈاکٹر سے رجوع کر لیا جائے۔ کیا حرج ہے؟''

''ہاں! کرلوں گا۔ اب بہتر حالت ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

آئرن فرین عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''تو یہ ہے تمہارا ریالٹو..... کیا لطف آ رہا ہے یہاں تنہا رہ کر۔ چہرہ بھی دیکھو، کیسا بجھا بجھا سا ہے۔ میرا خیال ہے، خاصی طبیعت خراب ہے میری بات کیوں نہیں مان لیتے منصور؟ میرے ساتھ میرے فلیٹ پر چلو۔ یقین کرو! بڑی خوبصورت جگہ ہے۔ تین کمروں کا فلیٹ ہے۔ میں تمہیں ایک علیحدہ بیڈ روم دے سکتی ہوں۔''

میں چند لمحات اُسے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے فیرین! اگر تمہاری خواہش ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن مجھے خطرہ یہ ہے کہ میری وجہ سے تم کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جاؤ۔''

''ہوں..... مصیبت کا شکار تو میں پہلے ہی ہوں۔ اور پھر تمہیں اس بات کا اندازہ ہے منصور! کہ میں مصیبت سے گھبراتی نہیں ہوں۔ کیا تمہیں جہاز کا سفر یاد نہیں ہے؟ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں، ہم لوگوں نے اس سفر میں ایک خوبصورت وقت گزارا تھا۔ چلو.... میرا خیال ہے چلو۔ اگر تمہیں وہاں کوئی تکلیف ہو تو جہاں دل چاہے، چلے جانا۔''

''تو پھر یوں کرتے ہیں آئرن فیرین! کہ یہ کمرہ میں اپنے نام تک رہنے دیتا ہوں۔ تمہارے ساتھ چلوں گا۔ کسی مناسب وقت پر یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔''

''اندازہ لگانا چاہتے ہو کہ میرے ساتھ رہ کر تمہیں کیا کیا تکلیفیں ہوں گی؟ خیر! مجھے

اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر تم اخراجات ہی کرنا چاہتے ہو تو کر لو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟''

میں نے گردن ہلا دی۔ کمرہ دراصل میں اس چابی کے لئے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ چابی کو کسی بھی طور اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں تھا۔ وہ لوگ دوبارہ بھی مجھ پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ میں آئرن فیرین کے ساتھ اپنا مختصر سا سامان لے کر چل پڑا۔ یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں میرا تعاقب نہ کیا جا رہا ہو۔ لیکن بہرطور! مجبوری تھی۔ کیا، کیا جا سکتا تھا؟

آئرن فیرین مجھے ساتھ لے کر اپنے فلیٹ پر پہنچ گئی۔ بلاشبہ اُس نے غلط نہیں کہا تھا۔ یہ فلیٹ ایک خوبصورت علاقے میں اور خوبصورت جگہ پر تھا۔ میں اُس کے ساتھ فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ وہ یہاں تنہا ہی رہتی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''اگر میں چاہوں تو اپنے لئے کوئی ملازمہ بھی رکھ لوں، جو کھانا وغیرہ پکائے۔ لیکن درحقیقت میں ان تمام چیزوں سے بچنا چاہتی ہوں۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ آزما کر دیکھ لینا۔ مجھے تمہارے ساتھ یہاں رہنے سے خوشی ہو گی۔ کیونکہ ہم دونوں ایسے شناسا ہیں، جو ایک دوسرے پر اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے فیرین! اسی تصور کے تحت میں بھی یہاں آ گیا ہوں۔ لیکن چند باتیں تمہیں بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔''

''ہاں.... ہاں! کہو۔ بیٹھو.... آرام سے بیٹھو۔ تمہارے لئے کچھ بنا کر لاتی ہوں۔ ویسے میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم خاصے نڈھال ہو..... اگر مناسب سمجھو تو ڈاکٹر سے رجوع کر لیا جائے.....''

''نہیں، پلیز فیرین! اس کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا۔ اگر ضرورت محسوس کرتا تو یقیناً تم سے کہہ دیتا۔ تم بالکل مطمئن رہو۔ میں ٹھیک ہوں۔''

فیرین مجھے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی اور میں اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اطراف کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اگر آئرن فیرین یہاں پرسکون زندگی گزار رہی ہے تو کہیں میرے دشمن اس تک نہ پہنچ جائیں اور وہ میری وجہ سے مصیبت کا شکار نہ ہو جائے۔ میرے جسم پر کوڑوں کے نشانات تھے۔ آئرن فیرین کو کسی نہ کسی طور پر اس بات کا پتہ چل ہی جائے گا۔ کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے؟ کیا اُسے اعتماد میں لے لیا جائے یا اُس سے اجتناب کیا

جائے.....؟ کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کافی بنا کر لے آئی۔ میں اُلجھے ہوئے انداز میں کافی کے گھونٹ پیتا رہا۔ آئرن فیرین مختلف باتیں کر رہی تھی۔ وہ استنبول کے بارے میں بتا رہی تھی.....

''یہ تاریخی شہر بہت حسین روایات کا حامل ہے منصور! میں اس کے مختلف مقامات کی سیر کر چکی ہوں اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کر چکی ہوں۔ یہاں کی زندگی قدیم و جدید کا ایک حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ پرانا استنبول قدیم روایات کا حامل ہے اور نیا شہر انتہائی جدتوں کا مظہر۔ تم میرے ساتھ استنبول دیکھنا پسند کرو گے؟''

''کیوں نہیں فیرین! لیکن میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' بالآخر میں نے ایک فیصلہ کر کے کہا۔

''ہاں..... ہاں! کہو۔''

''ٹھہرو! پہلے میں تمہیں کچھ دکھا دوں۔'' میں نے کہا اور دفعتہً اپنی قمیص اُٹھا کر اپنا جسم اُس کے سامنے کر دیا۔ فیرین ایک لمحے کے لئے تو کچھ نہیں سمجھی تھی۔ لیکن میرے بدن پر سرخ دھاریاں دیکھ کر اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''یہ کیا ہے؟''

''میرے دشمنوں کا تحفہ۔''

''ارے ارے..... یہ تو شاید کوڑوں کے نشانات ہیں۔''

''ہاں فیرین.....''

''کون تھے وہ بدبخت؟ کون تھے وہ ذلیل لوگ؟ اور کیوں انہوں نے ایسا کیا؟''

''فیرین! میں خود بھی ایک مصیبت کا شکار ہو گیا ہوں۔ کچھ لوگوں کو میری ذات پر ایک عجیب سا شبہ ہو گیا ہے۔ ہیروں کے سمگلر ہیں شاید وہ..... اور ہیروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے تو زندگی میں کبھی ہیرے دیکھے بھی نہیں فیرین! لیکن وہ کمبخت نہ جانے کیوں دھوکہ کھا گئے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے اُن کے پاس سے ہیرے اُڑا لئے ہیں۔ انہی کی معلومات حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مجھے اغواء کیا تھا اور پھر اچھی خاصی پٹائی کر کے مجھے چھوڑ دیا گیا۔''

''مگر..... مگر اُن کو تم پر شبہ کیسے ہوا؟'' آئرن فیرین نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''بس فیرین! میں نہیں جانتا۔ دراصل میرا جو یہ چہرہ ہے نا..... یقین کرو! یہ میرا چہرہ نہیں ہے۔ اس چہرے نے میری اپنی ذات کو اتنے دھوکے دیئے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا کروں۔ بارہا تو یہ جی چاہا کہ اپنے خدوخال چھری سے کھرچ کر پھینک دوں۔ لوگ نہ جانے کیوں مجھ پر مختلف قسم کے دھوکے کھا جاتے ہیں۔ میرا یہ چہرہ سب سے بڑا دشمن ہے۔ آہ..... کاش! میں اس سے نجات حاصل کر سکتا۔''

''نہیں..... نہیں منصور! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تم تو کافی خوبصورت آدمی ہو۔ تمہارے چہرے میں ایک انوکھی دلکشی ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارے خدوخال بارہا اپنی کیفیت بدلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بعض اوقات تو مجھے چند لمحات کے بعد دیکھنے سے تمہارا چہرہ اجنبی اجنبی سا لگتا ہے۔ تمہارے عضلات کی ایک ہلکی سی جنبش تمہارے نقوش تبدیل کر دیتی ہے۔''

''مجھے بتاؤ فیرین! مجھے کیا کرنا چاہئے؟ پتہ نہیں، اُن لوگوں کی یہ غلط فہمی کب تک جاری رہے۔ دراصل تمہارے فلیٹ پر آتے ہوئے میں اسی خوف کا شکار تھا کہ تم تو نہ جانے کیسی کیسی مصیبتوں کے بعد اب کسی قدر سکون حاصل کر سکی ہو۔ میری وجہ سے بے سکون نہ ہو جاؤ۔''

فیرین چند لمحات تشویش ناک نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور دفعتہً اُس کے حلق سے ایک قہقہہ نکل گیا۔

''تم ہنس رہی ہو فیرین؟''

''تمہارے زخموں پر نہیں بلکہ اس بات پر کہ ہماری تقدیر میں ہنگامہ خیزیاں ہی لکھی ہوئی ہیں۔ پہلے میں اپنی ان مصیبتوں کا شکار تھی اور اُن کے بعد تم نئے عذاب کا شکار ہو گئے۔''

''عذاب کا شکار تو میں پہلے بھی تھا فیرین! پروفیسر میتھون اور پتہ نہیں کون کون میری جان کے لاگو ہو رہے تھے اور اس کی بنیاد میرا یہی چہرہ تھا۔ لیکن موجودہ صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے۔ یوں نہ ہو کہ وہ لوگ دوبارہ ہم تک پہنچنے کی کوشش کریں اور اُس کے بعد تم بھی مصیبت کا شکار ہو جاؤ۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ مصیبتوں سے نمٹنا جانتے ہیں۔ بھاگنا تو ہمیں آتا ہے

نا۔ جب تک وہ لوگ ہم تک نہیں پہنچتے تو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟''

''فیرین!'' میں نے اُسے عجیب سے انداز میں دیکھا۔

''ہاں منصور! درحقیقت میں بھی اب ان ہنگامہ خیزیوں کی عادی ہوگئی ہوں۔ زندگی واقعی جمود کا نام تو نہیں ہے۔ زندگی میں اگر تحریک نہ ہو تو زندگی بے مزہ ہے۔ میں تو یہ سوچتی ہوں منصور! کہ جن لوگوں کی تمام خواہشیں پوری ہو جاتی ہیں وہ کیوں جیتے ہیں؟ انسان خواہشوں کے لئے ہی تو زندہ رہتا ہے۔ ایک آرزو کی تکمیل ہونے کے بعد نئی آرزو کا دل میں پیدا ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ زندگی یہی ہے اور اگر دل میں خواہشات کا خزانہ ختم ہو جائے تو پھر انسان کی زندگی میں جینے کے لئے کیا رہ جاتا ہے؟ جدوجہد، بھاگ دوڑ کی تحریک ہمیں متحرک رکھنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ ٹھیک ہے میں اپنے دشمن سے نمٹ رہی ہوں، تم اپنے دشمن سے نمٹو۔ جب میرا دشمن مجھ تک پہنچ جائے تو تم میری مدد کرو اور جب تمہارے دشمن تم تک پہنچیں گے تو میں تمہاری مدد کروں گی۔ اس قابل بھی ہوں۔ لیکن ایک بات میرے ذہن میں بار بار آتی ہے منصور!''

''کیا فیرین؟'' میں نے مسکرا کر اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ فیرین کے الفاظ نے دل کو واقعی تقویت بخشی تھی اور میں سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ فیرین سچ کہہ رہی ہے۔ زندگی میں اگر تحریک نہ ہو تو ایک جگہ رہ کر انسان کو زنگ لگ جائے۔

فیرین چند لمحات مجھے دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔ ''ہماری امن پسندی ہمارے لئے آج تک نقصان دہ ثابت ہوتی رہی ہے۔''

''امن پسندی؟''

''ہاں! ہمارے دشمن اطمینان سے ہم تک پہنچتے ہیں۔ ہماری گردن پکڑتے ہیں۔ انگوٹھا رکھتے ہیں۔ مارتے پیٹتے ہیں اور اُس کے بعد یا تو رحم کھا کر چھوڑ جاتے ہیں یا پھر اُن کی گرفت سے نکل کر ہم کہیں بھاگ جاتے ہیں۔ آج تک ہم نے اپنے دشمنوں سے جم کر مقابلہ نہیں کیا۔ کیوں.... آخر کیوں منصور؟ کیا ہم اتنے ہی بزدل اور اتنے ہی کمزور ہیں؟ میرا خیال ہے ایسی بات تو نہیں ہے۔''

میں فیرین کے الفاظ پر سنجیدگی سے غور کرتا رہا۔ نہ جانے مجھے کیوں اُس کے ان الفاظ سے اتفاق سا محسوس ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔ ''یہ حقیقت ہے فیرین! واقعی تمہارا کہنا درست ہے۔''

''تو پھر ہم اپنی کمزوری کو دُور کیوں نہ کر لیں منصور.....؟''

''کس طرح؟''

''بھئی انسان اپنے دشمنوں سے نمٹنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کرتا ہے؟ ہمارے پاس ہتھیار ہونے چاہئیں۔ اعلیٰ قسم کے پستول اور ایسی اشیاء جو ہمیں کبھی بھی اپنے دشمن کے سامنے آنے پر تحفظ فراہم کر سکیں۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن کیا ان کا حصول آسان ہوگا؟''

''کون سا کام مشکل ہے۔ اگر ہم اپنے طور پر گہری نگاہوں سے استنبول ہی کا جائزہ لیں تو ہمیں اس کی زیرزمین دنیا نظر آ جائے گی۔ اور پھر وہاں سے اپنے لئے اسلحہ خرید لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔''

''اور اُس کا استعمال؟'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''کیا تم پستول کا ٹرائیگر دبانا نہیں جانتے؟''

''جانتا تو ہوں۔ لیکن..... لیکن.....''

''کچھ نہیں منصور! بس یہ تمام ذمہ داریاں تم مجھ پر چھوڑ کر اپنے ذہن کو آزاد کر دو۔ ہاں! یہ تو بتاؤ کہ تمہارے دشمنوں نے مار پیٹ کرنے کے بعد تمہیں چھوڑ کیوں دیا؟ اگر انہیں تم پر کچھ شبہ تھا تو انہوں نے تمہیں بند کیوں نہیں رکھا؟''

''یہ بات میرے لئے بھی باعث تشویش ہے۔ مجھے ایک مکان میں لے جایا گیا۔ مارا پیٹا گیا۔ اور جب میں بے ہوش ہوگیا تو وہ لوگ مجھے اُسی مکان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اور پھر میں اس مکان سے نکل کر واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔''

''ہوں! وہ تم سے ہیروں کے بارے میں پوچھ رہے تھے؟''

''ہاں!''

''اور تم نے یہی جواب دیا ہوگا کہ تمہیں ہیروں وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔''

''ظاہر ہے..... اس کے علاوہ اور میں کیا جواب دے سکتا تھا؟''

''ممکن ہے منصور! انہوں نے تمہاری بات پر یقین کر لیا ہو۔''

''کچھ غیر فطری سا لگتا ہے۔ بہر طور! اس کے امکانات بھی ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ میں ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''تو ٹھیک ہے۔ پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟ اگر وہ کبھی دوبارہ تم تک پہنچے تو دیکھا جائے گا۔'' فیرین نے مجھے دلاسا دیتے ہوئے کہا اور اُس کے بعد میں ذہنی طور پر کافی مطمئن ہو گیا۔ فیرین کہنے لگی۔ ''میں نے فرسٹ ایڈ کورس کیا ہے۔ میرا خیال ہے، تمہارے لئے میں کچھ چیزیں خرید کر لاتی ہوں۔ یہ زخم کوڑوں کے ہیں۔ میں ان پر ایک کریم لگائے دیتی ہوں۔ وہ کریم مجھے بازار سے خریدنا پڑے گی۔''

''نہیں فیرین! ابھی اس کی اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ ہم یوں کریں گے کہ تھوڑی دیر کے لئے یہاں سے چلیں گے اور اُس کے بعد راستے ہی میں وہ چیزیں خرید لیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ ایسا ہی کر لیتے ہیں۔'' آئرن فیرین نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تیار ہو کر نکل آئے۔ آئرن فیرین ایک خوبصورت لباس میں ملبوس تھی۔ وہ جس طرح اپنے دشمنوں میں گھری ہوئی تھی، مجھے اُس کا اندازہ تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اُس کی بے باکی اور حوصلے نے مجھے شرمندہ بھی کیا تھا۔ واقعی! مجھے بھی مردانہ وار ان تمام حالات سے نمٹنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

رات گئے ہم واپس رات کا کھانا کھا کر آئے تھے۔ فلیٹ کا ماحول پرسکون تھا۔ آئرن فیرین نے اپنے ہاتھوں سے میرے زخم پر مرہم لگایا اور میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ مسکرائی اور کہنے لگی۔ ''اتفاقات نے ہمیں اس قدر قریب کر دیا ہے منصور! کہ مجھے تم سے اجنبیت ہی نہیں محسوس ہوتی۔ لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ ہم کبھی اُن راستوں کی جانب قدم نہیں اُٹھائیں گے جو بعد میں حماقت کہلاتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے عشق و محبت کی منازل.....؟''

''ہاں..... پتہ نہیں کیوں میرے ذہن میں شروع ہی سے اُن لوگوں کے لئے عجیب سے احساسات ہیں جو صرف کچھ مقاصد پورے کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیتے ہیں اور احمقوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ بلاشبہ! ایک دوسرے سے متاثر ہونا کوئی غیر فطری چیز نہیں ہے۔ لیکن اُس کے بعد اختتام ایک ہی انداز میں ہونا ضروری تو نہیں۔''

''بالکل نہیں۔''

''چنانچہ ہمارے درمیان یہ معاہدہ رہا کہ کبھی ایک دوسرے سے اس شکل میں متاثر نہیں ہوں گے۔''

''پکا معاہدہ؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور آئرن فیرین مجھے شب بخیر کہہ کر چلی گئی۔ بستر پر کمر کے بل نہیں لیٹا جا رہا تھا۔ چنانچہ اوندھا ہو کر اس نرم و گداز بستر پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

دوسری صبح نہایت خوشگوار تھی۔ کھڑکی سے بادلوں بھرا آسمان جھانک رہا تھا۔ دھوپ کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس قسم کا موسم مجھے ہمیشہ سے پسند تھا۔ آئرن فیرین آئی تو آنکھوں میں کچھ اور فرحت کا احساس ہوا۔ موسم کی مناسبت سے اُس نے نہایت خوبصورت رنگ کا اسکرٹ پہنا ہوا تھا۔ ناشتہ تیار تھا۔ غسل کی تو ہمت نہیں پڑی۔ لیکن غسل خانے داخل ہو کر شیو وغیرہ بنایا۔ بال سنوارے اور پھر کپڑے پہن کر باہر نکل آیا۔

''کیا خیال ہے؟ آج استنبول کی سیر کی جائے؟'' آئرن فیرین نے کہا۔

''بالکل ٹھیک.....'' میں نے جواب دیا اور آئرن فیرین تیاریاں کرنے لگی۔ ہم لوگوں نے پورے دن کا پروگرام ترتیب دے لیا تھا۔ آئرن فیرین نے چند جگہیں منتخب کیں اور پھر ہم وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔

مختلف تاریخی مقامات کی سیر کرتے ہوئے ہم جب میناز سوزیدہ کے قریب پہنچے اور اس محل کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ یہ ایک جھونپڑی میں واقع ہے۔ جھونپڑی کے دروازے کے ساتھ ٹکٹ کی کھڑکی تھی جس کے پیچھے نیلی وردی میں ملبوس ایک بوڑھا ترک اونگھ رہا تھا۔ فیرین نے کھڑکی کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر اُس سے ٹکٹ طلب کئے اور اُس نے دو، دو لیرا کے ٹکٹ ہمارے حوالے کر دیئے۔ جھونپڑی کے اندر داخل ہونے کے بعد دروازے کے ساتھ بنی ہوئی لکڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے ہم نیچے اُترنے لگے۔ اندر نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ہمارے سامنے زیر زمین آبی محل کھڑا ہوا تھا۔ تین سو چھتیس مرمریں یونانی ستون جو کمرے تک گہرے سبز پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ محل کی چھت سے پانی کی بوندیں رِس رِس کر ستونوں کے اس وسیع تالاب میں گر رہی تھیں۔ سیڑھیوں سے قریب چند ستونوں پر بجلی کے بلب لگے ہوئے تھے لیکن دوسری جانب مکمل تاریکی تھی یوں لگتا تھا کہ جیسے پراسرار جھیل میں سینکڑوں ستون اُگ آئے ہوں۔

رنگ برنگی حسین مچھلیاں آنکھیں چمکاتی ہوئی ہمارے سامنے سے گزر جاتی تھیں لیکن ہم زیادہ آگے نہیں بڑھے کیونکہ لکڑی کے تختے زیادہ مضبوط معلوم نہیں ہوتے تھے۔ آئرن فیرین نے مجھے منع کرتے ہوئے کہا کہ اس کے گائیڈ نے یہی کہا تھا کہ زیادہ آگے بڑھنا خطرناک ہے۔ اس پراسرار اور نیم تاریک ماحول نے مجھ پر ایک عجیب سا سحر طاری کر دیا تھا۔ میں خاموش کھڑا ان ستونوں کو دیکھتا رہا اور اس کے بعد دفعتہً قدموں کی کچھ آہٹیں سنائی دیں اور اس کے ساتھ ہی ایک ہولناک آواز کانسطنطائن کے اس آبی محل کے ستونوں کو لرزانے لگی۔ میں اور آئرن فیرین بری طرح اچھل پڑے تھے اور ہم نے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ یہ فائر کی آواز تھی سو فیصد فائر کی آواز اور اس میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ چند لمحات کے بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں رُک گئیں۔ پھر دوبارہ بہت سی آوازیں اُبھریں میں اور فرین وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگے بھاگ دوڑ مسلسل ہو رہی تھی۔ قدموں کی آوازیں ابھر رہی تھیں لیکن ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا تھا ہماری وحشت عروج پر تھی اور ہم واپسی کے لئے بھی قدم نہیں بڑھا سکتے تھے۔ شبہ یہی تھا کہ کسی نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور اب یہ آبی جزیرہ ہمارے لئے موت کا جزیرہ بن جائے گا چونکہ اوپر جانے کے لئے سیڑھیاں طے کرنا معمولی بات نہیں تھی اور بیرونی لوگوں کو بھی اندر ہونے والے اس ہنگامے کا کوئی علم نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسری گولی چلی اور ساتھ ہی ایک نسوانی چیخ بھی سنائی دی کوئی دھپ سے لکڑی کے تختوں پر گرا تھا لیکن کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایک بار پھر قدموں کی آہٹیں سنائی دیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کسی تنہا بھاگنے والے کے قدموں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ فائر کی آواز، آبی ستونوں سے ٹکراتی ہوئی پورے آبی جزیرے میں ہولناک شور مچا رہی تھی۔ دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اب دور سنائی دینے لگیں اور چند لمحات کے بعد تمام آوازیں معدوم ہوگئیں۔ میں اور آئرن فیرین ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے تھے اور ہمیں اپنی کیفیت کا احساس بھی نہیں تھا۔ دفعتہً آئرن فیرین نے میرا شانہ تھپتھپایا اور آہستہ سے بولی۔

''یوں لگتا ہے جیسے یہ فائر ہمارے لئے نہیں ہوئے۔'' میں بھی چونک پڑا حالانکہ آئرن فیرین نے یہ الفاظ نہایت سرگوشی میں ادا کئے تھے لیکن ان کی بازگشت بھی پراسرار سرگوشیوں

کی حیثیت سے چاروں طرف گونجتی پھر رہی تھی۔ میں نے آئرن فیرین کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، مکمل خاموشی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ تب میں نے گہری سانس لی اور آئرن فیرین سے بولا۔

''میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے''

''کیوں؟'' فیریں بولی۔

''پاگل لڑکی۔ یہ جگہ ہمارے لئے خطرناک ہوسکتی ہے'' میں نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''لیکن اب تو سکون ہے۔''

''میں ان آوازوں کا تجزیہ کرتی رہی ہوں میرا خیال ہے، وہ جو کوئی بھی تھے اب یہاں نہیں ہیں۔''

اب میں غیب داں تو نہیں ہوں۔ کیا تم نے فرام رشیا ود لو دیکھی ہے؟'' آئرن فیرین نے بے تکا سوال کیا۔

''کیا مطلب؟''

''اس فلم کی کافی شوٹنگ اسی جگہ ہوئی تھی۔ کیا ہم اس وقت کسی فلم کے کردار نہیں لگ رہے؟''

''یہ تمہاری عمر کا تقاضا ہے۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''تمہارا تجربہ اس بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''صرف ایک بات۔''

''کیا؟''

''اگر کسی مصیبت میں نہیں پھنسنا چاہتیں تو یہاں سے نکل چلو'' میں نے کہا اور فیرین ہنس پڑی۔

''کیا تمہارے ذہن میں تجسس نہیں ہے منصور؟''

''ہے'' تاریکی میں اگر کوئی گولی بدن میں سوراخ کر دے تو سارا تجسس اسی روشندان سے باہر نکل جائے گا۔'' میں نے جواب دیا اور فیرین کے قہقہے سے پورا غار گونجنے لگا۔

''او خدا کی بندی اتنے زوردار قہقہے مت لگاؤ کہیں اس آبی محل کی چھت نہ گر پڑے۔''

''پرانا طرز تعمیر اتنا ناقص نہیں تھا۔'' آئرن فیرین نے گہری سانس لے کر کہا۔

''عجیب لڑکی ہو۔ بہت زیادہ بہادری کے مظاہرے بھی بعض اوقات نقصان دہ ہوتے ہیں آؤ چلو۔ واپس چلیں۔''

میں نے فیرین کا ہاتھ پکڑا۔ واپسی کے لئے قدم ہی اٹھائے تھے کہ ایک آواز سنائی دی۔

''سنیئے۔ براہ کرم سنیئے.....'' نسوانی آواز تھی جسے سن کر ہمارے قدم جم گئے۔ آنکھیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں پھر کچھ آہٹیں سنائی دیں اور آواز نے کہا'' پلیز آپ جو کوئی بھی ہیں۔ براہِ کرم..... براہِ کرم ایک منٹ۔ صرف ایک منٹ۔''

ہم اس آواز کو سن کر ایک بار پھر اُچھل پڑے تھے۔ ہماری نگاہیں ادھر ادھر گردش کرنے لگیں۔ تب ستون کی آڑ سے نکلنے والے اس ہیولے کو دیکھ کر ہم ساکت ہوگئے کوئی چوبی تختوں کو عبور کرتا ہوا ہماری سمت آ رہا تھا اور جب وہ قریب پہنچی تو ہم دونوں نے متحیرانہ انداز میں اسے دیکھا۔ انتہائی حسین بدن کی مالک اور انتہائی خوبصورت چہرہ رکھنے والی یہ لڑکی کانسطنطائن کے دور کی کوئی مخلوق معلوم ہوتی تھی۔ اس کے خدوخال میں ایک عجیب سی کیفیت تھی گہری سیاہ آنکھیں نہایت بڑی بڑی اور پرکشش تھیں۔ گہرے سیاہ بال پیشانی پر جھول رہے تھے، اور ان کی تراش بہت عجیب سی تھی۔ ایک نگاہ دیکھنے سے ہی وہ بے حد پرکشش لگی تھی جب کہ یہاں کا ماحول نیم تاریک تھا، اس کے چہرے پر دہشت کے آثار منجمد تھے اس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ..... مجھے قتل کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ایک زندگی بچانے کا ثواب حاصل کرنا چاہیں، تو براہ کرم میری مدد کیجئے مجھے یہاں سے نکال دیجئے، ورنہ میں جانتی ہوں وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''کک..... کون ہیں وہ؟'' آئرن فیرین نے آہستہ سے پوچھا۔ لیکن اس کی آواز میں بھی ہکلاہٹ تھی۔

''میرے دشمن، میرے بدترین دشمن۔'' لڑکی نے جواب دیا میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ آئرن فیرین نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور میں آہستہ سے بولا۔

''ٹھیک ہے ساتھ لے چلو لیکن اگر وہ باہر موجود ہوئے تو؟''

''بس..... بس مجھے کسی ایسی جگہ تک چھوڑ دیجئے جہاں سے میں کنوینس حاصل کرسکوں، اس کے بعد میں آپ لوگوں کو زحمت نہیں دوں گی، آہ۔ میری زندگی شدید خطرے میں ہے۔''

''کیا وہ لوگ تم پر گولیاں چلا رہے تھے۔''

''زیادہ وقت ضائع نہیں کریں'' میں اپنے بارے میں آپ کو بتا دوں گی۔'' لڑکی نے لجاجت سے کہا، خوفزدہ تو ہم دونوں بھی ہوگئے تھے لیکن بہرطور اس کی التجا کو ٹھکرایا بھی نہیں جا سکتا تھا، میں سب سے آگے چل پڑا، اسے درمیان میں لے لیا اور فیرین اس کے عقب میں سیڑھیاں طے کرنے لگی۔

بالآخر ہم جھونپڑی میں گئے، جھونپڑی میں اس بوڑھے کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا جس سے ہم نے ٹکٹ خریدے تھے باہر ہماری کار کھڑی ہوئی تھی، روشنی میں آ کر میں نے اس لڑکی کو دیکھا اور اس کے خون آلود بازو کو دیکھ کر میری آنکھیں کسی قدر پھیل گئیں۔

''اوہ..... تم زخمی ہو؟''

''ہاں..... گولی لگی ہے میرے بازو میں۔'' لڑکی نقاہت بھرے لہجے میں بولی اس کے انداز میں رو دینے کی سی کیفیت تھی، آئرن فیرین کے دل میں ہمدردی ابھر آئی، اس نے کہا

''آؤ..... آؤ۔ جلدی آؤ۔ وہ میری گاڑی ہے'' میں چوکنے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا، لڑکی آئرن فیرین کے ساتھ گاڑی میں پہنچ گئی، فیرین نے جلدی سے پچھلے دروازے کا لاک کھولا اور لڑکی کو اپنے ہاتھوں سے اندر دھکیل دیا، وہ اپنا بازو دبائے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے..... پھر فیرین اسٹیئرنگ پر بیٹھ گئی، میں اس کے قریب جا بیٹھا اور فیرین نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی، چند لمحات کے بعد وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''میرا خیال ہے، ہمیں اسے فلیٹ پر ہی لے جانا چاہئے، اگر یہ زخمی نہ ہوتی تو ہم اسے کسی چوراہے پر چھوڑ دیتے لیکن تھوڑی سی انسانیت بھی ضروری ہے'' میں نے فیرین سے اختلاف نہیں کیا تھا، لڑکی خاموش بیٹھی رہی، اس کے چہرے پر بدستور خوف و ہراس کے آثار تھے اور اس نے اپنے آپ کو اس طرح نیچے جھکا لیا تھا کہ کھڑکی کے شیشوں سے کوئی

اسے دیکھ نہ سکے۔ ہم اُس کی اِس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کر رہے تھے، دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی، یک نہ شد تین شد..... اور ہر شخص اپنے اپنے دشمن علیحدہ علیحدہ رکھتا تھا۔ اس سے زیادہ دلچسپ بات اور کون سی ہوسکتی تھی؟ بہرطور فیرین کا یہ فیصلہ مجھے ناپسند نہیں تھا، کم از کم لڑکی کو ابتدائی مدد تو فراہم کر دی جائے اس کے بعد ظاہر ہے وہ اپنے دشمنوں سے خود نپٹ لے گی، فیرین بھی شاید اسی انداز میں سوچ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد ہم اپنی رہائش گاہ پہنچ گئے، فیرین نے مجھے اپنا اسکارف دیتے ہوئے کہا تھا کہ میں اسے لڑکی کے بازو پر کس دوں، بازو سے مسلسل خون رس رہا تھا، میں نے چلتی گاڑی ہی میں اس کے بازو پر اسکارف کس دیا تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اسکارف پر بھی خون اُبھر آیا تھا، فلیٹ کی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور یہاں مجبوراً مجھے اس کو سہارا دینا پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم فلیٹ میں داخل ہو گئے۔ لڑکی کو ایک مسہری پر لٹا دیا گیا۔ آئرن فیرین نے فوراً ایڈ بکس نکالا اور پھر مجھ سے باہر چلے جانے کے لئے کہا۔ تقریباً دس منٹ تک میں باہر رہا اور اس کے بعد فیرین نے مجھے آواز دے لی، اندر داخل ہوا تو لڑکی کے بازو پر پٹی کی جا چکی تھی۔ فیرین نے مجھے بتایا کہ گولی ہڈی کو نہیں چھو سکی ہے۔ بس! گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی ہے۔ اس نے کہا کہ تھوڑی دیر کے بعد لڑکی، کی کیفیت نارمل ہو جائے گی۔

وہ آنکھیں بند کئے ہوئے مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ فیرین اور میں اُس کے قریب بیٹھ گئے۔ ہمارے ذہنوں میں تجسّس تھا۔ ویسے کانسطنطائن کے آبی محل میں ہم خود بھی یہ ہنگامہ خیزی دیکھ چکے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد فیرین اپنی جگہ سے اُٹھی اور باہر نکل گئی۔ غالباً وہ کافی بنانے گئی تھی۔ کیونکہ تھوڑی ہی دیر کے بعد کچن سے کافی کی خوشبو ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی میرے نتھنے سے ٹکرائی تھی۔ فیرین چند لمحات کے بعد واپس آ گئی۔ اس دوران لڑکی سے کوئی گفتگو نہیں ہوسکی تھی۔ حالانکہ مجھے اندازہ تھا کہ وہ جاگ رہی ہے۔ فیرین اُس کے قریب پہنچ کر ہمدردانہ انداز میں بولی۔

''کافی پی لو۔ میرا خیال ہے، تمہارے لئے بہتر رہے گی۔''

لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کی آنکھوں میں شکرگزاری کے آثار تھے۔ اُس نے سہارا لے کر اُٹھنا چاہا لیکن ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ پھر بستر پر دراز ہوگئی۔ میں نے آگے

بڑھ کر اُسے سہارا دیا اور مسہری کے سرہانے تکیہ رکھ کر اُس کی پشت تکیے سے ٹکا دی۔ تب لڑکی نرم لہجے میں بولی۔ ''آپ لوگوں کو میں جس قدر زحمت دے رہی ہوں، اس کا مجھے احساس ہے۔ لیکن میں اسے اپنی خوش بختی ہی کہہ سکتی ہوں کہ مجھے ہمدرد لوگ مل گئے۔ آپ یقین کیجئے! اگر آپ مجھے کسی جگہ اُتار دیتے تو بھی میں آپ کے لئے اسی قدر شکرگزاری کے جذبات رکھتی۔ براہِ کرم اگر آپ مجھے یہاں تک لے ہی آئے ہیں اور اتنی مدد کی ہے میری، تو مجھے تھوڑی دیر کی اجازت اور دے دیجئے۔ ذرا سی جسمانی قوت بحال ہو جائے تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے خود بھی شرمندگی ہے۔ پتہ نہیں آپ لوگوں کے کون کون سے پروگراموں میں حارج ہوئی ہوں۔''

''اب تم وہ گفتگو کر رہی ہو، جو احمق لوگ اکثر ایسے مواقع پر کرتے ہیں۔ میرے خیال میں اگر تمہاری جگہ میں ہوتی اور میری جگہ تم، تو شاید تم بھی میرے ساتھ یہی سب کچھ کرتیں۔'' فیرین نے کہا۔

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بدستور متشکرانہ نگاہوں سے ہمیں دیکھتی رہی اور پھر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

''یہ غیر فطری بات نہیں ہے کہ ہمارے ذہن میں تمہارے لئے تجسّس پیدا ہو۔ اور یہ بھی ناممکن نہیں ہے کہ ہم تمہاری مزید امداد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اگر مناسب سمجھو تو یہ بتا دو کہ وہ کون لوگ تھے جو تمہیں ہلاک کرنے کے خواہش مند ہیں؟'' لڑکی نے ایک بار آئرن فیرین کو اور پھر مجھے دیکھا۔ اور اس کے بعد کہنے لگی۔

''پلیز.....! میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات کچھ ایسے ہیں، جنہیں چھپانا ہی ضروری ہے۔ آپ لوگ اس سلسلے میں اگر تجسّس نہ کریں تو بہتر ہے۔ ورنہ مجھے آپ سے جھوٹ بولنا پڑے گا۔ یوں تو میں بہت زیادہ صاحب کردار نہیں ہوں۔ لیکن جو لوگ بے لوث ہمدردی کرتے ہیں، انہیں بیوقوف بنانا کم از کم مجھے پسند نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ ہم تمہیں کسی سلسلے میں مجبور نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ ایک بات سن لو! اگر خود تمہیں کہیں جانے کی جلدی نہیں ہے تو پھر تم اُس وقت تک یہاں آرام کرسکتی ہو، جب تک تمہارا زخم بہتر نہ ہو جائے۔''

''آہ..... کیا یہ ممکن ہے؟ کیا آپ لوگ میرے لئے اس قدر زحمت اُٹھا لیں گے؟ سچ

بات یہ ہے کہ اس وقت میرے پاس سر چھپانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ میری جیب میں رقم بھی نہیں ہے اور مجھے یہاں سے نکل کر نہ جانے کہاں کہاں بھٹکنا پڑے گا۔ وہ سب کچھ تو میں کر لیتی، لیکن میرے وہ دشمن جو شکاری کتوں کی طرح میری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے، اُن سے مجھے آسانی سے چھپنے کا کوئی موقع نہیں مل سکتا۔ آپ لوگ میرے ساتھ یہ مہربانی کریں تو میں آپ کی شکر گزار رہوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ میں تمہیں خود بھی پیشکش کر چکی ہوں کہ جب تک تمہارے یہ زخم درست نہ ہو جائیں، تم یہاں آرام کر سکتی ہو۔'' آئرن فیرین نے کہا اور لڑکی نے نظریں جھکا لیں۔

''کم از کم ہم لوگ ایک دوسرے کے نام سے تو واقف ہو سکتے ہیں۔ تمہیں کس نام سے پکارا جائے؟''

''میرا نام سینسا ہے۔ نسلاً اسپینش ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

''خوبصورت نام ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔ کیوں منصور؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فیرین نے اُس سے میرا اور اپنا تعارف کرایا اور سینسا کافی حد تک مطمئن نظر آنے لگی۔ اس نے مسکراتے ہوئے فیرین سے پوچھا۔

''مسز منصور؟''

''ارے نہیں نہیں..... ہم لوگ، صرف گہرے دوست ہیں۔''

''اوہ سوری!'' سینسا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ہنستے ہوئے اس کے سفید دانتوں کی قطار اتنی بھلی لگتی تھی کہ نگاہیں ہٹانے کو جی نہ چاہے۔ میں اُس کے حسن سے بہت متاثر ہوا تھا۔ نجانے وہ کون بد بخت لوگ تھے جو اس جیسی حسین لڑکی کو ہلاک کر دینا چاہتے تھے۔ گولی یقیناً اس لئے چلائی گئی تھی کہ وہ ماری جائے۔ بہر طور! آئرن فیرین اسے کافی تسلیاں دیتی رہی اور اس کے بعد ہم دونوں اُسے آرام کرنے کا مشورہ دے کر باہر نکل آئے۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر فیرین بے اختیار ہنس پڑی۔

''اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے اور ایسے لوگ اس فلیٹ میں جمع ہو جاتے ہیں جو اپنے ساتھ اپنے دشمن بھی رکھتے ہیں۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا فیرین! واقعی، کیا دلچسپ اتفاق ہے۔ ویسے لڑکی کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''عجیب و غریب شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ کتنی خوبصورت ہے۔ کیا تمہارے خیال میں وہ کسی قسم کے مجرمانہ پیشے سے تعلق رکھ سکتی ہے؟''

''صرف صورتوں کو دیکھ کر کچھ نہیں کہا جا سکتا فیرین! میں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔''

''اچھا یہ بتاؤ، کیا اُسے یہاں رکھنا مناسب ہوگا؟''

''تم پیشکش کر چکی ہو تو ظاہر ہے، مناسب ہے۔ ویسے بھی فیرین! اگر اس کے پاس کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تو اُس کی مدد تو کرنی ہی چاہئے، خاص طور سے ہم لوگوں کو، جو خود بھی بیشتر مواقع پر دوسروں کی مدد کے خواہاں ہوتے ہیں اور آنے والے وقت میں نجانے ہمیں کیا کیا اُلجھنیں درپیش ہوں۔''

''بالکل! میرا بھی یہی خیال ہے۔ دو چار دن ہی تو یہاں رہے گی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہم اسے تھوڑی بہت رقم بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن منصور! میرے ذہن میں اُس کے بارے میں جاننے کا شدید تجسّس موجود ہے۔''

میں خاموش ہو گیا۔ شام کو چائے کے وقت فیرین اُس کے کمرے میں پہنچی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں ڈائننگ روم میں آ گئیں۔ سینسا اب کافی بہتر حالت میں نظر آ رہی تھی۔ میری نگاہیں اُس پر ایک لمحے کے لئے جم کر رہ گئیں۔ فیرین نے اس بات کو قطعی محسوس نہیں کیا تھا۔ ناشتے کی میز پر سینسا خاموش خاموش سی بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم نے خاموشی سے چائے پی اور اس کے بعد فیرین، سینسا سے کہنے لگی۔

''ایسا کوئی سوال میں تم سے نہیں پوچھنا چاہتی سینسا! جسے بتاتے ہوئے تمہیں کسی قدر اُلجھن کا شکار ہونا پڑے۔ لیکن کم از کم اتنا تو بتا دو کہ کیا استنبول میں تمہارا کوئی شناسا موجود ہے یا تم کسی ایسی شخصیت کو اپنے بارے میں اطلاع دینا چاہتی ہو جس پر تمہیں یقین ہو کہ وہ تمہاری ہمدرد ہو سکتی ہے؟''

سینسا کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر اُس نے کہا۔ ''شاید آپ لوگ میری بات پر یقین نہ کریں۔ لیکن آپ لوگوں سے میں اس حد تک متاثر ہو گئی ہوں کہ میرا جی چاہ رہا ہے کہ آپ کو اپنی حقیقت بتا دوں۔ یہ فیصلہ کرنے میں آپ لوگ حق بجانب ہوں گے کہ اس کیفیت کو جاننے کے باوود آپ مجھے اپنے فلیٹ میں جگہ دے سکتے ہیں یا نہیں۔

میں نے جو کچھ کیا ہے، اس کی ذمہ داری سو فیصد میرے اوپر ہے اور میں خود اس کی سزا بھگتوں گی۔ آپ لوگوں کی پرسکون زندگی کو میں کیوں ڈسٹرب کروں؟ دراصل میں اس پوری کائنات میں تنہا ہوں۔ رشتے دار یا والدین قسم کی کوئی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ زندگی کیسے گزاری؟ اس سے آپ لوگوں کو، کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ بس! یوں سمجھ لیجئے کہ خیراتی اداروں میں پروان چڑھی ہوں اور اس کے بعد مجھ جیسی لڑکیوں کو جہاں ہونا چاہئے تھا، وہیں پہنچ گئی۔ میرا مطلب ہے زندگی گزارنے کے لئے جب مجھے باہر نکلنا پڑا تو یہ دُنیا میرے لئے بے حد خوفناک تھی۔ ایک کرم فرما نے ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور میں سیلز گرل کی نوکری دلوا دی۔ لیکن بہت جلد میں ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ گئی جو جرائم پیشہ تھے اور سمگلنگ وغیرہ کیا کرتے تھے۔ مجھے نئے جہان دیکھنے کا شوق چرایا۔ اپنے آپ کو دوسری مصیبتوں سے تو محفوظ رکھا لیکن سمگلروں کے جال میں پھنسنے کے بعد خود کو باعزت رکھنا مشکل ہو گیا۔ میں نے اُن سے تربیت لی اور اس کے بعد اُن کے گروہ میں شامل ہو گئی۔ لیکن یہ حقیقت ہے، خواہ اِسے آپ لوگ تسلیم نہ کریں کہ میرے ضمیر نے یہ زندگی قبول نہیں کی تھی۔ میری خواہش تھی کہ میں ایسا کوئی مقام حاصل کرلوں، جو پرسکون اور باعزت ہو اور جس کے حصول کے بعد مجھے سڑکوں پر بھٹکنا نہ پڑے۔ میں دولت جمع کرنے کی خواہش مند تھی۔ ان لوگوں کے لئے کام کرتے ہوئے مجھے اچھا خاصا معاوضہ مل جاتا تھا۔ لیکن اُسی نسبت سے میرے اخراجات بھی بڑھ گئے تھے۔ میں اسپین میں زیادہ دیر نہ رہی اور بیرونی دنیا کا سفر کرنا پڑا اور اسی سفر کے دوران ایک بار مجھے چند ہیرے سمگل کرنے کے لئے دیئے گئے۔ میں انہیں لے کر چل پڑی۔ استنبول پہنچ کر جب میں نے اتفاقیہ طور پر اُن ہیروں کو دیکھا، جنہیں مجھے ایک پارٹی تک پہنچانا تھا تو میری نیت ڈانواں ڈول ہو گئی اور میں نے فیصلہ کرلیا کہ میں ان ہیروں کو فروخت کر کے یہاں سے کہیں اور نکل جاؤں اور اس دولت کو لے کر دنیا کے کسی پرسکون گوشے میں اپنے لئے کوئی مقام تلاش کرلوں۔ یہ فیصلہ کر کے میں نے اُن کی جانی پہچانی جگہ چھوڑ دی اور رُوپوش ہو گئی۔ لیکن وہ لوگ میرے دشمن بن گئے اور اب میں اسی کوشش میں مصروف ہوں کہ کس طرح استنبول سے باہر نکل جاؤں اور اپنا مقصد حاصل کرلوں۔ میری دلی خواہش ہے یہ جس کے لئے میں آخری کوشش تک کر لینا چاہتی ہوں۔ ہیرے میرے پاس محفوظ ہیں اور میری خواہش ہے کہ میں انہیں

فروخت کر دوں۔'' سینسا نے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیں۔

لیکن میرا ذہن شدید سنسنی کا شکار ہو گیا تھا، یہاں بھی ہیروں کا ہی قصہ ہے۔ لڑکی نے جس بے باکی سے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا، وہ قابل ستائش بھی تھا اور حیران کن بھی۔ اُس نے نجانے کیوں ہم پر اتنا اعتماد کرلیا تھا۔ ان ہیروں کے حصول کے لئے ہم بھی تو کوشش کر سکتے تھے جب کہ اس وقت وہ ہمارے قبضے میں تھی۔

آئرن فیرین اُسے دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے پوچھا۔ ''کیا وہ ہیرے تمہارے پاس اس وقت بھی موجود ہیں؟''

''نہیں۔ میں نے انہیں ایک ایسے مقام پر محفوظ کر دیا ہے، جہاں سے انہیں کوئی نہیں حاصل کر سکتا۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ اگر میں ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو وہ مجھے اتنی اذیتیں دیں گے کہ میں انہیں ہیروں کا پتہ بتانے پر مجبور ہو جاؤں گی۔ میں درحقیقت استنبول سے نکل جانا چاہتی ہوں اور کہیں باہر جا کر یہ ہیرے فروخت کرنے کی خواہش مند ہوں۔ اگر مجھے یہاں چند روز کے لئے پناہ مل جائے اور جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ اس بارے میں اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ اس وقت میں کہاں ہوں تو پھر میں اپنے طور پر تمام بندوبست کرلوں گی۔ اُن لوگوں کے ساتھ رہ کر مجھے بہت سے گر آ گئے ہیں۔ میں بہترین شارپنگ کر لیتی ہوں۔ استنبول کے کسی جوئے خانے سے میں اتنی رقم حاصل کر سکتی ہوں کہ میں یہاں سے باہر تک کا سفر طے کرسکوں۔ بعد میں تمام معاملات سے نمٹنا میرا کام ہوگا۔ آپ لوگ...... آپ لوگ اگر واقعی خلوصِ دل سے میری مدد کرنے پر آمادہ ہوں تو میں آپ کو اس کا معاوضہ ادا کرسکتی ہوں۔''

''اب تم فضول باتوں پر اُتر آئیں۔ سینسا! ہم نے کسی معاوضے کے تصور کے تحت تمہاری مدد نہیں کی تھی۔ باقی تمہارے اپنے کردار کا سوال ہے تو اُس کی ذمہ دار تم خود ہو۔ اس وقت تک آرام سے یہاں رہ سکتی ہو، جب تک تمہارا زخم ٹھیک نہ ہو جائے اور تم باہر نکلنے کے قابل نہ ہو جاؤ۔ بعد میں تم جانو اور تمہارا کام۔ ہمیں تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی اور نہ ہی ہمیں تم سے کسی قسم کا معاوضہ درکار ہے۔'' آئرن فیرین کی آواز میں نخوت تھی۔

ظاہر ہے، وہ ارب پتی لڑکی تھوڑے بہت معاوضے کی کیا قدر کر سکتی تھی؟ لیکن میرا ذہن سینسا کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ یہ لڑکی ہیروں کی سمگلر ہے اور خود بھی کچھ قیمتی ہیرے فروخت

کرنا چاہتی ہے۔ یہی سب کچھ تو میں بھی چاہتا تھا۔ اگر میرا اور اُس کا گٹھ جوڑ ہو جائے تو یقینی طور پر ہم دونوں اپنا اپنا کام کر سکتے ہیں۔ چونکہ وہ اس لائن سے متعلق رہی ہے اور اُسے یہ اندازہ ہوگا کہ ہیرے کہاں فروخت کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ میرا اور اُس کا مشترکہ تعاون ہم دونوں کے لئے سود مند ثابت ہوسکتا تھا۔

اب ذہن میں تھوڑی سی کمینگی پیدا ہوگئی تھی۔ یعنی میں آئرن فیرین سے ہٹ کر سوچنے لگا تھا۔ آئرن فیرین تو بہرطور! کچھ سہارے رکھتی تھی۔ لیکن سینسا تنہا تھی۔ اور جو کچھ کرنا تھا، اُسے خود ہی کرنا تھا..... یہی کیفیت میری بھی تھی۔ لیکن اپنے ان جذبات سے آئرن فیرین کو آگاہ کرنے کا مطلب تھا، مصیبت..... ظاہر ہے، وہ اس بات سے خوش نہیں ہوتی اور پھر میں نے ابھی تک اُسے ہیروں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں، میں نے فیصلہ کرلیا کہ سینسا کو یہاں رکھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو سکے تو اُس کا اعتماد بھی حاصل کیا جائے تاکہ میرا اپنا کام بھی بن سکے۔

ڈنر ٹیبل پر آئرن فیرین نے سینسا کو پیشکش کی کہ اگر وہ چاہے تو اُس کے کمرے میں سو سکتی ہے۔ اُسے کوئی دقت نہیں ہو گی۔ سینسا خوشی کے ساتھ آئرن فیرین کے کمرے میں سونے پر آمادہ ہوگئی اور ساڑھے گیارہ بجے تک گفتگو کرنے کے بعد ہم لوگ اپنی اپنی خواب گاہوں میں چلے گئے۔

بستر پر لیٹنے کے بعد بہت سے خیالات میرے ذہن میں آتے رہے۔ سینسا نجانے کب تک میرے ذہن میں گردش کرتی رہی۔ اور اس کے بعد میں سو گیا۔

☆.....☆.....☆

صبح پُرسکون تھی۔ آئرن فیرین نے ناشتے کی میز پر مجھ سے پوچھا کہ آج میرا کیا پروگرام ہے؟ تو میں نے اُس سے کہا۔ ''ہم سینسا کو چھوڑ کر سیر و سیاحت کے لئے نہیں جا سکتے۔''

''تو پھر میں تھوڑی دیر کے لئے شاپنگ کرنے جاؤں گی۔ تم لوگ آرام سے بیٹھو اور گفتگو کرو۔''

مجھے یہ موقع انتہائی غنیمت محسوس ہوا تھا۔ آئرن فیرین چلی گئی۔ اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں ہم دونوں کی تنہائی کا تصور بھی نہیں پیدا ہوا تھا۔ لیکن بہرطور! میں ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ سینسا کے ساتھ میں ڈرائنگ رُوم میں آ بیٹھا۔ وہ کہنے لگی۔ ''آپ لوگوں کے خلوص نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ یقین نہیں آتا کہ ایسے مخلص لوگ بھی ہوتے ہیں۔ میری دنیا تو بالکل ہی مختلف رہی ہے۔''

''شاید۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مس فیرین بے حد فراخدل خاتون ہیں۔ میرا خیال ہے، وہ آپ پر بے حد اعتماد کرتی ہیں۔ ورنہ.....'' وہ خاموش ہوگئی۔

''ورنہ؟'' میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''آپ دونوں کب شادی کر رہے ہیں؟''

''شادی.... آپ نے یہ اندازہ کیسے قائم کیا سینسا؟''

''غلط ہے کیا؟''

''سو فیصد! ہم دونوں صرف دوست ہیں۔ اور ہمارے درمیان رُومان قسم کی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''یقین کرلوں؟'' سینسا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ کی مرضی ہے۔''

''نہیں..... میرا خیال ہے آپ غلط تو نہ کہہ رہے ہوں گے۔ بہرحال! بہت عجیب دوستی ہے اور قابلِ رشک۔ کاش مجھے آپ لوگوں کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع ملتا۔''

''آپ ایک نئی اور شاندار زندگی میں داخل ہونے والی ہیں مس سینسا! اس کے بعد ہم لوگ آپ کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھیں گے؟ یہ سوچ کر ہی ہم خود پر فخر کریں گے کہ ہم نے مستقبل کی ایک بڑی عورت کی کچھ خدمت کی۔''

''اب آپ مجھے ذلیل کر رہے ہیں مسٹر منصور! اور پھر کون جانے، میرا مستقبل کیا ہے؟ جو کوشش میں نے کی ہے، اس میں مجھے کامیابی ہوتی بھی ہے یا نہیں؟ ویسے مسٹر منصور! نام کی وجہ سے بھی اور چہرے سے بھی آپ مقامی تو نہیں لگتے۔''

''ہاں! میں مقامی نہیں ہوں۔''

''کہاں کے باشندے ہیں''

''بس! ہے اپنا بھی ایک وطن۔ لیکن اب بہت دُور ہے۔ خیالوں سے بھی دُور۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''کیا مس فیرین ترک نژاد ہیں؟''

''نہیں۔ وہ ایرانی ہے۔'' میں نے تصحیح کی۔

''اوہ۔ میرا اندازہ غلط نکلا۔ ویسے اُن کے خدوخال سے اس بارے میں اندازہ نہیں ہوتا۔''

''ہاں شاید!'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔

سینسا کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر فیرین واپس آ گئی۔ اس کے بعد ہمارا وقت ساتھ ہی گزرا تھا۔

☆.....☆.....☆

دو دن گزر گئے۔ ان دنوں میں ہم سینسا کی وجہ سے باہر نہیں نکلے تھے۔ جسے سینسا بھی محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''میری وجہ سے آپ لوگوں کو قید کی سی زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ اب میں ٹھیک ہوں۔ میرے خیال میں مجھے اب اجازت لے لینی چاہئے۔''

''نقصان اُٹھاؤ گی سینسا! ابھی تمہارا زخم ہرا ہے۔ میری رائے میں تمہیں دو تین دن

آرام کرنا چاہئے۔ اس کے بعد ہم تمہیں روکنے کی کوشش نہیں کریں گے۔''

''لیکن آپ لوگ.....؟''

''ہم لوگ بالکل ٹھیک ہیں۔'' فیرین نے مسکراتے ہوئے کہا اور سینسا خاموش ہو گئی۔

تیسرا دن بھی گزر گیا۔ چوتھے دن کی صبح دو افراد اس فلیٹ پر پہنچے۔ دستک پر دروازہ میں نے کھولا تھا۔ دونوں عمدہ لباس میں ملبوس تھے۔

''جی فرمائیے! کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' میں نے انہیں گہری نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہاں، آپ.....؟ وہ ایک خاتون.....'' اُن میں سے ایک نے قدرے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کون ہے منصور؟'' فیرین بھی دروازے پر پہنچ گئی۔ اور پھر ان لوگوں کو دیکھ کر چونک پڑی۔ ''تم.....اوہ! آؤ.....اندر آؤ.....منصور! یہ میرے شناسا ہیں۔'' اُس نے کہا اور دونوں فوری اندر آ گئے۔ ''یہ مسٹر شیرازی کے اسسٹنٹ فاروق ہمدانی اور یہ شہریار خلجی ہیں۔ کیسے مزاج ہیں آپ دونوں کے؟''

''ٹھیک ہیں۔ لیکن اِن صاحب کا تعارف نہیں ہو سکا۔''

''یہ منصور ہیں۔ میرے قابلِ اعتماد دوست۔'' فیرین نے کہا۔

''آپ ہمیں کچھ وقت دے سکیں گی فیرین؟''

''ضرور! آپ بات چیت کریں۔ میں اندر ہوں۔'' میں نے کہا اور خود ہی ڈرائنگ رُوم سے باہر نکل آیا۔ فیرین اُن لوگوں سے مطمئن تھی۔ ویسے بھی اُس نے شیرازی کا نام لیا تھا، اس لئے مجھے کوئی اُلجھن نہیں تھی۔ چنانچہ میں سینسا کے پاس آ بیٹھا۔

''مس فیرین کے کچھ دوست ہیں؟'' سینسا نے پوچھا۔

''ہاں.....!''

''آپ دونوں کی دوستی پر رشک آتا ہے۔ میں نے اس بارے میں مس فیرین سے بھی گفتگو کی ہے۔''

''کیا کہتی ہے وہ؟''

''آپ دونوں کے الفاظ یکساں ہیں۔ وہ بھی صاف الفاظ میں کہتی ہے کہ آپ دونوں

ایک دوسرے کے لئے جان بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن عشق نہیں کر سکتے۔ یہ آپ کے درمیان معاہدہ ہے؟''

''ہاں سینسا! یہ ہمارے درمیان معاہدہ ہے۔''

''درحقیقت آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔ مجھے زندگی میں ایسے دوستوں کے مل جانے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ ایک اور بات بھی میں نے کئی بار سوچی ہے۔''

''کیا؟''

''میں نے آپ سے بے تکلفی سے ہیروں کا تذکرہ کر دیا تھا۔ اگر آپ چاہتے تو کسی بھی طرح مجھے مجبور کر کے ان ہیروں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ میں اپنے دشمنوں میں گھری ہوئی ہوں۔ آپ لوگ مجھے مجبور کر سکتے تھے۔ لیکن.....''

''اوہ، نہیں سینسا! تم ہمارے لئے لاکھوں ہیروں سے زیادہ قیمتی ہو۔ تم اپنا مقصد حاصل کرلو۔ اس سے زیادہ خوشی کی اور کوئی بات نہیں ہے'' میں نے کہا اور سینسا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس سے قبل کہ ہم مزید کچھ گفتگو کرتے، فیرین واپس آ گئی۔ اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ میں سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

''ایک اُلجھن پیش آ گئی ہے منصور!''

''کیا؟''

''عصمت شیرازی نے مجھے ایران طلب کیا ہے۔ وہ بھی فوری آج ہی کی فلائٹ سے۔ یہ لوگ ایران سے تمام انتظامات کر کے چلے ہیں۔ کل شاید مجھے عدالت میں پیش ہونا ہے۔''

''اوہ!'' میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''تم نے ان لوگوں کے بارے میں اطمینان تو کرلیا ہے؟''

''ہاں، بالکل! میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اور پھر وہ شیرازی صاحب کا خط بھی لائے ہیں۔''

''تو پھر اُلجھن کیسی ہے؟''

''تم ساتھ نہیں جا سکو گے؟''

''میرا جانا مناسب نہیں ہے فیرین! تم سمجھتی ہو۔ میرے خیال میں تم سکون سے جاؤ،

اپنا کام کرو۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں اسی فلیٹ میں قیام کروں۔ ورنہ کوئی اور بندوبست بھی ہو جائے گا۔''

''فلیٹ کی بھلا کیا بات ہے؟ لیکن.....''

''نہیں ڈیئر! تم انتظامات کرلو۔ میں تمہاری خیریت اور کامیابی کا انتظار کروں گا۔''

''سوری سینسا! لیکن منصور تمہارا پورا خیال رکھیں گے۔''

''او کے.... او کے ڈیئر! یہ کوئی بات نہیں ہے۔'' سینسا بولی اور ہم دونوں نے مل کر فیرین کی تیاریوں میں مدد کی۔

فیرین نے کار کی چابی میرے حوالے کر دی تھی۔ ''تم اطمینان سے رہو۔ میں تمہیں کیبل کروں گی۔ ویسے تم دونوں کو چھوڑتے ہوئے کچھ عجیب لگ رہا ہے۔''

''تم محسوس کر رہی ہو، ورنہ کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

بہرحال! فیرین رخصت ہو گئی۔ اب سینسا میرے پاس رہ گئی تھی۔ ہم دونوں ہی عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے۔ سینسا نے کہا۔ ''میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں منصور!''

''ہوں.... کہو!'' میں نے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے خیال میں فیرین کو واپسی میں کتنے دن لگ جائیں گے؟''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا سینسا! ممکن ہے، زیادہ دن لگ جائیں۔''

''اور تم یہاں اس کا انتظار کرو گے؟''

''یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ تم ہمارے تعلقات کی نوعیت نہیں سمجھ سکتیں سینسا! ضروری نہیں ہے کہ ہم دوبارہ ملاقات کریں۔ لیکن اگر دس سال کے بعد بھی ہم ملیں گے تو دوست رہیں گے۔''

''بہت عجیب بات ہے۔ کیا یہ ممکن ہے منصور! کہ تم میری مدد کرو؟''

''کس سلسلے میں؟''

''ہیروں کی فروخت کے سلسلے میں۔ میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتی ہوں۔'' سینسا نے ہچکچاتے ہوئے کہا اور میرے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ سینسا وہ بات کہہ رہی تھی، جو خود میرے دل میں تھی۔ انداز ذرا بدلا ہوا تھا۔ لیکن یہ میرے حق میں مزید بہتر تھا۔

''کیسی پیشکش؟'' میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''حالات کا تمہیں اندازہ ہو چکا ہے۔ میں چونکہ ان سمگلروں کے ساتھ رہ چکی ہوں۔ مجھے ان کی کارکردگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہیں۔ چند ایسے لوگ یہاں استنبول اور اس کے نواح میں موجود ہیں، جو ہیروں کی فروخت کے سلسلے میں کارآمد ہو سکتے ہیں۔ میں تنہا یہ سب کچھ نہیں کر سکتی۔ لیکن اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم یہ ہیرے فروخت کر سکتے ہیں۔ میں تمہیں حاصل شدہ رقم کا پچیس فیصد بخوشی ادا کر دوں گی۔''

''ہوں.....'' میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''پیشکش بہت دلکش ہے سینسا! سوائے ایک غلط بات کے۔''

''کیا؟''

''پچیس فیصد۔''

''تیس فیصد کر لو۔ یقین کرو! بہت بڑی رقم بن جائے گی۔ میں بھی اپنے خوابوں کی تعبیر چاہتی ہوں۔ اس سے زیادہ کے لئے مجھے مجبور نہ کرو۔'' اُس نے لجاجت سے کہا۔

''صرف ایک ترمیم کر لو سینسا!'' میں نے کہا۔

''بولو؟''

''اپنے ان الفاظ کے لئے مجھ سے معذرت کر لو۔ تم اتنی سی مدد کے لئے مجھے کوئی معاوضہ دو گی۔ کیا دوستی تمہاری نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی؟ اگر تمہارے خوابوں کی تکمیل ہو گی سینسا! تو کیا ایک دوست کی حیثیت سے مجھے خوشی نہیں ہو گی؟ اتنے دنوں میں تم نے ہمارے بارے میں یہی اندازہ لگایا ہے؟''

سینسا تعجب سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''سوری منصور! ویری سوری.... مگر قصور میرا نہیں ہے۔ جو دنیا میں نے دیکھی ہے، اس میں ہمیشہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول کارفرما ہیں۔ اچھے لوگوں سے میرا واسطہ ہی نہیں رہا۔ میری مدد کرو منصور! میں تنہا کچھ بھی نہیں کر سکتی۔''

''تم جس طرح پسند کرو، میں تمہارے لئے کام کرنے پر تیار ہوں۔''

''بے حد شکریہ منصور..... بے حد شکریہ۔'' سینسا نے تشکرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ ''میں تمہیں اُن کے بارے میں بتا سکتی ہوں.....''

''نہیں پلیز! ابھی مجھے اُن کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

''کیوں؟''

''بس! میں نہیں چاہتا۔ اس کی جلدی نہیں ہے۔ جہاں تم نے انہیں رکھا ہے، کیا وہ محفوظ جگہ ہے؟''

''سو فیصد۔''

''بس! تو ٹھیک ہے۔ پہلے اُن لوگوں سے بات کر لو، جو ہیروں کی فروخت کے سلسلے میں معاون ہو سکتے ہیں۔''

''جیسے تم پسند کرو۔''

''وہ کون لوگ ہیں؟''

''بروکر۔ جو ایسے سودے کرواتے ہیں۔ ایک بہت بڑے تاجر کو میں بھی جانتی ہوں، جو ارب پتی ہے۔ کروڑوں کے سودے ہاتھوں ہاتھ کر لیتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس وقت کہاں ہے۔''

''کیا نام ہے اُس کا؟''

''علی ہادی۔ سنا ہے یہ نام؟'' سینسا نے پوچھا۔

''نہیں۔''

''ظاہر ہے تمہاری دنیا کا نام نہیں ہے۔'' اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''بہرحال! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن کیا تمہارا باہر نکلنا خطرناک نہیں ہو گا سینسا؟''

''میں اپنے چہرے کو تبدیل کر سکتی ہوں۔ میک اَپ کا تھوڑا سا، سامان درکار ہو گا۔ دراصل مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا۔ ورنہ وہ لوگ آسانی سے مجھ تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔''

''میک اَپ کا سامان کہاں سے مل سکتا ہے؟''

''تمہیں لانا ہو گا۔ جگہ میں بتا سکتی ہوں۔ اس بات پر حیرت کا اظہار نہ کرنا منصور! میری لائن بھی ایسی رہی ہے، بارہا میں نے اُن کے لئے بے شمار اشیاء سمگل کی ہیں۔ میک اَپ بھی انہیں کی تربیت میں سیکھا ہے۔ لیکن..... میں دل سے وہ نہیں بن سکی، جو مجھ جیسی

لڑکیاں بن جاتی ہیں۔ میری یہی آرزو رہی کہ میں بھی معاشرے کی ایک اچھی فرد بن کر زندگی گزاروں۔ اس کا موقع مجھے کبھی نہ مل سکا۔ اور میرا موجودہ قدم اسی گھٹن کا نتیجہ ہے۔ میں نے ان کے لئے طویل عرصہ ایک سمگلر، ایک مجرم کی زندگی گزاری ہے۔ اور اب یہ آخری جرم میں نے اپنے لئے کیا ہے۔ یقین کرو! آخری جرم..... اگر میں اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہوسکی تو یا تو خودکشی کرلوں گی یا پھر اُن کے ہاتھوں ماری جاؤں گی۔ لیکن اب میں دوبارہ اُس زندگی میں واپس نہیں جاؤں گی۔''

میں سینسا کی صورت دیکھنے لگا۔ مجھے اس پر رحم آ رہا تھا۔ میں نے اُسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ ''اطمینان رکھو سینسا! مجھ سے جو بن پڑے گا، تمہارے لئے ضرور کروں گا۔''

سینسا اُداس ہوگئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کہا۔ ''منصور! ہم دونوں..... میرا مطلب ہے، میں تنہا سوؤں گی؟''

''کیا مطلب؟''

''نیند نہیں آئے گی۔''

''کیوں؟''

''خوف محسوس ہوگا۔ ہم دونوں اچھے دوستوں کی مانند ایک ہی کمرے میں کیوں نہ سو جائیں؟''

''جیسا تم پسند کرو۔'' میں نے کہا۔ دل میں ایک عجیب سا احساس اُبھر آیا تھا۔ آئرن فیرین کی بات دوسری تھی۔ اُس کے اور میرے درمیان تو ملاقات ہی عجیب حالات میں ہوئی تھی۔ لیکن حسین سینسا.....

آئرن فیرین کے کمرے میں دوہرا بستر تھا۔ بہرحال! میں اس کی یہ درخواست رد نہ کر سکا۔ آدھی رات تک میں جاگتا رہا۔ سینسا اپنی مسہری پر بے سدھ سو رہی تھی۔ میں نے ایک بار بھی نگاہ بھر کر اُسے نہیں دیکھا۔ ذہن کو ہٹانے کے لئے میں دوسرے ہی خیالات میں کھو گیا۔ علی بادی..... ہیروں کا تاجر..... سینسا اپنا کام کرلے۔ کم از کم اُن لوگوں سے تو شناسائی ہو جائے گی جو یہ کاروبار کرتے ہیں۔ اندازہ بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں کوشش کروں گا۔ آہ! یہ تو بہت اچھا ہوا۔ میرے اور سینسا کے حالات تقریباً یکساں تھے۔ وہ بھی وہی چاہتی تھی، جو میں۔ انداز ذرا مختلف تھا۔

صبح بہت خوشگوار تھی۔ آج پھر آسمان ابر آلود تھا۔ ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ بوندا باندی ہونے لگی۔ سینسا اس موسم میں کچھ اور دلکش ہوگئی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''کیا پروگرام ہے منصور؟''

''جو تم کہو سینسا!''

''ہم آج ہی سے کام شروع کردیں؟''

''میں نے کہا نا، جیسا تم پسند کرو۔''

''تمہیں میک اَپ کے سامان کی خریداری کے لئے جانا ہوگا۔''

''جگہ بتاؤ۔ میں چلا جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد میں نے سینسا کی مطلوبہ اشیاء اُس کے سامنے رکھ دیں اور وہ خود ہی مصروف ہوگئی۔ بلاشبہ میک اَپ کی ماہر تھی۔ اُس نے اپنا حلیہ بالکل تبدیل کرلیا تھا۔

''کیا خیال ہے؟'' وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''حیرت انگیز۔'' میں نے اُسے داد دیتے ہوئے کہا۔

''چلیں؟''

''ٹھیک ہے۔ چلو۔'' میں نے کہا اور پھر ہم نیچے اُتر آئے۔

فیرین کی کار میری تحویل میں تھی، اس لئے کوئی پریشانی بھی نہیں تھی۔ میں نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ استنبول اپنی تمام تر روایات کے ساتھ ایک بار پھر سامنے آ گیا تھا۔

''ایک چیز کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے سینسا!'' میں نے کہا۔

''کیا؟''

''اسلحہ۔ اگر ہمارے پاس ایک ایک پستول بھی ہو تو آسانی ہوسکتی ہے۔''

''خریدا جاسکتا ہے۔'' سینسا نے کہا۔

''کہاں سے؟''

''مجھ سے سوال کر رہے ہو۔ نیو ایڈریل چلو۔'' سینسا نے کہا۔

''میں اُس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''چلتے رہو۔ میں بتادوں گی۔'' اُس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ سینسا مجھے راستہ

بتاتی رہی۔ اس وقت ہم پرانے استنبول کی فصیل کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ''وہ..... اس طرف۔'' سینسا نے نیوایریدپل کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''نیچے ڈھلوان میں اُتار دو۔''

ایک بوسیدہ سی عمارت کے سامنے سینسا نے کار رُکوا دی اور ہم دونوں نیچے اُتر آئے۔ سینسا کی خود اعتمادی مجھے حیران کر رہی تھی۔ ہم لوگ آگے بڑھ کر عمارت کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابھی ہم اندر داخل بھی نہیں ہو پائے تھے کہ اندر سے دو افراد باہر نکلے۔ آمنا سامنا ہونے پر بالکل فطری طور پر ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دوسرے لمحے میرے بدن میں لاتعداد سرد لہریں دوڑ گئیں۔ اُن میں ایک شخص میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ میں اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا اور وہ مجھے..... اُس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔

''تم.....؟'' اُس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلی۔

''آپ یہاں؟'' میں نے بمشکل کہا۔ یہ شخص فصاحت خاطری تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک خطرناک صورت ترک.....

فصاحت خاطری تیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کی نظریں بار بار سینسا کی طرف اُٹھ رہی تھیں۔

''یہ تمہارے کوئی شناسا ہیں منصور؟'' سینسا نے پوچھا۔

''ہاں! ہم لوگ گہرے دوست ہیں خاتون۔ طویل عرصے کے بعد ملے ہیں۔ کیا آپ دو گہرے دوستوں کو گفتگو کے چند لمحات عنایت کر سکتی ہیں؟'' فصاحت خاطری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں؟'' سینسا آہستہ سے بولی۔

''آؤ....'' فصاحت خاطری نے سرد لہجے میں کہا اور اپنے ساتھی ترک کو وہیں رُکنے کا اشارہ کر کے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کے ہاتھ کی گرفت بہت سخت تھی۔

☆.....☆.....☆

بقیہ واقعات کے لئے جلد دوئم
''گریٹ اسکیپ'' کا مطالعہ کریں

گریٹ گیپ

ایم اے راحت
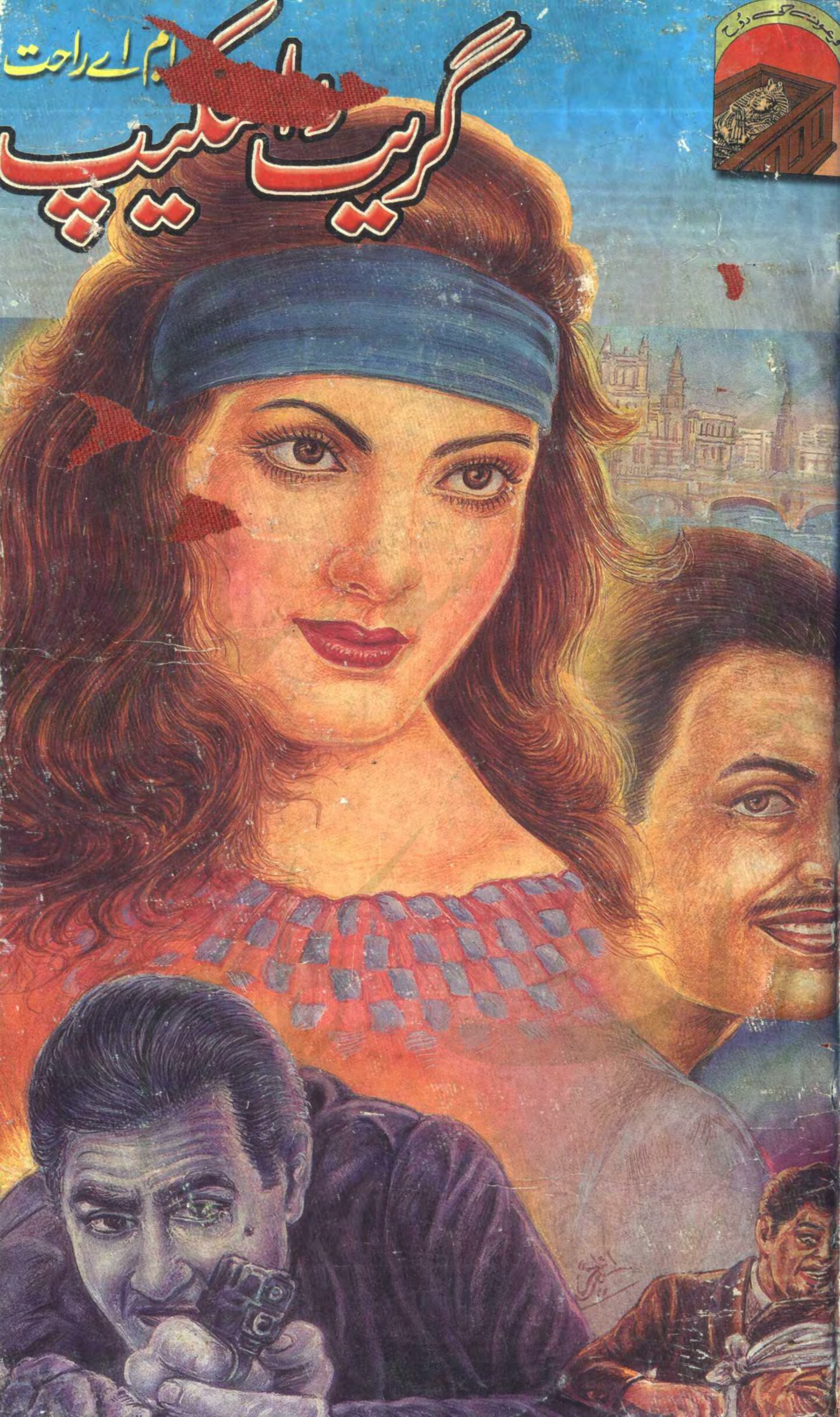
فصاحت خاطری کا ساتھی وہیں سینما کے پاس رُک گیا تھا۔ اور فصاحت خاطری مجھے لئے ہوئے واپس اُسی عمارت میں داخل ہو گیا تھا، جس سے وہ ابھی ابھی نکلا تھا۔ میرے ہاتھ پر اُس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ خون کی گردش رُک سی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے ہاتھ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔

یہ عمارت اندر سے عجیب سی تھی۔ بہت سے مقامی لوگ یہاں موجود نہ جانے کیا کر رہے تھے۔ فصاحت خاطری مجھے لئے ہوئے عمارت کے صدر دروازے کی بغلی سمت مڑ گیا۔ پتلا سا راستہ تھا۔ پیپل کے اُجاڑ سے درخت لگے ہوئے تھے جن کے گرے ہوئے سوکھے پتے قدموں کے نیچے آ کر چرمرا رہے تھے۔ اِس پتلے راستے کا اختتام ایک کھلی ہوئی وسیع جگہ پر ہوا، جہاں سامنے ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔

میں کسی ایسے بچے کی طرح سہا ہوا تھا، جسے سکول ماسٹر نے سگریٹ پیتے ہوئے دیکھ لیا ہو اور سرزنش کے لئے لے جایا جا رہا ہو۔ خطرناک آدمی مجھے لے کر اندر داخل ہو گیا۔ باہر کی بہ نسبت یہاں کا درجہ حرارت بہت کم تھا۔ اندر روشنی بھی مدھم تھی۔ لیکن فصاحت خاطری نے تیز روشنی جلا دی اور پھر اُس نے مجھے ایک صوفے پر دھکیل دیا۔

''یہ.... یہ کیا زیادتی ہے؟' میں نے اس دوران پہلی بار زبان کھولی اور فصاحت خاطری کی طرف دیکھا۔ لیکن اُس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر جان نکل گئی تھی۔

''میرے پاس سائلنسر بھی ہے۔ لیکن اس عمارت میں گولی چلنے کی آواز باہر نہیں جاتی.....'' وہ خوفناک آواز میں بولا اور چند لمحات کے لئے میری زبان گنگ ہو گئی۔ وہ مجھے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ ''حواس درست کر لو اور میرے سوالوں کے جواب دو۔''

''دیکھ لینا..... ایک دن دیکھ لینا۔ تمہاری غلط فہمی ہی تمہاری موت بن جائے گی۔'' میں نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''جرم کی دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے خود کو آزما لینا ضروری ہے۔ اور پھر تم جیسے چھوکرے اگر فصاحت خاطری کے راستے روکنے لگیں تو اسے خودکشی ہی کر لینی چاہئے۔'' وہ نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

''میں نے آج تک کوئی جرم نہیں کیا۔'' میں جھلا کر بولا۔

''بکواس مت کرو۔ اس سے بڑا جرم اور کیا ہوسکتا ہے کہ تم نے میری آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی کوشش کی۔''

''سب کچھ غلط فہمی ہے..... بالکل غلط فہمی..... ٹھیک ہے۔ تمہارا جو دل چاہے کرو۔ میری تقدیر میں پریشانیاں ہی لکھی ہوئی ہیں تو میں کیا کرسکتا ہوں؟''

''آئرن فیرین کہاں ہے؟''

''جہنم میں۔'' میں نے جواب دیا۔ لیکن اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کی گولی پیر کے انگوٹھے کے قریب سے گزرتی ہوئی صوفے میں پیوست ہوگئی تھی۔ میں اُچھل کر صوفے پر چڑھ گیا۔

''ارے..... ارے..... گگ..... گولی کیوں چلاتے ہو.....؟'' میری بوکھلائی ہوئی آواز اُبھری۔

''آئرن فیرین کہاں ہے؟''

''ایران میں..... قسم خدا کی! ایران میں.....'' میں نے جواب دیا اور دوسری گولی پھر میرے لباس کو چھوتی ہوئی پیچھے دیوار سے جا ٹکرائی تھی۔

''تیسری گولی ضائع نہیں کروں گا۔ اس بار گولی صرف تمہارے دماغ میں اُترے گی۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، وہی کرتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اُتار دو۔ لیکن اس کے بعد تم اس تفصیل سے محروم ہو جاؤ گے جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔''

''میں صرف سچ سنوں گا۔'' فصاحت خاطری نے کہا۔

''اور جھوٹ سچ کا فیصلہ بھی خود ہی کرلو گے۔ اچھی بات ہے۔ میں آنکھیں بند کئے لیتا ہوں۔ سچ ہی بولوں گا۔ جھوٹ لگے تو گولی مار دینا۔ اور کیا کرسکتا ہوں؟'' میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ حواس جواب دے گئے تھے۔ بھاڑ میں جائے..... آئرن فیرین کون سی میری

جان بچانے آسکتی ہے۔ وہ اپنی جائیداد کے حصول میں مصروف ہے۔ میں کیوں جان دُوں؟''

''مجھے علم ہے کہ وہ استنبول میں ہے۔ اور تمہاری یہاں موجودگی اس کی تصدیق کرتی ہے۔''

''وہ استنبول میں تھی۔ مگر اب ایران میں ہے۔ اور یہ بات بھی میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرا اُس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہم صرف دو ایسے ہم سفر تھے جو غیر قانونی طور پر ایک ہی جہاز میں فرار ہوئے تھے۔ اس سے زیادہ ہمارے درمیان اور کوئی ربط نہیں ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اپنی شناخت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ایران پہنچ کر میں اپنے مسائل میں گرفتار ہوگیا اور وہ مجھ سے جدا ہوگئی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میری اُس سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ فصاحت خاطری نامی کوئی شخص اُس کا متولی ہے۔ وہ اُس کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ جس وقت آپ نے مجھے گرفتار کرایا تھا مسٹر فصاحت خاطری! آپ یقین کیجئے کہ مجھے اُس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ بلکہ میں نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اخبار میں اشتہار دے دے اور فصاحت خاطری سے اس طرح ملاقات کرلے۔ لیکن آپ سے پہلے ایک اور شخص اُس کے پاس پہنچ گیا۔ ذرا اپنے بھیجے پر زور دیجئے۔ شیرازی نامی کوئی بیرسٹر اُس کے اور آپ کے درمیان کوئی حیثیت رکھتا تھا۔''

میری آنکھیں بند تھیں۔ اس لئے فصاحت خاطری کے تاثرات کا کوئی علم نہیں ہوسکا۔ میری کیفیت بہت عجیب تھی۔ کان گولی چلنے کی آواز سننے کی کوشش کر رہے تھے اور مجھے اپنی کھوپڑی سے خون اُبلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ تب فصاحت خاطری کی آواز اُبھری۔ ''بولتے رہو۔ رُکنے کی ضرورت نہیں۔''

''اشتہار دیکھ کر شیرازی اُس کے پاس پہنچ گیا اور پھر کیا گھپلا ہوا؟ مجھے اس کا کچھ علم نہیں۔ شیرازی نے اُسے فوری طور پر ترکی روانہ کر دیا اور وہ استنبول میں آ کر مقیم ہوگئی۔ میری بدقسمتی مجھے بھی یہیں کھینچ لائی اور پھر اُس سے ملاقات بھی ہوگئی۔''

''ہوں..... تو گویا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ کم از کم وہ استنبول میں تم سے ملتی رہی ہے۔''

''نہ صرف ملتی رہی ہے، بلکہ میں خود بھی اُس کے ساتھ مقیم تھا اور اب بھی اُسی فلیٹ میں رہتا ہوں، جو اُسے شیرازی نے خرید کر دیا تھا۔ شیرازی اُس کے لئے کارروائی کر رہا ہے۔ اور ابھی دو دن قبل شیرازی نے اُسے تہران طلب کیا تھا۔ غالباً کسی مقدمے کی سماعت کے لئے۔ اور وہ مجھے اس جہنم میں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ یہ صورت حال ہے مسٹر فصاحت خاطری! میں نہ لینے میں، نہ دینے میں، بس! ایک ہلکی سی شناسائی میری جان کا روگ بن گئی ہے۔ اب آپ چاہیں تو اطمینان سے گولی چلا دیں۔ میں نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔''

''آنکھیں کھولو.....'' فصاحت خاطری کی غرائی ہوئی آواز اُبھری اور میں نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔

وعدہ کرو کہ گولی نہیں چلاؤ گے۔'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اس کی تصدیق کس طرح کی جا سکتی ہے؟''

''ارے تم اتنے بڑے آدمی ہو۔ کیا تم بھی شیرازی کو نہیں جانتے؟ یہ وہ شخص ہے، جو آئرن فیرین کا وکیل بھی ہے اور اُس کے باپ کا دوست بھی۔ آئرن فیرین نے مجھے یہی بتایا تھا۔''

''ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے.....لیکن تم اس معاملے سے الگ نہیں رہ سکتے۔''

''کمال ہے! تم سب لوگ ایک ہی انسان کو پریشان کر سکتے ہو اور وہ ہوں میں..... میں کہتا ہوں کہ میری جان لینے سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جاؤ! ایران جاؤ..... اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو تمہارے ہاتھ تو بہت لمبے ہیں۔ جب چاہو، گولی مار دینا۔ مگر ٹھہرو! ایک بات اور بتا دیتا ہوں تمہیں۔ یہ لڑکی جو میرے ساتھ تھی اور کا نام سینسا ہے۔ یہ نسلاً اسپینش ہے۔ اور اتفاقیہ طور پر میری اور آئرن فیرین کی مشترکہ دوست بن گئی ہے۔ میں یہاں موجود ہوں۔ تم اُس سے تصدیق کر لو۔ اگر یہ بات ثابت نہ ہو جائے تو ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ جو چاہو، سلوک کرنا۔''

میں نے فصاحت خاطری کے چہرے پر نمایاں تبدیلی دیکھی تھی۔ پھر اُس کا لہجہ بھی کسی قدر نرم ہو گیا۔ ''اگر تم ٹھیک کہہ رہے ہو تو یہ عجیب اتفاق ہے۔ مجھے علم ہوا تھا کہ وہ ترکی آ گئی ہے۔ اور میں اُس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا۔ تمہیں دیکھنے کے بعد لازمی طور

پر یہی خیال میرے دل میں پیدا ہونا چاہئے تھا کہ تم ہی اُس کا ساتھ دے رہے ہو۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ تمہاری اس گفتگو سے میں تمہاری چال میں آ گیا ہوں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ایگل کے پاس کیوں آئے تھے؟''

''کس کے پاس.....؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔

''اس عمارت کی طرف کیوں آ رہے تھے؟''

''یہ بات میں نہیں جانتا۔ سینسا جانتی ہے۔'' میں نے کہا اور فصاحت خاطری پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور دیوار پر لگا ہوا ایک بٹن دبایا۔ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ''اسے اپنی تحویل میں رکھو اور چوکس رہو۔ کوئی حرکت کرے تو دونوں ٹانگیں توڑ دینا۔ تمام ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں۔''

''بہتر جناب.....'' اُن دونوں نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ دونوں ہی مقامی غنڈے پستہ قامت اور خونخوار شکل وصورت کے مالک تھے۔ دونوں نے پستول نکال لئے اور اُن کا رُخ میری طرف کر کے کھڑے ہو گئے۔ فصاحت خاطری باہر نکل گیا تھا۔ نہ جانے سینسا پر کیا گزری؟ لیکن دس پندرہ منٹ کے بعد فصاحت خاطری اندر آیا اور میری طرف رُخ کر کے کہا۔

''تم دوبارہ ایران آنے کی کوشش نہیں کرو گے.....''

''میرا کیا دماغ خراب ہے جو میں ایسی کوشش کروں گا؟ بلکہ تم کہو تو میں وہ فلیٹ بھی چھوڑ دوں.....''

فصاحت خاطری نے اُن دونوں آدمیوں کو واپس جانے کی ہدایت کی اور پھر خود بھی مجھے ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آیا۔ سینسا باہر میرا انتظار کر رہی تھی۔ فصاحت خاطری اپنے اُس آدمی کے ساتھ ایک شاندار کار میں بیٹھ کر چلا گیا اور میں نے سکون کی گہری سانس لی۔

سینسا پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے تعجب سے پوچھا۔ ''کون تھا یہ شخص؟ بہت ہی خونخوار معلوم ہوتا تھا۔''

''سینسا! دماغ خراب ہو گیا ہے میرا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ اور یہاں تم کس سے ملنے آئی ہو؟''

''ایگل سے.....''

''یہ ایگل کون ہے؟''

''ایک خطرناک غنڈہ۔ ہمیں اسلحہ درکار ہے اور وہ یہاں سے باآسانی مل جائے گا۔ ایگل یہ نہیں پوچھتا کہ اسلحہ کسے اور کس لئے چاہئے۔''

''یہ شخص تم سے کیا کہہ رہا تھا؟''

''مس فیرین کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کیا قصہ ہے؟''

''سارے کا سارا قصہ فیرین ہی سے متعلق ہے۔ مجھ بدنصیب کا اس قصے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا اب بھی ایگل کے پاس چلو گی؟''

''ہاں! آؤ..... کیا حرج ہے؟ لیکن وہ تمہیں اندر کیوں لے گیا تھا؟''

''آئرن فیرین کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے۔ یہ آئرن فیرین کا متولّی ہے اور اس کی جائیدا کا نگران۔ مجھ سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔ میں نے سب کچھ بتا دیا۔''

''عجیب سا چکر ہے۔ ویسے کافی خطرناک آدمی تھا۔ چھوڑو..... ہم کس چکر میں پڑ گئے..... آؤ! اندر آؤ.....'' وہ مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوگئی۔ شاید وہ بھی اس جگہ کے بارے میں کافی معلومات رکھتی تھی۔ سامنے کے حصے میں آگے بڑھ کر وہ ایک ایسے دالان نما مکان میں پہنچ گئی جس پر کھپریل کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ یہاں ایک آدمی میز کے پیچھے بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ سینسا نے میز کی سطح کھٹکھٹائی تو اُس نے چونک کر آنکھیں سیدھی کر لیں پھر کسی قدر خشک لہجے میں بولا۔

''کیا چاہئے؟''

''اسلحہ.....'' سینسا نے جواب دیا۔

''یہاں صرف منشیات ملتی ہیں۔ اسلحے کے لئے وہ سامنے والے حصے میں جاؤ۔'' اُس نے بدستور خشک لہجے میں کہا اور ایک سمت اشارہ کر دیا۔ ویسے ہی ایک دوسرے دالان میں ایسی ہی میز پر ایک اور شخص بیٹھا ہوا تھا۔ سینسا نے اُس سے اپنی فرمائش کا اظہار کیا تو وہ بالکل ہی بے تاثر لہجے میں بولا۔

''کیا چاہئے؟''

''دو کاربائین.....''

''رقم نکالو!'' اُس نے کہا اور سینسا نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر رکھ دی۔ اُس نے گڈی اُٹھالی...نوٹ گنے اور پھر اُس میں سے کچھ نوٹ واپس سینسا کو دینے لگا تو سینسا نے کہا۔

''نہیں..... فالتو ایمونیشن بھی چاہئے ہوگا۔''

نوٹوں کی گڈی اُس نے بے پروائی سے میز کی دراز میں ڈال دی اور گھنٹی بجا کر ایک شخص کو اندر بلایا۔ پھر اُس سے کاربائن لانے کو کہا۔ تھوڑی دیر بعد سینسا نے دو عمدہ قسم کے پستول حاصل کر لئے تھے۔ انہیں اچھی طرح چیک کر کے ایک پستول میرے حوالے کیا، دوسرا اپنے لباس میں لگا کر اُسی بے پروائی کے انداز میں واپس پلٹ آئی۔ میں حیرانی سے یہ کاروبار دیکھ رہا تھا۔ کافی بڑی جگہ تھی اور بہت سے لوگ آ جا رہے تھے۔

واپس پلٹا تو ٹانگیں لرز رہی تھیں۔ بغیر لائسنس کا اسلحہ بھی مصیبت بن سکتا تھا۔ لیکن اب ان مصیبتوں سے چھٹکارہ کہاں ممکن تھا؟ سینسا کافی دیر تک اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔ استنبول کے مختلف علاقوں کی سیر کی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ لیکن رات کو سینسا، فلیٹ واپس جانے کی بجائے مجھے لے کر پرانے استنبول کے علاقے کے ایک بدنما ہوٹل میں پہنچ گئی اور وہاں ایک میز پر بیٹھ کر ہم نے روایتی قسم کا کھانا کھایا۔ جو مجھے پسند نہیں آیا تھا۔ دن کے واقعے نے میرے حواس چھین لئے تھے۔

میں نے سینسا سے پوچھا کہ اتنی عمدہ خوراک کے لئے اس جگہ آنا کیوں ضروری تھا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''نہیں ڈیئر! ہمیں یہاں سے کام کی باتیں معلوم ہوں گی۔''

''کام کی باتیں؟''

''ہاں! علی ہادی کے بارے میں تمام تفصیلات یہیں سے فراہم ہوتی ہیں۔''

''اوہ..... میں نے گہری سانس لی۔ ظاہر ہے، اب مطلب کی بات تھی۔ ویسے فصاحت خاطری سے شاید جان چھوٹ گئی تھی۔ کیونکہ وہ جس انداز میں مجھے چھوڑ کر چلا گیا تھا، اُس سے یہی پتہ چلتا تھا کہ اُسے میری بات پر یقین آ گیا ہے۔

پھر ایک دراز قامت اور بھدے سے سوٹ میں ملبوس آدمی اُوپر کی سیڑھیوں سے نیچے اُترا تو سینسا میرا ہاتھ دبا کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ دراز قامت آدمی شاید دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ سینسا دو قدم آگے بڑھی اور لجاجت آمیز لہجے میں بولی۔ ''اگر میں اپنی میز پر آپ

"کوکافی کی ایک پیالی پیش کروں جناب! تو کیا آپ اُسے شرفِ قبولیت بخشیں گے؟"

دراز قد آدمی نے چونک کر خشمگیں نگاہوں سے سینسا کو دیکھا، پھر مجھے..... اور پھر وہ کرخت لہجے میں بولا۔ "میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کاش! میرے پاس تین سفید گلاب ہوتے تو شاید آپ میرے لئے کچھ وقت نکال لیتے۔"

ان جملوں نے دراز قد آدمی پر عجیب سا اثر کیا تھا۔ اُس نے ایک لمحہ کے لئے کچھ سوچا اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا میز کے نزدیک پہنچ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ سینسا نے اُس کے لئے کافی منگوالی تھی۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ مقصد بتاؤ۔"

"علی ہادی سے ملاقات کرنی ہے۔ کمیشن ایک پرسنٹ۔"

"ہوں!" اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا "علی ہادی کل رات ساڑھے آٹھ بجے آ رہا ہے۔ ہوٹل "بینگو" میں قیام کرے گا۔ کمرہ نمبر ستاون..... کیا چیز ہے تمہارے پاس؟"

"جو کچھ بھی ہوگا، کمیشن ایک فیصد طے۔"

"میں تم سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں؟"

"یہیں..... اسی جگہ۔ پونے آٹھ بجے..... کیا خیال ہے؟"

"نہیں۔ ساڑھے آٹھ بجے ملو۔ اُس سے تمہاری ملاقات ٹھیک دس بجے کرا دی جائے گی۔" دراز قد آدمی نے کہا اور سینسا نے گردن ہلا دی۔

"اب میں جاؤں؟"

"ہاں!"

"سنو! کل تم مطلوبہ وقت پر یہاں موجود نہ ہوئیں تو پھر میری ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن تم علی ہادی سے میرے بغیر ملاقات نہیں کرو گی۔ اگر ایسی کوشش کی تو جانتی ہو، بدعہدی کے کیا نتیجے ہوتے ہیں؟"

"یہ معلومات مجھے کہیں اور سے بھی حاصل ہو سکتی تھیں۔ تمہارے پاس آنے کا مطلب یہی ہے کہ میں تمہارے ذریعے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"شکریہ! میں چلتا ہوں۔" اُس نے کہا اور اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ اُس کے جانے کے بعد سینسا بھی کھڑی ہوگئی تھی۔

"منصور! اب یہاں رُکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ہمارا کام اتنا ہی تھا۔"

میں اُس کے ساتھ باہر نکل آیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم فلیٹ پر پہنچ گئے۔ فلیٹ پر آنے کے بعد سینسا مجھ سے فصاحت خاطری کے بارے میں گفتگو کرنے لگی۔ اُسے آئرن فیرین کی پُراسرار شخصیت پر تعجب ہوا تھا۔ میں اب بھی اُلجھا ہوا تھا۔ سینسا کہنے لگی۔ "یہ شخص آئرن فیرین کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔ پتہ نہیں کتنا لمبا چکر ہے۔ ہم اُس کے لئے کیا کر سکتے ہیں منصور؟"

"ارے جب ہم اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتے تو اُس کے لئے کیا کریں گے؟" میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم کافی پریشان لگ رہے ہو۔"

"نہیں..... نہیں! میں بہت خوش ہوں۔ اُس شخص نے مجھ پر دو گولیاں چلائی تھیں اور تیسری گولی کے بارے میں یہ دھمکی دی تھی کہ وہ میرے دماغ میں اُترے گی۔ بس! بال بال بچ گیا۔ ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ باہر آنے کا موقع بھی نہ ملتا۔"

"لیکن تمہیں کیوں اس میں ملوث کیا جا رہا ہے؟ میرا مطلب ہے، جیسا کہ تم بتا چکے ہو کہ میڈم فیرین سے....."

"بدنصیبی..... بدنصیبی! اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں سینسا! یقین کرو! میں دنیا کا سب سے بدقسمت انسان ہوں۔ پتہ نہیں تقدیر میں اور کیا کیا لکھا ہوا ہے؟"

انہی باتوں کے دوران فلیٹ آ گیا اور ہم دونوں فلیٹ میں داخل ہو کر اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ رات کو بہت دیر تک اسی بارے میں سوچتا رہا۔ کمبخت فصاحت خاطری کو یہیں ملنے کی سوجھی تھی۔ کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو جائے تو اُس کے بعد دنیا کے کسی ایسے گوشے میں جا کر آباد ہو جاؤں گا جہاں کسی شناسا کا خطرہ نہ ہو۔ میرے خیال میں شناسا دنیا کی سب سے بدترین شے ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے اپنی تقدیر پر اعتماد تھا۔ یقیناً کوئی نہ کوئی چکر چلائے گی..... یقیناً کچھ نہ کچھ ہوگا۔ یہ بات اب میرا ایمان بن چکی تھی۔

بہرحال! رات گزاری۔ دوسرا تمام دن فلیٹ ہی میں گزارا۔ کیونکہ سینسا باہر نکل کر کوئی

خطرہ مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے اُس نے کہا۔ ''منصور! ہمیں چلنا چاہیئے۔''

''کہاں سینا؟''

''اُس جگہ جہاں میری تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔''

''کیا مطلب؟ یعنی اُس آبی محل میں؟''

''ہاں!'' سینا ایک پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''لیکن وہاں کیوں؟''

''ہیرے اُسی جگہ چھپائے گئے ہیں۔'' اُس نے انکشاف کیا اور میں دنگ رہ گیا۔

ویسے بھی سینا کے بارے میں اب میرے تاثرات کافی بدل چکے تھے۔ وہ سہمی اور سمٹی لڑکی جو اپنے دشمنوں سے خوفزدہ تھی، اب بالکل مختلف شخصیت اختیار کر گئی تھی۔ پستول تھا اُس کے پاس اور وہ پوری طرح چوکس تھی۔ لیکن معاملہ ایسا تھا کہ اُس کا ساتھ دیئے بغیر بھی چارۂ کار نہیں تھا۔ میں کسی بھی طرح اُس کے ہیروں سے دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ بس! مجھے تو اپنا ہی کام کرنا تھا۔ بشرطیکہ علی ہادی مجھ سے بھی سودا کرنے پر تیار ہو جائے۔

میں سینا کے ساتھ باہر نکلا۔ ہم آبی محل پہنچے۔ سینا مجھے مستعد رہنے کا کہہ کر جھونپڑی کے اندر داخل ہو گئی اور تقریباً دس منٹ کے بعد باہر نکل آئی۔ اُس کے چہرے سے اطمینان جھلک رہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہے۔ باہر آ کر اُس نے کہا۔ ''بس منصور! مقررہ وقت تک تم میری حفاظت کرو۔ اُس کے بعد ہم اس مصیبت سے آزاد ہو جائیں گے۔ اور میرے دوست! میں زندگی بھر تمہاری شکر گزار رہوں گی۔ بلکہ میری رائے بھی یہی ہے کہ تم استنبول چھوڑ دو۔ میری پیشکش بدستور ہے اور میں خلوص دل سے تمہیں پچیس فیصد دینے کے لئے تیار ہوں۔ ایک فیصد ہمیں اُس شخص کو ادا کرنا پڑے گا جو ہمارا ایجنٹ ہو گا۔''

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں سینا! میں تم سے جو کچھ کہہ چکا ہوں، اُس سے انحراف میرے لئے ممکن نہیں۔ تمہارا کام ہو جائے۔ میرے لئے یہ بات باعث مسرت ہو گی۔''

مقررہ وقت پر ہم لوگ پرانے استنبول کے اُس جھونپڑا نما ریستوران میں داخل ہو گئے، جہاں پچھلی شام آئے تھے۔ دراز قامت شخص ہمیں ایک میز پر بیٹھا مل گیا۔

''میں وقت سے کچھ لیٹ ہو گئی ہوں؟''

''نہیں میڈم! لیکن میں اس قسم کے کاروبار میں اُسی وقت یقین کرتا ہوں، جب مسئلہ حل ہو جائے۔ کیا میں اُٹھوں؟''

''وہ آ گیا ہے؟''

''بالکل آ گیا ہے..... میری اطلاعات غلط نہیں ہوتیں۔ لیکن کیا سودا اتنا ہی قیمتی ہو گا کہ ایک فیصد میرے لئے قابل قبول ہو؟''

''یقیناً..... یا پھر اگر چاہو تو کسی مخصوص رقم کا تعین کر لو۔''

''دس ہزار۔'' وہ سینا کی آنکھوں میں دیکھتا ہو بولا۔

''منظور۔ لیکن نقصان کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔''

''اوہو! اتنی بڑی بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ لیکن کم از کم دس ہزار اور اگر سودا بڑا ہو جائے تو پھر میرا ایک فیصد۔''

''چلو..... چلو۔ گاڑی ہے تمہارے پاس؟'' سینا نے پوچھا۔

''ہاں ہے۔'' اُس نے جواب دیا۔

چند لمحات کے بعد ہم ایک پرانی فورڈ کے نزدیک پہنچ گئے۔ دراز قامت اُسے ڈرائیو کر رہا تھا۔ ہماری منزل ایک خوبصورت ہوٹل تھی۔ دراز قامت نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور ہمیں لئے ہوئے لفٹ میں داخل ہو گیا۔ لفٹ نویں منزل پر رُک گئی۔ راہداری عبور کرنے کے بعد ہم ایک خوبصورت کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔

دراز قامت نے آہستہ سے دستک دی تو اندر سے اجازت مل گئی۔ ہم تینوں کمرے میں داخل ہوئے۔ وسیع اور کشادہ کمرے میں ایک شخص آرام دہ کرسی پر دراز تھا۔ بہت ہی خوبصورت قسم کے گاؤن میں ملبوس، پر رعب اور پر وقار شخصیت کا مالک تھا۔ اُنگلیوں میں بیش قیمت انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ بالوں کی ایک لٹ درمیان سے بالکل سفید تھی۔

اُس نے پر وقار انداز میں ہم لوگوں سے بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر دراز قامت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''مہمان لے کر حاضر ہوا ہوں علی ہادی! یہ خاتون اپنا نام سینا بتاتی ہیں۔ آپ سے کوئی سودا کرنا چاہتی ہیں۔''

علی ہادی نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بہتر ہے کہ دس منٹ کے اندر اندر تمام گفتگو مکمل ہو جائے۔ کیونکہ بیس منٹ کے بعد ایک اور پارٹی مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ مس سینا! آپ بات کیجئے۔'' دراز قامت نے کہا اور سینا نے اپنے اندرونی لباس سے چمڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی اور اُس کا منہ کھول کر اُسے علی ہادی کے سامنے میز پر اُلٹ دیا۔ آٹھ انتہائی حسین اور نایاب ہیرے میز پر جگمگا رہے تھے۔ علی ہادی نے بے پروائی کی نگاہوں سے اُنہیں دیکھا۔ اُن میں سے ایک ہیرا اُٹھایا۔ اُسے روشنی میں کر کے دیکھتا رہا۔ اور پھر ایک ایک کر کے اُس نے آٹھوں ہیرے چیک کر لئے اور انہیں واپس میز پر رکھ دیا۔

''کیا قیمت مانگتی ہیں آپ ان کی؟''

''علی ہادی کے بارے میں یہی سنا گیا ہے کہ وہ ایک ایماندار تاجر ہے۔ چنانچہ آپ ان کی جو قیمت لگائیں گے، یقیناً مناسب ہی ہوگی۔''

''ہوں.....'' علی ہادی نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ ایک الماری کے قریب جا کر اُس نے تھوڑی دیر تک کوئی کارروائی کی اور پھر ایک چرمی بریف کیس لے کر سینا کے سامنے پہنچ گیا۔ اُس نے بریف کیس کھول کر سینا کے سامنے کر دیا..... بریف کیس ڈالروں سے بھرا ہوا تھا..... یہ امریکی ڈالر تھے۔ ''یہ رقم گن لیجئے۔ اور اس سلسلے میں کسی بھی سودے بازی کی گنجائش نہیں ہے۔ میں نے اِن کی مناسب قیمت لگا دی ہے۔''

میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ صرف آٹھ ہیروں کی اتنی بڑی قیمت..... سینا بھی کسی قدر بدحواس سی نظر آ رہی تھی۔ اور دراز قامت شخص کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا۔ سینا نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے علی ہادی! مجھے یہ رقم گننے کی ضرورت بھی نہیں۔''

''میرے لئے اور کوئی خدمت ہو تو آپ مجھے ضرور یاد کیجئے۔ میں ابھی کم از کم تین دن یہاں موجود ہوں۔'' علی ہادی مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

سینا نے اُس سے مصافحہ کر کے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بریف کیس سنبھال لیا۔ اُسے بند کیا اور باہر نکل آئی۔ دراز قامت شخص پر مسرت انداز میں تیز تیز قدموں سے آگے

بڑھ رہا تھا۔ دفعتہً سینا نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''اس شخص سے ہوشیار رہنا منصور! براہِ کرم مستعد رہو۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھ پر تو سحر طاری تھا۔ میں غور کر رہا تھا کہ اگر علی ہادی سے اُن ہیروں کا سودا بھی ہو جائے تو پھر میری قدر و قیمت کیا ہوگی؟

ہم ہوٹل سے باہر نکل آئے تو دراز قامت نے کہا۔ ''اب میرا حساب بھی ہو جائے۔''

''بولو! کیا چاہئے؟''

''صرف ایک گڈی میرے حوالے کر دی جائے۔ میرا کام ہو جائے گا۔''

''ہوں! ٹھیک ہے۔'' سینا نے کہا اور پھر ایک سنسان سی جگہ دیکھ کر اُسنے بریف کیس کھولا۔ میں اس دوران دراز قامت شخص پر نگاہیں جمائے رہا تھا۔ سینا نے ایک گڈی نکال کر اُس کے حوالے کر دی اور اُس نے دُہرے ہو کر سینا کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔

''آپ کوئی بھی ہیں میڈم! مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ لیکن وہی الفاظ میں دُہراؤں گا، جب بھی میری خدمت کی ضرورت پیش آئے، آپ مجھے یاد کر لیجئے۔''

''شکریہ!'' سینا نے کہا اور دراز قامت شخص وہاں سے رُخصت ہو گیا۔ میں خود بھی بدحواسی ہی کی سی کیفیت میں تھا۔ سینا کہنے لگی۔ ''علی ہادی کے بارے میں، میں نے یہی سنا ہے منصور! وہ ایسا ہی کھرا سوداگر ہے اور چھوٹے چھوٹے سودے کیش کر لیتا ہے۔ آج میری مسرتوں کی انتہا نہیں ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں اِس رقم کی حفاظت نہیں کر پاؤں گی۔ براہِ کرم کچھ سوچو اس کے بارے میں۔ کہیں وہ دراز قامت شخص ہمارا پیچھا نہ کرے۔ کہیں اس رقم کو، کوئی خطرہ نہ درپیش ہو۔''

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بس! مجھے یہ بتاؤ، میں کیا کروں؟''

''کیا ہم فلیٹ میں واپس چلیں یا یہ رات کہیں اور گزاریں؟''

''جیسا تم مناسب سمجھو۔'' میں نے جواب دیا۔ میں خیالات میں کھویا ہوا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ دِل چاہ رہا تھا کہ فوراً ہی علی ہادی سے رابطہ قائم کر لوں اور اپنے ہیروں کا سودا بھی کر لوں۔ واقعی بڑی حیرت انگیز تجارت تھی۔ میں نے اس قسم کے معاملات میں کبھی اتنی دیانت داری نہیں دیکھی تھی۔

بہرطور! ہم فلیٹ ہی واپس آ گئے۔ سینا نے بریف کیس ایک محفوظ جگہ چھپا دیا۔ دولت

بڑی عجیب شے ہے۔ میں رات بھر کروٹیں بدلتا رہا۔ بارہا میرے ذہن میں طرح طرح کے خیالات آتے رہے۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو صبح کو اس فلیٹ سے سینسا کی لاش برآمد ہوتی اور نوٹوں کا بریف کیس غائب..... لیکن سینسا بھی عجیب لڑکی تھی۔ نہایت بے پروائی سے سوگئی تھی۔

صبح کو اُس نے حسب معمول مجھے ناشتہ پیش کیا تھا۔ اُس کا چہرہ فرط مسرت سے گلنار ہو رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ ''تم کچھ بھی کہو منصور! میں اب تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ تم جیسا پر اعتماد انسان مجھے زندگی میں اور کہاں مل سکتا ہے۔ منصور! میں..... میں اس وقت دنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہوں۔ کاش! مجھے زندہ یہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے۔ تم سے بڑا محافظ اور کوئی نہیں مل سکتا منصور! میں اپنی حفاظت کی ذمہ داری تمہیں سونپنا چاہتی ہوں۔''

''نہیں سینسا! اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اب تم ان نوٹوں کے ساتھ کہیں اور قیام کرو یا پھر میں یہ فلیٹ چھوڑے دیتا ہوں۔ کیونکہ میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

''نہیں منصور! یہ نوٹ تو میں آج ہی بینک میں جمع کرا دیتی ہوں اور یہاں سے سفر کروں گی تو جہاں بھی جاؤں گی، وہاں سے رقم وصول کروں گی۔ بینکوں کی معرفت یہ کام آسان ہو جاتے ہیں لیکن تمہاری بات مجھے پسند نہیں آئی۔ منصور! ہم ساری زندگی اس دولت سے عیش کر سکتے ہیں۔ میرا ساتھ دو، میں تمہارے لئے ایک بہت اچھی ساتھی ثابت ہوں گی۔ تم مجھے پسند ہو منصور..... تم مجھے پسند ہو.....''

''ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں مس سینسا! میں ان راستوں کا راہی نہیں ہوں، جیسا آپ سمجھ رہی ہیں۔ آپ پہلے ایسا کیجئے کہ یہ رقم محفوظ کر دیجئے۔ ہماری ملاقاتیں اس کے بعد بھی ہوتی رہیں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ لیکن میری بات پر نظر ثانی کرنا۔ مجھے بے حد مسرت ہوگی۔''

دن کو دس بجے سینسا وہاں سے چلی گئی اور میں بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کیا کروں..... علی ہادی سے کس طرح رابطہ قائم کروں؟ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ چند لمحات کے بعد تیار ہو کر فلیٹ سے نکلا تو یوں محسوس ہوا، جیسے لاکھوں آنکھیں میری نگرانی

رہی ہوں۔ گھبرا کر واپس پلٹ آیا۔ پھر گھبرا کر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا۔ بینکوں کا ٹائم ختم بھی ہو سکتا تھا۔ علی ہادی کی سودے بازی کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ وہ مال دیکھتا تھا اور رقم دے دیتا تھا۔ کل کی بات شاید اُسے ناپسند تھی۔ چنانچہ اب یہی ضروری تھا کہ میں بھی ہیرے بینک لاکر سے نکلوا لوں اور اُس کے بعد علی ہادی سے ملاقات کرلوں۔ ٹیلی فون کے ذریعے علی ہادی سے رابطہ قائم ہو سکتا تھا۔ لیکن پہلے یہی موزوں تھا کہ میں بینک سے ہیرے نکال لوں.....

چنانچہ ایک بار پھر میں فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ پریشانی کے عالم میں پیدل سفر کرتا کافی دُور نکل آیا۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا کہ ایک ٹیکسی لے کر اُس ہوٹل چل پڑا، جہاں ایک کمرے کے پلنگ کے پائے کے نیچے لاکر کی چابی محفوظ تھی۔ کمرہ ابھی تک میرے پاس ہی تھا اور میں اُس کا پیشگی کرایہ ادا کر چکا تھا۔ اس لئے مجھے یقین تھا کہ اُس میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی ہوگی۔ بالآخر ہوٹل پہنچ گیا۔ کاؤنٹر سے چابی لی اور دھڑکتے دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔

دروازہ بند کر کے میں نے پلنگ کا پایا اُٹھایا۔ ربڑ کا ٹپ نکالا اور چابی کے گرنے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن دفعتہً ہی مجھے چکر آ گیا تھا۔ کیونکہ چابی پائے سے نیچے نہیں گری تھی۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے پلنگ کو دیکھتا رہا۔ زور زور سے اُسے زمین پر پٹخا اور کاغذ کا ایک سفید کونہ، پائے کے خول سے نیچے جھانکنے لگا۔ میں نے برق رفتاری سے کونہ پکڑا اور اُسے اندر کھینچ لیا۔ یہ مڑا تڑا ایک کاغذ تھا۔ کافی بڑا۔ اور اُس پر ایک تحریر لکھی ہوئی تھی۔ میں نے پاگلوں کی طرح اپنے آپ کو سنبھال کر وہ تحریر پڑھی، جو اُردو زبان میں تھی۔ لکھا ہوا تھا.....

''تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں دوست کے نام سے پکارا جائے۔ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ تم نے راعمساس کی شکل چرا لی ہے۔ تمہاری خواہش پر میں نے تمہیں مخاطب کرنا بھی چھوڑ دیا ہے اور تمہارے قریب بھی نہیں آتا۔ لیکن کیا کروں کہ جب بھی مجھے اپنا دوست یاد آتا ہے تو میرے دل میں تمہارے لئے ہمدردی جاگ اُٹھتی ہے۔ اور یہی ہمدردی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمہیں کسی مصیبت میں نہ پھنسنے دوں۔ میں چاہتا تو تمہارے قریب آ کر بھی تم سے یہ تمام گفتگو کر سکتا تھا۔ لیکن تمہاری ہی خواہش پر میں نے تم سے دُور رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اب

راعمساس کے نام پر ایک بار تمہیں پھر ایک مصیبت سے نکالنا چاہتا ہوں۔ سنو، اے احمق شخص! غور سے پڑھو اس تحریر کو، جو تمہیں اپنی ہی زبان کی تحریر محسوس ہو گی۔ لیکن اس کی حقیقت کیا ہے، یہ میں جانتا ہوں اور میں تمہیں بتانا پسند نہیں کرتا۔ سنو اے بے وقوف شخص! رضا طاہری نامی جو شخص تم سے ملا تھا، وہ ایک بہت بڑا اسمگلر ہے۔ بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بڑا دھوکے باز..... دورانِ سفر جب تم اُس سے گفتگو میں مصروف تھے تو اُس نے ہیروں کا وہ پیکٹ تمہاری جیب میں محفوظ کر دیا تھا کیونکہ اُسے خطرہ تھا کہ اُس کی تلاشی ہو گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ وہ گرفتار ہو گیا لیکن اُس نے اپنے ساتھیوں کو تمہاری نشاندہی کر دی اور وہ تمہارے پیچھے لگ گئے۔ اتفاق سے تم نے وہ جگہ چھوڑ دی اور ارضِ رُوم سے استنبول پہنچ گئے۔ یہاں تم سے ہیروں کے بارے میں پوچھ گچھ کی گئی اور تم نے اُن سے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے اس اظہار سے وہ مطمئن ہو گئے؟ ہرگز نہیں..... وہ سائے کی طرح تمہارے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اور جب کافی کوشش کے باوجود انہیں تمہارے پاس سے ہیروں کا سراغ نہیں مل سکا تو انہوں نے سینسا نامی لڑکی کو تمہارے پیچھے لگا دیا.....

سینسا نے آبی محل میں تمہاری مدد حاصل کرنے کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈرامہ کیا اور بالآخر اُس میں کامیاب ہو گئی۔ تم اُسے لے کر اُس فلیٹ میں چلے گئے جو تمہاری دوست کا تھا۔ اور حالات اُس کے موافق ہوتے چلے گئے۔ اُس نے تمہیں ہیروں کی کہانی سنائی..... صرف اس لئے کہ تمہیں ہیروں کے ایک تاجر کا پتہ چل جائے، جس کے ہاتھ تم ان ہیروں کا سودا کر سکو۔ ظاہر ہے، انہوں نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ تم ہیرے ساتھ لئے نہیں پھرو گے۔ بلکہ انہیں ٹھکانے لگانے کی کوشش کرو گے۔ اور اُنہوں نے تمہاری زبان کھلوانے کے لئے یہی ایک طریقہ مناسب سمجھا۔ تم پر اعتماد قائم کرنے کے لئے اُس لڑکی نے ہر وہ ممکن کوشش کی، جس سے اُسے تمہارا اعتماد حاصل ہو سکے۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے ساتھ ہیروں کے اُس تاجر سے ملی اور اُس تاجر نے بہت بڑی رقم ادا کر کے وہ ہیرے خرید لئے۔ مقصد یہی تھا اُن کا کہ تمہارے راستوں کو آسان کر دیں اور تم ہیرے

لے کر بالآخر اُس شخص کے پاس پہنچ جاؤ جو تمہاری دانست میں ہیروں کا سوداگر ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ علی ہادی نامی شخص، رضا طاہری ہی کا ساتھی ہے۔ بلکہ شاید اُس کا باس..... تم اُسی راستے پر سفر کر رہے ہو۔ بے شک تم نے سینسا کو اپنا رازدار نہیں بنایا۔ لیکن وہ تمہاری طرف سے غافل نہیں ہیں۔ اس وقت بھی ریالٹو کے باہر کئی افراد تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ ممکن ہے، یہاں سے نکلتے ہوئے وہ تمہیں گرفتار کرنے کی کوشش نہ کریں، بلکہ اُس وقت کا انتظار کریں جب تم علی ہادی سے ملو.....

چنانچہ میں نے اپنا فرض سمجھا کہ تمہیں اس حقیقت سے آگاہ کر دوں اور چونکہ تم سر پھرے آدمی ہو۔ اس لئے یہ بھی ضروری سمجھا کہ وہ چابی تمہارے پاس سے غائب کر دوں۔ ہیرے تمہارے لئے عذاب بن سکتے ہیں۔ میں نے اس چابی کے ذریعے لاکر سے ہیرے نکال لئے ہیں اور اب اگر تم وہاں جاؤ تو تمہیں وہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ سنو میرے دوست کے ہم شکل! تم نے میری دوستی کھو کر کیا کھویا ہے؟ اس کے بارے میں تم خود کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ بس! ایک ذرا سی بات تو تھی کہ میں تمہاری نگاہوں سے یہ دنیا دیکھنا چاہتا تھا۔ مَیں اب بھی ایسا کر رہا ہوں۔ لیکن جو کچھ میں چاہتا تھا، وہ نہیں ہو سکا۔ تاہم تمہاری مدد کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ کیونکہ اس طرح میں اپنے دوست راعمساس کے نام پر کوئی کام کرتا ہوں۔ میری باتوں پر یقین نہ آئے تو خود کو آزما کر دیکھ لو! یہاں سے نکلو..... جہاں دل چاہے، جاؤ۔ وہ لوگ تمہارا تعاقب کریں گے اور کہیں نہ کہیں تم سے ملاقات ضرور کر لیں گے۔ بس! اس سے زیادہ تم سے کچھ کہنا حماقت ہے۔ تمہاری زندگی ابھی کسی نقطے پر جا کر نہیں ٹھہر سکتی۔ اس میں میری کوششوں کو بھی دخل ہے۔ اور میری یہ مداخلت جاری رہے گی۔ جب تک کہ تم اس کے لئے تیار نہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں کہوں، وہی کرو۔ فی الحال دنیا دیکھو۔ میں بھی تمہیں سزا دینا چاہتا ہوں اور یہ بھی ایک سزا ہی ہے تمہارے لئے۔ اگر میں چاہتا تو ان ہیروں کی حفاظت بھی کر سکتا تھا اور تمہیں وہ مقام دلا سکتا تھا، جس کے تم خواہش مند ہو۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ بھٹکتے رہو اس دنیا میں..... اپنے لئے راہیں تلاش کرو۔

دوستوں کی دوستی ٹھکرانے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے.....(تمہارا راعمیس)

میرے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی تھی۔ تحریر کے دُھندلے لفظ میری آنکھوں کے سامنے ناچ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ دیواروں سے سر پھوڑوں اور مر جاؤں.....راعمیس..... کمینے راعمیس! تو کیا سمجھتا ہے کہ میں مجبور ہو کر تجھے اپنے آپ پر مسلط کر لوں گا؟ نہیں..... ہرگز نہیں.....تو اپنا ڈرامہ کرتا رہ۔ میں بھی اپنے لئے زندگی کی راہیں تلاش کروں گا۔ دیکھتا ہوں، تو میرے کتنے راستے روکتا ہے؟ میں کسی قیمت پر تیری دوستی قبول نہیں کروں گا۔ کسی بھی قیمت پر..... میں نے سوچا اور پھر اُس کاغذ کے پرزے پرزے کر کے غسل خانے کے واش بیسن میں بہا دیئے۔ کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ لیکن تحریر میں جو کچھ پڑھا تھا، وہ بھی بہت عجیب تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ سینسا مجھے اور آئرن فیرین کو بے وقوف بنا رہی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا، ایک طویل ڈرامہ تھا۔ راعمیس سے لاکھ نفرت سہی۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ اُس نے ہر جگہ میری مدد کی تھی۔ لیکن میں کسی کی مدد نہیں چاہتا تھا۔

میرا نقطہ نگاہ اب بدل گیا تھا۔ میں ایک آزاد زندگی کا خواہاں تھا۔ اگر ہیرے فروخت ہو جاتے اور مجھے اُن کی صحیح قیمت مل جاتی تو پتہ نہیں، میں کون سی راہیں اختیار کرتا۔ راعمیس کا اُن ہیروں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر وہ مدد بھی کرنا چاہتا تو ہیروں کی فروخت میں میری مدد کرتا۔ لیکن اُس نے صاف لکھا تھا کہ وہ اپنا انتقام بھی لینا چاہتا ہے۔

ٹھیک ہے.....ٹھیک ہے..... دیکھتا ہوں، کون کون مجھ سے انتقام لیتا ہے؟ رضا طاہری کے ساتھی بقول راعمیس اب بھی میری تاک میں تھے۔ لیکن میرے لباس میں اب ایک خوفناک کاربائن چھپا ہوا تھا اور میرا ذہن آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اب اگر کسی نے میرا راستہ روکنے کی کوشش کی تو وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اور سینسا..... سینسا تو بس ایک بار نظر آ جائے۔ اس کمبخت کے پورے بدن کو چھلنی نہ کیا تو میرا نام بھی منصور نہیں ہے۔

اپنے ذہن کو بمشکل قابو میں کیا۔ چہرے اور آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے۔ اب ''ریالٹو'' کے اس کمرے کو مزید ریزرو رکھنا حماقت تھی۔ کیونکہ یہ بہت سے لوگوں کی نگاہ میں تھا۔ آئرن فیرین اپنا فلیٹ مجھے سونپ گئی تھی۔ کسی اور کا کوئی دخل نہیں تھا اُس میں۔ اب استنبول میں رہوں گا تو آئرن فیرین کے فلیٹ ہی میں رہوں گا۔ فصاحت خاطری ایران جا کر اس کے خلاف اگر کوئی کارروائی کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر جو ہوگا،

دیکھا جائے گا۔ وحشت سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی۔ جی چاہ رہا تھا، ہر شخص پر فائرنگ شروع کر دوں۔

ریالٹو کے کمرے سے نکل کر باہر آیا۔ سڑک پر پیدل چلتا رہا۔ میری نگاہیں خونخوار انداز میں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ میں اُن لوگوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا جو میرے تعاقب پر معمور کیئے گئے تھے۔ لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ پھر ایک ٹیکسی کر کے واپس آئرن فیرین کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ فلیٹ میں داخل ہونے کے بعد ایک مسہری پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

چاروں طرف گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں؟ مالی وسائل بھی آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جسے استعمال کر کے میں اپنے لئے آسائشیں تلاش کر سکتا۔ اب تو بہت تھوڑی سی رقم رہ گئی تھی۔ ترکی میں رہ کر کیا کروں گا؟ کس طرح اپنے لئے وسائل تلاش کروں گا؟ سوائے اس کے کہ لوٹ مار شروع کر دوں۔ میں نے کاربائن نکال کر اُس کے میگزین چیک کیئے۔ سب ٹھیک تھا۔ مجھ میں ہی کمی تھی..... میں ہی احمق تھا۔ یہ وقت ہمدردی اور پیار کا نہیں ہے۔ اپنے دل کے اُن تمام گوشوں کو بند کر لو، جن میں دوسروں کی محبت اور اُنسیت موجود ہے۔ یہی کامیابی کا راز ہے۔ اور اگر اس راستے سے ہٹے تو وہی ہوتا رہے گا، جو آج تک ہوتا رہا ہے۔

درحقیقت غلطی میری ہی تھی۔ ان خراب ترین حالات میں گھرے ہونے کے باوجود میں اپنی اس احمقانہ فطرت کو ترک نہیں کر پایا تھا، جس نے مجھے جگہ جگہ نقصان پہنچایا تھا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہئے۔ اگر کوئی دوست بننے کی کوشش کرے تو پہلے اُس کی حقیقتوں کا جائزہ لے لیا جائے۔ اُس کے بعد فیصلہ کیا جائے۔ سینسا نے جو ڈرامہ کیا تھا، اُس سے دل بری طرح جھلس رہا تھا۔ بہت کچھ کیا جا سکتا تھا اُس کے ساتھ..... بہت کچھ..... لیکن وہ کامیابی سے مجھے اُلو بنا رہی تھی۔ بس! ایک بار نظر آ جائے تو اُس کے مہیا کیئے ہوئے اس پستول سے اُس کے سینے کو داغدار کر دوں۔ ویسے راعمیس کی باتوں پر ذرا بھی شک نہیں تھا۔ کیونکہ اُس نے جو کچھ کہا تھا، اُس کی حقیقت کے ثبوت جگہ جگہ مل رہے تھے۔ میرا اندازہ اگر غلط نہیں تھا تو اب سینسا میری طرف رُخ بھی نہیں کرے گی۔

ساری رات اسی بے کلی میں گزر گئی۔ ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بس! یہی جی چاہتا رہا تھا کہ کسی کی بوٹیاں نوچ کھاؤں۔ سارا پروگرام درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ

لوگ اب بھی میری تاک میں ہوں گے۔ اور یقیناً اُنہوں نے مجھے اپنی نگاہوں میں رکھا ہو گا۔ شاید انتظار کر رہے ہوں کہ میں ہیرے لے کر علی ہادی کے پاس پہنچوں گا۔ ویسے یہی خوش بختی تھی کہ بروقت ہوشیار ہو گیا تھا۔ اگر علی ہادی یا اُس دراز قامت ایجنٹ سے رابطہ قائم کر لیا ہوتا تو وہ لوگ یہ بھی جان جاتے کہ ہیرے میرے پاس ہی موجود ہیں اور پھر ہنگامہ آرائی ہوتی..... میری بات پر کبھی یقین نہ کیا جاتا۔

غسل خانے میں جا کر تقریباً آدھے گھنٹے تک ٹھنڈے پانی کے شاور کے نیچے بیٹھا رہا۔ دماغ چکرا رہا تھا۔ تیار ہو کر باہر آیا۔ آج کوئی ناشتہ دینے والا بھی موجود نہیں تھا۔ لیکن مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ لباس پہنا..... کاربائن اندرونی جیب میں چھپایا..... فالتو راؤنڈ بھی محفوظ کر لئے۔ اب مجھے اس پستول کے بغیر لائسنس ہونے کا کوئی خدشہ نہیں تھا۔ میں نے اپنی فطرت کو تبدیل کر لیا تھا۔ سامنے آنے والوں کو فنا کرنے کا جذبہ میرے سارے وجود پر چھایا ہوا تھا۔ اسی جلتے اور جھلستے ہوئے وجود کو لے کر میں فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ ایک ریستوران میں جا کر ناشتہ کیا اور وہیں بیٹھ کر ایک انگریزی اخبار پڑھنے لگا۔ کوئی خاص خبر نہیں تھی۔ ہر چیز پر غصہ آ رہا تھا۔ دماغ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یہی فیصلہ کیا کہ استنبول کے تاریخی مقامات کی سیر کروں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مشغلہ میرے پاس نہیں تھا۔

میں نے ہوٹل سے باہر نکلنے کے بعد تفریحی مقامات کا ایک نقشہ خریدا اور پھر نقشے کی مدد سے تاریخی مقامات کا سرسری جائزہ لیتا ہوا چل پڑا۔ شام تک کا وقت یونہی گھومتے گزارا۔ آئرن فیرین کے فلیٹ میں پہنچ کر پھر چپ چاپ ایک صوفے پر دراز ہو گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے دروازے پر دستک سنی تھی۔ اُٹھ کر گیا اور دروازہ کھولا تو آئرن فیرین کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میں اُسے دیکھ کر متحیر رہ گیا۔

''ہیلو فیرین!''

''ہیلو.....'' وہ اندر آ گئی۔ میں عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ فیرین نے اپنا چھوٹا سا کٹ بیگ ایک سمت اُچھال دیا اور میرے سامنے ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیسا وقت گزرا منصور؟''

''بہت عجیب۔''

''سینما کہاں ہے؟''

''جہنم میں۔'' میں نے جواب دیا اور فیرین چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''مطلب؟''

''وہ ایک جرائم پیشہ گروہ کی فرد نکلی۔''

''کیا کہہ رہے ہو؟''

''سچ کہہ رہا ہوں فیرین!''

''لیکن مجھے بھی تو بتاؤ۔'' فیرین بہت زیادہ متحیر تھی۔

''بتا دوں گا فیرین! بتا دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ، ایران میں تمہارے کیا مشاغل رہے؟''

''عصمت شیرازی نے بہت اعلیٰ پیمانے پر کارروائی شروع کی۔ میرا مقدمہ عدالت تک پہنچ گیا اور پہلا بیان بھی درج کر لیا گیا۔ اب فصاحت خاطری کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ لیکن عصمت شیرازی نے میرا ایران میں رہنا پسند نہیں کیا اور نہایت خاموشی سے انہوں نے مقدمے کی سماعت کے بعد مجھے واپس ترکی پہنچا دیا۔ اُن کے اپنے کچھ خصوصی ذرائع ہیں جن کی وجہ سے مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔''

''اور تمہیں ایک اطلاع دیتے ہوئے میں خود بھی سنسنی محسوس کر رہا ہوں۔''

''کیا؟''

''فصاحت خاطری یہاں پہنچ گیا تھا اور اتفاق سے میری اُس سے مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔''

''اوہ، مائی گاڈ! پھر کیا ہوا؟'' آئرن فیرین نے خوفزدہ سے لہجے میں پوچھا اور میں نے اُسے پوری تفصیل بتا دی۔ آئرن فیرین چند لمحات عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی اور پھر خوفزدہ انداز میں ہنس پڑی۔ ''گویا اب وہ میری تلاش میں ایران گیا ہو گا۔ خیر! یہ تو اچھی بات ہے۔ اُسے کم از کم حقیقت حال کا علم ہو گیا ہو گا۔''

''لیکن فیرین! اُسے یہ بات بھی تو معلوم ہو چکی ہے کہ تم استنبول میں ہو۔''

''ہاں! اور اب تو میں بھی خطرہ محسوس کر رہی ہوں۔ ہمیں کچھ کرنا چاہئے منصور! ظاہر ہے، تمہاری ذمہ داری عصمت شیرازی پر نہیں چھوڑی جا سکتی۔ ہمیں اپنے تحفظ کا بندوبست کرنا ہو گا۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں فیرین! بلکہ میں چاہتا ہوں کہ اب تم اس فلیٹ میں بھی نہ رہو۔ کوئی اور جگہ اپنے لئے منتخب کر لو۔''

"کیا میں عصمت شیرازی سے اس سلسلے میں رابطہ قائم کروں؟"

"نہیں۔ مناسب نہیں ہوگا۔ فلیٹ کی دیکھ بھال بھی جاری رہے گی۔ بلکہ اگر تم اجازت دو تو میں ہی چند روز تمہارے فلیٹ میں قیام کرلوں۔ اگر فصاحت خاطری کو تمہارے بارے میں مکمل علم ہوگیا ہوگا اور وہ دوبارہ تمہاری تلاش میں یہاں پہنچا تو کم از کم میری اُس سے ملاقات تو ہو جائے گی۔ میں اُس سے یہی کہوں گا کہ ابھی تک تمہاری واپسی نہیں ہوئی اور شاید تم ایران ہی میں ہو۔"

آئرن فیرین تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ اور پھر اُس نے مجھ سے متفق ہو کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے، میں کسی درمیانے درجے کے ہوٹل کا بندوبست کئے لیتی ہوں۔ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ اُس کی ملاقات تم سے ہوگئی۔ ورنہ ہمیں پتہ ہی نہ چلتا کہ وہ یہاں پہنچ چکا ہے۔ ویسے یہ یقینی امر ہے منصور! کہ اب وہ میری تلاش کے لئے زیادہ سرگرداں ہوگا۔ بلکہ اب اس پیشی کے بعد تو اُس کے لئے مزید پریشانیاں پیدا ہوگئی ہیں۔"

"یقیناً۔"

"میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ کسی ہوٹل میں قیام کروں گی اور پھر تمہیں فون کر کے اس کے بارے میں بتادوں گی۔"

"بالکل ٹھیک....." میں نے حسب عادت جواب دیا۔ لیکن فیرین نے توجہ نہیں دی تھی۔ اُس نے ایک سوٹ کیس میں چند جوڑے کپڑے رکھے۔ اپنی پریشانی کے عالم میں وہ مجھ سے سینا کے بارے میں تفصیلات پوچھنا بھی بھول گئی تھی۔ میں نے اُسے دروازے پر خدا حافظ کہا اور وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

اس تمام کارروائی میں میرے کسی منصوبے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ بس! فوراً ہی یہ بات ذہن میں آرہی تھی اور میں نے آئرن فیرین سے کہہ دیا تھا۔ حالانکہ میں خود بھی شدید تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ فصاحت خاطری دوبارہ بھی یہاں پہنچ سکتا تھا۔ میں تو اُسے بے وقوف بنا دیتا لیکن آئرن فیرین یہاں مل جاتی تو پھر میرے لئے ہی دردِ سر پیدا ہو جاتا۔ وہ چلی گئی اور ایک بار پھر میں تنہا رہ گیا۔

دل یہی چاہ رہا تھا کہ اب استنبول بھی چھوڑ دوں۔ لیکن کہاں جاؤں؟ کیا کرنا چاہئے؟ بہت دیر تک سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی پھیل گئی۔ میں گہری سانس لے کر

اُٹھا، بتیاں روشن کیں اور پھر کچن میں جا کر کھانے پینے کی اشیاء تلاش کرنے لگا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر ایک بار پھر دستک ہوئی اور میں چونک پڑا۔ ابھی تک آئرن فیرین کا فون نہیں آیا تھا۔ اُس نے اپنے بارے میں اطلاع نہیں دی تھی کہ اُس نے کہاں قیام کیا ہے؟ لیکن اس کی بھی کوئی خاص ہی وجہ ہوگی۔ ممکن ہے، وہ واپس آئی ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر میں نے دروازہ کھولا تو سب سے پہلے نظر آنے والی چیز دو ریوالوروں کی نالیں تھیں، جو میری جانب اُٹھی ہوئی تھیں..... میرے عین سامنے ایک اچھے تن و توش کا ترک نوجوان نظر آرہا تھا اور اُس کے پیچھے جو شخصیت مجھے نظر آئی، اُسے دیکھ کر میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔ ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ یہ شخص پروفیسر رضا طاہری تھا..... لیکن اس وقت اُس کے چہرے پر وہ نرمی نہیں تھی، جو میں نے دورانِ سفر محسوس کی تھی۔ اُس وقت وہ ایک پُروقار اور متین شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔ لیکن اب اُس کی حقیقت کھل گئی تھی۔

ترک نوجوان نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر مجھے پیچھے دھکا دیا اور اُس کے بعد وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔ میرے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ رضا طاہری نے دروازہ بند کر دیا اور پھر ترک نوجوان عقب سے میری قمیض کا، کالر پکڑ کر مجھے دھکیلتا ہوا اندر لے آیا۔ رضا طاہری نے اُسے اشارہ کیا اور پھر خود ریوالور تان کر کھڑا ہوگیا۔ جبکہ ترک نوجوان شاید فلیٹ کی تلاشی لینے میں مصروف ہوگیا تھا۔ جب تک ترک نوجوان واپس نہ آگیا، رضا طاہری نے کوئی جملہ منہ سے ادا نہیں کیا تھا۔ میں خود بھی احمقوں کی طرح اُس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ جب ترک نوجوان اندر داخل ہوا تو رضا طاہری نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا اور ترک نوجوان نے گردن ہلا دی۔ گویا وہ یہ بتا رہا تھا کہ فلیٹ میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ رضا طاہری کی آنکھیں عجیب سی کیفیت کا شکار نظر آرہی تھیں۔ پھر اُس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں مسٹر منصور! کہ تم ایک شریف نوجوان ہو۔ لیکن امانت میں خیانت کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ ہیرے میری ملکیت ہیں۔ وہ تمہیں واپس کرنا ہی پڑیں گے۔ اور سنو! میں کسی بھی طور یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہیرے تمہارے پاس موجود نہیں ہیں..... تم نے اُنہیں کہاں پوشیدہ کیا ہے؟ یہ بات تمہیں بتا دینی چاہئے۔ ہاں! اگر تم

تعاون کرو گے تو تمہیں بہرطور کچھ نہ کچھ رقم ضرور دے دی جائے گی۔ وہ بھی اس لئے کہ تم نے ایک محافظ کا کردار ادا کیا ہے۔''

''پروفیسر!'' میں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''نہیں! اب مجھے پروفیسر نہ کہو۔ بلاشبہ میں کبھی پروفیسر تھا۔ لیکن میرے دوست! بعض اوقات زندگی کے راستے بالکل ہی مختلف سمت میں بدلنا پڑتے ہیں اور میں نے بھی یہی کیا ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ مجھے بتاؤ! ہیرے کہاں ہیں؟''

''تمہارے آدمی پہلے بھی مجھ سے ہیروں کے بارے میں معلومات حاصل کر چکے ہیں۔ لیکن میں نے انہیں بھی یہی بتایا تھا کہ ہیرے میرے پاس نہیں ہیں۔ کیا تم نے وہ ہیرے بطور امانت مجھے دیئے تھے؟''

''فضول باتوں سے گریز کرنا تمہارے حق میں بہتر ہوگا مسٹر منصور! اگر تم ہیرے میرے حوالے کر دو تو نہ میرا وقت ضائع ہوگا اور نہ تمہارا..... اور تم کسی طرح کی تکلیف اٹھانے سے بھی محفوظ رہو گے۔ یہ بات میں کسی بھی طور پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ ہیرے تمہارے پاس موجود نہیں ہیں۔''

''اگر تم تسلیم نہیں کرتے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ویسے تمہاری شخصیت سے میں نے واقعی بہت بڑا دھوکہ کھایا تھا رضا طاہری!''

''دیکھو دوست! تھوڑے سے ہیروں کے لئے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگاؤ۔ میرا کہنا مان لو۔ ورنہ اس پستول میں موجود تمام گولیاں تمہارے بدن میں اُتر جائیں گی۔ لیکن اس سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ تم ہیرے میرے حوالے کر دو۔''

''اب میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں مسٹر رضا طاہری! کہ تمہارا ذہنی توازن درست نہیں ہے۔''

''اسے سنبھالو.....'' رضا طاہری نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے ترک نوجوان سے کہا اور ترک نوجوان میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اُس نے میرا گریبان پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ لیکن ان لوگوں کو میرے ذہنی بحران کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ میں اس وقت مرنے مارنے کی کیفیت کا شکار تھا۔ ترک نوجوان نے جیسے ہی مجھ پر ہاتھ ڈالا، میں نے دونوں ہاتھ پوری قوت سے کھڑے ہو کر اُس کی گردن پر مارے اور پھر اُسی قوت سے اُسے رضا

طاہری پر دھکیل دیا..... رضا طاہری کی اُنگلی پستول کے ٹرائیگر پر تھی۔ اور غالباً ٹرائیگر غیر اختیاری طور پر ہی دب گیا تھا۔ کیونکہ دوسرے لمحے پستول سے نکلنے والی گولی ترک نوجوان کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر پیوست ہو گئی تھی۔ رضا طاہری نے چند قدم پیچھے ہٹ کر دوسرا فائر کر دیا..... مگر میں سنبھل چکا تھا۔ چنانچہ گولی دیوار میں پیوست ہو گئی۔ کاربائن میرے پاس بھی موجود تھا اور میں ذرا سی کوشش کر کے اُسے نکال سکتا تھا۔ لیکن میں رضا طاہری کو ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ اُسے زندہ پکڑ کر اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

رضا طاہری نے ایک بار پھر اپنی جگہ تبدیل کی اور دو تین قدم آگے بڑھ کر ایک اور گولی چلائی۔ جو بہرطور دیوار ہی میں لگی تھی۔ پھر وہ نیچے جھک کر آڑ لیتا ہوا دروازے کی طرف سرکنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ باہر گولیوں کی آواز سن لی گئی ہو گی اور چند ہی لمحات کے بعد ہنگامہ شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے بھی رضا طاہری کو پکڑنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ کمبخت بھی انتہائی چوکنا ہو گیا تھا۔ اُس نے آخری فائر دروازے کے قریب پہنچ کر کیا اور پھر باہر چھلانگ لگا دی۔ اور یہ اتفاق ہی تھا کہ میرے ہاتھ اُس کی پشت پر پڑے۔ وہ اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ریوالور اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گیا اور میں نے پوری قوت سے اُسے جھٹکا دے کر زمین پر گرا دیا۔ لیکن دوسرے لمحے رضا طاہری نے اُٹھ کر میرے پیٹ پر اس زور سے ٹھوکر ماری کہ مجھے اپنی پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اگر میں فوراً ہی سنبھل کر پیچھے نہ ہٹ جاتا تو اُس کی دوسری ٹھوکر میرے منہ پر لگتی۔ وار خالی جانے سے وہ چکرا کر رہ گیا۔ لیکن اُس کی پھرتی اور لڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس قسم کی جنگوں کا ماہر ہے۔ وہ اُچھلا اور اس بار اُس نے دونوں ٹانگیں میرے سینے پر جوڑ کر مارنا چاہیں۔ لیکن یہ بھی میری خوش قسمتی ہی تھی کہ میں اپنا توازن نہ سنبھال پایا اور ایک طرف لڑھک گیا۔ رضا طاہری نیچے آیا تو وہ میرے ہاتھوں کی دسترس میں تھا۔ میں نے اُس کے منہ پر زوردار ہاتھ جڑ دیا جس سے وہ بے اختیار کراہ اُٹھا..... لیکن اس جیسا پھرتیلا آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے اُس نے پلٹ کر میرے منہ پر ٹھوکر ماری اور میرے ہونٹوں سے خون کی لکیر پھوٹ نکلی۔ میں اپنے آپ کو سنبھال بھی نہیں پایا تھا کہ وہ دروازے سے چھلانگ لگا کر باہر نکل گیا۔

مجھے چوٹ ضرور لگی تھی۔ لیکن میں نے اُس سے ہار نہیں مانی تھی۔ جب میں باہر نکلا تو رضا طاہری کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ البتہ آس پاس کے فلیٹوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے اور لوگ صورتِ حال جاننے کی کوشش کر رہے تھے۔ غالباً گولیاں چلنے کی آوازوں کے ساتھ ہی پولیس کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ کیونکہ چند ہی لمحات کے بعد عمارت کے نچلے حصے میں پولیس کی گاڑیوں کے سائرن سنائی دیئے تھے۔ صورتِ حال جتنی خوفناک ہوگئی تھی، مجھے اس کا بخوبی اندازہ تھا۔ فلیٹ میں ایک لاش موجود تھی جو ایک مقامی شخص کی تھی اور قاتل فرار ہو چکا تھا۔ میرے لئے گلوخلاصی ممکن نہیں تھی۔ بھاگنے کی کوشش کرتا تو کہاں جاتا؟ تقریباً تمام ہی فلیٹوں کے دروازے کھل گئے تھے اور راہداری ہی میں مجھے پکڑ لیا جاتا۔ بھاگتے ہوئے پکڑا جاتا تو پھر کوئی بھی صفائی بے مقصد ہو جاتی۔

ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ ایک نہایت چست و چالاک آفیسر دوڑتا ہوا اُوپر آیا۔ اُس کے پیچھے چند پولیس کانسٹیبل بھی تھے۔ آفیسر نے پھرتی سے صورتحال کا اندازہ کیا اور اپنا سروس پستول نکال کر اُس کا رُخ میری جانب کر دیا۔ میں نے فوراً ہی دونوں ہاتھ بلند کر دیئے تھے۔ میرے ہاتھ بلند کرتے ہی لوگ اپنے اپنے فلیٹوں کے دروازوں سے باہر نکل آئے اور چیخ و پکار کرنے لگے۔ سارجنٹ نے پھرتی سے آگے بڑھ کر میرے ہاتھ مروڑ کر انہیں پشت پر کر دیا۔ وہ لوگوں سے سوالات کر رہا تھا کہ فائرنگ کون سے فلیٹ میں ہوئی؟ بہرحال! انہیں پتہ چل گیا تھا۔ میرے لباس سے کاربائن بھی برآمد کر لیا گیا تھا اور اندر فلیٹ میں لاش موجود تھی۔ چنانچہ پولیس آفیسر کو مجھے گرفتار کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

☆.....☆.....☆

تھوڑی دیر کے بعد مجھے پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر پولیس سٹیشن لے جایا گیا۔ پولیس آفیسر میرے ساتھ بالکل مجرموں کا سا سلوک کر رہا تھا۔ مجھے لکڑی کے ایک بنچ پر بٹھا کر وہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ غالباً اس سلسلے میں تفتیش کی جا رہی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹے تک میں اسی بنچ پر بیٹھا رہا۔ میری حالت خراب ہوگئی تھی۔

پھر میں نے دو کانسٹیبلوں کو دیکھا جو میری جانب آ رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑا اور پولیس آفیسر کے دفتر میں لے گئے جہاں وہ ایک میز کے پیچھے بیٹھا کولڈ ڈرنک سے شغل کر رہا تھا۔ اُس نے تیکھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''قاتل..... خوفناک قاتل.....''

میں سرد نگاہوں سے پولیس آفیسر کو دیکھنے لگا۔

''ہوں! کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اب تم خود ہی اپنے بارے میں تفصیلات بتا دو۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، وہ فلیٹ ایک لڑکی کا تھا جو ایک ایران نژاد ہے۔ لڑکی کا نام کیا ہے؟''

''آئرن فیرین۔'' میں نے جواب دیا۔

''گڈ! بہت عمدہ..... تمہارا اپنا نام کیا ہے؟''

''منصور'' میں نے جواب دیا۔

''بہت اچھے..... بہت ہی اچھے..... لڑکی سے تمہارا کیا تعلق تھا؟''

''وہ میری دوست ہے۔''

''کہاں ہے وہ اس وقت؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''مطلب؟''

"مطلب یہ کہ وہ مجھے بتائے بغیر گئی ہے۔"

"یہ شخص، جسے تم نے قتل کیا، کون تھا؟ اور اس سے تمہاری دشمنی کی وجہ؟"

"میں نے اُسے قتل نہیں کیا۔ قاتل ایک اور شخص تھا جو اُس کے ساتھ آیا تھا اور لڑکی کی تلاش میں تھا۔" میرے ذہن میں دفعتہً ہی ایک نیا خیال پیدا ہوا اور میں نے فوراً ہی اس پر عمل بھی کر ڈالا۔

"ذرا وضاحت سے بتاؤ۔"

"لڑکی میری شناسا تھی جناب! یہیں استنبول میں میری اُس سے ملاقات ہوئی۔ بظاہر وہ اچھے کردار کی مالک تھی۔ لیکن درحقیقت وہ مجھ سے کچھ اور چاہتی تھی۔ میں ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ اُس نے مجھے اپنے فلیٹ پر آنے کی پیشکش کی اور چند روز قبل میں اُس کے فلیٹ پر آ گیا۔ آپ چاہیں تو فلیٹ کے آس پاس رہنے والوں سے یہ بات معلوم کر سکتے ہیں۔ لڑکی کی مصروفیات میرے لئے نا معلوم تھیں۔ بعد میں اُس نے بتایا کہ فصاحت خاطری نامی ایک شخص اُس کا دشمن ہے اور اُسے اغواء کرنا چاہتا ہے۔ اس کی وجہ اُس نے نہیں بتائی تھی۔ بہرطور! میں تو اُس کے لئے ایک دوست کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ میں اُس کے ذاتی معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتا تھا۔ اُس وقت یہ دونوں افراد فلیٹ پر آئے۔ دوسرا آدمی کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ اُن دونوں کے پاس پستول بھی موجود تھے۔ انہوں نے پستول میری طرف تان لئے اور مجھ سے لڑکی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے۔ آپ یقین کیجئے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ لیکن وہ خطرناک آدمی بگڑ گیا اور اُس نے پستول سے مجھ پر فائر کر دیا۔ میں نے صرف بچاؤ کے لئے اُس شخص کو ڈھال بنایا تھا۔ گولی اُس کے لگ گئی اور اس کے بعد اُس نے مسلسل کئی فائر کئے۔ میرا اپنا پستول آپ کے قبضے میں ہے۔ آپ جائزہ لے لیجئے! اس سے ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔"

"تمام جائزے لے لئے جائیں گے۔ ویسے تمہاری کہانی بہت شاندار ہے۔ فلیٹ سے تمہارے مختصر سامان کے ساتھ کاغذات بھی دستیاب ہو چکے ہیں۔ تم ایران سے یہاں پہنچے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"خوب..... بہت خوب..... کیا تم بھی ایرانی ہو؟"

"میں طویل عرصے سے ایران میں رہ رہا ہوں۔ لیکن درحقیقت میرا تعلق ایک ملک سے ہے۔"

"ایران میں تم کیا کرتے تھے؟"

"کچھ نہیں۔ بس! ایک سیاح کی حیثیت رکھتا ہوں۔ ایران میں ذرا قیام طویل ہو گیا تھا۔ میرے کاغذات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔"

"لیکن تمہارے کاغذات ایران سے پہلے کی بات تو نہیں کرتے۔ ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... ان کی جانچ پڑتال بھی کر لی جائے گی۔ لیکن اب اصل بات بتا دو....."

"اصل بات اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

"تمہارے کاغذات سے یا تمہارے لباس سے اس پستول کا لائسنس نہیں ملا۔ یہ پستول تمہارے پاس کہاں سے آیا؟"

"لڑکی ہی نے مجھے دیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ اُس کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مجھے بھی مسلح رہنا چاہئے۔ بس! اس کے علاوہ اور کچھ مجھے معلوم نہیں۔"

"دیکھو دوست! تم اپنے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہو۔ بہتر ہو گا کہ حقیقت اُگل دو۔ تا کہ ہم بھی اُلجھنوں سے بچ جائیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔ اگر تمہارے پاس بہتر ذرائع ہوں تو، تم معلومات حاصل کر سکتے ہو۔"

"ہوں..... ہمارے پاس بہت اچھے ذرائع ہیں۔ اب ہم اپنے ذرائع ہی استعمال کریں گے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔ اُس کے لہجے کی غراہٹ بتا رہی تھی کہ اُس کے ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟

اُس نے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور چند لمحات کے بعد مجھے لاک اَپ میں پہنچا دیا گیا۔ میں ایک گہری سانس لے کر لاک اَپ میں جا بیٹھا۔ اس سے چھٹکارہ ناممکن ہی محسوس ہو رہا تھا۔ اب مجھ پر ایک آدمی کے قتل کا مقدمہ چلے گا اور میں کوئی ثبوت بھی پیش نہیں کر سکوں گا اپنی بے گناہی کا..... نتیجہ سزائے موت..... طبیعت پر جھنجلاہٹ سی طاری ہو رہی تھی۔ یہ تو کچھ نہ ہوا۔ میں نے کیا ہی کیا تھا.....؟ لے دے کر ایک نام میرے ذہن میں رہ جاتا تھا۔ رامیس..... بدبخت رامیس..... جس نے میرا مستقبل تاریک کر دیا تھا۔ غور و فکر کی

صلاحیتیں اس پریشانی کے عالم میں ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔ ورنہ یہ ضرور سوچتا کہ راعمیس نے تو میرے خلاف کچھ نہیں کیا۔ اگر اُس کے کہنے کے مطابق سینسا واقعی رضا طاہری کی ساتھی تھی تو ہیروں کی فروخت کرنے کی کوشش بھی میرے لئے انتہائی خوفناک ثابت ہوسکتی تھی اور میں اس میں کامیاب نہ ہوتا۔ لیکن مجھے راعمیس کے نام ہی سے نفرت ہوگئی تھی۔ بس! اس نفرت کی بنیادی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ ایک ہی تصور ذہن میں رہ جاتا تھا کہ راعمیس بلاوجہ میری ذات پر مسلط ہوگیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں شاید ابھی مصر ہی میں ہوتا اور کسی نہ کسی طرح اپنے لئے کوئی راہ نکال ہی لیتا۔ اُس نے مجھے دربدر کیا تھا..... صرف اُس نے۔

میں لاک اَپ میں بیٹھا رہا۔ دو، ڈھائی گھنٹے مزید گزر گئے۔ باہر تاریکی مسلط تھی اور خاموشی چھا چکی تھی۔ دفعتہً لاک اَپ کا دروازہ کھولا گیا اور دروازہ کھولنے والے سپاہیوں نے مجھے انسپکٹر کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ میرے ساتھ نہیں آئے تھے۔ میں دروازہ کھول کر انسپکٹر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہی انسپکٹر بیٹھا ہوا تھا..... مجھے دیکھ کر مؤدب انداز میں کھڑا ہوگیا۔

''اوہ..... مسٹر فاروق بیگ..... فاروق بیگ! آپ..... براہِ کرم تشریف لائیے۔ کیسے آنا ہوا..... خیریت؟''

میں نے تعجب سے انسپکٹر کی صورت دیکھی۔ وہ بہت زیادہ خوش اخلاق نظر آنے لگا تھا۔

''مم..... میرا نام.....''

''میں جانتا ہوں۔ آپ کو، کون نہیں جانتا مسٹر فاروق بیگ؟ براہِ کرم تشریف رکھئے۔ مجھے ٹیلی فون کر دیا ہوتا۔ میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔''

پتہ نہیں انسپکٹر طنز کر رہا تھا یا مذاق اُڑا رہا تھا میرا۔ یا پھر رات کے وقت اُسے صحیح طور پر نظر نہیں آتا تھا۔ میں پریشان کھڑا اُس کی صورت دیکھتا رہا۔

''آپ تشریف تو رکھئے! فرمائیے..... مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''مم..... میں..... میں.....''

''جی ہاں..... جی ہاں..... بے جھجک کہئے۔ میرے لائق کوئی خدمت؟''

''نہیں..... شکریہ۔ بس میں باہر جانا چاہتا ہوں۔'' میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اوہ..... کمال ہے۔ تو آپ کو کس نے روکا ہے؟'' انسپکٹر نے جواب دیا۔ اور پھر جلدی سے اپنی میز کے پیچھے سے نکل آیا۔ ''آئیے! میں آپ کو باہر چھوڑ دوں۔''

کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ انسپکٹر میرے ساتھ اپنے دفتر سے باہر نکلا اور پھر وہ باہر تک ہی مجھے چھوڑنے آیا تھا۔

''آپ کی گاڑی کہاں ہے؟ کیا میں پولیس جیپ مہیا کر دوں؟''

''نن..... نہیں..... شکریہ! میں چلا جاؤں گا۔'' میں نے اپنے ہوا میں اُڑتے ہوئے ذہن کو قابو میں کر کے کہا۔

''بہت نوازش..... میرے لائق کبھی کوئی خدمت ہو تو ضرور تشریف لائیے۔'' انسپکٹر نے کہا اور میں بادلِ نخواستہ دروازے کی جانب چل پڑا۔

یہی احساس ہو رہا تھا کہ ابھی پیچھے سے چند سپاہی دوڑیں گے اور مجھے لاک اَپ سے فرار ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے گا..... عقل میں آنے والی کوئی بات بھی ہوتی..... میں جب پولیس سٹیشن سے کافی دُور نکل آیا تو مجھے احساس ہوا کہ صورتحال واقعی ایسی ہی تھی، جیسی محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اچانک ہی میں فاروق بیگ کیسے بن گیا تھا؟ انسپکٹر کو غلط فہمی ہوئی تھی یا کوئی فاروق بیگ اُس کے پاس آنے والا تھا؟ لیکن وہ میری صورت تو پہچانتا تھا۔ میں قتل کا ملزم تھا اور میرے سلسلے میں اتنی بے پرواہی نہیں برتی جا سکتی تھی۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد میں نے رفتار دفعتہً تیز کر دی اور پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ یہی خیال تھا کہ اگر انسپکٹر کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تو ابھی پولیس کی جیپیں میرے تعاقب میں دوڑ پڑیں گی۔ میں اب اُن کے نرغے میں نہیں آنا چاہتا تھا۔ آئرن فیرین کے بارے میں بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کون سے ہوٹل میں مقیم ہے؟ اور فلیٹ کا رُخ کرنے کا مطلب یہی تھا کہ میں پھانسی کے پھندے کو اپنی گردن کے گرد تنگ کر رہا ہوں۔ چنانچہ فلیٹ میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کافی دُور نکل آنے کے بعد اپنے حلیئے کا جائزہ لیا۔ ٹھیک ٹھاک لباس میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد کسی ہوٹل ہی کی تلاش کی جا سکتی تھی۔ لیکن جو کچھ ہوا تھا، وہ کسی طور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

ہر چند کہ رات کا وقت تھا۔ لیکن ہوٹلوں کی ڈے اینڈ نائٹ سروس جاری تھی۔ چنانچہ ایک درمیانے درجے کے ہوٹل میں مجھے دوسری منزل پر ایک کمرہ حاصل ہوگیا۔ دِل و

دماغ کا خدا حافظ تھا۔ ابھی تک میں اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ انسپکٹر نے میرے ساتھ یہ دلچسپ مذاق کیوں کیا ہے؟ اپنے ہوٹل کے اس کمرے کا بخوبی جائزہ لینے کے بعد میں تھکے تھکے انداز میں ایک آرام دہ کرسی پر دراز ہو گیا۔ دِل کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ایک خواب کی حیثیت نہیں رکھتا۔ میں جاگ رہا ہوں اور جاگتے ہی میں مجھے لاک اَپ سے چھٹکارہ نصیب ہوا ہے۔ بہرطور! بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں حالانکہ بھوکا تھا۔ پیٹ کی کیفیت بھی بہتر نہیں تھی۔ لیکن خوف کے مارے اس وقت اپنے لئے کوئی شے بھی طلب نہ کر سکا اور پیٹ پر ہاتھ رکھ کر مسہری پر جا لیٹا۔ میں نے دونوں ہاتھ اپنے گھومتے ہوئے سر کے نیچے رکھ لئے تھے۔ اس عالم میں نہ جانے کتنی دیر لیٹا رہا۔ پھر کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ سمجھ میں آنے والی کوئی بات ہی نہیں تھی، جس پر غور کیا جاتا۔ جو کچھ ہوا تھا، وہ ایک عجیب تماشہ تھا۔ نہ جانے نیند کی دیوی کب مجھ پر مہربان ہو گئی اور اُس نے مجھے صبح تک کے لئے تمام فکروں سے نجات دلا دی۔

سورج کی بے رحم کرنوں نے ایک روشندان کے ذریعے داخل ہو کر سیدھا آنکھوں کو نشانہ بنایا اور آنکھیں اُس کی تیز چبھن محسوس کر کے کھل گئیں۔ میں نے فوراً ہی اپنی جگہ تبدیل کر لی تھی۔ دیوار پر لگی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے دس بج رہے تھے۔ سورج بھی کہاں تک انتظار کرتا؟

اُٹھا۔ اطراف کے ماحول کو دیکھا اور رات کے واقعات یاد آ گئے..... میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بند دروازے کی طرف دیکھا تھا۔ بس! یہی خدشہ تھا کہ ابھی پولیس پہنچنے والی ہو گی..... خدارا! میں کس عذاب میں گرفتار ہو گیا؟ آئرن فیرین کو تلاش کرنے کی کوشش کروں تو کس طرح......؟ اُس کمبخت کو تو مجھے ٹیلی فون پر اطلاع کر دینی چاہئے کہ وہ کس ہوٹل میں قیام پذیر؟

بہرطور! آرام دہ کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور پھر ڈرتے ڈرتے روم سروس کا بٹن دبا دیا۔ کے آنے پر میں نے ناشتہ طلب کر لیا تھا۔ لیکن جب تک ویٹر کمرے میں رہا میں اُس کی صورت ہی دیکھتا رہا کہ کہیں وہ مشکوک نگاہوں سے مجھے گھورنا شروع نہ کر دے۔ ممکن ہے کہ صبح کے اخبار میں میری تصویر چھپی ہو..... ایک مفرور قاتل کی حیثیت سے.....

جوں جوں وقت گزرتا گیا، میرے خدشات کم ہوتے گئے۔ کسی نے مجھے ایک مفرور قاتل کی حیثیت سے نہیں پہچانا تھا۔ لیکن اس کے باوجود حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ میں ہوٹل میں اپنے کمرے تک محدود رہوں۔ پولیس انسپکٹر کو نہ جانے کیا غلط فہمی ہو گئی تھی، جس کی بنیاد پر اُس نے مجھے فاروق بیگ کہہ کر پکارا تھا اور نکل آنے کا موقع دے دیا تھا۔ لیکن بہت جلد ہی اُسے اپنی غلط فہمی کا احساس ہو گیا ہو گا اور اُس کے بعد جو کچھ ہو جائے، کم ہے۔

تمام دن میں نے ہوٹل کے کمرے ہی میں گزارا تھا اور مجھ پر پریشان کن خیالات کا غلبہ تھا۔ آئرن فیرین سے رابطہ قائم کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ پتہ نہیں، کون سے ہوٹل میں مقیم تھی۔ ویسے میں نے جو بیان پولیس انسپکٹر کو دیا تھا، اُس میں بحالت مجبوری آئرن فیرین اور فصاحت خاطری کی کہانی سنا دی تھی۔ ممکن ہے، اُس کہانی سے آئرن فیرین کو کوئی نقصان پہنچے۔ لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا؟ میں تو خود ایک پریشان حال انسان تھا۔

رات کو بھی ہلکا پھلکا سا کھانا کھایا اور بستر پر لیٹ گیا۔ ذہن پر عجیب سا بحران سوار تھا۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ استنبول میں رہنا اب میرے لئے انتہائی تشویش ناک تھا۔ کیونکہ رضا طاہری کے علاوہ پولیس بھی میرے چکر میں پڑ گئی تھی اور بہرطور! مجھے پولیس کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس بار اگر اُن لوگوں کے ہاتھ لگ گیا تو پچھلی کسر بھی پوری کر لی جائے گی۔

نیند صحیح طور پر نہیں آئی۔ آنکھ جھپکتی اور پھر دہشت سے چونک پڑتا۔ یوں محسوس ہوتا جیسے کسی نے دروازے پر دستک دی ہے..... لیکن اس بار یہ آواز دستک کی حیثیت سے نہیں سنائی دی تھی۔ بلکہ یہ چاپ تو میری مسہری کے بالکل سرہانے اُبھری تھی اور اتنی نمایاں تھی کہ میں اسے وہم قرار نہیں دے سکتا تھا۔ میں دہشت سے اُچھل کر بیٹھ گیا۔ نگاہیں دروازے کی جانب اُٹھ گئی تھیں لیکن دروازہ بدستور اندر سے بند تھا..... کمرے میں نیلے بلب کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ پھر یہ آواز کیسی ہے.....؟ مجھے اپنے سرہانے ایک سایہ سا محسوس ہوا اور میں خوفزدہ انداز میں پلٹ پڑا۔ لیکن مسہری کے سرہانے کوئی موجود نہیں تھا۔

ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی تپائی، مسہری کے بالکل قریب موجود تھی اور اس تپائی پر مجھے

کوئی شے ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جب کہ اس سے پہلے یہ تپائی خالی تھی۔ ہلنے والی چیز شاید کوئی کاغذ تھا..... میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ پنکھے کی ہوا سے کاغذ ہل رہا تھا۔ لیکن یہ کاغذ تو اس سے پہلے یہاں موجود نہیں تھا۔ میں اُٹھا اور تیز روشنی جلا دی۔ پھر میں اُس کاغذ کی طرف دیکھنے لگا۔ مگر..... وہ ایک کاغذ نہیں تھا۔ بلکہ ایک بڑا سا پیکٹ رکھا ہوا تھا اور اُس کے اوپر وہ کاغذ ایک چھوٹے سے پیپر ویٹ کے نیچے دبا ہوا تھا۔

میری یادداشت یا نگاہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ یقیناً میں نے پہلے یہ کاغذ نہیں دیکھا تھا۔ میں اُس کے نزدیک پہنچا اور کاغذ اُٹھا لیا..... دوسرے لمحے میرا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا۔ ایسی ہی ایک تحریر، ایسے ہی کاغذ پر میں نے پہلے بھی پڑھی تھی۔ اور یہ راعمیس کی طرف سے تھی۔ میری آنکھوں میں پتھروں کی سی سختی پیدا ہوگئی۔

''راعمیس.....'' میں نے گہری سانس لے کر سوچا۔ بہرطور! یہ تحریر پڑھنی تو چاہئے۔ میں نے کاغذ کی تہہ کھولی اور تحریر پڑھنے لگا.....

''ضدی انسان! پھر پھنس گئے نا مصیبت میں.....! تمہاری ضد یقیناً تمہارے لئے موت بن جائے اگر میں دن رات تمہاری نگرانی نہ کرتا رہوں۔ سنو! استنبول میں بھی تم نے ایران کی طرح اپنے دشمنوں کی تعداد میں کافی اضافہ کرلیا ہے۔ اس میں تمہارا کچھ قصور ہے یا نہیں۔ یہ تم بہتر جانتے ہو۔ لیکن بہت جلد پولیس تمہاری راہ پر لگنے والی ہے۔ جس ترک کو تم نے قتل کیا ہے، وہ رضا طاہری کے ساتھ یقیناً تھا۔ لیکن اُس کا تعلق جس بڑے آدمی سے ہے، وہ بڑا آدمی کم از کم تمہیں استنبول میں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ پولیس اگر تمہیں نہ بھی گرفتار کر پائی تو وہ شخص اپنے آدمیوں کے ذریعے ضرور تمہیں تلاش کر لے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ تمہاری کھوج میں نکل پڑے، بہتر یہ ہے کہ استنبول سے نکل جاؤ۔ میں اس سے زیادہ تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ پولیس انسپکٹر کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر میں نے تمہیں منصور کی بجائے فاروق بیگ بنا دیا۔ پولیس انسپکٹر کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں ہے کہ جو شخص لاک اَپ سے نکل کر اُس کے پاس پہنچا تھا، وہ منصور تھا۔ ایک قاتل..... میں نے وقتی طور پر تمہاری یہ مدد کی ہے کہ اس پیکٹ میں بلغارین کرنسی، تمہارے لئے کاغذات، جو تمہیں سرحد عبور کرنے میں مدد دیں گے، موجود

ہیں۔ یہاں سے فوراً بلغاریہ نکل جاؤ۔ اورینٹ ایکسپریس نامی ٹرین سے سفر تمہارے لئے موزوں رہے گا۔ جبکہ دوسرے ذرائع خطرناک ہوں گے۔ باقی سب کچھ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ میں تو پھانسی کے پھندے پر بھی تمہاری گردن بچانے کی کوشش کروں گا۔ کیونکہ تمہارے وجود میں مجھے کوئی اور نظر آتا ہے۔ جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق ہے تو میں تم جیسے دغاباز شخص کو خود بھی اپنا دوست نہیں کہہ سکتا۔ لیکن تمہاری صورت..... کاش! وہ راعمساس سے ملتی نہ ہوتی......

(تمہارا راعمیس)

تحریر ہمیشہ کی مانند غصہ دلانے والی تھی۔ میں اُس پر غور کرتا رہا۔ لیکن رفتہ رفتہ عقل نے ساتھ دیا اور میرے جنون کی شدت ختم ہوگئی۔ حالات نے جس طرح مجھے اس ہوٹل میں قیدی بنا دیا تھا، اُس سے نکلنے کا کوئی راستہ اب تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ میں کتنی دیر اس ہوٹل میں وقت گزار سکتا تھا؟ جس شخص کا حوالہ راعمیس نے دیا تھا، وہ نہ جانے کون ہے؟ راعمیس کی باتیں عموماً سچ نکلتی تھیں۔ چنانچہ یہ سوچنا کہ اُس نے مجھے کوئی دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے، حماقت کی بات تھی۔ بھلا اُسے کیا پڑی ہے کہ مجھے دھوکہ دے۔ چنانچہ اب مدد کس نے کی ہے؟ یہ بھول جانا چاہئے اور یہاں سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

میں نے بے صبری کے انداز میں میز پر رکھا ہوا پیکٹ پھاڑ دیا۔ اندر نیا پاسپورٹ اور کچھ دیگر کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ ایسی ہی ایک اُلجھن میں پہلے بھی راعمیس نے میری اُس وقت مدد کی تھی، جب میں بے دست و پا ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس مدد سے فائدہ نہ اُٹھانا حماقت تھی۔ دل کے کسی گوشے میں راعمیس کے لئے ممنونیت کے جذبات اُبھرے۔ لیکن فوراً ہی اُس پر پچھلے تجربات غالب آ گئے۔ میں اس بدروح کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہ سکتا تھا۔ میں نے اُس سے مدد کی درخواست تو نہیں کی ہے۔ اگر وہ خود ہی میری جان کو آ گیا ہے تو کیا کر سکتا ہوں؟ جو فائدہ پہنچ رہا ہے، اُسے حاصل کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بعد میں کبھی موقع ملا تو اُس کا شکریہ ادا کر دوں گا۔

آئرن فیرین کا خیال بھی آیا تھا۔ وہ لڑکی خلوص دل سے میری دوست بنی تھی اور اُس نے مجھ پر بہت بھروسہ کیا تھا۔ لیکن میں کیا کرتا؟ میری تو تقدیر ہی کسی عجیب سی چیز سے لکھی

گئی تھی۔ کہیں بھی ٹک نہیں پاتا تھا۔ بس! ایک کے بعد ایک چکر چل جاتا تھا اور میں خود اپنے بس میں نہیں رہتا تھا۔ آئرن فیرین کو لازمی طور پر چھوڑنا پڑے گا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ یہاں استنبول میں بھی میرے دشمنوں کا اچھا خاصا مجمع لگ گیا تھا اور اب اس بات کے خطرات پیدا ہو گئے تھے کہ کسی بھی لمحے میں کسی بڑی مصیبت کا شکار ہو جاؤں۔ راعمیس کا مشورہ ان حالات میں بالکل درست تھا۔ تمام لوگوں کو بھولنا پڑے گا۔

پھر ان تمام باتوں کو ذہن سے جھٹک کر میں اپنے سفر کے بارے میں سوچنے لگا۔ اور آخری فیصلہ یہی کیا کہ مجھے فوری طور پر استنبول سے نکل جانا چاہئے۔ بعد کا تمام تر وقت اس سلسلے میں تیاریوں اور اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھنے میں گزارا تھا۔ سینا کئی بار یاد آئی تھی۔ اگر ایک بار مجھے اور مل جائے تو اُس سے سارے حساب کتاب چکا لوں..... میں اپنی تمام تر تیاریاں مکمل کرنے کے بعد بالآخر سٹیشن پہنچ گیا۔

''اورئینٹ ایکسپریس کے بارے میں، میں نے معلومات حاصل کر لی تھیں۔ بہت ہی تاریخی قسم کی ٹرین تھی، جو صوفیا، بلغراد، وینس، میلان، نوران، لندن اور پھر پیرس جاتی تھی۔ پلیٹ فارم پر زیادہ رش نہیں تھا۔ انجن کی پشت پر لگے ہوئے ڈبے پیرس کے لئے تھے۔ کسٹم والوں نے ویزے اور پاسپورٹ پر مہریں لگائیں اور چیکنگ بھی خاص طور سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ میں نے کسی بھی مصیبت سے بچنے کے لئے اپنے پاس ایسا کوئی سامان نہیں رکھا ہوا تھا جو قابل اعتراض ہو۔

میں چند مسافروں کے ساتھ اورئینٹ ایکسپریس کی ایک بوگی میں داخل ہو گیا۔ گاڑی میں بین الاقوامی معیار کی سہولتیں میسر تھیں۔ ڈبے نہایت صاف ستھرے اور آرام دہ نشستیں تھیں۔ شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیاں اور اُن کے اوپر خوبصورت پردے۔ روشنی گل کیجئے تو ایک ننھی منی بیڈ لائٹ خود بخود جل جاتی تھی۔ اور پھر جگمگاتے ہوئے سفید غسل خانے..... آرام ہی آرام تھا۔ میں نے اپنے لئے اپنی پسند سے پہلی بار ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی، جس کی کہانیاں میں نے کبھی خوابوں میں دیکھی تھیں۔ وینس..... پانی کا شہر..... جب بھی اُس کے قصے سنتا تو یوں محسوس ہوتا، جیسے میں آسمانوں کی کہانیاں پڑھ رہا ہوں۔ زمین پر ایسی کسی جگہ کا تصور کہاں ہے؟

میں نے دل میں فیصلہ کیا تھا اور نقشہ دیکھ کر ایک پروگرام ترتیب دیا تھا کہ پہلے میں

وینس میں کچھ عرصے قیام کروں گا اور اُس کے بعد زمین کی جنت سوئٹزرلینڈ کا رُخ کروں گا..... کاش! مجھے اس کے مواقع مہیا ہو جائیں۔

تقریباً ساڑھے سات بجے تھے اُس وقت جب اورئینٹ ایکسپریس خاموشی سے رینگنے لگی۔ سٹیشن سے نکلتے ہی شہر کی روشنیاں اور باسفورس کا سمندر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ میں الوداعی نگاہوں سے ان تمام چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت تاریخ کا ایک عظیم شہر چھوڑ رہا تھا۔ بہت کچھ دل چاہتا تھا، وہاں رہ کر دیکھنے کے لئے۔ لیکن میرے تجربات اچھے نہیں تھے۔ تہران میں بھی ایسا ہی سب کچھ ہوا تھا..... مصر میں بھی یہی ہوا تھا۔ اور اگر تقدیر اسی طرح چکر دیتی رہی تو شاید دنیا کے کسی بھی حصے میں اپنی پسند اور اپنی مرضی کے مطابق نہ رہ سکوں۔ اس سے تو خالہ شہادت کا گھر ہی اچھا تھا، جہاں ممتا بھری چند گالیوں اور دُعاؤں سے پرکوسنوں کے عوض ناشتہ، کھانا اور سر چھپانے کا ٹھکانا تو میسر تھا۔ انسان کی خواہشات کتنی عجیب ہوتی ہیں..... بڑی بڑی آرزوئیں ہوتی ہیں اُس کے دل میں۔ کبھی یہ پوری ہو جاتی ہیں لیکن اس طرح کہ گردن رسی کے پھندے میں جکڑی ہے اور یہ پھندہ اُسے جگہ جگہ گھمائے پھر رہا ہو۔ آرزوؤں کی تکمیل تو ہو ہی جاتی ہے۔ آنکھیں وہ سب کچھ دیکھ ہی تو لیتی ہیں، جن کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ بس! ذرا گردن میں تکلیف رہتی ہے اور یہ گردن کی تکلیف مسلسل مجھے گھیرے ہوئے تھی۔ کہیں بھی اس سے گلوخلاصی نہیں ہو سکی تھی۔

گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی۔ اُس نے ایک لمبا موڑ کاٹا اور شہر کی آخری روشنیاں بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ ڈبے میں بیٹھے ہوئے چند مسافر اپنی اپنی مصروفیات میں مگن تھے اور کسی کی توجہ کسی کی جانب نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ترک کسٹم آفیسر آیا اور پاسپورٹ چیک کر کے اُس پر مہر لگا کر چلا گیا۔ اورئینٹ ایکسپریس کا رُخ اب بلغاریہ کی جانب تھا۔ میں نے آرام دہ سیٹ کا ہُک کھولا اور وہ پیچھے چلی گئی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

ایک بار پھر ایک شخص اندر آیا۔ یہ بھی بلغاریہ کا کسٹم آفیسر تھا۔ اُس نے بھی پاسپورٹ طلب کیا اور مہر لگا کر چلا گیا۔ شیشوں سے باہر بلغاریہ کے وسیع میدانوں میں چاندنی سفر کر رہی تھی اور ذہن پر عجیب سا سحر طاری ہو رہا تھا۔ یہی سحر نیند میں تبدیل ہو گیا.....

دوسری صبح آنکھ کھلی تو ٹرین کا تمام عملہ بلغارین ہو چکا تھا۔ شیشوں سے باہر مطلع ابر آلود

تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہرے بھرے کھیت مزید سبز ہو گئے تھے۔ گاڑی ایک قصباتی سٹیشن پر رُکی تو چند بھاری بھرکم دیہاتی عورتیں سبزیوں کی ٹوکریاں اُٹھائے بے تکلفی سے ڈبے کے اندر چلی آئیں۔ اُنہوں نے اطمینان سے ڈبے میں ڈیرہ جما لیا تھا۔ صوفیا تک اُن کے ساتھ سفر جاری رہا۔ میں ابھی تک ٹرین کے مسافروں سے لاعلم تھا۔ غالباً وہ لوگ ایک دوسرے سے تعارف پسند نہیں کرتے تھے۔ صوفیا کے سادہ مگر صاف ستھرے سٹیشن پر اورئینٹ ایکسپریس تقریباً ایک گھنٹہ کھڑی رہی۔

یہاں ہمیں نیچے اُترنا پڑا اور عملے نے صفائی کر کے ڈبے کو پہلے کی مانند صاف ستھرا بنا دیا۔ اُس کے بعد ٹرین آگے بڑھ گئی تھی۔ سفر کافی طویل تھا اور مسافروں سے کوئی شناسائی بھی نہیں تھی۔ لیکن یہ تنہائی مجھے بے حد پر سکون لگ رہی تھی۔ کم از کم اُس وقت تک کے لئے جب تک کوئی اُلجھن نہ کھڑی ہو جائے۔

ٹرین یوگوسلاویہ میں داخل ہوئی..... اور تا حد نگاہ ہریالی اور پھل دار درختوں اور پھولوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ پھر رات کے نو بجے یوگوسلاویہ کا دارالخلافہ ''بیوگراڈ'' آیا۔ شہر کی روشنیوں کے درمیان ایک بل کھاتا ہوا دریا دکھائی دیا۔ یہ مشہورِ زمانہ ''ڈینیوب'' تھا۔ گاڑی بالآخر وہاں سے بھی چل پڑی اور سفر کی دوسری رات بھی گزر گئی۔

صبح کو علم ہوا کہ سیزانا کے راستے میں اطالیہ میں داخل ہو چکا ہوں۔ گاڑی کسی سٹیشن پر رُکنے والی تھی۔ میں نے شیشوں سے باہر جھانکا۔ خوشگوار دھوپ چمک رہی تھی۔ اطالوی کسٹم آفیسر پاسپورٹ چیک کرتے پھر رہے تھے۔ وہ مسافروں سے الکوحل وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے۔ اورئینٹ ایکسپریس کا یہ سفر بلاشبہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اب میں وینس پہنچ چکا تھا۔

بالآخر یہ طویل ترین سفر ختم ہوا اور وینس کے سٹیشن پر اُتر گیا۔ اطالوی نوجوان، دنیا کے دوسرے نوجوانوں کی مانند اتراتے پھر رہے تھے۔ یہاں مجھے اپنے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرنی تھی۔ سٹیشن پر قدم رکھتے ہوئے دل سے ایک ہی دُعا نکلی تھی کہ کم از کم میں یہاں سکون سے کچھ وقت گزار سکوں۔ ایک بار پھر ذہن میں راعمیس کا خیال آیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔ یہ شخص ہر جگہ بلا ٹکٹ اور بلا ذریعہ سفر کرتا ہے۔ زندگی تو اُس کی بھی بری نہیں ہے؟ لیکن زندگی.....! مجھے خود بخود ہنسی آ گئی اور میرے نزدیک سے گزرتی ہوئی ایک اطالوی

لڑکی منہ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ غالباً کسی سے مخاطب ہوئے بغیر اس طرح ہنس پڑنا اُس کے لئے تعجب خیز تھا۔ پھر وہ خوف زدہ ہو کر چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ پاگلوں کا تصور دنیا کے ہر حصے میں ہوتا ہے اور اُس کی آنکھوں کی کیفیت یہی بتاتی تھی کہ وہ مجھے پاگل سمجھ کر خوف زدہ ہو گئی ہے۔ درحقیقت میرے پاگل ہونے میں بس اب تھوڑی ہی کسر تھی۔ اصولاً مجھے پاگل ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے بعد بقیہ زندگی کسی پاگل خانے ہی میں بسر ہوتی اور پاگلوں سے مجھے بھی اس لڑکی ہی کی مانند خوف محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے لئے کسی مناسب جگہ کی تلاش کا فیصلہ کیا۔ کرنسی احتیاط سے چھپا کر رکھی ہوئی تھی۔ کچھ کرنسی ظاہر کر دی تھی۔ ظاہر ہے، ساری رقم بتا دینا خطرناک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اُسے محفوظ کر لیا تھا۔

سٹیشن ہی سے کچھ فاصلے پر ایک خوبصورت بک سٹال سے میں نے وینس کا ایک نقشہ خریدا اور پھر ایک گوشے میں کھڑے ہو کر اُسے بغور دیکھنے لگا تا کہ وہاں کے ہوٹلوں وغیرہ کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں اور میں اپنے لئے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کر لوں کہ اگر راعمیس کی نظرِ عنایت کافی عرصے تک نہ بھی ہو تو اپنا کام چلا سکوں۔

نقشے میں یوں تو بہت سے ہوٹلوں اور جگہوں کے نام تھے۔ لیکن ان کی حیثیت کا اندازہ ذرا مشکل ہی تھا۔ تب میں نے سوچا کہ یہاں سے باہر تو نکلا جائے۔ اُس کے بعد دیکھوں گا کہ کیا صورت حال ہو گی۔ عمارت سے باہر نکلا تو پانی میں گرتے گرتے بچا..... تارکول کی سڑک کے بجائے سامنے وینس کی سب سے بڑی نہر گرینڈ کینال رواں تھی۔ بسوں اور ٹیکسوں کی بجائے سٹیمر اور نازک گنڈولے پانی میں جھول رہے تھے۔ ایک سٹیمر مسافروں سے بھر جاتا تو بھونپو بجا کر گرینڈ کینال کے پانی میں تیرنے لگتا اور اُس کی جگہ دوسرا اسٹیمر لے لیتا۔

میں نے بھی ٹکٹ گھر سے ایک ٹکٹ خریدا اور ایک سٹیمر پر سوار ہو گیا۔ سٹیمر کے عرشے پر بے شمار سیاح نظر آ رہے تھے۔ بعض تصاویر بھی بنا رہے تھے۔ بعض خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ گرینڈ کینال کے دونوں طرف محلات اور خوبصورت مکانات سجے ہوئے تھے۔ میں بھی سیاحوں کی اُس بھیڑ میں شامل ہو کر ہنس کی چال چلنے لگا۔ ہرچند کہ میرے پاس نہ تو کیمرہ تھا اور نہ سیاحوں کے سے لوازمات..... لیکن میں اپنی آنکھوں کے ذریعے وینس کے

حسین مناظر کی تصاویر ذہن میں محفوظ کرتا جا رہا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس سفر کے اختتام کے بعد اپنے لئے کسی مناسب جگہ کا بندوبست کروں گا۔ فی الحال تو وینس کے خوبصورت مناظر نے مجھے اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔

نگاہیں گھومتے گھومتے عرشے کے مسافروں میں سے دو افراد کی جانب اُٹھ گئیں..... اور نہ جانے کیوں ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ دونوں صورتیں میرے لئے اجنبی تھیں لیکن ایک چیز نے ذہن کو شدید جھٹکا پہنچایا تھا۔ جس وقت میں استنبول سے اورینٹ ایکسپریس میں سوار ہو رہا تھا تو میں نے اپنے آپ سے کچھ فاصلے پر انہی دونوں افراد کو دیکھا تھا۔ یاد اس لئے رہ گئے تھے کہ اُن میں سے ایک کی صورت بہت عجیب تھی۔ اُس کے ناک کی اگلی نوک بالکل طوطے کی چونچ کی مانند نیچے کو مڑی ہوئی تھی اور مڑنے کے بعد ختم ہو جاتی تھی۔ ایسی ناک میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی اور استنبول کے سٹیشن پر میں چند لمحات اُسے دیکھتا رہا۔ لیکن ظاہر ہے کسی کی ناک میرے لئے کوئی عظیم خطرہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس مڑی ہوئی ناک والے کے دوسرے ساتھی کو بھی میں نے وہیں سٹیشن پر اُس کے ساتھ دیکھا تھا۔ لیکن اس کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے بھی میرے ساتھ ساتھ اورینٹ ایکسپریس سے سفر کیا تھا۔ اب یہاں عرشے پر ان دونوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ خاص بات یہ تھی کہ وہ بھی میری ہی جانب متوجہ تھے اور اس وقت شاید میری طرف ہی دیکھ کر میرے بارے میں کچھ گفتگو کر رہے تھے۔ کیوں.....؟ آخر کیوں.....؟ وینس کے تمام حسین مناظر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ ایک عجیب سے احساس نے دل میں گھر کر لیا۔ کیا وینس میں بھی میں محفوظ نہیں ہوں؟ کیا مجھ سے پہلے میری بدبختی یہاں پہنچ گئی ہے؟ پھر خود ہی ذہن کو جھٹک دیا۔ حالات نے اس طرح پریشان کر دیا ہے کہ میں خواہ مخواہ وہم کا شکار ہو رہا ہوں۔ ممکن ہے ان دونوں کا بھی وینس ہی آنا ہو اور یہ صرف اتفاق ہو کہ وہ میرے ساتھ ہی سفر کرتے ہوئے اس شہر تک پہنچے ہوں۔ پریشان ہونے سے کیا فائدہ؟ بہتر یہ ہے کہ اپنے کام سے کام رکھا جائے اور اگر کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آ ہی جائے تو پھر اُسے تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا جائے۔

لیکن اپنے آپ کو لاکھ سمجھانے کے باوجود دل کے وہ چراغ بجھ گئے تھے، جو وینس میں

داخل ہوتے ہوئے اس احساس کے ساتھ جلے تھے کہ یہاں میری زندگی کسی حد تک پُرسکون ہو گی اور مجھے کچھ آسانیاں فراہم ہو جائیں گی۔

بہرطور! میں دوسرے لوگوں کے ساتھ سٹیمر سے نیچے اُتر آیا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بہت کچھ تھا یہاں..... لیکن مجھ سے کوئی سو گز کے فاصلے پر وہ دونوں کمینے انسان بھی موجود تھے۔ میں اب اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اُن دونوں نے کسی اور سمت کا رُخ نہیں کیا تھا بلکہ مسلسل میرا تعاقب کر رہے تھے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر مجھے ایک بس نظر آئی تو میں اُس کی جانب بڑھ گیا۔ کوئی ایسا خاص سامان نہیں تھا میرے پاس جس کی وجہ سے مجھے بس میں سفر کرتے ہوئے دقت ہوتی۔ بس آگے بڑھ گئی۔ اب مجھے اُن لوگوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ انہوں نے اس بس کا تعاقب کرنے کے لئے کیا بندوبست کیا ہو گا؟ پیچھے بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا کیونکہ بس میں مسافروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔ مجھے وینس کی سڑکوں اور عمارتوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہیں تھیں۔ لیکن میں ایک جگہ منتخب کر کے نیچے اُترا تو وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ علاقہ فلازہ ڈیل چوک کہلاتا ہے۔ جہاں ہر سال وینس کا مشہور فلمی میلہ لگتا ہے۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ابھی تک ذہن اُسی احساس کا شکار تھا۔ چلتے ہوئے میں اپنے اطراف میں نگاہیں دوڑا رہا تھا۔ پھر تھوڑے فاصلے پر گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی روک کر اُس میں جا بیٹھا اور میں نے ٹیکسی ڈرائیور سے انگریزی زبان میں کسی درمیانے درجے کے ہوٹل میں چلنے کے لئے کہا۔ ٹیکسی ڈرائیور چھریرے بدن کا عجیب سی شکل وصورت کا آدمی تھا۔ بہرحال! اُس نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ میں نے عقب نما آئینے سے دیکھا تو سرخ رنگ کی ایک لمبی کار نظر آئی اور یہ بھی اتفاق تھا کہ ونڈ سکرین کے پیچھے میں نے اُس طوطے جیسی ناک والے کو بھی دیکھ لیا۔ میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ اُن لوگوں نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔

ٹیکسی ڈرائیور نے تین چار موڑ کاٹے۔ لیکن کار سائے کی طرح پیچھے لگی رہی۔ اب میرے حواس جواب دینے لگے۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ میرے دشمن میری وینس تک آمد کے سلسلے میں لاعلم نہیں ہیں۔ دل کا خون ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں جس مصیبت سے چھٹکارہ پا کر یہاں تک پہنچا تھا، وہ مسلسل پیچھے لگی ہوئی تھی۔ یکایک ذہن میں ایک

عجیب سی گرمی پیدا ہوگئی۔ دماغ بری طرح گھوم گیا..... کیا سمجھ رکھا ہے اُن لوگوں نے مجھے؟ اگر وہ مجھے جرم کے راستے پر لانا ہی چاہتے ہیں تو پھر یہی سہی۔ مجھے بھی اُن سے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو مستعد کرنا پڑے گا۔ اس دنیا سے جتنا ڈروں گا، یہ دنیا اتنا ہی پیستی رہے گی۔ بہتر یہی ہے کہ تھپڑ کا جواب گھونسے سے دیا جائے یا اینٹ کا جواب پتھر سے..... اگر گولیوں کی زبان میں بات ہوئی تو پھر یہ بھی زبان سیکھ لوں گا..... خوف میرے دل سے دفعتہ نکل گیا تھا۔ اب میں اس دنیا سے ڈر کر جینا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے بہتر تھا کہ خودکشی کر لی جائے۔ چنانچہ میں نے ڈرائیور سے کہا۔ ''سنو! کوئی بدمعاش میرا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ پیچھے آنے والی گاڑی کو دیکھ رہے ہو نا تم؟''

''جی صاحب!'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

''میں تمہیں بل کی رقم کے علاوہ مزید رقم انعام میں دوں گا۔ لہٰذا اب تم گاڑی ایسے چلاؤ کہ اس کار کا تعاقب ختم ہو جائے۔''

ڈرائیور رچرڈ سمجھ گیا اور دوسرے لمحے اُس نے اپنی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ پھر اچانک اُس نے ایک دم ٹرن لیا۔ اُس کی اس حرکت سے ٹیکسی اُلٹتے اُلٹتے بچ گئی تھی۔ متعاقب کار کے پہیوں کی تیز چرچراہٹ سنائی دی اور پھر وہ بھی اسی سمت گھوم گئی..... اور پھر دونوں کاروں میں ریس ہونے لگی۔ میں نے پیچھے گھوم کر دیکھا..... طوطے کی چونچ جیسی ناک والا شخص، ڈرائیور کے برابر بیٹھا ہوا تھا اور غالباً اُس کے پیچھے وہ دوسرا ساتھی بھی تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں اُن کے آدمی موجود تھے۔ ورنہ اس کار کا فوری حصول اُن کے لئے ممکن نہیں تھا۔

کئی تنگ اور کشادہ سڑکوں پر مڑنے کے بعد بھی سرخ کار سے میرا پیچھا نہیں چھوٹا۔ ٹیکسی ڈرائیور کی گردن پسینے سے تر ہو رہی تھی۔ ایک موڑ پر تیز رفتاری سے گھومتے ہوئے ہماری کار بے قابو ہو کر فٹ پاتھ پر چڑھ گئی لیکن ڈرائیور نے اُسے سنبھال لیا اور پھر اُسے سیدھا کر کے آگے بڑھا دیا۔ میں نے ڈرائیور کو ہدایت کی کہ اگلے موڑ پر کار کی رفتار کم کر کے مجھے اُتار دے..... لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔ کیونکہ تعاقب میں آنے والی کار سر پر پہنچ چکی تھی۔ دونوں کاریں مختلف سڑکوں پر تیز رفتاری سے دوڑتی پھر رہی تھیں اور میں نہ جانے کہاں سے کہاں نکل آیا تھا؟ پھر ہم ایک تنگ سی سڑک پر پہنچ گئے۔ اس تنگ سی سڑک

پر دونوں طرف مکانات اور چھوٹی چھوٹی دُکانیں بنی ہوئی تھیں۔ کار کا فاصلہ کچھ اور کم ہو گیا۔ ڈرائیور رفتار پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔ کیونکہ جگہ بہت تنگ تھی۔ دفعتہ اُس نے گاڑی ایک چھوٹی سی نہر کے پل کی طرف گھما دی۔ جو شاید صرف پیدل آمد و رفت کے لئے تھا اور یہ اس ڈرائیور کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ کار پل کے درمیان پہنچ رہی تھی کہ سرخ کار بھی سر پر پہنچ گئی اور پہلو میں آ کر اُس نے زور سے ٹیکسی کو ٹکر ماری..... ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا اور دوسرے ہی لمحے ٹیکسی ریلنگ توڑتی ہوئی نہر میں جا گری..... چھپاک کی آواز بلند ہوئی۔ لیکن خوش قسمتی سے کھڑکیوں کے شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ ٹیکسی نہر میں بیٹھتی چلی گئی۔ فوراً ہی اُس میں پانی نہیں بھرا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے اپنا سوٹ کیس ایک ہاتھ میں سنبھالا۔ باہر دیکھا اور پھر پوری قوت سے دروازہ کھول دیا۔ پانی کا ریلا اندر گھس آیا اور اُس نے مجھے واپس سیٹ پر دھکیل دیا۔ دوسری طرف ڈرائیور بھی شاید دروازہ کھول چکا تھا۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھا اور ٹیکسی کی اندرونی سیٹ سے باہر نکل آیا۔ پھر میں نے اُوپر کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ نہر بہت گہری نہیں تھی۔ دوسرے لمحے میرا سر پانی کی سطح سے اوپر تھا۔ سامان کا حشر جو بھی ہوا ہو، وہ الگ بات تھی۔ لیکن بہرطور میں اُسے بچا کر کنارے تک پہنچ گیا۔ چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے تھے اور پل کے کناروں پر کھڑے ہو کر چیخ رہے تھے۔ کسی کمبخت نے فوراً ہی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کنارے کی اینٹوں کا سہارا لے کر اُوپر چڑھتے ہوئے میں نے ہجوم پر نگاہ ڈالی۔ لیکن ان میں وہ طوطے کی چونچ والا آدمی موجود نہیں تھا۔

اُسی وقت پولیس سائرن کی آواز سنائی دی اور میں برق رفتاری سے ایک تنگ سی گلی کی طرف دوڑنے لگا۔ یہاں رُکنے کا مطلب یہ ہوتا کہ وینس میں داخل ہوتے ہی پولیس کے چکر میں پھنس جاؤں۔ خوش قسمتی یہ تھی کہ لوگ میری طرف متوجہ ہونے کی بجائے پولیس والوں کو نہر میں گری ہوئی ٹیکسی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ میرے کپڑوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس تنگ اور سنسان گلی میں چلتے ہوئے میری نگاہیں کسی پناہ گاہ کی تلاش میں بھٹک رہی تھیں۔ لیکن ایسی کوئی جگہ مجھے نظر نہیں آئی جہاں میں گھس کر پناہ لیتا۔ مکانات کے دروازے موجود تھے۔ لیکن یہ انتہائی خطرناک بات ہوتی۔ پولیس یقیناً تھوڑی بہت دیر کے بعد میری طرف متوجہ ہو جائے گی اور میں جس

مکان میں داخل ہوں گا، اُس کے مکین با آسانی اُس کی نشاندہی کر دیں گے۔ چنانچہ میں دوڑتا ہوا گلی کے دوسرے سرے کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں گلی کے اُس سرے سے نکلا ہی تھا اور یہ اندازہ نہیں لگا پایا تھا کہ اُدھر کیا ہے کہ دفعتہً میری نگاہ اُن دونوں کی جانب اُٹھ گئی۔ طوطے جیسی مڑی ہوئی ناک کا مالک شخص اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ ہاتھ میں ریوالور لئے ہوئے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر موجود تھا۔ میں نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن اُس نے فوراً ہی گولی چلا دی...... اور گولی میرے سر سے صرف چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔ اس کے ساتھ ہی میرے پاؤں لڑکھڑانے لگے اور میں ٹھوکر کھا کر نیچے جا پڑا۔ یہ کوشش میرے حق میں بہتر ہی ہوئی تھی۔ ورنہ دوسری گولی اُس نے صحیح نشانے پر چلائی تھی۔ اور پھر وہ میرے سر پر پہنچ گیا۔ اُس نے ریوالور کی نال میری پیشانی پر رکھی اور میرا گریبان پکڑ کر غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اُٹھو......''

میں آہستگی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اُسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ دوسرے لمحے میں کیا کرنے والا ہوں؟ ریوالور کی نال میری پیشانی سے لگانے کی وجہ سے وہ میرے بالکل قریب آ گیا تھا اور سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ بلند کئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میرا گھٹنا اُس کے پیٹ پر پڑا اور دوسرے لمحے اُس کے حلق سے ایک زوردار کراہ نکلی۔ وہ دُہرا ہو گیا تھا۔ لیکن میں نے پیچھے ہٹ کر بالکل اُسی طرح اُس کے منہ پر کک لگائی، جیسے فٹ بال پر زوردار کک لگائی جاتی ہے اور مجھے اپنی اس انوکھی طاقت کا اس سے پہلے کبھی اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا۔ میری ٹھوکر اُس کی ٹھوڑی کے نیچے پڑی تھی۔ اُس کا سر پہلے پیچھے ہوا، پھر دونوں پاؤں اُوپر اٹھے اور اُس کے بعد فضا میں بلند ہو کر گردن کے بل نیچے گرا...... اور جس انداز میں وہ گرا تھا، اس سے جو ہونا تھا، وہی ہوا۔ یعنی اُس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ کسی ذبح کئے ہوئے بکرے کی طرح بلبلایا اور اُس کے کانوں سے خون بہہ نکلا۔ لیکن مجھے دوسرے آدمی کو بھی دیکھنا تھا جو فوراً ہی عقب سے مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر اُسے اپنے آپ پر چھا جانے سے روکا۔ لیکن ان دونوں کی شامت ہی آ گئی تھی۔ کیونکہ وہ مجھ پر سے گزر کر اپنے اُس مرے ہوئے ساتھی پر جا پڑا تھا۔ پھر بھلا میں اُسے کہاں موقع دے سکتا تھا؟ میری زوردار ٹھوکر

اُس کی پسلیوں پر پڑی اور اُس کے بعد میرے پاؤں مسلسل چلتے رہے۔ طوطے جیسی چونچ والا آدمی تو پہلے ہی جہنم رسید ہو گیا تھا۔ لیکن اس دوسرے آدمی کے منہ سے بھی خون کی موٹی دھار بہہ نکلی تھی۔ اُس نے اس بری حالت کے باوجود اچانک میرے دونوں پاؤں پکڑ لئے اور زور سے جھٹکا دیا۔ میں اُس کے قریب ہی گرا۔ لیکن پاؤں اُس کی گرفت سے نکل گئے تھے۔ لیٹے ہی لیٹے میں نے دونوں پیروں کی ٹھوکر اُس کے چہرے پر لگائی اور اُس کے بعد اُس میں کوئی سکت نہ رہی..... پتہ نہیں، زندہ تھا یا مر گیا تھا؟ میرے پاس یہ تمام باتیں جاننے کا وقت نہیں تھا۔

میں نے پھرتی سے اپنا گرا ہوا سوٹ کیس اُٹھایا اور اُس کے بعد ایک بار پھر اُس وسیع و عریض میدان میں دوڑ لگا دی جو گلی کے دوسرے سرے پر واقع تھا اور جس کی لمبائی تقریباً تین سو گز تھی۔ اُس کے کناروں پر مکانات بنے ہوئے تھے۔ لیکن ان مکانات میں رہنے والوں کو اس ہنگامے کا کوئی علم نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ وہاں سکون تھا۔

وسیع و عریض میدان کو عبور کر کے مکانوں کے سرے تک پہنچتے ہوئے مجھے کافی وقت لگ گیا تھا۔ اس دوران میں عقب میں بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے بعد کسی نے تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بالآخر میں مکانوں کے قریب پہنچ گیا۔ جو حلیہ ہو رہا تھا، وہ دیکھنے کے قابل تھا۔ لباس بری طرح بھیگا ہوا تھا۔ چہرہ بگڑا ہوا تھا۔ بال سر سے چپک گئے تھے اور میں عجیب و غریب حلیئے میں نظر آ رہا تھا۔ مکانوں کے اُس سرے سے نکلنے کے بعد میں نے ایک وسیع و عریض پارک دیکھا۔ جس میں درخت جھول رہے تھے۔ پارک کا گیٹ کھلا ہوا تھا اور اس وقت وہ تقریباً بالکل ہی سنسان پڑا تھا۔ چنانچہ میں فوراً ہی وقت ضائع کئے بغیر پارک میں داخل ہو گیا اور پھر میں نے درختوں کے ایک ایسے جھنڈ کو تلاش کر لیا جو کم از کم مجھے دوسروں کی نگاہوں سے بچا سکتا تھا۔ ہرچند کہ صورت حال بے حد خراب تھی۔ لیکن بہرحال! تھوڑا بہت وقت گزارا جا سکتا تھا۔

میں نے سب سے پہلے اپنا کوٹ اُتارا۔ پھر جوتے اُتار کر اُن میں سے پانی نکالا۔ پاؤں پچ پچ کر رہے تھے۔ میں نے رُومال سے اُنہیں خشک کرنے کی کوشش کی، لیکن رُومال خود ہی بھیگا ہوا تھا۔ اُس کے بعد میں نے سب سے پہلے توجہ اُن کرنسی نوٹوں کی طرف دی اور اسے میں اپنی خوش بختی ہی کہہ سکتا تھا کہ نوٹوں کے اوپری حصے ضرور بھیگے تھے لیکن اندر

کے تمام نوٹ بالکل محفوظ تھے۔ اس وقت یہ سب سے اہم چیز تھی، جو وینس میں میری مددگار ہو سکتی تھی۔ میں نے کوٹ ایک طرف خشک کرنے کے لئے پھیلا دیا اور پھر اپنے بدن کے ایک حصے کو باہر دھوپ میں نکال کر تقریباً نیم دراز ہو گیا۔ سوٹ کیس کے اندرونی حصے کا خدا ہی حافظ تھا۔ پتہ نہیں، کیا کیا تباہی پھیلی ہو گی؟ لیکن اب سب کچھ برداشت کرنا تھا۔ ذہن اُن لوگوں کی طرف متوجہ تھا، جو میرے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے تھے اور درحقیقت میرے ذہن کا انداز بدل گیا تھا۔ اُن میں سے کم از کم ایک تو ضرور موت کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن مجھے اب اُس کا ذرہ برابر افسوس نہیں تھا۔ یہ لوگ خود ہی میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ میں کیا کرتا؟ کہاں تک اپنے آپ کو سنبھالے رکھتا؟ بالآخر قاتل بن گیا تھا اور ایک قتل کرنے کے بعد مزید قتل کرنا اب میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ میں نے زندگی کے اس رُخ کو اپنا لیا تھا اور میرے اندر کافی اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔

لباس خشک ہونے کے بعد میں آگے بڑھ گیا۔ بالآخر وینس کے ایک خوبصورت علاقے سانتا ماریہ میں ''لیڈوہل'' نامی ہوٹل کے ایک کمرے میں مجھے جگہ مل گئی۔ سانتا کلارہ کا یہ علاقہ خوبصورت ہوٹلوں اور قہوہ خانوں سے بھرا ہوا تھا۔ خاصی رونق اور ہنگامہ خیزیاں تھیں۔ میں نے اس کا انتخاب کسی خاص بنیاد پر نہیں کیا تھا۔ بس! اس طرف نکل آیا تھا۔ سامنے ہی گھاٹ تھا جہاں بے شمار ''موٹو اسکافو'' یعنی موٹر بوٹ، سان مارکو چوک کے لئے چلتے رہتے تھے۔ جس کا فاصلہ ایک میل سے زیادہ نہیں ہو گا۔ بالکل فاسفورس جیسی رونق تھی۔ تیز موٹر بوٹوں اور سٹیمروں کے بیچ سست رفتار نازک گنڈولے بھی نظر آ جاتے تھے۔ وینس کا آبی شہر یہاں سے بے حد حسین محسوس ہوتا تھا۔ بہر طور! ان تمام باتوں کے لئے ابھی میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں تو اپنی تقدیر کا ماتم کر رہا تھا، جس نے وینس میں اُس انداز میں میرا استقبال کیا تھا، جس سے میں اب تک گزرتا رہا تھا۔ مڑی ہوئی ناک والا شخص استنبول ہی سے میرے پیچھے تھا اور بھلا اس بات پر کیا شک و شبہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ رضا طاہری ہی کا آدمی ہو سکتا تھا..... رضا طاہری اس بات پر کسی طرح یقین کرنے پر تیار نہیں ہو گا کہ ہیرے میری تحویل میں نہیں ہیں۔ لیکن میں اُس بدنصیب کو کیا بتاتا کہ میرا نصیب بھی اُس سے کم نہیں ہے اور مجھ سے بھی وہ ہیرے چھین لئے گئے ہیں۔ لیکن رضا طاہری نے جو حرکتیں کی تھیں، اُن کا جواب اُسے دینا ضروری تھا۔ یہاں تو اُس نے تقریباً

میری جان ہی لے لینے کی کوشش کی تھی۔ جبکہ اس سے اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اُس نے سوچا ہو کہ مجھے قتل کرنے کے بعد اُس کے لئے ہیروں کا حصول زیادہ آسان ہو گا اور وہ کسی نہ کسی طرح میری لاش کو پولیس کے ہتھے چڑھنے سے پہلے ہی حاصل کر لے گا۔ پتہ نہیں کیا منصوبہ تھا اُن کم بختوں کا؟ میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ لیکن اب ذہن کو زیادہ اُلجھانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے جو راستہ اپنا لیا تھا، اب اُس پر میں اپنے آپ کو زیادہ مستعدی سے رواں رکھنا چاہتا تھا۔ ان دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوئے بغیر گزارہ ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے ذہن کو اُن تمام وسوسوں سے آزاد کر دیا اور خود کو اس بات کے لئے تیار کر لیا کہ وینس میں اگر دس بیس قتل اور کرنے پڑے تو اُن سے گریز نہیں کروں گا۔ قتل کا مجرم خواہ ایک قتل کرے یا ایک ہزار..... صرف قتل ہی کا مجرم رہتا ہے اور اُس کے لئے پہلی اور آخری سزا، سزائے موت ہے۔ میں اس موت کو اب قبول کر چکا تھا اور میرا دل شیر ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک ان خیالات میں گم رہنے کے بعد میں نے اپنے تباہ شدہ سوٹ کیس کا جائزہ لینا مناسب سمجھا اور اُسے کھولنے لگا۔ نمبروں والا تالا تھا۔ سوٹ کیس کھول کر دیکھا تو جی خوش ہو گیا..... مجھے اس سوٹ کیس کی یہ خاصیت پہلے معلوم نہیں تھی کہ یہ مکمل طور پر واٹر پروف تھا۔ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں گیا تھا اور اندر رکھی ہوئی چیزوں کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اگر کرنسی بھی اس سوٹ کیس میں ہوتی تو وہ اُوپری نوٹ بھی نہ بھیگتے۔

دفعتہً ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے میرے اس فیصلے کے بعد حالات میرے موافق ہوتے جا رہے ہوں۔ میں نے فوراً ہی دوسرا لباس تبدیل کر لیا اور اس کے بعد اپنے لئے کھانے پینے کی کچھ اشیاء طلب کر لیں۔ گرم کافی کے بڑے بڑے گھونٹ لیتے ہوئے دل کو فرحت ہو رہی تھی۔ یہاں وینس میں کچھ وقت گزارنے کے بعد اپنے ان دشمنوں سے چھٹکارہ پا کر بالآخر سوئٹزرلینڈ چلا جاؤں گا اور وہاں اپنے لئے زندگی گزارنے کا کوئی ذریعہ دریافت کروں گا۔ دیکھتا ہوں، یہ کمبخت کہاں تک میرا پیچھا کرتے ہیں۔ اب جو کوئی بھی میرے سامنے آیا، اُسے میں زندہ نہیں چھوڑوں گا..... وقت گزرتا رہا اور پھر شام ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

شام کو میں نے ایک عمدہ سا لباس نکالا اور اُسے پہن کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ہوٹ
کی تفریحات میں دلچسپی لینا چاہتا تھا۔ لیکن ابھی وقت اتنا زیادہ نہیں ہوا تھا کہ ہوٹل
تفریحات شروع ہو جائیں۔ تقریباً سوا سات بجے تھے۔ چنانچہ میں ہوٹل سے باہر نکل آ
اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کہاں جانا چاہئے؟ میرا رُخ گھاٹ کی جانب ہو گیا۔ گھاٹ
رونق حسب معمول تھی۔ موٹو اسکافو، سان مارکو چوک کے لئے جا رہے تھے، جس کا فاص
تقریباً ایک میل کے قریب ہوگا۔ ویٹنگ ہال کے ساتھ ٹکٹ کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ م
نے آدھے لیرے کا سکہ سوراخ میں ڈالا تو مشین کے نچلے حصے سے ٹکٹ نکل آیا۔ اُس
بعد میں اُس موٹو اسکافو پر جا بیٹھا، جو سان مارکو چوک جانے کے لئے تیار تھا۔ گھنٹہ گھر
سامنے والے گھاٹ پر پہنچ کر موٹر بوٹ رُک گئی اور میں نیچے اُتر آیا۔ سامنے ہی دوج محل
آ رہا تھا۔ اس کے سامنے سینٹ مارک کا کلیسا تھا۔ جس کے نام پر اس چوک کو پکارا جا
تھا۔ سنا ہے، وینس کے دو تاجروں نے سینٹ مارک کی لاش کو سکندریہ سے یہاں منتقل
اور پھر اُس کی قبر کے اوپر یہ شاندار کلیسا تعمیر کرایا گیا۔ کلیسا کے گنبد مشرقی طرز کے تھے۔

سان مارکو چوک کے گرد برآمدوں میں بنے ہوئے بے شمار قہوہ خانے، آرکسٹرا
موسیقی نشر کر رہے تھے۔ چوک میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور بے پناہ رونق تھی۔ گھنٹہ گ
اور کلیسا کے سامنے خوبصورت اطالوی نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سیر و تفریح میں مصرو
تھے۔ سیاحوں کی ٹولیاں اُن کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔ وینس کی لڑکیا
خاص طور سے بہت خوبصورت تھیں۔ درمیانی عمر کے لوگ بھی جگہ جگہ نظر آ رہے تھے
یہاں بھی کبوتروں کی بھرمار تھی۔ دیدہ زیب دُکانیں اور سٹور نظر آ رہے تھے۔ جن
کیسوں میں نرم چمڑے کی مصنوعات، چینی اور شیشے کے بنے ہوئے برتن، سلک کی تا
اور دوسری بہترین اشیاء نظر آ رہی تھیں۔ بہرطور! وینس کے یہ مناظر میری توقع کے مطا

تھے۔ کافی دیر تک میں اطراف میں گھومتا رہا اور اُس کے بعد جب کافی رات ہو گئی تو ایک
موٹو اسکافو میں بیٹھ کر واپس اپنے ہوٹل چل پڑا۔

ہوٹل کے بہت بڑے ہال میں آرکسٹرا بڑے زور و شور سے ایک اطالوی دُھن بجا رہا
تھا۔ میں نے ایک اُچٹتی ہوئی سی نظر میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں پر ڈالی۔ بے شمار سیاح،
بے شمار حسین لڑکیاں، عجیب عجیب سے انداز..... کافی دیر تک میں اپنے لئے کوئی مناسب
جگہ ڈھونڈتا رہا اور پھر ایک طرف بڑھ گیا۔ کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ ایک خوبصورت سنہرے
بالوں والی لڑکی میرے نزدیک پہنچ گئی۔ اُس نے چہرے پر ہلکا سا میک اَپ کیا ہوا تھا۔
سنہرے بالوں سے ملتا خوبصورت لباس اور اُس کے اُوپر ہلکا زرد رنگ کا کوٹ پہنے ہوئے
وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

''ہیلو! میرا نام ازابیلا ہے۔'' اُس نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

''ہیلو!'' میں آہستہ سے بولا اور اُس کا جائزہ لینے لگا۔

''بیٹھ سکتی ہوں؟'' اُس نے سوال کیا اور میں نے بے اختیارانہ انداز میں گردن ہلا
دی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر اُس نے مسکرا کر اپنے سنہرے بالوں کو جھٹکا دیتے
ہوئے کہا۔ ''وینس کی خوبصورت راتوں کی مانند یہ رات بھی بے حد حسین ہے۔''

''یقیناً! میرا خیال ہے، وینس کی شامیں بھی کافی حسین ہوتی ہیں۔'' میں نے اخلاقاً کہا
اور اُس کے چہرے پر ایک اطمینان سا پھیل گیا۔

''آج سے وینس میں تمہاری میزبان، ازابیلا ہے۔'' وہ گردن خم کر کے بولی۔

میں اُس کی حقیقت کو جان گیا۔ ایسی میزبان لڑکیاں غالباً دنیا کے ہر گوشے میں پائی
جاتی ہیں۔ کہیں کم، کہیں زیادہ..... دل چاہا کہ اُسے بھگا دوں۔ لیکن کوئی تو شناسا ہو، جس
سے گفتگو کی جائے۔ اپنے آپ کو کنٹرول میں رکھنا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ میں نے
تھوڑا سا وقت اُس کے ساتھ گزار لینا مناسب سمجھا۔ میں اُس سے وینس کے بارے میں
گفتگو کرتا رہا۔ اُس نے مجھ سے میرا نام پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس! وہ باتونی لڑکی
تھی۔ آرکسٹرا اب مدھم موسیقی بکھیرنے لگا تھا اور اُسی دُھن پر ایک اطالوی رقاصہ اپنے
مخصوص کلاسیکل رقص کے ساتھ چوبی فرش پر نمودار ہو گئی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے تقریباً تمام
ہی لوگ اُس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ساڑھے دس بجے ازابیلا نے ویٹر کو بلا کر کھانے کے لئے مخصوص اطالوی ڈشیں منگو
لیں۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ جب میں نے اُسے شناسا کے طور پر قبول کرلیا تو
تو پھر باقی تمام باتیں بیکار تھیں۔ اور پھر اپنے آپ کو تھوڑا سا بدلنے کے لئے اِس ملاقات
میں حرج ہی کیا تھا؟ قیمہ، سویاں اور چند دوسری چیزیں ہمارے سامنے آگئیں اور ہم کھانے
میں مصروف ہوگئے۔ یہ سویاں، شیطان کی آنت کی طرح لمبی تھیں اور کسی طرح کانٹے اور
چھری کی زد میں نہیں آرہی تھیں۔ لیکن میرے برعکس ازابیلا نہایت خوبی سے کھانے میں
مصروف تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ دیر تک میرے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر
کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر بولی۔

"تم سے پہلی ملاقات بے حد خوشگوار رہی ڈیئر! لیکن کل میں تمہارے ساتھ کافی وقت
گزاروں گی۔ میں تین بجے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی نے بل کی رقم پلیٹ میں ڈالی تو میں نے اُسے
روکتے ہوئے کہا۔ "نہیں..... یہ ذمہ داری میرے ہی سپرد رہنے دو۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ وینس میں، میں تمہاری میزبان ہوں گی۔" وہ بولی اور میز
سے اُٹھ گئی۔

لڑکی میری سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔ ممکن ہے، وہ بھی میری ہی طرح کوئی سیاح یا
وقت سے اُکتائی ہوئی ہو اور اُس نے میرا ساتھ غنیمت سمجھا ہو۔ پہلا اندازہ کچھ غلط سا
محسوس ہورہا تھا۔ یعنی یہ اُن میزبان لڑکیوں کی مانند نہیں تھی جو مخصوص قسم کی ہوتی ہیں۔
پھر یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بوٹی دے کر بکرا مارنے کے چکر میں ہو۔ بہر حال! کل ملے گی
دیکھا جائے گا۔ نہ آئی تو جہنم میں جائے.....

رات پرسکون گزری تھی۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے اعصاب کو کنٹرول کرنے میں
کامیاب ہوچکا تھا اور اب مجھے کسی بات کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہر خطرے سے نمٹنے کے لئے
میں نے اپنے آپ کو تیار کرلیا تھا۔

دوسری صبح میں اخبار پڑھتا رہا۔ انگریزی کا یہ اخبار ویٹر ہی نے میرے کمرے میں لا کر
رکھا تھا۔ مجموعی طور پر اس ہوٹل کی سروس مناسب تھی۔ کھڑکی سے دوسری طرف گرینڈ کینال
کی ہنگامہ خیزیاں بکھری ہوئی تھیں۔ وہی حسین مناظر..... جنہیں دیکھنے سے جی نہ بھرے

میں نے وینس کا نقشہ نکال کر سامنے رکھ لیا۔ وینس سے یورپی ممالک کے لئے تین بڑے
راستے نکلتے تھے۔ پہلا فرانس کے راستے ہسپانیہ، دوسرا پیرس سے گزر کر وہاں سے آگے اور
تیسرا سوئٹزرلینڈ، جرمنی، ڈنمارک اور سویڈن کے راستے ناروے تک جو شمالی یورپ کے
آخری کونے پر واقع تھا۔ لیکن میرے ذہن میں سوئٹزرلینڈ ہی تھا۔ اور اپنی اس عجیب سی
سیاحت میں اگر میں وہاں تک پہنچ جاؤں تو یقیناً اپنے آپ کو کولمبس سمجھ لوں گا۔

دوپہر تک ہوٹل ہی میں گھسا رہا۔ کھڑکی سے دوسری طرف کے مناظر ہی اتنے پر رونق
تھے کہ اگر پورا دن گزار دیا جاتا تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ یہی محسوس ہوتا کہ وینس کی سیاحت کی
جارہی ہے۔ اس دوران ازابیلا بھی یاد نہیں رہی تھی۔ لیکن ٹھیک تین بجے دروازے پر دستک
ہوئی اور وہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس میرے پاس پہنچ گئی۔ میں اُسے دیکھ کر چونک
پڑا تھا۔ اُس نے ایک شگفتہ مسکراہٹ کے ساتھ، مجھ سے اپنا ننھا سا خوبصورت سفید ہاتھ
ملایا اور اُس کے بعد میرے سامنے آبیٹھی۔

"تم تیار نہیں ہوئے؟" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی تو شام بھی نہیں ہوئی۔"

"تھوڑی دیر کے بعد ہوجائے گی۔ تم تیار ہوجاؤ۔" وہ اپنے لمبے ناخنوں سے ہتھیلی کو
کریدتے ہوئے بولی اور میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ غسل خانے میں جا کر لباس وغیرہ تبدیل کیا اور
پھر باہر نکل آیا۔ وہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی نیم باز آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"کچھ پیا جائے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں! کوئی ٹھنڈا مشروب....." اُس نے کہا اور میں نے رُوم سروس کے لئے بٹن دبا
دیا۔ ویٹر کے آنے پر میں نے ایک مشروب طلب کرلیا تھا۔ کافی وقت ہم نے وہاں گزارا۔
پھر اُس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولی۔ "چلیں؟"

میں نے گردن ہلا دی۔ ہوٹل کے بیرونی دروازے سے باہر نکلنے کے بعد ہم پیدل ہی
ایک سمت چل پڑے اور تقریباً ایک گھنٹہ تک پیدل ہی سفر کرتے رہے۔ سڑکیں پر رونق ہو
گئی تھیں۔ نفیس شوکیسوں میں حسین اشیاء سجی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ہم گرینڈ کینال کے سب
سے بڑے اور خوبصورت پل ریالٹو کے پاس آنکلے۔ پل کے پہلو میں نہر کے کنارے ایک
پرسکون قہوہ خانہ نظر آرہا تھا۔ ہری بھری بیلوں کے جھنڈ میں میزیں لگی ہوئی تھیں جن پر

لوگ بیٹھے کافی وغیرہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کافی دیر ہو چکی تھی ہمیں گھومتے ہوئے۔ چنانچہ ہم سیڑھیاں اُتر کر ریستوران میں پہنچ گئے۔ مقامی ویٹر نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ نہر کے کنارے بہت سے گنڈولے جھول رہے تھے۔ کچھ مقامی لوگوں کی ملکیت تھے اور کرائے کے لئے حاضر۔ میز بھی نفاست اور سلیقے سے سجی ہوئی تھی۔ سرخ گلدان، جن میں رنگین پھول سجے ہوئے تھے اور ان کے درمیان لمبی اور پتلی موم بتیاں سجی ہوئی تھیں۔ کافی پی اور اُس کے بعد سرمئی شام میں نہر کے کنارے دُور تک نکل گئے۔ اُس کی گفتگو بہت ہی سلیقے کی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس نے ایک بار بھی مجھے میرے نام سے مخاطب نہیں کیا تھا، بلکہ اب تک اُس نے میرا نام ہی نہیں پوچھا تھا۔ پتہ نہیں، کوئی مصلحت تھی اس میں یا وہ جان بوجھ کر اس سے اجتناب کر رہی تھی۔ لیکن میں اُس کی شخصیت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔

پھر رات کے کھانے کے بعد تقریباً ساڑھے دس بجے اُس نے مجھ سے اجازت چاہی اور میری آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ''میں نے تو آج کا دن بہت خوشگوار گزارا ہے۔ پتہ نہیں، آپ کو میرا ساتھ کیسا لگا؟''

''حسین میزبان کو، کون ناپسند کرتا ہے؟ لیکن میں کسی اور بات کا منتظر ہوں۔''

''اور میں تمہارے پوچھنے کا انتظار کر رہی تھی۔'' اُس نے پراسرار انداز میں کہا اور پھر اپنا پرس کھول کر ایک چھوٹا سا کارڈ نکالا اور میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے بولی۔ ''اس میں سب کچھ ہے۔ اگر تم سمجھ دار ہو.....''

اُس کے یہ الفاظ میرے لئے سنسنی خیز تھے۔ لیکن میں اتنا سمجھ دار بھی نہیں تھا کہ سب کچھ سمجھ جاتا۔ تاہم میں نے کارڈ پر نگاہ ڈالی۔ اُس پر ایک پتہ لکھا ہوا تھا۔ میں ابھی اُس سے کچھ پوچھنے بھی نہیں پایا تھا کہ وہ مڑی اور واپس چل دی۔ ایک لمحے کے لئے میرا منہ کھلا لیکن نہ جانے کیوں میں خاموش ہی رہا۔ میری نظریں ایک بار پھر اُس کارڈ پر دوڑنے لگیں اور پھر میں گہری ٹھنڈی سانس لے کر پھر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ یہ کیا قصہ ہے؟ کارڈ پر صرف ایک پتہ ہی لکھا ہوا تھا۔ پھر اُس کے کونے پر تین چھوٹے چھوٹے مثلث بنے ہوئے تھے۔

میں پریشانی کے انداز میں اُس کارڈ کو دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے واپسی کے لئے قدم

بڑھا دیئے۔ انوکھی میزبان تھی وہ۔ پتہ کیوں دے گئی تھی؟ کیا خود سے ملاقات کے لئے؟ کیا اُسے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں کسی طور اُس سے متاثر ہوا ہوں اور دوبارہ اُس سے ملاقات کرنے کی کوشش کروں گا؟ اگر یہ بات اُس کے ذہن میں تھی تو احمق تھی وہ۔ لعنت بھیجی جائے اس پر۔ خود ہی آئے گی۔ اُس کے بعد ہوٹل جانے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا؟ لیکن وہ میرے ذہن میں ایک خلش چھوڑ گئی تھی۔

جب دوسرے دن بھی وہ دوپہر تک میرے پاس نہیں آئی تو نجانے کیوں میرے دل میں یہ خیال اُبھرا کہ میں اس پتے پر جا کر اُس سے ملاقات کرنے کی کوشش کروں۔ کارڈ میرے پاس موجود تھا۔ اس پر میرینو 289 لکھا ہوا تھا۔ بس! اس کے علاوہ اور کوئی تفصیل نہیں تھی۔

تیار ہو کر باہر نکلا اور پھر ایک ویٹر سے میرینو کے بارے میں معلوم کیا۔

''گرینڈ کینال سے آپ کو کوئی سٹیمر، میرینو لے جائے گا جناب! میرینو ایک خوبصورت سا جزیرہ ہے اور وہاں مکانات بنے ہوئے ہیں۔ غالباً یہ نمبر انہیں میں سے کسی ایک مکان کا ہے۔''

میں نے مسکرا کر گردن ہلائی۔ بس دل میں خوامخواہ ہی یہ خیال جاگ اٹھا تھا کہ اس پراسرار لڑکی سے ملاقات کی جائے جو واقعی میرے اوپر ایک عجیب سا اثر چھوڑ گئی تھی۔ پہلے میں اسے کچھ اور ہی سمجھا تھا لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ عام قسم کی لڑکیوں میں سے نہیں تھی۔

''گرینڈ کینال سے میرینو کے لئے ایک اسٹیمر حاصل کیا۔ عام طور سے میرینو تک کا سفر لوگ اپنے ذاتی اسٹیمروں ہی سے کیا کرتے تھے اس لئے کوئی پسنجر اسٹیمر وہاں جانے کے لئے نہیں مل سکا اور وہاں تک پہنچنے کے لئے پورا اسٹیمر حاصل کرنا پڑا تھا ہم اس آبی سڑک پر رواں ہو گئے۔ اسٹیمر پر عملے کے تین افراد تھے جبکہ سواری کے طور پر صرف میں ہی تھا۔ اسٹیمر برق رفتاری سے میرینو کی جانب چل پڑا۔ باقاعدہ آبی روٹ بنے ہوئے تھے اور پھر مجھے جس ساحل پر اتارا گیا وہ انتہائی خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ لکڑی کے پلیٹ فارم پر کئی سیڑھیاں اوپر کی طرف گئی ہوئیں تھیں۔ یہ پلیٹ فارم کے کنارے کنارے درخت لگائے گئے تھے جو پانی میں جھکے ہوئے تھے میں یہ سیڑھیاں عبور کر کے اوپر پہنچ گیا۔ پلیٹ فارم پر

دو تین افراد اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں نے کارڈ پر دیئے ہوئے نمبر کے
بارے میں ان سے پوچھا تو ان میں سے ایک نے اشارے سے میری ایک سمت رہنمائی
کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں تقریباً ایک میل پیدل چلنا پڑے گا اور اس کے بعد تم اس نمبر پر پہنچ جاؤ گے۔''

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے بتائے ہوئے راستے کی جانب چل پڑا۔ ائیر
سے میں نے واپسی کے لئے بھی کہہ دیا تھا چنانچہ اسے میرا یہیں انتظار کرنا تھا تو لڑکی یہاں
رہتی ہے۔ بظاہر خاصی خوبصورت جگہ معلوم ہوتی تھی۔ درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ دور دور
تک بکھرے ہوئے تھے زمین ایک انچ بھی خالی نہیں تھی چاروں طرف سرسبز گھاس اور ان
کے درمیان اُگے ہوئے خوبصورت پھول اور کہیں درختوں میں چھپی ہوئی خوبصورت
عمارتیں۔ میں اندازے سے سفر کرتا رہا اور پھر اس عمارت کے پاس پہنچ گیا جس پر کارڈ
دیا ہوا نمبر درج تھا۔ عمارت کے بیرونی حصے میں مجھے دو افراد کھڑے نظر آئے۔ صورتیں
میرے لئے بالکل اجنبی تھیں لیکن یہ مقامی لوگ نہیں معلوم ہوتے تھے۔ دونوں شاید میرے
قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے چنانچہ میں ان کے قریب پہنچ گیا۔

''معاف کیجئے گا مجھے مس ازابیلا سے ملنا ہے۔''

''آیئے۔'' ان میں سے ایک نے کہا اور مجھے لئے ہوئے عمارت کے اندرونی حصے میں
داخل ہو گیا۔ عمارت کے بیرونی دروازے سے گزرنے کے بعد میں ان کے ساتھ بڑے
ہال میں پہنچ گیا تب وہ دونوں رک گئے اور ان میں سے ایک جو سفید سوٹ میں ملبوس
مجھے گھورنے لگا۔

''لائے ہو۔'' اس نے بھاری لہجے میں پوچھا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیا؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا پھر دوسرے لمحے میرے دماغ میں بجلی
کوند گئی۔ ایک دم مجھے احساس ہوا کہ میں سو فیصد رضا طاہری کے جال میں پھنس گیا ہوں
لوگ اس طرح مجھ سے ہیرے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''کیا تم لوگوں کا دماغ خراب ہے؟''

''دماغ تو تمہارا خراب معلوم ہوتا ہے۔ تمہارا کیا خیال تھا کیا ہم نے تمہیں یہاں صرف
سرکاری دورے کے طور پر بلوایا تھا۔ نکالو فوراً نکالو۔ ورنہ اپنے نقصان کے ذمہ دار تم خود

گے۔''

''تمہاری شامت ہی آ گئی ہے شاید۔ رضا طاہری پاگل ہو گیا ہے کیا اس انداز میں وہ
مجھ سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''سنو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے کام کی بات کرو میں ہی تم سے اس سلسلے میں
مکمل گفتگو کرنے کے لئے مخصوص کیا گیا ہوں۔''

''لعنت ہے تم پر اور لعنت ہے اس لڑکی پر جس نے اپنی دانست میں مجھے بہت بڑا احمق
تصور کر لیا تھا۔'' میں نے کہا لیکن دوسرے لمحے سفید سوٹ والے نے آگے بڑھ کر میرا
گریبان پکڑ لیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ میرا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا اور وہ بری طرح پیچھے الٹ گیا
تھا لیکن اس کے نزدیک کھڑے ہوئے شخص نے اپنی آہنی انگلیاں شکنجوں کی طرح میری
گردن میں پیوست کر دیں اور میں اس کی اس گرفت سے نکلنے کی بھرپور جدوجہد کرنے
لگا۔ میں نے پلٹ کر کہنی اس کے پیٹ میں ماری اور میرا یہ حربہ کسی قدر کارگر رہا۔ اس کی
گرفت ڈھیلی پڑتے ہی میں نے اپنی گردن چھڑا کر اس کی پیشانی پر ایک گھونسا رسید کر دیا
اور پھر جونہی وہ نیچے گرا میں نے ایک بھرپور ٹھوکر اس کے پیٹ پر ماری۔ اس کے حلق سے
بری طرح آواز نکلی تھی اور منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی لیکن دفعتہً عقب سے میرے سر
پر ایک زوردار ضرب پڑی اور میرے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل کر رہ گئے۔ میں نے اپنی
کھوپڑی کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن ضرب اتنی زوردار تھی کہ میں آنکھوں کی بینائی بحال نہ
کر سکا دیر تک تارے نظر آتے رہے اور اس کے بعد شاید میں اوندھا ہی زمین پر جا پڑا تھا۔

''ہوش و حواس نے عارضی طور پر ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن رفتہ رفتہ آنکھوں سے دھند
چھٹنے لگی۔ کافی بلندی پر ایک سوراخ نظر آ رہا تھا جس سے روشنی سی چھن کر اندر آ رہی تھی جبکہ
میرے اطراف میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ سوراخ سے چھننے والی روشنی ایک دیوار پر پڑ رہی
تھی میں نے اپنی کھوپڑی کے اس حصے کو ٹٹولا جس میں اب بھی ہلکی ہلکی تکلیف ہو رہی تھی
اور پھر مجھے گزرے ہوئے واقعات یاد آ گئے۔ غالباً میرے سر کی پشت پر ریوالور کے دستے
سے ضرب لگائی گئی تھی۔ دُکھن اب بھی ہو رہی تھی۔ میں نے ٹٹول کر اُس حصے کو دیکھا لیکن
ٹوٹ پھوٹ کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد میں اطراف کے ماحول پر نگاہیں

دوڑانے لگا۔ تاریکی کی وجہ سے یہ اندازہ تو نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں کہاں ہوں لیکن بہرطور اس وسیع ہال کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ نگاہیں تاریکی کی عادی ہو گئیں اور بلندی سے چمکنے والے سورج نے مزید مدد کی۔ میں ایک بستر پر پڑا ہوا تھا اور مجھ سے کچھ فاصلے پر کوئی اور بھی موجود تھا میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ان لوگوں کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا جو شاید آپس میں گفتگو کر رہے تھے پھر میں نے بھاری آواز میں پکارا۔

''یہاں کون ہے؟ کیا یہاں روشنی نہیں ہو سکتی؟'' میری اس آواز کے جواب میں فوراً ہی ایک بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

''ہم دونوں بندھے ہوئے ہیں اگر تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں تو مسہری کے برابر دیوار پر لگا ہوا سوئچ آن کر دو، روشنی ہو جائے گی۔'' میں نے اس آواز کو حیرت سے سنا پھر متحیرانہ انداز میں مسہری سے نیچے اتر کر دیوار پر لگے ہوئے سوئچ کو ٹٹولا اور تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں ایک ٹیوب لائٹ روشن ہو گئی۔ میں نے چندھیائی ہوئی سی نگاہوں سے اُن کو دیکھا، جو میری ہی جیسی مسہریوں پر پڑے ہوئے تھے لیکن ان کے ہاتھ اور پاؤں مضبوطی سے کسے ہوئے تھے جبکہ میں آزاد تھا۔ ان میں ایک مرد اور ایک معمر خاتون تھیں۔ دونوں ہی شکل وصورت سے پُروقار نظر آتے تھے۔ اور یقیناً ان کا تعلق کسی یورپی ملک سے تھا۔ وہ دونوں بھی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ میں یہ سوچ کر آگے بڑھا کہ کم از کم اُنہیں ان بندشوں سے آزاد کر دوں لیکن ابھی میں چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ عقب سے ایک سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''نہیں تم انہیں کھولنے کی کوشش نہیں کرو گے۔'' میں نے پلٹ کر دیکھا تو ازابیلا ہاتھ میں ریوالور لئے کھڑی تھی۔ میں چونک پڑا اس وقت ازابیلا بالکل ہی مختلف نظر آ رہی تھی، میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہا۔

''ہاں مسٹر پال مورسن! درحقیقت آپ نے خود ہی معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ ہماری مطلوبہ چیزیں ہمیں فراہم کئے بغیر ان دونوں کو آزاد کر سکیں۔''

''ازابیلا؟'' میں نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

''واپس آ جایئے آپ کو ان کی صرف ایک جھلک دکھانا مقصود تھی۔ یہ بتانا تھا کہ آپ

یہ دونوں ابھی تک بالکل محفوظ ہیں لیکن صرف اس وقت تک جب تک آپ ہماری خواہش پوری نہیں کر دیتے۔ وقت ضائع کرنا صرف آپ ہی کے لئے نقصان دہ ہو گا۔ آیئے پلیز! واپس آ جایئے کیا فائدہ میں آپ کی دونوں ٹانگیں زخمی کر دوں اور اس کے بعد آپ کچھ دن تک کام کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔'' میں نے نہ جانے دل ہی دل میں کتنی گالیاں اسے دے ڈالیں اور اپنے آپ کو بھی۔ کیا پھر میری یہ منحوس شکل کسی کو دھوکا دے رہی ہے۔ اب تو اس بات کی تردید کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو..... عجیب لگتا تھا کہ میں فلاں نہیں ہوں۔ مصیبت ہی بن کر رہ گیا تھا میرا چہرہ میرے لئے۔ بہرطور ازابیلا کا انداز بتاتا تھا کہ اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ یقیناً مجھ پر فائر کر دے گی۔ خود اپنے آپ پر بھی لعنت بھیجنے کو جی چاہتا تھا۔ آخر میں اُس لڑکی سے اتنا مسحور کیوں ہو گیا تھا کہ اُس کے دیئے ہوئے پتے پر دوڑا چلا آیا۔ بہرطور اس کی ہدایت پر عمل کئے بغیر اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ چنانچہ خاموشی سے چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے اس قید خانے سے باہر نکل آیا۔ پھر احساس ہوا کہ کسی قسم کی جلد بازی نہ کر کے میں نے ذہانت ہی کا ثبوت دیا ہے کیونکہ ازابیلا تنہا یہاں نہیں آئی تھی۔

دروازے کے باہر تین افراد اور موجود تھے۔ اُن میں دو وہی تھے جن سے پہلی بار میری ملاقات ہوئی تھی۔ ازابیلا کے سامنے وہ مؤدب نظر آ رہے تھے۔ ازابیلا نے انہیں اشارہ کیا اور وہ میرے عقب میں آ گئے تینوں ہی مسلح تھے اس طرح وہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک بڑے ہال نما کمرے میں پہنچ گئے جہاں ایک کشادہ میز اور چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا گیا اور ازابیلا وہاں سے ہٹ کر میز کے عقب میں پڑی ہوئی کرسی پر جا بیٹھی۔

''ہاں تو مسٹر پال مورسن! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے ہمارے مطالبات منظور کرنے کے باوجود بدعہدی کیوں کی، آپ کو اس فائل کے ساتھ آنا چاہیئے تھا۔''

''محترمہ! میری بدنصیبی نے مجھے نہ جانے کیا کیا صورتیں دکھائی ہیں۔ آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیجئے۔ کیا رضا طاہری سے آپ کا کوئی تعلق ہے؟''

''کیا مطلب؟'' ازابیلا چونک کر بولی۔

''رضا طاہری! وہ منحوس ہیروں کا سمگلر جو میری جان کا دشمن بن گیا ہے۔ کیا آپ مجھے

اس کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہیں؟ درحقیقت میں یہ سوال صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ
آپ نے مجھے پال مورسن کہہ کر پکارا ہے۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میں پال مورسن نہیں
ہوں، تو کیا آپ اس بات پر یقین کر لیں گی۔''

''ظاہر ہے نہیں اور اس بات پر تعجب بھی کروں گی کہ تم نے اپنا منصوبہ کیوں تبدیل کر
دیا ہے۔''

''منصوبہ؟''

''ہاں، اس سے پہلے تم نے اپنے آپ کو ''پال مورسن'' تسلیم کر لیا تھا۔''

''کب؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں جواب دیا۔

''ہمارے درمیان کوڈ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا؟ اس کے بعد ہی ہم نے ایک دوسرے کی
شناخت نہیں کیا تھا۔'' ازابیلا نے کہا۔

''کوڈ۔ کون سا کوڈ؟'' میں نے پریشان لہجے میں کہا اور ازابیلا کے چہرے پر کسی قدر
غصے کے آثار پیدا ہو گئے پھر وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''وینس'' کی خوبصورت راتوں کی مانند یہ رات بھی بے حد حسین ہے۔ اور جواب میں
تم نے کہا تھا کہ وینس کی شامیں بھی کافی حسین ہوتی ہیں۔

''وہ کوڈ تھا؟''

''بننے کی کوشش مت کرو، مسٹر پال مورسن!'' صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے انداز میں
تبدیلی کیوں پیدا ہوئی ہے؟''

''ارے میں لعنت بھیجتا ہوں اپنے انداز پر بلکہ خود پر بھی بھلا وہ بھی کوئی کوڈ تھا۔ تم نے
رات کے حسن کی تعریف کی تھی اور چونکہ اس وقت رات نہیں ہوئی تھی اس لئے میں نے
شام کے حسن کا تذکرہ کر دیا تھا۔ بھلا اس میں کون سا کوڈ دہرایا گیا۔''

ازابیلا غصیلی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا۔

''ممکن ہے تمہارے ذہن میں یہ خیال ہو کہ کسی طرح تم ان دونوں کو یہاں سے نکال
لے جاؤ لیکن ایسی کوئی کوشش تم تینوں کی موت کا باعث بن جائے گی اس کے علاوہ اور کچھ
نہیں، کیا سمجھے؟'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور پھر اس نے نفرت بھرے لہجے میں
کہا۔ ''مسٹر پال مورسن کو تین نمبر میں بند کر دو میں دیکھوں گی کہ ان لوگوں نے کیا پروگرام

ترتیب دیا ہے۔''

''میری ایک نہیں سنی گئی اور وہ لوگ مجھے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ تین نمبر ایک زمین
دوز قید خانہ ثابت ہوا۔ مجھے اندر دھکیل کر باہر سے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں پریشانی کے
انداز میں ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ یہ نئی افتاد گلے پڑی تھی ویسے ازابیلا کی باتوں پر مجھے
اب بھی شک ہو رہا تھا۔ میرے اپنے ذہن میں صرف یہی تصور تھا کہ میں رضا طاہری کے
چکر میں پھنسا ہوا ہوں لیکن میری خوش بختی تھی کہ چکروں کی میرے لئے کمی نہیں تھی۔ اب
کوئی فائل اور پال مورسن تھا اور وہ کوڈ میں نے وینس کی حسین شاموں اور حسین راتوں پر
خلوص دل سے لعنت بھیجی جن کا تذکرہ کر کے مصیبت میں پھنس گیا تھا اگر وہیں کوڈ غلط ہو
جاتا تو شاید اس عذاب کی نوبت نہ آتی۔ لیکن چکر کیا تھا؟ بہت کچھ سوچنے کے لئے تھا وہ
معمر مرد اور عورت کیوں بندھے ہوئے تھے اور .....اور گفتگو سے یہی اندازہ ہو رہا تھا کہ ان
کی رہائی کے لئے کوئی فائل طلب کیا جا رہا ہے۔ بات کافی دلچسپ تھی لیکن میری عقل سے
باہر۔ بہت دیر تک پریشانی کے عالم میں بیٹھا سوچتا رہا اور وقت گزرتا رہا۔ کوئی ترکیب سمجھ
میں نہیں آ رہی تھی، میں اس وقت مرینو، نامی جزیرے میں تھا اور پورے وینس میں میرا
کوئی ہمدرد نہیں تھا اب تو صرف اسی صورت میں گلوخلاصی ممکن ہو سکتی تھی کہ اصل پال مورسن
ان لوگوں کے پاس آ جائے اور ان کی سودے بازی مکمل ہو جائے۔ بہت سوچنے سمجھنے کے
بعد میں اٹھا اور دروازے پر زور زور سے دستک دینے لگا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ مجھے
وہاں بند کرنے کے باوجود میری نگرانی کی جا رہی تھی۔ ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلی اور ایک
شخص نے پوچھا۔

''کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہو تم؟''

''مس ازابیلا سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''انتظار کرو، انہیں اطلاع دے دی جائے گی۔ اس نے کہا اور کھڑکی بند ہو گئی۔ مجھے
تقریباً بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا تھا۔ اس کے بعد کمرے ہی میں ایک عجیب کھڑکھڑاہٹ
سنائی دی اور کسی مائیکروفون پر ازابیلا کی آواز ابھری۔

''ہاں مسٹر پال مورسن، کہیے کیا چاہتے ہیں آپ؟''

''مس ازابیلا کچھ معلومات درکار ہیں۔ اگر آپ دماغ کو قابو میں کر کے جواب دیں تو

میں آپ کا ممنون ہوں گا۔''

''جی.....جی فرمائیے۔'' ازابیلا کے لہجے میں طنز تھا۔

''آپ مجھے پال مورسن بنانے پر تلی ہوئی ہیں نا؟''

''فضول باتوں کے لئے میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے، اگر آپ نے کام کی با
نہیں کی مسٹر پال مورسن تو میں فوراً ہی رابطہ منقطع کردوں گی۔''

''اچھا صرف اتنا بتا دیجئے کہ وہ دونوں بدنصیب کون ہیں جو وہاں اس کمرے
بندھے ہوئے پڑے ہیں؟'' میں نے سوال کیا اور ازابیلا نے دوسری طرف سے سلہ
منقطع کردیا۔ وہ یقیناً یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ میں پال مورسن نہیں
اور ان دونوں کے بارے میں سوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی چنانچہ وہ ناراض
تھی۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر دوبارہ اپنی جگہ جا بیٹھا یہ کوشش کارگر نہیں ہوسکی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور پھر شاید رات ہوگئی۔ خدا کا شکر تھا کہ ان لوگوں کو میرے بھو
ہونے کا بھی خیال آ گیا۔ اور رات کو دروازہ کھول کر تینوں مسلح افراد نے میرے
کھانے کی ٹرالی اندر دھکیل دی۔

''بھائیو! اس مہمان نوازی کا شکریہ....'' ابھی میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ تینوں درواز
کر کے چلے گئے غالباً ان میں سے کوئی بھی یہ بات سننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ میں
مورسن نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں خود کو پال مورسن، کیسے تسلیم کرلو
اگر ان کی خواہش کے مطابق میں اس بات کا اعتراف بھی کرلوں کہ میں پال مورسن ہو
پھر انہیں وہ فائل کہاں سے مہیا کروں گا۔ عجیب سی پریشانی تھی۔ عجیب سی کیفیت تھی
بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ان لوگوں نے میری تلاشی لینے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن
کوشش کرتے بھی تو میرے پاس رکھا ہی کیا تھا میں کافی دیر تک انہیں پریشان کن خیالا
کا شکار رہا، اور اس کے بعد جب کچھ نہ سوجھی تو کھانے میں مصروف ہوگیا۔ بہت دیر تک
آہستہ آہستہ کھانا کھاتا رہا۔ خیالات کا ہجوم ذہن پر یلغار کئے ہوئے تھا۔ پھر کھانے
فارغ ہوکر تھوڑی دیر تک کمرے میں چہل قدمی کی اور اس کے بعد وہیں ایک گوشے
لیٹا۔ بدبختوں نے بستر کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا لیکن جب گہری نیند آتی ہے تو بستر کی
خاص ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھوڑی دیر کے بعد مجھے نیند آ گئی تھی۔

اس کے بعد صبح ہی کو آنکھ کھلی۔ ٹرالی جوں کی توں رکھی ہوئی تھی میں عجیب سی نگاہوں
سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اپنے اس قید خانے میں میرا کافی وقت گزر چکا تھا۔ دفعتہً میری نگاہ
ایک سمت اٹھ گئی اور میں ایک عجیب سی چیز دیکھ کر چونک پڑا۔ سبز رنگ کا ایک کاغذ نظر آ رہا
تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کاغذ کیسے ہیں بہرطور میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کی طرف بڑھ
گیا اور پھر میں نے ایک فائل رکھا ہوا دیکھا۔ فائل کھول کر دیکھا تو اس میں کچھ کاغذات
لگے ہوئے تھے۔ کچھ نقشے تھے اور عجیب وغریب نشانات لگے ہوئے تھے جو غالباً شارٹ
ہینڈ میں تھے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ فائل کی ورق گردانی کرتا رہا۔ جس وقت اس قید
خانے میں داخل ہوا تھا تو اس طرف توجہ نہیں دی تھی ممکن ہے یہ کاغذات پہلے سے یہاں
موجود ہوں۔ بہرطور جب بات ہی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی تو پھر ان سے کیا لیتا۔ میں تھوڑی
دیر تک اس فائل کو دیکھتا رہا اور اس کے بعد واپس اپنی جگہ آ بیٹھا لیکن اچانک ہی میرے
ذہن میں ایک دھماکہ سا ہوا تھا..... فائل......

فائل...... وہ لوگ بھی تو کوئی فائل ہی طلب کر رہے تھے میں نے برق رفتاری سے
دوبارہ فائل کی جانب چھلانگ لگائی اور اس بار میں فائل کو بہت دیر تک دیکھتا رہا تھا لیکن
میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا لیکن ایک خیال ضرور میرے ذہن میں آیا اس بار ان سے
رابطہ قائم کر کے میں فائل ان کے حوالے کرنے کا اعلان کردوں اور یہ فائل انہیں دے
دوں دیر تک میں اس سلسلے میں سوچتا رہا تھا پھر غالباً میرے لئے صبح کا ناشتا آیا وہی تینوں
بدبخت آئے تھے اور ایک نئی ٹرالی ان کے ساتھ تھی۔

''سنو! مس ازابیلا سے کہہ دو کہ فائل میں ان کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔''
میں نے کہا اور وہ تینوں چونک پڑے۔

''گڈ ویری گڈ، یہ ہوئی نا کام کی بات۔ بہتر ہے آپ ناشتا کرلیں۔ ہم مس ازابیلا کو
اطلاع کئے دیتے ہیں۔'' ان میں سے ایک شخص نے کہا اور اس کے بعد وہ تینوں رات والی
ٹرالی واپس لے گئے۔ میں نے اطمینان سے ناشتا کیا اور فائل کو موڑ کر میں نے اپنے لباس
میں رکھ لیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہی تینوں واپس آئے اور ان میں سے ایک نے کسی
قدر مؤدب انداز میں کہا۔

''آیئے..... مس ازابیلا آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

جس کمرے میں مجھے لے جایا گیا تھا وہ بالکل نیا تھا۔ ازابیلا ایک آرام دہ صوفے پر دراز تھی۔ برابر ہی دو افراد اور بیٹھے ہوئے تھے۔ جو خاصے جغادری شکل کے مالک نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''مسٹر پال مورسن، تعجب ہے آپ فرینک میسن کو نہیں پہچان رہے۔ میرا نام فرینک میسن ہے۔''

''میں کسی کو نہیں پہچان رہا۔ مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ فائل آپ کے حوالے کر دینے کے بعد آپ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟''

''جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے، ظاہر ہے ہمارے درمیان ایک پروقار سودا ہو رہا ہے۔ لیکن ہمیں تعجب یہ ہے کہ آپ نے اس سودے سے انکار کیوں کیا تھا، جب آپ فائل اپنے ساتھ لے کر آئے تھے تو پھر آپ نے اس سے انحراف کیوں کیا؟''

''اور تم لوگوں نے میری تلاشی کیوں نہیں لی۔'' میں نے کہا۔

''اس لئے کہ ہماری نگاہوں میں آپ کا ایک وقار ہے۔ آپ ایک پُر وقار شخصیت کے مالک ہیں، غصہ صرف اس بات پر آیا تھا کہ ایک سودے کی تکمیل ہونے کے بعد آپ نے اس سے انحراف کیوں کیا۔''

''ٹھیک ہے، جو کچھ بھی ہوا اس کی وجہ کچھ بھی ہو، لیکن میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا ہے اور میں فائل آپ لوگوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''بہت بہتر، مسٹر پال مورسن! آپ فائل ہمیں دیجئے۔ ہم بھی اپنے وعدے کو نبھائیں گے۔'' میں نے لباس سے فائل نکال کر اُن کی طرف بڑھا دی اور ان میں سے ایک شخص نے جس اپنا نام فرینک میسن بتایا تھا، جھپٹ کر فائل میرے ہاتھ سے لے لی۔ پھر وہ اُسے لئے ہوئے ایک صوفے پر جا بیٹھا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ تک اس نے فائل میں لگے ہوئے مختلف کاغذات دیکھے اور پھر مسکرا کر ازابیلا کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

''فائل مکمل ہے۔''

''گڈ..... وری گڈ..... اس کا مطلب ہے کہ مسٹر پال مورسن نے اپنا قول نبھایا۔ اور اب بھلا ہمیں اس بات پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ شکریہ مسٹر پال مورسن! آپ، اپنے آپ

کو آزاد سمجھئے۔ اور آپ کے وہ دونوں ساتھی بھی آپ کے ساتھ ہی یہاں سے جائیں گے۔''

''بالکل ٹھیک.....'' میں نے کہا اور گردن جھکا لی۔ دماغ کی چولیں ڈھیلی ہو گئی تھیں۔ لیکن اس وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہی مناسب تھا۔

ازابیلا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''آپ کو صرف بیس منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے، آدھا گھنٹہ لگ جائے۔ میں یہاں سے آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی واپسی کا بندوبست کئے دیتی ہوں۔ اس دوران آپ آرام کیجئے۔ انہیں ان کے کمرے میں پہنچا دو۔'' ازابیلا نے اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے کہا اور اُن تینوں نے مجھے ساتھ لیا اور ایک کمرے میں آ گئے۔ اس بار بھی کمرہ مختلف تھا۔

اب مجھے ایک معزز مہمان کی حیثیت حاصل تھی۔ بہرطور! آدھے گھنٹے کی بات تھی۔ لیکن سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دونوں قیدی کون ہیں، جن کی رہائی کے لئے یہ فائل طلب کی گئی تھی۔ ظاہر ہے، اُنہی کے لئے مجھ سے یہ بات کہی گئی تھی۔

میں کمرے میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ اور پھر دفعتہً میرا کلیجہ اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ فائل..... فائل..... فائل کہاں سے آیا؟ اُس جگہ فائل کہاں سے پہنچ گئی.....؟ اور اس سلسلے میں ایک ہی بات سوچی سمجھی جا سکتی تھی۔ راعمیس اور صرف راعمیس..... سو فیصد راعمیس..... یہ شخص..... یہ پراسرار روح بلا شبہ جگہ جگہ میری ہمدرد اور میری معاون تھی۔ دل چاہا کہ اُس سے گفتگو کروں۔ چنانچہ میں نے اُسے پیار بھرے لہجے میں پکارا۔ ''راعمیس.....'' لیکن نہ تو اُس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور نہ ہی اُس کی آواز سنائی دی۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات قیامت تک نہیں سوچ سکتا تھا کہ فائل راعمیس ہی نے مہیا کیا ہے۔ گویا وہ میری رہائی چاہتا تھا، اس انداز میں۔

جب مجھے اُس کی آواز سنائی نہ دی تو میں خاموش ہو گیا۔ راعمیس خود بھی بگڑا ہوا تھا اور مجھ تک نہیں آنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس لئے ضرورت پڑنے پر مجھے صرف اُس کی تحویل مل جاتی تھی۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''راعمیس! تم نے بہرطور! مجھ پر بہت سے احسانات کئے ہیں اور کم از کم تمہارے احسانات سے میں انکار نہیں کر سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اُن میں سے کوئی احسان نہیں چاہتا تھا، لیکن اب کیا کروں؟ میری تقدیر مجھے

مسلسل عذاب میں گرفتار کئے ہوئے ہے اور تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے۔ بہر حال! اس کے لئے تمہارا شکریہ۔''

بیس منٹ کے بعد وہی تینوں افراد پھر آئے۔ اس بار اُن کے ساتھ وہ دونوں قیدی بھی تھے، جن میں سے ایک مرد اور ایک عورت تھی۔ دونوں ہی صورت سے خوش نظر آرہے تھے۔ لیکن معمر شخص کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ تینوں ہم لوگوں کو لے کر باہر گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہمیں جزیرے کے ساحل کی جانب لے چلے۔ لیکن وہ ساحل نہیں تھا، جہاں عام طور سے سٹیمر آ کر لگتے تھے۔ بلکہ ایک اور ہی جگہ تھی۔ یہاں ایک سٹیمر کھڑا ہوا تھا جس میں ہمیں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا۔ کوئی بھی مجھے چھوڑنے نہیں آیا تھا۔ ازابیلا سے میری دوسری ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اُس پر لعنت بھیجی۔ میں یہاں سے گلو خلاصی حاصل کر جاؤں۔ اُس کے بعد بھلا مجھے کس چیز کی پرواہ ہو سکتی ہے؟

جب سٹیمر سمندر میں کافی دُور نکل گیا تو معمر شخص نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مسٹر! آپ کو میں کس نام سے پکاروں؟ وہ لوگ آپ کو پال مورسن کہہ رہے تھے۔''

''اگر آپ مجھے کسی نام سے پکارنا چاہتے ہیں تو منصور کہہ سکتے ہیں۔ میرا نام پال مورسن نہیں ہے۔''

''آپ کا نام کچھ بھی ہو۔ میں صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میرے عوض وہ انتہائی قیمتی اور اہم فائل اُنہیں دے دیا گیا؟''

''ہاں..... اس کے بغیر تمہاری زندگی بچنا ممکن نہیں تھی۔''

''آہ..... مجھے اپنی زندگی کی اس قدر فکر نہیں تھی۔ میں تو صرف اپنے وطن کے لئے مر چاہتا تھا۔ بہت غلط کیا گیا ہے..... بہت بڑا نقصان اٹھایا گیا ہے۔ مجھے اس نقصان کا قیامت افسوس رہے گا۔''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... بہتر یہ ہو گا کہ آپ خاموشی اختیار کریں۔ اور ہاں سنئے! ساحل پر اُترنے کے بعد آپ کو خود اپنا راستہ منتخب کرنا ہو گا۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔''

''جیسا آپ کہیں۔ بہر طور! ہمارا مسئلہ اس حد تک تو حل ہو گیا ہے۔ لیکن ہمیں بتا

دیجئے کہ ہمیں کہاں جانا ہو گا؟''

''میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''اوہ..... اوہ..... ٹھیک ہے۔ اب جیسا بھی ممکن ہوا، کر لیا جائے گا۔ لیکن آپ کی اس بے رُخی کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔''

''سنئے! میں آپ سے کچھ نہیں کہنا چاہتا..... کچھ بھی نہیں..... آپ کو آزادی مل گئی، آپ اس آزادی کی قدر کیجئے۔''

''لیکن فائل کی قیمت پر مجھے یہ آزادی قبول نہیں۔''

''تو پھر سٹیمر واپس بھی لے آئے گا۔ آپ دوبارہ اس جزیرے پر واپس آجائیے اور اُن لوگوں سے گفتگو کر لیجئے۔'' میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور وہ خاموش ہو گئے۔

ساحل پر اُترنے کے بعد معمر شخص نے مجھ سے کہا۔ ''کم از کم یہ تو بتا دیجئے کہ مجھے کس سے رابطہ قائم کرنا ہو گا؟''

''پولیس سے۔'' میں نے جواب دیا۔

معمر شخص چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ شکریہ۔ آپ کا یہ مشورہ بالکل درست ہے۔'' اُس کے انداز میں کسی قدر ناگواری کا احساس بھی تھا۔ غالباً وہ یہی سوچ رہا تھا کہ میں اُن کے وطن کا باشندہ ہونے کے باوجود بے رُخی کا اظہار کیوں کر رہا ہوں؟ لیکن میں جانتا تھا کہ میں کون سے وطن کا باشندہ ہوں۔

تھوڑی دُور چلنے کے بعد اُس نے مجھ سے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا اور میں نے طوعاً کرہاً اُس سے ہاتھ ملایا۔ اُس کے بعد میں اُن سے جدا ہو گیا۔ ہوٹل پہنچ کر میں نے سب سے پہلے غسل کیا اور اُس کے بعد اپنے آپ کو مسہری پر گرا دیا۔ انتہائی بے چینی سے وقت گزرا تھا۔ جو واقعہ میرے ساتھ پیش آیا تھا، وہ ناقابل یقین تھا اور میرے لئے باعث تکلیف۔ اب کیا کروں؟ کون سی ایسی ترکیب ہونی چاہئے کہ مجھے اس منحوس صورت سے نجات ملے، جو جگہ جگہ مجھے عذاب میں گرفتار کر دیتی ہے۔ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہت دیر تک مسہری پر لیٹا اپنے آپ کو، کوستا رہا۔ بے چارے راعمیس کا واقعی مجھ پر احسان تھا اور اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ میں نے بلاوجہ جھنجلاہٹ میں اُس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ لیکن راعمیس بھی مجھ سے ناراض تھا اور میری آواز پر میرے نزدیک نہیں آتا تھا۔

لیکن اُس کی مدد برابر جاری تھی۔

دیر تک سوچتے سوچتے دفعتہً ذہن میں ایک خیال آیا۔ کیوں نہ پلاسٹک سرجری کے ذریعے اپنے اس چہرے کے خدوخال تبدیل کرا لوں؟ بالکل ہی مختلف شکل دے لوں خود کو..... واقعی اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ ایک کارآمد بات تھی۔ لعنت بھیجتا ہوں میں اس شکل پر جو بار بار مجھے مصیبتوں کا شکار کراتی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو تبدیل کر لوں اور اس طرح مجھے اس مصیبت سے نجات مل سکتی ہے۔ دل میں یہ خیال اس قدر جڑ پکڑ گیا کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ بقیہ رقم جو میرے پاس محفوظ ہے، اُس سے سب سے پہلے اپنے چہرے کو تبدیل کراتا ہوں۔ اُس کے بعد جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ یہی میری مصیبتوں کا حل تھا۔

پورا دن میں نے ہوٹل ہی میں پڑے پڑے گزار دیا تھا۔ وہ معمر شخص اور اُس کی ساتھی عورت جہاں بھی گئے ہوں، مجھے بھلا اُن سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ میں تو اب یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وینس میں مجھے کچھ اور پرسکون لمحات مل سکیں گے؟ اس شہر کے بارے میں بہت سی روایتیں سنی تھیں۔ بلاشبہ اس کے جو نظارے میرے سامنے آئے تھے، وہ کافی دلکش تھے لیکن اب تو دل میں یہ خوف پیدا ہوتا تھا کہ باہر نکلوں گا اور کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ اس خوف سے اپنے آپ کو نجات دلانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ لیکن پتہ نہیں کیوں، ذہن پر یہ بات مسلسل سوار تھی۔

اس وقت رات کا تقریباً ڈیڑھ بجا تھا۔ میں گہری نیند سو رہا تھا کہ دفعتہً کسی نے میرا گریبان پکڑ کر مجھے زور سے جھنجوڑا اور پھر مجھے اُٹھا کر کھڑا کر دیا گیا۔ میں نے پریشانی کے عالم میں آنکھیں پھاڑ دی تھیں۔ غور سے دیکھا تو ازابیلا اور اُس کے وہی تینوں ساتھی تھے۔ ازابیلا کے چہرے پر غیظ و غضب کے آثار نظر آ رہے تھے۔ پستول کی نال میری پیشانی سے چپکی ہوئی تھی۔

''تمہارا کیا خیال تھا؟ کیا تم نقلی فائل دے کر ہم لوگوں کو بے وقوف بنا سکتے ہو؟ میں..... میں تمہارے اتنے ٹکڑے کروں گی کہ کوئی گن بھی نہیں سکے گا''

میں نیند کے عالم میں تھا۔ کچھ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ازابیلا کے الفاظ میرے ذہن میں ضرور گونج رہے تھے۔ لیکن اُن کا مفہوم ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کی طرف رُخ کر کے کہا۔ ''سنبھالو اسے..... بے ہوش کر دو۔'' اُن میں سے ایک میری طرف بڑھا اور اُس نے پھرتی سے میری ناک پر ایک رومال رکھ دیا۔ میں نے جدوجہد کرنے کی کوشش کی۔ لیکن رومال سے اٹھنے والی بو اتنی تیز تھی کہ میں اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکا اور چند لمحات کے بعد ہوش و حواس سے عاری ہو گیا.....

جب آنکھ کھلی تو ایک کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا اور اعصاب پر ایسی تھکن سوار تھی جیسے ساری رات شبنم میں بھیگتا رہا ہوں۔ میں نے ایک کراہ کے ساتھ کروٹ بدلی اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ تقدیر ذرا بھی ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ حالات مجھے ایک لمحہ سکون دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ نہ جانے اب کیا ہو گیا تھا؟ ازابیلا کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔ فائل نقلی ہے..... فائل نقلی ہے.....

لیکن..... لیکن دفعتہً مجھے اپنے سامنے ایک سفید سا کاغذ پڑا ہوا نظر آیا۔ آنکھوں کے بالکل سامنے تھا اور اس طرح ہل رہا تھا، جیسے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرانا چاہتا ہو۔ دفعتہً میرے ذہن میں راعمیس کا خیال آیا تھا اور میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کاغذ پر جھپٹا مارا..... میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ کاغذ پر راعمیس کی ویسی ہی تحریر تھی جیسی اس سے پہلے میں دیکھ چکا تھا۔ میں نے اُس کے الفاظ پڑھے۔ لکھا تھا.....

''راعمساس کے ہم شکل! میری کیفیت کو تم صحیح طور پر محسوس نہیں کر سکتے۔ جب تمہاری صورت پر نگاہ کرتا ہوں تو اپنا پیارا دوست یاد آ جاتا ہے اور نہ جانے کیوں دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ احسان کروں۔ اور جب تمہاری احسان فراموشی کا خیال آتا ہے تو دل میں تم سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں تمہیں سکون سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ میرا پروگرام جاری ہے۔ تمہیں رواں دواں رہنا ہو گا..... تمہیں مصیبتوں میں گھرتے رہنا ہو گا..... کیا سمجھے؟ رُوحیں جب انتقام پر اُترتی ہیں تو پھر اُن سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ میرے اور تمہارے درمیان ایک چپقلش چل رہی ہے۔ اپنے آپ کو دنیا کے کون سے گوشے میں چھپاؤ گے..... کس چکر سے بچاؤ گے..... میں یہ دیکھوں گا۔ زندگی کا حسن بھی ملے گا اور بدصورتی بھی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے..... اب اس نئی مصیبت میں گرفتار ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں اگر چاہتا تو اصل فائل بھی اُن کے سامنے

لاسکتا تھا۔ لیکن پھر اس میں مزہ ہی کیا رہتا..... کیا سمجھے؟'' (راعمیس)

دماغ بھک سے اُڑ کر رہ گیا تھا۔ راعمیس..... راعمیس..... دل میں اُس کے لئے جو گداز پیدا ہوا تھا، وہ سب کا سب ختم ہو گیا اور اب میری آنکھیں غصے کی شدت سے سرخ ہو گئی تھیں۔ میں نے غیظ بھرے لہجے میں کہا۔ ''تو کیا سمجھتا ہے..... تو کیا سمجھتا ہے صدیوں پرانے بوڑھے! کیا میں تیری مدد سے ہی جی سکتا ہوں؟ نہیں..... ہرگز نہیں۔ میں نے تو بس تیرے احسان کو محسوس کر کے تجھے آواز دی تھی۔ لیکن اب..... اب میں تجھے کبھی آواز نہیں دوں گا۔ صورت حال کچھ بھی ہو جائے..... کچھ بھی کرے تو میرے ساتھ..... لیکن میں اب اسے تیری دوستی نہیں سمجھوں گا۔ میں تجھ سے مسلسل مقابلہ کرتا رہوں گا۔ دیکھتا ہوں، تو کب تک مجھے پریشان کرتا ہے.....''

ذہن ایک بالکل نئے موڑ پر آ گیا تھا۔ غصے کی شدت سے دماغ چیخ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دروازے پر پہلے آہستہ سے دستک دی۔ جب کوئی جواب نہیں ملا تو زور سے شانے کی ٹکر دروازے پر ماری۔ میرے بدن کی قوت تھی یا پھر دروازہ کمزور تھا۔ ایک کواڑ اپنی جگہ چھوڑ گیا۔ وہ چوکھٹ کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔ جب کہ باہر کا تالا بدستور لگا ہوا تھا۔ میں نے حیرت سے اس منظر کو دیکھا۔ اپنے آپ کو کبھی بھی ٹارزن سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن بہرطور! اس وقت سب کچھ ہو گیا تھا اور مجھے باہر نکلنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہو رہی تھی۔

میں باہر نکل آیا۔ ایک وسیع وعریض راہ داری میرے سامنے سنسان پڑی ہوئی تھی۔ کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ویسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں کون سی جگہ ہوں؟ ممکن ہے، یہ ''میرینو'' کی وہی عمارت ہو اور ازابیلا مجھے دوبارہ وہیں لے آئی ہو۔ لیکن ماحول کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔ عمارت بہت چھوٹی سی تھی اور کسی ویران سے مقام پر واقع تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ یہاں اور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ میں باہر نکل آیا۔ ایک طرف دُور دُور تک آدم جھاڑیاں اور درخت پھیلے ہوئے تھے اور دوسری طرف پتھریلا میدان تھا جو بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔

اسی وقت میری نظریں ایک چھوٹی سی سڑک کے کنارے کچی جگہ پر بنے ہوئے ٹائروں کے نشانات پر جم گئیں اور میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ پھر میں نے کناروں سے ٹائروں

کے نشانات تلاش کئے اور اُن کے سہارے سہارے آگے بڑھنے لگا۔ ٹائروں کے نشانات بلندی کی جانب جا رہے تھے۔ میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نئی جگہ کون سی ہے اور یہاں کیا کچھ موجود ہے؟

دفعتہً ہی ایک سنسناہٹ سی سنائی دی اور کوئی چیز میرے سر سے صرف تین انچ اوپر سے گزر گئی..... اس کے ساتھ ہی میں نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی تھی۔ پہاڑیوں میں گونجنے والی بازگشت اس بات کا اظہار کرتی تھی کہ مجھ پر رائفل سے فائر کیا گیا ہے۔ صاف مطلب تھا کہ مجھے مکان سے نکلتے دیکھ لیا گیا تھا۔

پھر باقاعدہ فائرنگ ہونے لگی۔ گولیاں بارش کی طرح میرے آس پاس سے گزر رہی تھیں اور میں بے حس وحرکت جھاڑیوں میں لیٹا مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس فائرنگ سے نجات ملے تو میں کچھ کروں۔ فائرنگ ایک لمحے کے لئے رُکی تھی کہ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اُچھل کر ایک درخت کی آڑ میں چھپ گیا..... فائرنگ دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ لوگ کون ہیں اور کہاں چھپے ہوئے ہیں؟ پتہ نہیں، اُن کی تعداد کتنی ہے؟ بس! میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کوئی بھی ہیں، اگر میرے ہاتھ لگ جائیں تو ایک بار پھر میں اپنی قوتوں کو آزماؤں.....

اگرچہ درخت کے دوسری طرف جانے میں خطرہ تھا۔ لیکن خطرہ مول لئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ میں غیر محسوس انداز میں ایک طرف رینگنے لگا..... اطراف میں کانٹے دار جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں جو میرے ہاتھوں اور پیروں پر خراشیں لگا رہی تھیں۔ مگر میں مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ چند لمحات کے بعد فائرنگ بند ہو گئی۔ میں نے سر اُبھار کر دیکھا۔ کافی فاصلے پر ایک شخص رائفل سنبھالے متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے اور اُس کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ لیکن پھر دفعتہً ہی اُس نے مجھے دیکھ لیا اور دوسرے ہی لمحے رائفل سنبھالے وہ میری طرف لپکا..... رائفل کے آگے لگی ہوئی سنگین، دھوپ میں چمک رہی تھی۔ پھر رائفل یا تو خالی ہو چکی تھی یا بدحواسی میں وہ فائر کرنے کی بجائے مجھے سنگین کا نشانہ بنانا چاہتا تھا۔

وہ جیسے ہی میری طرف بڑھا، میں نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو فضا میں بلند کیا اور اُس پر حملہ کر دیا۔ اُس نے سنگین سے مجھ پر وار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں صاف بچ گیا

اور دوسرے لمحے میں نے عقب سے اُس کا نرخرہ پکڑ لیا۔ رائفل اب بھی اُس کے ہاتھ میں
تھی۔ لیکن میں نے اُس کی گردن دبائی ہوئی تھی اور پوری قوت سے اُسے سنبھالے ہوئے
تھا۔ وہ پلٹ نہیں سکا تھا۔

''ازابیلا کہاں ہے؟'' میں نے غراتے ہوئے پوچھا۔ لیکن اُس نے جواب دینے کے
بجائے ایک بار پھر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اب اُس کا ہاتھ رائفل کے ٹریگر پر پہنچ رہا تھا۔
میں نے انتہائی پھرتی سے اُس کی رائفل پر ہاتھ ڈال دیا اور اب ہم دونوں میں رائفل کے
لئے کشمکش ہونے لگی..... میری کوشش تھی کہ رائفل کی نال کا رُخ آسمان کی جانب رہے۔
اس کے ساتھ ہی میں نے اُس کے گھٹنے پر ایک زوردار ٹھوکر لگائی۔ وہ بلبلا اُٹھا۔ مگر رائفل
پر اُس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں لڑکھڑاتے ہوئے نیچے گر گئے۔ نیچے گرتے
ہی مجھے دونوں ہاتھ رائفل پر جمانے کا موقع مل گیا۔ سنگین اُس کے نرخرے کو چھوٹ رہی
تھی.... میں نے ایک بار پھر غرا کر ازابیلا کے بارے میں پوچھا۔ وہ رائفل چھوڑ چکا تھا
لیکن میری بات کا جواب دینے کی بجائے نہ جانے کس طرح اُس نے چاقو نکال لیا۔ میں
ایک لمحے میں ہوشیار ہو گیا تھا۔ اُسے حملہ کرنے کا موقع دینے سے پہلے ہی میں نے رائفل
پر دونوں ہاتھوں کا دباؤ بڑھایا۔ سنگین اُس کے نرخرے کو کاٹتی ہوئی اندر گھس گئی تھی اور خون
کا فوارہ بہہ نکلا تھا.....

میں پھرتی سے اُسے چھوڑ کر ہٹ گیا۔ خون بری طرح اُس کی گردن سے اُچھل اُچھل
کر باہر نکل رہا تھا اور وہ زمین پر تڑپ رہا تھا۔ چند ہی لمحات میں اُس کی آنکھیں بے نور ہو
گئیں۔ چاقو اب بھی اُس کی مٹھی میں دبا ہوا تھا۔ میں اُسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا رہا
اور اُس کے بعد میں نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلائی اور اُس کے ہاتھ سے چاقو نکال
کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ بے گناہ انسانوں کا خون
میرے ہاتھوں ہو رہا تھا اور وہ بھی غلط فہمی کی بنیاد پر..... میں وہ بن چکا تھا، جو قیامت تک
نہیں بننا چاہتا تھا۔ لیکن کیا کرتا؟ کوئی بات سمجھ میں تو آتی نہ تھی..... کہیں سکون تو نہیں
تھا..... میں تو امن کی دنیا کا انسان تھا۔ پُرسکون گوشوں میں زندگی گزارنے کا خواہاں، ایک
اچھے انسان کی حیثیت سے..... لیکن تقدیر مجھے اچھا انسان نہیں بننے دے رہی تھی۔ میری
کوشش ناکام رہی تھی..... ہر کوشش.....

میں انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ دفعتہً عقب سے آہٹیں سنائی دیں اور میں نے دو
انسانوں کو دیکھا جو بالکل میرے قریب پہنچ چکے تھے۔ یقیناً وہ میرے دوست نہیں تھے۔ اُن
کی خونخوار نگاہیں بتا رہی تھیں کہ اب وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اُن کی نگاہیں اپنے
ساتھی کی لاش کو بھی دیکھ رہی تھیں۔ اور اُن کے چہرے پر خون ہی خون نظر آ رہا تھا.....
موت اب مجھے بالکل قریب محسوس ہو رہی تھی..... بس! یہی جی چاہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کر
کے زمین پر لیٹ جاؤں..... اس کے سوا چارۂ کار بھی کیا تھا؟

☆.....☆.....☆

وہ دونوں مجھ سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے.....میں فوری طور پر فیصلہ نہیں کر سکا تو
کہ اب ان لوگوں کے لئے کیا کروں؟ لیکن پھر ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں نے
اُن سے آہستہ سے کہا۔

''یہ لوگ آپس کی جنگ کا شکار ہوئے ہیں۔ میرا ان کی موت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔
میں ازابیلا سے ملنا چاہتا ہوں۔ اُس کے لئے میرے پاس ایک اہم اطلاع ہے۔ جس
مکان میں مجھے رکھا گیا تھا، اُس سے مجھے نکالنے والے یہی لوگ تھے۔''

میرے ان الفاظ پر اُن لوگوں کے چہروں پر اُلجھن کے آثار نظر آئے۔ لیکن میں نے
محسوس کیا تھا کہ اُن کا غصہ کسی قدر کم ہو گیا ہے۔ تب اُن میں سے ایک نے اپنی رائفل پر
سنگین چڑھائی اور مجھ سے رُخ بدلنے کے لئے کہا۔ میں نے فوراً ہی اُس کے حکم کی تعمیل کی
تھی۔ رائفل کی سنگین میری پشت پر چبھی تو میں آگے بڑھ گیا۔ یقیناً وہ لوگ مجھے آگے چلنے
ہی کا اشارہ کر رہے تھے۔

میری رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ کیونکہ جس راستے پر میں چل رہا تھا، وہ خاصا دُشوار گزار
تھا۔ پہاڑیوں میں سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی ایک پگڈنڈی دُور تک چلی جاتی تھی۔
لیکن راستے میں جگہ جگہ پتھروں کی رکاوٹ تھی۔ کئی بار مجھے موقع ملا کہ چالاکی سے کام لے
کر اُن لوگوں کو اپنا شکار بنا سکوں۔ لیکن بے مقصد بات تھی۔ ان دونوں کو بھی ہلاک کر دیتا
تو اس سے کیا فائدہ ہوتا؟ کم از کم ایسی بات تو ہو، جس کا کوئی مقصد برآمد ہو۔ چنانچہ میں
خاموشی سے اُن کی ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ اور پھر اُونچی اور گھنی جھاڑیوں سے گزرنے کے
بعد اُنہوں نے مجھے ایک جگہ رُکنے کا اشارہ کیا۔ یہاں بھی چٹانیں گھنی جھاڑیوں سے ڈھکی
ہوئی تھیں۔ اور انہی جھاڑیوں کے پیچھے اس غار کا دہانہ تھا، جس میں مجھے لے جایا جانا
تھا.....

غار کی چھت کافی اُونچی تھی اور اس میں ایک ڈھلوان سرنگ کے کافی اندر تک چلی گئی
تھی۔ سرنگ کے اختتام پر مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ میرے دونوں محافظوں میں سے
ایک اندر داخل ہو گیا اور دوسرا بدستور سنگین میری پشت سے لگائے کھڑا رہا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد وہ واپس آیا اور ایک بار پھر ہمیں آگے بڑھنا پڑا..... غار میں
ایک ہلکی سی گونج سنائی دے رہی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ روشنی کے لئے جنریٹر
استعمال کیا جا رہا ہے۔ سرنگ کے آخری سرے پر چھت سے ایک بلب لٹکا ہوا تھا، جس کی
روشنی میں لکڑیوں کی پیٹیوں کے انبار نظر آ رہے تھے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ ان پیٹیوں میں کیا
تھا؟ بہر طور! مجھے اُن کے درمیان سے گزر کر اندر داخل ہونا پڑا اور اندر میری نگاہ ازابیلا پر
پڑی۔ وہ ایک میز کے پیچھے بیٹھی غار کے دہانے کی جانب دیکھ رہی تھی اور اُس کے چہرے
پر عجیب سے آثار تھے۔

میں اُس کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ چند لمحات اسی طرح مجھے گھورتی رہی۔ اور پھر اُس نے
کہا۔ ''تمہارا خیال ہے کہ تم چالاکی سے کام لے کر مجھے شکست دے دو گے۔ لیکن میں ایسا
نہیں ہونے دوں گی پال مورسن! وہ لوگ میرے قبضے سے نکل گئے ہیں۔ لیکن بہت جلد میں
دوبارہ اُنہیں گرفتار کر لوں گی۔ اور اُس کے بعد اُن کی رہائی آسان نہیں ہو گی۔''

''تم ضرور ایسا کرنا ازابیلا! لیکن میرا خیال ہے کہ میرے سلسلے میں تم قطعی طور پر غلط فہمی
کا شکار ہو۔ میں نے تمہیں اصل فائل ہی دیا تھا۔ البتہ تمہاری رہنمائی کے لئے ایک بات بتا
سکتا ہوں۔''

''کیا؟''

''میں نہیں جانتا کہ اُس شخص سے تمہارا کوئی تعلق ہے، جس نے اپنا نام فرینک میسن بتایا
تھا۔ فرینک میسن اگر تمہارا کوئی بہت ہی قابلِ اعتماد آدمی ہے، تو پھر فائل کا نقلی ہونا میری
بدقسمتی ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر تم میرے بجائے اُسے بھی نگاہ میں رکھو تو میرے
خیال میں نہ صرف تمہارے لئے، بلکہ میرے لئے بھی بہتر ہو گا۔''

میرے ان الفاظ پر ایک لمحے کے لئے ازابیلا چونک گئی۔ اور پھر اُس نے تعجب سے
پوچھا۔ ''لیکن..... لیکن فرینک میسن کے بارے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میڈم ازابیلا! یہ وہی شخص ہے، جس نے فائل کے اصلی ہونے کی تصدیق کی تھی۔ اور

اس کے بعد آپ نے مجھے رہائی کا پروانہ جاری کیا تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ اُس شخص کی
نیت بدل گئی ہو؟ کیا وہ خود فائل کو ہضم کر جانے کے چکر میں نہیں ہو سکتا؟ ممکن ہے، اُس
نے فائل خود تبدیل کیا ہو۔ آپ اس پر بھی غور کر لیں اور اگر اس کے باوجود قصور میرا ہی نظر
آئے تو میں آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔''

ازابیلا دفعتہً کھڑی ہو گئی۔ میرے ان الفاظ نے اُس پر خاطر خواہ اثر کیا تھا۔ دوسرے
لمحے اُس نے میز پر رکھی گھنٹی بجائی اور وہ آدمی اندر آ گئے۔ ''فوراً ہی فرینک میسن کو چیک
کرو۔ وہ کہاں ہے؟ مجھے چند منٹ کے اندر اندر اس کے بارے میں مکمل اطلاع درکار
ہے۔''

وہ لوگ باہر نکل گئے۔ ازابیلا بے چینی سے ٹہلنے لگی تھی۔ لیکن اس وقت ایسا موقع نہیں
تھا کہ میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا۔ وہ دونوں آدمی جو مجھے یہاں لے آئے
تھے، غار کے دہانے پر جمے ہوئے تھے اور اُن کے بوٹوں کی آہٹ مجھے صاف سنائی دے
رہی تھی۔ اگر میں ازابیلا کے خلاف کوئی کارروائی کرتا تو یقیناً وہ لوگ اندر داخل ہو کر مجھے
بھون ڈالتے۔ چنانچہ ایسی کسی کارروائی کے لئے میں قطعی طور پر تیار نہ ہوا۔ ازابیلا کے
اشارے پر میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد انہی لوگوں میں سے ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اُس کے
چہرے پر وحشت چھائی ہوئی تھی۔ ''فرینک میسن، پال مور میں ہے اور نہ ہی گرین اسکوائر
میں اور نہ ہی ہیڈن بلو میں۔ بلکہ ہیڈن بلو سے اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنا سامان اُٹھا کر وہاں
سے لے گئے ہیں۔''

''اوہ..... اوہ! چاروں طرف آدمی لگا دو۔ اُسے گرفتار کر لو۔ اُسے نکل کر جانا نہیں
چاہئے۔ وہ مجھے دھوکہ دے گیا ہے۔ جاؤ..... سب لوگ اُس کی تلاش میں چلے جاؤ۔ فرینک
میسن! اگر تم نے یہ سب کچھ کیا ہے..... پھر تو تم نے نہ صرف اپنی بلکہ اپنے خاندان کی قسمت
بھی سیاہ کر لی ہے۔ تم اب نہیں بچ سکو گے فرینک میسن..... تم نہیں بچ سکو گے.....'' وہ
ایسے چونکی جیسے اُسے میری موجودگی کا خیال ہی نہ رہا ہو۔ اُس کے بعد وہ مجھے گھورنے لگی۔

''اور اگر تم نے یہ غلط اطلاع دی ہے تو تم..... تم بھی نقصان اٹھاؤ گے۔''

''حالانکہ مس ازابیلا! یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ فرینک میسن نے آپ کو دھوکہ دیا

ہے۔ اس کے باوجود اگر مجھے دھمکیاں دینا آپ کو ذہنی طور پر سکون دیتا ہے تو بھلا میں اس
سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''ڈیو! اندر آ جاؤ۔ اس شخص پر نگاہ رکھو۔ میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد واپس آتی
ہوں۔'' ازابیلا نے دروازے پر جمے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سے کہا اور خود باہر نکل گئی۔

میں غار میں کرسی پر بیٹھا آئندہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ میں نے ایک تکا لگایا تھا، جو
کام کر گیا تھا۔ ممکن ہے، فرینک میسن کسی جگہ سے انہیں دستیاب ہو جائے اور اس کے بعد
میری کیفیت پہلے سے مختلف نہیں ہو گی۔ یہاں رہا، تب بھی یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔
باہر نکلا، تب بھی پریشانی..... لیکن میں اب ان لوگوں کا قیدی بھی نہیں بننا چاہتا تھا۔ چنانچہ
میں نے زور سے آواز دی۔ ''ڈیو..... ڈیو! اندر آؤ۔'' ازابیلا نے باہر کھڑے ہوئے شخص کو
اسی نام سے پکارا تھا۔ وہ بے اختیار اندر داخل ہو گیا۔ لیکن میں اُس کا استقبال کرنے کے
لئے تیار تھا۔ میری ایک ٹھوکر اُس کے پیٹ پر پڑی۔ وہ تکلیف کی شدت سے دُہرا ہو گیا۔
اُس نے جلدی سے رائفل سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن جبڑے پر لگنے والی دوسری ٹھوکر نے
اُسے پلٹ دیا اور یہ ٹھوکر اتنے زور سے لگی تھی کہ اُس کا جبڑا ٹوٹ گیا اور منہ سے خون کی
موٹی دھار بہہ نکلی۔ اُس نے دو تین بار ہاتھ پاؤں مارے اور اُس کے بعد وہ بے ہوش ہو
گیا۔

میں دوسرے آدمی کا منتظر تھا۔ لیکن پتہ نہیں کیوں وہ اندر نہیں آیا، جبکہ ڈیو چیخا بھی تھا۔
ہو سکتا ہے اس وقت غار کے دہانے پر صرف یہی شخص موجود ہو، جو میرا شکار ہو گیا تھا۔
چنانچہ میں نے برق رفتاری سے فرش پر پڑی ہوئی رائفل اٹھائی اور اُس کا سیفٹی کیچ ہٹا کر
غار سے باہر نکل آیا۔

سرنگ سنسان پڑی ہوئی تھی۔ میں محتاط انداز میں قدم اُٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ لیکن زیادہ
فاصلہ نہیں طے کیا تھا کہ عقب سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور میں تاریکی میں ایک
دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا۔ قدموں کی آواز قریب آتی جا رہی تھی۔ پھر ایک انسانی
ہیولا دکھائی دیا۔ وہ ازابیلا ہی تھی۔ میں نے سانس روک لیا اور اُس کے قریب آنے کا
انتظار کرنے لگا۔ لیکن ازابیلا میری توقع سے کہیں زیادہ چالاک تھی۔ جوں ہی میں نے
رائفل کا کندہ اُس کے سر پر مارنے کی کوشش کی، اُس نے انتہائی پھرتی سے گھوم کر میرے

گھٹنے پر اس زور سے ٹھوکر رسید کی کہ میں کراہ کر رہ گیا۔

"بے وقوف کے بچے! کیا تم یہ سمجھتے تھے کہ میں اتنی ہی بے وقوف ہوں؟" اُس
حلق سے غراہٹ نکلی۔

میں نے خود کو سنبھال کر اُس پر رائفل کی سنگین سے حملہ کر دیا۔ بلا شبہ وہ مارشل آرٹ
بہترین ماہر تھی۔ کیونکہ اُس کے بغیر اس انتہائی پھرتی کا مظاہرہ ممکن نہیں تھا۔ اُس نے
وار بچایا اور اُس کے ساتھ ہی اُچھل کر مجھ پر فلائنگ کک لگانی چاہی۔ میں نے سنبھلنے
لئے جگہ بدلی۔ لیکن اُس کی ٹھوکر میرے ہاتھ پر لگی تھی۔ رائفل میرے ہاتھ سے نکل کر
جا گری اور وہ وحشیانہ انداز میں چیختی ہوئی میری طرف بڑھی۔ اُس نے میرے پیٹ پر
مارنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوگئی..... میں شدت کرب سے کراہ اُٹھا تھا۔
ازابیلا نے وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ اُس نے کراٹے کا ایک اور ہاتھ میرے شانے پر
اور مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے شانے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ تکلیف سے میں دیوانہ ہو گیا
میں نے کسی گینڈے ہی کی طرح اُس کے سینے پر ٹکر ماری اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی دیوار
ساتھ جا لگی۔ لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اُس جیسی پھرتیلی اور بہادر عورت
سے پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔ وہ کمبخت جنگ و جدل سے اچھی طرح واقف معلوم ہوتی
جبکہ میں اس سلسلے میں صرف اُلٹے سیدھے قدم ہی اُٹھا سکتا تھا۔

اُس نے اپنے سینے کی تکلیف کو بھول کر ایک بار پھر میری طرف بڑھ کر مجھ پر حملہ کر
کی کوشش کی۔ لیکن اس بار میں نے ایک تھپڑ اُس کے منہ پر رسید کیا تھا۔ سینے کی تکلیف
وجہ سے وہ اپنا داؤ ٹھیک طور پر نہیں لگا سکی تھی۔ میرا تھپڑ بہر طور! ایک طاقت ور مرد کا تھ
چنانچہ وہ ایک بار پھر پیچھے ہٹ کر دیوار سے ٹکرائی اور اب میں اُسے موقع نہیں دے
تھا۔ چنانچہ میں اُس پر پل پڑا۔ میں نے پوری قوت سے دوسرا گھونسہ اُس کی ناک پر
کیا اور اُس کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی۔ وہ تکلیف سے کراہنے لگی تھی۔ لیکن
نے فوراً ہی اپنی اُنگلیوں سے میری گردن کو دبوچ لیا۔ اُس میں اب بھی اتنا دم خم باقی
اگر میں ایک لمحہ کے لئے بھی ڈھیلا پڑ جاتا تو وہ مجھے ٹھکانے لگا دیتی۔ لیکن میں اب
موقع نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ بھول کر کہ وہ عورت ہے، اُس سے با
مقابلہ شروع کر دیا۔ میں نے اُس کے بال پکڑ کر اُس کا سر دیوار سے مارنے کی کوشش

لیکن اُس نے اپنا گھٹنا اُوپر اٹھا دیا تھا۔ اور پھر اُس نے مجھے زور سے دھکا دیا اور میں نیچے جا
پڑا۔ اُس کی ٹھوکر ایک بار پھر میری پسلیوں پر پڑی تھی۔ لیکن جونہی اُس نے دوبارہ ٹھوکر
مارنے کی کوشش کی، میں نے اُس کا پاؤں پکڑ کر موڑ دیا اور وہ منہ کے بل گری۔ لیکن اُس
کے بعد اس نے مجھ سے مقابلہ نہیں کیا تھا۔ لیکن پھرتی سے اُٹھ کر سرنگ کے اندرونی حصے
میں دوڑنے لگی تھی۔ میں دیوانوں کی طرح اُس کے پیچھے دوڑا۔ اگر اُسے بچنے کا موقع مل
جاتا، تو یقیناً وہ کوئی ایسی کارروائی کرتی، جس سے میرے لئے بچنا مشکل ہو جاتا۔

وہ مجھ سے چند گز کے فاصلے پر دوڑ رہی تھی۔ اور پھر وہ غار کے دہانے سے اندر داخل
ہوگئی۔ اُس کا رُخ اپنی میز کی طرف تھا۔ لیکن میز پر پہنچنے سے پہلے ہی میں نے اُس پر
چھلانگ لگا دی اور پوری طرح اُس پر چھا گیا۔ اُس نے مجھے اپنی پشت پر لاد کر پٹخنے کی
پوری کوشش کی تھی۔ لیکن یہ اُس کے لئے آسان ثابت نہ ہوا اور میں نے ایک بار پھر اُس کا
سر میز پر دے مارا۔ لیکن مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُس کا سر میز کے بالکل کونے پر پڑے
گا..... چٹاخ کی آواز آئی اور اُس کی پیشانی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ دماغ میں چوٹ لگی تھی۔
اُس کے دونوں ہاتھ میز پر پھیلے رہ گئے۔ اور جب میں نے اُس کے خون میں ڈوبے ہوئے
چہرے کا رُخ اپنی جانب کیا تو اُس کی پھٹی پھٹی آنکھیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ یہ دنیا
چھوڑ چکی ہے.....

میرا سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ اُسے مردہ دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میرے دل
میں اپنے آپ کے خلاف نفرت کی لہر اُٹھی تھی۔ یہ میری تقدیر ہی تو تھی جو میرے ہاتھوں
انسانی خون بہا رہی تھی۔ لیکن میں کیا کرتا؟ ان تمام چیزوں کے بارے میں سوچنا اب
میرے لئے بے معنی تھا۔ دنیا خود ہی میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔ زندہ رہنا تو میرا بھی حق ہے۔
اس جگہ سے شدت سے بیزاری پیدا ہوگئی تھی۔

میں مزید کوئی کارروائی کئے بغیر سرنگ کے بیرونی حصے کی جانب دوڑنے لگا اور تھوڑی
دیر کے بعد غار کے دہانے سے باہر نکل آیا۔ وہی ویرانہ میرے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ لیکن
اب رُکنا بے مقصد تھا..... چنانچہ میں دوڑنے لگا، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اب کہاں جاؤں گا؟
اور میرا رُخ کس طرف ہو گا؟ مجھے یہی اندازہ تھا کہ میں "میزینو" پر ہوں۔ لیکن تقریباً
چالیس منٹ تک دوڑتے رہنے کے بعد بھی مجھے ساحل نظر نہیں آیا۔ اور اب یہ خیال میرے

دل میں جڑ پکڑنے لگا کہ ممکن ہے، یہ وہ جزیرہ نہ ہو بلکہ کوئی اور جگہ ہو۔ اب اتنی دُور نکل
تھا تو رُکنا بے مقصد تھا۔ دیکھتا ہوں تقدیر مجھے کہاں پہنچاتی ہے؟ اور ایک بار پھر اپنے حوا
کو مجتمع کر کے میں دوڑنے لگا.....

تقریباً پندرہ بیس منٹ مزید دوڑنے کے بعد میں بلند جگہ پر پہنچ گیا اور سانس کی رَ
درست کر کے اُس بلند جگہ سے میں نے تقریباً دو تین فرلانگ کے فاصلے پر ایک سڑک بل
کھاتی ہوئی دیکھی، جس پر اِکا دُکا ٹریفک چل رہا تھا۔ اُس سڑک تک پہنچنے کے بعد صور
حال واضح ہو جاتی تھی۔ کسی بھی وقت ازابیلا کے آدمیوں سے مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔ لیکن اب
اس کی پرواہ کون کرے؟ چنانچہ میں نے سڑک کی جانب دوڑنا شروع کر دیا اور تھوڑی د
کے بعد سڑک کے کنارے جا کھڑا ہوا۔

کچھ فاصلے پر ایک ٹینکر آ رہا تھا۔ میں نے اُسے اشارہ کیا اور ٹینکر رُک گیا۔ ڈرائیور
سر نکال کر مجھے دیکھا اور میں نے اُس سے درخواست کی کہ وہ مجھے کسی آبادی میں چھ
دے..... ڈرائیور نے گردن ہلا دی تھی۔ میں اُس کے ساتھ بیٹھ گیا اور میں نے اس
شکریہ ادا کیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ آدھے سے زیادہ فاصلہ میں پیدل ہی دوڑ کر طے
چکا ہوں۔ ڈرائیور نے اپنی زبان میں مجھ سے ایک دو باتیں کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میر
طرف سے جواب نہ پا کر مایوس ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شہر کی عمارتیں نظر آنے لگیں۔
پہلی عمارت نظر آتے ہی میں نے ڈرائیور سے کہا کہ اب وہ مجھے اُتار دے۔ اور پھر م
نیچے اُتر آیا۔ اس کے بعد میرے لئے شہر میں داخل ہونا مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔

تنہا..... بے یار و مددگار..... کوئی ساتھی، کوئی ہمدرد نہیں..... البتہ دشمن ہر جگہ موجود.....
واہ! کیا حسین زندگی ہے تمہاری بھی مسٹر منصور.....! میں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے
اور اس کے بعد ہوٹل کے علاوہ اور کہاں کا رُخ کر سکتا تھا؟

ہوٹل میں پہنچنے کے بعد فوراً ہی اپنا بوریا بستر سمیٹا۔ کیونکہ ازابیلا کے ہمدرد، ظاہر
مجھے تلاش کرتے ہوئے سیدھے یہیں آئیں گے اور اس کے بعد ممکن ہے، وہ مجھ سے گفتگو
کرنے کی زحمت بھی گوارہ نہ کریں اور میرا حساب کتاب کر کے چلے جائیں۔ بہرطور! م
ساری دنیا سے نہیں لڑ سکتا تھا۔ اس لئے یہاں سے نکل کر کسی نئے ٹھکانے کی تلاش ضرو
تھی۔ ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر میں باہر نکل آیا اور اُس کے بعد نئے ٹھکانے کی تلاش ش

سرگرداں ہو گیا۔

میں نے اس بار ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ یہ خوبصورت علاقے میں تھا۔ فائیو سٹار نہیں تھا۔ لیکن سہولتیں فائیو سٹار جیسی تھیں۔ اس ہوٹل کا نام ''سالمو'' تھا۔ سالمو کی آٹھویں منزل پر مجھے ایک کمرہ دستیاب ہو گیا اور کمرہ دیکھ کر ہی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ ہر چند کہ یہاں زیادہ وقت نہیں گزار سکتا تھا۔ کیونکہ ہوٹل بے حد مہنگا تھا اور میرے پاس سرمایہ محدود تھا۔ لیکن چند خطرناک دن یہاں رہ کر گزارنے میں کوئی حرج نہ تھا۔ سالمو کے اس کمرے میں زندگی کی تمام آسائشیں موجود تھیں۔ اگر میں کمرے سے باہر نہ بھی نکلتا تو کوئی اُلجھن کی بات نہیں تھی۔ لیکن ان دنوں ذہنی کیفیت تقریباً خراب ہی ہو گئی تھی۔

غسل وغیرہ کر کے اپنا حلیہ درست کیا، نیا لباس پہنا اور ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں آ گیا۔ بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے۔ بہترین شخصیتوں کے مالک..... بہترین حیثیت رکھنے والے..... اُن کے درمیان، میں ایک مضحکہ خیز چیز تھا۔ لباس ہر چند کہ میرا بھی اچھا ہی تھا۔ لیکن شخصیتوں اور حیثیتوں کی بات بھی ہوتی ہے۔ میں نے اپنی میز پر بیٹھ کر ایک طائرانہ نگاہ چاروں طرف دوڑائی اور پھر اپنی میز سے تیسری میز پر ایک معمر جوڑے کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ وہی دونوں افراد تھے، جنہیں میں نے ازابیلا کی قید سے آزادی دلائی تھی۔ مجھ سے زیادہ سرپھرے معلوم ہوتے ہیں۔ دشمن کی قید سے نکلنے کے باوجود وہ اس طرح آزادی سے کسی ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ بات بہت ہی حیرت انگیز تھی۔ کہیں وہ مجھے دیکھ کر پہچان نہ لیں..... اس تصور سے میں نے رُخ تبدیل کرنے کی کوشش کی، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ معمر خاتون کی نگاہیں بہت تیز تھیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی تھیں۔ غالباً انہوں نے معمر شخص سے میرے بارے میں کچھ کہا بھی نہیں تھا۔ وہ تیر کی طرح میری میز کی طرف ہی آئی تھیں اور پھر میز کی سطح پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھکیں اور کہنے لگیں۔

''میرے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اگر کسی کو ایک بار دیکھ لیتی ہوں تو زندگی بھر نہیں بھولتی۔''

میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور پھر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''لیکن آپ اگر مجھے بھول جائیں تو عنایت ہو گی۔''

معمر عورت ہلکے سے ہنس پڑی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''محسنوں کو، کون بھول سکتا ہے میرے پیارے بچے؟ تم پہلے بھی ہم سے بیزار نظر آئے تھے اور اب بھی اُسی بیزاری کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ لیکن یہ تمہارا فعل ہے۔ اُٹھو..... اگر تم میرے ساتھ میری میز پر نہ گئے تو ہم دونوں تمہاری میز پر آ بیٹھیں گے اور بلاوجہ تمہارے اخراجات بڑھ جائیں گے۔''

میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اخراجات تو ویسے ہی میرے حلق پر اٹکے ہوئے تھے۔ واقعی! اگر یہ دونوں یہاں نازل ہو گئے تو اچھا خاصا بل بن جائے گا۔ پکڑا گیا تھا تو اب کیا کرتا؟ چنانچہ میں معمر خاتون کے ساتھ اُس میز پر پہنچ گیا، جہاں حضرت بھی بیٹھے ہوئے تھے اور معمر خاتون کے اِس طرح چلے جانے پر حیران تھے۔ انہوں نے بھی مجھے پہچان لیا اور پرتپاک لہجے میں بولے۔ ''اوہو! تم..... تم پراسرار انسان تم..... خوب ویلینا! تم نے انہیں خوب پکڑا۔''

''یہ اِس وقت بھی اُسی کیفیت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ لیکن جان! ٹھیک بھی ہے۔ ایک اجنبی کسی پر اِس سے زیادہ کیا احسانات کر سکتا ہے؟''

''اس کے باوجود ہم اپنے محسن کو نظر انداز تو نہیں کر سکتے۔'' معمر شخص نے مجھ سے زبردستی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر مجھے اپنی میز پر بیٹھنے کی پیشکش کر دی۔

''درحقیقت میں جن حالات کا شکار ہوں، اگر کوئی مجھے ایک بار یقین دلا دے کہ مجھے اِس مصیبت سے نکال لے گا تو شاید میں زندگی بھر اُس کی خدمت کرنے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ میں زندگی سے بیزار ہو کر یہاں آ بیٹھا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اب جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ وینس میں تنہا میں ہی پاگل نہیں ہوں۔ آپ لوگ مجھ سے بھی زیادہ خطرناک حالات کا شکار ہیں۔ پھر بھی اس طرح کھلے عام اِس ڈائننگ ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''ہمارا خطرہ تو تم نے دُور کر دیا ہے ڈیئر! اب بھلا ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟'' معمر شخص نے پوچھا۔

''اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیجئے محترم! آپ اب پہلے سے بھی زیادہ خطرے میں ہیں۔''

''کیوں..... کیوں؟'' عورت نے حیرت سے میری صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

''تفصیل مختصر نہیں ہے۔ تاہم میں مختصر الفاظ میں آپ کو بتائے دیتا ہوں۔''

''نہیں! اتنے اختصار کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ پہلے ہم لوگوں کے درمیان تعارف ہو جائے۔ تم نے اُس وقت بھی مجھے کچھ نہیں بتایا تھا اور اِس وقت بھی یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے تم یہاں سے بھاگ جانے کے چکر میں ہو۔ کیا نام ہے تمہارا دوست؟''

''آپ نے مجھے پال مورسن کے نام سے پکارا تھا۔'' میں نے مرد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''بے شک پکارا تھا۔ لیکن اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ تم پال مورسن نہیں ہو۔ کیوں؟ کیا میں نے غلط کہا؟''

''جی نہیں۔ اُس وقت میں ہر ایک سے چیخ چیخ کر یہ کہتا پھر رہا تھا کہ بھائیو! میں پال مورسن نہیں ہوں۔ لیکن کوئی نہیں مان رہا تھا۔ اور اب، جب میں نے خود کو پال مورسن سمجھنا شروع کر دیا تو آپ کہتے ہیں کہ میں پال مورسن نہیں ہوں۔''

دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔ میں جلے کٹے انداز میں اُن کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر مرد نے کہا۔ ''بہرطور! تم مجھے وکٹر آئزک کہہ سکتے ہو۔ یہ خاتون میری بیوی ہیں۔ ویلینا آئزک۔''

''آپ حضرات سے مل کر سمجھ میں نہیں آتا کہ خوشی ہونی چاہئے یا خوف زدہ ہونا چاہئے۔ بہرطور! اخلاقاً میں یہی کہوں گا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔''

''اور ہم سچے دل سے یہ بات کہہ رہے ہیں کہ تم سے دوبارہ ملاقات ہمارے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہو گی۔ اور یقیناً اَب مسز آئزک اتنی بداخلاق نہیں ہیں کہ تمہیں اپنی رہائش گاہ پر مدعو نہ کریں۔''

''رہائش گاہ..... کیا آپ لوگ وینس ہی میں رہتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''فی الحال وینس ہی میں ہیں۔ لیکن بہت جلد یہاں سے چلے جائیں گے۔''

''تب مسٹر وکٹر آئزک! آپ کے لئے یہ اطلاع باعث دلچسپی ہو گی کہ جن لوگوں نے آپ کو قیدی بنایا تھا، وہ دوبارہ آپ کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔''

''یہ بات تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وکٹر آئزک نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''اس لئے کہ انہوں نے مجھے دوبارہ گرفتار کر لیا تھا۔ آپ کا پتہ شاید انہیں معلوم نہیں ہو

سکا تھا۔ چنانچہ میں تنہا ہی اُن کے چنگل میں جا پھنسا تھا۔''
''اوہ..... پھر اُس کے بعد تمہیں رہائی کس طرح حاصل ہوئی؟ اور انہیں دوبارہ تمہاری ضرورت کیوں پیش آئی؟''
''آپ بہت پرسکون ہیں۔ میرا خیال ہے، آپ کو وہاں سے نکلنے کی بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ اور دوبارہ گرفتار ہونے کا بھی کوئی خدشہ نہیں ہے۔''
''نہیں..... یہ بات نہیں ہے۔ دراصل ہمارا خیال تھا کہ ابھی کچھ عرصے تک وہ لوگ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوسکیں گے۔ چند اہم امور تھے جن کی وجہ سے ہم یہاں رُکے ہوئے تھے۔ لیکن تمہارا انکشاف واقعی خطرناک حیثیت رکھتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم اُن کے چنگل سے کس طرح فرار ہوئے؟''
''جس طرح بھی نکلا، یہ ایک لمبی داستان ہے۔ لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ میری زندگی مسلسل خطرے میں ہے۔ کیا آپ کسی فرینک میسن نامی شخص کو جانتے ہیں؟''
''افسوس! میں نہیں جانتا۔''
''یہ اُسی گروہ کا یا افراد کا ایک ساتھی ہے، جنہوں نے آپ کو اور مجھے قید کیا تھا اور یہ خطرناک شخص ہماری تلاش میں نکل پڑا ہے۔''
''میرا خیال ہے وکٹر! ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ حالات ابھی ہمارے موافق نہیں ہیں۔ ہماری سوچ غلط بھی تو ہوسکتی ہے۔'' مسز آئزک نے کہا۔
''ہاں! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں۔ کیا خیال ہے پال مورسن؟ میرا مطلب ہے، آپ کو جو نام بھی ہو۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلنا پسند کریں گے؟
''میں؟'' میں نے تعجب سے کہا۔
''ہاں..... آپ۔''
''مگر کہاں؟''
''ہماری رہائش گاہ پر۔ بشرطیکہ آپ ہم پر بھروسہ کرسکیں۔''
میں چند لمحات سوچتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''اسی ہوٹل کے ایک کمرے میں میرا قیام ہے۔ اور بلاشبہ میں اس جگہ کو اپنے لئے مخدوش سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ لوگ.....!''
''ایک بات پر یقین کرو ڈیئر! کہ ہمارے ذریعے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تمہیں اپنی ٹھیک پوزیشن سے آگاہ کردوں گا۔ اس کے بعد اگر تم میرے ساتھ قیام نہ کرنے کا ارادہ رکھو گے مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ ویسے بھی ہمیں تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا اور اس کے لئے ہماری خواہش تھی کہ کاش! ایک بار پھر تم سے ملاقات ہوجائے۔''
میں تھوڑی دیر تک سوچتا رہا۔ ازابیلا میرے ہاتھوں قتل ہوگئی تھی۔ لیکن اُس کے ساتھی فرینک میسن کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ ہرچند کہ میں نے وقتی طور پر ازابیلا کو فرینک میسن کے فرار کی اطلاع دے کر چکر میں ڈال دیا تھا اور اُس نے اپنے آدمیوں کو فرینک میسن کی تلاش میں دوڑا دیا تھا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ فرینک میسن اپنے ٹھکانوں پر نہیں ملا تھا۔ لیکن ظاہر ہے، یہ ممکن نہیں تھا کہ فرینک میسن انہیں مل ہی نہ سکے۔ وہ لوگ اُس جگہ واپس جائیں گے، جہاں ازابیلا موجود تھی۔ ازابیلا کے قتل کا علم ہوگا تو وہ لوگ اس کے علاوہ اور کیا سوچیں گے کہ میں نے اُسے قتل کیا اور فرار ہوگیا۔ کسی ایک شخص کو وینس میں تلاش کرنا بلاشبہ آسان کام نہیں تھا۔ لیکن جس قسم کے وہ لوگ تھے، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ پورا وینس چھان ماریں گے۔ اور ممکن ہے، مجھ تک پہنچ ہی جائیں۔ ہاں! اگر یہ بوڑھا جوڑا واقعی میرا احسان مند ہے، جیسا کہ اُسے ہونا چاہئے تھا تو ممکن ہے، مجھے اس سے کچھ مدد مل جائے۔ چنانچہ میں نے صرف ایک لمحہ غور کر کے اُن کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کم از کم یہ اندازہ ضرور تھا کہ یہ لوگ میرے دشمن نہیں ہوسکتے۔ میں نے جب اس بات پر آمادگی کا اظہار کیا تو مسٹر آئزک نے مسز آئزک سے کہا۔
''میرا خیال ہے، ہمیں اُٹھ جانا چاہئے۔ اب زیادہ دیر یہاں رُکنا مناسب نہیں ہوگا۔ مسٹر! کم از کم اپنا نام تو بتا دو۔ تاکہ تمہیں تمہارے اصل نام سے مخاطب کرنے میں آسانی ہو۔''
''آپ مجھے منصور کہہ سکتے ہیں۔''
''مون سور.....'' بوڑھے نے میرے نام کا پوسٹ مارٹم کر ڈالا۔ تاہم چل سکتا تھا۔
ہوٹل کا کمرہ چھوڑنے کے سلسلے میں مختصر سی کارروائی ہوئی اور اس کے بعد میں مسٹر آئزک اور مسز آئزک کے ساتھ باہر نکل آیا۔ باہر ایک لمبی سی خوبصورت کار، ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ جو ہمیں لے کر چل پڑی۔ میں خاموشی سے مسٹر اور مسز آئزک کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ راستہ زیادہ طویل نہیں تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد کار ایک خوبصورت رہائش گاہ میں داخل ہوگئی اور وہاں ان دونوں نے بڑی خوش اخلاقی سے مجھے اندر چلنے کے لئے کہا۔ عمارت زیادہ وسیع نہیں تھی۔ لیکن خوبصورت طرز تعمیر کا نمونہ تھی۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ عمارت میں شاید دو تین ملازمین کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ مسز آئزک نے عمارت کے ایک گوشے میں ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تمہارے قیام کے لئے یہ کمرہ تمہیں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ویسے ہم بہت مختصر وقت کے لئے یہاں رُکیں گے۔ اس کے بعد ہمیں چلنا ہے۔ پروگرام یہ تھا کہ ہم ہوٹل ہی میں ڈنر کریں گے۔ لیکن تم نے جو انکشاف کیا ہے، اس کے بعد ہمارا وہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔ میں اپنے کسی ملازم کو بھیج کر کھانا یہیں منگوا لیتی ہوں۔ تم نے کھانا تو نہیں کھایا ہو گا؟''

''نہیں.....'' میں نے جواب دیا۔

مسز آئزک مجھے کمرے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ کمرہ بہت مختصر اور آرام دہ تھا اور ملحقہ باتھ رُوم بھی تھا۔ بہرطور! میرے لئے یہ گوشہ پرسکون تھا تو اس کے علاوہ اور کیا چاہئے تھا؟ میں ایک کرسی پر بیٹھ کر حالات پر غور کرنے لگا۔ یہ دونوں کون تھے؟ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اچھی شخصیت کے مالک ہوں۔ لیکن میرے لئے یہ کیا ثابت ہوں گے؟ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں ان خطرناک لوگوں کی قید میں کیوں تھے؟ فائل کی کیا حیثیت تھی؟

بہرطور! یہ تمام سوالات میرے ذہن میں ضرور مچلتے تھے۔ لیکن میری تو حیثیت ہی مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔ واقعات اس طرح پے در پے پیش آ رہے تھے، میری زندگی میں کہ کسی بھی ایک واقعے کے بارے میں سوچنا عجیب سا لگتا تھا۔ مصر، ایران، ترکی اور اس کے بعد اب یہاں..... اس دوران کیا، کیا ہنگامہ خیزیاں نہیں ہوئی تھیں؟ ہر جگہ میرے دشمن آن کی آن میں بڑھ جاتے تھے اور اس کے بعد میرے لئے زندگی گزارنا دُوبھر ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ وہاں کیوں قید کئے گئے تھے؟ خواہ مخواہ ہی میں اس چکر میں پھنس گیا تھا اور اس کی وجہ بھی مجھے معلوم تھی۔ لیکن تقدیر کے فیصلے انسان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتے۔ میں لاکھ کوشش کرتا رہوں، لیکن جو کچھ ہونا ہے، ہو کر رہے گا۔ یہاں آنے کو بھی میں بہت زیادہ نقصان دہ نہیں سمجھتا تھا۔ ظاہر ہے، آنا ہی تھا۔ اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا، وہ بھی تقدیر ہی میں لکھا ہوگا۔ چنانچہ پریشانی کا شکار کیوں ہوا جائے؟

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مسز آئزک پھر مجھے بلانے آئیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ کھانا لگوا دیا گیا ہے۔ چنانچہ میں ایک معزز مہمان کی حیثیت سے ڈائننگ ہال میں پہنچا۔ جہاں مسز آئزک نے کھڑے ہو کر میرا استقبال کیا۔ اور میرے لئے کرسی سرکا دی۔ مسز آئزک اور میں بھی بیٹھ گئے۔

مسٹر آئزک نے مجھ سے درخواست کی اور ہم کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ سوائے آئزک کی اس مہمان نوازی کے جو وہ مختصر جملوں سے کر رہے تھے۔ اور پھر میرے لئے بھلا تکلف کی کیا گنجائش تھی؟ بہرطور! ان لوگوں کا مہمان تھا۔ کھانے کے بعد ہم ڈائننگ رُوم سے باہر نکل آئے۔ طے یہ کیا گیا کہ عمارت کے عقبی حصے کے چھوٹے سے لان میں کافی پی جائے گی۔ مسز آئزک نے اس دوران دو تین بار کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا تھا۔ غالباً انہیں کسی کا انتظار تھا۔ پھر وہ مجھ سے بولے۔

''مسٹر مون سور! آپ کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ آپ کس طرح ان لوگوں کے جال میں پھنس گئے تھے اور کیسے انہوں نے آپ کو پال مورسن سمجھ لیا۔''

''میرے بارے میں آپ کو جان کر کوئی خوشی نہیں ہوگی مسٹر آئزک! اس کے علاوہ آپ کو جو کہانی سناؤں گا، اُسے سن کر زیادہ سے زیادہ آپ یہی تصور کریں گے کہ میں کوئی کہانی نویس ہوں، جو فوری طور پر آپ کو، کوئی کہانی گھڑ کر سنا رہا ہے۔''

''آپ کی شخصیت ہمارے لئے باعث دلچسپی ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں آپ کے بارے میں کچھ جانوں۔ ویسے بھی آپ نے نادانستہ طور پر ہی ہم پر احسان کیا ہے۔'' ابھی مسٹر آئزک اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ کسی کار کے ہارن کی آواز سنائی دی اور انہوں نے مسز آئزک سے کہا۔ ''اوہ..... دیکھو! شاید وہ آ گیا ہے۔''

مسز آئزک اپنی جگہ سے اُٹھ گئیں اور عمارت کے گرد گھوم کر سامنے والے حصے میں پہنچ گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جس شخص کے ساتھ واپس آئی تھیں، وہ ایک دراز قامت آدمی تھا۔ پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ گلے میں لٹکا ہوا تھا، جس پر پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ اپنی چال اور انداز سے وہ خاصا پھرتیلا اور مستعد نظر آتا تھا۔ عمر بھی تیس بتیس سے

زیادہ نہیں ہو گی۔ آنکھیں روشن تھیں۔ بالائی لب پر بھوری مونچھیں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک نگاہ دیکھنے میں کافی پرکشش اور حسین آدمی نظر آتا تھا۔

مسز آئزک اُسے لئے ہوئے قریب پہنچ گئیں۔ اُس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اُس کے سرخ سرخ ہونٹوں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ پھر اُس نے اپنا بایاں ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''معاف کیجئے گا مسٹر مون سور! بعض اوقات مجبوری کے عالم میں الٹا ہاتھ بھی ملا لیا جاتا ہے۔ آپ اسی پر اکتفا کیجئے۔ کیونکہ میرا سیدھا ہاتھ شدید زخمی ہے۔''

میں نے مسکراتے ہوئے اُس سے ہاتھ ملایا تھا۔ لیکن یہ نہیں جان سکا تھا کہ وہ کون ہے؟ البتہ اُس شخص نے مجھے، میرے نام ہی سے پکارا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ میرا اُس سے تعارف کرا دیا گیا ہے۔ میں نے مسٹر آئزک کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو مسٹر آئزک مسکرا کر بولے۔ ''مسٹر پال مورسن!''

میں نے تھوڑی سی گردن خم کی۔ لیکن دوسرے لمحے اُچھل پڑا اور نوجوان کی صورت دیکھنے لگا۔ ''کک.... کیا.... کیا نام بتایا آپ نے؟''

''میں پال مورسن ہوں، مسٹر مون سور!'' دراز قامت شخص نے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ نوجوان شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہوں..... میرے ہی دھوکے میں آپ کو اُن لوگوں کی قید میں جانا پڑا تھا۔ لیکن بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آسکی۔ آخر اُن لوگوں کو آپ پر شبہ کیوں ہوا؟''

''یہ پہلا موقع ہے کہ میری صورت آپ کی صورت سے نہیں مل رہی مسٹر مورسن! ورنہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''میں سمجھ نہیں سکا....'' مسٹر مورسن نے بدستور مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سمجھانے کے لئے وہی کہانی دُہرانی پڑے گی جس کے لئے میں مسٹر آئزک سے معذرت کر چکا ہوں۔''

''ویسے کیا وہ لوگ آپ کو پہچانتے نہیں تھے؟''

''ہاں! اُن میں سے کوئی میرا صورت آشنا نہیں تھا۔''

''کاش! ہوتا تو شاید اس بار میں بچ جاتا۔'' میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''میں اب بھی نہیں سمجھ سکا۔ براہِ کرم کچھ تو بتائیے.....'' پال مورسن نے کہا۔

''کچھ نہیں بھائی..... بس! وینس کی حسین راتوں کی بات نکلی تھی اور چونکہ اس وقت رات نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ میں نے شام کا تذکرہ کر دیا اور کہا کہ شام بھی حسین ہوتی ہے۔''

پال مورسن کا گرج دار قہقہہ فضا میں گونج اُٹھا تھا۔ اُس نے بے تحاشہ ہنستے ہوئے کہا۔ ''بعض اوقات رسمی گفتگو بھی عذاب بن جاتی ہے۔ دراصل پہچاننے کے لئے یہی کوڈ طے ہوا تھا۔ 'وینس کی حسین رات' اور جواب میں حسین شام کا تذکرہ..... جو عموماً عام گفتگو جیسا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ہمارے درمیان شناخت کا ایک ذریعہ تھا۔

''لعنت ہے ان راتوں اور شاموں پر۔ یہ شناخت میرے لئے عذاب بن گئی۔''

''کون تھا وہ جس نے تم سے ملاقات کی تھی؟''

''مس ازابیلا..... ایک حسین وجمیل خاتون جو افسوس! میرے ہاتھوں ماری گئی اور وہ بھی انتہائی بدترین طریقے سے۔ اس کے علاوہ چارۂ کار ہی نہیں تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میں خود اُن کا شکار ہو جاتا۔ اس بار اُن کا رویہ بے حد سخت تھا اور وہ مجھے معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن مسٹر آئزک! کیا مسٹر پال مورسن.....''

''ہاں دوست! میں چاہتا تھا کہ پال مورسن کی موجودگی ہی میں تمہیں پوری تفصیل بتا دوں۔ ویسے پال مورسن بھی تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ تم نے اُس کے لئے بے پناہ آسانیاں پیدا کر دیں۔ اتنی آسانیاں، جن کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ڈیئر پال مورسن! میرا خیال ہے، مسٹر مون سور کو تفصیل بتا دینی چاہئے۔''

''اس کے لئے آپ ہی موزوں ہیں مسٹر آئزک!'' پال مورسن نے جواب دیا اور اپنی کافی کی پیالی اپنے سامنے سرکا لی۔

میں کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا ہوا، مسٹر آئزک کی صورت دیکھتا رہا۔ تب مسٹر آئزک نے کہا۔ ''ہم لوگ سوئٹزرلینڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں سوئس بینکنگ کونسل کا چیئر مین وکٹر آئزک ہوں۔ تم یقیناً یہ بات جانتے ہو گے مسٹر مون سور! کہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں دنیا بھر کے سرمایہ دار اپنی اپنی دولت رکھتے ہیں۔ ان میں بے شمار ممالک کے افراد ہیں اور سوئس طریقہ کار کے مطابق ان کے تمام اثاثوں کو خفیہ رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے مناسب انتظامات کئے گئے ہیں۔ دنیا کے بے شمار بڑے بڑے افراد کے اکاؤنٹ ہمارے

یہاں کے بینکوں میں ہیں۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک باقاعدہ نظام رائج ہے
آرگنائزیشن جس کے بارے میں کوئی خاص تفصیل مجھے معلوم نہیں، پچھلے چھ ماہ سے کوشش
کر رہی تھی کہ سوئس بینکوں کے بڑے بڑے افراد کو اپنے دام میں پھانس کر کچھ لوگوں کے
اثاثوں کی تفصیلات معلوم کی جائیں۔ یہ لوگ دنیا کے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ مختلف ملکوں
سے ان کا تعلق ہے اور ان کے اثاثے دوسروں کی مانند خفیہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمیں اس
بات کا حق نہیں ہے کہ ہم کسی بھی قیمت پر ان اثاثوں کی تفصیل، کسی غیر متعلقہ شخص کو
بتائیں۔

میرے پاس مسلسل رپورٹیں پہنچ رہی تھیں اور بینکوں کے افسران اس بات کا اظہار کر
رہے تھے کہ کچھ پراسرار لوگ مختلف طریقوں سے انہیں پریشان کر رہے ہیں۔ درحقیقت یہ
ایک خطرناک بات تھی۔ ان اثاثوں کی تفصیلات معلوم کر کے اُن لوگوں کو بلیک میل بھی کیا
جا سکتا تھا اور اس کے نتیجے میں بہت سی اُلجھنیں بھی پیدا ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ اس کے لئے
خصوصی انتظامات کئے گئے، جن کی وجہ سے ان لوگوں کو کچھ نقصانات بھی پہنچے اور اس کے
بعد انہوں نے مجھے اور میری بیوی کو اغواء کر لیا۔ اس کے لئے انہوں نے ایک شاندار
منصوبہ بندی کی تھی۔ اغواء کرنے کے بعد وہ کمبخت ہم دونوں کو نہ جانے کہاں کہاں لئے
پھرے اور خوب گھما پھرا کر بالآخر وینس میں لے آئے۔ مجھے اپنے اس قید خانے کے
بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا ڈیئر مون سور! جہاں تم نے مجھے پہلی بار دیکھا تھا۔ بہر حال! ہم
لوگوں کو یہاں قید کر دیا گیا اور پھر میرے ذریعے سوئس بینکنگ کونسل کے دوسرے ارکان
سے رابطہ قائم کر کے انہیں دھمکی دی گئی کہ اگر انہوں نے ان کی مطلوبہ معلومات فراہم نہ
کیں تو ہم دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

بینکنگ کونسل کے خصوصی اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ بالآخر اُن لوگوں کے نام اور ان
کے اثاثوں کی تفصیلات ان جرائم پیشہ افراد کو فراہم کر دی جائیں۔ اور اس کے ساتھ ہی
ساتھ ان تمام لوگوں کو اطلاعات بھی دے دی جائیں اور انہیں ہوشیار کر دیا جائے کہ وہ اس
سلسلے میں محتاط رہیں۔ یہ فیصلہ بینکنگ کونسل کے اُن ارکان نے کیا تھا، جو بے چارے میرا
احترام کرتے تھے اور میری رہائی کے خواہاں تھے۔ مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا تو میں نے ان
کی تحویل میں ہونے کے باوجود اس بات کی شدت سے مخالفت کی کہ سوئس قوانین کی خلاف

ورزی نہ کی جائے۔ لیکن انہیں میری زندگی عزیز تھی۔ بحالت مجبوری وہ یہ سب کچھ کرنے
کے لئے تیار ہو گئے تھے جو کہ قانوناً بھی اور اصولاً بھی کسی طرح مناسب نہیں تھا۔ ویسے
اپنے طور پر ان لوگوں نے بھی کچھ انتظامات کئے تھے جن کی مختصر تفصیل یہ تھی کہ یہ معلومات
انہیں فراہم کرنے کے بعد جب مجھے آزاد کرا لیا جائے تو اُن لوگوں کو بھی نہ چھوڑا جائے۔
اور اس سلسلے میں جب متعلقہ افراد کو یہ پتہ چلا کہ میں انہیں وینس سے حاصل ہو سکتا ہوں تو
انہوں نے مقامی طور پر انتہائی خفیہ انتظامات کئے تاکہ اُن لوگوں پر قابو پا کر اُن سے وہ
فائل واپس لے لیا جائے، جو اُن کی ضرورت کے مطابق تیار کیا گیا تھا۔ لیکن اتفاقیہ طور پر
مسٹر پال مورسن کو جنہیں اس سلسلے میں مقرر کیا گیا تھا، ایک حادثہ پیش آ گیا اور وہ اس
حادثے کا شکار ہو کر ایک بالکل ہی گمنام جگہ جا پڑے اور وہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ یہ تھی
صورت حال۔ اور اس کے بعد ڈیئر مون سور! تم ان لوگوں کے ہاتھوں حسین رات اور
حسین شام کا شکار ہو گئے اور انہوں نے تمہیں ہی پال مورسن سمجھ لیا۔ لیکن میرے دوست!
کچھ سوالات ایسے بھی ہیں جو تم سے کرنے ہیں۔ تم نے یقیناً ان سے کہا ہو گا کہ تم پال
مورسن نہیں ہو۔ اس کے بعد ایک دم تم پال مورسن کیسے بن گئے؟ اور تم نے وہ فائل انہیں
دے کر ہماری آزادی کیسے حاصل کی؟ فائل کے بارے میں تمہیں تفصیلات کس طرح فراہم
ہوئیں اور ان لوگوں کی قید میں رہ کر تم نے اس کی تیاری کیسے کی؟''

''بس یوں سمجھ لیجئے کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے کیا تھا۔ کیونکہ
ناگہانی طور پر پھنس گیا تھا۔ پہلے تو میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ میں پال مورسن نہیں
ہوں۔ اور کسی فائل وغیرہ سے میرا تعلق نہیں ہے۔ لیکن انہوں نے یہ بات تسلیم نہیں کی اور
مجھے اپنی قید میں رکھ کر مسلسل تشدد کا نشانہ بنایا۔ جان بچانے کے لئے میں نے بہتر یہی سمجھا
کہ اُن سے تھوڑی بہت معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی کارروائی کی جائے۔ بس!
اتفاقیہ طور پر ہی مجھے کچھ ایسے کاغذات دستیاب ہو گئے تھے، جنہیں میں نے اُن کے بیانات
کی روشنی میں ترتیب دے لیا اور وقتی طور پر انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔''

''بہر طور! یہ کام معمولی ذہانت کا نہیں ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے ڈیئر مون سور! کہ
تم کس قدر ذہین انسان ہو۔ ورنہ اتنے چالاک لوگوں کو عارضی طور پر ہی سہی اس طرح
دھوکہ دے دینا آسان کام نہیں تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں انہیں حقیقت کا علم ہو

گیا۔ بہر طور! تم نے نادانستہ ہی جس طرح ہماری مدد کی ہے، ہم اسے نظر انداز نہیں کر
اور شکر گزاری کے طور پر وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں، جس کے تم خواہش مند ہو
''محترم مسٹر آئزک! جیسا کہ میں نے آپ کو مختصراً بتایا کہ میں صرف ایک سیاح ہو
اور سیاحت میری زندگی ہے۔ لیکن اس زندگی میں ایک عجیب و غریب چیز شامل ہے۔ وہ
کہ نادانستہ طور پر ہی سہی، میں ہر جگہ کسی نہ کسی مصیبت کا شکار ہو جاتا ہوں۔ یہاں کچھ
نہیں تھا تو وہ ایک رنگین رات ہی میری گردن میں پھانسی کا پھندہ بن گئی اور اب میں سمجھ
ہوں کہ وہ لوگ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

''اس کے لئے تمہیں قطعی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بہتر تو یہ ہوگا کہ تم وینس
چھوڑ دو۔''

''چھوڑ دوں؟'' میں نے سوالیہ انداز میں مسٹر آئزک کو دیکھا۔

''ہم سوئٹزر لینڈ میں تمہیں خوش آمدید کہہ کر دلی مسرت محسوس کریں گے۔ تم نے مجھے
اور میری بیوی کو جس عذاب سے نکالا ہے، وہ معمولی بات نہیں ہے۔ ان کا تشدد برداشت
کرنا پڑا ہے تمہیں۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ کہ تم نے ہماری ایک ایسی مشکل حل
ہے، جس کے لئے ہم زبردست جدوجہد کر رہے تھے۔ چنانچہ تم ہمارے لئے قابل احترام
ہو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ سوئٹزر لینڈ چلنے کی پیشکش کرتا ہوں۔'' مسٹر آئزک نے کہا۔

پال مورسن مسکراتا ہوا بولا۔ ''ہاں! اگر میں ایک اتفاقیہ حادثے کا شکار نہ ہو جاتا تو نہ
کہہ سکتا کہ بذاتِ خود مجھے کتنی اُلجھنوں سے گزرنا پڑتا۔ ان لوگوں سے میں اتنے سکون
ساتھ نبرد آزما ہو سکتا تھا یا نہیں، چنانچہ میں خود بھی اپنی طرف سے تمہیں سوئٹزر لینڈ
سیاحت کی پیشکش کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے۔''

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ یہ حضرت انکار کی بات کر رہے تھے۔ میں تو فوراً
یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا اور یہ محسوس کر رہا تھا کہ وینس میں اب موت میرے
آسان تر ہو گئی ہے۔ اور فرینک میسن، ازابیلا کی موت کے بعد یقیناً میرا تعاقب کر
اور مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ سوئٹزر لینڈ کی بینکنگ کونسل کا یہ سربراہ یقیناً ایسے ذرائع
ہوگا جن سے وہ باآسانی یہاں سے نکل سکے گا۔ چنانچہ کیوں نہ اس شخص کی اس حیثیت
فائدہ اٹھایا جائے؟ سوئٹزر لینڈ پہنچ کر کوشش کروں گا کہ میری زندگی کسی نئے حادثے

دوچار نہ ہو سکے۔ اور اس کے لئے میرے ذہن میں جو منصوبہ تھا، وہ ابھی تک موجود تھا۔
یعنی اس منحوس صورت سے پیچھا چھڑا لینا۔ خدوخال ہی تبدیل کرا لئے جائیں۔ تاکہ یہ
عذات ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میری زندگی سے دُور ہو جائے۔ چنانچہ میں نے آمادگی کا اظہار
کر دیا۔

اُن تینوں کا رویہ میرے ساتھ بے حد محبت آمیز تھا۔ اور وہ مسلسل میری خاطر مدارت کر
رہے تھے۔ پال مورسن البتہ ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔ اُس کا قیام کہیں اور تھا اور وہ
اپنے طور پر یہاں سے روانگی کا انتظام کر رہا تھا۔ کام تو بس اتنا ہی تھا کہ ان دونوں کو اُن
خطرناک لوگوں کے چنگل سے رہائی دلائی جائے۔

تیسری رات، پال مورسن، ڈنر میں شریک تھا۔ اُس نے کہا۔ ''مسٹر آئزک! ہم زیادہ
سے زیادہ کل یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بظاہر کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکا۔ لیکن میں
دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے ہر طرح کے ذرائع آمد و رفت پر کڑی نگرانی کر
رکھی ہے اور ہم کسی بہتر طریقے سے وینس نہیں چھوڑ سکتے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم عام
لوگوں کی مانند، بذریعہ ٹرین وینس سے سوئٹزر لینڈ تک کا سفر کریں گے..... وہ لوگ آپ کی
شخصیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ وینس کی حکومت کا سہارا لئے بغیر
اپنے طور پر یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ یقیناً وہ ہر اُس ذریعے پر نگاہ رکھے ہوئے
ہوں گے، جن سے آپ سفر کر سکتے ہیں اور اُن کا دائرہ کار ایسی ہی جگہوں تک محدود ہوگا۔''

مسٹر آئزک نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ پال مورسن سے اس منصوبے کے
بارے میں مزید کچھ گفتگو ہوئی اور بالآخر طے پا گیا کہ یہ سفر بذریعہ ٹرین ہی کیا جائے گا۔
میں اپنا مختصر سا سامان ساتھ لے آیا تھا۔ پال مورسن نے مجھ سے میرا پاسپورٹ اور
کاغذات وغیرہ طلب کر لئے اور میں نے یہ چیزیں اُس کے حوالے کر دیں۔ کم از کم اس
طرف سے سکون تھا۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن پال مورسن نے تیاریاں مکمل کرلیں اور ہمیں اطلاع دے دی کہ
وقت ہمیں سٹیشن پہنچ جانا ہے۔ چنانچہ میں، مسٹر آئزک اور مسز آئزک احتیاط سے سٹیشن
گئے۔ کوئی اُلجھن نہیں پیش آئی تھی۔ ایک برقی ٹرین، ہمیں لے کر سوئٹزرلینڈ کی طرف
پڑی۔ ٹرین بے حد تیز رفتار، لیکن پرسکون تھی۔ میں، مسٹر آئزک سے سوئٹزرلینڈ کے بار
میں گفتگو کرتا جارہا تھا۔ مسز ویلینا آئزک ایک خوش مزاج خاتون تھیں۔ اس دن انہوں
اپنی قید کے دوران کے واقعات سنائے تھے۔ اور اُن کے سلسلے میں اپنے جذبات کا اظ
کیا تھا۔ اُن کے خیال میں یہ بہت ہی سنسنی خیز لمحات تھے اور انہیں یہ خدشہ تھا کہ اگر صو
حال بگڑ گئی تو ممکن ہے، انہیں زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں۔

ٹرین میں وہ مجھ سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتی جارہی تھیں۔ کبھی کبھی مسٹر آ
بھی ہماری گفتگو میں حصہ لے لیتے تھے۔ مسز آئزک نے اپنی بھتیجی ایش کے بار
بتایا۔ انہوں نے کہا کہ ایش ایک ایڈونچر پسند اور بے باک لڑکی ہے۔ چونکہ وہ خود صا
اولاد نہیں ہیں، اس لئے ایک فضائی حادثے میں ایش کے والدین کا انتقال ہو جا
بعد اُس وقت، جب وہ صرف گیارہ سال کی تھی، انہوں نے ایش کو اپنے ساتھ رکھ لیا
اور اس وقت سے وہ اُن کے ساتھ ہی ہے۔ ایش کے بارے میں مسز آئزک نے
انداز میں گفتگو کی تھی، اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ایش کو بہت زیادہ چاہتی ہیں۔ انہو
محبت بھرے انداز میں کہا تھا۔

''قید کے دوران مجھے جس چیز کی سب سے زیادہ پریشانی لاحق تھی، وہ ایش تھی۔
گمشدگی سے اُس نے نجانے کیا اثر لیا ہوگا؟ پتہ نہیں، اُسے ہماری آزادی کے بار
اطلاع ملی یا نہیں؟ اس سلسلے میں پال مورسن سے سوال کیا جا سکتا تھا۔ لیکن پال
احتیاطاً ہم سے الگ رہا تھا۔ تاکہ دُور رہ کر ہماری نگرانی کی جاسکے۔

سفر جاری رہا۔ اور اس کے بعد ٹرین دُھند میں لپٹے ہوئے ایک خوبصورت شہر کے پلیٹ فارم پر کھڑی ہوگئی۔ مسز آئزک نے بتایا کہ یہ برگ ہے۔ سوئٹزرلینڈ کا پہلا قصبہ۔ اور اس کے بعد ہمیں برن کی جانب سفر کرنا تھا۔ برن..... جو سوئٹزرلینڈ کا دارالخلافہ کہلاتا ہے۔ برگ سے آگے بلند و بالا برف پوش پہاڑی چوٹیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ سنا گیا تھا کہ کوہ پیمائی کے لئے کوہ پیما اپنی مہموں کا آغاز اسی قصبے سے کرتے ہیں۔ تیز ہوا کے تھپیڑے، پہاڑوں پر جمے گلیشیئر پر سے چھٹتے نیچے آتے تو ان کے ساتھ ہی برف کے تودے بھی گرنے لگتے تھے۔

یہاں سردی کافی بڑھ گئی تھی۔ لیکن الیکٹرک ٹرین میں اس کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ میں دلچسپی سے سوئٹزرلینڈ کے اس روایتی حسن کو دیکھتا ہوا سفر کرتا رہا۔ سیبوں کے باغات بکھرے ہوئے تھے اور ہوائیں چل رہی تھیں۔ برگ سے برن تک کا سفر جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا، کافی طویل تھا۔ لیکن یہ طوالت اتنی لگتی نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کا سفر کیا ہو گا۔ گاڑی اس وقت ایک سرسبز اور شاداب وادی سے گزر رہی تھی۔ وادی کے آخری کناروں پر برف پوش پہاڑوں کی قطاریں کھڑی تھیں اور ان کے ساتھ ہی پرسکون نیلی جھیلیں دکھائی دیتی تھیں۔ شیشے کی بڑی کھڑکی سے پرے نیلے، سفید اور سبز رنگ بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ اس درمیان راستے میں تھن اور انٹرلاکن جیسے خوبصورت شہر نظر آئے۔ جھرنوں، آبشاروں اور چاندی کی مانند چمکتی ندیوں کا تو حساب ہی نہیں تھا۔ زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر قدرتی نظاروں کی بہتات تھی۔ اور بلا شبہ یہ بات کہی جا سکتی تھی کہ سوئٹزرلینڈ کا حسن ناقابل بیان ہے۔

برن کے سٹیشن پر ٹرین رُکی تو چاروں طرف رش لگا ہوا تھا۔ لیکن اس رش میں تھوڑا سا ٹھہراؤ تھا۔ تھوڑا سا وقار تھا۔ وہ ہنگامہ خیزیاں نہیں تھیں، جو اپنے وطن میں پائی جاتی تھیں۔ سروں پر ٹرنک رکھے، شانوں پر گٹھڑیاں لٹکائے، بغل میں سوٹ کیس یا کنستر دبائے لوگ اِدھر اُدھر بھاگتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ بلکہ اس میں ایک دوسروں کی تکلیف کے خیال کا احساس تھا اور کوئی کسی سے اگر ہلکا سا چھو بھی جاتا تو معافی مانگے بغیر نہیں رہتا تھا۔ ہم سٹیشن سے باہر نکلے۔ ٹیکسیاں بڑی تعداد میں موجود تھیں اور ان میں ایسی کاریں تھیں جو دیکھنے کے قابل تھیں۔ پال مورسن نے اب احتیاطی تدابیر ترک کر دی تھیں۔ کیونکہ سفر بہت ہی پر

سکون گزر رہا تھا۔ اور یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی ہمیں نگاہوں میں رکھنے میں کامیاب ہوا ہے۔ چند لمحوں کے بعد پال مورسن ہمارا سامان ایک ٹیکسی کی ڈگی میں رکھوا رہا تھا۔ اور پھر ٹیکسی ہمیں لے کر چل پڑی۔

رات ہو چکی تھی۔ اس لئے نظاروں کا اندازہ مشکل تھا۔ اور پھر جلدی بھی نہیں تھی۔ میں حالات پر غور کر رہا تھا۔ ممکن ہے، جنت نظیر سوئٹزرلینڈ میں آنے کے بعد میری تقدیر کے ستارے گردش سے نکل آئیں اور یہاں سکون کے کچھ لمحات گزارنے کا موقع مل جائے۔ خواہش تو تھی دل میں۔ لیکن کسی بھی خواہش کی تکمیل میرے لئے ممکن نہیں تھی۔ کیونکہ میری ذات سے چند بلائیں چمٹی ہوئی تھیں۔ جیسے راعمیس..... جیسے میرا چہرہ..... یہ تصور میرا ایمان تھا کہ میرا یہ منحوس چہرہ مجھے کہیں بھی سکون نہیں لینے دے گا۔ ہاں! اگر ان خدوخال سے نجات مل جائے تو یقیناً میری تقدیر کا سورج چمک جائے گا۔ میں راعمیس کے دوست کی شکل بھی نہیں رہوں گا اور اس چہرے کی نحوست بھی ختم ہو جائے گی۔ لیکن بہرطور! ابھی یہ کام میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ سوئٹزرلینڈ میں اگر حالات نے ساتھ دیا تو یہ کوشش کروں گا۔

بہرحال! تھوڑے سے سفر کے بعد ٹیکسی ایک پرفضا مقام پر ایک خوبصورت عمارت کے سامنے رک گئی۔ دروازہ بند تھا۔ پال مورسن نے نیچے اتر کر کال بیل دبائی اور چند لمحات کے بعد، ایک دراز قد آدمی نے دروازہ کھول دیا۔ ٹیکسی بجری کی روش سے گزرتی ہوئی ایک خوبصورت عمارت کے صدر دروازے کے سامنے رک گئی اور مسٹر وکٹر آئزک اپنی بیگم کے ساتھ نیچے اتر آئے۔ میں بھی نیچے اتر گیا تھا۔

ویلینا آئزک نے فوراً ہی دراز قامت آدمی سے ایش کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ ایش اپنی خواب گاہ میں موجود ہے۔ ویلینا نے مسکراتے ہوئے مسٹر آئزک کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''ہم دونوں خاموشی سے اس کی خواب گاہ تک چلیں گے۔''

پال مورسن کہنے لگا۔ ''اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں اسی ٹیکسی سے واپس چلا جاؤں؟''

''اوہ، ڈیئر مورسن! اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے۔''

مورسن اسی ٹیکسی سے واپس چلا گیا۔ مسز آئزک مجھے لئے ہوئے اندر داخل ہوئی تھیں۔ ہمارا مختصر سا سامان اس دراز قامت شخص نے اٹھا لیا تھا۔ اور پھر ہم اندر داخل

گئے۔ دو راہداریوں سے گزرنے کے بعد مسز آئزک نے دراز قامت شخص سے کہا۔ ''معزز مہمان کو نچلی منزل کے کمرے میں لے جاؤ۔ ہم لوگ ابھی پہنچتے ہیں۔ پلیز..... مسٹر مون سور!''

''ٹھیک ہے.....'' میں نے جواب دیا۔

مجھے ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جو خاصا کشادہ اور آراستہ تھا۔ زندگی کے وہ تمام لوازمات یہاں بھی موجود تھے، جن کی ضرورت ہوتی ہے۔ بہرطور! سوئٹزرلینڈ پہنچ چکا تھا اور دیکھنا یہ تھا کہ دنیا کا یہ حسین ترین ملک اور یہ خوبصورت شہر، میری پذیرائی کس طرح کرتا ہے؟

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد مسٹر آئزک، مسز آئزک ایک بھرے بھرے بدن کی بے حد خوبصورت لڑکی کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس کی آنکھوں کی بناوٹ عام آنکھوں سے کافی مختلف تھی۔ دونوں طرف سے اوپر کو اٹھی ہوئی یہ آنکھیں خوبصورت بھی تھیں اور پراسرار بھی..... ان میں بلیوں جیسی چمک تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا اور بالکل مردانہ انداز میں میرے ہاتھ کو کئی جھٹکے دیتے ہوئے بولی۔

''مختصر الفاظ میں مجھے یہ بات معلوم ہو چکی ہے مسٹر مون سور! کہ آپ نے کس طرح میرے انکل اور میری آنٹی کی مدد کی ہے۔ یور آر گریٹ مسٹر مون سور! میں آپ کو اپنی اس رہائش گاہ پر خوش آمدید کہتی ہوں اور آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتی ہوں۔''

''شکریہ مس ایش!'' میں نے مختصراً کہا۔ اس کے بعد مسز آئزک نے مجھے ڈنر کی پیشکش کی۔ ڈنر ٹیبل پر ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ایش مجھ سے میرے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ وہ سیاحت کی بے حد شوقین معلوم ہوتی تھی۔ ہنستے ہوئے اس نے مجھ سے سوال کیا کہ میں نے اس وقت کیا محسوس کیا تھا، جب دفعتہً ہی مجھے پال مورسن کہہ پکارا گیا تھا؟''

''حیرانی کے علاوہ میرا اور کیا احساس ہو سکتا تھا مس ایش! درحقیقت میں حیران رہ گیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ میں فائل ان کے حوالے کر دوں تو میں کافی پریشان ہو گیا تھا۔''

''لیکن آپ نے اتنی ذہانت سے وہ فائل کیسے ترتیب دی؟''

''بس! یوں سمجھئے کہ جان بچانے کا تصور ذہن میں تھا۔'' میں نے کہا اور ایش ہ
پڑی۔ وہ بات بات پر ہنسنے کی عادی تھی۔

ڈنر ٹیبل سے اُٹھ کر ہم باہر لان میں آ گئے۔ جہاں تھوڑی دیر چہل قدمی کی گئی اور
کے بعد مسٹر آئزک نے ایش سے کہا۔''مسٹر مون سور اب تمہارے مہمان ہیں ایش!
براہ کرم انہیں اپنے ایڈونچر سے محفوظ رکھنا اور کسی خطرے میں مت ڈال دینا۔ میں تو کل
سے بے حد مصروف ہو جاؤں گا۔ ان کی تمام ذمہ داریاں تمہیں ہی سنبھالنی ہیں۔ ویلینا
تھکن محسوس کر رہی ہے۔ چنانچہ میرا خیال ہے اُسے چند روز کے لئے ہسپتال میں داخل
دیا جائے۔ تاکہ وہ فٹ ہو جائے۔''

''او کے انکل! آپ مسٹر مون سور کی تو فکر ہی نہ کریں۔ ایسے شاندار آدمی کو
سوئٹزرلینڈ کی ایک ایک چیز دکھاتے ہوئے فخر محسوس کروں گی۔ بس! آپ مطمئن رہیں۔''

مسٹر آئزک اور مسز آئزک اپنی خواب گاہ میں چلے گئے۔ ایش مجھے میرے بیڈ روم
چھوڑنے آئی تھی۔ لیکن وہ بے تکلفی سے اندر گھس آئی تھی اور اطمینان سے کرسی گھسیٹ
بیٹھ گئی۔''جوان آدمی! مجھے یقین ہے کہ میرے بوڑھے انکل اور آنٹی کی طرح تم تھکن مح
نہیں کر رہے ہو گے۔ چنانچہ کیوں نہ تھوڑی دیر تم سے گفتگو کر لی جائے؟''

''ضرور مس ایش!'' میں نے جواب دیا۔

''وہ لوگ معمولی نہیں ہوتے، جو کسی اتنی بڑی آرگنائزیشن کو جو سوئٹزرلینڈ کی معزز
ہستی کو اغواء کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو، بے وقوف بنا دیں۔ تمہاری زندگی میں ایسے
سے واقعات آئے ہوں گے۔ کیا تم مجھے ان کے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟''

''تفصیل پھر کبھی مس ایش! لیکن یہ حقیقت ہے کہ میری زندگی میں نہ چاہنے کے
بھی ایسے لوگ عموماً داخل ہوتے رہے ہیں۔''

''تم نے اُن سے فائٹ بھی کی ہو گی؟ ویسے تمہارے اپنے ملک میں تمہار
مشاغل تھے؟''

میرے ذہن میں اپنا ملک آ گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ خالہ شہادت کی کھو
جہاں میری زندگی میں بہت دلچسپیاں تھیں۔ خالہ کی دُعاؤں بھری گالیاں کھانا، سودا

لانا اور نوکری کی تلاش کے لئے شہر گردی کرنا۔ بلا شبہ میں ایک عظیم انسان تھا اور میری
عظمت کی کہانی، ایش مجھ سے پوچھ رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے، اُسے حقیقت نہیں بتا سکتا تھا۔
میں نے کہا۔

''کوئی خاص نہیں مس ایش! درمیانے گھرانے کا آدمی ہوں۔ بہت زیادہ دولت نہیں
تھی میرے پاس۔ لیکن سیاحت کا شوق مجھے میرے وطن سے نکال لایا اور اس کے بعد میں
نے آوارہ گردی کرنا شروع کر دی۔''

''کون کون سے ملک دیکھ چکے ہو؟''

''ابھی زیادہ نہیں۔ مصر گیا تھا۔ اُس کے بعد ایران۔ پھر ترکی اور آخر میں وینس.....
جہاں یہ واقعات پیش آئے۔ اب میری نئی منزل سوئٹزرلینڈ ہے۔''

''گڈ.....ویری گڈ! میں تمہیں برن ہی نہیں، بلکہ اطراف کے علاقے بھی دکھاؤں گی۔
مجھے لمبی ڈرائیونگ کا شوق ہے۔ اور خطرناک ترین حالات میں زندگی بسر کرنے میں لطف
آتا ہے۔ انکل وکٹر اگر میری بھرپور نگرانی نہ کریں اور مجھ پر پابندیاں نہ عائد کرتے رہیں تو
درحقیقت میں کسی جرائم پیشہ گروہ میں شامل ہو جاؤں۔ کیا لائف ہوتی ہے۔ ہنگامے.....
دھائیں دھوں اور بس! مزے ہی مزے.....''

میں گہری نگاہوں سے اس جنگ وجدل کی رسیا کو دیکھتا رہا اور ایک گہری سانس لے کر
رہ گیا۔ میں اُس سے کہنا چاہتا تھا کہ اُس کے برعکس میں بلندیوں سے گرتے ہوئے
آبشاروں اور اُن سے بہنے والی ندیوں کا شیدائی ہوں اور کسی ایسی ہی جگہ ایک چھوٹی سی
جھونپڑی میں پُرسکون زندگی گزارنے کا خواہاں ہوں، جہاں ایک احاطے میں سفید سفید
بھیڑیں بندھی ہوں۔ دوسری طرف گھوڑے ہوں۔ سامنے کھیت پھیلے ہوں اور جھونپڑے
کے پہلو میں گنگناتی ندی.....جس کی تہہ میں لڑھکتے ہوئے پتھر صاف شفاف نظر آتے
ہوں۔ لیکن دنیا سے یہ سیکھ چکا تھا کہ سامنے جو شخص ہو، اگر اُس کی پسند کی باتیں نہ کی
جائیں تو وہ تم میں دلچسپی کھو بیٹھے گا۔ اور بہر طور! سوئٹزرلینڈ میں یہ لوگ میرا سہارا تھے اور
ایش کی حیثیت تو میں پہچان چکا تھا۔ چنانچہ یہ الفاظ میں اُس سے نہ کہہ سکا۔

ایش بہت دیر تک مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ پھر اُس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں
وقت دیکھا اور اُٹھتی ہوئی بولی۔''اب تم سو جاؤ! صبح ہم برن کی سیر کو چلیں گے۔''

اس کے بعد میں نے دروازہ بند کیا۔ اپنے پاس موجود کرنسی کا جائزہ لیا، جسے ابھی تبدیل نہیں کرایا جا سکا تھا۔ لیکن بہرطور! اُسے تبدیل کرا لینا ضروری تھا۔ دوسری صبح ناشتے کی میز پر صرف ایش سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے بتایا کہ انکل آئزک اُسے آخری ہدایات دینے کے بعد آنٹی کو لے کر چلے گئے ہیں اور اب اُن کی واپسی کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''بہتر ہے کہ ہم لوگ تھوڑی دیر کے بعد ہی یہاں سے نکل چلیں۔ باہر جا کر سوچیں گے کہ ہم کیا کرنا چاہتے ہیں۔ تمہیں اور تو کوئی کام نہیں ہے؟''

''نہیں ایش! بس تھوڑی سی کرنسی تبدیل کرانی ہے۔ اور کچھ نہیں۔''

''اس کی ضرورت جب پیش آئے گی تو اسے تبدیل کرا لیا جائے گا۔'' ایش نے جواب دیا اور میرے لباس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''براہِ کرم دوسرا لباس تبدیل کر لو۔ بلکہ مجھے بتاؤ، تمہارے پاس کون کون سے کپڑے ہیں؟ میں اُن میں سے خود انتخاب کروں گی۔''

میں نے شانے ہلا دیئے۔ زیادہ کپڑے نہیں تھے میرے پاس۔ تاہم ایش نے اُن ہی میں سے ایک سوٹ نکال کر میرے حوالے کر دیا۔ اور پھر جب میں لباس تبدیل کر کے باہر نکلا تو وہ ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ ''ونڈرفل! ویری سمارٹ۔''

جب وہ میرے ساتھ بیرونی حصے میں آئی تو میں نے گہرے نیلے رنگ کی ایک بہت ہی عجیب ساخت کی کار دیکھی جسے بلا شبہ شاندار کاروں میں تصور کیا جا سکتا تھا۔ چوڑے چوڑے ٹائروں والی سپورٹس کار میں دروازے نہیں تھے بلکہ انہیں پھلانگ کر اندر داخل ہوا جا سکتا تھا۔ ایش، اطمینان سے اُچک کر ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ اور پھر اُس نے مجھے بھی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہی راستہ اختیار کرنا پڑا تھا، جو ایش نے کیا تھا۔ اور اس کے بعد کار بے آواز سٹارٹ ہو کر بڑی سست روی سے باہر نکل آئی۔

دن نکلا ہوا تھا۔ لیکن کہر چھائی ہوئی تھی۔ اور دن کی روشنی پر شام کے دُھندلکے کا گمان ہوتا تھا۔ ایش نے خود بھی ایک انتہائی خوبصورت لباس پہن رکھا تھا۔ لیکن اس لباس میں مردانہ جھلکیاں تھیں۔ پھر اُس نے کار تیز رفتاری سے دوڑانی شروع کر دی۔ لیکن یہ رفتار قابل اعتراض نہ تھی۔ میں اطراف کے مناظر دیکھنے لگا۔ یہاں ریچھ کا نشان امتیازی سمجھا جاتا تھا۔ ہوٹلوں، دُکانوں اور بڑے بڑے چوکوں میں جھنڈے لٹک رہے تھے اور اُن پر ریچھ کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ دریا کے کنارے کلیسا کے فوارے کے گرد ریچھوں کے مجسمے

اور پھر نائیڈک پل کے پاس ایک گڑھے میں سچ مچ کے جیتے جاگتے درجنوں ریچھ..... جنہیں اہل شہر دن رات اَلا بلا کھلاتے رہتے تھے۔ غرض یہاں ریچھوں کو کافی اہمیت حاصل تھی۔

شہر کی حدود پر نگاہ جمائیں تو بلند و بالا عمارتیں بہت کم نظر آتی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ملک کے صدر مقام کی بجائے کسی پُرسکون پہاڑی قصبے میں سفر کر رہے ہوں۔ چوک میں پرانی وضع کے خوبصورت فوارے اور نل لگے ہوئے تھے اور پرانے بازاروں میں دُکانیں سڑک سے اونچی اور اُن کے ساتھ لمبے برآمدے، جن کے بارے میں بتایا گیا کہ کسی زمانے میں یہاں صرف شاہی خاندان کے افراد کو چلنے پھرنے کی اجازت تھی اور عوام کے لئے نشیبی سڑک تھی۔ پورے سوئٹزرلینڈ میں اور خاص طور سے برن میں یہ رواج ہے کہ ہر مکان یا فلیٹ کی کھڑکی میں لکڑی کی سفید چوکھٹوں میں مٹی اور کھاد ڈال کر سرخ پھول اگائے جاتے ہیں۔ ان سرخ پھولوں کے بغیر کوئی سوئس مکان مکمل نہیں قرار پاتا۔ موسم بہار میں یہ پھول صرف گھریلو باغیچوں یا باغوں ہی میں نہیں کھلتے بلکہ شہر کی ہر کھڑکی میں سے جھانک رہے ہوتے ہیں۔ میں کافی لطف اندوز ہوا تھا ان تمام چیزوں کو دیکھ کر۔ ایش مجھے ان کے بارے میں تفصیلات بتاتی جا رہی تھی۔

دوپہر کا کھانا ہم نے ایک عمدہ سے ریستوران میں کھایا اور اُس کے بعد برن کے نواحی علاقوں کی سیر کے لئے نکل آئے۔ ایش کافی گفتگو کر رہی تھی۔ اُس کے انداز میں بچپن پایا جاتا تھا۔ نواحی علاقوں میں اُس نے کافی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ اُس کی سپورٹس کار بے مثال تھی، پانی کی طرح رواں دواں..... پھر شام ہو گئی۔ پورا دن فضا پر ابر اور کہر چھائی رہی تھی اور اس کہریلے موسم میں یہ سفر کافی دلچسپ رہا تھا۔

شام کا کھانا برن سے چند میل کے فاصلے پر ایک ریستوران میں کھایا گیا۔ دریا کے کنارے لگی ہوئی میزوں کے گرد شام کے لباس میں ملبوس، بے شمار مرد اور عورتیں کھانا کھا رہے تھے۔ ماحول پر ایک سنجیدگی اور اکتاہٹ طاری تھی۔ یوں لگتا تھا، جیسے وہاں لوگ صرف کھانے کی خاطر آتے ہیں اور انہیں دریا اور ساتھ والے گھنے جنگل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ عجیب سا ماحول تھا۔

ایش نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ بوڑھوں کے آنے کی جگہ ہے اور روایتی حیثیت رکھتی

ہے۔ اس لئے میں تمہیں یہاں لے آئی۔ البتہ یہاں کھانا بہت عمدہ ہوتا ہے۔''

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم واپسی کے لئے پلٹے تو ایش نے مجھ سے آج کی سیاحت کے بارے میں سوال کیا۔

''سوئٹزرلینڈ بہت سے لوگوں کی آرزو ہے۔ اور اسی طرح میرے دل میں بھی اسے دیکھنے کی خواہش تھی۔ اور اسے دیکھنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ خواہش غلط نہیں تھی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں ہمارا برن بہت پسند آیا؟''

''بے حد۔''

''اور میں؟'' ایش نے شوخ نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک بہت اچھی دوست..... ایک بہت پیاری ساتھی۔''

''شکریہ۔'' اُس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے میرے شانے سے سر ٹکا دیا اور میں بوکھلا کر سیدھا ہو گیا۔ کیونکہ یہ اظہار موت کا باعث بھی بن سکتا تھا۔

واپس رہائش گاہ پر پہنچے تو نہ تو مسٹر آئزک موجود تھے اور نہ ہی میڈم ویلینا آئزک۔ کیونکہ اس کے بارے میں تو سنا گیا تھا کہ وہ قید کے دوران کی قوتیں بحال کرنے کے لئے ہسپتال میں داخل ہو گئی ہیں۔ یہاں صرف ایش تھی۔ وہ میری خواب گاہ میں آ گئی اور چند لمحات مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ پھر بولی۔

''ابھی سونے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں آتی ہوں۔ ذرا لباس تبدیل کر لوں۔ اس دوران تم بھی اپنے کپڑے تبدیل کر لو۔''

وہ چلی گئی میں اس کی بے تکلفی کے بارے میں سوچنے لگا۔ بہر طور! ایک اچھا خاصا دن گزرا تھا۔ ایش واپس آئی تو ایک چھوٹی سی خوبصورت نازک ٹرالی ساتھ دھکیلتی ہوئی آئی تھی۔ ٹرالی پر بہت ہی نفیس ڈیزائن کی چند خوبصورت شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دو بہت ہی چھوٹے سائز کے گلاس بھی تھے۔ میں نے کسی قدر متعجبانہ انداز میں ان چیزوں کو دیکھا اور اس کے ساتھ ہی ایش کے لباس پر بھی نگاہ پڑی تو میرے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ یہ لباس قابل اعتراض قسم کا تھا۔

ایش اطمینان سے ٹرالی، صوفے کے قریب لے کر بیٹھ گئی۔ اور پھر اُس نے چھوٹے

چھوٹے گلاسوں میں شیشی کے مختلف رنگ کے سیال اُنڈیلے اور انہیں مکس کرنے کے بعد ایک گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ ''اِسے لو..... لطف آ جائے گا۔ سمجھ لو کہ یہ ہمارا خاندانی نسخہ ہے۔ اور اگر اس کی صحیح مقدار شامل کر کے کاک ٹیل نہ بنائی جائے تو وہ چیز پیدا ہی نہیں ہو پاتی، جو اس کے لئے ضروری ہوتی ہے۔''

''یہ شراب ہے مس ایش؟''

''تم اسے آب حیات کہہ سکتے ہو۔'' ایش نے مسکراتے ہوئے اپنا گلاس اُٹھا لیا۔

''افسوس! میں اپنی زندگی سے زیادہ جینا نہیں چاہتا۔ اس لئے آب حیات پینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''کیا مطلب؟''

''سوری ڈیئر! میں اس سے محروم ہوں۔''

''تم شراب نہیں پیتے؟'' ایش نے تعجب سے پوچھا۔

''ہاں! کیونکہ اس کے بعد میری کھوپڑی اُلٹی ہو جاتی ہے۔ اور میں سر کے بل چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اب دیکھو نا! کہ یہ خوبصورت بال، اگر سر کے بل چلتے ہوئے گھس گئے تو میری صورت کیا رہے گی؟''

''اوہو..... کیا بور باتیں کر رہے ہو..... موسم کہر آلود ہے۔ اور فضا کی ٹھنڈک اس کے بغیر دُور ہی نہیں ہو سکتی۔''

''میں گرم کمبل اوڑھ لوں گا۔ لیکن براہِ کرم! مجھے اس سے محروم ہی سمجھو۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہو مون سور؟ مجھے بہت عجیب لگ رہی ہیں۔''

''یقیناً لگ رہی ہوں گی۔ میں کچھ ایسا ہی عجیب آدمی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔ وہ اپنا گلاس ہاتھ میں لئے مجھے دیکھتی رہی۔

پھر اُس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور خود چھوٹی چھوٹی چسکیاں لینے لگی۔ اُس کے بعد اُس نے دوسرا گلاس بھی اُٹھا لیا تھا۔ دونوں گلاس خالی کرنے کے بعد اُس نے خمار آلود نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔ ''تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟''

''پُرسکون نیند۔ جو دن بھر کی تھکن دُور کر دے۔''

''اوکے! پھر میں چلتی ہوں۔'' وہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں اپنے سینے پر

پھونکیں مارنے لگا تھا۔ حالانکہ موسم کافی سرد تھا۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر وہ نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''میں نے گرا
میں تھیلما کو فون کیا تھا۔ تھیلما کا کہنا ہے کہ موسم بے حد خوشگوار ہے اور گرافن کے اطراف
میں سفید لومڑیوں کا شکار ہو رہا ہے۔ کیا تمہیں شکار سے کوئی دلچسپی ہے مسٹر مون سور! بڑا
بینگ تھا۔'' اُس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔

''میں تمہارا مہمان ہوں۔ جیسے پسند کرو گی، لیکن گرافن کیا یہاں سے زیادہ فاصلے
ہے؟''

''ہاں! کافی فاصلے پر۔ لمبی ڈرائیونگ کا لطف آ جائے گا۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ رات کو میرے شراب پینے
انکار نے اُس پر کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ بہرطور! اُس نے اپنے طور پر سوچ لیا ہوگا کہ میں اِ
کا اہل نہیں ہوں۔ چنانچہ وہ اب ٹھیک ٹھاک تھی۔ اُس نے بتایا کہ گرافن سے واپسی م
ایک یا دو دن ضرور لگ جائیں گے۔ اور پھر تھیلما ہمیں شکار کرائے بغیر نہیں چھوڑے گی۔
چنانچہ تھوڑے سے لباس بھی رکھ لئے جائیں تو بہتر ہے۔ یہ تمام انتظامات کئے لیتی ہوں۔
ہم دوپہر کے بعد نکلیں گے۔

اس لڑکی کا انداز بعض اوقات مجھے بہت خوفناک لگنے لگتا تھا۔ پچھلے دن کی رپورٹ
بہتر تھی۔ لیکن رات کو اس کا موڈ ٹھیک نظر نہیں آیا تھا۔ بہرطور! مجھے کھا تو نہیں جائے گی۔
میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

دوپہر کا کھانا ہلکا سا کھایا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد گرافن تک کا سفر کرنا تھا۔ میں نہیں جا
تھا کہ گرافن یہاں سے کتنی دُور ہے۔ لیکن کوئی حل بھی نہیں تھا۔ بہت عرصے کے بعد یہ مو
نصیب ہوا تھا کہ کسی سخت ذہنی اُلجھن کے بغیر صرف سیاحت کر رہا تھا۔ لیکن دل کو ہمیشہ اِ
خدشہ لاحق رہتا تھا۔ تقدیر اتنی پرسکون نہیں ہے کہ مجھے اطمینان سے بیٹھا رہنے دے۔ کچھ
کچھ ضرور ہوگا۔ اور اس ہونے سے پہلے جو کچھ کر لیا جائے، وہ بہتر ہی ہوگا۔

چنانچہ جب ہم نے اس سفر کا آغاز کیا اور نیلی سپورٹس کار برن کے شہری علاقے کو چھ
کر لمبی چوڑی سڑک پر پہنچی تو میں اچھے موڈ کا مظاہرہ کرنے لگا۔ راستے کی ایک ایک
کے بارے میں ایش سے سوالات کرتا جا رہا تھا اور وہ مجھے جواب دے رہی تھی۔ جو

ہم آگے بڑھتے رہے، مناظر میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں، قصبے سامنے
آتے رہے۔ بعض جگہ سکول کے بچے چمڑے کی نیکروں اور بھاری بھاری اُونی سویٹروں
میں ملبوس بستے کندھوں پر اُٹھائے چلتے ہوئے نظر آئے۔ دیہاتی کسان چھکڑوں پر دودھ
کے کنستر اور سبزیوں کی ٹوکریاں لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے ہوئے نظر آئے۔
ان چھکڑوں کو پستہ قد موٹے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ جن کے نتھنوں سے سردی کی وجہ سے
بھاپ خارج ہو رہی تھی۔ موسم پہلے سے بھی سرد ہو گیا تھا۔

پھر لینی وِس نامی قصبے کے کنارے ایش نے سپورٹ کار روک دی اور کہنے لگی۔ ''یہاں
ہم لوگ چائے پئیں گے۔ وقت ہو گیا ہے۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آس پاس کوئی ریستوران یا ہوٹل وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔
لیکن ایش نے کسی ہوٹل کو دیکھ کر گاڑی نہیں روکی تھی۔ اُس نے سائیڈ کے ایک حصے میں پہنچ
کر دو گلاس برآمد کئے اور پھر وہیں سے ایک بٹن دبا کر دونوں گلاس کافی سے بھر لئے۔ میں
نے متحیرانہ انداز میں جدید سسٹم دیکھا تھا۔ اُس نے کافی کا ایک گلاس مجھے دیتے ہوئے
کہا۔

''پی لو۔ اس میں کوئی نشہ آور چیز شامل نہیں ہے۔'' وہ مجھ پر طنز کر رہی تھی۔ میں نے
مسکراتے ہوئے کافی اُس کے ہاتھ سے لے لی۔ اور پھر نیچے اُتر کر تعجب سے گاڑی کے
اس حصے کو دیکھنے لگا۔

''کیا یہ کافی اسی میں تیار ہوتی ہے؟''

''نہیں۔ تیار کر کے اس میں بھری جاتی ہے۔ لیکن ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔'' اُس نے
جواب دیا۔

بلاشبہ انتہائی نفیس کافی تھی۔ میں نے ایک اور گلاس بھرا اور اُسے خالی کرنے کے بعد
ایش کے طریقے پر اُسے دُور پھینک دیا۔ اطراف کا منظر دُھند میں بھی حسین نظر آ رہا تھا۔
بائیں ہاتھ پہاڑوں کا ایک بلند سلسلہ تھا، جس کی چوٹیاں دُھند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ داہنی
سمت کھیت نظر آ رہے تھے جن میں بھوسے کی بڑی بڑی گانٹھیں ترتیب سے پڑی ہوئی تھیں۔
رنگ برنگے پروں والا ہیٹ پہنے ایک کسان گانٹھوں کو اُٹھا اُٹھا کر لکڑی کے بنے ہوئے
گودام کی طرف لے جا رہا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک نوجوان لڑکا ہاتھ میں پانی کی بالٹی

لئے بھورے رنگ کے ایک گھوڑے کو نہلانے میں مصروف تھا۔

میں نے ایش سے پوچھا۔ ''گرافن ابھی کتنی دُور ہے؟''

''ابھی کافی دُور ہے۔ اور راستہ بھی کافی پرخطر ہے۔'' اُس نے ہونٹ سکیڑ کر کہا۔

میں تعجب سے اُسے دیکھنے لگا۔ ''اس کے باوجود تم اطمینان سے کھڑی یہاں کافی پی رہی ہو؟''

''تو پھر! کیا پرخطر راستوں پر موت کو سے خوفزدہ ہونا ضروری ہے؟ اور اگر ہے بھی تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ زندگی ایک ایڈونچر کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔''

میرا دل ہول کر رہ گیا کہ یہ ایڈونچر پسند لڑکی کہیں کوئی لمبا ہی ایڈونچر نہ کر ڈالے۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ لیکن اس کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ ایش واقعی پرسکون نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے بالوں کو سمیٹ کر پیچھے باندھنے لگی اور اس کے بعد گاڑی کے بونٹ پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔ یا تو وہ مجھے زِچ کر رہی تھی یا پھر میرے خوف سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ خوف کا اظہار کر کے میں اُسے خوش ہونے کا موقع نہیں دوں گا۔ چنانچہ میں خود بھی دوسری طرف سے گھوم کر بونٹ کے دوسرے حصے پر بیٹھ گیا۔ ایش کی نگاہیں دُھند میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ کافی پرے ایک وادی میں سوئٹزرلینڈ کے دیہی وضع کے مکانات بکھرے پڑے تھے۔ یہ مکانات ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے۔

ایش کہنے لگی۔ ''پرانے زمانے میں ان گھروں کے رہنے والے وادی کے پار ساتھیوں کو ایک خاص طریقے سے پیغام پہنچایا کرتے تھے۔ لکڑی کے بنے ہوئے کئی کئی فٹ لمبے قرنے زور سے پھونکے جاتے تھے اور پوری وادی میں اُن کی بھیانک آواز گونجتی تھی۔ وادیوں میں رہنے والے ان قرنوں کی آوازوں کے زیر و بم سے پیغام پڑھ لیا کرتے تھے۔ برف باری اور شدید طوفان کے دوران جب پیغام رسانی کے دوسرے وسائل ختم ہو جاتے تھے تو وادی کے لوگ ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے اسی طریقے سے کام لیا کرتے تھے۔ اور اسے یوڈلنگ کہا جاتا تھا۔''

''فنٹاسٹک! کیا زندگی ہوگی ان لوگوں کی۔ کیوں نہ ہم یہ رات یہیں بسر کریں ایش؟'' میں نے ایک خاص خیال کے تحت کہا۔

وہ چند لمحے میری صورت دیکھتی رہی۔ اور پھر جلدی سے بونٹ سے نیچے اُتر گئی۔

''نہیں! ہمیں گرافن تک پہنچنا ہی ہوگا۔''

میں نے دل ہی دل میں اپنی اس ترکیب کی کامیابی پر خود کو سراہا تھا۔ شاید میں اس لڑکی کی فطرت سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے اس کے اندر یہ انحراف نہیں تھا۔ بلکہ وہ مجھ سے مکمل تعاون کر رہی تھی۔ لیکن اب اُس کے انداز میں ایک ہلکی سی جھنجلاہٹ پائی جاتی تھی اور جو کچھ میں کہہ رہا تھا، اُس سے بعض اوقات وہ انحراف بھی کر لیتی تھی۔ اس کی وجہ میں بخوبی سمجھ رہا تھا۔ یہ پچھلی رات اس کی خاندانی کاک ٹیل قبول نہ کرنے کا شاخسانہ تھا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر اُچھل کر بیٹھ گئی اور میں اس انداز میں سیٹ کی طرف بڑھا، جیسے بحالت مجبوری آگے کا سفر کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس کہر آلود راستے کو طے کر کے کسی بہتر جگہ قیام کیا جائے تاکہ راستے کے خطرات سے نہ نمٹنا پڑے۔

جس سڑک پر ہم جا رہے تھے، اُس کے گرد پہاڑوں پر بے پناہ دُھند تھی۔ کسی جگہ دُھند صاف ہوتی تو قصبوں کے دیدہ زیب کلیساؤں کے سرخ گنبد نظر آ جاتے۔ بلندی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ دُھند میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ہم خود بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ونڈ سکرین کے سامنے دُھند کی لہریں اُٹھ رہی تھیں اور مجبوراً ایش کو کار کی روشنیاں آن کرنی پڑیں۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ، کار کی رفتار بھی سست کر دی تھی۔ موسم کی شدت دیکھ کر میرے اعصاب کشیدہ ہوتے جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں گرافن تک پہنچتے پہنچتے کیا صورت حال پیش آئے؟ پھر کار نے ایک موڑ کاٹا تو دوسری جانب سڑک کے بیچ میں خطرے کے سرخ نشان کا تختہ لگا ہوا نظر آیا۔ تختے کے ساتھ ساتھ دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں رُکنے کا اشارہ کیا اور ایش نے کار اُن کے قریب لے جا کر روک دی۔

''سوری میڈم! آپ آگے نہیں جا سکتیں۔ برف کا ایک تودہ پھسلنے کی وجہ سے سڑک بالکل بند ہے۔ آپ واپس چلی جائیں۔'' اُن میں سے ایک نے کھڑکی کے قریب آ کر کہا۔

ایش نے پریشان سے نگاہوں سے اُسے دیکھا اور کہنے لگی۔ ''میں گاڑی نکال لے جاؤں گی۔ رات ہو چکی ہے۔ واپسی بھی ہمارے لئے خطرناک ہوگی۔''

''براہِ کرم! ضد نہ کیجئے۔ آگے بڑھنا بالکل ممنوع قرار دیا جا چکا ہے۔ اور ہم اس سے

پہلے بھی اس طرف آنے والے لوگوں کو واپس بھیج چکے ہیں۔''

''تعجب ہے۔ راستے میں ہمیں کوئی بھی واپس جاتا ہوا نظر نہیں آیا۔''

''تاہم آپ کے لئے آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔''

''اوہ..... ٹھیک ہے۔ کیوں ڈیئر مون سور! اگر ہم آگے نہیں بڑھ سکتے تو پھر زیادہ پیچ ہٹنا بھی ہمارے لئے مناسب نہیں ہوگا۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آؤ... مطلب بعد میں سمجھاؤں گی۔'' ایش بولی اور پھر اُس نے کافی تیز رفتار سے کار کو ریورس کیا اور پھر ایسی جگہ آ کر، جہاں سے وہ ٹرن لے سکتی تھی، کار واپس مو دی۔ وہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ میں ابھی اُس سے کوئی سوال بھ نہیں کر پایا تھا کہ دفعتہً اُس نے کار سڑک کے دائیں سمت نشیب میں اُتار دی اور میر منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہوا تھا، جیسے اسٹیئرنگ اُس کے کنٹر سے باہر ہو گیا ہو۔ لیکن حقیقت یہ نہیں تھی۔ کار نشیب میں اُتر کر ایک کھلی جگہ پر رُک گئی ایش نے اس کا سوئچ آف کر دیا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ سیٹ سے سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ پھر میں نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں..... چاروں طرف دھ ہی دُھند تھی۔ تھوڑے فاصلے کی چیزیں بھی اب صاف نظر نہیں آ رہی تھیں۔

''یہ..... یہ کیا ہوا ایش؟''

''جو ہونا چاہئے تھا.....'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''میں سمجھا نہیں۔'' دفعتہً میرے ذہن میں ایک بجلی سی کوند گئی۔

''کیا نہیں سمجھے؟''

''تم..... تم کیا چاہتی ہو..... کیا چاہتی ہو آخر.....؟''

''ارے..... ارے! تمہارے لہجے سے تو خوف جھانک رہا ہے۔ ڈر رہے ہو ماحول سے؟'' دفعتہً ایش کے لہجے میں ایک شوخی سی پیدا ہو گئی۔

''نہیں۔ لیکن کار یہاں اُتارنے کا کیا مطلب ہے؟''

''میرے خیال میں قیام کے لئے یہ بہترین جگہ ہے۔ کل دن کی روشنی میں جب را صاف ہو جائے گا تو ہم گرافن چلیں گے۔ تمہیں کون سی واپس جانے کی جلدی ہے۔''

''لیکن یہ بھیانک جگہ.....؟''

''اوہ..... کوئی جگہ بھیانک نہیں ہوتی۔ یہ تو ایڈونچر ہے۔ کیا لطف آئے گا یہاں رات گزار کر..... لیکن تم فکر مت کرو۔ اس کھلی چھت کی کار میں تمہیں یہ رات بسر نہیں کرنی پڑے گی۔ میں ہر طرح کے انتظامات رکھتی ہوں۔'' وہ چھلانگ لگا کر کار سے نیچے اُتر گئی اور پھر اس کے عقبی حصے میں پہنچ کر اُس نے ایک بٹن دبایا۔ کار کے پچھلے حصے کا ڈھکن کسی وہیل مچھلی کے منہ کی مانند کھل گیا تھا۔ اُس نے اُس میں سے ایک بڑا سا بنڈل نکالا اور اُس کے بند کھولنے لگی۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ لیکن جب ایش نے اس بنڈل کو پوری طرح کھول کر زمین پر پھیلایا تو میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ یہ ایک باقاعدہ بڑا خیمہ تھا۔ جو انتہائی جدید ساخت کا تھا۔ چند ہی لمحوں میں ایش نے اُسے کھڑا کر کے وہاں ایک باقاعدہ کمرہ سا بنا دیا۔ خیمے کی طنابیں اُس نے ایک مخصوص قسم کے راڈ میں پھنسا کر زمین میں گاڑ دی تھیں۔ کینوس یا نائیلون ملی ہوئی کسی چیز کا یہ خیمہ بظاہر کافی مضبوط نظر آتا تھا۔ ایش نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ وہ دوبارہ ڈگی کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اور اس بار اُس نے ایک اور بنڈل نکال لیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا پمپ بھی جو سائیکلوں میں ہوا بھرنے کے کام آتا تھا۔ بنڈل کا نپل کھول کر اُس نے پمپ سے ہوا بھرنی شروع کر دی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک لمبا چوڑا گدا تیار ہو گیا۔ اس گدے کو خیمے کے اندر بچھانے کے بعد، اُس نے میری طرف دیکھا اور ایک بار پھر ڈگی کی جانب بڑھ گئی۔ اب اُس نے ایک بڑا سا کمبل نکال لیا تھا۔

''خدا کی پناہ! تمہاری اِس سپورٹس کار میں کیا کیا ہے؟''

''ایک پوری رہائش گاہ..... تم نے کافی کا تھرماس دیکھ لیا ہے۔ اس تھرماس میں تقریباً ایک گیلن کافی ہے۔ اور میرا خیال ہے، یہ ہمارے لئے بہت ہوگی۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی اشیاء بھی موجود ہیں۔ یہ گرم کمبل ہمیں سردی کا احساس بھی نہیں ہونے دے گا۔ اب کیا، کیا جائے..... زندگی کے یہ لوازمات تو ضروری ہوتے ہیں۔ اور ان کا خیال رکھنا چاہئے۔ ویسے ڈیئر مون سور! ایڈونچر پسند بنو..... اسی میں مزہ ہے۔ زندگی اپنے کمرے میں بہترین بستروں پر بھی گزرتی ہے۔ لیکن اگر کبھی ایسے ہولناک ویرانوں میں بھی بسر کرنی پڑ جائے تو ان سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔''

میں خاموش ہی رہا تھا۔ وہ اطمینان سے ربڑ کے گدے پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گ
مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کسی خیال کے تحت باہر نکل کر گا
لاک کیا۔ اگنیشن سے چابی نکال لائی اور ساتھ ہی ایک چھوٹا سا لیمپ بھی جو غالباً بیٹری
چلتا تھا۔ تاریکی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ مدھم لیمپ خیمے کے اندر کی فضا کو روشن کر
ناکام کوشش کرتا رہا۔ سردی بڑھتی جارہی تھی۔ اس نے ایک بار پھر باہر نکل کر ڈگی میں
ایک پیکٹ نکالا اور اُسے کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔

''ڈنر.....''

''خدا کی پناہ ایش! یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تمہیں ان ساری چیزوں کا پہلے ہی
تھا۔''

''یہ بات تمہارے علم میں آچکی ہے کہ میں ایڈونچر پسند ہوں اور زندگی میں
موقعوں کی تلاش میں رہتی ہوں۔ پتہ نہیں کیسے انسان ہو تم مون سور! حقیقت یہ
زندگی اسی کا نام ہے۔ یکسانیت تو انسان کو چند سال سے زیادہ زندہ بھی نہ رہنے دے۔

میں ایک گہری سانس لے کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اب بہت زیادہ بیزاری کا مظ
بھی حماقت تھی۔ یہ بات میں بھی جانتا تھا کہ واپسی کا سفر اس وقت ممکن نہیں تھا۔ اور
واپس جاکر کون سا تیر مارنا تھا؟ ایش ہی کے ساتھ کوٹھی میں رہنا تھا۔ مسٹر آئزک اور
آئزک تو کنارہ کش ہو گئے تھے۔ عجیب سی بات تھی۔ بہرطور! وہ لوگ میرے احسان
تھے اور انہوں نے اس احسان کے صلے میں مجھے اپنے ہاں دعوت دی تھی۔ ایش اچھی خا
سیر وتفریح کرا چکی تھی مجھے۔ چنانچہ اب اصولاً مجھے بھی ان پر بار نہیں بننا چاہئے تھا۔ مہ
نوازی اور احسان مندی کا اظہار ہو چکا تھا۔ مجھے اپنے لئے بھی کچھ کرنا تھا۔ لیکن اس
بارے میں یہ سوچتے ہوئے مجھے خود بھی اس مضحکہ خیز کیفیت کا احساس ہوتا تھا۔ بھلا
اپنے لئے کیا کرسکتا تھا؟ سوائے اس کے کہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح فضا میں چکراتا رہتا

ایش نے کھانے پینے کا سامان کھول کر میرے سامنے رکھ دیا اور خود باہر جاکر کافی
گلاس لے آئی۔ پھر اُس نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تکلف نہیں ڈیئر! بہت ہلکا
سا کھانا ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔''

انتہائی نفیس سینڈوچز جو مختلف چیزوں سے بنے ہوئے تھے اور کافی۔ یہی ہمارا کھانا تھا

لیکن اس سے زیادہ کھانے کو جی بھی نہیں چاہتا تھا۔ سردی، بدن میں اُترتی جارہی تھی۔ اور
اب اندر ہی اندر کچھ کپکپاہٹ سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے کافی حلق میں اُنڈیلنے کے بعد
کمبل اپنے اُوپر کھینچ لیا۔ ایش نے پچھلے حصے کو ذرا سا اُوپر اٹھایا اور اس سے تکیے برآمد ہو
گئے۔ اس کے بعد اُس نے کافی کے گلاس خیمے کے دروازے سے باہر پھینکے۔ دروازے کی
زِپ بند کی اور اطمینان سے گدے، پر آکر لیٹ گئی۔

''سردی واقعی ضرورت سے کچھ زیادہ ہوتی جارہی ہے۔''

''ہاں! مجھے تو حیرت ہے کہ تم سردی سے اتنی زیادہ متاثر نظر نہیں آرہی ہو، جتنا میں
ہوں۔''

''نہیں..... یہ بات نہیں۔ سردی تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ لیکن میں کسی بھی چیز کو مسلط
کرنے کی عادی نہیں ہوں۔''

''تب تم عورت نہیں ہو.....''

''یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' ایش نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔

''عورت کے تصور کے ساتھ نزاکتوں اور لطافتوں کا تصور بھی اُبھرتا ہے جو تم میں موجود
نہیں ہیں۔''

''بدصورت ہوں میں؟'' اُس نے سوال کیا۔

''نہیں..... نہیں! شکل وصورت تو تمہاری بہت اچھی ہے۔ لیکن تمہاری طبیعت میں
مردانہ پن زیادہ جھلکتا ہے۔''

وہ چند لمحات مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر بے اختیار ہنس پڑی۔ ''نہیں..... یہ تمہاری خام
خیالی ہے۔ اب ایسی بھی بات نہیں.....'' وہ جملہ ادھورا سا چھوڑ کر خاموش ہوگئی۔ اور اُس
کے بعد اُس نے کمبل کا ایک سرا بے تکلفی سے اپنے اُوپر کھینچ لیا۔ ظاہر ہے کہ کمبل تھا، کوئی
قالین نہیں تھا، جو لمبا چوڑا ہوتا۔ میں اُس کی فطرت پر غور کرنے لگا۔ ایش بے تکلف لڑکی
تھی۔ اُن تمام اخلاقی فضولیات سے دُور، جو خواتین کے نام سے منسوب ہوتی ہیں۔ پھر
ویسے بھی اُس کا تعلق ایک ایسی جگہ سے تھا، جہاں کی سوچ ذرا مختلف تھی۔ لیکن میں اپنی
سوچ کو کس طرح بدل سکتا تھا؟ پتہ نہیں کیوں، ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔

پھر سردی کی شدت نے ہر طرح کا احساس دل سے نکال دیا۔ انتہائی خنکی پیدا ہوگئی تھی

فضا میں۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ سردی آن کی آن میں اس طرح آسمان سے اُتر کر زمیں
پھیل جائے گی۔ بلا شبہ جب ہم برن سے نکلے تھے تو موسم سرد تھا۔ اور تھوڑا سا فاصلہ
کرنے کے بعد دُھند اور کہر نے آ لیا تھا۔ لیکن اس میں اتنی سردی تو نہیں تھی۔ اب تو یہ
محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف برف ہو اور ہم اس کے درمیان ہوں۔ بدن کے اند
ایک عجیب سی اینٹھن پیدا ہو گئی اور ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہونے لگا۔ کمبل کو میں نے
ایک سائیڈ سے اچھی طرح لپیٹ لیا۔ دوسری سائیڈ البتہ میرے بس میں نہیں تھی۔

دفعتہً ایلش نے میری طرف دیکھا اور پھر میری پیشانی پر اُلٹا ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''کیا با
ہے؟ شاید تم بہت زیادہ سردی محسوس کر رہے ہو۔''

''ہاں..... ایسی ہی بات ہے۔'' میرے حلق سے بمشکل تمام نکلا۔

ایلش، کہنیاں ٹکا کر بیٹھ گئی۔ اور پھر کمبل پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک بار پھر وہ
کی زِپ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ اس بار جب خیمے کا دروازہ کھلا تو یوں محسوس ہوا، ج
برف کا برادہ اُڑ کر میرے بدن سے چپک گیا ہو۔ میں نے جلدی سے کمبل میں منہ ڈھک
تھا۔ پتہ نہیں، اب وہ کیا کرنے گئی تھی؟ لیکن چند لمحات کے بعد واپس آ گئی۔ میری ا
ہمت نہیں ہوئی تھی کہ کمبل سے منہ نکال کر دیکھتا۔ ویسے اُس نے دروازے کی زِپ بن
دی تھی۔ پھر اُس نے میری پیشانی کو تھپتھپایا۔

''اُٹھو..... مون سور! اُٹھو.....''

''کک..... کیا بات ہے؟'' میں نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لو..... یہ پی لو۔ تمہاری سردی بہت کم ہو جائے گی۔''

''کک..... کیا چیز ہے؟'' میں نے کہا۔

''منہ تو کھولو۔ ہٹاؤ یہ کمبل چہرے سے۔ یہ کیا حرکتیں کر رہے ہو؟'' اُس نے جھنجلا
ہوئے سے انداز میں کہا اور میں نے ڈرتے ڈرتے کمبل، چہرے سے ہٹا لیا۔ ایلش کا ہا
میرے چہرے کے قریب تھا۔ اُس نے جلدی سے کوئی چیز میرے ہونٹوں سے لگا دی۔
غیر اختیاری طور پر ہی میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ ایک کڑوی، بد ذائقہ اور عجیب سی
میرے حلق سے نیچے اُتر گئی..... سینے پر ایک لکیر سی بنتی چلی گئی تھی۔ میں جلدی سے اُٹھ کر
گیا اور اُبکائیاں سی لینے لگا۔

''ارے ارے..... کیا حماقت ہے؟ خود کو سنبھالو.....'' ایلش نے کہا اور خود بھی اپنے
ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس سے چسکیاں لینے لگی۔ میں نے دُھندلی روشنی میں دیکھا۔ یہ
اُس کا خاندانی نسخہ تھا..... وہی نسخہ جو اُس نے مجھے پہلے بھی پلانے کی کوشش کی تھی۔

''شش..... شراب؟''

''حماقت کی باتیں کرو گے تو خیمے کا دروازہ کھول کر باہر نکال دوں گی۔ پتہ نہیں کس قسم
کے آدمی ہو۔ لو..... یہ ایک اور بھی پیو۔ اور محسوس کرو کہ اب اندر کی کیفیت کیا ہے؟''

میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ بلا شبہ ایک ہی گلاس میں
اندر کی سردی تو نکل گئی تھی۔ اور اب وہ کیفیت نہیں تھی جو چند ہی لمحات قبل میں نے محسوس
کی تھی۔ اُس نے دوبارہ میرے گلاس میں وہ رنگین چیز اُنڈیل دی جو کئی رنگوں سے مل کر بنی
تھی۔ اور گلاس میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

''ایلش! پلیز.....''

''کوئی چیز اگر دوا کے طور پر استعمال کی جائے تو وہ اتنی بری بھی نہیں ہوتی۔ آخر ڈاکٹر
تمہیں دوائیں دیتا ہے۔ پتہ نہیں کس ٹائپ کے آدمی ہو۔ میں نے تو ایسا کوئی مرد اس سے
پہلے نہیں دیکھا۔''

''اوہ..... اب تم مجھے طعنے دے رہی ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور گلاس اُس کے
ہاتھ سے لے لیا۔

''آہستہ آہستہ چسکیاں لے لے کر پیو۔ لطف آ جائے گا۔'' اس نے کہا۔

میں ابھی تک اس بد ذائقہ چیز کو اپنے منہ میں محسوس کر رہا تھا۔ لیکن اس نے مجھے جو
فائدہ پہنچایا تھا، وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے اس کی ایک چھوٹی سی
چسکی لی۔ دوسری..... تیسری..... اور چوتھی..... اور اُس کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے
اُس کا ذائقہ ختم ہو گیا ہو۔ بلکہ اب ایک عجیب سی خوشبو مجھے محسوس ہو رہی تھی۔ یہ دوسرا
گلاس بھی خالی ہوا تو اُس نے تیسرا گلاس بھر دیا.....

''نقصان تو نہیں دے گی؟'' میں نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایک گلاس اور پی لو۔ اس کے بعد مجھے بتانا کہ اس نے تمہیں کتنا نقصان پہنچایا
ہے؟'' ایلش نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اسی دوران وہ اپنے لئے بھی تیسرا گلاس بھر چکی تھی۔ ہر چند کہ یہ گلاس بہت چھ
چھوٹے تھے۔ لیکن بہرطور! میرے لئے کافی تھے۔ تیسرا گلاس پینے کے بعد میں نے
گلاس رکھ دیا۔

دفعتہً ہی مجھے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے فضا میں گرمی پھیلتی جا رہی تھی۔ میرے اند
سردی نکل گئی تھی۔ باہر کی فضا بھی نارمل سی محسوس ہونے لگی۔ لیکن رفتہ رفتہ حدت کچھ
بڑھی اور میری کنپٹیوں سے ہلکی ہلکی آنچ نکلنے لگی..... آنکھوں میں بھی ایک عجیب سی جلن
ہوگئی تھی..... ذہن کچھ بھٹکنے سا لگا تھا..... میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ایش!
ایک گلاس اور مل سکتا ہے؟''

ایش ہنس پڑی۔ ''ہاں..... کیوں نہیں؟ لیکن میرا خاندانی نسخہ یہ بھی ہے کہ چوتھے
بعد پانچویں گلاس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے بعد انسان اوندھا ہی ہو
ہے۔''

اُس نے مجھے چوتھا گلاس بھی دے دیا اور یہ گلاس معدے میں اُتارنے کے بعد د
تبدیل ہوگئی..... مجھے اپنے چاروں طرف روشنیاں سی جلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ مدھم،
رنگین روشنیاں..... جو میرے چاروں طرف ٹمٹما رہی تھیں۔ کبھی جلتیں اور کبھی بجھ جاتیں
فضاؤں میں ایک عجیب سی سرمستی پھیلی ہوئی تھی..... میں چندھیائی ہوئی نگاہوں سے
روشنیوں کو دیکھنے لگا۔ آسمان سے براہِ راست رابطہ قائم ہوگیا تھا۔ میں فضا میں تیر رہا
ستارے میرے بالکل قریب تھے..... مجھے دیکھ کر ہنس رہے تھے..... پھر اُن ستاروں
اپنے بازو پھیلا کر مجھے اپنی آغوش میں لے لیا..... مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے میں پا
گہرائیوں میں اُترتا جا رہا ہوں۔ بہت ہی لطافت بکھری ہوئی تھی چاروں طرف۔ اور
ستاروں کے درمیان کھیلتا رہا..... پھر تھکن سے چور ہوگیا اور وہیں کسی ستارے کی گود میں
رکھ کر سو گیا.....

☆.....☆.....☆

آنکھ اُس وقت کھلی تھی، جب صبح کی روشنی نمودار ہوگئی۔ میں نے حیرت بھری نگاہوں
سے اپنے اطراف میں دیکھا۔ نیلے رنگ کی چھولداری کی چھت نظر آ رہی تھی اور میں اس
کے اندر تھا۔ زِپ بند تھی اور میرے بالکل قریب ایش موجود تھی۔ لیکن وہ جس حالت میں
تھی، اُسے دیکھ کر میں ششدر رہ گیا۔ میں نے اپنے آپ پر بھی غور کیا..... اور میرے
حواس چند لمحات کے لئے معطل ہوگئے۔ ایک لمحے کے لئے تو جی چاہا کہ اُٹھ کر باہر بھاگ
جاؤں۔ لیکن پھر سردی کے تصور نے باز رکھا۔ باہر نکلنے کا مطلب ہے کہ براہِ راست
نمونیا..... میں پریشانی کے عالم میں ایش کو دیکھتا رہا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ آنکھیں بند
تھیں..... ہونٹوں پر ایک گہری سی مسکراہٹ..... نقوش میں ایک عجیب سی کیفیت..... نجانے
کیوں میری نگاہ اُس پر جمی رہ گئی اور گزرے ہوئے واقعات ایک ایک کر کے میرے ذہن
سے گزرنے لگے۔ اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''کمینی کہیں کی.....'' میں نے دل ہی دل میں سوچا اور کمبل سے باہر نکل آیا۔ ایش
جب جاگی تو میں چھولداری کے باہر کھڑا تھا اور اُن حسین نظاروں کو دیکھ رہا تھا، جو اطراف
میں بکھرے ہوئے تھے۔ طبیعت پر ایک عجیب سی شگفتگی اور ایک عجیب سی نفرت طاری تھی۔
وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل آئی اور میں نے شکایتی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''ہیلو مون سور! کہو..... اب تو سردی کا احساس نہیں ہے؟''

''کیا کہوں تم سے ایش! کیا کہوں.....؟''

''اوہ ڈیئر! کچھ مت کہو۔ بس! کچھ بھی مت کہو..... پلیز! کچھ مت کہو..... اُس نے
عجیب سے انداز میں کہا اور میرے قریب آ کھڑی ہوئی۔ پھر چونک کر بولی۔ ''کافی پی تم
نے؟''

''نہیں.....''

"تو پھر آؤ! ایک ایک کپ کافی پییں۔"

میں نے انکار نہیں کیا تھا۔ حیرت انگیز بات تھی۔ کافی اس وقت بھی بالکل گرم اور تازہ تھی۔ یہ حیرت انگیز چیز، ایش نے اپنی گاڑی میں لگا رکھی تھی۔ کافی کے دو، دو کپ پینے کے بعد ہم تازہ دم ہو گئے۔ ایش کہنے لگی۔ "بس! ایک چیز کی کمی رہ گئی ہے۔ اور وہ پانی..... جس سے ہم غسل کر سکیں۔"

"غسل....." میں نے پھریری لیتے ہوئے کہا اور ایش ہنس پڑی۔

"ہاں! یہاں غسل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیا خیال ہے، چلیں؟"

"ظاہر ہے، ہم یہاں قیام کے لئے تو نہیں آئے تھے۔ ویسے تمہاری دوست تمہارے نہ پہنچنے سے پریشان نہیں ہوئی ہو گی؟ یا پھر راستہ بند ہونے کی اطلاع اُسے مل ہو گی؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا اور ایش کا قہقہہ گونج اُٹھا۔

"میری دوست تھیلما؟" اُس نے شوخ انداز میں کہا۔ لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں تھا۔

"کیوں..... کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"اس نام کی کوئی لڑکی میں نے کبھی دوست نہیں بنائی۔ اور گرافن..... گرافن سے زیادہ واہیات علاقہ سوئٹزرلینڈ میں اور کوئی نہیں ہے۔ ایک بھدا اور بدنما قصبہ جہاں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

میں تعجب سے ایش کو دیکھنے لگا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اُس نے چھولداری کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "اب اس سامان کو سمیٹیں۔"

میں نے خیمہ اُتارنے میں اُس کی مدد کی تھی۔ بہت ہی عجیب و غریب خیمہ تھا۔ لپٹنے کے بعد ایک چھوٹے سے بنڈل کی شکل میں رہ جاتا تھا۔ ویسے کافی کشادہ تھا۔ گدے کی ہوا نکالی گئی۔ تمام سامان ڈگی میں منتقل کر دیا گیا۔ پھر کار میں بیٹھتے ہوئے میں نے اُس سے پوچھا۔ "تو کیا تم گرافن نہیں چلو گی؟"

"نہیں بھئی! ہمیں گرافن سے کیا دلچسپی ہے؟ وہاں واقعی دیکھنے کی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"تو پھر..... تو پھر....." میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"بس! تمہیں اس کاک ٹیل کے چند گلاس پلانا چاہتی تھی۔ تم نے وہاں قبول کر

ہوتے تو یہ رات اس سردی میں نہ گزارنا پڑتی۔" ایش نے کہا اور کار سٹارٹ کر کے ریورس کر دی۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اور جب بات میری سمجھ میں آئی تو میں نے دونوں ہاتھوں سے اُس کی گردن دبوچ لی۔ وہ آہستہ سے چیخ کر ہنس پڑی تھی۔

کار نے سڑک کی ڈھلان عبور کی تو میں نے خود ہی گھبرا کر اُس کی گردن چھوڑ دی۔ کیونکہ رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن اس کا رُخ واقعی گرافن کی جانب نہیں تھا۔ بلکہ وہ واپس شہر کی جانب جا رہی تھی۔

"تم..... تم کمینی لڑکی! تم واقعی بے حد کمینی ہو۔"

"شکریہ ڈیئر! دراصل میں ایڈونچر پسند ہوں اور میری زندگی ایسے ہی گزر رہی ہے۔" اُس نے کہا اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ سپورٹس کار کی رفتار یکدم بڑھ گئی۔ اور میں نے خود کو سنبھالنے کے لئے جلدی سے سائیڈوں میں لگی ہوئی بیلٹ اپنے پیٹ پر باندھ لی۔ ایش کی حرکت مجھے عجیب و غریب لگی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں گزری ہوئی رات اب بری نہیں محسوس ہو رہی تھی۔

برن کے اُسی خوبصورت علاقے میں، اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو کر ایش نے مجھے خدا حافظ کہا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ میں واپس اپنے کمرے میں آیا۔ باتھ رُوم میں جا کر گرم پانی کے شاور کے نیچے جا بیٹھا۔ غسل کر کے باہر نکلا تو ایش میرا انتظار کر رہی تھی۔ وہ بھی غسل کر کے آ گئی تھی۔

"میں نے ملازم سے ناشتہ لانے کے لئے کہہ دیا ہے۔ وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ لیکن ناشتے کے بغیر کیسے کام چلے گا..... کیا خیال ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تو وہ بھی مسکرانے لگی۔ "ویسے مجھے یقین ہے کہ تمہیں میری خاندانی شراب پسند آئی ہو گی۔"

"ایش! بس، کیا کہوں تم سے؟"

"کمال کے انسان ہو؟ پتہ نہیں کیا ٹائپ ہے تمہارا..... میں تو واقعی تمہیں سمجھ نہیں سکی۔"

"بہتر ہے، نہ سمجھو۔"

"آؤ! ناشتے کے کمرے میں چل کر باتیں کریں گے۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور میں اُس کے ساتھ ناشتے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ عمدہ قسم کا ناشتہ میز پر سجا دیا گیا تھا۔ میں نے مسٹر آئزک کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی۔ "ملازم کو فون ملا تھا۔ انکل مارسیلز جا رہے ہیں

اور یقیناً وہاں بھی انہیں دو چار روز لگ جائیں گے۔ البتہ آنٹی کل تک ہسپتال سے واپس
جائیں گی۔ تاہم آنٹی بہت اچھی طبیعت کی مالک ہیں۔ ہمارے مشاغل میں وہ کبھی دخل نہ
دیں گی۔''

''ہوں..... لیکن میں سوچ رہا ہوں ایش! کہ اب مجھے یہاں کب تک تمہارا مہمان رہنا
چاہئے؟''

''کیوں..... اکتا گئے؟ ابھی تو سوئٹزرلینڈ بہت وسیع ہے۔''

''یقیناً ہے۔ لیکن تم نے مجھے فطرتاً عجیب کہا ہے۔ اور یہ بھی میری عجیب فطرت کا ایک
پہلو ہے کہ میں اس سے زیادہ تم لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتا۔''

''لیکن احمق آدمی! اس کی وجہ تو بتاؤ۔''

''بس بھئی! ایک چھوٹا سا کام کر دیا تھا تمہارے انکل کے لئے۔ اور وہ بھی اتفاقی طور
پر۔ میں نے کم از کم تم لوگوں سے جھوٹ نہیں بولا۔ جان بوجھ کر میں نے یہ سب کچھ نہیں کیا
تھا تو پھر اب اُس کا اور کتنا معاوضہ وصول کروں؟''

''نہیں ڈیئر! ہر چیز کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ اور یہ تو تمہاری اچھی فطرت کی دلیل ہے کہ
اتنے بڑے کام کو چھوٹا سا سمجھتے ہو۔ آنٹی اور انکل اُن کے چنگل میں جا پھنسے تھے۔ پال
مورسن، زخمی ہو کر ناکارہ ہو گیا تھا۔ اور پھر باقی جو کچھ ہونا تھا، اگر اسی انداز میں ہو جاتا تو
انکل کا کیریئر خطرے میں پڑ جاتا۔ تم نے نہ صرف انہیں اس مصیبت سے نکال لیا، بلکہ کسی
بدنامی کا شکار بھی نہ ہونے دیا۔ اور اس کے بعد تم اس کام کو چھوٹا سا کہتے ہو..... چلو اگر
اسے مان لیں تو کیا ایک دوست کی حیثیت سے تم کچھ عرصے ہمارے ساتھ قیام نہیں کر
سکتے؟ یا پھر میری پلائی ہوئی کاک ٹیل سے خوفزدہ ہو گئے ہو؟''

میں مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ ابھی خود میرے سامنے کوئی راستہ نہیں
تھا۔ اور نہ جانے کیوں اب ایش مجھے اچھی لگنے لگی تھی۔ یوں تو میری زندگی کی کتاب آپ
کے سامنے ہے۔ مصر میں میری ملاقات مصری حسیناؤں سے ہوئی تھی۔ پھر ایک طویل
میں نے آئرن فیرین کے ساتھ تنہا طے کیا تھا۔ اس کے بعد ازابیلا بھی میری زندگی میں آئی
تھی۔ لیکن یہ کاک ٹیل پینے کے بعد میرے ذہن میں کچھ نئے احساسات جاگ اُٹھے
تھے۔

میری خواہش تھی کہ اب میں تھوڑی دیر آرام کروں۔ طبیعت پر ایک ہلکا سا سرور اُس
وقت بھی طاری تھا۔ لیکن ایش نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھی۔ لنچ کے بعد ہی اُس نے
مجھ سے تقاضا کر دیا تھا کہ باہر گھومنے پھرنے کے لئے تیاریاں کر لی جائیں۔ میرے منع
کرنے کے باوجود اُس نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ برن کا موسم اتنا ہی حسین تھا اور ایش
کی سپورٹس کار مختلف علاقوں میں چکراتی پھر رہی تھی۔

رات کا کھانا دریا کے کنارے اُسی ہوٹل میں کھایا گیا۔ اور جب کافی رات ہو گئی تو ایش
نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ فضا میں اس وقت بھی کافی دھند تھی۔ کوٹھی پہنچ کر ایش مجھے خدا
حافظ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں پہنچ کر لباس وغیرہ تبدیل
کرنے لگا۔ ذہن میں بہت سے خیالات تھے۔ سوچنے کے لئے بہت کچھ تھا۔ لیکن اب
سوچ کی اس یلغار سے بچنا چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں کچھ سوچنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

میں اپنی مسہری پر دراز ہو گیا اور نجانے کیا کیا خیالات میرے سینے میں مچلنے لگے۔ بدن
کو ایک نئی کیفیت کا احساس ہو رہا تھا..... دفعتہً دروازے پر دستک ہوئی اور میں اُچھل پڑا۔
مسرت کی ایک لہر میرے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی..... دروازہ کھولا تو ایش کھڑی تھی اور
وہی خوب صورت سی نازک سی ٹرالی اُس کے سامنے تھی، جس پر چند شیشیاں اور دو گلاس
رکھے ہوئے تھے۔ ایش کی آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُس نے ٹرالی
اندر داخل کر دی اور آہستہ سے بولی۔

''میرا خاندانی نسخہ.....''

مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ پچھلی رات اس خاندانی نسخے کی کرامات دیکھ چکا تھا اور اس
کے برے اثرات مرتب نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ایک طرح سے مجھے ذہنی سکون ملا تھا۔ چنانچہ
میں نے آج بھی اُس کا یہ خاندانی نسخہ قبول کر لیا اور آج یہ تلخ اور بدذائقہ کاک ٹیل مجھے
پچھلی رات کی مانند بری نہیں محسوس ہوئی تھی.....

دوسری صبح جاگا تو کاک ٹیل کے اثرات ذہن پر موجود تھے۔ اور اُس کی خرافات
سے قریب..... میں نے جھنجوڑ کر ایش کو جگایا تو وہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی.....
پھر اُس نے مجھے دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''تمہاری صورت کیسی ہو رہی ہے؟''

''غالباً میں خود ہی تمہاری کاک ٹیل بن گیا ہوں۔'' میں نے بری صورت بناتے ہوئے کہا اور ایش بے تحاشہ ہنس پڑی۔ ''تم مجھے قتل کرائے بغیر نہیں چھوڑو گی۔ اگر مسٹر آئزک یہاں آ جائیں اور انہیں ان ساری باتوں کا علم ہو جائے تو؟''

''تو کیا؟'' وہ تعجب سے بولی اور میں گہری سانس لے کر اُس کی صورت دیکھنے لگا۔

اُس کا کہنا درست تھا۔ یہ خالہ شہادت کی کھولی نہیں تھی، جہاں اخلاق و آداب کا بورڈ آویزاں ہوتا ہے۔ یہاں سب کچھ جائز تھا۔ کوئی، کسی کے معاملات میں مداخلت کا حق نہیں رکھتا تھا..... ہر شخص کو اپنے طور پر جینے کی آزادی تھی۔

ایش کمرے سے باہر نکل گئی اور میں غسل خانے کے اندر چلا گیا۔ ناشتے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ باہر کچھ آوازیں سنائی دیں اور ایش چونک کر کھڑی ہو گئی۔ ''اوہ..... آنٹی واپس آ گئی ہیں۔''

میں سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر مسز آئزک اندر آ گئیں۔ سفید سکرٹ میں وہ پہلے سے زیادہ خوشگوار کیفیت میں نظر آ رہی تھیں۔ رسمی سلام دُعا کے بعد وہ اپنے لئے بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں اور بولیں۔ ''ایش! مجھے بھی ناشتہ دو۔ میں سوچ چلی تھی کہ کہیں لیٹ نہ ہو گئی ہوں۔''

''ضرور آنٹی! ویسے آپ کی صحت پہلے سے بہت بہتر نظر آ رہی ہے۔''

''ہاں! میں فٹ ہو کر آئی ہوں۔'' مسز آئزک نے جواب دیا۔ اور اُس کے بعد ناشتے میں مصروف ہو گئیں۔ ناشتے کے دوران وہ مجھ سے بھی گفتگو کرتی جا رہی تھیں۔

''تم سناؤ مسٹر مون سور! ہم دونوں کی غیر موجودگی میں تم بور تو نہیں ہوئے؟ کیوں ایش! مسٹر مون سور کو تم نے برن کی سیر کرائی؟''

''ہاں آنٹی! میں نے کوشش تو کی ہے انہیں خوش رکھنے کی۔ اب پتہ نہیں، اس میں کامیاب ہوئی ہوں یا نہیں۔'' ایش نے بدستور شرارت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں بوکھلا گیا۔ اُس کا انداز ذومعنی تھا۔

بہر طور! میں ناشتے کے دوران اُن کے ساتھ ہی رہا اور پھر ہم تینوں باہر نکل آئے۔ مسز آئزک نے ایش سے کہا کہ انہیں اُس سے کچھ گفتگو کرنی ہے۔ چنانچہ وہ مون سور کو اُس کے کمرے میں چھوڑ کر اُن کے پاس آ جائے۔ ایش اُن کی ہدایت کے مطابق مجھے میرے

کمرے تک چھوڑنے آئی تھی۔ واپس پلٹتے ہوئے اُس نے کہا۔

''کاک ٹیل کے لئے تم بالکل فکر مند مت ہونا مون سور! اس کی بہت بڑی مقدار میرے پاس موجود ہے۔ او کے.....''

وہ واپس چلی گئی۔ مجھے اب اس تفریح سے کافی دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ ذہن پر وہ بیزاری طاری نہیں تھی جو میری فطرت کا خاصہ بن چکی تھی۔ اب ذرا فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں نے سوچا کہ بہر طور! یہاں اقدار کا کوئی تعین نہیں ہے اور یہ لوگ میرے احسان کا صلہ کچھ طویل عرصے تک ادا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کیوں نہ یہاں اس وقت تک قیام کروں۔ جب تک یہ لوگ خود ہی مجھ سے اجازت نہ مانگ لیں۔ مجھے اپنی اس سوچ پر ہنسی آ گئی تھی۔ لیکن دنیا داری یہی چیز ہے۔ لوگ اسی انداز میں جینے کے عادی ہیں اور اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ ان تمام آداب سے ناواقفیت ہی آج تک میرے لئے بھٹکنے کا باعث رہی ہو۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ ایش کسی کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ اس لئے واپس نہیں آئی تھی۔ تقریباً پونے بارہ بجے مسز آئزک نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اجازت ملنے پر اندر آ گئی۔ میں سمجھا تھا کہ ایش ہو گی یا پھر کوئی ملازم..... مسز آئزک کو دیکھ کر میں تعظیم کے انداز میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھو..... بیٹھو۔ پلیز مون سور! میں دیکھنے آئی تھی کہ تم کیا کر رہے ہو؟ تمہیں یہ سن کر خوشی ہو گی کہ ساڑھے بارہ بجے مسٹر آئزک آنے والے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر قبل مارسیلز سے اُن کا فون آیا تھا۔

''گڈ.....'' میں نے خواہ مخواہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ حالانکہ مسٹر آئزک کی واپسی سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

مسز آئزک دیر تک مجھ سے گفتگو کرتی رہیں۔ دوران گفتگو ہی میں نے ایش کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ایش، ایئر پورٹ گئی ہوئی ہے۔ مسٹر آئزک کو لے آئے گی۔

''میں نے اسے خود ہی منع کر دیا تھا کہ تمہیں ساتھ نہ لے جائے۔''

''ٹھیک کیا آنٹی۔''

''ویسے ایش تمہیں پسند آئی ہو گی۔ وہ بہت ہی خوش مزاج لڑکی ہے۔''

''یقیناً! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

☆.....☆.....☆

ٹھیک ساڑھے بارہ بجے باہر ہارن کی آواز سنائی دی تو مسز آئزک میرے ساتھ دروازے کی جانب اپنے شوہر کے استقبال کے لئے چل پڑیں۔ میں بھی ساتھ تھا۔ ایلش سپورٹس کار، پورٹیکو میں رُکی ہوئی تھی۔ مسٹر آئزک کے ساتھ گولڈن کلر کے خوبصورت پھولوں والے سکرٹ میں ملبوس ایک حسین سی لڑکی بھی نیچے اُتری تھی۔ اُس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ بچوں کے سے سٹائل میں ربن لگا ہوا تھا اور اُس کی چال میں بڑی اِٹھلاہٹ تھی۔ جیسے ہی وہ چند قدم آگے بڑھی، دفعتہً میرا دِل اُچھل کر حلق میں آ گیا..... یہ صورت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ ہر چند کہ اس سے ملاقات بہت مختصر رہی تھی۔ لیکن بہرطور میری نگاہ اُسے پہچان سکتی تھی۔ ایک لمحے میں میرے ذہن کی کیفیت خراب ہو گئی۔

مسٹر آئزک مسکراتے ہوئے میرے قریب پہنچے تھے۔ انہوں نے میری طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اوہ! میں تمہیں بہت خوش و خرم دیکھ رہا ہوں مون... اس کا مطلب ہے کہ میری غیر موجودگی میں تمہارا بہترین خیال رکھا گیا ہے۔''

میں اس قدر بوکھلایا ہوا تھا کہ مسٹر آئزک کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکا اور... بات کا مجھے خدشہ تھا، وہی ہوا۔ مسٹر آئزک نے لڑکی سے میرا تعارف بھی نہیں کرایا تھا... مجھے دیکھ کر چونک پڑی۔ چند لمحات اسی طرح پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے گھورتی رہی۔ پھر تیزی سے آگے بڑھ کر میرے قریب پہنچ گئی۔

''اوہ، مائی گاڈ.....اوہ، مائی گاڈ.....تم یہاں.....تم یہاں.....؟''

ایلش چونک کر لڑکی کو دیکھنے لگی تھی۔ مسٹر آئزک بھی چونک پڑے تھے۔ مسٹر آئزک متعجبانہ انداز میں لڑکی سے پوچھا۔ ''کیا تم انہیں پہچانتی ہو سیمونیا؟''

سیمونیا کی آنکھوں میں بچوں کی سی خوشی اُبھر آئی تھی۔ اُس نے زور زور سے گرد... ہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیوں نہیں انکل آئزک.... کیوں نہیں؟ آہ..... آپ نہیں جانتے... آپ کے سامنے کیا چیز کھڑی ہے۔ قدیم دور کا فرعون..... جسے مصر سے لایا گیا تھا اور... کے تابوت کی حفاظت میں نے کی تھی۔ آپ نہیں جانتے انکل! میں نے جو کارنامہ انجا... تھا، اگر اُس کے بارے میں دنیا کو معلوم ہو جائے تو دنیا مجھے کیا حیثیت دے۔ انک...

پوچھو انکل..... ان سے پوچھو! یہ صرف میری خواہش پر زندہ ہوئے تھے۔ ورنہ یہ صدیوں سے مردہ تھے اور ایک تابوت میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں انہیں پہچان سکتی ہوں انکل! یہ فرعون ہے۔ قدیم مصر کا فرعون..... جس نے ہزار ہا سال ایک تابوت کے اندر بسر کئے ہیں۔ آہ! تم..... تم یہاں مل جاؤ گے، میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ لیکن تم فرار کیوں ہو گئے تھے؟ تم مجھے دھوکہ دے کر فرار کیوں ہو گئے تھے؟ میں نے تو تمہاری خدمت کی تھی۔ بولو! تم چلے کیوں آئے تھے؟''

حالت تو میری کافی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن ان لوگوں کے سامنے خود کو سنبھالنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے ایلش، مسز آئزک اور مسٹر آئزک کو دیکھا۔ میرے چہرے کے نقوش دیکھ کر مسٹر آئزک کو کچھ احساس ہوا اور وہ جلدی سے سیمونیا کے قریب پہنچ گئے۔

''اوہ بے بی! آؤ، اندر چلو۔ اگر یہ تمہیں مل گئے ہیں تو یہ تمہاری خوش بختی ہے۔ دنیا کے سامنے تم اپنے اس کارنامے کا اظہار بعد میں بھی کر سکتی ہو۔ ابھی کچھ نہیں گیا۔''

''انہیں گرفتار کر لیجئے انکل! پاپا کا کہنا ہے کہ یہ بہت عجیب و غریب شخصیت ہے اور پاپا اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر تحقیق کی دنیا میں اس شخص کی مدد حاصل ہو جائے تو وہ قدیم فراعنہ کی سرزمین کا ایک ایک راز کھول کر رکھ دیں گے اور انہیں ساری دنیا میں ایک عظیم محقق کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے گا۔ آپ نہیں جانتے انکل! کہ پاپا ان کے لئے کتنا پریشان ہیں۔ میں نے ان کی بے لوث مدد کی تھی۔ نجانے کیوں مجھے یقین تھا کہ یہ میرے کہنے پر زندہ ہو جائیں گے۔ میں نے ان سے درخواست کی تو یہ زندہ ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے انہیں بہت ساری چیزیں لا کر دیں۔ لیکن یہ مجھے دھوکہ دے کر فرار ہو گئے تھے۔ میرے علم میں بھی نہیں تھا کہ یہ یہاں موجود ہیں۔ پاپا آئیں گے تو آپ انہیں اُن کے سامنے پیش کیجئے۔ دیکھئے! پاپا کتنا خوش ہوں گے۔''

''ہاں! یقیناً..... یقیناً..... آؤ! اندر چلو۔ یہ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ اور ہم انہیں کہیں جانے نہیں دیں گے۔'' مسٹر آئزک نے کہا۔

ایلش عجیب سی نگاہوں سے لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ اور کبھی کبھار اُس کی نگاہیں میرے چہرے کی طرف بھی اُٹھ جاتی تھیں۔ لیکن اب میں اداکاری کرنے لگا تھا۔ میرے چہرے پر

ایسے ہی تاثرات پیدا ہو گئے تھے، جیسے لڑکی کی کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی ہو اور اُس کے الفاظ پر حیران ہوں۔

اندر داخل ہونے کے بعد مسٹر آئزک نے ایش سے کہا۔ ''بے بی! سیمونیا کو تم اپ ساتھ لے جاؤ۔ اسے اپنا گھر دکھاؤ کچھ دن یہ ہماری مہمان رہے گی۔ میں اس کا تعارف تم سے کرا چکا ہوں۔ لیکن تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ جاؤ بے بی! ایش تمہاری دو ہے۔''

''لل..... لیکن..... میں..... میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ دونوں کو تھوڑی دیر کے لئے تنہائی مہیا کر دیں گے؟''

''ابھی نہیں..... ابھی مجھے کچھ ضروری بات کرنی ہے ان سے۔ تم جاؤ۔ یہ تھوڑی کے بعد تم سے ملاقات کریں گے۔ اور ویسے بھی اب لنچ کا وقت ہونے والا ہے۔ ا تمہیں تیار کرا دے گی۔ ملازمین تمہارا سامان اندر پہنچا دیں گے۔ جاؤ بے بی! پلیز۔'' مسٹر آئزک نے کہا اور ایش، سیمونیا کا ہاتھ پکڑ کر آگے لے گئی۔

سیمونیا، پروفیسر میتھون کی بیٹی تھی اور میتھون وہی شخص تھا، جو مجھے سرزمین مصر سے تھا اور اُس نے مجھے ایک تہہ خانے میں رکھا تھا۔ اگر سیمونیا کی مدد مجھے حاصل نہ ہو جا اُس وقت پروفیسر میتھون کے تہہ خانے سے فرار ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اس معصوم نے مجھے لباس مہیا کیا تھا اور اُس کے بعد میرے نکلنے کے راستے فراہم کئے تھے۔ ورنہ نہیں، ابتدائی صورتحال کیا ہوتی؟ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ مجھے ایک نگاہ میں ہی پہچا تھی۔ ویسے میں نے بھی اُسے پہچان لیا تھا اور ظاہر ہے، یہ بہت زیادہ مشکل کام نہیں

مسٹر آئزک آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ ''یہ بلاشبہ ایک بڑے محقق کی بیٹی سرزمین ایران پر رہنے والا پروفیسر میتھون اپنی ذات میں منفرد انسان ہے۔ قدیم اُس کی تحقیقات ایک مستند حیثیت رکھتی ہیں۔ اُس نے یونان، بابل اور مصر کے بار بہت انوکھے انکشافات کئے ہیں۔ بڑی پُراسرار شخصیت کا مالک ہے۔ میرا دوست حالانکہ زیادہ قدیم نہیں۔ لیکن فطرتاً بہت اچھا انسان ہے۔ سیمونیا ذہنی خلل کا شکار پروفیسر میتھون کا خیال ہے کہ اُس کا یہاں علاج کرایا جائے اور اس غرض سے مار اُس نے اسے میرے حوالے کر دیا ہے۔ کچھ عرصے اُسے وہاں کام تھا اور اس کے

بھی یہاں پہنچ جائے گا۔ پھر ہم سیمونیا کو کسی اعلیٰ قسم کے ہسپتال میں داخل کر کے اُس کا ذہنی معائنہ کرائیں گے۔ درحقیقت! اُس کی ذہنی سطح، عام سطح سے ہلکی ہے۔ تم اُس کی باتوں کا خیال مت کرنا۔ ظاہر ہے، ایک محقق کی بیٹی ہے۔ پتہ نہیں، ذہن میں کیا سما گیا۔''

''اوہ! میں تو حیران ہی ہو گیا تھا مسٹر آئزک! اُس نے مجھے قدیم فرعون بنا دیا۔ حالانکہ..... حالانکہ.....''

مسٹر آئزک آہستہ سے ہنس پڑے تھے۔ پھر وہ افسوس بھرے انداز میں بولے۔ ''کتنی پیاری بچی ہے۔ لیکن ذہنی طور پر پسماندگی کا شکار۔ ہم لوگ کوشش کریں گے کہ یہاں اُس کا علاج ہو سکے۔ اور ہاں! اگر وہ تمہیں فرعون ہی کہنے پر مصر ہو تو پلیز برداشت کر لینا۔ یہ انسانی مسئلہ ہے۔'' میں نے گردن ہلا دی۔

مسٹر آئزک اپنی بیگم کو لے کر اپنے کمرے کی جانب چلے گئے اور میں اپنے کمرے میں کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہی ہوا تھا، جس کا خطرہ تھا۔ آج ہی سوچا تھا کہ ایش کے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا اور زندگی پرسکون ہو جائے گی۔ لیکن سکون..... میری اس منحوس صورت نے مجھے کبھی سکون لینے دیا، جو اَب سکون ملے گا؟ تمام پروگرام غارت ہو گئے۔ بھلا اب کیا رکھا ہے؟ مسٹر آئزک نے بتایا تھا کہ پروفیسر میتھون بھی یہاں پہنچنے والا ہے۔ لڑکی کو تو غی مریض قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن پروفیسر میتھون کو دماغی مریض قرار دینا آسان کام نہیں ہو گا۔ وہ کمبخت فوراً ہی کہے گا کہ میں فرعون ہوں اور کسی بھی قیمت پر میری بات تسلیم نہیں کرے گا۔ یہ بات میں جانتا تھا کہ پروفیسر میتھون ایسے معاملات میں مجرمانہ کارروائی پر بھی اُتر آتا ہے۔ پہلے بھی اُس نے یہی کوشش کی تھی اور اب..... اب تو یہاں میرا کوئی ایسا دوست بھی نہیں تھا جو کسی طرح میری مدد کر سکتا۔ بے چارے مسٹر آئزک اس سلسلے میں کیا کر سکتے تھے؟

بہت پریشان ہو گیا تھا میں۔ اس پریشانی کے عالم میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا کہ ملازم نے مجھے ڈرائنگ روم میں چلنے کو کہا۔ یہ ہدایت اُسے مسز آئزک سے موصول ہوئی تھی۔ میں سیمونیا کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ دل میں یہی فیصلہ کیا تھا کہ فی الحال تو کچھ وقت گزارا جائے۔ بعد ہی میں کوئی فیصلہ کیا جائے۔

ڈرائنگ روم میں پہنچا تو سیمونیا، ایش کے ساتھ موجود تھی۔ ایش کے چہرے پر کوئی

خاص تاثر نہیں تھا۔ غالباً اُسے بھی یہ بات بتا دی گئی تھی کہ سیمونیا ذہنی مریضہ ہے۔ مسٹر
مسز آئزک موجود تھے۔ خوش دِلی سے میرا استقبال کیا گیا۔ مسٹر آئزک کہنے لگے
''حقیقت یہ ہے کہ اپنی اس مصروفیت نے مجھے شرمندہ بھی کیا ہے۔ اصولاً تو مجھے
تمہارے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن بہرطور، مون سور! مجبوریاں بھی بعض اوقات پتہ نہیں
کیا کچھ کرا لیتی ہیں۔ اب پال مورسن کو دیکھو۔ زخمی ہونے کے باوجود اُسے چھٹی نہیں ملی
اور وہ ایک کام سے مغربی جرمنی گیا ہوا ہے۔''

میں نے رسمی انداز میں مسٹر آئزک سے کہا کہ اُن کی غیر موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف
نہیں ہوئی۔

سیمونیا کہنے لگی۔ ''لیکن انکل! یہ آپ کے پاس کیسے پہنچے؟ کیا تابوت سے نکلنے کے
یہ سیدھے آپ کے پاس آ گئے تھے؟ انکل! آپ نے ان سے قدیم مصر کے بارے
گفتگو کی؟''

''نہیں بے بی! اب پروفیسر میتھون آ جائیں گے تو ہم ان سے مصر کے بارے
معلومات حاصل کریں گے۔''

''یہ کام میں کروں گی۔ اور پاپا پر انکشاف کروں گی کہ جو کام وہ نہیں کر سکے تھے،
نے کر ڈالا۔ کیوں مسٹر! کیا کہنا ہے آپ کا؟''

''جیسا آپ مناسب سمجھیں مس سیمونیا!'' میں نے شانے ہلا کر جواب دیا اور ایلش
ہلکی سی ہنسی گونج اُٹھی۔

مسٹر آئزک نے سرزنش کرنے والے انداز میں ایلش کو دیکھا تھا۔ لیکن سیمونیا نے
کی ہنسی کی جانب توجہ ہی نہیں دی تھی۔ کھانے کے بعد سیمونیا کہنے لگی۔ ''کیا آپ مجھے
وقت دے سکیں گے مسٹر؟''

میں نے امداد طلب نگاہوں سے ایلش کی طرف دیکھا تو ایلش جلدی سے بولی
''ہاں..... ہاں! کیوں نہیں؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟ آپ انہیں اپنے کمرے
لے جائیے سیمونیا!'' وہ شرارت آمیز انداز میں بولی اور میں گہری سانس لے کر اُ
گھورنے لگا۔ ایلش نے رُخ تبدیل کر لیا تھا۔

''آئیے! آپ میرے کمرے میں آئیے۔ میرا کمرہ بہت خوب صورت ہے۔''

میں سیمونیا کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد اُس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ سیمونیا
مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''آپ یقین کیجئے! آپ کے اس
طرح چلے آنے کے بعد میں کس قدر مضطرب رہی تھی۔ کتنی پریشان ہو گئی تھی میں۔ میں نے
تو پاپا کو یہ بھی نہیں بتایا کہ آپ کو میں نے آزاد کیا تھا۔ پاپا کو شاید خود ہی پتہ چل گیا۔ وہ کئی
دن مجھ سے ناراض رہے تھے۔ ایک طرف تو آپ کا معاملہ تھا۔ آپ کے چلے آنے سے
مجھے جو دُکھ ہوا تھا، میں اُس کا شکار تھی اور دوسری طرف پاپا بھی مجھ سے ناراض ہو گئے
تھے۔ مجھے واقعی یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اور اب آپ کو بھی نہیں۔''

وہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

''وہاں سے نکلنے کے بعد آخر آپ کہاں چلے گئے تھے؟ اور ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگ
گئے؟ کیا ہماری کوٹھی سے باہر نکلتے ہی یہ لوگ آپ کو مل گئے تھے؟''

''ہاں، شاید.....'' میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

''لیکن یہ آپ کو یہاں کیوں لے آئے؟ ان لوگوں کا تو قدیم مصر سے کوئی تعلق نہیں
ہے۔ انہیں آپ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ ویسے میں محسوس کر رہی ہوں کہ آپ یہاں بہت
خوش ہیں۔ لیکن پاپا آ جائیں تو ہم آپ کو واپس لے چلیں گے۔ پاپا آپ کو کسی قیمت پر
یہاں نہیں چھوڑیں گے۔ وہ آپ کے بہت قدر دان ہیں۔''

''شاید۔'' میں نے جواب دیا اور دروازے پر پھر ہلکی سی ہنسی گونجی۔ ایلش یقیناً ہماری
گفتگو سن رہی تھی۔ میں نے دروازے کی طرف رُخ کر کے کہا۔ ''باہر کیوں کھڑی ہو ایلش؟
اندر آ جاؤ۔''

اُس نے دروازہ کھولا اور اندر آ گئی۔ ''درحقیقت میں یہ سوچ رہی تھی کہ کہیں اس وقت
تو مسٹر مون سور کو کاک ٹیل کی ضرورت نہیں ہے؟''

''شرارت نہیں ایلش! پلیز، بیٹھ جاؤ۔''

''لیکن میں تنہائی میں آپ سے گفتگو کرتے رہنا چاہتی ہوں۔ مس ایلش، پلیز! کیا آپ
ہمیں تنہائی نہیں دیں گی؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ یہ مسٹر فرعون اگر چاہیں تو تنہا رہ سکتے ہیں۔''

''نہیں۔ مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔ کیوں نہ ہم اپنی اس گفتگو کو رات تک کے لئے

ملتوی کر دیں مس سیمونیا؟''

''ہاں، ہاں! بالکل.....رات کو کاک ٹیل پینے کے بعد گفتگو کرنے میں بہت لطف آ
گا مس سیمونیا! آپ ہمارے ساتھ شریک ہونا پسند کریں گی؟''

''مگر میں تنہائی میں.....''

''دیکھا جائے گا.....دیکھا جائے گا۔ میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور تیز
سے باہر نکل آیا۔

ایلش کے قہقہے نے میرا تعاقب کیا تھا۔ بہرطور! مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ صورت حا
اس شکل میں سنبھل گئی ہے کہ سیمونیا کی ذہنی صحت پر شبہ کیا جا رہا ہے۔ ممکن ہے، ایسی
بات ہو۔ لیکن کم از کم میرے مسئلے میں وہ بے چاری صحیح دماغ رکھتی تھی۔ اور کوئی بات
نہیں کہہ رہی تھی اور کوئی غلط بات نہیں کہہ رہی تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر ایک بار پھر مجھ پر وحشت سوار ہو گئی۔ کیا کروں؟ کیا
چاہئے؟ اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اب اس خوبصورت زندگی کو خیر باد
دوں۔ یہاں بھی میرا گزارہ ممکن نہیں تھا۔ یہاں ہی کیا، اگر پروفیسر میتھون، برن آ
اُسے یقیناً اس بات کی اطلاع مل جائے گی کہ میں یہاں موجود ہوں۔ سیمونیا کی بات
خیر اُس کے دماغ کی خرابی سمجھ لیا گیا تھا۔ لیکن پروفیسر میتھون تو پاگل نہیں ہو گا۔
سیمونیا اُس سے فرعون کا تذکرہ کرے گی تو وہ سیمونیا سے زیادہ پاگل ہو جائے گا اور
کے بعد بھلا وہ میری گردن کہاں چھوڑنے والا تھا؟ مسٹر آئزک یقیناً اس سلسلے میں میری
کر سکتے تھے۔ لیکن اس کے لئے انہیں اپنی تمام کہانی سنانی ہو گی اور میں خواہ مخواہ ایک
پھر منظر عام پر آ جاؤں گا۔ بات کہاں سے کہاں پہنچ جائے گی۔ اس لئے بیٹے منصور!
یہی ہے کہ یہاں سے بھی رفو چکر ہو جاؤ..... اور اس کے بعد یہ سوچو کہ اب کیا
گے.....؟''

وہی جھنجلاہٹ، وہی کیفیت ایک بار پھر ذہن پر سوار ہو گئی تھی۔ میں نے آئینے
چہرہ دیکھا۔ یہ چہرہ..... یہ چہرہ جب تک تبدیل نہیں کر لیا جائے گا، مجھے زندگی کے
عذاب سے نجات نہیں ملے گی۔ خواہ مخواہ یہ سوچ کر بیٹھ جاتا ہوں کہ اب حادثات مجھ
دُور چلے گئے ہیں۔ ہر نئی جگہ کو اپنے لئے پُرسکون سمجھتا ہوں۔ لیکن اس چہر

نحوست..... یہ خدوخال ہمیشہ میرے دشمنوں کو میرے تعاقب میں لگائے رکھتے ہیں۔ جب
تک مجھے اس سے نجات نہیں ملے گی، یقیناً مجھے سکون نہیں ملے گا۔ آہ! کیا کروں؟ کس
طرح اپنے اس چہرے کو مسخ کر دوں؟ نوچ ڈالوں اسے..... میں نے غصیلی نگاہوں سے
اپنے چہرے کو دیکھا اور دل میں فیصلہ کیا کہ اب جب تک اپنے اس چہرے کو تبدیل نہیں کر
لوں گا، سکون سے نہیں بیٹھوں گا اور نہ ہی زندگی کے سفر کو آگے بڑھانے کے بارے میں
سوچوں گا۔ ہاں..... مجھے پہلے اس چہرے سے نجات درکار ہے۔ پہلے اپنا یہ چہرہ بدل لیا
جائے، جو جگہ جگہ میرے لئے عذاب بن جاتا ہے۔

یہ خیال ذہن پر اس طرح سوار ہو گیا کہ جی چاہا ابھی نکل پڑوں۔ لیکن پھر عقل نے
ساتھ دیا۔ فوراً ہی نکلنا اوّل تو ممکن ہی نہیں ہو گا۔ دوئم یہاں سے جانے کا کیا ذریعہ ہو سکتا
ہے؟ فوراً ہی تو یہ چہرہ تبدیل نہیں ہو جائے گا۔ اس کے لئے پہلے معلومات حاصل کرنا پڑیں
گی۔ یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ کام کہاں ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد ہی کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس
دوران یہاں اس عمارت میں رہنا میرے لئے قطعی ممکن نہیں ہے۔ کہیں اور ہی بندوبست
کرنا پڑے گا۔ کسی ایسی جگہ منہ چھپا کر بیٹھ جانا پڑے گا، جہاں ایلش یا اور کوئی مجھے تلاش نہ
کر سکے۔ دل خون خون ہو رہا تھا۔ ایلش کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات یاد آ رہے تھے۔ بلا
شبہ اس لڑکی نے وہ کر دکھایا تھا، جو میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ شاید..... شاید میں اس حد تک
کبھی آگے نہ بڑھ سکتا..... بہت سے منصوبے میرے ذہن میں آتے رہے اور اسی چکر میں
شام ہو گئی۔

ڈنر پر میرا سامنا ایک بار پھر اُن لوگوں سے ہوا۔ ایلش آج دن میں میرے پاس بالکل
نہیں آئی تھی۔ وہ سیمونیا سے کافی ملی جلی نظر آتی تھی۔ پتہ نہیں کس ٹائپ کی لڑکی تھی۔ میں
نے بھی اس پر کوئی تعرض نہیں کیا۔ ڈنر کے بعد کافی دیر تک چہل قدمی ہوتی رہی۔ سیمونیا نے
پھر وہی تذکرے چھیڑ دیئے تھے۔ بھلا وہ بے چاری اس بات کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی کہ
اُس کا باپ مجھے سرزمین مصر سے لایا تھا اور میں قدیم فرعون تھا۔ یہ بات پروفیسر میتھون
نے اُسے بتائی ہو گی۔ اور اس کے بعد پروفیسر میتھون کی کارروائیاں اُس نے اپنی آنکھوں
سے دیکھ لی ہوں گی۔ لیکن خوشی کی بات یہ تھی کہ اُس کے ساتھ خلل دماغ کا دُم چھلا لگا ہوا
تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید مسٹر آئزک بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔

بہرطور! اس کے بعد گلو خلاصی ہوگئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ شاید آج ایش میرے کمرے
رُخ نہ کرے۔ لیکن ایش کے بارے میں شاید صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ وہ بہت تیز
وطرار لڑکی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میرا دل اُچھل پڑا۔ دروازہ کھولا تو ایش معمول
کے مطابق کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اُسے جلدی سے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ آج میں
خود بھی اُس کے لئے مضطرب ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں کیسے کیسے خیالات تھے میرے دل میں۔

رات کو تقریباً دو بجے ایش واپس چلی گئی اور اس کے جانے کے بعد میں اپنا بوریا بستر
باندھنے لگا۔ فیصلہ یہی کیا تھا کہ رات کی تاریکیوں میں یہاں سے نکل جاؤں۔ سامان بھی
نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں کئی چیزیں ایسی تھیں، جو آئندہ کے لئے بہت ضروری
تھیں۔ ورنہ شاید ویسے ہی بھاگ چکا ہوتا۔ دو بجے چوروں کی طرح اپنا سامان لے کر کہ
کی کوٹھی سے نکلنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن بہرطور! یہ اُس سے زیادہ خطرناک نہیں تھا
کہ پروفیسر میتھون یہاں پہنچ جائے۔ چنانچہ میں نے یہ خطرہ مول لے لیا۔

اس دوران چونکہ ایش کے ساتھ کئی بار کوٹھی سے نکل کر مختلف علاقوں میں جا چکا تھا۔
اس لئے بعض جگہیں میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھیں۔ البتہ چلنے پھرنے والوں کی نگاہوں
سے بچنا تھا۔ سڑکیں بے شک سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن کہیں بھی مجھے دیکھا جا سکتا تھا۔

بمشکل تمام یہ لمبا سفر طے کر کے ایک سڑک پر پہنچ گیا۔ یہ مارک گاسے تھی۔ سڑک
مارک گاسے، برن کے اچھے علاقوں میں شمار ہوتی تھی۔ یہاں عمدہ درجے کے ہوٹل وغیرہ
بھی تھے۔ چنانچہ میں نے ایک ہوٹل کا رُخ کیا۔ رات کی سروس سے میں نے ایک کمرہ
طلب کیا اور مجھے عارضی طور پر فوراً ہی کمرہ حاصل ہو گیا۔ کسی نے مجھے مشتبہ نگاہوں سے نہیں
دیکھا تھا۔ ہوٹل بہت اعلیٰ نہیں تھا۔ لیکن بہرطور! کمرہ مناسب تھا۔ کم از کم بقیہ رات
گزارنے کے لئے ایک قیام گاہ مل گئی تھی۔ سونے کا تصور بھی ذہن میں نہیں اُبھرا۔ میں
اپنی عجیب وغریب قسمت کو، کوس رہا تھا اور اس وقت میرے اُوپر شدید جھنجلاہٹ سوار تھی۔
بہرطور! اس جھنجلاہٹ کو دُور کرنے کے لئے بہتر یہی تھا کہ غسل خانے میں جا گھسوں۔
بلاشبہ تقریباً ایک گھنٹے تک میں اپنے اُوپر پانی بہاتا رہا تھا۔ ہلکا گرم پانی بڑی فرحت دے
رہا تھا۔ لیکن ذہن وسوسوں سے آزاد نہیں تھا۔ البتہ نہانے کے بعد سوچنے کی قوتوں میں
اضافہ ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ کوئی بھی ہوٹل میرے لئے مخدوش ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مجھے

ہوٹلوں ہی میں تلاش کیا جائے گا۔ ایش وغیرہ پر میرے اس انوکھے فرار سے نہ جانے کیا
گزرے گی؟ ویسے وہ خود بھی مجھ سے کافی مانوس ہو گئی تھی اور میرے اس طرح غائب ہو
جانے سے اُسے یقیناً دِلی دُکھ ہوگا۔ لیکن کیا، کیا جا سکتا تھا؟ پتہ نہیں، کتنے لوگوں کو میری وجہ
سے دُکھ ہوا تھا؟ اور میں کتنے لوگوں سے دُکھی تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں جو اپنے چہرے کے خدوخال تبدیل کرانے کے لئے
کوشاں ہوں، اس سلسلے میں مجھے کیسے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے؟ کم از کم برن میں میرے
لئے یہ کام مشکل ہوگا۔ کیونکہ چالاک ایش سے میں اچھی طرح واقف تھا۔ کہیں نہ کہیں
ضرور پکڑا جاؤں گا۔ اور اس کے بعد اگر پروفیسر میتھون نے ان لوگوں کو یہی حقیقت بتائی
کہ سیمونیا کا کہنا غلط نہیں ہے اور ایسی ایک شخصیت میتھون کے پاس سے فرار ہو گئی ہے تو یہ
لوگ دلچسپی کی غرض سے ہی مجھے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔ کیوں نہ یہاں سے نکل
جاؤں..... برن چھوڑ دوں..... سوئٹزرلینڈ کے کسی چھوٹے سے قصبے یا کسی دیہات میں پناہ
لے لوں..... لیکن وہاں کیا جھک ماروں گا؟ یہ چہرہ مجھے کہاں چھوڑے گا؟ جب تک میں اس
کے خدوخال تبدیل نہیں کرا لوں گا، سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوگا..... یہ بات نہ جانے
کیوں میرے ذہن میں جم چکی تھی۔

دوسری صبح میں نے ایک بار پھر غسل کر کے ناشتہ کیا اور رات کی تھکن ذہن سے دُور
کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ ذہن سلگ رہا تھا۔ لیکن بہرطور! اپنے
آپ کو پرسکون رکھنا بھی ضروری تھا۔ میں نے ہوٹل کے نچلے حصے میں پہنچنے کے بعد اندر ہی
بنے ہوئے کاؤنٹر سے اخبارات اور قرب وجوار کے نقشے خریدے اور اپنے کمرے میں آ
گھسا۔ اخبار میں کوئی ایسی خبر نہیں تھی، جو میرے لئے قابل توجہ ہوتی۔ پھر میں نے نقشے
پھیلا لئے اور اس کے بعد دل میں یہ طے کیا کہ برن سے فرینکفرٹ چلا جاؤں۔ کم از کم
وہاں کوئی شناسا تو نہیں ہوگا۔ ایک سیاح کی حیثیت سے مجھے اس سفر میں کوئی خاص مشکل
پیش نہیں آ سکتی تھی۔

چنانچہ ذہن میں اس سوال کو پوری طرح ترتیب دے کر میں باہر نکل آیا اور اُس کے
بعد تیاریاں کرنے میں مجھے بہت زیادہ مشکل نہیں ہوئی۔ متعلقہ اداروں سے سارا کام
منٹوں میں ہو گیا تھا۔ میں نے برن سے فرائی برگ تک کا ٹکٹ خرید لیا تھا۔ فرائی برگ کے

بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہوسکتی تھیں، اُن سے یہ اندازہ ہوا تھا کہ وہ جرمنی کے
خوبصورت ترین علاقے بلیک فارسٹ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ میں
وقت بلیک فارسٹ کے کسی چھوٹے سے قصبے میں گزاروں گا اور پھر وہاں سے فرینکفرٹ
جاؤں گا۔ اب تک زندگی میں، میں نے اپنے آپ کو ایک سیاح کی حیثیت سے ہی روشناس
کرایا تھا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ انداز چاہے کچھ بھی ہو، لیکن میں ایک سیاح کی حیثیت
سے سفر کر رہا تھا۔ اس سفر میں جو واقعات میری زندگی میں پیش آ رہے تھے، اُن سے
کوئی تعلق نہیں تھا۔ بس! واقعات نے خود ہی مجھے گھیرا ہوا تھا اور میں اُن سے کسی طور
حاصل نہیں کر سکا تھا۔

گاڑی سوئٹزر لینڈ کی سرحد عبور کر کے اب جرمنی اور فرانس کی سرحد پر جا رہی تھی۔ یہا
گاڑی کی پٹڑی کئی میل تک دونوں ملکوں کی سرحد کا، کام دیتی ہے۔ میں نے گاڑی
کمپارٹمنٹ میں سفر کرنے والے مسافروں کو دیکھا۔ زیادہ تر جرمن باشندے تھے۔ اکا
ہی دوسرے ملکوں کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ ایک گوشے میں ذرا مختلف قسم کا ایک جوڑا
آیا، جو اُن لوگوں سے بے نیاز، اپنی دُھن میں مست بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بین الاقوامی آوارہ
تھے۔ جو لباس اور زندگی کے دوسرے لوازمات سے بے پرواہ صرف اپنی دُھن میں گم
رہتے تھے۔ جرمن طالب علموں کا ایک گروہ اُن کی طرف متوجہ تھا۔ لیکن وہ اُن کی باتوں
توجہ نہیں دے رہے تھے۔

نجانے میرے ذہن میں کیا خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آ
لڑکی نے چونک کر مجھے دیکھا اور خفیف سے انداز میں مسکرا دی۔ پھر اُس نے آہستہ
اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور وہ بھی اونگھتے اونگھتے چونک پڑا۔ اُس نے میری طرف دیکھ
اپنے پیلے اور بھدے دانت نکال دیئے اور پھر شستہ انگریزی میں بولا۔

''انگریزی بول سکتے ہو؟''

''ہاں..... کیوں نہیں؟'' میں نے جواب دیا۔

''تم جرمن نہیں ہو.....''

''میں ایشیائی ہوں۔'' میں نے کہا۔

''انڈین؟''

''نہیں..... پاکستانی۔''

''اوہ..... پاکستانی..... پاکستانی.....'' نوجوان نے مسکراتے ہوئے اپنی ساتھی لڑکی کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی اور وہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں..... پاکستانی۔ کیا آپ لوگ پاکستان گئے ہیں؟''

''نہیں..... صرف کھٹمنڈو تک جا سکے ہیں ہم لوگ۔ ارادہ تھا کہ وہاں سے پشاور جائیں گے۔ لیکن نہیں جا سکے۔''

''اس وقت کہاں جا رہے ہو؟'' میں نے سوال کیا اور نوجوان اپنی ساتھی لڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے ہنس پڑا۔ اس کے ہنسنے کا انداز نہایت بھونڈا تھا۔ اُس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے تمام دانت باہر جھانکنے لگے تھے۔ اور یہ غلیظ دانت، دل میں کراہت پیدا کرتے تھے۔ لڑکی نے کہا۔

''کوئی فیصلہ نہیں کر سکے ہم لوگ۔ ویسے شاید ٹروتھ چلے جائیں۔ ٹروتھ، فرائی برگ سے بارہ میل کے فاصلے پر، بہت ہی خوبصورت جگہ ہے۔ زندگی سے بھرپور..... جرمن علاقوں کا حسین ترین قصبہ۔''

''گڈ! فرائی برگ سے ٹروتھ جانے کے لئے کیا ٹرین تبدیل کرنی پڑتی ہے یا وہ راستے میں ہی پڑتا ہے؟''

''نہیں۔ فرائی برگ سٹیشن پر اُترنا پڑتا ہے۔ وہاں سے تم ٹرام کے ذریعے قصبے میں پہنچ سکتے ہو۔''

''تو پھر کیوں نہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ ہی چلوں۔ ویسے مجھے تمہارا نام نہیں معلوم ہو سکا۔''

''میرا نام ٹونی ہے۔ اور یہ ہیلن ہیں۔ بڑے مختصر سے نام ہیں ہمارے۔ جو کوئی بھی آسانی سے یاد کر سکتا ہے۔''

''بڑی خوشی ہوئی تم دونوں سے مل کر۔ میں بھی سیاح ہوں۔ میرا مطلب ہے ٹورسٹ..... ٹورسٹ.....''

''گڈ! ہم آپ کو کس نام سے پکاریں مسٹر؟''

''منصور۔'' میں نے جواب دیا اور وہ دونوں منہ ٹیڑھا کر کے میرا نام دُہرانے لگے۔

لیکن صحیح تلفظ ادا کرنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ تاہم کسی انسان سے گفتگو کرنے کا مو
ملا تھا۔ چنانچہ میں اُن سے باتیں کرتا رہا۔ اُن کا تعلق برطانیہ سے تھا۔ وہ دونوں آپس م
رشتے دار تھے۔ شادی وغیرہ کا تصور اُن لوگوں کے ہاں مضحکہ خیز ہی سمجھا جاتا تھا۔

میں اُن لوگوں کے ساتھ فرائی برگ سٹیشن پر اُتر گیا۔ اور پھر اُن لوگوں کے مشورے ک
مطابق ٹرام پر سوار ہو کر اُس قصبے میں پہنچ گیا۔

ٹروتھ بلا شبہ خوبصورت جگہ تھی۔ بے حد پر سکون..... عمارت کے گرد باغیچے نظر آ ر
تھے اور اُن کی سجاوٹ میں نفاست تھی۔ آبادی کے بیچوں بیچ ایک چھوٹی سی ندی بہہ رہی تھ
جس پر لوہے کی سلاخوں کے پل بنے ہوئے تھے۔ پلوں کے ساتھ ساتھ پانی کی سطح
قریب پن چکیاں چل رہی تھیں۔ قصبے کی آبادی جہاں پر ختم ہو جاتی تھی، وہاں سے جو
کھیت شروع ہو جاتے تھے۔ کھیتوں کے دوسری جانب بلیک فارسٹ تھا۔ ٹونی اور ہیلن
میں نے قصبے ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ انہیں کوئی ٹھکانہ تلاش کرنا تھا۔ بلاوجہ کسی کے پیچھے لگ
رہنا اچھی بات نہیں ہے۔

میں ایک تنگ پگڈنڈی پر چل پڑا۔ رُخ جنگل کی جانب تھا۔ جَو کے پودے کا سنہ
رنگ، جنگل کے سیاہ پس منظر سے اور بھرپور ہو گیا تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔
میں جنگل کے کنارے پہنچا تو بارش شروع ہو گئی اور میں نے بھاگ کر ایک اُونچے درخت
کے نیچے پناہ لی۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر دو افراد اور بھی ایک درخت کے نیچے پناہ لئے ہو
تھے۔ مرد خوب صورت سوٹ میں ملبوس تھا اور شاید اُس کے ساتھ کوئی عورت تھی۔ دونوں
ہی دلچسپی سے مجھے دیکھنے لگے۔ چہرے مہرے سے اچھے خاصے پر وقار معلوم ہوتے تھے۔
میں ایسے ہی شناسائی کے طور پر اُن کے قریب پہنچ گیا اور انہوں نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

''ہیلو بلیک بوائے!'' عورت بولی۔

''ہیلو!'' میں نے اُس کے الفاظ کا برا منائے بغیر کہا۔

''بارش اچانک ہی شروع ہو گئی ہے۔ ہمیں اس کی اُمید نہیں تھی۔''

''ہاں! آپ لوگ شاید پہلے سے یہاں موجود تھے۔'' میں نے کہا۔

''ہاں! بلیک فارسٹ دیکھنے آئے تھے۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ اِسے کالا جنگل کیوں
کہا جاتا ہے۔ درختوں سے روشنی نیچے آتی ہی نہیں کہ جنگل روشن ہو۔ اس مناسبت سے

کا نام بلیک فارسٹ بالکل درست ہے۔'' مرد نے کہا۔

''یقیناً! میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔''

''تم ٹورسٹ ہو؟'' اُس نے سوال کیا۔

''ہاں! اور ٹروتھ دیکھنے کے لئے فرائی برگ سے یہاں آیا ہوں۔''

''ٹروتھ بلا شبہ حسین ہے۔ لیکن یہاں رہنا آسان نہیں ہے۔ قیام کے لئے اپنی گاڑی
کے علاوہ اور کوئی جگہ موزوں ہی نظر نہیں آئی۔ چنانچہ یہاں کے قیام کو ہم نے مختصر کر دیا۔''

''بدقسمتی سے میرے پاس تو گاڑی بھی نہیں ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا اور پر وقار
شخص کے چہرے پر ہمدردی کے آثار پھیل گئے۔

''کوئی بات نہیں۔ اگر تم چاہو تو عارضی طور پر ہمارے ساتھ پناہ لے سکتے ہو۔ میرے
پاس بڑی گاڑی ہے۔''

میں نے شکر گزار نگاہوں سے اُن دونوں کو دیکھا۔ مرد نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے
ہوئے کہا۔ ''میرا نام گیری ملر ہے۔ اور یہ میری بیوی جینفر۔ میں ایک سرکاری محکمے میں کام
کرتا ہوں اور جینفر اپنا الگ کام کرتی ہے۔''

''آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میرا نام منصور ہے اور پاکستانی ہوں۔''

''اوہ.....اوہ! واقعی تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ میں نے تقریباً چھ سال پاکستان میں
گزارے ہیں اور تھوڑی بہت تمہاری زبان بھی جانتا ہوں۔ لیکن بہت تھوڑی سی۔ صرف
چند الفاظ.....'' گیری ملر نے گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور جینفر نے بھی
ہاتھ ملا دیا تھا۔

''بارش تو ابھی دیر تک نہ رُکے گی۔ کیا خیال ہے، گاڑی تک چلیں؟ ہم لوگوں کو اُمید
نہیں تھی کہ اچانک ہی بارش شروع ہو جائے گی۔ ورنہ شاید گاڑی ہی میں یہاں تک
آتے۔''

''بہرطور! ان درختوں کے نیچے سے نکلنے کے بعد تو بھیگنا ہی پڑے گا۔'' میں نے کہا اور
اس کے بعد ہم تینوں درختوں کے نیچے سے نکل آئے۔ گیری ملر کی گاڑی کافی فاصلے پر
کھڑی ہوئی تھی۔ لیکن اُسے دیکھ کر میری آنکھیں خوشی سے پھیل گئیں۔ بہت کشادہ اور لمبے
سفر کی گاڑی تھی۔ جس کا پچھلا حصہ بہت وسیع تھا۔ اور اگر یہ دونوں تنہا ہی ہیں تو یقیناً مجھے

بھی ان کے ساتھ جگہ مل سکے گی۔

میں گاڑی کے قریب پہنچا تو گیری ملر نے پہلے عقبی دروازہ کھولا۔ جرمن مہمان نواز
یہ پہلا مظاہرہ مجھے پسند آیا تھا۔ اُس کے بعد گیری ملر نے اپنی بیوی جینفر کو بھی پیچھے ہی گر
دیا اور خود اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر جا بیٹھا۔ اتنے ہی فاصلے پر دوڑتے ہو
ہمارے لباس بھیگ گئے تھے۔ لیکن یہاں ان حالات میں لباس تبدیل کرنا ممکن نہیں
اور پھر میرا سامان تو پیک تھا۔

گیری ملر نے اخلاقاً کہا۔ ''اگر تم لباس تبدیل کرنا چاہو تو ہم دونوں نیچے اُتر جائیں''

''یہی پیشکش میں آپ کو کرنے والا تھا مسٹر ملر!''

''نہیں۔ ہم لوگ ایڈونچر پسند ہیں۔ اور پھر یہ لباس تھوڑی ہی دیر کے بعد خود بخود
جائیں گے۔ چنانچہ ہم انہیں بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔''

''اور میں سیاح ہوں۔ اس قسم کے واقعات سے سابقہ پڑنا عام سی بات ہے۔''
نے جواب دیا۔

جینفر پچھلے ہی حصے میں بے تکلفی سے سائیڈ میں لگی ہوئی ایک برتھ کھول کر لیٹ گئی
گیری ملر میرے سامنے چہرہ کئے، مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اور دوران گفتگو اُس نے بتا
جینفر نے اپنا ایک چھوٹا سا کلینک کھول رکھا ہے، جہاں وہ پلاسٹک سرجری کا کام کرتی
یہ انکشاف میرے لئے جتنا حیرت انگیز اور سنسنی خیز ہو سکتا تھا، اس کا اندازہ لگایا جا
ہے۔ میں گیری ملر کے الفاظ بھول گیا تھا۔ بس! تعجب سے یہ سوچ جا رہا تھا کہ کیا
جوڑے کا مل جانا میرے لئے ایک نیک فال نہیں ہے؟ اپنے چہرے کے خدوخال
کرانے کا ارادہ تو میں نجانے کب سے رکھتا تھا۔ لیکن اس کے لئے کوئی ذریعہ نہ
میرے پاس۔ معلومات بھی حاصل نہیں تھیں اس بارے میں۔ اچانک ہی ان لوگوں
جانا میرے مقصد کی تکمیل کر سکتا تھا۔ چنانچہ اب میری پوری توجہ اُن لوگوں کی جانب
اور میں نے اپنی گفتگو میں مٹھاس اور اپنائیت پیدا کر لی۔ بالآخر وہ دونوں مجھ سے
ہی گئے۔ رات کا کھانا بھی اُن لوگوں کے ساتھ ہی کھایا اور اس کے بعد گفتگو کر

میں نے اُن سے یہی کہا کہ میں صرف جرمن علاقے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔

''دراصل سال کے اس ماہ ہم لوگ تقریباً پندرہ دن کی چھٹیاں ایسے ہی

کر کے گزارتے ہیں اور ہر بار ایک نئی جگہ دیکھنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ٹروتھ کے بارے میں
بہت دن سے ہمارے ذہن میں پروگرام تھا۔ چنانچہ ہم اس طرف آ نکلے۔ ویسے تم اگر چاہو
تو برلن تک ہمارے ساتھ جا سکتے ہو۔ فرینکفرٹ وغیرہ سے گزرتے ہوئے ہم برلن تک
جائیں گے۔''

میں نے ایک بار پھر گردن ہلا دی تھی۔ جینفر کہنے لگی۔ ''اس کے علاوہ برلن کی سفر میں
بھی تمہاری مدد کی جا سکتی ہے مسٹر منصور!''

جینفر کا تلفظ بہت بہتر تھا۔ جبکہ اُس کی نسبت گیری ملر میرا نام لیتے ہوئے تھوڑا سا اٹکتا
تھا۔ بہرحال! ان لوگوں سے خوب دوستی ہو گئی اور یہ بات میرے لئے زیادہ فرحت بخش تھی
کہ جینفر پلاسٹک سرجری جانتی ہے۔ اگر میں ان لوگوں کی پوری توجہ حاصل کرنے میں
کامیاب ہو گیا تو شاید یہی میری مشکل کا حل بن جائیں۔

دوسری صبح ہم ٹروتھ سے باہر نکل آئے۔ فرائی برگ پہنچے اور وہاں سے فرینکفرٹ جانے
والی عظیم شاہراہ ''آٹو بہان'' پر چل پڑے۔ جینفر مجھے ایک سیاح سمجھ کر راستے کے بارے
میں بتاتی جا رہی تھی۔ ہائیڈل برگ پہنچتے پہنچتے شام ہو گئی۔ دریائے نیکر کے دیدہ زیب پل
پر سے گزرے تو وہاں نیچے پانی میں شفق کی سرخی اُتری ہوئی تھی۔ دریا کے کنارے کافی رش
تھا۔ ہائیڈل برگ کا شہر دریائے نیکر کے کنارے ہی واقع ہے اور کافی خوبصورت شہر سمجھا
جاتا ہے۔ یہاں سے نکلے تو جینفر نے بتایا کہ اب فرینکفرٹ کا راستہ آدھے گھنٹے سے زیادہ
نہیں ہے۔

گیری ملر کہنے لگا۔ ''منصور! اگر تم فرینکفرٹ کو ایک نگاہ دیکھنا چاہتے ہو تو ہم ایک رات
یہاں قیام کر سکتے ہیں۔''

''میری وجہ سے آپ لوگوں کو کافی تکلیف اُٹھانی پڑی۔''

''سنا ہے کہ تم لوگ بیکار الفاظ کا استعمال بہت زیادہ کرتے ہو۔ بہرطور! ہم اسے پسند
نہیں کرتے جب میں نے ایک بار تم سے کہہ دیا کہ میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے
خوش آمدید کہتا ہوں تو اس کے بعد یہ ساری باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مغربی جرمنی کے ساتھ
ساتھ تم مشرقی جرمنی بھی دیکھ لو گے۔ جبکہ عام حالات میں شاید تمہارے لئے یہ اتنا آسان
نہ ہوتا۔''

''اوہ، ہاں! بے شک۔ لیکن کیا مغربی جرمنی کی سرحد عبور کرنے میں کوئی مشکل تو نہیں ہوگی؟''

''اگر تمہارے کاغذات درست ہیں تو تمہیں برلن کے لئے عارضی ویزہ مل سکتا ہے۔''

''تب میں دوسری جنگ عظیم کا یہ عظیم شہر ضرور دیکھنا پسند کروں گا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''برلن ہر سال پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو جاتا ہے۔''

تھوڑی دیر کے بعد ہم فرینکفرٹ پہنچ گئے۔ دن بہت زیادہ باقی نہیں تھا۔ گاڑی ہی میں گیری ملر نے مجھے تھوڑی سی سیر کرائی۔ قیصر سٹریٹ دکھائی۔ اور اُس کے بعد ہم دریائے مائین کے کنارے یوتھ ہوسٹل کے قریب فروکش ہو گئے۔ یوتھ ہوسٹل..... جس کا شمار کے بہترین ہوسٹلوں میں ہوتا ہے۔

شام جھک آئی تھی۔ سامنے دریائے مائین کے مٹیالے پانی میں سامان بردار کشتیاں سٹیمر چل رہے تھے۔ دوسرے کنارے پر سیاہ کائی زدہ کلیسا کھڑا تھا، جو اس شہر کا نشان ہے۔ گیری سے زیادہ اُس کی بیوی جینفر مجھ میں دلچسپی لے رہی تھی۔

بہت رات گئے تک ہم فرینکفرٹ کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اور پھر معمول مطابق گاڑی ہی میں سو گئے۔ گاڑی کی اگلی سیٹیں آرام دہ بستر کی حیثیت سے کھل تھیں۔ عقبی سائیڈ میں بھی دو سائیڈ برتھیں لگی ہوئی تھیں۔ گویا ابھی ایک آدمی کی مزید گنجائش تھی۔ کافی رات گئے ہم لوگ سونے کے لئے لیٹ گئے۔

دوسری صبح آنکھ جلد ہی کھل گئی۔ جینفر اور گیری ملر مجھ سے پہلے ہی جاگ گئے تھے۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو ہوا میں پھیلی ہوئی تھی۔ میں نیچے اُترا تو انہوں نے دریائے مائین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ پہلے میں منہ وغیرہ دھولوں۔ اس کے بعد کافی دی جائے گی۔ کافی کا ایک ایک کپ پینے کے بعد ہم لوگوں نے سفر کی تیاری کی۔ مسٹر گیری ملر کہنے لگے کہ علی الصبح سفر شروع کر دیا گیا تو آرام سے برلن پہنچ جائیں گے۔ ناشتے کے لئے انہوں نے کہا تھا کہ گاڑی ہی میں کیا جائے گا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو تھا؟

چنانچہ ہم چوڑی سڑک آٹو بہان پر نوے میل فی گھنٹے کی رفتار سے برلن کی طرف روانہ

ہو گئے۔ بے حد نفیس سڑک تھی۔ لہٰذا یہ سفر جاری رہا۔ اور پھر شام سے کچھ پہلے ہم مشرقی جرمنی کی سرحد پر پہنچ گئے۔ سرحدی محافظوں نے ہمارے پاسپورٹ چیک کئے اور ہمیں ہدایت کی کہ کار یہیں کھڑی کر کے کسٹم ہاؤس سے مشرقی جرمنی عبور کرنے کے لئے ویزہ لگوا لیں۔

کسٹم ہاؤس میں پہنچے تو ویزہ افسر میز کے پیچھے بیٹھا ہوا سگار پی رہا تھا۔ اُس نے پاسپورٹ پر موجود تصویریں دیکھ کر ہماری شناخت کی اور پھر چند فارم پر کروا کر ویزے کی مہر لگادی۔ اُس کے بعد ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

مغربی اور مشرقی جرمنی کے درمیان ایک قلعہ نما سرحد پھیلی ہوئی تھی۔ جس کی عمارتیں بے حد ہیبت ناک تھیں۔ ہر سو گز کے فاصلے پر حفاظتی مینار نظر آ رہے تھے، جن پر مشین گنوں سے مسلح محافظ پہرہ دے رہے تھے۔ ان میناروں کے نیچے سڑک پر لوہے کے پھاٹک لگے ہوئے تھے۔ جہاں کاغذات بار بار چیک کئے جاتے تھے۔ کئی جگہوں پر سڑک کے کنارے سیمنٹ اور لوہے کے ستون ڈھلوان سطح پر اس طرح لگے ہوئے تھے کہ اگر کوئی کار وغیرہ کسٹم ہاؤس اور آہنی پھاٹکوں پر رُکے بغیر تیز رفتاری سے سرحد عبور کرنا چاہے تو ان ستونوں کی مدد سے اُن کو روکا جا سکے۔

ہم برلن کے نواح میں پہنچے تو خاصی رات ہو چکی تھی۔ شہر کے وسط میں پہنچ کر گیری ملر نے کار کا رُخ ایک خوبصورت علاقے کی جانب کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک چھوٹی سی عمارت کے سامنے رُک گیا۔ گاڑی عمارت کے باہر ہی ایک مخصوص جگہ کھڑی کر دی گئی اور گیری ملر نے مسکراتے ہوئے پر تپاک انداز میں کہا۔

''آیئے مسٹر منصور! آپ اس طرح کیوں کھڑے ہوئے ہیں؟''

''کیا اس سے زیادہ مراعات حاصل کی جا سکتی ہیں مسٹر ملر؟''

''نہیں ڈیئر! ایک جرمن بد اخلاق نہیں ہو سکتا۔ آؤ! تمہیں کچھ وقت ہمارا مہمان رہنا پڑے گا۔ جینفر! تم بھی مسٹر منصور کو دعوت دو۔''

''مجھے تو یہ حیرت ہے کہ یہاں تک آنے کے بعد مسٹر منصور نے یہ کیوں سوچا کہ وہ کہیں اور قیام کریں گے۔ جبکہ برلن میں ہمارا گھر ہے۔'' جینفر نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں پُراخلاق جرمن باشندے مجھے لئے ہوئے عمارت میں داخل ہو گئے۔

عمارت میں ایک بوڑھی جرمن ملازمہ موجود تھی۔ جس نے ہمارا استقبال کیا تھا۔
ملر نے جینفر سے کہا کہ اُس کا کمرہ معزز مہمان کو دے دیا جائے۔ وہ خود جینفر کے کمرے
قیام کرے گا۔

اگر اُن لوگوں سے ایک اہم مسئلہ وابستہ نہ ہوتا تو شاید میں ان شریف لوگوں کو تک
دینا پسند نہ کرتا۔ بلاوجہ کسی کی ذات پر بوجھ بننا اچھی بات تو نہیں تھی۔ لیکن جینفر سے
مستقبل وابستہ تھا۔ چنانچہ میں نے اُن کی یہ پیشکش شکریہ کے ساتھ قبول کر لی۔ جینفر
گیری ملر کافی خوش اخلاق ثابت ہوئے تھے۔ رات کا کھانا بوڑھی ملازمہ نے بڑی
سے تیار کیا، جو وقت سے ذرا دیر میں کھایا گیا تھا۔ اُس کے بعد گیری ملر نے کہا۔

''اصول کے مطابق میری چھٹی کل ختم ہو رہی ہے۔ چنانچہ صبح مجھے اپنی ڈیوٹی جوائن
ہوگی۔ جینفر بھی اپنے کلینک جائے گی۔ کیونکہ اُس نے جو اپائمنٹ دیئے ہوئے ہیں،
لوگوں کو خوش آمدید کہے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا مسٹر منصور! کہ آپ جینفر کے ساتھ اُس
کلینک چلے جائیں؟ اچھا وقت گزرے گا۔ اُس کے بعد شام کی چائے پر میری آپ
ملاقات ہوگی۔''

''یقیناً مسٹر گیری ملر! میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کے مشاغل
کوئی فرق نہ پیدا ہو۔''

''بالکل اطمینان رکھو! ہم کوئی فرق پیدا بھی نہیں کریں گے۔''

رات کو دونوں نے مجھے میرے کمرے میں خدا حافظ کہا اور میں مشرقی برلن کے
مکان میں رہ کر اُن گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرنے لگا، جن کا تعلق دوسری جنگ
سے تھا۔ برلن کی تاریخ تو بے حد بھیانک تھی۔ اور اس کے نقوش آج تک برلن کی
دیوار پر ثبت تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ دوسری جنگ عظیم کے اس شہر کو ذرا تفصیل
دیکھوں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی میرے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو گیا تھا کہ اگر
مجھے کل اپنے کلینک لے گئی تو کل ہی میں اُس سے اپنی خواہش کا اظہار کر دوں گا۔
اب بھی میرے پاس کافی مقدار میں موجود تھی۔ اور میں اُن لوگوں کا کم از کم یہ احسان
لینا چاہتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جینفر کو اس سلسلے میں کوئی خاص اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن
ذرا سمجھانا پڑے گا اور اس کے لئے مختلف منصوبے بناتا ہوا میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

دوسرے دن آٹھ بجے جینفر نے میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا دیا تھا۔ میں جاگا تو اُس
نے مجھ سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ درحقیقت اس سے زیادہ انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا۔
ملر اپنی ڈیوٹی پر جا چکا ہے اور وہ ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکل جائے گی۔ کیونکہ نو بجے
اُس کا پہلا اپائنٹمنٹ ہے۔

میں نے برق رفتاری سے تیاری کی۔ ناشتے کی میز پر بھی ہم دونوں نے زیادہ وقت
صرف نہیں کیا تھا۔ پھر جینفر مجھے ساتھ لے کر ایک چھوٹی کار میں آ بیٹھی اور کار سٹارٹ ہو کر
چل پڑی۔

میں نے راستے میں جینفر سے پلاسٹک سرجری کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
لیکن فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ وہ مجھے بہت کچھ بتا سکتی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کلینک
میں پہنچ گئی۔ ایک خوبصورت عمارت کی دوسری منزل پر یہ کلینک واقع تھا اور اسے اندر سے
دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ جینفر معمولی حیثیت کی مالک نہیں تھی۔ سٹاف کے کچھ افراد نے
اُس کا استقبال کیا اور وہ اپنے کمرے میں جا بیٹھی۔ مجھے اُس نے ایک برابر کی کرسی پر جگہ
دی تھی۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بھاری تن و توش کا آدمی اندر داخل ہو گیا۔ اُس کے
داہنے گال پر گہرے زخم کا نشان تھا۔ چہرے سے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ یہ جینفر کا
پہلا مریض تھا۔ جینفر نے مختلف ذرائع سے اُس کے زخم کا معائنہ کیا جو اب صرف نشان کی
حیثیت رکھتا تھا۔ اور پھر اُس نے اُسے ہدایت دے کر کہا کہ اُس کی پلاسٹک سرجری کا کام
آج سے ٹھیک چوتھے روز شروع ہو جائے گا۔ میں اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔

پونے دس بجے دوسرا اپائنٹمنٹ تھا اور گیارہ بجے تیسرا۔ جینفر کی ایک سیکرٹری نے
جینفر کو تین اپائنٹمنٹس کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں اور کہا تھا کہ اُس نے مزید کوئی
اپائنٹمنٹ نہیں لیا۔

جینفر نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے! اب تم جو بھی
اپائنٹمنٹ لو، کل کے لئے لینا۔ زیادہ سے زیادہ میں کسی کا ابتدائی معائنہ کر سکتی ہوں۔
لیکن وہ بھی ٹھیک ایک بجے تک۔ اُس کے بعد میں کام نہیں کروں گی۔''

''اوکے میڈم!'' سیکرٹری نے جواب دیا اور باہر نکل گئی۔

جینفر میری طرف دیکھتی رہی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ ''آؤ! میں تمہیں اپنے کلینک کے
دکھاؤں۔''

میں دلچسپی سے اُس کے ساتھ چل پڑا۔ جینفر مجھے پلاسٹک سرجری کے بارے میں
کچھ بتاتی رہی تھی۔ اُس نے کہا کہ وہ تقریباً سات سال سے یہاں کام کر رہی ہے اور
سے چہرے تبدیل کر چکی ہے۔ آفس میں آنے کے بعد میں اُس نے اس سلسلے میں
تفصیلات معلوم کرتا رہا۔ اور پھر میں نے اپنا مقصد بیان کرنا شروع کر دیا۔

''میڈم جینفر! جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے مختلف لوگوں کے چہرے دیکھے۔
کے نقوش میں کوئی نقص تھا۔ لیکن اگر کوئی ایسا شخص جو بالکل درست چہرہ رکھتا ہو۔ صرف
اپنے خدوخال تبدیل کرانا چاہے تو کیا یہ ممکن ہوگا؟''

''کیوں نہیں؟ فرض کرو، تم اپنے چہرے کو مزید حسن دینا چاہو تو میرا خیال
تمہارے اس بیضوی چہرے کے رُخساروں میں تھوڑا سا اُبھار پیدا کیا جا سکتا ہے۔ تمہارے
ہونٹ ذرا سے پتلے ہیں۔ انہیں اگر تھوڑا سا موٹا کر دیا جائے تو تمہارے چہرے کی
دلکشی میں بے پناہ اضافہ ہوسکتا ہے۔ آنکھوں کے پپوٹوں کے نیچے یہ ہلکے نشانات صاف
کے انہیں شفاف شکل دی جا سکتی ہے۔ پیشانی اور ناک کے درمیان اس چھوٹی سی گہرائی
پر کر کے تمہاری پیشانی کو مزید کشادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ یہ کام بہت زیادہ مشکل نہیں
ہے۔''

''اس سلسلے میں آپ اپنے ایک مریض سے زیادہ سے زیادہ کیا رقم وصول کرتی ہیں
میڈم جینفر؟''

جینفر نے مجھے رقم بتائی تو میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک گڈی اُس کے سا
رکھ دی اور جینفر مجھے چونک کر دیکھنے لگی۔ ''کیا مطلب؟''

''وہ جو کچھ آپ نے کہا ہے میڈم جینفر! میں وہی چاہتا ہوں۔''

''ارے نہیں، نہیں..... کیا فضول بات ہے؟ انسان کا اصل چہرہ اُس کی اصلیت
شناخت ہوتا ہے۔ اس بدلے ہوئے چہرے سے تم خود ہی اپنے آپ کو اجنبی محسوس کر
لگو گے۔ دراصل پلاسٹک سرجری اُن لوگوں کے لئے ہے، جن کے چہرے کسی حادثے
بناء پر بدنما ہو گئے ہوں۔ اور پھر تم تو ایک خوبصورت آدمی ہو۔ میں تمہاری اس دلکشی کو

نہیں چھینوں گی۔''

''اور اگر میں آپ سے درخواست کروں میڈم جینفر! کہ یہ سب کچھ میری خواہش ہے
اور میں اسے اپنے لئے ضروری سمجھتا ہوں تو کیا آپ اس سے انکار کر دیں گی؟''

''اصولاً تو مجھے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن کیا تمہارے لئے مشکلات نہیں پیدا ہو جائیں
گی؟ مشرقی برلن سے واپس جاؤ گے تو تمہاری تصویر بدل چکی ہوگی۔ اس کے لئے تم کیا
کرو گے؟''

''آپ مجھے اس کا سرٹیفکیٹ جاری کریں گی میڈم جینفر! اور میں پاسپورٹ پر نئی تصویر
اور ویزا ان کرا لوں گا۔ آپ میرے کاغذات چیک کر سکتی ہیں۔ کسی بھی طرح کی کوئی گڑبڑ
میرے کاغذات میں نہیں ہے۔ یہ کام میں صرف اپنے شوق کی تکمیل کے لئے چاہتا ہوں۔
اور پھر یہاں سے جانے کے بعد جب بھی کبھی جرمنی کا خیال آئے گا تو میرا بدلا ہوا چہرہ مجھے
آپ لوگوں کی یاد دلائے گا۔''

''بڑی عجیب سی خواہش ہے۔ لیکن میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے، جو صرف شوق کی
تکمیل کے لئے اپنے آپ کو پتہ نہیں کیا سے کیا بنا لیتے ہیں۔ تاہم بہتر یہ ہوگا کہ میں ملر سے
بارے میں مشورہ کر لوں۔ دیکھو نا! تھوڑی سی ذمہ داری ہم پر بھی عائد ہوتی ہے۔''

''آپ ضرور مشورہ کر لیجئے میڈم! لیکن میری اس خواہش کی تکمیل آپ کو کرنا ہوگی۔''
میں نے ضد کرتے ہوئے کہا اور جینفر خاموش ہوگئی۔

شام کو چائے پر گیری ملر ساتھ تھا۔ جینفر نے اُس سے میری خواہش کا اظہار کیا تو گیری
پُرخیال انداز میں سر ہلانے لگا۔ اور پھر بولا۔ ''یہ کام زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اگر اسے
یجا کیا جائے تو میرے خیال میں کوئی بڑی اُلجھن نہیں پیش آئے گی۔ لیکن میرا مشورہ
یہ ہے منصور! کہ ایسا کوئی کام نہ کرو، جو تمہارے لئے اُلجھن کا باعث بن جائے۔ ممکن
ہے، بعد میں تم اپنے اس بدلے ہوئے چہرے کو قبول نہ کرو۔''

''خیر! اس کا انتظام میں کر سکتی ہوں۔ پلاسٹک سرجری کے مختلف مراحل ہیں۔ میں
منصور کی خواہش بھی پوری کر دوں گی۔ لیکن سال، دو سال یا پانچ سال کے بعد اگر ان کے
دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ انہیں ان کا اصل چہرہ واپس مل جائے تو انہیں صرف تھوڑی
سی کارروائی کرنا ہوگی۔ اور ان کا چہرہ پھر اپنی اصل حالت میں واپس آ جائے گا۔'' جینفر

نے کہا۔

''اگر منصور کی یہ خواہش ہے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔'' گیری ملر نے اجازت
دی۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات سے کام لے کر پاسپورٹ پر
تصویر تبدیل کرا دے گا۔ اس طرح وہ تصور جو میرے ذہن میں بہت دن سے تھا، پایۂ
کو پہنچنے کے قریب آ گیا تھا۔

جینفر دوسرے دن بھی مجھے اپنے کلینک لے گئی اور میری خواہش پر اُس نے اپنے
آغاز کر دیا اور خصوصی وقت مجھے دیا۔ اُس نے میرے چہرے پر ایک لوشن لگا دیا تھا
اس کے بعد مجھ سے کہا تھا کہ اب دو دن کے بعد وہ میرے چہرے کو پہلا ٹریٹمنٹ
گی۔ اس دوران اُس نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں چاہوں تو برلن کی سیر کر سکتا ہوں۔
نے خوشی سے یہ پیشکش قبول کر لی تھی۔ گیری ملر نے مجھے ایک کار مہیا کر دی تھی، جس
ذریعے میں برلن کی سیر کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

میں نے دیوارِ برلن دیکھی۔ جس نے اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ امریکی
دیوار کو جیل کی دیوار کہتے تھے اور مشرقی جرمنی والے اسے حفاظتی دیوار کا نام دیتے تھے
اُن کے خیال کے مطابق اُن کے ملک کو لٹیروں سے بچائے ہوئے تھی۔ ہر چند کہ
برلن میں کافی کام ہو رہا تھا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے نشانات اب بھی
کی سڑکوں اور بازاروں میں نظر آ جاتے تھے۔ کھنڈرات میں چھوٹے بچے کھیلتے پھرتے
بوڑھے آوارہ گرد قیمتی اشیاء کی تلاش میں راکھ کریدتے رہتے۔ شہر پر گرائے گئے
بم ابھی تک ملبے میں دبے ہوئے تھے۔ بعض اوقات یہ بم پھٹ بھی جاتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم میں اتحادیوں کی دن رات کی بمباری نے برلن کو بھوتوں کے شہر
تبدیل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر روسیوں نے پوری کر دی۔ مارشل ژوخوف نے برلن پر
آغاز بیس ہزار توپوں سے کیا تھا، جن کی ایک ہی باڑ سے پورے گاؤں اور گھنے
میٹ ہو جاتے تھے۔ کرفرسٹن ڈام کے سرے پر قیصر ولیم میموریل چرچ کا جلا ہوا
آج بھی نظر آتا تھا۔ کلیسا کے گھڑیال کی سوئیاں ساڑھے سات کے ہندسوں پر
1943ء سے رُکی ہوئی ہیں۔ اسی شام برلن پر سینکڑوں من آگ برسائی گئی تھی۔
کلیسا کے گھڑیال پر بھی گرا تھا اور وقت کی رفتار تھم گئی تھی۔ حالانکہ شہر کی نئی تعمیر ہو چکی

لیکن اس جلے ہوئے ڈھانچے کو بطورِ یادگار جوں کا توں رہنے دیا گیا تھا۔

یہاں سے ڈاہلیم میوزیم کا سفر کیا۔ جہاں دنیا کے عظیم ترین مصوروں کی تصاویر آویزاں
تھیں۔ اور اس کے بعد وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا۔ میں نے برلن کے چڑیا گھر کے بارے
میں بہت کچھ سنا ہوا تھا۔ یہ چڑیا گھر ریلوے سٹیشن کے سامنے تھا۔ سنا ہے کہ جنگ سے پیشتر
اس چڑیا گھر میں چودہ ہزار سے زائد مختلف جنگلی جانور موجود تھے۔ لیکن ان میں سے تقریباً
تین چوتھائی جانور ہوائی حملوں کا شکار ہو گئے۔ اتحادی بمبار طیارے اس چڑیا گھر کو نیست و
نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ کیونکہ اسی میں جی ٹاور نامی حفاظتی مینار تھا۔ جس کے بارے
میں یہ سنا گیا تھا کہ ہوائی حملے کے دوران اس کے وسیع تہہ خانے میں پندرہ ہزار سے زائد
افراد پناہ لے سکتے تھے۔ حفاظتی مینار ایک سو بتیس فٹ بلند تھا اور اس کی دیواریں آٹھ فٹ
سے زیادہ موٹی تھیں۔ اس کی چھت پر دورانِ جنگ سینکڑوں اینٹی ایئر کرافٹ مشین گنیں
نصب تھیں۔ نیچے اسلحہ بارود اور خوراک کا اتنا ذخیرہ موجود تھا کہ کم از کم ایک سال تک
وہاں محفوظ رہا جا سکے۔ بہر طور! جنگل کے واقعات ذہن میں آئے تھے اور اس خوفناک دور
کے بارے میں دیر تک سوچتا رہا تھا۔ شام کو واپس پہنچ گیا۔

وہ دونوں چائے پر میرا انتظار کر رہے تھے۔ برلن کی سیر کے بارے میں وہ مجھے دورانِ
جنگ کی باتیں بتاتے رہے، جو ایک روایت کی صورت میں آج بھی مشرقی برلن میں زندہ
تھیں۔ ان لوگوں کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ اور ابھی تک مجھے کسی ذہنی کوفت کا سامنا
نہیں کرنا پڑا تھا۔ بلکہ ایک طرح سے میں مسرور تھا کہ اب وہ مقصد حاصل ہو جائے گا، جو
ممکن ہے مجھے سکون بخش دے۔ ویسے تو میری زندگی میں تشویش ہی تشویش تھی اور یہ فیصلہ
کرنا مشکل تھا کہ آنے والا وقت میرے لئے کیا ہو گا؟ لیکن کم از کم اس منحوس چہرے سے تو
نجات مل جائے گی، جس نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی تھی۔

پھر مقررہ وقت پر جینفر نے میرے چہرے کی مرمت شروع کر دی۔ مختلف دنوں میں یہ
کام تقریباً چودہ دن جاری رہا۔ اور اُس دوران اُن لوگوں نے دوستی کا حق نبھا دیا۔ کسی بھی
طرح مجھے وہاں اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ حالانکہ میں غیر متعلق آدمی تھا۔
کام مکمل ہونے کے بعد میں نے جینفر کو وہ رقم پیش کر دی، جو اصولی طور پر بنتی تھی۔ جینفر
نے اُس میں سے پچیس فیصد مجھے واپس کر دیا تھا اور اس کی وجہ اُس نے یہی بتائی تھی کہ جو

کام اُس نے کیا ہے، اُس کی اصل قیمت یہی بنتی ہے۔

میں نے کام مکمل ہونے کے بعد اپنے چہرے کا جائزہ لیا..... اور سچ کہتا ہوں کہ ڈر سے میری آنکھیں بند ہوگئیں۔ میرا چہرہ بلا شبہ پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت بنا دیا گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اب میرے خدوخال میں وہ کیفیت باقی نہیں رہی تھی، جو لمحہ لمحہ بدل جاتی تھی اور لوگ مجھے اپنی پہچان کا آدمی سمجھنے لگتے تھے۔ میں زیادہ پر اعتماد ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مزید کارروائیاں ہوئیں اور میری خواہش پر صرف تین دن کے اندر اندر مسٹر گیری ملر نے میرا نیا پاسپورٹ بنوا دیا..... پرانی تصویر بھی پاسپورٹ کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے نوٹ کے ساتھ رکھی گئی تھی کہ اگر کسی طرح سے یہ معاملہ پولیس کی دخل اندازی کے قابل ہو تو اس چہرے کو چیک کیا جا سکتا تھا۔ یہ بات میرے پاسپورٹ میں بھی درج کر دی گئی تھی۔ اور اب جب میں نے یہ نوٹ پڑھا تھا تو میرا سانس رُک گیا تھا۔

یہ صورت حال واقعی خطرناک تھی۔ لیکن پاسپورٹ کی حد تک۔ البتہ دل میں، میں سوچا کہ مشرقی جرمنی سے نکل کر مغربی جرمنی پہنچ جاؤں تو اس کے بعد نئے پاسپورٹ کے لئے کوشش کروں گا۔ ظاہر ہے کہ اپنے نام کے ساتھ یہ نوٹ لئے پھرنا میرے لئے کسی وقت نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا اور اس طرح وہ مقصد فوت ہو جاتا تھا جو میرے ذہن میں موجود تھا۔ بہرحال! ان لوگوں کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں نے اُن سے واپسی کی اجازت مانگی اور گیری ملر نے مجھے ایک مخصوص حصے تک پہنچانے کی پیشکش کر دی جسے میں نے قبول کر لیا۔

وہ اپنی اُسی گاڑی میں مجھے اُسی مخصوص سڑک کے ذریعے سرحد تک لے آیا، جو صرف مغربی جرمنی سے برلن کے مغربی حصے تک جانے والی ٹریفک کے لئے مخصوص تھی اور کسی قصبے یا شہر سے نہیں گزرتی تھی۔ یہاں اُنہوں نے مجھے خدا حافظ کہا اور بالآخر میں سرحد کے اُس حصے میں پہنچ گیا، جہاں کاغذات وغیرہ کی چیکنگ کے بعد مجھے مغربی جرمنی میں داخل ہو جانا تھا.....

محافظ حسب معمول مستعد تھے۔ میرا پاسپورٹ دیکھا گیا۔ اور اُس پر لکھے ہوئے نوٹ کو پڑھا گیا اور دفعتہً میں نے محافظوں کو چونکتے دیکھا..... اُن میں سے ایک محافظ نے مؤدبانہ انداز میں مجھ سے درخواست کی کہ میں اُس کے ساتھ آؤں۔ اور پھر وہ مجھے لئے ہوئے

ایک چھوٹی سی عمارت میں داخل ہو گیا، جو سرحد کے دوسرے حصے میں بنی ہوئی تھی۔ یہاں اُس نے مجھے ایک بینچ پر بیٹھنے کے لئے کہا اور معذرت آمیز انداز میں بولا کہ چونکہ میرے پاسپورٹ میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اس لئے مجھے چند منٹ انتظار کرنا پڑے گا۔

پتہ نہیں کیوں میرے دل میں خوف کا احساس ہو رہا تھا۔ بہرطور! یہ بات تشویش ناک تو تھی۔ اس اُلجھن سے گزر جاؤں تو پھر اسے باقی نہیں رہنے دوں گا..... میں نے دل میں سوچا تھا۔ لیکن اُلجھن سے گزرے بغیر غالباً میری تقدیر میں ہی نہیں تھا۔ کیونکہ چند ہی لمحات کے بعد دو مسلح محافظ سٹین گنیں سنبھالے ہوئے اندر داخل ہوئے اور برق رفتاری سے دروازے سے اندر آ کر میرے دونوں سمت کھڑے ہو گئے۔ سٹین گن کی نالیں میری ہی طرف اُٹھی ہوئی تھیں اور اُن کے چہرے پر خشونت نظر آ رہی تھی۔ پھر اُن کے عقب سے تین آدمی اور اندر داخل ہوئے۔ اُن میں سب سے آگے ایک دراز قامت جرمن تھا۔ جس کے باریک باریک ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں میرے لئے سخت نفرت کے آثار تھے..... میرا دل سینے میں بری طرح پھڑ پھڑانے لگا۔ اندر سے یہی آوازیں اُبھر رہی تھیں کہ پھر کسی مصیبت میں پھنس گیا..... یقیناً..... میں پھر کسی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ لیکن.....

☆.....☆.....☆

میں سہمی ہوئی نظروں سے دراز قد جرمن کو دیکھنے لگا۔ میری چھٹی حس مجھے وقت سے پہلے خطرے سے آگاہ کر دیتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہو رہا تھا۔ دراز قد آدمی میرے نزدیک آ کر جھکا۔ بقیہ مسلح افراد مستعد کھڑے ہوئے اس طرح میری جانب نگران تھے کہ اگر میں نے جونہی کوئی جنبش کی تو وہ سٹین گنوں کے دہانے مجھ پر کھول دیں گے۔ مگر میری اس تصور سے ہی جان جا رہی تھی کہ اگر ان کم بختوں کو کوئی غلط فہمی ہو گئی تو پھر وہ غلط فہمی میں ہی میری زندگی کا چراغ نہ بجھا دیں۔

بدن کا خون گویا خشک ہو گیا تھا۔ ٹانگوں میں جان نہیں رہی تھی۔ دراز قد آدمی کی خونخوار نگاہیں مجھ پر جمی رہیں۔ اور پھر اُس نے جرمن زبان میں کچھ کہا اور سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اُنگلی کنپٹی پر رکھ کر اس انداز میں گردن ہلائی جیسے کہہ رہا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔

جرمن افسر نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر انہیں کچھ ہدایت کی۔ اور پھر میرے چاروں طرف جرمن بکھر گئے۔ اور مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا گیا۔ اندازہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا کہ تقدیر نے پھر بازی پلٹ دی ہے۔ لیکن اس بار حیرت زیادہ تھی۔ اس سے قبل یہی سوچ رہا تھا کہ میرا منحوس چہرہ، میرے لئے وبال جان ہے۔ کیا صرف اتنی سی بات باعث عذاب بن گئی تھی کہ میں نے چہرہ تبدیل کرا لیا ہے؟ یا پھر کوئی اور بات تھی؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اُن لوگوں کے ساتھ چلتے ہوئے میں نے نہایت لجاجت سے سوال کیا۔

''جناب والا! اگر میرا جرم بتا دیا جاتا تو کیا بہتر نہ ہوتا؟''

لیکن جواب میں ایک زوردار لات میری کمر پر پڑی تھی۔ اور میں کئی قدم آگے دوڑتا چلا گیا تھا۔ لیکن وہ لوگ، جو میرے پیچھے رہ گئے تھے، دوڑ کر پھر میرے قریب پہنچ گئے، انہوں نے سوچا کہیں میں اس انداز میں فرار ہونے کی کوشش نہ کروں۔ اس بار مجھے زیادہ

مضبوطی سے جکڑ لیا گیا تھا۔ اس شاندار پذیرائی پر بھلا دوبارہ پوچھنے کی جرات کیسے کی جا سکتی تھی؟ اور یوں میں نے صبر کر لیا......

سرحد پر مسلح افراد اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ مجھے ایک ٹرک کے قریب لے جایا گیا، جو کافی اُونچا تھا۔ پھر انہوں نے میرے ٹرک پر چڑھنے کا انتظار نہیں کیا۔ بلکہ چند آدمیوں نے بڑے اطمینان سے مجھے اُٹھا کر ٹرک میں اُچھال دیا۔ اُن کی یہ بے رحمانہ کارروائی اس بات کا پتہ دیتی تھی کہ انہیں جو بھی غلط فہمی ہوئی ہے، نہایت شدید ہے۔ اور وہ میرے ساتھ کسی قسم کا رحم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ فریاد اور واویلا بیکار تھا۔ کیونکہ میرے نزدیک بیٹھے لوگ مجھے خونخوار نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور اُن کے رویئے ایسے ہی تھے، جیسے صرف زبان کھولنے کی سزا بھی موت ہی ہو۔ اور اس فوری موت سے بچنے کے لئے مجھے اپنی زبان پر اُس وقت تک قابو رکھنا تھا، جب تک کوئی شریف آدمی میرے سامنے نہ آئے۔

سوچنے سمجھنے کی قوتیں ختم ہو گئی تھیں۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کمر پر جو ٹھوکر پڑی تھی، اُس نے ریڑھ کی ہڈی میں دُکھن پیدا کر دی تھی۔ میں خاموش بیٹھا اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے لگا۔ دفعتہً میرے محافظوں نے میری پنڈلی پر ٹھوکریں مار کر مجھے اشارہ کیا کہ میں گردن جھکائے رکھوں..... گویا وہ لوگ میری نگاہوں کو بھی خطرناک سمجھ رہے تھے۔

یہ سفر تقریباً پونے گھنٹے جاری رہا۔ اور بالآخر ٹرک ایک کھنڈر نما عمارت میں داخل ہو گیا، جو باہر سے جتنی خراب نظر آتی تھی، اندر سے اتنی خراب نہیں تھی۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے مجھے اُسی انداز میں ٹرک سے باہر پھینک دیا۔ لیکن نیچے بھی میرے استقبال کے لئے مسلح افراد موجود تھے۔

عمارت فوجی بیرک کی طرز پر بنی ہوئی تھی۔ مجھے دھکے دے دے کر بارہ سیڑھیاں عبور کرائی گئیں۔ اور اُس کے بعد ستون نما دروازے سے گزار کر سرخ اینٹوں سے بنی ایک چوڑی راہ داری میں پہنچا دیا گیا۔ راہ داری کے اختتام پر ایک دروازہ تھا، جس کے پٹ ادھ کھلے تھے۔ دروازے کی دوسری طرف ایک ٹھنڈی اور پرسکون جگہ تھی۔ جہاں دو میزیں پڑی ہوئی تھیں اور ان میزوں پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

مجھے یہاں لانے والے اب صرف دو افراد تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی زبان میں

اندر موجود لوگوں کو کچھ بتایا اور وہ سب کے سب بری طرح اُچھل پڑے۔ میں نے ا
دوران اُن کے منہ سے صرف ایک نام سنا تھا۔ اور یہ نام تھا ''آرٹن ڈورل۔''

اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ لوگ مجھے آرٹن ڈورل سمجھ رہے تھے۔ کم بختوں کو مجھ
پوچھے بغیر اتنا یقین نہیں کر لینا چاہئے تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ اندر موجود لوگوں میں سے کوئی
کوئی تو مجھ سے میرے بارے میں سوالات کرے گا اور میں انہیں اس بات کی تصدیق
دوں گا کہ وہ میرے سلسلے میں غلط فہمی کا شکار ہیں۔ لیکن وہ بھوکے کتوں کی طرح مجھے د
رہے تھے اور پھر اُن میں سے ایک نے جرمن زبان میں مجھے ساتھ لانے والوں سے کچھ
سوالات کئے اور وہ آپس ہی میں چہ مگوئیاں کرتے رہے۔

بمشکل تمام ہمت کر کے میں نے کہا۔ ''جناب والا! میں نے ان لوگوں کو بھی بتانے
کوشش کی تھی کہ وہ میرے سلسلے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اگر میرے چہرے کی تبد
آپ لوگوں کے لئے نا قابل قبول ہے تو میرے خیال میں مسٹر.....''

ابھی میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ا
زور سے سٹین گن کا بٹ مارا کہ میرے حلق سے چیخ نکل گئی اور میں اوندھا ایک میز پر
گرا۔ میز کے گرد بیٹھے ہوئے لوگ اُچھل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن سب کا انداز نہایت
وحشیانہ تھا۔ اور پھر میرے بارے میں دوسرا حکم صادر کر دیا گیا.....

وہ لوگ مجھے گریبان سے پکڑ کر دھکیلتے ہوئے آگے لے چلے۔ اور پھر ایک چھوٹی
کوٹھری میں مجھے دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں زمین پر گرا تھا۔ ریڑھ کی ہڈی
تکلیف ابھی کم نہیں ہوئی تھی کہ شانے میں تکلیف شروع ہو گئی۔ سٹین گن کی ضرب شانے
ہی پڑی تھی۔ اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شانہ سن ہو کر رہ گیا ہو.....

میں زمین پر لیٹ کر تکلیف سے کراہنے لگا۔ بہت ہی خوفناک صورتِ حال درپیش تھی۔
اس سے پہلے بھی میرے بلا وجہ کے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ لیکن کسی نے مجھ پر ا
قدر تشدد نہیں کیا تھا۔ نجانے یہ جنگلی جانور کس حماقت کا شکار ہو گئے تھے؟ کوئی کمبخت کچھ
سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ آخر یہ کون سی دُنیا کی مخلوق ہیں؟ کیا مہذب دنیا میں بھی کسی
انسان کے ساتھ اتنا وحشیانہ سلوک کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اب صورت حال میرے قابو سے
باہر ہو گئی تھی۔ میری آنکھ کے گوشوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ چہرہ تبدیل کیا تھا اس اُمید پر

کہ اب مصیبتوں سے نکل جاؤں گا۔ لیکن نجانے کیا ہو گیا تھا؟ یا تو جان بوجھ کر مجھے ایسا چہرہ
دیا گیا تھا، جس کی بناء پر وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ یا پھر میری تقدیر ہی میں یہ
خواری لکھی ہوئی تھی۔

کیا کروں..... کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ جان کنی کے سے انداز میں پڑا رہا۔
اور اس طرح پڑے پڑے نجانے کتنے گھنٹے گزر گئے۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ رات ہو گئی ہے۔
پیٹ میں آنتیں بھوک سے بلبلا کر فاتحہ پڑھ رہی تھیں اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔ کم
بختوں نے پلٹ کر خبر بھی نہیں لی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں؟ ایسے
حالات میں راعمیس اکثر میری مدد کرتا تھا۔ ذہن کے ایک گوشے میں اُس کا تصور اُبھرا۔
ہر چند کہ میری نفرت اپنی جگہ برقرار تھی۔ لیکن اس وقت میں نے اُسے دل سے پکارا۔

''راعمیس..... اگر تم معمول کے مطابق میرے قریب ہو تو میری مدد کرو اور مجھے ان
بھیڑیوں کے چنگل سے نکالو۔ ورنہ ان لوگوں کی وحشت بتاتی ہے کہ مجھے ہلاک کر دیں
گے.....''

راعمیس کی موجودگی ہمیشہ ٹھنڈک کا باعث بن جاتی تھی اور بدن پر ایک عجیب سی کپکپی
طاری ہو جاتی تھی۔ میں اُس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن جب تقدیر رُوٹھتی ہے تو سب
کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ میرے بدن پر کوئی کپکپی نہ طاری ہوئی..... اس کا مطلب تھا کہ راعمیس
اس وقت میرے پاس موجود نہیں ہے۔ آہ..... کیا ہو گا؟ نجانے کیا ہو گا.....؟

میں تھوڑی دیر تک اسی طرح زمین پر لیٹا رہا۔ پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک بار پھر ہمت کی
اور دروازہ پیٹ کر اُن کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ جواب میں باہر کچھ آہٹیں
سنائی دیں۔ دو آدمیوں نے دروازہ کھولا تھا۔ اُن کے پاس اس وقت رائفلیں نہیں تھیں۔
میں نے اُن سے درخواست کی کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ دیا جائے۔ غالباً میرے الفاظ تو
وہ نہیں سمجھ پائے تھے۔ لیکن انہیں اس بات پر غصہ آیا تھا کہ اتنی رات گئے میں نے انہیں
ڈسٹرب کرنے کی کوشش کیوں کی ہے؟

اُن میں سے ایک نے جرمن زبان میں گالیاں بکتے ہوئے میرے پیٹ پر ٹھوکر مارنے
کی کوشش کی۔ لیکن میں نے لپک کر اُس کی ٹانگ پکڑ لی اور اس زور سے جھٹکا دیا کہ وہ منہ
کے بل زمین پر جا گرا۔ میری دو تین ٹھوکروں نے اُس کی طبیعت صاف کر دی۔ اپنے ساتھی

کو پٹتے دیکھ کر دوسرا محافظ مجھ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن میری لات کی ایک ہی ضرب سے وہ بڑ
طرح اُچھل کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ اُس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ دونوں
بے ہوش ہو گئے تھے۔ حالانکہ میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور نہیں تھا کہ میں ان لوگوں کے
ساتھ یہ سلوک کروں..... میں نے اُن سے کھانے کے لئے مانگا تھا اور جواب میں وہ لوگ
میری مرمت کرنے پر تُل گئے تھے تو ظاہر ہے، اب اس طرح تو اُن کے ہاتھوں نہیں پڑ
سکتا تھا۔

چند لمحوں کے اندر اندر میں نے اپنے حواس درست کئے اور راہ داری کا جائزہ لیا۔ راہ
داری سنسان تھی۔ اس کا اختتام ایک دروازے پر ہوتا تھا۔ دروازے کی دوسری طرف ممکن
ہے، باہر جانے کا راستہ ہو۔ اگر کسی طرح یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں، تو
ہی کچھ کام بنے۔ خواہ کسی طرف جا نکلوں۔ کم از کم ان کی قید سے تو رہائی مل جائے گی...
تقدیر میں اگر مفرور مجرم ہی بننا ہے، تو یہی سہی۔

اُن دونوں کا جائزہ لیا۔ ایک کا سر پھٹ گیا تھا۔ دوسرے کی ناک اور منہ سے خون بہ
رہا تھا۔ بہرطور! میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ راہ داری تاریک اور سنسان تھی۔ میں دبے
پاؤں آگے بڑھتا ہوا اُس دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پتہ نہیں دروازے کی دوسری طرف
کوئی موجود ہے یا نہیں..... میں نے بڑی احتیاط سے دروازے کو اندر دھکیلا تو وہ کھلا
محسوس ہوا۔ لیکن دوسری طرف بھی میرے لئے عذاب کے فرشتے موجود تھے..... غالباً
کی آواز سن لی گئی تھی اور کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ مستعد ہو گئے تھے۔ جیسے ہی میں
دروازہ کھول کر اندر جھانکا، چند افراد بیک وقت مجھ پر ٹوٹ پڑے..... اور بھوکے درندوں
کی مانند مجھے بھنبھوڑنا شروع کر دیا۔ گھونسے اتنے پڑے کہ طبیعت صاف ہو گئی۔ میں ادھ
زمین پر پڑا ہوا تھا۔ باچھوں سے خون بہہ رہا تھا اور مجھے یہ یقین تھا کہ چہرے کا ڈیزائن
بھی یقیناً تبدیل ہو گیا ہو گا.....

انہوں نے مجھے اُٹھایا اور واپس راہ داری میں لے چلے اور اس کے بعد مجھے
کمرے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔ میں بے بسی سے فرش پر پڑا، اند
آنکھوں سے چھت کو گھور رہا تھا۔ اب بدن میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کھڑا بھی ہو سکوں
سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئی تھیں۔

رات گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔ پتہ نہیں، نیند آئی تھی یا نہیں..... بے ہوشی کی
کیفیت طاری رہی تھی۔ صبح کا نجانے کون سا وقت تھا کہ دروازہ کھلا اور مجھے کچھ لوگوں نے
سہارا دے کر اُٹھایا اور اسی بڑے کمرے میں لے گئے، جس میں میری مرمت ہو چکی تھی اور
جس میں باہر جانے کا راستہ سمجھا تھا۔

کمرے میں اس وقت وہی پتلے اور بھنچے ہوئے ہونٹوں والا افسر موجود تھا، جس نے
سرحد پر مجھے گرفتار کیا تھا اور جس کی آنکھوں میں، میں نے شدید نفرت کے آثار دیکھے تھے۔
چند دوسرے افراد بھی تھے، جو وہیں موجود تھے۔ اور اُس شخص کے سامنے مؤدب نظر آ رہے
تھے۔ تب وہ آدمی آگے بڑھا اور اُس نے بغور میرا چہرہ دیکھتے کہا۔ ”مجھے پہچانتے ہو مسٹر
آرٹن ڈورل؟“

میں نے بے بسی سے نگاہیں اُٹھائیں اور اس شخص کے چہرے کو دیکھتا ہوا بولا۔ ”کاش!
آپ یہ جاننے کی کوشش بھی کرتے کہ میں آرٹن ڈورل ہوں یا نہیں۔“

جرمن افسر کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کہا۔ ”ڈیئر آرٹن ڈورل!
میرے لئے یہ جاننے کی کوشش کیا معنی رکھتی ہے؟ میرا، تمہارا ایک طویل ساتھ رہا ہے۔ اور
بہت سے حسابات باقی ہیں تم پر کیا سمجھے؟ مجھے بتاؤ!“ ”کاؤنٹ فورسے“ کہاں ہے؟
اُون جیک فائل کا کیا بنا؟ ایک دو باتیں ہوں تو کہوں میری جان آرٹن ڈورل! تم پر تو
اتنے حسابات ہیں کہ بیان نہیں کرسکتا۔“ اُس کی آنکھوں میں انتقام کی آگ سلگ رہی تھی۔
اس نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”آرٹن ڈورل! تمہاری تلاش میں نے اپنی زندگی کا
مقصد بنا لیا تھا۔ لیکن اس کی اُمید نہیں تھی کہ تم اس طرح میرے ہاتھ آ جاؤ گے۔ یہاں کیا
کرنے آئے تھے؟ یقیناً تمہاری آمد بلا وجہ نہیں ہو گی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے اپنی
موت کا ڈرامہ کیا تھا۔ ممکن ہے، اس ڈرامے پر دوسرے لوگوں کو یقین آ گیا ہو۔ لیکن میں
آج تک اس پر یقین نہیں کر سکا تھا۔ اور آج میں بڑے فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میں اُن
لوگوں سے زیادہ ذہین ہوں، جو تمہارے سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ ڈیئر ڈورل! میں تم
سے ہر قسم کی معلومات حاصل کر کے دم لوں گا۔ جن کا حساب میرے اور تمہارے درمیان
ہے۔“
[illegible]
[illegible] ایک بات کہوں گا مسٹر آفیسر! کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں [illegible]

میں تو ایک ایسا بدنصیب ہوں.....'' میں اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ دفعتہً اُس کمبخت افسر نے
بڑھ کر ایک گھونسہ میرے منہ پر رسید کیا اور میں چیخ مار کر فرش پر گر گیا۔ بھوک کی شدت
اب چوٹ برداشت کرنے کی قوت بھی ختم کر دی تھی۔ نیچے گرا ہی تھا کہ اُس بے ہودہ ا
نے میرے پیٹ پر لات مار کر رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اور میں تقریباً نیم جاں ہو گیا۔
آفیسر کی آواز میرے کان سے ٹکرائی۔ ''ابھی تھوڑی دیر کے بعد تم چیخ چیخ کر ا
بارے میں بتاؤ گے۔ ایک ایک لفظ بتا دو گے۔ کیا سمجھے؟''

میں اُن کے ان الفاظ سے اُس کے ارادوں کو سمجھتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کروں؟ ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ لیکن جب زندگی پر بن آتی ہے تو
قوتیں تیز ہو جاتی ہیں۔ نجانے کون سی قوت میرے بدن میں اُبھر آئی اور میں اُٹھ کر
کھڑا ہو گیا۔ جس کیفیت کا اظہار میں نے اب سے چند لمحات قبل کیا تھا، اس کے بعد
اس طرح اچانک کھڑا ہو جانا وہاں موجود لوگوں کے لئے تعجب خیز تھا۔ میرے چہرے
تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ میں نے دایاں ہاتھ اٹھایا اور اُن آفیسر سے کہا۔

''کاؤنٹ فورے کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو..... براؤن جیک فائل
تفصیل جاننا چاہتے ہو؟ تو کیا اس کا طریقہ کار یہی ہو گا مائی ڈیئر آفیسر؟'' وہ آفیسر
چونک کر مجھے دیکھنے لگا تھا۔ جواب تک مجھ پر حاوی چلا آ رہا تھا۔

''مطلب؟'' اُس نے غراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''اب جبکہ یہ بات کھل چکی ہے کہ میں آرتن ڈورل ہوں تو کم از کم تمہیں میرے سا
یہ سلوک نہیں کرنا چاہئے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس کے بدلے میں تمہارے ساتھ کیا کچھ
سکتا ہوں.....''

''لیکن مجھے جو معلومات درکار ہیں، اگر تم نے ان سے انکار کیا آرتن ڈورل تو
اپنی زندگی کی بازی بھی لگا سکتا ہوں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ میں ڈیڑھ دن سے بھوکا ہوں۔ کیا معلومات حاصل کر
کے لئے بھوکا رکھنا ضروری ہے؟ اور کیا اس طرح تم میری زبان کھلوا سکو گے؟ بہتر
بات ہے کہ ہمارے درمیان سمجھوتہ ہو جائے۔'' میرے لہجے کی کرختگی اور بدلے ہو
انداز نے اُن سب لوگوں کو متاثر کر دیا تھا۔ آفیسر نے پلٹ کر اپنے ساتھیوں کی جا

دیکھا اور ایک پستہ قد بھاری بدن کا شخص بولا۔

''ٹھیک ہے۔ انسانی ضرورتوں کو نظر انداز مت کرو۔''

''اوکے۔'' جرمن آفیسر نے کہا اور اس کمرے میں مجھے ایک میز پر بیٹھ جانے کے لئے
کہا گیا۔ اس کے بعد اُس نے جرمن زبان اپنے چند افراد کو کچھ ہدایات دیں۔ میں سمجھ گیا
کہ کام بن گیا۔ چنانچہ وہ لوگ باہر نکل گئے۔ باقی افراد اس طرح خاموش کھڑے تھے،
جیسے ابھی تھوڑی دیر کے بعد بہت عمدہ قسم کا تماشہ ہونے والا ہے۔

میں انتظار کرتا رہا۔ تقریباً دس بارہ منٹ کے بعد ایک ٹرے میں ناشتے کے لوازمات
لائے گئے، جو پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ یہ تمام چیزیں میرے سامنے رکھ دی
گئیں اور میں نے اُن میں سے ہر پلیٹ خالی کر دی۔ یہاں تک کہ وہ کافی کا برتن بھی،
جس میں سے تقریباً ساڑھے تین پیالی کافی نکلی تھی۔ پیٹ بہت وزنی ہو گیا تھا اور کافی دیر
کے بعد کھانے کو ملا تھا، اس لئے آنکھوں میں بوجھل پن پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن موت کے
فرشتے سامنے کھڑے تھے۔ میں نے مسکرا کر اُن کی طرف دیکھا۔ جرمن آفیسر ایک بار پھر
میرے سامنے آ گیا تھا۔

''میرا خیال ہے، اب تم پرسکون ہو آرتن ڈورل! مجھے بتاؤ، کاؤنٹ فورے کہاں ہے؟
لیکن تمہاری معلومات بالکل درست ہونی چاہئیں۔ اس کے ساتھ ہی مجھے براؤن جیک فائل
کی تفصیل بھی بتا دو۔ اپنے گروہ کے افراد پر پورا بھروسہ مت کرنا۔ یہاں کوئی تمہاری مدد
کے لئے نہیں پہنچ سکے گا۔''

''آہ! تم نے میرے ساتھ جو انسانیت کا سلوک کیا ہے مائی ڈیئر آفیسر! اس کے لئے
میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ بھوک پیاس انسانی زندگی کی اہم ترین ضرورتیں ہیں۔ اگر یہ
پوری نہ ہوں تو زندگی ممکن نہیں ہے۔ موت اگر مقدر ہی ہے تو کھا پی کر کیوں نہ مرا جائے؟
ویسے میرے خیال میں تم بالکل گدھے ہو۔ جب میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں
آرتن ڈورل نہیں ہوں..... تم نجانے کیوں مجھے وہی سمجھنے کی کوششوں میں مصروف ہو؟ سنو
گدھے! میں آرتن ڈورل نہیں ہوں۔ اگر میری صورت اُس سے ملتی جلتی ہے تو اس میں
میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

آفیسر غصے کی شدت سے پاگل ہو گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب

مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ چاروں طرف سے لاتیں، گھونسے اور تھپڑ پڑ رہے تھے۔ تھوڑی دیر
میں برداشت کرتا رہا۔ پھر بے ہوش ہو گیا..... لیکن وہ پانی اُنڈیل اُنڈیل کر مجھے ہوش
لانے لگے اور مرمت کرتے رہے۔ یہ کام انہوں نے تقریباً پورا دن کیا تھا۔ میرے
میں کیا کچھ باقی رہ گیا تھا؟ اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ بس! یہی لگ رہا تھا جیسے
بدن پکے ہوئے پھوڑے میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اُس کے بعد اُن کی وہ کوششیں بھی بے
ہو گئیں، جو وہ پانی ڈال ڈال کر مجھے ہوش میں لانے کے لئے کرتے رہے تھے۔ میں
بے ہوش ہوا کہ پھر دنیا کی خبر نہ رہی اور تمام تکلیفوں سے عارضی طور پر نجات مل گئی.....

یہ عارضی وقفہ کتنا طویل تھا؟ اس کا مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ زندگی
اوقات کتنی بڑی لعنت بن جاتی ہے؟ اس کا احساس مجھے ان دنوں ہو رہا تھا۔ نجانے
وقت تھا؟ کون سا لمحہ تھا؟ اور کون سی جگہ تھی؟ جب آنکھ کھلی تو نگاہوں کے سا
دُھندلاہٹیں رقصاں تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون سی جگہ ہے..... آہستہ آہ
دُھندلاہٹیں ختم ہونے لگیں اور دیواریں نظر آنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ماحول نگا
میں واضح ہو گیا۔ لوہے کا ایک پلنگ تھا۔ جس پر پتلا سا ایک گدا بچھا ہوا تھا۔ اور پلنگ
سپرنگ کے گدے پر نقش و نگار بن گئے تھے۔ اندازہ ہوا کہ کسی ہسپتال کے کمرے
ہوں۔

لیٹا لیٹا حالات پر غور کرتا رہا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر میری تقدیر میں یہ سب
کیوں لکھا ہے؟ جینفر اور اُس کے شوہر سے تعلقات ایسے برے بھی نہیں تھے۔ اُن لوگ
نے تو بہت اچھا سلوک کیا تھا میرے ساتھ۔ اور بلا شبہ ایک اچھے میزبان کے فرائض
دیئے تھے۔ اور پھر جینفر سے چہرے کی تبدیلی کی بات میں نے خود ہی کی تھی۔ اور اگر
کے ذہن میں کوئی انتقامی جذبہ تھا یا وہ میرے خلاف کوئی کارروائی کرنا چاہتی تو خود ا
اپنے کلینک میں داخل ہونے کی پیشکش نہ کرتی..... یہ سارے اتفاقات خود بخود ہی ہ
تھے۔ اُس نے جو چہرہ مجھے دیا تھا، آخر وہ آرٹن ڈورل سے کیسے جا ملا؟

بہت غور کے بعد بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اگر سمجھ میں آئی تھی تو صرف
بات کہ میرے وجود میں..... میری زندگی میں صرف ایک چیز یکساں ہے۔ یعنی میں
کسی کا ہم شکل قرار پاؤں گا اور اسی طرح زندگی گزرے گی۔ پہلے تو چلئے یہ مسئلہ

میرے چہرے کے خدوخال مضحکہ خیز تھے اور یہ منحوس چہرہ نہ جانے کتنے لوگوں سے جا ملتا
تھا۔ لیکن اب جبکہ میں نے اُن خدوخال سے نجات پا لی تھی تو اس سے زیادہ شدت کے
ساتھ مجھ پر مصیبتیں ٹوٹی تھیں۔ بدلا ہوا چہرہ اگر آرٹن ڈورل کا نہ ہوتا تو کیا میں مغربی جرمنی
میں پرسکون وقت نہیں گزار سکتا تھا؟ ہر جگہ کوئی نہ کوئی مصیبت میرے سامنے کھڑی ہوتی
تھی۔ کیا ہے..... آخر یہ سب کچھ کیا ہے.....؟''

بہت دیر گزر گئی اور میں اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ ہسپتال کہاں واقع ہے؟
ہسپتال تک پہنچنے کی وجہ تو مجھے یاد تھی۔ جس طرح میری مرمت کی گئی تھی، اُس کے بعد تو
میری جگہ تین گز کی قبر تھی۔ لیکن بہرطور! موت بھی اتنی آسانی سے نہیں آتی، جتنی تصور کر لی
جاتی ہے۔ چنانچہ موت نے میری کہانی ختم نہیں کی تھی۔

بعد میں حالات واضح ہوتے چلے گئے..... یہ مشرقی جرمنی کے کسی دُور دراز علاقے میں
واقع قیدیوں کا کیمپ تھا۔ اور اس کیمپ میں یہ ہسپتال بنا ہوا تھا۔ نجانے یہاں کس قسم کے
قیدی رکھے جاتے تھے؟ میری حالت کے پیشِ نظر انہوں نے مجھے ہسپتال میں داخل کیا تھا۔
اور جب میری حالت کچھ بہتر ہو جائے گی تو اُس کے بعد وہی تشدد مجھ پر دوبارہ شروع کر
دیا جائے گا.....

راعمیس کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ وہ بدبخت اب میرا ساتھ نہیں دے گا۔ ورنہ
میری آواز پر ضرور میرے پاس پہنچتا۔ اور اس کی وجہ بھی میری سمجھ میں آتی تھی۔ وہ صرف
اس لئے میرا ساتھی تھا کہ میں اُس کے دوست راعمساس کا ہم شکل تھا۔ اور وہ اپنے دوست
ہی کی حیثیت سے میری مدد کرتا تھا..... اب میرا چہرہ تبدیل ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ میرا ساتھی
کیونکر ہو سکتا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں؟ میرے اندر تو اتنی سکت نہیں تھی کہ میں
یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر سکوں..... صورتِ حال کا بھی کوئی صحیح اندازہ نہیں تھا۔
بہرطور! ہسپتال میں کم از کم کھانے پینے کی سہولتیں تھیں۔ دیکھ بھال بھی صحیح طور پر ہو رہی
تھی۔ لیکن اس ہسپتال میں تمام مرد ہی تھے۔ میل نرس میری خدمت پر مامور تھے۔ لیکن ان
کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں ہوتی تھی۔

بھوری داڑھی والا ایک درمیانی عمر کا ڈاکٹر، جسے دوسرے ڈاکٹر مسٹر مور کہہ کر پکارتے
تھے، اکثر میرے پاس آتا رہتا تھا اور اُس کا رویہ دوسرے ڈاکٹروں سے ذرا مختلف ہوتا

تھا۔ نرم لہجے اور شستہ انگریزی میں مجھ سے بات کرتا تھا۔ میں نے اُس کے بارے میں اندازہ لگایا تھا کہ وہ نسلاً جرمن نہیں ہے۔ اُس شام جب وہ کمرے میں آیا تو تنہا تھا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس بھی کوئی موجود نہیں تھا۔ اُس نے کمرے کا ماحول دیکھا پھر ایک بار دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازے سے باہر جھانکا اور پھر برق رفتاری سے میرے قریب پہنچ گیا۔

''مسٹر ڈورل! مجھے اب تک موقع نہیں ملا تھا کہ میں صورت حال سے آپ کو آگاہ کروں۔ لیکن اس وقت موقع مل گیا ہے۔ ہم سب صرف آپ کے زخموں کے ٹھیک ہو جانے کا انتظار کر رہے ہیں، تاکہ آپ اپنے قدموں سے چل کر یہاں سے نکل سکیں۔ تیاریاں مکمل ہیں۔ مادام کی مورا پوری طرح سے اس علاقے پر اپنا تسلط جما چکی ہیں۔ آپ کی چوٹیں ٹھیک ہو رہی ہیں اور میرا خیال ہے، مزید ایک ہفتے کے اندر اندر آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ کسی قسم کی فکر نہ کریں۔ ہم آپ کو یہاں سے نکالنے کی تمام تیاریاں مکمل کر چکے ہیں..... میں آپ کو یہی اطلاع دینا چاہتا تھا۔''

میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا۔ لیکن عقل نے ساتھ نہ دیا۔ بھلا کیا ضرورت تھی کہ ایسے شخص کو، جو مجھے آرٹن ڈورل سمجھ کر یہاں سے نکالنے کی کارروائیوں میں مصروف ہے، اپنے بارے میں حقیقت بتاؤں۔ چنانچہ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُسی وقت سے میل نرس کے قدموں کی آواز سنائی دی اور ڈاکٹر میرا معائنہ کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ میل نرس کاموں میں مصروف ہو گیا لیکن میں آنکھیں بند کئے ڈاکٹر مور کے الفاظ پر غور کر رہا تھا۔ آرٹن ڈورل کی حیثیت سے کچھ لوگ مجھے یہاں سے نکالنے کی فکر میں سرگرداں تھے۔ اور اس کے لئے کسی میڈم کی مورا نے یہاں انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ اگر میں اُن لوگوں کو بھی یہ بتانے کی کوشش کروں کہ درحقیقت میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں، تو ظاہر ہے پھر اُن کی تمام دلچسپیاں ختم ہو جائیں گی میں یہاں سے نکل بھی نہیں پاؤں گا۔ اور وہ جرمن آفیسر مجھ سے یہ کہلوائے بغیر نہیں رہے گا کہ میں آرٹن ڈورل ہی ہوں۔ براؤن جیک فائل اور کاؤنٹ فورے پتہ نہیں کیا بلا ہیں۔ بہرحال! دل میں یہی فیصلہ کیا کہ خاموشی اختیار کر کے حالات کا انتظار کیا جائے۔ اگر لوگ مجھے ڈورل کی حیثیت سے یہاں سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں تو انہیں مایوس کرنا

مناسب نہیں ہے۔ یہاں سے نکلنے کے بعد انہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں۔ اور وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اب یہی سب کچھ زندگی میں رہ گیا تھا تو یہی سہی..... کر بھی کیا سکتا تھا؟

دن گزرتے رہے۔ کیمپ کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں۔ اُس شام ایک بار پھر ڈاکٹر مور میرے پاس آیا اور اُس نے مسکراتے ہوئے زیر لب کہا۔

''آج کی رات خوشیوں کی رات ہے.....''

اس سے زیادہ اُس نے اور کچھ نہیں کہا تھا۔ کیونکہ دوسرے لوگ بھی اُس کے ساتھ موجود تھے۔ لیکن میں اُس کے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ اور پھر مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ خوشیوں کی رات کیا تھی.....؟

رات کا دوسرا پہر تھا اور میں اپنے بستر پر نیم غنودگی کی کیفیت میں لیٹا ہوا تھا کہ پے در پے تین زوردار دھماکے سنائی دیئے اور اُس کے بعد سٹین گنوں سے گولیاں برسنے کی آوازیں، فضا میں منتشر ہونے لگیں..... میں بے اختیار اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ خوشیوں کی یہ رات میری سمجھ میں آ گئی تھی..... سٹین گنوں کے چلنے کی آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ دفعتہً میرے کمرے کے دروازے پر زوردار ٹھوکر پڑی اور دروازہ پوری قوت سے کھل گیا..... اندر داخل ہونے والی شخصیت ایک عجیب وغریب لباس میں ملبوس تھی۔ سیاہ چمکدار لباس، آنکھوں پر چوڑی پٹیوں کی نقاب سی چڑھی ہوئی تھی۔ لباس، بدن پر منڈھا ہوا تھا اور اس سے بدن کی صحیح کیفیت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ ایک انتہائی خوبصورت پیکر نسوانیت تھا۔ جو اپنی فطرت کے خلاف سٹین گن اُٹھائے ہوئے اندر گھسا تھا۔ اس کے ہمراہ پانچ افراد تھے۔ جو خود بھی مسلح تھے اور ایسے ہی چست لباسوں میں تھے..... اُن لوگوں نے جلدی سے آ کر مجھے سہارا دیا اور پھر کچھ کہے بغیر مجھے اُٹھائے ہوئے باہر لے چلے۔ میں نے منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ کیونکہ صورتِ حال پوری طرح سمجھ میں آ گئی تھی۔

باہر باقاعدہ مقابلہ جاری تھا۔ لیکن یہ لوگ اپنے لئے صحیح راستہ منتخب کر چکے تھے۔ سیاہ رنگ کا ایک بڑا سا ٹرک وہاں کھڑا تھا۔ مجھے احتیاط سے اُس ٹرک میں پہنچا دیا گیا۔ ٹرک میں اسٹریچر نما بستر بھی پڑا ہوا تھا۔ جس پر مجھ سے لیٹ جانے کے لئے کہا گیا۔ وہ عجیب و

غریب عورت، جو غالباً اُن لوگوں کی سربراہ تھی، میرے بارے میں ہدایت جاری کر ٹرک سے واپس کود پڑی اور ٹرک چل پڑا تھا..... میں نے اس دوران بولنے کی کوشش کی تھی۔ کیونکہ اسی میں عافیت تھی۔

ٹرک کا یہ سفر بڑا پریشان کن تھا۔ کیونکہ وہ سیدھی سڑک پر سفر نہیں کر رہا تھا، بلکہ تھ دُور چلنے کے بعد تو ایسا محسوس ہوا، جیسے وہ پہاڑی چٹانوں پر سفر کر رہا ہو..... بُری طرح ہل رہا تھا۔ لیکن میرے دونوں طرف بیٹھے ہوئے لوگ مجھے سنبھالے ہوئے تھ حالانکہ اب میری کیفیت ایسی نہیں تھی کہ میں اُٹھ کر نہ بیٹھ سکتا اور اپنی حفاظت خود نہ کر لیکن اتنی عقل آ گئی تھی کہ وہی ظاہر کروں، جو یہ لوگ چاہتے ہیں۔ چنانچہ میں اُچھل برداشت کرتا رہا۔ سفر بھی کمبخت کم نہیں تھا۔ حالانکہ ناہموار راستے تھے لیکن انہوں نے کی رفتار تیز کر رکھی تھی اور بڑی مہارت سے ڈرائیونگ کی جا رہی تھی۔

دو یا ڈھائی گھنٹے صرف ہوئے اس سفر میں۔ لیکن اس دوران جسم کے تمام ا اعضاء کی اوور ہالنگ ہو گئی تھی۔ بلکہ ممکن ہے، آنتوں نے اپنی جگہ تبدیل کر لی پھیپھڑوں میں گھس گیا ہو اور گردے حلق میں آ گئے ہوں۔ بس! ایسا ہی سفر تھا یہ..... یوں محسوس ہوا، جیسے مصیبت کی رات کٹ گئی اور سکون کا دن نمودار ہوتا جا رہا ہے.....

ٹرک اب چکنی اور ہموار سڑک پر تھا۔ اور ٹرک کی رفتار کافی سبک ہو گئی تھی۔ م سکون کی گہری سانس لی۔ وہ لوگ جو ایک ایک ہاتھ سے مجھے سنبھالے ہوئے ت دوسرے ہاتھ سے اپنے آپ کو، اب پرسکون ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ کیفیت بھی کافی خراب ہو گی۔ بلکہ شاید مجھ سے کچھ زیادہ ہی خراب ہو..... مزید تم منٹ تک ٹرک کا یہ سفر جاری رہا۔ اور اس کے بعد وہ رُک گیا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اب مجھے کہاں لایا گیا ہے؟ بہرطور! مجھے سٹریچر سمیت ٹ سے اُتار کر ایک کمرے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ کمرہ دیکھ کر رُوح خوش ہو گئی..... قا ہوا ایئر کنڈیشنڈ کمرہ تھا۔ جس مسہری پر مجھے لٹایا گیا تھا، اُس کا گدا اتنا نرم تھا کہ م آپ کو اس میں دھنستے ہوئے محسوس کرنے لگا۔ ٹمپریچر اتنا نفیس رکھا گیا تھا کہ بدن کو احساس ہو اور نہ ہلکی سی گرمی کا۔

فوراً ہی چند ڈاکٹروں نے میرا مکمل معائنہ کر کے دو انجکشن دیئے اور ایک ڈا

میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ حیرت انگیز طور پر بالکل فٹ ہیں چیف!''

میں نے اپنے ان ماتحتوں سے کوئی بات نہیں کی۔ بس! خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک حسین لڑکی اندر آئی اُس نے دودھ سے بنی ہوئی کوئی چیز مجھے کھلانی شروع کر دی۔ میں نے اس پر بھی تعرض نہیں کیا تھا۔ وہ اس طرح میرے بدن سے جڑی ہوئی بیٹھی تھی کہ مجھے ان حالات کے باوجود ایش کی خاندانی کاک ٹیل یاد آ گئی تھی۔

بہرحال! یہاں ان سب لوگوں کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی شاندار تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ سب کچھ صرف اس وقت تک ہے، جب تک یہ لوگ مجھے آرٹن ڈورل سمجھ رہے ہیں۔ جب حقیقت کا انکشاف ہو گا تو ان لوگوں کے رویئے بھی بدل جائیں گے۔

اس سلسلے میں بہت کچھ سوچنا تھا۔ اور کافی غور کرنے کے بعد میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں درحقیقت آرٹن ڈورل ہی ہوں۔ لیکن اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہوں اور غالباً اس کی وجہ مجھ پر ٹوٹنے والی مصیبتیں ہیں۔ کم از کم اُس وقت تک تو گزارہ کروں، جب تک پوری طرح ماحول سے روشناس نہ ہو جاؤں۔ فی الحال آرٹن ڈورل بن کر ان لوگوں کی مہمان نوازی حاصل کیے رہوں۔ اور اس کے بعد اگر انہیں وقت سے پہلے یہ حقیقت معلوم نہ ہو جائے کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش ضرور کروں گا۔ اب تو مجھے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں؟ لیکن مشرقی جرمنی سے ٹرک کے ذریعے جتنا فاصلہ طے کیا گیا تھا، وہ اتنا طویل نہیں تھا کہ میں اپنے آپ کو جرمن علاقے سے دُور سمجھوں۔

یقیناً! اب میں مغربی جرمنی میں ہوں۔ کاغذات وغیرہ تو نجانے کہاں رہ گئے تھے۔ اب تو کچھ بھی نہیں رہا تھا میرے پاس..... لیکن آرٹن ڈورل کی حیثیت اگر برقرار رہے تو یہ مشکلات بھی حل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اس فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا اور خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا۔

ابھی تک مجھے کی مورا کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہیں ہو سکی تھیں۔ یہ بھی پتہ نہیں چل سکا تھا کہ آرٹن ڈورل ہے کیا چیز؟ بہرحال! پتہ چل جائے گا۔ پال مورسن کے بارے میں مجھے کون سا پتہ تھا؟ اور اس سے پہلے نجانے کون کون سے کردار مجھے مل چکے

تھے.....لعنت ہے ایسی شخصیت پر، جس کا اپنا کوئی وجود نہ ہو۔ اور یہ لعنت مجھ پر مسلط تھی۔
دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہو کر میں نرس کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا کہ ایک دراز قامت اور انتہائی حسین عورت، جس کے سنہرے بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور جس کے بدن کا تناسب پاگل کر دینے والا تھا، چند لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ عمر اٹھائیس اُنتیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ آنکھیں اتنی شفاف تھیں کہ اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ ہونٹوں پر لگاوٹ کی مسکراہٹ تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی اور میرے قریب پہنچ کر مجھ سے لپٹ گئی.....میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اس محبت کے جواب میں کیا کہوں؟ لیکن فوراً ہی اپنے کردار کا احساس ہو گیا اور میں کھوئی ہوئی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

''اوہ.....میرے خدا! مجھے امید نہیں تھی ڈیئر ڈورل! کہ اس طرح تمہیں اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ سکوں گی۔ ہم لوگ تو مایوس ہو گئے تھے۔ لیکن نجانے کیوں میرے دل میں یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ آرٹن ڈورل اُن لوگوں میں سے نہیں ہے، جو وقت کے ہاتھوں شکار ہو جاتے ہیں۔ آرٹن ڈورل عام انسانوں سے بہت مختلف چیز ہے۔ اور ڈورل.....میری جان! تم جس سے دل چاہے پوچھ لو! کہ میں نے تمہاری موت کا یقین نہیں کیا تھا۔ یہ اطلاع پہلے مجھ پر بجلی کی طرح گری تھی کہ تمہارا طیارہ حادثے کا شکار ہو کر نامعلوم مقام پر گر پڑا ہے۔ اس کی تصدیق بے شمار افراد نے کی۔ میں نے اپنی تمام تر کوششیں اس بات پر صرف کیں کہ طیارے کو تلاش کیا جا سکے.....لیکن دوسروں کی طرح میں بھی ناکام رہی کیونکہ وہ علاقے ناقابل گزر ہیں۔ البتہ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال ضرور آتا تھا کہ کیا آرٹن ڈورل ایسے ہی کسی حادثے کا شکار ہونے کے لئے پیدا ہوا تھا؟ وہ کسی بھی ایسے حادثے سے اپنے آپ کو بچانے کی قوت رکھتا تھا۔ یہ احساس مجھے ہمیشہ رہا آرٹن! اور میں نے کبھی دل سے تمہاری موت کو تسلیم نہیں کیا۔ بالآخر میرے دل کی بات سچ ثابت ہو گئی۔ اور وہ ذہین جرمن افسر بالآخر میرے ہاتھوں موت کا شکار ہو گیا جس نے اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مارا تھا۔ تمہیں گرفتار کر کے وہ کمبخت کاؤنٹ فورے کو حاصل کرنا چاہتا تھا، جس کے بارے میں اُسے معلوم نہیں کہ وہ سمندر کی گہرائیوں میں مچھلی کے پیٹ میں پہنچ چکا ہے۔ اور اَب کبھی رُوئے زمین پر برآمد نہیں ہو گا۔ براؤن جیک یہاں سے نجانے کہاں منتقل ہو گیا ہے۔ لیکن ڈیئر ڈورل! تم مجھے اپنے بچنے کی داستان سناؤ۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اب

جسمانی طور پر بالکل فٹ ہو.....''
لڑکی نے یا عورت نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن میں نے اپنے چہرے کا کھویا کھویا انداز برقرار رکھا۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی۔ اور پھر دفعتہً اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہوئے۔ برابر ہی ایک ڈاکٹر کھڑا ہوا تھا۔ اُس نے سوالیہ نگاہوں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر نے مغموم لہجے میں کہا۔

''ہاں میڈم کی مورا! میں نے اپنی رپورٹ میں یہ بات تحریر کی ہے کہ مسٹر آرٹن ڈورل اس حادثے کے بعد ذہنی صدمے کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔ اور ممکن ہے یہ کچھ عرصے کے لئے اپنی یادداشت کھو بیٹھیں۔ اور یہ عرصہ زیادہ طویل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان کی ذہنی قوتیں عام لوگوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ خود اپنے آپ کو تلاش کر لیں گے۔ ویسے ہمارا علاج بھی جاری رہے گا۔''

''اوہ، نہیں!'' کی مورا نے درد بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ بہت بڑا المیہ ہے ڈاکٹر! نہیں.....پلیز نہیں.....کیا تم پورے بھروسے سے یہ بات کہتے ہو؟''

''ہاں میڈم کی مورا! اس کا خدشہ ہمیں پہلے ہی تھا۔'' ڈاکٹر نے جواب دیا اور کی مورا میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ یہ بھی ایش کی خاندانی کاک ٹیل تھی۔

سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کاک ٹیل مجھ پر کیوں سوار ہو گئی تھی؟ کمبخت ایش نے مجھے دھوکے سے برباد کر دیا تھا اور اب میرے صاف ستھرے ذہن پر کالک لگ گئی تھی۔ کی مورا کے انداز میں بے پناہ محبت تھی اور مجھے یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ آرٹن ڈورل کو چاہتی تھی۔ بہرطور! میرے لئے مشکلیں ہی مشکلیں تھیں۔ صرف کاک ٹیل ہی کے سہارے تو زندگی نہیں گزاری جا سکتی تھی۔ کیا کروں؟ اس وقت مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اگر ان لوگوں کو حقیقت بتاؤں تو ممکن ہے، اس سے بھی بڑی مصیبت میں پھنس جاؤں۔ چنانچہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہی جاری رہنے دیا جائے۔ ابھی حالات میرے موافق ہیں.....

کی مورا مجھ سے اظہارِ ہمدردی کرتی رہی۔ اُس کے انداز میں دلجوئی تھی۔ پھر اُس نے تمام لوگوں کو واپس چلے جانے کے لئے کہا۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر بھی باہر نکل گیا۔ کی مورا بالکل ہی میرے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اُس کے بدن سے کاک ٹیل کی خوشبو اُڑ رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر کے دو تین بار سر کو زور سے جھٹکا.....تاکہ اس احمقانہ سوچ سے

نجات حاصل کرسکوں۔ لیکن بات صرف میرے ذہن سے نکل جانے کی نہیں تھی۔ کمبخت کی
مورا، مجھے تحلیل کر رہی تھی۔ اور اس وقت یہ دُہری اداکاری کرنا میرے لئے انتہائی مشکل
کام تھا۔ ایک سمت تو کی مورا، کی گرم جوشیاں، دوسری سمت ذہنی کیفیت بحال نہ ہونے کی
اداکاری..... اور پھر اپنے آپ کو کی مورا، کی دسترس سے محفوظ رکھنا کہ کہیں حقیقت نہ کھل
جائے۔

کی مورا، نے کہا۔ ''ڈورل! اپنے آپ کو پہچانو ڈورل..... تم..... تم بہت بڑے انسان
ہو۔ تم وہ ہو، جس کے نام سے حکومتیں کانپتی ہیں۔ تم وہ ہو، جو اپنی صلاحیتوں میں یکتا ہے۔
آرٹن ڈورل..... گریٹ آرٹن ڈورل! اپنے آپ کو سنبھالو۔ اپنی ذہنی قوتوں کو واپس لے آؤ
اور اُن لوگوں کی خوشیوں کو پامال کر دو، جو تمہاری موت پر جشن منا رہے ہیں۔ جنہوں نے
تمہاری موت پر باقاعدہ تقاریب کی ہیں۔ خوشیوں کا اظہار کیا ہے..... اور نجانے کیا کیا
سوچ لیا ہے۔ دنیا کا بہت بڑا آدمی آرٹن ڈورل اس طرح ہراساں نہیں ہوسکتا..... تمہیں
اپنی ذہنی قوتوں کو واپس لانا پڑے گا.....''

وہ کہتی رہی اور اس کے ساتھ ساتھ ہی اُس کے والہانہ جذبات کا اظہار بھی جاری رہا۔
میں نے اپنے آپ کو بالکل مُردہ کر لیا تھا۔ یہی اس وقت ضروری تھا۔ ورنہ جرمنوں کی قید
میں اگر دوبارہ اُن لوگوں کو مجھ سے مشق آزمائی کا موقع مل جاتا تو اس کے بعد شاید میری یہ
ہڈیاں اُن کی ستم گستری کو برداشت نہ کر پاتیں اور کہانی ختم ہو جاتی..... لیکن کہانی جاری
رہنی چاہئے۔ اور اسے جاری رکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اب میں دل و جان سے اپنے
آپ کو آرٹن ڈورل تسلیم کر لوں۔ اور بعد کے جو اقدامات بھی ہوں، وہ آرٹن ڈورل کی
حیثیت سے ہوں۔ اگر میں تھوڑی سی ذہانت سے کام لوں تو اس کردار کو اس وقت تک
جاری رکھ سکتا ہوں، جب تک کہ آرٹن ڈورل منظر عام پر نہ آ جائے۔ جس طرح میری
ملاقات پال مورسن سے ہوئی تھی۔ کیسی عجیب بات تھی کہ اگر میں اپنی زندگی پر نگاہ دوڑاتا تو
میرا سفر تقریباً یکساں تھا۔ کمبخت وہ مصری نژاد مجھے اس لئے یہاں لایا تھا کہ ایک دولت مند
آدمی کی حیثیت دے اور عظیم الشان جائیداد کے حصول کے بعد میرا حصہ دار بن جائے۔
پھر حالات نے راعمساس بنا دیا تھا اور اس کے بعد باتش اور نجانے کیا کیا..... اب تک یہی
کیفیت رہی تھی کہ میری اپنی شخصیت کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جس کا دل چاہتا تھا، مجھے جس

حیثیت سے چاہتا تھا، پکڑ کر لے جاتا اور اس اعتماد کے ساتھ کہ میں وہی ہوں..... جنیفر سے
چہرہ تبدیل کرایا۔ تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

کی مورا، کی محبت آمیز باتیں جاری رہیں۔ اور اس کے بعد اُس نے پُرعزم لہجے میں
کہا۔ ''تمہیں تمہاری اصل حیثیت میں واپس لانا اب میری زندگی کا سب سے بڑا مشن
ہے۔ آرٹن ڈورل..... اتنا بڑا انسان ضائع نہیں ہوسکتا۔ کسی قیمت پر نہیں.....''

میں نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد کی مورا، وہاں سے چلی
گئی تو میں آنکھیں بند کر کے بستر پر لیٹ گیا اور نجانے کیا کیا سوچتا رہا.....

☆.....☆.....☆

حالات زندگی ایک نئی شکل میں دوبارہ جاری ہو گئے۔ مجھے ہسپتال کے اُس کمرے سے
نکال لیا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہسپتال کا نہیں، بلکہ ایک خوبصورت عمارت کا کمرہ ہے
جو بون ہی میں ہے۔ بہت سے لوگ اس عمارت میں بکھرے ہوئے تھے۔ میں آرٹن ڈورل
کے نام پر اُن کی جانب متوجہ ہوتا تھا اور ڈاکٹروں کے مطابق یہ بات اُمید افزا تھی۔ کیونکہ
میرے ذہن میں وہ قوتیں موجود تھیں، جو بالآخر میری یادداشت واپس لانے میں معاون ہو
سکتی تھیں۔

کی مورا شاید بہت مصروف عورت تھی۔ کیونکہ وہ زیادہ تر باہر ہی رہتی تھی۔ لیکن جب
بھی آتی، اُس کی محبتیں میرے لئے وقف ہوتیں اور میں جو ایش کی وجہ سے زندگی کی ایک
اور لعنت کا شکار ہو گیا تھا، کی مورا کے آنے کے بعد اُس لعنت میں مبتلا ہو جاتا..... کی مورا
کے لئے میں بہت کچھ تھا اور اب وہ میرے لئے بھی بہت کچھ تھی.....

آہستہ آہستہ اپنی حقیقتیں مجھ پر منکشف ہوتی جا رہی تھیں۔ آرٹن ڈورل دنیا کا ایک بہت
بڑا دہشت گرد تھا۔ کئی ملکوں میں اُس کی فائلیں کھلی رہتی تھیں۔ لاتعداد دشمنوں کے سینوں پر
مونگ دَل رہا تھا۔ ایک مشن سے اپنے خصوصی طیارے میں واپس لوٹ رہا تھا کہ دشمنوں کی
سازش کا شکار ہو گیا۔ طیارہ فضا میں پھٹ گیا اور اُس کا ملبہ کسی ناقابل عبور علاقے میں جا
پڑا۔ اور آرٹن ڈورل کی موت کو تسلیم کر لیا گیا۔ ماتمی کارروائیاں ہوئیں اور ڈورل کی محبوبہ
کی مورا نے گروہ کا انتظام سنبھال لیا اور اسے آرٹن ڈورل ہی کے نام پر چلانے لگی۔ گروہ
کے سپرد دنیا کے بہت سے ممالک کی بہت سی ذمہ داریاں تھیں، جنہیں کی مورا اپنے طور پر
انجام دے رہی تھی۔ لیکن آرٹن ڈورل کی کمی کو آج تک پورا نہیں کیا جا سکا تھا۔ پھر اُن
لوگوں کی اطلاع ملی کہ ڈورل زندہ ہے اور مشرقی جرمنی کے قصبے میں ہے۔ چنانچہ کی مورا
نے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر کے آرٹن ڈورل کا پتہ چلایا اور بالآخر اُسے مشرقی جرمنی کی

قید سے آزاد کرا لیا گیا۔ اب تک کی کہانی یہ تھی۔ اس کہانی کو سننے کے بعد میں نے اپنے
ذہن کو ان لائنوں پر منتقل کر دیا کہ آرٹن ڈورل کی حیثیت سے میں اپنی زندگی کو آگے بڑھا
سکتا ہوں..... کیا میں اس حیثیت کو برقرار رکھ سکوں گا؟ کم از کم ایک حیثیت تو ملے۔ یہاں
تو مصیبت یہ تھی کہ میں ہر شخص کا رشتے دار تھا اور ہر شخص میرا دشمن تھا۔ آج کسی کی آغوش
میں تو کل کسی کے پہلو میں..... کبھی اذیتوں کا شکار، کبھی عیش گاہوں میں..... کتنے ہی ایسے
تھے جو میری تاک میں تھے۔ اور ایسے ابھی کتنے ہوں گے، جن کے ہاتھوں میں نجانے کیسی
کیسی مصیبتوں کا شکار رہوں گا......

زندگی میں بارہا یہ سوچا تھا کہ کوئی تو ایسی حیثیت ملے جو برقرار رہ سکے۔ لیکن میری
زندگی کچھ زیادہ ہی متحرک تھی۔ دل میں ایک فیصلہ کیا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے، آرٹن
ڈورل ہی بن کر جیوں گا۔ اور اگر کبھی اصلی آرٹن ڈورل آ جائے اور خود مجھے اپنے ہاتھوں
سے قتل کر دے تو دوسری بات ہے۔ بلکہ اُس سے بھی یہی کہوں گا کہ اصلی آرٹن ڈورل میں
ہی ہوں۔ اگر نہیں ہوں تو وہ خود بتا دے کہ میں کیا ہوں؟ لیکن اس راستے پر قدم بڑھانے
کے لئے کیا میری ذہنی صلاحیتیں کارآمد ہوں گی؟ تب دل میں سوچا کہ اس دنیا کا کاروبار
ایسے ہی چل رہا ہے۔ بعض اعلیٰ انتہائی صلاحیتوں کے لوگ اپنی صلاحیتوں کو کام میں نہیں لا
سکتے اور بعض انٹرنیشنل گدھے، واقعی انٹرنیشنل بن گئے ہیں۔ تو پھر میں بھی کیوں نہ ان
گدھوں کی صف میں شامل ہو جاؤں.....؟

کی مورا، باعمل ہے۔ اور میں اُس کی محبتوں کا مرکز۔ اپنے آپ کو کی مورا، کی پذیرائی
کے لئے تیار رکھوں۔ باقی کام وہ خود سنبھالتی رہے گی۔ دنیا کا عظیم دہشت گرد فی الحال
کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ہے۔ جہاز کے حادثے میں وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکا
ہے کہ اپنے آپ کو تو جانتا ہے۔ لیکن اُس کی ذات سے کیا کچھ وابستہ ہے؟ وہ اُسے یاد نہیں
رہا..... میں اب تک کی دیکھی ہوئی اُن تمام فلموں کا ذہنی تجزیہ کرنے لگا جن میں کھوئی ہوئی
یادداشتوں کے مریضوں کو دکھایا جاتا ہے۔ اُن تمام قصے کہانیوں پر غور کرنے لگا جو اس سلسلے
میں پڑھی تھیں۔ مختلف اداکاروں نے اپنے آپ کو کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ظاہر
کرنے کے لئے جو پرفارمنس دی تھی، اُسے بھی ذہن میں دُہرانے لگا۔ اپنی طرف کی فلموں
میں تو کوئی ایکسیڈنٹ یادداشت کھو دیتا تھا پھر سر میں لگنے والی کوئی چوٹ یا کسی حسینہ کا رقص

یا کوئی، خاندانی گانا یاد دلا دیتا تھا۔ لیکن اُن فلموں پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ ہاں! گریگوری پیک کی ایک فلم ''پرپل پلین'' دیکھی تھی۔ جس میں گریگوری پیک کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض تھا۔ اور اُس نے لاجواب اداکاری کی تھی۔ کم از کم اُس معیار کی اداکاری میرے لئے کارآمد ہوسکتی تھی۔ چنانچہ اب تک جو کچھ کرتا رہا ہوں، اس میں سب سے اہم کام یہی ہے کہ کی مورا اور اپنے ساتھیوں کے سامنے اپنے آپ کو بہترین کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ثابت کروں۔ لیکن یہ بھی ثابت نہ ہونے دوں کہ میں اپنا نام تک نہیں پہچانتا۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا.....

بون کے اس پرفضا مقام پر میری جسمانی قوتیں تو بحال ہوگئی تھیں۔ مجھے تھوڑی سی چہل قدمی کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ کی مورا یہاں اتنی مضبوط تھی کہ اُسے اس بات کا قطعی خدشہ نہیں تھا کہ برلن میں وہ جو کچھ کر کے آئی ہے، اُس کے نتائج یہاں ظاہر ہوسکتے ہیں۔ میں نے اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ میری حفاظت کے لئے کیا کچھ کیا گیا ہے۔ کچھ نئے ڈاکٹروں کو مختلف علاقوں سے بلایا گیا تھا، جن پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ میرا مکمل تجزیہ کرنے کے بعد میرا علاج کریں۔ ان میں سب سے نمایاں شخصیت ڈاکٹر گوئل کی تھی۔ بلند و بالا قد و قامت کے مالک ڈاکٹر گوئل بہت ہی نفیس شخصیت رکھتے تھے۔ اور مجھے اُن کی شخصیت بہت پسند تھی۔ ماہرفن بھی تھے۔ یہاں آکر انہوں نے میرا پوری طرح جائزہ لیا اور مجھے اُن کے سامنے بے لباس ہونا پڑا۔ میرے ایک ایک عضو کی جانچ پڑتال کی گئی۔ لیکن ڈاکٹر گوئل کو شاید میرے لئے کچھ پریشان ہونا پڑا تھا..... کیونکہ میری دماغی تصویر یہ ثابت کرتی تھی کہ میرے ذہن میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ لیکن میں آرٹن ڈورل کی حیثیت سے ان ساری باتوں کو بھول گیا تھا جو مجھ سے متعلق تھیں۔ اس کے لئے کی مورا سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر گوئل نے کہا۔ ''بعض اوقات کوئی ایسا حادثہ جو غیر متوقع ہو، انسانی ذہن کو نامحسوس گرد میں چھپا لیتا ہے اور بے شمار چیزیں عارضی طور پر اوجھل ہو جاتی ہیں۔ وہ حادثہ جو فضائی سفر میں پیش آیا، مسٹر آرٹن ڈورل کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ اور ان کا ذہن اُس دھند میں لپٹ گیا ہے۔ یہ دھند رفتہ رفتہ ہی چھٹے گی۔ اور اگر جلد بازی کر کے اس دھند کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو دماغ کے دوسرے خلئے بھی متاثر ہو سکتے ہیں۔''

پتہ نہیں یہ بات ڈاکٹر گوئل نے اپنی جان چھڑانے کے لئے کہی تھی یا پھر واقعی اس میں

کوئی اہم نکتہ تھا۔ کی مورا نے ڈاکٹر گوئل سے درخواست کی کہ وہ اپنا کام شروع کر دیں۔ بدیر ہی سہی، لیکن آرٹن ڈورل کا ذہن اُسے واپس ملنا چاہئے۔ اور اس کے لئے ڈاکٹر گوئل نے ایک تجویز پیش کر دی۔ انہوں نے کہا۔

''اس کے لئے ضروری ہے میڈم کی مورا! کہ مسٹر آرٹن ڈورل کو ایک ہی جگہ قید نہ رکھا جائے۔ میں مشورہ دیتا ہوں کہ آپ انہیں اپنے بحری جہاز میں لے چلیں۔ علاج کے لئے اس سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ ہم جہاز ہی میں ایک عمدہ ہسپتال قائم کر لیں گے۔ جہاں جدید ترین ذرائع سے آرٹن ڈورل کا علاج کیا جائے گا۔ میں وہ تمام چیزیں اس جہاز پر منگوالوں گا، جس کی مجھے ضرورت ہو گی۔ اور اس وقت تک یہ علاج جاری رکھوں گا، جب تک کہ آرٹن ڈورل ذہنی طور پر مکمل صحت یاب نہ ہو جائیں۔''

کی مورا نے اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ اور اب مجھے علم ہوا تھا کہ ہمارا اپنا کوئی بحری جہاز بھی ہے۔ ویسے تو میں بحری جہاز میں بہت عمدہ سفر کر چکا تھا، جس میں میرے ہمراہ آئرن بھی تھی۔ لیکن اب میں جس حیثیت سے بحری سفر کرنے والا تھا، وہ بالکل مختلف ہو گا۔ اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ کتنی طویل ہے۔ اور پھر مجھ جیسے انسان کے لئے، اس دنیا میں کسی کی حاجت نہیں تھی۔ جسے علم تھا کہ دنیا کے کسی گوشے میں کوئی اُس کا انتظار نہیں کر رہا ہو گا۔ اگر ضرورت تھی تو صرف اس بات کی کہ میری زندگی پرسکون اور ہیجان بخش گزرے..... اور اس کے لئے ہی میں سرگرداں تھا۔ چنانچہ اگر بغیر کسی دقت آرٹن ڈورل کی حیثیت سے مجھے یہ زندگی حاصل ہو رہی تھی تو کیا حرج تھا؟ میں دل میں سوچتا تھا کہ چلئے کوئی تبدیلی تو ہوئی۔ ماضی کے بہت سے نقوش ذہن کے خانوں پر بنتے بگڑتے رہتے تھے۔ لیکن انسان کے لئے بہتر یہی ہوتا ہے کہ حال میں مست ہو جائے۔ ماضی کی یادیں صرف یادیں ہوتی ہیں۔ اُن سے اگر رابطہ رکھا جائے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا چنانچہ اب میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر آرٹن ڈورل سمجھ لیا تھا۔ اور ضروری نہیں تھا کہ ماضی کی یادوں میں کھونے کی کوشش کروں.....

میرے لاتعداد ہمدرد، میرے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ ایلش نے جو اپنی خاندانی ساکھ ... پائی تھی، اُس نے آج تک مجھے اپنی گرفت میں جکڑا ہوا تھا اور بہرطور! زندگی کا یہ رُخ چھوڑ کر اس سے پہلے کبھی میری زندگی میں شامل نہیں ہوا تھا۔ لیکن ایک انسان کی حیثیت

سے میں محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب کچھ بھی ضروری ہے۔

بحری جہاز کا مسئلہ شاید ابھی کسی اُلجھن میں تھا۔ لیکن میں نے اس کے لئے کبھی کو
تذکرہ نہیں کیا۔ ڈاکٹر گوئل میرے مستقل ڈاکٹر تھے۔ پتہ نہیں آرٹن ڈورل کے گروہ میں ا
کی کیا حیثیت تھی؟ لیکن کم از کم مجھے اس مسئلے پر ہنسی آتی تھی۔ کیونکہ وہ بے چارے م
میرے معالج بنے ہوئے تھے اور میرے علاج کے لئے مختلف طریقے دریافت کرتے ر
تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہیں اپنی حیثیت اور زندگی برقرار رکھنی تھی۔

کی مورا سے میری تنہا ملاقاتیں جاری رہیں۔ عجیب و غریب خاتون تھی یہ۔ پتہ
آرٹن ڈورل سے اُسے کیا عقیدت تھی؟ میری ہر بات کو اس طرح سراہتی تھی جیسے اُن
لئے کسی دیوتا کا فرمان ہو۔ بذاتِ خود بہت زیرک و ذہین عورت تھی۔ لیکن میرے سلسلے
شاید اُس نے عقل کی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

پھر ایک دن اُس نے مجھ سے کہا۔ ''سوری ڈیئر! جب تک تم صحت مند نہیں ہو جا
میں تمہاری ذمہ داریاں اسی طرح نبھاتی رہوں گی، جس طرح تم خود۔ شاید یہ بات
تمہارے ذہن میں صحیح طور پر نہ آئے۔ آرٹن ڈورل! کہ فضائی حادثے کے بعد بہت
لوگ اس بات کے لئے تشویش کا شکار ہو گئے تھے کہ جو ذمہ داریاں انہوں نے تمہا
سپرد کی ہیں، اب اُن کا کیا ہوگا؟ لیکن میں نے تمہارے نام پر بے شمار معاملات نمٹا
ہیں۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آرٹن ڈورل اب اس گروہ کی سربراہی نہیں کر رہا۔ اور ا
وقت تک آرٹن! جب تک تم یہ ساری ذمہ داریاں نہیں سنبھال لیتے، میں تمہارا کام
دیتی رہوں گی۔ چنانچہ میں زندگی میں کچھ عرصے کے لئے تم سے جدا ہو رہی ہوں۔
ایسے ہی کام کرنے ہیں۔ تمہاری نگہداشت کے لئے میں نے ایک پینل بنا دیا ہے۔
میں مختلف لوگوں کو تمہاری دیکھ بھال کے لئے مختلف ذمہ داریاں سونپ دی گئی ہیں۔
اُن سب سے تمہارا تعارف کرا دوں گی۔ اور اس کے بعد تم بحری جہاز پر پہنچ جاؤ
وہاں گوئل کی نگرانی میں تمہارے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔''

''میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس تھکے تھکے سے انداز میں کرسی پر بیٹھا کی مو
صورت دیکھتا رہا۔ یہی مستقل انداز میں نے اختیار کر رکھا تھا۔ کی مورا، مجھے اس کیف
دیکھ کر آزردہ ہو جاتی تھی۔ اب تک کی تمام کاوشیں اُس کی اپنی تھیں۔ میں نے اپ

ڈی کی حیثیت سے رکھا تھا، جس سے جو کام بھی لیا جانا ہو، اپنے طور پر لے لیا جائے۔
اُس نے آگے بڑھ کر میرے سر کے بالوں کو بکھیرا اور پھر وہاں سے چلی گئی.....

اُسی شام پانچ حسین و خوبصورت لڑکیاں میرے سامنے پہنچ گئیں۔ اُن کے انداز میں
ادب و احترام تھا۔ کی مورا، نے اُن میں سے ایک کا تعارف کراتے ہوئے مجھ سے کہا کہ
میرے لباس اور کھانے کا خیال رکھے گی۔ دوسری لڑکی، جو چہرے سے فلسفی معلوم ہوتی
تھی اور آنکھوں پر موٹے فریم کا چشمہ لگائے ہوئے تھی، میری ذہنی تربیت پر متعین کی گئی
تھی۔ اسی طرح باقی تین لڑکیاں بھی میری جسمانی محافظ تھیں اور انہیں ڈاکٹر گوئل کی زیر
ہدایت کام کرنا تھا۔ میں نے اُن لڑکیوں کے نام وغیرہ یاد کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کیونکہ
اُن سے میرا کوئی واسطہ نہیں تھا۔

کی مورا، نے ڈاکٹر گوئل کو بلا کر آخر ہدایات جاری کیں اور پھر اُن سب کو کمرے سے
باہر جانے کا اشارہ کر دیا.....اور پھر رات کے تقریباً ایک بجے تک وہ میری دلجوئی اور محبت
کا اظہار کرتی رہی۔ اُسے دو بجے اپنی کسی مہم پر روانہ ہونا تھا۔ میں ایسی مہمات پر لعنت بھیجتا
تھا۔ کی مورا، جب تک مجھے اس حیثیت سے دھکیلتی رہے، ٹھیک ہے۔ مجھے کیا ضرورت پڑی
تھی کہ میں اپنا ذہنی توازن درست کرنے کی کوشش کرتا؟ حماقت کی بات تھی۔ جب یہ
خاتون کی مورا، اس بات سے مایوس ہو جائے گی کہ آرٹن ڈورل کسی طور پر ٹھیک ہونے میں
نہیں آتا تو پھر یہ جو بھی فیصلہ کرے گی، اُسے قبول کر لوں گا۔ گویا یہ مفت خوری کی ابتداء
تھی۔

تقریباً ڈیڑھ یا پونے دو بجے ہوں گے۔ کی مورا، مجھ سے رخصت ہو کر چلی گئی اور اُس
کے بعد میں آرام سے گہری نیند سو گیا.....

دوسرے دن تقریباً نو بجے آنکھ کھلی تھی۔ میرے کھانے پینے کا خیال رکھنے والی لڑکی،
جس کا نام ریٹا تھا، میرے پاس پہنچ گئی۔ غسل کے لئے مجھے غسل خانے میں بھیجا گیا۔ اور
پھر سلک کے ایک حسین گاؤن میں ملبوس کر کے ناشتے کی میز پر لے جایا گیا، جس کے گرد
تین چار افراد مؤدب کھڑے ہوئے تھے۔ مجھے ناشتہ کرایا گیا۔ اس وقت جو حیثیت مجھے
حاصل ہو چکی تھی، وہ کسی بھی طرح دنیا کے دولت مند ترین لوگوں سے کم نہیں تھی۔ مجھے
اولاس یاد آ رہا تھا، جس کی امارت کی داستانیں زمانے بھر میں مشہور تھیں۔ میرے خیال

میں اپنی ذاتی زندگی میں اُسے بھی اس سے زیادہ آسائشیں حاصل نہیں ہوں گی.....

پورا دن مختلف قسم کے ڈراموں میں گزر گیا۔ لباس کا انتخاب، دس بجے سے لے کر بجے تک کی مصروفیات، جن میں چہل قدمی شامل تھی۔ پھر لنچ..... لنچ کے بعد دو گھنٹے آرام، شام کو ایک خوبصورت علاقے میں چہل قدمی.....رات کو بون کے ایک نائٹ کلب میں خوبصورت پروگرام اور اُس کے بعد واپسی اور آرام.....بستر پر لیٹ کر میں بہت دیر تک ہنستا رہا تھا۔ خواہ مخواہ ہی بدن میں گدگدیاں سی ہو رہی تھیں۔

ایک بار تلخ انداز میں راعمیس کے بارے میں سوچا تھا۔ اور زیر لب کہا تھا..... فرعون کی صدیوں پرانی رُوح! اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ تو تقدیریں بنانے اور بگاڑنے پر قادر ہے تو اپنی اس احمقانہ سوچ کا انجام دیکھ لے۔ کم از کم میں نے تیری ان قوتوں کو کبھی تسلیم نہیں کیا، جن کے سہارے تو میری پوری زندگی اپنی گرفت میں لینا چاہتی تھی۔ ہم لوگ تقدیر کے قائل ہیں۔ تقدیر کا کوئی بھی لمحہ، کسی بھی شکل میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ کل تک کا وقت میرے بدن پر زخموں کی بھرمار کر رہا تھا۔ لیکن آج اُن کا صلہ مل رہا ہے۔ کہو میرے دوست راعمیس! کیا مجھے اس حیثیت میں دیکھ کر تمہیں شرمندگی نہیں ہو رہی ہے.....؟ لیکن راعمیس کی قربت کا احساس اَب بھی نہ تھا۔ غالباً وہ میری بدلی ہوئی شکل سے مایوس ہو کر مجھ سے بہت دُور چلا گیا تھا۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ڈاکٹر گوئل نے مجھ سے کہا کہ میں بحری جہاز پر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ بے چارہ ڈاکٹر گوئل بہرطور! اپنا فرض نبھا رہا تھا۔ اور میرے لئے ہر وہ کوشش کر رہا تھا، جو کر سکتا تھا۔ سمندر تک جانے کے لئے مجھے ایک شاندار کار مہیا کی گئی، جس کا سفر کافی طویل تھا۔ میرے ساتھ تین لڑکیاں تھیں، جو میری جسمانی محافظ تھیں۔ بندرگاہ پر جس جگہ ایک انتہائی خوبصورت اور عظیم الشان جہاز لنگر انداز تھا، عام لوگ موجود نہیں تھے۔ یہ کوئی الگ تھلگ جیٹی تھی۔ جہاں سے مجھے اُس جہاز پر لے جایا گیا۔ جہاز کا کپتان ایک بلند و بالا قد کا نوجوان آدمی تھا۔ مجھے بڑے اہتمام سے جہاز پر خوش آمدید کہا گیا۔ کپتان نے آگے بڑھ کر میرے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔

''آرتھر ڈورل کو دوبارہ زندہ اور صحت یاب دیکھ کر مجھے کس قدر خوشی ہوئی ہے؟ اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں آپ کو پرنس پر خوش آمدید کہتا ہوں۔''

جہاز کے عملے کے افراد قطار کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر گوئل کی رہنمائی اور کپتان کی سرکردگی میں جہاز کا اندرونی سفر طے کرتا ہوا میں اُس شاندار کیبن میں پہنچ گیا، جو میری آرام گاہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس کیبن کے اطراف میں میری نگران خواتین کے کیبن تھے۔ دماغ ہوا میں اُڑا جا رہا تھا۔ کئی بار اپنے بدن پر چٹکیاں بھر کر دیکھ چکا تھا کہ کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ ورنہ یہ عیش اور عشرت..... یہ شہزادوں جیسی شان، بلکہ شہزادوں کی ایسی تیسی، میں تو شہنشاہوں کی مانند اس جہاز پر پہنچا تھا۔ کہیں یہ سب کچھ کوئی خواب تو نہیں ہے؟ لیکن کیبن کا حسین اور آرام دہ بستر، اطراف میں سجاوٹ کی اشیاء..... سب کچھ ایک ٹھوس حقیقت تھی۔ اور کہیں بھی خواب کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان حقیقتوں کو تسلیم کر لیا..... اور اب انہیں برقرار رکھنے کے لئے کوششیں کرنا تھیں۔

بحری جہاز کا سفر شروع ہو گیا..... میرے معمولات، میری اُن پانچ نگرانوں نے طے کر لئے تھے اور اُنہی کے مطابق مجھے اس جہاز پر زندگی بسر کرنی تھی۔ نہ جانے کب تک..... لیکن اس بار میں ہمیشہ سے زیادہ خوش تھا۔ زندگی میں اگر یہ عیش مل جائیں اور زندگی مختصر ہو جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں تھا..... میں نے اپنے آپ کو اس اصول کے تحت ذہنی طور پر آزاد کر دیا تھا۔

ریٹا بہت خوبصورت لڑکی تھی۔ اُسے میری تربیت کا کام سونپا گیا تھا۔ یعنی صبح کو جگانا، غسل کرنا، لباس کا انتخاب کرنا اور اس کے بعد ناشتہ تیار کر کے دینا۔ یہ اُس کی ذمہ داریاں تھیں۔ معمولات سے فارغ ہو کر میرے لئے وقت کا لباس مہیا کرنا اور رات کو تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد لباس تبدیل کر کے بستر تک پہنچا دینا۔

جہاز پر میرا پہلا ہی دن تھا۔ اور دن کا آغاز خاصہ دلچسپ رہا تھا۔ شام کو چھ بجے کے قریب عرشے پر کھڑے ہو کر میں نے سمندر کا نظارہ کیا اور بیکراں وسعتوں میں نجانے کیا تلاش کرنے لگا..... یہ جہاز میرے لئے سفر کر رہا تھا۔ اگر اپنے پرانے دوست پاؤں اور بگر لوگوں سے ملاقات کر کے اپنی زندگی کی یہ کہانی سناؤں تو شاید سب یہی سمجھیں گے کہ بل نے اپنی عادت کے مطابق کوئی احمقانہ خواب دیکھا ہے۔ لیکن یہ خوابِ مسلسل..... کاش! یہ میری زندگی کی انتہا تک جاری رہے.....

جہاز کا سفر بے حد دلکش تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے مجھے کھانے کے لئے جہاز کے ایک

گوشے میں لے جایا گیا، جہاں انتہائی نفاست سے لان بنایا گیا تھا۔ خوشنما پھول اور نیچے موجود گھاس، جسے دیکھ کر تعجب ہوا تھا کہ سمندر کے سینے پر رواں دواں اس جہاز کو زمین شکل کیسے دی گئی کہ اُس پر گھاس اُبھر آئی؟ لیکن جدید دور کے لوگ شاید خلا میں بھی روئیدگی پیدا کرلیں اور انہیں اس میں کوئی دقت نہ ہو......

آرکسٹرا مسحور کن دھیمی دھیمی موسیقی بکھیر رہا تھا۔ جس خاتون کے سپرد کھانے پینے کی ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں، وہ اپنی نگرانی میں انتظامات کرا رہی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد موسیقی کا ہلکا پھلکا پروگرام رہا۔ اور اُس کے بعد ریٹا نے مجھے میرے کیبن میں پہنچا دیا۔ اُس نے پیار بھرے انداز میں میرے لئے سلیپنگ ڈریس نکالا اور اس کوشش میں مصروف ہوگئی کہ خود ہی مجھے وہ لباس پہنا بھی دے۔ جہاز پر میں اس لڑکی کی بدلی ہوئی کیفیات کو محسوس کر رہا تھا۔ غالباً اُس کا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس کیبن سے واپس چلی جائے..... لیکن اب میں اتنا احمق بھی نہیں تھا۔ عورتوں کے بارے میں میری معلومات وسیع نہیں تھیں۔ لیکن اتنا جانتا تھا کہ کی مورا کسی قیمت پر یہ نہیں پسند کرے گی کہ اُس نے جن لڑکیوں کو میرا محافظ مقرر کیا ہے، وہ محافظ سے زیادہ کوئی حیثیت اختیار کر جائیں..... چنانچہ میں نے ریٹا کی پذیرائی نہیں کی اور وہ شرمندہ سی واپس چلی گئی..... غالباً اُس کو اس کی توقع نہیں تھی کہ میں اتنا خشک ثابت ہوں گا۔

دوسرے دن سے میرا علاج بھی شروع ہوگیا۔ بے چارے ڈاکٹر گوئل کے بارے میں، میں جانتا تھا کہ علاج کرنے کے لئے اُس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ ڈاکٹر کی حیثیت سے میرا ذہنی تجزیہ کر چکا تھا اور یقیناً اُسے جو طبی رپورٹ موصول ہوئی ہوگی، وہ اُسے یہ بتاتی ہو گی کہ میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن بہرحال! اُسے اپنی حیثیت بھی برقرار رکھنی تھی۔ میرے علاج کے ساتھ ساتھ میرا ذہنی علاج بھی ہونے لگا تھا۔ چنانچہ آج گیارہ بجے مجھے ایک ایسی جگہ لے جایا گیا، جو ایک لائبریری کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور اس کے بعد کیبن کا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا۔

یہ بات کچھ دیر تک تو میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ میں حقیقت حال کو سمجھ گیا۔ اس کیبن میں میری زندگی سے متعلق یعنی آرٹن ڈورل کی زندگی سے متعلق بہت سے کاغذات، دستاویزات، کتابیں وغیرہ تھیں۔ میں نے دلچسپی سے میز پر رکھے ہوئے

فائل کی ورق گردانی شروع کر دی۔ اور اُس کے بعد میری دلچسپی کچھ اور بڑھ گئی۔ اس فائل میں میرے ایک کیس کی تفصیل تھی۔ اور اُس کی تکمیل کے بعد ایک عظیم الشان معاوضے کے کاغذات تھے، جو میں نے وصول کیا تھا۔ ایک ارب ڈالر..... میری آنکھیں حیرت کے باعث پھیل گئیں۔ اگر ایک کیس کی تکمیل کے لئے آرٹن ڈورل نے ایک حکومت سے اتنی بڑی رقم حاصل کی تھی تو اُس کی مالی حیثیت کیا ہوسکتی ہے؟ یہ تو صرف ایک فائل تھا۔ میں نے انتہائی دلچسپی سے اُن فائلوں کی ورق گردانی شروع کر دی اور مجھے ایک ایسا فائل دستیاب ہوگیا، جس میں آرٹن ڈورل کی تمام حقیقت درج تھی.....

آرٹن ڈورل کے واقعات زندگی پڑھتے ہوئے میں اس قدر محو ہوگیا کہ مجھے کسی کے آنے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ پھر میں اس وقت چونکا جب میرے کھانے پینے کا خیال رکھنے والی لڑکی نے انتہائی حسین برتن میں کافی میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے ایک نگاہ کافی کی طرف دیکھا۔ بڑے اطمینان سے کافی کی پیالی اُٹھائی، ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا اور دوبارہ فائل کی ورق گردانی میں مصروف ہوگیا۔ لڑکی مسرور انداز میں واپس چلی گئی تھی۔

میں آرٹن ڈورل کے واقعاتِ زندگی، اُس کی شخصیت، قومیت، عمر، تفریحات اور دلچسپیوں سے اس قدر روشناس ہوگیا کہ اب میں اپنے آپ کو آرٹن ڈورل کی حیثیت سے ساری زندگی قائم رکھ سکتا تھا۔ میرے دوستوں نے میری اتنی بڑی مشکل خود ہی حل کر دی تھی۔ اب میں یہ جان گیا تھا کہ کون سی حکومت کے وزیر خارجہ سے میرے تعلقات کیسے ہیں..... کون سی حکومت کے صدر مملکت میرے ساتھ مہینوں چھپتے پھرے ہیں..... کون سے ملک میں میری قائم کی ہوئی حکومت ہے اور کون سے ملک میں کہاں کہاں میرے ایسے دشمن موجود ہیں جو میری زندگی کے حصول کے لئے اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار ہیں.....

یہ معلومات معمولی نہیں تھیں۔ اور ان معلومات سے دہشت گرد آرٹن ڈورل کی حقیقت معلوم ہوتی تھی۔ بلا شبہ میں جس آدمی کا کردار ادا کر رہا تھا، وہ دنیا کا خطرناک ترین آدمی تھا۔ دہشت اور بربریت میں بے مثال..... ذہانت میں اعلیٰ ترین..... جسمانی کارکردگی میں ہزاروں افراد کا مجموعہ..... دلیری میں بے مثال..... وہ تمام انسانی خوبیاں اُس میں جمع ہوگئی تھیں، جو کسی ایک انسان میں کبھی نہیں پائی جاسکتی تھیں۔ مجھے ہنسی آنے لگی۔ میں اگر آرٹن ڈورل کی حیثیت سے کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں تو رونے پیٹنے کے علاوہ اور کیا

کر سکتا ہوں؟ کم از کم ایسے کسی موقع پر اُن لوگوں کو بہت مایوسی ہوگی۔ لیکن دماغ درست کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ڈاکٹر گوئل یا دنیا کا کوئی بھی بڑے سے بڑا ماہر امراض دماغ کم از کم میرا دماغ درست نہیں کر سکتا تھا۔ بہت دلچسپ صورتِ حال تھی۔ بشرطیکہ مورا، مجھ سے بد دل اور مایوس نہ ہو جائے۔ مایوس ہو کر اگر وہ ایک محبت کرنے والی کی حیثیت سے مجھے سنبھال لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر بد دِل ہو کر اُس نے اُٹھا کر مجھے سمندر میں پھینک دیا تو کیا ہوگا.....؟ لیکن خوف کے اس خیال کو میں نے فوراً ہی ذہن سے نکال پھینکا۔ کیا حماقت ہے؟ جب کچھ حاصل ہو جاتا ہے تو ہم کھو جانے کے خوف کا شکار رہتے ہیں۔ اُس حاصل سے کیوں نہ لطف اٹھایا جائے۔ کھوئے گا تو دیکھا جائے گا..... چنانچہ اسی مقولے کے مترادف میں زندگی گزارنے لگا۔ کچھ چیزوں کی کمی محسوس ہوتی تھی..... جیسے ایش کی خاندانی کاک ٹیل..... لیکن اس کے بغیر گزارہ کیا جا سکتا تھا۔ میرے معمولات اس جہاز پر متعین ہو گئے تھے اور میری خادمائیں انہیں بڑے اہتمام سے سرانجام دے رہی تھیں۔

جہاز سمندر کے سینے پر رواں دواں تھا۔ اس کا سفر کس نوعیت کا تھا؟ اور اس کا رُخ کس سمت تھا؟ اس کے بارے میں کسی نے مجھے نہیں بتایا اور نہ ہی میں نے جاننے کی کوشش کی۔ کپتان جانے اور اُس کا کام.....اور میرا خیال ہے، جہاز کو، کوئی ایسی ہدایت بھی نہیں تھی۔ یہ میرے علاج کا ایک سلسلہ تھا، جو سمندر کے سینے پر جاری تھا۔ آئینہ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ میری صحت بہت عمدہ ہوتی جا رہی ہے۔ ویسے بھی میں بہت خوش و خرم تھا۔ اعلیٰ خوراک، بہترین ورزش اور اس کے ساتھ ہی میری یادداشت کو واپس لانے کی کوششیں.....جس میں، میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ سب کچھ جاننے کے باوجود کم از کم آرٹن ڈورل کی حیثیت سے اپنے آپ کو کبھی تسلیم نہیں کروں گا۔ اس میں دُہرا فائدہ تھا۔ اوّل تو کہ مجھے ہنگامہ خیزیوں سے بچنے کا موقع ملتا اور آرٹن ڈورل کی حیثیت سے براہِ راست جھگڑے میں حصہ لینا نہیں پڑتا..... دوئم یہ کہ اگر کبھی اصل آرٹن ڈورل واپس آ بھی جائے تو میں ایک پاگل آدمی کی حیثیت اختیار کر کے اُن لوگوں کے عتاب سے بچ جاؤں گا..... یہ تصور میرے ذہن میں موجود تھا۔ لیکن صاحب! یہ جو اپنی عمارت کی بلندی پر کھوپڑی قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے نا! اور آنکھوں کے اُوپر ایک سپاٹ میدان پھیلا ہوا ہوتا ہے، جسے پیشانی

کہ تقدیر کا رونا رویا جاتا ہے اور اس سے ذہن میں یہ تصور قائم ہو جاتا ہے کہ تقدیر اس پیشانی پر بھی تحریر ہے..... یہ بڑی نا معقول چیز ہوتی ہے۔ کبھی اس کا بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ حالات اگر وقتی طور پر کوئی بہت ہی حسین رُخ اختیار کر جائیں تو انسان کو یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ بس! اب اُس کی زندگی میں صرف حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے۔

مصیبت اور راحت ہم قافیہ لفظ ہیں اور بدل بدل کر موسموں کی طرح آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ راحت کا موسم ختم ہوا اور مصیبت کی رات آ گئی.....

جہاز اُس وقت ایک ایسے علاقے سے گزر رہا تھا، جہاں سے کچھ فاصلے پر خشکی نظر آ رہی تھی۔ شاید کوئی جزیرہ تھا یا پھر کوئی ملک..... یہاں سے صرف اُفق میں اُن بھوری اور مدھم دھندلائی ہوئی چٹانوں کو دیکھا جا سکتا تھا، جو خشکی کا پتہ دیتی تھیں۔ میں بھی اس وقت عرشے پر کھڑا اُسی سمت دیکھ رہا تھا۔ اپنے رویئے کا خاص طور سے خیال رکھا تھا۔ ایسی باتیں کبھی کسی سے نہیں پوچھتا تھا، جن سے تجسّس کا اظہار ہو۔ کیونکہ ڈاکٹر گوئل کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ میری طرف سے بہت مطمئن نظر آتے تھے اور اُن کا کہنا تھا کہ رفتہ رفتہ میری ذہنی قوتیں واپس آ رہی ہیں۔ لائبریری میں اپنے کاغذات سے دلچسپی لینا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ میرے ذہن میں اپنی ذات کے لئے تجسّس پیدا ہو چکا ہے۔ بات اپنی ذات تک محدود رہے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر یہ تجسّس وسیع حیثیت اختیار کر جائے تو ڈاکٹر گوئل یہ خیال بھی کر سکتے ہیں کہ میں صحت یاب ہو گیا ہوں اور میں یہ کبھی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ خاموشی سے کھڑا اُفق پر نظر آتی ہوئی چٹانوں کو دیکھتا رہا۔ پھر ان چٹانوں سے کچھ پرندوں نے پرواز کی اور فضا کی بلندیوں میں اُڑ کر جہاز کی طرف آنے لگے تو جہاز پر افراتفری پھیل گئی..... کپتان اپنے کیبن سے اطلاعات نشر کرنے لگا.....جن میں کہا جا رہا تھا کہ بائیس ہیلی کاپٹروں کا ایک بیڑہ جہاز کی طرف آ رہا ہے۔ ریڈیو آپریٹر ہوشیار ہو گیا تھا۔ جہاز میں مدھم آواز میں سائرن بجنے لگا تھا۔ اور اب میری تشویش برحق تھی۔ کیا پھر کوئی مصیبت نازل ہو رہی ہے.....؟ اندازہ غلط نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر واقعی اب سامنے نظر آ رہے تھے اور میں نے جنہیں یہ سمجھا تھا کہ خشکی سے پرندوں نے پرواز کی ہے، اب اُن ہیلی کاپٹروں کو با آسانی دیکھ سکتا تھا۔

میری محافظوں نے جلدی سے مجھے عرشے سے ہٹا کر میرے کیبن میں پہنچا دیا۔ میں

نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ لیکن جہاز کی ہنگامہ آرائی کی آوازیں میرے کانوں تک مسلسل پہنچ
رہی تھیں اور میں اُن سے لاعلم نہیں رہ سکتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں......؟
میرے کیبن میں آ گئی اور اُس نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''براہِ کرم چیف! میرے ساتھ آئیے.....''

میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جہاز میں میرے علاج کے لئے جو ہسپتال قائم کیا
تھا، مجھے اُس میں لے جایا گیا۔ یہاں دو آدمی کسی کام کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مجھے اُن
سامنے بٹھا دیا گیا اور وہ ایک بکس کھول کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ میرے چہرے
میک اَپ کیا جا رہا تھا۔ ریٹا میرے پاس موجود تھی۔ ڈاکٹر گوئل بھی آ گئے تھے۔ میں
اس سلسلے میں اُن سے کچھ نہ پوچھا۔

میک اَپ کر کے میری شکل تبدیل کر دی گئی اور اس کے بعد ریٹا نے مجھے خلاصیوں
لباس پہننے کے لئے دیا۔ ڈاکٹر گوئل کہنے لگے۔ ''سوری چیف! یوں معلوم ہوتا ہے کہ
معلوم لوگوں نے جہاز کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ آپ کو ہم آپ
اصلی شکل میں اُن کے سامنے نہیں لا سکتے۔ کیونکہ یہ آپ کے لئے خطرناک ہو گا۔ براہِ کرم
اپنے آپ کو تھوڑی دیر کے لئے خلاصیوں میں شامل کر لیں۔ یہ ضروری ہے۔''

میں نے پہلی بار ڈاکٹر گوئل سے سوال کیا۔ ''یہ کون لوگ ہیں؟''

''چیف! ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ ریڈیو آپریٹر کو پیغامات ملے ہیں
اگر جہاز سے ایک بھی گولی چلائی گئی تو ہیلی کاپٹر بمباری کر کے جہاز کو تباہ کر دیں۔
نیچے آبدوز موجود ہے، جو جہاز کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہماری طرف سے کوئی
مدافعتی کوشش، جہاز کے ٹکڑے اُڑا دے گی..... ہمیں خشکی کی سمت سفر کرنے کے لئے کہا
ہے۔ چیف! میرا خیال ہے، یہ ہمارے کسی دشمن ملک کی کارروائی ہے۔ کسی ایسے ملک
جو ہماری تاک میں ہو اور جسے ہمارے ہاتھوں نقصان پہنچا ہو..... ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ
کون لوگ ہیں؟ لیکن ہم کوئی جوابی کارروائی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت
بری طرح خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔''

میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر کا شہزادہ اب ہاتھ میں عرشہ صاف کرنے
والی جھاڑو لئے ہوئے باہر نکل آیا تھا۔ ریٹا نے میرے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ''چیف

آپ ان لوگوں کی قید میں چلے جائیں۔ لیکن ہم میں سے کوئی آپ سے زیادہ دُور نہیں
گا۔ براہِ کرم! آپ بالکل مطمئن رہیں۔''

میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ریٹا کو دیکھا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر جھاڑو سنبھالے
طرف بڑھ گیا۔ ہیلی کاپٹر، جہاز کے اُوپر پرواز کر رہے تھے اور اُوپر سے نگرانی کی جا
تھی۔ میری آنکھوں میں مایوسی کی لکیریں واضح ہو گئی تھیں..... تو یہ تھی ایک دن کی
شاہت..... اور اس کے بعد..... اس کے بعد کیا ہونے والا تھا؟ اس کا بھی کوئی اندازہ
لگایا جا سکتا تھا۔ ریڈیو آپریٹر سے مسلسل رابطہ قائم تھا اور اُوپر سے ملنے والی ہدایات
مطابق عمل کیا جا رہا تھا۔

خشکی تک کا یہ سفر کافی طویل تھا اور ہم تیز رفتاری سے خشکی کی طرف جا رہے تھے۔
ہدایات کے مطابق جہاز کو ایک لمبا چکر کاٹنا پڑا۔ اور اُس کے بعد ایک عارضی جیٹی نظر آئی،
اں دو چھوٹے فریگیٹ لنگر انداز تھے۔ ان پر کوئی فلیگ نہیں لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ بہترین
سازو سامان سے آراستہ تھے۔ طیارہ شکن توپیں نصب تھیں۔ ہمارے جہاز کو اُن سے
فاصلے پر لنگر انداز ہونے کے لئے کہا گیا۔ اور اس کے بعد جہاز نے لنگر ڈال دیئے۔
ہیلی کاپٹر، جہاز کے ایک حصے میں اُتر گئے تھے۔ اور اُن میں سے دو دو مسلح افراد برآمد
ہوئے تھے، جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں سٹین گنیں سنبھالی ہوئی تھیں۔ سب کے سب خونخوار
نظر آ رہے تھے۔ اور اُن کی نگاہیں ہم پر جمی ہوئی تھیں۔ میں گہری نگاہوں سے انہیں دیکھنے
سفید رنگت کے لوگ تھے۔ لیکن اُن کی قومیت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا
سکتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ساحل کی طرف سے چند سٹیمر آتے ہوئے نظر آئے، جو دیکھتے ہی
دیکھتے جہاز کے قریب پہنچ گئے۔ سیڑھیاں ڈالی گئیں اور اس کے بعد لاتعداد افراد عرشے پر
آ گئے، جو بہترین اور جدید ہتھیاروں سے مسلح اور مخصوص قسم کی وردی پہنے ہوئے تھے۔
انہوں نے دوڑ کر پوزیشنیں سنبھال لیں۔ دوسرے سٹیمروں کے لوگ بھی اُوپر آ رہے تھے۔
اور جہاز کے دوسرے حصوں میں پوری طرح پوزیشنیں سنبھالنے کے بعد انہوں نے
گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں کپتان وغیرہ سے کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔
کپتان، ڈاکٹر گوئل اور دوسرے تمام افراد کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔

سٹین گنوں کی نالوں سے وہ لوگ انہیں ہدایات دے رہے تھے۔ پتہ نہیں کون لوگ تھے اور مجھے اپنا انجام پھر خراب محسوس ہونے لگا تھا.... ویسے ان لوگوں نے ذہانت سے کام لیا تھا اور اپنی دانست میں آرٹن ڈورل کو اُن کی نگاہوں سے محفوظ کر دیا تھا۔ لیکن کیا فرق پڑتا ہے؟ اب میرے ساتھ عام لوگوں کا سا سلوک ہوگا۔

ہمیں قید کرنے والوں کے تیور اچھے نہیں نظر آ رہے تھے۔ اور ذرا سی غلطی پر سٹین گن کے بٹ مار مار کر غلطی کرنے والوں کو سیدھا کیا جا رہا تھا۔ میرے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ وہ جرمن یاد آ رہے تھے، جنہوں نے برلن میں میری بہترین خاطر تواضع کی تھی اور صرف تقدیر ہی تھی کہ ہڈیاں اور پسلیاں ٹوٹنے سے بچ گئی تھیں۔ صرف چوٹ ہی آئی تھی، جس کے اثرات آج تک موجود تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بہترین نگہداشت نے حالت درست کر دی تھی۔

گرفتار شدگان کو سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اُتارا گیا اور سٹیمروں پر لاد لاد کر خشکی کی جانب بھیجا جانے لگا۔ بے چاری ریٹا اور جہاز پر جتنی لڑکیاں موجود تھیں، وہ بھی مصیبت کا شکار تھیں۔ اُن کے ساتھ ذرا رعایت برتی گئی تھی کہ انہیں ہتھکڑیوں میں نہیں جکڑا گیا تھا۔ باقی اُن کے ساتھ بھی وہی کیفیت تھی۔ خلاصیوں کی باری بھی آئی۔ میرے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے گئے اور نیچے اُتارنے کے لئے بھی مجھے ایک شخص نے سہارا دیا۔ نیچے اُترتے ہوئے دو بار بلندی سے سٹیمر میں گرتے گرتے بچا تھا۔ آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

آہ! یہ بادشاہت چند روز بھی تو جاری نہ رہی..... بلکہ یہ لوگ بھی میری بدقسمتی کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن بہر حال! آج تک اپنے لئے ہی کچھ نہ کر سکا تھا تو کسی اور کے لئے کیا کرتا؟ مجھے دوسرے خلاصیوں کے ساتھ سٹیمر کے ذریعے خشکی تک پہنچا دیا گیا۔ چٹانیں یہاں سے دُور تھیں۔ قدموں کے نیچے نرم ریتلا ساحل تھا۔ جہاز کے تمام قیدیوں کو جمع کیا جا رہا تھا۔ سٹیمر اُن قیدیوں کو چھوڑ چھوڑ کر واپس آ رہے تھے اور نئے قیدیوں کو لے کر جا رہے تھے۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر ریٹا اور تمام ساتھی لڑکیاں موجود تھیں..... لیکن سب کی سب ذہنی تھیں۔ انہوں نے ایک بار بھی مجھ پر توجہ نہیں دی تھی کہ کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔ مسلح باوردی افراد اُن قیدیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ جہاز کے تمام لوگوں کو خشکی

پر منتقل کر دیا گیا اور اس کے بعد انہیں ایک قطار کی شکل میں آگے لے جایا جانے لگا۔ جہاز اب پوری طرح ان باوردی افراد کے کنٹرول میں تھا۔ ڈاکٹر گوئل، جہاز کا کپتان اور دوسرے تمام افراد الگ رکھے گئے تھے اور اُن کی دوسری قطار بنا دی گئی تھی۔ خلاصیوں کو جن کی تعداد پچاس پچپن کے قریب تھی، الگ لے جایا جا رہا تھا۔ فاصلہ کافی طویل تھا اور ہمیں تقریباً پینتالیس منٹ تک ریت پر سفر کرنا پڑا تھا۔ تب ہم چٹانوں کے درمیان ایک رخنے کے قریب پہنچے، جہاں سے گزر کر دوسری طرف جایا جا سکتا تھا۔ جب چٹانی رخنے سے دوسری طرف پہنچے تو ایک چھوٹی سی آبادی نظر آئی۔ کوئی ساحلی شہر معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے لوگوں کی مانند میں نے بھی اس شہر کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کی..... عام آبادی نہیں تھی۔ یقیناً کوئی فوجی چھاؤنی تھی۔ مکانات بھی اسی طرح کے بنے ہوئے تھے۔ لکڑی کی بے شمار بیرکیں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں، جن کی چھتیں کھپریل کی بنی ہوئی تھیں۔ ہمیں ایسی ہی ایک بیرک میں لے جایا گیا۔ اس عظیم الشان بیرک میں جہاز کے تمام لوگوں کو بند کر دیا گیا اور مسلح افراد اس کے گرد پھیل گئے۔

سب پریشان نظر آ رہے تھے۔ یہی شکر تھا کہ انہوں نے ہم سب کو یکجا رکھا تھا۔ ورنہ بڑی مشکلات پیش آتیں۔ کپتان اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس نے بیرک کی لکڑیوں کے رخنے سے باہر جھانکنا شروع کر دیا..... چاروں طرف کا ایک چکر لگانے کے بعد وہ ڈاکٹر گوئل کے قریب پہنچا اور پھر دونوں اُٹھ کر میرے نزدیک آ گئے۔ میں ایک دیوار سے پشت لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ کیپٹن کہنے لگا۔

''چیف! صورت حال بہت خوفناک ہے۔ آپ کی طرف سے ہمارے لئے کوئی ہدایت.....؟''

''میں نے بے بس نگاہوں سے ڈاکٹر گوئل کی طرف دیکھا تو ڈاکٹر گوئل مایوسی سے بولا۔ ''ابھی نہیں کیپٹن! بدقسمتی سے چیف ابھی تک اپنی ذہنی قوتوں کے حصول میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اور پھر وقت بھی کون سا زیادہ گزرا ہے؟ میرا خیال ہے چیف کے ذہن پر دباؤ ڈالنا مناسب نہیں ہوگا۔''

''لیکن چیف کو حالات سے آگاہ رکھنا تو ضروری ہے۔ میڈم کی مورا ہم سے اس سلسلے میں جواب طلبی بھی کر سکتی ہیں۔''

"چیف! آپ کی طرف سے کوئی سوال، کوئی ہدایت؟" ڈاکٹر گوئل نے کہا۔

میں نے آنکھیں بند کر کے ذہن کو زور سے جھٹکا اور پھر ڈاکٹر گوئل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن یہ کون لوگ ہیں؟ کیا وردی اور اس علاقے کی نوعیت سے تم اندازہ نہیں لگا سکتے؟"

ڈاکٹر گوئل کی آنکھوں میں مسرت ناچنے لگی۔ اُس نے مسرت بھرے انداز میں کیپٹن کی طرف دیکھا۔ اور پھر خوشی بھرے لہجے میں بولا۔ "یہ سوال ظاہر کرتا ہے کہ چیف کا ذہن سوچنے سمجھنے کی قوتیں حاصل کر رہا ہے۔ لیکن چیف! ابھی اس میں وقت لگے گا۔ اُن لوگوں کی وردی پر کوئی نشان نہیں ہے۔ میں نے گہری نگاہوں سے ان کے ہتھیاروں کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی ساخت کے بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ البتہ بہت جلد ان کی تفصیل آپ کو پیش کر دی جائے گی۔ اس وقت ایک غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، وہ یہ کہ جہاز کی لائبریری میں آرٹن ڈورل سے متعلق اتنی تفصیلات موجود ہیں، جو ہمارے لئے انتہائی خطرناک ہو سکتی ہیں۔ یہ تفصیلات صرف آپ کے لئے مہیا کی گئی تھیں چیف! کیونکہ اس کی قطعی اُمید نہیں تھی کہ جہاز اس طرح دوسروں کے قبضے میں چلا جائے گا....."

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اگر کسی کو آرٹن ڈورل کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں تو بھلا مجھے اس سے کیا پریشانی لاحق ہو سکتی ہے.....؟

اس کے بعد کسی نے کچھ نہیں کہا اور کافی وقت گزر گیا۔ پھر چند افراد اندر داخل ہوئے اور انہوں نے قیدیوں کو باہر نکلنے کے لئے کہا..... اس سلسلے میں انہوں نے نرم انداز میں ہدایات جاری کی تھیں۔ ایک دراز قامت اور لمبوترے چہرے والے شخص نے کہا۔

"آپ لوگ ہمارے قیدی ہیں۔ لیکن ہم آپ کے ساتھ کوئی غیر انسانی سلوک نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں جس مقصد کے لئے آپ کو قید کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی تکمیل درکار ہے۔ اس سے زیادہ ہم آپ سے کچھ نہیں چاہتے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سب تعاون کریں اور کسی بھی قسم کی کارروائی سے گریز کریں۔ ورنہ دوسری شکل میں آپ لوگوں میں سے کسی کی بھی موت پر ہمیں افسوس ہوگا۔ ایک ایک کر کے تمام افراد نیچے اُتر جائیں اور باہر آپ کو جو ہدایات دی جائیں، اُن پر عمل کریں۔"

تمام لوگ کھڑے ہو گئے۔ ان میں، میں بھی شامل تھا۔ اور پھر ہم بیرک کے دروازے

باہر نکلنے لگے۔ ہمیں کچھ فاصلے پر بنی ہوئی ایک دوسری بیرک میں لے جایا گیا، جہاں بے مسلح افراد موجود تھے۔ پھر ہم میں سے ایک ایک شخص کی تلاشی لی گئی اور جس کے ے جو کچھ برآمد ہوا، اُسے ایک طرف ڈھیر کیا جانے لگا۔ کسی کو بھی نہیں چھوڑا گیا تھا۔ ے بعد چند افراد کے درمیان ایک ایک شخص کو گزارا جانے لگا۔ یہ لوگ اپنے ہاتھ میں پڑی ہوئی تصویروں سے ہمارے چہرے ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پہلے اُن تمام افراد شناخت کیا گیا، جو جہاز میں کوئی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے بعد خلاصیوں کی آئی۔ اور جہاز کے عملے کے دوسرے افراد کو پرکھا جانے لگا..... میرے لئے یہی بہتر جیسے دوسرے لوگ عمل کر رہے ہیں، خود بھی وہی سب کچھ کروں۔ چنانچہ میں بھی اُن درمیان سے بغیر کسی دقت کے نکل گیا۔ جب تمام افراد چیک کئے جا چکے تو انجینئر عملے خلاصیوں کو اسی بیرک میں پہنچا دیا گیا۔ لڑکیاں، کیپٹن اور ڈاکٹر گوئل وغیرہ وہیں رُک گئے تھے۔ یقیناً انہیں اس کی ہدایت کی گئی تھی۔

بیرک میں آنے کے بعد میں ایک گوشے میں لیٹ گیا۔ ذہن کو ہر قسم کی سوچ سے آزاد دیا تھا۔ سوچ سوچ کر ذہن تھکانے سے کیا فائدہ؟ دو گھنٹے کے بعد سب واپس آ گئے اور آ کر بیرک میں بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر گوئل اور کیپٹن اس وقت لیڈنگ رول ادا کر رہے تھے۔ لڑکیوں کو انہوں نے سرگوشیوں کے انداز میں ہدایات دیں اور وہ بیرک کی دیواروں کے متعین ہو گئے۔ غالباً باہر کے معاملات کا اندازہ لگا رہے تھے۔ ڈاکٹر گوئل اور کیپٹن ے پاس پہنچ گئے اور ڈاکٹر گوئل نے آہستہ سے کہا۔

"چیف! ان گدھوں کو آرٹن ڈورل کی موت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ وہ لوگ ایسے ملک سے تعلق رکھتے ہیں، جسے ہمارے ذریعے کوئی نقصان پہنچا تھا۔ چند اعلیٰ ان نے، جن کم بختوں کی قومیت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکا، ہم سے مختلف ت کئے اور آرٹن ڈورل کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے کہا کہ باقی ت انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ صرف آرٹن ڈورل کا حصول چاہتے ہیں۔ چیف! بہت سے حلقوں میں اُس ہوائی حادثے کی اطلاع عام ہو چکی ہے اور لاتعداد جاننے کے خواہاں ہیں کہ آرٹن ڈورل کی موت کی تصدیق ہو سکی یا نہیں؟ لیکن یہ سے ناواقف ہیں اور مسلسل یہی سوالات کئے جا رہے ہیں کہ آرٹن ڈورل کہاں

ہے؟ کیا وہ اس جہاز سے سفر نہیں کر رہا تھا وغیرہ وغیرہ۔''

''تو پھر تم نے انہیں یہ کیوں نہ بتا دیا کہ آرٹن ڈورل ہوائی حادثے کا شکار ہو چکا ہے؟''

''مصلحتاً چیف! مصلحتاً.....اس وقت اگر انہیں یہ بات بتا دی جاتی تو اُن کا رویہ تبدیل بھی ہو سکتا تھا۔ اب کم از کم وہ اس خوف کا شکار تو رہیں گے کہ آرٹن ڈورل کی طرف سے اُن کے خلاف کوئی کارروائی ہو سکتی ہے۔''

''میرے خیال میں تو یہ مناسب نہیں تھا۔''

''یقیناً چیف! کم از کم انہیں ہماری زبانی آپ کی موت کی اطلاع نہیں ملنی چاہئے تھی۔ ورنہ یہ لوگ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ہم آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ کو تکلیف ضرور ہو رہی ہوگی چیف! لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ آپ اسی حلئے میں رہیں۔ تاکہ اُن کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہ اختیار کرنے پائیں۔''

''لائبریری کے سلسلے میں تم لوگوں نے کیا، کیا؟''

''کچھ نہیں کیا اس سلسلے میں چیف! اگر آپ کی طرف سے کوئی ہدایت ہو تو...؟''

لیکن اول تو میں ہدایات جاری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ اور اگر کچھ سوچتا بھی تو مناسب نہیں تھا۔ ورنہ پھر مجھے باعمل ہونا پڑتا۔ اور میں ایسی احمقانہ حرکتوں کا شکار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ خاموش ہو گیا۔ ہمیں قید تو کر دیا گیا تھا لیکن زندگی کی ضروریات سے محروم نہیں رکھا گیا۔

دوسرے دن ہمیں بیرک کے باہر چہل قدمی کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی تاکہ ہمارے بدن فٹ رہیں۔ ہمیں شیو وغیرہ کا سامان بھی مہیا کر دیا گیا تھا۔ تیسرے دن ہم سب کو مختلف ٹولیوں میں مختلف بیرکوں میں منتقل کر دیا گیا۔ پتہ نہیں، اس میں کیا مصلحت سمجھی گئی تھی؟ خلاصیوں کی بیرک میں اب میں خلاصیوں کے ساتھ تھا اور اس طرح کوفت سے دوچار ہو گیا تھا۔

چوتھا اور پانچواں دن بھی گزر گیا۔ اس دوران ان لوگوں سے بس اُس وقت ملاقات ہوتی تھی، جب ہم چہل قدمی کرنے کے لئے نکلتے تھے۔ ویسے اس دوران ہماری باقاعدہ نگرانی کی جاتی تھی اور مسلح افراد ہم پر نگاہ رکھتے تھے۔

چھٹے دن چہل قدمی کے دوران ریٹا میرے ساتھ سفر کرنے لگی۔ اُس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ اُس نے غیر محسوس انداز میں کہنا شروع کیا۔

''چیف! آج آپ ان لوگوں کے درمیان گوئل اور کیپٹن کو نہیں دیکھ رہے۔ جہاز کی لائبریری دریافت ہو چکی ہے اور ان دونوں کو معلومات حاصل کرنے کے لئے گرفتار کر کے کہیں اور لے جایا گیا ہے۔ اب حالات خطرناک ہو گئے ہیں۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا، کیا جائے.....؟''

میں نے ریٹا کو، کوئی جواب نہیں دیا۔ خطرناک صورتِ حال کا تو مجھے بھی احساس تھا۔ ہر چند کہ یہاں گزرنے والا وقت بھی برا نہیں تھا۔ اچھا کھانا ملتا تھا اور باقاعدگی سے ملتا تھا۔ چہل قدمی کا وقت بھی تھا اور اس کے بعد بیرکوں میں آرام کے لئے جگہ.....جس حال میں بھی زندگی گزر جائے، بہتر ہے۔ لیکن ایک خوف ہمیشہ جاں گزین رہتا تھا۔ اگر میری شناخت آرٹن ڈورل کی حیثیت سے ہو گئی تو پھر میرا کیا بنے گا.....؟

دوسرے دن چہل قدمی کے وقت ریٹا نے ایک پرچہ میرے ہاتھ میں تھما دیا اور آہستہ سے کہا کہ میں اُسے اپنے لباس میں رکھ لوں اور بیرک میں جا کر دیکھوں.....

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ لیکن جب چہل قدمی کا وقت ختم ہو گیا اور ہم لوگ بیرک میں پہنچ گئے تو میں نے پرچہ کھول کر دیکھا.....انگریزی زبان میں تحریر تھا۔

''چیف! مسٹر گوئل نے انتہائی خفیہ انداز میں ایک پیغام آپ کے لئے بھیجا ہے۔ ہر چند کہ وہ اُن کی قید میں ہیں۔ لیکن شاید کچھ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ آپ کے لئے پیغام یہ ہے چیف! کہ صبح کچھ لوگ بیرکوں کی صفائی کرنے کے لئے آتے ہیں۔ کل صبح بھی ایک آدمی آپ کی بیرک کی صفائی کرنے آئے گا۔ وہ میک اَپ کا ماہر ہے۔ اپنے ساتھ میک اَپ کا سامان لائے گا۔ آپ اپنا حلیہ تبدیل کر لیں اور صفائی کرنے والے کی حیثیت سے اس بیرک سے نکل جائیں۔ صفائی کرنے والا آپ کو بتا دے گا کہ آپ کو کہاں جانا ہے اور کیا کرنا ہے؟ براہِ کرم! اس سے تعاون کیجئے گا..... آگے کے معاملات دوسرے لوگ سنبھال لیں گے۔ اس پرچے کو فوراً ہی ضائع کر دیجئے۔ اس کا نام و نشان تک نہیں ملنا چاہئے.....''

میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ کافی دیر تک میں پرچے کو مٹھی میں دبائے سوچتا رہا

کہ مجھے اُس کے جواب میں کیا کرنا چاہئے؟ بلا وجہ کی مصیبت پڑ گئی تھی۔ جب سب لوگوں کو یہاں سے نکالا جاتا تو میں بھی نکل جاتا۔ بھلا میرا نکلنا کیا ضروری تھا؟ خوامخواہ ایک بار پھر عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ بھاگتا دوڑتا پھروں گا اور یہ لوگ میرا تعاقب کریں گے.....لیکن بہرحال! میں ابھی تک آرٹن ڈورل تھا اور اُن لوگوں سے انحراف بھی میرے لئے مصیبت بن سکتا تھا۔ یہ خلاصی ہی جو آج میری بے پناہ عزت کرتے ہیں، مجھے گردن دبا کر مار ڈالتے، اگر انہیں یہ پتہ چل جاتا کہ درحقیقت میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں۔''

کافی دیر تک سوچتا رہا۔ اور پھر یہی فیصلہ کیا کہ ان کی ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔ میں نے اس کاغذ کے پرزے پرزے کر دیئے اور پھر اُن پرزوں کو بھی ریزہ ریزہ کر ڈالا تاکہ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی کہیں سے دریافت نہ ہو سکے.....

☆.....☆.....☆

رات کو ذرا کم ہی نیند آئی تھی۔ اور پھر شاید سوئے ہوئے زیادہ وقت بھی نہیں گزرا تھا کہ مجھے جگا دیا گیا..... جگانے والا وہی شخص تھا، جو صفائی کرنے آیا تھا۔ چند خلاصی بھی جاگ گئے۔ اُس شخص نے جلدی سے تین چار خلاصیوں کو بیرک کے دروازے پر کھڑا کر دیا، تاکہ باہر کی خبر رکھیں۔ اور اس کے بعد اپنے لباس میں سے سیلوفین کا ایک پیکٹ نکال کر اُس میں سے میک اَپ کا سامان نکالا اور میرے چہرے کی مرمت کرنے لگا..... میک اَپ در میک اَپ ہو رہا تھا۔ خلاصی کی حیثیت ختم کر کے مجھے بیرک کی صفائی کرنے والے کی حیثیت دے دی گئی۔ ہاتھ میں لمبا سا جھاڑو تھما دیا گیا۔ اور پھر اُس شخص نے کہا۔

''آپ جب بیرکوں والے علاقے سے نکلیں گے تو آپ کو سامنے ہی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی ایک عمارت نظر آئے گی۔ جھاڑو لئے ہوئے اُس عمارت میں پہنچ جائیے۔ گیٹ کیپر آپ کو صفائی کے سلسلے میں ہدایات دے گا۔ اُس کی ہدایات پر عمل کیجئے گا اور اس کے بعد جو بھی شخصیت آپ کو وہاں سے نکال لے جانے کے لئے پیشکش کرے، براہِ کرم اُس کی ہدایات پر عمل کیجئے۔ بس! آپ کو اب چلے جانا چاہئے۔''

اُس نے مجھے اپنا لباس بھی دے دیا تھا۔ میں تیار ہونے کے بعد جھاڑو ہاتھ میں سنبھالے باہر نکل آیا۔ بیرک کی دوسری طرف معاملات جوں کے توں تھے اور فوجی لباس والے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ بیرکوں میں ابھی تک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نجانے یہاں کون تھا؟ بہرطور! میں کسی طرف دیکھے بغیر مناسب رفتار سے چلتا ہوا بیرک سے باہر جانے والے راستے پر پہنچ گیا۔ خاردار تاروں کے اس علاقے کا بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک کھٹارہ قسم کی گاڑی پر سبزی کی ٹوکری لادے ہوئے اندر آ رہا تھا۔ جب اُس کی گاڑی اندر داخل ہوئی تو میں اس کی آڑ میں ہی باہر نکل گیا۔ دروازے پر کھڑے ہوئے پہرے داروں نے میری طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ اور اب میری نگاہیں

اُس سرخ مکان کو تلاش کر رہی تھیں، جن کے بارے میں مجھے ہدایات دی گئی تھیں۔

سرخ اینٹوں کا بنا ہوا مکان تقریباً نصف فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ اس تک پہنچنے کے لئے ایک خندق کو عبور کرنا پڑتا تھا، جس پر لکڑی کے تختوں کا عارضی پُل بنا دیا گیا تھا۔ یہاں سمندر کے کنارے اس کیمپ کے تحفظ کے لئے انتہائی معقول بندوبست کیا گیا تھا۔ اندازہ نہیں تھا کہ سرخ اینٹوں کا مکان یہاں تنہا ہے یا اس کے آس پاس اور آبادی بھی ہے؟ ان تمام اندازوں کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ڈاکٹر گوئل وغیرہ نے مجھے اُس کیمپ سے نکالنے کے لئے نجانے کیا ترکیب استعمال کی تھی؟ اور نجانے کس طرح ان میں سے ایک آدمی کو توڑ لیا تھا جس نے میری حیثیت اختیار کر کے قیدی بننا منظور کر لیا تھا.....

یہ معمولی بات نہیں تھی کہ اتنے مختصر وقت میں اُن لوگوں نے اتنی زبردست کارروائی کر لی تھی۔ پُل عبور کر کے بالآخر میں سرخ اینٹوں کے بنے ہوئے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ جیسا کہ مجھے ہدایت کی گئی تھی، میں اُسی پر عمل کر رہا تھا۔ دروازے پر صرف ایک شخص تھا۔ جس کے ہاتھ میں سنگین لگی ہوئی رائفل دبی ہوئی تھی۔ اُس نے کرخت لہجے میں مجھ سے کہا کہ اپنا کام جلد ختم کر کے واپس آ جاؤں۔ اور میں گردن خم کر کے اندر داخل ہو گیا.....

سرخ اینٹوں کی یہ عمارت کسی قدیم اور عظیم الشان حویلی کی مانند تھی۔ جگہ جگہ فصیل نما مینار بنے ہوئے تھے، جن کی شکل کچھ عجیب سی تھی۔ میں ایک چوڑی راہداری سے گزر کر برآمدے میں پہنچا اور دکھانے کے لئے یونہی جھاڑو دینے لگا۔ پھر راہداری سے گزر کر میں ایک بڑے ہال نما کمرے میں داخل ہوا تو میں نے ایک بوڑھی عورت کو ایک چھوٹی سی میز کے قریب کھڑے دیکھا۔ آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے وہ کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ دوسرا ہاتھ میز کی سطح پر رکھا ہوا تھا۔ اُس کے بدن پر ایک اُونی لمبا کوٹ تھا۔ عمر پینسٹھ اور ستر سے کم نہیں ہوگی۔ بدن صحت مند تھا اور چہرے پر بہت کم جھریاں نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں مجھے مخاطب کیا۔

"تم آ گئے..... یہ جھاڑو پھینک دو اور میرے ساتھ آ جاؤ....."

غالباً جس شخصیت کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ جو کچھ کہے، میں وہی کروں، وہ شخصیت اسی بوڑھی عورت کی تھی۔ میں نے جھاڑو پھینک دی اور اُس کے پیچھے چلتا ہوا اُس

بڑے ہال نما کمرے کے اندرونی دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ بوڑھی کسی قدر لنگڑا کر چل رہی تھی۔ اور اُس کی چال بڑی مضحکہ خیز تھی۔ ہال کے دروازے سے گزر کر ہم ایک اور راہداری میں پہنچ گئے جو عمارت کے عقبی حصے میں کھلتی تھی۔ عقبی حصے میں ایک احاطہ نظر آ رہا تھا اور اُس احاطے کے دوسری طرف سامنے کے گیٹ سے زیادہ چوڑا ایک گیٹ بھی تھا۔ عمارت کے عقبی حصے میں ایک پرانی مرسڈیز کھڑی ہوئی تھی، جس کا پچھلا حصہ کھول کر بوڑھی عورت نے مجھے اندر داخل ہونے کے لئے کہا۔ اور پھر اپنے مخصوص لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تمہیں لیٹ کر سفر کرنا پڑے گا۔ کسی کو یہ اندازہ نہیں ہونا چاہئے کہ میری گاڑی میں میرے علاوہ کوئی اور بھی ہے....."

مرسڈیز کا پچھلا حصہ بہت کشادہ تھا۔ لیکن میں گٹھری بن کر لیٹ گیا اور بوڑھی عورت نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی..... کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ یہ تو واقعی کمال ہو گیا تھا..... آخر ان لوگوں کا تعلق اُس بوڑھی عورت یا اُن افراد سے کیسے قائم ہوا جو مجھے یہاں سے فرار کرانے کے لئے تیار ہو گئے تھے؟ کیونکہ جو کچھ ہوا تھا، اچانک ہی ہوا تھا اور یہ نہیں سمجھا جا سکتا تھا کہ ان لوگوں کو بھی اپنے گرفتار کرنے والوں کی حقیقت معلوم ہو گئی ہے۔ بہرطور! سوچنے سمجھنے اور دماغ کھپانے کو میں حماقت سمجھتا تھا کیونکہ میں وہ نہیں تھا جو سمجھا جا رہا تھا۔ اور اب تو یہ سب کچھ سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہوگا..... ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں تھا جو میری مرضی کا تابع ہوتا اور میری خواہش کے مطابق گزرتا۔

مرسڈیز نجانے کہاں کہاں سے گزری۔ باہر کے مناظر میری نگاہوں سے اوجھل تھے۔ میں گٹھری بنا ہوا پڑا تھا۔ کمر درد کر رہی تھی۔ مرسڈیز کا سفر بھی کم نہیں تھا۔ ویسے خوش قسمتی تھی کہ چکنی اور شفاف سڑک پر جا رہی تھی۔ اگر اس حالت میں سڑک خراب ہوتی تو میرے کل پرزے پھڑ ڈھیلے ہو گئے ہوتے۔ یا خدا.....! ان ہنگامہ خیزیوں کا کہیں اختتام بھی ہے یا یہ سب کچھ زندگی کی آخری سانس تک اسی طرح جاری رہے گا.... میں نے سوچا۔ بوڑھی کمبخت عورت، شاید مجھے ان سیٹوں کے درمیان لٹا کر بھول گئی تھی۔ کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ اطراف میں خاموشی ہے۔ لیکن اُس نے مجھے اُٹھنے کے لئے نہیں کہا۔ اس کی اجازت کے بغیر میں اٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا، جیسے میں

ہمیشہ کے لئے کبڑا ہو کر رہ گیا ہوں۔

بالآخر یہ سفر ختم ہو گیا اور بوڑھی عورت نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے
مجھے بھی اُٹھنے کے لئے کہا اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میری کمر بری طرح دُکھنے لگی تھی۔
نے مسکرا کر مجھے دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

''اب سب ٹھیک ہے۔ تم اطمینان سے میرے ساتھ آ سکتے ہو.....''

میں اُس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تو وہ رُک کر میرے برابر آ جانے کا انتظار کرنے لگی
اور جب میں قریب پہنچا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''مجھے خوشی ہے کہ اب تم بھی میری طرح کبڑے ہو
کر چلنے کے قابل ہو گئے ہو۔''

اس مذاق پر مجھے ذرا بھی ہنسی نہیں آئی تھی۔ میں جھنجلائے ہوئے انداز میں اُس کے
ساتھ چلتا رہا۔ اور پھر میری نگاہیں اطراف کا جائزہ لینے لگیں۔ ایک خوشنما جگہ تھی۔
رنگ کے تقریباً دو فٹ اُونچے پودے، پھولوں سے لدے کھڑے تھے اور اُن کا احاطہ
وسیع تھا۔ سامنے ہی ایک چھوٹی سی عمارت نظر آ رہی تھی، جو سفید تھی۔ وسیع و عریض علا
میں اس عمارت کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ میرا دل چاہا کہ بوڑھی عورت سے اس علا
کے بارے میں پوچھوں۔ لیکن یہی سوچ کر خاموش رہا کہ کہیں پھر کھیل نہ بگڑ جائے......
کم از کم ڈاکٹر گوئل کو مجھے یہ تو بتا دینا چاہئے تھا کہ میرا اپنا کردار کیا ہو گا؟ یا آگے مجھے
کرنا چاہئے.....ایک لفظ بولتے ہوئے دل ڈرتا تھا کہ کہیں وقت سے پہلے کسی مصیبت میں
نہ پھنس جاؤں۔ چنانچہ خاموشی سے چلتا ہوا اُس کے ساتھ عمارت میں داخل ہو گیا۔

اندر پہنچ کر بوڑھی عورت ایک کمرے کا دروازہ کھولنے لگی، جس کی چابی اُس کے پاس
موجود تھی۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ یہ علاقہ اُسی کا ہے۔ لیکن اُس کے علاوہ یہاں اور کوئی
نہیں آتا تھا۔ وسیع و عریض کمرے میں داخل ہونے کے بعد اُس نے ناقدانہ نگاہوں سے
مجھے دیکھا اور ناک سکوڑ کر بولی۔ ''تمہارا حلیہ تو بے حد خراب ہے۔ اور یہ چہرہ...... نہیں
بھئی! بدنما چہرے مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ تم اپنی اصلی شکل میں آ جاؤ.....''

میں نے طنزیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ کمبخت خود آلو کی نسل سے تعلق رکھتی ہے اور بد
چہرے اس سے اس عمر میں بھی برداشت نہیں ہوتے۔ لیکن بہرطور! اس وقت وہ میری
نجات دہندہ تھی۔ چنانچہ میں نے اُس کی ہدایت کا احترام کیا اور اپنا اصل چہرہ نمایاں

یا۔ وہ مجھے دیکھ کر پُر مسرت انداز میں مسکرانے لگی۔ اور پھر معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ کر
گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''گڈ.....ویری گڈ.....اَب تو تمہارے لئے نئے لباس کا بندوبست بھی کرنا پڑے گا۔''

ایک الماری کے قریب پہنچ کر اُس نے اپنی کمر کے گرد بندھے ہوئے چابیوں کے گچھے
کی مدد سے الماری کھولی اور اُس میں سے کچھ سوٹ نکال نکال کر سامنے ڈال دیئے۔ پھر وہ
اُن سوٹوں کو میرے بدن پر فٹ کر کے دیکھنے لگی۔ اور بالآخر ایک بھورے چمڑے کا کوٹ
اور گہری براؤن کلر کی پتلون کا انتخاب اُس نے میرے لئے کیا۔ اس کے ساتھ ہی کریم کلر
کی ایک جرسی بھی نکال لی اور ایک طرف اشارہ کر کے بولی۔

''وہ سامنے باتھ رُوم ہے۔ جاؤ! اپنا حلیہ درست کر لو۔ میں تمہیں آدھا گھنٹہ دے سکتی
ہوں۔''

میں خون کے گھونٹ پی کر باتھ رُوم کی جانب بڑھ گیا۔ نہانے کا تصور اس وقت بے حد
دلکش تھا۔ پانی کے نام کے ساتھ ہی بدن میں کھلبلی ہونے لگی تھی۔ انتہائی صاف شفاف باتھ
رُوم تھا اور نہانے کا معقول ترین بندوبست..... چنانچہ شاور کے نیچے کھڑا ہوا تو ہٹنا بھول
گیا۔ اور جب اُس نے اُنگلی سے دروازہ کھٹکھٹایا، تب ہی چونکا۔

''بس! اب باہر نکل آؤ۔ زیادہ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔''

میں نے جلدی جلدی اُس کا دیا ہوا لباس پہنا اور غسل خانے کا دروازہ کھول کر باہر نکل
آیا۔ لیکن جونہی میری نگاہ اُس پر پڑی، میں ٹھٹک کر وہیں رُک گیا۔ میں نے تعجب سے
اِدھر اُدھر دیکھا۔ بوڑھی عورت کہیں موجود نہیں تھی۔ بلکہ اب میں ایک نوجوان اور خوش شکل
لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جو انتہائی نفیس قسم کی پتلون اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ کمر میں سٹیل کی
زنجیری پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ہاتھوں میں دستانے نظر آ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر اُس نے کہا۔

''چلو آؤ! ناشتہ تیار ہے۔''

میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ جب بوڑھی عورت مجھے یہاں لائی تھی تو مجھے احساس ہوا
تھا کہ اس عمارت میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ لیکن وہ میری غلط فہمی تھی۔ میں نے
مدہم لہجے میں پوچھا۔

''وہ میڈم.....وہ.....میرا مطلب ہے جن کے ساتھ.....؟''

''میں ہی ہوں وہ.....آؤ! ناشتہ تیار ہے۔ دیر مت کرو۔'' اُس کے حلق سے بوڑھی
آواز نکلی اور میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ بجیسا بوڑھی عورت
کے میک اَپ میں تھی۔لیکن اُس کی مہارت قابل دید تھی۔ جب وہ بوڑھی عورت بنی ہوئی
تھی تو اُس کا بدن بھاری نظر آ رہا تھا۔ چال بھی عجیب وغریب تھی اور آواز بھی..... یہ انداز
اختیار کرنا معمولی لوگوں کا کام نہیں ہوتا۔ میک اَپ کر کے اگر جسم کی حرکات وسکنات اور
آواز پر قابو نہ پایا جا سکے تو میرے خیال میں میک اَپ بے مقصد ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی اونچی
ہی چیز تھی۔

ناشتے میں کافی، اُبلے ہوئے انڈے اور پنیر کے توس تھے۔ یہ چیزیں بھی جلدی تیار ہو
سکتی تھیں۔ چھوٹی سی میز پر ناشتے کی ٹرے رکھی ہوئی تھی۔ اور صرف دو کرسیاں تھیں۔ وہ
میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

''تم بہت زیادہ حیران ہو۔لیکن کیا تمہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ میں میک اَپ میں ہوں
گی؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور کافی کی پیالی اپنے قریب کھسکا کر دو تین چھوٹے
چھوٹے گھونٹ لئے۔ وہ انڈہ کھا رہی تھی۔ پھر اُس نے کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے
کہا۔''اس سے پہلے کہ تمہارے فرار کی خبر دوسرے لوگوں کو ہو جائے، ہمیں یہاں سے نکل
چلنا چاہئے۔ کیونکہ یہاں ہمارے لئے معقول بندوبست نہیں ہے۔''

میں نے گردن ہلائی اور جلدی جلدی دو سینڈوچز کھا کر ایک انڈہ نگلا اور کافی کی پیالی
خالی کر دی۔ وہ قریب رکھے ہوئے ٹشو پیپر سے ہونٹ خشک کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اُس
نے چٹکی بجا کر مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور ہم لوگ اُس چھوٹی سی عمارت کے بغلی
حصے سے باہر نکل آئے۔ داخل ہوتے ہوئے میں نے اُس چھوٹے سے رنگین پروں والے
ٹرائیڈنٹ کو نہیں دیکھا تھا جو ٹو سیٹر تھا اور عمارت کے ایک حصے میں کھڑا ہوا تھا۔ مجھے شدید
حیرت ہو رہی تھی۔ میرے ساتھ چلنے والی لڑکی کی عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ کی نہیں ہو
گی اور اب وہ بے حد سمارٹ نظر آ رہی تھی۔ کون ہے یہ.....؟ میرا ذہن سوچ رہا تھا۔ لیکن
اس سوچ کا جواب میرے فرشتے بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سب کچھ میرے لئے ایک
طلسم کی حیثیت رکھتا تھا۔

ب سے پہلا سوال تو یہی تھا کہ آخر دورانِ قید وہ لوگ اس قسم کی کوئی کارروائی کرنے
یں طرح کامیاب ہو گئے؟ یہ تمام سوچیں میرے ذہن تک محدود رہیں اور لڑکی اُس
ہیورٹ ٹرائیڈنٹ تک پہنچ گئی۔ اُس نے دروازہ کھول کر مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور
ے اوسان خطا ہو گئے.....اس سے قبل کسی ایسے طیارے میں نہیں بیٹھا تھا۔ لیکن کانپتے
ذہنوں سے اندر جا بیٹھا۔ جگہ اتنی ہی تھی کہ میں اس میں فٹ ہو جاؤں..... میرے سامنے
ین سیٹ لگی ہوئی تھی۔ لڑکی نے ایک بٹن دبا دیا اور ہم دونوں کے اُوپر شیلڈ آ چڑھی۔ اُس
ے اطمینان سے طیارے کا انجن سٹارٹ کیا اور میری گھگی بندھ گئی۔ وہ اُس وقت مجھ سے
بات کرتی تو یقیناً میرے منہ سے ایسی ہی آوازیں نکلتیں جیسے تھوڑی دیر قبل بوڑھی عورت کی
حیثیت سے خود اُس کے منہ سے نکل رہی تھیں۔

طیارے نے دوڑ لگائی تو میں نے مضبوطی سے دانت بھینچ کر آنکھیں بند کر لیں اور جب
فضا میں بلند ہوا تو مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے میرے گردے اور پھیپھڑے وغیرہ منہ میں
گھس آئے ہوں۔ کافی دیر تک وہ گولی کی طرح فضا کی طرف بلند ہوتا چلا گیا۔ اور پھر ایک
مخصوص بلندی تک پہنچنے کے بعد سیدھا ہو گیا.....

لڑکی اس دوران طیارے کو اُڑانے میں مصروف رہی تھی۔ اس لئے اُسے میری کسی
کیفیت کا احساس نہ ہو سکا۔ لیکن تھوڑی دُور چلنے کے بعد اُس نے مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔

''تم نے اپنا نام نہیں بتایا؟'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کیا مطلب..... تمہیں میرا نام نہیں معلوم؟'' میں نے چیخ کر پوچھا۔

''نہیں۔ اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔'' اُس نے جواب دیا اور پھر تھروٹل دبا کر
طیارے کا رُخ ایک سمت کاٹ دیا۔

چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی تھی۔ اُس کے ان الفاظ کا مطلب ہے کمبخت گوئل کو
پرچے میں تھوڑی سی تحریر اور بڑھا دینی چاہئے تھی۔ کم از کم مجھے ہدایات تو دے دیتا کہ
مجھے کرنا کیا ہے؟ لڑکی نے طیارے کو کنٹرول کیا اور بولی۔ ''بتایا نہیں تم نے اپنا نام.....''

''ممن..... منصور.....!''

''کیا.....؟ ممن..... ممن کیا.....؟'' لڑکی نے کہا۔

''میرا مطلب ہے منصور.....''

''مجھ سے تو یہ نام بنے گا بھی نہیں۔ عجیب وغریب نام ہے۔ کون سے خطے کے باشندے ہو؟''

''ایشیائی ہوں۔'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔

''تعجب ہے۔ ڈیگورا میں کہاں سے آ پھنسے تھے؟'' اُس نے سوال کیا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ کاش میں اُس سے کہہ سکتا عزیزہ! جس جگہ کا تم نے نام لیا ہے، مجھے اس جگہ کا نام تک معلوم نہیں ہے۔ لیکن صاحب! کیا، کیا جا سکتا ہے.... میں نے اُس کے سوال کے جواب میں کہا۔

''بس میڈم! حالات یہاں تک لے آئے تھے۔''

''پتہ نہیں میرے کام کے ثابت ہو بھی سکو گے یا نہیں۔''

میں نے دل میں سوچا کہ اگر موقع مل جائے تو میں آپ کا کام ہی تمام کر دوں۔ لیکن اُس وقت تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ طیارہ بلندیوں پر تھا اور میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ ''پھر بھی میں تمہارا نام مانصور لے سکتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ ہمت آج تک کسی نے نہیں کی۔'' میں نے جواب دیا۔

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرے نام کا صحیح تلفظ کسی سے نہیں بنتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''نام ہی ایسا ہے کوئی کیا کر سکتا ہے ویسے خوبصورت آدمی ہو۔ یقیناً ڈیگل نے تمہارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا ہوگا۔''

یہاں بھی سر پیٹنے کو جی چاہتا تھا کیونکہ یہ نام بھی میں نے پہلی بار ہی سنا تھا۔ لیکن سر پیٹنے کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ اس کے لئے دونوں ہاتھ اٹھانا پڑتے اور بھلا ہاتھ اٹھانے کی جگہ تھی کہاں۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد اس نے پوچھا۔

''تم نے میرا نام نہیں پوچھا؟''

''انتظار کر رہا ہوں کہ تم خود ہی بتا دو۔''

''ڈل ہونے کی کوشش مت کرو۔ اجنبیت کی دیواریں اس طرح نہیں ٹوٹتیں۔ انہیں ڑنا پڑتا ہے اور پھر ضروری نہیں ہے کہ ایک خطرناک آدمی اپنے آپ کو لئے دیئے ہی کھے۔ دوستی اچھی چیز ہوتی ہے کیا تم مجھ سے متفق نہیں ہو؟''

''کیوں نہیں...... کیوں نہیں۔'' اس کے علاوہ میں اور کیا جواب دے سکتا تھا۔ اس نے بز کہا۔

''میرا نام لیری کوئن ہے۔'' میں نے اس خوبصورت نام کی کوئی تعریف نہیں کی تھی۔ اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھنے کی کوشش کی اور...... سامنے کی جانب متوجہ ہوگئی۔

طیارہ فضا کی وسعتوں میں پرواز کر رہا تھا اور نیچے آبادی نظر آ رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے، ننھے منے مکانات جنہیں اس حالت میں مکان کہتے ہوئے بھی شرم آتی تھی۔

طیارہ تقریباً پینتیس منٹ تک سفر کرتا رہا تھا پھر ایک دریا نظر آیا جو بل کھاتا ہوا نجانے کہاں سے کہاں تک چلا گیا تھا۔ دریا کے دوسری جانب ایک وسیع وعریض سبز قالین بچھا ہوا نظر آ رہا تھا جس کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے اختتام پر ایک ننھا سا مکان کی شکل کا کھلونا بھی رکھا ہوا تھا۔ قالین کے اطراف میں ایک لکیر بھی نظر آ رہی تھی۔ جو بالکل چوکور تھی۔ طیارہ کچھ اور نیچے آیا تو یہ چیزیں واضح ہوگئیں سبز قالین گھاس کا ایک بڑا میدان تھا۔ اطراف کی چوکور لکیر اس مکان کے گرد احاطہ اور وہ جسے میں نے ایک چھوٹا سا ننھا سا کھلونا سمجھا تھا۔ ایک خوبصورت مکان تھا۔ طیارہ اور نیچے آ گیا لڑکی اُسے اینگل پر لانے کی کوشش کر رہی تھی اور پھر اس نے طیارہ گھاس کے اسی میدان پر اتار دیا۔ ایک بار پھر میرے پیٹ میں گڑبڑ ہونے لگی تھی لیکن جو کچھ بھی ہوتا برداشت کرنا تھا، سو کیا اور جب طیارہ رُکا تو اتنے زور سے چکر آیا، جیسے سب کچھ الٹ گیا ہو۔ لڑکی نے کاک پٹ ہٹایا اور نیچے کود گئی۔ اب مجھ جیسے خطرناک آدمی کے لئے یہ ضروری تھا کہ کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کئے بغیر میں بھی نیچے کود جاؤں۔

چنانچہ دل پر جو بھی بیتی ہو، اعضا کی جو بھی کیفیت ہوئی ہو، اس کا ذکر بے مقصد ہے مُنا ای دلیری کا مظاہرہ کرتا ہوا خود بھی نیچے آ گیا۔ لیری کوئن میرے ساتھ ساتھ، اس عمارت کی جانب بڑھنے لگی۔ مکان پرفضا جگہ پر واقع تھا اور جسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ اس حسین علاقے کو کھلا رکھنے کے لئے کتنی دولت خرچ کی گئی ہے اسی کے مطابق اندر

سے بھی شاندار تھا۔ ایئر کنڈیشنر لگے ہوئے تھے دو تین ملازم نظر آئے جنہوں نے مؤدبانہ
انداز میں لیری کوئن کا استقبال کیا لیکن وہ کسی سے مخاطب ہوئے بغیر میرے ساتھ اندر
داخل ہوگئی۔ اس نے مجھے ایک کمرہ دکھاتے ہوئے کہا۔

''مسٹر مون ..... اوہ گڈ! کیا خیال ہے آپ کا، اگر میں آپ کے نام کا تھوڑا سا حصہ اڑا
ختم کر دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور
کہا۔

''آپ مجھے جتنا بھی چاہیں، باقی رہنے دیں مس کوئن۔''

''گڈ..... ویری گڈ..... تو میں آپ کو صرف مسٹر مون کہوں گی۔ یہ نام مختصر اور دلکش ہے
تو ڈیئر مسٹر مون، یہ کمرہ آپ کی رہائش کے لئے ہے۔ باقی تفصیلات کے لئے کوئی جلدی
نہیں ہے آپ اطمینان سے اس میں قیام کریں میں آپ کے لئے لباس وغیرہ کا بندوبست
کئے دیتی ہوں۔ اگر مجھے واپسی میں کچھ دیر ہو جائے تو آپ بالکل فکر نہ کریں یہاں تین
ملازم ہیں ان میں سے ایک آپ کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا اور ضرورت کی ہر چیز آپ
اس سے طلب کر سکتے ہیں۔''

''او کے۔'' میں نے گردن ہلائی اور جب وہ باہر چلی گئی تو میں دھڑام سے مسہری پر آ
پڑا اور ذہن خالی کر کے چھت کو گھورتا رہا۔ اب تو سوچنے کے لئے بھی میرے پاس کچھ نہیں
تھا۔ نجانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا جب کوئی بھی میرے پاس نہیں آیا تو میں خود ہی
اٹھا۔ اٹیچ باتھ میں جا کر منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور ابھی غسل خانے سے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک
ملازم میرے لئے بہت سے لباس لے کر آ گیا پھر اس نے ایک طرف لگی ہوئی الماری کھول
کر اس میں موجود زنانہ کپڑے نکال کر باہر انبار کئے اور میرے لباس ہینگر میں ٹانگ
کر الماری میں لٹکا دیئے پھر وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کسی شے کی ضرورت جناب؟''

''مس کوئن کہاں ہیں؟''

''وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔''

''نہیں شکریہ۔'' میں نے جواب دیا اور اس کے بعد ملازم چلا گیا تو میں اپنے لباس
دیکھنے لگا۔ برانڈ نیو تھے اور بازار سے خریدے گئے معلوم ہوتے تھے۔ ساری زندگی ہی

ایک چیز مشترک رہی تھی میں نے اپنے لئے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو لیکن کسی بھی حیثیت سے
میرے لئے کچھ کرنے والے بہت سے پیدا ہو جاتے تھے اور عام طور سے یہی ہوا تھا یہاں
بھی کہ خالہ شہادت کی کھولی میں خالہ شہادت نے میری نگرانی کے فرائض سنبھال رکھے
تھے۔ گالیاں، کوسنے خرچ کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن ان کی ادائیگی بڑی عمدہ ہوتی تھی۔
خالہ شہادت ..... کبھی کبھی میرے کپڑے دھو کر استری بھی کر دیا کرتی تھی۔ میں نے اپنے
لئے بہت کم ہی کچھ کیا تھا بعد میں بھی کچھ نہ کچھ کرنے والے ملتے رہتے تھے اور یہ سلسلہ آج
تک جاری تھا۔ اصولی طور پر میری حیثیت ایک ایسے یتیم انسان کی تھی جس پر رحم کھا
کر دوسرے ہی کچھ کیا کرتے تھے یا پھر میری ذات سے کسی نہ کسی کا کوئی ایسا مقصد وابستہ
ہو جاتا تھا کہ وہ میری دوسری ضروریات کو بھی مدنگاہ رکھتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ حقیقت
کا علم ہو جانے کے بعد ایسی پٹخنی دی جاتی تھی کہ میں چاروں شانے چت ہو جاتا تھا اب یہ
خاتون لیری کوئن جہاز کے سفر میں مجھے مختصراً جو کہانی سنا چکی تھی اس کا سر پاؤں بھی میری
سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ جگہ جہاں ہم قید تھے ڈیگورا کے نام سے پکاری
جاتی تھی اور جس شخص نے اُس خاتون کی فرمائش کی تکمیل کی تھی، اُس کا نام ڈیگل تھا۔ باقی
اس سے زیادہ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔

شام کو تقریباً پونے آٹھ بجے لیری کوئن واپس آ گئی۔ اس وقت وہ سبز کاہی رنگ کے
اسکرٹ میں کسی اسکول کی بچی ہی معلوم ہو رہی تھی بالوں میں سبز ربن بندھے ہوئے تھے اور
گھٹنوں تک موزے چڑھے ہوئے تھے اپنی عمر سے بہت چھوٹی لگ رہی تھی وہ۔ لیکن میں
اس کی بے پناہ دلکشی کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیا کرتا یہ کیفیت کم بخت ابلیس نے مجھے
برباد کر کے عطا کی تھی نہ میں اس کی خاندانی شراب پیتا اور نہ میرا خانہ خراب ہوتا لیکن اب
مجبوریاں پیدا ہوگئی تھیں۔ وہ مجھ سے میری دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں پوچھنے لگی
اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس کے جانے کے بعد سے اب تک صرف اپنے کمرے
میں محدود رہا ہوں تو اس نے حیرانی سے کہا۔

''تمہیں اکتاہٹ نہیں ہوتی ڈیئر مون۔ باہر کا موسم بہت خوبصورت ہے اور ہم نے
یہاں اپنے لئے بڑی دلکشی فراہم کر لی ہے۔ آؤ ذرا باہر نکل کر دیکھو۔ بادلوں کی چھاؤں میں
ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں اور موسم بے حد خوش گوار ہو گیا ہے میں نے تمہارے لئے

لباس بھیجے تھے۔ یقیناً تمہیں پسند آئے ہوں گے اور تمہارے بدن پر بالکل فٹ بھی ہوں گے۔''

''شکریہ کوئن! مگر میرے لئے یہ زیادہ دلچسپ بات ہوگی کہ تم مجھے اپنا مقصد بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ مجھے تمہارے لئے کیا کرنا ہوگا؟''

''یقیناً! وہ لوگ جو زندگی میں ہمیشہ اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہوتے ہیں آرام کو پسند نہیں کرتے لیکن کبھی کبھی اپنی فطرت کے خلاف تھوڑا بہت سکون کا وقت بھی گزارنا چاہئے تاکہ صلاحیتیں جمع ہو جائیں۔ میرا خیال ہے تمہیں اس کے لئے زیادہ دیر پریشان نہیں ہونا پڑے گا۔ مجھے کسی کا انتظار ہے وہ آ جائے تو پھر تم سے کاروباری گفتگو ہوگی۔ آؤ، باہر آؤ۔ پلیز..... تھوڑی دیر چہل قدمی کریں گے۔''

میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا وہ بچوں ہی کی طرح گھاس پر اٹکھیلیاں کرتی ہوئی چل رہی تھی اب یہ دوسری بات ہے کہ مجھ جیسے پریشان حال شخص کو، کوئی بھی چیز پسند نہ آئے اس نے مجھے شاندار کارکردگی کا مالک کہا تھا اور یہ اس دور کی سب سے مضحکہ خیز بات تھی۔ میری کارکردگی جس قدر شاندار رہی تھی اگر اس کی مکمل تفصیل اس لڑکی کو معلوم ہو جائے تو بلاشبہ اس کو خوشی ہوگی لیکن ضرورت کیا تھی، مجھے کیا پڑی تھی جو اِن لمحات کو ہاتھ سے جانے دیتا وہ وقت تو خود بخود قریب آ جائے گا جب یہاں سے بھی مجھے کان سے پکڑ کر نکال دیا جائے گا یا پھر کہیں ایسی جگہ جھونک دیا جائے گا جہاں مصیبتیں منہ کھولے میرا انتظار کر رہی ہوں گی بس یہ تو ہمیشہ ہی ہوتا رہا تھا۔ دھوپ چھاؤں آنکھ مچولی۔ یہی سب کچھ میری زندگی تھی جہاز کو اڑا کر لانے والی بوڑھی عورت کے میک اَپ میں مجھ سے ملنے والی یہ شاطر لڑکی اس وقت بالکل ہی ایک الہڑ اور نوخیز حسینہ نظر آ رہی تھی لیکن اپنی نظروں کی حفاظت ضروری تھی تاکہ برا وقت جلد نہ آ جائے۔ ہم میدان کے آخری سرے تک چلے گئے اور پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔

رات کا کھانا نہایت پرتکلف تھا اور اس احساس کے ساتھ کہ صبح کے ناشتے میں ممکن ہے لاتیں، تھپڑ اور گھونسے ملیں۔ میں نے اس کھانے کو غنیمت سمجھ کر اچھی طرح پیٹ بھر کر کھایا۔ ساڑھے گیارہ تک لیری کوئن میرے ساتھ باتیں کرتی رہی ان باتوں کے دوران میں نے اس علاقے وغیرہ کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی تھیں اور گہرا سانس لے کر رہ گیا تھا

بہت زیادہ فاصلے نہیں طے کئے تھے میں نے .....اور جانی پہچانی جگہ پر ہی تھا۔ بہرحال اس کے بعد لیری کوئن مجھے آرام کرنے کا مشورہ دے کر واپس چلی گئی۔ اگر خواب آور دوا ہوتی تو اس کی اتنی مقدار کھا کر سکون کی نیند سو جاتا کہ پھر کوئی الجھن باقی نہ رہتی لیکن اپنی تمام قوتوں کو جمع کر کے دماغ کو خالی رکھنے اور سونے کی کوشش کرنے لگا اور تھوڑی دیر بعد اس میں کسی حد تک کامیابی نصیب ہوگئی۔

لیکن ابھی نیند گہری بھی نہیں ہوئی تھی کہ کسی کھٹکے سے آنکھ کھل گئی۔ بغلی کھڑکی سے کوئی اندر داخل ہوا تھا مدھم روشنی میں، میں نے اس کا ہیولا دیکھا اور میرے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہوگئی۔ چست بدن کا ایک دراز قامت آدمی تھا۔ لیکن جسم پر لباس منڈھا ہوا تھا اور چہرے پر نقاب چڑھی ہوئی تھی۔ نقاب میں آنکھوں کی جگہ دو گول سوراخ تھے اور باقی چہرہ میری نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ میں آدھے بدن سے اُٹھ کر مسہری پر بیٹھ گیا اور پھر میں نے کرخت لہجے میں اس سے کہا۔

''کون ہو تم؟ کیا بات ہے؟'' اس نے زبان سے کچھ کہنے کی بجائے، ہاتھ سے جواب دیا اور اچانک ہی اس کا گھونسا میری ٹھوڑی پر پڑا تھا۔ ایسا زبردست گھونسا تھا کہ ایک لمحے کیلئے آنکھوں کے سامنے اندھیرا اچھا گیا۔ سر مسہری کی پشت سے ٹکرایا اور پاؤں خود بخود بلند ہو گئے لیکن اس طرح میرے پاؤں اُس کے سینے سے جا لگے تھے اور اُس نے جس انداز میں میرے اوپر مسہری پر چھلانگ لگائی تھی میرے پیروں پر رک کر اپنے مقصد میں ناکام رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی دونوں پاؤں زور سے جھٹکے اب یہ پتہ نہیں کہ وہ آدمی ہی ہلکا پھلکا تھا یا اس وقت غیر اختیاری طور پر میرے پیروں کی قوت بڑھ گئی۔ وہ فضا میں بلند ہو کر دیوار سے ٹکرایا اور نیچے آ رہا، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ سنبھلا اور اس نے ایک بار پھر مسہری کی طرف چھلانگ لگا دی۔ غالباً وہ چاہتا تھا کہ میں مسہری سے اٹھ نہ سکوں لیکن اس بار جیسے ہی وہ میرے قریب آیا میں نے پہلے جیسی کوشش کر ڈالی اور اس کے سینے پر ایک زور دار لات پڑی۔ بلاشبہ ایسے ہی لگا تھا جیسے میں نے کسی دیوار میں لات ماری ہو اس نے اس بار میرے پاؤں پکڑ کر خود کو گرنے سے روکا اور اس کے بعد دفعتہ گھوم گیا۔ گھومتے ہی اس نے میرے پکڑے ہوئے پاؤں کو مروڑ کر مجھے مسہری سے نیچے پھینک دیا لیکن یہاں بھی میری قوتوں کا دخل نہیں تھا۔ میں نیچے گرا لیکن اس طرح سیدھا ہو گیا جیسے اسپرنگ کا گڈا

ہوں۔ آہستہ مجھے یہ بات تسلیم کرلینا پڑی تھی کہ نقاب پوش، گوشت پوست کا بنا ہوا نہیں بلکہ فولادی انسان ہے اور اس پر قابو پانے کے لئے اگر میں نے شدید جدوجہد نہ کی تو وہ مجھے پیس کر رکھ دے گا۔ اس نے ایک بار پھر مجھ پر حملہ کر دیا تھا کھڑے ہاتھ کی ضرب اُس نے میرے سر پر لگانا چاہی لیکن میں نے نجانے کس طرح ہاتھ بلند کر کے اس کا ہاتھ درمیان ہی میں روک لیا اور اس کے وزن سے پیچھے کی جانب جھکتا چلا گیا لیکن جیسے ہی میں زمین پر گرا وہ میرے سر سے اچھل کر ایک بار پھر دیوار سے جا ٹکرایا۔ میں خوف ودہشت کے عالم میں اپنے آپ کو اس کے حملوں سے بچانے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن کم بخت چھلاوہ تو چھلاوہ وہ دوبار دیوار سے ٹکرا چکا تھا لیکن ہر بار پہلے سے زیادہ مضبوط ہو کر مجھ پر حملہ آور ہو جاتا تھا اس بار بھی وہ بجلی کی سی تیزی سے اُٹھا اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر میرے سینے پر ٹکر مارنے کی کوشش کی لیکن میری بغل کے درمیان سے گزرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ دھڑام سے کھلا تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ دروازے سے نکل کر باہر پڑا۔ میری آنکھوں میں دھندلاہٹ پھیلی ہوئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب یہ شخص مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا دل تو چاہتا تھا کہ اس سے کم از کم یہ سوال تو ضرور کروں کہ یار۔ بھائی کیا تم فرشتہ اجل ہو اور میری زندگی کا کھیل ختم کرنے آئے ہو۔ کم از کم اتنا تو بتا تاکہ مرنے سے پہلے عزرائیل سے واقف ہو جاؤں اور اگر موقع نہ ملے تو یہ کہوں کہ لوگ نجانے فرشتہ اجل کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کیوں کرتے ہیں وہ تو جب آتا ہے تو اس کے بدن پر ایک چست لباس ہوتا ہے اور چہرے پر نقاب۔ آنکھوں کی جگہ گول سوراخ اور وہ اتنی آسانی سے روح قبض نہیں کر لیتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کے اور مرنے والے کے درمیان ہونے والی چپقلش نظر نہ آئے اور وہ صرف یہی سمجھتے ہوں کہ فرشتہ اجل اطمینان سے روح نکال کر رفو چکر ہو گیا اس کے لئے تو بڑی شدید جدوجہد کرنی پڑتی ہے لیکن کم بخت سوال کرنے کا موقع دیتا تب نا..... اپنی تمام تر توانائی بروئے کار لا کر وہ مجھ بدنصیب پر قاتلانہ حملے کئے جا رہا تھا اور اس کی ہر جنبش یہی بتاتی کہ اس بار وہ میری ہڈیوں کا سرمہ کئے بغیر نہیں رہے گا لیکن مجھے بھی نجانے کیا ہو رہا تھا بچنے کی کوششوں میں ہر بار زاویہ اس طرح بدل جاتا کہ نقاب پوش کو منہ کی کھانا پڑتی۔ بہرحال ان تمام حرکتوں میں میرا کوئی دخل نہیں تھا اور اس وقت تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ راعمیس میری

مدد کر رہا تھا کیونکہ اس کے وجود کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا وہ تو صرف ایسے پینترے تھے جو جان بچانے کے لئے استعمال کئے جا رہے تھے لیکن اس نقاب پوش کو انہی کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکامی ہو رہی تھی۔ بہت سی چیزیں اس دوران ٹوٹ چکی تھیں اور اس نے تمام حربے آزما لئے تھے میں کبھی مسہری پر چڑھ جاتا، کبھی میز۔ پر اور اُس کے نیچے تلے وار اس طرح ناکام جاتے کہ مجھے خود حیرت ہوتی۔ الماری کا شیشہ چور چور ہو گیا تھا بڑی ہی ہنگامہ خیز کیفیت تھی۔ پھر ایک بار اس نے مجھے دبوچ ہی لیا۔ مجھے ایسے ہی محسوس ہوا تھا جیسے دو چٹانیں آپس میں جڑ گئی ہوں اور میں ان کے درمیان پھنس گیا ہوں میں نے دہشت زدہ انداز میں دونوں کہنیاں اس کی پسلیوں سے لگا کر اسے دھکیلنے کی کوشش کی اور وہ اچھل کر مسہری پر جا پڑا۔ لیکن اس کے بعد اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی میں نے بگڑے ہوئے چہرے کے ساتھ جس میں دہشت کا عنصر غالب تھا دروازے کی طرف دیکھا تاکہ اگر دروازہ کھلا ہوا ہو تو ایک ہی چھلانگ میں اس سے نکل بھاگوں لیکن دروازے میں لیری کوئن دونوں ہاتھ کمر پر ٹکائے کھڑی تھی اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس تھا لیکن آنکھوں میں نیند کے اثرات نظر نہیں آرہے تھے اسے دیکھ کر میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن دہشت کے مارے آواز حلق سے نہیں نکل سکی۔ تب نقاب پوش اٹھ کر مسہری پر بیٹھ گیا اس نے دونوں پاؤں لٹکائے ہوئے تھے پھر اس نے اپنے چہرے سے نقاب نوچ کر پھینک دی اور تعریفی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

اب میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ سرخ وسفید رنگت کا مالک تقریباً پچپن سالہ شخص تھا جس کی ٹھوڑی پر چھوٹی سی داڑھی اُگی ہوئی تھی۔ بائیں گال پر ایک گہرے زخم کا نشان تھا ایک نگاہ میں دیکھنے سے ہی بے حد خطرناک نظر آتا تھا۔ سب سے خوفناک چیز اس کی آنکھیں تھیں جس کے ڈھیلے سفید نہیں بلکہ گہرے سرمئی تھے اور پتلیاں سیاہ تھیں جن کی وجہ سے یہ آنکھیں ہیبت ناک لگتی تھیں اس کی تھکی تھکی آواز ابھری۔

''بلاشبہ ڈیگل نے ہمارے لئے بہترین انتخاب کیا ہے لیری میں تسلیم کرتا ہوں کہ تمہارا کہنا بالکل درست تھا'' لیری کوئن مسکراتی ہوئی اندر آ گئی اور .... پھر اس نے کمرے کے ماحول کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ ڈیڈی! آپ نے تو اس کمرے کو بالکل ہی کباڑ خانہ بنا دیا۔ میری کھوپڑی ان

الفاظ پر ہوا میں معلق ہوگئی۔ کیا یہ لیری کوئن کا باپ ہے؟ بیٹی نے دن بھر میری خاطر مدارت اور دلجوئی کی اور باپ نے اس کا معاوضہ وصول کرلیا۔ لیکن یہ ڈرامہ سمجھ میں نہیں آیا تھا آخر اس کی وجہ؟

لیری نے آگے بڑھ کر میرا بازو پکڑتے ہو کہا۔ ''آؤ ڈیئر میں تمہیں اپنے ڈیڈی سے ملاؤں تمہیں تشویش تھی کہ تمہیں یہاں کیوں بلایا گیا ویسے اس ورزش نے تمہاری نیند ختم کردی ہوگی۔'' میں حیران نگاہوں سے معمر شخص کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور ایک ملازم ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوگیا اس پر کافی کے برتن سجے ہوئے تھے۔ کمرے کی حالت دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے سہم گیا تھا۔

''جاؤ۔'' لیری نے خشک لہجے مین کہا اور ملازم بوکھلائے ہوئے انداز میں باہر نکل گیا۔ لیری کوئن میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی ''مجھے اندازہ تھا کہ اس ورزش کے بعد عمدہ کافی کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے میں نے پہلے ہی اس کا بندوبست کرلیا تھا۔'' اس نے کافی بنا کر ایک پیالی مجھے، دوسری اس شخص کو اور تیسری خود لے کر بیٹھ گئی۔ بیٹھنے کے لئے اس نے ایک الٹی ہوئی کرسی سیدھی کی تھی۔ معمر شخص نے کافی کے دو تین گھونٹ لینے کے بعد کہا۔

''طویل عرصہ گزر گیا جسمانی مشقت کئے ہوئے۔ مشق اگر ختم ہوجائے تو بعض کام بالکل نہیں کئے جاسکتے اور پھر عمر کا تقاضا بھی ہے یہ دور تمہارا ہے نوجوانو۔''

میں نے دل میں سوچا! جنگلی جانور اگر تم عمر رسیدہ نہ ہوتے فارم میں ہوتے تو میرا کیا بنتا۔ یقیناً ریڑھ کی ہڈی کندھے پر لٹکی ہوتی اور ٹانگیں بغل میں۔'' زیادہ نہ سوچ سکا۔ معمر آدمی کی آواز ابھری تھی۔

''ایک زمانے میں، میں لیری کنگ تھا۔ ریسلنگ ایرینا کا کنگ ہر چند کہ میں ورلڈ چمپئن کبھی نہیں رہا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ ورلڈ چمپئن میرا بچپن کا دوست تھا۔ اور میں نے اسے کبھی ریسلنگ میں چیلنج نہیں کیا۔ ورنہ چمپئن بیلٹ اس کے پاس نہ ہوتی بہرحال میں لیری کنگ کی بات نہیں کر رہا تھا۔ تمہیں ریڈ اسنیک کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں ہماری کہانی ڈرامائی حیثیت رکھتی ہے نوجوان۔ ہم باپ بیٹی اس دنیا میں صرف ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں کسی زمانے میں ریڈ اسنیک بہت مقبول ہوگیا تھا اور میں نے بہت

ہنگامے انجام دیئے تھے دشمنوں کی بہت بڑی تعداد پال لی تھی میں نے۔ خوب ہنگامے ہوتے تھے لیکن ..... پھر میرا مقابلہ ''شین'' سے ہوگیا۔ شین میری توقع سے زیادہ طاقتور تھا لیکن میں اندازہ نہیں لگا سکا اور اس سے بھڑ گیا نتیجہ بہتر نہ ہوا۔ شاید شین کے مقابلے پر اتنا کمزور نہ پڑتا لیکن وہ کم بخت طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے خفیہ علوم کا ماہر بھی ہے جو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ خود میں بھی انہیں آج تک نہیں سمجھ سکا۔ مختصر یہ کہ جوانی میں، میں نے گیارہ سال شین کی قید میں کاٹے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ کبھی اس کی قید سے رہائی حاصل ہوسکے گی۔ لیکن میری بیٹی لیری کوئن نے چودہ آدمیوں کو ہلاک کر کے مجھے رہا کرالیا اور واپس لے آئی۔ جرم کی دنیا سے کنارہ کشی کئے عرصہ دراز ہوگیا لیکن کوئن مجھے بالآخر اس دنیا میں لے آئی۔ میرا گروہ منتشر ہوگیا۔ لوگ نجانے کہاں سے کہاں چلے گئے۔ زندہ بھی ہیں یا مر گئے۔ صرف چند افراد کا پتہ چل سکا اور میں نے اُن سے رابطہ قائم کیا ہے۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ سرخ سانپ کو زندہ کروں مجھ سے زیادہ یہ میری بیٹی کی خواہش ہے اور اس کے لئے مجھے ساتھیوں کی ضرورت ہے۔ ڈیگل میرا اس دور کا دوست ہے میں نے کوئن کو اسی لئے ڈیگل کے پاس بھیجا تھا کہ اس کام کی تکمیل کے لئے مجھے کوئی عمدہ آدمی درکار تھا لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔''

''کس کی ڈیڈی؟'' کوئن نے گفتگو میں دخل دیا۔

''کہ پہلا ہی آدمی اتنا شاندار ہوگا''

''اوہ.....کوئن مسکرا دی''

''اپنا تعارف نہیں کراؤ گے نوجوان؟'' لیری کنگ نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر کہا۔

''تمہاری بیٹی میرا نام جانتی ہے۔''

''صرف نام؟'' کنگ بولا۔

''یہ تعاون نہ ہوا؟''

''جو کچھ بھی ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔

''تب تو یہ تشویش بھی ہوسکتی ہے کہ تم دل سے اس گروہ میں شامل ہونے کے لئے تیار ہوئی ہو یا نہیں۔''

''اوہ ڈیڈی آپ یہ سب کچھ مجھ پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ آپ کو صرف پرفیکشن کی فکر

تھی۔ آپ نے دیکھا، وہ بالکل فٹ ہے۔'' لیری کوئن نے کہا۔

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

''باقی ذمہ داری میں سنبھال لوں گی۔''

''اگر تم مناسب سمجھتی ہو تو ٹھیک ہے۔'' کنگ نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

''آپ دوسری ذمہ داریاں سنبھالے رہیں ڈیڈی، مسٹر مون سے بقیہ معاملات میں طے کرلوں گی۔''

''اوکے ..... میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم پر اعتماد ہے۔ میرا خیال ہے اب مجھے یہاں سے اٹھ جانا چاہئے۔''

''اوکے ڈیڈی! صبح ناشتے پر آپ سے ملاقات ہوگی۔''

کوئن بولی اور لیری کنگ اٹھ گیا۔

میں اسے باہر جاتے دیکھتا رہا۔ اس عمر کے کسی شخص کو میں نے اتنا چست نہیں دیکھا تھا۔ اس کے جانے کے بعد لیری کوئن مسکرانے لگی تھی۔'' درحقیقت مجھے خود بھی اتنی امید نہیں تھی تم نے تو کمال کر دیا مون۔'' انہوں نے کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ مسکرا کر بولی۔ ''اُٹھو یہ کمرہ تو برباد ہو چکا ہے۔ میرے کمرے میں چلو۔ صبح ملازم یہ سب کچھ ٹھیک کر دیں گے۔''

''گویا اس کے بعد بھی سونے کی اجازت نہیں ہے؟'' میں نے ناخوش گواری سے پوچھا۔

''نہیں ہے۔ باتیں کریں گے۔''

''عجیب زبردستی ہے۔''

''ہاں ہے۔'' اس نے دلبرانہ انداز میں کہا اور مجھے رنگین پیالوں میں ارغوانی کاک ٹیل گردش کرتی نظر آنے لگی۔ لیکن خود کو سنبھالا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گئی۔ پہلے کی نسبت کچھ زیادہ بے تکلف نظر آ رہی تھی۔ مجھے مسہری پر بٹھا کر خود میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔ ''تمہیں تفصیل معلوم ہوگئی مون۔ کیا تم دل سے ہمارے ساتھ شریک ہونا پسند کرو گے؟''

''پتہ نہیں؟'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''واقعی مجھے پتہ نہیں۔''

''میں پھر وہی سوال کروں گی کہ کیا مطلب؟''

''میں نے جو بات بھی دل سے چاہی ہے وہ کبھی نہیں ہوسکی۔''

''کیوں؟''

''بس یہ آج تک کا ریکارڈ ہے۔ وقت آنے دو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔''

''عجیب بات ہے؟''

''واقعی عجیب بات ہے لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ وقت آنے دو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں اس کا الٹا ہو جاتا ہے سوچتا کچھ ہوں، ہوتا کچھ ہے لوگ میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جب انہیں حقیقت کا علم ہوتا ہے تو یہ نہیں سوچتے کہ جو کچھ کیا ہے۔ انہوں نے خود کیا ہے ان کا خیال ہوتا ہے کہ یہ سب میری شیطانی ہے اور پھر....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

لیری کوئن تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مون ڈیئر جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اس میں ذرّہ برابر جھوٹ نہیں ہے۔ میں تمہاری شخصیت سے بے حد متاثر ہو گئی ہوں۔ میں کنواری ہوں اور زندگی کے جوان سالوں میں کسی مرد کی قربت سے نہیں گزری۔ میں نے کبھی محبت کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ لیکن شاید میں تم سے محبت بھی کرنے لگی ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم میرا ساتھ دو، میرے ساتھ رہو۔ میں لیری کنگ کو پھر سے زندہ کرنے کی خواہاں ہوں۔ یہ بھی سنو تم اگر میرا ساتھ نہیں دو گے تو میں یہ خیال دل سے نکال دوں گی اور سرخ سانپ ہمیشہ کے لئے مر جائے گا بس یہ میرا آخری فیصلہ ہے تمہارے پاس وقت ہے سوچ لو اپنے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتے، نہ بتاؤ کوئی تم سے کچھ نہیں پوچھے گا۔ لیکن جو فیصلہ کرو دل سے کرنا۔ تم کسی طور مجبور نہیں ہو ہمارا ساتھ دینے سے انکار کر دو گے تو ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے۔ جہاں جانا چاہو گے، انتظام کر دیا جائے گا۔ میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتی۔'' وہ اُٹھ گئی۔

''کہاں..... تم کہاں جا رہی ہو؟''

''جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے کبھی کسی سے نہیں کہا۔ اور یہ سب کچھ کہنے کے بعد میں

تمہارے پاس رک نہیں سکوں گی خدا حافظ۔''

''اے سنو تو! یہ تمہاری خواب گاہ ہے۔''

''آج رات تمہاری ہے۔'' اُس نے کہا اور باہر نکل گئی۔ میں مسہری پر پاؤں لٹکا
بیٹھا رہ گیا۔ دل میں کہا.....

اے کنواری حسینہ! مان لیا سب کچھ مان لیا لیکن اتنا جانتا ہوں اگر تیرے ساتھ زندگی
گزارنے کا فیصلہ کرلیا تو اس فیصلے کی عمر چند روزہ ہوگی اور پھر وہی تقدیر کی خواری میں
کچھ بھی تو نہیں ہوں جو کچھ ہوتا ہے وقت کی کہانی ہوتا ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں ہوتا
میں تو خلوص دل سے سب کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن وقت مجھے کچھ کرنے نہیں دیتا۔ مسٹر گنگ
سے بھلا میں نے کب جنگ کی تھی؟ جو کچھ ہوا تھا، وہ سب جان بچانے کی کوششیں تھیں
ورنہ لڑائی بھڑائی سے میرا کیا واسطہ؟ اگر لڑنا بھڑنا جانتا تو اپنے دیس سے ہی کیوں نکلتا
پان والے نے اُدھار وصول کرنے کے لئے میری مرمت کر دی تھی۔ اور میں اُس کا کچھ
نہیں بگاڑ سکا تھا۔ اور اب بھی جو کچھ ہوا ہے، کوئی غلط فہمی ہے۔ کی مورا بھی بے وقوف ہے
کہ مسلسل مجھے آرتھر ڈورل سمجھ رہی تھی۔ ممکن ہے اُسے حقیقت معلوم ہو چکی ہو.....

سوچتے سوچتے تھک گیا تو بستر پر لیٹ گیا اور پھر نیند بھی آ گئی..... دوسری صبح نو بجے
جاگا تھا۔ ساڑھے نو بجے تک بستر میں اینڈتا رہا۔ پونے دس بجے غسل سے فارغ ہوا۔ دس
بجے کوئن آ گئی۔ نکھری نکھری صبح کی مانند۔ میں نے اُسے تعریفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''ہیلو.....'' میں نے کہا۔

''ہیلو..... نیند پوری ہوگئی؟''

''ہاں..... رات بہت دیر تک سو نہیں سکا تھا۔''

''سوچتے رہے ہوگے.....''

''ہاں.....''

''چلو! ناشتہ کرلیں۔ ڈیڈی تمہارا انتظار کر کے جا چکے ہیں۔''

''اوہ..... سوری کوئن!''

''نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آؤ.....'' ناشتے کے کمرے میں دو ملازم مستعد تھے
ہم نے خاموشی سے ناشتہ کیا تھا۔ پھر ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔

''مسٹر گنگ کہاں گئے؟''

''اپنے کسی کام میں مصروف ہیں۔ ویسے میں نے انہیں پھر سے زندہ کر دیا ہے۔ لیکن
میں جانتی ہوں کہ یہ اُن کے ساتھ زیادتی ہے۔ اب وہ زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ اس لئے
مون! میں سرگرم ہونا چاہتی تھی۔ لیکن تنہا انسان کیا کر سکتا ہے؟ میں نے ڈیڈی کو ایک مشورہ
دیا تھا مون!''

''کیا.....؟''

''پہلے ریڈ اسنیک باقاعدہ گروہ تھا۔ بہت سے لوگ اس میں شامل تھے۔ بڑے بڑے
کام ہوتے تھے۔ لیکن میں نے ڈیڈی سے کہا تھا کہ بعض اوقات بڑا اجتماع بھی نقصان دہ
ہوتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ کم سے کم لوگ ہوں اور ہر شخص بے شمار انسانوں کا مجموعہ ہو۔
یعنی شاندار ذہانت اور صفات رکھنے والا۔ ہم اس پروگرام پر عمل کر رہے ہیں۔ میں اپنے
ساتھ چند لوگوں کو رکھنا چاہتی ہوں، جو اعلیٰ کارکردگی کے مالک ہوں۔ لیکن اُن کا انتخاب
بہت سوچ سمجھ کر کیا جائے اور اگر اپنے مطلب کے لوگ نہ ملیں تو.....''

''پروگرام کیا ہے تمہارا کوئن؟''

''شین کے راستے کاٹوں گی..... صرف شین کے راستے.....''

''یہ شین کون ہے؟''

''ایک دوغلا چینی۔ باپ چینی اور ماں پرتگالی۔ پورا گروہ رکھتا ہے۔ اس کمبخت نے
ڈیڈی کو گیارہ سال تک اپنی قید میں رکھا ہے..... پورے گیارہ سال۔''

''اس دوران تم کیا کرتی رہیں کوئن؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ پورے گیارہ سال کی کہانی..... رفتہ رفتہ ہی سنا سکتی ہوں۔''

''ڈیگل کون ہے؟''

''ڈیڈی کا ایک پرانا دوست۔''

''ہوں.....'' میں نے گہری سانس لی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اَب مجھے کیا کرنا
ہوگا؟ وہ چند لمحے انتظار کرتی رہی۔ پھر بولی۔

''تم نے کوئی فیصلہ کیا مون؟''

''اُلجھن میں ہوں کوئن!''

"تمہارا دل ہمیں قبول نہیں کر رہا؟" وہ اُداسی سے بولی۔

"یہ بات نہیں ہے۔ بس! یوں سمجھ لو کوئن! اگر کوئی اُلجھن ہے تو صرف تمہارے لئے۔ میری اپنی کوئی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے کوئن! مجھ سے تمہاری وہ توقعات پوری نہ ہوں، جو تم نے سوچی ہیں۔"

"فی الحال میرے ذہن میں صرف ایک بات ہے مون! تم دل سے ہمارا ساتھ قبول کر لو۔"

"اور اگر میں تمہارے معیار پر پورا نہ اُترا تو؟"

"اسے ہم پر چھوڑ دو۔"

"تمہاری مرضی ہے کوئن! یوں سمجھ لو، جرائم کی دنیا سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ صرف لوگوں کی غلط فہمیوں کا شکار رہا ہوں۔ اور کسی کو آج تک مجھ سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکا۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ؟" کوئن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے، بس! اتنا ہی کافی ہے۔"

"تو ہم تمہیں قبول ہیں۔ بس! دل سے تعاون کرنا۔ باقی سب بعد کی باتیں ہیں۔ کسی سلسلے میں کامیابی یا ناکامی تو تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔"

"او کے کوئن! اس سے زیادہ تمہیں نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اب سب کچھ تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"گڈ!" کوئن خوشی سے کھل اُٹھی۔

مسٹر کنگ دوپہر کے کھانے پر بھی موجود نہیں تھے۔ لیکن شام کو پانچ بجے جب کوئن میرے کمرے میں موجود تھی، ایک ملازم نے آ کر کہا۔

"مس! مسٹر کنگ آپ کو طلب کر رہے ہیں۔"

"اوہ..... ڈیڈی آ گئے؟ مون کو بھی بلایا ہے.....؟"

"نہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔

"میں ابھی آتی ہوں مون!" کوئن نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ لیکن نجانے کیوں چھٹی حس نے ایک اشارہ کیا تھا، کچھ نہ کچھ ضرور تھا۔ اُس کے جانے کے بعد میں بھی چپکے

سے اُٹھا اور چھپتا چھپاتا کمرے کی طرف چل پڑا۔ دُور سے میں نے کوئن کو ایک کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اور اس کمرے کے عقب میں ایک ایسی کھڑکی تلاش کرنے میں مجھے دقت نہ ہوئی، جس سے نہ صرف اندر جھانکا جا سکتا تھا، بلکہ اندر کی باتیں بھی سنی جا سکتی تھیں۔ میں نے کوئن کی آواز سنی۔

"ہیلو ڈیڈی!"

اندر کمرے میں مسٹر کنگ کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا جو چوڑے چکلے بدن کا مالک گنجا آدمی تھا۔ مسٹر کنگ کوئن کو دیکھ رہے تھے۔

"خیریت ڈیڈی! کیا بات ہے؟"

"انہیں پہچانتی ہو کوئن؟" کنگ نے اُس شخص کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ، نہیں! ان سے میں پہلی بار مل رہی ہوں۔ کون ہیں یہ؟"

"ڈی گل....." کنگ نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔

"کون؟" کوئن تعجب سے بولی۔

"مسٹر آسوان ڈی گل۔ وہی جن کے پاس میں نے تمہیں ڈیگورا بھیجا تھا۔" کنگ نے جواب دیا۔

"کیا؟" کوئن حیرت سے بولی۔

"ہاں! یہی مسٹر ڈیگل ہیں۔"

"لیکن میں..... ڈیڈی! وہاں میں ان سے تو نہیں ملی تھی۔" کوئن نے کہا۔

"میں بھی یہی جاننا چاہتا ہوں کوئن! وہاں تم کس سے ملی تھیں؟ اس بار ڈیگل نے پوچھا۔

"اوہ انکل! ڈیڈی نے مجھے آپ کی رہائش گاہ کی جو سچویشن بتائی تھی، میں وہیں گئی تھی۔ بیشک وہ آپ نہیں تھے۔ لیکن وہ صاحب بھی آپ کی طرح توانا اور معاف کیجئے سر سے گنجے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ مجھے مسٹر کنگ نے بھیجا ہے..... ریڈ اسنیک کے مسٹر کنگ نے۔ انہوں نے خوش اخلاقی سے میرا استقبال کیا اور پوچھا کہ وہ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں؟ تب میں نے انہیں بتایا کہ ڈیڈی کو کسی شاندار کارکردگی کے مالک ایک ایسے مجرم کی ضرورت ہے، جو آپ کی قید میں ہو۔ انہوں نے مجھ سے اس سلسلے میں معاملات طے

کیئے ہیں اور اس کے بعد مون کو میرے پاس بھیج دیا، جسے میں لے آئی۔''

''سنا آپ نے مسٹر کنگ.....؟ وہ شخص ڈاکٹر گوئل تھا۔ جسے میں نے معلومات کے لئے بلایا تھا اور کسی مصروفیت کی وجہ سے اُس سے نہ مل سکا تھا۔ ان لوگوں نے نہایت ذہانت سے کارروائی کی اور آرٹن ڈورل کو وہاں سے نکال دیا۔

''کیسے؟'' کوئن چونک پڑی۔

''آرٹن ڈورل..... کیا تم نے یہ نام پہلے سنا ہے بے بی؟''

''اوہ..... وہ دہشت گرد آرٹن ڈورل؟''

''ہاں! وہی..... تمہارا مہمان، جسے تم مون کے نام سے پکار رہی ہو، دنیا کا خطرناک ترین شخص آرٹن ڈورل ہے۔ ایک انتہائی ہولناک مجرم..... ایک خوفناک انسان.....''

''میرے خدا..... میرے خدا.....'' لیری کوئن کو شاید چکر آ گیا تھا۔

چکر مجھے بھی آ رہے تھے۔ یہ داؤ پیچ..... یہ سب کچھ میری سطح سے بہت بلند تھا۔ ڈاکٹر گوئل نے واقعی ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا تھا۔ لیکن اُس نے جان پر کھیل کر مجھے آزادی دلائی تھی۔ کتنی شاندار سکیم تھی..... کتنا عمدہ کھیل تھا..... لیکن بہرحال! وہ مجھ سے مخلص تھے اور اَب..... اور اَب..... بہرحال! اچھا ہوا، کوئن کا دماغ درست ہو گیا۔ ہر قیمت پر مجھے قبول کر رہی تھی۔ اب آرٹن ڈورل کی حیثیت سے وہ میرے سلسلے میں کیا کرے گی.....؟ کیا اب بھی وہ مجھے اپنے گروہ میں شامل کرے گی.....؟ دلچسپ سچویشن تھی۔ جگہ میں ڈورل نہیں تھا۔ یہ شخص ڈیگل صورت حال سے واقف ہونے کے بعد کیا مجھے واپس لے جانے کی کوشش کرے گا؟ ظاہر ہے، اُس کی آمد اس کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن کیا مجھے واپس جانا چاہئے؟ اُن لوگوں نے جان پر کھیل کر مجھے وہاں سے نکالا تھا۔ کیا میں اُن کی کوششوں کو ناکام بنا دوں؟ وہ مجھے آزادی دلانا چاہتے تھے، یہ سوچ کر کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میں کسی نہ کسی طور پر اپنا انتقام لوں گا..... خود اپنی حفاظت کروں گا اور میں یہاں دوبارہ اُن کے قبضے میں چلا جاؤں..... اب دو ہی صورتیں تھیں۔ ہمیشہ کی طرح سے یہاں سے فرار ہو جاؤں اور اپنے لئے نئے ٹھکانے تلاش کروں۔ ایسا ہی ہوتا آیا تھا..... ابھی میرے پاس گنجائش تھی۔

اور..... دفعتہً مجھ پر ایک جنونی کیفیت طاری ہو گئی..... آخر میں کیا ہوں؟ کھلونا ہوں

کہ ہر کوئی مجھ سے کھیلتا رہے؟ تقدیر ایک کے بعد ایک ٹھوکر لگائے اور میں کسی گیند کی طرح لڑھکتا رہوں؟ میں اس بار ایسا نہیں کروں گا۔ اس بار میں خود کو آزماؤں گا..... ہاں! یہ سب اب بدلے ہوئے انداز میں ہوگا۔ میں ڈر کر یہاں سے فرار نہیں ہوں گا..... دیکھتا ہوں، یہ لوگ مجھے میری مرضی کے خلاف کیسے مجبور کرتے ہیں؟

اندر آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ ''اُس نے خود کو بالکل پوشیدہ رکھا ہے..... اُس نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا.....''

''لیکن مسٹر کنگ! ایک اتنا بڑا گینگسٹر کیا آپ کے لئے کام کرنے پر تیار ہو جائے گا؟'' یہ ڈیگل کی آواز تھی۔

''کیا وہ واقعی آرٹن ہے.....؟''

''سو فیصد..... مسٹر کنگ!''

''کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اُس کے گروہ میں شامل ہو جائیں؟''

''کیا مطلب؟''

''اُسے یہ پیشکش کی جائے تو؟''

''مشکل ہے..... وہ کیسے قبول کرے گا؟''

''ہم نے اُس کی مدد کی ہے۔''

''یہ دوسری بات ہے۔''

''کوشش تو کی جا سکتی ہے۔''

''اگر آپ پسند کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔''

''اس کے فرار کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے ڈیگل!''

''نہیں..... میں انچارج نہیں ہوں۔ ان لوگوں کا انچارج ہوف پاور ہے۔ اور اس سلسلے میں میری شخصیت بھی منظر عام پر نہیں آئی۔ یہ سب حیران ہیں کہ آخر آرٹن ڈورل کیسے نکل گیا؟''

''انہوں نے ڈورل کو قید کیوں کیا؟''

''آرٹن ڈورل نے انہیں ایک ناقابل برداشت نقصان پہنچایا ہے۔ وہ بہت عرصے سے اُس کی تاک میں تھے۔''

''تب ایک کام کرو ڈیگل! آرٹن ڈورل اُن کے چنگل سے نکل ہی آیا ہے۔ لیکن اُس کے ساتھی اُن کے قبضے میں ہیں۔ میں تمہاری مدد سے اُس کے ساتھیوں کو بھی آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ ان کو آزاد کرانے کے بعد ہم ڈورل سے درخواست کریں گے کہ وہ ریڈ اسنیک کو ڈورل گروپ میں ضم کر لے اور ہم اس کی برانچ کی حیثیت سے کام کریں۔

''کیا وہ تیار ہو جائے گا؟''

''کوشش کریں گے۔''

''لیکن ان لوگوں کی آزادی.....؟''

''اس کے لئے تمہیں محنت کرنا ہوگی۔'' مسٹر کنگ نے کہا۔

میں سینے پر پھونکیں مارنے لگا۔ حالات ایک نیا رُخ اختیار کر گئے تھے اور.....اور میرے لئے وہی سب کچھ تھا، جو ہوتا آیا تھا.....اب کیا کروں؟ وہ لوگ، جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اس میں میرا کردار کیا ہوگا.....؟ آہ! نہ تو میں آرٹن ڈورل تھا، نہ کچھ اور.....کیا ہوں.....کیا نہیں ہوں.....کیا فیصلہ کروں؟

☆.....☆.....☆

صورتِ حال میرے علم میں آ گئی تھی۔ اس کے بعد یہاں رُکنا بالکل ہی بے مقصد تھا۔ میں واپس اپنی آرام گاہ میں آ گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ نہ میں آرٹن ڈورل تھا اور نہ ہی جرائم کی دنیا سے واقف.....جبکہ یہ لوگ مجھے شین گروپ کے خلاف کھڑا کرنا چاہتے تھے۔ بعض اوقات تو جی چاہتا تھا کہ قہقہے مارتا ہوا سڑکوں پر نکل جاؤں.....اپنا لباس پھاڑ دُوں.....بال نوچ لوں.....اور پاگلوں کی طرح چیختا چلاتا پھروں کہ لوگو! میں دنیا کا سب سے عجیب انسان ہوں.....میں وہ ہوں، جس کا وجود بھی اُس کا اپنا نہیں ہے۔ جو اپنے آپ کو کوئی نام دینے سے قاصر ہے.....لیکن اس سے بھی کیا فائدہ ہوگا؟ بلکہ اس کے صلے میں پاگل خانے کا کوئی انچارج مجھے اپنے پاگل خانے سے فرار ایک قیدی قرار دے گا اور پھر یقیناً وہاں بھی مجھے اپنے نام کے ساتھ پاگل پن کا درجہ نہیں دیا جائے گا۔ پھر ان ساری باتوں سے فائدہ؟

بارہا جی کو سمجھایا کہ حالات جو کچھ بنا رہے ہیں، وہی بن جاؤ.....سوچا بھی اور فیصلہ بھی کرلیا۔ لیکن اس فیصلے پر بھی تو میرا اختیار نہیں تھا۔ میں وہ بن گیا، جو کوئی مجھے بنانا چاہتا تھا۔ لیکن اُس کے بعد مجھے ایک نئی شخصیت اختیار کرنا پڑی۔ بھلا ایسے حالات میں کیا، کیا جا سکتا تھا.....؟ نجانے کب تک بیٹھا تقدیر کو روتا رہا۔ اور پھر لیری کوئن میرے کمرے میں آ گئی۔ اُس کی مسکراہٹ میں وہ تازگی اور اپنائیت نہیں تھی، جو اَب سے پہلے نظر آتی تھی.....غالباً یہ احساس اب اُس کے ذہن میں جاگزیں ہو گیا تھا کہ میں ایک بہت بڑے گروہ کا سربراہ ہوں اور وہ میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یقیناً اُن لوگوں کی گفتگو سے مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ آرٹن ڈورل کی شخصیت سے واقف تھے۔

میں خاموش نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ لیری کوئن میرے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی، میرے ذہن میں تھا۔ لیکن میں اپنی طرف سے کسی گفتگو کا آغاز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیری کوئن نے تھوڑی دیر کے بعد کہا۔

''مسٹر مون! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

دل تو چاہا کہ اُس سے کہوں کہ اب مجھے مسٹر مون کے نام سے کیوں مخاطب کر رہی ہے؟ لیکن اس طرح اُسے معلوم ہو جاتا کہ میں نے اُن کی گفتگو سن لی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی دل کو مار لیا اور بھاری لہجے میں کہا۔

''ہاں لیری! کہو..... کیا بات ہے؟''

''مسٹر مون! کچھ عجیب وغریب واقعات ہوئے ہیں۔ اور اب مجھے شرم آتی ہے کہ میں نے تم جیسی شخصیت کو بڑے غرور کے ساتھ خوش آمدید کہا تھا۔ اور تمہیں وہ مقام نہیں دیا تھا، جو درحقیقت دینا چاہئے تھا۔ مجھے تم سے معافی بھی مانگنی چاہئے مسٹر آرٹن ڈورل! کہ میں اور میرے ڈیڈی تمہارا شایانِ شان استقبال نہیں کر سکے۔ براہ کرم! اب اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش مت کرنا۔ ہمیں تمام حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔ اور ہم دونوں ہی تم سے معافی کے خواستگار ہیں۔''

''بات یہ ہے ڈیئر لیری کوئین! کہ میری زبان، میری ساتھی نہیں ہے۔ میرا چہرہ، میرے اعصاب، میرا سارا وجود، مجھ سے منحرف ہے۔ میں تقدیر کا ستایا ہوا ایک ایسا انسان ہوں جو اپنا وجود کھو دینے کے بعد حالات کے ہاتھوں میں ایک کٹی ہوئی پتنگ کی مانند ڈول رہا ہو۔ اور جس کے بھی ہاتھ یہ پتنگ لگ جاتی ہے، وہ اسے اپنی پسند کے مطابق اُڑانا شروع کر دیتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو.....'' میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیری کوئین کسی قدر تعجب سے مجھے دیکھنے لگی۔ اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

''میں نے تمہیں آرٹن ڈورل کے نام سے مخاطب کیا ہے، کیا تمہیں اس تخاطب پر تعجب نہیں ہوا؟''

''نہیں..... اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ تقدیر میرے ساتھ نت نئے کھیل، کھیلتی رہتی ہے۔ اور شاید اب کوئی نیا کھیل شروع ہو گیا ہے۔''

''کیا تم یہ بات تسلیم نہیں کرو گے کہ تم آرٹن ڈورل ہو؟''

''تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں؟''

''دوسرے کمرے میں ڈیگل کے پاس ہیں۔'' اُس نے میرا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''گویا اس سلسلے میں، مجھ سے گفتگو کرنے کی ذمہ داری تمہیں سونپی گئی ہے۔''

''ہاں! کیونکہ میرا تم سے سب سے پہلے تعارف ہوا تھا۔''

''گزرے ہوئے واقعات پر ایک نظر ڈالو لیری کوئین! تم اپنے ڈیڈی کے ایماء پر ڈیگل کے ہاں پہنچیں اور وہاں تمہیں ڈیگل سے ملاقات کر کے ایک ایسے شخص کو حاصل کرنا تھا، جو تمہارے مقصد کی تکمیل کر سکتا ہو۔ لیکن تم ڈیگل کو نہیں پہچانتی تھیں۔ اس لئے جو شخص سب سے پہلے سامنے آیا، تم نے اُسے ڈیگل سمجھ کر اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔ شاید یہ بات تمہیں معلوم ہو گئی ہو کہ جس سے تم نے ملاقات کی تھی، وہ ڈاکٹر گوئل تھا۔ ڈاکٹر گوئل درحقیقت آرٹن ڈورل کے گروپ کا ایک اہم رُکن ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور شخصیت ڈورل گروپ میں نمایاں بلکہ شاید آرٹن ڈورل کے بعد سب سے بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ اُس کا نام کی مورا، ہے۔ کی مورا، اُن گرفتار شدگان میں شامل نہیں تھی، جن کو ایک ملک کے نمائندوں نے جس کے ساتھ ڈیگل کو بھی گرفتار کیا تھا۔ بہرطور! میں ایک بار پھر تمہیں مختصر الفاظ میں اپنے بارے میں بتا دوں لیری کوئین! کہ میں نہ آرٹن ڈورل ہوں اور نہ اُن تمام شخصیتوں میں سے ہوں جنہیں مجھ سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ میں ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ اور میرا نام جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا، منصور ہی ہے۔ لوگ مجھے نجانے کیا کیا سمجھ کر اپنے مقاصد کے تحت استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کا آلہ کار بن جاتا ہوں۔ مشرقی جرمنی میں مجھے پولیس نے آرٹن ڈورل سمجھ کر گرفتار کیا تھا۔ اور پھر وہاں کے قید خانے سے کی مورا نے اپنا چیف سمجھ کر مجھے نکال لیا۔ اُس نے بتایا کہ ایک فضائی حادثے میں میرے ہلاک ہونے کی اطلاع اُسے ملی تھی۔ پھر یہ سمجھ کر کہ فضائی حادثے کے بعد میری ذہنی حالت خراب ہو چکی ہے، مجھے ڈاکٹر گوئل کے زیر علاج دے دیا اور خود کسی نئی مہم پر نکل گئی۔ لیری کوئین! درحقیقت میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ نئی قید میں آنے کے بعد ڈاکٹر گوئل ایثار سے کام لیتے ہوئے مجھے فرار کرانے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اُس نے ایسا ہی کیا۔ غالباً جذبہ وفاداری اُس کے سینے میں موجزن تھا۔ اور تم نے اتفاقیہ طور پر اُس سے ملاقات کر لی تھی۔ چنانچہ اُس نے سوچا کہ اُن لوگوں کا جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ کم از کم مجھے تو اُن کے چنگل سے آزادی ملے۔ یوں انہوں نے مجھے تمہارے ہاں بھیجا اور تم مجھے لے کر یہاں آ گئیں..... میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ میں تمہارے

لئے ایک بیکار شخصیت ثابت ہوں گا لیری کوئین! اس کے باوجود اگر تم ضد کرتی ہو کہ میں آرٹن ڈورل ہی ہوں تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ لیکن اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اگر کبھی آرٹن ڈورل منظر عام پر آ گیا یا اُس کی موت کی تصدیق ہو گئی تو تم جو آرٹن گروپ میں شامل ہو جانے کی کوششیں کر رہی ہو، کسی قابل نہیں رہو گی۔ وہ لوگ میرے کہنے پر شاید تمہیں اپنے گروپ میں شامل کر لیں۔ لیکن اُس کے بعد وہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور میری تو شامت خیر آئے گی ہی۔ میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے، اس پر غور کر لو۔ اس کے باوجود اگر تم ضد کرو کہ میں اپنے آپ کو آرٹن ڈورل سمجھ کر ریڈ اسنیک کو ڈورل گروپ میں شامل کر لوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں ان لوگوں کو بھی احمق بنانے کے لئے تیار ہوں اور تمہیں بھی۔ لیکن میں نے سچائی سے کام لیتے ہوئے تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے.....''

لیری کوئین کے چہرے پر شدید پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ اور اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو ڈیئر مون!''

''او کے لیری ڈیئر.....!'' میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا اور وہ باہر نکل گئی۔

میں جانتا تھا، اب وہ اپنے ڈیڈی سے مشورہ کر کے آئے گی۔ اور یہی ہوا۔ لیکن اُس کے ہمراہ ڈیگل اور لیری کنگ بھی تھے۔ لیری کنگ مجھے تعجب خیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ڈیگل بھی میرا چہرہ حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اُس نے آگے بڑھ کر مجھ سے پوچھا۔ ''کیا یہ حقیقت ہے کہ تم آرٹن ڈورل نہیں ہو؟''

''مسٹر ڈیگل! میں نہیں جانتا کہ تم کیا عہدہ اور کیا حیثیت رکھتے ہو..... لیکن اگر تمہارے پاس کوئی ذریعہ شناخت ہے تو اس بات پر پورا بھروسہ کر لو کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں، بلکہ ڈورل گروپ کے چکر میں پھنسا ہوا ایک شخص ہوں۔ اس بات کے سو فیصد امکانات ہیں کہ اصل آرٹن ڈورل یقیناً فضائی حادثے میں ہلاک ہو گیا ہو گا۔ مجھے اگر وہ لوگ نہ دیکھتے اور میری صورت آرٹن ڈورل سے نہ ملتی ہوتی تو یقیناً وہ اسی بات پر اعتماد کر لیتے کہ آرٹن ڈورل اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ لیکن میری یہ منحوس شکل مجھے ہر جگہ مختلف مصیبتوں میں پھنساتی رہتی ہے۔ اور اس بار میں آرٹن ڈورل بن گیا ہوں۔ اگر ان ساری

وں کے باوجود تم مجھے آرٹن ڈورل ہی سمجھنے پر مُصر ہو تو تمہاری مرضی۔''

ڈیگل بھی پریشان نظر آنے لگا تھا..... لیری کنگ اُسے دیکھتا رہا۔ اور پھر ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ ''ڈیگل! اگر یہ شخص اتنے اعتماد سے یہ بات کہہ رہا ہے تو ہمیں اس پر یقین کر لینا چاہئے۔ میرا خیال ہے تم اُن کی لاعلمی سے فائدہ اُٹھاؤ۔ خاموشی سے یہاں سے واپس چلے جاؤ اور اُن لوگوں کے لئے اپنے طور پر کوئی کارروائی مت کرو۔ اگر تمہاری حکومت انہیں آزاد کرتی ہے یا اُن کے خلاف کوئی کارروائی کرتی ہے تو تمہیں اس سے دلچسپی نہیں ہونی چاہئے اور کیوں مسٹر مون! تمہیں بھی اُن لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو گی؟''

''مجھے اس ساری دنیا میں کسی سے ہمدردی نہیں ہے مسٹر لیری کنگ! کیونکہ میں اپنے آپ سے بھی ہمدردی نہیں کر سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔'' ڈیگل شانے اُچکاتے ہوئے گویا ہوا۔ ''ویسے بھی تحقیقات کی جا رہی ہیں کہ آرٹن ڈورل قید خانے سے کیسے نکل بھاگا اور میں پہلے ہی اس سلسلے میں بالکل معصوم قرار دیا گیا ہوں۔ چنانچہ میں اس سے کیوں نہ فائدہ اُٹھاؤں.....؟''

''ٹھیک ہے مسٹر ڈیگل! تم واپس جاؤ۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مسٹر مون سے ہم خود گفتگو کر لیں گے۔''

اس گفتگو کے بعد وہ لوگ وہاں سے اُٹھ گئے۔ لیری کوئین بھی اُن کے ساتھ ہی باہر چلی گئی تھی۔ تمام صورتحال اُن لوگوں پر واضح ہونے کے بعد میں خود کو بہت پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ اس کے بعد بھی اگر وہ لوگ فریب کھانا چاہیں تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ ڈیگل کو رخصت کرنے کے بعد وہ باپ بیٹی سیدھے میرے پاس ہی آئے تھے۔ لیری کنگ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور پھر تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گیا۔

''بھئی! اب ایک ایک کپ کافی ہونی چاہئے۔''

''میں کہہ دیتی ہوں ڈیڈی.....!'' کوئین نے کہا اور باہر نکل گئی۔

لیری کنگ پھیکی سی ہنسی ہنستا ہوا بولا۔ ''اس سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ پہلے کبھی مجھے پیش نہیں آیا۔ بہر حال ڈیئر مون! جو کچھ تم کہہ رہے ہو، اور جس انداز میں کہہ رہے ہو، وہ

تمہاری تمام باتوں کا یقین دلاتا ہے۔ لیکن خود تمہارا ماضی کیا ہے مسٹر مون؟''

''اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کریں۔ کیونکہ جو کچھ آپ کو بتاؤں گا، آپ کے لئے ناقابل یقین ہوگا۔''

''چلو! میں تمہاری بات مان بھی لوں کہ تمہارا ماضی میرے لئے ناقابل یقین ہوگا۔ لیکن حال اور مستقبل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''میں اپنے حال یا مستقبل کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ میں خود بے یقینی کا شکار ہوں۔ اور میری ساری زندگی ایسے ہی ناقابل یقین واقعات سے عبارت ہے۔ مجھے خود بھی اُس پر یقین نہیں آتا تو دوسروں کو کیا یقین دلا سکوں گا؟

اتنی دیر میں لیری کوئین واپس آ گئی تھی۔ اُس نے اپنے باپ کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیا گفتگو ہو رہی ہے ڈیڈی؟''

''بھئی! تمہاری اس حیرت انگیز دریافت سے باتیں کر رہا ہوں اور ساتھ ہی یہ بات سوچ رہا ہوں کہ آج ساری زندگی کا تجربہ خاک میں مل گیا۔''

''ہاں ڈیڈی! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

''یہ حقیقت ہے مسٹر مون! کہ جب ڈیل نے ہمیں بتایا کہ تم آرٹن ڈورل ہو تو ہم حیران رہ گئے تھے اور یہ فیصلہ بحالت مجبوری کیا گیا تھا کہ ہم ریڈ اسنیک کو تمہارے گروہ میں ضم کر دیں تاکہ ہم بھی باقی رہیں۔ لیکن مجھے اس سے بہت خوشی نہ ہوتی۔ اور اب یہ جان کر حقیقت وہ نہیں ہے جو ہم سمجھے تھے، میں بے حد مسرور ہوں۔

ایک سوال کرنا چاہتا ہوں مسٹر کنگ!'' میں نے کہا۔

''ہاں ضرور.....''

''یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ میں وہ نہیں ہوں، جو آپ سمجھے تھے۔ آپ نے مجھے خاموشی سے ڈیگل کے سپرد کیوں نہ کر دیا؟ کیا ڈیگل نے اس کی فرمائش نہیں کی تھی؟

''اوّل تو ڈیگل نے یہ فرمائش نہیں کی تھی۔ کیونکہ اس سے اُس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں تھا۔ اگر وہ تمہیں قیدی کی حیثیت سے یہاں سے لے بھی جاتا تو اُس کے لئے جواب دہی مشکل ہوتی کہ اُس نے تمہیں کہاں پایا؟ اور پھر بہت سی باتیں سامنے آتیں..... جن سے ڈیگل کو پریشانی لاحق ہو جاتی۔ لیکن اس کے باوجود اگر ڈیگل اپنی حیثیت بنانے کے لئے

خواہش بھی کرتا تو ہم کسی قیمت پر تمہیں اُس کے حوالے نہ کرتے۔''

اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

''ہاں..... یہ ہے اصل بات۔ میں اب بھی اپنی اُسی خواہش کو اپنے ذہن میں پاتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کام کرو۔''

''یہ جاننے کے باوجود کہ میرا اس زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے؟''

''ہاں! یہ جاننے کے باوجود۔'' لیری کنگ نے جواب دیا۔

میں نے بے بسی سے شانے ہلا دیئے۔ ''ٹھیک ہے مسٹر لیری کنگ! اگر آپ کی یہی خواہش ہے اور تقدیر اب مجھے ان راستوں پر لے جانا ہی چاہتی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔''

میری نگاہیں لیری کوئین کی جانب اُٹھ گئیں۔ وہ بڑے دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔ کافی پی گئی۔ اور اُس کے بعد لیری کنگ نے یہاں سے ہٹنے کی اجازت مانگ لی۔

☆.....☆.....☆

واقعات کی تبدیلی کا یہ طوفان بھی گزر گیا۔ اور اب میں کسی حد تک پرسکون تھا اور اپنی زندگی کے اُن نئے راستوں کی جانب دیکھ رہا تھا، جن پر مجھے آگے بڑھنا تھا۔ اب انہیں میری ذات سے نفع ہو یا نقصان..... اس کے ذمہ دار یہ لوگ خود تھے۔

تقریباً ایک ہفتہ خاموشی سے گزر گیا..... کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہوتی۔ مسٹر لیری کنگ اکثر غائب رہتے تھے اور میرا سابقہ کوئین ہی سے پڑتا تھا۔ میں نے کبھی اس سے اُن کی مصروفیات کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ لیکن اس قیام کے نویں دن لیری کوئین نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ سفر کے لئے تیار ہیں.....

''ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''فی الحال فرانس۔ غالباً ڈیڈی اپنے کام کا آغاز فرانس ہی سے کرنا چاہتے ہیں۔ پچھلے دنوں وہ فرانس گئے تھے اور یقیناً وہ وہاں اپنے لئے مصروفیات تلاش کر چکے ہیں.....''

''اوہ..... کمال ہے۔ مسٹر کنگ اس دوران فرانس بھی ہو آئے۔''

''ہاں! ڈیڈی کے لئے یہ مشکل کام نہیں تھا۔'' لیری کوئین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ ''میرا خیال ہے، ہمیں فرانس روانہ ہونے میں بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تم ذہنی

طور پر تیار ہو؟''

''میں بس مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔ میں کیا اور میرا ذہن کیا؟ واقعات تیزی سے تبدیل ہو رہے تھے اور میں نے اپنی اس نئی حیثیت کو دل سے قبول کر لیا تھا۔ لیری کوئین نے اُس شام مجھے اپنے سامنے بٹھا کر ایک بریف کیس کھول لیا۔ جس میں طرح طرح کے لوشن، پلاسٹک کے رومال اور عجیب عجیب سی چیزیں موجود تھیں۔ میں ایک نگاہ میں اندازہ لگانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ وہ میک اَپ کا سامان ہے۔ غالباً لیری کوئین میرے چہرے میں تبدیلیاں کرنا چاہتی تھی۔ اور مجھے اُس پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ لیری کوئین نے میری اجازت سے میرے چہرے کی مرمت شروع کر دی۔ میں اُسے بوڑھی عورت کے میک اَپ میں ڈی ہاک میں دیکھ چکا تھا۔ بلا شبہ بے پناہ صلاحیتوں کی مالک یہ لڑکی میک اَپ میں بھی لا جواب تھی۔ اُس نے میرے میک اَپ کے لئے ایک جوان اور خوبصورت آدمی کی تصویر کا سہارا لیا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اُس نے میرے چہرے پر صرف کیا۔ پھر جب اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے آئینہ میرے سامنے کیا تو میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔ میں نے اپنے آپ کو ہو بہو اُس تصویر والے نوجوان کے مطابق پایا، جس کا چہرہ بے پناہ دلکش تھا۔ سب سے زیادہ دلکش میرے گہرے سنہرے بال تھے جنہیں نجانے کس لوشن سے رنگ دیا گیا تھا۔ لیری کوئین قربان ہو جانے والی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

''حقیقت تو یہ ہے مسٹر مون! کہ تمہارا چہرہ پہلے بھی میرے لئے دلکش تھا۔ اب تم اور حسین ہو گئے ہو۔ لیکن چہروں کا حسن بے معنی ہوتا ہے۔ ہماری دوستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہو گئی ہے۔ کاش! میں اپنے دل کا حال تمہیں سنا سکتی۔ یا کوئی ایسا ذریعہ ہوتا کہ میں تمہیں اپنی کیفیات کا یقین دلا سکتی۔ چلو، اُٹھو! لباس تبدیل کر لو۔ تاکہ میں تمہیں ڈیڈی کے سامنے لے چلوں۔''

میں نے اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیری کنگ نے گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیا اور پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے میرے شانے کو تھپک دیا۔ ''دوست! میں نے تم سے تمہارے ماضی کی تفصیل نہیں پوچھی۔ اور نہ ہی میں زندگی میں کبھی پوچھوں گا۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو۔ میں بوڑھا شیر ہوں۔ اپنے بازوؤں کی قوت تمہیں بتا ہی چکا ہوں۔

اور اس کے عوض جو کچھ تمہیں دُوں گا، تم اُس سے یقیناً مطمئن رہو گے۔ مجھ سے بھرپور تعاون کرنا.....''

''فیصلہ یہ ہوا ڈیئر مون! کہ ڈیڈی دماغ ہوں گے اور ہم دونوں بازو..... اس طرح ریڈ اسنیک اس وقت صرف تین افراد پر مشتمل ہے۔'' کوئین نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

تقریباً تمام معاملات کی تکمیل ہو گئی تھی اور ہم فرانس جانے کے لئے تیار تھے۔ مسٹر لیری کنگ نے ہم سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اُنہوں نے بھی اپنا چہرہ تبدیل کر لیا تھا۔ پھر ایک خوبصورت سفر کا آغاز ہوا اور ہم فرانس کی جانب پرواز کرنے لگے۔ مسٹر لیری کنگ بھی اسی طیارے میں تھے، جس سے ہم سفر کر رہے تھے۔ لیکن ہم سے بالکل الگ تھلگ..... وہ کسی پر یہ اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اُن کا ہم سے کوئی تعلق ہے۔ میں نے ہمیشہ کی مانند ایک بار پھر اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔

فرانس پہنچنے کے بعد ہم لوگ ایک شاندار فائیو سٹار ہوٹل میں مقیم ہو گئے۔ لیری کنگ کی دولت کے بارے میں مجھے اندازہ تھا اور میں دیکھ بھی چکا تھا کہ وہ ہر قسم کے وسائل سے مالا مال ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اس ہوٹل کے ایک کمرے میں مقیم ہوئے تھے۔ جبکہ مسٹر لیری کنگ ہم سے کچھ فاصلے پر سامنے والی لائن کے ایک کمرے میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد لیری کوئین صرف ایک لڑکی کی حیثیت سے نظر آنے لگی تھی۔ پیرس کے حسین ماحول نے اُس کی سرمستیوں میں اضافہ کر دیا تھا..... ہم نے تقریباً چھبیس گھنٹے اپنے ہوٹل کے کمرے میں ہی گزارے۔ ابھی کچھ طے نہیں ہو سکا تھا کہ ہمارا آئندہ قدم کیا ہو گا..... ستائیسویں گھنٹے میں مسٹر لیری کنگ نے ہمارے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ اس تمام وقت میں اُنہوں نے ہماری طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ دروازہ کھولنے پر ہی معلوم ہوا کہ آنے والے لیری کنگ ہیں۔ وہ مطمئن اور مسرور نظر آ رہے تھے۔ ہمارے سامنے بیٹھ کر انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کچھ چیزیں میرے ذہن میں ہیں، جن پر مجھے کام کرنا ہے۔ اور اس حد تک تمہیں بتانے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتا مسٹر مون! کہ میں شین کی قید سے فرار

ہوتے ہوئے ایک ایسا منصوبہ معلوم کر کے آیا تھا، جس پر کام شروع ہونے میں ممکن ہے ابھی کچھ وقت ہو۔ لیکن اس کی ابتداء پیرس ہی سے ہوگی۔ میں اب اُس منصوبے کی کڑیاں تلاش کرنے کے لئے نکلنا چاہتا ہوں۔ کوئین جانتی ہے کہ میں اس عمر میں آنے کے باوجود کارکردگی میں نوجوانوں سے پیچھے نہیں ہوں۔ چنانچہ میرے سلسلے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم لوگ اطمینان سے پیرس کی سیر کرو۔ میں سمجھتا ہوں ڈیئر مون! کہ ایک سیاح کی حیثیت سے تم پیرس کو بہت پرلطف پاؤ گے۔ اور میری بیٹی کوئین، پیرس کے بارے میں وہ سب کچھ بتا سکتی ہے، جس کے تم خواہش مند ہو گے۔ چنانچہ میں تم لوگوں سے یہی کہنے کے لئے آیا تھا کہ ممکن ہے، میری واپسی میں وقت لگ جائے۔ اس لئے اس دوران میرے سلسلے میں تشویش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم بالکل عام سیاحوں کی مانند پیرس اور اس کے اطراف کی سیاحت کرو۔ بس! اب مجھے اجازت دو۔ اس سلسلے میں اگر کوئی سوال ہو تو.....؟'' مسٹر لیری کنگ نے سوالیہ نگاہوں نے ہم دونوں کو دیکھا۔ ہمارے ذہن میں کوئی سوال نہیں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ ہم سے رُخصت ہو کر چلے گئے۔ لیری کوئین مسرور انداز میں آرام کرسی پر آگے پیچھے جھول رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔

''پیرس حسین شاموں کا شہر..... تم نے اس سے پہلے تو پیرس کبھی نہیں دیکھا مون؟'' اُس نے سوال کیا اور پھر ایک دم ہنس پڑی۔ ''حالانکہ یہ میرا احمقانہ سوال ہے۔''

''نہیں..... میں نے پیرس کبھی نہیں دیکھا۔''

''کیا واقعی؟''

''ہاں! میں بہت کم جھوٹ بولنے کا عادی ہوں۔ اور بلا وجہ جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا۔''

پھر لیری کوئین نے خود ہی میرے لئے ایک خوبصورت لباس منتخب کیا تھا۔ اور پھر اپنی پسند کا لباس پہن کر وہ پیرس کی سیر کے لئے تیار ہوگئی۔ ہوٹل کی لفٹ نے ہمیں نیچے چھوڑ دیا۔ لیری کوئین میرے ساتھ ہوٹل سے نکل کر باہر سڑک پر آگئی۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ تکلفات سے بالاتر ہو کر پیرس کی سیر کریں گے۔ تقدیر نے سیاحت کے لئے جو شاندار مواقع مہیا کئے تھے، کم از کم میں اُن سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ خالہ شہادت کی کھولی کا مالک بیروزگار نوجوان اپنے شہر سے دوسرے شہر تک جانے کی سکت نہیں رکھتا تھا۔ آج دنیا گھوم رہا تھا۔ لیکن یہ بھی تقدیر ہی کے کھیل تھے۔ شہر بے مثال پیرس میرے سامنے تھا۔ جس کی حسین

ایات نوجوانوں کی آنکھوں میں حسرت بن کر جھلکتی تھیں اور اُن کی زبانوں پر اُس کے چے رہتے تھے۔ ایک حسین لڑکی میرے ساتھ تھی، جسے اگر مجھ جیسا کوئی نوجوان تلاش رنے کی کوشش کرتا تو شاید کبھی نہ پا سکتا..... چنانچہ تقدیر سے تمام تر شکوہ غلط تھا۔ کچھ دیا گیا تھا مجھے۔

میں نے سوچ کے دائروں سے نکل کر لیری کوئین کی جانب دیکھا۔ خوبصورت لباس بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ بہت سی نگاہیں ہم دونوں کی جانب اُٹھ رہی تھیں۔ اور ان ہوں میں پسندیدگی کے آثار تھے۔ سینٹ لازار سٹیشن پر کافی ہجوم تھا۔ وہاں سے آگے ھے تو نیول پُل کے پاس پہنچ گئے۔ دریائے سین کے کنارے اُونچے اُونچے فٹ پاتھ ے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ بوئے ڈی بولون کہلاتا تھا اور اس کا شمار شہر کے خوبصورت ترین اقوں میں ہوتا تھا۔ پیرس کی یہ نواحی بستی دریائے سین کے خاموش پانی کے ساتھ میلوں چلی جاتی ہے۔ نیچے دریا کی جانب جھانکئے تو کنارے پر چھوٹے چھوٹے رہائشی مکان ظر آتے ہیں جن کے مالک ہفتہ وار تعطیل کے دوران پیرس کے ہنگاموں سے دُور سکون کی اش میں یہاں آ بستے ہیں۔

میں نے سفید رنگ کے آہنی پھاٹک سے نیچے جھانکا تو ہاؤس بوٹ کے دروازے پر یک خونخوار قسم کا کتا کھڑا نظر آیا، جو میری طرف منہ کئے غرا رہا تھا۔ چونکہ اِن ہاؤس بوٹوں ے مالک یہاں عارضی طور پر رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کی غیر موجودگی میں فاظت کے لئے کتے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ مکانوں اور ہاؤس بوٹوں کا سلسلہ ختم ہوا تو دریا ے کنارے ایک وسیع اور سرسبز سیرگاہ نظر آئی۔ شاہ بلوط اور چیڑ کے درختوں کی چھاؤں میں بوڑھے مچھلی کے شکار میں مشغول تھے اور اپنی عمر کے بقیہ ایام یہاں اس مشغلے میں گزار ہے تھے۔

فرانسیسی طرز تعمیر کے نازک اور خوبصورت مکانات، جن کا رنگ عام طور پر سفید تھا، ے ہوئے تھے۔ ایک الگ ہی شہر آباد تھا۔ سپر مارکیٹیں، ریسٹوران اور سڑکیں۔ یہ ب کچھ دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ پورا دن باقی تھا۔ فرانس کے مختلف مقامات سے رتے ہوئے بالآخر مشہور زمانہ ایفل ٹاور کے قریب پہنچ گئے۔ دریائے سین کے کنارے ر عظیم الشان ایفل ٹاور..... زمین کے سینے میں پنجے گاڑے آسمان کی وسعتوں کو چھو رہا

تھا۔ یہاں سیاحوں کے غول کے غول نظر آ رہے تھے۔ فوٹو گرافر، آئس کریم اور تصویریں بیچنے والے اور چاروں طرف قہوہ خانے بکھرے ہوئے تھے۔ اس ہجوم کو میں نے دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھا اور کافی وقت گزارنے کے بعد ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

رات کو ہوٹل کے کمرے میں پیرس ہی کا تذکرہ چل پڑا اور لیری کوئن مجھے اس کے بارے میں اپنی معلومات بتانے لگی..... پیرس کا شمار درحقیقت یورپ کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ زمانہ قدیم میں جب یہ علاقہ دلدلوں اور صرف چند جزیروں پر مشتمل تھا، تو سیلٹ نسل کے لوگ یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ اُس کے بعد جولیس سیزر کے زمانے کی کہانیاں شروع ہوتی ہیں۔ یہاں پارلیسی نامی ایک قبیلہ آباد تھا۔ پیرس، پارلیسی قبیلے کا شہر تھا۔ وحشی ہنوں کا سردار تین سو سات عیسوی میں اس شہر پر حملہ آور ہوا۔ لیکن اہل شہر کے عقیدے کے مطابق سینٹ جینے دیو کی کرامتیں اُس کا راستہ روکنے میں کامیاب ہوئیں اور وہ ناکام واپس لوٹ گیا۔ اس خدمت کے صلے میں آج بھی جینے دیو و پیرس کا ''پیٹرن سینٹ'' مانا جاتا ہے۔ پھر شارلیمان کا دور شروع ہوا، جو خلیفہ ہارون الرشید کا ہم عصر تھا اور ہسپانیہ فتح کرنے کے شوق میں برف پوش پیرانیز کے پار جا کر مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی فوج کو گنوا بیٹھا۔ بعد کی تاریخ نپولین پر جا کر ختم ہو جاتی ہے.....

مجھے نیند آنے لگی تو لیری کوئین نے سونے کی اجازت دے دی۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سی کیفیات مچل رہی تھیں۔ لیکن میں کسی بھی مسئلے میں پہل کرنے کا عادی نہیں تھا۔ اور پھر یہاں تو معاملہ ہی بالکل مختلف تھا۔ چنانچہ احتیاط لازمی چیز تھی جب تک کہ ایش کی خاندانی کاک ٹیل ہمارے درمیان نہ آ جائے..... لیکن رات پرسکون گزر گئی تھی۔

دوسری صبح ناشتے کے بعد ہم معمول کے مطابق پیرس کی سڑکوں پر نکل آئے۔ آج کی سیاحت میں ہم کانکرو کا مشہور چوک، عجائب گھر اور پیرس کا خوبصورت زمین دوز ریلوے سسٹم دیکھتے ہوئے بالآخر ایفل ٹاور کے قریب پہنچ گئے۔ ہم دیر تک وہاں رُکے اور اُس کے بعد وہاں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ قہوہ خانوں اور دُکانوں کے شوکیسوں میں سے پھوٹتی ہوئی روشنیاں اب فضا کو منور کرنے لگی تھیں۔ چنانچہ یہاں سے ہم واپس پھر اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

دن بھر کی آوارہ گردی نے اتنا تھکا دیا تھا کہ رات کے کھانے کے بعد بستروں ہی کی

سوجھی اور ہم اپنے اپنے بستروں پر پہنچ گئے۔ نیند آ رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود ذہن میں لیری کوئین اُبھر رہی تھی۔ کئی بار میں نے اُسے عجیب سی نگاہوں سے اپنی جانب دیکھتے ہوئے پایا۔ اُس کی آنکھوں میں کاک ٹیل تیر رہی تھی..... میں منتظر نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا اور نجانے کب نیند آ گئی۔

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ لیری کنگ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ میں نے لیری کوئین سے اُس کے بارے میں معلوم کیا تو وہ مطمئن لہجے میں بولی۔ ''ڈیڈی نے ہمیں پورا پورا موقع دیا ہے کہ ہم پیرس کی ایک ایک چیز کو دیکھ لیں۔ اُس کے بعد شاید وہ یہاں کام کا آغاز کر دیں۔''

''تمہیں اُن کے سلسلے میں ذرا بھی تشویش نہیں ہے لیری کوئین؟''

''اس لئے کہ میں ڈیڈی کو جانتی ہوں۔'' اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

میں چند لمحات اُس کی صورت دیکھتا رہا۔ اور پھر میں نے پوچھا۔ ''آج کا کیا پروگرام ہے؟''

''پچھلے دنوں کے برعکس ہم آج ذرا مختلف سیاحت کریں گے۔ کیونکہ دو دن کی تھکن ابھی اُتری نہیں ہے۔''

''جیسا تم پسند کرو۔ بلکہ اگر چاہو تو آج کا دن کیوں نہ ہوٹل ہی میں گزارا جائے؟''

''نہیں..... یہ پیرس کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔'' لیری کوئین نے ہنستے ہوئے کہا اور میں مسکرانے لگا۔ اُس کے بعد تیار ہو کر باہر نکل آنے کے علاوہ اور کیا، کیا جا سکتا تھا؟

تھوڑی دیر کے بعد ہم پھر پیرس کی سڑکیں ناپ رہے تھے۔ آج خاص طور سے کلیسائے نوٹرڈیم دیکھنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ چنانچہ دریائے سین کے کنارے چلتے ہوئے ہم کلیسائے نوٹرڈیم کے دامن میں پہنچ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کلیسائے نوٹرڈیم سے واپس چل پڑے۔

پیرس اور اُس کے مضافات کی سیر کے لئے مسٹر لیری کنگ نے ہمیں کافی مواقع فراہم کر دیئے تھے اور لیری کوئین میری بہترین گائیڈ تھی۔ ایک بار پھر وہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، جو ایران، مصر اور دوسرے ملکوں میں ہوئی تھی۔ تقدیر کے یہ کھیل میرے لئے کافی دلچسپ تھے اور غالباً مسٹر لیری کنگ کو بھی یہ اندازہ تھا کہ کتنے دن میں ہم پیرس کی سیر کر کے فارغ

ہو جائیں گے.....

ہمارے پروگرام تقریباً ختم ہو گئے تھے کہ ایک رات مسٹر لیری کنگ نے ہم سے ہمارے کمرے میں ملاقات کی۔ یہ شخص اپنی بیٹی کے لئے ذرا بھی متفکر نہیں تھا۔ لیکن یہ صرف میری سوچ تھی۔ اُس کے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہیں ہوگا کہ لیری کوئین تنہا میرے ساتھ ہے..... ویسے یہ تنہائیاں ہمارے لئے کوئی خاص نوعیت نہیں رکھتی تھیں۔ لیری کنگ کی آمد پر ہم دونوں مستعد ہو گئے۔ اس دوران میں بھی ذہنی طور پر خود کو اُن لوگوں کے مقاصد پر کام کرنے کے لئے تیار کر چکا تھا۔ اور اب میرے دل میں کوئی تردّد باقی نہیں تھا۔ مسٹر لیری کنگ رسمی گفتگو کے بعد ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''بالآخر میں نے وہ سب کچھ کر لیا، جو میرے ذہن میں تھا۔ اور میرا خیال ہے تم لوگ بھی اس دوران پیرس کی سیر سے اکتا چکے ہو گے۔ چنانچہ اب کام شروع ہو جانا چاہئے۔''

''یقیناً ڈیڈی! ہم فوری طور پر کسی کام میں مصروف ہو جانا چاہتے ہیں۔''

''خوش قسمتی سے ریڈ اسنیک کے لئے جو ذمہ داریاں خود بخود پیدا ہو گئی ہیں،'' ہمارے لئے بہت ہی کارآمد ہیں۔ نمبر ایک، اس میں شین براہِ راست ملوث ہے اور اپنی تمام تر قوتوں کے ساتھ یہاں پہنچ چکا ہے اور جن لوگوں نے ریڈ اسنیک کی خدمات حاصل کی ہیں، وہ خود بھی ملک گیر حیثیت کے حامل ہیں۔ چنانچہ میں تم دونوں کو صورتِ حال سے آگاہ کئے دیتا ہوں اور اس کے بعد ذمہ داریاں تم دونوں پر چھوڑ دیتا ہوں کہ تم کس طرح ان ذمہ داریوں سے نبرد آزما ہو سکتے ہو۔ ویسے یوں سمجھ لو کہ اگر ریڈ اسنیک اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو گیا تو ہم نہ صرف بڑی دولت حاصل کر لیں گے بلکہ ریڈ اسنیک کا نام ایک بار پھر اس انداز میں زندہ ہو گا کہ لوگ اُسے دوبارہ بھول نہیں سکیں گے۔''

لیری کوئین کی آنکھیں پرجوش ہو گئی تھیں۔ مسٹر کنگ دو پیڈ اور بال پوائنٹ ہمارے ہاتھوں میں دیتے ہوئے بولے۔ ''اس سلسلے کے تمام ضروری پوائنٹس نوٹ کرتے رہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کارکردگی کے سلسلے میں اپنی رائے بھی درج کرو۔ بعد میں، میں تمہیں ہدایات دُوں گا کہ تمہیں کام کا آغاز کس طرح کرنا ہے۔''

لیری کنگ کی ہدایت پر ہم دونوں تیار ہو گئے۔ مجھے تو یہ سب کچھ مضحکہ خیز ہی لگ رہا تھا۔ بھلا کسی ایسے معاملے سے میرا کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ اور میری دماغی صلاحیتیں بھلا ایسے

کسی سلسلے میں کیا کام کر سکتی تھیں؟ تاہم آن چھننے والی بات تھی۔

لیری کنگ کچھ دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ایک انتہائی ترقی یافتہ ملک نے، جو خلا پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش میں اربوں ڈالر خرچ کر رہا ہے، ایک خلائی لیبارٹری فضا میں بھیجی، جس نے خلاء میں بکھرے ہوئے لاتعداد گمنام سیاروں کے بارے میں تحقیقات کی اور ان کی نہایت شاندار اور کارآمد تصاویر حاصل کیں اور اُن کی گردش کے نقشے مرتب کئے۔ یہ تمام کارکردگی اربوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد عمل میں آئی تھی۔ خلائی لیب سے قائم زمینی رابطے نے اُن تمام چیزوں کی ایک مائیکرو فلم بنائی۔ کاغذات اور تصاویر وہیں خلائی لیبارٹری میں ضائع کر دی گئی تھیں۔ لیکن مائیکرو فلم زمینی سٹیشن سے چوری کر لی گئی اور تحقیقات کرنے پر پتہ چلا کہ اس فلم کو منظم پیمانے پر چوری کیا گیا ہے اور یہ فلم ایک اور ملک کے پاس ہے۔ چنانچہ دنیا جرم کی زیرِ زمین ایجنسیوں کو اس فلم کو حاصل کرنے کا اختیار دیا گیا۔ فلم اُس ملک سے بھی چوری کر لی گئی اور اُس کے بعد نجانے کہاں کہاں اور کن کن ہاتھوں میں ہوتی ہوئی وہ ایک شخص کے پاس پہنچی، جس کا نام ہیڈن ولیج ہے۔ ہیڈن ولیج نے اس فلم کی سودے بازی کے لئے کئی ملکوں سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی وہ روپوش ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کون کون اُس تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ البتہ اُس نے اپنا ایک نمائندہ بھی مقرر کیا ہے، جو اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ اس کا نام ڈیوڈ ہاکر ہے اور ڈیوڈ ہاکر کئی ملکوں کی نگاہوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا ہے۔ اُس کے پیچھے لاتعداد ایجنسیاں پڑی ہوئی ہیں، جن میں شین گروپ بھی ہے۔ ڈیوڈ ہاکر نے ہیڈن ولیج کو اطلاع دی کہ سودے بازی کی تکمیل ہو گئی ہے اور وہ فرانس آ جائے۔ چنانچہ ہیڈن ولیج ان دنوں فرانس میں مقیم ہے۔ لیکن اُس کے بارے میں کسی کو یہ علم نہیں ہے کہ وہ ہیڈن ولیج ہی ہے۔ تمام کارروائی ڈیوڈ ہاکر ہی کر رہا ہے اور اس وقت شین گروپ، ڈیوڈ ہاکر کے پیچھے ہے۔ چنانچہ اس سودے بازی کی تکمیل کے لئے طے کیا گیا ہے کہ ڈیوڈ ہاکر ایک بدلے ہوئے رُوپ میں ہیڈن ولیج کی مقامی رہائش گاہ پر ایک فینسی ڈریس شو میں شامل ہو اور یہیں اس فینسی ڈریس شو میں سودے کی تکمیل کر لی جائے..... اس شو میں بہت سے افراد شامل ہوں گے، جن میں سودا کرنے والے اور خریدنے والے موجود ہوں گے۔ گفتگو نہایت دلچسپ اور محفوظ الفاظ میں ہو گی..... یہ ہے وہ صورتِ حال! جس کے لئے اتنی

کوشش کر کے میں کامیاب ہوا ہوں۔ میرا براہِ راست تعلق ڈیوڈ ہاکر سے ہوگیا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ ڈیوڈ ہاکر اس وقت کہاں مقیم ہے۔ جبکہ شین گروپ کے افراد جھنجلائے ہوئے پاگل کتوں کی مانند ڈیوڈ ہاکر کی بو سونگھتے پھر رہے ہیں۔ ہیڈن ولیج اس پروگرام میں پوری ذہانت اور ہوشیاری سے کام کرے گا۔ لیکن مقامی حکومت بھی اس فلم میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اور میں نے مقامی حکومت سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک زبردست سرمائے کے عوض سودا ہوا ہے۔ جس کی تفصیل میں ابھی نہیں بتا سکتا۔ صورتِ حال اب یہ ہے کہ اس فینسی ڈریس شو میں شریک ہو کر وہ فلم ہمیں کسی طرح حاصل کرنی چاہئے اور میں اس سلسلے میں ریڈ اسنیک کا نام بھی سامنے لانا چاہتا ہوں اور فی الحال ریڈ اسنیک میں تین افراد ہیں۔ یعنی دو تم اور ایک میں۔ اور اب میں چاہتا ہوں کہ ان تمام تفصیلات کو ذہن میں رکھ کر تم کوئی ایسا منصوبہ ترتیب دو، جس سے فلم بہ آسانی ہمارے ہاتھوں تک پہنچ سکے.....''

''گویا ہمیں اس سودے میں مداخلت کرنی ہے اور فلم اُن لوگوں کے ہاتھ نہیں لگنے دینی، جو اُسے خریدنا چاہتے ہیں؟''

''ہاں! میں یہی چاہتا ہوں۔''

''لیکن ڈیڈی! یہ آپ کی زیادتی ہے کہ آپ نے ہمارے ہاتھ میں پیڈ اور بال پوائنٹ تھما دیئے ہیں۔ طے تو یہ ہوا تھا کہ ریڈ اسنیک کے اس سہ رُکنی گروہ میں آپ دماغ ہیں اور ہم بدن..... کیا یہ حیثیت آپ ختم کرنا چاہتے ہیں؟'' لیری کوئین نے کہا اور کنگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اس کے باوجود میری خواہش تھی کہ تم مجھے کوئی پروگرام دو۔''

''نہیں ڈیڈی! بہتر یہ ہوگا کہ پروگرام ہمیں آپ دیں اور ہماری ذہنی صلاحیتیں عمل کے لئے چھوڑ دیں۔''

لیری کنگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ میری بیٹی کھری سودے باز ہے۔ کہیں کسی جگہ رعایت نہیں کرتی میرے ساتھ..... بہرحال! ٹھیک ہے۔ اصول بہرحال اصول ہوتے ہیں۔ پروگرام میں ہی دوں گا۔ لیکن تم لوگوں کو اگر کہیں میرے پروگرام میں کوئی کچا پن نظر آئے تو براہِ کرم! مجھے ٹوک دینا۔''

''ٹھیک ہے ڈیڈی! دوستی میں یہ معاملات تو ہوتے رہیں گے۔ ہم بھی اگر کسی راستے پر تزور قدم اُٹھائیں تو آپ ہماری رہنمائی کریں۔'' لیری کوئین بولی۔

''اب سب سے بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہیڈن ولیج کی وہ رہائش گاہ کہاں ہے جہاں وہ فینسی ڈریس شو منعقد کرے گا؟ ہم پیرس میں رہنے والے لاتعداد انسانوں کے بارے میں تمام تفصیل تو نہیں جان سکتے اور نہ ہی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس جگہ یہ فینسی ڈریس شو ہو رہا ہے۔ لیکن میں تمہیں ڈیوڈ ہاکر کی رہائش گاہ کے بارے میں بتا سکتا ہوں، جہاں وہ رہتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ڈیوڈ ہاکر کی تلاش میں سرگرداں ملکی اور غیر ملکی گروہوں کی تعداد اس وقت پیرس میں بہت زیادہ ہے۔ فرانسیسی انٹیلی جنس کے بارے میں، میں تمہیں بتا دوں کہ وہ ہماری پشت پناہ ضرور ہے۔ لیکن وہ لوگ براہِ راست اس مسئلے میں ملوث نہیں ہونا چاہتے۔ کیونکہ فلم کی فرانس میں موجودگی یا حکومت فرانس کی اُس فلم میں دلچسپی، بہت سی پیچیدگیاں پیدا کر سکتی ہے۔ حکومت فرانس انتہائی خفیہ پیمانے پر اس فلم کے حصول کی کوشش کر رہی ہے۔ حکومت فرانس اپنی انٹیلی جنس یا دوسرے محکموں کو اس میں ملوث نہیں کرنا چاہتی۔ کیونکہ بے شمار بڑے بڑے ممالک کے ایجنٹوں سے اُن کی چپقلش اُن کے خارجی معاملات پر اثر انداز ہوگی۔ چنانچہ وہ ایک بڑی دولت خرچ کر کے ہمارے ذریعے یہ کام کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہاں ہر طرح کی مدد دی جائے گی۔ اس کے علاوہ کسی مسئلے میں اگر ہم قانونی طور پر پھنستے ہیں تو حکومت فرانس بظاہر تمام قانونی کارروائیاں پوری کرے گی۔ لیکن درپردہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائیگا۔ صرف اس حد تک ہمیں حکومت فرانس سے مدد حاصل ہوگی۔ باقی کام سب کچھ خود ہی کرنا پڑے گا۔ فرانس کا کوئی قانون ہم پر لاگو نہیں ہوگا..... اب میں نے اپنے طور پر جو فیصلے کیے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے۔ تم لوگ سائے کی طرح ڈیوڈ ہاکر کا تعاقب کرتے رہو گے۔ یہاں تک کہ فینسی ڈریس شو میں اُس کی شمولیت کا معاملہ درپیش آئے گا۔ اُس وقت تم اُس فینسی ڈریس شو میں شریک ہوگے اور ڈیوڈ ہاکر جس وقت اس فلم کی سودے بازی کی تکمیل کر چکا ہوگا اور فلم منتقل کی جا رہی ہوگی، اُس وقت تم مداخلت کر کے اُس فلم کو حاصل کرو گے.....''

لیری کوئین تعریفی نگاہوں سے اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔ لیکن میں نے اپنے بدن میں کپکپی سی محسوس کی۔ مجھے سردی لگنے لگی تھی۔ ٹھنڈا پسینہ میرے پورے بدن سے بہہ رہا تھا۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے ایجنٹ اور پھر شین گروپ کے

خطرناک لوگ وہاں موجود ہوں گے اور اُن کی موجودگی میں ہم دو افراد یعنی میں اور لیری کوئین وہ مائیکروفلم حاصل کریں گے..... یہ کس طرح ممکن ہے؟ آہ..... خدایا! کس مصیبت میں پھنس گیا..... فرار کے لئے کون سا راستہ تلاش کروں..... باپ، بیٹی آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور میری نگاہوں میں خالہ شہادت کی کھولی گردش کر رہی تھی جو بہرطور! دنیا کی تمام جگہوں سے بہتر تھی۔ آہ..... خالہ شہادت! تم نے مجھے تنہا کیوں چھوڑ دیا.....؟

لیری کوئین اپنے باپ سے سوالات کئے جا رہی تھی۔ اور غالباً اُس نے بہت کچھ معلومات حاصل کر لی تھیں۔ لیکن اُن دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ بھی میرے پلے ابھی تک نہیں پڑا تھا۔ میں نے اُس پر غور کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ مسٹر کنگ اُٹھ گئے۔ انہوں نے میری طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ مشینی انداز میں اُٹھ گیا اور انہوں نے مجھ سے سوال کیا۔

''اس دوران تم مکمل طور پر خاموش رہے ہو ڈیئر مون! کیا تم ان باتوں سے متفق ہو؟''

''سو فیصد..... میرے منہ سے یہ جملہ مشینی انداز میں ہی پھسل گیا تھا۔

''گڈ! تو پھر تم اپنے کام کا آغاز کر دو۔ میں تمہاری کامیابیوں کا منتظر ہوں اور اس کے بعد میں ضرورت پڑنے پر ہی تم سے ملاقات کروں گا۔''

مسٹر کنگ یہاں سے باہر نکل گئے۔ لیری کوئین دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر بولی۔ ''واقعی تم نے اس سلسلے میں حیرت انگیز خاموشی اختیار کی ہے مون! کیا اس گفتگو سے تم پوری طرح متفق ہو؟''

''ہاں..... میرا خیال ہے اس میں کوئی جھول نہیں ہے۔''

لیری کوئین اُس کے بعد خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھی سوچتی رہی تھی۔ غالباً وہ اپنے منصوبے پر غور کر رہی تھی۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کون سی جگہ مناسب ہو گی جہاں میں لیری کوئین سے فرار اختیار کر کے اپنے لئے کوئی نیا ٹھکانہ تلاش کر لوں..... لیکن اب تو شاید میرے اندر یہ جرأت بھی نہیں رہی تھی۔ کہاں بھاگتا؟ اور کہاں تک بھاگتا.....؟

تیار ہونے کے بعد ہم لوگ باہر نکل آئے۔ لیری کوئین ایک سمت چل پڑی۔ میں اُس وقت بھی کسی صحیح صورتحال کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ پھر ایک ٹیکسی نے ہمیں ایک خوبصورت علاقے میں اُتار دیا اور لیری کوئین ٹہلنے کے سے انداز میں آگے بڑھ گئی..... یہ وہی علاقہ

تھا، جہاں میں نے بوڑھے فرانسیسیوں کو مچھلی کے شکار میں مصروف دیکھا تھا۔ لیری کوئین بھی اُسی علاقے کی جانب بڑھ گئی اور ہم لوگوں کے ہجوم میں نجانے کتنی دیر تک گردش کرتے رہے۔ شام کے ملگجے اندھیرے فضا میں اُتر آئے تھے۔ دریائے سین کے پانی میں ان گنت روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ دُور کی روشنیوں کا عکس اور لائن میں تیرتے ہوئے خوبصورت بجرے یہ روشنیاں منعکس کر رہے تھے۔ لیری کوئین نے ایک سرخ رنگ کے مکان کو تاکا اور میرا شانہ دبا کر بولی۔

''یہی وہ جگہ ہے، جہاں ہمیں ڈیوڈ ہاکر کو تلاش کرنا ہے.....''

''ہوں..... ہوں.....'' میں نے بے اختیار چونک کر کہا اور لیری کوئین مجھے دیکھنے لگی۔

''تم کسی خاص سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو مون؟''

''ہاں..... میں ڈیوڈ ہاکر ہی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔''

''اور میں بھی..... پتہ نہیں، وہ اپنی اصلی شکل میں بھی ہے یا اُس نے اپنی صورت تبدیل کر لی ہے۔''

''خدا جانے۔'' میں نے آہستہ سے کہا اور لیری کوئین چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ ''کیا بات ہے ڈیئر؟ تم زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے.....''

''نہیں نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بس کسی سوچ میں گم تھا۔'' میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

ہم لوگوں نے اُس سرخ مکان کا اچھی طرح جائزہ لے لیا، جس کے اطراف میں کراٹا کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ خاصہ نفیس طرز تعمیر تھا۔ پتہ نہیں یہ ڈیوڈ ہاکر کی ذاتی ملکیت تھی یا اُس نے عارضی طور پر یہ قیام گاہ حاصل کی تھی۔ میں صرف لیری کوئین کو خوش کرنے کے لئے اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ میں ان معاملات سے اتنا بیزار بھی نہیں ہوں، یوں ہی ادھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ اور دفعتہً ہی میری نگاہ کراٹا کی باڑ میں اُلجھے ہوئے ایک سفید سے کپڑے پر پڑی..... کوئی قابل توجہ چیز نہیں تھی۔ لیکن میرے قدم بے اختیارانہ انداز میں اُس کی جانب بڑھ گئے اور میں نے آگے بڑھ کر کراٹا کی باڑ سے وہ سفید رُومال نکال لیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اُسے ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ رُومال کا ایک حصہ خون میں لت پت تھا..... لیکن یہ خون سوکھ کر اکڑ چکا تھا..... اور اسی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ

رُومال پر بنا ہوا کوئی ڈیزائن نہیں بلکہ خون کے دھبے ہیں۔ لیری کوئین جو اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی، چونک کر میری جانب متوجہ ہوئی۔ اور پھر وہ بھی میرے قریب آ گئی..... میں نے رُومال اُٹھا کر اُس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

''میرے خدا! یہ تو خون میں ڈوبا ہوا ہے۔''

''ہاں.....''

''مگر یہ کراٹا کی اُس باڑ میں.....؟''

''سو فیصد!'' میں نے احمقوں کی طرح جواب دیا۔

''تمہاری نگاہ بہت تیز ہے مون! گویا تمہارے بارے میں ہمارا اندازہ غلط نہیں تھا۔ لیکن خون میں ڈوبے اس رُومال کو ہم کیا حیثیت دے سکتے ہیں؟''

''میری رائے ہے کہ ہمیں اس سرخ مکان میں داخل ہو جانا چاہیے۔''

''اوہ..... شاید تم..... اوہ مائی گاڈ! واقعی یہ تصور بڑا حیرت انگیز ہے۔ آؤ..... اس طرف سے آؤ۔'' لیری کوئین نے کہا اور میں منہ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ نجانے وہ کون سے تصور کی بات کر رہی تھی؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ میں نے تو سوچے سمجھے بغیر ایک جملہ کہہ دیا تھا۔ بہرطور! ہمیں کراٹا کی باڑ پھلانگ کر اندر داخل ہونا پڑا..... جس جگہ سے ہم باڑ پھلانگے تھے، یہ وہی جگہ تھی، جہاں خون آلود رُومال نظر آیا تھا۔ مکان کے احاطے میں پہنچے تو مکان سنسان اور خاموش محسوس ہوا۔ یوں لگتا تھا، جیسے یہاں کسی ذی رُوح کا وجود ہی نہ ہو۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ہمیں خون کے کچھ اور خشک دھبے نظر آئے اور یہ دھبے ہماری رہنمائی کرتے ہوئے ہمیں مکان کے ایک بغلی دروازے کی سمت لے گئے، جو کھلا ہوا تھا۔ اس بغلی دروازے کی دُوسری طرف سفید چمکدار فرش نظر آ رہا تھا، جس پر خون کے جمے ہوئے دھبوں کی ایک لائن بنی ہوئی تھی۔ اور بالآخر ہم اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں ملگے کریم رنگ کے قالین پر جمے ہوئے خون کی گلکاریاں تھیں۔ اور سامنے ہی ایک تعفن زدہ لاش نظر آ رہی تھی۔ ایک شخص جو اوندھا پڑا ہوا تھا، اور جس کا چہرہ ہماری ہی جانب تھا..... سخت اذیت کے آثار اُس کے چہرے پر منجمد تھے۔ لیری کوئین اور میں ششدر رہ گئے تھے۔

چند لمحات کی خاموشی کے بعد لیری کوئین کے منہ سے نکلا۔ ''میرے خدا..... یہ لاش تو کئی دن پرانی معلوم ہوتی ہے۔ غالباً دو یا تین دن پرانی.....''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم لوگ ناک پر رُومال رکھ کر لاش کے قریب بیٹھ گئے۔ لیری کوئین نے اُسے اُلٹ دیا اور پھر وہ اُس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگی۔ ایک ریوالور بغلی ہولسٹر سے دستیاب ہوا، جس میں صرف ایک گولی باقی بچی تھی۔ جیب سے کارتوسوں کا ایک پیکٹ، کچھ کرنسی، وزیٹنگ کارڈ ملے اور یہ وزیٹنگ کارڈ ہمارے لئے کارآمد تھے۔ کیونکہ ان پر ڈیوڈ ہاکر لکھا ہوا تھا۔ اگر کوئی ایک وزیٹنگ کارڈ ہوتا تو یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ کسی نے اُس شخص کو پتے کے طور پر دیا ہوگا۔ لیکن کئی وزیٹنگ کارڈ نظر آنے کا مطلب یہ تھا کہ یہی شخص ڈیوڈ ہاکر ہے۔ اُس کے پیٹ میں سوراخ تھے، جن میں سے ایک دونوں پسلیوں کے جوڑ کے درمیان تھا۔ اور غالباً یہی اُس کی موت کا باعث بنا تھا۔ یا پھر وہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے موت کا شکار ہوا تھا۔ میں نے اپنے بدن میں سرد سی جھرجھریاں محسوس کیں۔ اور اُس وقت یہی خیال میرے ذہن میں آیا کہ میں اس حادثے سے متاثر ہوا ہوں..... میں نے آہستہ سے کہا۔

''کم از کم یہ شخص یہاں ان گولیوں کا شکار نہیں ہوا۔''

''مطلب؟'' لیری کوئین بولی۔

''اندازہ لگا سکتی ہو وہ رُومال، میرا خیال ہے اس نے اپنے زخموں سے خون کو روکنے کے لئے اُس رومال کو اپنے زخموں پر رکھا ہوگا اور کہیں اور سے بھاگتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوگا۔ کراٹا کی باڑ کی دوسری جانب خون یہی بتاتا ہے اور پھر خون کے قطرات یہاں تک آئے ہیں تم اسے دیکھو میں ابھی آتا ہوں۔'' میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی اس کیفیت کو میں خود بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا نجانے کس طرح میرے ذہن کی چرخی چلنا شروع ہو گئی تھی اور میں کسی شدید جذبے کے تحت کام کر رہا تھا میں لیری کوئین اور ڈیوڈ ہاکر کی اس لاش کو چھوڑ کر اس مکان کے کمروں کی تلاشی لینے لگا۔ چار کمرے تھے جس میں ایک ڈرائنگ روم بنا ہوا تھا ایک خواب گاہ کے علاوہ باقی دو کمرے خالی تھے اور یہاں ہلکا پھلکا فرنیچر سجا ہوا تھا مینٹل پیس پر ڈیوڈ ہاکر کی تصویر نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس شخص کو غور سے دیکھا اور پھر کمرے کی ایک ایک شے کی تلاشی لینے لگا۔ بالآخر مجھے ایک سرخ رنگ کی ایک جیبی ڈائری دستیاب ہوئی جو مینٹل پیس کے ایک خفیہ گوشے میں رکھی ہوئی تھی میں اسے نکال کر اس کی ورق گردانی

کرنے لگا اور یہیں میں نے ہیڈن ولیج کا پتہ بھی دیکھ لیا۔ یہ پتہ کسی سانتابل نامی جگہ کا تھا اور اس میں ہیڈن ولیج کی پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی۔ اس خفیہ ڈائری میں اور بھی مجھے ایک چیزیں مل گئیں جو میری رہنمائی کر سکتی تھیں میں نے یہ ڈائری خاموشی سے اپنی جیب میں رکھ لی اسی وقت مجھے لیری کوئین کی آواز سنائی دی۔

''مون! تم کہاں ہو؟ پلیز یہاں آؤ۔'' اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔

''اب یہ بتاؤ اس لاش کا کیا کیا جائے؟''

''میرا خیال ہے اس لاش سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اسے یہیں پڑا رہنے دو ویسے ہمیں مسٹر لیری کنگ کو یہ اطلاع دینا ہوگی کہ ڈیوڈ ہاکر اب اس دنیا میں نہیں ہے۔''

''واقعی .....لیکن تم کیا کرتے پھر رہے تھے؟''

''یہ جاننے کے بعد کہ جن لوگوں نے ڈیوڈ ہاکر کو ہلاک کیا ہے وہ کم از کم ڈیوڈ ہاکر کا تعاقب کر کے یہاں تک نہیں پہنچ سکے۔ میں نے سوچا کہ ڈیوڈ ہاکر کے اس مکان کی تلاشی لے ڈالی جائے اور اسی میں، میں مصروف رہا تھا۔'' لیری کوئین نے مسرور نگاہوں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''بہت خوب، واقعی ہمیں اس مکان کی اچھی طرح تلاشی لینی چاہئے۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لیری کوئین مکان کی تلاشی میں مصروف ہو گئی میں بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن کافی کوشش کے باوجود لیری کوئین کو کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے لئے کارآمد ہوتی۔ پھر دفعتہً ہی ہمیں کچھ آہٹیں سنائی دی تھیں اور ہم ساکت ہو گئے تھے۔ لیری کوئین سرد لہجے میں بولی۔

''کوئی یہاں تک پہنچ گیا ہے۔''

''ہاں، میرا بھی یہی اندازہ ہے۔''

''اس کا رخ سامنے کی سمت سے ہی ہوگا۔ میرا خیال ہے اگر ہم اسی بغلی دروازے سے نکل کر کراٹا کی باڑ کود کر یہاں سے فرار ہو جائیں تو آنے والے ہمیں نہیں پا سکتے۔'' ہم دونوں نے اسی پروگرام پر عمل کیا تھا سرخ مکان کے سامنے ہم نے سیاہ رنگ کی ایک مرسیڈیز دیکھی اور میں نے اس کا نمبر ذہن نشین کر لیا اس کے بعد اس علاقے میں رکنا ہمارے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ہم واپس اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔

میں نے جو کچھ کیا تھا، خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ اس میں میری حکمت عملی کو دخل نہیں تھا۔ بس ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے اچانک ہی میرے اعصاب کسی کے زیر اثر آ گئے ہوں اور میں مشینی انداز میں یہ کارروائی کرتا رہا ہوں۔ اس وقت بھی میری کیفیت یہی تھی لیکن میرا ذہن راعمیس کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا اتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے مجھ سے جدا ہوئے کہ اب تو میں اسے بھول ہی گیا تھا۔ لیری کوئین تھوڑی دیر تک کمرے میں بیٹھی حالات پر غور کرتی رہی میں نے بھی خاموشی سے اسے سوچنے کا موقع دیا تھا۔ پھر اُس نے چونک کر کہا۔

''ہمیں ڈیڈی سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ تم دیکھو، ڈیڈی اپنے کمرے میں موجود ہیں یا نہیں۔'' میں خاموشی سے باہر نکل آیا تھا۔ کمرہ زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور اندر مجھے روشنی نظر آ رہی تھی میں نے مسٹر کنگ سے رابطہ قائم کئے بغیر واپس آ کر لیری کوئین کو ان کی موجودگی کی اطلاع دی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم مسٹر لیری کنگ کے کمرے میں بیٹھے تھے۔

''یقیناً کوئی ایسی بات ہوگی جس کی وجہ سے تم لوگوں نے مجھ سے ملاقات ضروری سمجھی۔''

''ہاں ڈیڈی! آپ کی ہدایت کے مطابق ہم نے ڈیوڈ ہاکر کو ٹریس کیا اور اس کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے لیکن یہ بات شاید آپ کے لئے افسوس ناک ہو کہ ڈیوڈ ہاکر کو قتل کر دیا گیا ہے اور اس کی لاش اسی کے مکان کے ایک کمرے میں پڑی ہوئی ہے۔ غالباً یہ دو تین دن پرانی لاش ہے اور ابھی تک کوئی اس کی جانب متوجہ نہیں ہو سکا کیونکہ وہ مکان خالی پڑا ہوا ہے۔'' مسٹر لیری کنگ بری طرح چونک پڑے تھے وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے اور لیری کوئین کو دیکھتے رہے پھر انہوں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

''آہ! یہ تو بہت برا ہوا یہی شخص ہمیں ہیڈن ولیج تک پہنچانے کا واحد ذریعہ تھا اور اس کے بعد ہیڈن ولیج کی رہائش تک پہنچنا انتہائی مشکل ہو جائے گا۔''

''میرا خیال ہے اس مشکل کا حل میں نے دریافت کر لیا ہے۔'' میرے منہ سے آواز نکلی اور دونوں باپ بیٹی چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب؟'' مسٹر کنگ نے سوال کیا اور میں نے جیب سے وہ سرخ رنگ کی ڈائری نکال کر ان کے سامنے ڈال دی۔ لیری کوئین بھی متعجب رہ گئی تھی۔

''یہ ڈائری..... یہ ڈائری....''

''ہاں یہ ڈائری مجھے ڈیوڈ ہاکر کے مکان کی تلاشی کے دوران ہی ملی ہے۔'' میں نے جواب دیا مسٹر کنگ ہماری باتوں پر توجہ دیئے بغیر ڈائری پڑھنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ ڈائری کے اوراق الٹتے جا رہے تھے اور ان کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیلتے جا رہے تھے پھر انہوں نے مسرور لہجے میں کہا۔

''آہ! یہ تو بہت ہی کارآمد چیز ہے اس میں نہ صرف ہیڈن ولیج کا پتہ بھی موجود ہے بلکہ اس فینسی ڈریس شو کی تاریخ تک ہے اس مہینے کی نو تاریخ، یعنی آج سے صرف چار دن کے بعد۔ کمال ہے بھئی کمال ہے اور یہ سانتا ہل، پیرس کے نواح میں تقریباً تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے میں اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور ڈیئر مون! تم نے تو واقعی کمال کر دکھایا۔ یقیناً تم ایک باکمال آدمی ہو۔ دیکھو لیری! کیا تم نے یہ ڈائری نہیں دیکھی؟''

''نہیں ڈیڈی! مسٹر مون نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔'' لیری نے کسی قدر شکایتی انداز میں کہا۔ میں نے اس کے لہجے کا کوئی نوٹس نہیں لیا تھا لیری کوئین ڈائری دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''اس طرح تو ڈیڈی! ہمارا یہ مسئلہ تقریباً حل ہو گیا ہے۔''

''ہاں نہ صرف حل ہو گیا ہے بلکہ میرے خیال میں کچھ اور بھی ایسی کارآمد باتیں اس ڈائری میں درج ہیں جو ہمارے کام آ سکتی ہیں۔ اس میں شین گروپ کے بارے میں کچھ انکشافات بھی ہیں لیکن ہمیں ان سے نہیں ٹکرانا بلکہ خاموشی سے اپنا کام کرنا ہے۔''

''ڈیڈی! ایک اور ایک تجویز میرے ذہن میں ہے۔ کیا مسٹر مون، ڈیوڈ ہاکر کی شخصیت اختیار نہیں کر سکتے میرا خیال ہے اس طرح ہمیں اپنے کام میں بڑی آسانیاں فراہم ہو جائیں گی۔'' لیری کنگ کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا پھر اس نے تعریفی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم لوگ ریڈ اسنیک کو آسمان پر پہنچا دو گے۔''

''لیکن جن لوگوں نے ڈیوڈ ہاکر کو ہلاک کیا ہے وہ مجھے اس کے روپ میں پا کر کیا میری جان کے پیچھے نہیں پڑ جائیں گے۔ اس طرح تو میں وقت سے پہلے ہی مارا جاؤں

گا۔'' میں نے واویلا کرنے کے سے انداز میں کہا۔

''نہیں ڈیئر مون! یہ ضروری تو نہیں کہ ہم تمہیں ابھی سے ڈیوڈ ہاکر بنا دیں ہم تو تمہیں صرف اس فینسی ڈریس شو میں ڈیوڈ ہاکر بنا کر پیش کریں گے میں نو تاریخ کی صبح تمہیں ڈیوڈ ہاکر بنا دوں گا اور اس کے بعد تم ہیڈن ولیج سے جا کر مل لینا تاکہ سارا پروگرام ترتیب پا جائے اور مائیکرو فلم کے سودے میں تم براہ راست کام کر سکو۔ ممکن ہے وہ فلم وہیں تمہارے ہاتھ لگ جائے اور ہمیں لمبا کھیل نہ کھیلنا پڑے لیکن اس کے باوجود ہمارا اپنا پروگرام وہی رہے گا جو میں نے ترتیب دیا ہے سنو کوئین! تم فرانس کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ کر جمیس پوکر سے ملو جمیس پوکر ایک مقامی غنڈہ ہے اور بہت سے کاموں کے لئے تیاریاں کر سکتا ہے اس سلسلے میں ہم ایک لاکھ پونڈ کی رقم مخصوص کئے دیتے ہیں جسے تم جمیس پوکر کو دینے کا اعلان کر سکتی ہو جمیس پوکر کے بارے میں تمہیں تفصیلات بتا دوں کہ تمہیں اس سے کیا اور کس انداز میں گفتگو کرنی ہے اور مون اس سلسلے میں تمہیں ایک اور کردار میں کام کرنا ہو گا لیکن اس کے لئے چہرہ بدلنے کی ضرورت نہیں ہے جمیس پوکر سے ابتدائی گفتگو ٹیلی فون پر کر لی جائے گی۔'' مسٹر لیری کنگ ہمیں اپنے اس منصوبے کے بارے میں بتاتے رہے اور میں نے اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ نجانے کیوں مجھے اب اس مسئلے میں کافی دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی میری کیفیت ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گئی تھی اچانک ہی یوں محسوس ہوتا جیسے ذہن پر ایک پردہ سا پڑ گیا ہے اور میں اس کے تحت کارروائی کرنے لگتا لیکن دوسرے لمحے جب وہ پردہ ہٹ جاتا تو مجھے احساس ہوتا کہ میں انتہائی خوفناک حالات میں گھرا ہوا ہوں اور اس وقت میں پریشانی کا شکار ہو جاتا تھا لیکن یہ دہری کیفیت مجھے کافی ذہنی اذیت کا شکار کر رہی تھی۔ اور میں کسی ایک سمت ہو جانا چاہتا تھا اور اس کے لئے یہی بہتر تھا کہ جن حالات میں ہوں، ان ہی میں دلچسپی لینی چاہئے۔ چنانچہ میں آخری فیصلہ کر کے مطمئن ہو گیا تھا مسٹر کنگ مجھے تفصیلات بتاتے رہے اور میں نے انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور اس کے بعد مسٹر کنگ کے ساتھ ہماری نشست ختم ہو گئی سرخ ڈائری مسٹر کنگ نے اپنی تحویل میں لے لی تھی مجھے اس سے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔

دوسرے دن مسٹر کنگ نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ہمارے لئے پیرس میں ایک ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں ہم ہوٹل کی ہنگامی زندگی سے ہٹ کر کام کر سکتے ہیں چونکہ اس کام

کی انجام دہی کے لئے ہمیں کچھ اور چیزوں کی ضرورت بھی ہوگی جس میں ایک کار بھی شامل تھی۔ مسٹر کنگ ہمارے ساتھ ہی ہماری اس نئی رہائش گاہ تک آئے تھے جو دریائے سین کے کنارے ایک پُرسکون گوشے میں واقع تھی ایک چھوٹا سا مکان جو خوبصورت خوابوں کی جنت کہا جا سکتا تھا اس کے کمپاؤنڈ میں ایک کار بھی کھڑی تھی جس کے بارے میں مسٹر لیری کنگ نے ہمیں بتایا کہ یہ کرائے پر حاصل کی گئی ہے کار پر استعمال کے لئے کچھ جعلی نمبر پلیٹیں بھی حاصل کر لی گئی تھیں جو میرے حوالے کر دی گئیں سیاہ رنگ کی اس مرسیڈیز کے بارے میں مسٹر لیری کنگ کو بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ کس کی ملکیت ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں زیادہ چھان بین بھی نہیں کی تھی۔

بہر طور اب تک کے سارے معاملات بڑے اطمینان سے چل رہے تھے۔ بالآخر وہ دن آ گیا جب مجھے جیمس پوکر سے ملاقات کر کے بقیہ معاملات طے کر لینے تھے۔ اس ملاقات کے لئے مجھے تنہا ہی جیمس پوکر سے ملنا تھا۔

بندرگاہ کے ایک علاقے میں جیمس پوکر سے میری ملاقات ہوئی بے اعتدالی کا شکار یہ شخص، صورت سے ہی بہت خطرناک نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں کبھی ایک گولی بھی ضائع نہیں کی تھی۔ اپنی ہی طرز کے دوسرے لوگوں سے بھی شناسائی رکھتا تھا۔ اور اکثر چھوٹے موٹے مجرمانہ کام کر لیا کرتا تھا۔ یعنی کوئی بھی شخص اسے اپنے لئے استعمال کر سکتا تھا۔ نشے میں ڈوبے رہنے کا عادی تھا اور اس کا اظہار اس کی بھاری آنکھوں سے ہوتا تھا مجھے دیکھ کر اس نے نہ پہچاننے والے انداز میں پلکیں جھپکائیں اور پھر جب میں نے اپنا تعارف اس سے کرایا تو اس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

''ہاں شاید میں تمہیں پہچانتا ہوں لیکن معاف کرنا میرے دوست! میری یادداشت میرا ساتھ نہیں دیتی تاہم کسی ایسے شخص کا مجھ سے مل بیٹھنا کافی ہے جو زندگی میں ایک بار بھی دوست کی حیثیت سے ملا ہو کہو میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں؟''

''میں تمہارے مالی حالات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں؟''

میں نے سوال کیا اور جیمس پوکر ہنس پڑا۔

''اس کا مقصد ہے کہ تم مجھ سے کچھ زیادہ ہی واقف ہو اور اگر اتنی واقفیت رکھتے ہو میرے بارے میں، تو تمہیں یہ بھی اندازہ ہوگا کہ میں عموماً مالی پریشانیوں کا شکار رہتا ہوں

اگر نہ رہوں تو لوگ مجھے جیمس پوکر سمجھنا چھوڑ دیں۔''

''اور یقیناً تمہارے اچھے دوست تمہاری اس مالی حالت کو درست کرنے کی فکر میں بھی سرگرداں رہتے ہوں گے۔'' میں نے کہا۔

''لیکن میں کیا کروں کہ یہ اچھے دوست بھی میری کوئی بہتر مدد نہیں کر پاتے۔ بہت سے مسائل، ہمیشہ میری جان کے آگے رہتے ہیں اور میں اپنے آپ کو ان سے بچانے کے لئے شراب کے نشے میں ڈوبا رہتا ہوں۔''

''اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر تم بہت زیادہ مالی مسائل کا شکار نہ ہوتے تو زیادہ شراب نہیں پیتے۔''

''بالکل بالکل! ٹھیک جانتے ہو تم۔ اب تم بتاؤ انسان اپنے آپ کو بھولا نہ رہے تو کیا کرے۔ لوگ تو یہ بات نہیں سوچتے کہ جیمس پوکر کسی کا مقروض نہیں رہنا چاہتا۔ لیکن حالات اسے اس کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ ان دنوں میں کافی مقروض ہوں اور وہ لوگ جو مجھے قرض دیا کرتے تھے، آج کل میری صورت دیکھ کر چھپ جایا کرتے ہیں۔''

''لیکن میں تمہیں ان لوگوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے دس ہزار ڈالر کی رقم پیشگی ادا کر سکتا ہوں۔'' میرے ان الفاظ پر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے جیمس پوکر کا نشہ ایک دم ہرن ہو گیا ہو وہ آنکھیں پٹ پٹانے لگا پھر اس نے تعجب سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا تم زیادہ پی گئے ہو۔ اگر ایسی بات ہے تو پہلے اپنا نشہ اتار لو اس کے بعد مجھ سے اس قسم کی گفتگو کرو۔ روپے پیسے کے معاملات میں میں کافی کمزور دل واقع ہوا ہوں اور دس ہزار ڈالر یقیناً ایک ایسی رقم ہے جس کے بارے میں سن کر آدمی پریشان ہو سکتا ہے۔''

''میں تمہیں نشے میں نہ ہونے کا ثبوت اس طرح دے سکتا ہوں کہ دس ہزار ڈالر کی یہ رقم پہلے تمہارے سامنے رکھ دوں۔'' میں نے جیب سے نوٹوں کی وہ گڈی نکالی، جو مجھے مسٹر کنگ سے حاصل ہوئی تھی اور اُسے جیمس پوکر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ متعجبانہ انداز میں نوٹوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا اور پھر یکایک ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے سالہا سال سے شراب کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر نوٹوں کی یہ گڈی اپنی اندرونی جیب میں رکھ لی اور پھر اٹھتا ہوا بولا۔

''آؤ میرے ساتھ یہاں بیٹھ کر گفتگو کرنا مناسب نہیں ہوگا میں تمہیں ایک اور جگہ لئے

چلتا ہوں۔'' میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جیمس پوکر بندرگاہ کے علاقے میں ایک چھوٹے سے شراب خانے میں مجھے لے آیا اور ایک میز پر بیٹھ کر اس نے ہلکی شراب کا آرڈر دے دیا جو میرے لئے بھی تھی۔

''میں شراب نہیں پیتا۔''

''میں بھی نہیں پیوں گا لیکن یہ گفتگو کرنے کے لئے بہترین جگہ ہے اور یہاں بیٹھنے کے لئے کچھ نہ کچھ منگوانا ضروری ہے۔'' جیمس پوکر نے جواب دیا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی جیمس پوکر اب سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''سانتاہل کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟''

''ایک پرفضا اور خوبصورت مقام ہے۔''

''سانتاہل میں ایک شخص کے گھر میں 9 تاریخ کو ایک فینسی ڈریس شو پارٹی ہے جس میں بڑے بڑے افراد شرکت کریں گے اور تمہیں صرف اس فینسی ڈریس شو میں افراتفری پھیلانا ہے فائرنگ کرنا ہے مگر کسی کو ہلاک کرنا ضروری نہیں ہوگا لیکن ایسی ہنگامہ آرائی ہونی چاہئے کہ لوگ وہاں ٹِک نہ سکیں اور اس بات کو ذہن نشین کر لینا کہ اس ہنگامہ آرائی کے بعد تمہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ صاف وہاں سے نکل آنا ہے بس اتنا سا کام ہے، جو تمہیں ایک بھاری رقم کے عوض انجام دینا ہوگا۔''

''ساتھیوں کے ساتھ؟'' جیمس پوکر نے کس قدر متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں''

''لیکن میرے دوست! ساتھی بھی تو بلا معاوضہ کچھ نہیں کرتے۔''

''میں نے تمہیں دس ہزار کی یہ رقم بلاوجہ ہی نہیں پیش کی یہ صرف تمہیں اس بات کا اطمینان دلانے کے لئے تھی کہ میں درحقیقت تمہاری مالی پریشانیاں دور کرنا چاہتا ہوں اصل رقم تو اس کے بعد تمہیں دیجائے گی۔''

''اور وہ کتنی ہوگی؟''

''پچاس ہزار ڈالر سے لے کر ایک لاکھ ڈالر تک۔''

''اوہ مائی گاڈ! تم ایسی دل ہلا دینے والی باتیں کر رہے ہو کہ میں پاگل ہوتا جا رہا ہوں۔''

''نہیں جیمس پوکر! تمہیں ہوش وحواس میں رہ کر یہ سب کچھ سننا چاہئے۔ یہ ایک لاکھ کی رقم تمہاری ہوگی اور اس میں سے تم اپنے بقیہ ساتھیوں کو بھی حصہ دے سکتے ہو۔''

''میرے ساتھیوں کی تعداد کتنی ہونی چاہئے؟'' جیمس پوکر نے سوال کیا۔

''ایک بڑی پارٹی میں جس میں اندازے کے مطابق تقریباً سو افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ پیمانے پر ہنگامہ آرائی کے لئے میرا خیال ہے چھ سات افراد مزید درکار ہوں گے۔''

''فرض کرو، میں چھ افراد کو اپنے ساتھ شامل کرتا ہوں تو مجھے ان میں اچھی خاصی رقم تقسیم کرنا ہوگی مثلاً فی کس دس ہزار ڈالر اور چالیس ہزار ڈالر میری اپنی ملکیت۔ واہ! اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو کمال ہو جائے گا۔ اتنی بڑی رقم کے بعد تو میں ایک بھی قرض خواہ سے منہ چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کروں گا لیکن میرے دوست باقی لوگ بھی کچھ نہ کچھ ایڈوانس طلب کریں گے اور اس کے علاوہ جس قسم کی باتیں تم کر رہے ہو اس کے لئے کچھ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوگی جنہیں کرائے پر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے میں یہ سب کچھ کر لوں گا۔ بس تم یوں سمجھو کہ جیمس پوکر آج سے تمہاری ماتحتی میں ہے اس وقت تک، جب تک تمہارا کام مکمل نہ ہو جائے۔''

جیمس پوکر بہت زیادہ پُرجوش نظر آ رہا تھا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''لیکن اس کے ساتھ ہی میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ان لوگوں کو اور مجھے مزید رقم بھی درکار ہوگی۔''

''ہمارے اور تمہارے درمیان یہ معاملہ طے ہو جائے تو میں تمہیں چالیس ہزار ڈالر کی رقم ابھی اور اسی وقت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''تو پھر معاملات طے ہونے میں اب رہ کیا گیا میرے دوست! بہتر یہ نہیں ہوگا کہ تم اپنے ذہن میں یہ تسلیم کر لو کہ جیمس پوکر سے تمہارے معاملات مکمل طور پر طے ہو گئے ہیں اور میں تو تم سے کہہ ہی چکا ہوں کہ آج سے میں تمہاری ماتحتی میں کام کر رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے اب تم بقیہ لوگوں کا انتخاب کر کے مجھے ان سے ملوا دو اگر ضرورت محسوس کرو۔''

''ٹھیک ہے مجھے اپنا وہ ایڈریس بتا دو جہاں میں تم سے رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔''

''ہوٹل پیراگون روم نمبر ستائیس تم جب چاہو مجھ سے وہاں رابطہ کر سکتے ہو۔'' میں نے

نئے پروگرام کو ذہن میں رکھ کر کہا کیونکہ اب اس کام کی تکمیل کے لئے میں نے عارضی طور پر اپنی وہ رہائش گاہ بھی ترک کر دی تھی اور پیرا گون میں میرے لئے مسٹر لیری کنگ نے یہ کمرہ حاصل کر لیا تھا تا کہ ان کے منصوبے کے مطابق جمیس پوکر سے رابطہ قائم کرنے کے بعد میں اسی میں اس سے کاروباری گفتگو کر سکوں جمیس پوکر نے یہ پتہ ذہن نشین کر لیا اور اس کے بعد ہماری یہ ملاقات اختتام پذیر ہو گئی۔

میں وہاں سے واپس چلا تو نجانے میرے ذہن میں کیوں یہ بات آئی کہ جمیس پوکر پر نگاہ رکھی جائے کہیں یہ شخص میری طرف سے مشکوک ہو کر میرا تعاقب نہ کرے لیکن جہاں تک میری عقل ناقص کام کر سکتی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ جمیس پوکر نے میرا تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں پیرا گون پہنچ گیا اس نئے ہوٹل میں میں نے ابھی تک باقاعدہ قیام نہیں کیا تھا۔ بس کمرہ حاصل کرنے کے بعد ایک نگاہ اسے دیکھ لیا تھا جب میں پیرا گون کا کمرہ نمبر ستائیس کھول کر اندر داخل ہوا تو دفعتہً ہی مجھے احساس ہوا کہ میرے کمرے میں کوئی اور بھی موجود ہے میں نے چونک کر سامنے دیکھا تو میری مسہری پر لیری کوئین آرام سے لیٹی ایک کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی میرے قدموں کی آہٹ پر وہ کتاب کو اپنے سینے پر رکھ کر مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی اس کے انداز میں بڑی لگاوٹ تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ کمرے کا دروازہ معمول کے مطابق باہر سے بند تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ ”ایسی حالت میں تو میں تمہیں کوئی مافوق الفطرت ہستی سمجھنے پر مجبور ہوں۔“ لیری کوئین ہنس پڑی تھی۔

”نہیں میں زندہ ہوں اور زندگی سے بھرپور بھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم مجھے کبھی اس نگاہ سے نہیں دیکھتے۔“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور میں اس کے الفاظ کا مفہوم جاننے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ مفہوم تو کئی بار میرے علم میں آیا تھا لیکن میں اپنی فطری بزدلی کے باعث اس مفہوم کے راستے پر آگے نہیں بڑھ سکا تھا ایش کی دوسری بات تھی کیونکہ اس نے خود ہی مجھے کاک ٹیل پلائی تھی اور نجانے کیوں اس ابتدا پر میں آج تک کاربند تھا یعنی کاک ٹیل میرے مدمقابل ہی کو پلانا پڑی تھی بہرطور پر یہ لمحات ان باتوں کے سوچنے کے نہ تھے میں بھی سنبھل گیا اور پھر لیری کوئین بھی۔

”تمہاری ملاقات جیمس پوکر سے ہو گئی؟“

”ہاں! مگر تمہیں کیسے معلوم؟“

”اس طرح کہ میں تمہارے پیرا گون پہنچنے سے صرف دس منٹ قبل یہاں پہنچی ہوں۔“

”.....اور دیواروں میں سے گزرتی ہوئی اس کمرے میں آ گئی ہو، کیوں؟“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”نہیں بھئی! بہت معمولی سی بات ہے۔ بھلا ہم جیسے لوگ ایسے چھوٹے موٹے راستوں کو خاطر میں لاتے ہیں؟ جیمس پوکر سے تمام تفصیلی گفتگو طے ہو گئی؟“

”ہاں! میں نے اُس سے کہہ دیا ہے کہ مجھے مزید چند افراد درکار ہوں گے۔“

”بالکل ٹھیک! ویسے یہ جیمس پوکر، ڈیڈی کے خیال کے مطابق بڑے کام کا آدمی ہے۔ مگر بدنصیب ہے۔ ورنہ کروڑ پتی ہوتا۔ لا اُبالی فطرت کا مالک ہے۔ جیب میں پیسے نہیں ہوتے تو ہر کام کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اور جب آسودہ حال ہوتا ہے تو ہاتھ پاؤں ہلانا بھی پسند نہیں کرتا۔“

”اوہو..... پیسے تو اُس کی جیب میں اب بھی پہنچ گئے ہیں۔ کہیں وہ اپنے آپ کو آسودہ حال ہی نہ سمجھ لے۔“ میں نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں، نہیں..... کم از کم اس معاہدے کی تکمیل وہ ضرور کرے گا۔“ لیری کوئین نے جواب دیا۔ ”ویسے میں تمہارا زیادہ وقت نہیں برباد کروں گی۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ حالات پر میری اور ڈیڈی کی نگاہ ہے۔ تم اپنے آپ کو کسی بھی لمحے تنہا مت سمجھنا۔ اور اب تمام کام تمہاری ڈائریکشن میں ہوں گے۔ تم اپنے طور پر انہیں ہینڈل کرو گے۔ ابھی تک تم نہایت شاندار جا رہے ہو۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اپنا کام اسی طرح انجام دیتے رہو گے۔ ہم لوگ یعنی میں اور ڈیڈی اپنے اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ دراصل ہماری تمام تر توجہ اس بات پر ہے کہ ہم شین گروپ کے لوگوں کو چیک کر لیں۔ مگر ابھی تک اُن میں سے کوئی ہمارے علم میں نہیں آ سکا ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ کم از کم وہ ہماری نگاہوں میں ضرور آ جائیں۔ دیکھیں! وہ کس طرح کام کرتے ہیں اور اُن کی معلومات اس سلسلے میں کہاں تک پہنچی ہیں..... چنانچہ اب میں چلوں؟“

”ٹھیک ہے۔“ میں نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔ ظاہر ہے، اس سے زیادہ میں اور کیا کہہ سکتا تھا؟ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھ سے رخصت ہو کر چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں مسہری پر

دراز ہو گیا۔ اب اس وقت ذہن میں اور کوئی سوچ نہیں تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ جب سے میں نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کیا تھا، میرا تردّد مٹ گیا تھا۔ اور اب میں پورے طور پر یہ سوچ رہا تھا کہ مجھے یہ کام انجام دینا ہی ہے.....

☆.....☆.....☆

دوسرے دن جیمس پوکر میرے کمرے میں پہنچ گیا۔ اُس کے دو آدمی اور تھے۔ اُن میں ایک کھردرے چہرے والا قوی ہیکل تھا۔ دوسرا اُس کی نسبت کسی قدر شریف صورت ز آتا تھا۔ لیکن جیمس پوکر نے اُن کا تعارف یہ کہہ کر کرایا۔

"یہ شخص لائل بروڈی ہے۔ خاندانی مجرم..... اس کے باپ اور چچا کو تیرہ افراد کے قتل جرم میں پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ اس کا بڑا بھائی آٹھ افراد کو قتل کر کے خود بھی پولیس کی لیوں کا شکار ہو گیا تھا۔ اور اب یہ موصوف نہایت پامردی سے اپنے باپ دادا کے نقش پا پر چل رہے ہیں۔ چنانچہ اِن کے ہاتھوں اب تک تین قتل ہو چکے ہیں اور یہ چوتھے قتل تیاریوں میں مصروف ہیں۔ کاروبار کے کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ چنانچہ ب میں نے اِن کے سامنے یہ چھوٹا سا منصوبہ پیش کیا تو انہوں نے فوراً ہی آمادگی کا اظہار دیا اور میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ ہر چند کہ اِن کے سامنے کسی قسم کی معاملہ فہمی کی رت نہیں۔ لیکن بہرطور! میں ان سے آپ کا تعارف کرا دینا ضروری سمجھا۔ اور یہ رے صاحب جو بظاہر کسی کالج کے پروفیسر یا کسی رفاہی ادارے کے مینجر نظر آتے ہیں، ذاتِ شریف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دنیا بھر کی تجوریاں اُن کے سامنے ہنس پڑتی ہیں۔ اور تجوریوں کا عشق بہت پرانا ہے۔ اور عموماً انہیں ہم کوئی مضبوط سے مضبوط تجوری نے کے سلسلے میں استعمال کرتے ہیں۔ دیواروں میں سوراخ کر لینا اِن کے لئے بالکل ہنا ہے، جیسا حشرات الارض زمین میں اپنے لئے جگہ بنا لیتے ہیں..... سب سے بڑی نا کی صورت ہے۔ جس کو دیکھ کر پولیس ہمیشہ دھوکہ کھا جاتی ہے اور اپنے دل میں فیصلہ تی ہے کہ کم از کم یہ شخص جرائم پیشہ نہیں ہو سکتا۔ اِن کا نام میسن ہے۔ میسن واکر..... بقیہ اد آپ کی توقع کے مطابق ہیں چیف..... اور ان کا حصول میرے لئے مشکل نہیں گویا ہم ہوئے کل پانچ افراد..... اور میرا خیال ہے، جو ذمہ داری آپ نے ہمارے

سپرد کی ہے، اُس کے لئے ہم پانچوں بے حد کافی ہیں۔ آپ کو ہمارے سلسلے میں کسی قسم کی پریشانی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

''ہرچند کہ مجھے جیمس پوکر نے پوری تفصیلات بتا دی ہیں جناب! لیکن اس کے باوجود میں آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں کہ ہمارا مکمل کام کیا ہے؟'' لائل بروڈی نے سوال کیا۔

''جیمس پوکر نے جو تفصیلات بتائی ہیں، وہ یقیناً میری ہی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق ہوں گی۔ ہمیں ایک فینسی ڈریس شو میں شدید افراتفری پھیلانی ہے۔ لیکن اس طرح کہ نہ تو لوگ زخمی ہوں اور نہ اُن میں سے کوئی ہلاک ہو۔ اور سنو جیمس پوکر! اب تمام ذمہ داریاں میں نے تمہارے ہی سپرد کر دی ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس مہم کا انچارج میں نے تمہیں ہی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ میں اُس وقت تمہارے ساتھ موجود نہیں ہوں گا۔''

''ٹھیک ہے چیف! تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہم وہاں ایسا ہنگامہ برپا کریں گے کہ کسی کو اپنے جوتے کی بھی خبر نہیں ہوگی۔''

''اس کے بعد ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے جناب والا! کہ اس ہنگامے اور افراتفری کا مطلب کیا ہے؟'' لائل بروڈی نے سوال کیا۔

میں نے بھنویں ٹیڑھی کر کے جیمس پوکر کی طرف دیکھا تھا۔ ''جیمس پوکر! کیا اس شخص کو تم نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے سوال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی؟''

میرے اس رویئے کو جیمس پوکر نے محسوس کیا اور کہنے لگا۔ ''نہیں بروڈی! واقعی تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہئے۔ ہمارا کام ہمیں بتا دیا گیا ہے۔ اور اس کا بہتر معاوضہ جس کی حقیقت میں نے تمہارے سامنے پیش کر دی ہے، ہمیں دیا جا رہا ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہی ہوگا کہ ہم اچھی طرح افراتفری پیدا کرنے کے بعد وہاں سے نکل آئیں اور اپنا معاوضہ وصول کریں۔ بس! اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں معلوم کرنا چاہئے۔''

''میرے خیال میں تھوڑی بہت معلومات بہت ضروری ہوتی ہیں۔ فینسی ڈریس شو اگر صرف فینسی ڈریس شو ہے تو اُس میں افراتفری کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ کیا ہمیں وہاں کچھ ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑ سکتا ہے جو ہمارے راستے کی رکاوٹ بنیں گے؟'' لائل بروڈی دوبارہ بولا۔

''اس بات کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر میرا سوال بے معنی تو نہ ہوا۔ افراتفری کر کے آرام سے نکل آنا دوسری بات ہے۔ اور دوسرے لوگوں کا مقابلہ ایک الگ چیز.... آپ برا نہ مانیں چیف! ہم لوگ آپ کا کام دل سے قبول کر چکے ہیں اور جیمس پوکر نے ہمیں ہمارے معاوضے کے بارے میں بھی بتا دیا ہے۔ لیکن کسی کام کو صحیح طور پر انجام دینے کے لئے اس حد تک اس کے حالات سے واقف ہونا ضروری ہے کہ ہم خود اپنا تحفظ بھی کر سکیں۔'' لائل بروڈی ذہین آدمی تھا اور اُس کی یہ بات واقعی ایک ٹھوس حقیقت رکھتی تھی۔

میں نے چند لمحات سوچنے کے بعد کہا۔ ''اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم سانتا ہل کا ایک جائزہ لے کر اُس کی مکمل تفصیلات ذہن نشین کر لیں۔''

''ہاں چیف..... یہ مناسب ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ تم آج ہی شام اس کی تیاریاں مکمل کر لو۔ ہم سانتا ہل چلیں گے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور لائل بروڈی نے گردن خم کر دی۔

میں نے لیری کنگ اور لیری کوئین کی اُنگلی پکڑ کر چلنے کا فیصلہ ترک کر دیا تھا۔ اب اپنے طور پر بھی میں کافی پر اعتماد تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ میں نے اپنے طور پر ہی کیا تھا اور اس کی اطلاع اُن لوگوں کو دینا ضروری نہیں سمجھی۔

شام کو اُن کے ساتھ بقیہ دو افراد بھی تھے، جن سے میرا تعارف کرایا گیا۔ جیمس پوکر چونکہ اس مہم کا انچارج تھا، اس لئے میں نے بقیہ ذمہ داریاں اُسی پر چھوڑ دی تھیں۔ چنانچہ جیمس پوکر کی مہیا کردہ ایک کار میں بیٹھ کر ہم سانتا ہل کی جانب چل پڑے۔ جیمس پوکر ہی ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ہم یہ سفر طے کر کے بالآخر سانتا ہل پہنچ گئے اور یہاں آنے کے بعد ہم نے اُس مکان کا جائزہ لینا مناسب سمجھا۔ اپنی کار کو ہم نے ایک ایسی جگہ چھوڑ، جہاں دوسری بہت سی کاریں پارکنگ لاٹ پر کھڑی تھیں۔ ہیڈن ولیج کا مکان سانتا ہل کے شرقی کنارے پر واقع تھا۔ اُس کے مکان سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر ایک دریا بہتا تھا۔ مکان تین منزلہ تھا اور اُس کے چاروں طرف ایک وسیع و عریض باغ پھیلا ہوا تھا۔ مکان میں داخل ہونے کے لئے باغ کے پھاٹک سے ہی گزرنا پڑتا تھا۔ اور یہ پھاٹک صرف ایک تھا۔ ہم لوگ بڑی ہوشیاری سے دو ٹولیوں میں بٹ کر اس مکان کا جائزہ لینے

لگے۔ اطراف میں پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے اور ان پہاڑی ٹیلوں پر درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ جیمس پوکر نے ایک اچھے کارکن کی حیثیت سے وہ تمام انتظامات بھی کر لئے تھے، جو ہمارے لئے ضروری ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اُس کے پاس دُوربینیں، کیمرے اور ایسی بہت سی دوسری چیزیں تھیں۔

ہم لوگ غور سے مکان اور اُس کے اطراف کا جائزہ لینے لگے۔ ایک طرف دریا تھا، دوسری طرف دُور دُور تک کھیت بکھرے ہوئے تھے، اور پھر یہ باغ، جس کا ایک ہی دروازہ تھا۔ باغ کے احاطے میں چند افراد باغ اور درختوں کو سنوارنے کا کام کر رہے تھے۔ ویسے اس کارروائی سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ہیڈن ولیج کو ڈیوڈ ہاکر کی موت کی اطلاع نہیں ملی ہے۔ ورنہ وہ اپنے پروگرام کی تکمیل اس طرح نہ کرتا۔ یقینی طور پر اُس کا ڈیوڈ ہاکر سے بہت زیادہ رابطہ نہ ہوتا ہوگا۔ ہم کافی دیر تک اندازے لگاتے رہے اور یہ فیصلہ کرتے رہے کہ ہمیں اپنے کام کا آغاز کس طرح کرنا ہوگا.....

جیمس پوکر نے کہا۔ ''مکان کی مختصر عمارت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فینسی ڈریس شو کا انتظام اس وسیع و عریض باغ میں ہی کیا جائے گا اور عمارت خالی ہوگی۔ ویسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا چیف! کہ اس فینسی ڈریس شو میں کتنے افراد کو مدعو کیا گیا ہوگا؟ ذرا سا غور کیجئے..... اگر یہاں زیادہ افراد آئے اور ہم نے اپنی کارروائی کی تو بھاگ دوڑ میں بے شمار لوگ ہلاک ہو سکتے ہیں۔ ہر چند کہ ہم کسی پر گولی نہ چلائیں۔ اس کے علاوہ اس خوبصورت عمارت کا مکین کوئی معمولی حیثیت کا مالک نہیں ہوگا۔ ممکن ہے، اس فینسی ڈریس شو میں اخباری نمائندوں کو بھی مدعو کیا جائے۔ پریس فوٹو گرافر آئے تو اُن کے ساتھ کیمرے بھی ہوں گے۔ اور ان کیمروں میں ہماری تصویریں بھی آ سکتی ہیں۔ اس کے لئے ایک بہتر طریقہ یہ ہوگا کہ ہم نقاب لگالیں۔

''بالکل ٹھیک..... تم واقعی ذہین آدمی ہو جیمس پوکر! ویسے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمیں یہ بھی طے کر لینا چاہئے کہ ہم سے کون کون کس طرح کیا کام کرے گا.....'' میں نے کہا۔

جیمس پوکر نے کہا۔ ''ہمارا کام چونکہ صرف اتنا ہی ہے کہ ہم یہاں افراتفری پھیلائیں گے۔ اندازہ دراصل یہ ہونا چاہئے کہ اس فینسی ڈریس شو میں شرکت کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

نے طرح طرح کے رُوپ بھرے ہوں گے۔ اس لئے کسی کے پہچانے جانے کا تو نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے باوجود جن لوگوں کو کارڈ دیئے گئے ہوں گے، وہی اس ڈریس شو میں حصہ لے سکتے ہیں۔ یا پھر ہر شخص کو یہاں داخلے کی اجازت ہوگی۔''

''نہیں..... میرا خیال ہے، یہاں مخصوص گنے چنے قسم کے لوگ ہوں گے اور اُن کے ئے پر سخت نگاہ رکھی جائے گی۔''

''تو پھر ظاہر ہے کہ ہمیں احتیاط سے یہاں ایسے راستوں سے آنا پڑے گا، جہاں کسی کی پہنچے۔''

''بالکل ٹھیک!'' میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد ہم لوگ کافی دیر تک یہاں داخل ے اور اپنی کارروائی کرنے کے بارے میں پلاننگ کرتے رہے۔ ایک باقاعدہ نقشہ ب دیا گیا اور اُس کے بعد ہم جیمس پوکر کے ساتھ اُسی کار میں بیٹھ کر واپس آ گئے۔

جیمس پوکر نے مجھے میرا گون چھوڑ دیا تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا.....

ُن میں اپنے کمرے میں آنے کے بعد میں نے غسل کیا اور مسہری پر دراز ہو گیا۔ اس ہن میں جو پلاننگ ہوئی تھی، میرے خیال میں کافی حد تک مکمل تھی۔ اور میں ریڈ اسنیک لئے وہی بننے کی کوششوں میں کافی حد تک کامیاب ہو گیا تھا، جو مسٹر لیری کنگ بنانا تے تھے۔ اپنا تجزیہ کرنے کا اس دوران موقع ہی نہیں ملا تھا۔ ذہنی طور پر شدید مصروف تا۔ لیکن اب جب کہ ابتدائی کارروائیاں مکمل ہو چکی تھیں، ایک بار پھر میں نے اپنے کا جائزہ لیا اور نجانے کیوں مجھے خود پر غور کر کے حیرت ہوئی..... میں تو یہ سارے کام طرح کر رہا تھا جیسے اس قسم کی زندگی سے میری بھرپور واقفیت ہو۔ جیمس پوکر، لائل نا اور دوسرے افراد سے میں نے اسی انداز میں گفتگو کی تھی، جیسے اس سے پہلے بھی کے بہت سے کام کرتا رہا ہوں۔ نجانے کیوں مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میرے وجود یہ اور قوت حلول کر گئی ہے..... اور اُس نے مجھے بہت سہارا دیا ہے۔ میں اسے کی قوت نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ راعمیس تو بہت پہلے غائب ہو چکا تھا، اور میری ے جان چھوٹ گئی تھی۔ اس کے علاوہ جب وہ میرے ذہن پر حاوی ہوتا تھا تو مجھے موجودگی کا پورا پورا احساس ہو جاتا تھا۔ لیکن اب..... اب میرے اندر وہ بات نہیں اس کا مطلب ہے کہ یہ خود اعتمادی میری ذات میں پیدا ہو گئی ہے۔ اور ہونی بھی

چاہئے تھی۔ آخر کب تک زمانے کی ٹھوکروں میں پتھر بنا رہتا؟ جس نے جدھر چاہا، ٹھوکر مار کر لڑھکا دیا۔ میرے لئے یہ ضروری تھا کہ اپنی زندگی کا کوئی ایسا رُخ اختیار کر لوں جو میرے مستقبل میں معاون ثابت ہو۔ کئی بار ایسے مواقع آئے تھے، جب میری قوتیں جواب دے گئی تھیں اور ذہن نے یہی سوچا کہ اب فرار ہو جاؤں..... لیکن یہ فرار تو میں زندگی کے ہر حصے میں حاصل کرتا رہا تھا۔ ایک جگہ سے یہ سوچ کر بھاگتا کہ یہاں میری جان کو خطرہ ہے اور اُس کے بعد فوراً ہی کسی دوسرے جال میں پھنس جاتا۔ از سرِ نو اپنے آپ کو اُن کے درمیان ضم کرنا ہوتا۔ کبھی مرضی کے مطابق، کبھی مرضی کے خلاف..... اور نتیجہ وہی سب کچھ ہوتا، جو ہوتا چلا آیا تھا۔ چنانچہ اس بار میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنے آپ کو یہ ثابت کرنے کے بعد کہ میں وہ نہیں ہوں، جو میرے کرم فرما سمجھ رہے ہیں، اُن میں شامل ہو جاؤں۔

لیری کنگ اور لیری کوئین صرف دو افراد تھے، جن سے میرا واسطہ تھا۔ باقی اُن کے دشمن تھے جن سے میرا واسطہ اب پڑنے والا تھا۔ لیکن کم از کم یہ دو آدمی مجھے میری اصل حیثیت سے تسلیم کر چکے تھے۔ اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اُن کے درمیان میں دوسری تمام جگہوں سے زیادہ مطمئن تھا۔ یقیناً یہی وجہ تھی میری اس خود اعتمادی کی..... انہی خیالوں میں اُلجھا نجانے کب رات کو گہری نیند سو گیا۔

صبح کو جاگا تو حیرت سے چونکنا پڑا۔ سامنے صوفے پر لیری کوئین سوئی ہوئی تھی اور سوتے ہوئے اُس کا لباس بے ترتیب ہو گیا تھا..... میرے ذہن میں چنگاریاں سی اُڑنے لگیں۔ صوفے سے اُس کا ایک پاؤں نیچے لٹک گیا تھا اور دوسرا اُوپر تھا۔ بالکل بے سدھ سو رہی تھی۔ چند لمحات تو میں اُس کے سحر میں گرفتار رہا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر چونک اُٹھا کہ وہ رات کے کون سے حصے میں یہاں پہنچی..... اور کیوں پہنچی.....؟ خیریت تو ہے.....؟ لیکن اس طرح سوتے ہوئے اُسے جگانا بھی مناسب نہیں تھا۔ یہ جرأت بھی نہیں کر سکا تھا کہ اُس کے بے ترتیب بدن کو سمیٹ دوں یا اُسے اُٹھا کر مسہری پر لٹا دوں..... ابھی تک میرے اور اُس کے درمیان یہ رشتے قائم نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اُس سے نگاہ ہٹانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ یہ خوف بھی تھا کہ اگر اُس کی آنکھ کھلی اور اُس نے مجھے اس حال میں دیکھا تو نجانے کیا سوچے.....

کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا تو پونے آٹھ بج رہے تھے۔ میں اپنی جگہ

سے اُٹھا اور غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ غالباً میرے غسل خانے میں داخل ہوتے ہی لیری کوئین کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کیونکہ جب میں غسل خانے سے باہر نکلا تو وہ صوفے کی بجائے میری مسہری پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور صبح کا سلام کیا۔ میں نے بھی مسکرا کر اُسے جواب دیا تھا۔

"تم ہمیشہ یہی سوچتے ہو گے کہ میری آمد اسی انداز میں کیوں ہوتی ہے؟" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے یہ سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ میرا خیال ہے غسل کر لو! میں ناشتہ منگوا لیتا ہوں۔" میں نے بند دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور لیری کوئین غسل خانے کی طرف بڑھ گئی.....

پھر ناشتہ کرتے ہوئے اُس نے کہا۔ "ڈیڈی تمہاری کارکردگی سے بالکل مطمئن ہیں۔ تم نے کل سانتا ہل کا جائزہ لیا تھا؟"

"ہاں! اپنے اُن تمام ساتھیوں کے ساتھ، جنہیں اس سلسلے میں کام کرنا ہے۔"

"یہ بات ہمارے علم میں آ چکی ہے۔ یقیناً تمہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔ تم نے اپنے طور پر منصوبہ بندیاں کر لی ہوں گی کہ کس طرح تمہیں یا تمہارے ساتھیوں کو وہاں اپنا کام سرانجام دینا ہو گا۔"

"جس حد تک میں اپنے طور پر کر سکتا تھا، وہ میں نے کر لیا ہے۔ لیکن باقی کام ایسے ہیں، جن کے سلسلے میں تمہاری مدد کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"میں جانتی ہوں۔ سانتا ہل میں رابنسن گروسو نامی ہوٹل میں تمہارے لئے ایک کمرہ حاصل کر لیا ہے۔ اور آج دوپہر تک تم وہاں منتقل ہو جاؤ گے۔ اُس سے پہلے اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دینا۔ وہ اگر چاہیں تو اپنی سرگرمیاں ترک کر کے سانتا ہل پہنچ سکتے ہیں۔ انہیں اپنے طور پر وہاں قیام کرنا ہو گا۔ اور اگر تم چاہو تو انہیں اپنی نئی رہائش گاہ سے آگاہ کر دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن لیری! چند سوالات جو میرے ذہن میں اُلجھ رہے ہیں، اُن کے جوابات بے حد ضروری ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔ ابھی کئی باتیں ایسی ہیں، جو تمہیں بتانا ضروری ہوں گی۔ لیکن اس

کے لئے تھوڑے سے وقت کا انتظار کرلو ڈیئر! جو بتانے کی باتیں ہوسکتی تھیں یا جنہیں بتایا جا
سکتا تھا، وہ تمہارے علم میں آ چکی ہیں۔ اور جو باتیں ابھی تک ڈیڈی کے ذہن میں واضح
نہیں ہیں، انہیں ظاہر ہے تم تک کیسے پہنچایا جا سکتا ہے؟ ڈیڈی صرف اُن کے بارے میں
تحقیقات مکمل ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اب وقت بھی قریب آ گیا ہے اور ہمیں اپنی
کارکردگی کا آخری جائزہ لینا ہوگا۔ میں اسی لئے تمہارے پاس آئی تھی کہ تمہیں وہاں جانے
کے لئے مکمل ہدایات دے دوں۔''

''او کے۔'' میں نے جواب دیا۔

ناشتے کے بعد لیری کوئین مجھے ضروری معلومات سے آگاہ کر کے واپس چلی گئی اور میں
نے سب سے پہلے جیمس پوکر سے رابطہ قائم کیا۔ جیمس پوکر میرے پاس پہنچ گیا۔ سب سے
پہلے اُس نے مجھے اپنے بارے میں رپورٹ دی۔ اُس نے کہا کہ دھماکہ خیز اشیاء، دوسٹین
گنیں اور دو ریوالور حاصل کر لئے گئے ہیں، جن کے ذریعے وہاں کارروائی ہوگی۔ اور اب
بہتر یہ ہے کہ وہاں اپنے قدم جما لئے جائیں۔ میں نے جیمس پوکر سے کہا کہ میں نے خود
بھی اُسے اسی لئے طلب کیا تھا۔ وہ سانتا ہل میں اپنے لئے مناسب مقام تلاش کر لے اور
اپنے ساتھیوں پر پوری نگاہ رکھے۔ میں آج ہی سانتا ہل مقیم ہو رہا ہوں۔

''کہاں قیام کریں گے چیف؟''

''رابنسن گروسو۔ کمرہ نمبر تین سو اٹھارہ.....''

''میں آپ سے وہاں رابطہ قائم کرسکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں.....اگر کوئی اور ہدایت ہوئی تو تمہیں دے دی جائے گی۔''

''تو ٹھیک ہے چیف! آج تو نہیں، کل دن میں سانتا ہل میں تم سے ہوٹل کے کمرے
میں ملاقات کروں گا۔''

جیمس پوکر کو تمام ہدایات دینے کے بعد میں نے اُسے رخصت کر دیا۔ اور پھر تیاریاں
مکمل کر کے سانتا ہل کی جانب چل پڑا۔ سانتا ہل تک سفر کرنے کے لئے میں نے ایک
ٹیکسی استعمال کی تھی۔ ٹیکسی نے مجھے رابنسن کروسو چھوڑ دیا۔ اپنی طرز کا حسین ترین ہوٹل
تھا۔ جسے پہلے میں نے نہیں دیکھا تھا۔ ویسے بھی سانتا کروسو پہاڑی ٹیلوں اور برف پوش
چوٹیوں کے درمیان گھرا ہوا ایک خوبصورت مقام تھا جہاں سبزے کی بہتات تھی۔ رُوم نمبر
تین سو اٹھارہ کی کھڑکی عقبی سمت میں کھلتی تھی۔ اور یہاں سے برف میں ڈوبی پہاڑیوں کا
منظر بے حد حسین نظر آتا تھا۔ میں ان مناظر میں کھو گیا.... زندگی کا حسن جگہ جگہ بکھرا نظر آتا
ہے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بدنصیب ہوتے ہیں، جو اس حسن کو محسوس تو کرتے ہیں لیکن اس
سے لطف اندوز ہونے کے مواقع میسر نہیں ہوتے۔ میں بھی اُنہی لوگوں میں سے ایک
ہوں..... جب ذہن میں خوفناک خیالات ہوں تو زندگی کا حسن پھیکا پڑ جاتا ہے۔ میں سانتا
ہل آنے کے بعد وہاں کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکا تھا۔ میں
نے ہوٹل ہی میں وقت گزارا۔ کسی نے مجھ سے دن بھر رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔

دوسرے دن گیارہ بجے جیمس پوکر میرے پاس پہنچ گیا تھا۔ اُس نے رسمی گفتگو کے بعد
کہا کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت سانتا ہل میں مقیم ہوگیا ہے۔ اُس نے اپنے پتے سے مجھے
آگاہ کر دیا۔ اُسے بتانے کے لئے میرے پاس ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، جو میں اُسے
بتاتا۔ کافی دیر تک وہ میرے ساتھ رہا۔ البتہ دوسری رات کے لئے میں نے اُسے کہہ دیا تھا
کہ وہ کام کرنے کی رات ہے۔ جیمس پوکر کو پہلے ہی اس بارے میں تفصیلات معلوم تھیں۔
چنانچہ اُس نے پر اعتماد لہجے میں کہا کہ وہ اور اُس کے ساتھی مکمل طور پر تیار ہیں۔

رات کو تقریباً ساڑھے دس بجے لیری اور مسٹر لیری کنگ میرے پاس پہنچے۔ بڑے پر
وقار نظر آ رہے تھے وہ۔ مجھ سے مصافحہ کرنے کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گئے اور انہوں نے
مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کہو ڈیئر مون! کیسا وقت گزر رہا ہے؟''

''بہت مناسب۔ کوئی اُلجھن کی بات نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ممکن ہے کم از کم اس کیس کی حد تک یہ میری تم سے آخری ملاقات ہو۔ اور اس کے
بعد ہم اُس وقت ملیں، جب اپنے معاملات سے فارغ ہو چکے ہوں۔ چنانچہ میں تم سے
کچھ گفتگو کر لینا چاہتا ہوں۔''

''یقیناً مسٹر کنگ!''

''سوالات تم کرو۔ میں صرف جواب دوں گا۔''

''میرے ذہن میں صرف ایک ہی سوال ہے۔ وہ یہ کہ وہ کون لوگ ہیں جو ہیڈن ویلیج
والی فلم کی خریداری کریں گے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ کون لوگ ہیں، جنہوں نے ڈیوڈ
کو اس سلسلے میں تیار کیا ہے اور اگر اُن کا تعلق براہِ راست ڈیوڈ ہاکر سے رہا ہے تو کیا

انہیں یہ بات معلوم نہیں ہوسکی ہوگی کہ ڈیوڈ ہاکر اب اس دنیا میں موجود نہیں.....؟ میرا خیال ہے انہیں ڈیوڈ ہاکر سے آخری رابطہ تو قائم کرنا چاہئے تھا۔''

''میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں ڈیئر مون! کہ اس سلسلے میں، میں اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود کچھ نہیں معلوم کرسکا۔لیکن جہاں تک شین گروپ کے بارے میں میرا جائزہ ہے، میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کم ازکم شین گروپ کے کسی فرد نے کسی بھی ذریعے سے ہیڈن ولیج سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ وہ لوگ صرف اُس فلم کو حاصل کرنے کے لئے مجرمانہ کوششیں کرسکتے ہیں۔ کیونکہ فلم کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنا اُن کے بس کی بات نہیں۔ باقی رہا کسی ایسے ملک کا معاملہ، جس نے اگر شین گروپ کے ذریعے اس فلم کے حصول کا پروگرام بنایا ہے تو تب بھی شین جیسے جرائم پیشہ شخص کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی بڑی رقم کے عوض فلم خریدنے کی کوشش کرے۔ بلکہ وہ یقیناً اپنے طور پر اُس فلم کے حصول کے لئے کوشاں ہوگا تاکہ ساری دولت ہڑپ کرسکے۔ اس کے بعد کوئی ایسا ملک رہ جاتا ہے، جو اس فلم کی منہ مانگی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو۔ اور افسوس! اُس کے بارے میں، میں کچھ نہیں معلوم کرسکا۔لیکن فکرمت کرو۔ آخری لمحے تک میں یہ کوشش جاری رکھوں گا۔ اور اگر مجھے یہ علم ہوگیا تو کم ازکم میں اُس شخص کی نشاندہی ضرور کروں گا، جو ڈیوڈ ہاکر کے ذریعے ہیڈن ولیج سے ملاقات طے کررہا ہے۔''

''سوچ لیجئے مسٹر کنگ! کہیں اس لاعلمی سے ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔''

''یہیں تمہاری صلاحیتوں کی آزمائش ہے مائی ڈیئر مون! اور یہیں تمہیں اپنے کمال کا آخری مظاہرہ کرنا ہے۔''

''اور اگر میں اس میں ناکام رہا تو؟''

''عمر وسیع ہے۔ کامیابی یا ناکامی دو لفظ ہی ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک ہمارے حصے میں آئے گی۔ لیکن جو کچھ بھی ہمیں ملا، ہم اُس پر قناعت کریں گے۔ چنانچہ اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''میرا خیال ہے، اس کے علاوہ اور کوئی بات ایسی نہیں ہے، جو مجھے آپ سے پوچھنی ہو۔''

''ٹھیک ہے۔'' مسٹر کنگ نے کہا۔ اور پھر بولے۔ ''اور اگر مجھے کچھ معلوم ہوسکا تو

تمہیں اس کی اطلاع دے دی جائے گی۔''

''بہت بہتر مسٹر کنگ!'' میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

لیری کوئین اس دوران بالکل خاموش رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔''اوکے ڈیڈی! آپ یہاں رُکیں گے یا آپ کو جانا ہے؟''

''نہیں کوئین! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے.....'' مسٹر لیری کنگ نے کہا اور اُس کے بعد وہ مجھ سے مصافحہ کرکے واپس چلے گئے۔

لیری کوئین میری طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے گہری سانس لے کر کہا۔''اور ضروری ہے کہ میں تمہیں ڈیوڈ ہاکر بنادوں.....''

''لیکن لیری کوئین! یہ رات اور بقیہ دن میں کہاں گزاروں گا؟''

''اس کمرے کے برابر والا کمرہ مسٹر ڈیوڈ ہاکر کے لئے مخصوص کرالیا گیا ہے۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہوگا کہ نیچے جاکر واپس آؤ اور کاؤنٹر سے اس کمرے کی چابی حاصل کرلو۔'' لیری کوئین نے جواب دیا۔

بات بہت معمولی سی تھی۔ چنانچہ مجھے کوئی اُلجھن نہیں ہوئی۔ البتہ بس! یہ خیال دل میں تھا کہ کہیں اس کے بعد جیمس پوکر مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مجھے بدلی ہوئی شکل میں دیکھ کر وہ ضرور چونکے گا۔ بظاہر ہمارے درمیان بھی آخری گفتگو ہوچکی ہے۔ اور یہ طے پایا تھا کہ اب جیمس پوکر صرف اپنا کام کرے گا اور مجھ سے ملاقات کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ کام کی تکمیل کے بعد ہمارے درمیان ملاقات ہوگی۔ چنانچہ میں نے آمادگی کا اظہار کردیا۔

میک اَپ کے فن میں لیری کوئین کی مہارت کا قائل میں پہلے ہی ہوگیا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں جادو تھا۔ چنانچہ وہ میرا چہرہ تبدیل کرنے لگی۔ میں نے ڈیوڈ ہاکر کی لاش دیکھی تھی۔ لیکن جب آئینہ دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ ڈیوڈ ہاکر ایک بار پھر زندہ ہوگیا ہے۔ اُس کے بعد کی کارروائیاں معمول کے مطابق تھیں۔ نیا کمرہ تین سو اُنیس نمبر تھا۔ اور میرے کمرے سے اُس کی دیوار مشترک تھی۔ لیکن بہرطور! مجھے نئی حیثیت سے یہاں پہنچنا پڑا تھا۔

لیری کوئین تھوڑی دیر کے بعد ہی واپس چلی گئی۔ اُس نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ اب کامیابی کے بعد ہی ہماری ملاقات ہوگی۔

دوسرا دن معمول کے مطابق تھا۔ اتفاق سے جیمس پوکر کو بھی مجھ سے ملاقات کی کوئی ضرورت نہیں پیش آئی۔ رات کے مخصوص حصے میں، میں ہوٹل سے باہر نکلا۔ شاندار قسم کی سفید کار ہوٹل کے بیرونی دروازے پر کھڑی ہوئی تھی، جس کی چابی لیری کوئین دے گئی تھی۔ اسی کار میں ہندوستانی مہاراجاؤں کا وہ سادہ لباس بھی موجود تھا، جسے پہن کر مجھے فینسی ڈریس شو میں شرکت کرنا تھی۔ اس کے علاوہ میرے چہرے وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا تھی۔ تاکہ وہ لوگ جو میرے ذریعے کام کرنے کے خواہش مند تھے۔ مجھے پہچاننے میں دقت محسوس نہ کریں۔

میں کار ڈرائیو کرتا ہوا بالآخر اُس جگہ پہنچ گیا، جہاں دوسری بہت سی کاریں کھڑی تھیں۔ عمارت شاندار پیمانے پر آراستہ کی گئی تھی۔ تیز روشنی کا معقول بندوبست تھا۔ ہمارے اندازے کے مطابق باغ ہی میں اس فینسی ڈریس شو کا اہتمام کیا گیا تھا اور کافی افراد وہاں نظر آرہے تھے۔ میں بھی ایک عام اور غیر متعلق آدمی کی طرح ہندوستانی مہاراجاؤں کے سفید لباس میں اندر داخل ہوگیا۔ جو لوگ یہاں نظر آرہے تھے، اُن کی حیثیت کا اندازہ اُن کی کاروں ہی سے ہوتا تھا۔ عورتیں، نوجوان لڑکیاں طرح طرح کے سوانگ بھرے وہاں موجود تھیں۔ ایک خوبصورت سی لڑکی سیاہ رنگ کا چست لباس پہنے، بلی کا ماسک چڑھائے چاروں ہاتھوں پیروں کے بل اُچھلتی پھر رہی تھی۔ ایک خاتون گھڑیال بنی ہوئی تھیں۔ بہت سے حضرات طرح طرح کے مضحکہ خیز حلیوں میں نظر آرہے تھے۔ بعض کے چہرے نمایاں تھے اور بعض پوشیدہ۔ چاروں طرف خوب ہنگامہ آرائی تھی۔ شراب کی ٹرالیاں گردش کر رہی تھیں اور فینسی ڈریس شو میں شریک حضرات اُن سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پھر ایک بھیڑیئے کا ماسک لگائے ہوئے خاتون میرے نزدیک پہنچ گئیں اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ سے کہا۔

''مہاراجہ کو سلام!'' آواز لیری کوئین کی تھی۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا تو وہ آہستہ سے گردن ہلاتی ہوئی بولی۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں تمہیں ہیڈن ولیج کے بارے میں بتانا چاہتی ہوں۔ وہ شخص جسے تم پرتگالی ملاح کے رُوپ میں دیکھ رہے ہو، ہیڈن ولیج ہے۔ خیال رکھنا۔''

''اور کوئی شناسا شخصیت؟''

''یوں تو بہت سے شناسا لوگ ہیں۔ لیکن قابلِ ذکر کوئی نہیں۔ ان میں سے کون کیا ہو سکتا ہے؟ ہم اندازہ نہیں لگا سکے اور اس سلسلے میں مسٹر کنگ بھی کوئی نمایاں کام انجام نہیں دے سکے۔ لیکن ہیڈن ولیج تم سے رابطہ رکھے گا۔''

وہ خاتون لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئیں اور میں نے ہیڈن ولیج کی نگاہ میں رکھ لیا۔ اب اُس شخصیت کا تصور میرے لئے پریشان کن تھا جس کے ایماء پر میں ہیڈن ولیج سے فلم کی خریداری کر رہا تھا۔ میری یہ مشکل بھی حل ہوگئی۔ ایک بھاری بھرکم شخص جس کے چہرے پر ایک بڑا سا چہرہ سجا ہوا تھا اور صورت سے ہی بہت خطرناک نظر آرہا تھا، میرے نزدیک پہنچ گیا۔ ''مسٹر ڈیوڈ ہاکر! آپ کی کامیابی کا منتظر ایلوس.....''

''اطمینان رکھیں مسٹر ایلوس! آپ کی خواہش کے مطابق کام ہو رہا ہے۔'' نجانے کیوں میری زبان سے نکل گیا اور میں خود اپنے ان الفاظ میں کھو گیا۔

وہ شخص تو لہراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ لیکن میں متحیرانہ انداز میں کھڑا اپنے آپ پر غور کر رہا تھا۔ کتنے اعتماد سے میں نے اُسے یہ جواب دیا تھا؟ کیا اس میں میری کاوشوں کو دخل ہے؟ یا..... یا پھر..... یا پھر.....؟ اور نجانے کیوں اس وقت دل کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ جو کچھ میں کر رہا ہوں، اس میں میری قوتِ ارادی کو کس حد تک دخل ہے؟ بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ کوئی میرے وجود میں بول رہا ہے۔ اور وجود میں بولنے والا میرا شناسا ہے..... لیکن اُس شناسا کی شناسائیوں کی جو نشانیاں ملتی تھیں، اُن کا دُور دُور تک پتہ نہیں تھا۔ بہرطور! یہ وقت اس طلسم میں گرفتار ہونے کا نہیں تھا۔ مجھے ماحول پر پوری نگاہ رکھنا تھی۔ خوش گپیاں، قہقہے، بدمستیاں، ہنگامہ آرائیاں جاری تھیں۔ اندر ہال میں رقص کے لئے بندوبست کیا گیا تھا۔ غرض یہ کہ ہر شخص اپنی دُھن میں مست تھا۔ ابھی وہ وقت دُور تھا جب جیمس پوکر کو اپنی کارروائی انجام دینا تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ لمحات قریب آتے جا رہے تھے.....

پھر وہی شخص، جس کا چہرہ خوفناک بنا ہوا تھا، میرے نزدیک پہنچ گیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اُس کا رُخ اندرونی دروازے کی طرف تھا۔ میں نے ایک بار ہیڈن ولیج کی طرف دیکھا۔ وہ ایک گوشے میں کھڑا ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ ہم دونوں سیڑھیاں عبور کر کے اندر پہنچ گئے۔ تو اُس شخص نے کہا۔ ''ڈیئر ہاکر! تمام معاملات طے ہو

چکے ہیں نا؟''

''ہاں.....''

''تو پھر یہ قبول کرو۔'' اُس نے ایک بریف کیس نکال کر میرے سامنے کھول دیا۔ بریف کیس میں نوٹوں کی گڈیاں جمی ہوئی تھیں اور یہ سب بہت بڑے بڑے نوٹ تھے..... بریف کیس میں اُن کی تعداد بتاتی تھی کہ وہ ایک بہت بڑی رقم ہے۔ یہ رقم میرے پروگرام میں شامل نہیں تھی۔ تاہم کام کی تکمیل کے لئے اسے لینا ضروری تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ باغ کے اُس گوشے میں میری کارروائی کی تکمیل کا انتظار کریں گے۔''

''لیکن مجھے خطرہ ہے۔ اور میں یہاں بہت سے مشکوک چہروں کو دیکھ چکا ہوں۔''

''یہ میری ذمہ داری ہوگی کہ میں اصل چیز آپ کو پہنچا دوں.....''

''سنو! باغ کے اُس گوشے کی بجائے اگر میں تمہیں اپنی کار میں ملوں تو کیسا رہے گا؟ میری کار گرے رنگ کی رولز رائس ہے۔ جس کا نمبر 7411 ہے۔''

''میں پارکنگ لاٹ میں اُسے تلاش کرلوں گا۔'' میں نے جواب دیا اور وہ شخص واپسی کے لئے مڑ گیا۔ افسوس! میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ وہ کون ہے؟ اور اُس کا تعلق کس ملک سے ہوسکتا ہے؟ یہ اندازہ لگانے کا وقت بھی نہیں تھا۔ کیونکہ کام کے لمحات قریب آتے جا رہے تھے۔ میں نے دفعتہً ہی اُس شخص کو قریب آتے دیکھا جو لیری کوئین کے بتائے ہوئے حلیئے کے مطابق ہیڈن ولیج تھا۔ ہیڈن ولیج ٹہلتا ہوا میرے نزدیک آیا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''میرے پیچھے چلے آؤ۔''

میں نے اُس کی ہدایت پر خاموشی سے عمل کیا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں اعصابی کشیدگی کا شکار تھے۔ لیکن اپنے آپ کو مطمئن رکھنا بھی انتہائی ضروری تھا۔ ہم لوگ ایک چوڑی راہداری سے گزرتے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اُس کمرے میں پہنچنے کے بعد ہیڈن ولیج نے اپنے چہرے سے اپنا ماسک اُتار دیا اور میں آہستہ سے بولا۔

''ہاں مسٹر ہیڈن ولیج! یہ آپ کی مطلوبہ رقم موجود ہے۔ براہِ کرم! جلدی کیجئے..... تاکہ ہمارا کام باآسانی ہو جائے۔''

''رقم چیک کر لینے دو مجھے۔'' ہیڈن ولیج نے کہا اور بریف کیس کھول کر اُس میں رکھے

نوٹ دیکھنے لگا۔ میں نے اُس شخص کی آنکھوں میں مسرت کی ایک چمک دیکھی تھی۔ کی صحیح تعداد کا اندازہ لگانے کے بعد اُس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور بریف اپنے قبضے میں لے کر آگے بڑھ گیا۔ چند لمحات کے بعد ایک دیوار کے قریب پہنچ کر نے کچھ بٹن دبائے اور دیوار کا ایک حصہ کسی کاغذ کی طرح رول ہوگیا۔ اُس کے پیچھے ہنی سیف نظر آ رہا تھا..... ہیڈن ولیج نے آہنی سیف کھول کر ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا یف دوبارہ بند کر کے پیکٹ میرے سامنے کر دیا..... میں نے احتیاطاً اس پیکٹ کو کھول یکھا۔ ایک چھوٹی سی پلاسٹک بوتل میں وہ مائیکروفلم رکھی نظر آ رہی تھی، جس کے حصول لئے اس وقت دنیا کے نجانے کون کون سے ممالک سرگرداں تھے۔

میں نے ہیڈن ولیج سے کہا۔ ''مسٹر ہیڈن ولیج! کیا یہ فلم قابل اعتماد ہے؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ تمہارے خیال میں کوئی دھوکہ دہی ہوسکتی ہے؟'' ہیڈن ولیج عجبانہ انداز میں کہا۔

''نہیں۔ اس بات کے امکانات تو نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ نے تصدیق کر ضروری تھا۔''

''کیا بات ہے ڈیوڈ ہاکر! تمہارا انداز اس وقت کچھ بدلا بدلا سا ہے۔ تم مجھ پر شک کر ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟''

''نہیں..... نہیں مسٹر ہیڈن ولیج! شک کی.....'' میں نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ دفعتہً ہی ٹھ گئیں قہقہے لگانے لگیں۔ بموں کے دھماکے ہوئے اور پھر بے پناہ شور پھوٹ پڑا..... حلق پھاڑ کر چیخ رہی تھیں۔ مرد دہشت زدہ ہوکر اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ ہیڈن نے خوفزدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور بولا۔

''یہ..... یہ سب..... یہ سب.....''

''ہاں مسٹر ہیڈن ولیج! یہ سب ضروری تھا۔ کیونکہ اس وقت نجانے کتنے افراد اس فلم حصول کے لئے یہاں تک پہنچے ہیں۔ تمہاری رازداری کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی ہیں یہاں ایسے افراد کا مجمع ہے، جن میں سے کئی اس فلم کے حصول کی کوشش کرنے آئے ہیں۔''

''نہیں نہیں..... یہ کیسے..... یہ کیسے.....'' ہیڈن ولیج اتنا کہہ کر اچانک ہی خاموش ہو

گیا۔ اُس کے انداز سے یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے اُس نے دروازے میں کسی کو دیکھ لیا ہو۔ باہر افراتفری مسلسل جاری تھی۔ اور گولیوں کی آوازیں فضا میں گردش کر رہی تھیں۔ میں بے اختیار پلٹا اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دروازے میں کھڑا ہوا شخص لائل بروڈی تھا۔ میرا ماتحت...... جیمس پوکر کا فراہم کردہ آدمی...... جس کی ذمہ داری اس وقت کچھ اور ہونی چاہئے تھی۔ میں نے متعجبانہ نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ مسکراتا ہوا ایک قدم آگے بڑھ آیا۔

''ہاں مائی ڈیئر! یہ میں ہی ہوں۔ اور میری شناخت کے لئے تمہیں شین گروپ کا یہ کارڈ دُور ہی سے دکھایا جا سکتا ہے۔'' اُس نے سرخ رنگ کا ایک ننھا سا کارڈ دُور ہی سے مجھے دکھایا، جس پر دو ستارے بنے ہوئے تھے اور اُن کا رنگ سفید تھا...... میرے بدن میں سناٹا پھیل گیا۔ بروڈی ایک قدم اور آگے بڑھا اور پھر اُس نے پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ بند کیا اور اُس سے پشت لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں یہ نہیں جانتا مائی ڈیئر مسٹر ڈیوڈ ہاکر! کہ درحقیقت تم کون ہو؟ لیکن یوں سمجھ لو کہ میں تمہاری طرف سے ایک لمحے کے لئے غافل نہیں رہا۔ جیمس پوکر کے ذریعے میری تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن اُس کے بعد میں مسلسل تمہاری نگرانی کرتا رہا ہوں۔ آپ کو یہ سن کر یقیناً حیرت ہو گی مسٹر ہیڈن ولیج! کہ یہ شخص آپ کا ماتحت ڈیوڈ ہاکر نہیں ہے۔ بلکہ اور ہی کوئی اجنبی شخصیت ہے۔ غالباً کسی ملک کا سیکرٹ ایجنٹ جس نے ڈیوڈ ہاکر کا رُوپ دھار کر بڑی کامیابی سے یہ فلم اپنے قبضے میں کی ہے۔ لیکن بدقسمتی بعض اوقات انسان کو موٹی موٹی باتوں پر غور نہیں کرنے دیتی۔ شاید یہ بات اس شخص کو بھی نہیں معلوم کہ ڈیوڈ ہاکر کو میں نے اپنے ہاتھ سے گولی ماری تھی۔ تین گولیاں اُس کے سینے میں لگی تھیں۔ اُس وقت وہ میرے چنگل سے فرار ہو گیا تھا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ زندہ نہیں بچ سکا۔ تمہارے پیٹ پر گولیوں کے تین نشان موجود ہیں مسٹر......؟'' لائل بروڈی نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

میرے اعصاب شل ہو گئے تھے۔ ذہن میں خیالات کی ایک فلم سی چل رہی تھی۔ کیا جیمس پوکر، لائل بروڈی اور دوسرے دو افراد شین گروپ سے تعلق رکھتے تھے؟ ویسے یہ جان کر مجھے شدید حیرت ہوئی تھی کہ ڈیوڈ ہاکر اس شخص کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ میں کتنی آسانی سے اس شخص کے جال میں جا پھنسا۔ لیکن بھلا میرا کیا قصور؟ اس منصوبے میں احمقانہ غلطی تو

سٹر لیری سے ہوئی تھی۔ جنہوں نے مجھے جیمس پوکر تک پہنچایا تھا۔ اب اگر جیمس پوکر یا اُس ے ساتھی غلط ہیں تو اس میں میرا کیا قصور؟ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسٹر لیری کنگ ے سامنے جوابدہی کی نوبت اُس وقت آتی جب یہاں سے زندگی بچانے کا موقع ملتا...... ئل بروڈی کے انداز سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ دروازے بند کرنے کے بعد وہ ئی خاص قسم کی کارروائی کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ کارروائی کم از کم میری یا پھر ہم دونوں کی وت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی......؟ میرے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ مگر ں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے لائل بروڈی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''تم کون ہو؟ اور ان فضول باتوں سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ مسٹر ہیڈن ولیج! یہ شخص جو کچھ بکواس کر رہا ہے، اُس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہمارے درمیان تمام کارروائی مکمل ہو چکی ہے اور اس میں اب کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''گنجائش مسٹر ہیڈن ولیج نہیں بلکہ میں پیدا کروں گا۔'' لائل بروڈی نے دروازے کی چٹخنی بھی چڑھا دی...... ہیڈن ولیج کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آ رہے تھے۔ لائل بروڈی اپنا پستول لہراتا ہوا میری جانب بڑھا۔ اور میرے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اُس نے نہائی احتیاط سے اپنے پستول کی سائلنسر لگی ہوئی نالی میرے سینے میں عین دل کے مقام پر رکھ دی اور اُس کے بعد میری گردن کے قریب کچھ ٹٹولنے لگا۔ میک اَپ ماسک اُتارنے لا اُسے کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے ماسک اُتار کر پھینک دی تھا۔ لیکن یہاں وہ حماقت کا شکار ہو گیا تھا۔ مسٹر ہیڈن ولیج کو بھلا اس بات سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی کہ مائیکروفلم کس کے ہاتھ میں پہنچی ہے۔ انہیں تو اُن کی مطلوبہ رقم مل گئی تھی۔ چنانچہ وہ بھلا کیا تکلف کر سکتے تھے؟ اور اب بھی ان حالات میں جب کہ باہر گولیاں چل رہی تھیں اور دستی بموں کے دھماکے سنائی دے رہے تھے، انہوں نے برق رفتاری سے پستول نکالا اور لائل بروڈی کی طرف رُخ کر کے گولی چلا دی۔ لائل بروڈی اُچھل پڑا تھا۔ مسٹر ہیڈن ولیج کے پستول سے یکے بعد دیگرے تین گولیاں نکلیں اور لائل بروڈی کے بدن میں پیوست ہو گئیں...... لائل بروڈی نے گرتے گرتے میرا نشانہ لیا اور ایک فائر کر دیا۔ لیکن اس فائر نے مسٹر ہیڈن کی پیشانی کے چیتھڑے اُڑا دیئے تھے...... اُن کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیلے اور پھر وہ منہ کے بل زمین پر آ رہے...... چاروں طرف خون ہی خون بکھر گیا

تھا۔ میں نے ایک لمحے میں اپنے آپ کو سنبھالا..... مائیکروفلم احتیاط سے اپنے لباس میں محفوظ کی اور پھر نوٹوں سے بھرا ہوا بریف کیس ہاتھ میں لٹکا لیا۔ اس رقم کو دیکھنے کے بعد اسے ضائع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر میں انتہائی پھرتی سے باہر نکلا۔ ڈیوڈ ہاکر کا میک اپ میرے چہرے سے اُتر چکا تھا۔ لیکن بحالت مجبوری اب اسی شکل میں مجھے یہاں سے نکل بھاگنا تھا۔ میرے کانوں میں عجیب سی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے باہر شدید افراتفری پھیلی ہوئی ہو۔ ابھی میں مسٹر ہیڈن ولیج کی اس خواب گاہ سے باہر نکلا ہی تھا کہ دفعتہً ہی مجھے جیمس پوکر دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اُس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا، لیکن دوسرے لمحے وہ میرے پاس پہنچ گیا۔

''ادھر..... چیف ادھر..... نجانے کہاں سے پولیس کی بے شمار گاڑیاں آ گئی ہیں۔ آپ نے سائرن کی آواز سنی ہوی۔ اس عمارت کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے اور اب ہمارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم اُوپری منزل پر پہنچ کر فرار کا جائزہ لیں اور جو جگہ محفوظ پائیں، اُس سے اُتر کر نکل جائیں۔ صرف لائل بروڈی کا پتہ نہیں ہے۔ ورنہ باقی دو افراد باہر پہنچ چکے ہیں اور گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ گاڑی عمارت کے عقبی حصے کے شمالی حصے میں ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح وہاں تک پہنچنا ہے۔ مگر چیف! لائل بروڈی کا انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ صورت حال انتہائی خوفناک ہوئی ہے۔ آیئے..... براہِ کرم! اس طرف آیئے.....''

ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ جیمس پوکر پر اعتبار کروں یا نہ کروں؟ اُس نے مجھے دیکھ کر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بہر حال! اگر پولیس نے واقعی عمارت کو گھیرے میں لے لیا تھا تو پولیس کے ہاتھوں پڑنے کی بجائے بہتر یہی ہوگا کہ اس وقت جیمس پوکر کو تاریکی میں رکھ کر یہاں سے نکل جانے کی کوشش کروں۔ بعد میں جو ہوگا، دیکھا جائے گا.....

جیمس پوکر میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اندھیرے میں لپکتا ہوا ایک سمت بڑھ رہا تھا۔ اُس طرف خاصی گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہم لوگ سیڑھیوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ اور پھر اُوپر چڑھتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم عمارت کی چھت پر تھے۔ جیمس پوکر نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے نائیلون کی رسی نکالی جو ایک گولے کی شکل میں لپٹی

تھی۔ اس میں جگہ جگہ گرہ بندھی ہوئی تھی۔ اُس نے گولے کو کھولا اور اُس کے ایک ے پر لکڑی کے ایک بڑے ہُک کو مضبوطی سے باندھ کر عمارت کے ایک ستون سے ھ دیا۔ اُس کے بعد اُوپر سے نیچے کا جائزہ لے کر ہم برق رفتاری سے نیچے اُترنے رسی کافی موٹی اور مضبوط تھی۔ جیمس پوکر نے پہلے مجھے نیچے اُترنے کا اشارہ کیا تھا۔ نے بریف کیس کے ہینڈل کو دانتوں سے پکڑا اور دونوں ہاتھوں سے نائیلون کی رسی کر پھرتی سے نیچے اُترنے لگا۔ ذرا سا نیچے جاتے ہی جیمس پوکر بھی رسی پر آ گیا تھا۔ دو یوں کے بوجھ سے نائیلون کی رسی تن گئی تھی۔ لیکن اس طرح ہمیں اُس میں بندھی ہوئی ٹھوں پر ہاتھ جما کر نیچے اُترنے کا آسان موقع مل گیا تھا۔ بالآخر ہم نیچے اُتر آئے اور پھر طرف دوڑنے لگے جدھر جیمس پوکر کے بیان کے مطابق وہ گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔

پولیس کاروں کے سائرن مسلسل بج رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی پولیس کہاں آ گئی..... ہیڈن ولیج کی طرف سے تو اِس کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ شاید اس ہنگامے کی از دُور دُور تک پھیل گئی اور پولیس کی جتنی گاڑیاں بھی سانتا ہل کے اطراف میں موجود ں، اس طرف دوڑ پڑی تھیں۔ لیکن صورتِ حال کافی پریشان کن ہوگئی تھی۔ میں اس ت جیمس پوکر کے سہارے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس کے ساتھ دوڑتا ہوا بالآخر ں گاڑی تک پہنچ گیا، جس میں درحقیقت جیمس پوکر کے بقیہ دونوں ساتھی موجود تھے۔ س پوکر نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور مضطربانہ انداز میں بولا۔

''افسوس! ہم لائل بروڈی کے لئے اب کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر یہاں دومنٹ بھی رُکے تو س کی گاڑیاں.....'' لیکن جیمس پوکر کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ ہماری کار تیز سرچ ں کی زد میں آ گئی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے جیمس پوکر کے ساتھی نے سیلف لگا کر ن سٹارٹ کر دیا اور اُس کے بعد گاڑی کسی گولی ہی کی مانند آگے بڑھ گئی تھی۔ پولیس قب ہونا یقینی تھا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دُور نکلنے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ پولیس کی گاڑیاں ے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ سٹیئرنگ پر بیٹھا ہوا جیمس پوکر کا ساتھی ایک ماہر ڈرائیور تھا۔ وہ رفتاری سے گاڑی دوڑا رہا تھا۔ اور ہم نے راستوں کا تعین کھو دیا تھا۔ جس کی اطلاع س پوکر نے تھوڑی ہی دُور چلنے کے بعد مجھے دی۔

''چیف.....! پولیس گاڑیوں کی وجہ سے ہم اپنی سمت برقرار نہیں رکھ سکے۔ فی الحال ان

کی زد سے نکل جائیں، اس کے بعد راستوں کا تعین کر لیں گے۔'' میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی تھی۔

کار کی سپیڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ اور ہم بار بار پلٹ کر پیچھے دیکھ رہے تھے۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں ہم ایک سوتے ہوئے قصبے میں داخل ہوئے۔ لیکن قصبے میں رُکنا مناسب نہیں تھا۔

نجانے کتنا فاصلہ طے کر کے ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں چھوٹے چھوٹے ٹیلے بنے ہوئے تھے اور ان ٹیلوں کے اطراف میں لمبی اور گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ تعاقب کرنے والی کاریں کافی پیچھے رہ گئی تھیں اور اب اُن کے سائرن بھی سنائی نہیں دے رہے تھے۔ یہاں پہنچنے کے بعد جیمس پوکر نے تجویز پیش کی۔

''میرا خیال ہے، ہم اُن لوگوں کو آگے نکل جانے کا موقع دیں۔ یہ ٹیلے ہمارے لئے بہترین پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔'' اس کے ساتھ ہی جیمس پوکر نے اپنے ساتھی کو ہدایت کی اور اُس نے کار ایک دم سڑک سے نشیب میں اُتار دی۔ کار اُچھلتی کودتی ٹیلوں کے درمیان پہنچ کر قد آدم جھاڑیوں میں پوشیدہ ہوگئی۔ اُس نے فوراً کار کا انجن بند کر دیا تھا۔ ہم لوگ اپنے ہتھیار سنبھالے نیچے اُتر آئے۔ میرے اعصاب پر شدید تناؤ تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے اب یہ تینوں مل کر مجھ پر حملہ آور ہو جائیں گے..... میں نے بریف کیس اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا اور ہر صورت حال سے نمٹنے کے لئے تیار تھا۔ ایک ٹیلے کی اوٹ سے جیمس پوکر نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں ٹیلے پر چڑھ گئے۔ اُس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ کار کے قریب رہیں۔ تا کہ اگر کوئی خطرناک صورتِ حال پیش آئے تو ہم یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کریں۔

رات کی خوفناک تاریکی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی اور تا حد نگاہ روشنی کا کوئی نشان بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہم لوگ تاریکی میں آنکھیں پھاڑتے رہے۔ لیکن ہم کہاں..... صرف جیمس پوکر..... کیونکہ میں تو جیمس کے ہاتھوں کی جنبش کی جانب متوجہ تھا اور رات کی تاریکی میں دیکھنے کی عادی آنکھیں اُس کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ جیمس پوکر یہاں آنے کے بعد کیا کرنا چاہتا ہے؟ لیکن جیمس پوکر کی کوئی ایسی حرکت مجھے نظر نہ آئی، جس سے مجھے شبہ ہوتا کہ وہ میرے خلاف کچھ کرنے کا منصوبہ ذہن

رکھتا ہے.....

پولیس کاریں نجانے کہاں غائب ہوگئی تھیں۔ یا تو ہمیں کھو کر وہ واپس چلی گئی تھیں یا نہوں نے اپنے سائرن بند کر دیئے تھے اور لائٹیں بجھا دی تھیں۔ لیکن دُور سے نظر آنے والی سڑک پر بھی ہمیں کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس پر کار کا شبہ ہو سکتا۔ تب جیمس پوکر نے بنہ سے کہا۔

''اوّل تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے چیف! کہ سانتا ہل جیسے چھوٹے سے قصبے میں اتنی ری پولیس کہاں سے آ گئی؟ اُس فینسی ڈریس شو میں بھی پولیس کا انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ مانتا ہوں کہ پولیس کی گشتی گاڑیاں قصبے کے اطراف میں موجود ہوں گی۔ لیکن جس از میں عمارت کو آن کی آن میں گھیر لیا گیا تھا، اُس سے تو یہی پتہ چلتا تھا کہ کسی نے عدہ پولیس کو یہاں ہونے والی واردات کی نشاندہی کی ہے۔ میری سمجھ میں تو اب تک یہ نہیں آ سکا کہ اس ہنگامہ خیزی سے تمہارا کیا مفاد وابستہ تھا اور تم نے صرف اس کے لئے بڑی رقم خرچ کیوں کی؟ آں..... ہاں! میں تمہارے ہاتھ میں بریف کیس دیکھ رہا ہا۔ کیا اس بریف کیس کو حاصل کرنے کے لئے.....؟''

''تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے جیمس پوکر!'' میں نے غراتے ہوئے لہجے میں ہا۔

''سوری چیف..... سوری! آپ یقین کریں کہ میں نے یہ بات صرف رواداری میں ہی ہے۔ ورنہ درحقیقت میرا یا میرے ساتھیوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر آپ عمارت کو بم سے اُڑا بھی دیتے تو ہمیں اس سے غرض نہ ہوتی۔ کیونکہ ہم صرف اپنے اوضے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ البتہ میں احمق لائل بروڈی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ نے کہاں پھنس گیا؟ اب آپ ہی بتایئے چیف! کہ ہم اُس کی کس طرح مدد کر سکتے تھے؟ اں اگر پولیس نہ ہوتی تو یقیناً ہم اُس کے بغیر باہر نکلنا پسند نہ کرتے۔''

ئل بروڈی تم لوگوں سے الگ کیوں ہو گیا تھا؟'' میں نے پہلی بار جیمس پوکر سے چھا۔

''پتہ نہیں اُسے کیا سوجھی تھی چیف! حالانکہ ہم سب یکجا ہی تھے۔ ہماری پوزیشن الگ ضرور تھی۔ لیکن ہم نے اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا تھا کہ ہم میں سے کوئی

ایک دوسرے کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے..... لیکن پھر اچانک ہی لائل بروڈی کو ہم نے عمارت کی اندرونی سمت مڑتے دیکھا۔ اُس وقت ایسا موقع نہیں تھا کہ ہم اُسے چیخ کر پکار سکتے۔ چنانچہ وہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور ہم اپنی کارروائی کرنے میں مصروف رہے۔ پھر اچانک ہی پولیس کی گاڑیوں نے اپنے سائرن کھول دیئے تھے۔ غالبًا وہ اس عمارت سے کافی قریب آنے کے بعد اپنی آمد کا اعلان کرنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ افراتفری پھیل گئی اور ہم لوگوں کو عمارت میں پناہ لینا پڑی۔ پھر میں نے صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اُن دونوں سے کہا کہ وہ عمارت کی اُوپری منزل سے باہر نکل کر گاڑی کے قریب پہنچ جائیں، میں لائل بروڈی کو لے کر آتا ہوں۔ آپ کے بارے میں تو مجھے علم ہی نہیں تھا چیف! لیکن اتفاق ہے کہ لائل بروڈی کی بجائے آپ مل گئے..... پتہ نہیں کس قسم کا انسان تھا۔''

جیمس پوکر کے انداز سے تشویش نمایاں تھی اور میں گہری نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس گفتگو میں بظاہر کوئی کھوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ممکن ہے، صرف لائل بروڈی، شین گروپ کا آدمی ہو اور جیمس پوکر اپنے بقیہ دونوں ساتھیوں کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو۔ لیکن اس کے باوجود احتیاط ضروری تھی۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ جیمس پوکر سے لائل بروڈی کے بارے میں اور بھی سوالات کروں۔ لیکن یہ چیز میرے حق میں نقصان دہ بھی ہوسکتی تھی۔ چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کرنا ہی بہتر سمجھا۔

ہم لوگ تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں چھپے انتظار کرتے رہے۔ لیکن ایک بھی پولیس گاڑی اس سمت نہیں آئی تھی۔ تب جیمس پوکر نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''یوں لگتا ہے چیف! جیسے اُن لوگوں نے ہماری سمت کا نشان کھو دیا ہے۔''

''پھر اب کیا پروگرام ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''جیسا آپ مناسب سمجھیں چیف! اگر یہیں رات گزارنے کا ارادہ ہے، تب بھی جیمس پوکر کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں یہاں رُکنا بے مقصد ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو ہم اس سیدھی سڑک پر آگے بڑھتے چلے جائیں اور کسی بھی ایسی جگہ پہنچ کر جہاں سے ہمیں صحیح راستوں کا تعین مل سکے، اپنے لئے سیدھا راستہ منتخب کر لیں۔ یا پھر واپس اسی سڑک پر چلیں اور اپنی منزل پر پہنچ کر صحیح سمت اختیار کر لیں۔''

جیمس پوکر کے ایک ساتھی نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہماری واپسی ہمارے لئے خطرناک ہوسکتی ہے۔ کیونکہ بالآخر ہمیں اُسی طرف سے گزرنا پڑے گا جہاں یہ ساری ساری ہنگامہ خیزیاں ہوئی ہیں۔ سانتا بل اس وقت ہمارے لئے بارُود کا ڈھیر ہے۔'' اُس کی بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سے اتفاق کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم گاڑی، جھاڑیوں کی آڑ سے نکال لائے اور اُس کچے راستے کو عبور کر کے سانتا بل کی مخالف سمت سفر کرنے لگے۔ لیکن ابھی ایک میل کا ٹکڑا بھی نہ طے کر پائے تھے کہ ڈرائیور کی آواز اُبھری۔

''تعاقب..... چیف! تعاقب..... لیکن وہ پولیس کی گاڑیاں نہیں ہیں۔''

ہم سب کی گردنیں مشینی انداز میں دوسری طرف گھوم گئی تھیں۔ لیکن میں نے عقبی کھڑکی میں ایک شعلہ چمکتے دیکھا اور دوسرے لمحے میں چیخ کر پھرتی سے نیچے جھک گیا۔ عقبی شیشہ چور چور ہوگیا اور گولی ڈیش بورڈ میں گھس گئی۔ میرے ساتھ ہی وہ لوگ بھی نیچے جھک گئے تھے۔ ایک اور گولی چلی..... اور اُس کے بعد تیسری..... اور پھر مسلسل فائرنگ ہونے لگی..... ڈرائیونگ کرنے والا واقعی مشاق نوجوان تھا۔ اُس نے گاڑی کو سڑک پر لہرانا شروع کر دیا۔ گاڑی کی رفتار اتنی تیز تھی کہ مجھے خطرہ پیدا ہوگیا۔ ذرا سی لغزش سے وہ اُلٹ سکتی تھی۔ لیکن ڈرائیور کی مہارت قابل دید تھی۔ پیچھے آنے والی گاڑیوں کی رفتار بہت تیز تھی۔ اور ہر لمحہ اُن کا فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا.....

اچانک ہی میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا..... ہماری گاڑی کے ڈرائیور نے اچانک بریک لگائے تھے.....

☆.....☆.....☆

اُس کی یہ حرکت ایک لمحے کے لئے تو سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن دوسرے لمحے سب کچھ سمجھ میں آ گیا..... ہماری گاڑی کے اچانک رُک جانے سے پیچھے آنے والے گھبرائے اور نفسیاتی طور پر سب سے آگے آنے والی گاڑی نے بریک لگا دیئے۔ لیکن اُس کے پیچھے آنے والوں کو اس کی اُمید نہیں تھی۔ اس لئے وہ پوری قوت سے رکنے والی گاڑی سے ٹکرائے..... غالباً اُس کے پیچھے بھی کوئی گاڑی تھی۔ خوفناک دھماکے ہوئے اور زخمیوں کی آوازیں فضا میں گونج اُٹھیں..... شعلے اور دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہو گئے.....

ہمارے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ڈرائیور نے ہولناک خطرہ مول لیا تھا۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ ہماری ہی گاڑی سے آ ٹکراتے..... یہ سارا منظر بے حد عجیب تھا..... بے حد عجیب.....

''آؤ چیف.....!'' جیمس پوکر نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔ ہمارا رُخ اب اُن تباہ شدہ گاڑیوں کی طرف تھا۔ جیمس پوکر کی اس حکمت عملی کو میں سمجھ نہیں سکا تھا۔ چنانچہ میں نے صرف جیمس پوکر کا ساتھ دیا۔ جلتی ہوئی گاڑیاں مکمل تباہ ہو گئی تھیں اور ان میں پھنسے ہوئے لوگوں کے گوشت جلنے کی چراند دھوئیں کے ساتھ فضا میں بلند ہو رہی تھی۔ جیمس پوکر نے کہا۔ ''میرا خیال ہے ہماری گاڑی کو بھی تباہ ہو جانا چاہئے۔ سب سے زیادہ خطرہ مجھے پولیس کی طرف سے ہے۔ آپ کیا کیا خیال ہے؟ اگر ہم اپنی گاڑی بھی اس آگ میں پھونک دیں تو بہت جلد یہ بھی آگ پکڑ لے گی اور پھر اس کے ٹکڑے بھی فضا میں منتشر ہو جائیں گے۔ یہاں جلنے والی لاشوں میں اندازہ نہیں ہو سکے گا کہ ہماری لاشیں کون سی ہیں.... چنانچہ اس طرح ہم پولیس کی نگاہوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔''

جیمس پوکر کی یہ تجویز مجھے پسند آئی اور میں نے اُس پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ ڈرائیونگ کرنے والے نے گاڑی ریورس کر کے جلتی ہوئی گاڑیوں میں اس طرح پہنچا دی کہ وہ یقیناً

ں پکڑ لے..... اور اُس کے بعد ہم نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ میں نے مطلوبہ ساتھ لے لی تھیں۔ جیمس پوکر نے بائیں سمت کا نشیبی راستہ اخیار کیا تھا۔ ابھی ہم نے فرلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ ہمیں کچھ نئے دھماکے سنائی دیئے۔

''ہمارا منصوبہ کامیاب ہو گیا ہے.....'' پوکر نے مسکرا کر کہا۔ ''لیکن اس کا اندازہ مشکل کہ ہماری اس اجنبی علاقے میں آئندہ منزل کیا ہو گی.....''

نوٹوں کا بریف کیس میرے ہاتھ میں تھا اور وہ قیمتی فلم میرے لباس میں محفوظ تھی، جس لئے نجانے کون کون سرگرداں تھا..... سوچ کر ہی وحشت ہوتی تھی۔ لائل بروڈی مارا جا تھا۔ اور ابھی تک میں نے جیمس پوکر کو اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ جبکہ جیمس بار ہا اظہار کر چکا تھا کہ کہیں اُس کا ساتھی کسی مصیبت کا شکار نہ ہو گیا ہو..... دو ایک بار نے تشویش زدہ لہجے میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر لائل بروڈی پولیس کے ہاتھ لگ گیا تو اُن کہانی منظر عام پر آ جائے گی۔ پھر اُس نے خود ہی کہا تھا۔

''لیکن اپنے وعدے کے مطابق جو رقم تم مجھے دو گے، وہ اتنی ہو گی کہ میں فرانس سے نا اور جا کر زندگی کے کچھ دن آرام سے گزار سکوں۔ اگر لائل بروڈی نے پولیس کو غ دے بھی دی تو پولیس اتنی جلدی مجھ تک نہیں پہنچ سکتی۔ ویسے چیف! اندازے کے بق تم بقیہ رقم کی ادائیگی کتنے وقت میں کر دو گے؟ دراصل ہمیں آئندہ کا منصوبہ بھی یب دینا ہو گا۔''

''فرانس پہنچنے کے بعد جیمس! سب سے پہلا کام یہی ہو گا کہ تمہیں تمہارا بقیہ معاوضہ ادا یا جائے۔ ویسے تم اس کے لئے مطمئن تو ہو نا؟''

''یقیناً چیف! انسان کی شناخت تھوڑی بہت مجھے بھی ہے۔ تم اس قسم کا سوال دوبارہ رنا۔''

ہم لوگ آگے بڑھتے رہے۔ راستہ نا معلوم تھا۔ لیکن حادثے کی جگہ سے تقریباً ڈھائی ل کے سفر کے بعد جب چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا، ہم نے ایک سڑک جو چاندنی میں چمک رہی تھی۔ جیمس پوکر کی نگاہ بھی اُس سڑک تک پہنچ گئی تھی۔ وہ ے ہو کر اندازہ لگانے لگا اور پھر گردن جھٹک کر بولا۔ ''تم نے وہ سڑک دیکھی چیف؟ وشش کر رہا تھا کہ اس کے بارے میں کوئی اندازہ ہو سکے..... لیکن اس میں ناکام رہا

ہوں۔ تاہم اگر ہم سڑک کے ساتھ ساتھ سفر کریں اور کوئی ایسی گاڑی ہمیں نظر آ جائے جس کے ذریعے کسی بھی آبادی تک پہنچ سکیں تو میرا خیال ہے یہ بہتر ہوگا۔ خطرہ ہے صرف اس بات کا کہ کہیں پولیس سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔''

میں نے جیمس پوکر سے اتفاق کر لیا۔ یہی غنیمت تھا کہ جیمس پوکر یا اُس کے ساتھیوں کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے بریف کیس میں کیا ہے؟ جرائم پیشہ لوگ تھے۔ اگر صورت حال سے واقف ہو جائیں تو ممکن ہے، میرا حساب کتاب یہیں ہو جائے.... سڑک کا فاصلہ طے کرتے ہوئے کافی دیر لگ گئی۔ اور پھر جب ہم اس سنسان سڑک پر پہنچے تو اُس کے نشیب میں ہمیں ایک جگہ روشنی نظر آئی۔ چاندنی میں ہم اس عمارت کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ جیمس پوکر نے مسرور لہجے میں کہا۔

''آہ! مجھے تو شبہ ہی نہیں تھا کہ ہم سانتا ہل سے اتنے فاصلے پر نکل آئے ہیں چیف اُس موٹیل کو میں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ سڑک پر لعنت بھیج کر اب ہم اُس موٹیل کی جانب ہی سفر کریں۔ یہ موٹیل میرے ایک شناسا کارسن بگ کا ہے۔ کارسن بگ خود تو یہاں موجود نہیں ہوتا۔ لیکن موٹیل کے عملے کے لوگ مجھے اُس کے دوست کی حیثیت سے بخوبی پہچانتے ہیں۔ واہ..... یوں سمجھ لو کہ وہ جگہ ہماری مشکل کا حل ہے۔ یہ سڑک بیولس سے آتی ہے اور تافائین نکل جاتی ہے۔ اس کا سانتا ہل سے کوئی رابطہ نہیں ہے چیف! بہتر یہ ہے کہ ہم اس موٹیل میں رات کو قیام کریں۔ صبح کوئی نہ کوئی بندوبست ہو جائے گا۔''

موٹیل کی عمارت کافی خوبصورت تھی۔ رات کے اس حصے میں وہاں رونق تو نہیں تھی لیکن اس کے باوجود استقبالیہ پر بیٹھے ہوئے پستہ قامت شخص اور تین چار افراد نے چونک کر ہمیں دیکھا۔ پھر کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا شخص جلدی سے اپنی جگہ سے نکل آیا۔ اُس نے مسرور لہجے میں کہا۔

''مسٹر جیمس پوکر.....! آپ؟''

''ہاں! میں نے سوچا کہ رات کے اس حصے میں تمہاری کارکردگی کا جائزہ لیا جائے چنانچہ اس طرف نکل آیا۔''

پستہ قامت شخص ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''تو دیکھ لیجئے چیف! بلکہ مسٹر کارسن کو بھی اطلاع دے دیجئے کہ موٹیل کا عملہ اپنے فرائض سے غافل نہیں ہوتا۔ آپ تشریف تو رکھئے.....

منگواؤں آپ کے لئے.....؟''

''کمرے.....'' جیمس پوکر نے جواب دیا۔

''ویٹر.....'' پستہ قامت آدمی نے ایک ویٹر کی طرف اشارہ کر کے اُسے آواز دی اور پھر چونک کر بولا۔ ''جی! کیا فرمایا آپ نے..... کیا منگواؤں؟''

''کمرے..... رہائش کے لئے۔''

پستہ قامت آدمی پھر بھونڈے انداز میں ہنسنے لگا تھا۔ ویٹر کے قریب آنے پر اُس نے کہا۔ ''ابھی نہیں..... ابھی نہیں..... جاؤ!'' اور پھر جیمس پوکر کی طرف رُخ کر کے بولا۔ ''تو اُوپر تشریف لے آئیے! کمروں کی کیا کمی ہے.....''

جیمس پوکر نے دو کمرے منتخب کئے تھے۔ اپنے چند ساتھیوں کو اُس نے ایک کمرے میں بھیج دیا۔ پھر خود اُس ڈرائیور کے ساتھ جو اُس دوران گاڑی چلاتا رہا تھا، میرے کمرے میں مقیم ہو گیا۔ پستہ قامت شخص نے جلدی جلدی بستروں وغیرہ کے انتظامات کر دیئے۔ پھر اُس نے کہا۔ ''اس کے باوجود کچھ کھانا پینا پسند کریں گے؟''

''میرے خیال میں اس وقت کچھ نہیں۔ صبح کے ناشتے کی البتہ مناسب تیاریاں کر لے۔''

پستہ قامت شخص نے گردن ہلائی۔ چند لمحات رسمی گفتگو کرتا رہا اور پھر چلا گیا۔ جیمس پوکر نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''میں نے کہا تھا نا چیف! یہ جگہ ہمارے لئے محفوظ ثابت ہوگی۔ اب آرام سے اپنے بستر پر پاؤں پھیلا کر سو جاؤ۔ پستہ قامت شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی ہماری تلاش میں آئے گا تو اُسے کیا جواب دیا جائے.....''

''مطلب؟''

''بس چیف! اپنا یار کارسن اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اُس نے عملے کے لوگوں کو ہدایت کر رکھی ہے کہ ہم کس قسم کے آدمی ہیں اور اُس وقت تک جب تک ہم یہ نہ چاہیں کہ کہیں کسی کو ہماری موجودگی کی اطلاع دی جائے، کوئی کسی کو ہمارے بارے میں اطلاع نہیں دے گا۔''

جرائم پیشہ افراد کی کارکردگی کا اندازہ اب مجھے تھوڑا تھوڑا ہوتا جا رہا تھا۔ چنانچہ میں نے جیمس پوکر سے تعرض نہیں کیا۔ بریف کیس سرہانے رکھنے کے بعد میں جوتے اُتارے بغیر

مسہری پر دراز ہو گیا۔ جیمس پوکر اور ڈرائیور ایک ہی مسہری پر لیٹ گئے تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ گہرے گہرے خراٹے نشر کرنے لگے..... تمام تر تھکن کے باوجود، میری آنکھوں میں نیند کا شائبہ نہیں تھا۔ میرا دل تو وسوسوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک ایسی جگہ، جہاں کا سارا عملہ جیمس پوکر کے ساتھیوں پر مشتمل ہے، میرے لئے خطرناک بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن جیمس پوکر کے ذرائع بتاتے تھے کہ وہ بے پرواہ قسم کا آدمی ہے۔ ویسے بھی بدبخت لائل بروڈی سے اُس کا کوئی گہرا تعلق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ جب کہ لائل بروڈی غلط آدمی تھا.....

واقعات ایک ایک کر کے دوبارہ میرے ذہن میں آنے لگے اور میں اُن کی گہرائیوں کو ٹٹولتا رہا۔ لیکن یہ سب کچھ بے سود تھا.... جیمس پوکر اور اُس کے ساتھیوں کے ساتھ مجھے طویل وقت نہیں گزارنا تھا۔ میرے پاس ایک ایسی قیمتی چیز موجود تھی جس کے لئے سینکڑوں افراد کو قتل کیا جا سکتا تھا۔ پہلے اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل کر لوں..... اُس کے بعد کچھ اور سوچنا مناسب ہو گا..... بہت دیر تک غور کرتا رہا۔ موٹیل میں داخلے کے وقت میں نے ایک سٹیشن ویگن دیکھی تھی۔ جو ایک گوشے میں کھڑی ہوئی تھی۔ اگر یہاں سے نکل جانے کے لئے یہ گاڑی مل جائے تو کیوں نہ اس سے نجات حاصل کر لی جائے؟ اپنے ہوٹل میں پہنچنے کے بعد پہلے فلم وغیرہ لیری کنگ کے حوالے کر دوں گا اور اُس کے بعد آرام سے وقت گزاروں گا..... یہ خیال میرے ذہن میں اس شدت سے جڑ پکڑ گیا کہ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے سوتے ہوئے جیمس پوکر اور ڈرائیور کو دیکھا۔ اور پھر سوچنے لگا کہ سٹیشن ویگن کی چابی کہاں سے حاصل کی جا سکتی ہے..... بہت دیر تک اس خیال میں ڈوبا رہا۔ پھر خاموشی سے بریف کیس اُٹھایا اور چوروں کی طرح چلتا ہوا باہر نکل آیا۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ عملے کے لوگ مستعد ہیں اور رات کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہے۔ چوروں کی طرح یہاں سے نکل جانا ممکن ہے مشکل ہو۔ چنانچہ میں اُس ہال کی جانب بڑھ گیا، جہاں کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔ پستہ قامت کاؤنٹر مین اپنی جگہ موجود تھا۔ میں ایک میز پر جا بیٹھا۔ پستہ قامت شخص مسکراتا ہوا میرے نزدیک پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے جناب! آپ کو نیند نہیں آ رہی.....؟''

''ہاں دوست! جب کہ جیمس پوکر اور اُس کے ساتھی گھوڑے بیچ کر سو گئے ہیں۔ شاید تمہیں اِس بات کا اندازہ نہ ہوں کہ میں مسٹر کارسن کے بہترین دوستوں میں شامل ہوں۔

اور مسٹر کارسن ہی نے مجھے ایک اہم کام سونپ کر سانتاہل کے علاقے میں بھیجا تھا۔''

''اوہ..... اچھا اچھا..... باس اکثر سانتاہل آتے رہتے ہیں۔ غالباً آپ مسٹر ایڈور کے پاس پہنچے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر ایڈورڈ ہمارے باس کے بہترین کرم فرماؤں میں سے ہیں اور اکثر ہمارے پاس اُن کی طرف سے تحائف آتے رہتے ہیں۔ ویسے مسٹر ایڈورڈ! خیریت سے تو ہیں نا؟''

''ہاں! جیمس پوکر نے سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں قیام کیا ہے۔ جب کہ مجھے صرف اس خیال سے نیند نہیں آ رہی کہ مسٹر کارسن بے چینی سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے اور مجھے آج رات ہی کے کسی حصے میں اُن کے پاس پہنچنا ہے۔''

''اگر آپ اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کرتے ہیں تو میں آپ کو باس کے پاس بھجوانے کے لئے بندوبست کر سکتا ہوں۔ مسٹر جیمس پوکر جب صبح کو جاگیں گے تو میں انہیں اطلاع دے دوں گا۔''

میں کسی خیال میں ڈوب گیا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ ''ایک کپ کافی مل سکے گی؟''

''معذرت خواہ ہوں کہ میں نے خود آپ سے کیوں نہ پوچھا۔ ابھی منگواتا ہوں۔''

اُس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا اور وہ کچن کی جانب دوڑ گیا۔ میرے اندازِ گفتگو اور اطمینان نے پستہ قامت شخص کو ذرا بھی شبہ نہیں ہونے دیا تھا کہ میرے دل میں کچھ اور ہے۔ ویسے یہاں میں سکون سے بیٹھا ہوا تھا۔ اگر جیمس وغیرہ کی آنکھ بھی کھل گئی اور انہوں نے میرے بارے میں کسی تشویش زدہ انداز میں سوچا تو یہاں پہنچ کر وہ مطمئن ہو جائیں گے۔ البتہ جو کہانی میں نے اس پستہ قامت شخص کو سنائی تھی، وہ ذرا جیمس پوکر کے لئے تعجب خیز ہو گی۔ لیکن کسی بھی کہانی کے سلسلے میں کوئی دوسری کہانی بھی سنائی جا سکتی ہے۔ کافی پینے کے دوران میں پر خیال انداز میں گردن ہلاتا رہا اور پھر میں نے پستہ قامت شخص سے کہا کہ مجھے کچھ لفافے درکار ہیں اور ایک سادہ کاغذ اور قلم بھی۔

ان اشیاء کا بندوبست چند ہی لمحات میں کر دیا گیا اور میں نے پستہ قامت شخص سے کہا کہ وہ میرے لئے گاڑی تیار کرا دے..... مسٹر کارسن کو اُس کی اِس کارکردگی پر خوشی ہو گی۔ کیونکہ وہ اس رات سو نہیں سکیں گے۔ پستہ قامت شخص میری باتوں کے جال میں آ گیا تھا۔

جو اشیاء میں نے طلب کی تھیں، اُسے مہیا کرنے کے ساتھ ساتھ ہی اُس نے گاڑی کے بندوبست کی اطلاع بھی مجھے دی۔ اس دوران میں اپنا کام کر چکا تھا۔ مطلوبہ رقم کے نوٹوں کی گڈیاں میں نے اُس لفافے میں منتقل کر دیں اور کاغذ کا پرزہ پستہ قامت شخص کے حوالے کرتا ہوا بولا۔ ''صبح کو جب جیمس پوکر جاگے تو یہ لفافہ اور پرچہ اُسے دے دیا جائے۔ میں نے اس پر تحریر کر دیا ہے کہ میرا اس وقت یہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔''

''بہت بہتر جناب!''

''گاڑی؟''

''باہر موجود ہے۔'' پستہ قامت شخص نے جواب دیا اور میری دی ہوئی اشیاء اپنے پاس محفوظ کر لیں۔ جیمس پوکر کے لئے میں نے لکھ دیا تھا کہ اُس کی مطلوبہ رقم لفافے میں موجود ہے اور میں نے اُس کے ساتھ کوئی بے ایمانی نہیں کی ہے۔ لیکن میرا اس وقت یہاں سے چلے جانا ہی مناسب تھا۔ میں نے جیمس پوکر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگر مجھے دوبارہ کوئی ضرورت پیش آئی تو اُسے تکلیف دوں گا۔ ویسے اگر وہ چاہے تو اپنے پروگرام کے مطابق فرانس چلا جائے۔

وہی سٹیشن ویگن سٹارٹ تھی جسے میں نے موٹیل کے بیرونی حصے میں دیکھا تھا۔ ویگن کی سیٹ پر ایک دُبلے پتلے بدن کا آدمی موجود تھا۔ میں اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا اور پستہ قامت نے مجھے خدا حافظ کہا۔ اُس کے ساتھ ساتھ ہی وہ بولا ''مسٹر کارسن سے کہہ دیجئے گا کہ ہیلی بیل ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا اور سٹیشن ویگن سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا تھا۔ اُس کا انداز مؤدبانہ تھا۔ غالباً اُسے یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ میں اُس کے باس کارسن کے گہرے دوستوں میں سے ہوں۔

سٹیشن ویگن کا سفر بغیر کسی دقت کے جاری رہا۔ راستے میں کئی چوراہوں سے اُس نے موڑ کاٹے تھے اور میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ اگر یہ ڈرائیور میرے ساتھ نہ ہوتا اور سٹیشن ویگن تنہا میرے قبضے میں ہوتی تو شاید میں پیرس نہ پہنچ پاتا۔ اور ان سڑکوں پر کہیں بھٹک جاتا۔

یہ طویل ترین سفر صبح کو تقریباً پونے چھ بجے ختم ہوا اور سٹیشن ویگن پیرس کے نواحی علاقے

میں پہنچ گئی۔ میں نے اُسے ایک عمارت کے سامنے رُکوا دیا جو سنسان پڑی ہوئی تھی۔ ڈرائیور کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے میں نے اُس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ رات کے اس حصے میں اُسے تکلیف دینے کا مجھے افسوس ہے۔ مسٹر کارسن سے میری ملاقات اسی عمارت میں ہوگی۔ اس لئے اب وہ واپس جا سکتا ہے.....

ڈرائیور نے شکریہ ادا کر کے سٹیشن ویگن واپسی کے راستے پر موڑ دی۔ میں بریف کیس ہاتھ میں لٹکائے ہوئے پُرسکون انداز میں چلتا ہوا عمارت کے صدر گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ صدر گیٹ کے قریب پہنچ کر جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو سٹیشن ویگن نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ مجھے شبہ تھا کہ کہیں کوئی اور میری جانب متوجہ نہ ہو۔ چنانچہ میں چند لمحات اس طرح کھڑا سوچتا رہا جیسے کوئی بات بھول گیا ہوں۔ اور پھر میں اُلٹے قدموں وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ کافی دُور تک چلتا رہا۔ اور جب یہ یقین ہو گیا کہ کوئی بھی میری جانب متوجہ نہیں ہے تو میں نے روڈ کی سمت اختیار کر لی۔ اب مجھے کسی ٹیکسی کی تلاش تھی۔ ٹیکسی تھوڑی دیر کے بعد ہی مل گئی اور میں اُس میں بیٹھ کر اپنے ہوٹل کی جانب چل پڑا۔ ذہن بوجھل تھا۔ کیونکہ رات بھر کی بے خوابی اور اُس سے پہلے کی شدید محنت نے اعصاب کو بری طرح تھکا دیا تھا۔ ٹیکسی تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل کے سامنے رُکی اور میں بل دے کر اندرونی حصے کی جانب چل پڑا۔ پھر اپنے کمرے تک پہنچنے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ بڑا عجیب سا احساس دل میں جاگزیں تھا۔ میں نے وہ کارنامہ انجام دے ڈالا تھا، جس کے خواہش مند مسٹر لیری کنگ اور اُن کی بیٹی لیری کوئین تھی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں اُن پر کیا بیتی؟ لیکن یہ میری ذمہ داری نہیں تھی۔ کیونکہ اُن کا وہاں پہنچ جانا ہی میرے لئے غیر متوقع تھا۔ مجھے تو صرف اپنا کام انجام دینا تھا جو میں نے خدا کے فضل سے بڑی ذہانت سے انجام دے لیا تھا۔

کمرے میں آنے کے بعد کسی اور چکر میں پڑنے کی ہمت نہیں پائی۔ اس لئے دروازہ بند کر کے باہر ڈونٹ ڈسٹرب کا سائن روشن کر دیا۔ اور پھر جوتے اُتار کر جو بستر میں گھسا تو دوپہر کو تقریباً ڈھائی بجے آنکھ کھلی۔ طبیعت پر بے پناہ سستی اور ذہن پر غبار چھایا ہوا تھا۔ دیر تک مسہری پر ہی لیٹا اینٹھتا رہا۔ کچھ سوچنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن بہرطور! نیند پوری ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ اعصاب پرسکون ہوتے گئے اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ باتھ روم میں جا کر

میک اَپ اُتارا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے تک پانی کے نیچے رہا۔ حالانکہ باہر کا موسم بہتر نہیں تھا۔ جس کا احساس کھلی ہوئی کھڑکی سے ہو رہا تھا۔ ابر آلود موسم تھا اور بادل کافی گہرے تھے۔ لیکن اس غسل نے بدن سے ساری تھکن نچوڑ دی۔ بھوک بھی شدت سے لگ رہی تھی۔ گھڑی میں وقت دیکھا تو تین بج کر اٹھارہ منٹ ہو چکے تھے۔ کھانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

ویٹر کو بلا کر اسنیک اور کافی کا آرڈر دے دیا۔ کافی سے شغل کرتے ہوئے میرے ذہن میں مختلف منصوبے بنتے رہے۔ اب مسٹر لیری کنگ کی امانت اُن کے سپرد کر دی جائے تو بہتر ہوگا۔ پتہ نہیں انہیں میرے آنے کی اطلاع بھی ملی ہے یا نہیں؟ باہر ڈونٹ ڈسٹرب کا سائن دیکھ کر ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ میں اطمینان سے جاگ جاؤں تو وہ مجھ سے ملاقات کریں۔ میں جانتا تھا کہ وہ لوگ مضطرب ہوں گے۔ لیکن میں اپنے کام کی تکمیل کر چکا تھا۔ اس لئے یہ میرا حق تھا کہ آرام کروں۔ چنانچہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے بریف کیس ایک جگہ محفوظ کیا اور پھر باہر نکل آیا۔

پہلے میں نے لیری کوئین ہی کا کمرہ دیکھا۔ لیکن لاک دیکھ کر یہ اندازہ ہوگیا کہ اندر کوئی نہیں ہے۔ اُس کے بعد مسٹر لیری کنگ کے دروازے پر بھی لاک نظر آیا تھا۔ دونوں کے کمرے لاک دیکھ کر میں چونک پڑا تھا۔ راہداری میں کھڑے ہو کر سوچنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ لیکن اب میرے ذہن میں وسوسوں نے سر اُبھارا تھا۔ لیری کنگ اور اُن کی بیٹی کہیں کسی مصیبت میں نہ گرفتار ہو گئے ہوں..... اُس جگہ حالات بہت خراب ہو گئے تھے اور پولیس کی کافی تعداد وہاں پہنچ گئی تھی۔ ہم لوگ تو جس طرح نکل بھاگے تھے، وہ ہمارا کام تھا۔ لیکن ظاہر ہے، دوسرے لوگ اِس طرح آسانی سے وہاں سے نہیں نکل سکے ہوں گے۔ اس کے علاوہ جیمس پوکر اور اُس کے ساتھیوں نے وہاں جو افراتفری پھیلائی تھی، اُس سے ممکن ہے کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے ہوں۔ اور ہو سکتا ہے چند ہلاک بھی ہو گئے ہوں۔ کہیں دونوں باپ بیٹی میں سے تو کوئی اس ہنگامے کی زد میں نہیں آ گیا..... یہ تصور بے حد افسوس ناک تھا۔ اگر ایسا ہو گیا تو واقعی بہت دُکھ کی بات ہے۔ کیونکہ مسٹر کنگ بڑی مستعدی کے ساتھ ریڈ اسنیک کو زندہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے۔ اور یہ اُن کی دلی خواہش تھی کہ انہیں اس سلسلے میں کامیابی حاصل ہو۔ ہر چند کہ انہوں نے

اِس کامیابی کا انحصار مجھ پر کیا تھا۔ ایک ایسے شخص پر جس کے بارے میں وہ پوری طرح جانتے بھی نہیں تھے۔ لیکن یہ اُن کی حماقت تھی۔ میں کیا کرتا؟ البتہ اگر وہ کسی عذاب میں گرفتار ہو گئے ہیں تو ظاہر ہے، میں اُن کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

اپنے کمرے میں واپس آ کر میں دیر تک سوچتا رہا۔ اس بات کے امکانات تھے کہ وہ کچھ وقت گزارنے کے بعد واپس آ جائیں۔ اور اگر نہ آئے تو..... اس 'تو' ہی میرے ذہن میں ایک ننھا سا لفظ روشن ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے میرے ذہن میں تاریکیاں تھیں۔ لیکن نہ جانے کہاں سے یہ ننھی سی روشنی جگمگا اُٹھی تھی اور اس روشنی میں میرے ذہن نے سوچنا بھی شروع کر دیا تھا۔ مائیکروفلم میرے پاس ہے اور نوٹوں کا یہ بریف کیس بھی ہے۔ گویا اگر کسی اور سے اس مائیکروفلم کی قیمت وصول کی جائے تو کم از کم اسی رقم کے برابر ہو سکتی ہے۔ اور یہ رقم..... یہ رقم تو اتفاقیہ طور پر ہی میرے ہاتھ آئی ہے۔ اس پر تو لیری کنگ کا حق بھی نہیں ہے۔ نہ ہی اس کے حصول کے لئے مجھ سے کچھ کہا گیا تھا۔ گویا اگر مسٹر لیری کنگ واپس آ بھی جائیں تو کم از کم وہ اس رقم کے حق دار بھی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تمام تر جدوجہد مائیکروفلم کے لئے کی ہے۔ مائیکروفلم اُن کے حوالے کر دی جائے تو میرا کام ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ریڈ اسنیک میں مجھے جو بھی مقام دیا جائے گا، وہ ایک علیحدہ حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ نوٹ..... یہ نوٹ تو میری ملکیت ہیں۔ جیمس پوکر کو بھی میں نے ایمانداری کے ساتھ اُس کے معاوضے کی رقم ادا کر دی تھی۔ اور یقیناً وہ میرا ممنون ہوگا۔ کیونکہ اگر میں چاہتا تو خاموشی سے وہاں سے نکل سکتا تھا۔ اُسے یہ تو اندازہ ہو ہی چکا ہوگا۔ یا اگر نہیں ہوا ہے تو کچھ وقت کے بعد ہو جائے گا کہ میں دھوکہ دے کر اُس کے پاس سے نکل بھاگا ہوں۔ لیکن جب اُسے رقم کا لفافہ اور میرا رُقعہ ملے گا تو کم از کم وہ دل میں ضرور سوچے گا کہ بُرے لوگوں میں، میں ایک اچھا انسان تھا۔ چنانچہ دشمنی کا مسئلہ بھی نہیں ہوتا۔ یہ رقم مجھے ہضم کر لینی چاہئے..... کیونکہ یہ میرے لئے بہت معاون ثابت ہو سکتی ہے.....

بہت دیر تک سوچتا رہا۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا..... اب ایسا وقت نہیں تھا کہ میں اس رقم کو کسی بنک وغیرہ میں جمع کروانے کی کوشش کر سکتا۔ لیکن یہ بھی سوچا کہ اسے بنک میں جمع کرانا مناسب نہیں ہوگا۔ پتہ نہیں حالات کیا رُخ اختیار کریں..... بہتر یہ ہے کہ اسے کسی ایسی جگہ محفوظ کر دیا جائے جہاں دوسروں کی نگاہ نہ پہنچ سکے۔ فلم کا

مسئلہ بھی یہی تھا، اُس وقت تک جب تک کہ مسٹر لیری کنگ واپس نہیں آ جاتے۔ اس فلم کی حفاظت بے حد ضروری ہے..... میں نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی..... کمرے کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا، جو ہوٹل کے عملے کی نگاہوں کی زد سے باہر ہو..... کم از کم یہ فلم اور بریف کیس کی رقم یہاں نہیں چھپائی جا سکتی..... پھر کہاں.....؟ ایسی کوئی جگہ میرے علم میں نہیں تھی۔ بڑی اُلجھن اور پریشانی میں پھنس گیا تھا۔ میں نے دروازہ بند کر کے ایک بار پھر بریف کیس میں سے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور اُن کی تعداد کا اندازہ کر کے ششدر رہ گیا..... بلا شبہ اس رقم سے میں اپنی باقی زندگی نہایت سکون سے گزار سکتا تھا۔ لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ حالات نجانے کیا رُخ اختیار کریں؟ میں تو حالات کا غلام تھا۔ اور ایک بات اچھی طرح جانتا تھا کہ میری یہ کالی تقدیر مجھے کہیں سکون سے نہیں بیٹھنے دے گی۔ دل میں خواہش ضرور تھی کہ ایک پُر سکون گوشہ اپنا لوں..... لیکن اس خواہش کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا، اُس پر بعض اوقات مجھے خود ہنسی آ جاتی تھی۔ میں نے اس بریف کیس میں رقم کی گڈیاں دوبارہ جمائیں۔ یہ بریف کیس ہر نگاہ میں مشکوک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسا انتظام..... اور میں نے یہ انتظام تھوڑی دیر کے بعد کر لیا تھا۔ ویٹر سے میں نے کچھ ایسی اشیاء طلب کر لی تھیں، جو اس سلسلے میں کارآمد ہو سکتی تھیں۔ چنانچہ نوٹوں کی لاتعداد گڈیاں سیاہ رنگ کے ایک تھیلے میں منتقل ہو گئیں، جو واٹر پروف تھا اور دیکھنے میں بہت بھدا نظر آتا تھا۔ یعنی اگر کوئی اُس کی جانب متوجہ ہو بھی تو کم از کم یہ بات نہ سوچ سکے کہ اس تھیلے میں اتنی بڑی رقم محفوظ ہے۔ فلم بھی میں نے اسی تھیلے میں منتقل کر دی اور اُسے مضبوطی سے پیک کرنے کے بعد ہوٹل سے باہر نکل آیا.....

ایک منصوبہ میرے ذہن میں ترتیب پا چکا تھا۔ اس دوران میں فرانس کے مختلف حصوں کی سیر کر چکا تھا اور نجانے کیوں میرے ذہن میں کلیسائے نوٹرڈیم اُبھر آیا تھا۔ ہر چند کہ اس کلیسا میں سیاحوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ لیکن بہر طور! اُس کی وسعت میری مشکل حل کر سکتی تھی۔ ٹیکسی نے جب مجھے نوٹرڈیم کے کلیسا کے پاس اُتارا تو میں اُس کے خوبصورت کنگوروں، خوفناک مجسموں اور بڑے گھڑیالوں کو دیکھنے لگا۔ ان میں سے کون سی جگہ میرے مقصد کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے..... سیاح اس وقت بھی یہاں بادلوں کی گہری سیاہی کے نیچے کلیسا کی سیر کر رہے تھے۔ دریائے سین کے گدلے پانی میں روشن کشتیاں سفر کر رہی

نہیں۔ میں کلیسا کے اُن میناروں کے قریب پہنچ گیا، جن سے منسوب کبڑے کی داستانیں آج تک زندہ تھیں۔ اور پھر میں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی، جو میرے مقصد کے لئے کارآمد ہو سکتی تھی.....

نوٹرڈیم کے اس مضبوط کلیسا کے مینار کے عقب میں ایک ایسا مجسمہ نصب تھا، جو ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ لیکن اُس کی مرمت کر کے اُسے دوبارہ قابل دید بنا دیا گیا تھا۔ لیکن یہ مرمت صرف سامنے کے حصے میں ہوئی تھی۔ اس کا پچھلا حصہ آج بھی بوسیدہ تھا۔ مجسمے کے پچھلی سمت میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہوئے مجھے یہ خوف بھی پیدا ہوا کہ کہیں کوئی سانپ وغیرہ اس کے اندر موجود نہ ہو اور میری ساری کہانی یہیں ختم ہو جائے..... لیکن مجسمے کے کھوکھلے حصے میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ اور اسی کھوکھلی جگہ میں نے اپنا وہ بیگ جو میرے لئے بے حد قیمتی تھا، منتقل کر دیا۔ اور پھر اس طرح اُسے محفوظ کر دیا کہ اگر کوئی سرسری نگاہ سے اس عقبی حصے کا جائزہ بھی لے تو اُسے کوئی شبہ نہ ہو سکے.....

بادلوں کی گہرائی بڑھتی جا رہی تھی۔ اور پھر بارش شروع ہو گئی۔ پیرس دُھلنے لگا۔ میں نے بمشکل تمام ایک ٹیکسی پکڑی۔ دل تو چاہتا تھا کہ اس بارش سے لطف اُٹھاؤں..... لیکن وقت اور حالات اس وقت اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ٹیکسی نے مجھے پھر میرے ہوٹل پہنچا دیا۔

ہوٹل کا بیرونی حصہ بارش کی وجہ سے سنسان ہو گیا تھا۔ اور وہ لوگ جو کھلی فضا میں شام کی تفریحات کے عادی تھے، ہوٹل کے ہالوں میں منتقل ہو گئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے اپنی منزل پر جا کر مسٹر لیری کنگ اور لیری کوئین کو تلاش کیا۔ لیکن اُن کے کمروں پر بدستور تالے پڑے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے، وہ واپس نہیں آئے۔ حالانکہ اب تک انہیں یہاں واپس آ جانا چاہئے تھا، تاکہ مجھ سے رابطہ قائم کر سکیں۔ اب صرف ایک ہی بات سوچی جا سکتی تھی۔ وہ یہ کہ دونوں باپ بیٹی کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں..... ذہن پر مزید جھلاہٹ سوار رہی اور اس جھلاہٹ کو ختم کرنے کے لئے میں نے سوچا کہ اب اُن دونوں کو بھول کر مجھے اپنے طور پر خوش رہنا چاہئے..... جب آئیں گے تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال کوئی مسئلہ سامنے نہیں تھا۔ نوٹوں کی ایک گڈی میں نے اپنے استعمال کے لئے نکال لی تھی۔ اور اس طرح کوئی مالی پریشانی بھی نہیں تھی۔ چنانچہ میں مطمئن ہو کر ہال میں آ گیا

اور رات گئے تک وہاں کی تفریحات میں گم رہا۔ پھر اپنے کمرے میں آ کر گہری نیند سو گیا.....

دوسرا دن بھی پرسکون تھا۔ صبح ہی کو ایک نگاہ سے جائزہ لے لیا تھا کہ دونوں کمرے حسب معمول بند پڑے ہوئے ہیں۔ اُس کے بعد فرانس کی سڑکوں پر نکل آیا اور مختلف علاقوں میں چکراتا رہا۔ سارا دن آوارہ گردی کرنے کے بعد شام کو واپس ہوٹل میں آ گیا۔ اور اُس کے بعد اپنے کمرے تک ہی محدود رہا۔ آج کی آوارہ گردی میں اس بات کا خاص طور سے جائزہ لیتا رہا تھا کہ کوئی میرے تعاقب میں تو نہیں ہے؟ لیکن کہیں بھی کوئی شبہ نہیں ہو سکا تھا..... دنیا اپنے اپنے معمولات میں مصروف تھی۔ اور میں کسی کے لئے قابل توجہ نہیں بن سکا تھا۔ تیسرا دن اور چوتھا دن بھی گزر گیا۔ لیری کنگ اور کوئین کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا۔ تب میں نے اُن کے بارے میں یہ یقین کرلیا کہ وہ کسی بڑے حادثے کا شکار ہو گئے ہیں۔ دل پر کوئی رنج، کوئی دکھ نہیں تھا۔ بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ بلاوجہ کسی کے لئے پریشان ہوتا پھروں..... اپنی ذات کے لئے ہی اتنی پریشانیاں تھیں کہ کسی دوسرے کی گنجائش اُس میں نہیں تھی۔

ہوٹل کے کمرے میں بیٹھ کر میں نے سوچا کہ اب مجھے بہت زیادہ نیک اور شریف نہیں بننا چاہئے۔ دنیا بھلا اس کا موقع کہاں دیتی ہے؟ جو کچھ آج تک ہوتا رہا ہے، اُس میں میری مرضی کب شامل تھی؟ کہیں سختی اور کہیں مجبوری کے تحت کام کرتا رہا تھا۔ گو اب بھی یقین نہیں تھا کہ وقت میرے لئے پرسکون ہو گیا ہے۔ لیکن سکون کے چند لمحات اگر بغیر کسی دقت کے میسر آ سکتے ہیں تو اُس سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے؟ کیا ضرورت ہے کہ فرانس ہی میں پڑا رہوں اور پھر ویسے بھی مجھے ریڈ اسنیک نامی کسی گروہ کے ایک اہم رُکن بننے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں شریف آدمیوں کی طرح زندگی گزارنے کا خواہاں تھا..... اب اگر موقع ملا ہے تو اس موقع سے فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ فرانس چھوڑ دیا جائے..... لیری کنگ اور کوئین اگر زندہ ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ سوچ کر خاموش ہو جائیں گے کہ میں نے بداعتمادی کی اور موقع سے فائدہ اُٹھا کر یہاں سے نکل گیا۔ اور اگر اُن کے لئے کوئی پیغام چھوڑتا تو کس کی معرفت؟ اور کیا کہا جا سکتا تھا کہ وہ کس حالت میں ہیں؟ اتنی ہمت خود میں نہیں پاتا تھا کہ دوبارہ سانتا بل جا کر یا کسی

ہرے ذریعے سے اُن لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں..... جیمس پوکر یا اُس ہے دوسرے میرے معاون بن سکتے تھے۔ لیکن میں ایسا کیوں کرتا؟ اس کی کوئی جائز وجہ تو ہتی۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ اب یہ کرنسی اپنے استعمال میں لائی جائے اور ڈالروں کو کہیں اور منتقل کرنے کی کوششیں شروع کر دی جائیں..... پھر اُس کے بعد رانس چھوڑ دیا جائے..... فرانس میں اس لئے چھوڑ دینا چاہتا تھا کہ یہاں کچھ ہنگامے یری ذات سے منسوب رہ چکے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دوبارہ مجھ تک پہنچنے کی وشش کرے اور میں کسی اور جال میں پھنس جاؤں..... اگر اس کرنسی کے ساتھ ہی زندگی زاری جائے تو مجھے کافی آسانیاں فراہم ہوسکتی تھیں۔ اور اُس کے بعد ذہن منصوبوں میں کھو گیا..... دل چاہا کہ اپنی دنیا میں واپس لوٹ جاؤں اور خالہ شہادت کو ساتھ لے کر کسی یسے گوشے میں پناہ حاصل کرلوں جہاں میری شناسائی کسی سے نہ ہو۔ نئے سرے سے ندگی کا آغاز کروں۔ اپنی عزت، اپنا ایک مقام بناؤں اور کوئی ایسا چھوٹا موٹا کاروبار روع کرلوں جو بعد میں میری کفالت کرتا رہے۔

یہ منصوبہ ذہن میں پروان چڑھتا رہا۔ گو سیاحت کی اس زندگی سے مجھے کوئی اکتاہٹ ہیں ہوئی تھی۔ میں ملک ملک گھومنا پسند کرتا تھا۔ لیکن اس بھاگ دوڑ میں جو درمیانی مسئلے آ تے تھے، وہ تکلیف دہ ہوتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سارے کردار میرے اردگرد چکرا رہے ہوں۔ اُن میں سے کوئی بھی کردار، کسی بھی جگہ میری گردن دبوچ لیتا تھا اور اُس کے بعد ایک نئی کہانی شروع ہو جاتی تھی جس کے بارے میں، میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ اُس سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ تاہم غور سے دیکھا جاتا تو مرکزی کردار میں ہی نکلتا تھا۔ اور میں اس مرکزی کردار سے ہمیشہ سے تنگ تھا.....

میں نے یہ آخری فیصلہ کرنے کے بعد اپنی کرنسی منتقل کرانے کے لئے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ اور پھر چھٹے روز اپنا یہ ہوٹل بھی چھوڑ دیا..... لیری کنگ اور لیری کوئین سے اب کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتا تھا میں۔ اور اس میں میرا قصور بھی نہیں تھا۔ چھ سات دن گزر گئے تھے۔ اس سے زیادہ کیا انتظار کرتا؟ اور کس بنیاد پر....؟ اگر آئندہ وہ کبھی مجھے نظر بھی آئے تو انہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہوگا۔ اپنے کام کے سلسلے میں کافی تگ و دو کر رہا تھا اور مجھے کچھ ایسے لوگوں کا پتہ معلوم ہو چکا تھا، جو اس سلسلے میں میری مدد کر سکتے

تھے۔ کرنسی چونکہ کافی تعداد میں تھی، اس لئے ذرا محتاط رہ کر کام کرنا چاہتا تھا۔ کسی کی بھی نیت خراب ہو جاتی اور میں ایک بار پھر کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو جاتا.....

یہ غالباً اس کارروائی کے دسویں دن کی بات ہے۔ میں دریائے سین کے کنارے کھڑا کشتیوں کو دیکھ رہا تھا کہ دفعتہً ہی مجھے ایک چیخ سنائی دی اور میری نگاہیں سامنے کی سمت اُٹھ گئیں..... بارہ تیرہ سالہ لڑکا تھا جو دریائے سین کے کنارے پانی میں ڈوری لٹکائے بیٹھا تھا۔ اور جسے غالباً کسی بڑی مچھلی نے جھٹکا دے کر پانی میں کھینچ لیا تھا۔ وہ لڑکا اب مدد کے لئے چیخ رہا تھا۔ قریب ہی چونکہ میں موجود تھا۔ میں نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کوئی اُس کی مدد کے لئے دوڑے۔ لیکن آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ مجبوراً مجھے جوتے اُتار کر پانی میں کودنا پڑا..... لڑکا تیرنا نہیں جانتا تھا۔ میں اُسے کھینچ کر کنارے پر لے آیا..... اُس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ چکا تھا۔ آنکھوں میں وحشت کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ لباس بھیگ جانے کے علاوہ اُسے اور کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ لیکن خوف کے باعث اُس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ میں نے اُسے اطمینان سے زمین پر لٹا دیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لیتا رہا..... پھر جب اُس کے اعصاب بحال ہوئے تو اُس نے ممنون نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''شکریہ انکل! آپ نے میری زندگی بچالی۔ ورنہ..... ورنہ میں تیرنا نہیں جانتا.....''

''گر کیسے پڑے تھے؟''

''انکل! میری ڈوری میں کوئی بڑی مچھلی لگ گئی تھی۔ بہت زور سے جھٹکا دیا تھا اُس نے مجھے اور چونکہ میں بالکل کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے نیچے گر پڑا۔''

''ہوں..... شکر ہے تمہاری زندگی بچ گئی۔ تنہا یہاں مچھلیاں پکڑنے آئے تھے؟''

''نہیں..... گرینی بھی موجود ہے۔ میری بہن..... وہ اُس طرف وہاں درختوں کے جھنڈ کے پیچھے چھپی بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اور اُسے تمہاری فکر بھی نہیں ہے؟''

''نہیں..... یہ حادثہ تو اتفاقیہ طور پر ہوا ہے انکل! اُسے کیا معلوم تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو میری وجہ سے پریشانی ہوئی۔ آپ کے کپڑے بھی بھیگ گئے۔''

''کوئی بات نہیں۔ خشک ہو جائیں گے۔ آؤ! میں تمہیں تمہاری بہن کے پاس پہنچا دوں۔''

لڑکے نے ایک بار پھر ممنون نگاہوں سے مجھے دیکھا اور میں اُس کا بازو پکڑے ہوئے درختوں کی جانب بڑھ گیا جن کی طرف اشارہ کر کے لڑکے نے بتایا تھا کہ اُس کی بہن وہاں موجود ہے۔ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی جو اپنے سادہ سے لباس میں سنہرے بالوں والی گڑیا محسوس ہوتی تھی، درختوں کی جڑوں میں بیٹھی شطرنج کی بساط بچھائے مہروں کو اُلٹ پلٹ کر رہی تھی۔ ہمارے قدموں کی چاپ پر چونک کر اُس نے ہماری جانب نگاہیں اُٹھائیں۔ لیکن اُس کے چہرے پر ایک سونا پن نظر آ رہا تھا..... وہ بغیر کسی تاثر کے ہماری جانب دیکھتی رہی۔ اور پھر اُس کی آواز اُبھری۔

''کون ہے.....؟ کون ہو.....؟''

ایک لمحے کے لئے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس کے بولنے کے انداز میں ایک ایسی کیفیت تھی کہ میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے اُس کی حسین آنکھوں کو دیکھا۔ انتہائی پرکشش اور چمکدار آنکھیں تھیں۔ لیکن اُن میں ویرانی سی نظر آ رہی تھی۔ دیکھنے کا انداز ایسا نہیں تھا، جس سے یہ محسوس ہو سکے کہ وہ ہماری جانب دیکھ رہی ہے۔ لڑکا آہستہ سے بولا۔

''میں ہوں سسٹر..... میں ہوں..... سوہیل.....''

''اور..... اور کون ہے تمہارے ساتھ.....؟''

''سسٹر! ایک حادثہ ہوا ہے۔ میں پانی میں گر پڑا تھا۔ بیچارے انکل نے میری جان بچائی۔'' لڑکی کے ہاتھ بری طرح شطرنج کے مہروں سے ٹکرائے اور شطرنج کے مہرے ایک دوسرے سے ٹکرا کر بری طرح بکھر گئے۔ اُس نے بدحواسی میں اُٹھنے کی کوشش کی اور لباس اُلجھ جانے کی وجہ سے گرتے گرتے بچی۔ پھر وہ بدحواس سی آگے بڑھی اور دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر لڑکے کو ٹٹولنے لگی۔ لڑکا آگے بڑھ کر اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔ گرینی نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کے لباس اور بدن کو ٹٹولتے ہوئے بولی۔

''کوئی چوٹ..... کوئی چوٹ تو نہیں آئی..... پانی تو نہیں بھر گیا تمہارے بدن میں.....؟ کیسے گر پڑے تھے.....؟ اُس کے چہرے سے انتہائی خوف اور بیچارگی برس رہی

تھی۔ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

سومیل اُسے اپنے گرنے کی داستان سناتے ہوئے بتا رہا تھا۔ کہ قرب و جوار میں ان صاحب کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو یقیناً اس کا بچنا محال تھا.....

''سنبھل کر بیٹھنا چاہئے تھا تمہیں۔ میں تو ویسے ہی مچھلی کے شکار کے خلاف ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی کھیل ہے؟ جناب! آپ نے..... آپ نے ہماری مدد کر کے ہم پر جو احسان کیا ہے، میں کبھی اُس کا صلہ آپ کو نہیں دے سکتی۔ آہ! اگر سومیل کو کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا؟''

''کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے بھائی کی زندگی بچ گئی۔''

''آپ..... آپ براہِ کرم ہمارے ساتھ بیٹھئے۔ سومیل! تم..... تمہارا لباس بھی بھیگ گیا ہے۔ اور..... اور..... لیکن تم انہیں کچھ کھلاؤ پلاؤ۔ کافی تو پلاؤ..... جناب! براہِ کرم آپ ہمارے ساتھ ایک کپ کافی تو ضرور پیجئے۔ ہمیں خوشی ہوگی۔'' لڑکی کے انداز میں لجاجت تھی۔ میں وہیں اُس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا اور وہ اندازے کے مطابق ٹٹول ٹٹول کر اپنے سامان میں سے کافی کا تھرماس اور دوسری اشیاء نکالنے لگی۔ پھر اُس نے بڑی نفاست سے مجھے کافی کی ایک پیالی پیش کی۔ سومیل مسکرا رہا تھا۔ لیکن میرے دل میں اُس اندھی لڑکی کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ اُس نے اپنے اور پھر سومیل کے لئے بھی کافی نکالی اور پھر اُس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتی ہوئی بولی ''میں ہمیشہ کی اندھی نہیں ہوں جناب! بیمار رہی تھی۔ بینائی جاتی رہی۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ اپنی حسیات سے کام لے کر آنکھوں کی کمی دُور کر لوں..... لیکن میں کامیاب نہیں ہو پاتی۔ پتہ نہیں! یہ اندھے کس طرح اپنی حسیات کا سہارا لے کر آنکھوں کی کمی پوری کر لیتے ہیں..... اوہ! معاف کیجئے گا، میں کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی۔ مگر کیا کروں؟ سب کو اپنی کہانی سنانے کو جی چاہتا ہے..... میں معذرت خواہ ہوں۔ آپ..... آپ..... جناب! کیا ہم آپ کے نام سے بھی واقف نہیں ہو سکتے؟''

میرا دل نہ جانے کیوں اُس لڑکی کے لئے کٹنے لگا تھا۔ کافی حسین اور نوجوان تھی۔ اس عمر میں آنکھوں کا کھو جانا بڑی ہی غمناک کیفیت کا حامل تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''میرا نام مارٹن ہے۔ اور آپ کا تعارف آپ کا یہ چھوٹا بھائی کرا چکا ہے۔ میرا مطلب ہے سومیل۔ آپ کا نام گرینی ہے نا؟'' میں نے سوال کیا۔

''اوہ..... اتنی جلدی اُس نے میرا تعارف بھی کرا دیا آپ سے..... بہت محبت کرتا ہے مجھ سے۔ ہم دونوں ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ دراصل میں یہاں پیرس میں نہیں رہتی۔ انکل فراڈ نے مجھے آنکھوں کے معائنے کے لئے بلایا تھا۔ لیکن وہ خود کسی ضروری کام سے چلے گئے۔ اور آج شام ہم لوگ واپس میلوک جا رہے ہیں۔ اوہ..... مسٹر مارٹن! آپ نے سومیل کی زندگی بچا کر ہم لوگوں کو زندہ کر دیا ہے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو.....'' گرینی کی آواز لرز گئی اور میں نے اُس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''نہیں گرینی! مجھے تو خوشی ہے کہ میں اتفاقیہ طور پر تمہارے کام آ گیا۔''

گرینی نے اپنی بے نور آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ نہیں سمجھتے مسٹر مارٹن! کہ سومیل ہمارے لئے کیا ہے۔ ہم بہت ہی مختصر فیملی رکھتے ہیں۔ سومیل میری خالہ کا بیٹا ہے اور میں اپنی خالہ کے ساتھ ہی میلوک کے سب سے شاندار فارم ہاؤس میں رہتی ہوں۔ میری خالہ بیوہ ہے۔ اور یہ فیملی ہم تین افراد پر مشتمل ہے۔ چند ملازم بھی ہیں ہمارے ساتھ جو ہمارے اہل خاندان ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بس! اگر میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں تو..... ویسے مسٹر مارٹن! اگر آنکھیں کسی بیماری کا شکار ہو جائیں تو کیا اُن کی روشنی دوبارہ واپس آ سکتی ہے؟''

''کیوں نہیں مس گرینی! ایسی آنکھوں کا علاج تو آسانی سے ہو جاتا ہے۔''

''آہ..... کاش! ایسا ہو جائے۔ مسٹر مارٹن! کیا آپ میری خالہ سے ملنا پسند کریں گے؟ معاف کیجئے گا! یہ سوال احمقانہ ہے۔ ظاہر ہے، آپ کی مصروفیات کچھ اور ہوں گی۔ اتنی سی شناسائی حیثیت ہی کیا رکھتی ہے؟ مگر میرا دل چاہتا ہے کہ میری بھی کسی سے دوستی ہو۔ کوئی جو اندھی آنکھوں پر توجہ دیئے بغیر مجھ سے دوستی اور ہمدردی کا اظہار کرے.....'' گرینی کی آواز میں کچھ ایسی بے بسی اور بے چارگی تھی، جو میرے دل کی گہرائیوں کو چھو گئی۔ میں نے اُس کے شانے کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آنکھیں اگر ساتھ نہیں دے رہیں تو تمہاری شخصیت پر تو کوئی اثر نہیں پڑا..... پتہ نہیں وہ کیسے لوگ ہوں گے، جو یہ تمام باتیں سوچتے ہیں۔ میں تو کبھی یہ نہیں سوچ سکتا.....'' میں نے کہا۔

اُس کا چہرہ جیسے روشن ہو گیا ہو۔ اُس نے سومیل سے کہا۔ ''سومیل! مسٹر مارٹن کس قسم

کے انسان لگتے ہیں؟'' بڑی معصومیت تھی اس سوال میں۔

''سسٹر! مسٹر مارٹن شاندار صحت کے مالک ہیں۔ بہت اچھی شکل وصورت رکھتے ہیں۔ اور اُن کی آنکھوں سے محبت اور ہمدردی ٹپکتی ہے۔ مسٹر مارٹن! کیا آپ اپنی مصروف زندگی میں سے کچھ وقت ہمارے لئے نکال سکتے ہیں؟ آپ یقین کیجئے! میلوک اتنی خوبصورت جگہ ہے کہ آپ نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ سوری مسٹر مارٹن! کیا آپ کبھی میلوک سے گزرے ہیں؟''

''نہیں گرینی! یہ حقیقت ہے کہ میں نے میلوک کبھی نہیں دیکھا۔ دراصل میں سیاح ہوں اور سیاحت کرتا ہوا یہاں آیا ہوں۔''

''اوہ مائی گاڈ! اگر آپ سیاحت کی غرض سے فرانس آئے ہیں مسٹر مارٹن! تو پھر میلوک دیکھے بغیر نہیں جائیے گا۔ آپ کچھ دن ہمارے ساتھ مہمان رہیں۔ خالہ کو بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔ وہ بچوں کی طرح خوش مزاج اور ہنس مکھ ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی مہمان ہمارے ہاں آجاتا ہے تو آپ یقین کریں کہ ہم لوگ خوشی سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ مسٹر مارٹن! اب تو آپ کو میری درخواست قبول کرنا ہی ہوگی اور کسی معذور کا دل رکھنا ثواب کا کام ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر تم لوگوں کی یہی خواہش ہے تو بھلا میں کیسے انکار کر سکتا ہوں؟'' میں نے ایک فیصلہ کر کے کہا۔ میں نے سوچا تھا کہ پیرس کی اس ہنگامی زندگی اور اپنے دشمنوں سے بچاؤ کے لئے میں یہاں سے نکلنے کا فیصلہ تو کر ہی چکا ہوں۔ کیوں نہ کچھ وقت پیرس سے دُور کسی چھوٹے سے پہاڑی قصبے میں گزار لوں؟ ایک سہارا مل رہا تھا۔ کچھ وقت تفریح میں گزر جائے گا۔ کوئی خاص مقصد تو ہے نہیں۔ لیری کنگ اور لیری کوئین کی کہانی ختم ہوگئی تھی۔ ریڈ اسنیک زندہ ہونے سے پہلے مر گیا تھا۔ اب تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ وہ دونوں اس ہنگامے میں کام آگئے یا پھر اپنے دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئے یا پولیس کی تحویل میں پہنچ گئے۔ اور میں کسی قیمت پر یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا کہ انہیں تلاش کروں..... بھلا مجھے کیا غرض تھی خوانخواہ کی مصیبتیں پالنے کی۔

اُن لوگوں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ سومیل مجھے اُس فارم ہاؤس کے بارے میں بتا رہا تھا جس میں اُس کے ڈیڈی نے بہت کچھ کیا تھا۔

''انکل مارٹن! میں نے فارم ہاؤس میں ایک چڑیا گھر بنایا ہے جس میں ہزاروں طرح کے پرندے موجود ہیں۔ بونگی کو میں نے بڑا ٹرینڈ کیا ہے۔ بونگی، چمپینزی ہے اور ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ آپ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جائیں گے۔ میں نے ایک شتر مرغ بھی پالا ہے جو بے حد سمجھدار ہے۔ آپ ہماری اُس دنیا کو دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے.....''

سومیل کی ان باتوں سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا وہ فارم ہاؤس کیسا ہوگا؟ اور میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی تھی کہ اس منحوس زندگی سے اتنی نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے میلوک ضرور جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے سومیل سے پوچھا۔ ''آج شام جا رہے ہو تم لوگ؟''

''ہاں انکل مارٹن! ہمارا ڈرائیور موجود ہے۔ اور ہمارے پاس ایک خوبصورت گاڑی ہے جس میں جدید ترین چیزیں لگی ہوئی ہیں۔ انکل! اگر آپ سیاح ہیں تو کیا آپ کا قیام کسی ہوٹل میں ہے؟''

''ہاں.....''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ ساڑھے چار بجے ہم لوگ پیرس سے نکل چلیں گے۔ اس سے پہلے آپ اپنا سامان اپنے ہوٹل سے لے لیجئے گا۔''

بقیہ وقت میں نے اُن لوگوں کے ساتھ گزارا تھا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے ایک دُبلے پتلے بدن کا بیوقوف سی صورت والا شخص ڈرائیور کے لباس میں وہاں پہنچ گیا اور اُس نے اُن لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ واپسی کے لئے تیار ہیں؟

اس دوران گرینی مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔ اُس کی معصوم گفتگو اس پرفریب دنیا سے بہت دُور لے جاتی تھی۔ اتنی عمر کی کسی پرکشش لڑکی سے اس گفتگو کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ اس کے کسی جملے میں فریب نہیں تھا، نہ ہی یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر عمر کے مطابق ہے۔ جبکہ جسمانی طور پر وہ بہت پرکشش تھی۔ اور اُسے دیکھ کر ایلش کی نزاانی کا کاک ٹیل یاد آجاتی تھی۔ میں اُن لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ اور پھر میں نے ہوٹل سے اپنا مختصر سا سامان بھی لے لیا۔

☆.....☆.....☆

قیمتی انعارومیو، کسی راج ہنس کی طرح چکنی اور شفاف سڑک پر پرواز کرنے لگی۔ باہر کے مناظر بے حد حسین تھے۔ راستے میں گرینی اور سومیل مجھ سے باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ڈرائیور بہت ہی مشاق تھا اور پھر سڑک بھی بے نظیر تھی۔ منظر پر نگاہ جمانا ممکن نہیں ہو رہا تھا۔ رفتار دیکھ کر چکر سے آتے تھے۔ لیکن سومیل بہت خوش تھا تیز رفتاری سے۔ تاہم چالیس منٹ کا سفر اُسی رفتار سے طے کرتے ہوئے دماغ چکرا گیا تھا۔

سڑک سیدھی چلی گئی تھی۔ لیکن میلوک سے تقریباً آٹھ کلومیٹر پہلے انعارومیو اچانک نشیب میں اُتر گئی۔ میں تو چونک پڑا تھا۔ کیونکہ ڈرائیور نے جس رفتار سے گاڑی نیچے اُتاری تھی، اُس سے خطرہ تھا کہ ڈھلان میں اُترتے ہی وہ لڑھک جائے گی۔ لیکن یہاں سے بھی ذیلی سڑک غالباً اُس فارم ہاؤس تک پہنچائی گئی تھی۔ جو اتنی ہی شفاف تھی اور ڈرائیور اُس پر ڈرائیونگ کرنے کا ماہر تھا۔

میں نے اُس علاقے کو غور سے دیکھا۔ تا حد نگاہ سرسبز برف پوش پہاڑ نظر آ رہے تھے اور اُن کے درمیان ڈھلانوں پر درختوں کی بہتات تھی۔ یہ علاقہ جنت نظیر تھا۔ اور بلاشبہ سومیل اور گرینی نے اُس کے بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ غلط نہیں تھا۔ پھر بہت فاصلے پر میں نے اُس فارم ہاؤس کو دیکھ لیا جس کے گرد سفید احاطہ بنا ہوا تھا۔ دیواریں لکڑی سے بنائی گئی تھیں اور اُن کے درمیان ایک چوڑا گیٹ تھا۔ فارم ہاؤس کی اس عمارت کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد کے مناظر بھی بے حد حسین تھے۔ جا بجا پھولوں کے تختے بچھے ہوئے تھے اور اُن کے درمیان ترشی ہوئی گھاس موجود تھی۔ سامنے ہی ایک حسین طرز کی عمارت نظر آ رہی تھی، جو لکڑی ہی سے بنائی گئی تھی اور اُس کے اوپر سرخ کھپریل بچھائے گئے تھے۔ سامنے ہی ایک وسیع و عریض برآمدہ تھا جس میں پھولوں کی بیلیں لٹک رہی تھیں۔ بادلوں کی کجلاہٹوں میں یہ منظر قیامت خیز محسوس ہوتا تھا۔ اور زمین پر انسان کی جنت تصور

کیا جا سکتا تھا۔ وہ جنت..... جو انسانی ہاتھوں نے تشکیل دی ہو۔

عمارت کے برآمدے سے کچھ فاصلے پر انعارومیو، روک دی گئی۔ اور اُس کے بعد سومیل اور گرینی نیچے اُتر آئے۔ سومیل نے میرا وزنی سامان اُٹھانے کی کوشش کی۔ لیکن ڈرائیور نے یہ سامان اُس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ گرینی نے ہاتھ فضا میں پھیلائے اور آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

"مسٹر مارٹن! آیئے میں آپ کا تعارف اپنی خالہ سے کرا دوں۔"

میں نے اُس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو پکڑ لیا اور گرینی برآمدے کی سیڑھیاں طے کرنے لگی۔ سومیل نے کہا۔ "سسٹر! آپ مارٹن کو ممی کے پاس لے جایئے۔ میں ان کا سامان کمرے میں پہنچائے دیتا ہوں۔"

"او کے.... او کے! تم فکر مت کرو۔" گرینی نے کہا۔

برآمدے کی سیڑھیاں عبور کر کے ہم اندرونی حصے میں داخل ہو گئے۔ اور پھر ایک چوڑی راہداری سے گزرنے کے بعد گرینی نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر مجھے اندر داخل ہونے کی ہدایت کی۔ اندر سے ہلکی موسیقی کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ میں نے اندر قدم رکھا۔ بہت بڑا گول ہال تھا۔ جس کے آخری سرے پر ایک چوڑی میز پڑی ہوئی تھی۔ اور اس چوڑی میز کے پیچھے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ ہال میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی، جو باہر کی روشنی کی نسبت بہت کم تھی۔ چنانچہ ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں کے سامنے کچھ جھائیاں سی اُبھریں۔ پھر میں نے اُس شخص کو دیکھا اور چونک پڑا..... اُس کے بدن پر گہرے نیلے رنگ کا سوٹ تھا۔ چہرہ بالکل دُبلا پتلا۔ گال اندر کو دھنسے ہوئے۔ ٹھوڑی چوڑی اور گالوں کی ہڈیاں اُبھری ہوئیں جن کے درمیان چھوٹی چھوٹی آنکھیں بہت عجیب سی لگ رہی تھیں۔ حیرت ناک چیز وہ چھوٹی سی مشین تھی، جو اُس کے سامنے میز پر نصب تھی اور اُس کی نال اُس کی طرف اُٹھی ہوئی تھی......

دوسرے ہی لمحے میرے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔ میں نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا۔ گرینی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ لیکن خالہ جان..... تب ہی اُس شخص کی بھاری آواز اُبھری جو اُس کی شخصیت سے ہم آہنگ نہیں تھی۔

"گرینی! کیا تم اس کے لباس کی تلاشی لے چکی ہو؟"

''نہیں چیف! لیکن کم از کم اس شخص کے پاس آتشیں اسلحہ نہیں ہو سکتا..... میں اُس کا اندازہ لگا چکی ہوں۔''

میں نے پلٹ کر حیرت سے ایک بار پھر گرینی کو دیکھا۔ اور دفعتہً مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ اب گرینی کی آنکھوں میں وہ ویرانی نہیں تھی بلکہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بخوبی دیکھ رہی ہے۔ اُس نے آگے بڑھ کر مجھے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

''چلو.... آگے بڑھو.... خبردار! حرکت کی تو وقت سے پہلے مارے جاؤ گے.....

میرے حواس معطل ہو گئے تھے..... کھوپڑی جیسے گردن سے چار فٹ اوپر بلند ہو گئی تھی۔ تیز ہواؤں کی آوازیں میری سماعت کو مجروح کر رہی تھیں۔ یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ لیکن آنکھوں کے سامنے نظر آنے والی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا۔ گرینی کے اشارے پر میں آگے بڑھا اور اس میز کے قریب پہنچ گیا۔

سب مشین گن کی نال میرے ساتھ ساتھ سفر کر رہی تھی۔ اور مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ میری کوئی بھی لغزش مجھے اس جگہ موت کے گھاٹ اُتار سکتی ہے۔ میز کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میرے پیروں سے تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی..... اتنا بڑا ذہنی جھٹکا لگا تھا کہ ناقابل بیان تھا۔ دماغ جھنجھنا کر رہ گیا تھا اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئی تھیں۔ میں بیٹھ گیا۔ تب اُس شخص نے نرم اور پرسکون لہجے میں کہا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''منصور.....''

''تعلق؟''

''ایشیائی ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''لیکن تمہارا چہرہ.....؟''

''میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''میک اَپ؟''

''نہیں..... بالکل نہیں۔''

''سنو! میرا تم سے تعارف ضروری نہیں ہے۔ لیکن بس! اتنا جان لو کہ میں کبھی الجھنوں

گرفتار نہیں ہوتا۔ تمہارے بارے میں مجھے کچھ معلومات درکار ہیں۔ سچ بولو۔ اگر جھوٹ ...لنے کی کوشش کی تو اس مشین گن کا ایک ہی برسٹ جسم کے اتنے چیتھڑے اُڑا دے گا کہ ...ں کے بعد مزید ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ تم نے اپنا جو بھی نام بتایا ہے، میں اُسے صحیح ...ور پر ادا نہیں کر سکتا۔ مجھے صرف اُس مائیکرو فلم کے بارے میں بتاؤ، جو تم نے ہیڈن سے ...مل کی ہے۔''

''کک..... کیا مطلب.....؟ کیا بکواس ہے؟ کون سی مائیکرو فلم؟ اگر تم کسی غلط فہمی کا ...کار ہو تو کیا تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ کسی بے گناہ شخص کو گرفتار کر کے اُس کے ساتھ یہ سلوک ...رو؟ پہلے تحقیق کرو کہ جس شخص کو تم نے پکڑا ہے، وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ اور جو کچھ تم سمجھ ...ہے ہو، وہ تمہاری غلط فہمی تو نہیں ہے؟ میرے پاس کوئی آتشیں ہتھیار نہیں ہے۔ بلکہ ہتھیار ...م کی کوئی چیز سرے سے ہے ہی نہیں۔ کیونکہ میں ایک امن پسند آدمی ہوں۔ صرف ایک ...باح..... جو مختلف ممالک کی سیاحت کرتا ہوا فرانس پہنچا ہے۔ اس لڑکی سے پوچھ سکتے ہو ...میں نے صرف انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت اُس لڑکی کی زندگی بچائی ہے۔ اور ...ں کے بعد میرے ساتھ یہ سلوک..... اگر میں کسی فلم وغیرہ کے بارے میں جانتا ہوتا تو ...یقیناً تمہیں بتا دیتا..... میرا تعلق کسی فلم سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں نے کبھی کوئی غلط کام کیا ...ہے۔ اس کے باوجود اگر تمہیں میری زندگی ہی لینی ہے تو میں مجبور ہوں۔ صرف ایک ...درخواست کرتا ہوں تم سے کہ ذرا تحقیقات کر لو کہ تم نے صحیح آدمی کو پکڑا ہے یا اصل آدمی ...کہیں اور روپوش ہے؟ ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں میری موت کا افسوس ہو۔''

یہ الفاظ میں نے انتہائی معصومیت سے ادا کئے تھے۔ اس میں خوف کا عنصر بھی تھا جو سو ...فیصد حقیقی تھا، اور جان بچانے کی کوششوں کا تصور بھی۔ شاید میرے انداز نے اُس شخص پر ...اثر کیا۔ اُس کی بھویں سوچنے کے انداز میں اُوپر اُٹھیں اور اُس نے سوالیہ نگاہوں سے ...گرینی کو دیکھا۔

''نہیں چیف! جس شخص کی نشاندہی کی گئی تھی، وہ سو فیصد یہی ہے۔ اسے اُس فائل سٹار ...ہوٹل میں بھی دیکھا گیا ہے اور پھر اس نے ہوٹل تبدیل کر لیا تھا۔ ہم لوگ مسلسل اس کی ...نگرانی کر رہے تھے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ سومیل کبھی دھوکہ نہیں کھاتا۔''

ایک لمحے کے لئے میری آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ سومیل..... وہ معصوم سا لڑکا جسے میں

نے دریائے سین میں ڈوبنے سے بچایا تھا.....اتنی چھوٹی سی عمر اور اتنی بڑی مجرمانہ کارروائی میں مصروف...... یہ ایک ایسی ناقابلِ یقین حقیقت تھی جس پر شاید مرتے وقت تک یقین نہ آئے۔ تاہم جو کچھ تھا، نگاہوں کے سامنے تھا۔ دُبلے پتلے چہرے والے شخص نے مجھ سے پوچھا۔

''کیا یہ حقیقت ہے کہ تم کسی فائیو سٹار ہوٹل میں مقیم تھے اور اس کے بعد.....؟''

''ہاں..... یہ حقیقت ہے۔ فرانس کے اُس خوبصورت ہوٹل میں کچھ وقت گزارنے کی شدید آرزو میرے دل میں تھی۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں جتنا وقت میں نے گزار لیا تھا۔ کیونکہ میرا بجٹ اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ اس شاطر لڑکی سے پوچھ لو کہ میں نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا اور ایک کم قیمت والے ہوٹل میں منتقل ہوگیا۔ پتہ نہیں ان بیوقوفوں کو مجھ پر شبہ کیسے ہوگیا؟ اور یہ میری جان کے پیچھے کیوں پڑ گئے؟''

دُبلے پتلے چہرے والے شخص نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے گرینی کو دیکھا اور گرینی کہنے لگی۔ ''چیف! ہیڈن ولیج کی رہائش گاہ پر موجود شخص کے بارے جو حلیہ پتہ چلا تھا، وہ مکمل طور پر اس شخص سے ملتا ہے۔ باقی معاملات میری سمجھ سے باہر ہیں۔''

''ہوں.... تاہم میں اس شخص کی اس درخواست پر غور کروں گا کہ اگر یہ اصل شخص نہیں ہے تو پھر کون ہے؟''

''ہاں.... ہاں..... مسٹر! اگر یہ ثابت ہو جائے کہ میں ہی آپ کا مجرم ہوں تو آپ میرے جسم کو اتنے ٹکڑوں میں تقسیم کریں کہ کوئی انہیں گننے کی ہمت نہ کر سکے۔''

''ہوں..... آؤ! میرے ساتھ باہر آؤ.....'' یہ کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھ گیا اور میں لرزتے قدموں سے اُس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ گرینی باہر نکلنے کے بعد ایک سمت مڑ گئی تھی۔ وہ شخص آہستہ آہستہ چلتا ہوا راہداری کے ایک دوسرے حصے میں مڑ گیا۔ یہاں چڑیوں کا پنجرہ لٹکا ہوا تھا۔ اُس نے ایک مارکر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''اسے پکڑو!'' اس کے بعد پنجرے سے ایک چڑیا نکال لی اور اُس کے پر پھیلاتا ہوا بولا۔ ''اس پر اپنے دستخط کرو۔''

''مم..... میں..... میں سمجھا نہیں۔''

''ان پروں پر اپنے دستخط کرو۔'' اُس نے کہا اور میں نے اُس کی اس عجیب وغریب

خواہش پر عمل کیا۔ تب اُس نے وہیں کھڑے کھڑے کسی کو آواز دی۔ اور ایک پستہ قامت شخص ہاتھ میں رائفل لئے وہاں پہنچ گیا۔ ''اس چڑیا کا رنگ نوٹ کرلو۔ پرواز کے دس منٹ بعد اسے ہلاک کرنا ہے۔'' اُس نے ہاتھ میں دبی ہوئی چڑیا اُس شخص کے سامنے کر دی اور اُس نے چڑیا کو بغور دیکھا۔ پھر گردن ہلا دی۔

دُبلے پتلے چہرے والے شخص نے چڑیا کو فضا میں اُڑا دیا اور وہ برق رفتاری سے نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ یہ احمقانہ کوشش میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب اُس شخص نے کہا۔ ''آؤ! میں تمہیں تمہاری رہائش گاہ دکھا دوں۔''

وہ مجھے ساتھ لئے چل پڑا۔ فارم ہاؤس کی عمارت کے عقبی حصے میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے جو ایک کمرے اور باتھ رُوم پر مشتمل تھے۔ سامنے ہی چھوٹا سا برآمدہ بھی تھا۔ کیبنوں کی تعداد چار تھی اور یہ فارم ہاؤس کے سامنے کے رُخ سے نظر نہیں آتے تھے۔ اُس نے ایک کیبن مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ ''یہ تمہاری عارضی رہائش گاہ ہے۔ جہاں تم اُس وقت تک رہو گے جب تک کہ تمہارے بارے میں تصدیق نہ ہو جائے۔ ویسے اگر تم اپنی شخصیت کو چھپا رہے ہو تو یہ بات میرے لئے تعجب خیز ہے کیونکہ جن لوگوں نے تمہارے بارے میں تحقیقات کی ہیں، وہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔ اس بات کو ذہن نشین کر لینا کہ اگر تمہارا بیان جھوٹا ہوا تو تمہاری نسلوں کا نام ونشان بھی نہیں ملے گا۔''

''ٹھیک ہے جناب! لیکن ایک درخواست آپ سے بھی ہے۔ اگر میں بے قصور نکلوں تو میرے خون سے ہاتھ رنگنے کی کوشش نہ کریں۔''

''دُبلے پتلے آدمی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ مجھے اُس فارم ہاؤس کے اطراف کے بارے میں بتانے لگا۔ اور میں نے اُس سے میلوک کے بارے میں پوچھا۔ تب اُس کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

''پورے پیرس میں میلوک نامی کوئی قصبہ نہیں ہے۔ یہ فارم ہاؤس ایک الگ تھلگ جگہ پر واقع ہے۔ میلوک کے بارے میں اگر تم چھان بین کرتے تو شاید پیرس میں کوئی بھی شخص تمہیں اس کی نشاندہی نہیں کرا سکتا تھا۔''

میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور دل ہی دل میں اپنے آپ کو وہ تمام گالیاں دے ڈالیں جو مجھے یاد آ سکتی تھیں۔ وہ شخص مجھے فارم ہاؤس کے اطراف کے بارے میں

بتاتا رہا۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ سولہویں منٹ پر وہی پستہ قامت شخص آتا ہوا نظر آیا۔ اور چند لمحات کے بعد وہ قریب پہنچ گیا۔ وہی چڑیا اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ لیکن اب اُس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے دماغ کے چیتھڑے اُڑ گئے تھے۔ اُس نے مُردہ چڑیا، دُبلے پتلے آدمی کے ہاتھ میں تھما دی۔ اور دُبلے پتلے شخص نے اُس کے پر پھیلائے۔ میرے دستخط خون آلود نہیں ہوئے تھے۔ وہ سفاک لہجے میں بولا۔

''بتانا یہ مقصود تھا کہ اس علاقے سے آسمان پر پرواز کرنے والی ایک ننھی سی چڑیا بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ تم پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ لیکن فرار کی کوشش کا یہی نتیجہ ہوسکتا ہے۔'' وہ برق رفتاری سے مڑا اور واپس چلا گیا۔

میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ یہ شعبدہ واقعی بے حد خطرناک تھا۔ ایک ننھی سی چڑیا جسے میری نگاہوں کے سامنے آسمان کی وسعتوں میں چھوڑ دیا گیا تھا، ان لوگوں کی نگاہوں سے نہیں بچ سکی تھی۔ اُس کے بعد اس شخص کا یہ دعویٰ کہ یہاں سے کوئی پرندہ بھی باہر نہیں نکل سکتا، اس محاورے کی تصدیق ہوگئی تھی..... میں دیر تک کھڑا ویران نگاہوں سے سامنے پھیلی ہوئی پہاڑیوں کو دیکھتا رہا۔ اور پھر اس کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا جو اُس نے میری رہائش گاہ کے لئے مخصوص کیا تھا۔ اگر نارمل حالات ہوتے تو یہ رہائش گاہ اور ماحول میرے لئے بے حد سکون بخش ہوتا۔ لیکن حالات نارمل ہو ہی کیسے سکتے تھے؟ میری تقدیر بھلا مجھے چین لینے دے سکتی تھی؟ وہ کمبخت اندھی لڑکی جس کے منہ سے دُودھ کی بو آتی تھی اور جس کی معصوم باتوں کو سن کر میں نے سوچا تھا کہ وہ اپنی عمر سے بہت پیچھے ہے، درحقیقت اپنی عمر سے کہیں آگے نکلی تھی۔ اُس نے نہایت کامیابی سے مجھے گدھا بنا دیا تھا۔ اور تو اور وہ لڑکا جس کی عمر ابھی کچھ نہیں تھی۔

میں نے کیبن کی ایک کھڑکی کے پاس بیٹھ کر ایک گہری سانس لی۔ سومیل نے درحقیقت چالاکی سے اپنے آپ کو دریائے سین میں گرا دیا تھا۔ اور فطری طور پر مجھے اُس کی مدد کرنا چاہئے تھی۔ کتنی آسانی سے اُن دونوں نے مجھے پھانس لیا۔ اور مجھ احمق کو دیکھو کہ آدھی زندگی ان خطرناک حالات میں گزارنے کے باوجود عقل سے کام نہ لیا اور دو معصوم بچوں کے ساتھ اُن کے گھر چلا آیا۔ اس سے زیادہ حماقت کسی نے نہیں کی ہوگی۔ تاہم اب

سوچنا تھا کہ آگے کیا ہوگا؟ اگر کسی نے اُن کی رہنمائی مجھ تک کی تو بلاوجہ نہیں کی ہوگی.....

خیالات کی اسی اُدھیڑ بن میں دن گزر گیا اور آسمان کی وسعتوں پر تاریکیوں کا راج ہوگیا۔ ملازموں نے مجھے کھانے پینے کی اشیاء فراہم کر دی تھیں۔ رات کو تقریباً ساڑھے تین بجے تک نیند نہیں آئی تھی۔ دو تین بار کیبن سے باہر نکلا اور اُس چڑیا کا حشر یاد آ گیا جو پندرہ منٹ کے بعد شکار ہو کر واپس آ گئی تھی۔ چنانچہ بھاگنے کا تصور ہی بے حد خطرناک تھا۔

دوسری صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں کیبن سے نکل آیا۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ جانے کیوں میرے ذہن میں اُس دوسرے کیبن کا خیال آیا جو میرے کیبن کے قریب تھا۔ کیا اس کیبن میں کوئی اور رہتا ہے؟ میں نے سوچا اور کیبن کی جانب چل پڑا۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر میں نے آواز لگائی۔

''اندر کوئی ہے؟'' لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔

میں نے ایک بار پھر یہ آواز لگائی۔ اور دفعتہً ہی مجھے دھب دھب کی آوازیں سنائی دیں۔ میں اُن آوازوں پر غور کرنے لگا۔ اور پھر مجھے اندازہ ہوگیا کہ کوئی اندر اپنی موجودگی کا اعلان کر رہا ہے..... ایک لمحے کے لئے میرے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ اپنی موجودگی کے بارے میں بتانے کا یہ انداز یہ ظاہر کرتا تھا کہ اندر جو کوئی بھی ہے، زبان سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

دوسرے لمحے میں کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا..... کیبن کے واحد کمرے میں ایک شخص آرام کرسی پر دراز تھا۔ برابر ہی مسہری بچھی ہوئی تھی۔ جو شخص آرام کرسی پر دراز تھا، اُسے دیکھ کر میں ایک لمحے کے لئے پہچان بھی نہیں سکا۔ لیکن جب کچھ اور قریب پہنچ کر میں نے اُس کی حالت دیکھی تو میری آنکھیں دہشت سے بند ہوگئیں..... کرسی پر بیٹھے شخص کے دونوں ہونٹ کٹے ہوئے تھے اور دانت باہر جھانک رہے تھے۔ اُس کے ہاتھوں کی تمام اُنگلیوں کے پورے اُوپر سے کاٹ دیئے گئے تھے..... یہی کیفیت پیروں کی تھی اور ان پر کوئی مرہم پٹی نہیں کی گئی تھی۔ اُن کے آخری سروں پر خون جما ہوا تھا۔ جسم، گردن اور بازوؤں پر جگہ جگہ سلاخ سے داغے جانے کے نشان موجود تھے..... اُس کی آنکھوں میں ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مجھے دیکھ کر ان آنکھوں میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی اور پھر ایک آواز اُبھری۔

'' ہے..... ہے..... جیمس..... ہوکر..... '' میری سمجھ میں ایک لمحے کے لئے تو کچھ نہیں آیا تھا۔ لیکن پھر دفعتہً میرے ذہن میں جیمس پوکر کا نام گونجا..... اور اَب جو میں نے غور سے دیکھا تو میرا پورا بدن تھرا گیا..... یہ جیمس پوکر تھا..... اور مجھے اپنا نام بتا رہا تھا۔ میں تڑپ کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔

'' ارے جیمس پوکر..... تم..... تم اس حالت میں.....؟ ''

'' ہجے..... ہجے..... گرہتا..... ہرلیا..... گیا..... ہولوگ..... بلم..... بلم..... '' ہونٹوں کی غیر موجودگی اُسے کئی الفاظ ادا نہیں کرنے دے رہی تھی۔ لیکن وہ جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ میری سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا۔ میں نے ہمدردی سے اُس کے پاس بیٹھ کر پوچھا۔

'' تم کیسے گرفتار ہو گئے جیمس پوکر؟ اور تمہارا یہ حال..... آہ! میں سمجھ گیا..... فلم کے حصول کے لئے تمہاری یہ حالت بنائی گئی ہوگی..... ''

'' ہے..... نہیں جانتا..... ہوں سی بلم..... '' جیمس پوکر نے کہا اور میری آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ وہ بیچارہ تو کچھ نہیں جانتا تھا۔ سوائے اس کے کہ اُس نے معاوضے کے عوض میری مدد کی تھی۔ اُس کے ساتھ یہ سلوک.....؟ میرے بدن میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں اور میں نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

'' جیمس پوکر! تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، مجھے اس کا بے حد دُکھ ہے۔ لیکن مجھے اس کی اُمید نہیں تھی کہ ایسا ہوگا۔ آہ..... کاش! میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا..... '' میں نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔

جیمس پوکر نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اُس بیچارے کے لئے میں بھلا کیا کر سکتا تھا.....؟ آنکھیں بند کرنے کے بعد وہ شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں اُسے دیکھتا رہا..... اُس کی جو حالت ہوگئی تھی، اُس کے تحت اب یہ سب کچھ بے کار تھا کہ میں اُس سے تسلی کے کچھ الفاظ کہوں..... لیکن اپنی بے بسی کے شدید احساس کے ساتھ ساتھ جیمس پوکر کی اس حالت سے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا..... کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے؟ کیا یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں؟ اگر جیمس پوکر اُن کے قبضے میں آ گیا ہے تو پھر ظاہر ہے، مجھے بھی شناخت کر لیا جائے گا..... اور اُس کے بعد ممکن ہے، میری حالت بھی جیمس پوکر جیسی ہو..... نہیں..... میں ان لوگوں کی قید میں نہیں رہوں گا..... تھوڑی دیر بعد جب میں پوکر کے کیبن سے باہر نکلا تو

بے حد عجیب الخلقت انسان نظر آئے..... ان میں سے ایک نے اپنے بازوؤں پر، پَر لگائے ہوئے تھے اور دوسرا چیمپنزی بنا ہوا تھا۔ اُس نے اپنا چہرہ سیاہ کیا ہوا تھا۔ اور ایک مصنوعی دُم لٹکا رکھی تھی۔ سومیل اُن کے پیچھے پیچھے قہقہے لگاتا ہوا آ رہا تھا۔ مجھ سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر وہ رُک گیا اور اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

'' انکل..... انکل مارٹن! آپ دیکھ رہے ہیں؟ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے پاس ایک چیمپنزی بھی ہے اور ایک شتر مرغ بھی..... اس کے علاوہ بہترین چڑیاں ہیں میرے پاس۔ انکل! یہ جگہ آپ کو یقیناً پسند آئی ہوگی..... ''

میں کینہ توز نگاہوں سے اُس ننھے شیطان کو دیکھتا رہا۔ یہ کمبخت کیا چیز تھا؟ اپنی عمر سے کہیں آگے کی باتیں کر رہا تھا..... میں نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور وہ ہنستا ہوا اُن دونوں کو دوڑاتا آگے بڑھ گیا اور میں اپنے کیبن میں داخل ہو گیا تھا.....

دن کے تقریباً ساڑھے دس بجے دو افراد میرے کیبن میں پہنچے اور مجھے ساتھ لے کر فارم ہاؤس کی عمارت میں داخل ہو گئے..... یہاں وہی دُبلا پتلا شخص موجود تھا۔ اُس نے مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا اور بولا۔

'' میں جلد بازی کا عادی نہیں ہوں۔ اُس وقت تک تم سے کچھ نہیں کہوں گا، جب تک میرے وہ آدمی یہاں تک نہ پہنچ جائیں، جو تمہارے بارے میں مفصل معلومات مجھے فراہم کریں گے۔ لیکن جیمس پوکر سے جو تم نے گفتگو کی ہے، وہ میرے پاس ریکارڈ ہے۔ اگر تم جیمس پوکر کے شناسا ہو اور فلم کے بارے میں جانتے ہو تو پھر تمہارا یہ کہنا بے مقصد ہے کہ تم صرف ایک معصوم سیاح ہو۔ مائی ڈیئر! اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ تم اس وقت تک ہم سے جان نہیں چھڑا سکتے جب تک فلم کے بارے میں پوری تفصیل نہ بتا دو..... میں نے تمہیں صرف اس لئے بتایا تھا کہ ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے۔ میں تو تمہارے ساتھ کچھ رعایت کر بھی سکتا ہوں۔ لیکن وہ، جو یہاں پہنچنے والے ہیں، بے حد سفاک لوگ ہیں۔ جیمس پوکر کی یہ درگت اُنہی کے ہاتھوں بنی ہے۔ اور اگر وہ تم سے کچھ پوچھنے پر آمادہ ہو گئے تو اُن کا انداز ذرا مختلف ہے۔ کیا سمجھے.....؟ بہتر یہی ہے کہ مجھے اُن کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع دو۔ ممکن ہے، انعام کے طور پر میں تمہیں کسی اذیت سے نہ گزرنے دوں..... جاؤ! اپنے کیبن میں جاؤ..... ابھی شام دُور ہے۔ میں نے تمہیں سوچنے کا موقع

دیا ہے۔ سوچ لینا..... اور اگر مناسب سمجھو تو دوپہر کے کھانے کے بعد مجھے اس فلم کے بارے میں تفصیلات بتا دینا کہ وہ کہاں ہے؟ بس! اب جاؤ.....''

میں تذبذب کے عالم میں سوچتا رہ گیا کہ کیا میں اُسے فلم کی حقیقت بتا دوں؟ جو کچھ اُس نے کہا تھا، وہ بے حد خوفناک تھا۔ وہ کون لوگ ہیں جو میری حقیقت معلوم کر کے آنے والے ہیں.....؟ مجھے واپس کیبن میں بھیج دیا گیا۔ یہ وقت بہت کٹھن تھا۔ میں ایک آزاد قیدی تھا۔ میلوک کی کہانی بھی عجیب تھی۔ ایک ایسی بستی..... جس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ کتنے نڈر ہیں یہ لوگ اور انہیں خود پر کتنا اعتماد ہے.....؟

کیبن میں کچھ وقت گزارنے کے بعد میں پھر باہر نکل آیا۔ ذہن شدید اُلجھن کا شکار تھا۔ نجانے کیا کیا سوچ رہا تھا؟ جیمس پوکر کے کیبن کی طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کی کیفیت دیکھ کر دل ڈوبنے لگتا تھا۔ میں سامنے کی سمت بڑھتے ہوئے کیبن سے کافی دُور نکل آیا۔

دفعتہً مجھے خیال آیا کہ یہاں سے فرار کے سلسلے میں کہیں اُنہوں نے مجھے نفسیاتی دباؤ میں نہ لیا ہو..... وہ صاف شفاف سڑک مجھے یاد تھی۔ اُن کی اجارہ داری تو نہیں تھی فرانس پر۔ اگر اُس سڑک تک پہنچ جاؤں تو.....؟

اس خیال کے تحت میں نے چاروں طرف دیکھا کہ فرار کے لئے کون سی سمت اختیار کی جا سکتی ہے.....؟ اور پھر میری نگاہ ایک جانب اُٹھ گئی..... سامنے سے کوئی گھوڑے پر سوار چلا آ رہا تھا۔ میں اُسے بغور دیکھنے لگا۔ اور پھر میرے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے..... یہ گرینی ہی تھی۔ گرینی نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی میرے نزدیک پہنچ گئی۔

''ہیلو مسٹر مارٹن!''

''ہیلو شیطان کی خالہ.....'' میں نے کہا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ ''غلط..... میری عمر اتنی تو نہیں ہے۔ تم مجھے شیطان کی نواسی کہہ سکتے ہو۔ ویسے تمہارا یہ غصہ غلط ہے۔''

''ایک بات کی پیش گوئی کرتا ہوں۔ تم ایک نہ ایک دن اندھی ضرور ہو جاؤ گی۔''

''اوہ..... بس! اتنی سی بات؟ میں تو اس سے زیادہ کے لئے تیار ہوں۔ جو چیز، جب تک ساتھ دے اپنی ہے۔ چھن جائے تو پرائی..... ویسے میں نے اتنا برا سلوک تو نہیں کیا

تمہارے ساتھ۔ آزادی سے گھوم پھر رہے ہو۔ اور کیا چاہئے؟ باقی رہے اُن کے اور تمہارے معاملات، تو وہ تم جانو۔''

''اپنے بارے میں کچھ تو بتا دو مجھے.....'' میں نے ندیدی نگاہوں سے اُس کے گھوڑے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آہ..... میں اندھی گرینی ہوں۔ کچھ عرصہ قبل لنگڑی تھی۔ اور بیساکھیوں کے سہارے چلتی تھی۔''

''اطمینان رکھو..... کوڑھی ہو کر مرو گی۔'' میں نے جلے بھنے لہجے میں کہا اور اُس نے ایک کھنک دار قہقہہ لگایا۔

''دلچسپ آدمی ہو.....''

''کاش میں تمہارے ساتھ کاک ٹیل پی سکتا.....'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''بات سمجھ میں نہیں آئی.....'' وہ بولی۔

''اس ٹٹو سے نیچے اُترو تو سمجھاؤں..... اس طرح بیٹھی ہوئی ہو اس پر جیسے کسی اعلیٰ نسل کے گھوڑے پر سواری کر رہی ہو۔'' میں نے طنزیہ کہا۔

''ٹٹو..... گھوڑوں کی شکل بھی دیکھی ہے کبھی؟ یہ گولڈ رشیا ہے..... خالص گولڈ رشیا..... اور اس کی قیمت ایک لاکھ ڈالر ہے۔''

''میں ایسے گھوڑوں کو ٹٹو سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا.....''

''اس کی پشت کو چھو لو تو میں یہ تمہیں انعام دے دُوں گی.....''

''ارے بس، جاؤ..... لڑکیوں کی بات بھی کبھی غور سے سنی جا سکتی ہے؟'' میں نے اُسے چڑاتے ہوئے کہا۔ وہ گھوڑے کی پشت سے نیچے اُتر آئی۔ اُس نے اچانک ہی اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا تھا۔

''چلو..... اس گھوڑے پر سواری کرو.....'' اُس کی غرائی ہوئی آواز اُبھری اور میں تمسخرانہ نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

''بس چڑ گئیں؟''

''میں کہتی ہوں اس گھوڑے پر سواری کرو، ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گی۔'' گرینی کی آواز میں سفاکی پیدا ہو گئی تھی۔ اُس نے پستول کے ٹرائیگر پر اُنگلی رکھ لی اور مجھے اندازہ ہو

گیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اس پر عمل بھی کر ڈالے گی۔ میں نے اپنی اسکیم کامیاب ہوتی محسوس کی تھی۔ لیکن اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اگر میں گھوڑے کی سواری میں کامیاب ہو جاتا اور اس کی پشت پر بیٹھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا تو وہ گولی بھی چلا سکتی تھی چنانچہ میں ایک گہری سانس لے کر گھوڑے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

ہر چند کہ مجھے گھڑ سواری میں کمال حاصل نہیں تھا لیکن اس وقت کمال دکھانا تھا چنانچہ میں اس کی لگام پکڑ کر آہستہ آہستہ چلانے لگا۔ گرینی پستول سنبھالے مجھے دیکھ رہی تھی گھوڑے کو ٹہلاتا ہوا میں گرینی کے نزدیک پہنچا اور پھر نہایت پھرتی اور مہارت سے میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ مارا اور ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکل گئی۔ پستول ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا۔ لیکن میں تیار تھا۔ میں نے پستول کو زمین پر گرنے نہیں دیا تھا اور درمیان ہی میں لپک لیا تھا۔ پھر نہایت پھرتی سے میں نے چھلانگ لگائی اور گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا۔ گھوڑا واقعی بے حد تیز ہا تھا۔ اُسے سنبھالنے میں خاصی دقت پیش آئی لیکن میں جلد ہی اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور اس کے بعد میں نے اسے ایک سیدھ میں ڈال کر چھوڑ دیا۔ بس ایک نگاہ گرینی کی جانب دیکھا تھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی اور شاید صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر ایک تیز سُریلی چیخ میرے کانوں سے ٹکرائی۔ غالبًا اسے موجودہ صورت حال کا اندازہ ہو گیا اور اُس کے بعد خاموشی۔ میں نے اندازے سے گھوڑے کا رُخ اس سمت تبدیل کر دیا تھا، جدھر سڑک ہو سکتی تھی۔ یہ ایک اندھی چال تھی جو میں نے کھیلی تھی۔ اور اَب صرف انتظار تھا تو اس بات کا اب مجھے زندگی کی بادشاہت ملتی ہے یا موت کی سرد قربت، لیکن اس تصور کے ساتھ ہی مجھے ہنسی آ جاتی تھی۔ ہر موقع پر یہی تو سوچا تھا لیکن آج بھی زندہ تھا اور وہ جو میری زندگی کے درپے تھے، اپنی ناکامیوں سمیت قبر کی گہرائیوں میں جا سوئے تھے یا پھر اپنا منہ پیٹ رہے تھے۔

گھوڑا اَب پوری طرح قابو میں آ گیا اور میں گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن ساتھ ہی یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ صحیح سمت ہے بھی یا نہیں۔ وہ ذیلی سڑک ابھی تک نظر نہیں آئی تھی پھر دفعتہً ہی گولی چلنے کی تیز آواز سے پورا ماحول گونج اٹھا۔ گولی ایک بلند چٹان سے ٹکرائی تھی دھماکے کی صدائے بازگشت نے

پہاڑیوں کے دامن میں طاری سکوت کو درہم برہم کر دیا تھا اور اب بے شمار پرندوں کی آوازیں فضا میں سنائی دے رہی تھیں ایک فائر کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔

میں گھوڑے کی لگام پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور چاروں سمت دیکھنے لگا۔ لیکن آس پاس کوئی نظر نہیں آ رہا تھا میں نے گھوڑے کو چند قدم اور آگے بڑھایا تو ایک بار پھر فائر ہوا اور اس گھوڑے کی ٹانگوں کو نشانہ بنایا گیا تھا گھوڑا ہنہنا کر الف ہو گیا اور میں اس کی پشت پر جما رہ سکا نیچے گرا تو گھوڑے نے دولتیاں جھاڑتے ہوئے ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ اب میں ان لوگوں کو دیکھ چکا تھا جن کے جسموں پر شکاریوں جیسے چست لباس تھے اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اچھا ہی کیا کیونکہ تیسرا فائر عین اسی جگہ ہوا تھا جہاں میں چند لمحات قبل موجود تھا۔

میں سنبھلا اور ایک سمت اختیار کر کے پوری قوت سے دوڑ پڑا۔ میں نے اپنے پیچھے دو آدمیوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ سامنے سے ہی ایک بلند چٹان نظر آ رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس چٹان کے عقب میں پہنچ جاؤں تو ان لوگوں کی گولیوں سے محفوظ رہ سکتا ہوں میں کسی خطرے کی پروا کئے بغیر چھوٹے چھوٹے پتھروں کو پھلانگتا ہوا چٹان کی جانب دوڑنے لگا اور مجھے احساس ہوا کہ میرا تعاقب کرنیوالے بھی بڑی بے جگری سے میرے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کو روکنے کی کوشش کروں ممکن ہے انہیں یہ اندازہ نہ ہو کہ میرے پاس بھی ہتھیار موجود ہے۔ اس وقت گرینی کا پستول مجھے دنیا کی سب سے قیمتی شے محسوس ہو رہا تھا، باقاعدہ نشانہ تو نہیں لے سکتا تھا لیکن پلٹ کر فائر کر دیا اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ دوڑنے والوں میں سے ایک چیخ سنائی دی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ میری بھی شامت آ گئی۔ رخ تبدیل کیا تھا کہ ایک پتھر سے اس بری طرح ٹکرایا کہ پیشانی پھٹ گئی اور چکرا سا آ گیا لیکن اس وقت تکلیف کو محسوس کرنا ممکن نہیں تھا چنانچہ میں پھر دوڑنے لگا۔ چٹان کے دوسری جانب پہنچنے کے بعد میں نے رُکنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور پھر میں کافی دور تک دوڑتا رہا۔ میرا رخسار خون سے تر ہو گیا تھا اور ہوا لگنے کی وجہ سے زخم میں کافی تکلیف ہو رہی تھی لیکن اس وقت ان ساری باتوں کو محسوس کرنا حماقت کی بات تھی۔ میرے ذہن میں مسلسل وہ پرندہ اڑ رہا تھا جس کے پروں پر میں نے اپنے دستخط کئے تھے۔

کافی دیر تک میں دوڑتا رہا۔ اب تو یہ اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا کہ کتنا سفر طے کر چکا ہوں اور کس سمت ہوں۔ نجانے کتنی دُور نکل آیا۔ اور پھر لکڑی کی ایک اور عمارت نظر آئی۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ یہ عمارت دشمنوں کی بھی ہو سکتی ہے یا پھر ممکن ہے خالی پڑی ہو؟ نجانے کیا سوچ کر میں عمارت کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو گیا۔ لکڑی کے بڑے بڑے شہتیروں سے وہ عمارت بنائی گئی تھی۔ اندر داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ تھا راستے میں ایک چھوٹا سا کمرہ بنا ہوا تھا جس میں مرغیوں کی آوازیں آ رہی تھیں ان آوازوں کو محسوس کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ عمارت خالی نہیں ہے میں آہستہ آہستہ کمرے کے نزدیک پہنچا۔ دروازہ بند نہیں تھا اور اسکے دوسری جانب ایک بہت بڑا کمرہ تھا لیکن یہاں تاریکی پھیلی ہوئی تھی نیم تاریک ماحول میں میں نے اس کمرے کا جائزہ لیا اور اسی وقت ایک خوفزدہ سی آواز ابھری۔

''مم..... میرا کوئی قصور نہیں ہے، یقین کرو میرا کوئی قصور نہیں ہے، یقین کرو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

اچانک اِس آواز کو سن کر میں بری طرح اچھل پڑا تھا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ماحول کا جائزہ لیا تب میں نے ایک سمت پڑی ہوئی اس لڑکی کو دیکھا جس کے ہاتھ، پاؤں بندھے ہوئے تھے۔

میں پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی کی آنکھیں شاید تاریکی کی عادی تھیں اور وہ مجھے بخوبی دیکھ رہی تھی پھر جب میں بھی کچھ دیکھنے کے قابل ہوا تو سر کو جھٹکتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ میرے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول سے خوفزدہ تھی اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''بھلا مجھے اس کے بارے میں کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ میں تو..... میں تو.....''

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' میں نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''دیکھتے نہیں ہو بندھی پڑی ہوں۔ بھلا اگر کوئی اس طرف آتا تو میں اسے کیا نقصان پہنچا سکتی تھی۔ تم خود سوچو، میرے پپا بوڑھے آدمی ہیں اور ہم دونوں یہاں امن کی زندگی گزار رہے ہیں، مجھے کیا پڑی تھی کہ میں کسی کو نقصان پہنچاتی اور اگر آنے والا کوئی مظلوم شخصیت کا مالک ہوتا تو ہم تو اس کی مدد کرتے نا کہ اسے کسی کے حوالے کر دیتے! تم خود ہی

بتاؤ؟''

''ایک منٹ ایک منٹ۔'' میں نے کہا اور پستول ایک سمت رکھ کر میں نے لڑکی کے ہاتھ اور پاؤں کھول دیئے۔ بھدی سی شکل کی نوجوان لڑکی تھی۔ وہ اپنی کلائیوں کو مسلنے لگی۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار منجمد تھے۔ میں نے اسے سہارا دے کر کھڑا کیا اور بولا۔

''اس عمارت میں اور کون کون ہے؟''

''اب تو کوئی بھی نہیں، پپا کو بھی تم نے باندھ کر دوسرے کمرے میں ڈال دیا ہے ورنہ وہ میرے کمرے میں ضرور آتے۔ یہ تو بتاؤ تم نے انہیں مار تو نہیں ڈالا؟''

''اوہ! میں وہ نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔ میں پہلی بار اس عمارت میں داخل ہوا ہوں۔''

''کک، کیا.....؟'' لڑکی اچانک اچھل پڑی۔

''ہاں، میں اپنے دشمنوں سے بچتا ہوا یہاں تک پہنچا ہوں۔''

''تم..... تم پائلٹ ہو، کیا تم پائلٹ ہو؟'' لڑکی نے سوال کیا اور میں گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگا۔ ''اگر تم پائلٹ ہو، تو میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے ساتھی تمہیں تلاش کرنے کی کوشش میں دوسرے لوگوں پر تشدد کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ تم اس طرف آئے ہو گے اور ہم نے تمہیں ان کے حوالے کر دیا۔''

''کن کے؟''

''روبن کے..... روبن ہی نام لیا تھا اُنہوں نے۔ اب ہم کیا جانیں کہ روبن کون ہے اور وہ یہاں کیا کر رہا ہے یا اسے کسی پائلٹ کی تلاش کیوں ہے؟ ہم جیسے لوگ تو صرف اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ بائیس بھیڑیں اور ایک سو چوبیس مرغیاں ہیں ہمارے پاس، اور یہ چھوٹی سی جگہ جہاں ہم ترکاریوں کی کاشت کرتے ہیں۔ پپا ہفتے کے ایک دن یہ ترکاریاں لے کر شہر جاتے ہیں اور ساتھ ہی مرغیوں کے انڈے بھی، یا پھر بھیڑ کے دودھ سے بنا ہوا پنیر اور اس کے عوض وہ مختلف چیزیں خرید لاتے ہیں۔ دیکھو مسٹر پائلٹ! اب اگر تمہارے ساتھی آئیں تو تم انہیں اس بات کا یقین دلا دو کہ ہم نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

میں چکراتے ہوئے سر کے ساتھ لڑکی کی بکواس سن رہا تھا۔ ایک لفظ نہیں تھا جو سمجھ آ رہا تھا۔ اُس نے مجھے پائلٹ سمجھ لیا تھا۔ بہرطور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، پائلٹ ہوں تو

تھوڑی دیر کے لئے پائلٹ ہی سہی۔ لیکن اب کیا کروں میرے دشمن میرا پیچھا کر رہے تھے۔ ہو سکتا ہے وہ اس مکان تک بھی آ پہنچیں میں جانتا ہوں کہ وہ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے لڑکی سے کہا۔

''سنو لڑکی۔ اگر تم بے قصور ہو تو میری مدد کرو۔ اس کے نتیجے میں تمہیں بہت کچھ ملے گا۔ اطمینان رکھو''

''میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟''

''کچھ نہیں! میرے جو ساتھی یہاں آئے تھے اور انہوں نے جو کچھ تم سے میرے بارے میں پوچھا تھا، وہ یقیناً دوبارہ اس طرف واپس آئیں گے، لیکن اس وقت میرے دشمن میرے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تھوڑی دیر میں یہاں آئیں تمہیں میری مدد کرنی چاہئے۔ تمہارے پپا کون سے کمرے میں ہیں جاؤ انہیں کھول دو اور پھر تمام صورت حال سے آگاہ کردو میں یہیں موجود ہوں۔''

لڑکی چند لمحات غیر یقینی سے مجھے دیکھتی رہی اور اس کے بعد پلٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ خطرات تو ایک ایک لمحہ موجود تھے۔ میں ہر خطرے سے نمٹنے کو تیار تھا۔ اب جو بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکی ایک مدقوق سے بوڑھے کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ بوڑھا پتلون پر واسکٹ پہنے ہوئے تھا اس نے اندر آتے ہی پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔ ''یہ غنڈہ گردی، یہ بدمعاشی ان علاقوں میں نہیں چل سکتی۔ تم کوئی بھی ہو، یہاں سے چلے جاؤ۔ نہ ہم تمہارے دشمنوں کے خلاف تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ براہ کرم ہماری اس پرسکون رہائش گاہ کو چھوڑ دو..... جاؤ چلے جاؤ یہاں سے۔''

''اوہ پپا! ابھی اس کے ساتھی واپس آئیں گے اور اگر.....''

''تو پھر ہم کس مصیبت میں پھنس گئے اور کس حساب میں؟

دیکھو میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے ورنہ کسی زمانے میں، میں بھی بہت برا آدمی رہ چکا ہوں۔''

مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''محترم! وہ زمانہ گزر گیا ہے۔ اَب تو آپ مجھے بہت اچھے انسان نظر آتے ہیں۔ اور کسی پریشان حال آدمی کی مدد کرنا ہر اچھے انسان کا فرض

ہے۔''

''تم باتوں سے مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے، چچ چچ.....'' ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اچانک باہر کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔ لڑکی کی خوفزدہ نگاہیں بھی دروازے کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ پھر آہستہ سے دروازہ کھلا اور دو آدمی دبے پاؤں چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے.....

تاریکی کی وجہ سے وہ ہم لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ لیکن جیسے ہی وہ درمیان میں پہنچے، میں نے آگے بڑھ کر پستول کی نال اُن میں سے ایک کی کنپٹی پر رکھ دی اور اس صورتِ حال سے وہ دم بخود رہ گیا۔ دوسرے نے جیسے ہی جنبش کرنے کی کوشش کی، میری بھرپور لات اُس کے پیٹ پر پڑی اور وہ تڑپتا ہوا زمین پر آ گیا۔ غالباً میرا پاؤں اُس کے جسم کے کسی نازک حصے پر لگ گیا تھا۔ پھر اچانک ہی اُس نے فائر کیا اور گولی لکڑی کی چھت کو چیرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

میں نے اُس شخص کو جسے میں پستول کی زد میں لئے ہوئے تھا، پوری قوت سے دھکا دے کر اُس شخص کے اُوپر گرا دیا، تاکہ اگر وہ دوسری گولی چلائے تو کم از کم میں بچ سکوں۔ لڑکی نے دہشت زدہ انداز میں چیختے ہوئے دروازے کی طرف چھلانگ لگانے کی کوشش کی تھی اور بوڑھا بھی اُس کے پیچھے بھاگا۔ وہ مجھے ان دونوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے تھے۔ نیچے گرے ہوئے آدمی نے نجانے کس طرح ہمت کر کے گولی چلائی تھی۔ لیکن دوسری گولی چلانے کی ہمت نہیں کر سکا، کیونکہ اُس کے پیٹ پر پڑنے والی ضرب شدید تھی۔ دوسرا آدمی جو اُس کے اُوپر آ گرا تھا، غیر مسلح نہیں تھا۔ لیکن میں نے اُسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

پستول کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ دونوں ساکت ہو گئے۔ لیکن دعوے سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ میرا تعاقب کرنے والے یہی دو افراد ہیں۔ ممکن ہے، باہر کچھ اور بھی ہوں۔ اب کیا کرنا چاہئے..... دفعتہً ہی باہر گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا..... یا الٰہی..... اس دھائیں دھائیں سے چھٹکارہ بھی ملے گا یا نہیں..... میں چکراتے ہوئے سر کے ساتھ سوچ رہا تھا۔

کافی دیر تک آوازیں گونجتی رہیں۔ اور ایک بار پھر کمرے کے دروازے کی جانب کچھ

آہٹیں بڑھتی ہوئی محسوس ہوئیں.....اب مجھ میں مقابلے کی سکت نہیں تھی۔ حالانکہ میرے ہاتھ میں موجود پستول میں چند گولیاں تھیں۔ لیکن کیا فائدہ؟ ان گولیوں کا استعمال کرنے کے بعد ایک بار پھر میں نہتا ہو جاؤں گا.....

کمرے میں داخل ہونے والے چار افراد تھے۔ انہوں نے اُس بوڑھے کو گریبان سے پکڑ رکھا تھا جو بے چارہ ناگہانی آفت کا شکار ہوا تھا۔ اُس نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ان آدمیوں میں سے ایک لاش اُس کی بھی ہے۔ اُٹھاؤ اور ہم دونوں کو بھی گولی مار دو.....میں کہتا ہوں تم لوگ اتنے درندے کیوں ہو؟ اگر یہ پہلے میرے پاس پہنچا ہوتا اور مجھ سے مدد کی درخواست کرتا تو.....تو..... ویسے یہ تو اندازہ ہے۔ چلو! اس سے پوچھ لو.....'' بوڑھے نے مجھے دیکھ لیا تھا۔

''روشنی کرو.....روشنی کرو.....'' کسی نے چیخ کر کہا

''یہاں اتنی ہی روشنی ہوتی ہے میرے دوست! اس سے زیادہ روشنی کرنا چاہتے ہو تو میرے اُوپر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دو.....'' بوڑھا بری طرح جھلایا ہوا تھا۔ اُن لوگوں میں سے کوئی ہنس پڑا۔ اور پھر کسی نے میری قریب پہنچ کر کہا۔

''پائلٹ.....تم خیریت سے تو ہو؟''

''ہاں! ٹھیک ہوں۔'' میں نے مرے مرے لہجے میں کہا۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ میری پشتوں میں کوئی پائلٹ نہیں تھا۔ لیکن اگر اپنا ہی جائزہ لے لیتا تو اندازہ ہو جاتا کہ خود میں ہی کچھ نہیں تھا۔ پھر بھلا اپنا شجرۂ نسب بتانے کی کوشش کیا معنی رکھتی تھی؟ وہ لوگ مجھے اس طرح سہارا دے کر کر باہر لائے جیسے میں شدید زخمی یا بوڑھا آدمی ہوں۔ لڑکی باہر کھڑی ہوئی تھی اور اُسے ایک آدمی نے پستول سے کور کیا ہوا تھا۔ اندر موجود لوگ ان دونوں افراد کو دیکھ رہے تھے جو میرا شکار ہوئے تھے۔ پھر وہ ان دونوں کو گھسیٹ کر باہر لے آئے۔ دونوں بے ہوش تھے اور اُن کے جسم پر چوٹوں کے نشانات نظر آ رہے تھے، جو میری ٹھوکروں کا نتیجہ تھے۔

''گڈ پائلٹ! اس کا مطلب ہے کہ تم بالکل پرفیکٹ ہو۔ آؤ چلو! ہمیں زیادہ وقت نہیں ضائع کرنا چاہئے۔''

''اے.....اے سنو! ان دونوں کو بھی یہاں سے لے جاؤ۔ ورنہ تمہارے بعد یہ دونوں ہمارے لئے مصیبت بنیں گے۔'' بوڑھے نے بے ہوش آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تو میرے اُن احمق ساتھیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

''بہتر یہ ہے کہ روشنی کرنے کا جو فارمولا تم اپنے اُوپر آزمانے کی بات کر رہے تھے، وہ ان دونوں پر آزما ڈالو۔ ابھی یہ بے ہوش ہیں۔ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔''

وہ ہنستے ہوئے باہر نکل آئے۔ میں بھی اُن کا ساتھ دے رہا تھا۔ اگر سمجھ میں آنے والی بات ہوتی تو میں سمجھنے کی کوشش بھی کرتا۔ لیکن میں بے بس آدمی تھا۔ جس نے جو بنا دیا بن گیا۔ بھلا خود بھی کبھی کچھ کر سکا تھا؟ چنانچہ اُن کے ساتھ خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ میں نے یہ تردید کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی کہ میں پائلٹ نہیں ہوں۔ اب اتنا تو ہو ہی چکا تھا کہ اگر کسی کو سچ بتانے کی کوشش کی جائے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں یہ لوگ میری جان بچانے کا باعث بن رہے تھے تو اچھا ہے۔ یہاں سے نکلنے کا موقع تو ملے گا۔

وہ تیزی سے سفر کرتے ہوئے ایک درّے میں پہنچ گئے۔ اور پھر اس درّے کا اختتام ایک بڑے اور تیز رفتار دریا کے کنارے ہوا تھا جس میں ایک چھوٹی سی لانچ جھول رہی تھی۔ لانچ پر دو آدمی نظر آ رہے تھے۔ اُنہوں نے رسے پھینکے اور میرے ساتھیوں نے ان رسوں کو لپک کر لانچ کو کنارے کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ لانچ کنارے سے آ لگی تو پہلے مجھے اس میں سوار کرایا گیا۔ اور پھر وہ لوگ خود بھی لانچ پر چڑھ آئے اور اس کے بعد رسے کھینچ لئے گئے۔ لانچ دریا کے بہاؤ پر بہنے لگی تھی۔ اُس کا انجن سٹارٹ کر لیا گیا تھا اور تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔

اب لانچ پر کل آٹھ افراد تھے۔ پانچ وہ جو مجھے یہاں لے کر آئے تھے۔ چھٹا میں اور دو وہ جو پہلے سے لانچ پر موجود تھے۔ لانچ میں ایک آرام دہ جگہ پر مجھے بٹھا دیا گیا۔ پستول میں نے اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ ان لوگوں نے مجھ سے میرے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ جب انہیں یہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنے آدمی کی بجائے کسی اور آدمی کو ساتھ لے جا رہے ہیں تو اس کے بعد اُن کا سلوک میرے ساتھ کیا ہوگا؟ لیکن اب میں اس قسم کے سلوکوں کا عادی ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کی۔

لانچ دریا کے سینے پر بہتی رہی۔ پھر اس سفر کا اختتام ایک کھاڑی پر ہوا تھا۔ کھاڑی کے کنارے لانچ کو روکا گیا اور مجھے بازوؤں سے پکڑ کر نیچے اُتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر سیاہ رنگ کی لینڈ روور کھڑی تھی۔ جس کا سفر تقریباً دس منٹ جاری رہا۔ اور دس منٹ کے بعد میں سمندر کے کنارے تھا جہاں ایک اور سٹیمر موجود تھا۔ اس سٹیمر کے ذریعے ہمیں گہرے سمندر میں کھڑے ایک بحری جہاز تک پہنچا دیا گیا اور میں تن بہ تقدیر جہاز کے عرشے پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی پرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا گیا اور مجھے جہاز کے ایک کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔ کیبن تک لانے والوں نے مجھ سے کہا تھا۔

''مسٹر ہیری! یقیناً یہ جگہ آپ کی تھکن دُور کر دے گی۔ کسی بھی ضرورت کے لئے آپ یہ بٹن دبا دیجئے گا۔ آپ کے خادم باہر موجود ہیں۔'' وہ لوگ یہ الفاظ کہہ کر باہر نکل گئے اور میں سوچنے لگا کہ جب اُن کو حقیقت کا علم ہوگا تو وہ مجھ سے میری موت کے بارے میں سوال کریں گے کہ میں کس قسم کی موت پسند کرتا ہوں؟ سمندر میں پھینک دیا جاؤں یا پھر ایک ہفتہ بھوکا رکھنے کے بعد مجھے راہی ملک عدم کیا جائے.....؟

انہی سوچوں میں غرق میں کیبن میں پڑی ہوئی ایک مسہری پر دراز ہو گیا اور اپنی اس تقدیر کو کوسنے لگا جس نے انتہا کر دی تھی۔ سوچتے سوچتے نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ پھر میرے لئے بڑے اہتمام سے چائے لائی گئی۔ اپنے دوستوں کی اس کرم فرمائی کو میں نے بخوشی قبول کر لیا تھا۔ رات کو ایک دُبلا پتلا سمارٹ آدمی مسکراتے ہوئے میرے پاس پہنچ گیا۔

''مسٹر ہیری! میرا خیال ہے آپ کی تھکن دُور ہو گئی ہو گی۔ باہر کا موسم بے حد خوشگوار ہے۔ اگر آپ عرشے پر چہل قدمی کرنا چاہیں تو.....''

میں نے ایک گہری سانس لی اور مسکرا کر اُس کو دیکھنے لگا۔ اور پھر اُٹھ کر اُس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جہاز بدستور لنگر انداز تھا موسم واقعی بے حد خوبصورت تھا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے اور سمندر کی پُرسکون لہروں سے چاندنی کھیل رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''چیف کو تمہارے بارے میں اطلاع دے دی گئی ہے۔ وہ شاید ایک دو گھنٹے میں پہنچنے والے ہیں۔ اُس کے بعد ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ ہیری! یقیناً تمہارے پاس وہ سب کچھ محفوظ ہو گا، جس کے چیف خواہش مند تھے۔ کہیں ایسا

نہیں کہ اُن لوگوں نے.....''

''تمہارا نام کیا ہے ڈیئر؟'' میں نے پوچھا۔

''اوہ..... معاف کرنا مسٹر ہیری! میں اپنا تعارف کرانا بھول ہی گیا۔ میرا نام پیٹر مارسیلو ہے۔ چیف کا منظورِ نظر ہوں اور بس۔''

''ڈیئر پیٹر مارسیلو! اگر میں تم پر ایک انکشاف کروں تو میرے خیال میں یہ قبل از وقت ہوگا۔ لیکن میں ایک دیانت دار آدمی ہوں اور کسی کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ تم مجھے ہیری سمجھ کر پکڑ لائے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی ہیری کی صورت سے واقف نہیں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' پیٹر کی آنکھوں میں حیرت اُبھر آئی۔

''اگر تم نے اس سے پہلے ہیری کو دیکھا ہے اور وہ میرا ہم شکل ہے تو براہِ کرم ذرا اور غور سے دیکھو۔ ممکن ہے تمہاری غلط فہمی دُور ہو جائے۔ کیا ہیری واقعی میرا ہم شکل ہے؟''

''کک..... کیا کہہ رہے ہو مسٹر ہیری؟ ہم شکل ہے سے تمہاری کیا مراد؟''

''آہ..... یہ بات اب میں کسی کو بتانا بھی نہیں چاہتا کہ میرا وجود دراصل اس دنیا میں رہنے والے بے شمار افراد کا ہم شکل ہے۔ ہاں! اب تو وجود ہی کی بات رہ جاتی ہے کیونکہ صورت.....'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم ہیری نہیں ہو؟''

''یہی کہنا چاہتا ہوں۔''

''کیا بکواس ہے؟ اگر تم مذاق کر رہے ہو تو براہِ کرم! ان حالات میں اس قسم کا مذاق مت کرو۔ خدانخواستہ اگر یہ بات حقیقت ہوئی تو جانتے ہو ہمارا کیا حشر ہو گا؟''

''اگر ایسی بات ہے مائی ڈیئر پیٹر! تو تم بھی براہِ کرم! غور کر لو اچھی طرح کہ میں ہیری نہیں ہوں اور نہ ہی پائلٹ ہوں۔ میں تو صرف ایک سیاح ہوں۔ جو بھٹکتا ہوا ان اطراف میں آ نکلا تھا اور چند لوگوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ وہ مجھ سے کسی فلم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کون سی فلم تھی؟ میں نے ان سے بھی صاف صاف کہا کہ میرا تعلق کسی فلم سے نہیں ہے۔ لیکن وہ نہ مانے اور انہوں نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا جس کے نتیجے میں، میں وہاں سے بھاگ نکلا اور پھر میں نے اس گھر میں پناہ لی جہاں سے تم نے مجھے بازیاب

کیا۔ حقیقت یہ ہے ڈیئر پیٹر! کہ میں ہیری نہیں صرف ایک سیاح ہوں۔"

پیٹر منہ پھاڑے میری باتیں سنتا رہا۔ اور اس کے بعد اُس نے کچھ کہے سنے بغیر ایک سمت چھلانگ لگا دی۔ میں عرشے کی ریلنگ سے ٹیک لگائے آنے والے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ وہ مصیبت وقت سے پہلے میں نے اپنے قریب بلا لی تھی جو کسی نہ کسی وقت آنی ہی تھی..... پھر تقریباً چھ سات افراد دوڑتے ہوئے میرے نزدیک پہنچ گئے۔ اُن میں پیٹر بھی تھا۔ وہ سب کے سب احمقوں کی طرح مجھے دیکھ رہے تھے۔ ایک بھاری بھرکم اور لمبے آدمی نے میرے سامنے پہنچ کر کہا۔

"اگر تم ہیری نہیں ہو تو پھر کون ہو؟ اور یہ بات سن لو! کہ اگر یہ صرف مذاق ہے تو اس مذاق کے نتیجے میں تمہارے ساتھ جو کچھ ہوگا، اُس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"میں ایک انسان کی حیثیت سے اپنے محسنوں کو غلط فہمی سے نکالنا چاہتا ہوں۔ محسن تمہیں میں جن معنوں میں کہہ رہا ہوں، اُس کی حقیقت میں نے مسٹر پیٹر کو بتا دی ہے۔ باقی میرے ساتھ جو بھی سلوک تم کرنا چاہو، میں اُس سے تمہیں روک نہیں سکتا۔ کیونکہ میں ایک بدقسمت آدمی ہوں۔"

وہ لوگ شاید کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ اُن میں سے ایک نے آسمان کی جانب رُخ کر کے کہا۔ "شاید چیف آ گیا۔"

اُن سب کی نگاہوں کے ساتھ ساتھ میری نظریں بھی دُور سے چمکتی ہوئی روشنیوں پر پڑیں اور مجھے چند ہی لمحات کے بعد اندازہ ہو گیا کہ ایک ہیلی کاپٹر اسی جہاز کی سمت آ رہا ہے۔ وہ سب اپنی جگہ سے منتشر ہو گئے۔ صرف پیٹر میرے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہیلی کاپٹر جہاز پر اُتر گیا اور اُس میں سے ایک پستہ قامت شخص نیچے اُترا۔ جس کے سر پر مخصوص انداز کی ٹوپی اور ہونٹوں میں سگار دبا ہوا تھا۔ قد بمشکل ساڑھے چار فٹ رہا ہوگا اور بدن کا پھیلاؤ بھی اتنا ہی تھا۔ ہیلی کاپٹر کے دروازے سے وہ بڑا پھنس کر نکلا تھا۔ وہ تمام لوگ جو اس وقت جہاز پر موجود تھے، اُس کے سامنے مودب ہو گئے تھے۔ میں نے اُسے دیکھتے ہوئے سوچا..... تو یہ ان لوگوں کا چیف ہے.....

لگار والے نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کو کچھ ہدایتیں دیں اور وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ جو لوگ میرے پاس سے گئے تھے، وہ شاید فوری طور پر اُسے میرے بارے میں

بتانے لگے۔ چیف وہیں کھڑا رہا اور ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو کر ایک جانب بڑھتا چلا گیا۔ پھر چیف آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا عین اُس جگہ آ گیا، جہاں میں کھڑا ہوا تھا۔ روشنی بہت تیز نہیں تھی۔ لیکن پستہ قامت شخص میرے بالکل ہی قریب پہنچ گیا۔ اُس نے میری قمیص کو سینے کے پاس سے پکڑا اور پوری قوت سے نیچے جھکا کر میرا چہرہ دیکھنے لگا۔ اور پھر اُس نے اچانک میرا گریبان چھوڑ دیا۔ اُس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے اور یہ اندازہ لگانے میں مجھے دقت نہیں ہوئی کہ وہ چینی یا جاپانی نسل کا باشندہ ہے یا پھر کچھ ملا جلا سا..... اُس کے خدوخال اسی کا اظہار کرتے تھے۔ اُس نے حیرت کے عالم میں کہا تھا۔

"اوہ! نو..... نو..... یہ نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے..... بے حد تعجب ہے۔ کیا واقعی تم آرٹن ڈورل ہو؟" اطراف میں کھڑے ہوئے لوگوں نے حیرت سے چیف کے یہ الفاظ سنے تھے۔ تب وہ ان لوگوں کی طرف رُخ کر کے دھاڑا۔ "یہ جو کچھ کہتا ہے، سچ کہتا ہے۔ جاؤ گدھے کے بچو! پائلٹ کو تلاش کرو۔ تم واقعی غلط آدمی کو پکڑ لائے ہو۔" اور بے شمار افراد وہاں سے بھاگ گئے۔ چیف نے ایک اور شخص سے کہا۔ "ہیلی کاپٹر کو واپس بلا لو اور پائلٹ کی تلاش کے لئے ہیلی کاپٹر بھی استعمال کیا جائے۔ اور تم..... تم جس طرح میرے سامنے آئے ہو آرٹن ڈورل! میں اسے دنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ کہہ سکتا ہوں۔ کیا تم جہاز کے حادثے میں ہلاک نہیں ہوئے تھے؟"

"نہیں..... میں کسی جہاز کے حادثے میں ہلاک نہیں ہوا۔ میں جو کچھ ہوں ڈیئر! اس کے بارے میں تمہارے ان ساتھیوں کو بتا رہا تھا۔ سمجھ لو! اچھی طرح غور کر لو۔ کہیں بعد میں تم بھی مجھے قصوروار نہ قرار دو۔"

"نہیں بگ مین! تم بہت بڑے آدمی ہو۔ شین نے ہمیشہ تمہیں تسلیم کیا ہے۔ لیکن..... لیکن اگر تم شین سے تعاون کرتے تو یقین کرو....." وہ خاموش ہو گیا۔

میرے ذہن میں بجلی سی کوند گئی تھی۔ شین گروپ..... شین..... لیری کنگ کے الفاظ میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ اور اب اس بات پر کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ اس بار میں شین گروپ میں آ شامل ہوا ہوں۔ بڑی احتیاط اور بڑی محنت سے کام کرنا تھا۔ ایک لمحے میں بہت سے فیصلے کر لئے تھے میں نے۔ اور یہی چیز مجھے شین گروپ میں زندہ رکھ سکتی تھی۔ اگر اُن لوگوں کو میری اصل حیثیت کی بھنک بھی مل گئی تو ریڈ سنیک کے حوالے سے یہ

لوگ مجھے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ زندگی بچانے کے لئے اب یہ ضروری تھا کہ میں اپنے آپ کو آرٹن ڈورل ہی کہوں اور سمجھوں۔ پتہ نہیں شین سے اُس کے کیا تعلقات تھے؟ شین نے جو الفاظ کہے تھے، ان سے مفاہمت کی بو آتی تھی اور اس وقت آرٹن ڈورل بن کر زندگی بچائی جا سکتی تھی۔ بعد میں جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔

پستہ قد آدمی مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے چل پڑا۔ شاید اُس نے دوسرے آدمیوں کو بھی کچھ اشارے کئے تھے کیونکہ دو مسلح افراد میرے اور شین کے پیچھے چل رہے تھے۔ یہاں پر شین کا کیبن مخصوص تھا اور اس کیبن کو چینی طرز پر آراستہ کیا گیا تھا۔ پستہ قامت شخص نے کیبن میں داخل ہو کر مسکراتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی میرے سامنے ایک آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس کی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں میں آگ سی سلگتی محسوس ہوتی تھی۔ اور اس کی آنکھیں اس مسکراہٹ سے ہم آہنگ نہیں تھیں۔

''مجھے کبھی گمان بھی نہیں تھا ڈورل ڈیئر! کہ وہ کام جسے میں مشکل ترین سمجھتا تھا، میرے آدمی اتنا آسان کر دیں گے۔ تم سے مُلاقات میری سب سے بڑی آرزو تھی۔ اور جب میں نے ہوائی حادثے میں تمہاری موت کے بارے میں سنا تو سب سے زیادہ افسوس مجھے ہو رہا تھا۔ لیکن میری جان ڈورل! میں ہی وہ واحد شخص تھا جس نے شاید سب سے پہلے یہ الفاظ کہے کہ ڈورل اتنی آسانی سے نہیں مر سکتا۔ تمہیں جین گروجر تو ضرور یاد ہو گی۔ وہی لیسی جین گروجر۔ میں نے اُس سے تفصیلی بات کی تھی۔ اور ہم دونوں تبصرہ کرتے رہے تھے۔ تمہاری موت کی خبر پر جین گروجر کا کہنا تھا کہ وہ غیر متوقع حادثہ تھا۔ لیکن میں جانتا تھا اور اچھی طرح جانتا تھا۔ پھر جب ہمیں اطلاع ملی کہ تم زندہ ہو اور ایسٹ جرمنی میں دیکھے گئے ہو تو میں نے جین گروجر کو مبارکباد کا پیغام بھجوایا تھا۔'' وہ ہنس پڑا۔ نجانے کیوں؟ میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ چند لمحات کے بعد اُس نے کہا۔ ''ہوائی حادثے میں موت حکمت عملی تھی یا درحقیقت کوئی حادثہ ہوا تھا؟''

اُس کے اس سوال پر میں چند لمحات خاموشی سے سوچتا رہا کہ شین کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ آرٹن ڈورل کے بارے میں جتنی معلومات اب تک حاصل ہوئی تھیں، اُن سے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ چنانچہ شین کے احکامات پر عمل کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ اس سے اپنی ذات کا ہلکا پن نمایاں ہو جائے گا اور شین بھی گرفتار

ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب آرٹن ڈورل کی حیثیت قبول کر لی تھی تو اس کا انداز بھی اختیار کرنا تھا۔ میں نے کہا۔

''ڈیئر شین! بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا ہوتا ہے۔ میں تم سے کچھ الفاظ کہہ چکا ہوں۔ اپنے طور پر ان کا تجزیہ کر لینا اور اس کے بعد بھی اگر مجھ سے سوال کرنا چاہو تو میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مناسب جواب دوں۔''

''کون سے الفاظ کی بات کر رہے ہو ڈورل؟'' شین کی ہنسی سکڑ گئی تھی۔

''میں نے تم سے کہا تھا کہ جو کچھ تم سمجھ رہے ہو، وہ میری ایک مجبوری ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

دفعتہً ایک شخص کمرے میں داخل ہوا اور اُس نے چینیوں کے مخصوص انداز میں خم ہو کر سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔ ''چیف! آپ کے لئے ایک پیغام ہے۔''

شین اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اُس نے مڑتے ہوئے کہا۔ ''ڈیئر ڈورل! تم جس انداز میں بھی یہاں تک پہنچے ہو، میں نے اُس پر غور نہیں کیا۔ یہاں اس جہاز پر تم میرے معزز مہمان ہو۔ براہِ کرم! مجھے کچھ دیر کی اجازت دو۔ ابھی آتا ہوں۔''

وہ باہر نکل گیا اور میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ آج تک جتنی مصیبتیں مجھ پر نازل ہوئی تھیں، ان سے ہمیشہ انحراف کرتے ہوئے اپنی اصلی شخصیت کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ لیکن اب پہلی بار میں نے اُس کردار کو تسلیم کر لیا تھا جو حالات نے زبردستی مجھے بنا دیا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ تجربہ ہی سہی..... شین کافی دیر تک واپس نہیں آیا اور میں آرام کرسی پر اونگھتا رہا۔ پھر اُس نے دروازے سے مجھے پکارا اور میں باہر نکل آیا۔ اُس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔

''معذرت خواہ ہوں ڈیئر آرٹن ڈورل! تم سے زیادہ طویل گفتگو نہیں ہو سکی۔ لیکن مجھے واپسی میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ میں نے تمام لوگوں کو ہدایت کر دی ہے کہ تمہارے شایانِ شان خاطر مدارت کریں۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''

''جب تم مجھے پہچان چکے ہو شین! تو اب اس جہاز پر میرا رُکنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا

میں اپنے آپ کو تمہارا قیدی محسوس کروں؟''

''ہرگز نہیں۔ بلکہ ایک ایسا معزز دوست جس کی میزبانی کر کے مجھے دلی مسرت ہو گی۔''

میں طنزیہ انداز میں ہنس پڑا، اور میں نے کہا۔ ''اور وہ معزز دوست اپنی مرضی سے کہیں جا نہیں سکتا۔''

''اس معاملے میں واپس آنے کے بعد گفتگو ہو گی۔'' شین نے کہا اور اپنے آدمیوں کو اشارہ کر کے واپسی کے لئے مڑ گیا۔

میں نے کوشش کی تو کی تھی کہ شین کو متاثر کر لوں۔ لیکن اُس کے رویئے میں جارحیت تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ بظاہر نہ سہی لیکن پس پردہ اُس نے آرٹن ڈورل کو قیدی بنا لیا تھا..... ہیلی کاپٹر کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد شاید وہ فضا میں بلند ہو گیا۔ میں شین کے کیبن میں اُس کی کرسی پر بیٹھا حالات پر غور کر رہا تھا۔ دفعتہً میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں احتیاط سے اُٹھ کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ کیا کیبن کے باہر کسی کو میری نگرانی کے لئے متعین کیا گیا ہے؟ راہ داری خالی پڑی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے آخری سرے پر ایک اور کیبن کے دروازے کے سامنے میں نے دو افراد کو بیٹھے دیکھا اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ سرسری ہی سہی لیکن مجھ پر نگاہ رکھی جا رہی ہے۔

کیبن میں واپس آنے کے بعد میں نے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر گہری نگاہوں سے شین کی اس رہائش گاہ کا جائزہ لینے لگا۔ اس کے بارے میں کچھ اور جاننے کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ ایسی جگہوں کا انتخاب کیا، جہاں کاغذات وغیرہ موجود ہو سکتے تھے۔ کچھ کاغذات دستیاب بھی ہوئے جن میں شین کی مجرمانہ زندگی کا بخوبی اندازہ ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ میرے لئے بیکار تھے۔ کوئی ایسی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی جو کسی طور میری مددگار ہوتی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دو افراد نے کمرے میں داخل ہو کر مجھ سے مؤدبانہ درخواست کی کہ میں واپس اپنے کیبن میں پہنچ جاؤں۔ غالباً انہیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ چیف کے کیبن میں میری موجودگی مناسب نہیں ہے۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا اور انہوں نے مجھے ایک نئے کیبن میں منتقل کر دیا جو میرے پہلے کیبن سے زیادہ آرام دہ تھا۔

پورا دن گزر گیا۔ شام کو میں نے عرشے کی سیر کے دوران محسوس کیا کہ میری حرکت کو نظر میں رکھا جا رہا ہے۔ لیکن یہ نگرانی مجھ سے دُور رہ کر کی جا رہی تھی۔ یہ اُن کا حق تھا اور مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس جہاز سے واپسی کا میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

رات کے کھانے کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ خیالات کا سمندر طغیانی پر تھا اور میں نیند کا خواہش مند۔ نہ جانے کب نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہوئی اور پھر اُس وقت تک سوتا رہا جب تک کہ سورج کی تیز کرنوں نے کیبن کے روشندان سے براہِ راست آنکھوں کے پپوٹوں کو جھنجوڑنا شروع نہ کر دیا۔ تیز چمک سے سر میں ہلکا سا درد ہو گیا تھا۔

غسل سے جونہی فارغ ہوا، میرے لئے ناشتہ آ گیا۔ ناشتہ لانے والے سے میں نے شین کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا کہ ابھی تک مسٹر شین کی واپسی کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ لیکن دن کے تقریباً پونے بارہ بجے میں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی اور تھوڑی دیر کے بعد مجھے شین کے آنے کی اطلاع ملی اور یہ بھی کہا گیا کہ شین نے مجھے طلب کیا ہے۔

اطلاع دینے والے کے ساتھ میں شین کے کیبن میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لئے میرے پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ شین کے کیبن میں ایک کرسی پر وہی دُبلا پتلا دراز قامت شخص بندھا ہوا بیٹھا تھا، جس نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ اُس کی نگاہ بھی مجھ پر پڑی اور غالباً میرے جیسی کیفیت اُس کی بھی ہو گئی۔ شین اُس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی ڈیئر ڈورل! میں ابھی تھوڑی دیر قبل واپس آیا ہوں اور آتے ہی تمہارے بارے میں پوچھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری وہ پذیرائی نہیں کر سکا جو تمہارے شایانِ شان ہوتی۔ دراصل کچھ اُلجھنوں میں گرفتار ہوں۔ میرا ایک آدمی گم ہو گیا ہے جو میرے لئے انتہائی اہمیت کا حامل تھا۔ وہی پائلٹ جس کے دھوکے میں میرے ساتھی تمہیں یہاں پکڑ لائے تھے۔ وہ بھی نہیں مل سکا۔'' شین نے کرسی پر بندھے ہوئے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اب اس کے مل جانے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ مسٹر ایکسن نفیس ہم تک پہنچ گئے ہیں۔'' شین کی آنکھوں میں پھر وہی آگ سلگ اُٹھی جو اُسے بے حد خوفناک بنا دیتی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور کرسی پر بندھے ہوئے شخص کے قریب پہنچ

گیا۔ ''اگر تم شین کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو ایکسن! تو آرٹن ڈورل سے پوچھو۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ شین کیا ہے؟ میں مانتا ہوں کہ تمہاری پشت پر ایک بہت بڑا ملک ہے۔ لیکن شین بین الاقوامی ہے۔''

ایکسن کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اُس نے شین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں بین الاقوامی کیا، ایک معمولی حیثیت کا آدمی بھی نہیں سمجھتا شین! ایک ایسا شخص تمہارے گھر میں آ کر تمہیں بیوقوف بنا رہا ہے، جو درحقیقت ان تمام کارروائیوں میں مرکزی کردار رکھتا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' شین نے کسی قدر چونکتے ہوئے پوچھا۔

''اس شخص کا نام تم نے آرٹن ڈورل لیا ہے نا..... یہی وہ شخص ہے جس نے ہیڈن ولیج کی رہائش گاہ سے مائیکروفلم حاصل کی ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہ ان پہاڑوں میں کیوں بھٹک رہا تھا؟ اور کس طرح تمہارے آدمیوں کے ہاتھ لگا؟''

میں نے شین کو چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اُس نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر ایکسن کی طرف دیکھنے لگا۔ ''ایکسن! اگر تم نے یہ چال یہ سوچ کر چلی ہے کہ تم مجھے میرے دوست سے برگشتہ کر دو گے تو اس کے نتائج تمہارے لئے بے حد خطرناک ہوں گے۔ جو کچھ کہنا چاہتے ہو، اس کی وضاحت کرو۔''

''مسٹر شین! یہ حقیقت ہے کہ ہیڈن ولیج کی رہائش گاہ پر یہ شخص موجود تھا اور اس کے ساتھ کچھ اور افراد بھی۔ جن میں سے چند افراد ہمارے ہاتھ لگ گئے۔ یہ شخص تباہی پھیلانے کے بعد فلم لے کر نکل گیا تھا۔ لیکن ہمارے ہاتھ لگنے والے لوگوں نے اُس کی نشاندہی کر دی۔ اُس نے معقول معاوضے کے عوض، اِن لوگوں کو ہیڈن ولیج کی رہائش گاہ پر افراتفری پھیلانے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ فرار ہونے کے دوران اُس نے راستے میں کچھ اور لوگوں کو نہ صرف قتل کیا بلکہ اپنی موت کا سوانگ رچا کر صاف نکل گیا۔ تم جانتے ہو ڈیئر شین! کہ اس فلم کے حصول کے لئے بہت سے ملک سرگرداں ہیں اور ان میں سے بیشتر ممالک کے ایجنٹ ہیڈن ولیج کی رہائش گاہ پر ہونے والے فینسی ڈریس شو میں موجود تھے۔ اُس نے اپنی کارروائی پر مکمل طور سے عمل کر لیا۔ اور دوسرے لوگ ہاتھ ملتے رہ گئے، جن میں شاید تم بھی شامل تھے۔'' شین کے انداز میں بے پناہ بے چینی پیدا ہو چکی تھی۔ کرسی پر

بندھے ہوئے شخص نے مزید کہا۔ ''یہ تمام تفصیلات میں نے جیمس پوکر نامی شخص پر تشدد کرنے کے بعد حاصل کی تھیں اور پھر یہ بھی ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ ابھی ہم اپنی کارروائی کی تکمیل نہیں کر سکے تھے کہ یہ دھوکہ دے کر وہاں سے نکل آیا اور اس کے بعد اگر تمہارے آدمی درمیان میں مداخلت نہ کرتے تو ہم اُسے دوبارہ گرفتار کر لیتے۔ لیکن تمہارے آدمیوں نے پائلٹ کی حیثیت سے اُسے شناخت کر لیا اور یہ شخص موقع غنیمت دیکھ کر ان کے ساتھ یہاں تک پہنچ گیا۔ حقیقت یہی ہے ڈیئر شین! تم جس طرح چاہو اس سلسلے میں تحقیقات کر سکتے ہو۔ فلم میرے ہاتھ نہیں لگی۔ لیکن اگر لگ جاتی تو میں اپنی زندگی کی قیمت پر بھی اُسے تمہارے حوالے نہ کرتا۔ کیونکہ یہ میری ذمہ داری ہے۔ میرے ساتھ جو سلوک تم چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن میں نے تمہیں اس شخص کی حقیقت بھی بتا دی ہے۔''

شین چند لمحات کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص سے کہا۔ ''ایکسن کی مکمل نگرانی کی جائے۔ اسے لے جاؤ اور ہوشیار رہو۔'' اس کے بعد وہ میرا بازو پکڑ کر اپنے کیبن سے باہر نکل آیا۔ اُس کی انگلیوں میں دبا ہوا موٹا سگار بجھ گیا تھا۔ ایک جگہ رُک کر اُس نے سگار سلگایا اور اُس کا کش لے کر گاڑھا دُھواں فضا میں چھوڑتا ہوا بولا۔

''ایکسن نے جو انکشاف کیا ہے ڈیئر آرٹن ڈورل! اس نے میرے ذہن کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم بھی اس سلسلے میں کام کر رہے ہو۔ اور اگر ایکسن کا کہنا درست ہے تو پھر بھلا مجھ سے زیادہ اور کون یہ بات جان سکتا ہے کہ آرٹن ڈورل جس سلسلے میں کام کر رہا ہو، اس میں اُسے ناکامی ہو'' اُس نے سگار دانتوں سے نکال کر گہری نگاہوں سے مجھے دیکھا اور خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''اور اس بات کے دعویٰ میں مجھے ذرّہ بھر شک نہیں ہے کہ وہ نایاب فلم اس وقت تمہارے پاس موجود ہے۔''

میں دل ہی دل میں لرز رہا تھا۔ لیکن اداکاری کے وہ گر اَب مجھے بھی آ گئے تھے جو انسانوں کو ممتاز کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! اس میں کوئی شک نہیں ہے مسٹر شین! کہ اس وقت وہ فلم میرے پاس موجود ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تم کس طرح اسے برآمد کرتے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''پہلے مجھے ایکسن کی تفصیل بتاؤ۔''

''ہاں کیوں نہیں؟ میں اس وقت اُلجھنوں کا شکار ہوں۔ دراصل اس فلم کا سودا کر چکا ہوں اور وہ بھی ایک بہت بڑے معاوضے کے تحت مائی ڈیئر آرٹن ڈورل! میں جانتا ہوں کہ ہر شخص کا اپنا ایک مقام، ایک وقار ہوتا ہے۔ تم صرف مجھے اتنا بتا دو کہ اس فلم کے سلسلے میں تم نے کسی سے سودا کر لیا ہے؟ اور اس سودے کی نوعیت کیا ہے؟ اگر تم اس سودے کو ملتوی کر دو تو کیا تمہارا وقار مجروح ہوگا؟ دراصل میں یہ چاہتا ہوں کہ جو سودا میں نے کیا ہے، اسی کی تکمیل ہو۔ اس ملک سے میرے اور بھی بہت سے مفادات وابستہ ہیں۔ اس سودے کے سلسلے میں جو بھی رقم حاصل ہوگی ڈیئر آرٹن ڈورل! میں اُسے نہایت عاجزی سے تمہارے حوالے کر دوں گا۔ اس وقت میرے وقار کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔''

میں نے ایک بلند آہنگ قہقہہ لگایا اور شین حسب معمول جلتی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''اگر میں یہ کہوں کہ وہ شخص جس کا نام تم نے ایکسن لیا ہے، احمق اور پاگل ہے تو کیا تم اس بات پر یقین کر لو گے؟ اس کے علاوہ مجھے تمہاری ذہنی حالت پر بھی شک ہو رہا ہے۔ اگر آرٹن ڈورل سے تم بخوبی واقف ہو تو یہ بات بھی جانتے ہو گے کہ اس کا گروہ کسی طور تم سے کم نہیں ہے اور وہ تنہا اپنے گروہ کے بغیر کسی ایسے سلسلے میں کام نہیں کرتا۔ جبکہ جیمس پوکر نامی وہ شخص فرانس کا ایک معمولی غنڈہ تھا جسے ایکسن نے بہ آسانی گرفتار کر کے قتل کر دیا تھا۔''

شین بھویں سکوڑ کر میری باتوں پر غور کرنے لگا تھا۔ پھر اُس نے کسی قدر پھیکے انداز میں کہا۔ ''ہاں! اس بات پر مجھے تعجب ہے کہ کسی ملک کی سیکرٹ سروس کے معمولی ایجنٹ آرٹن ڈورل جیسے شخص کو گرفتار کر لیں اور آرٹن ڈورل کے ساتھی اس سلسلے میں کچھ بھی نہ کر پائیں۔ لیکن پھر یہ سب کچھ کیا ہے مائی ڈیئر آرٹن ڈورل؟ تم نے اعتراف کیا ہے کہ تم جیمس پوکر کو جانتے ہو اور اس بات سے بھی تم نے انحراف نہیں کیا کہ ایکسن نے تمہیں ٹریس کیا تھا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میرے ساتھی صرف ایسے شخص کی حیثیت سے تمہیں یہاں لائے تھے جو میرا اپنا ہی آدمی تھا۔ لیکن وہ لوگ اس کے صورت آشنا نہیں تھے۔ کیا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ تم ایکسن کے قیدی رہے اور اس کے بعد فرار ہو کر پہاڑوں میں بھٹکتے رہے اور انہی لمحات میں میرے آدمی تم تک پہنچے؟''

''ہاں مائی ڈیئر شین! میں اس اعتراف سے انحراف نہیں کرتا۔ درحقیقت ایسا ہی ہوا

ہے۔''

''کیوں.....؟ آخر کیوں.....؟''

''اس لئے کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

شین کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ سگار اُس کے منہ سے نکل کر نیچے گر پڑا تھا جسے اُس نے جوتے سے دبا کر مسل دیا۔ چند لمحات وہ میری طرف منہ پھاڑے دیکھتا رہا۔ پھر کسی قدر غصے کے انداز میں بولا۔ ''تو گویا ہمیشہ کی مانند تم آج بھی مجھ سے تعاون پر آمادہ نہیں ہو؟ کیوں مسٹر آرٹن ڈورل.....؟''

میں نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''میں جانتا تھا کہ تم یہی الفاظ کہو گے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ اگر میں کسی کے سامنے سچ بولتا ہوں تو وہ مجھ پر یقین نہیں کرتا۔ کوشش کرو مائی ڈیئر شین! کہ میری اس بات پر تمہیں یقین آ جائے۔ میں واقعی آرٹن ڈورل نہیں ہوں۔ کون ہوں؟ یہ تمہیں اس وقت بتاؤں گا، جب تم میری یہ بات تسلیم کر لو گے۔''

شین کی آنکھوں میں وہی آگ سلگ رہی تھی جو کبھی بھی اُس کی مسکراہٹ سے ہم آہنگ نہیں ہوتی تھی۔ اُس نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''مائی ڈیئر آرٹن ڈورل! میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھی اس بات سے ناواقف ہیں کہ تم میرے قبضے میں ہو۔ تم ہوائی حادثے میں ہلاک ہو چکے ہو اور یہ بات بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ کوشش کرو کہ اپنے آپ کو کسی بحری حادثے کا شکار نہ بناؤ.....'' وہ بولا اور تیز تیز قدموں سے واپس چلا گیا۔

میں اُس کی دھمکی کا مطلب بخوبی سمجھ گیا تھا۔ کیونکہ میں اس وقت اُس کے بحری جہاز پر تھا اور بحری حادثے کا تذکرہ ایک کھلی دھمکی تھی۔ گویا وہ مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا تھا.....

شین کے اُس بحری قید خانے میں مجھے تین دن گزر چکے تھے۔ اس گفتگو کے بعد شین سے میری ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ گو میری حیثیت ایک قیدی کی تھی۔ لیکن یہاں میرا احترام کیا جاتا تھا۔ مجھے ہر سہولت حاصل تھی۔ شام کو چند لوگوں کی نگرانی میں عرشے پر چہل قدمی بھی کر سکتا تھا۔ رات کو بال رُوم میں بھی جا سکتا تھا۔ لیکن ہر جگہ بے شمار نگاہیں میری نگران رہتی تھیں۔ ویسے بھی اس سمندری قید خانے سے فرار کا تصور میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ تاہم میں بد دل نہیں تھا بلکہ یہ دن مجھے بہت پُرسکون محسوس ہو رہے تھے۔ عارضی طور پر

ہی سہی، کم از کم دن رات کی بھاگ دوڑ سے تو نجات ملی ہوئی تھی۔

تیسری ہی رات تھی۔ میں بال رُوم میں ایک میز پر تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوبصورت بلا مجھ پر نازل ہوگئی۔ دراز قامت..... انتہائی قیمتی لباس میں ملبوس..... اُنگلیوں میں بیش قیمت انگشتریاں..... اُس کی قومیت کا ایک نگاہ میں اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ سانولی رنگت تھی۔ لیکن ایسی دلکش سیاہی اُس سے پہلے کسی نے نہ دیکھی ہوگی..... یوں لگتا تھا جیسے کسی سیاہ کپڑے کے پیچھے روشنی جلادی گئی ہو۔ خدوخال ایسے پرکشش کہ نگاہ نہ ہٹ سکے۔ اُس نے بے تکلفی سے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گئی۔ میں گھورتی نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ اور پھر میں نے برا سا منہ بنا کر دوسری جانب رُخ کرلیا۔ اُس کی یہ بے تکلفی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب ہی اُس کی آواز سنائی دی۔

''ہیلو!''

مجبوراً مجھے پھر اُس کی جانب رُخ کرنا پڑا تھا۔ وہ اپنی گہری چمکدار سیاہ آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور یہ آنکھیں کھوپڑی کی ہڈیاں توڑ کر دماغ کی گہرائیوں میں اُترنے کی کوشش کررہی تھیں۔ پھر وہ مسکرا کر بولی۔ ''اُس نے غلط تو نہیں کہا؟''

میں سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا تھا۔ ''تاہم تم نے اپنے اندر جو تبدیلیاں پیدا کی ہیں، وہ قابلِ ستائش ہیں۔''

''کیا تم ہسٹری کی پروفیسر ہو؟'' میرا ذہن بھی جاگ اُٹھا تھا۔

''نہیں۔ لیکن آرٹن ڈورل کی ہسٹری سے بخوبی واقف ہوں۔'' وہ مسکرائی اور اُس کے دلکش دانتوں کی چمک آنکھوں میں بجلی بن کر کوندگئی۔ اُس کی پرسحر شخصیت ذہن و دل پر قبضہ جمانے میں کمال رکھتی تھی۔ لیکن شاید ایک جھنجلائے ہوئے انسان کے لئے نہیں۔

''تو پھر مجھے اُس کی ہسٹری سنانے کے لئے تم یہاں آئی ہو؟''

''ہوسکتا ہے شین کے لئے تمہارے دل میں کوئی رنجش ہو۔ لیکن لیسی جین گروجر کو تم نے ہمیشہ دوستوں میں شمار کیا ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی اور میرے ذہن میں ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی۔ شین نے میری موت کے سلسلے میں اپنی غیریقینی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اُس نے سب سے پہلے لیسی گوجر کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ آرٹن ڈورل اتنی آسانی سے موت کا شکار نہیں ہوسکتا..... میں نے لیسی جین گروجر کے بارے میں کچھ جاننے کی

کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن بہرحال! یہ نام میرے ذہن میں آ گیا تھا۔ تو یہ لیسی جین گروجر کون ہے؟ اور شین یا مجھ سے اس کا کیا تعلق ہے؟ مجھ سے میری مراد آرٹن ڈورل تھی۔ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ میں خاموش نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ تب لیسی جین گروجر نے کہا۔

''شین کی یہ اطلاع میرے لئے اتنی ہی اہمیت کی حامل تھی کہ میں ڈنمارک سے سفر کر کے یہاں آگئی صرف تم سے ملنے کے لئے ڈیئر آرٹن ڈورل! صرف اس بات کی تصدیق کے لئے کہ کیا تم واقعی زندہ ہو؟ یہ حقیقت ہے کہ تمہاری موت کی اطلاع سب سے زیادہ میرے لئے دُکھ کا باعث تھی۔ اچھے دوست اور پھر وہ بھی آرٹن ڈورل جیسے کسے ملتے ہیں؟ لیکن تم نے مجھ سے بھی شناسائی کا اظہار نہ کر کے مجھے تم نے تھوڑا سا ذہنی صدمہ پہنچایا ہے۔''

''مسٹر شین نے مجھ سے اعتراف کرنے کے لئے اب تمہیں متعین کیا ہے۔ لیکن مجھے افسوس ہے میڈم گروجر! کہ تمہیں بھی اس سلسلے میں کامیابی نہیں ہوگی۔ تم لوگ مجھے صرف یہ بات بتادو کہ اگر میں آرٹن ڈورل ہونے کا اعتراف کرلوں تو کیا تمہیں اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل ہوگا؟ لیکن اس نام کے ساتھ مجھ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ کی جائے۔ کیونکہ میں اس قابل نہیں ہوں۔''

''ہوسکتا ہے، ہوائی حادثہ ہوا ہو۔ ہوسکتا ہے، اس حادثے سے تمہیں کوئی ذہنی نقصان پہنچا ہو۔ لیکن تمہیں کم از کم مجھ جیسی دوست سے تو مخلص ہونا چاہئے۔ اوہ! ایک بات اچانک میرے ذہن میں آئی ہے۔ کہیں شین کے اور تمہارے درمیان ایسا کوئی معاملہ تو نہیں ہے، جس کی وجہ سے تم نے اپنی شخصیت ہی کا اقرار نہ کیا ہو؟ اگر ایسی کوئی بات ہے ڈیئر ڈورل! تو مجھے بتادو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔''

''تم لوگ واقعی ذہین ہو اور چالاکی سے کام کررہے ہو۔ لیکن میں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میرا آرٹن ڈورل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم اس کے بعد اگر تم مجھے آرٹن ڈورل کہنا اور سمجھنا چاہتے ہو تو میرا کیا ہے؟ مجھے اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ میری اپنی کوئی منزل نہیں ہے۔ میں سیاح ہوں اور سیاحت کرتا پھر رہا ہوں۔ بس! اتنی مہربانی کرنا مجھ پر کہ اس حیثیت سے کسی مصیبت میں نہ پھنسا دینا.....''

لیسی جین کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔ وہ سنجیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر

بولی۔ ''بس! اس سے زیادہ میں تم سے کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ جب تم مجھ پر ہی اعتبار نہیں کر رہے تو پھر میں اپنی ذمہ داریاں کیسے پوری کروں؟''

''پتہ نہیں تم کس طرح کا اعتبار چاہتی ہو۔ اگر میں کسی طور آرٹن ڈورل کا ہم شکل ہوں تو کم از کم اتنی تحقیقات تو کر لو کہ میں آرٹن ڈورل ہوں بھی یا نہیں؟ اچھے خاصے ذہین لوگ ہو تم..... ایک شخص مسلسل کہہ رہا ہے کہ وہ، وہ نہیں ہے جو اُسے سمجھا جا رہا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں تمہاری خوشی کے لئے خود کو آرٹن ڈورل تسلیم کئے لیتا ہوں۔''

لیسی گروجر اپنی سحر خیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی ''شین تم سے کیا چاہتا ہے؟''

''ایک فلم جو کسی ہیڈن ولیج سے حاصل کی گئی ہے اور اس سلسلے میں وہ بے شمار نام لے رہا ہے۔ جیمس پوکر، ایکسن اور نجانے کون کون..... اب تم خود سوچو کہ میں کسی کو کیا بتاؤں؟ جب کہ ایسی کسی چیز سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اوہ..... تو یہ بات ہے۔ پہلے کیوں نہ کہا مجھ سے؟ ویسے کی مورا کے بارے میں بھی نہیں بتاؤ گے؟''

''اب میرا یہاں سے اُٹھ جانا بہتر ہے۔'' میں نے غصیلے لہجے میں کہتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ اور اُس نے مجھے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہاں سے اُٹھ کر میں سیدھا اپنے کیبن کی جانب آ گیا اور لباس وغیرہ تبدیل کر کے بستر میں گھس گیا۔

صورت حال میرے ذہن میں واضح ہو گئی تھی۔ لیسی گروجر کو ڈنمارک سے صرف میری شناخت کے لئے بلایا گیا تھا۔ لیکن یہ لیسی گروجر کیا چیز ہے؟ اس کا مجھے ابھی کوئی اندازہ نہیں تھا۔ انتظار کے سوا اور کیا کر سکتا تھا؟ اور بھلا ان خیالات میں اپنی نیندیں کیوں خراب کرتا؟ چنانچہ سو گیا.....

دوسری صبح ناشتے کے لئے مجھے کہیں اور بلایا گیا تھا۔ ناشتہ ایک خوبصورت کیبن میں میز پر لگا ہوا تھا اور میز کے گرد شین اور لیسی گروجر بیٹھے ہوئے تھے۔ تیسری کرسی میری تھی۔ کیونکہ باقی کرسیوں کو ہٹا کر کیبن کی دیوار سے لگا دیا گیا تھا۔ شین نے میرا استقبال کیا۔ لیسی بھی تھوڑی سی خم ہوئی تھی۔ اور پھر خاموشی سے ناشتہ کیا جانے لگا۔ جب ملازم برتن اُٹھا

کر لے گئے تو کیبن کا دروازہ بند ہو گیا اور شین نے اپنا مخصوص سگار دانتوں میں دبا لیا اور اُسے سلگا کر گہرے گہرے کش لینے لگا۔

''تو تم نے لیسی سے بھی یہی کہا ہے کہ تم آرٹن ڈورل نہیں ہو۔'' شین گویا ہوا۔

''نہیں..... میں آرٹن ڈورل ہوں اور چی ہوا ہوا میں پیدا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے مریخ پر چلا گیا۔ کافی عرصہ گزارنے کے بعد ایک خلائی جہاز کی دُم سے لٹک کر یہاں پہنچ گیا اور اب تمہارے پاس ہوں۔'' میں نے چڑچڑے انداز میں کہا۔ لیکن شین جلتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں تمہارے چند الفاظ کا احساس دلا دوں۔ اس کے بعد اُن کی وضاحت کر دینا۔ تم نے کہا تھا کہ اگر میں آرٹن ڈورل سے واقف ہوں تو یہ بھی جانتا ہوں گا کہ اُس کا گروہ کسی طور میرے گروہ سے کم نہیں ہے اور وہ تنہا اپنے گروہ کے بغیر کسی ایسے سلسلے میں کام نہیں کر سکتا۔ جبکہ جیمس پوکر فرانس کا ایک معمولی غنڈہ ہے۔ میری جان! اگر تم ایک اجنبی ہو، اور جیسا کہ تم نے کہا کہ تم صرف اتفاقیہ طور پر ایکسن کے چکر میں پھنس گئے تھے تو پھر آرٹن ڈورل سے تمہاری واقفیت کیا معنی رکھتی ہے؟ کیا اس کی وضاحت کرنا پسند کرو گے؟''

☆.....☆.....☆

ایک لمحے کے لئے میں چکرا کر رہ گیا تھا۔ بلاشبہ میں نے یہ الفاظ کہے تھے اور جلد بازی میں، میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ ان کا مفہوم کیا نکلتا ہے اور اب میں ان الفاظ سے پھنس گیا تھا۔ اگر میں ایک غیر متعلق آدمی ہوں تو پھر واقعی مجھے آرٹن ڈورل کے بارے میں کیسے معلوم ہوا یہ بات ذرا سوچنے کی تھی۔ لیسی جین گروجر گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور غالباً میرے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔ چند لمحات کے لئے مکمل طور پر خاموشی طاری ہوگئی۔

میرا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔

''اور اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس؟'' شین نے کہا۔

''یہ بات نہیں مسٹر شین! بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ یہ الفاظ میں نے کب کہے تھے۔''

''سنا تم نے لیسی!'' شین نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

لیسی کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے پھر وہ بولی پتہ نہیں کیوں مسٹر ڈورل خود کو چھپانا چاہتے ہیں۔ تاہم شین ہمیں پیشہ ورانہ ضبط سے کام لینا چاہئے مسٹر ڈورل بھی بہت بڑے آدمی ہیں مفاہمت کی کوئی راہ نکل آئے تو بہتر ہے۔''

''ڈیوک اوبسا تو کیس کے سلسلے میں، میں نے مسٹر ڈورل سے تعاون کی درخواست کی تھی جسے انہوں نے حقارت سے مسترد کر دیا تھا اور اب پھر ایسا ہی ایک سلسلہ دوبارہ پیدا ہو گیا ہے یہ میرے بھی وقار کا مسئلہ ہے اور میں مسٹر ڈورل کو اس سلسلے میں ایک پروقار پیش کش کر چکا ہوں۔'' شین نے کہا۔

''کچھ وقت گزار لو شین! میں اس تصفئے کو سلجھانے میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بھی اس بارے میں کچھ بتا دو۔'' جین گروجر نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

''دراصل جین! معاملہ ایسی فلم کا ہے جو دنیا کے بیشتر ممالک کے لئے اہمیت رکھتی ہے

بہت سے ملکوں کے ایجنٹ براہ راست اس کے لئے کام کر رہے ہیں میں نے خود بھی ایک ملک کے لئے اس کے حصول کی کوشش کی لیکن مسٹر ڈورل اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ میرے وقار کا مسئلہ ہے اس لئے میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا۔ میں مسٹر ڈورل کو برین چیمبر تک پہنچا سکتا ہوں، جہاں ہر راز حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے بعد مسٹر ڈورل ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گے۔ میں انہیں بچانا چاہتا ہوں لیکن اگر انہوں نے تعاون نہیں کیا تو....''

''مجھے اس کا موقع دو۔ میں ایک اچھے ساتھی کو کھونا نہیں چاہتی تم اس کے لئے مجھے صرف دو دن کا وقت دے دو۔''

''فلم سے حاصل ہونے والی رقم پانچ ملین ڈالر ہوگی۔ میں اس میں سے دو ملین ڈالر تم لوگوں کو دینے کا معاہدہ کر سکتا ہوں لیکن فلم مجھے ملنی چاہئے۔''

''دو دن! صرف دو دن مائی ڈیئر!'' لیسی گروجر نے کہا۔

''او کے۔'' شین جھٹکے دار آواز میں بولا اور لیسی میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھ گئی۔ وہ مجھے ساتھ لئے باہر نکل آئی تھی۔

عرشے پر دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر پرسکون تھا بہت دور ایک سفید اسٹیمر نظر آ رہا تھا۔ دفعتہً لیسی نے کہا'' دنیا یقین کرے یا نہ کرے لیکن میں یقین کر چکی ہوں کہ تم آرٹن ڈورل نہیں ہو۔'' میں چونک کر اُسے دیکھنے لگا تھا وہ پھر بولی'' کیونکہ بہت کم لوگ ڈورل سے اس حد تک واقف ہیں جتنی میں۔ کیونکہ وہ میرا محبوب ہے۔''

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ قہقہے لگاتا ہوا سمندر میں کود جاؤں۔ ذہنی جھٹکے برداشت کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ میرا دماغ تو ہل ہل کر شاید لاتعداد ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا نجانے اب دماغ کی جگہ کیا چیز رہ گئی ہے، جو ابھی تک مسلسل ساتھ دے رہی ہے۔ لیسی جین گروجر، آرٹن ڈورل کی پرستار تھی۔ کافی دیر میں اُسے اس بات کا یقین ہوا تھا کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں۔ ویسے تو کی مورا بھی میری محبوب تھی اور اس نے اسی کا اظہار کیا تھا۔ گویا لیسی گروجر، کی مورا کی رقیب بھی تھی۔ ارے ہاں! اس نے کی مورا کا تذکرہ بھی تو کیا تھا۔ اس وقت میں نے محسوس نہیں کیا تھا لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ اس تذکرے میں ایک طنزیہ کیفیت تھی۔ بہر حال ان تمام باتوں سے مجھے کیا حاصل؟ میں تو

صرف منصور تھا۔ نہ آرٹن ڈورل نہ لیسی کا محبوب صرف اور صرف وہ بین الاقوامی گدھا جس کی اپنی شخصیت اس سے مذاق پر تلی ہوئی تھی۔ لیسی سمندری لہروں پر نگاہیں جمائے رہی۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ خود بولی۔ ''لیکن تم آرٹن ڈورل سے اس قدر مشابہ ہو کہ دنیا کا کوئی بھی شخص دھوکہ کھا سکتا ہے۔ تمہارا چہرہ، تمہاری جسامت ہاتھ پاؤں کی بناوٹ سب کچھ آرٹن ڈورل جیسی ہے لیکن کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے بارے میں صرف میں جانتی ہوں شاید صرف میں۔'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' تاہم میں اس کی تحقیق کئے بغیر ہی یہ اعلان کر رہی ہوں کہ تم آرٹن ڈورل نہیں ہو۔''

''یہ اعلان آپ کب فرما رہی ہیں محترمہ؟'' میں نے گہری سانس لے کر کہا اور وہ ہنس پڑی۔

''نہیں۔ بھلا کسی اور سے کہنے کی بات تو نہیں ہے یہ۔ دراصل مائی ڈیئر! تنہائی میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟'' وہ رُک کر سوالیہ انداز میں بولی۔

''منصور۔''

''تو مائی ڈیئر منصور! میں ذرا مختلف سوچ کی مالک ہوں۔ تمہارے بارے میں سنتے ہی میں دوڑی چلی آئی اور اس کے بعد سے اب تک تمہارا تجزیہ کر رہی ہوں۔ شین جیسا زیرک اس بات پر مصر ہے کہ تم آرٹن ڈورل ہو لیکن بھلا وہ ان باتوں کو کیا جانے، جو کوئی محبوبہ اپنے محبوب کے بارے میں جان سکتی ہے تمہیں اس بات سے مطمئن ہو جانا چاہئے کہ کم از کم میں تمہیں آرٹن ڈورل نہیں سمجھ رہی۔''

''کیا اطمینان کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے مس گروجر؟'' میں نے کہا۔

''نہیں! اور بھی بہت کچھ ہوگا۔ لیسی جین گروجر کے بارے میں یقیناً تمہیں تفصیلات معلوم نہیں ہوں گی کیونکہ تم آرٹن ڈورل نہیں ہو۔''

''ان تفصیلات سے مجھے کوئی فائدہ بھی حاصل نہیں ہوگا مس گروجر! لیکن کیا آپ اس یقین کے بعد کہ میں آرٹن ڈورل نہیں ہوں، میری کچھ مدد کر سکتی ہیں؟''

''ایک بات کا اعلان اس کے ساتھ ہی کرنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ تم جو کوئی بھی مشکوک

شخصیت کے حامل ہو تم نے شین کو بتایا ہے کہ تم صرف ایک سیاح ہو۔ نہ شین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے اور نہ میں ہی تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں ان گہرائیوں میں کہیں نہ کہیں تمہاری اس شخصیت کا دوسرا رخ ضرور چمک رہا ہے۔ بات دراصل یہ ہے مائی ڈیئر منصور! کہ ہم جرم کی دنیا سے تعلق رکھنے والے اپنا کام ذہانت اور عقلمندی سے ضرور نکالتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ہمارے اندر ایک اور بھی حس ہوتی ہے سے تم چھٹی کے بجائے ساتویں حس کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ چھٹی حس ان جاسوسوں کے پاس ہوتی ہے جو ہماری گرفتاری کے لئے سرگرداں رہتے ہیں ان ایجنٹوں کے پاس ہوتی ہے جو ہمارے راستے کاٹنے کے لئے ہماری راہ میں آتے رہتے ہیں چھٹی حس کا چھٹی حس سے مقابلہ ذرا مشکل رہتا ہے اس لئے اس بات پر یقین کر لو کہ جو لوگ اپنے دشمنوں پر حاوی رہتے ہیں۔ وہ چھٹی نہیں بلکہ ساتویں حس کے مالک ہوتے ہیں تو میری ساتویں حس مجھے بتاتی ہے کہ شین جس سلسلے میں تمہارے پیچھے پڑا ہوا ہے اس کا تمہاری ذات سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے ذرا یہ تو بتاؤ کیا تمہارے چہرے پر میک اپ ہے؟''

''نہیں۔''

تب پھر جس شخصیت نے بھی تمہیں اس سلسلے میں استعمال کیا ہے وہ یقیناً ذہین ہے کیونکہ اس نے تمہارے آرٹن ڈورل کے ہم شکل ہونے کا فائدہ اٹھایا ہے۔ کون ہے وہ؟'' اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''میں نے غصیلی نگاہوں سے اُسے دیکھا، پھر میں نے کہا اس کا نام زمانہ قدیم میں افلاطون تھا۔ اُس کے بعد کچھ عرصہ گزرا تو ہٹلر کہلایا۔ اور اِس وقت نجانے وہ کس روپ میں ہے۔ مجھے یہاں سے نکالنے کا وعدہ کرو تو معلومات حاصل کر کے بتا دوں گا۔''

لیسی گروجین ہنسنے لگی تھی پھر وہ بولی۔ ''جھلانے کا یہ انداز بھی مصنوعی ہے۔ میں نے کہا نا ساتویں حس کیمرے کی آنکھ کی مانند ہے جو ایک ایک چیز کو ذہن نشین کر کے اُسی کا عکس پیش کر دیتا ہے۔ تمہاری اس جھلاہٹ کے پیچھے بھی مجھے ایک شکل نظر آ رہی ہے۔''

''تمہیں جو کچھ نظر آ رہا ہے لیسی جین گروجر! اسے بڑے شوق سے دیکھتی رہو جب تم نے اس گفتگو کا آغاز کیا ہے تو کم از کم مجھے یہ جواب تو دے دو کہ اس مصیبت سے نکالنے کے لئے میری کوئی مدد کر سکتی ہو یا نہیں۔''

''فلم شین کے حوالے کر دو تمہیں خود بخود اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔''

''تب پھر وہ فلم تم مجھے دے دو۔ تا کہ میں اسے شین کے سپرد کر دوں۔'' میں نے کہا لیسی مسکراتے ہوئے بولی۔ ''کم از کم مجھے تو اس کی حیثیت بتا دو۔ وہ کون لوگ ہیں جو اس میں دلچسپی لے رہے ہیں بہت سے کام ہو سکتے ہیں مائی ڈیئر! ہم لوگ بہت اچھے دوست ہوتے ہیں لیکن کاروبار، کاروبار ہے۔ جو کام ایک شخص نہیں کر سکتا، دوسرا کر لے تو اُسے حق پہنچتا ہے کہ اس کے مفادات بھی وہ ہی حاصل کرے۔ پہلے کو اس سے دشمنی ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ دشمنوں کے درمیان زندگی گزارنا ہی تو زندگی ہے۔ تم اگر چاہو تو میرے ساتھ تعاون کر سکتے ہو۔ اس لئے کہہ رہی ہوں یہ بات کہ تم اس وقت شین کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہو اور شین کسی قیمت پر تمہیں چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ باقی تم پر منحصر ہے۔'' وہ میری طرف دیکھنے لگی اور پھر واپسی کے لئے مڑتی ہوئی بولی۔ ''میں جا رہی ہوں۔ تنہائی میں سمندر کی لہروں کو دیکھتے ہوئے میری پیش کش پر غور کرنا۔ تمہیں یقیناً صحیح فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔'' اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

بھلا مجھے کیا صحیح فیصلہ کرنا تھا؟ میرے فیصلے تو ہمیشہ ہی مضحکہ خیز ہوا کرتے تھے۔ آج تک میں اپنے کسی مسئلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ بہر طور زندگی کی تفریحات میں حصہ لیتے رہنا چاہئے بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ لیسی جین گروجر سے تعاون کرنے میں کوئی اتنی زیادہ سوچنے سمجھنے کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد جب لیسی مجھ سے دوبارہ ملی تو اُس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا۔

''تو کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟'' لیسی نے کہا۔

''میں تمہاری مرضی پر چلنے کے لئے تیار ہوں لیسی! اور اس بات کو مذاق نہ تصور کرو کہ میں آرتھوڈورل نہیں ہوں حقیقت یہی ہے کہ میں ایک سیاح ہوں اور حالات نے مجھے ان راستوں پر لا ڈالا۔ ہے میں مجرمانہ صلاحیتیں نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اس بات کے لئے کیا کروں کہ جس نے بھی مجھے سمجھا مجرم ہی سمجھا بلکہ زبردستی مجرم بنا ڈالنے کی کوششیں بھی کیں اور میں نہ چاہنے کے باوجود جرائم میں ملوث ہوتا چلا گیا۔ یہ زندگی بری نہیں ہے لیکن وہ داؤ پیچ مجھے نہیں آتے جو جرم کی دنیا کے ہوتے ہیں۔''

''سب سے پہلے فلم کی بات کرو۔ کیا تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ فلم تمہارے

پاس موجود ہے؟''

''ہاں۔ اب میں اس سے انکار نہیں کرتا۔''

''گڈ ویری گڈ۔'' لیسی مسکرائی پھر بولی۔ ''اور تمہیں یہ پتہ کیسے چل گیا کہ وہ فلم کسی کے لئے باعث دلچسپی ہے؟''

''مختصراً بتا چکا ہوں کہ لوگوں نے مجھے بلاوجہ اپنے آپ میں ملوث کر لیا اور ایک کے بعد ایک واقعہ پیش آتا چلا گیا۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہیڈن ولیج کے گھر سے وہ فلم میں نے ہی اُڑائی تھی اور باقی لوگ آپس میں دھول دھپہ کرتے رہ گئے تھے۔''

''یہ فیصلہ تو ہم بعد میں کر لیں گے کہ تم کیا ہو۔ ہاں اگر فلم کے مسئلے میں اپنے طور پر کچھ کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے تعاون کرو۔ شین نے اس سلسلے میں پانچ ملین ڈالر کا تذکرہ کیا جن میں سے دو ملین وہ ہمیں دینا چاہتا ہے کیوں آخر کیوں؟ تین ملین وہ کس سلسلے میں رکھنا چاہتا ہے اسے اس کا کیا حق پہنچتا ہے۔ چنانچہ ساری رقم ہماری اپنی ہونی چاہئے بس اب تم میری ہدایت کے مطابق عمل کرو اور اگر واقعی تمہارا کوئی گروہ نہیں ہے تو ایک ایسا کھیل کھیلوں گی جو جرائم کی دنیا میں تہلکہ مچا دے گا اور لوگ اس کی تفصیلات جان کر دانتوں میں انگلیاں دبا لیں گے۔ لیسی جین گروجر ہے میرا نام لیکن ابھی اس کی تفصیلات تمہیں نہیں بتاؤں گی۔ یہ پیش کش ہے میری تمہارے لئے کہ اگر تم واقعی اپنا کوئی گروہ نہیں رکھتے تو میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔''

''ہو گیا۔'' میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ ''میں تو نجانے کتنے گروہوں میں شامل ہوں اور نجانے کتنے لوگ مجھے کیا کیا سمجھتے ہیں۔ مس لیسی آپ بھی سنیں گی تو آپ کی عقل چکرا کر رہ جائے گی بہر طور آپ بھی اپنے طور پر کچھ دن کے لئے خوش ہو لیں۔''

لیسی کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

''گویا ہمارے درمیان یہ بات طے ہوگئی کہ ہم تم مل کر کام کریں گے لیکن مسئلہ شین کا آجاتا ہے۔''

''یقیناً! اور کیا شین اتنی آسانی سے ہمیں ہمارے مقصد کے لئے چھوڑ دے گا؟'' میں نے سوال کیا۔

لیسی ہنسنے لگی پھر بولی۔ ''نہیں ڈیئر! شین کو معمولی نہ سمجھو۔ بہت خوفناک شخصیت کا مالک

ہے وہ۔ لیکن مزہ تو اسی وقت آئے گا جب ہم شین کو چکر دیں گے۔ ایک بات کا جواب دو مجھے، لیکن پورے اعتماد کے ساتھ۔''

''ہاں ہاں۔ اب میرے اور تمہارے درمیان اعتماد کا رشتہ تو قائم ہو ہی چکا ہے۔''

''فلم کہاں ہے؟''

''اس کے لئے ہمیں پیرس چلنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک! میں نے جو پروگرام ترتیب دیا ہے اس کی تھوڑی سی تفصیل تم بھی سن لو مسٹر منصور! شین ہم سے ملاقات کرے گا اور اس کے سامنے تم اعتراف کرلو گے کہ فلم تم اس کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو۔ بس باقی کام مجھ پر چھوڑ دو۔''

''میں تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کیلئے تیار ہوں۔'' میں نے جواب دیا اس کے بعد میرے اور لیسی کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

ہمیں شین کی آمد کا انتظار تھا۔ لیسی اس دوران کیا کرتی رہی تھی یہ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا لیکن میں اپنے طور پر بہت سے وسوسوں کا شکار رہا تھا دوگروہوں میں چلے گی پتہ نہیں میرا کیا حشر ہو؟ وقت مقررہ پر شین آ گیا۔ ہیلی کاپٹر سے اترنے کے بعد وہ اپنی آرام گاہ میں چلا گیا تھا پتہ نہیں یہ جہاز حکومت فرانس کی نگاہوں سے کیسے پوشیدہ تھا یا کس حیثیت سے فرانسیسی سمندر میں لنگرانداز تھا۔ جرم کی دنیا کے بہت سے نظارے کئے تھے میں نے اور مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس دنیا میں حکومت صرف اُن لوگوں کی ہی نہیں ہوتی جو الیکشن میں کامیابی حاصل کر کے یا فوجی انقلابات کے ذریعے برسر اقتدار آتے ہیں۔ بلکہ لاتعداد چھوٹی چھوٹی حکومتیں ان لوگوں کی بھی ہوتی ہیں، جو کھلم کھلا حکومتوں کے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں اور دھڑلے سے منظر عام پر بھی رہتے ہیں ان کے ہاں کوئی الیکشن نہیں ہوتا۔ یہ اپنی دنیا کے بے تاج شہنشاہ ہوتے ہیں اور نجانے کتنے گروہ بین الاقوامی پیمانے پر سرگرم عمل ہیں۔ لیسی سے میری ملاقات شین کے ساتھ ہی ہوئی۔ شین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آ رہی تھی اس نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔

''مائی ڈیئر آرٹن ڈورل! بالآخر تم نے پہلی بار میری بات مان ہی لی میں درحقیقت معذرت خواہ ہوں لیکن اس بات کا حق تمہیں بھی حاصل ہے کہ اگر میں کبھی تمہارے چنگل میں پھنسوں تو تم مجھ سے اپنی من مانی کراؤ لیکن یہاں یہ صورت حال نہیں ہے۔ میں تم سے

پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ بات میری آن میرے وقار کی ہے جن لوگوں کے لئے میں نے کام کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ان سے میرے بہت سے مفاد وابستہ ہیں۔ اور اگر میں اس میں ناکام رہا تو میری ساکھ خراب ہو جائے گی چنانچہ اس سلسلے میں تم میری مدد کرو۔ آئندہ ہم اپنے بارے میں مناسب فیصلے کرلیں گے۔''

''ٹھیک ہے مسٹر شین! مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔ مس گووجر سے جو گفتگو ہوئی ہے میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے اب تمہاری خواہش کے مطابق چوبیس گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے چلیں گے اور اس کے بعد کی کارروائیوں میں تم اگر چاہو تو باقاعدہ میرے ساتھ شریک رہ سکتے ہو۔''

''مجھے اجازت ہے؟'' میں نے پوچھا اور شین خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں ایک بار پھر تم سے معذرت خواہ ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمہارے دل میں میرے لئے بغض نہ رہے۔''

☆.....☆.....☆

شام جھک آئی تھی اور بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی اور جہاز کا عملہ بارش کی وجہ سے اپنی اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ بارش خاصی زوردار ہو رہی تھی کہ دفعتہً جہاز پر ایک خوفناک دھماکہ سنائی دیا۔ اس کے ساتھ ہی فضا میں کسی ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی تھی۔ سب لوگ چونک پڑے میں بھی اپنے کیبن سے باہر نکل آیا لیکن اس کے فوراً بعد ہی دوسرا دھماکہ ہوا اور پھر گولیوں کی تڑتڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ باہر جہاز کے عملے کے لوگوں کی چیخیں ابھری تھیں میں ایک جگہ دبک گیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور دھماکے مسلسل گونجنے لگے اور پھر شاید جہاز پر سے بھی اس کارروائی کا جواب دیا جانے لگا لیکن دھماکوں کی رفتار بڑھ گئی تھی یہ اندازہ لگانے میں مجھے بھی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کہ جہاز کے اوپر پرواز کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر یا ہیلی کاپٹروں سے بمباری کی جا رہی ہے۔ غالباً دستی بم جہاز پر پھینکے جا رہے تھے اور مشین گن سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ یہ ہنگامہ تقریباً دس یا گیارہ منٹ تک جاری رہا اور اس کے بعد عجیب

سی بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس وقت اپنے کیبن سے باہر جانا نہایت خطرناک ہوسکتا تھا۔ چنانچہ میں نے صورتحال جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ بھگدڑ مچی ہوئی تھی چیخوں کی آوازیں بلند ہورہی تھیں لیکن کون سی آواز کس کی تھی مجھے کچھ پتہ نہیں تھا پھرتقریباً پندرہ سولہ منٹ تک مزید ہنگامہ خیزیاں جاری رہیں اور اس کے بعد کچھ سکون محسوس ہوا لیکن بھاگ دوڑ کی آوازیں مسلسل آرہی تھیں ان آوازوں میں اب مشین گنوں کی یا دھماکوں کی آوازیں شامل نہیں تھیں مجھے خطرہ محسوس ہورہا تھا کہ کہیں جہاز تباہ ہی نہ ہو جائے بلکہ ہو بھی سکتا ہے کہ جہاز غرق ہورہا ہو۔ دھماکوں کی جو شدت میں نے محسوس کی تھی اور جس طرح چیزوں کے ٹوٹنے پھوٹنے کی آوازیں بلند ہورہی تھیں ان سے یہ ہی اندازہ ہوتا تھا کہ دشمن نے پوری قوت سے حملہ کیا ہے پھرنجانے کتنی دیر گزری تھی کہ دفعتہً پیٹر مارسیلو میرے کیبن کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا اس نے مجھے دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر بولا۔

''تھینکس گاڈ.....تم محفوظ ہو۔''

''کیا ہوا؟'' میں نے خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔

''پتہ نہیں.....ابھی تک کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ میڈم گروجر زخمی حالت میں بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔''

''اوہ مائی گاڈ! کہاں ہے وہ؟''

''آؤ چلو۔ باہر اب سکون ہے اور ہم نے بھی تیاریاں کر لی ہیں دوسری کوئی کوشش ان لوگوں کے لئے موت کا پیغام ثابت ہوگی۔''

میں پیٹر مارسیلو کے ساتھ باہر نکل آیا۔ جہاز پر خوفناک تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ چاروں طرف سے آگ اور دھویں کے بادل بلند ہورہے تھے۔ آگ بجھانے کی کوششیں کی جارہی تھیں شین کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ پیٹر مارسیلو مجھے لئے ہوئے ایک کیبن میں پہنچ گیا جہاں لیسی جین گروجر بستر پر پڑی ہوئی تھی اس کے سینے اور بازوؤں پر خون کے دھبے تھے اور ایک ڈاکٹر اس کی مرہم پٹی کررہا تھا۔ ایک نرس بھی قریب موجود تھی۔ میں نے لیسی گروجر کو دیکھا۔ تھوڑی دیر اس کے بارے میں ڈاکٹر سے معلومات حاصل کرتا رہا اور پھر باہر نکل آیا۔ ہیلی کاپٹر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا اور شین کے لئے واپس جانے کا اب فی الحال کوئی

ذریعہ نہیں تھا۔ اس کے علاوہ بھی جہاز پر متعدد زخمی تھے جن کی کراہوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ پھر میں نے شین کو دیکھا جو کنٹرول کیبن سے باہر آرہا تھا۔ وہ لوگوں کو چیخ چیخ کر ہدایت بھی دیتا جارہا تھا۔ لیکن کم بخت کی آواز بالکل پرسکون تھی۔ میں ایک جگہ کھڑا یہ سارے تماشے دیکھتا رہا۔ بارش رُک گئی تھی، لیکن ہلکی ہلکی پھوار اب بھی جاری تھی۔ میرا پورا بدن بھیگ گیا۔ آگ اورشدت اختیار کرجاتی اگر تیز بارش نہ ہورہی ہوتی۔ لیکن اس خراب موسم میں جو کارروائی کی گئی تھی، وہ حیرت ناک تھی اور کافی غور کرنے کے باوجود میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں بھلا سمجھتا بھی کیا؟ واقعات اور حالات نے مجھے کچھ سے کچھ بنا دیا تھا لیکن جو کچھ میں تھا، اس کے بارے میں خود ہی اچھی طرح جانتا تھا کافی دیر ان ہنگاموں میں گزرگئی پھر اتفاقیہ طور پرشین کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ میرے قریب پہنچ گیا۔

''ہیلو ڈورل!''

''ہیلو'' میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''لیسی زخمی ہوگئی ہے۔''

''ہاں! لیکن یہ کارروائی؟'' میں نے سوال کیا

''پتہ چل جائے گا۔ پتہ چل جائے گا اور جس نے بھی یہ سب کچھ کیا ہے تم سمجھ لو کہ اس کا نام ونشان اس کائنات میں نہیں رہے گا۔ یہ شین کا عزم ہے۔'' پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھتے ہوئے کہا'' آؤ ذرا لیسی کی خبر لیں۔''

صبح کو ناشتے کے لئے مجھے باقاعدہ شین کے کمرے میں طلب کیا گیا لیسی بھی یہاں موجود تھی۔ ڈاکٹر نے شاید اسے اجازت دے دی تھی کہ وہ اٹھ بیٹھ سکتی ہے کیونکہ کوئی زخم خطرناک نہیں ہے لیکن اس کے چہرے سے نقاہت کا اظہار ہورہا تھا ہم نے خاموشی سے ناشتہ کیا اور پھر لیسی کہنے لگی۔

''تو مسٹر ڈورل! کیا تمہیں اس کارروائی کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوچکی ہیں؟''

''قطعی نہیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''یہ بزدلانہ کارروائی ایکسن کے گروہ کی ہے وہی ایکسن جس کی تحویل میں تم تھے۔''

''اوہ! اس کا مقصد ہے...''

''ہاں! ان لوگوں نے ایکسن کو ہمارے چنگل سے آزاد کرایا ہے۔ دراصل ایکسن اس

علاقے میں خاصی مقبولیت رکھتا ہے۔ اور اس کے بے شمار وسائل ہیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کسی طور رابطہ قائم کیا ہے۔ اور اس کے بعد یہ کارروائی عمل میں آئی ہے۔''

میں نے آنکھیں بند کرلی تھیں ظاہر ہے مجھے اس اطلاع سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔ یہ ان لوگوں کے اپنے مسائل تھے جو کچھ بھی ہوا بہرطور شین ہی کا معاملہ تھا شین اس دوران بالکل خاموش رہا تھا پھر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔''

''لیسی! مجھے اجازت دوگی میں ذرا باہر مصروف ہوں۔ درحقیقت مجھے ہیلی کاپٹر کا انتظار ہے دوسرا ہیلی کاپٹر آجائے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

''مسٹر شین! کیا آپ نے مسٹر ڈورل کے لئے کوئی تحفظ کا بندوبست کیا؟ کیا ایلکسن اس کے بعد دوبارہ مسٹر ڈورل کو حاصل کرنے کی کارروائی نہیں کرے گا؟''

''میں اس سلسلے میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد پروگرام تمہیں بتا دوں گا لیسی!'' شین نے کہا اور چلا گیا۔

میں نے ہمدردی سے لیسی کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔ ''تمہارے زخمی ہونے کا مجھے افسوس ہے لیسی!''

''یہ کارروائی ہمارے لئے غیر متوقع تھی۔ ورنہ یقیناً ہم اپنے تحفظ کا خصوصاً خیال رکھتے لیکن میں زیادہ زخمی نہیں ہوں، سینے پر ایک بم کا ٹکڑا لگا ہے اور پیشانی اور بازو پر بھی چھوٹے چھوٹے زخم ہیں۔ ڈاکٹر نے پٹی کردی ہے لیکن کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔''

لیسی نے جواب دیا۔

''شین دیوانہ ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے اب اس کی تمام تر توجہ ایلکسن کی تباہی کی جانب مبذول ہو جائے گی۔ بہرطور ہمیں مسٹر شین سے ہمدردی ہے کافی قیمتی جہاز تباہ ہوا ہے اور مسٹر شین کو نجانے اس کے لئے کیا کیا پریشانیاں اٹھانی پڑیں گی۔''

میں لیسی کو سہارا دے کر اس کے کیبن میں لے آیا اور کافی دیر اس کے ساتھ بیٹھا رہا۔ پھر وہاں سے باہر نکل کر جہاز پر ہونے والی کارروائیوں کا جائزہ لینے لگا۔ عرشے سے بہت سی لاشیں سمندر میں پھینک دی گئیں تھیں شین کے کافی آدمی ہلاک ہوئے تھے جو زخمی تھے ان کی تیمارداری کی جارہی تھی اور شین ہر جگہ گھومتا پھر رہا تھا مجھے دیکھا تو میرے قریب آ گیا اور غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''مسٹر ڈورل! آپ کو اور لیسی کو جو تکلیف اٹھانی پڑی ہے، اس کے لئے شاید میں ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہ کرسکوں۔ لیکن اس طرح ایلکسن نے اپنی تباہی ضرور خرید لی ہے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا مشن اب یہ بھی بن چکا ہے کہ ایلکسن کا نام و نشان مٹا دوں۔ آپ لوگوں کو مزید تھوڑی دیر یہاں انتظار کرنا ہوگا اس کے بعد میں ایک اسٹیمر کے ذریعے یہاں سے آپ کو واپس بھجوائے دیتا ہوں۔ میری بتائی ہوئی جگہ قیام کریں گے آپ۔ اور تین دن کے اندر اندر میں اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا پھر ہم فلم کے سلسلے میں کام شروع کریں گے۔''

''جیسا آپ پسند کریں مسٹر شین! بہرطور مجھے آپ کے اس نقصان کا بے حد افسوس ہے۔''

شین کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا ''ہاں افسوس تو مجھے بھی ہے لیکن ہمیں ہر طرح کے حالات کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے مسٹر ڈورل! اس نقصان کی تلافی بھی ایلکسن ہی کرے گا۔'' شین کسی کے بلانے پر وہاں سے آگے بڑھ گیا اور میں خاموشی سے عرشے کے ایک حصے میں جا کھڑا ہوا اور ان تمام مناظر کو دیکھنے لگا پھر پیٹر مارسیلو مجھے بلانے آ گیا۔

لیسی کے کیبن میں شین بھی موجود تھا۔ لیسی نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈورل! تیاریاں کرلو، ہم یہاں سے چل رہے ہیں۔''

''مجھے کیا تیاریاں کرنی ہیں۔ تم جانتی ہو مس گروجر!'' میں نے کہا اور لیسی نے گردن ہلا دی۔ شین وہاں سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ ڈاکٹر جو لیسی کا معالج تھا، وہیں موجود تھا۔ اور اُس کی ساتھی نرس بھی۔ غالباً شین نے لیسی کی تیمارداری کے لئے ان دونوں کو ساتھ بھیجنے کا پروگرام بنایا تھا تھوڑی دیر کے بعد لیسی کو احتیاط کے ساتھ اسٹریچر پر ڈال کر نیچے پانی میں ہچکولے لیتے ہوئے اسٹیمر پر منتقل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر نرس اور میں اسٹیمر پر اتر گئے۔ عملے کے چار افراد بھی ہمارے ساتھ شامل تھے۔ شین نے ہمیں کہاں بھیجنے کا پروگرام بنایا تھا یہ بات نہ مجھے معلوم تھی نہ لیسی کو۔ اسٹیمر اسٹارٹ ہوکر آگے بڑھ گیا۔ لیسی خاموشی سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ نرس اور ڈاکٹر یہاں موجود نہیں تھے بلکہ ان کے لئے ایک الگ جگہ منتخب کردی گئی تھی میں بھی خاموش بیٹھا باہر کے ماحول کو دیکھتا رہا۔ اسٹیمر جھاگ اڑاتا ہوا برق رفتاری سے

آگے بڑھ رہا تھا۔

لیسی نے تھوڑی دیر کے بعد مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور آہستہ سے بولی۔

''کیا سوچ رہے ہو مائی ڈیئر منصور؟''

''ظاہر ہے حالات میرے علم میں بھی نہیں ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اب ہمیں کہاں بھیجا جا رہا ہے؟''

''بھیجا نہیں جا رہا بلکہ یہ پوچھو کہ اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔'' لیسی نے ہنستے ہوئے کہا۔ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ میں سوالیہ نگاہوں سے لیسی کو دیکھنے لگا۔ تب اس نے کہا۔

''باہر جو ڈاکٹر موجود ہے، اُسے بلا لو اور نرس کو بھی۔''

میں نے کیبن کے دروازے پر پہنچ کر ان دونوں کو آواز دی۔ وہ کیبن کے سامنے ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر اندر آ گیا تو لیسی نے اُس سے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''وہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

''سب کے سب اپنی دُھن میں مگن ہیں۔''

''وقت ہو گیا ہے؟''

''ہاں صرف بیس منٹ باقی ہیں۔'' ڈاکٹر نے پراسرار انداز میں جواب دیا۔ میں خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا تب لیسی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلے اپنی پیشانی کی پٹی کھول کر پھینکی اور پھر بازو کی بینڈج، اور آخر میں بڑی بے حجابی سے اس نے اپنے سینے کی بینڈج بھی کھول کر پھینک دی۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کیونکہ لیسی نے اپنے سینے پر ٹٹول کر ایک عجیب سی چیز اُکھاڑ پھینکی تھی۔ یہ پلاسٹک کے چند ٹکڑے تھے جو چپکے ہوئے زخم کا نشان محسوس ہو رہے تھے۔ گویا مصنوعی زخم تھے۔ میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں اور میں متعجبانہ انداز میں لیسی کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر اس نے ڈاکٹر کی طرف رخ کر کے ہاتھ بڑھایا اور ڈاکٹر نے اپنے بغلی ہولسٹر سے ایک پستول نکال کر لیسی کو دے دی۔ لیسی اس کا چیمبر چیک کر کے کیبن سے باہر نکل آئی۔ میں اب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکا تھا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے فائرنگ کی آواز سنی اور چند لمحات کے بعد لیسی نے کیبن کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا۔

''آؤ منصور! باہر آ جاؤ۔'' میں سست قدموں سے باہر نکل آیا تھا۔ ڈاکٹر اسٹیمر کے عملے کے افراد کی لاشیں اٹھا کر پانی میں پھینک رہا تھا۔ ابھی میں حیرت کے بارے کچھ سوچنے بھی نہیں پایا تھا کہ دفعتاً ایک جانب نگاہ اٹھ گئی۔ اسٹیمر سے تقریباً کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر سمندر کا پانی عجیب سے انداز میں دو طرفہ گرنے لگا تھا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک آبدوز سطح سمندر پر ابھر آئی۔ میں اس منظر کو بھول کر آبدوز کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آبدوز کا اُوپری حصہ کھلا اور پھر چند افراد نظر آئے۔ یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ان لوگوں نے اسٹیمر کی طرف دیکھ کر رومال ہلائے تھے۔ گویا یہ کسی قسم کا اشارہ تھا لیسی کی جانب دیکھا تو وہ بھی اسی حرکت میں مبتلا نظر آئی۔ اور میں سر پکڑ کر اکڑوں بیٹھ گیا۔

اب سوچنے کی کوشش ہی بیکار تھی ورنہ کلیجہ حلق کے راستے باہر نکل آتا۔ بعد کے مناظر میری توقع کے خلاف نہیں تھے۔ آبدوز کا تعلق لیسی ہی سے تھا۔ اسٹیمر کو رفتہ رفتہ آبدوز کے قریب لے جایا گیا۔ ڈاکٹر ہی اسے چلا رہا تھا۔ آبدوز سے ایک مخصوص ساخت کی سیڑھی لٹکائی گئی اور لیسی نے مجھے اس سیڑھی کے ذریعے آبدوز پر پہنچنے کو کہا پھر وہ خود بھی ڈاکٹر اور نرس کے ساتھ آبدوز پر پہنچ گئی اور اسٹیمر کو بے یارومددگار سمندر میں چھوڑ دیا گیا۔ لیسی کا استقبال کرنے والے اس کے سامنے مؤدب نظر آ رہے تھے۔ لیسی نے اُنہیں حکم دیا۔

''اسٹیمر تباہ کر دو۔''

''یس میڈم گروجر!'' بھاری بھرکم سے بدن کے مالک ایک شخص نے گردن خم کر کے کہا۔ اور لیسی میری جانب دیکھنے لگی۔

''آؤ ڈیئر نیچے چلیں۔''

میں آبدوز میں اُتر گیا۔ خالہ شہادت کی کھولی میں پروان چڑھنے والا شاید دنیا کے تمام رموز سے آگاہ ہونے جا رہا تھا۔ کوئی چیز بچے گی بھی مجھ سے یا نہیں؟ آبدوز بھی دیکھ لی۔ جب کہ اس سے پہلے اسے فلموں وغیرہ میں ضرور دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت میں ایک جدید ترین آبدوز میں تھا۔ لیسی مجھے لئے ہوئے ایک خوبصورت سے کیبن میں آ گئی۔ کیا ہی اعلیٰ درجے کی آرائش تھی اُس کیبن کی۔ آبدوز میں بے شمار افراد نظر آ رہے تھے اور یہ سب کے سب لیسی کے غلام تھے۔ ڈاکٹر اور نرس اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ لیسی نے مجھے اس کیبن کے ایک خوبصورت بستر پر بٹھا دیا اور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

تمہارے چہرے پر نظر آنے والی حیرت فطری چیز ہے۔ تمہاری جگہ اگر آرٹن ڈورل ہوتا تو اس بات پر قطعی حیرت کا اظہار نہ کرتا۔ کیونکہ وہ لیسی گروجر کو اچھی طرح جانتا ہے۔ میرے گروہ کو معمولی حیثیت کا حامل سمجھا گیا تھا۔ لیکن یہ سمجھنے والوں کا قصور ہے میرا تو نہیں۔ میں تمہیں بہت عمدہ قسم کی کافی پلواتی ہوں۔ ذہنی حالت بحال کرنے میں وہ کافی تمہاری مدد کرے گی۔''

میں نے عجیب سی نگاہوں سے لیسی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''کاک ٹیل مل سکتی ہے؟''

''شراب پینا چاہتے ہو؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں.....صرف کاک ٹیل۔''

''تمہیں اتنی اعلیٰ درجے کی کاک ٹیل پلواؤں گی کہ یاد کرو گے۔ لیکن یہ وقت اس کا نہیں ہے۔''

میں نے گہری سانس لی۔ یہ جملے میں نے جس مقصد کے لئے ادا کئے تھے، وہ صرف میرے ذہن میں تھا، لیسی نہیں جانتی تھی۔ بہرطور کافی آ گئی۔ برازیل کی کالی کالی کافی مجھے اتنی اچھی بھی نہیں لگی تھی۔ کیونکہ بہت زیادہ اعلیٰ پائے کا انسان نہیں تھا۔ تاہم اپنے آپ کو اعلیٰ پائے کا ظاہر کرنے میں قباحت بھی نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ منہ بنائے بغیر کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ حلق سے اُتارنے لگا اور پھر لیسی کے الفاظ میں گم ہونے کے بعد کافی کی کڑواہٹ ہی بھول گیا وہ کہہ رہی تھی۔

''یہ تمام باتیں تمہارے لئے یقیناً حیرت ناک ہوں گی منصور! لیکن میں نے تم سے کہا تھا نا کہ ہم لوگ جس زندگی کے عادی ہیں، اس میں اعتماد اور دوستی کی گنجائش ذرا کم ہی ہوتی ہے۔ سب اپنے اپنے مفادات کے لئے دوسرے کو ذبح کرتے ہیں۔ کبھی ہمارا شکار وہ لوگ ہوتے ہیں، جن کا تعلق جرم کی زندگی سے نہیں ہوتا۔ اور کبھی ہم آپس میں ایک دوسرے کا شکار کرتے ہیں۔ شین بہت چالاک ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن جب تک اُسے یہ بات معلوم ہو گی کہ درحقیقت اس کا جہاز ایکسن نے نہیں بلکہ میں نے تباہ کیا تھا، اس وقت تک ہم بہت دور نکل چکے ہوں گے۔ بلکہ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ اُسے یہ بات کبھی معلوم ہی نہ ہو۔ البتہ میری گمشدگی کو وہ حیرت کی نگاہ سے دیکھے گا اور اسٹیمر کے

مسئلے کو سامنے رکھتے ہوئے شاید وہ یہ بھی سوچے کہ میں تمہیں لے کر نکل گئی ہوں۔ تاہم کچھ بھی ہو مطلب تو مقصد براری سے ہے۔ مختصراً تفصیل بتا دوں تاکہ تم فضول اُلجھنوں میں نہ پڑو منصور! ایکسن بدستور شین کا قیدی تھا۔ میں تمہیں ہوشیاری کے ساتھ نکال لانا چاہتی تھی اور اس وقت تک جب تک اپنا کام نہ کر لیتی۔ شین کو ایکسن کی طرف متوجہ کرنے کی خواہش مند تھی۔ چنانچہ منصوبے کے تحت میرے ساتھیوں نے بمباری کی۔ ایکسن کو اغوا کر کے میں نے پہلے ہی ہلاک کر دیا تھا۔ اور اس بمباری کا تمام ذمہ ایکسن کی گردن پر ڈالنے کے بعد میں اس انداز میں تمہیں لے کر وہاں سے نکل آئی۔ اگر میں زخمی نہ ہوتی تو شاید شین بھی مجھ پر کچھ شبہ کرنے لگتا۔ کیونکہ وہ بھی جرم کی دنیا کا ذہین آدمی ہے۔ لیکن میرے یہ مصنوعی زخم اُسے دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے اور ان ہی کے ذریعے میں فوری طور پر وہاں سے نکل بھی سکی ورنہ میری فوری واپسی ممکن نہ ہوتی۔ یہ چھوٹا سا پلان تھا میرا اور اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں جو بہت زیادہ حیرت ناک ہو۔ میری یہ آبدوز ان ہی سمندروں میں گردش کر رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ ہیلی کاپٹر بھی میری ملکیت ہی ہیں، جنہوں نے ایکسن کے ہیلی کاپٹروں کی حیثیت سے جہاز پر بمباری کی تھی۔ میں نے اس کے لئے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے۔ میرا خیال ہے اب تمہیں اطمینان حاصل ہو گیا ہو گا۔''

مجھے اندازہ ہی نہ ہوا کہ میں کب کافی کی پیالی خالی کر چکا ہوں۔ لیسی گروجر نے جب دوبارہ کافی میری پیالی میں بھری۔ تب میں چونکا اور میں نے اُس کا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔

''بس ڈیئر لیسی! تم نے مجھے ناک تک بھر دیا ہے۔ اس قدر حیران ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ تمہارا ذہن ہے کہ ایک پورا کارخانہ..... کتنی ذہانت سے تم نے اپنا یہ کام کیا۔''

''تمہارا شکریہ ڈیئر! بہرطور اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ آبدوز ہمیں فرانس ہی کے ایک ویران ساحل پر چھوڑ دے گی۔ اور اُس کے بعد میں تمہیں لے کر پیرس چلوں گی۔ پیرس میں ہمارے لئے ایک عمدہ قیام گاہ موجود ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد تم تھوڑا سا وقت سکون سے گزارنا۔ میں اطراف کے انتظامات کر لوں گی۔ ہمیں اُن لوگوں کو بھی تلاش کرنا ہے جن کے حوالے فلم کرنا ہو گی اور جو اس سلسلے میں شین سے سودا کر چکے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ اس کام میں ذرا سی اُلجھنیں درپیش ہوں گی۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ یہ کام جس قدر جلد ہو جائے، بہتر ہے۔ تمہیں اس سلسلے میں میری پوری مدد کرنی ہو گی۔ بعد

کے معاملات کو بھول جاؤ مسٹر منصور! میرے گروہ میں شامل رہ کر تمہیں جو کچھ حاصل ہوگا، تم اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

میں خاموش ہی رہا تھا۔ یہ جو کچھ مجھے حاصل ہو رہا تھا، اس کا تو میں نے کبھی تصور نہیں کیا تھا۔ بہرطور لیسی سے تعاون کرنے لگا۔

اس سفر کا اختتام رات کی تاریکیوں میں ایک ویران ساحل پر ہی ہوا، جہاں ہمارے استقبال کے لئے چند افراد موجود تھے اور اُن کے ساتھ کھلی چھت کی ایک لیموزین بھی تھی جو ہمیں لے کر پیرس کے نواحی علاقے کی جانب چل پڑی۔ اور اُس کے بعد ایک خوب صورت سی عمارت میں ہمیں منتقل کر دیا گیا جسے شاید لیسی جین گروجر ہر نئے ماہِ عسل کے لئے استعمال کرتی تھی۔ تھی بھی یہ عمارت ہنی مون پیلس ہی۔ پھولوں کے کنج جگہ جگہ بکھرے ہوئے تھے اور اُن کی ملی جلی خوشبو فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ ہنی مون پیلس میں ہم خواب گاہ میں پہنچ گئے جو نہایت فیشن ایبل چیزوں سے آراستہ کی گئی تھی۔ اور پھر پیرس میں میری اس نئی صبح کا آغاز ہوا۔ یہاں زیادہ افراد نہیں تھے۔ شور شرابے سے پاک یہ جگہ ذہن کو سکون دینے کے لئے انتہائی موزوں تھی۔ اور اب تو لیسی جین گروجر نے میرے ذہنی سکون کا ٹھیکہ سنبھال لیا تھا۔ چنانچہ مجھے ہر طرح کی آسائشیں فراہم کر دی گئیں۔ دو دِنوں میں اُن کے مخبر، شین کی کارروائیوں اور اُس کے مزاج سے آگاہ ہونے کی نہ صرف کوششیں کرتے رہے تھے، بلکہ لیسی جین گروجر کو خبریں بھی دیتے رہے تھے۔ اُس نے اپنے طور پر مجھے ان خبروں سے آگاہ بھی رکھا تھا۔ لیکن میں کچھ نہیں سننا چاہتا تھا۔ میں تو صرف ذہنی سکون سے لطف اندوز ہو رہا تھا، جس کے بارے میں مجھے یقین تھا کہ اس کا وقفہ زیادہ طویل نہیں ہوگا اور اس کے بعد کہیں نہ کہیں سے کوئی مصیبت مجھے تلاش کرتی ہوئی مجھ تک آ پہنچے گی۔ دیکھنا یہ تھا کہ مصیبت کا یہ سفر کتنا طویل ہوتا ہے؟ اور وہ کب مجھ تک پہنچتی ہے.....

تیسرے دن ساڑھے دس بجے لیسی جین گروجر نے مجھ سے اجازت مانگتے ہوئے کہا کہ وہ ضروری امور کے سلسلے میں شاید آج شام تک مصروف ہے۔ اس لئے یہ دن مجھے تنہا ہی گزارنا ہوگا۔ میں نے اس بات کا اقرار کر لیا تھا۔ لیکن یہ کہنے کی جرات نہ کر سکا میں اُس سے کہ اگر وہ اجازت دے تو میں پیرس کی سیر کو نکل جاؤں۔ کیونکہ اب کچھ لت سی محسوس ہو رہی تھی۔ اگر میں اس کا اظہار کرتا تو وہ شبہ میں مبتلا ہو سکتی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اُس

نے یہاں میری نگرانی کے لئے کیا بندوبست کیا ہے؟ اُس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جرم کی دُنیا کے لوگ کبھی کسی پر اعتبار نہیں کرتے۔ خواہ اُن کی قربتیں کسی بھی حد تک پہنچ جائیں..... شین نے بھی تو لیسی جین گروجر کو میرے سلسلے میں، میرے یعنی آرٹن ڈورل کے سلسلے میں فوراً ہی آگاہ کیا تھا۔ یہ اُس کی دوستی کا اظہار تھا اور شین کے جہاز پر بھی لیسی جین گروجر اُن کے ایک معزز مہمان کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن لیسی جین گروجر نے اُس کے جواب میں کیا، کیا تھا؟ اس کا مجھے اچھی طرح پتہ تھا۔ چنانچہ یہ تو ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ محترمہ لیسی جین گروجر جن کے لئے خاکسار کوئی ایسی چیز نہیں تھا جسے وہ بہت زیادہ اہمیت دیتیں، اس پر مکمل اعتبار کر چکی ہوں اور بڑے اطمینان سے اُسے گھر والا چھوڑ کر چلی گئی ہوں۔ کچھ نہ کچھ انتظامات تو ایسے ضرور کئے گئے ہوں گے جن کے تحت مجھ پر نگاہ رکھی جا سکے۔ چنانچہ خاموشی سے گھر والا بنا رہنا ہی صحیح تھا۔ جہاں تک فلم کا مسئلہ تھا، میں وہ فلم کسی کو بھی حوالے کر کے اپنی گلو خلاصی چاہتا تھا۔ جب فلم مطلوبہ افراد کو مل جائے گی تو یقینی طور مجرموں کے ان گروہوں کو بھی اُس کے بارے میں معلوم ہو جائے گا اور پھر وہ اس فلم کے حصول کا تصور چھوڑ دیں گے اور ظاہر ہے اس کے بعد میری بھی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ چنانچہ فلم میں بخوشی لیسی جین گروجر کے حوالے کرنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن اُس کے ساتھ کلیسائے نورٹرڈیم میں جو دولت پوشیدہ تھی، اُسے میں اپنی ملکیت ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اب جو کچھ بھی سوچنا تھا، صرف اس انداز میں تھا کہ فلم سے جان چھڑائی جائے اور وہ دولت اپنے قبضے میں کر کے پیرس سے بھاگ نکلا جائے..... لیکن کیا اس کے لئے مجھے مواقع مل سکتے ہیں؟ اب صرف یہی ایک مسئلہ میرے ذہن میں تھا اور اس کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔

رات کو لیسی جین گروجر واپس آ گئی۔ بہت ہی مطمئن تھی۔ کہنے لگی۔ ''یوں لگتا ہے جیسے جن ابھی ایکسن ہی میں کھویا ہوا ہے۔ پیرس میں اُس کے نشانات نہیں ملتے۔ جن پوائنٹس کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی تھیں، اُن سب کو چیک کرا لیا ہے میں نے۔ شین کا بھی پتہ نہیں ہے۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں ڈیئر منصور! کہ شین یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ مجھے بھی ایکسن ہی کے ساتھیوں نے اغواء کر لیا ہے۔ اگر ایسا ہو تو لطف آ جائے۔ لیکن کیا تم مجھے یہ بتانا پسند نہیں کرو گے کہ وہ فلم تم نے کہاں چھپائی ہے؟''

''ڈیئر لیسی جین گروجر! کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ پہلے تم اپنے ایک مسئلے سے فارغ ہو جاؤ۔ اس کے بعد ہم خاموشی سے وہ فلم حاصل کریں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ فلم اُس کی جگہ سے ہٹائی جائے اور اُس کے بعد ہم پھر مصیبتوں کا شکار ہو جائیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم اپنے طور پر پہلے اُس کی تیاریاں مکمل کر لو۔''

''نہیں ڈیئر! میں تم سے متفق ہوں۔ بڑا اعتبار کرنے لگی ہوں تم پر۔ اور اب تو تم ہم سے الگ ہو ہی نہیں۔ میں بھلا تمہیں کہاں چھوڑنے والی ہوں؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ لیسی جین گروجر اپنے تمام الفاظ کا عملی ثبوت دیا کرتی تھی۔ بظاہر تو یہ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ مجھے واقعی اب کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گی.....

☆.....☆.....☆

بقیہ واقعات کے لئے جلد سوئم
''ہمزاد کی تلاش'' کا مطالعہ کریں

ہمزاد کی تلاش

ایم اے راحت
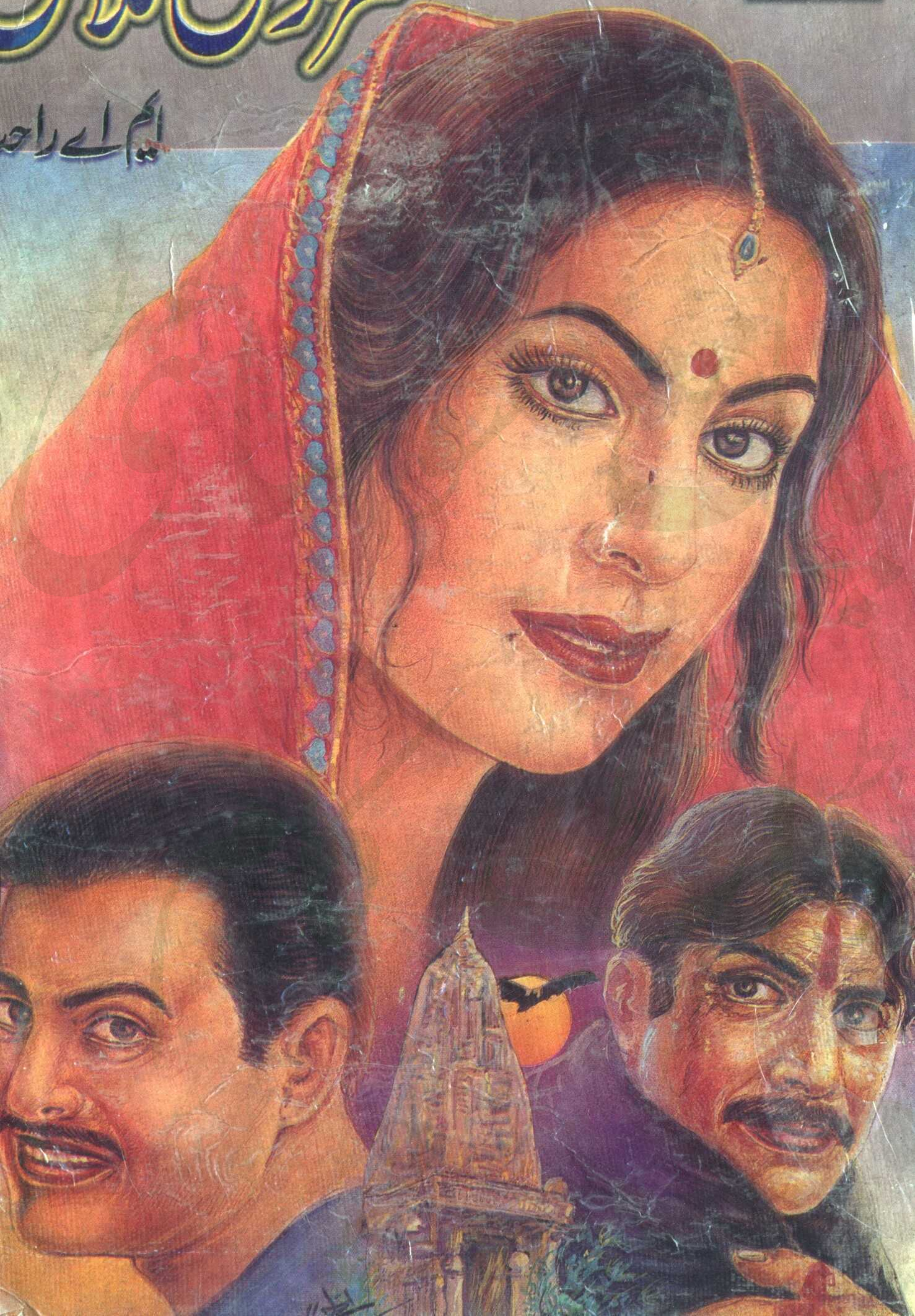
دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد وہ پھر چلی گئی۔ آج میں کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے ایک ملازم کو اشارہ کر کے اپنے قریب بلایا اور اُس سے کہا کہ کیا پیرس جانے کے لئے کار مل سکتی ہے؟

ملازم نے مؤدب لہجے میں کہا۔ ''کار موجود ہے جناب! میں ڈرائیور ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے کچھ ضروری کاموں سے چلنا ہے۔ میرا ساتھ دو۔''

ڈرائیور نے فوراً ہی ایک سرخ رنگ کی کار گیراج سے باہر نکال کھڑی کی اور میں اُس میں بیٹھ کر چل پڑا۔ یہ مسئلہ تو بہت ہی آسان نکلا۔ کیا لیسی جین گروجر بھی مکمل عورت ہی ہے؟ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا۔ ممکن ہے، ڈرائیور کو میرے سلسلے میں ہدایات دی جا چکی ہوں اور یہ کمبخت مجھے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دے۔ کوئی چکر ہی چلانا پڑے گا.....

براہِ راست کلیسائے نوٹرڈیم جانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں اُسے ایفل ٹاور لے گیا۔ ایفل ٹاور پہنچ کر میں نیچے اُترا اور ایک دور دراز گوشے میں جا کر میں نے ڈرائیور کو دیکھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کیا وہ میری جانب متوجہ ہے؟ لیکن ڈرائیور اطمینان سے دوسری کھڑکی کی جانب رُخ کئے باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا۔ مجھے سخت حیرت ہوئی۔ کیا کچھ اور لوگ بھی میری نگرانی پر مامور ہیں؟ اگر ہیں تو دیکھا جائے گا..... چنانچہ میں نے فوراً ہی ایک سڑک عبور کی اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو روک کر غڑاپ سے اس میں داخل ہو گیا..... ٹیکسی ڈرائیور سے میں نے آگے بڑھنے کے لئے کہا تھا۔ ٹیکسی میرے اشارے کی سمت چل پڑی۔ کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ سخت حیرت کا شکار تھا کہ میں اس آسانی سے لیسی جین گروجر کے چنگل سے نکل آیا ہوں..... پاگل عورت نے میری نگرانی کا بندوبست کیوں نہیں کیا؟ عقب میں بار بار دیکھ رہا تھا۔ گاڑیاں تو آ جا رہی تھیں لیکن کوئی

ایسی گاڑی نہیں تھی، جسے میں یہ سمجھ لوں کہ وہ صرف میری نگرانی پر مامور ہے..... پھر یہ ڈرائیور؟ میں نے سہمی ہوئی نگاہوں سے ڈرائیور کو دیکھا۔ لیکن ڈرائیور پرسکون چہرہ لئے آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ کافی دُور دراز علاقے میں جا کر میں نے ایک سنسان جگہ ٹیکسی رُکوائی۔ مجھے یہاں ایک کیفے نظر آ رہا تھا۔ میرے قدم اُس کی جانب بڑھ گئے۔ کیفے میں داخل ہونے کے بعد میں نے ایک گوشے میں میز منتخب کی۔ ویٹر کو کافی کا آرڈر دینے کے بعد کرسی کی پشت سے ٹک کر آنکھیں بند کر لیں اور اس سلسلے میں غور کرنے لگا۔ ذرا دیر بعد آہٹ محسوس کر کے میں نے آنکھیں کھول دیں۔ غالباً وہ کافی لے آیا تھا۔ لیکن کمبخت کا لباس..... میری نگاہیں آہستہ آہستہ اُس کے لباس کے ساتھ اُوپر اُٹھتی چلی گئیں۔ اور پھر بلندی پر جو چہرہ نظر آیا، اُسے دیکھ کر میں نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں اور اپنی کھوپڑی کو ہتھیلی سے ٹھوکنے لگا..... کیا حماقت ہے؟ یہ ویٹر تو نہیں ہے..... تب ہی میرے کانوں میں ایک آواز اُبھری۔

''کیوں..... مجھے دیکھ کر آنکھیں کیوں بند کر لیں ڈیئر؟''

اس آواز پر میں نے پھر آنکھیں کھول دی تھیں۔ واقعی یہ نظر کا واہمہ نہیں تھا۔ بلکہ جو کچھ میرے سامنے تھا، وہی تھا..... ہاں..... یہ لیری کوئین تھی۔ حسین لیری کوئین..... ایش کی کاک ٹیل کا ایک حصہ اور..... اور لیری کنگ کی بیٹی..... دل چاہا کہ قہقہے لگانے لگوں۔ میرا منہ کھلا اور بند ہو گیا.....

لیری کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔ ''یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے؟ کیا تم ایسے لوگوں میں گھرے ہوئے ہو جو تمہاری نگرانی کر رہے ہیں؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس آنکھیں پھاڑے اُسے گھورتا رہا۔ تب لیری نے کسی قدر برا ماننے والے انداز میں کہا۔ ''کیا ہو رہا ہے یہ؟ کیا تم مجھے دیکھ کر بددل ہو گئے ہو؟ کیا واقعی..... کیا واقعی.....؟''

اب میرے لئے سنبھلنا بے حد ضروری تھا۔ کھوپڑی کا تو اَب کوئی جواب ہی نہیں رہا تھا۔ ایسے ایسے جھٹکے برداشت کرنے کی عادی ہو گئی تھی۔ اگر اسے کسی پُل کی تعمیر میں استعمال کیا جاتا تو وہ پُل زندگی بھر خراب نہ ہوتا اور اُس پر سے ہیوی ٹریفک گزرتا رہتا۔ کیا لاجواب کھوپڑی تھی۔ دل چاہا کہ کھوپڑی کی شان میں دو چار قصیدے پڑھ لئے جائیں..... لیکن

بدقسمتی سے قصیدہ خوانی کبھی نہیں کر پایا تھا۔ بس! لیری کوئین کو گھورتا رہا۔

''ڈیئر مون! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

''اگر میں یہی سوال تم سے کروں تو؟''

''کیا مطلب؟''

''تمہیں کیا ہو گیا تھا؟''

''اوہ..... لمبی کہانی ہے۔ لیکن ہمیں یقین تھا کہ تم ہمیں پیرس ہی میں مل جاؤ گے۔ ڈیڈی پورے اعتماد سے یہ بات کہہ رہے تھے کہ مون اُن لوگوں میں سے نہیں ہے جو دھوکے باز ہوتے ہیں۔ ہم نے کبھی بھول کر بھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ تم ہمیں جُل دے کر نکل گئے ہو گے۔ بس! ہم اُن حالات کا انتظار کر رہے تھے، جن سے نمٹنے کے بعد تم ہم تک پہنچ جاؤ گے۔''

''جادو کا ڈنڈا دیکھا ہے تم نے؟'' میں نے سوال کیا۔

''یہ کیا چیز ہوتی ہے؟''

''بھائی الہ دین سے واقف ہو؟''

''کیا کہہ رہے ہو تم؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''اُس کے پاس ایک چراغ تھا، جسے گھسنے سے ایک جن برآمد ہوتا تھا۔ اور پھر وہ جن الہ دین کی تمام خواہشات کی تکمیل کر دیتا تھا۔ میرا خیال ہے تم الف لیلیٰ سے بہت متاثر ہو۔''

''کاش! میں تمہاری باتیں سمجھ سکتی۔'' لیری کوئین نے کہا۔ اور اُسی وقت ویٹر نے کافی لا کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ وہ سمجھدار آدمی تھا اور کافی کی دو پیالیاں ساتھ لایا تھا۔ لیری کافی بنانے لگی۔ مجھے اُس کے اس اطمینان پر حیرت تھی۔ اتنے عرصے کے بعد اور انتہائی غیر متوقع طور پر ملی تھی۔ لیکن یوں محسوس ہوتا تھا، جیسے یہ سب کچھ اُس کے لئے معمول کے مطابق ہو۔ جیسے اب تک وہ میری تمام کارروائیوں کو اپنی نگاہوں سے دیکھتی رہی ہو۔ کافی کی پیالی اُس نے میرے سامنے رکھی تو میں نے بے خیالی میں اُسے اُٹھا لیا۔ گرم گرم کافی ہونٹوں سے لگی تو ہوش و حواس درست ہو گئے اور میں جلدی سے کپ رکھ کر رُومال سے ہونٹ صاف کرنے لگا۔

لیری عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''ڈیئر مون! واقعی..... یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے مجھے دیکھ کر تمہارے اعصاب کشیدہ ہو گئے ہوں۔ میں کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہوں تمہارے بارے میں؟''

''ارے نہیں لیری ڈارلنگ! بس تم مجھے اپنی زندگی کا یقین دلا دو۔'' میں نے کہا اور لیری کوئین نے اپنی زندگی کا یقین دلانے کے لئے اپنا نرم و نازک ہاتھ میری کلائی پر رکھ دیا اور میں اندھوں کی طرح اُسے ٹٹولنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''ہو تو وہی۔ لیکن کہاں مر گئی تھیں؟''

''اوہ..... تم ناراض ہو؟'' لیری نے کہا۔

''جی نہیں۔ میری خوشیوں کی انتہا نہیں ہے۔ بڑے دن آپ نے مجھے آزادی بخش دی۔ میں کہتا ہوں ہوٹل سے کہاں چلے گئے تھے تم لوگ؟''

''ہوٹل سے کیوں؟ ہیڈن ولیج کی رہائش گاہ سے کیوں نہیں پوچھتے؟''

''چلو..... وہیں سے بتا دو۔''

''چار دن پولیس کی تحویل میں رہے تھے اور پولیس ہم سے ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی تھی۔ پھر نجانے کہاں سے اُسے ہمارے بارے میں کچھ غلط سن گن مل گئی۔ اور ہمیں لاک اَپ توڑ کر بھاگنا پڑا۔ ڈیڈی کے ہاتھوں تین پولیس مین ہلاک ہو گئے اور اس کے بعد تم سمجھ سکتے ہو کہ ہمیں کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ وہ تو شکر تھا کہ ہم لوگ ہلکے سے میک اَپ میں تھے اور میک اَپ تبدیل کرنے کے بعد اپنی اصلی شکل میں آ گئے۔ جس کی وجہ سے بچ گئے۔ ورنہ.....''

''آہ.....'' میں نے گہری سانس لی اور کافی کی پیالی دوبارہ اُٹھا کر ہونٹوں کے قریب کر لی۔ لیکن پچھلا تجربہ نہایت تلخ تھا۔ اس لئے اس بار جلد بازی کا ثبوت نہ دیا۔

لیری کہنے لگی۔ ''پھر ہم تمہاری تلاش میں سرگرداں رہے۔ ہوٹل تو فوراً ہی چھوڑنا پڑ گیا تھا۔ کیونکہ اب وہاں ہماری موجودگی خطرناک ہو سکتی تھی۔ پیرس کے ایک گندے سے محلے میں قیام کیا اور پھر مسلسل تمہاری تلاش مصروف رہے۔ ڈیڈی کا کہنا تھا کہ تم ذہین آدمی ہو۔ اس وقت ملو گے جب خطرات ٹل چکے ہوں گے۔ ویسے ڈیڈی کو تمہاری کارروائی کی مکمل رپورٹ مل چکی تھی۔ یعنی یہ کہ تم نے لائل بروڈی کو وہیں ہلاک کر دیا تھا، جوشین کا آدمی

تھا۔ اور اُس کے بعد وہاں سے نکل گئے تھے۔ لیکن جیمس پوکر وغیرہ ہمیں دستیاب نہیں ہو سکے۔ صرف ایک بات کا جواب دے دو ڈیئر مون! کیا فلم تمہارے قبضے میں ہے یا وہ تمہارے ہاتھ سے نکل گئی.....؟''

یہ سوال بڑی سنسنی خیز حیثیت کا حامل تھا۔ ایک طرف لیسی جین گروجر تھی اور دوسری جانب لیری کوئین..... دونوں ہی فلم کی جائز حق دار تھیں۔ کیونکہ دونوں ہی مجھے کاک ٹیل پلا چکی تھیں۔ فیصلہ یہ کرنا تھا کہ کون سی کاک ٹیل زیادہ پرلطف رہی؟ یا میرا مستقبل دونوں میں سے کس کے ہاتھوں میں زیادہ محفوظ ہے؟ اور یہ فیصلہ فوری طور پر کر لینا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن صورتِ حال ایسی تھی کہ فوری فیصلہ بھی ضروری تھا۔

لیری کوئین میری اس سرد مہری سے کچھ بے چین سی نظر آ رہی تھی۔ اور جب بے چینی اُس سے برداشت نہ ہو سکی تو اُس نے کہا۔ ''مون! میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کچھ پریشان سے ہو گئے ہو۔ کیا بات ہے؟ کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟''

''میں ابھی تک تمہارے وجود پر ہی یقین نہیں کر سکا لیری! تم اس طرح مجھ سے ملی ہو کہ جیسے میرا یہاں مل جانا تمہاری توقع کے مطابق ہو۔ اس کی وجہ بتاؤ پہلے مجھے۔''

تعجب ہے مون! یہ بات ہم لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ تم پیرس ہی میں ہو اور یقیناً ہماری تلاش میں سرگرداں ہو گے۔ ہم اگر اُلجھنوں کا شکار نہ ہوتے تو تمہیں پہلے ہی تلاش کر لیتے۔ میں اتفاقیہ طور پر یہاں نکل آئی تھی۔ لیکن میرا مشن تمہاری تلاش ہی تھا۔ تمہیں اس جگہ دیکھ کر مجھے جس قدر خوشی ہوئی، تمہاری سرد مہری یہ خوشی کم کر رہی ہے۔''

میں نے گہری نگاہوں سے لیری کوئین کا جائزہ لیا۔ اور بالآخر لیسی کو خدا حافظ کہہ دیا۔ ہاں! لیسی جین گروجر زیادہ شاطر تھی۔ جبکہ لیری کوئین ابھی جرم کی دُنیا میں نئی نئی داخل ہوئی تھی اور اتنی زیادہ پختہ نہیں ہوئی تھی۔ بعد میں یہ فیصلہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ فی الحال تو وہ فلم میرے لئے وبالِ جان بنی ہوئی تھی۔ لیری کے حوالے کرتا یا لیسی کے حوالے..... بات ایک ہی تھی۔ ویسے بعض معاملات میں لیری، لیسی سے بہتر تھی۔ کیونکہ لیسی نے یہ شرط بھی عائد کر دی تھی بلکہ اپنے طور پر یقین کر لیا تھا کہ اب میں اُس کے گروہ میں شامل ہو گیا ہوں۔ جب کہ لیری کوئین کے ہاں گنجائش تھی۔ لیسی کے گروہ میں شامل ہونے کا مطلب یہ تھا کہ شین سے براہِ راست معرکہ آرائی رہے، اور میں اُس جیسے خطرناک آدمی سے بھڑنا

نہیں چاہتا تھا۔ جب کہ لیری کے حوالے یہ فلم کرنے کے بعد بھی میں وہی سب کچھ کر سکتا تھا جو میرے ذہن میں تھا۔ یعنی راہِ فرار..... ٹھیک ہے۔ مجھے ان ہی کی مدد کرنی چاہئے۔ لیکن یہ رقم کا معاملہ؟ بظاہر مسٹر لیری کنگ بھی جرم کی دنیا کے شریف آدمی نظر آتے تھے۔ ممکن ہے، اُن کی نیت میری رقم پر خراب نہ ہو۔ بہرطور! جو کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا..... میں نے آخری فیصلہ کرلیا اور اُس کے بعد ویٹر کو بلا کر کافی کا بل بھی ادا کر دیا۔ پھر میں نے لیری سے پوچھا۔

''تمہارا قیام اس وقت کہاں ہے؟''

''میں نے کہا نا، ہم نے اپنے لئے ایک الگ جگہ بنا لی ہے، جو شبہے سے پاک ہے۔ مسٹر کنگ وہاں ایک بہت زیادہ بوڑھے آدمی کی حیثیت سے رہ رہے ہیں اور میں اُن کی بیٹی، اُن کے ساتھ رہتی ہوں۔ پڑوسیوں سے ہمارے کوئی تعلقات نہیں ہیں اور ہونے بھی نہیں چاہئیں تھے۔ کیونکہ ہم انتہائی سنگین حالات کا شکار ہیں۔''

''چلو..... باہر چلو۔'' میں نے کہا اور لیری کوئین کے ساتھ باہر نکل آیا۔

اُس کی گاڑی باہر موجود تھی۔ میں نے اُسے کلیسائے نورٹرڈیم چلنے کے لئے کہا اور وہ تعجب سے میری صورت دیکھنے لگی۔ اس وقت میں تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر خطرہ مول لینے پر تیار ہوگیا تھا۔ اونٹ کسی کروٹ تو بیٹھے۔ مجھے یہ احساس تو ہو کہ اب وہ فلم میرے پاس یا میری تحویل میں نہیں ہے۔ چنانچہ بس! ذہن کو چڑھ گئی اور میں لیری کے ساتھ کلیسائے نورٹرڈیم پہنچ گیا۔ لیری حیران ضرور تھی۔ لیکن یہ بات جان گئی تھی کہ یہاں آنا فلم ہی کے سلسلے میں ہے۔

میں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اُس حصے میں قدم رکھا جہاں میں نے فلم محفوظ کی تھی۔ لیری کوئین میرے ساتھ تھی۔ پھر میں نے بوسیدہ مجسمے میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولا اور میری آنکھیں پرسکون انداز میں بند ہوگئیں۔ میری محفوظ کردہ اشیاء وہیں موجود تھیں۔ میں نے انہیں وہاں سے نکال لیا۔ فلم کا رول میں نے لیری کے حوالے کیا تو اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور آنکھوں میں مسرت کی جھلکیاں تھیں۔

جب ہم کلیسائے نورٹرڈیم سے واپس پلٹ رہے تھے تو لیری نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہمارے اس پہلے سودے کی تکمیل ریڈ اسنیک کی ساکھ بحال کر دے گی اور میری

دیرینہ آرزو پوری ہو جائے گی۔ آہ..... مون! تم نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے، میں الفاظ میں اُس کا شکریہ نہیں ادا کرسکتی۔ کاش! میں تمہارے شایانِ شان کوئی صلہ دے سکوں.....''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کار سفر کرتی رہی۔ اور پھر پرانے پیرس کے ایک بوسیدہ علاقے میں پہنچ کر لیری کوئین نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ اور جواب میں ایک کانپتے ہوئے بدن والے بوڑھے نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن مجھے دیکھتے ہی اُس کی جسمانی قوتیں بحال ہوگئیں اور وہ اپنی عمر سے تقریباً پچیس سال پیچھے چلا گیا۔ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا تھا۔ میں تو اُسے نہیں پہچان سکا کیونکہ وہ میک اپ میں تھا۔ لیکن اُس نے مجھے پہچان لیا تھا۔ بوڑھے کے حلق سے مسٹر لیری کنگ کی آواز ہی بلند ہوئی تھی۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ہمیں دھوکہ نہیں دو گے۔ کیوں لیری! کیا تم میرے اس تجربے کو چیلنج کرسکتی ہو؟''

''نہیں ڈیڈی! آپ کو مسٹر مون پر جس قدر اعتماد تھا، واقعی وہ قابلِ حیرت ہے۔ لیکن اس اعتماد کے صلے میں مسٹر مون کا جواب، اُس سے بھی زیادہ حیرت ناک ہے۔ بہرطور! میں ابھی اس دنیا کو پوری طرح سمجھنے کے قابل نہیں ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ سمجھ لوں گی۔ البتہ وہ ترکیب آپ مجھے ضرور بتائیے، جس کے تحت لوگوں کو اس انداز میں پرکھا جا سکتا ہے۔''

دروازہ بند کر کے ہم لوگ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوگئے۔ فلیٹ میں پانچ کمرے تھے لیکن سب کے سب چھوٹے۔ تاہم پیرس جیسے شہر میں یہ جگہ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ ایک کمرے میں بٹھا کر مسٹر کنگ مجھ سے میری خیریت دریافت کرنے لگے اور لیری نے انتہائی مسرت کے عالم میں فلم اُن کے حوالے کر دی۔ مسٹر کنگ نے اپنے چکراتے ہوئے ذہن کو سنبھالنے کے لئے ہاتھ کی ہتھیلی ماتھے پر رکھ لی تھی۔ اور دیر تک آنکھیں بند کئے رہے تھے۔ پھر انہوں نے فلم اُٹھا کر دیکھی اور اپنا ہاتھ میرے بازو پر رکھ دیا۔

''یہ..... میری گردن پر تمہارا اتنا بڑا احسان ہے مون! کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔''

''یہی وہ فلم ہے جسے حاصل کرنے کے لئے نجانے کون کون سرگرداں تھا۔ لیکن آپ کے اطمینان پر مجھے حیرت تھی مسٹر کنگ! نجانے آپ اتنے سکون سے کیسے میری واپسی کا انتظار کرتے رہے؟ اور مزید حیرت مجھے خود پر ہے کہ میں کس طرح آپ کے پاس واپس

پہنچ گیا۔''

''تمہیں واپس تو آنا تھا ڈیئر مون! تمہیں یقیناً واپس آنا تھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ تم واپس نہ آؤ۔ اعتماد اور تجربہ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔''

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ مائی ڈیئر لیری کنگ! اسی لئے تم شین کے قیدی بنے رہے تھے کہ تمہیں اپنے تجربے پر ناز تھا۔ چند گھنٹے اور لیٹ ہو جاتے مجھ سے ملاقات کرنے میں تو تمہاری گردن میں صرف تجربے کا ڈھول لٹکا رہ جاتا، جسے بجانے کی کوئی چیز بھی تمہارے پاس نہ ہوتی۔ مگر خوش بختی، جس کا ساتھ بھی دے جائے۔ وہ لیسی کا ساتھ نہیں دے سکی تھی.....

تاہم مسٹر کنگ کو سنائی جانے والی کہانی میں یہ الفاظ شامل نہیں تھے کہ میں وہ فلم لیسی کو دینے کے لئے تیار تھا۔ میں نے ائل بروڈی کی موت کے بعد سے اپنے فرار پر ایکسن کے چنگل میں جا پھنسنے کی کہانی، اس کے بعد اپنا اغوا، شین کے قبضے میں پہنچ جانا اور لیسی جین روجر کی آمد، پھر اس کا ڈرامہ اور اس کے بعد سے اب تک کی تمام تفصیل مسٹر لیری کنگ کو سنا دی اور پھر حتمی لہجے میں کہا۔

''میں کسی سلسلے میں اب ایک قدم بھی اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جو کچھ میں کر چکا ہوں، وہ آپ کو بتا چکا ہوں مسٹر کنگ! اس کے بعد میں مکمل آرام چاہتا ہوں۔''

''اس بات سے کون انکار کرتا ہے؟ فی الحال یہ فلیٹ محفوظ جگہ ہے۔ کسی کا تصور بھی یہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے صرف دو دن کی مہلت دو۔ اور ان دنوں میں تم لیری کے ساتھ یہیں قیام کرو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اب لیری کے بھی باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہیں رہو۔ میں فلم کے سودے کی تکمیل کر کے ریڈ اسنیک کا اعلان کر دوں گا۔ تمہاری طرف کسی کی توجہ بھی نہیں جائے گی۔ اور اگر جائے گی بھی تو وہ تمہیں ریڈ اسنیک کا آدمی سمجھیں گے۔ ارے واہ! کیا خوبصورت طریقے سے اس کام کا آغاز ہوا ہے۔ کیا تم دونوں اب مجھے اجازت دو گے؟''

''او کے ڈیڈی!'' لیری کوئین نے پرمسرت انداز میں کہا۔

ان دونوں میں سے کسی نے میرے ہاتھ میں دبے ہوئے اُس بیگ کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، جس میں اس وقت بہت بڑی دولت پوشیدہ تھی۔ میں نے اُسے اُوپر وہیں

ایک طرف رکھ دیا۔ بہرطور! محبتیں اپنی جگہ اور کاروبار اپنی جگہ۔ اور اُس کے بعد میں لیری کی محبتوں کے سائے میں سانسیں لینے لگا۔ جو کچھ وہ میرے لئے کر سکتی تھی، وہ ان دنوں میں کرتی رہی تھی۔ اور میں بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر اس گندے سے فلیٹ میں اپنے آپ کو ضم کر چکا تھا کہ کم از کم یہ خالہ شہادت کی کھولی سے لاکھ درجے بہتر تھا اور میں دولت کے انبار پر بیٹھا ہوا تھا۔ کیا ہی سکون کی چیز ہے یہ شے بھی.....خرچ کرو یا نہ کرو۔ پاس ہو تو عمر بڑھ جاتی ہے۔ اور نہ ہو تو زندگی کے ماہ و سال چھوٹے چھوٹے نقطوں میں تبدیل ہو کر منتشر ہوتے رہتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے عمر صرف گزارنے کی شے ہو۔

تیسری رات مسٹر لیری کنگ واپس آئے تو اُن کا چہرہ جوشِ مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔ انہوں نے خوشخبری سنائی کہ فلم کا سودا مکمل ہو چکا ہے اور کل صبح اُس کی تکمیل ہو جائے گی۔ اس کے لئے ہمیں کوئی کاوش نہیں کرنی ہو گی۔ دوسرے دن کے لئے انہوں نے ایک چھوٹا سا پروگرام بتا دیا تھا۔ وہ رات ہی کو چلے گئے اور پروگرام کے مطابق ہم نے پیرس کے ایک معروف ہوٹل میں اُن سے ملاقات کی۔

مسٹر لیری کنگ سگار پیتے ہوئے ایک آرام کرسی پر دراز، ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کے انداز میں بڑا سکون تھا۔ کہنے لگے۔ ''رقم حاصل ہو گئی ہے۔ اور میرے دوست مون! تمہارے حصے کی ایک بہت بڑی رقم میرے پاس محفوظ ہے۔ اس سودے کی تکمیل کے بعد یوں سمجھ لو کہ ریڈ اسنیک اپنے وقت کی زبردست اہمیت حاصل کر چکا ہے اور چند ہی دنوں کے اندر اندر تم بے شمار اخبارات میں اس کا نام دیکھو گے۔ یہ سب کچھ تمہاری مدد سے ہوا ہے۔ میں اس بات کا دل سے اعتراف کرتا ہوں۔ ہاں! اب مجھے یہ بتاؤ کہ تم آئندہ کیا پروگرام رکھتے ہو؟ اگر ہمارے ساتھ شامل رہ کر ریڈ اسنیک کی عزت بڑھاتے رہو تو ہم تمہارا دلی شکریہ ادا کریں گے اور اگر اس سے چھٹکارا حاصل کر کے کہیں جانے کے خواہش مند ہو تب بھی تمہاری مدد کی جائے گی۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔''

میرے کچھ بولنے سے پہلے لیری کوئین بول اُٹھی۔ ''نہیں ڈیڈی! مون کہیں نہیں جائیں گے۔ اور اگر یہ جانے کی کوشش بھی کریں گے تو کیا ہم انہیں جانے دیں گے؟ ریڈ اسنیک نے نئی زندگی پائی ہے۔ اگر مون، ریڈ اسنیک کو بے بسی کی موت مارنا چاہتے ہیں تو پھر بھلا انہیں کون روک سکتا ہے.....کیوں مون؟ کیا تمہیں ہماری خوشیاں عزیز نہیں ہیں؟''

میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ بی بی! سب سے عزیز تو مجھے اپنی خوشیاں ہیں۔ لیکن کیا کروں؟ میرا کچھ بھی میرا اپنا نہیں ہے۔ ظاہر ہے تم سے لڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تاہم میں نے مسٹر کنگ سے اتنا ضرور کہا۔ ''ویسے تو آپ لوگ جو بھی پسند کریں گے، مجھے اس سے اختلاف نہیں ہوگا۔ لیکن کیا اب میرے لئے پیرس میں رہنا ممکن ہے؟ بلاشبہ مجھے آپ سب کی دوستی اور سہارے حاصل ہیں۔ لیکن دشمنوں کی جتنی بڑی تعداد میرے پیچھے ہے، اگر میں فرانس میں رہا تو شاید اُن کے ہاتھوں بچ نہ سکوں۔''

''مجھے بھی اس کا پورا پورا خیال ہے۔ لیسی جین گروجر کے علم میں یہ بات آ چکی ہے کہ ریڈ اسنیک نے بالآخر فلم کا سودا کرلیا ہے اور اب یقیناً وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوگی کہ تمہارا کوئی تعلق ریڈ اسنیک سے ضرور تھا اور تم نے اُسے بھی جُل دیا کیونکہ تم اُسے بتا چکے ہو کہ تم آرٹن ڈورل نہیں ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تم ایکسن گروہ کے چکر میں بھی آ چکے ہو اور دوسرے بہت سے کارنامے تمہارے نام سے وابستہ ہیں۔ وہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ تم نے نہایت کامیابی سے ہیڈن ولیج کے گھر سے وہ فلم حاصل کی۔ لائل بروڈی کو قتل کیا، وغیرہ وغیرہ..... چنانچہ اس صورت حال سے لیسی جین گروجر تمہاری طرف سے بد دل ہو چکی ہے۔ اور اب ظاہر ہے یہ صورت حال شین کو بھی معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ دونوں ہی کے عتاب کا نشانہ تم بنو گے۔ کیونکہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے اور تم ریڈ اسنیک کے نمائندے ہو۔ واہ..... کیا بات ہے۔ ریڈ اسنیک زندہ بھی ہوا تو اس شان کے ساتھ کہ دوسرے تمام، منہ دیکھتے رہ گئے۔ میرے دوست! کہنے کو تو میں تم سے بہت سی بڑی بڑی باتیں کہہ سکتا ہوں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم نے میری ناک اُونچی کر دی ہے۔ اور میں تمہارے اس احسان کا کوئی صلہ تمہیں نہیں دے سکتا۔ بہرحال! تم نے فرانس سے باہر جانے کی بات کی ہے۔ بے شک تمہیں فرانس سے باہر نکال دینا اب میرا سب سے پہلا کام ہے۔ کیونکہ میں تمہاری زندگی چاہتا ہوں اور تمہیں ان جھگڑوں میں ملوث نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے صرف تین دن کا وقت دو۔ میں تمہارے لئے کوئی بہتر صورتِ حال ترتیب دیئے دیتا ہوں۔ اپنے اس مشن سے فارغ ہو چکا ہوں اور جیسا کہ میں نے تم سے تمہارے حصے کے بارے میں کہا.....''

''نہیں مسٹر لیری کنگ! میں نے آپ پر مکمل اعتماد کرلیا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر آپ بار

بار نہیں کریں گے۔''

''اس کے باوجود میں یہ چاہوں گا کہ تمہاری پسند کے مطابق کسی جگہ تمہارا اکاؤنٹ کھول کر تمہارا حصہ وہاں منتقل کر دوں اور تمہیں اُسے ضرورت کے وقت حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔''

''میرے پاس بھی کچھ رقم موجود ہے۔ براہِ کرم یہ نہ پوچھئے کہ میں نے اُسے کہاں سے حاصل کیا؟ میں اس رقم کو بھی اُسی حصے کے ساتھ منتقل کرنے کا خواہش مند ہوں۔ آپ کو اس سلسلے میں بھی میری مدد کرنا ہوگی۔''

''کیوں نہیں..... یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟'' لیری کنگ جرم کی دنیا کا انسان تھا۔ لیکن نجانے کیوں اُس کے انداز سے ہمیشہ مجھے شرافت ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ پتہ نہیں یہ شخص مجرم کیوں بن گیا تھا؟

بہرطور! ان فضول باتوں میں سر کھپانے کا موقع نہیں تھا۔ میں نے لیری کنگ کو تین دن کا وقت دے دیا اور یہ تین دن لیری کوئین کی صحبت میں بہت ہی خوشگوار گزرے۔ لیری کنگ کی یہ عادت تھی کہ کسی کام میں مصروف ہوتا تو اُس وقت تک واپس نہیں آتا تھا جب تک اُس کی تکمیل نہ کر لے۔ تیسرا دن ختم ہوتے ہی شام کے تقریباً ساڑھے آٹھ بجے وہ واپس پہنچ گیا۔ انداز میں تھکا تھکا پن نمایاں تھا۔ کہنے لگا کہ ہم لوگوں نے رات کا کھانا تو نہیں کھایا؟ ہم لوگ کھانے کی تیاریاں ہی کر رہے تھے۔ لیری کنگ خاموشی سے ہمارے ساتھ ڈنر میں شریک ہوگیا۔ ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے تمباکو نوشی کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری ہدایت کے مطابق مسٹر مون! میں نے وہ ساری رقم ڈنمارک منتقل کر دی ہے۔ اور جو رقم تم نے مجھے دی تھی، وہ بھی۔ یہ اُس کے کاغذات ہیں۔'' اُس نے جیب سے بینک کے کاغذات نکال کر میرے سامنے ڈال دیئے۔ جو میں نے دیکھے بغیر جیب میں ٹھونس لئے۔ لیری کنگ نے اس بات پر اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ میں اُس پر مکمل اعتماد کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے ایک ہوائی ٹکٹ، میرا پاسپورٹ اور دوسرے شناختی کارڈ نکال کر میرے سامنے رکھے۔ میں نے ٹکٹ پر آلبرگ لکھا دیکھا تھا۔ گویا لیری کنگ نے میرے لئے ڈنمارک کا سفر منتخب کیا تھا۔ وہ گہری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

جب میری نگاہ اُس سے ملی تو میں نے شانے ہلاتے ہوئے اُس سے کہا۔ ''نہیں مسٹر لیری کنگ! آپ کا خدشہ بے بنیاد ہے۔ مجھے صرف فرانس سے نکلنا تھا۔ وہ جگہ ڈنمارک ہوتی یا کوئی اور، اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے۔''

''آلبرگ میں تمہیں ہر طرح کی آسانیاں حاصل ہوں گی۔ یہ فلائٹ جس سے تم سفر کرو گے، صبح ساڑھے دس بجے آلبرگ پہنچے گی اور وہاں پر تمہیں ہوٹل رومیو کا نمائندہ مل جائے گا۔ یہ فائیو سٹار ہوٹل بہترین ہوٹلوں میں شمار ہوتا ہے۔ رومیو پہنچنے کے بعد تم اطمینان سے اُس میں قیام کرو گے۔ ہم لوگ بھی چند روز کے اندر اندر پہنچ جائیں گے۔ ویسے اس دوران تم آلبرگ میں جس طرح چاہو، وقت گزار سکتے ہو۔ اپنے تحفظ کا خیال رکھنا۔''

''لیری کوئین میرے ساتھ کیوں نہیں جا رہی؟'' میں نے سوال کیا۔

''تمہارا یہ سوال توقع کے مطابق ہے۔ دراصل میں بے غرض انسان نہیں ہوں۔ اور پھر تم نے ریڈ اسنیک کی سرپرستی قبول کر لی ہے۔ چنانچہ تمہاری صلاحیتوں سے فائدہ نہ اُٹھانا بھی حماقت ہے۔ میں نے ایک ایسا کام تلاش کیا ہے، جس کی ابتداء ہمیں ڈنمارک سے کرنا ہوگی۔ اسی لئے میں نے تمہیں ڈنمارک منتقل کیا ہے۔ بقیہ معلومات کے لئے مجھے اور کوئین کو یہاں رُکنا پڑے گا۔ ہم ان معلومات کی تکمیل کے بعد ڈنمارک پہنچیں گے اور پھر وہاں سے اپنے کام کا آغاز کریں گے۔ ریڈ اسنیک کا دوسرا اہم کارنامہ تمہارا انتظار کر رہا ہے ڈیئر مون! اور مجھے یقین ہے کہ اس چند روزہ قیام کے بعد تم تروتازہ ہو جاؤ گے۔ کیا خیال ہے؟''

''ٹھیک ہے مسٹر کنگ! جیسا آپ پسند کریں۔'' میں نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ لیری کوئین کی غیر موجودگی میرے لئے کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ ایک طرح سے یہ میرے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔ کیونکہ میرے ذہن میں کچھ اور ہی تھا۔ تاہم میں نے یہی ظاہر کیا کہ جیسے لیری کوئین کے نہ جانے سے مجھے کوفت ہوئی ہو۔ لیری کنگ سے تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک گفتگو ہوتی رہی۔ اور اُس کے بعد میں سونے کے لئے چلا گیا۔

اگلے دن آلبرگ ایئر پورٹ پر میں نے رومیو کے اُس نمائندے کو نظر انداز کر دیا جس نے مجھ سے آ کر پوچھا تھا کہ جناب! کیا آپ کا نام مون ہے؟ میں نے معذرت کے انداز

میں گردن ہلائی اور نمائندہ سوری کہہ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں رومیو میں قیام کروں گا تو ریڈ اسنیک کی نگاہوں میں رہوں گا۔ اور کسی بھی لمحے وہ دونوں باپ بیٹی دوبارہ مجھ پر مسلط ہو جائیں گے۔ ڈنمارک آ تو گیا تھا لیکن اب ایک سیاح کی حیثیت سے یہاں وقت گزارنا چاہتا تھا۔ اور اُن لمحات کا انتظار کرنا چاہتا تھا جو مجھے یا تو ہمیشہ کے لئے آزادی بخش دیں یا پھر......اور اس کے آگے صرف ایک بڑا سا سوالیہ نشان تھا اور کچھ نہیں۔ چنانچہ میں نے وہاں رُکنے کی بجائے اپنے مخصوص انداز میں سفر شروع کر دیا اور کسی پاگل بیل کی مانند ناک کی سیدھ میں دوڑ پڑا اور ناک کی اس سیدھ نے مجھے اوڈنزے پہنچا دیا۔

چند دن میں نے اوڈنزے میں رہ کر کوپن ہیگن کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اور پھر دوسری منزل کوپن ہیگن ہی تھی۔ کوپن ہیگن پہنچنے کے لئے بس کا سہارا لینا پڑا۔ اور بالآخر میں اس حسین شہر میں داخل ہو گیا۔ یہ زندگی اب میرے لئے اجنبی نہیں رہی تھی۔ عملی زندگی میں تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان حسین وجمیل شہروں اور ملکوں کی سیر کروں گا۔ اور کچھ اس زندگی سے مجھے ملا ہو یا نہ ملا ہو، لیکن میں نے دنیا کا بہت بڑا حصہ دیکھ لیا تھا۔ کوپن ہیگن کسی زمانے میں ایک چھوٹی سی بندرگاہ تھی، جس نے ایک وسیع تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کر لی اور تاجروں کی بندرگاہ کہلائی۔ سینٹرل سٹیشن کے ساتھ ہی کوپن ہیگن کا صدیوں پرانا تفریحی پارک تیوالی ہے۔ تیوالی پارک کے صدر دروازے پر ڈنمارک کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اور اُس کے نیچے مختلف کھڑکیوں کے آگے ٹکٹ خریدنے والوں کے ہجوم لگے ہوئے تھے۔ میں نے بھی اس دلچسپی میں حصہ لیا۔ اور کرنا ہی کیا تھا؟ چنانچہ میں بھی ٹکٹ خرید کر باغ میں داخل ہو گیا۔ رات ڈیڑھ بجے میں تیوالی سے باہر نکل آیا اور ٹاؤن ہال کے پہلو میں جانے والی سڑک اسٹروگیٹ پر چل پڑا۔ یہ سڑک کوپن ہیگن میں خرید وفروخت کا سب سے بڑا مرکز ہے اور صرف پیدل چلنے والوں کے لئے مخصوص ہے۔ اتنی رات ہونے کے باوجود یہاں خوب رونق تھی۔ نائٹ کلبوں میں ہونے والی خوف ناک وارداتوں کی تصاویر آویزاں تھیں، جنہیں دیکھ کر نگاہیں شرم سے جھکی جا رہی تھیں۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ یورپ کے دوسرے ملکوں کی نسبت یہاں خاص طور سے اخلاقی قدروں کا کوئی گزر نہیں ہے۔ تھیٹروں اور نائٹ کلبوں کے سامنے تماشائیوں کے ہجوم تھے

اور وہ ان بے ہودگیوں میں بہت زیادہ دلچسپیوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

ایک بک سٹال کے قریب میں نے ایک دُبلی پتلی جسامت اور لمبے قد کے مالک شخص کو دیکھا، جس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور مخصوص خدوخال اُسے جاپانی نسل کا کوئی باشندہ ظاہر کرتے تھے۔ باریک سی چونچ نما داڑھی اور باریک باریک مونچھوں کے ساتھ اُس کا چہرہ حماقتوں کا گہوارہ نظر آتا تھا۔ اس طرح شرما رہا تھا جیسے کسی نئی نویلی دُلہن کو سر بازار لا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔ اُس کے سامنے بک سٹال کے پیچھے کھڑی پینتالیس سالہ سیلز گرل اُسے دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس منظر نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی اور میں تفریحی انداز میں آگے بڑھ کر اُن کے قریب پہنچ گیا۔ جاپانی خدوخال کے شخص کو شاید میری قربت کا احساس ہوا۔ اُس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور جھینپے ہوئے سے انداز میں واپسی کے لئے مڑ گیا۔ نجانے کیوں مجھے اُس شخص سے دلچسپی سی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''اس میں شرمانے کی تو کوئی بات نہیں۔'' یہ جملہ میں نے انگریزی زبان میں ادا کیا تھا۔

وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''یہ سب کچھ..... یہ سب کچھ کتنا عجیب ہے؟ کتنا عجیب.....''

''مگر جاپان میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب باتیں ہوتی ہیں۔''

''ہوتی ہوں گی۔ میں نے کبھی جاپان نہیں دیکھا۔''

''کیا مطلب؟''

''میں کوریا کا باشندہ ہوں۔ میرا نام کیروسا ہے۔ بیل کیروسا..... مگر میری ماں جرمن تھی۔ دونوں نے مجھے اپنے اشتراک سے جنم دیا اور میری شناخت ہی میں کھو کر گم ہو گئے۔'' وہ کچھ ایسے لہجے میں بولا کہ مجھے اُس کے یہ الفاظ دلچسپ لگے۔

''مسٹر بیل کیروسا!'' میں نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں یہ سب کچھ تنہا نہیں دیکھ سکتا۔ بس! ایک عجیب سی شرم کا احساس ہوتا ہے۔''

''اس لئے کہ تمہاری رگوں میں تھوڑا ایشیائی خون موجود ہے۔''

''تھوڑا بہت کیوں؟ اچھا خاصہ کہو۔ تم نے اپنا نام نہیں بتایا دوست؟''

''تعلق میرا بھی ایشیاء ہی سے ہے۔ لیکن پہلے تم مجھے ایک بات بتا دو۔''

''یہاں سر عام..... رات کافی گزر چکی ہے۔ تاہم آؤ! کہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ میں بھی دوست بنانے کے معاملے میں بہت ہی احمق ہوں۔ اگر کوئی خود ہی آگے بڑھ کر مجھ سے دوستی کا ہاتھ ملا لے تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ میری اتنی جرات نہیں ہوتی کہ میں خود.....''

''اوہ..... ویسے میرا نام مون ہے مسٹر کیروسا!'' ہم دونوں ایک چھوٹے سے ریستوران میں جا بیٹھے۔ کیروسا نے کافی طلب کر لی تھی۔ ویسے بھی رات گزاری کے لئے تنہائی مناسب تھی۔

اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''سنا ہے یہاں کے نائٹ کلب..... کیا تم نے باہر لگی ہوئی تصویریں دیکھیں؟''

''تمہیں ان تصویروں سے دلچسپی محسوس ہوئی؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں..... بس! میں نے یہ سب کچھ بہت کم دیکھا ہے۔ دیکھتا ہوں تو عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ لیکن میں ان جھگڑوں میں بہت زیادہ نہیں پڑنا چاہتا۔ میری کمپنی نے ایک خاص کام سے مجھے کوپن ہیگن بھیجا ہے۔ اس کی تکمیل میں کچھ وقت لگے گا۔ لیکن میں کوپن ہیگن کی تفریحات میں تنہا تو حصہ لے ہی نہیں سکتا۔ ویسے کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا مسٹر مون! کہ ہم دونوں دوستی کر لیں؟ دیکھو! تفریحات میں گندگی کا میں بھی قائل نہیں ہوں۔ اور تم بھی ایشیائی ہو۔ ہم دونوں کی اچھی گزرے گی۔ ویسے بھی کافی دن تک کوپن ہیگن میں رہوں گا۔ تم اگر میرا ساتھ دو تو مجھے خوشی ہوگی۔ میرے ہوٹل میں میرے پاس ڈبل رُوم ہے۔ اگر تم پسند کرو تو.....''

میں نے فوراً ہی اس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا اور اُس کی دوستی قبول کر لی۔ بیل کیروسا دلچسپ آدمی تھا۔ اُس کی باتوں میں کبھی کبھی گہرا فلسفہ جھلکنے لگتا جس سے یہ احساس ہوتا کہ وہ بہت قابل آدمی ہے۔ اور کبھی اُس کے انداز میں ایسی بچگانہ معصومیت پیدا ہو جاتی کہ اُس کی شخصیت مضحکہ خیز لگنے لگتی۔ ویسے اتفاقیہ دریافت تھی۔ چنانچہ ہمیشہ کی مانند اس بار بھی میں نے یہی سوچا کہ وہ غلط آدمی نہیں ہے۔

صبح ہونے میں شاید کچھ ہی لمحات باقی تھے جب میں اُس کے ساتھ اُس کے ہوٹل میں داخل ہوا۔ ڈبل رُوم بہت شاندار تھا۔ بیل کیروسا نے غسل خانے کی طرف بڑھتے ہوئے

کہا۔ ''میں بس دومنٹ میں باہر نکل آتا ہوں۔ اس کے بعد تم چاہو تو غسل کر لینا۔ ویسے کیا تم نے یہاں کوئی کمرہ نہیں حاصل کیا تھا؟''

''ابھی تک نہیں۔ تیوالی پارک کی دلچسپیوں نے مجھے خود میں گم کر لیا تھا۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ دن کی روشنی میں اپنے لئے قیام گاہ تلاش کروں گا۔''

وہ ہنستا ہوا غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ اور پھر تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکتا ہوا بولا۔ ''لیکن وقت نے دن کی روشنی سے پہلے ہی تمہیں، تمہاری قیام گاہ تک پہنچا دیا۔'' اُس نے اندر منہ کر کے دروازہ بند کر لیا۔

یہ الفاظ وہ بعد میں بھی ادا کر سکتا تھا۔ لیکن یہی اُس کی معصومیت تھی۔ میں نے کمرے کا جائزہ لیا اور جوتے اُتار دیئے اور اپنے لباس کو آسان کرنے لگا۔ پھر جب بیل کیروسا واپس آیا تو میں غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ ہم صبح تک کھاتے پیتے رہے تھے۔ اس لئے ناشتے کی گنجائش نہیں تھی۔ اُس نے غسل کے بعد مجھ سے ناشتے کے بارے میں پوچھا تو میں نے اس سے انکار کر دیا۔

''میں خود بھی کچھ کھانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ چنانچہ اس سے عمدہ اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ ہم کمرہ بند کر کے سو جائیں۔'' اُس نے دروازہ بند کیا اور بستر پر جا لیٹا۔

نہ جانے کب نیند آ گئی۔ اور نہ جانے کب جاگا۔ جاگا تو بیل کیروسا کمرے میں نہیں تھا۔ میری نگاہیں غسل خانے کی جانب اُٹھ گئیں۔ لیکن وہاں بھی خاموشی تھی۔ پھر میں نے دروازے کی جانب دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک عجیب سا خیال آیا اور میں نے پھرتی سے اپنے سامان کو دیکھا۔ میرے کاغذات وغیرہ جوں کے توں تھے اور کوئی ایسی چیز گم نہیں تھی جو میرے لئے باعث تشویش ہوتی۔

میں ہوٹل سے باہر نکل آیا اور پیدل سڑک پر چلنے لگا۔ لیکن ابھی زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ دفعتہً چند افراد میرے قریب پہنچ گئے۔ اُن میں سے ایک نے میری کمر پر کوئی چیز چبھوتے ہوئے کہا۔ ''سڑک بے شک بھری پڑی ہے۔ لیکن اگر سائلنسر لگے ریوالور کی نال سے تین گولیاں نکل کر تمہارے دل میں پیوست ہو جائیں تو ظاہر ہے تم لوگوں کو یہ بتانے کے لئے زندہ نہیں رہو گے کہ تم پر گولی کس نے چلائی ہے..... ہم لوگ آسانی سے منتشر ہو جائیں گے اور چونکہ فائر کی کوئی آواز نہیں ہو گی۔ اس لئے لوگ صرف اس وقت تمہاری

طرف متوجہ ہوں گے جب تمہارا خون اُبلتا ہوا بدن زمین پر تڑپ رہا ہو گا.....''

''واہ..... تم تو ایک اچھے خاصے مفکر معلوم ہوتے ہو۔ ایک ایسا خاکہ تم نے میرے سامنے پیش کیا ہے جو حقیقت سے بہت قریب ہے۔ لیکن اگر میرے دوست! میں ان گولیوں سے بچنا چاہوں تو مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''صرف سڑک پار کرنا ہو گی۔ لیکن خاموشی کے ساتھ.....'' اُس شخص نے بھی مسکراتے ہوئے اس طرح دوستانہ انداز میں کہا تھا جیسے مجھے کسی حسین لڑکی کے بارے میں بتا رہا ہو۔

میں نے خوش ہو کر کہا۔ ''یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ زندگی بچانے کا اتنا آسان نسخہ.....؟''

لیکن سڑک عبور کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہ نسخہ اتنا آسان نہیں تھا۔ کیونکہ سیاہ رنگ کی وہ مرسڈیز دروازہ کھولے ہوئے میرے انتظار میں تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ کمبخت تین آدمی پچھلی نشست پر میرے ساتھ لگ گئے اور چونکہ اُن کا جسم اچھا خاصا تھا اس لئے میرا جسم سینڈوچ بن گیا۔ چوتھا آدمی ڈرائیور کے برابر دروازہ کھول کر بیٹھ گیا تھا۔

ڈرائیور نے مرسڈیز آگے بڑھا دی اور میں گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ پھر میں نے اپنے بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔ ''سینڈوچ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''مجبوری ہے۔'' اُس نے منہ سکیڑ کر کہا۔

''نہیں نہیں..... سینڈوچ کوئی مجبوری نہیں ہے بلکہ اچھی خاصی چیز ہے۔ جسے بوقت ضرورت.....''

''بکواس بند کرو۔ اگر تم ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کرانا چاہتے ہو تو اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔''

''ویسے تم سب کی شکلیں انتہائی منحوس ہیں۔ کون سے ملک سے تعلق ہے تمہارا؟ میں نے کہا اور میرے دائیں سمت بیٹھے ہوئے شخص نے ذرا سی کہنی اُوپر اُٹھا کر میری پسلی میں چبھو دی۔ ہاتھ تھا کہ فولاد کا ٹکڑا..... مجھے خاصی تکلیف ہوئی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''آرام سے بیٹھو..... ہمیں بکواس پسند نہیں ہے۔''

''کمال ہے۔ نہ تمہیں سینڈوچ پسند ہے نہ بکواس.....'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر آرام سے بیٹھ گیا۔لیکن یہ آرام میرے لئے کتنا تکلیف دہ تھا.....میں ہی جانتا تھا۔ میں نے سڑکوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کیونکہ کوپن ہیگن کی سڑکوں سے میں بالکل واقف نہیں تھا۔ نہ جانے کتنی بار دائیں اور بائیں گھومنے کے بعد کار ایک عمارت میں داخل ہوگئی جو باہر سے کافی حسین نظر آرہی تھی۔ عمارت میں داخل ہونے کے بعد کار رُکی اور جب مجھے باہر نکالا گیا تو میں گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

''ٹھہرو..... پہلے میں اپنی جسامت بحال کرلوں اس کے بعد تم لوگوں کے ساتھ آگے بڑھنا مناسب ہوگا۔'' میں نے کہا۔لیکن پیچھے سے مجھے کالر پکڑ کر دھکا دے دیا گیا اور میں اوندھے منہ گرتے گرتے بچا۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان پانچ مصیبتوں کو کون سے رجسٹر میں درج کروں؟تعلق کس سے ہے؟ کیوں مجھے یہاں لائے ہیں؟ ابھی کچھ نہیں معلوم تھا۔ سر پر مکھی بھنبھنا رہی تھی۔ وہی بد بخت مکھی.....جو مجھے میری تقدیر کی آنے والی تاریکی کا پتہ بتا دیتی تھی۔ ہاں! یہ حقیقت ہی تو تھی۔ جب بھی کسی جال میں پھنستا تھا، یہ آواز ضرور سنائی دیتی تھی۔مکھی کی سی بھنبھناہٹ.....لیکن آج پہلی بار میں نے یہ بھنبھناہٹ محسوس کی تھی۔ ممکن ہے کوئی مکھی ناک کے راستے دماغ ہی میں گھس گئی ہو اور جب بھی میں مصیبت کا شکار ہوتا ہوں، وہ خود بھی عتاب میں گرفتار ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ کرب سے بھنبھناتی ہو یا میرے دماغ میں لگے ہوئے کسی ریڈار کا کمال تھا یہ جو مجھے آنے والے خطرات کا پتہ دیتا تھا۔ بہرطور! میں اسی بھنبھناہٹ کے سائے میں اُن کے ساتھ عمارت کے اندر داخل ہوا اور پھر جس کمرے میں مجھے پہنچایا گیا اُس کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔ سامنے ہی ایک کرسی پر بد بخت بیل کیروسا بندھا ہوا تھا۔ اور اُس کے چہرے پر مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ دل چاہا کہ پاؤں سے جوتا اُتار کر اُس پر پل پڑوں۔لعنت ہے اس کتے پر.....اگر زنخوں کی طرح بک سٹال پر لگی ہوئی تصویروں کو دیکھ کر نہ لپک رہا ہوتا تو بھلا میں اُس کی طرف متوجہ ہوتا؟ کیا ضرورت پڑی تھی مجھے کہ میں اس گدھے سے دوستی گانٹھتا اور اس کے ساتھ ہی قیام کرتا..... مجھے یقین ہوگیا کہ میری یہ گرفتاری بھی بیل کیروسا ہی کی گرفتاری کے بعد کا نتیجہ ہے۔ گویا اصل جرم بیل کیروسا کا تھا اور پھنس میں گیا تھا..... مجھے لانے والوں نے میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو بیل کیروسا کے ساتھ کیا تھا۔ وہ کمبخت

اتنے کھردرے اور سخت مزاج تھے کہ کچھ کہنے کی جرات نہیں ہو رہی تھی۔ اُس آہنی شخص کی آہنی کہنی مجھے یاد تھی جس نے اُسے میری پسلیوں میں گھسیڑ کر سوراخ کرنے کی کوشش کی تھی۔ یقیناً اُن کے ہاتھ پاؤں بھی اتنے ہی مضبوط ہوں گے۔ اور اگر میری کسی بات پر ناراض ہو کر انہوں نے اپنی قوت کا مظاہرہ کر دیا تو نتیجہ کیا ہوگا.....؟ چنانچہ میں نے خاموشی سے اپنے آپ کو بیل کیروسا کی کرسی کے ساتھ لگی ہوئی کرسی سے بندھوا لیا۔ بیل کیروسا کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آرہے تھے۔ باندھنے والے مجھے بھی باندھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

''تو یہ بات تھی۔'' میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔لیکن بیل کیروسا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے سامنے دیکھتا رہا تھا۔''اگر مجھ پر یہ عتاب تمہاری وجہ سے نازل ہوا ہے بیل کیروسا! تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں تو یہ سوچ کر یہاں داخل ہوا تھا کہ اب زندگی کی مصیبتوں سے نجات پا چکا ہوں۔لیکن.....لیکن بیل کیروسا کتے! تیری وجہ سے مجھے بھی پھنسنا پڑا۔ میں پوچھتا ہوں معاملہ کیا ہے؟ کس مصیبت میں گرفتار ہے تو؟ کیا لے کر بھاگا تھا ان لوگوں کا؟ خدا تجھے غارت کرے۔ خدا کرے کیڑے پڑیں تیرے.....ارے تو مر جائے اللہ کرے.....'' میں دانت کلکا کلکا کر اُسے اُردو میں کوسنے لگا۔لیکن ظاہر ہے اُردو، بیل کیروسا کی کھوپڑی کے اُوپر سے گزر رہی ہوگی۔ چنانچہ اُس نے میری کسی بات کا برا نہیں مانا تھا۔ بلکہ یوں لگتا تھا جیسے اُس نے میرے الفاظ سُنے ہی نہ ہوں۔ بلکہ یوں بھی لگتا تھا جیسے اُسے میری یہاں آمد کا علم ہی نہ ہو۔ اُس کی اس بے نیازی نے مجھے اور مشتعل کر دیا تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔''بد بخت آدمی! کم از کم مجھے صورت حال سے تو آگاہ کر دے۔تیری ہی وجہ سے میں بھی مصیبت کا شکار ہوا ہوں۔ مجھے یہ تو بتا دے کہ تو کوئی مجرم ہے اور پولیس کے قبضے میں ہے یا کوئی اور مسئلہ ہے.....؟''

کیروسا نے میری طرف دیکھا ہی تھا کہ دفعتہً دروازہ کھلا اور چند افراد اندر داخل ہو گئے۔اُن میں ایک طویل القامت گینڈا تھا، جس کا وزن تین سو پونڈ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی ہوگا۔سر کے بال غائب تھے اور سر پر جگہ جگہ گومڑ سے اُبھرے ہوئے تھے۔ دوسرا ایک درمیانی جسامت کا آدمی تھا۔ تیسرے کی شخصیت میں سب سے نمایاں چیز اُس کی ناک تھی جو طوطے کی چونچ کی طرح خم کھا کر اُس کے پورے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ اور چوتھا

ایک پستہ قامت تھا۔ اُن کی عمریں تیس اور چالیس کے درمیان ہوں گی۔ انہیں دیکھ کر بیل کیروسا کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے بلکہ انہوں نے کیروسا کو کرسی سے کھول لیا۔ اور اس کے بعد اُنہوں نے اُس کا لباس تار تار کر کے اُس کے بدن سے اُتار دیا..... غالباً لباس اُتارنے کے لئے ہی اُسے کھولا گیا تھا کیونکہ اس کے فوراً بعد اُنہوں نے اُسے کرسی کے ساتھ باندھ دیا۔ اور پھر دفعتہً میری آنکھیں بند ہوگئیں حالانکہ ہزاروں وولٹ کے بلب کا رُخ میری جانب نہیں تھا۔ لیکن مجھے یوں ہی محسوس ہوا تھا جیسے تاریکیوں میں سورج اُبھر آیا ہو۔ چاندی جیسے چمکتے ہوئے پیالے میں یہ انتہائی طاقت ور بلب صحرا کی دوپہر میں سورج کی مانند معلوم ہو رہا تھا اور کمرے کی فضا میں تپش سی پیدا ہوگئی تھی۔ روشنی کی کرنیں ریت کے ذروں کی طرح آنکھوں میں چبھ رہی تھیں اور آنکھیں بند کرنے یا کھلی رکھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا رُخ بیل کیروسا کی جانب تھا اور بیل کیروسا بری طرح گردن پٹخ رہا تھا۔ تب اُن میں سے ایک نے آہستہ سے اُس سے سوال کیا۔

''کیا اب بھی تم اپنی زبان بند رکھو گے بیل کیروسا؟''

جواب میں بیل کیروسا نے ایک نہایت ہی بدبودار گالی انہیں دی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس نے پوری قوت سے اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کر جھٹک دیا۔ پہلا جوتا تو بے مقصد رہا۔ لیکن دوسرا بلب میں جا لگا اور چھناکے کے ساتھ بلب ٹوٹ گیا۔ وہ لوگ تیز روشنی سے گہری تاریکی میں آ گئے تھے اس لئے وہ بھی اندھے ہو گئے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد انہوں نے روشنی کر دی جو کمرے میں دوسرے بلبوں کی تھی۔ اور اس کے بعد بیل کیروسا کے پاؤں بھی باندھ دیئے گئے لیکن اس حرکت کے جواب میں انہوں نے بیل کیروسا کے ساتھ کوئی تشدد کی کارروائی نہیں کی تھی۔ چند لمحات خاموشی رہی۔ اور وہ لوگ بیل کیروسا کو گھورتے رہے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اتنی ہی قوت کا دوسرا بلب لا کر اُس پیالے میں لگا دیا گیا اور اُس کی روشنی بیل کیروسا کے سامنے کر دی گئی۔

میں نے گڑگڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔ ''دوستو! اگر تم مجھے اس شخص کا ساتھی سمجھتے ہو تو یہ تمہاری حماقت ہے۔ تم اس سے پوچھ لو اور اگر اس کی بات پر یقین نہ کرو تو مجھ پر یقین کر لو کہ میں تو ایک غیر متعلق آدمی ہوں۔ بدقسمتی کہ پچھلی رات میری اس سے ملاقات تیوالی

میں ہوئی تھی اور وہاں سے اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی۔ چونکہ میں نے کسی ہوٹل کا انتخاب نہیں کیا تھا اس لئے میں اس کے ساتھ.....''

میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کر دیا اور پھر مجھے خاموش رہنے کی تلقین کی گئی۔ میں نے بلبلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''ظاہر ہے تم جیسے کتے میرے ساتھ یہی سلوک کر سکتے ہیں۔''

لیکن انہوں نے میری بڑبڑاہٹ کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ پھر بیل کیروسا کی جانب متوجہ ہو گئے اور انہوں نے اس سے کہا۔ ''تمہاری آنکھیں ہمیشہ کے لئے اپنی بینائی کھو بیٹھیں گی بیل کیروسا! اور تم جانتے ہو کہ اس طرح تم ساری زندگی دوبارہ اپنی بینائی نہیں پا سکو گے۔ یہ بلب اس وقت تک تمہاری آنکھوں کے سامنے روشن رہے گا جب تک تم اپنی زبان نہیں کھول دو گے۔''

بیل کیروسا نے زبان کھولی اور کچھ نئی قسم کی گالیاں میرے علم میں آئیں جو غالباً جرمن اور جاپان کی کسی خاص اشترا کی کیفیت کا اظہار کرتی تھیں۔ لیکن وہ لوگ گالیوں کا بالکل برا نہیں مانتے تھے اور انہیں سن کر اس طرح پرسکون رہتے تھے جیسے یہ گالیاں اُن کے کانوں کے لئے کسی عمدہ ٹانک کی حیثیت رکھتی ہوں۔ پھر وہ بیل کیروسا سے وہی گفتگو کرنے لگے اور میں نے چیخ کر کہا۔ ''کمبخت کے بچو! اگر گالیاں سننے کے ہی شوقین ہو تو ذرا میری طرف بھی توجہ دو۔ میں تمہیں انتہائی شاندار گالیاں سنا سکتا ہوں، دنیا کی کئی زبانوں میں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کم از کم میری کرسی کا رُخ ہی تبدیل کر دو.....''

نہ جانے کیوں یہ بات اُن کی سمجھ میں آ گئی تھی کہ ایک کی بجائے دو اندھے اُن کے لئے زیادہ سودمند نہیں ہوں گے۔ چنانچہ میری کرسی کا رُخ بدل دیا گیا۔ تیز روشنی میں کمرے کی ایک ایک چیز صاف نظر آ رہی تھی اور ان کم بختوں کے بھیانک سائے دیواروں پر لرز رہے تھے۔ وہ بیل کیروسا سے وہی ایک سوال دہراتے رہے۔ لیکن بیل کیروسا نے اس سلسلے میں کوئی جواب نہیں دیا۔ تب وہ اُسے وارننگ دے کر وہاں سے چلے گئے۔ میں بیل کیروسا کی اذیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ تیز بلب کی روشنی میں تھا۔ اور اب اُس کے پاؤں بھی بندھے ہوئے تھے۔ غالباً وہ کرسی جس پر بیل کیروسا بیٹھا ہوا تھا اپنی جگہ فکس تھی۔ کیونکہ میں نے بیل کیروسا کے حلق سے دہاڑیں سی نکلتی ہوئی سنی تھیں۔ وہ غالباً کرسی کا

رُخ بدلنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ تیز روشنی رُخ بدلنے کے باوجود میری آنکھوں کو سخت تکلیف دے رہی تھی۔ جبکہ بیل کیروسا تو اُس کی زد میں تھا۔ میں نے اُن لوگوں کے کمرے سے نکلنے کی آوازیں سن لی تھیں اوراس کے بعد بیل کیروسا کی جدوجہد کی آوازیں ہی محسوس کرتا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا۔'' بیل کیروسا! ان لوگوں نے مجھے کس سلسلے میں پکڑ لیا ہے؟'' لیکن بیل کیروسا مجھے میری، کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے اس نے اُن لوگوں کے سامنے بھی ضد کی تھی اور شدید اذیتیں برداشت کرتا رہا تھا۔ میری بات کا جواب دینے کے لئے اُسے کون مجبور کرسکتا تھا؟ اُسے صرف جھنجھلاہٹ ہوگی، اس بات پر کہ میں بلاوجہ ہی اس چکر میں شامل ہوگیا۔ جب اُس نے مجھے کافی سوالوں کے باوجود ایک باربھی جواب نہیں دیا تو میں نے خود ہی خاموشی اختیار کرلی۔ بیل کیروسا کے حلق سے ہلکی ہلکی کراہیں نکل رہی تھیں اور پھر یہ کراہیں دھاڑوں میں تبدیل ہوگئیں..... پھر وہ بری طرح چیخنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

'' آہ..... ہٹاؤ روشنی..... یہ روشنی میرے سامنے سے ہٹا دو۔ میں سب کچھ بتانے کے لئے تیار ہوں..... میں تمہیں سب کچھ بتانے کے لئے تیار ہوں.....''

میں نے چونک کر گردن گھمائی لیکن بیل کیروسا کی صورت نہیں دیکھ سکا۔ البتہ چند ہی لمحات کے بعد میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی اور پھر وہی آوازیں مجھے سنائی دینے لگیں جو تھوڑی دیر قبل اس کمرے میں گونج رہی تھیں۔ بیل کیروسا حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

''روشنی بند کردو..... روشنی بند کردو..... خدا کے لئے روشنی بند کردو۔''

اور پھر دفعتہً کمرہ تاریک ہوگیا۔ لیکن مدھم سی روشنی جلا دی گئی تھی تاکہ آنکھیں بالکل ہی ناکارہ نہ ہوجائیں۔ وہ لوگ غالباً بیل کیروسا کو کھول رہے تھے۔ پھر اُن میں سے وہی نرم آواز اُبھری۔

''بیل کیروسا! تمہیں پہلے ہی یہ بات مان لینی چاہئے تھی۔ بہرطور! آؤ ہمارے ساتھ۔ تم جانتے ہو کہ یہ دشمنی، دوستی میں بھی تبدیل ہوسکتی ہے۔''

''پیارے بھائی! کیا تم لوگ اب بھی میری بات نہیں سنو گے؟ میرے ساتھ کوئی رحم نہیں کیا جائے گا؟'' میں نے کہا۔

جواب میں واپس پلٹتے ہوئے اُن لوگوں میں سے کسی ایک نے ایک دھول میری گدی پر رسید کردی اور اُس کے بعد وہ باہر نکل گئے۔ میں تقدیر کو کوسنے کے علاوہ اور کیا کرسکتا تھا؟ یہ تقدیر ہی تو میری دشمن تھی۔ اب تو اُسے کچھ کہنا ہی بے کار لگتا تھا۔ خاموشی سے وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ اور پھر نہ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا..... میں بیٹھے بیٹھے غنودگی کا شکار ہوگیا تھا اوراس غنودگی کے عالم میں مجھے یہ بھی پتہ نہیں چل سکا کہ کب کون اندر آیا؟ بس! بازو میں ہلکی سی چبھن محسوس ہوئی تھی۔ اوراس کے بعد حواس رخصت ہوگئے تھے.....

☆.....☆.....☆

جب ہوش آیا تو میں نے کچھ عجیب سی صورت والی لڑکی کو بیٹھے دیکھا جو شکل ہی سے ہونق لگ رہی تھی۔ ٹھوڑی دونوں ہاتھوں پر ٹکائے بیٹھی، میری صورت دیکھ رہی تھی۔ میں نے زور سے آنکھیں بھینچیں اور سر جھٹکنے لگا۔ وہ دفعتہً ہنس پڑی۔ ''غالباً تم ہوش میں آنے کی کوشش کر رہے ہو۔''

میں سنبھل کر بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے عقب میں آوازیں اُبھرتی محسوس ہو رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا تو میری ذہنی کیفیت خراب ہونے لگی..... یہ تو کوئی باقاعدہ ہوٹل تھا۔ بلکہ اس کا ڈائننگ ہال۔ کیونکہ بے شمار لوگ میزوں پر بیٹھے کھانے پینے کی چیزوں سے شغل کر رہے تھے۔ میں خود بھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور وہ لڑکی..... وہ احمق اور بے وقوف لڑکی مجھے مسلسل گھورے جا رہی تھی۔ گزرے ہوئے واقعات میرے ذہن میں تازہ ہو گئے۔ جن لوگوں نے مجھے اتنی چالاکی سے بے ہوش کر کے یہاں لا بٹھایا ہے، وہ معمولی حیثیت کے مالک نہیں ہوں گے۔ بلاوجہ احمقانہ قسم کی جدوجہد کرنا مناسب نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ خود کو سنبھال کر اپنی راہ لوں..... سامان کمبخت بیل کیروسا کے ہوٹل کے کمرے میں تھا۔ تمام کاغذات وغیرہ بھی اسی میں تھے اور میں اُسے چھوڑ کر نہیں بھاگ سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ کم از کم بیل کیروسا کے ہوٹل جا کر اپنا سامان حاصل کر لینا چاہئے۔ لڑکی کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

''اچانک ہی تمہارا نشہ ٹوٹ گیا۔ کیا بات ہے؟''

''نشہ؟'' میں نے سوال کیا اور لڑکی پھر بے وقوفوں کی طرح ہنس پڑی۔ تب میں بھی مسکرا پڑا تھا۔

''یوں کرو تم تھوڑی دیر بیٹھی اسی طرح ہنستی رہو۔ میں باتھ روم سے واپس آتا ہوں۔'' اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر میں اُٹھ گیا۔ بظاہر میرا رُخ باتھ رُوم کی طرف تھا۔ جسے

میں نے اس دوران دیکھ لیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے نکاسی کا وہ دروازہ بھی دیکھا تھا جس سے لوگ آ، جا رہے تھے۔ چنانچہ باتھ رُوم میں داخل ہونے کی بجائے میں تیز رفتاری سے اُس دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور ایک پتلی سی گلی میں نکل آیا۔ غالباً یہ اُس ریستوران میں داخل ہونے کا عقبی دروازہ تھا۔ گلی کو میں نے دوڑ کر عبور کیا تھا اور پھر ایک سڑک پر پہنچ گیا تھا۔ سڑک پر تقریباً نصف فرلانگ پیدل چلنا پڑا۔ اور پھر ایک ٹیکسی دوڑتی ہوئی نظر آئی تو میں نے ہاتھ کا اشارہ کر کے اُسے روک لیا اور اُس میں بیٹھ کر ڈرائیور کو اُس ہوٹل کا پتہ بتا دیا جہاں بیل کیروسا کا قیام تھا۔

بیل کیروسا کے بارے میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس پر کیا بیتی؟ اُس نے روشنی کی اذیت سے مجبور ہو کر اُن لوگوں کو وہ راز بتانے کا وعدہ کر لیا تھا جسے وہ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ ظاہر ہے اُس کے بعد اُس کے ساتھ اچھا سلوک ہی کیا گیا ہو گا، بشرطیکہ بیل کیروسا کے ذریعے انہیں اُن کا مقصد حاصل ہو گیا ہو۔ ہوٹل کے کاؤنٹر سے میں نے بیل کیروسا کے کمرے کی چابی طلب کی اور پرسکون انداز میں کمرے کی جانب چل پڑا۔ میرے ذہن میں یہی پروگرام تھا کہ بیل کیروسا کے کمرے سے اپنے کاغذات اور اپنا سامان لے کر خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گا۔ کوپن ہیگن میں رُکنا ضروری تو نہیں ہے۔ کوئی بھی جگہ میری قیام گاہ بن سکتی ہے۔ فی الحال ڈنمارک سے نکلنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ میں نے کمرے کے دروازے میں چابی لگائی ہی تھی کہ دفعتہً مجھے عقب سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ پلٹ کر دیکھا تو جان نکل گئی..... پولیس کی وردی ویسے ہی اب میری بہت بڑی کمزوری بن گئی تھی۔ نہ جانے کون کون سے ملکوں میں اور کون کون سے شہروں میں پولیس کو میری تلاش تھی۔ کہیں بھی اگر رابطہ مل گیا تو جان بچانی تقریباً ناممکن ہو جائے گی۔ بہرطور! میں نے کمرے کا تالا کھول لیا تھا۔ ضروری تو نہیں ہے کہ پولیس والے میری ہی طرف آ رہے ہوں۔ لیکن آنکھیں بند کر لینے سے بلی نہیں بھاگ جاتی۔ کمرے کے دروازے سے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ پولیس والے بھی دندناتے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور میں سہمی ہوئی فاختہ کی مانند اُن کی صورت دیکھنے لگا۔ سامنے ہی ایک گدھ جیسی آنکھوں والا چالاک پولیس آفیسر نظر آ رہا تھا جو شاید آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے پھانسی دے رہا تھا۔ میں نے گھورتی نگاہوں سے اُسے دیکھا تو اُس نے اپنا شناختی کارڈ نکال کر میرے سامنے کر دیا۔

میں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''اس کی کیا ضرورت ہے آفیسر؟ آپ کی وردی ہی آپ؛
شخصیت کا اظہار کرتی ہے۔''

آفیسر نے جلدی سے شناختی کارڈ واپس جیب میں رکھ لیا تھا۔ پھر اُس نے مسکرا؛
ہوئے کہا۔ ''یقیناً..... یقیناً تم ٹھیک کہتے ہو۔ سوری مائی ڈیئر! دراصل میں تم سے بیل کیر؛
کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''براہِ کرم تشریف رکھئے آفیسر! خیریت؟ بیل کیروسا میرا دوست ہے۔ ہم دونوں ایک
ساتھ قیام کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟ وہ انتہا
شریف، نیک نفس اور شرمیلا آدمی ہے۔ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اُس کی فطرت میں کو
ایسی خامی نہیں ہے جسے معاشرے کا جرم کہا جا سکے۔''

''تم تقریر بہت اچھی کر لیتے ہو اور اس میں الفاظ بھی ٹھیک ٹھاک ہی استعمال کر
ہو۔ لیکن اگر تمہارے دوست بیل کیروسا کو کوئی قتل کر دے تو اس کی وجوہات تمہارے خیا
میں کیا ہو سکتی ہیں؟''

میں چونک پڑا تھا۔ مجھے بیل کیروسا کے قتل کی اطلاع ملنے کی اُمید نہیں تھی۔ میں تعج
بھری نگاہوں سے پولیس آفیسر کو دیکھنے لگا۔ اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں..
پُل میلوڈی کے نیچے پانی میں اُس کی لاش ملی ہے۔ اُسے پل سے نیچے پھینک دیا گیا ہے
اُس کی موت پانی میں گرنے سے واقع ہوئی ہے۔ پھر پانی کی لہروں نے اُسے کنارے
پھینک دیا۔ اُس کی جیب سے کچھ کاغذات برآمد ہوئے جن سے پتہ چلا کہ وہ اس ہوٹل؛
مقیم ہے اور اس کا نام بیل کیروسا ہے۔ ہوٹل سے پتہ چلا کہ تم بیل کیروسا کے ساتھ ر
ہو۔ ہمیں بیل کیروسا کی موت کی تفصیلات درکار ہیں۔'' انسپکٹر کی نگاہوں سے شبہ جھلک
تھا۔

دفعتہً ہی میں نے اُس کے سامنے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ یہی ترکیب ذہن میں
تھی۔ میں نے بیل کیروسا کی موت کے سلسلے میں جس قدر شور و غوغا کیا، اُسے سن کر ا
بھی بوکھلا گیا اور بدحواسی کے انداز میں مجھے تسلیاں دینے لگا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا
بیل کیروسا سے میرا کیا رشتہ ہے؟ میں نے فوراً ہی ایک کہانی گھڑ کر سنا دی۔ جس میں
نے اُسے بتایا کہ بیل کیروسا ہی میرا وہ واحد دوست اور سرپرست تھا جس نے مجھے

سے سہارا دیا تھا۔ میں نے انسپکٹر کو یہ بھی بتایا کہ وہ ایک کاروباری سلسلے میں یہاں آیا تھا اور
میں ہمیشہ کی مانند اُس کے ساتھ تھا۔ ہم الگ الگ سیر و سیاحت کرتے تھے۔ کیونکہ ہمارے
درمیان دوستی ہونے کے باوجود وہ بے تکلفی نہیں تھی جو دوستوں میں ہوتی ہے۔ بلکہ میں بیل
کیروسا کو اپنا بزرگ ہی سمجھتا تھا۔

انسپکٹر نے مجھے بتایا کہ بیل کیروسا کی لاش پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال میں ہے اور
مناسب کارروائی کے بعد اگر میں چاہوں تو لاش میرے حوالے کی جا سکتی ہے۔ میں نے
روتے ہوئے کہا کہ میں اپنے دوست سے جدا ہو چکا ہوں۔ اس کی تدفین میں ہی کروں
گا۔ اس کے بعد مجھے انسپکٹر کے ساتھ ہسپتال تک جانا پڑا تھا۔ یہاں میں نے بیل کیروسا کی
لاش اپنی آنکھوں سے دیکھی..... بری طرح مسخ ہو چکی تھی۔ میں نے جس قسم کی اداکاری کی
ابتداء کی تھی، وہ میرے لئے بہت معاون ثابت ہوئی تھی اور تمام ہمدردیاں مجھے حاصل ہو
گئی تھیں۔ انسپکٹر نے بعد میں مجھے پولیس سٹیشن لے جا کر میرا بیان لکھا اور اس کے بعد اُس
نے مجھ سے وعدہ کیا کہ لاش کے سلسلے میں وہ مجھے میرے ہوٹل ٹیلی فون کر دے گا تاکہ میں
لاش ہسپتال سے حاصل کر لوں..... ہسپتال میں پوسٹ مارٹم میں ابھی کچھ دیر لگنے والی تھی۔
پولیس سٹیشن سے میں ٹیکسی کر کے سیدھا ہوٹل پہنچا اور یہاں آ کر میں نے سب سے پہلے یہ
کام کیا کہ اپنے اہم کاغذات اپنے پاس محفوظ کر لئے۔ یہی شکر تھا کہ یہ کاغذات پولیس کے
ہاتھ نہیں لگے تھے۔ اس کے بعد ظاہر ہے میرا وہاں رُکنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں چھپتا
چھپاتا ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا ہوا سوچتا رہا کہ اب یہاں سے بھی
بھاگ نکلنا میرے لئے مناسب ہو گا۔ لیکن اس وقت میں ایک عمارت کے سامنے سے آگے
بڑھا ہی تھا کہ دفعتہً میں نے ایک کار اپنے سامنے رُکتی ہوئی دیکھی۔ اور یہ کار مجھے پہچاننے
میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ یہ وہی کار تھی جس میں مجھے اغواء کر کے لے جایا گیا تھا۔ نہ جانے
ذہن میں کیا سمائی کہ میں فوراً ہی ایک ٹیکسی کے پیچھے لپکا اور اُسے روک لیا۔ ٹیکسی ڈرائیور
نیگرو نسل کا تھا۔ اُس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا تو میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اس کار کا
پیچھا کرنا ہے۔''

ٹیکسی ڈرائیور نے گردن خم کی۔ غالباً ایسے کام اس کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ پھر جب
کار آگے بڑھی تو ٹیکسی ڈرائیور نے بھی ٹیکسی اُس کے پیچھے لگا دی۔ ویسے اُس کا تعاقب کرنا

کافی مشکل کام ثابت ہو رہا تھا۔ وہ سگنل اور ٹریفک قوانین کی پرواہ کئے بغیر چلے جا رہے
تھے۔ کار کئی بار میری نگاہوں سے اوجھل ہوئی مگر ڈرائیور ہوشیار تھا اور اُس نے اس کا پیچھا
نہیں چھوڑا۔ البتہ یہ اندازہ میں لگا چکا تھا کہ کار والوں کو ہمارے تعاقب کا علم نہیں ہو
ہے۔ بالآخر وہ ایک عمارت کے سامنے رُک گئی اور پیچھے بیٹھے ہوئے دونوں افراد نکل کر
عمارت میں داخل ہو گئے۔ ڈرائیور چند لمحات انتظار کرتا رہا، اور پھر کار لے کر وہاں سے
آگے بڑھا۔ مجھے اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ میں اس عمارت کا جائزہ لوں یا صرف ڈرائیور سے
صورت حال کے بارے میں معلومات حاصل کروں؟ ڈرائیور کی رفتار کافی تیز تھی۔ لیکن
نیگرو ٹیکسی ڈرائیور سڑکوں کا بادشاہ تھا۔ چنانچہ دوسرے ہی موڑ پر اُس نے اُس گاڑی کو جا لیا
اور ایک بار پھر وہ ہماری نگاہوں کے سامنے آ گئی..... مجھے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی۔
نکلا تھا اس پروگرام سے کہ یہاں سے کہیں فرار ہونے کی کوشش کروں گا اور لگ گیا ان
لوگوں کے پیچھے..... بظاہر اس کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ بس! سنک ہی سوار ہو گئی تھی۔ اور کیوں
نہ سوار ہوتی؟ میرا ذہن جس حد تک پراگندہ ہو چکا تھا، اس کے بعد کسی طرح کا تعین
میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ جب تقدیر اپنی مرضی سے مجھے گھوڑے کی طرح دوڑا رہی تھی
کبھی کبھی اس گھوڑے کا خود بھی دوڑنے کو جی چاہ سکتا ہے۔ اس وقت یہی کیفیت تھی۔
گاڑی ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ میں ٹیکسی میں بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ ڈرائیور نے سوالیہ نگاہوں
سے مجھے دیکھا تو میں نے چند کرنسی نوٹ اُس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ یہ اتنی مالیت کے تھے
کہ اس کے بعد ڈرائیور کو مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ اس نے اطمینان سے
اپنے سر پر پہنا ہوا کیپ چہرے پر ڈھک لیا اور اس کے نیچے سے بولا۔

''جب بھی میری ضرورت ہو جناب! صرف اُنگلی سے آہستہ سے کھٹکھٹا دیجئے۔ یوں
سمجھئے کہ میں ایک لمحہ نہیں ضائع کروں گا۔'' میں نے گردن ہلا دی۔

ڈرائیور خاموشی سے تقریباً ایک گھنٹے تک وہاں رُکا رہا تھا۔ پھر جب اُس نے کار
سٹارٹ کی تو میں نے ٹیکسی ڈرائیور کے کندھے کو ہلکا سا اشارہ کیا۔ فوراً ہی سیلف لگا اور ٹیکسی
سٹارٹ ہو گئی۔ نیگرو ڈرائیور بہت مستعد تھا۔ واپسی میں یہ کار اُسی جگہ پہنچی تھی جہاں اُس نے
اُن دونوں افراد کو چھوڑا تھا۔ ڈرائیور نے کار ایک جگہ پارک کی اور اس میں دراز ہو گیا۔
عجیب حماقت کی بات تھی جب یہیں آنا تھا تو بلاوجہ اتنا فاصلہ طے کر کے کہیں اور جانے کی

کیا ضرورت تھی؟ میں خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ اور جب اس انتظار سے مجھے تھکن ہونے
لگی تو میں نیچے اُترا۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔ میں اپنی کار سے آگے بڑھ کر ٹہلتا ہوا اُس کار
کے قریب جا پہنچا۔ ڈرائیور اطمینان سے آرام کرسی میں دراز تھا۔ میں نے پھرتی سے اُس کا
نزدیکی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اُس کی جیب میں ہاتھ
ڈال کر اُس کا پستول نکال لیا تھا۔ ڈرائیور چونک کر سنبھل گیا۔ میں نے پستول کی نال اُس
کی پیشانی سے لگاتے ہوئے کہا۔

''اگر کچھ کرنے کی کوشش کی دوست! تو اس کار کے خوب صورت کور تمہارے خون سے
رنگین ہو جائیں گے..... کیا سمجھے؟''

''مم مگر..... مگر تم تو..... تو تم.....''

''آگے بڑھو! یہاں سے آگے بڑھ جاؤ..... ہماری بقیہ گفتگو اس جگہ سے ہٹ کر ہو گی۔
لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے، اس پر ذرا توجہ رکھنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا مشن ادھورا رہ
جائے۔''

ڈرائیور نے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اُس کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر لرز رہے
تھے۔ تاہم اسٹیئرنگ اُس کے کنٹرول میں تھا۔ میں سڑک کے دونوں طرف نگاہیں دوڑا رہا
تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک ویران سڑک پر آ گئے۔ یہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔
میں نے ڈرائیور سے کار ایک طرف روک دینے کے لئے کہا اور اُس نے کار روک دی۔

''مجھے پہچانتے ہو ڈرائیور..... مجھے اغواء کرنے والوں میں تم بھی شامل تھے۔'' میں نے
کہا۔ ڈرائیور نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

''تمہارے اور بھی ساتھی تھے۔ میں انہیں بھی پہچانتا ہوں۔ اگر تم نے سچ بولا تو ممکن ہے
تمہاری جان بچ جائے۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''ینگ.....'' ڈرائیور نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا اور پھر بولا۔ ''مم..... مگر میں.....
میں تو صرف ایک ڈرائیور ہوں جناب! آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ ملازموں کو.....''

''جو کچھ میں پوچھ رہا ہوں، صرف اس کا جواب دو۔ اس کے علاوہ اور میں کچھ نہیں سننا
چاہتا۔''

''جج جناب..... فف..... فرمایئے.....'' وہ ہکلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بیل کیروسا سے تم لوگ کیا معلوم کرنا چاہتے تھے؟''

''ب بیل......بیل کیروسا! مم......میں تو کسی بیل کیروسا کو نہیں جانتا۔''

''میں اُس شخص کی بات کر رہا ہوں جو میرے ساتھ ہوٹل میں رہتا تھا۔ اور جب مجھے اغواء کر کے وہاں پہنچایا گیا تو وہ وہاں موجود تھا۔''

''اوہ......میں تو اُس کا نام بھی نہیں جانتا۔ لیکن......لیکن......''

''دیکھو ڈرائیور! اگر تم واقعی ڈرائیور ہو تو اس وقت تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ اپنی زندگی بچاؤ۔ باقی اگر تم موت کا مزہ چکھنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''آپ یقین کیجئے جناب! میں بالکل بے قصور ہوں۔ میری حیثیت ڈرائیور سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ مالکان کیا کرتے ہیں؟ اور اُن کا مقصد کیا ہے؟ بھلا یہ بات کسی ڈرائیور کو بتائی جا سکتی ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے......''

میں گہری نظروں سے ڈرائیور کا جائزہ لیتا رہا۔ پتہ نہیں کمبخت سچ بول رہا تھا یا جھوٹ......اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ ویسے یہ سب کچھ اضطراری طور پر ہی ہوا تھا۔ یا تو مجھ پر بیل کیروسا کی موت نے اثر کیا تھا یا پھر کوئی سنک ذہن پر سوار ہو گئی تھی۔ بھلا مجھے کیا پڑی تھی کہ اس سلسلے میں چھان بین کرتا۔

دفعتہً ہی ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اپنی اس فطرت کا اندازہ مجھے خود ہی ہونے لگا اور میں نے اپنے طور پر کچھ سوچا کہ آج تک یہی ہوا ہے کہ میں مصیبتوں سے بھاگتا رہا ہوں اور مصیبتیں میرا تعاقب کرتی رہی ہیں۔ اب میں ان الجھنوں سے بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ خود ہی الجھنوں کے ہجوم میں گھس کر اپنے لئے آگے کی راہیں کھولنے کو جی چاہ رہا تھا اور یہ طریقہ کار برا نہیں تھا۔ دیکھتا ہوں یہ حالات کب تک میرا تعاقب کرتے ہیں۔ اب میں خود ان کا تعاقب کروں گا......چنانچہ شاید یہی تصور لاشعوری طور پر مجھے ڈرائیور کے پیچھے لگا لایا تھا۔

سہما ہوا ڈرائیور میری صورت دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً ہی میں نے عقب سے کسی کار کے بریکوں کی چرچراہٹ محسوس کی اور اُچھل پڑا۔ نیلے رنگ کی ایک چھوٹی سی کار تھی۔ جس کا دروازہ کھول کر ایک لڑکی باہر نکل آئی۔ سیاہ سکرٹ اور سرخ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ چہرہ کچھ

عجیب سا تھا۔ لیکن دلکش خدوخال کی مالک تھی۔ نہ جانے کیوں یہ چہرہ کچھ جانا پہچانا سا محسوس ہوا۔ ایک لمحے کے بہت ہی کم حصے میں وہ ہمارے سر پر پہنچ گئی۔

''پیچھے ہٹ جاؤ! تمہارا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اُس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور میں بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ اُس کے ہاتھ میں دبے ہوئے ننھے سے پستول کو میں نے دیکھ لیا تھا۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر پستول کی نال ڈرائیور کی پیشانی پر رکھ دی اور اُس کا گریبان پکڑ کر اُسے پوری قوت سے باہر کھینچ لیا۔ ڈرائیور اوندھے منہ نیچے آ پڑا تھا......اُس نازک اندام سی لڑکی کے بدن میں یہ قوت دیکھ کر میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی تھی۔ اُس کے چہرے سے عجیب سی سفاکی ٹپک رہی تھی۔ پتہ نہیں کون ہے؟ لیکن اُس کے خدوخال مجھے جانے پہچانے کیوں محسوس ہو رہے ہیں؟ ڈرائیور کو لڑکی نے دو تین ٹھوکریں مار کر سیدھا کر دیا اور پھر پستول کی نال اُس کی پیشانی پر رکھ کر اُس کی جیبوں کی تلاشی لینے لگی۔ اُس نے اپنا ایک گھٹنا ڈرائیور کے سینے پر رکھ دیا تھا۔ ڈرائیور نے کوئی جدوجہد نہیں کی تھی۔ لڑکی نے سرسری انداز میں اُس کے بغلی ہولسٹر کو چیک کیا۔ لیکن ڈرائیور کا پستول تو اب میرے پاس تھا۔ لڑکی کو کچھ نہیں ملا۔ میں اگر چاہتا تو لڑکی کو روکنے کے لئے پستول کا سہارا لے سکتا تھا۔ لیکن مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ وہ ہے کون؟

لڑکی نے ڈرائیور کو ایک بار پھر گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا اور اُسے دھکا دے کر اپنی کار کی جانب بڑھنے لگی۔ پھر اُس نے ڈرائیور کو کار کی سیٹ پر بٹھایا اور خود اسٹیئرنگ پر بیٹھ گئی۔ پستول کا رُخ بڑی چالاکی سے اُس نے ڈرائیور کی طرف کر رکھا تھا۔ کار سٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ لیکن مجھے شدید حیرت تھی۔ لڑکی نے اس دوران مجھے اس طرح نظر انداز کیا تھا جیسے میرا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ حالانکہ پستول میرے پاس موجود تھا۔ لیکن ایسا احساس ہوتا تھا جیسے لڑکی جانتی ہے کہ میں اُس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کروں گا۔ نیلی کار نگاہوں سے اوجھل ہونے والی تھی کہ مجھے ہوش آ گیا اور دوسرے لمحے میں اُس کار کی جانب جھپٹا جو اُن لوگوں کی تھی اور جسے یہیں چھوڑ دیا گیا تھا۔ کار کے اگنیشن میں لگی ہوئی چابی صاف نظر آ گئی۔ میں نے پھرتی سے کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی اور دیوانوں کی طرح ڈرائیو کرتا ہوا بالآخر اُس کار کو پا لینے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ برق رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ اطراف میں اور کوئی ٹریفک نہیں تھا۔ میں تیزی سے تعاقب کرتا ہوا ایک ایسی

جگہ آ گیا جو مضافاتی ہو سکتی تھی۔ سامنے ہی ایک میدان نظر آ رہا تھا جہاں شہر بھر کا کوڑا کرکٹ لا کر پھینکا جاتا تھا۔ خالی بوتلوں اور ڈبوں سے لے کر ٹوٹی پھوٹی کاروں کے ڈھانچے، کاٹھ کباڑ، شیشوں کے ٹکڑے اور نہ جانے کیا کیا وہاں پڑا ہوا تھا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لڑکی اس طرف کیوں آئی ہے..... بالآخر اُس نے ایک جگہ کار روک دی۔ میں شدید حیران تھا۔ لڑکی کو بہرحال یہ اندازہ ہو ہی گیا ہوگا کہ میں اُس کا تعاقب کر رہا ہوں۔ لیکن وہ میری طرف متوجہ ہی نہیں ہو رہی تھی۔ پھر میں اپنی کار اُس کی کار سے دس گز کے فاصلے پر روک کر نیچے اُتر آیا۔ میں پستول ہاتھ میں لئے اُس کار کی چھت پر جس سے میں یہاں تک پہنچا تھا، کہنی رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکی نے ڈرائیور کو یہاں کار سے نیچے اُتار لیا تھا۔ کمبخت نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا تھا۔ نہ جانے کیوں اُسے میری طرف سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیور کو دیکھتی رہی اور ڈرائیور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا رہا۔

''بہتر یہ ہے کہ تم اپنی زبان کھول دو..... تمہیں زبان کھولنی پڑے گی۔ اور اگر.....''

''آپ یقین کریں مس! مم..... میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا۔ ابھی وہ صاحب بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھ رہے تھے۔ مم مگر میں تو بے گناہ ہوں۔ میں نے تو اُسے نہیں مارا..... میں تو بس! ڈرائیور کی حیثیت رکھتا ہوں۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ اس سے مجھے کبھی کوئی سروکار نہیں رہا۔'' ڈرائیور نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

لڑکی گہری نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''ان تینوں کے بارے میں مجھے بتاؤ! اُن کے نام کیا ہیں؟''

ڈرائیور نے تین نام دہرا دیئے تھے۔ میری سمجھ میں نہ تو نام آئے اور نہ اُن کے پتے۔ لیکن میں لڑکی کے سلگتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوششوں میں مصروف ہو۔

''انہوں نے اُسے کیوں قتل کیا؟'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ..... وہ مسٹر بیل کیروسا کے مشن کے مخالف تھے اور بیل کیروسا کی سرگرمیوں کو روکنا چاہتے تھے۔''

''اب وہ کہاں ہیں؟''

''میں نہیں جانتا۔ میں نے اُنہیں ایک عمارت میں چھوڑا تھا۔ اور وہیں سے انہیں لینا تھا۔ لیکن وہ صاحب..... میرا مطلب ہے وہ.....'' ڈرائیور نے میری طرف اشارہ کیا اور لڑکی کی نگاہیں صرف ایک لمحے کے لئے میری طرف اُٹھیں اور اسی لمحے ڈرائیور نے ایک طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ ڈرائیور کی یہ حرکت بالکل غیر متوقع تھی۔ لڑکی ایک لمحے میں سنبھل گئی اور اُس نے بھی ڈرائیور کے عقب میں چھلانگ لگا دی تھی۔ ڈرائیور کافی آگے نکل چکا تھا۔ لیکن لڑکی نے پستول کی گولی ڈرائیور کے دماغ میں اُتار دی..... اُس نے صرف ایک ہی فائر پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ پے در پے فائر کر کے اُس نے اپنا پورا پستول خالی کر دیا اور خونی نگاہوں سے دم توڑتے ہوئے ڈرائیور کو دیکھتی رہی۔ ڈرائیور نے دو چار بار ہاتھ پاؤں مار کر دم توڑ دیا تھا۔ میں اس پورے ڈرامے کا خاموش تماشائی بنا رہا تھا۔ لیکن مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ اب لڑکی میری طرف توجہ ضرور دے گی۔ چنانچہ مجھے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرنا تھا۔

وہ چند لمحات وہیں کھڑی رہی۔ پھر وہاں سے پلٹی۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ وہ لنگڑا رہی ہے۔ تب ہی میری نگاہ اُس کی پنڈلی پر پڑی جو زخمی تھی اور اُس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں اُس کے لئے ہمدردی کا جذبہ اُبھرا۔ یا تو یہ ہمدردی کا جذبہ تھا یا پھر میری شیطنت جواب باقاعدہ میرے ذہن میں سرایت کر گئی تھی۔ اور ہر وقت میری نگاہوں میں ایش کی متعارف کردہ کاک ٹیل گھومنے لگتی تھی۔ شاید اب میں کاک ٹیل کا عادی ہوتا جا رہا تھا..... میں نے جیب سے رُومال نکالا اور تیزی سے اُس کے قریب پہنچ گیا۔ لڑکی مجھے دیکھ کر ٹھٹکی۔

میں نے اُس کی پنڈلی کے زخم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''خون بہہ رہا ہے۔ اگر مجھے اجازت دو تو میں اس پر یہ رُومال کس دوں.....''

لڑکی رُک کر تھکی تھکی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اور پھر اُس نے گردن جھکا دی۔ میں نے اُس کے قریب بیٹھ کر اُس کے زخم پر رُومال کس دیا تھا۔ زخم خاصا گہرا تھا۔ اور شاید کچھ نسیں بھی کٹ گئی تھیں کیونکہ چند ہی منٹ کے بعد رُومال خون آلود ہو گیا تھا۔ میں نے لڑکی سے کہا۔

''اپنی کار کی چابی مجھے دے دو۔ یہ اُن لوگوں کی کار ہے۔ اسے یہیں چھوڑ دیتے ہیں۔

یہاں سے فوراً کسی ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ تمہارے پاؤں کی بینڈج کرانا بے حد ضروری ہے۔''

اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس! ایک لمحے کے لئے اُس کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات اُبھرے تھے۔ میں نے سہارے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو اُس نے اپنا سارا بوجھ میرے کندھے پر ڈال دیا اور اس بوجھ سے نہ جانے کیوں مجھے ایک خوشی کا سا احساس ہوا تھا۔ لڑکی شروع ہی سے مجھے اپنے دشمن کی حیثیت سے نظرانداز کرتی رہی تھی۔ گویا اُسے یقین تھا کہ میں جو کوئی بھی ہوں کم از کم اُسے نقصان پہنچانے کے درپے نہیں ہوں۔ میں کار کے قریب پہنچ گیا اور پھر میں نے اُسے احتیاط سے ڈرائیور سیٹ کے برابر بٹھا دیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ واپسی کے راستے میں ہم دونوں نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔

شہر کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ کر لڑکی نے کہا۔ ''وہ اُس طرف ہاسپٹل ہے۔ براہ کرم! گاڑی اُس طرف لے چلو۔''

میں نے خاموشی سے گاڑی ہسپتال کی جانب موڑ دی۔ ہسپتال کے خصوصی شعبے میں لڑکی کے زخم کی بینڈج کرائی گئی۔ ڈاکٹر سے ہم نے کہا تھا کہ اتفاقیہ طور پر ایک تیز دھار چیز سے پاؤں ٹکرا گیا، جس سے یہ گہرا زخم آیا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے نقاہت ہوگئی ہے۔ بہتر ہے کہ ہسپتال کے کسی کمرے میں ایک گھنٹہ آرام کرلیا جائے۔

میں نے لڑکی سے پوچھے بغیر ڈاکٹر سے کمرے کی تفصیلات حاصل کر لی تھیں اور پھر لڑکی کو لے جا کر کمرے میں لٹا دیا گیا۔ میں اس کے تیماردار کی حیثیت سے اُس کے ساتھ تھا۔ ہمارے درمیان اب تک مسلسل خاموشی تھی۔ اور اس بات کو ہم دونوں ہی محسوس کرتے رہے تھے۔ لیکن کسی نے بھی بولنے میں پہل نہیں کی تھی۔

جب نرس، لڑکی کو بستر پر منتقل کر کے باہر چلی گئی تو اُس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا پڑی۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔ ''میرا نام کیمی کیروسا ہے۔''

''اور مجھے لوگ مون کہتے ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''میں جانتی ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔ اور پھر دفعتہً خود ہی چونک پڑا۔ ''کیا نام بتایا تم نے، کیمی کیروسا؟''

''ہاں! بیل کیروسا میرا بھائی تھا۔'' کیمی نے آہستہ سے کہا۔ اور اب مجھے احساس ہوا کہ مجھے اُس کے خدوخال جانے پہچانے کیوں محسوس ہو رہے ہیں؟ کیمی کے چہرے میں بیل کیروسا کی جھلکیاں موجود تھیں۔ میں عجیب سی نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا۔

اُس کی آنکھوں کی کوروں سے آنسو پھوٹ پڑے۔ اُس نے ایک سسکی لی اور آہستہ سے بولی۔ ''ہاں! وہ میرا بھائی تھا۔ وہ.....وہ.....'' اُس کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔

میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا تھا۔ اب صورت حال میرے علم میں آئی تھی۔ چند لمحات مسلسل خاموشی رہی۔ فوراً ہی اُس سے یہ سوال کرنا مناسب نہیں تھا کہ بیل کیروسا کا مشن کیا ہے؟ بہرطور! مجھے اُس سے ہمدردی ہوگئی تھی۔ تب میں نے کہا۔ ''کیا تم بیل کیروسا کے ساتھ نہیں تھیں؟''

''نہیں..... میں خاموشی سے اُس کا تعاقب کر رہی تھی۔ وہ بہت ہی ضدی انسان تھا۔ عجیب وغریب شخصیت کا مالک..... یہ نہیں سوچتا تھا کہ وہ جو کام کرنے جا رہا ہے، اس میں اُسے کیا مشکلات پیش آ سکتی ہیں؟ اپنے آپ کو خطرات میں جھونک دینا اُس کی فطرت تھی۔ زیادہ سخت گیر بھی نہیں تھا۔ لڑائی بھڑائی سے بھاگتا تھا۔ لیکن.....لیکن.....'' وہ پھر سسک کر خاموش ہوگئی۔

''مجھے انتہائی افسوس ہے مس کیمی!''

''تم..... تمہارے بارے میں مجھے اندازہ تھا۔ تم اُسے تیوالی میں ملے تھے نا؟ اور پھر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ میں اُس کے ایک ایک قدم سے آگاہ ہوتی تھی۔ لیکن میری بدنصیبی! بس تھوڑی دیر کے لئے میں اُس سے جدا ہوگئی اور اس دوران وہ سب کچھ ہوگیا جس نے میرے بھائی کو مجھ سے چھین لیا..... کیا کرتی میں اس کے لئے..... کیسے اُسے روکتی ان فضول باتوں سے؟''

''کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گی کیمی کہ اصل مسئلہ کیا تھا؟''

''سب کچھ بیکار ہے۔ میں اپنے بھائی کا انتقام لینا چاہتی ہوں۔ میں..... میں اُس کے انتقام کے لئے تڑپ رہی ہوں۔ مجھے اُن لوگوں کا پتہ درکار ہے۔ وہ مجھے مل جائیں تو اُس کے بعد..... اُس کے بعد.....'' وہ خاموش ہوگئی۔ میں اُس کے چہرے پر لرزتے ہوئے سائے دیکھتا رہا۔ شدید غصے کا شکار ہوگئی تھی وہ۔ ویسے یہ اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ کافی

خطرناک لڑکی ہے۔ یقینی طور پر بیل کیروسا کے قاتلوں کو نقصان پہنچائے گی۔ لیکن اب میرا اُس کے ساتھ کیا کام تھا؟ کیمی نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد میری جانب نگاہیں اُٹھائیں اور بولی۔

''مگر تم کون ہو مون! اور تم.....''

''بس کیمی! ایک آوارہ گرد ہوں۔ ایک سیاح ہوں۔ دنیا گردی کرتا پھر رہا ہوں۔ اور تقدیر مجھے طرح طرح کے تماشے دکھا رہی ہے۔''

''میرا ساتھ دو گے؟'' اُس نے سوال کیا۔

''کیا چاہتی ہو مجھ سے؟''

''بس! اس انتقام میں میری مدد کرو..... مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر تم نے..... اگر تم نے میرا ساتھ دیا تو میں تازندگی تمہاری احسان مند رہوں گی۔ سمجھے؟ میں تنہا ہوں۔ اُس کے علاوہ کوئی سہارا نہیں تھا۔ اور اب اس کے بعد میرا اور کوئی سہارا نہیں ہے۔ مجھے بس اس وقت تک سہارا دو جب تک کہ میں اپنے بھائی کے قاتلوں سے انتقام نہ لے لوں۔ میں جانتی ہوں یہ آسان کام نہیں ہے۔ اور کوئی بھی شخص جو ایک امن پسند آدمی ہو، ایسے معاملات میں ٹانگ پھنسانا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ میں تم سے مدد کی درخواست کروں۔ بولو! میری مدد کرو گے؟''

میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں دل سے کچھ نہ کرنا بھی چاہوں تو حالات میرے کان پکڑ کر میرا رُخ اسی جانب کر دیں گے جدھر اُن کی مرضی ہو گی۔ چنانچہ محترمہ! میں تمہیں مایوس کیوں کروں؟ اب فیصلہ کرنے میں مجھے زیادہ دقتیں نہیں ہوتی تھیں۔ تاہم میں نے اپنا فیصلہ سنانے کے ساتھ ساتھ وہ اداکاری بھی کی جو اُسے متاثر کر سکتی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔

''مس کیمی! ہرچند کہ بیل کیروسا سے میرا زیادہ واسطہ نہیں رہا۔ بہت ہی مختصر ملاقات ہوئی تھی میری اُس سے۔ لیکن میں اپنی ذات سے ایک ایسی لڑکی کو مایوس نہیں کر سکتا جو اپنے بھائی کے قاتلوں سے انتقام لینا چاہتی ہے۔ میں خلوص دل سے تمہارا ساتھی ہوں۔ اور اطمینان رکھو! میرے لائق جو بھی خدمت تمہارے ذہن میں آئے گی، میں اُسے انجام دے کر خوشی محسوس کروں گا۔''

میں نے اپنے اُن پرجوش الفاظ کے تاثرات کیمی کے چہرے پر دیکھے۔ اُن کی آنکھوں میں ممنونیت کے جذبات اُبھر آئے تھے اور میں دل ہی دل میں اپنی تقدیر پر دانت پیس رہا تھا جو بہرطور! دنیا کی ہر چیز مجھے مہیا کر سکتی تھی، لیکن سکون نہیں دے سکتی تھی۔ کیمی ان الفاظ کے بعد میری گرویدہ ہو گئی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ڈاکٹر نے اُسے اجازت دے دی کہ اگر وہ چاہے تو یہاں سے جا سکتی ہے۔ لیکن اسے کم از کم تین دن چلنے پھرنے سے گریز کرنا ہو گا۔ ڈاکٹر کی ہدایات اور دواؤں کے نسخے کے ساتھ ہم لوگ ہسپتال سے باہر نکل آئے۔ میں نے کیمی سے اُس کی رہائش گاہ کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

''میں جانتی ہوں مون! کہ تمہارے پاس بھی کوئی رہائش گاہ نہیں ہے اور تم بیل کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ لیکن میں نے اپنے لئے ایک پرائیویٹ رہائش گاہ حاصل کر لی ہے۔ ہم لوگ وہیں چلتے ہیں۔'' یہ پرائیویٹ رہائش گاہ ایک چھوٹا سا فلیٹ تھی، جس میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی۔ کیمی نے اس فلیٹ کی تفصیل مجھے بتاتے ہوئے کہا۔ ''اس فلیٹ کی جو مالکہ ہے، وہ ایک ڈیری فارم میں ملازمت کرتی ہے اور وہاں حساب کتاب کا خیال رکھتی ہے۔ شام کو آتی ہے تو اپنے کمرے میں جا پڑتی ہے۔ میں نے اس سے مناسب معاوضے پر دو کمرے حاصل کر لئے ہیں۔ بہت اچھی عورت ہے۔ نہ کسی کے معاملات میں مداخلت کرتی ہے اور نہ اپنے آپ کو کوئی مسئلہ بنا کر پیش کرتی ہے۔ یہ جگہ ہمارے لئے بہت بہتر ہے کیونکہ اس طرف کسی کی توجہ نہیں جا سکتی۔''

''ہوں..... ٹھیک ہے کیمی! اگر تم اس سے مطمئن ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

''یہ کمرہ تم لے لو۔ میں دوسرے کمرے میں رہنے لگوں گی۔''

''اور اگر بوڑھی عورت نے میرے بارے میں تم سے سوال کیا تو؟''

''تو میں کہہ دوں گی کہ تم میرے دوست ہو اور میرے ساتھ ہی قیام کرو گے۔''

مشرقی دنیا کے لئے یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ کوئی نوجوان لڑکی اپنے کسی دوست کے ساتھ کسی فلیٹ میں آ کر رہنے لگے۔ لیکن یہاں اس کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ میرا اس بارے میں سوچنا ہی بیکار ثابت ہوا۔ کیمی کو میں نے آرام کرنے کے لئے کہا اور خود دوسرے کمرے میں آ گیا۔

چار دن اسی طرح گزر گئے۔ ہمارے درمیان کافی بے تکلفی قائم ہو چکی تھی اور کیمی نے

مجھے اچھی طرح اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔ اب میں اُس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔ یوں تو ماضی کی بہت سی داستانیں میرے ذہن میں گردش کرتی رہتی تھیں۔ بہت سے لوگوں کے احسان تھے مجھ پر۔ لیکن اب میں اخلاقی حدود کو بہت زیادہ اہمیت دینے کا قائل نہیں تھا۔ دنیا اسی رنگ میں جیتی تھی اور میں بھی اسی رنگ میں جینا چاہتا تھا۔

پانچویں دن کیمی نے مجھ سے کہا۔ ''مون! میں اب بالکل ٹھیک ہوگئی ہوں۔ تم چاہو تو میرا زخم کھول کر دیکھ لو۔ پوری طرح کھرنڈ جم گیا ہے اور اب نقاہت بھی باقی نہیں رہی۔ اور رہتی بھی کیسے؟ تم جیسا تیماردار۔ تمہیں تو ڈاکٹر ہونا چاہئے تھا مون!''

''مقصد ڈارلنگ! مقصد.....'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور کیمی کا چہرہ سُت گیا۔

''میں ایک ہی مقصد کے لئے جی رہی ہوں ڈیئر مون! اور اب میں اس کی تکمیل چاہتی ہوں۔ یعنی اپنے بھائی کے قاتلوں سے انتقام۔''

''اصولاً یہ سوال مجھے تم سے نہیں کرنا چاہئے کیمی! لیکن مجبوری ہے۔ اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتا۔ آخر بیل کیروسا کا مشن کیا تھا؟ وہ کرنا کیا چاہتا تھا؟''

میرے اس سوال پر کیمی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ غالباً وہ بیل کیروسا کے مشن کے بارے میں تفصیلات بتانے کے لئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی۔ میں انتظار کرتا رہا۔ کیمی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے کہا۔ ''بیل کیروسا نے کبھی مجھے اپنے مشن کی تفصیلات نہیں بتائیں۔ لیکن پچھلے کافی عرصے سے وہ کچھ پراسرار لوگوں میں پھنسا ہوا تھا۔ رات کی تاریکیوں میں وہ لوگ اس سے ملاقات کرنے آتے تھے اور بیل گھنٹوں اُن کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہتا تھا۔ پھر میں نے اُسے کچھ پریشان محسوس کیا اور میں خود بھی پریشان ہوگئی۔ بیل عام حالات میں ایک ہنس مکھ انسان تھا۔ لیکن ان دنوں اس پر جھنجلاہٹیں سوار رہتی تھیں۔ اور ایک دن اُس نے انتہائی سرد لہجے میں مجھ سے کہا کہ مجھے ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اس سے اسے پریشانی ہوتی ہے۔ بیل نے کبھی مجھ سے اس لہجے میں گفتگو نہیں کی تھی مون! یہ بھی اُس کی پریشانیاں تھیں، جنہوں نے اُس سے اُس کی خوش مزاجی چھین لی تھی۔ وہ ایک مخلص اور شرمیلا انسان تھا۔ لیکن اب اُس کی کیفیت میں کافی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ پھر وہ ڈنمارک چل پڑا۔ اور میں نے اُس کا تعاقب شروع کر دیا۔ میں نے بارہا چند افراد کو اُس کے گرد چکراتے دیکھا تھا۔ لیکن اُسے چونکہ خود

بھی میری آمد کی خبر نہیں تھی اس لئے دوسرے لوگ بھی میرے بارے میں نہیں جان سکے۔ یہ تفصیلات مجھے بیل کیروسا نے نہیں بتائیں بلکہ میں نے اس سلسلے میں جو معلومات حاصل کیں اُن سے مجھے بیل کے مشن کے بارے میں تھوڑا بہت معلوم ہوگیا اور میں جو کچھ تمہیں بتا رہی ہوں، انہی اپنی معلومات کی بنا پر بتا رہی ہوں۔

''تفصیلات؟'' میں نے سوالیہ نگاہوں سے کیمی کو دیکھا اور اُس کی آنکھیں گہری سوچ میں گم ہوگئیں۔ غالباً وہ اُن واقعات کی کڑیاں جوڑ رہی تھی جن سے بیل کیروسا منسلک تھا۔

☆.....☆.....☆

کیمی نے بیل کیروسا کی جو کہانی سنائی، وہ بے حد اُلجھی ہوئی تھی۔ بقول اُس کے اب کیمی کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا اور وہ اُس کے قاتلوں سے انتقام بھی لینا چاہتی تھی۔ کیمی نے جس مظلومانہ انداز میں مجھ سے اپنے بھائی کے قاتلوں کے خلاف مدد کی درخواست کی تھی، جس طرح اُس کی آنکھوں میں اُمید کے چراغ روشن ہوئے اور جس طرح اُس کے ہونٹوں کی مسکان مجھے اپنی جانب راغب کرتی تھی، ان تمام چیزوں کے تحت تو یہی ہونا چاہئے تھا کہ میں اُس کی مدد پر آمادہ ہو جاتا اور مجھ جیسا احمق مددگار کیمی کو بھلا اور کہاں مل سکتا تھا جو اپنی حماقتوں کے ساتھ ساتھ کامیابی کی خبریں بھی سناتا۔ بلاشبہ آج تک یہی تو ہوا تھا۔ میری اپنی کاوشوں کو کسی بھی معاملے میں کوئی دخل نہیں تھا۔ لیکن بے شمار لوگ مجھ سے فیض یاب ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ آخری مرحلہ بھی حل ہو گیا تھا۔ یعنی مسٹر لیری کنگ وہ فارمولا حاصل کر چکے تھے جو اُن کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ اور ریڈ اسنیک کی گردن اونچی ہو گئی تھی۔ لیکن میں اپنی گردن سنبھالنے کی فکر میں تھا۔ اس لئے بھلا کسی اور کا کیا ساتھ دیتا؟ یہی کیفیت کیمی کی تھی۔ اب از سرنو کوشش کر کے بیل کیروسا کے قاتلوں کو تلاش کیا جائے اور اُس کے بعد اُن سے ہنگامہ آرائی کی جائے تا کہ کیمی کو سکون مل سکے۔ لیکن بھائی! ایک غریب، ایک مظلوم ان تمام مسائل کے حل کے لئے دنیا میں نہیں آیا تھا۔

میں حاتم طائی ''جدید'' نہیں بننا چاہتا تھا۔ لیکن حالات مجھے حاتم طائی ہی کی مانند کسی نہ کسی ایسی جگہ لے جاتے جہاں ایک سوال میرا منتظر ہوتا تھا۔ کیمی اپنی کہانی سنانے کے بعد دیر تک روتی رہی اور اخلاقاً میں اُسے تسلیاں دیتا رہا۔ اُس کے بعد لازمی طور پر اُسے نیند آ جاتی اور میں بھی سو جاتا۔ لیکن ان حالات میں سو کر صبح جاگنے کا مطلب یہ تھا کہ میں نے کیمی کی ذمہ داریاں قبول کر لی ہیں اور اس کے بعد یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اُس سے راہِ فرار حاصل کر لیتا۔ چنانچہ جب وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی تو میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ فیصلے کا یہی

وقت تھا۔ اگر جذباتی لمحے مزید جذباتی ہو جاتے تو اُن کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑتی اور اس وقت..... آہ! مجھے سکون درکار تھا۔ ایک طویل ہنگامہ میری زندگی میں شامل رہا تھا۔ کاش! سکون کے کچھ لمحات میسر آ جائیں..... ذہن میں بہت سے خیالات آنے لگے۔ تانے بانے بننے لگے۔ اور میں کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن ایک فیصلہ میں نے ضرور کیا تھا۔ وہ یہ کہ فوراً یہاں سے اُٹھوں، بوریا بستر سنبھالوں اور باہر نکل جاؤں۔ کیونکہ دوسری صبح کیمی یقیناً اپنے اُن مسائل کا حل مجھ سے مانگے گی اور مجھے اُس سے کوئی نہ کوئی وعدہ کرنا پڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ مزید جھوٹ بولنے سے بچا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنا مختصر سا سامان اُٹھایا، کیمی پر ایک الوداعی نگاہ ڈالی اور وہاں سے باہر نکل آیا۔

سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ اِکا دُکا ٹریفک نظر آ رہا تھا۔ میں ان ویران سڑکوں پر چلتا رہا۔ اور پھر ایک ہوٹل کے سامنے رُک گیا جس کی رونقیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس علاقے میں رات ہی نہیں ہوئی اور باقی رات گزارنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں تھی۔

دل میں بار بار یہ احساس بھی جاگ رہا تھا کہ صبح جب کیمی مجھے اپنے نزدیک نہیں پائے گی تو اُس کی آنکھوں میں اُمیدوں کے چراغ بجھ جائیں گے اور وہ ایک بار پھر اپنے آپ کو اس دنیا میں تنہا محسوس کرے گی۔ لیکن میں اس سلسلے میں اور کیا کر سکتا تھا؟ کسی کی تنہائیاں دُور کرنا صرف میرا ہی کام تو نہیں رہ گیا تھا۔ اور بھی بہت سے صاحب دل اور صاحب حیثیت لوگ تھے اس دنیا میں۔ وہ کسی اور کا ہاتھ بھی پکڑ سکتی تھی۔ میں ایک بے وقوف ہی اس دنیا کو کیوں مل گیا ہوں؟

میں اپنے آپ کو تسلیاں دیتا رہا۔ اور اُس کے بعد یہ سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ لاتعداد لوگ اس دنیا میں میری جان کے دشمن تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے چکر میں تھا۔ مسٹر لیری کنگ مجھے ریڈ اسنیک کا سربراہ بنانا چاہتے تھے۔ اُن کے خیال میں اُن کے ہاتھ ایک ناتراشیدہ ہیرا لگا تھا اور وہ اس ہیرے کی تراش خراش کر رہے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اس تراش خراش کے چکر میں ہیرے کا کیا حشر ہوا ہے۔ بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی تھی کہ مجرموں کے کسی گروہ کا سربراہ بنتا۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا کہ یہ علاقہ چھوڑ دیا جائے۔

کوپن ہیگن کے راستے دنیا کے مختلف گوشوں کو نکالا جا سکتا تھا۔ لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ کوپن ہیگن کے قریب ترین علاقے سویڈن نکل جاؤں جس کی لاتعداد روایتیں میرے علم میں تھیں۔ میرے لئے دنیا کا کوئی بھی حصہ کسی خصوصی حیثیت کا حامل نہیں تھا۔ بس! اپنے اس وجود کو جہاں جہاں بھی گھسیٹتا پھروں۔ زندگی کی دلچسپیوں کا کوئی محور بھی نہیں تھا کہ اپنے آپ کو اُدھر متوجہ کر کے تھوڑا سا ذہنی سکون حاصل کروں۔

میرے پاس جو رقم محفوظ تھی، اُسے با آسانی ٹریولرز چیک میں تبدیل کرایا جا سکتا تھا۔ سفر کے لئے یہ ٹریولرز چیک ہی موزوں ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں کارروائی شروع کر دی۔ اب یہ تمام کام میرے لئے مشکل نہیں رہے تھے۔ گیارہ بجے تک میں اپنی اس کارروائی سے فارغ ہو گیا اور ضروری معلومات حاصل کر کے بندرگاہ پہنچ گیا۔ بحیرہ بالٹک کی نم ہوائیں کانسی کی جل پری کو بوسے دیتی ہوئی گزر رہی تھیں۔ اسٹیمر بندرگاہ سے کافی دُور نکل کر مالمو کی جانب رواں دواں تھا۔ اسٹیمر پر بہت سے افراد تھے جن میں مقامی اور سویڈش باشندے زیادہ تھے۔ لیکن میں نے کسی سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

مالمو میں داخل ہونے کے بعد اپنے لئے کوئی صحیح فیصلہ کرنے کی آسانیاں مل گئی تھیں۔ میں نے ایک سیاح کی حیثیت سے وقت گزارنے کے لئے خود کو تیار کر لیا اور مالمو کے مرکزی چوک سے ٹرام میں سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔ پھر اسٹاک ہوم جانے والی شاہراہ پر اُتر کر میں سست رفتاری سے آگے کا سفر کرنے لگا۔ اس علاقے کے بارے میں میری معلومات بہت زیادہ نہیں تھیں۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ اب کسی طرح کی معلومات سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے۔ کیا مل جاتا ہے ان چیزوں سے.....

ابھی زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ ایک کار میرے قریب آ کر رُکی۔ کار میں لمبے بالوں والے چند ہپی سوار تھے۔ اُن میں سے ایک نے اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے مجھ سے لفٹ کے لئے پوچھا تو میں نے نیاز مندی کے انداز میں شانے جھکا دیئے اور ہپیوں نے مجھے کار کے اندر گھسیٹ لیا۔

کار میں موجود ہپیوں کی تعداد پہلے ہی زیادہ تھی۔ میں اُن میں شریک ہوا تو کار اندر سے مزید چھوٹی ہو گئی۔ جس میں پھیلی چرس کی بو نے رہی سہی طبیعت بھی ہری کر دی۔ لیکن

وہ بدستور اپنی بدمستیوں میں مصروف رہے۔ اور پھر ایک جگہ انہوں نے گاڑی روک دی۔ عجیب سی جگہ تھی۔ مجھے صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ میں کہاں ہوں..... چرس کے نشے میں ڈوبے ہوئے اُن لوگوں سے کسی سمجھداری کی توقع ہی نہیں تھی۔ میں بھی کار سے اُتر آیا۔ وہ سارے بھی میرے ساتھ اُترے تھے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ انہوں نے صرف مجھے اُتارنے کے لئے کار روکی ہے۔ مگر اُتارنے کا مقصد کیا تھا؟ یہ آج تک سمجھ میں نہیں آ سکا۔ جیسے ہی میں نیچے اُترا، وہ سب کار میں گھس گئے اور کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

میں حیرت سے منہ پھاڑے جاتی کار کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ کچھ دیر میں سڑک پر کھڑا رہا۔ اور اُس کے بعد آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ دو یا ڈھائی میل چلنے کے بعد مجھے ایک خوبصورت قصبہ نظر آیا۔ یہاں رُک کر کم از کم اپنے آپ کو گزشتہ تھکن سے نجات دلائی جا سکتی تھی۔ سیاحوں کے لئے چونکہ ضروری نہیں ہوتا کہ عمدہ قسم کے ہوٹلوں میں ٹھہریں بلکہ جہاں بھی موقع مل جائے، وقت گزار لیں۔ چنانچہ میں نے بھی وقت گزاری کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی اور یہاں وقت خوب گزرا۔ نجانے کب تک سوتا رہا۔ دنیا کے ہر خوف، ہر خدشے سے بے نیاز گہری اور مست نیند آئی۔ اور جب جاگا تو بدن بری طرح دُکھ رہا تھا۔ لیکن یہ عارضی بات تھی۔ اُٹھ کر دو چار انگڑائیاں لیں تو یوں محسوس ہوا جیسے پیدا ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے۔

یہاں رُکنا بے کار تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اسٹاک ہوم پہنچ کر کسی اعلیٰ ہوٹل میں قیام کیا جائے۔ میں نے اسٹاک ہوم کے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ یہاں سفر کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ سڑک کے کنارے کھڑے ہو جاؤ..... کوئی نہ کوئی گاڑی لفٹ دے ہی دے گی۔ اہل یورپ کی اس فراخ دلی کا میں دل سے معترف ہوں۔ چنانچہ خاموشی سے سڑک پر نکل آیا اور کسی رہنما کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر گزر گئی۔ اور اب میں مایوس ہونے لگا تھا کہ ایک وین کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ڈرائیور کی نشست پر ایک بوڑھا کسان اور اُس کے برابر ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کی عمر اٹھارہ اُنیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ چہرے پر ایک عجیب سی بے بسی طاری تھی۔ وین میرے قریب آ کر رُکی اور بوڑھے کسان نے گردن نکال کر کہا۔ ''میں لاگن تک جا رہا ہوں۔ چلو گے؟''

نہ جانے کا کیا سوال تھا؟ میں پچھلا دروازہ کھولنے کے لئے بڑھا۔ لیکن لڑکی نے پہ
ہی سامنے کا دروازہ کھول دیا۔ گویا مجھے بھی بوڑھے اور لڑکی کے ساتھ اسی نشست پر بیٹھ
تھا۔ میرے بیٹھتے ہی بوڑھے نے ایک جھٹکے سے وین آگے بڑھا دی۔ رات ہونے وا
تھی۔ سنسان سڑک اردگرد پھیلے جنگل کی وجہ سے کچھ اور سنسان ہوگئی تھی۔

لاگن کا فاصلہ چھ یا سات میل سے زیادہ نہیں تھا۔ لیکن لاگن سے تین میل پہلے بوڑھے
نے وین روک دی اور میری طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ''اس سے آگے نہیں جاسکوں گا۔ کیونکہ
میرا فارم یہاں سے تھوڑے فاصلے پر ہے۔ میں تمہیں یہیں چھوڑے دیتا ہوں۔''

میں نے بے بسی سے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ کہنا چاہتا تھا کہ میں تو لاگن کا صحیح راستہ
بھی نہیں جانتا۔ لیکن اس بدبخت کسان نے مروا دیا تھا۔ اُترنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا
میں اُترا تو لڑکی بھی نیچے اُتر آئی جو بوڑھے کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اُس کے قریب
بیٹھا رہا تھا۔ لیکن میں نے غور سے اُس کا چہرہ تک نہیں دیکھا تھا۔ اب پہلی بار اُسے دیکھا
وہ کسی موٹے کپڑے کے گھٹیا سے سکرٹ میں ملبوس تھی۔ پیروں میں بھدے سینڈل اور بال
گرد میں اَٹے ہوئے تھے۔ کوئی آوارہ گرد قسم ہی کی چیز لگ رہی تھی۔ میں کچھ اور سمجھا تھا
لیکن جب بوڑھے نے وین موڑی تو میرے منہ سے حیرت بھری آواز نکل گئی۔

''مس.....مس.....'' لیکن وین جا چکی تھی۔ ''وہ.....وہ آپ کو کیوں چھوڑ گئے؟'' میں
نے لڑکی کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔

''جس طرح اُس نے تمہیں یہاں چھوڑ دیا، اسی طرح مجھے بھی.....''

''تو.....تو کیا؟''

''ہاں! میں بھی اُس سے لفٹ لے کر یہاں تک آئی ہوں۔''

''اوہ.....تو آپ کو بھی پیدل ہی قصبے تک جانا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''ہاں.....ظاہر ہے۔'' لڑکی نے جواب دیا۔

میں نے اپنا سفری بیگ اُٹھایا اور اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

''بڑا ہی بداخلاق شخص تھا یہ۔ میں نے لاکھ خوشامد کی کہ مجھے لاگن تک چھوڑ دے
لیکن راستے بھر کمبخت یہی کہتا آیا کہ لفٹ دینا اچھی بات ہے اور نقصان اُٹھانا بری بات
لڑکی نے آہستگی سے مجھے مخاطب کیا۔ ''اگر تم نہ مل جاتے تو اس تنہا اور ویران سڑک پر میں

خوف سے مر جاتی۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وین اس قدر چھکڑا ہے اور اتنی سست رفتاری
سے سفر کرتی ہوئی یہاں تک پہنچے گی۔ ورنہ میں کبھی اس سے سفر نہ کرتی۔ آہ.....اب تو
رات ہو چکی ہے۔ کیا تم میرا ساتھ دو گے؟''

میں نے خونخوار نگاہوں سے ہونق سی لڑکی کو دیکھا۔ کمال کی بات ہے۔ ساری دنیا کی
لڑکیوں کی اجارہ داری مجھ پر ہی ہوگئی ہے۔ اب ان کا ساتھ بھی دیا جائے۔ میں گہری
سانس لے کر پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ ''تمہیں لاگن کا راستہ معلوم ہے؟'' میں
نے سوال کیا۔

''یہ سڑک سیدھی لاگن تک جاتی ہے۔'' اُس نے جواب دیا۔

''فاصلہ کتنا ہوگا؟''

''ڈھائی تین میل۔ یہ مائیلو کراس کہلاتا تھا۔ داہنی سمت اُترنے کے بعد فارم ہی فارم
تھے۔ بہت ہی خوبصورت علاقہ ہے۔''

''مجھے تو جنگلوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آرہا۔ کیا ان جنگلوں میں درندے ہوتے ہیں؟''
میں نے سوال کیا۔

''ہاں.....کبھی کبھی یہاں بھیڑیئے اور لگڑ بھگو نظر آجاتے ہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا
اور میرے اوسان خطا ہوگئے۔

سڑک تاحد نگاہ سنسان اور تاریک تھی۔ دونوں کناروں پر دیو قامت درخت سڑک پر
جھکے ہوئے اس سناٹے کو مزید وحشت ناک بنا رہے تھے۔ قصبے تک پیدل جانے کا تصور ہی
ہولناک تھا۔ میں نے اس عجیب وغریب مصیبت کی طرف دیکھا جو خود بھی پریشان نگاہوں
سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اب یہ تو میری مرضی ہے کہ میں اس وقت بستی تک جانا
پسند کروں، یا اس خوفناک سڑک پر سفر کرنے خطرہ مول نہ لوں۔ لیکن اس مصیبت خانم کا
کیا، کیا جائے؟ میں سڑک پر آگے بڑھا تو وہ بھی میرے قدموں سے قدم ملا کر چلنے لگی۔

''مس.....!'' میں نے ایک جگہ رُک کر کہا۔

''میلسی براؤنسن.....'' اُس نے جواب دیا۔ حالانکہ میں نے اُس سے اُس کا نام نہیں
پوچھا تھا۔ بلکہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔

''شکریہ مس میلسی براؤنسن! میں ایک سیاح ہوں اور لاگن کے بارے میں مجھے کوئی

خاص معلومات نہیں ہیں۔ لیکن میں آگے کا سفر نہیں کرنا چاہتا۔''

''اس وقت اس سڑک پر سفر کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔'' اُس نے پرسکون لہجے میں جواب دیا اور میرا دماغ بھنا گیا۔ میں تو چاہتا تھا کہ کسی طرح اُس سے جان چھڑائی جائے لیکن وہ بہت زیادہ تعاون کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ میں اُسے گھورنے لگا۔

''وعدہ کرتی ہوں، تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ آؤ پلیز.....'' اُس نے کہا تو میں نے تھکے تھکے قدم آگے بڑھا دیئے۔ میلسی میرے پیچھے پیچھے اُسی رفتار سے چلی آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ گھنے درختوں کا خاتمہ ہو گیا۔ سامنے ایک ریتیلا میدان نظر آ رہا تھا جس کے پرے ایک بہت بڑی پرسکون جھیل لہریں لے رہی تھی۔

میلسی نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ جھیل میکونا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جھیل کے اطراف میں ریت پھیلی ہوئی تھی۔ میں جھیل کے کنارے تک آ گیا اور ایک ہموار جگہ منتخب کر کے وہیں ڈیرہ ڈال دیا۔ کھانے پینے کے لئے میں نے انتظامات کر لئے تھے۔ کیونکہ لفٹ لے کر سفر کرنے کے لئے ان اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے سفری بیگ میں قیمہ، اُبلے ہوئے انڈے اور ڈبل روٹیاں وغیرہ موجود تھیں۔ میں پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور میلسی میرے نزدیک ہی بیٹھ گئی۔ ایک بار پھر میں نے اُس کا جائزہ لیا۔ شکل وصورت اور حلئے سے وہ کوئی مفلوک الحال لڑکی نظر آتی تھی۔ دل تو چاہا کہ اُس کے بارے میں معلومات حاصل کروں۔ لیکن پھر اس خوف سے خاموش ہو گیا کہ یقیناً وہ کوئی ایسی کہانی سنائے گی جو دلدوز ہو گی اور پھر اُس کے بعد موٹے موٹے آنسو بہاتے ہوئے مجھ سے مدد کی درخواست کرے گی۔ یہ لفظ میری زندگی سے چپک کر رہ گیا تھا۔ اب یہی جی چاہتا تھا کہ کسی ویرانے میں سنیاس لے لوں اور پہاڑی کی چوٹی پر بیٹھ کر باقی عمر وہیں گزار دوں۔ لیکن خوف یہ تھا کہ چوٹی سے اُترنے کے بعد لوگ پھر میری طرف دوڑ پڑیں گے۔ ''ہماری مدد کرو۔'' یا پھر کوئی مجھے نتھو، بدھو، خیراتی کہہ کر مجھ سے لپٹ جائے گا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ میری خالہ کا سگا پھوپھی زاد بھائی ہے اور میری تلاش میں سرگرداں تھا کہ میں اُس کی مدد کروں.....

''خدا کی پناہ!'' میرے حلق سے ایک آواز نکلی اور میلسی چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''کچھ کہا؟'' اُس نے سوال کیا۔

''نہیں محترمہ! بھلا یہ جرات کر سکتا ہوں؟''

''اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں خود بھی یہی سوچ رہی تھی۔'' اُس نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔

''کیا؟'' میں نے منہ پھاڑ کر اُسے دیکھا۔

''جھیل کا پانی ساکن ہے۔ اور موسم بھی اتنا سخت نہیں ہے کہ نہایا نہ جا سکے۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے آپ کا؟ اس ویرانے میں آپ غسل فرمائیں گی؟'' میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم بھی نہا لو۔ دیکھو تو سہی! ہم لوگ کتنے گرد آلود ہو رہے ہیں۔''

''محترمہ! کسی سے گفتگو کرنے سے پہلے اس کے بارے میں جان لینا ضروری ہے۔ میں زیادہ بے تکلفی کا قائل نہیں ہوں۔''

''تمہاری مرضی ہے۔ میں تو ضرور نہاؤں گی۔'' اُس نے کہا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں سراسیمہ نگاہوں سے اُس پاگل لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ جھیل میں نہاتے ہوئے اگر ڈوب مری اور بچاؤ بچاؤ چیخنا شروع کر دیا تو کیا میں بھی پانی میں اُتروں گا؟ میرے ذہن میں یہ تصور آیا ہی تھا کہ وہ پلٹ کر مجھے دیکھنے لگی۔

''آ جاؤ! اگر سیاح ہو تو ایسی چیزوں سے اجتناب، آدابِ سیاحت کے خلاف ہے۔''

''تم جھیل میں ڈوب مرو۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے کہا اور وہ ہنستی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اور اُس کے بعد مجھے آنکھیں بند کرنا پڑی تھیں۔ کیونکہ یورپین تہذیب ابھی میرے حلق میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔ معدے میں نہیں اُتری تھی۔ پھر یورپین تہذیب جھیل میں داخل ہو گئی اور میں ریت پر لیٹ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ لڑکی کے بارے میں بار بار ذہن میں کریدسی پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن میں اُس پر زیادہ توجہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو میں نے یہ بھی سوچا کہ اپنا یہ سفری تھیلا اُٹھا کر لاگن کی طرف دوڑ لگا دوں۔ اس مصیبت سے یہیں جان چھوٹ جائے گی۔ اس سے پہلے کہ وہ رو رو کر اپنی داستانِ غم سنائے، مجھے یہاں سے فرار ہو جانا چاہئے۔ لیکن دونوں طرف سے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی سڑک پر چلنا اور وہ بھی تنہا بڑے دل گردے کا کام تھا چنانچہ اس کوشش سے باز رہا۔ پھر دفعتہً کچھ خیال آیا تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ تھیلے سے کھانے پینے کا سامان نکال کر پیٹ کا دوزخ

بھرنے لگا۔ اخلاقاً مجھے لڑکی کا انتظار کرنا چاہئے تھا۔ لیکن میں اب احمقانہ قسم کے اخلاق برت کر اپنا اخلاق خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ غسل سے فارغ ہو کر آئی میں اپنا معدہ بھر چکا تھا۔ اُس نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی اور پھر خاموشی سے ریت پر ایک سمت بیٹھ گئی۔ آہستہ آہستہ چاند نکل آیا تھا اور لڑکی کے ریشم کی طرح ملائم بال خشک ہو کر اُس کے چہرے پر بکھر گئے تھے۔ وہ خاموش اور اُداس بیٹھی درختوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دفعۃً ہی مجھے اُس پر رحم آ گیا۔ ''مس میلسی.....'' اُس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ لیکن خاموش رہی۔ ''اگر آپ کچھ کھانا پسند کریں تو یہ چیزیں موجود ہیں۔'' اُس نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ نجانے مجھے کیا سوجھی کہ میں کھانے پینے کی اشیاء لے کر اُس کے قریب پہنچ گیا۔

''آپ کو بھی بھوک لگ رہی ہوگی؟'' اُس نے شکایتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ اس دنیا میں بسنے والوں کے لئے اخلاق بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ مجھے کم از کم اُس کا انتظار تو کر لینا چاہئے تھا۔ جانے کیوں ایک عجیب سی شرمندگی کا احساس ہوا۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔ ''دراصل مجھے بہت زور سے بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے آپ کی واپسی کا انتظار نہیں کر سکا تھا۔''

''کوئی بات نہیں۔ میرا آپ پر کوئی حق تو نہیں ہے۔ میں تو آپ کا نام بھی نہیں جانتی۔''

''جاننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ کو میرا نام لینے میں دقت ہوگی۔''

''کیوں؟''

''میرا نام منصور ہے۔''

''منصور.....'' اُس نے کہا اور میں آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ کسی یورپین لڑکی نے میرے نام کا صحیح تلفظ پہلی بار ادا کیا تھا۔ اُس نے کھانے کی اشیاء اپنی جانب سرکا لیں اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''تم شاید اس بات پر یقین نہ کرو کہ میں صبح سے بھوکی ہوں۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہاری دی ہوئی اس بھیک کو کبھی قبول نہ کرتی۔''

فوراً ہی میرے دل میں سویا ہوا منصور جاگ اُٹھا۔ ابھی تو اُس نے مجھ سے کوئی فرمائش بھی نہیں کی ہے۔ کسی قسم کی مدد کی درخواست بھی نہیں کی۔ پھر اُس کے ساتھ میرا یہ رویہ غیر

مناسب ہے۔ بعد میں اگر کچھ ہوا تو دیکھا جائے گا۔ لیکن ابھی کم از کم مجھے اخلاقی قدروں کو پامال نہیں کرنا چاہئے۔ میں نے اُس سے معذرت کر لی۔ وہ کھانے میں مصروف ہو گئی اور میں کچھ دیر چاندنی میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اور پھر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُس نے کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تمام اشیاء احتیاط کے ساتھ واپس تھیلے میں رکھ دیں اور کھسک کر میرے نزدیک آ گئی۔ میں دہشت سے سمٹ گیا تھا۔ لیکن میلسی کے انداز میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جو میرے لئے خوف کا باعث ہوتی۔ کمبخت ایش نے ایک عجیب کیفیت بیدار کر دی تھی میرے اندر۔ نجانے کیوں میں اُس کے ہاتھوں بے وقوف بن گیا تھا اور اُس کی خاندانی کاک ٹیل کا شکار ہو گیا.....اب بار بار مجھے وہ کاک ٹیل یاد آ جایا کرتی تھی اور اس وقت بھی پیمانے میں چھلکتی ہوئی کوئی رنگین شے میری نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگی تھی۔ جھیل، چاندنی، خاموشی، سرد ہوائیں، نرم ریت، بھرا ہوا پیٹ اور سر پر کھلا آسمان جانے کیا کیا کیفیتیں بیدار کر رہا تھا۔ اُس نے گھٹنوں پر سر رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میرا جی چاہا کہ میں اُسے بھی آرام کے لئے کہوں۔ لیکن اپنی زبان سے کوئی ایسا جملہ ادا نہیں کرنا چاہتا تھا جو خود میرے لئے مصیبت کا باعث بن جائے۔

''مجھے سردی لگ رہی ہے۔'' اُس کے یہ الفاظ بھی میرے لئے مشکوک تھے۔

''ریت میں گڑھا کھودو اور گردن نکال کر باقی بدن اُس میں ڈھک لو۔''

وہ میری بات کا برا ماننے کی بجائے ہنس دی۔ ''واقعی لطف آ جائے گا۔ دراصل میں جھیل میں نہائی ہوں نا اس لئے سردی زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''تم کون کون سے ممالک کی سیاحت کر چکے ہو؟''

''یہ پوچھ کر مجھے غصہ مت دلاؤ۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیوں؟''

''اس کا جواب بھی نہیں دوں گا۔''

''عجیب آدمی ہو۔ کیا نیند آ رہی ہے؟''

''ہاں.....''

''مگر مجھے نیند نہیں آ رہی۔''

''تو پھر درخت کی کسی چوٹی پر بیٹھ کر مرغ کی اذان دینا شروع کر دو۔'' میں نے کہا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تم ناراض ہو مجھ سے۔''

''اتنا راضی بھی نہیں ہوں محترمہ! آپ کو لاگن تک جانا ہے۔ آپ رات گزرنے کا انتظار کیجئے۔ صبح میں اور آپ لاگن پہنچ جائیں گے اور اس کے بعد دوبارہ نہ آپ مجھے دیکھیں گی اور نہ میں آپ کو۔''

''تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

''جہنم سے۔''

''اوہ..... میرا بھی یہی خیال تھا'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''وہاں کے رہنے والے اتنے ہی بداخلاق ہوتے ہیں۔'' وہ ہونٹ سکوڑ کر بولی۔

''خوش اخلاقی کے مظاہرے بعض اوقات عذاب بن جاتے ہیں۔''

''ہوسکتا ہے یہ تمہارا تجربہ ہو۔''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''کچھ نہیں۔ میں ان حالات کے بارے میں سوچ رہی ہوں جنہوں نے مجھے اور تمہیں اس جگہ یکجا کر دیا ہے۔''

''چلو چھوڑو۔ لاگن میں تم کہاں رہتی ہو؟''

''اپنے دادا کے پاس..... میرے دادا بہت اچھے انسان ہیں۔''

''کیا کرتے ہیں وہ؟''

''کچھ نہیں۔ اُن کا فارم ہاؤس ہے۔ اور وہیں ہم نے اپنی رہائش گاہ بنا رکھی ہے۔ میری ایک بڑی بہن بھی ہے۔ بس! ہم تین ہی افراد ہیں۔''

میں نے لڑکی کی بات پر یقین نہیں کیا۔ جس حلئے میں وہ نظر آ رہی تھی، اُس سے تو یہی احساس ہوتا تھا کہ اُس کا دادا کسی فارم ہاؤس میں صفائی کرنے والا ہوگا۔ بہرحال! اتنا جھوٹ بولنے کا حق ہر اُس شخص کو ہوتا ہے جس کا کسی سے زیادہ تعلق نہ رہے اور سرسری ملاقات کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ میں خود بھی اگر چاہتا تو قیصر ولیم

بن سکتا تھا۔ اس کے بعد میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ لڑکی کہنے لگی۔ ''اگر لاگن میں کچھ عرصہ قیام کرو تو میں تمہیں اپنے فارم ہاؤس میں جگہ دے سکتی ہوں۔''

''آپ کے فارم ہاؤس میں کتنی جگہ ہے؟''

''کافی ہے۔ ہم نے وہاں سوئمنگ پول بنا رکھا ہے۔ ہر چیز مہیا کر رکھی ہے۔ اپنے لئے تم دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔''

''اور ایک گاڑی نہیں خرید سکیں آپ۔ لفٹ لے لے کر سفر کرتی رہتی ہیں۔'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہمارے پاس تین گاڑیاں ہیں۔ ایک دادا جی کی، دوسری میری بہن کی اور تیسری میری ہے۔ لیکن میں ذرا مختلف طبیعت کی مالک ہوں۔ بعض اوقات اس طرح آوارہ گردی کرنے میں لطف آتا ہے۔ میں باقاعدہ سیاحت تو نہیں کر سکتی لیکن کبھی کبھی مختلف علاقوں میں نکل جاتی ہوں اور وہاں گھومتی پھرتی ہوں۔'' وہ ہنس پڑی۔ ''شاید تم یقین نہ کرو کہ میں نے بارہا بھیک بھی مانگی ہے۔ لوگوں سے کچھ مانگتے ہوئے کتنا مزہ آتا ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتی۔''

میں سر کھجا کر اُسے دیکھنے لگا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ شے کیا ہے؟ بہرطور! باقی رات سوتے جاگتے ہی گزری تھی۔ ہر لمحہ یہ احساس رہتا تھا کہ کہیں کوئی اور واقعہ رُونما نہ ہو جائے۔ لڑکی کی ایک بات پر بھی میں نے یقین نہیں کیا تھا۔ بکواس کر رہی تھی۔ اپنے حلئے اور چہرے مہرے سے قطعی طور پر کسی اچھے خاندان یا کسی دولت مند دادا کی پوتی نظر نہیں آتی تھی۔ ماں یا باپ کا اُس نے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن میں نے پوچھنا بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔ کیا فائدہ کسی کو کریدنے سے؟ خوامخواہ مصیبتیں ہی گلے پڑتی ہیں۔ زیادہ گفتگو کروں گا تو زیادہ بے تکلفی پیدا ہوگی۔

وہ سوگئی..... گھٹنوں میں سر دے کر کسی معصوم بچی کی مانند۔ اور جب صبح کی پہلی کرن نے میری آنکھوں کے پپوٹوں کو گدگدایا تو میں بھی جاگ گیا۔ رات کے کسی حصے میں گہری نیند آ گئی تھی۔ لیکن صبح کی خنک کرنوں نے جگا دیا تھا۔ میں نے سوئی ہوئی میلسی کو دیکھا اور رات کے واقعات کا تجزیہ کرنے لگا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ذہنی طور پر وہ بالکل بچی ہے۔ جو کچھ میں نے اُس کے بارے میں سوچا تھا، ممکن ہے اس میں کوئی حقیقت نہ ہو۔ بلاوجہ کسی

کوشکوک وشبہات کا نشانہ بنانا کوئی اچھی بات تو نہیں۔

وہ بھی جاگ کر جمائیاں لینے لگی۔ پھر اُس نے جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا تم منہ ہاتھ بھی نہیں دھوتے؟''

میں چونک کر سیدھا ہو گیا۔ ''کیوں نہیں..... کیوں نہیں؟'' میں نے جھیل کے کنارے پہنچ کر بدن کے کھلے ہوئے تمام حصوں کو دھویا۔ وہ خود بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے بعد اُس نے واپس آ کر بے تکلفی سے میرے تھیلے کو کھول لیا اور میں ''ارے ارے'' کہتا ہوا اُس کی جانب دوڑ پڑا۔

''کیوں..... کیا ناشتہ نہیں کرو گے؟ مجھ سے تو بغیر ناشتے کے دو قدم بھی نہیں چلا جائے گا۔''

''تو ناشتہ لے کر چلنا چاہئے تھا نا محترمہ.....''

''چھوڑو! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تم لاگن چلو۔ جب یہاں سے آگے جاؤ گے تو میں اتنی اشیاء تمہارے ہمراہ کر دوں گی کہ تم دس آدمیوں کو اپنے ساتھ کھلا سکو گے۔''

''کیا تم واقعی لاگن تک میرے ساتھ جاؤ گی؟''

''کیوں.....؟ میں سمجھی نہیں۔''

''مطلب یہ کہ رات کو جو تم جھوٹ بول چکی ہو، اُسے نبھانا تمہارے لئے مشکل نہیں ہو گا؟''

''کیا کہا تھا میں نے؟'' وہ شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

''دادا جی، فارم ہاؤس وغیرہ وغیرہ۔''

''اوہ! میں لوگوں کو ایسی کہانیاں سنانے کی عادی ہوں۔ مزہ آتا ہے جھوٹ بول کر۔''

''گڈ..... گڈ..... مجھے حقیقتیں ہی پسند ہیں اور وہ کہانی جو تم نے رات کو سنائی، مجھے اس پر ذرا بھی یقین نہیں آیا۔''

''تم ذہین آدمی معلوم ہوتے ہو۔ رہنے والے کہاں کے ہو؟''

''یہ سوال تم پہلے بھی کر چکی ہو اور میں نے تمہیں اس کا جواب نہیں دیا تھا۔''

''نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔ مجھے اتنی زیادہ دلچسپی بھی نہیں ہے۔ ویسے اب ہمیں چلنا چاہئے۔ آؤ.....'' میں نے اپنا سفری تھیلا کندھے پر لادا اور جوتے کے بند کس کر لڑکی کے

ساتھ ہو لیا۔ ہم ایک بار پھر سڑک پر آئے اور آگے کا سفر کرنے لگے۔ سڑک سنسان پڑی ہوئی تھی اور دُور دُور تک کوئی ٹریفک نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگی۔ ''لاگن کے راستے سفر کم ہی ہوتا ہے۔ عموماً اس کراس سے لوگ دوسری جانب مڑ جاتے ہیں یا پھر فارم ہاؤس کے رہنے والے کبھی کبھی بڑی شہری آبادیوں کا رُخ کرتے ہیں۔ ویسے لاگن بہت خوبصورت قصبہ ہے۔ تمہیں وہاں پہنچ کر لطف آئے گا۔''

''میں لاگن میں زیادہ عرصہ قیام نہیں کروں گا۔ مجھے اسٹاک ہوم جانا ہے۔ ویسے ایک آدھ دن قیام کے لئے تم مجھے کوئی بہتر مقام بتا سکتی ہو؟''

''ہاں ہاں..... کیوں نہیں۔ وہاں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں تم قیام کر سکتے ہو۔ اور پھر میں تو تمہیں اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کر ہی چکی ہوں۔ ہم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔''

''مگر رات کی کہانی تو بقول تمہارے کہانی ہی تھی۔''

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آخر میں کہیں نہ کہیں تو رہتی ہی ہوں۔'' اُس نے کہا اور میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔

بالآخر ہم لاگن میں داخل ہو ہی گئے۔ اچھا خاصا بڑا قصبہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت مکان درختوں اور کھیتوں میں گھرے نظر آ رہے تھے۔ ایک ذیلی سڑک پر مڑنے کے بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''جناب! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ کچھ وقت میرے غریب خانے پر ضرور گزار لیجئے۔ مجھے خوشی ہو گی۔''

میں چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔ اندازہ لگا رہا تھا کہ اُس کے لہجے میں طنز پوشیدہ ہے یا پھر وہ سنکی ہے؟ میں تفریحاً اُس کے ساتھ چل پڑا۔ ذیلی سڑک سے وہ ایک پگڈنڈی پر مڑی جس کے اختتام پر موٹے بانسوں سے بنا ہوا بڑا سا احاطہ تھا۔ اُس کی ظاہری شکل و صورت کسی قلعے جیسی نظر آ رہی تھی۔ اونچی اونچی باڑیں بندھی ہوئی تھیں۔ جن کے اُوپر بانسوں ہی کی برجیاں بھی بنائی گئی تھیں۔ احاطے کے سامنے بڑا سا پھاٹک تھا جو اُس وقت کھلا تھا۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ اُس نے جس فارم ہاؤس کا تذکرہ کیا ہے وہ یہی تو نہیں ہے؟ اگر یہ واقعی اُس کا فارم ہاؤس ہے تو پھر اُس کا کہنا درست ہی تھا۔ ویسے احاطہ جتنے وسیع علاقے کو گھیرے ہوئے تھا، اُسے بھی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ جس طرف نگاہ

اُٹھتی، بانسوں کا جنگل نظر آتا۔ لاکھوں روپے کے بانس صرف اس احاطے کی تیاری میں صرف کئے گئے ہوں گے۔ گیٹ سے وہ اتنی بے تکلفی سے اندر داخل ہوئی تھی کہ اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ گیا تھا کہ اس کا کوئی نہ کوئی تعلق یہاں سے ضرور ہے۔

اندر قدم رکھا تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چاروں طرف درخت جھول رہے تھے اور ان درختوں کے درمیان ترکاریوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے جن کے باقاعدہ قطعے بنائے گئے تھے۔ ہر چیز میں ایک عجیب نفاست تھی۔ کیاریوں میں چند افراد کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ بجری کی ایک روش اُس عمارت کی جانب چلی گئی تھی، جو اس عظیم الشان احاطے کے بیچوں بیچ واقع تھی اور بناوٹ کے اعتبار سے حسین ترین کہی جا سکتی تھی۔ عمارت کے سامنے ایک وسیع چبوترا تھا جو زمین سے صرف ایک فٹ اُونچا تھا۔ اُس پر رنگین کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ جن میں سے ایک کرسی پر سفید گاؤن میں ملبوس ایک بوڑھا بیٹھا تھا۔ داڑھی مونچھوں سے پاک چہرہ اور آنکھوں پر نہایت نفیس فریم کی عینک اُسے خوشحال ثابت کر رہی تھی۔

اُس نے دُور ہی سے ہمیں دیکھ کر آواز لگائی۔ ''ہے میلسی..... بدبخت لڑکی! وہی ہوا نا جس کی پیش گوئی میں نے کر دی تھی۔ یہ تیری واپسی کا وقت ہے؟''

''میرے دادا.....'' میلسی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

بوڑھا آنکھوں سے چشمہ اُتار کر غصیلی نگاہوں سے میلسی کو دیکھ رہا تھا۔ میلسی کی چال میں اٹھلاہٹ پیدا ہوگئی۔ میں جھجکتے ہوئے اُس کے پیچھے پیچھے آگے بڑھا اور ہم دونوں بوڑھے کے قریب پہنچ گئے۔

''تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ رات ہونے سے پہلے واپس آ جائے گی۔ یہ تیری واپسی کا وقت ہے؟''

''کمال ہے دادا جان! کیا رات ہوگئی؟'' میلسی نے حیرت سے سوال کیا اور بوڑھے نے ساتھ رکھی بیساکھی اُٹھا لی۔ غالباً وہ ٹانگوں سے معذور تھا۔ میلسی ہنستی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ''مسٹر منصور، دادا جان!'' اُس نے میرا تعارف کرایا۔

''کیا؟'' بوڑھے نے سوال کیا۔

''مسٹر منصور.....''

''تعلق ایشیاء سے ہے؟'' بوڑھے نے فوراً ہی کہا اور میلسی سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''آپ کا خیال درست ہے محترم!'' میں نے جواب دیا۔

''ایشیائی باشندوں سے مجھے محبت ہے۔ کیونکہ میں نے اپنی زندگی کے چودہ سال ایشیاء میں گزارے ہیں۔ خاص طور سے برصغیر میں۔'' بوڑھے نے میری طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ ''میرا نام ڈیوڈ ہوپ ہے۔ تم مجھے مسٹر ہوپ کہہ سکتے ہو۔''

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر ہوپ.....''

''میلسی سے تمہاری دوستی کس طرح ہوئی؟ کہیں تم اس کی کسی شرارت کا شکار تو نہیں ہوئے؟''

''نہیں۔ یہ دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔''

''یہ لڑکی بالکل ہی پاگل ہے۔ اپنی ماں کی طرح سنکی.....''

''غلط کہہ رہے ہیں دادا جان! آپ بار بار بھول جاتے ہیں۔ پہلے تو کہہ رہے تھے کہ میں اپنے باپ کی طرح سنکی ہوں۔''

''ایک ہی بات ہے میلسی! وہ دونوں الگ الگ کب تھے؟'' بوڑھے کے لہجے میں یکایک نرمی پیدا ہوگئی۔ اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تم کھڑے کیوں ہو مسٹر منصور؟ بیٹھ جاؤ۔'' میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ ''اب اپنا تعارف کراؤ۔'' اُس نے کہا۔

''میرا نام تو آپ جان ہی چکے ہیں مسٹر ہوپ! سیاح ہوں اور آوارہ گردی کرتے ہوئے لاگن آ نکلا ہوں۔ یہاں سے اسٹاک ہوم جانے کا ارادہ ہے۔''

''اگر لاگن پہلی بار آئے ہو تو اتنی جلدی تمہیں یہاں سے نہیں جانا چاہئے۔ لاگن بہت خوبصورت قصبہ ہے۔''

''لیکن مسٹر ہوپ! میلسی آپ کی پوتی ہے تو یہ اس طرح کیوں لفٹ لے لے کر سڑکوں پر سفر کر رہی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

''ہم لوگ خاندانی مریض ہیں مسٹر منصور! زندگی کو مختلف رنگوں میں دیکھنے کے عادی۔ براہِ کرم! اس سلسلے میں مزید سوالات مت کرنا۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے شہر میں بارہ سنگھے ہوتے ہیں؟''

''جی... ؟'' میں نے چونک کر حیرت سے کہا۔
''بارہ سنگھے.....وہ جن کے بارہ سینگ ہوتے ہیں۔''
''وہ شہروں میں تو نہیں ہوتے مسٹر ہوپ! لیکن آپ کو اُن کا خیال کیسے آ گیا؟''
''پتہ نہیں کیوں جب بھی ایشیاء کے بارے میں سوچتا ہوں، میرے ذہن میں بارہ سنگھے پھدکنے لگتے ہیں۔ یوں..... یوں.....'' بوڑھے نے اپنے ہاتھوں کی پانچوں اُنگلیوں کو کھولتے اور بند کرتے ہوئے کہا۔ اُس کی آنکھوں میں خواب سے لہرانے لگے تھے۔
میلسی بڑی سنجیدگی اور دلچسپی سے بوڑھے ہوپ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''مجھے اعتراض ہے دادا جان.....کیوں مسٹر منصور! بارہ سنگھوں کا یوں، یوں سے کیا تعلق ہے؟''
میرے جواب دینے سے پہلے بوڑھا ہوپ بول پڑا۔ ''گہرا تعلق ہے لڑکی! تم نے زندگی میں کبھی بارہ سنگھا دیکھا ہے؟''
''دادا جان! میں نے تو سولہ سنگھا اور اٹھارہ سنگھا بھی دیکھا ہے، آپ صرف بارہ سنگھے کی بات کر رہے ہیں۔''
''میں تمہیں ایک ہزار ڈالر نقد دے سکتا ہوں اگر تم مجھے سولہ سنگھا دکھا دو۔''
''سوچ لیجئے دادا جان! کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو ایک ہزار ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑے۔''
''تو کیا تم مجھے قلاش آدمی سمجھتی ہو؟ اس فارم ہاؤس کی آمدنی بیس لاکھ ڈالر سالانہ ہے۔ اس کے علاوہ میرے بیرونی ذرائع۔ لڑکی! حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہو تم بعض اوقات۔ مجھے یہ باتیں بالکل پسند نہیں۔ تم ڈیوڈ ہوپ کو کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟''
''اٹھارہ سنگھا،'' میلسی نے ہنستے ہوئے کہا اور بوڑھے نے ایک بار پھر میلسی کی جانب ہاتھ بڑھا دیا۔ لیکن میلسی ہنستی ہوئی عمارت کے اندرونی حصے کی طرف دوڑ گئی تھی۔ جب وہ بوڑھے کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو بوڑھے نے ایک قہقہہ لگایا۔
''بہت شریر ہو گئی ہے۔ اگر میں تم سے یہ کہوں مسٹر منصور! کہ مجھے زندگی میں انوکھے تجربات سے دوچار ہونا پڑا ہے تو کیا تم اس پر یقین کر لو گے؟ مرد جب ماں کی حیثیت اختیار کر جائے تو ہزاروں ماؤں سے بہتر ہوتا ہے۔ باپ کی حیثیت سے اگر اس کے فرائض میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو شاید ہو جائے لیکن جب وہ اپنے آپ کو ماں کی حیثیت میں

ڈھال لیتا ہے تو پھر بہت عظیم ہوتا ہے۔ میں نے ان دونوں بچیوں کو ماں بن کر پالا ہے اور آج تک.....اوہ سوری! کن فضول باتوں میں پھنس گیا میں۔ یقیناً تم لوگوں نے ابھی ناشتہ نہیں کیا ہو گا۔
''نہیں مسٹر ہوپ! ہم ہلکا پھلکا ناشتہ کر چکے ہیں۔''
''ناشتہ کبھی ہلکا پھلکا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر ایک خوشگوار دن کا آغاز ہی کفایتوں سے ہو تو اس کا انجام بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ چلو اٹھو! ہم ناشتہ کریں گے۔'' بوڑھے نے بیساکھیوں کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے جلدی سے اُٹھ کر اُس کی بیساکھیاں اُس کے حوالے کر دیں اور بوڑھے نے شکریہ ادا کر کے انہیں بغلوں کے نیچے لگا لیا اور پھر آہستہ روی سے میرے ساتھ چلنے لگا۔ بظاہر اُس کی ٹانگیں ٹھیک ٹھاک محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن وہ بمشکل تمام انہیں زمین پر جما کر چل رہا تھا۔ پھر وہ مجھے لے کر اندر داخل ہو گیا۔
اندر کی سج دھج بھی قابل دید تھی۔ ڈیکوریشن پر ہی لاکھوں روپے خرچ کئے گئے تھے۔ مگر میلسی مجھے واقعی سنکی محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس انداز میں لفٹ سے سفر کر رہی تھی۔ اُس نے اپنا حلیہ بے حد برا بنا رکھا تھا۔ لیکن ناشتے کے کمرے میں جب وہ آئی تو ایک خوبصورت اسکرٹ میں ملبوس تھی۔ اُس نے ہم دونوں کو مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہا اور پھر ناشتے کی میز پر بیٹھ گئی۔ دو بٹلروں نے فوراً ناشتہ لگا دیا۔ ہم نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔
''اگر تم چاہو تو مسٹر منصور کو اپنا فارم ہاؤس دکھاؤ۔ بیرونی علاقے سے زیادہ عقبی علاقہ خوبصورت ہے۔ تمہیں پسند آئے گا۔''
بوڑھے کی بات سن کر میں نے میلسی کی طرف دیکھا۔ وہ گردن خم کر کے اُٹھ کھڑی ہوئی اور پھر مجھے ایک کمرے میں لے آئی۔ ''دادا جان کھسک گئے ہیں اپنی جگہ سے۔ ہم نے رات جس انداز میں گزاری ہے، اُس کے بعد ہمارے لئے ایک پرسکون نیند سب سے بہتر ہے۔ فارم ہاؤس دکھانے کے لئے تو بہت وقت پڑا ہے۔ دیکھو! یہ تمہارا کمرہ ہے۔ آرام سے لباس وغیرہ تبدیل کرو اور سو جاؤ۔ جب تک جی چاہے، سوتے رہو۔''
کم از کم اس سلسلے میں، میں میلسی سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میلسی خود ہی واپس چلی گئی تھی۔ بہترین فرنیچر سے آراستہ کمرہ تھا۔ جوتے اُتارے، ملحقہ باتھ رُوم میں جا کر منہ ہاتھ دھویا

اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔ نیند آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ جاگا تو ساڑھے تین بج رہے تھے۔ پیٹ میں دوڑتے چوہے بتا رہے تھے کہ صبح کے ناشتے کے اثرات زائل ہو چکے ہیں اور دوپہر کے کھانے کا وقت نکل گیا ہے۔ اب جبکہ کھانے کا وقت نکل ہی گیا تھا تو پھر جلد بازی سے کیا فائدہ؟ میں کسلمندی سے بستر پر ہی لیٹا رہا۔

تقریباً چار بجے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور لباس تبدیل کر کے باہر نکل آیا۔ ایک ملازم نے گردن خم کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر ہوپ باہر لان پر انتظار کر رہے ہیں میں تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ سنگی چبوترے کی دوسری جانب سرسبز گھاس پر مسٹر ہوپ کرسی پر بیٹھے میرا انتظار کر رہے تھے۔

''بیٹھ جاؤ میں نے سنا ہے تم نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا۔''

''ہمیں پچھلی رات لاگن میں داخل ہونا چاہئے تھا مگر سنسان راستے مخدوش محسوس ہوئے تو میں نے اور میلسی نے رات کو سفر کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا لیکن کھلے آسمان کے نیچے نیند نہیں آ سکی۔''

''ہم! تو میں تمہارے لئے کچھ منگواؤں اگر اس وقت کوئی بھاری چیز کھا لی تو پھر رات کھانا نہیں کھا سکو گے۔'' ساتھ ہی انہوں نے ایک ملازم کو اشارہ کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے کے ساتھ کچھ لوازمات لے آیا۔ مسٹر ہوپ کافی مہمان نواز آدمی تھے۔ وہ مجھ سے میرے بارے میں پوچھنے لگے۔ اور میں نے انہیں مختصراً اپنی سیاحت کے بارے میں بتایا جس میں کچھ بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا بس ایک کہانی تھی۔

''ایشیا میں، میں نے بھی ایک طویل زندگی گزاری ہے نوابوں کا دور تھا اور یہ نواب بھی خوب ہوا کرتے تھے کیا تم نے بارہ سنگھا دیکھا ہے کبھی؟'' بوڑھے ہوپ نے دوسری بار بارہ سنگھے کا تذکرہ کیا تھا۔

''جی ہاں۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں اس بارے میں۔''

''بارہ سنگھے کے بارے میں نجانے کیوں جی چاہتا ہے کہ طویل گفتگو کی جائے۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ ہو گی مسٹر ہوپ؟''

''کیا پتہ! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''مس میلسی کہاں ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔ بوڑھے کی بے ربط گفتگو کچھ عجیب سی محسوس ہونے لگی تھی۔

''وہ کہیں گئی ہوئی ہے۔''

''آپ نے کہا تھا کہ آپ کی دو پوتیاں ہیں۔ دوسری کو میں نے نہیں دیکھا۔''

''جسے نہیں دیکھا۔ اُسے دیکھنے کی کوشش بیکار ہے، ہمیں صرف سامنے دیکھنا چاہئے۔ ادھر اُدھر دیکھنے کی کوشش بعض اوقات نقصان دہ ہو جاتی ہے ویسے بارہ سنگھا اس کائنات میں ایک عجیب وغریب مقام رکھتا ہے۔''

''مجھے یوں محسوس ہوتا ہے مسٹر ہوپ جیسے بارہ سنگھے کا آپ کی زندگی سے کوئی گہرا تعلق ہے۔ کیا آپ نے کبھی اپنے ذہن کو ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی کہ اس میں بارہ سنگھے کا تصور اس قدر کیوں جاگزیں ہے۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا مجھے پاگل قرار دینا چاہتے ہو۔ یہ کہنا چاہتے ہو کہ بارہ سنگھا بذات خود کوئی انفرادیت نہیں رکھتا؟ صاحبزادے اگر دنیا کی حقیقت پر غور کرو تو بارہ سنگھا اس میں تمہارا سب سے زیادہ معاون ہوتا ہے۔ میں تمہیں بارہ سنگھے کے بارے میں جو تفصیلات بتاؤں گا شاید تم خواب میں بھی کبھی نہ سوچ سکو۔'' بوڑھے نے پرخیال انداز میں کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''زیادہ قدیم کا انسان جب تہذیب سے ناآشنا تھا اور اس کی فکر صرف چند چیزوں تک محدود تھی......'' میں دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن دفعتہً ہی میرا منہ حیرت سے کھل گیا جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ ناقابل یقین تھا بوڑھے کی بیساکھیاں وہیں کرسی کے پاس رکھی ہوئی تھیں وہ ٹہلتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا اور اس وقت بالکل صحیح کھڑا مجھے لیکچر دے رہا تھا۔ میرے حیران چہرے کو دیکھ کر اس نے ایک مدبرانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''یہ نظریۂ فکر اس وقت تبدیل ہوا......''

''اوہ اوہ مسٹر ہوپ......مسٹر ہوپ......آپ......آپ بغیر بیساکھیوں کے کھڑے ہیں۔'' میں نے بوڑھے کو اس کے پیروں کی جانب متوجہ کیا لیکن بوڑھے نے میری بات کی جانب توجہ نہیں دی۔

''میرا ذہن بھٹکا کر تم بارہ سنگھے کی افادیت اور اس کی تاریخی شخصیت کو نظرانداز کرنا چاہتے ہو۔ نہیں ہرگز نہیں۔''

''مسٹر ہوپ آپ بغیر بیساکھیوں کے کھڑے ہیں۔''

''تو تمہیں کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔'' بوڑھا واپسی کے لئے مڑا اور پھر اس نے دو
بیساکھیاں اٹھا کر بغلوں کے نیچے لگالیں اور ٹہلنے کے انداز میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

''تو میں بارہ سنگھے کی افادیت اور اس کی تاریخی حیثیت پر تبصرہ کر رہا تھا۔'' اس نے
بات کا نوٹس لئے بغیر کہا۔ اور میں احمقوں کے سے انداز میں کھوپڑی کھجانے لگا۔ مجھے
پاگلوں کا خاندان معلوم ہوتا تھا۔ فقیروں کی طرح لفٹ لے کر سفر کرنے اور بھوکوں مر
والی کروڑ پتی پوتی، معذوروں کی طرح بیساکھیاں بغل میں دبا کر چلنے والا دادا اور پھر با
سنگھا، یہ سب احساس دلاتا تھا فارم ہاؤس درحقیقت پاگل خانہ ہے۔ بیساکھیاں بغل
لگانے کے بعد بوڑھا ڈیوڈ مجھے بارہ سنگھے کے بارے میں نجانے کیا کیا بتاتا رہا لیکن
اس کی کیفیت پر غور کر رہا تھا۔ اُسی وقت میلسی ایک خوبصورت کار میں اندر داخل ہوئی
نے کار ایک طرف کھڑی کی اور اتر کر ہمارے پاس آ گئی۔

''ہیلو۔ مسٹر منصور کیسے مزاج ہیں کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سوال کیا۔

''یہ شخص بارہ سنگھے کو تسلیم نہیں کرتا میلسی اور تم جانتی ہو ایسی کیفیت میں میں آؤٹ
جاتا ہوں۔ سوری میلسی! اس وقت اپنے مہمان کو تم خود ہی سنبھالو۔ میرا ٹیمپر لوز ہو
ہے۔'' اس نے بیساکھیوں کے سہارے تیز تیز آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اور پھر چبوترے
اتر کر عمارت میں داخل ہو گیا۔

میلسی عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر میری طرف رخ کر کے بولی۔''
کیا تھا؟''

''کچھ نہیں میلسی بس تقدیر کی خرابی کہو۔ اب میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں، سوا
اپنی تقدیر کو، کوسنے کے۔''

''ارے.... ارے..... مگر ہوا کیا۔ تمہیں دادا جان کی بات کا برا نہیں ماننا چاہئے۔ بار
سنگھا درحقیقت ان.... کا ایک کمپلیکس ہے اور وہ جب بھی ایشیا کا تصور کرتے ہیں بارہ سنگھے
کے بارے میں گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ ویسے پچھلے کئی سال سے انہوں نے بارہ سنگھے کے
بارے میں کوئی بات چیت نہیں کی تھی لیکن تمہارے نام کے ساتھ چونکہ ایشیاء کا تصور اُبھر
ہے اوہو۔ شاید تم لوگ چائے پی چکے ہو۔ لیکن میں چائے پینا چاہتی ہوں۔''

''کیا تم یہ بات سن کر حیران نہیں ہو گی میلسی کہ تمہارے دادا جان بارہ سنگھے کے
تذکرے پر اس قدر جذباتی ہو جاتے ہیں کہ بیساکھیوں کے بغیر بھی ٹہلتے ہوئے دُور چلے
جاتے ہیں۔ اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر گفتگو کر سکتے ہیں۔''

''تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ دادا جان اکثر بیساکھیوں کے بغیر بھی چل لیتے
ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ایک پیالی چائے اور پیئو میرے ساتھ۔ یہ میں نے تمہارے لئے بنائی ہے۔'' میلسی
نے کہا اور میں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تم کہہ رہی تھیں کہ وہ بغیر بیساکھیوں کے بھی چل لیتے ہیں۔''

''ہاں۔ وہ معذور تو نہیں ہیں صرف معذور آدمی بیساکھیوں کے بغیر نہیں چل سکتے، ان
کی تو دونوں ٹانگیں درست ہیں۔''

''تب پھر یہ بیساکھیاں۔''

''بیساکھیاں..... بیساکھیاں ہوتی ہیں۔ اوہ..... کہیں تم نے یہ سوال تو نہیں کر ڈالا ان
سے کہ وہ بغیر بیساکھیوں کے کیسے چل رہے تھے؟''

''نہیں میں نے ان سے یہ سوال نہیں کیا؟'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

''دراصل بیساکھیوں سے چلنا ان کا مشغلہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ بیساکھیاں
بغل میں دبا کر چلتے ہوئے وہ بے حد سکون محسوس کرتے ہیں اور اس سلسلے میں بھی اتنے ہی
جذباتی ہیں جتنے بارہ سنگھے کے سلسلے میں۔'' میلسی نے جواب دیا اور چائے کا کپ اٹھا کر
منہ سے لگالیا لیکن میں نے اپنی چائے کی پیالی نہیں اٹھائی۔ میں اس پاگل خاندان کے
بارے میں سوچ رہا تھا۔ میلسی کے چہرے سے ذرا بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس سلسلے میں
بھی وہ کوئی شرارت کر رہی ہے۔

''تم گئی کہاں تھیں؟''

''بھیک مانگنے۔'' میلسی نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''اکثر میں لاگن کے آس پاس کے علاقوں میں بھیک مانگنے چلی جاتی ہوں۔ دیکھو لو کار

میں میرا ڈریس رکھا ہوا ہے بالوں کی وگ بھی ہے لیکن بعض اوقات مجھے اس کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔ بس بھیک مانگنے کے نئے نئے طریقے آنے چاہئیں۔''

''تم شاید سنجیدگی سے مجھ سے مذاق کر رہی ہو۔''

''مسٹر منصور! کیا یہ بہتر نہیں ہوتا کہ کسی کے ذاتی معاملات میں مداخلت نہ کی جائے۔ ہم، تم چند لمحات کے مسافر تھے دوستی کی بنیاد پر میں تمہیں یہاں لے آئی۔ میں نے تمہیں اپنے فارم ہاؤس کے بارے میں بھی بتا دیا تھا اور دادا جان کے بارے میں بھی بس اتنا ہی کافی نہیں تھا۔ ضروری ہے کہ تم، ہم لوگوں کے بارے میں ساری چھان بین کرو، دادا جان اگر بارہ سنگھے کے مرض کا شکار ہیں تو ہونے دو۔ تم ڈاکٹر تو نہیں ہو اور پھر وہ اگر بیساکھیوں کے چند قدم چل لیتے ہیں تو اس سے تم پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سوری ڈیئر، یہ بات بہتر نہیں ہوگی۔ آئندہ احتیاط رکھنا۔''

اس نے اپنی چائے کی پیالی خالی کی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی، میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا، تھیلا لینے کے لئے اندر جانا ضروری تھا ورنہ شاید یہیں سے بانسوں کے دروازے کی جانب چھلانگ لگا دیتا جو اس پاگل خانے میں داخلے کا واحد راستہ تھا کیونکہ بانسوں کی اونچی باڑھ کے حصار کو پھلانگنا میرے بس سے باہر تھا۔ یہاں اس پاگل خانے میں کسی بھی وقت کوئی ایسی بات رونما ہو سکتی ہے جو میرے لئے مصیبت کا باعث بن جائے اور اب میں کوئی مصیبت مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ حیرت تھی ان تمام لوگوں پر، میں کافی دیر تک وہاں اکیلا بیٹھا رہا اور اس کے بعد یہی فیصلہ کر کے وہاں سے اٹھا کہ اپنا بیگ لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔ اس کمرے میں پہنچا جہاں میرا بیگ رکھا ہوا تھا تو میلسی میرے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی۔

''مجھے یقین تھا کہ تم فوراً اپنے کمرے میں آؤ گے، میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

''تمہیں یہ یقین کیوں تھا میلسی؟''

''اس لئے کہ میں نے تمہارے چہرے پر تمہارا پروگرام پڑھ لیا تھا۔ اب تم یہاں سے بھاگنے کی کوشش کرو گے لیکن میرے خیال میں یہ تمہاری زیادتی ہوگی۔''

''نہیں میلسی پلیز۔ میں ویسے بھی زیادہ دیر تمہارے پاس نہیں رُک سکتا تھا۔ لاگن کو دیکھتا ہوا یہاں سے اسٹاک ہوم نکل جاؤں گا۔ بس یہی میرا پروگرام ہے۔''

''اس طرح نہیں جا سکتے مسٹر منصور! میں کہتی ہوں کہ آخر تمہیں تجسس کیا پیدا ہو گیا ہے۔ دراصل بارہ سنگھا۔''

''ایک منٹ۔ اگر تم نے دوبارہ بارہ سنگھے کا نام لیا تو ہو سکتا ہے میں دیوار سے سر پھوڑ لوں۔''

''گویا بارہ سنگھا تم پر بھی سوار ہو گیا ہے۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا پھر بولی۔ ''سوری منصور! مگر اس طرح واپس جانا بد اخلاقی ہے بس تم ان تمام باتوں کو ذہن سے نکال دو۔ دادا جان اگر بیساکھیوں سے چلتے ہیں تو تمہیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھئی یہ ان کی پسند ہے۔ میں اگر اپنی پسند کی زندگی گزار لیتی ہوں تو یہ میرا ذاتی معاملہ ہے کیا اس کے بغیر ہم لوگ دوست نہیں رہ سکتے؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن براہ کرم اب تم مجھے نہ بارہ سنگھے کی کہانی سنانا اور نہ اپنے بھیک مانگنے کی۔''

''وعدہ۔'' میلسی نے میری بات کا برا مانے بغیر کہا اور اس کے بعد اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''آؤ! میں تمہیں اپنا فارم ہاؤس دکھاؤں۔''

میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ فارم ہاؤس کی جو صورتِ حال میں سامنے کی سمت دیکھ چکا تھا، اُس کا عقبی حصہ اُس سے بھی زیادہ حسین تھا۔ وہاں ایک انتہائی خوبصورت سوئمنگ پول بھی تھا جس کے کنارے چھتریاں لگائی گئی تھیں۔ خاصا حسین ماحول تھا۔ لیکن میلسی بھیک مانگنے جاتی تھی، لفٹ لے کر سفر کرتی تھی۔ اہل یورپ کا یہ رنگ بھی میرے لئے اجنبی تھا۔ کافی دیر میلسی میرے ساتھ رہی۔ پھر شام کے سائے جھک آئے۔ رات کے کھانے پر بوڑھا دادا موجود نہیں تھا۔ صرف میلسی ہی نے میرے ساتھ کھانا کھایا اور کھانے کے بعد ہم کافی پیتے ہوئے گفتگو کرنے لگے۔

''لاگن کے نواح بہت حسین ہیں۔ کل میں تمہیں کچھ ایسی جگہیں دکھاؤں گی جو تمہیں بے حد پسند آئیں گی۔''

''تمہاری دوسری بہن ابھی تک نظر نہیں آئی۔ کیا وہ کہیں گئی ہوئی ہے؟''

''وہ ہمیشہ غائب رہتی ہے۔ شاید ہی تمہیں نظر آئے۔''

''ان دنوں یہاں موجود نہیں ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

میلسی اس انداز میں ہنس پڑی جیسے مجھے ذہنی مریض سمجھ رہی ہو۔ اُس کے ہنسنے کی
فوراً ہی میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے پھر اُس کے گھر کے بارے میں کرید شروع کر
تھی۔ اُس نے مجھے اپنی بہن کے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا بلکہ سویڈن کی تاریخ اور
کنگز لٹیروں کے بارے میں تفصیلات بتانے لگی اور میں خاموشی سے اُس کی بکواس سنتا رہا
مجھے ان باتوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ باتیں کافی دیر جاری رہیں۔ اور پھر اُس سے
اجازت لے کر میں اپنی آرام گاہ میں پہنچ گیا۔ روشنی گل کر کے میں بستر پر لیٹا ہی تھا
دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میرے ذہن میں یہی خیال آیا کہ میلسی کو پھر کچھ سوجھ
ہے۔ دروازہ کھولا تو ایک نئی صورت نظر آئی۔ عمر تقریباً تئیس سال، چہرہ انتہائی خوبصورت
آنکھیں بڑی بڑی اور کشادہ لیکن اُس چہرے پر ایک پراسراری کیفیت پھیلی ہوئی تھی، جیسے
وہ جاگتے ہوئے سو رہی ہو۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لمبی موی شمع دبی ہوئی تھی۔ گلے میں
ایک خاص قسم کا زیور نظر آ رہا تھا اور اُس کے دیکھنے کا انداز بھی بہت عجیب تھا۔ وہ اندر
داخل نہیں ہوئی بلکہ اُس نے مجھے گردن کے اشارے سے باہر آنے کے لئے کہا اور میں
متحیرانہ انداز میں باہر نکل آیا۔ اس لڑکی کو میں نہیں پہچانتا تھا۔ اس فارم ہاؤس میں، میں
نے پہلی بار اُس کی صورت دیکھی تھی۔ لیکن اُس کا انداز ایسا تھا جیسے مجھے بخوبی جانتی ہو۔
بہرطور! میں باہر نکلا تو وہ واپسی کے لئے مڑ گئی اور میں اُس کے پیچھے چل پڑا۔ اُس کے چلنے
کا انداز بھی کچھ عجیب سا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ فضا میں تیر رہی ہو۔

☆.....☆.....☆

اس بار مجھے عمارت کے ایک بالکل نئے حصے میں لایا گیا تھا۔ جس کمرے میں ہم داخل ہوئے، وہاں چاروں طرف الماریوں اور شیلف میں کتابیں بند تھیں۔ لڑکی کے بارے میں ابھی کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا تم مصری ثقافت کے بارے میں کچھ جانتے ہو؟'' میری آنکھیں پھیل گئیں۔ یہ سوال بھی میرے لئے ناقابل فہم اور عجیب سا تھا۔ ''میں سیت خاندان کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ مصریوں کی زندگی میں سیت خاندان کا دور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سیت خاندان سے پہلے جو اہرام اور مقبرے مصر میں تعمیر ہوئے تھے، اُن کی دریافت ابھی مکمل طور پر نہیں ہو سکی۔ لیکن سیت خاندان کا ابتدائی دور بڑا عجیب و غریب تھا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ بیسویں صدی کے مصری مورخین تاریخ مصر پر جو بحث کرتے ہیں اور سیت خاندان کے لوگوں کو حبشہ سے منسوب کرتے ہیں، اس میں کہاں تک صداقت ہے؟''

''آپ.....آپ کون ہیں خاتون؟''

''اوہ..... میرا نام کیلسی براؤنسن ہے۔ تمہاری دوست میلسی براؤنسن کی بڑی بہن ہوں۔ دراصل مجھے افسوس ہے کہ تمہاری آمد کے بعد میں تم سے ملاقات نہ کر سکی۔ لیکن کیا کروں؟ اخناتون کا مسئلہ حل ہو جائے تو میں اپنے کام کو آگے بڑھاؤں۔''

''مصریات پر کچھ کام کر رہی ہو؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں! جسم و روح کے متعلق جو ایک اُلجھا ہوا تصور مصری کہانیوں میں ہے میں اُس کی حقیقت جاننا چاہتی ہوں۔ اور اس کے لئے مجھے یہ کتابیں ناکافی محسوس ہوتی ہیں۔ میلسی نے تمہیں اپنی دنیا دکھائی ہو گی۔ آؤ! میں تمہیں اپنی دنیا دکھاؤں۔ آؤ پلیز..... میرے ساتھ آؤ! تم یقیناً اُسے دیکھ کر لطف محسوس کرو گے اور اگر تمہارے ذریعے میرا مسئلہ حل ہو جائے تو میں تمہاری شکرگزار رہوں گی۔''

''اس بار اُس نے میرا بازو پکڑ لیا تھا اور میں اُس کے ساتھ ساتھ کسی سحر زدہ شخص
مانند آگے بڑھ گیا۔ لیکن وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی بلکہ کمرے کی دیوار کے قریب پہنچ
اُس نے ایک ایسا دروازہ کھولا جو بظاہر اس دیوار میں نہیں محسوس ہوتا تھا۔ دوسری جانب
روشنی تھی۔ وہ ایک وسیع و عریض ہال تھا۔ قدیم مصریات کا بیش بہا خزانہ وہاں موجود تھا
چھوٹے چھوٹے اہراموں کے ماڈل، فراعنہ کے مقبروں کی بڑی بڑی تصاویر، جگہ جگہ فرع
کے سنگی مجسمے اُس ہال میں سجائے گئے تھے۔ ہلکی سی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ لیک
اطراف میں کہیں ایسی جگہ نظر نہیں آرہی تھی جس سے یہ خوشبو نکل رہی ہو۔ نجانے کیو
مجھے راعمیس کا مقبرہ یاد آگیا جہاں میں نے پہلی بار راعمیس کو تابوت میں لیٹے دیکھا تھا
یہاں پھیلی ہوئی خوشبو اُس مقبرے میں پھیلی ہوئی خوشبو سے مختلف نہیں تھی۔ یہاں ک
ماحول میں مصر کی مکمل تصویر کھینچ دی گئی تھی۔ اُس کے درمیان ہم دونوں بہت ہی عجیب
محسوس کر رہے تھے۔ پتہ نہیں مصر کا میری زندگی سے کیا تعلق تھا؟ کسی نہ کسی صورت م
تھوڑے بہت وقفے کے بعد وہ میری نگاہوں کے سامنے آجاتا تھا۔

کیلسی براؤنسن کی آواز اُبھری۔ ''دیکھو! یہ سیت خاندان سے پہلے کے افراد ہیں ا
ان کی تاریخ میں سیت خاندان کی آمد کا پورا حال درج ہے۔ یہ شخص راعمیس ہے۔ سیت
خاندان سے پہلے کا فرعون.....''

کیلسی براؤنسن نے اتنا کہا تھا کہ میری نگاہ اُس مجسمے کی جانب اُٹھ گئی جس کی طرف
کیلسی براؤنسن نے اشارہ کیا تھا اور اُس کے بعد جیسے میرا دماغ ہوا میں معلق ہو گیا..... ب
شبہ یہ راعمیس ہی کا مجسمہ تھا..... اُس راعمیس کا جو میری زندگی پر، میرے حواس پر بُر
طرح مسلط رہا تھا اور جس سے پیچھا چھڑانے کے لئے میں نے نجانے کیا کیا جتن ک
تھے۔ اُس سے بھی زیادہ پریشان کن اور حیرت ناک بات یہ تھی کہ راعمیس کے عقب م
راعمساس کا مجسمہ بھی موجود تھا۔ وہی فرعونی لباس، وہی قدیم انداز، لیکن صورت میری.....
ہاں! میری اصلی صورت..... جسے میں زمانہ قدیم کے انسان کے مجسمے کی شکل میں دیکھ ر
تھا.....

عقب سے کیلسی براؤنسن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ مجھے سیت خاندان ک
بارے میں تفصیلات بتا رہی تھی۔ لیکن اُس کے الفاظ کا مفہوم میری سمجھ میں نہیں آ ر

تھا۔ میں نے خوفزدہ انداز میں دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لئے۔ دفعتہً ہی مجھے اپنے چہرے پر
ایک خرخراہٹ سی محسوس ہوئی۔ پلاسٹک کے وہ بڑے بڑے ٹکڑے جنہوں نے میرے
چہرے کو آرٹن ڈورل کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا، خود بخود میری جلد چھوڑ رہے تھے.....
یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سوکھ گئے ہوں۔ میں نے ایک ٹکڑا چہرے سے ہٹایا تو وہ میرے
ہاتھ میں آگیا پھر میں نے اپنے چہرے کو بے چینی سے دونوں ہاتھوں سے رگڑنا شروع کر
دیا..... وہ میک اپ میرے چہرے سے ختم ہو گیا تھا جس نے مجھے آرٹن ڈورل بنایا تھا۔ اور
اب اگر میں آئینہ دیکھتا تو اس مجسمے سے کم از کم میری صورت الگ نہ ہوتی..... دفعتہً ہی
میرے چہرے پر ایک زوردار چپت پڑی اور میرے حلق سے ایک آواز سی نکل گئی.....

راعمیس کا مجسمہ آنکھیں کھول کر مجھے گھورنے لگا تھا..... اُس کے چہرے پر شکایت کا سا
انداز اُبھر آیا تھا۔ جبکہ اُس سے پہلے اِس کی یہ کیفیت نہیں تھی۔ پھر اُس کے ہونٹ کھلے اور
ایک آواز میرے کانوں میں اُبھری.....

''راعمساس کے ہم شکل! اس میں کوئی شک نہیں کہ تو دنیا کا سب سے ناقابلِ اعتبار
آدمی ہے۔ لیکن یہ میری بدقسمتی ہے یا تیری کہ تو میرے ایسے جگری دوست کا ہم شکل ہے
جس کے ساتھ میں نے اپنے بچپن سے آخری عمر تک کا دور گزار دیا۔ اپنی صورت کو اگر آج
اس مجسمے کی شکل میں بھی نہ پہچان سکے تو پھر تیرے لئے نحوست کی گہری اور عمیق وادیوں
کے علاوہ کچھ نہیں ہے..... میری رفاقت تیرے لئے وبالِ جان بن گئی یا تو نے مجھے محبت
کے بدلے نفرت کا تحفہ دیا۔ لیکن میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اُس کے نام پر جو میرا
سچا دوست اور وفادار ساتھی تھا۔ گہرا یار تھا.....''

میں نے راعمیس کے مجسمے کو بولتے ہوئے دیکھا اور پھر میری نگاہیں کیلسی براؤنسن کی
جانب اُٹھ گئیں جو اپنی جگہ کھڑی لہرا رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں کی پتلیاں چڑھ گئی
تھیں۔ وہ ایک لمحے میں گرنے ہی والی تھی کہ میں نے لپک کر اُسے سنبھال لیا تھا۔ میری
بانہوں میں گرتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی۔

راعمیس بدستور کینہ توز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے
کہا۔ ''اس دنیا کا ہر شخص تیرے لئے قابلِ توجہ اور قابلِ احترام ہے۔ لیکن صرف
راعمیس..... تیرا گہرا دوست راعمیس..... تیری توجہ نہیں حاصل کر سکتا۔ میں اپنی اس توہین کا

تجھ سے ایسا انتقام لے سکتا ہوں کہ تو مرتے دم تک یاد رکھے..... لیکن نہیں۔ میں نے
آزاد کر کے اپنی محبت کو سمیٹ لیا ہے۔''

میں نے مسکراتی نگاہوں سے راعمیس کو دیکھا۔ ''تو پہلی بار میرے سامنے مجسم شکل
آیا ہے۔''

''مجسم نہ کہہ، مجسمے کی شکل میں کہہ..... یہ مجسمہ اُس لڑکی نے اپنی یادداشت کی بنیا
بنوایا ہے اور یہ تیرے بارے میں اتنا ہی جانتی ہے، جتنا میرے بارے میں..... لیکن ا
نے مجھے موقع دیا کہ میں تجھ سے تیری بے وفائی کی شکایت کرسکوں اس لئے میں اس کا
گزار ہوں۔''

''مگر تو خود بے وفا دوست ہے..... برے حالات میں ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاتا
اور مجھے مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔''

''تیری بھول ہے یہ۔ جس طرح تم ذی روح اپنے مسائل میں گرفتار ہوتے ہو، ا
طرح رُوحوں کی دنیا میں بھی لاتعداد مسائل ہوتے ہیں۔ میں بھی بعض اوقات انہی مسا
کا شکار ہو جاتا ہوں۔ لیکن یہ ایسی بات تو نہیں۔ زمانہ قدیم میں جب تو انسانی قالب میں
تو تیری وفاداری کی مثالیں دی جاتی تھیں۔ لیکن بدلے ہوئے دور میں تو اُس کے برعکس
ہے۔ اگر بہت زیادہ قلبی رشتے رکھنے والے دوستوں میں سے ایک کسی مصیبت میں پھنس
جائے تو کیا دوسرے کو اس سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہئے؟ کیا اس دنیا کی یہی رسمی
ہیں؟ اگر یہ بات ہے تو، تو مر کیوں نہیں جاتا؟ دوستی کے بغیر تو زندگی کا تصور ہی بے مقصد
ہو کر رہ جاتا ہے..... بہرطور، راعمساس! میں تجھ سے دوستی کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ میں
تجھے یاد دلا رہا تھا کہ راعمیس آج بھی تیرے قریب موجود ہے۔ تو نے اُسے کتنا ہی پیچھے
دیا ہو۔ لیکن وہ قلبی رشتے جن کا تعلق رُوح سے ہوتا ہے، کبھی ختم نہیں ہوتے۔ اگر میں بھ
ان رشتوں کو نظر انداز کر دیتا تو اب تک تیری موت اتنی دفعہ واقع ہو چکی ہوتی کہ شاید تجھے
یاد بھی نہ رہتا..... میں نے ہر نازک موقع پر تجھے سنبھالا دیا ہے اور یہ صرف دوستی کی بنیا
پر..... آج تو ایک بار پھر اپنی اصل صورت میں آ گیا ہے تو سن..... میں اب بھی تیر
ساتھ رہوں گا۔ جہاں تو مصیبت میں گرفتار ہوا، تیری مدد بھی کروں گا۔ لیکن میں تجھ سے
خوش نہیں ہوں.....''

''راعمیس! یہاں اس جگہ میں تجھ سے زیادہ گفتگو نہیں کر سکتا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ اس
جگہ سے نکل کر ہم کہیں اور بیٹھ کر باتیں کریں.....؟''

''اپنے اطراف میں دیکھ..... تو خواہش تو کر! پوری کرنا میری ذمہ داری ہے.....''
راعمیس کے مجسمے نے کہا اور میری نگاہیں حیرت زدہ انداز میں سامنے کی سمت اُٹھ گئیں۔
اور دوسرے ہی لمحے میرے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی..... یہ وہ کمرہ نہیں تھا جہاں
راعمیس کا مجسمہ اور بوڑھے دادا کی پوتی موجود تھی۔ بلکہ یہ تو کوئی کھلا علاقہ تھا۔ بے شک
وقت رات ہی کا تھا، لیکن اطراف کے ماحول سے اندازہ ہوتا تھا کہ کم از کم اس علاقے
سے اس جگہ کا کوئی تعلق نہیں ہے جہاں میں موجود تھا۔ راعمیس کی قربت نہ ہوتی تو یہ پاگل
کر دینے والی بات تھی۔ لیکن راعمیس کو میں آج سے نہیں بلکہ کافی عرصے سے جانتا تھا۔
میں نے اِدھر اُدھر پلٹ کر دیکھا۔ ظاہر ہے جب یہ وہ جگہ ہی نہیں تھی تو راعمیس کا مجسمہ
یہاں کہاں سے آتا؟ چنانچہ اب صرف اُس کی آواز تھی اور میرے بدن میں وہ ٹھنڈک جو
راعمیس کی قربت کا احساس دلاتی تھی..... میں نے راعمیس کو پکارا.....

''ہاں ہاں..... خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہمیشہ کی مانند تمہارے پاس
ہوں۔ بیٹھ جاؤ..... آرام سے بیٹھ جاؤ! یہاں تم مکمل طور پر محفوظ ہو۔ جب راعمیس
تمہارے ساتھ ہوتا ہے تو ہزاروں ہاتھ تمہارے اردگرد پھیلے ہوئے خطرات کو تم سے دُور
دھکیلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ تم اپنے ذہن میں اس کا تصور بھی مت لایا کرو کہ تمہیں کوئی نقصان
پہنچ سکتا ہے۔''

میں نے ٹھنڈے دل سے راعمیس کی بات پر غور کیا۔ اس کا ساتھ بعض اوقات
مصیبتوں کا باعث بن جاتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے ایسے مسائل سامنے آتے تھے
جہاں میری اپنی کوششیں بے اثر ہو جاتی تھیں اور راعمیس میری مدد کرتا تھا۔ چنانچہ اس
وقت راعمیس کی قربت مجھے ناگوار نہیں گزر رہی تھی۔ بلکہ میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں اس کا
ساتھ مستقل قبول کر لوں تو خود میرے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ بلا وجہ کی ضد
اس کے اور میرے درمیان قائم رہی ہے۔ میں نے تنہا رہ کر بھی دیکھ لیا اور اس میں کوئی
شک نہیں کہ ابھی زندہ تھا، محفوظ تھا۔ لیکن اس کے لئے جو جدوجہد کرنا پڑی تھی یا جس طرح
میں مصیبتوں میں گرفتار ہو کر وقت گزارتا رہا تھا، اُسے میرا دل ہی جانتا تھا۔ اپنے آپ کو

بعض معاملات میں اتنا تنہا محسوس کرتا تھا کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کم از کم راعمیس کی قربت میں تھوڑا سا تحفظ تو حاصل رہے گا۔ تقدیر مجھے فٹ بال بنائے ہوئے تھی اور میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود خود کو سنبھال نہیں سکا تھا.....تو پھر راعمیس ہی کا ساتھ کیوں نہ قبول کرلیا جائے تاکہ خطرات کم ہو جائیں.....

راعمیس جیسے میرے ذہن میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔'' یہ بات تو تمہیں بہت پہلے سوچ لینی چاہئے تھی راعمساس! یہی سب کچھ تو میں تم سے کہتا تھا میرے دیرینہ دوست! درحقیقت تمہاری شکل وصورت ہی اس بات کی سند ہے کہ تم محفوظ رہو۔ ہاں! اگر تم نے دوبارہ اپنی صورت تبدیل کرنے کی کوشش کی تو راعمیس کی محبتیں پھر کبھی تمہیں نہیں مل سکیں گی۔ اپنی صورت تبدیل کر کے تم نے راعمیس کی محبت کا مذاق اُڑایا تھا۔ بار بار میرا دل چاہا کہ تمہیں ایسی مصیبت میں پھنساؤں جس سے نکلنا ممکن نہ ہو۔ لیکن کیا کرتا؟ ایک صورت ہمیشہ ذہن میں آ کر مجھے روک دیتی تھی۔''

''اب بہت زیادہ احسانات نہ جتاؤ۔ یہ بتاؤ! ہمیں کرنا کیا ہے.....؟''

''بتانا بھی ضروری ہے.....تم خود نہیں سوچ سکتے کیا کہتا رہا ہوں میں تم سے اب تک.....؟''

'میرے بھائی! ایک بات تو میں نے تجھ سے ہمیشہ کھل کر کہی ہے کہ میں راعمساس کا ہم شکل ضرور ہوں لیکن راعمساس نہیں ہوں۔ نہ ہی میری حیثیت کسی رُوح کی ہے۔ اگر سچ پوچھو تو میں مصیبت کا مارا وہ شخص ہوں جو دھوبی کے کتے سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ تو مجھے بتا راعمیس! کہ آج تک میں اپنی مرضی سے کوئی کام کر سکا ہوں؟ اگر تو میرے ماضی کے بارے میں جانتا ہے تو اس بڑھیا کی حقیقت بھی تمہیں معلوم ہوگی جس کا نام خالہ شہادت تھا اور اس کے بعد نکلنا خلد سے آدم کا اور پہنچنا سرزمین مصر پر۔ ملنا وہاں کچھ دولت مندوں کا اور کھیلنا میری زندگی سے۔ اور اس کے بعد پہنچنا ایران ہمراہ تابوتِ راعمیس اور اس کے بعد جو حالات بے چارے منصور پر گزرے.....سوائے راوی خوش سخن کچھ کہو تو اس کے بارے میں کہ مقدر کس کا تھا.....؟''

''تیرا.....صرف تیرا راعمساس.....!''

''کاش تیری کھوپڑی ہوتی اور میرے ہاتھ میں ایک ڈنڈا۔ پھر بتاتا کہ مقدر کس کا

تھا.....''

''اسی لئے تو راعمیس کو کھوپڑی ملی نہ تجھے ڈنڈا.....اے بے وقوف شخص! جب راعمیس سے تیری یاری ہوگئی اور اس نے یہ بات کہہ دی کہ وہ تیری آنکھوں سے یہ نئی دنیا دیکھنا چاہتا ہے تو پھر نخروں کی کیا ضرورت تھی؟ باقی رہے وہ اتفاقیہ حالات جن کی وجہ سے تجھے کچھ پریشانیاں اُٹھانی پڑیں تو راعمیس سے الگ رہ کر تو نے کون سے تیر مار لئے؟ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ اپنے طور پر تو نے یہی سمجھا کہ راعمیس تیری اُن خرمستیوں سے واقف نہیں ہے جو تو کبھی کاک ٹیل پی کر اور کبھی.....''

''ارے..... ارے..... ارے! تو کیا تو اُن حالات میں بھی مجھ پر مسلط رہا ہے.....؟''

''ہاں! لیکن تیری صورت سے دُور۔ تجھ پر لعنت بھیجتا ہوا۔ کیا یہ سب کچھ میری خوشی کے لئے نہیں کیا جا سکتا تھا.....؟''

''خیر.....چھوڑو راعمیس! میں اب سچے دل سے تمہارا دوست اور تمہارا ساتھی بننے پر تیار ہوں۔ واقعہ یہی ہے کہ میں اپنی مرضی سے کچھ کرنے میں ناکام رہتا ہوں۔ اگر تمہارا وجود مجھ پر مسلط ہی رہا ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے چکروں میں پھنسا رہا ہوں۔ اور اب جیب میں ایک بہت بڑی رقم کے ٹریولر چیک ڈالے لاگن کے اس قصبے میں اُس لونڈیا کی روٹیاں کھا رہا تھا اور لنگڑے یا غیر لنگڑے بوڑھے کی حماقتیں برداشت کر رہا تھا۔ کیسے سنکی لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ صاحبزادی فقیر، دادا جان لنگڑے، اور وہ محترمہ تاریخ دان.....لیکن راعمیس! تم اُس مجسمے میں حلول کیسے کر گئے.....؟''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں تو وہاں راعمساس کا مجسمہ دیکھ کر تجھ سے مخاطب ہوا تھا کہ شاید تیرا ذہن کچھ متاثر ہو سکے.....''

''مگر تم یہ تو بتاؤ کہ میری آنکھوں سے جو دنیا دیکھنے کا تصور تمہارے ذہن میں ہے تو ہم اس کا آغاز کیسے کریں؟ دنیا کے کون سے شعبے کو تم سب سے پہلے دیکھنا چاہتے ہو.....؟''

''تو جس انداز میں میرے بغیر اب تک کی زندگی گزارتا رہا ہے راعمساس! مجھے وہی سب کچھ پسند ہے۔ زمانہ قدیم میں جب ہماری حکمرانی تھی تو سازشیں، فتوحات اور جنگوں کے ساتھ ساتھ حسن وعشق کی داستانیں بھی سامنے آتی رہتی تھیں۔ لیکن یہ سب کچھ الگ

الگ ہوتا تھا۔ موجودہ دور میں جو عجیب و غریب قوتیں اس دور کے انسانوں کو حاصل ہو گئی
ہیں انہوں نے شاید تمام کیفیات کو یکجا کر دیا ہے اور سب کچھ ساتھ ساتھ ہی چلتا ہے۔
زندگی جس میں تو مختلف لوگوں کا آلہ کار بنا رہا ہے، کون سی شے سے محروم تھی؟ مہم جوئی کے
لئے طرح طرح کی ہنگامہ خیزیاں، سیر و سیاحت، حسن اور عشق کے لئے نئی نئی حسینائیں
جنگ و جدل کے لئے ہر گلی کوچہ و بازار..... ہم تو اپنے دور میں لڑاکوں کا بندوبست کرتے
تھے اور پھر ایرینا میں باقاعدہ اُن کی جنگوں کا انتظام کرتے تھے۔ لیکن یہاں تو چلتے پھرتے
اُٹھتے بیٹھتے بازاروں اور گلیوں میں دس بیس قتل ہو جاتے ہیں۔ دو چار افراد مر جاتے ہیں۔
ہنگامہ خیزیاں ہوتی ہیں، سازشیں ہوتی ہیں، مہمات سرانجام دی جاتی ہیں۔ یہی سب کچھ
میری پسند ہے۔ آج تک تو لوگوں کا محکوم رہ کر یہ سب کچھ کرتا رہا ہے۔ جس نے تجھے جو
دیا، تو بن گیا۔ لیکن اگر راعمیس کا سچا ساتھ قبول کر لے تو لوگ تیرے محکوم ہوں گے اور
اُن پر حکمرانی کر سکے گا.....''

''میرے پیارے بھائی! میں ذات کا جولاہا ہوں یا کمہار یا پھر تیلی..... ہو سکتا ہے زمانہ
فراعین میں یہ تینوں ذاتیں ہلکی نہ سمجھی جاتی ہوں یا پھر ممکن ہے ان کا وجود نہ ہو۔ لیکن جدید
زمانے میں یہ تینوں ذاتیں ذاتِ شریف تصور کی جاتی ہیں اور ان میں حکمرانی کے جراثیم
نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ جرثومے کہاں سے لائے جائیں؟ ہاں! یہ دوسری بات ہے کہ اس
دنیا میں جرائم پیشہ افراد کی کمی نہیں ہے۔ ہر قسم کے جرم ہوتے ہیں۔ سیاسی، سماجی، معاشرتی
انسانی جرائم وغیرہ۔ ہر طرح کے مجرم باآسانی کسی بھی جگہ دستیاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ
اگر یہی زندگی تمہیں پسند ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ کل سے میں بھی اپنا نام سینڈو خان رکھ لیتا
ہوں اور نکل پڑتا ہوں میدانِ عمل میں۔ کیا خیال ہے.....؟''

''بالکل ٹھیک۔ میں تجھ سے متفق ہوں۔ اور سینڈو خان کا دستِ راست راعمیس ہوگا۔
سینڈو خان جو کچھ کرے گا، راعمیس اُس میں اس کا ساتھی ہوگا۔ جہاں سینڈو خان سے کوئی
غلطی ہوئی یا اُسے کوئی خطرہ درپیش ہوا، راعمیس آگے بڑھ کر اس خطرے کو سنبھالے گا۔
خان کو ایک لمحے کے لئے بھی خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس بار شاید اُسے زیادہ
ت کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔ زندگی کو میرے دوست! اس انداز میں آگے بڑھنے دو
جس طرح وہ بڑھنا چاہتی ہے۔ اس میں حقیقی زندگی کا لطف آ سکتا ہے۔ جہاں تم نے اس

کے راستوں میں معیار و اخلاق کی رکاوٹیں پیدا کرنا شروع کیں، وہیں سے اُس کا مصنوعی
پن شروع ہو جاتا ہے۔ کیا سمجھے؟ راعمیس کی اتنی سی خواہش ہے۔ بھلا اس میں ایسی کون سی
بات ہے جسے تم پورا نہ کر سکو.....؟''

میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی۔ ''ٹھیک ہے راعمیس! بہرطور، اب بھی ساری
سچائیوں کے ساتھ تمہاری دوستی قبول کر چکا ہوں۔ لیکن مروامت دینا.....''

''میں بھی تمہیں پورا پورا تحفظ دوں گا۔ آؤ..... اب اُٹھو! یہاں سے چلیں۔ کوئی ایسی
جگہ منتخب کرتے ہیں جہاں سے ہمارے کام کا آغاز ہو۔ جس طرح بھی مناسب سمجھو، مجھ
سے اس خواہش کا اظہار کر دینا۔ یوں سمجھ لو، اس کی تکمیل ہو گی اور یقیناً ہو گی۔''

میں نے گردن جھٹکی۔ اتنی بات تو میں بھی سمجھتا تھا کہ راعمیس نے جو کچھ کہا ہے، اُسے کر
دکھانا اُس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا کہ اب جس طرح بھی ممکن
ہو سکے، راعمیس کے ساتھ ہی بسر کی جائے.....

اُس کے اشارے پر میں اُٹھ کر چل پڑا۔ یہ اندازہ نہیں تھا کہ لاگن کے اس قصبے سے
ہم کس طرف نکل آئے ہیں؟ یہ سب کچھ تو غیر فطری طور پر ہی ہوا تھا۔ راعمیس اس کی
نشاندہی کر سکتا تھا اور وہ کمبخت اس وقت میرے دماغ میں گھسا بیٹھا تھا۔ یعنی جو کچھ میں
سوچتا، اُسے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی۔ چنانچہ اُس کی آواز اُبھری.....

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ قیام کرو جو تمہارے
معیار کی ہو اور اس کے بعد حالات جس طرح بھی پیش آئیں، میں یہ نہیں کہتا کہ جان بوجھ
کر کسی کو قتل کر دو یا کہیں ڈاکہ ڈالو یا زبردستی کسی جھگڑے میں کود پڑو۔ میں تو تم سے یہ کہتا
ہوں کہ زندگی جس انداز میں بھی تمہیں برتے، تم اپنے آپ کو اس میں کمزور مت تصور کرو
بلکہ اس کا بھرپور مقابلہ کرو۔ کسی سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ میرا خیال ہے یہ آبادی
دیکھو۔ یہ بھی کوئی جدید آبادی ہے۔''

راعمیس نے بائیں سمت اشارہ کیا اور یہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کہ
جس جگہ ہم کھڑے ہوئے تھے، ایک عظیم الشان آبادی پھیلی ہوئی تھی..... اُونچی نیچی عمارتوں
اور روشن سڑکوں کی آبادی..... یقیناً یہ سویڈن کا کوئی بہت بڑا شہر تھا۔ لیکن یہ بات بھی شہر
میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم ہوئی کہ ہم سٹاک ہوم پہنچ گئے ہیں۔ ناقابل یقین بات

تھی..... لیکن راعمیس کا ساتھ ہر طرح کی ناقابل یقین کہانیوں ہی کو جنم دیتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس پر حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ راعمیس سے اس بارے میں مشورہ کیا تو وہ خاموش ہی رہا۔

سٹاک ہوم میری نگاہوں کے سامنے تھا..... معمولی شہر نہیں تھا۔ اس کی ترتیب دیکھ دیکھ کر مجھے چکر آ رہے تھے۔ بلاشبہ اُسے ان علاقوں کا سب سے حسین ترین شہر کہا جا سکتا تھا۔ اور پھر میں رقم حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ کم از کم سٹاک ہوم جیسے مہنگے شہر میں میرے پاس موجود رقم میری بہترین کفالت کر سکتی تھی۔ چنانچہ وہاں کے سب سے شاندار ہوٹل برگنزا میں، میں نے اپنے لئے ایک کمرہ حاصل کر لیا اور غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام کرنے لیٹ گیا۔ سو کر اُٹھا تو بدن کی ٹھنڈک نے بتایا کہ راعمیس موجود ہے۔ اب اس سے کسی قسم کی باز پرس مناسب نہیں تھی۔ تاہم میں نے بھاری لہجے میں کہا۔

''تم مجھے سٹاک ہوم میں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے تھے راعمیس؟''

''ہاں..... میں ذرا چلا گیا تھا.....''

''کہاں.....؟''

''یہ مت پوچھا کرو مجھ سے راعمساس! رُوحوں کی دنیا میں بے شمار باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ذی رُوحوں کو نہیں بتائی جا سکتیں۔ بس! یوں سمجھ لو کہ مجھ پر بھی کچھ مجبوریاں مسلط ہیں اور اسی لئے کسی بھی وقت، کسی بھی لمحے میں تم سے جدا ہو سکتا ہوں۔ لیکن بہت طویل عرصے کے لئے نہیں۔ دراصل راعمساس! تم مکمل طور پر اپنی زندگی گزارو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ اب تم نے یہاں کے سب سے خوبصورت ہوٹل کا انتخاب کیا، مجھے یہ بات پسند آئی۔ تمہارے پاس اپنا بھی بہت کچھ ہے۔ لیکن جن چیزوں کی یہاں ضرورت پیش آتی ہے، اُن کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اُن کا حصول تمہارے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ آرام سے اس ہوٹل میں زندگی گزارو۔ جو باتیں تم سے میں کہہ چکا ہوں، اُس پر نگاہ رکھو۔ باقی اور کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''اور اگر کوئی ایسا لمحہ ہو، جبکہ مجھے قتل کیا جانے والا ہو اور تمہاری مجبوریاں تمہیں مجھ سے دُور لے جائیں، اُس وقت مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' میں نے سوال کیا۔

''خود پر انحصار کرو۔ کیونکہ ہر شخص کو جینے کا ڈھنگ آنا چاہئے۔ میں تو صرف تمہارا ایک ساتھی، ایک مددگار ہوں اور دنیا میں کوئی ایسا ساتھی نہیں ہوتا جو ایک ایک لمحہ مدد کے لئے آمادہ رہے یہاں تک کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا ہو جاتا ہے۔ میں تو تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم مجھے اپنا سایہ تصور کرو۔ لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ میں اپنے طور پر تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا راعمساس.....''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے..... میں تم سے متفق ہوں۔ میں اب نہیں چاہتا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی اختلافی مسئلہ پیدا ہو۔''

''ہونا بھی نہیں چاہئے.....'' اُس نے جواب دیا۔

☆.....☆.....☆

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں تیار ہو کر سٹاک ہوم کی سڑکوں پر نکل آیا۔ خریداری بھی کرنی تھی۔ کیونکہ میرے پاس ڈھنگ کے لباس نہیں تھے۔ چنانچہ میں نے بازار سے خاصی زبردست خریداری کی اور واپس ہوٹل پہنچ گیا۔ اس تھوڑی سی ہی مٹر گشت نے مجھے یہ احساس دلا دیا تھا کہ سٹاک ہوم کی زندگی اُلٹی گنگا کی مانند ہے۔ یعنی یہاں عورتوں کا راج تھا۔ مردوں کی حیثیت نئی نویلی نوجوان لڑکیوں کی مانند..... جنہیں قدم قدم پر خطرات درپیش ہوتے ہیں۔

شام تقریباً ساڑھے چھ بجے جب آسمان سے ہلکی ہلکی سی بوندیں برس رہی تھیں، میں موسم کی مناسبت سے لباس پہن کر برگنزا کے نچلے حصے میں آ گیا۔ میری نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لینے لگیں..... ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک ویٹر میرے قریب پہنچ گیا۔ ''جناب! وہ سامنے والی میز پر موجود محترمہ آپ کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہیں۔''

میں نے تعجب خیز انداز میں اُس طرف دیکھا تو تقریباً چالیس بیالیس سالہ ایک خاتون میک اَپ میں لتھڑی، مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ میں اُٹھ کر اُن کے قریب پہنچ گیا۔ اس صورت میں میرے لئے کوئی شناسائی نہیں تھی۔ خاتون نے لہک کر میرا استقبال کیا۔

''میرا نام برگیتا ہے۔''

''جی مجھے مون کہتے ہیں.....''

''ویری گڈ.....آپ کا نام بہت خوبصورت ہے.....''

''کیا آپ نے مجھے میرے نام کی خوبصورتی کی اطلاع دینے کے لئے ہی یہاں بل
ہے.....؟''

''نہیں..... بلکہ اپنی تنہائی دُور کرنے کے لئے۔'' خاتون کی آنکھوں سے ایسے تاثرا
جھلک رہے تھے کہ میرے معدے میں ہلچل مچ گئی۔

''اگر مجھ سے کوئی کام ہے تو براہِ کرم مجھے بتائیے۔ میرا خیال ہے اس سے پہلے م
آپ سے کبھی متعارف نہیں ہوا۔''

''تمہارا حسین چہرہ ہی تمہارا تعارف ہے مسٹر مون! بس میں چاہتی ہوں کہ یہ شام ا
یہ رات تمہارے ساتھ بسر ہو۔''

بظاہر لگتا یوں تھا جیسے یہ خاتون اپنی زندگی کے آخری لمحات کسی دیرینہ خواہش کی تکمیل
کے گزارنا چاہتی ہیں۔ میں آہستہ سے اُن کی میز سے اُٹھ گیا۔ ''کسی کو بلانے سے پہلے ا
حقیقت ضرور واضح کر دیا کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی آپ کا سر اُس عقبی دیوار پر د
مارے.....'' محترمہ کا منہ حیرت سے کھلا اور میرے کانوں میں راعمیس کا قہقہہ گونج اُٹھا
میں جھلایا ہوا اپنی میز پر واپس آ بیٹھا۔

''اُن سے برگشتگی کا اظہار نہ کرو۔ جو زندہ ہوں، اگر دل زندہ ہوتا ہے تو اُس م
آرزوئیں بھی جنم لیتی ہیں۔ اور تمہاری شخصیت اُن خاتون کو پسند آئی تھی.....''

''یار راعمیس! اُس عورت کے ذہن میں کچھ اور تو نہیں تھا؟ میں تو یہ سوچ کر اُس کے
پاس گیا تھا کہ ممکن ہے یہ میری کوئی دیرینہ شناسا ہو۔ یعنی وہ جسے میں نہ جانتا ہوں اور
مجھے جانتی ہو۔ لیکن اس دل والی بوڑھی کی حرکتیں تو ناقابل برداشت تھیں۔''

راعمیس کا دوسرا قہقہہ بلند ہوا۔ اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''نہیں..... تمہارے سلسلے م
وہ بڑی نیک دلی سے سوچ رہی ہے اور صرف تمہارے ساتھ کی خواہش مند ہے.....''

''تو پھر میرا خیال ہے مجھے یہاں سے اُٹھ جانا چاہئے.....''

''ہاں..... یہ بوڑھوں کا ہال ہے اور یہاں زیادہ تر زندگی کی بازی ہارنے وا
بوڑھیاں کسی اور نئی بازی لگانے کا انتظار کرتی ہیں۔ چلو..... یہاں سے کہیں اور چلو۔''

راعمیس انسانی وجود میں میرے ساتھ نہیں تھا۔ لیکن جب وہ میرے قریب ہوتا تو

یوں محسوس ہوتا جیسے وہ میرے قدم بہ قدم چل رہا ہو اور میں چاہوں تو اُسے چھو لوں۔ بلکہ
یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا۔ بارش کچھ تیز ہو گئی تھی۔ اس لئے باہر جانے کا وقت نہ تھا۔ ہال میں
جگہ جگہ مختلف پروگرام ہو رہے تھے۔ بالآخر میں ڈسکو رُوم میں پہنچ گیا اور یہاں برپا طوفانِ
بدتمیزی دیکھتا رہا۔ یہیں میں نے رات کا کھانا کھایا۔ لوگ مجھے تنہا سمجھ رہے تھے۔ اور بے
شمار دل والیوں نے میری اس تنہائی پر رحم کھا کر اُسے دُور کرنے کی پیشکش کی تھی۔ لیکن ایش
کی کاک ٹیل ہر جگہ تو قابل قبول نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں نے اُن سے معذرت کر لی اور وہ
حیرت سے مجھے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

برگنزا کا قیام کسی بھی طرح ناقابل قبول نہیں تھا۔ یہاں تین دن گزر گئے تھے اور ان
تین دنوں میں، میں نے خود کو انتہائی بہتر محسوس کیا تھا کیونکہ ان دنوں ذہن پر کوئی بوجھ نہیں
تھا۔ ایک شہزادے ہی کی مانند زندگی گزار رہا تھا۔ اس دوران سٹاک ہوم کے زیادہ وسیع
علاقے نہیں دیکھے تھے۔ بس! دو تین بار ہی باہر نکلا تھا۔ سویڈن کی دل پھینک لڑکیاں میری
جانب متوجہ رہتی تھیں۔ بعد میں مجھے اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ یہاں کی زیادہ تر
آبادی خاص طور سے لڑکیاں کالے بال، کالی آنکھوں اور گندمی رنگت پر مرتی ہیں.....
سرخ، سنہرے، بھورے بال اور آنکھیں دیکھ دیکھ کر وہ اُکتا گئی تھیں۔ بہرطور! یہ لمحات بھی نا
پسندیدہ نہیں تھے۔

اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ ایک سیاح کی حیثیت سے سٹاک ہوم اور اُس کے
نواح کا جائزہ لوں۔ میں نے سٹاک ہوم کے نقشے طلب کئے اور اُن کی مدد سے سیاحت کا
ایک پروگرام بنا ڈالا۔ برگنزا سے مجھے کرائے کی کار فوراً ہی حاصل ہو گئی تھی۔ اور دلچسپ
بات یہ تھی کہ اُس کی ڈرائیور ایک جوان لڑکی تھی۔ اُس کا نام سونجا تھا۔ سونجا صرف ڈرائیور
ہی نہیں، گائیڈ بھی تھی۔ چنانچہ وہ مجھے لئے ہوئے سٹاک ہوم کے مختلف علاقوں میں گھومتی
پھری۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ تعلیم یافتہ لڑکی ہے اور گفتگو کے دوران اُس کی باتوں سے
علمیت جھلکنے لگتی تھی.....

''سویڈن اخلاقی قدروں سے جنگ کرتا ہوا بہت آگے نکل گیا ہے۔ اور اب وہ واپسی
کے راستے چاہتا ہے۔ لیکن نئی نسل واپسی کے راستے گم کر چکی ہے۔ جنس اپنی کشش کھو چکی
ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کوئی کیا کرے؟ بھٹکی نسل کچھ کر کے رہے گی۔ کیونکہ یہ مایوسی

صرف تباہی کا پیغام ہوتی ہے۔'' اُس نے کہا۔

''تم اس عمر کی نمائندگی کر رہی ہو.....؟''

''ہاں! میں خود کو اُن سے الگ تو نہیں کہتی۔'' اُس نے کہا۔

''مگر تم پر سکون ہو۔''

''سکون کے اس مصنوعی خول کے دوسری طرف دیکھنا چاہتے ہو.....؟'' اُس نے چمکدار آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے گھبرا کر نفی میں گردن ہلا دی۔ ''نہیں نہیں..... میں تو صرف تمہارے خیالا پوچھ رہا تھا۔''

وہ ہنس پڑی۔ اس کے بعد سویڈن کی نئی نسل کے بارے میں مزید کچھ پوچھنے کی جرا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن سوئٹا نے میرے لئے سوچنے کو بہت کچھ چھوڑ دیا تھا۔

سٹاک ہوم بھی جزیروں کا شہر تھا جسے مخصوص طرز کے پُل ایک دوسرے سے ملا تھے۔ شہر کی مشہور سڑک کنگ گاٹن، کانفرٹ ہال، کیتھڈرل، سپ کا وہ ڈیپارٹمنٹل سٹور جہا دنیا کی مشہور ترین شخصیتیں آ چکی تھیں، اُن کی تصاویر بھی وہاں آویزاں تھیں۔ سوئٹا مجھے جگہ کے بارے میں تفصیلات بتاتی جا رہی تھی۔ پھر اُس نے مجھ سے شہزادہ یوجین کا مح دیکھنے کی بات کی اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا کہ اب تو میری نکیل اُس کے ہا میں ہے۔ جہاں اُس کا جی چاہے، لے جائے..... چنانچہ ہم شہزادہ یوجین کے محل کی جان چل پڑے جو گھنے درختوں اور سرسبز پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔ یہاں سے سمندر ایک شاخ نہر کی صورت میں سٹاک ہوم میں داخل ہوتی ہے۔ ٹیلوں کے تختوں اور بل درختوں کے درمیان چلتے ہوئے ہم سمندر کے کنارے آ گئے جہاں بے شمار لوگ بنچوں بیٹھے دھوپ اور تازہ سمندری ہوا سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سوئٹا اب صرف ایک ڈرائیور نہیں رہی تھی، بلکہ اُس کی حیثیت ایک دوست کی سی ہو گئی تھی۔

ہم ساحل کے ساتھ پانی میں اُبھری ہوئی ایک چٹان پر بیٹھ گئے اور مختلف موضوعات باتیں کرتے رہے۔ اس خطرناک صورتِ حال کے بعد سوئٹا نے پھر کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث پریشانی ہوتی۔ نجانے کتنی دیر ہم وہاں موجود رہے۔ پھر سورج ڈھل گیا۔ کہنے لگی۔

''یہ موسم سویڈن کے رہنے والوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ دھوپ نظر آ گئی تو یوں سمجھو عید ہو گئی۔ ورنہ موسم سرما کے بعد نیلے طوفان اور مہینوں نظر نہ آنے والا سورج..... زندگی بھی منجمد ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہر چند کہ کاروبارِ زندگی چلتا رہتا ہے۔ لیکن دلوں میں کوئی اُمنگ نہیں ہوتی۔''

کافی دیر تک وہاں بیٹھے رہنے کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جو درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ اور وہاں سوئٹا نے اپنی گہری چمکدار آنکھوں کے ساتھ مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''برگنزا میں بے شمار مسافر آتے ہیں، قیام کرتے ہیں اور اُن میں سے لاتعداد کے لئے میں ہی ڈرائیور ہوتی ہوں۔ ہوٹل والے خاص طور سے میرا انتخاب کرتے ہیں کہ میں دنیا کی پانچ زبانیں جانتی ہوں۔ اور جو لوگ صاحب حیثیت ہوتے ہیں، وہ اپنی گڈ بک میں ہوٹل برگنزا کا نام لکھ کر لے جاتے ہیں اور اس کے بعد اگر اُن کا کوئی دوست یا بذاتِ خود وہ کبھی سٹاک ہوم کا رُخ کرتے ہیں تو برگنزا کے قیام کو اوّلیت دیتے ہیں..... میں نہ صرف ایک اچھی ڈرائیور ہوں بلکہ ایک اچھی گائیڈ بھی ہوں، اور ایک اچھی ساتھی بھی۔ میرے پاس اس کی کئی سندیں ہیں۔ لیکن ایک بات کہوں مسٹر! تم بھی میری زندگی کی کتاب میں اپنا ایک ورق چھوڑے جا رہے ہو جبکہ میں کبھی زندگی کی ڈائری نہیں لکھتی.....''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں اپنی ڈائری کے اس ورق پر لکھوں گی کہ میں وہ ہستی ہوں، جسے خلاء کے ایک نامعلوم سیارے سے آنے والے کا قرب نصیب ہوا اور وہ اس دنیا کے رہنے والوں سے بالکل مختلف تھا۔ جوان نسل میں خواہ اُس کا تعلق زمین کے کسی خطے سے ہو، عیش پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے اور تنہائیاں اُس کے ہوش و حواس چھین لیتی ہیں۔ لیکن کوئی بھی تنہائی، کوئی بھی لفظ تمہیں متاثر نہیں کرتا۔ میں مسلسل محسوس کر رہی ہوں کہ تمہاری نگاہ ایک بار بھی مجھ پر اس انداز میں نہیں پڑی جس کی میں متوقع تھی۔''

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس کی اس بات کا تو میں پہلے سے ہی قائل تھا کہ وہ تعلیم یافتہ ہے اور اپنی بات ڈھنگ سے کہنا جانتی ہے۔ اور اُس نے جس انداز میں مجھ سے اپنے وجود کے خول توڑنے کے لئے کہا تھا، اُس نے مجھے دہشت زدہ بھی کر دیا تھا۔ میں بھلا اُس کی اس کیفیت کو کیسے سنبھال سکتا تھا؟ یہاں پھر وہی الفاظ شروع ہو گئے

تھے۔

دفعتہً میں نے کچھ محسوس کیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ اطراف میں درختوں سے چھننے والی خوشبوئیں بکھری ہوئی تھیں۔ لیکن ایک عجیب سی بدبو ان فضاؤں میں شامل ہو تھی اور میں نے اُسے محسوس کیا تھا۔ شاید سونٹا نے بھی اس بدبو کو محسوس کرلیا اور گردن کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

''ایک بدبو سی ہے یہاں....''

''ہاں....''

''کیا یہ سڑے ہوئے گوشت کی بدبو نہیں ہے؟''

''لگتا تو ایسا ہی ہے۔''

''حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے۔'' اُس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے میں بھی تجسس پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہم دونوں اس بدبو کا سراغ لگانے چل پڑے۔ اور کے لئے ہمیں زیادہ دُور نہیں جانا پڑا تھا۔ سونٹا ٹھٹک کر رُک گئی۔ پھولوں کے کنج کے دو سفید پاؤں مڑے تڑے نظر آ رہے تھے اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ انسانی لاش ہے جو کئی دن سے یہاں پڑی ہوئی ہے اور یہ بدبو اُسی لاش کی ہے۔

''ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ کیا خیال ہے، واپس چلیں؟''

''ہونا تو یہی چاہئے۔ لیکن کیا اس سلسلے میں اپنے فرائض پورے نہیں کرو گی؟''

اُس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر شرمندہ سی ہو کر آگے بڑھ گئی۔ تھ دیر کے بعد ہم پھولوں کے کنج کے پاس تھے۔ کنج بہت زیادہ گھنے نہیں تھے۔ لاش کو ان ٹھونس دیا گیا تھا۔ لیکن اُسے بخوبی دیکھا جا سکتا تھا اس میں سے بدبو بے شک اُٹھ رہ لیکن لاش کا چہرہ بھیانک نہیں ہوا تھا۔ وہ کسی لڑکی کی لاش تھی۔ میں نے اُسے دیکھا او محسوس ہوا جیسے کوئی انتہائی گرم شے میں نے بے دھیانی میں اپنے حلق سے نیچے اُتار اور وہ سینہ، دل، پھیپھڑے اور کلیجہ جلاتی ہوئی معدے تک پہنچ رہی ہو۔ کچھ ایسی ہی کیفیت پیدا ہو گئی تھی میرے اندر۔ کیونکہ وہ چہرہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا.... چہرے کو چھوڑ کر بہت دُور بھاگ آیا تھا، یہ سوچ کر کہ سارے جہاں کا درد میرے میں کیوں ہو.... لیکن یہاں سٹاک ہوم میں شہزادہ یوجین کے اس محل کے پاس مظلوم

لاش کہاں سے آ گئی....؟

ہاں.... یہ کیمی ہی تھی، جس کے سینے میں انتقام کا سمندر موجزن تھا اور جو اپنے بھائی بیل کیروسا کی موت کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ جس کے لئے اُس نے میری امداد طلب کی تھی۔ میں نے بغور اُسے دیکھا۔ کیمی کے بدن پر چاقوؤں کے لاتعداد نشانات تھے اور یہی نشانات اُس کی موت کا سبب بنے تھے.....

سونٹا سہمی ہوئی نگاہوں سے اُس لاش کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے انہی نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ ''مظلوم لڑکی کئی دن پہلے قتل کی گئی ہے۔ لیکن ہمیں یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ تم موقع کی نزاکتوں کو نہیں سمجھتے۔ بعض اوقات زیادہ انسانیت بھی گلے پڑ جاتی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے سونٹا! لیکن کیا اس لاش کو اس طرح بے گور و کفن چھوڑ دیا جائے....؟''

''اسے زمین کی گہرائیوں میں دفن کر کے تم صرف اپنے ضمیر کو تسکین دے سکتے ہو۔ اس سے زیادہ اب میں یا تم کیا کر سکتے ہیں.... بہتر یہ ہے کہ کسی پبلک کال بوتھ سے پولیس کو ٹیلی فون کر دو.... میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کرتی ہوں۔ پولیس خود اُسے سنبھال لے گی۔''

میں نے متاسف انداز میں گردن ہلائی۔ بے چاری سونٹا کو کیا پتہ تھا کہ میں خود بھی اس سلسلے میں تھوڑا سا مجرم ہوں۔ کیمی کو اگر میں اُس کے بھائی کے قاتلوں کے سلسلے میں کوئی مدد نہیں دے سکتا تھا تو کم از کم اُسے تسلیاں دے کر اُس کا یہ جنون تو ختم کر سکتا تھا کہ وہ کسی باقاعدہ گروہ سے انتقام لینے کا ارادہ ترک کر دے۔ ہو سکتا تھا کہ میرے محبت بھرے انداز سے اُس کے خیال میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہو جاتیں۔ اب یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے اسی جنون کا شکار ہوئی۔ ایک بے بس لڑکی کر بھی کیا سکتی تھی؟ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور ہم دونوں ہی چونک کر پلٹے۔

پولیس کی وردی میں ملبوس چند افراد ہمارے عقب میں پہنچ گئے تھے۔ اُن میں سے ایک بھاری بدن کے بڑی بڑی مونچھوں والے شخص نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''لاش اور تم دونوں.....واہ..... کب قتل کیا تھا اسے؟ کیا تلاش کرنے آئے تھے اس کے پاس.....؟''

''اوہ..... دیکھئے جناب! ہم دونوں تو..... میرا مطلب ہے یہ صرف سیاح ہیں اور ہ
یہاں شہزادہ یوجین کا محل دیکھنے آئے تھے۔ ہواؤں کے دوش پر تیرتی ہوئی بو نے ہمیں اِ
طرف متوجہ کیا اور ہم یہاں نکل آئے۔ معاف کیجئے گا..... ہمارا اس لاش سے کوئی تعلق نہیں
ہے اور ہم پولیس کو اطلاع دینے کا ہی فیصلہ کر رہے تھے۔''

''خوب اتفاق کی بات ہے کہ پولیس خود ہی تمہاری خدمت کے لئے یہاں پہنچ گئی۔
چلو..... آ جاؤ!''

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں جناب! میں ہوٹل برگنزا کی ملازم ڈرائیور ہوں اور آج سا
دن اپنے مہمان کو سٹاک ہوم کی سیر کراتی رہی ہوں۔ آپ ہوٹل کو رنگ کر کے.....''

''بے بی! یہ ساری باتیں پولیس با آسانی معلوم کر لے گی۔ فی الحال تم ہماری مدد کرو
اور ہمارے ساتھ چلو۔ تم لوگ لاش کا بندوبست کرو.....'' پولیس آفیسر نے اپنے ساتھ
موجود دوسرے لوگوں سے کہا۔

سوئٹا بری طرح گھبرا گئی تھی۔ اُس سے اُس کی گاڑی کے بارے میں پوچھا گیا تو اُ
نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا کہ ہوٹل کی گاڑی وہاں موجود ہے۔ تب پولیس آفیسر نے
اپنے دو آدمیوں کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم میڈم کے ساتھ ہوٹل کی گاڑی میں پہنچو! میں ان صاحب کو لئے جا رہا ہوں۔''

چند ساعتوں کے لئے تو میرے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔ لیکن اس کے بعد میں ب
سکون ہو گیا۔ ظاہر ہے کسی کو میں نے قتل نہیں کیا تھا اور پولیس میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔
اگر حالات نے کوئی غلط صورت اختیار بھی کی تو اب میں اتنا لاوارث نہیں تھا۔ چنانچہ میں
خاموشی سے اُن کے ساتھ چل پڑا۔

پولیس کی بڑی وین میں مجھے بٹھا دیا گیا۔ سوئٹا کو وہ لوگ ہوٹل کی گاڑی میں لا رہے
تھے۔ پولیس آفیسر میرے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا اور دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پھر
اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تم غالباً انڈین ہو.....''

میں نے سنجیدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''جی نہیں! میرا تعلق
پاکستان سے ہے.....''

''اوہ، اوہ..... سمجھ گیا۔ ہمارا اندازہ بالکل درست تھا۔'' پولیس آفیسر بولا۔

''کیا مطلب..... جو کچھ سمجھ گئے ہو، مجھے بھی سمجھانے کی کوشش کرو۔ میں نے تلخ لہجے
میں کہا۔

''اتنی جلدی بھی کیا ہے جناب! پولیس سٹیشن پہنچ کر سب کچھ آپ کی سمجھ میں آ جائے گا
اور ہمیں زحمت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔''

میں نے تلخ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ پولیس کی ڈیوٹی ہر
جگہ یکساں ہی ہوتی ہے۔'' میری اس بات کو شاید وہ نہیں سمجھ سکا تھا۔ لیکن میں نے بھی اپنے
جملے کی وضاحت نہیں کی۔

تھوڑی دیر کے بعد پولیس وین غالباً اُس عمارت میں داخل ہو گئی جو پولیس سٹیشن کی
عمارت تھی۔ پولیس آفیسر نے مجھ سے نیچے اُترنے کے لئے کہا۔ مسلح پولیس مین، وین کے
آس پاس کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن یہ عمارت پولیس سٹیشن کی عمارت نظر نہیں آتی تھی۔ مجھے
اندر چلنے کا اشارہ کیا گیا۔ چونکہ میں ان علاقوں کے بارے میں بہت زیادہ جانتا تھا اس
لئے میں نے تعرض نہیں کیا۔ مجھے عمارت کے اندرونی حصے میں لایا گیا۔ کہیں کوئی دفتر نہیں
تھا۔ ایک رہائشی عمارت محسوس ہوتی تھی۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے عمارت کے انتہائی
اندرونی گوشے میں پہنچے اور پھر مجھ سے ایک کمرے میں چلنے کے لئے کہا گیا۔

کمرہ اندر سے خالی تھا۔ اس سے قبل کہ میں چونک کر پلٹتا، دروازہ باہر سے بند کر دیا
گیا۔ اور میں احمقوں کی طرح کھڑا رہ گیا۔ یہ کیسی پولیس تھی جس نے مجھے اپنا پرائیویٹ
قیدی بنا لیا تھا۔ غصے کے عالم میں، میں نے بار بار دروازہ پیٹا لیکن مجھے کوئی جواب نہ ملا۔
اور اب ذہن کے گوشے سے یہ آواز اُبھر رہی تھی کہ معاملہ پولیس کا نہیں ہے۔ بلکہ یقیناً
کوئی گھپلا ہوا ہے..... میں نے اتنا ہی سوچا تھا کہ راعمیس کہنے لگا۔

''ہاں! یہ لوگ پولیس والے نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ واقعی کچھ مختلف ہے۔''

''اور تم نے مجھے بروقت خبردار نہیں کیا.....؟''

''کیا کرتے؟ وہ تعداد میں کئی تھے۔ مسلح تھے۔ مشکل ہی تھی تمہارے لئے۔''

''تمہارے لئے بھی مشکل تھی؟''

''ہاں بھئی! کیوں نہیں..... جو کچھ میں کر سکتا ہوں، وہ اتنا ہی ہے کہ سچویشن تبدیل کر
دوں۔ لیکن اگر کسی گوشے سے گولی چلے اور تمہارے بدن میں پیوست ہو جائے تو اس وقت

میں کیا کرسکتا ہوں..... لیکن گھبرانے کی بات نہیں۔ کم از کم اس بات پر اطمینان رکھو کہ یہ لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ میں چلتا ہوں۔ تم فکرمند نہ ہونا۔ میں ذرا ان کی حقیقت معلوم کروں۔'' راعمیس کی آواز معدوم ہوگئی اور میں ایک گہری سانس لے کر کمرے کے اندرونی ماحول کی جانب متوجہ ہوگیا.....

کمرے میں قالین کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ کوئی فرنیچر یا کوئی ڈیکوریشن پیس ٹائپ کی چیز کا یہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ پولیس کی وردی میں یہ کون لوگ تھے جو دھڑلے سے کام کر رہے ہیں اور پھر سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ اُنہوں نے مجھے کیوں پکڑ لیا..... کیا چکر ہے؟ کیسی سے میرا تعلق کیا اُن کے علم میں آ گیا ہے؟ بے شمار سوالات تھے، جن میں سر کھپانا حماقت تھی۔ کیونکہ اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ قالین پر بیٹھ کر میں نے دیوار سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کرلیں۔ ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ کیا فائدہ..... جتنا وقت سکون سے گزارا تھا، اُس کی یاد ہی کافی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نئے ہنگامے کیا ہوتے ہیں؟ اندازہ تو یہی تھا کہ یہ لوگ وہی ہیں جو بیل کیروسا کے قاتل تھے اور اُس کے بعد انہوں نے اُس کی بہن کو بھی ہلاک کر دیا..... لیکن میری گرفتاری میرے لئے ناقابلِ فہم تھی۔

پھر مجھے سوئٹا کا خیال آیا۔ ہوٹل کی یہ پڑھی لکھی ڈرائیور اب اپنی ساری منطق بھول جائے گی۔ نئی نسل کے المیے کے بارے اُس نے بڑی عالمانہ گفتگو کی تھی۔ اب اُس کی علمیت جرم کی اس دنیا کے سلسلے میں کیا کہتی ہے؟ یہ سوال میں اُس سے ضرور کروں گا..... لیکن وہ میرے ساتھ یہاں نہیں پہنچی حالانکہ اُسے میرے ساتھ ہی لایا گیا تھا۔ اس بات کے امکانات بھی تھے کہ اُسے الگ رکھا گیا ہو۔ یہاں آ جاتی تو کم از کم تنہائی ہی ختم ہو جاتی۔ اور اُس سے اس موضوع پر بھی تھوڑی سی بحث ہو جاتی۔

جانے کتنے گھنٹے مجھے اُس قید خانے میں گزارنے پڑے۔ اس کے بعد دروازہ کھلا اور ایک بڑی مونچھوں والے نے مجھے باہر آنے کے لئے کہا۔ باہر رات ہو چکی تھی۔ مدھم مدھم روشنیاں جل رہی تھیں۔ وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک اور کمرے میں داخل ہو گیا جو تیز روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ کمرے کے درمیان نصف دائرے کی شکل کی ایک خوب صورت میز لگی ہوئی تھی۔ جس کے پیچھے تین کرسیاں تھیں اور اُن تینوں کرسیوں پر تین شاندار آدمی

بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک کا چہرہ جارج واشنگٹن سے ملتا جلتا تھا۔ دوسرا فرنچ کٹ داڑھی، بڑی بڑی گھنی مونچھوں اور خوبصورت چشمے کے ساتھ، پروقار شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔ تیسرا ایک سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ کسی قدر سخت گیر طبیعت کا مالک شخص تھا۔ تینوں نے کڑی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ بڑی بڑی مونچھوں والا عقب میں دروازے میں جم گیا تھا۔ میں مضحکہ خیز نگاہوں سے اُن تینوں کو دیکھنے لگا۔

''اگر ہمارا اندازہ غلط نہیں ہے تو تم ہی ٹھاکر رنجیت کمار ہو۔'' جارج واشنگٹن نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں..... تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ڈیئر! میرا نام تو مہاراجہ وکرما جیت ہے۔'' میں نے کہا۔

''بکواس کرتے ہو۔ ہمیں دھوکہ دیتے ہو ٹھاکر! تمہارے بہت سے کارنامے سنے ہیں۔ لیکن پہلی بار ہمارے جال میں پھنسے ہو۔ جو کھیل تم کھیل رہے ہو ٹھاکر! اس کے نتائج پر تم نے غور نہیں کیا۔ وہ سب کچھ تمہارے بس کی بات نہیں ہے جس کے لئے تم میدانِ عمل میں آئے ہو۔ کیا سمجھے؟''

''اب یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا مسٹر جارج واشنگٹن! کہ میں کیا ہوں؟ اور جو کھیل میں کھیل رہا ہوں، اُس کے کیا نتائج ہوں گے..... لیکن ایک پیش گوئی، بلکہ حقیقت میں بیان کئے دیتا ہوں۔ تم لوگ مجھے کسی تھیٹر کے مسخرے معلوم ہوتے ہو اور کسی جاسوسی ڈرامے کی ریہرسل کر رہے ہو۔ اس سے زیادہ تمہارے بارے میں کچھ کہنا میرے اپنے لئے توہین آمیز ہے۔''

خشک چہرے والے نے گہری نگاہوں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو دیکھا اور پھر نرم لہجے میں بولا۔ ''بیل کیروسا سے تمہارا کیا تعلق تھا؟ تمہیں اس بات پر اعتراض تو نہیں ہے کہ ہم تمہیں ٹھاکر رنجیت کمار کے نام سے پکار رہے ہیں؟''

''جس طرح تم نے مجھے دھوکہ دے کر یہاں بلایا ہے، اس سے میں تمہاری ذہنیت کے بارے میں اندازہ لگا چکا ہوں۔ اب اگر تم مجھے سکندرِ اعظم بھی کہہ دو تو میں تمہارا کیا بگاڑ سکتا ہوں؟ حقیقت یہ ہے کہ میرا نام صرف منصور ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں.....''

''خوب..... گویا تم اس بات سے انکار کرتے ہو کہ تم ٹھاکر رنجیت کمار ہو.....؟''

''میرے انکار کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر تم مجھے ٹھاکر رنجیت کمار سمجھتے ہو تو یونہی سہی! لیکن اس کے فوائد ضرور بتا دو مجھے۔ اگر کچھ نقصانات ہوں تو مجھے منصور ہی رہنے دیا جائے.....''

''بیل کیروسا کی کہانی سناؤ۔ اس نے تمہاری مدد سے کیا کیا کر لیا تھا اور تمہارے ساتھ مزید کتنے افراد ہیں جو تمہارے ساتھ اس کام میں مصروف ہیں؟''

''دنیا کی آبادی میں سے صرف اُن لوگوں کو نکال دو جو یہاں اس عمارت میں تمہارے ساتھی ہیں۔ باقی سب میرے ساتھ ہیں۔ مقابلہ کر سکو گے اُن سے؟'' میں نے کہا۔

''بہت خود اعتمادی ہے تمہارے اندر ٹھاکر! لیکن اس کے نتائج بہتر نہیں ہوں گے۔ جو کچھ ہمیں حاصل کرنا ہے، وہ ہمارا ہی رہے گا۔ تم اپنے دوست بیل کیروسا کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ اور وہ چوہیا..... جو بڑی تیزی سے دوڑ رہی تھی، بالآخر اپنی رفتار کا شکار ہو گئی۔ کیا تم اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ پہلے تمہیں بیل کیروسا کے ساتھ دیکھا گیا اور اس کے بعد اُس کی بہن تمہارے ساتھ دیکھی گئی؟''

''ہاں.....'' میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ ''اگر تم لوگوں نے واقعی بیل کیروسا کو میرے ساتھ دیکھا ہے تو میں بھلا انکار کیسے کر سکتا ہوں؟ اور اس کے بعد اُس کی بہن کیمی بھی کچھ عرصے مجھ سے منسلک رہی۔ لیکن اب حقیقتوں کی طرف آ جاؤ..... نہ تو بیل کیروسا سے میرا کوئی تعلق تھا اور نہ ہی اُس کی بہن کیمی سے۔ البتہ کیمی نے بیل کیروسا کی موت کے بعد ایک کہانی ضرور سنائی تھی، جس کا تعلق بیل کیروسا ہی سے تھا۔ لیکن وہ خود بھی اس کہانی سے پوری طرح واقف نہیں تھی۔ اور اُس نے مجھ سے درخواست کی تھی کہ اُس کے بھائی کے قاتلوں کے سلسلے میں، میں اُس کی مدد کروں..... لیکن میں صرف ایک سیاح ہوں میرے دوستو! جس طرح چاہو، میرے بارے میں معلومات حاصل کر لو۔ بغرض سیاحت دنیا گردی کو نکلا ہوں اور اس سے زیادہ اور میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ باقی اپنے طور پر تمہارا جو دل چاہے، فیصلہ کر لو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''خوب صورت الفاظ کو لفافے میں رکھ کر تم ہمیں بے وقوف بنانا چاہتے ہو ٹھاکر رنجیت کمار! تمہارے بارے میں جس قدر معلومات ہمیں حاصل ہیں، شاید تمہارے ماں باپ کو بھی نہ ہوں۔ اس لئے فضول باتوں سے گریز کرو۔ پہلے یہ تسلیم کرو کہ تم ٹھاکر رنجیت کمار ہو..... ہمارے تمہارے درمیان گفتگو اُس کے بعد ہوگی۔''

''اور پہلے تم یہ تسلیم کرو کہ تم بین الاقوامی گدھے ہو۔ اور یہ جو شکلیں بنائے بیٹھے ہو، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہارے دماغوں میں بھوسا بھرا ہوا ہے۔ اور تم کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہو.....''

میرا یہ خیال تھا کہ میرے یہ الفاظ انہیں مشتعل کر دیں گے..... لیکن وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے رہے۔ پھر فرنچ کٹ داڑھی والے نے میرے عقب میں کھڑے ہوئے لمبی مونچھوں والے شخص سے کہا۔ ''جاؤ..... اُسے لے آؤ۔'' اُس نے گردن خم کی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

میں نے یہاں کسی قسم کا کوئی ہنگامہ مناسب نہیں سمجھا تھا۔ چنانچہ میں نے اُن سے کہا۔ ''اگر تم مجھے ٹھاکر رنجیت کمار سمجھتے ہو تو کم از کم یہ بد اخلاقی تمہیں زیب نہیں دیتی کہ تم تینوں بیٹھے ہوئے ہو اور میں کھڑا ہوا ہوں۔''

''سامنے کرسی پر بیٹھ سکتے ہو ٹھاکر! تم بہت چالاک اور شاطر قسم کے آدمی ہو۔ لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا کہ جن لوگوں کے چنگل میں تم پھنسے ہو، وہ تم سے کہیں آگے کی چیز ہیں..... اگر تمہارے ساتھ دس ہزار افراد کا گروہ بھی ہے، تب بھی وہ ہمارے سامنے بے بس ہی رہے گا۔''

میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کرسی پر جا بیٹھا۔ پھر بڑی مونچھوں والا شخص جس شخصیت کو لے کر اندر داخل ہوا، اُسے دیکھ کر میرے دل میں عجیب سے تاثرات اُبھر آئے تھے۔ مصر میں، ایران میں اور دوسرے تمام علاقوں میں جہاں جہاں کی میں سیاحت کر چکا تھا، جس قدر حسین لڑکیاں میرے نزدیک آئی تھیں اور اُن کی جو جو شخصیتیں تھیں، اُن کا تذکرہ میں کر چکا ہوں۔ کی مورا، اُن میں ایک عجیب و غریب شخصیت کی مالک تھی۔ لیسیٔ، جین گروجر اور وہ تمام لڑکیاں جن میں ایش بھی شامل تھی۔ لیکن اُن میں سے کوئی میرے ذہن یا دل کی گہرائیوں میں وہ ہلچل نہ پیدا کر سکی تھی جو اُس لڑکی کو دیکھ کر ایک دم میرے اندر پیدا ہو گئی تھی۔

بلند و بالا قد..... انتہائی حسین، سنگ مرمر جیسی تراش کا بدن، لمبے لمبے بال جو پنڈلیوں تک آتے تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، انتہائی حسین تراش کے

اُبھرے اُبھرے ہونٹ، صراحی دار گردن..... غرض کہ ہر شے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے
جگہ مکمل ہو اور عورت کی ایک مکمل تصویر..... اگر افسانوی نقطہ نگاہ سے حسن کے معیار
پر پرکھی جائے تو وہ اُس شکل میں موجود تھی۔

ساڑھی میں ملبوس، چہرے سے مشرقیت جھلکتی ہوئی۔ لیکن آنکھوں میں ذہانت
جھلک۔ نجانے کون تھی یہ..... بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ قیدی ہو۔ لیکن چال
تمکنت بتاتی تھی کہ رسّی جل گئی ہے پر بل نہیں گیا۔ وہ ٹھہری ٹھہری سی چلتی ہوئی اندر داخل
ہوئی اور تھکی نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگی۔

''کماری پدما! ہم نے تم سے کہا تھا نا کہ بالآخر ٹھاکر رنجیت کمار بھی ایک نہ ایک دن
ہمارے چنگل میں آ جائے گا۔ دیکھ لو..... ہم نے اپنے قول کی تصدیق کر دی ہے۔ ٹھاکر
رنجیت تمہارے سامنے موجود ہے.....''

آنے والی کی نگاہیں میری جانب اُٹھ گئیں۔ ایک لمحے تک اُن نگاہوں میں سپاٹ
کیفیت رہی۔ اور پھر اُس کے ہونٹ سرگوشی کے انداز میں مسکرائے اور اُن سے آواز
نکلی..... ''ٹھاکر! تم.....؟''

''بیڑہ غرق.....'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ آ گئی پھر وہی مصیبت..... اِس
چہرے میں کیا آیا کہ یہ لوگ پھر اُسی جنون کا شکار ہو گئے۔ میں نے لڑکی کے الفاظ کی تردید
کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے نزدیک پہنچ گئی۔ اور پھر اُس
نے اسی انداز میں کہا۔

''تو تم بھی ان کے چنگل میں پھنس گئے ٹھاکر.....''

''اللہ کی مرضی بی بی! میں آج تک کچھ کر سکا ہوں، جو اَب کروں گا؟'' میں نے ٹھنڈی
سانس لے کر کہا۔

''مجھے یہ توقع نہیں تھی۔ تم پر تو بہت انحصار تھا۔''

''ہاں ہاں..... بے شک! دنیا کے بے شمار لوگ مجھ پر نجانے کیا کیا انحصار کرتے
ہیں..... تم بھی کر لو..... ایک بات دماغ میں رکھنا! جو کچھ انہیں ملا ہے، اس سے الگ تمہیں
کچھ نہیں ملے گا۔ بہرحال بھائیو! میں ٹھاکر رنجیت کمار ہوں۔ باپ کا نام اس میں شامل نہیں
کروں گا کیونکہ وہ گالی بن جائے گا۔ اب بولو! کیا چاہتے ہو مجھ سے؟''

جارج واشنگٹن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اُس نے کہا۔ ''فی الحال میں اتنا
ہی بتانا چاہتا تھا کہ اب تم دونوں یکجا ہو کر میرے لئے کام کرو گے۔ جیکل! انہیں احترام
کے ساتھ ان کی کمین گاہ میں چھوڑ آؤ.....''

جیکل ہمیں لے کر باہر نکل آیا۔ اور اُسی وقت راعمیس کی آواز اُبھری۔ ''رب السمٰوات
کی قسم! وہ کلوپیٹرہ سے زیادہ حسین ہے۔ آہ..... اس کا دل نہ توڑنا راعمیس! اس کی دلجوئی
کرو۔'' میں دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

اس بار جس کمرے میں ہمیں قید کیا گیا، یہ وہ جگہ نہیں تھی جس میں، میں پہلے موجود تھا۔
شاید یہ کماری پدما کا قید خانہ ہو۔ یہاں دو حسین بستر بچھے ہوئے تھے۔ فرش پر انتہائی قیمتی
قالین تھا۔ ایک جانب صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا۔ دوسری طرف ڈریسنگ ٹیبل تھی۔ باتھ رُوم
ملحقہ تھا۔ گویا کسی چھوٹے سے خاندان کے لئے یہ قید خانہ انتہائی مناسب تھا۔ کماری پدما
اندر داخل ہونے کے بعد آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی صوفے کی طرف بڑھ گئی اور پھر پر
وقار انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

راعمیس کی آواز اُبھری..... ''واہ..... واقعی کمال ہے..... واقعی کمال ہے۔''

''راعمیس!'' میں نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور کماری پدما چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''کیا اس وقت تمہاری خاموشی مناسب نہیں؟''

''یار! تم پھر راستے سے ہٹ رہے ہو۔ میں کہتا ہوں پیچ و تاب کھانے کی ضرورت ہی
کیا ہے؟ ذرا دماغ کو ٹھنڈا رکھو اور لطف اُٹھاؤ۔''

''تم نے کچھ کہا؟'' کماری پدما نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

''جی نہیں کماری صاحبہ! میں بھلا کیا عرض کر سکتا ہوں؟ آپ نے مجھے ٹھاکر رنجیت کمار
بنا دیا۔ کیا یہ اعزاز کم ہے میرے لئے؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''ہندوستان کے باشندے ہو.....؟''

''جی نہیں۔ پاکستانی ہوں۔'' میں نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

''پھر بھی ہم میں سے ہی ہو۔''

''ہم میں سے کیا مراد؟ کیا اب میں آپ کے خیال میں ٹھاکر رنجیت کمار نہیں ہوں؟''
میں نے تیکھی نگاہوں سے اُسے گھورتے ہوئے کہا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ

پھیل گئی۔ اس مسکراہٹ میں اتنا حسن، اتنی دلکشی تھی کہ دل سے سارا غبار نکل گیا اور
کہ نہ صرف ہمیشہ کے لئے ٹھاکر رنجیت کمار بن جاؤں بلکہ اپنی خدمات کماری صاحبہ
کر دوں اور اُن سے کہوں کہ بس! اب دنیا سے بچا کر اپنے ہی قدموں میں بسیرا کر
دیجئے۔

وہ بدستور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ ''تم جو کوئی ہو، میں نہیں جانتی
تمہارا تعلق کہاں سے ہے اور تم ان لوگوں کے جال میں کیسے آ پھنسے؟ میں یہ بات
طرح جانتی ہوں کہ تم ٹھاکر رنجیت کمار نہیں ہو۔ ٹھاکر رنجیت سے میری صرف ایک
ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن میں اُسے اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ اب اس وقت جبکہ میں
آپ کو دشمنوں کے درمیان بالکل تنہا پاتی ہوں، اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں
میرے پاس کہ میں اُن لوگوں کی خواہش کے مطابق تمہیں ٹھاکر رنجیت کمار کہہ دوں، کم
کم ایک ساتھی تو ملے۔ عارضی ہی سہی لیکن ڈوبتے لوگ تنکے کا سہارا بھی پسند کرتے ہیں
میں اپنی تمام کوششوں میں ناکام ہو گئی ہوں اور اب میرے پاس اس کے علاوہ اور
ذریعہ نہیں ہے کہ کسی بھی ایرے غیرے کو میں اپنا ساتھی بنانے کی کوشش کروں.....''

''تو محترمہ! یہی ایرا غیرا آپ کو کیوں مل گیا تھا؟'' میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''دیکھو! نہ میں تمہیں خود گرفتار کر کے یہاں لائی ہوں نہ جان بوجھ کر تمہارے پاس
تھی۔ تم جو کوئی بھی ہو، ہو سکتا ہے تمہیں یہاں سے رہائی نصیب ہو جائے۔ اگر کر
میرے لئے تھوڑا سا کام کر دینا۔ اس کے بدلے کا کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں ہے
ایک ایسی بے دست و پا لڑکی جس کا کوئی سہارا نہ ہو، کچھ بھی کر سکتی ہے تمہیں اس کا انداز
ہوگا۔ اگر تم چاہو گے تو میں بعد میں اس بات سے انکار کر دوں گی کہ تم رنجیت نہیں ہو۔ لیکن
اس وقت کچھ دیر میرے ساتھ گزار لو۔ میں زندگی بھر تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گی۔''

''اُس کی آواز میں ایک حسرت سی پیدا ہو گئی تھی۔ میں اس صورتِ حال کو سمجھنے کی
کوشش کرنے لگا۔ راعمیس بار بار میرے ذہن میں چٹکیاں کاٹ رہا تھا اور میں اُس
مقصد سمجھ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں لڑکی سے یگانگت کی باتیں کروں اور اُس کی
حاصل کروں۔ بہرطور! یہ تو کرنا ہی تھا۔ کم از کم پہلی بار ایک ایسی شخصیت ملی تھی جس
مجھے وہ ماننے سے انکار کر دیا تھا جو دوسرے سمجھتے تھے۔ یعنی میرے خدوخال اس بار

لوگوں کو دھوکہ دینے کا باعث ضرور بنے تھے۔ لیکن جس شخصیت سے میری شناخت کرائی گئی
تھی اُس نے کہا تھا کہ میں وہ نہیں ہوں۔ یہ بات ذرا باعث اطمینان تھی۔ اور منصور دی
گریٹ..... جن کے سپرد دنیا میں آنے کے بعد یہ ذمہ داری کی گئی تھی کہ وہ کبھی ہٹلر کے
دست راست بن جائیں، کبھی آرٹن ڈورل، کبھی لارڈ کرزن اور کبھی کچھ..... اور جب کہ
بذات خود وہ صرف ایک بے روزگار نوجوان جس کی بے روزگاری مثالی حیثیت رکھتی ہو اس
کے علاوہ اور کچھ نہیں تھے۔ میں راعمیس سے اختلاف نہ کرتے ہوئے اُس کے ساتھ نرم ہو
گیا۔

''کماری پدما! آپ ہیں کیا چیز؟ اس بات کا اعتراف تو آپ کر چکی ہیں کہ آپ نے
مجھے صرف ایک ساتھی کی حیثیت سے رنجیت تسلیم کیا ہے اور آپ کے ذہن میں ایسی کوئی
بات نہیں ہے کہ میری شخصیت بلکہ قومیت ہی بدل جائے۔''

''ہاں! میں اپنا مفہوم تم پر واضح کر چکی ہوں۔ اب دیکھو نا! میں خود تمہیں یہاں نہیں
لائی۔ لیکن مجھے ایک موقع ملا تو میں اُسے ہاتھ سے کیوں گنواؤں؟ ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ ان
لوگوں نے آخر تمہیں رنجیت کمار کے دھوکے میں کیسے پکڑا؟ اگر پسند کرو تو یہ بات بتا دو۔
میں اسے تمہارا تعاون تصور کروں گی.....''

''بیل کیروسا نامی ایک شخص میرے لئے مصیبتوں کا باعث بنا ہے۔'' میں نے کہا۔

لڑکی بری طرح چونک پڑی۔ اُس کی آنکھوں کے بدلے ہوئے انداز اور اُس کی
چونکنے کی کیفیت کو میں نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ چند لمحوں بعد اُس نے کہا۔ ''بیل کیروسا کو تم
کیسے جانتے تھے؟''

''کیا تم بھی بیل کیروسا سے واقف ہو.....؟''

''ہاں! یہ بہت اچھا انسان میری وجہ سے موت کا شکار ہوا..... صرف میری وجہ سے۔''

''خوب..... خوب..... اس کا مطلب ہے کہ اب تم مجھے اُس کی کہانی بھی سناؤ گی۔''

''اگر تم پسند کرو۔ ویسے میں تمہیں اپنی کہانی سنانا ضروری سمجھتی ہوں۔ کیونکہ تم سے بہت
سی اُمیدیں وابستہ کر لی ہیں میں نے۔ دیکھو! اُن لوگوں نے تمہیں اُٹھا کر رنجیت کمار کے
دھوکے میں پکڑا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہارے خدوخال کسی حد تک ٹھاکر
رنجیت کمار سے ملتے ہیں۔ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم رنجیت کمار نہیں ہو۔
بعد میں ان لوگوں کو بھی اس کا علم ہو جائے گا اور اس کے بعد ممکن ہے یہ تمہیں چھوڑ دیں۔

یہاں سے جاؤ میرے دوست! تو ایک کام کر دینا میرا جس کے لئے میں تم سے پہلے
چکی ہوں۔ کام ایسا نہیں ہو گا کہ تمہارے لئے ناممکن ہو۔ لیکن ممکن ہے میری زند
جائے۔''

''کیا تم بیل کیروسا کی بہن کیمی کو بھی جانتی ہو.....؟''

''جانتی نہیں ہوں.....بیل کیروسا کی زبانی ہی میں نے اُس کا نام سنا تھا۔ بیل
کہتا تھا کہ اُس کی ایک ہی بہن ہے اور زندگی بنانے کا جو تصور اُس کے ذہن میں
صرف کیمی کی وجہ سے ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ کیمی کو زندگی کی ساری آسائشیں فراہم کر
لیکن بدنصیب بھائی، بہن کے لئے یہ نہ کر سکا اور ان درندوں کا شکار ہو گیا۔ کاش! ا
ہوتا.....''

''مس پدما! اب ایسا کوئی معاملہ نہیں رہا۔ وہ بہن بھی اپنے بھائی کے پاس پہنچ
ہے۔'' میں نے کہا اور پدما ایک بار پھر چونک پڑی۔ اُس کی آنکھوں میں دُکھ کے تا
نظر آئے اور پھر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''کیا واقعی کیمی بھی.....کیمی.....''

''ہاں.....اُن لوگوں نے مجھے اُس کی لاش کے پاس ہی پایا تھا۔ اور وہاں
والوں کے بھیس میں انہوں نے مجھے گرفتار کیا۔''

''ہاں..... میں یہ جانتی ہوں۔ وہ باقاعدہ جرائم پیشہ ہیں۔ اور شاید ہر طرح کے
کر لیتے ہیں۔ اکثر میں نے اُن میں سے کچھ کو پولیس کے لباس میں دیکھا ہے جبکہ
سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''اب تو اس کہانی میں مجھے بھی دلچسپی محسوس ہو رہی ہے مس پدما! چلئے ٹھیک ہے
تقدیر ہمیں اس طرح یکجا کر رہی ہے اور آپ کے لئے مجھ سے کوئی کام لینا چاہتی
پہلی بار.....زندگی میں پہلی بار میں آپ کے لئے کچھ کرنے پر آمادہ ہوں.....بیل
سے میری ملاقات اتفاقیہ طور پر ہوئی تھی۔ وہ چند روز میرے ساتھ رہا اور اُس کی
ایک بار پہلے بھی میں ایک مصیبت میں پھنسا۔ پھر بیل کیروسا مارا گیا اور اُس کی بہن
مجھے ملی۔ اُس نے اپنے بھائی کے قاتلوں کے خلاف میری مدد حاصل کرنا چاہی لیکن
پدما! میں ایک سیاح فطرت آدمی ہوں اور ہنگاموں سے بچنا چاہتا ہوں۔ میں بھلا کیمی
مدد کر سکتا تھا؟ چنانچہ میں یہاں آ گیا اور میں نے ایسے ہی سیر و تفریح کے دوران

لاش شہزادہ یوجین کے محل کے پاس جھاڑیوں میں پڑی ہوئی پائی۔ کیونکہ میں اُسے پہچانتا تھا
اس لئے فطری طور پر میرے دل میں اُس کے لئے ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔ لیکن
اس سے قبل کہ میں اُس لاش کے سلسلے میں کوئی کارروائی کرتا، ان لوگوں نے مجھے پولیس
والوں کی حیثیت سے پکڑ لیا اور اس کے بعد یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ میں رنجیت کمار ہوں
یا نہیں؟ میں نے انکار کیا، تو اس کی تصدیق کے لئے اُنہوں نے آپ کو طلب کر لیا۔''

پدما گردن ہلانے لگی تھی۔ اُس کے گھٹاؤں جیسے سیاہ بال اُڑ اُڑ کر اُس کے چہرے پر آ
پڑے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے آدھا چاند بادلوں کی اوٹ سے جھانک رہا ہو۔ حسن و جمال
میں یکتا اس حسین لڑکی نے واقعی دلوں پر حکمرانی کرنے کے تمام انتظامات اپنے اندر سمو
رکھے تھے۔ وہ غم زدہ انداز میں گردن جھکائے رہی۔ اور چند لمحوں کے بعد اُس کی حسین
آنکھوں میں آنسوؤں کو دیکھ کر مجھے عجیب سی بے چینی کا احساس ہوا تھا۔

میں دل سوزی سے آگے بڑھا اور اُس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ اسی وقت راعمیس کی
جھلائی ہوئی آواز میرے کانوں میں اُبھری۔ ''اے عقل کے اونٹ! اس دست محبت کو
دست شفقت میں کیوں تبدیل کر رہا ہے؟ سر پر ہاتھ رکھنے کا مطلب سمجھتا ہے تو؟ بے
وقوف آدمی! اگر ہاتھ رکھنے کا موقع مل ہی گیا ہے تو کمر پر رکھ.....شانوں پر رکھ.....اس
طرح تو، تو اپنی شخصیت ہی تبدیل کئے دے رہا ہے۔''

میں نے بوکھلا کر پدما کے سر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ پدما نے ڈبڈبائی آنکھوں سے مجھے دیکھا
اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''منصور نام بتایا تھا نا تم نے اپنا؟''

''ہاں۔'' میں نے گردن ہلائی۔

''یقین کرو منصور! میری ذات میں ایک ایسی تشنگی ہے جو شاید کبھی کسی انسان کی ذات
میں نہیں رہی ہو گی۔ تم جن حالات سے بھی گزرو، زندگی تمہیں جو کچھ بھی بنائے کم از کم
اپنے آپ سے واقف تو ہوتے ہو۔ کوئی تم سے تمہارے بارے میں پوچھے تو اتنا تو کہہ سکتے
ہو تم کہ تمہارا خاندان یہ تھا۔ والدین یہ تھے، تمہارا ماضی کچھ اس طرح تھا۔ اس طرح انسان
اپنی شناخت کرا سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ میں کون ہوں تو میرے پاس اس کا
کوئی جواب نہیں ہے۔ لوگ مجھے پدما کہتے ہیں۔ میں پدما ہوں۔ اگر میرا کوئی اور نام لیا
جائے تو میں اُس کی تردید نہیں کر سکتی اس لئے کہ میں خود اپنی ذات میں ناقابل شناخت
ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میں کون ہوں؟ وہ لوگ جو ہوش سنبھالنے کے بعد میری نگاہوں

کے سامنے رہے، باالآخر یہ کہہ کر چلے گئے کہ میں وہ نہیں ہوں جو اَب تک تھی۔ سمجھے
میں وہ نہیں ہوں جو اَب تک تھی اور وہ بھی نہیں ہوں جو آئندہ رہوں گی۔ تمہیں میرے
الفاظ اُلجھے ہوئے محسوس ہوں گے۔ لیکن میری ساری زندگی ہی اُلجھے ہوئے دھاگوں کے
ایک انبار کی مانند ہے جس کا کوئی سرا کہیں سے نہیں ملتا۔ میں اپنی شناخت بھی چاہتی ہوں
منصور! اور زندگی بھی۔ مجھے جینا پسند ہے۔ میں دنیا کو اُن نگاہوں سے دیکھنا چاہتی ہوں
جن آنکھوں سے جینے والے دیکھتے ہیں۔ لیکن مجھ پر نجانے کیا کیا قیامتیں ٹوٹتی رہی ہیں۔
میں.... میں سب کچھ ہونے کے باوجود اتنی افسردہ ہوں منصور! کہ شاید میرا دل اندر سے گل
گیا ہو اور اگر کوئی میرے سینے کو چیر کر دیکھے تو دل کی جگہ اُسے ایک گلا ہوا خون کا لوتھڑا نظر
آئے گا۔ جس پر اتنی ضربیں پڑی ہیں کہ وہ اپنی اصل شکل ہی کھو بیٹھا ہے۔ میں اپنے الفاظ
کا مفہوم سمجھانے کے لئے نہ جانے کیا کیا کہہ رہی ہوں۔ بس! تم ایک غمزدہ لڑکی کے
بارے میں جو بھی تعین کر سکتے ہو، وہ میری ذات کے ساتھ کر لو۔ میں تمہیں اپنے بارے
میں بتانا چاہتی ہوں۔ سنو منصور! کم از کم میری داستان سن لو۔ میرا دل ہلکا کر دو اور اس
کے بعد چاہو تو مجھ پر لعنت بھیج کر چلے جانا۔ میں اپنی تقدیر کی سیاہی اپنے ہاتھ سے نہیں مٹا
سکتی۔''

اُس کی آواز رندھ گئی تھی اور اس بار میں نے اُس کے دونوں بازو پکڑ لئے تھے اور اُس
کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ ''پدما.....! براہِ کرم خود کو سنبھالو۔ میں تم سے وعدہ کرتا
ہوں کہ حالات کیسے ہی ہوں، میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔''

پدما نے اپنا خوبصورت سر میرے بازو سے ٹکا دیا اور راعمیس نے ایک بار پھر میرے
کان میں سرگوشی کی۔ ''عمدہ جا رہے ہو راعمساس..... عمدہ جا رہے ہو!''

دِل تو چاہا کہ راعمیس کو گالیاں سناؤں۔ لیکن اپنے آپ کو باز رکھا۔

پدما میرے بازو سے سر ٹکائے روتی رہی۔ پھر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میرا
تعلق کہاں سے ہے؟ یہ تو نہیں جانتی۔ لیکن میں نے جب ہوش سنبھالا تو کنڈولا کے ایک
قصبے رتنوریا میں موجود تھی.....''

میں نے خود کو ایک نئی کہانی کے لئے تیار کر لیا۔ کہانیاں جو میرا مقدر تھیں۔ کہیں سے نہیں
کسی سے بھی ایک کہانی ضرور سننے کو ملتی تھی۔ اور اس کے بعد.....

☆.....☆.....☆

پدما بدستور سسکیاں بھرتے ہوئے اپنی داستانِ غم سنا رہی تھی.....

''تنوریا میں، میں اُس قصبے کے سب سے بڑے آدمی گوپال سانگا کی حویلی میں رہتی
تھی جس کا تعلق، رانا سانگا کے خاندان سے تھا۔ میں اُسے پتا جی کہتی تھی۔ بچپن کے حالات
کیا تھے؟ کب میں گوپال سانگا کے گھر میں آئی؟ بالکل نہیں جانتی تھی۔ جس طرح بچے اپنے
گھروں میں رہتے ہیں، اسی طرح میں بھی اُس کے گھر میں رہتی تھی۔ گوپال کی زمینیں دُور
دُور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر شخص اُسے جھک کر سلام کرتا تھا۔ مگر وہ میرا غلام تھا۔ ہاں منصور!
باپ اپنی بیٹی کا غلام..... میں بچی تھی، شرارتیں کرنا چاہتی تھی، شرارتیں کرتی تھی اور دیکھتی
تھی کہ شرارتیں کرنے پر دوسری لڑکیوں کے ماتا پتا انہیں برا بھلا کہتے ہیں، مارتے ہیں،
ڈانٹتے ہیں۔ لیکن میری ہر شرارت پر وہ لوگ نہ صرف بے بس ہو کر رہ جاتے تھے بلکہ ایسے
ڈرے ڈرے انداز میں مجھے سمجھاتے جیسے اگر میں ناراض ہو گئی تو اُن کی تقدیر کا سورج
غروب ہو جائے گا۔ اس صورتحال سے میں ایک ذہنی مریضہ کی حیثیت اختیار کر گئی۔ نوجوانی
کی عمروں کو چھونے لگی تھی۔ لیکن کبھی بھی اپنی وہ حیثیت نہ پا سکی جو ماں باپ کی نگاہوں میں
اولاد کی ہوتی ہے۔ میں نے ایک دن ہرناولی کو پیٹ ڈالا۔ غصے کے عالم میں وہ پہلی بار
میرا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑی ہوئی تو مجھے ایسا سرور آیا منصور! کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔
مجھے یوں محسوس ہوا کہ اچانک اُن لوگوں نے مجھے انسان مان لیا ہو۔ لیکن دُور سے ہرناولی
کی ماں نے اُس کی یہ بدتمیزی دیکھ لی اور پھر اُس کی جوتیوں سے ایسی پٹائی ہوئی کہ میں خود
بھی کسی کو نہ روک سکی۔ وہ یہی کہتی رہی کہ غلطی دیدی کی تھی۔ لیکن میری غلطی کبھی غلطی نہیں
ہوتی تھی۔ اس صورتحال پر اَب میں غور کرنے لگی تھی۔ میں جاننا چاہتی تھی کہ میرے ساتھ یہ
سلوک کیوں کیا جاتا ہے کہ میں اپنے آپ کو حویلی میں اجنبی سمجھوں۔ سچی بات یہ ہے کہ
انہوں نے مجھے ہر طرح کا سکھ دیا تھا۔ لیکن وہ محبت، وہ اپنائیت نہیں دی تھی، جو ماتا پتا کے

دلوں میں ہوتی ہے۔ بلکہ ہر شخص میری عزت کرتا تھا۔

ایک رات کچھ نامعلوم لوگوں نے حویلی پر گولیوں کی بارش کر دی۔ پہلے تو ہمارے ملازم مارے گئے۔ مگر اُس کے بعد گوپال سانگا بندوق لے کر اُن لوگوں کے مقابلہ پر آ گیا۔ اُس کے آدمیوں نے تھوڑی ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور نہ صرف حملہ آوروں کو مار مار کر بھگا دیا بلکہ ایک شخص کو بھی اُٹھا لایا جو گوری چمڑی والا ایک غیر ملکی تھا۔ گوپال اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ اُس وقت بے ہوش تھا۔ کافی دیر بعد اُسے ہوش آیا تو گوپال کڑک کر اُس سے سوال جواب کرنے لگا۔

''کون ہو تم؟ اور میری حویلی پر حملہ کیوں کیا گیا تھا؟''

''تو جانتا ہے کہ میں کون ہوں اور تیری حویلی پر حملہ کیوں کیا گیا تھا.....'' غیر ملکی نے جواب دیا۔

''میں نہیں جانتا۔ تجھے بتانا ہوگا۔''

''بیوقوف آدمی! کرنل جیمز کو بھول گیا؟'' میں نے محسوس کیا کہ اس نام پر گوپال کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ یہ کرنل جیمز کون تھا اور گوپال سانگا سے اس کا کیا تعلق تھا؟ ظاہر ہے میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ گوپال سانگا اُس زخمی سے مختلف سوالات کرتا رہا اور وہ اُسے جواب دیتا رہا۔ اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ پھر اُس نے پستول نکالا اور سفید فام کے سر کا نشانہ لے کر دو گولیاں داغ دیں۔ سفید فام کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ میں نے گوپال سانگا کی یہ درندگی پہلی بار دیکھی تھی۔ سفید فام کی لاش کو خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ لوگ گوپال سے طرح طرح کے سوالات کرنے آئے مگر اُس نے سختی سے اُن سب کو منع کر کے بھگا دیا۔

دوسری رات اُس نے اپنی بیوی اور اپنی بیٹی کو خاموشی سے وہاں سے کہیں اور بھیج دیا۔ یہ بات مجھے صبح ہی پتہ چلی۔ گوپال مجھے اس بارے میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا لیکن مجھے جھوٹی تسلیاں دیتا رہا۔ پھر اگلی رات میرے لئے بھی اس حویلی میں آخری رات ثابت ہوئی..... گوپال نے تین گھوڑوں کا بندوبست کیا۔ ایک گھوڑے پر ساز و سامان لدا ہوا تھا اور باقی دو میرے اور اُس کے لئے۔ آدھی رات کو گوپال میرے کمرے میں آیا اور آہستگی سے بولا۔

''پدما بیٹے! ہم لوگ چل رہے ہیں۔''

''کہاں پتا جی؟''

''چلو! میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ منہ ہاتھ دھو لو۔ گھوڑے تیار ہیں۔''

میں گھڑ سواری کی شوقین تھی۔ حویلی کے اصطبل میں چار گھوڑے تھے جو کبھی کبھی میرے استعمال میں آ جاتے تھے۔ گھوڑے کے سفر کا سن کر میں خوش ہو گئی اور اُس کے بعد میں نے اُس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اور یوں ہم انتہائی خاموشی سے تنوریا سے نکل گئے۔ رات بھر یہ سفر جاری رہا۔ ہم جنگلوں اور چٹانوں میں بھٹکتے رہے۔ راجپوتانہ کے پہاڑی علاقے سرخ چٹانوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے تھے۔ صبح کا سورج نکلا تو ہم نے اپنے آپ کو ایک خوبصورت جنگل میں پایا۔ یہاں کا موسم تنوریا اور اُس کے قریبی علاقوں سے کہیں زیادہ خوب صورت اور حسین تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی رچی ہوئی تھی۔ چاروں طرف بکھرے ہوئے پہاڑوں اور اُن کے گرد اُگے ہوئے درختوں کو دیکھ کر میں خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ گوپال کسی غار کی تلاش میں تھا۔ بالآخر اُسے ایسا غار مل گیا جو اُس کے خیال میں مناسب تھا۔ چنانچہ ہم نے وہیں پڑاؤ کا فیصلہ کر لیا۔

رات کو جب ہم سونے کے لئے لیٹے تو میں نے نرم آواز میں گوپال کو مخاطب کیا۔ ''کیا اب بھی نہیں بتاؤ گے پتا جی! کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

گوپال جواب میں عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ''تم مجھے کیا سمجھتی ہو پدما؟''

''پتا جی.....''

''تو بیٹی! یہ نہیں ہو سکتا کہ اگر تمہارا پتا تم سے کہے کہ اس بارے میں کوئی سوال نہ کرو تو تم خاموش ہو جاؤ گی؟''

''خاموش تو میں ہو جاؤں گی۔ لیکن ایک بات آپ بھی سمجھ لیجئے کہ میرے دل میں ہمیشہ سے آپ کے لئے ایک احساس رہا ہے کہ میں آپ لوگوں کے درمیان اجنبی ہوں۔ مجھے اس کی وجہ نہیں بتائیں گے؟''

گوپال پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اُس کے چہرے پر مختلف رنگ آ رہے تھے۔ پھر اُس نے آہستگی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ کچھ ایسی باتیں میں تمہیں بتائے دیتا ہوں جو اس وقت ضروری بھی ہیں۔'' وہ ذرا دیر کو جیسے سانس لینے کے لئے رُکا اور پھر مجھ سے

مخاطب ہوا۔ ''تم برا مت ماننا اور نہ ہی دل چھوٹا کرنا۔ یہ انکشاف تمہارے لئے عجیب ہو
لیکن سچ یہ ہے کہ تم میری بیٹی نہیں ہو۔ ہم سب تمہارے غلام ہیں۔ ہمارے سپرد صرف
تمہاری پرورش کی گئی تھی۔''

میرا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ آج اس سلوک کی وجہ مجھے معلوم ہوگئی تھی جو
میرے ساتھ کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات غم ناک بھی تھی کہ میں اپنوں میں نہیں ہوں۔

''میرے ماتا پتا کون ہیں؟'' میں نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

''افسوس! میں بھی یہ نہیں جانتا۔ مجھے تو تم تنہا ایک جگہ ملی تھیں۔ تمہارے پاس ایسا ساز
وسامان تھا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ تم کسی بہت بڑے آدمی کی بیٹی ہو۔ میں تمہیں اٹھا لایا
اور پھر میں نے تمہاری اپنی بیٹیوں ہی کی طرح پرورش بلکہ خدمت کی۔ میں نے سب سے
کہہ دیا کہ پدما کو کسی راجکماری کی طرح رکھا جائے۔ مگر اب برا وقت آ گیا ہے.....''

''کیوں.....اب کیا ہو گیا ہے؟'' میں نے اُس کی بات کاٹی۔

''کچھ ایسے لوگ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں جو تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔
وہ.....وہ میرے بھی دشمن ہیں اور تمہارے بھی۔ تم اُس جنگ کو بھول گئیں جو حویلی میں ہوئی
تھی؟ وہ تمہیں اغواء کرنے آئے تھے۔ تمہارے سامنے ہی اُس سفید فام نے کسی کرنل جیمز کا
نام لیا تھا۔ وہی تمہارا اصل دشمن ہے۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ میرا تعاقب کرتے ہوئے یہاں
تک آ جائیں۔ میں تمہاری حفاظت کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن تم اگر کرنل جیمز کے ہاتھ
لگ جاؤ تو احتیاط سے اُس سے معلوم کرنا کہ وہ تمہیں کیوں اغواء کرنا چاہتا ہے؟''

میں رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ لیکن اب نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ گوپال
تو کروٹ بدل کر سو گیا لیکن میں روتی رہی اور انگاروں پر لوٹتی رہی۔ جب دوپہر بھی گزر گئی
تو میں نے اُسے جگانے کی کوشش کی۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ لیکن میں نے اُس کے ہاتھ
پر ہاتھ رکھا تو ڈر کر ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ تیز بخار میں مبتلا تھا۔ غالباً سفر کی تھکن نے اُسے نڈھال
کر دیا۔ میں نے اُسے جگا کر پانی پلایا تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''میں بیمار ہو گیا ہوں۔ مگر تم چنتا نہ کرو۔ کچھ کھایا پیا تم نے؟''

''نہیں۔''

''کچھ کھا لو۔ میں تو بیماری کی وجہ سے کچھ کھا نہ سکوں گا۔ ایک گلاس پانی اور پلا دو

مجھے.....''

میں نے اُسے پانی دیا لیکن خود بھی کچھ نہیں کھایا۔ وہ میری خوشامد کرتا رہا۔ مگر میں نے
اُس کی ایک نہ مانی۔ میں یہ جاننے پر مُصر تھی کہ میں کون ہوں اور وہ یہ بتانے پر تیار نہ تھا۔
اُس کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اُس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوپال کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔ وہ اب
نیم غشی کی کیفیت میں تھا۔ جب مجھے بہت زیادہ بھوک لگی تو میں نے کچھ کھا پی لیا۔ لیکن اُس
سے میں نے اور کوئی گفتگو نہیں کی۔

دوسرے دن صبح دس بجے اُس نے پھر پانی مانگا۔ میں نے اُسے پانی پلایا تو اُس نے
میرا ہاتھ پکڑ لیا اور نڈھال لہجے میں بولا۔ ''پدما! میری حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا
رہی ہے۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ابھی مجھے تیرے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ لیکن اگر مجھے
کچھ ہو جائے تو جس طرح بھی بن پڑے، تو یہاں سے چاندنگر روانہ ہو جانا۔ وہاں ٹھاکر
لاج پال کی حویلی تلاش کرنے میں تجھے کوئی دقت نہیں ہو گی۔ اُسے بس یہ بتا دینا کہ تو
گوپال سانگا کی بیٹی ہے اور تیرا نام پدماوتی ہے۔'' میں نے نام ذہن نشین کر لیا۔ لیکن اس
تصور ہی سے مجھے خوف آ رہا تھا کہ میں اس جنگل، اس ویرانے میں تنہا رہ جاؤں گی۔ لیکن
کیا کر سکتی تھی؟

دوپہر کے تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ اچانک باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں
اُبھریں اور گوپال کے جسم میں جیسے بجلی کا کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ وہ اب تک بری طرح نڈھال
نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس وقت اُس نے پھرتی سے بندوق اُٹھائی اور غار کے دہانے کے قریب
آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے گھوڑوں کو دیکھ کر وہ گھوڑے بھی ہنہنائے جو ہمارے تھے، اور ابھی
تک اُس غار کے عقب میں بندھے ہوئے تھے۔ غالباً اُن کی ہنہناہٹ نے دوسرے لوگوں
کو اس طرف متوجہ کر دیا اور گھوڑوں کی ٹاپیں تیز رفتاری سے غار کے قریب آنے لگیں.....

چند لمحے وہ غار میں بیٹھا رہا۔ پھر اُسے نجانے کی سوجھی کہ غار سے باہر نکل گیا۔ لیکن
دہانے پر رُک کر اُس نے مجھ سے کہا کہ میں باہر نکلنے کی کوشش نہ کروں۔ ذرا دیر بعد میں
نے گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں جو کافی دیر تک آتی رہیں۔ اور پھر بند ہو گئیں۔ میں خاموشی
سے سانس روکے غار میں ہی بیٹھی تھی کہ دفعتہً کسی نے اندر جھانک کر کہا۔ ''لڑکی! باہر نکل

آؤ۔ اطمینان رکھو! تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ لیکن اگر تم نے ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کی تو تمہیں اسی جگہ ختم کر دیا جائے گا۔''

زبان اور لہجہ ہندوستانی ہی تھا۔ میں تھوڑی دیر سوچتی رہی اور پھر باہر نکل آئی۔ باہر پانچ آدمی تھے جن میں سے صرف ایک ہندوستانی تھا۔ گوپال کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو ہندوستانی نے آگے بڑھ کر مجھ سے کہا۔ ''گوپال کو تلاش کر رہی ہو؟ وہ خیریت سے ہے اور آگے جا چکا ہے۔''

''کہاں؟'' میں نے سوال کیا۔

''اُس کی حالت خراب تھی۔ ہم نے اُسے گھوڑے پر بٹھا کر شہر بھجوا دیا ہے تاکہ ڈاکٹر اُس کا علاج کر سکیں۔''

چاروں انگریز بھوکی نگاہوں سے مجھے گھور رہے تھے۔ وہ نوجوان تھے اور چہروں سے خطرناک نظر آتے تھے۔ نجانے کیوں مجھے اُن کی مسکراہٹیں بہت مکروہ محسوس ہوئیں۔ میں نے ہندوستانی کی طرف دیکھا۔ وہ اُن سے مختلف نظر آتا تھا۔ میرا وہ گھوڑا جس پر میں یہاں تک آئی تھی، اُسی کے قبضے میں تھا جبکہ اُس کا اپنا گھوڑا تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہوا تھا۔

''سوچو سمجھو مت..... جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے، کرو۔''

''میں بابا کے بغیر کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''تم سے کہا نا کہ بابا کو اُس کی بیماری کی وجہ سے آگے لے جایا جا چکا ہے۔ پریشان کیوں ہو؟ یہاں سے تم بھی اُنہی کے پاس جاؤ گی۔''

میں چند لمحے سوچتی رہی۔ اُن کی نگاہوں میں نہ آتی تو یقیناً اُن کے ساتھ جانا پسند نہ کرتی۔ لیکن گوپال موجود نہیں تھا اور میں بے بس ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ اُن کے ساتھ ہی چلوں۔''

ہمارا سفر تقریباً تین گھنٹے جاری رہا۔ ہم ایک جگہ رُکے تو ہندوستانی میرے قریب آ گیا۔ غالباً وہ میری حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ میں نے مشکوک نگاہوں سے اُسے دیکھا تو اُس نے جلدی سے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر مجھے خاموش کر دیا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک سمت اشارہ کیا۔ پہلے تو میں اُس کا مقصد نہ سمجھ سکی۔ لیکن پھر میری نگاہیں اُسی طرف اُٹھ گئیں۔ ایک درخت کے پاس میں نے جو منظر دیکھا، وہ میرے لئے انتہائی دہشت ناک تھا۔

ایک شخص درخت کے تنوں میں کیلوں سے گڑا ہوا تھا۔ اُس کی گردن سینے پر جھکی ہوئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں پھیلا کر اُن میں کیلیں جڑ دی گئی تھیں۔ یہ دہشت ناک منظر دیکھ کر میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور میں گھوڑے سے نیچے آ رہی۔ انگریز چونک کر میری جانب متوجہ ہو گئے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس درخت کی جانب چل پڑی۔ درخت کے ساتھ کیلوں میں گڑا ہوا شخص گوپال سا نگا تھا..... اُسے نہایت درندگی کے ساتھ، زندہ درخت کے ساتھ جڑ دیا گیا تھا۔ میرے حلق سے مشینی انداز میں چیخیں نکلنے لگیں اور پھر میں بے ہوش ہو گئی تھی۔

ہوش آیا تو خود کو انتہائی خوب صورت کمرے میں پایا۔ میرے بدن کے نیچے بڑی آرام دہ مسہری تھی۔ لیکن میں تنہا تھی۔ میں اُٹھ کر دروازے کے پاس پہنچ گئی اور اُسے زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ذرا دیر کے بعد ایک ادھیڑ عمر ہندوستانی عورت نے دروازہ کھولا جس کے پیچھے کچھ مرد بھی کھڑے ہوئے تھے۔

''کیا بات ہے؟'' عورت نے کرخت لہجے میں کہا۔

''میں..... میں کہاں ہوں؟ میں باہر آنا چاہتی ہوں.....''

''نہیں..... تمہیں اندر ہی رہنا ہے۔ بیکار باتوں سے پرہیز کرو۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو یہ چاروں وحشی کتے تمہیں بھنبھوڑ کر رکھ دیں گے۔ جاؤ..... اندر جاؤ۔ ان کے سامنے آنے کی کوشش مت کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے.....''

عورت نے کچھ ایسے انداز میں یہ جملے کہے تھے کہ میں خوف زدہ ہو گئی اور واپس اندر آ کر مسہری پر جا لیٹی۔ میری آنکھیں آنسو برسا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ دروازے پر دوبارہ آہٹیں ہوئیں۔ اس بار کچھ نئے لوگ اندر داخل ہوئے۔ ایک بوڑھا آدمی جس کے بال بالکل سفید تھے۔ وہ انگریز نظر آتا تھا۔ اُس کے ساتھ گٹھے ہوئے سر کا مالک ایک اور شخص تھا جو دھوتی اور کرتا پہنے ہوئے ماتھے پر چندن کا ٹیکہ لگائے ہوئے تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک قیمتی چھڑی دبی ہوئی تھی۔ پیچھے کچھ اور لوگ آئے جو دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو گئے۔ وہ دونوں مجھے گھورتے ہوئے میرے پاس آ گئے تھے۔ دھوتی والے شخص نے کہا۔

''پدما کماری ہوش میں آ گئیں؟''

''دیکھو! تم لوگ مجھے چھوڑ دو۔ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟ کیوں اس طرح مجھے یہاں لے آئے ہو؟ کیا دشمنی ہے تمہاری مجھ سے؟ میں کون ہوں اور میری ذات سے تمہیں کیا نقصان پہنچا ہے.....؟''

''فکر مت کرو کماری جی! یہاں تم آرام سے ہو اور ہم تمہیں یہی کہنے آئے تھے کہ کسی قسم کی فکر نہ کرنا۔ تم سے کچھ باتیں پوچھنی تھیں۔ اگر تمہارا دماغ صحیح ہو تو ان باتوں کا جواب دے دو..... ہوسکتا ہے تمہاری جان بچ جائے۔ ورنہ نقصان بھی اُٹھا سکتی ہو۔''

''بالکھل..... بالکھل.....'' انگریز نے اُردو میں کہا اور میں چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔ پھر میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اُس ہندوستانی شخص کو دیکھا اور بولی۔

''کیا پوچھنا چاہتے ہو تم مجھ سے؟''

''گوپال سانگا کے بارے میں۔''

''اُسے تو تم نے مار دیا۔''

''اُسے مرنا ہی تھا لڑکی! لیکن اگر تم اُس کی طرح مرنا نہیں چاہتیں تو یہ بتاؤ کہ گوپال نے مرنے سے پہلے تم سے کچھ کہا تھا؟''

''صرف اتنا کہ کچھ لوگ اُن کے دشمن ہو گئے ہیں اور وہ مجھے بچانا چاہتے تھے اور یہ بھی کہ وہ میرے باپ نہیں تھے۔ میں کسی اور کی اولاد ہوں۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کس کی.....''

''لڑکی! ذہن پر زور دے کر گوپال کی تمام حرکتوں کی تفصیل بتاؤ! کوئی ایسی چیز ہے تمہارے پاس جو گوپال نے اپنے قبضے میں کر لی ہو یا جس کے بارے میں اُس نے کبھی اشارتاً کہا ہو کہ اس سے تمہاری شناخت ہو سکتی ہے؟''

''کاش! ایسی کوئی چیز ہوتی۔'' میں نے غم زدہ لہجے میں کہا اور ہندوستانی، انگریز کی طرف دیکھنے لگا۔ تب انگریز سے ٹوٹی پھوٹی اُردو میں کہا۔

''کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں..... میں ساری زندگی انتظار کر سکتا ہوں لاج پال.....''

میں بری طرح چونک پڑی۔ لاج پال کا نام ہی تو لیا تھا گوپال نے۔ لیکن اُس نے تو یہ کہا تھا کہ اگر اُسے کچھ ہو جائے تو میں چاندنگر جا کر لاج پال کے پاس پناہ لوں۔ کیا یہی

شخص لاج پال ہے.....؟

''چلئے کرنل جیمز! میرا خیال ہے یہ ہمیں کچھ نہیں بتا سکے گی۔ لاج پال نے کہا تو میں بھونچکا رہ گئی۔ دونوں نام ہی میرے شناسا نکلے تھے۔ اُس وقت تو وہ چلے گئے لیکن اگلی صبح دونوں مکار پھر میرے پاس موجود تھے..... اس بار وہ دونوں تنہا ہی تھے۔ بڑے اطمینان سے آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرنل جیمز نے جیب سے پائپ نکال کر دانتوں میں دبا لیا اور اُسے سلگانے لگا۔

لاج پال بولا ''پدماوتی جی! آپ نے صورت حال کا اچھی طرح اندازہ لگا لیا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ اپنی یادداشت استعمال کر کے ہمارے سوالات کے جواب دے دیں۔ بچپن سے کوئی ایسی شے جو آپ کے لئے محفوظ رکھی گئی ہو یا جس کا تذکرہ گوپال نے اس انداز میں کیا ہو کہ یہ آپ کی زندگی کا کوئی اہم راز ہے۔ اگر آپ اس کی نشاندہی کر دیتی ہیں تو یوں سمجھیئے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان ہر کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ کو جیون گزارنے کی آزادی ہوگی۔ جس کے ساتھ جی چاہے رہیں۔ ہمیں آپ سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ بلکہ یہی نہیں آپ کو جیون گزارنے کے لئے ایک اچھا گھر اور بہت سی دولت دے دی جائے گی تا کہ آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ورنہ آپ اسی قید خانے میں اپنی بقیہ زندگی گزار دیں گی۔''

میں نفرت بھری نگاہوں سے اُن دونوں کو دیکھتی رہی۔ کرنل جیمز چہرے سے مکار نظر آتا تھا۔ کمبخت بوڑھا تھا لیکن ایسی شاندار صحت کا مالک کہ سفید بال مصنوعی معلوم ہوتے تھے۔ وہ پائپ کے گہرے گہرے کش لے رہا تھا اور بظاہر خود کو ان تمام باتوں سے لاتعلق ظاہر کر رہا تھا۔

میں نے لاج پال کا چہرہ دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''ایک بات مجھے بھی بتا دیجئے چاچا جی! کیا یہ چاندنگر ہے؟''

لاج پال نے کسی قدر چونک کر مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''ہاں! چاندنگر ہی ہے۔ مگر اس سے تمہیں کیا واسطہ؟''

''یہی تو پریشانی کی سب سے بڑی بات ہے لاج پال جی! اگر یہ چاندنگر ہے اور آپ لاج پال تو پھر بابا نے مجھے یہ کیوں کہا تھا کہ اگر وہ ان غاروں میں مر جائیں تو میں کسی

طرح کوشش کر کے چاند نگر پہنچ جاؤں اور آپ کے پاس پناہ لے لوں۔ ایسا کیوں کہا
انہوں نے؟ مجھے دشمنوں کے منہ میں کیوں پھینکنا چاہا تھا؟''

میں نے سوال کیا اور لاج پال ہنس دیا۔ ''اگر اُس نے یہ کہا تھا تو پھر اس کے علاوہ
کچھ نہیں سوچا جا سکتا کہ اپنی عمر کے آخری وقت میں وہ پاگل ہو گیا تھا۔ ورنہ ہوش کے
میں یہ کبھی نہ کہتا۔''

''چلیں..... یہ تو بتا دیں کہ میں کون ہوں؟ اس کے بعد جو سلوک چاہیں میرے ساتھ
کریں۔''

''تو..... تو سونے کی چڑیا بلکہ ہُما ہے کہ جس کے سر پر بیٹھ جائے، اُس کی زندگی
جائے.....''

بوڑھے کرنل جیمز کا مکروہ قہقہہ کمرے میں گونج اُٹھا۔ ''لاج پھال! تم بہت
ہائے.....''

لاج پال ہنستے ہوئے مجھے دیکھتا رہا۔ ''سمجھ گئی تو..... کہ تو کون ہے؟ ہاں! اب میرے
سوال کا جواب دے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''تو پھر لاج پال! میرا بابا تو شاید آخری وقت میں پاگل ہو گیا تھا مگر تم ساری زندگی
پاگل رہو گے۔ ایسی کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔ اگر ہوتی بھی تو تمہیں کبھی نہ بتاتی
لیکن ایک بات سن کر تمہیں خوشی ہو گی کہ میں اپنی دُھن کی پکی ہوں۔ تم لوگ جو سلوک چاہو
میرے ساتھ کر سکتے ہو۔ لیکن کسی بات میں مجھے جھکا نہیں سکتے۔ مرنا ہر شخص کے بس میں
ہوتا ہے۔ اگر تم نے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو میں جان دے دوں
گی۔''

کرنل نے اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ''چھالو لاج پال! یہ لڑکی ابھی ٹھیک نہیں
گا''

لاج پال ایک گہری سانس لے کر اُٹھ گیا تھا۔ جب وہ چلے گئے تو میں سوچنے لگی
ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے جو ہمیشہ سے میرے پاس رہی ہو اور مجھے اُس کی حفاظت کرنے
کے لئے کہا گیا ہو۔ صرف ایک چیز ہمیشہ سے میرے پاس تھی۔ سونے کا وہ زیور..... جو
وقت بھی میرے گلے میں تھا۔ ایک بار بابا نے کہا تھا کہ یہ میری جنم کنڈلی ہے اور جنم کنڈلی

ہمیشہ ساتھ رکھنی چاہئے۔ اور یہی جنم کنڈلی میری گردن میں پڑی ہوئی تھی۔ میں نے ٹٹول
کر اُسے دیکھا اور سوچنے لگی کہ کیا یہی جنم کنڈلی اُن لوگوں کے لئے باعث دلچسپی ہو سکتی
ہے؟ بہر طور! میں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ شے جنم کنڈلی ہے یا نہیں لیکن میں اسے کسی کو
کبھی نہیں دوں گی۔

پورا دن گزر گیا۔ کھانے پینے کا بندوبست کر دیا جاتا تھا اور میں تھوڑا بہت زہر مار بھی کر
لیتی تھی کیونکہ بچپن ہی سے مجھ میں بھوک کی برداشت نہیں تھی۔ سارے غم تکلیفیں اپنی جگہ۔
شام کو لاج پال دوبارہ میرے کمرے میں آیا۔ اس بار کرنل جیمز اُس کے ہمراہ نہیں تھا۔
اُس کے چہرے میں بھی کچھ تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ بے اختیار
مجھ پر جھپٹا..... میں سمجھ نہیں سکی تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ لیکن لاج پال نے میرا سر اپنے
سینے سے لگا لیا اور میرے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

''میری بچی..... میری بیٹی! اپنے چاچا کو اتنا مجبور سمجھ کہ اس کے بعد مجبوریوں کا تصور ختم
ہو جائے۔ تو میری اولاد کی طرح ہے۔ جو کچھ میں نے تجھ سے کہا، مجھے معاف کر دینا۔ اگر
میں یہ سب کچھ نہ کروں تو یوں سمجھ لے کہ میرا خاندان تک ختم ہو جائے۔ میں تیرے پاس
زیادہ وقت نہیں رہ سکتا۔ صرف ایک بات بتائے دیتا ہوں کہ اگر تیرے علم میں کچھ ہے بھی
تو نہیں ایک لفظ نہ بتانا، بلکہ معصومیت سے یہی ظاہر کرتی رہنا کہ تجھے کچھ نہیں معلوم۔ ایک
خاص بات اور سن لے! ٹھاکر رنجیت کمار تیرا دوست ہے۔ شاید تو نے کبھی گوپال کے منہ
سے ٹھاکر اجیت کمار کا نام سنا ہو۔ رنجیت کمار اُسی کا بیٹا ہے۔ ٹھاکر اجیت نے مرتے وقت
اُسے وصیت کی تھی کہ ساری زندگی تیری سیوا میں بسر کر دے۔ وہ جہاں اور جس حالت میں
بھی تیرے سامنے آئے، دوسروں کے سامنے اس کا اظہار مت کرنا۔ اُس نے تیری ہی وجہ
سے کرنل جیمز کی نوکری اختیار کی ہے۔ اُسے اپنے دل کا راز بتا دینا۔ وہ تیرا سب سے بڑا
محافظ ہے۔''

میں حیرت سے لاج پال کی صورت دیکھتی رہی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ پوچھتی، باہر
قدموں کی چاپ سنائی دی اور لاج پال پھرتی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اگلے دن کرنل جیمز پھر میرے پاس آیا۔ وہ بھی تنہا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی اُردو بول لیتا تھا۔
اُس نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''میں تمہیں لندن لئے جا رہا ہوں۔ تم اطمینان رکھو!

میری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ جن لوگوں سے میری دشمنی ہے، اُن تک تمہارے ذریعہ ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ مجھ سے تعاون کرنا۔ ورنہ میں نہ سہی کچھ اور لوگ تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔''

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میری بستی، میرے لوگ مجھ سے چھوٹ رہے تھے۔ نجانے میری تقدیر میں کیا کیا لکھا تھا؟ پھر مجھے لندن تک کا سفر کرنا پڑا اور اس سفر میں وہ نوجوان میرے ساتھ تھا جس کا نام رنجیت کمار بتایا گیا تھا۔ ہم لوگ بحری جہاز سے سفر کرتے کئی مقامات پر اُترے اور بالآخر لندن پہنچ گئے۔ لندن پہنچ کر مجھے انگریزی زبان سکھائی جانے لگی۔ رہائش کے لئے معقول بندوبست کر دیا گیا اور دلچسپ بات یہ تھی کہ رنجیت کمار میرا محافظ تھا۔ لاج پال کے بیان کے برعکس اُس نے آج تک مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ البتہ ایک رات جب شدید بارش ہو رہی تھی اور چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا، رنجیت کمار سنجیدہ چہرہ لئے میرے پاس پہنچ گیا.....

''پدما جی! آج پہلی بار مجھے موقع ملا ہے کہ میں آپ سے کچھ ذاتی باتیں بھی کر لوں..... چند جملے کہنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے دشمنوں میں ضرور شامل ہوں لیکن آپ کا واحد دوست ہوں۔ پتا جی نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کو اپنا جیون سونپ دوں اور آپ ہی کے لئے مر جاؤں۔ میں آپ کو پوری تفصیل تو نہیں بتا سکتا بس! اتنا کہتا ہوں کہ اگر آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتیں تو اپنی حفاظت کا بندوبست ضرور رکھئے گا..... کوئی ایسی بات جو آپ کے ذہن میں ہو، انہیں نہ بتایئے ورنہ اس کے بعد آپ کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں رہے گی۔''

''لاج پال جی نے بھی مجھے یہی کہا تھا۔ میں اتنی عاجز آ چکی ہوں اپنی زندگی سے کہ اب اگر مجھے موت بھی آ جائے تو مجھے چنتا نہیں۔''

''نہیں کماری جی! آپ کو مرنا نہیں ہے۔ بہت سے کام ہیں آپ کے سپرد۔ آپ کا جیون اپنا نہیں ہے۔ بلکہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ کے لئے جی رہے ہیں۔ اس لئے اپنا خیال رکھئے گا۔''

وہ واپسی کے لئے پلٹا ہی تھا کہ میں نے اُسے عقب سے پکڑ لیا۔ ''کیا تم بھی مجھے نہیں بتاؤ گے کہ میں کون ہوں؟ اور میرے جیون کا کیا راز ہے؟''

''بھگوان کی سوگند! یہ میں بھی نہیں جانتا۔ کہیں کسی جگہ اس راز کا کوئی مرکز ضرور ہے۔

یہ لوگ آپ سے جو کچھ پوچھتے رہے ہیں، اُس کا کوئی نہ کوئی مقصد تو ہوگا۔''

''ٹھیک ہے! تم یہ زیور لے جاؤ۔ اس کے تعویز میں میری جنم کنڈلی ہے۔ اگر تم معلوم کر سکتے ہو تو اس کاغذ کے ذریعے کوئی معلومات حاصل کر لینا۔ پتہ چل جائے تو مجھے بھی بتا دینا۔ اور اگر اس میں سے کچھ نہ نکلے تو اسے پھینک دینا۔ مجھے زیوروں سے دلچسپی نہیں ہے۔'' میں نے اپنی جنم کنڈلی اُتار کر اُسے دے دی۔ اور رنجیت کے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔ اُس نے اُسے چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔ ''اگر اس میں کچھ نہیں بھی ہے دیوی جی! تو اس میں آپ کا اعتماد چھپا ہوا ہے۔ چنتا نہ کریں۔ یہ میرے پاس آپ کی امانت ہے۔ اگر اس سے مجھے کچھ معلوم ہو گیا تو میں آپ کو بھی خبردار کر دوں گا۔ اور اگر کچھ نہ پتہ چلا تو آپ کی یہ امانت حفاظت سے آپ کے پاس پہنچا دی جائے گی۔''

رنجیت کمار باہر نکلا۔ لیکن اُس کے بعد بھاگ دوڑ اور گولیاں چلنے کی آوازیں فضا میں اُبھریں۔ میں وحشت زدہ ہو گئی۔ کچھ لوگ میرے کمرے کے دروازے سے بھی ٹکرائے تھے۔ انہوں نے دروازہ کھول کر اندر بھی جھانکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص اندر آیا اور اُس نے خونخوار نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ ''چالاک لڑکی! تو نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا۔ کیا وہ زیور تو ہمارے حوالے نہیں کر سکتی تھی؟''

مجھے شدید حیرت ہوئی کہ اُن لوگوں کو میری اور رنجیت کمار کی گفتگو کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟ لیکن بعد میں صورتِ حال پتہ چل گئی۔ میرے کمرے میں ایسے خفیہ آلات لگا دیئے گئے تھے جو میری آوازوں کو ریکارڈ کر کے دوسری جگہ منتقل کر دیتے تھے۔ مجھے یہ بھی پتہ چل گیا کہ رنجیت کمار چند لوگوں کو زخمی کر کے میری جنم کنڈلی لے کر نکل گیا ہے۔ اس کے بعد سے میں بھٹکتی رہی ہوں۔ کرنل جیمز سے میری دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن میں بہت سے شہروں میں لے جائی گئی۔ اب مجھ سے اُس راز کے بارے میں بھی نہیں پوچھا جاتا۔ صرف مجھے قید رکھا جاتا ہے۔ بیل کیروسا کی کہانی بھی اسی درمیان شامل ہوئی تھی۔ وہ بھی میرے نگرانوں میں سے تھا۔ لیکن اُسے مجھ پر ترس آ گیا۔ میں نے اُسے اپنی کہانی سنائی تو اُس نے وعدہ کیا کہ وہ رنجیت کمار کو تلاش کرے گا۔ لیکن وہ اس سلسلے میں ناکام رہا اور فرار ہو گیا۔ اور اب تم نے مجھے کیمی کی کہانی بھی سنائی ہے۔ بہرطور! میں کسی کے لئے کیا غم

کروں؟ میں آج تک خود اپنے بارے میں کچھ نہیں جان سکی۔ کیا قصہ ہے؟ اور کون میرا
ہے؟ منصور! میں وہ بدنصیب لڑکی ہوں جسے اپنے ماں باپ کے بارے میں بھی کچھ نہیں
معلوم۔ تمہیں یہ رنجیت کمار کے دھوکے میں پکڑ لائے ہیں۔ تمہارے خدوخال اور جسامت
اُس سے ملتی جلتی ہے۔ لیکن اگر تمہیں کرنل جیمز کے سامنے پیش کیا گیا تو ظاہر ہے وہ اس
بات کی تصدیق کر دے گا کہ تم رنجیت کمار نہیں ہو اور اس کے بعد تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔
میں افسردہ ہوں کہ تم میری وجہ سے مصیبت میں پھنسے۔ اپنے آپ کو رنجیت کمار تسلیم نہ کرنا
کسی نہ کسی وقت اس کی تصدیق ہو جائے گی۔''

''شکر ہے خاموشی تو ہوئی.....'' میرے کان میں راعمیس کی بھنبھناہٹ اُبھری اور میں
گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اُس کا مطلب مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ بہرطور! میں بھی اس
ہندو راجکماری سے متاثر ہو گیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ پدما سے کیا کہوں؟ لیکن
سمجھانے کے لئے وہ خبیث رُوح جو موجود تھی۔ ایک بار پھر اُس کی آواز میرے کانوں میں
اُبھری۔ ''بہت زیادہ سمجھانے کی ضرورت بھی نہیں۔ تم دونوں ہی ایشیائی ہو اور تھوڑے سے
فاصلے کے پڑوسی ہو۔ اس سے انسانی بنیادوں پر اظہارِ ہمدردی کرو۔ رنجیت کمار اس کا
محبوب نہیں ہے، صرف ہمدرد ہے۔ اور تم بھی اُس کے ہمدرد بن سکتے ہو۔ میرا خیال ہے
صورت حال ہموار ہے اور ایسی حسین مورت نظرانداز کرنے کے قابل نہیں۔''

دل تو چاہا کہ اُس سے پوچھوں کہ بدبخت! میں کیا کر سکتا ہوں؟ تو نے میرے گرد جال
بن رکھے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے پدما کی موجودگی میں یہ سوالات میں اُس سے نہیں کر سکتا تھا۔
چنانچہ خاموش رہا۔ پدما بھی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں نے اُس کی طرف دیکھا۔
عجیب حسن تھا۔ چہرے سے گویا گلاب کے رنگ حاصل ہوتے تھے۔ اتنی متناسب اور حسین
لڑکی بلاشبہ اس سے پہلے کبھی میری نگاہوں سے نہیں گزری تھی۔ میں نے اُس سے وعدہ
لیا کہ رہا ہونے کے بعد بھی میں اُسے نہیں بھولوں گا۔ پدما جواب میں خاموش ہی رہی تھی۔

کافی دیر کے بعد چند لوگ مجھے بلانے کے لئے آئے۔ مجھے اُسی کمرے میں پہنچا دیا گیا
جہاں پہلی بار میری اُن لوگوں سے بات چیت ہوئی تھی۔ وہاں اس وقت صرف دو آدمی
تھے۔ ایک بھاری بدن اور گنجے سر کا آدمی تھا اور دوسرا ایک بوڑھا جس کے ہونٹوں میں
پائپ دبا ہوا تھا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ کرنل جیمز ہی تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں

ایک شاطرانہ چمک تھی۔ مجھے دیکھ کر اُس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور سامنے رکھی
ہوئی کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''ہیلو مسٹر منصور!'' اُس نے بھاری لہجے میں کہا اور ایک لمحے کے لئے میں بوکھلا کر رہ
گیا۔ تاہم میں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اُس شخص نے مجھے میرے نام
سے کیسے مخاطب کیا ہے؟ وہ گہری نگاہوں سے میرا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''تم یقیناً
سوچ رہے ہو گے کہ میں تمہارے اصل نام سے کیسے واقف ہو گیا؟ ڈکٹافون ایک معمولی
سی ایجاد ہے۔ پدما کے کمرے میں ایک سیٹ لگا ہوا ہے جس کے ذریعے وہاں ہونے والی
تمام گفتگو سنی جا رہی تھی۔ لیکن اسی گفتگو نے تمہاری پوزیشن صاف کر دی ہے اور تمہیں ایک
عذاب سے بچا لیا ہے۔ میرے ساتھی رنجیت کمار کو نہیں جانتے۔ انہیں صرف اُس کی قلمی
تصویریں دکھائی گئی ہیں۔ تمہارے خدوخال کافی حد تک رنجیت کمار سے ملتے جلتے ہیں اس
لئے وہ لوگ تمہیں پکڑ لائے تھے۔''

میں خاموش رہا۔ ظاہر ہے کیا کہہ سکتا تھا؟

کرنل تھوڑی دیر منتظر رہا۔ لیکن میں خاموش رہا تو وہ دوبارہ گویا ہوا۔ ''تم ایک سیاح ہو
اور میں تمہیں اپنی طرف سے سیاحت کی دعوت دیتا ہوں اور پچاس لاکھ روپے نقد معاوضے
کی پیش کش بھی کرتا ہوں بشرطیکہ تم ہیرو بننے کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ رقم میں تمہیں
اپنے ایک کام کے عوض پیش کر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ تم اس کی تکمیل میں پوری محنت
کرو۔''

راعمیس نے میرے کان میں کہا۔ ''لپک لے لپک لے۔ موقع اچھا ہے۔'' میرے
ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی۔ کرنل جیمز بھی مسکرانے لگا۔

''مجھے کرنا کیا ہو گا کرنل؟''

''میرا نام کرنل جیمز ہے۔ میں بھارت میں ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر رہا ہوں۔
وہاں سے ہماری حکومت ضرور ختم ہو گئی، لیکن ہندوستان میں ہمارے وفاداروں کی کمی بھی
نہیں تھی۔ کچھ لوگوں نے میرے خلاف کارروائی کی تھی اور ان سے بدلہ لینے کی خواہش آج
بھی میرے دل میں چٹکیاں لیتی رہی ہے یہ معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے میں کچھ لوگوں کے
خلاف صف آرا ہوں اور اسی سلسلے میں، میں تمہیں استعمال کرنا چاہتا ہوں۔''

راعمیس نے پھر میرے کان میں سرگوشی کی۔ ''اس مردود کی ہاں میں ہاں ملاؤ۔''

میں گردن ہلانے لگا پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کرنل جیمز تم مجھ پر اعتبار کیسے کرو
اور مجھے یہ بات قطعی ناپسند ہوگی کہ جب میں تمہارا..... کام کرنے کا وعدہ کرلوں تو تم
مشکوک نگاہوں سے دیکھو۔''

کرنل جیمز منہ سے پائپ نکال کر ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

''میں نے پون صدی گزار دی ہے عمر کے بیس سال نکال دو تو پچپن سال تجربے
ہیں۔ یہ بات مجھ پر چھوڑ دو کہ کس طرح تم پر اعتماد کرنا ہے؟''

''تو پھر ٹھیک ہے کرنل میں پچاس لاکھ کے حصول کے لئے ہر وہ کام کرنے کے لئے
ہوں جو تم کہو۔''

کرنل جیمز نے گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور پھر کہنے لگا۔ ''اس کے لئے تمہیں
بدستور کماری پدما کو بیوقوف بنانا ہوگا۔ حسین لڑکی ہے اپنے طور پر تم جس طرح چاہو
سے تعلقات رکھو تم سے متاثر ہوکر اگر وہ تمہیں اپنا قرب بخش دے تو مجھے کوئی اعتراض
ہوگا میں ان لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جو اس لڑکی کے سرپرست ہیں یا
کے والدین ہیں۔ بس اتنا سا کام ہے جو تمہیں کرنا ہے۔ یہ سچ ہے کہ وہ لڑکی خود بھی اپ
والدین کے بارے میں کچھ نہیں جانتی صرف ایک کم بخت تھا جو سچ بات بتا سکتا تھا اور اس
نام گوپال سانگا تھا جو مر چکا ہے ہمارے تمام ذرائع بے اثر ہو چکے ہیں چنانچہ اب ایک
ترکیب ذہن میں آتی ہے اور وہ بھی تمہارے توسط سے۔ تم پدما کو واپس ہندوستان
جاؤ۔ راجپوتانہ کے علاقے میں تمہیں ''کنڈ والا'' جانا ہے جس کا ایک قصبہ ''تنوریا'' ہے
کی تمہارے ساتھ موجودگی اس بات کی تصدیق کردے گی کہ تمہارا تعلق اسی سے ہے اور
پدما کو اس طرح اپنے ساتھ شامل کرو کہ وہ تم پر مکمل اعتبار کرلے۔ ہوسکتا ہے وہ لوگ
پدما کے اپنے ہیں کسی طرح اسے پالیں اور ہمارا کام بن جائے۔ میں تمہیں کچھ نام دوں
جن سے تمہیں اس طرح ملاقات کرنی ہے کہ یہ ملاقات حقیقی محسوس نہ ہو اور پھر تم
حقیقتوں کو پاسکتے ہیں جن کا معاوضہ پچاس لاکھ ہے۔''

کرنل کی اس بات پر میں دیر تک غور کرتا رہا، پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے
''ٹھیک ہے کرنل جیمز!'' میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ

یہ کام انجام دوں گا۔''

''باقی گفتگو ہماری دوسری ملاقات پر ہوگی۔ تم پدما کے ساتھ رہو اور اس پر اپنا اعتماد
بٹھانے کی کوشش کرو۔''

میں کرنل کے پاس سے اُٹھ گیا اور چند لوگوں نے مجھے وہیں چھوڑ دیا جہاں پر پدما
موجود تھی وہ مجھے دیکھ کر مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوگئی۔''

''کیا ہوا منصور؟''

''کرنل جیمز نے مجھے شناخت کرلیا ہے کہ میں رنجیت کمار نہیں ہوں لیکن اس کے ساتھ
ہی اس نے یہ ذمہ داری بھی میرے سپرد کردی ہے کہ میں تمہیں لے کر ہندوستان چلا جاؤں
اور گوپال کے خاندان کو تلاش کرکے ان سے تمہارا راز معلوم کروں۔''

''اوہ۔ تم نے اس بات کی حامی بھرلی ہے؟''

''اس کے علاوہ تمہاری مدد کرنے کا اور کوئی ذریعہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اطمینان رکھو جو
کچھ ہو رہا ہے اب تمہارے حق میں بہتر ہو رہا ہے۔''

''میں تو پاگل ہوگئی ہوں یہ سن کر اپنے دیس جانا چاہتی ہوں منصور! تمہیں کچھ دے تو
نہیں سکتی بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ جیون بھر تمہارا احسان مانوں گی کسی طرح مجھے میرے
اپنوں سے ملا دو۔''

''میں پوری کوشش کروں گا تم فکر مت کرو۔''

اس کے بعد پدما مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرتی رہی تھی اور میں اسے بڑی
ہوشیاری سے جواب دیتا رہا تھا پھر وہ خاموش ہوگئی میں نے بھی اسے نہیں چھیڑا۔

راعمیس نے آہستہ سے میرے کان میں کہا۔ ''اتنا ہی نہیں آہستہ آہستہ اس سے اظہار
محبت بھی کرتے رہو۔ تمہیں اس کے مواقع حاصل ہیں۔''

''راعمیس جو کچھ میں کر رہا ہوں بس اتنا ہی رہنے دو۔ مدد کرسکتے ہو تو مجھے پدما کے
بارے میں حقیقتیں بتاؤ۔'' میں نے دل ہی دل میں اسے کہا۔

''یہ ممکن نہیں ہے میرے دوست جو باتیں صیغہ راز میں ہیں مجھے ان کا علم نہیں ہوتا
۔البتہ میں کوشش کرتا رہا ہوں گا کہ وقت سے پہلے تمہیں حالات سے آگاہ کرتا رہوں۔''

دوسرے دن پھر مجھے کرنل جیمز کے سامنے پیش کیا گیا وہ اپنے مخصوص انداز میں بیٹھا

پائپ پی رہا تھا مجھے دیکھ کر اس نے سرد مہری سے گردن ہلائی اور سامنے بیٹھنے کی پیشکش کر
''اگر تم کہو تو رقم تمہیں کام کی تکمیل سے پہلے بھی ادا کی جا سکتی ہے یہ صرف تم پر منحصر
ہے۔'' اس نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

''نہیں میں کام کے بعد یہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

''گڈ۔ تمہارا یہ جواب انتہائی تسلی بخش ہے۔ تمہیں جتنی جلد ممکن ہو سکا، ہندوستان روانہ
کر دیا جائے گا۔ کام کا آغاز تمہیں اسی طرح کرنا ہے جس طرح تم نے پدما سے کہا ہے۔
یہ حقیقت بھی ہے کہ ریاست کنڈ والا میں جا کر تمہیں گوپال سانگا کے اہل خاندان کے
بارے میں معلومات حاصل کرنا ہیں۔ اگر گوپال کے اہل خاندان سے ملاقات نہ ہو تو پھر
چاند نگر جاؤ گے کیونکہ لاج پال ان غداروں میں سے تھا جنہوں نے جان بوجھ کر ہمیں دھوکا
دیا اور ڈبل کراس کیا۔ لاج پال زندہ نہیں ہے البتہ اس کی اولادیں وہاں موجود ہیں
.....رنجیت کمار کے بارے میں بھی ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اپنی بستی نہیں پہنچا بلکہ وہاں
سے روپوش ہے۔ ہمارے پاس اب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ ہم پدما کو
منظر عام پر لے آئیں۔ حالات جس جس طرح تمہارے سامنے آتے رہیں اسی انداز میں
کام کرو۔ اس سے پہلے کبھی کسی کو ایسا موقع نہیں مل سکا کہ وہ پدما کے ساتھ اس کے اہل
خاندان کی تلاش میں نکلے۔ لیکن تم پہلے آدمی ہو جسے یہ آزادی دی گئی ہے۔ رنجیت کمار اگر
مل جائے تو اسے بھی اپنے جال میں پھانسو اور اس سے پدما کے زیور کے بارے
میں معلومات حاصل کرو۔ اگر وہ زیور تمہارے ہاتھ آ جاتا ہے تو ممکن ہے اس کے بعد ہمیں
کسی دوسرے کام کی ضرورت نہ پیش آئے۔''

''میرا خیال ہے کرنل تقریباً تمام ہی ضروری باتیں تم نے مجھے بتا دی ہیں۔ البتہ اگر کچھ
اور معلوم ہو جاتا تو میں زیادہ محنت سے کام کر سکتا تھا۔''

''کچھ اور سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''اس تمام کارروائی کے پس پردہ کیا حقیقت ہے؟''

نہیں میرے دوست یہ راز تمہیں نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے میں تم سے معذرت خواہ
ہوں۔'' وہ تھوڑی دیر رک کر دوبارہ بولا۔'' تم کوئی مؤثر منصوبہ تیار کر لو کہ تمہیں یہاں سے
فرار کس طرح ہونا ہے۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے پدما کو اس کا احساس نہ ہونے پائے کہ

ہمارے لئے کام کر رہے ہو۔''

''اس کی تو تم فکر ہی مت کرو۔ جہاں تک یہاں سے روانہ ہونے کا تعلق ہے اس کا
بندوبست تمہیں ہی کرنا ہوگا۔ میں خود کچھ نہیں کر سکتا۔''

کرنل جیمز پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا پھر بولا۔'' ٹھیک ہے تمہیں یہاں سے
منتقل کیا جائے گا اور اسکے بعد راستے میں تم فرار ہونے کی کوشش کرنا۔ کسی ہوٹل میں ٹھہر جانا
باقی انتظامات کرنے کے بعد تمہیں ہندوستان روانہ کر دیا جائے گا۔''

میں نے پرسکون انداز میں گردن ہلا دی اور وہاں سے اٹھ آیا۔

میں کرنل جیمز کی ہدایات کے مطابق عمل کرتا رہا۔ پدما بھی کافی حد تک پرسکون تھی کم
بخت راعمیس کی ہدایات بھی میرے ساتھ تھیں۔ اس کی ابتداء میں نے اس وقت کی جب
کرنل جیمز کے پروگرام کے بعد ہم ہوٹل میں منتقل ہوئے۔ کافی خوبصورت ہوٹل تھا۔ وہاں
ہمیں کمرہ حاصل ہو گیا تھا۔ پدما اس احساس سے خوش تھی کہ اسے ایک بار پھر اپنی سرزمین
پر جانا نصیب ہو رہا ہے۔ میں نے سب سے پہلے ہوٹل کے اس کمرے میں ڈکٹا فون تلاش
کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ کمرہ کرنل جیمز کی طرف سے بک نہیں کرایا گیا تھا بلکہ اسے
میں نے اپنے طور پر حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ڈکٹا فون نہیں مل سکا اور میں مطمئن ہو کر وہاں مقیم
ہو گیا۔

''آزادی کے لمحات بھی کتنے خوشگوار ہوتے ہیں منصور!''

پدما نے بستر پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔'' تمہارے بارے میں کچھ تفصیلات نہیں معلوم
ہو سکیں۔ بہرطور میں سمجھتی ہوں کہ تمہارا سہارا میرے لئے نہایت قیمتی ہے۔''

''اپنے بارے میں تمہیں صرف اتنا ہی بتا سکوں گا کہ ایک سیاح ہوں۔''

''تمہارے اپنے چاہنے والے بھی تو تمہاری واپسی کے منتظر ہوں گے۔ اگر ان کے
بارے میں کچھ بتانے میں دقت محسوس کرتے ہو تو میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔ کچھ نہیں
پوچھوں گی لیکن ایک دوسرے سے تعارف تو ضروری ہوتا ہے تمہاری تو کم از کم شناخت
ہے۔ مجھ سے کوئی یہ سوال کرے تو ذرا میری کیفیت کا اندازہ لگاؤ۔''

''میں جانتا ہوں پدما! لیکن تمہیں یہ سن کر یقیناً عبرت ہوگی کہ کم از کم تم کسی کی تلاش
میں تو سرگرداں...... ہو۔ اپنے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہو جبکہ میں اپنے بارے میں سب

کچھ جانتے ہوئے بھی کسی کی تلاش میں سرگرداں نہیں ہوں کیونکہ یہ جاننا میرے لئے دکھ کا باعث ہے کہ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''اوہ تنہا ہو بالکل؟''

''ہاں۔''

''اب تو میں ہوں تمہارے ساتھ۔ تم میرے محسن ہو تو میں تمہاری اس محبت کو کیسے بھول سکتی ہوں۔''

کم بخت راعمیس نے گردن کے پاس چٹکی لی تھی۔ ''موقع، موقع، فائدہ اٹھاؤ۔'' وہ بولا اور میں کان جھاڑنے لگا۔

پدما میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ بولی

''کیوں کیا مجھے اپنوں میں تسلیم کرنے میں پس و پیش ہے؟''

''نہیں پدما۔ اپنی اس خوش بختی کا یقین نہیں آ رہا۔ بہرطور تمہارے یہ الفاظ میرے لئے بے حد قیمتی ہیں۔ مجھے زیادہ مسرت اس وقت .... ہو گی جب تمہیں ... تمہارے مقصد میں کامیاب دیکھوں۔''

پدما مسکراتی رہی اور پھر آہستہ آہستہ سنجیدہ ہو گئی۔

''تم نے میرے دل میں اُمید کی بہت سے روشنیاں کر دی ہیں۔''

اس نے ایک صوفے پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں وہ واقعی کسی ماہر سنگ تراش کا ایک حسین مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔ میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ راعمیس پر خواہ مخواہ غصہ آتا تھا ورنہ یہ حقیقت تھی کہ پدما کو اگر ساری زندگی اپنے سامنے بٹھا کر دیکھا جاتا تو زندگی گزرنے کا احساس بھی نہ ہوتا۔ وہ پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک ایک ایسی مکمل عورت تھی جس کے بعد تناسب کا تصور ختم ہو جاتا ہے اس نے آنکھیں کھولیں تو میں اپنی محویت سے چونکا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں پدما۔ تم پر غور کر رہا تھا بلاشبہ تمہیں کسی ریاست کی راجکماری ہی کہا جا سکتا ہے کیونکہ عام لوگ اتنے حسین نہیں ہوتے۔''

میں نے ان الفاظ پر اس کے چہرے پر شگفتگی دیکھی تھی لیکن اس نے سنجیدگی سے

کہا۔ ''میں ریاست کی راجکماری کی بجائے اگر کسی بنیئے کی لڑکی بھی نکلوں تو مجھے اتنی ہی مسرت ہو گی، جتنی کسی راجکماری کے ہونے سے۔''

''ایک سوال کروں، برا تو نہیں مانو گی؟''

''نہیں اب تمہاری کسی بات کا برا ماننا میرے بس میں بھی نہیں ہے۔''

''رنجیت کمار کے بارے میں تمہارے ذہن میں کیا تاثرات تھے؟''

''وہ صرف لمحوں کا ساتھی تھا۔ اس بات کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ مجھ سے محبت یا وفاداری بھول کر جنم کنڈلی سے اپنا ہی کوئی مقصد حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا ہو۔ دنیا کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا منصور! لوگ طرح طرح کے ہوتے ہیں اور زیادہ تر افراد اپنے مفاد کو سب سے زیادہ برتر سمجھتے ہیں۔''

''ہاں پدما اس میں تو کوئی شک نہیں اور اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں ان میں سے نہیں ہوں تو ظاہر ہے یہ میرا کہا ہو گا اور تمہارا اس پر یقین کرنا ضروری نہیں ہو گا۔''

''نہیں منصور! یہ جملے کہہ کر میرا دل مت توڑو۔ اندر کی آواز بھی کچھ ہوتی ہے اور اس وقت میرے اندر سے جو آواز اُبھر رہی ہے، اس کے الفاظ یہی ہیں کہ تم دوسروں سے مختلف ہو۔''

میرا دل چاہا کہ زور زور سے قہقہے لگاؤں۔ نجانے کتنے لوگوں نے مجھے اپنا ساتھی بنایا۔ نجانے کس کس نے اپنے مفادات مجھ سے حاصل کئے یہ کہانی اگر رقم کرنے بیٹھوں تو اسے دنیا کی سب سے بڑی گپ سمجھا جائے گا۔ یہ راجکماری یا بنیئے کی بیٹی مجھ پر اس قدر بھروسہ کر رہی تھی۔ لیکن دنیا کا جو رنگ میں نے دیکھا تھا، وہ کچھ اور ہی کہتا تھا۔ میں اگر کسی سے مخلص بھی ہوں تو ضروری نہیں ہے کہ وہ میرے لئے اتنا ہی مخلص ہو۔

☆.....☆.....☆

دہلی ایئرپورٹ تک کوئی قابل ذکرواقعہ پیش نہ آیا۔ہمیں دہلی سے بذریعہ ٹرین راجپوتانہ کا سفر کرنا تھا اور پھر جے پور پہنچ کر کنڈ والا کے راستے دریافت کرنے تھے۔ پدما نے مجھ سے پوچھا کہ اب کیا ارادہ ہے؟ دہلی میں قیام کیا جائے گا یا فوراً ہی یہاں سے روانگی کا بندوبست۔

''جیسا تم کہو کماری جی! بہتر تو یہ ہے کہ دہلی میں رُک کر ہم اپنے آپ کو سنبھالیں اور اس کے بعد آگے کا سفر کریں۔ کچھ منصوبے بھی بنانے ہیں۔اس دوران تو ہم اس قسم کی کوئی بات کر ہی نہیں سکے۔''

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' پدما نے کہا اور اس کے بعد ہم کسی ہوٹل کی تلاش میں چل پڑے۔ اشوکا حسین ترین ہوٹل تھا۔ جس میں ہمیں کمرہ مل گیا اور ہم اس کمرے میں مقیم ہو گئے۔ پدما اس دوران مجھ سے کافی بے تکلف ہو چکی تھی۔ یہاں ہم نے اپنے نام پاسپورٹوں کے مطابق ہی درج کرائے تھے جو جعلی تھے۔اس کی ہدایت بھی کرنل جیمز ہی نے مجھے کی تھی۔ہم نے خاصا وقت کمرے میں گزارا اور پھر شام کو نیچے اتر آئے۔ دہلی دیکھنے کو دل چاہ رہا تھا چنانچہ طے یہ پایا کہ تھوڑی دیر دہلی کی سڑکوں پر چہل قدمی کی جائے۔ ہم ہوٹل سے نکل کر پیدل ہی چل پڑے تھے۔ لاتعداد روایتوں کا شہر دہلی ہمارے سامنے تھا۔اس سے پہلے میں کبھی دہلی نہیں آیا تھا لیکن اس کی کہانیاں بہت سنی تھیں۔آج دہلی کی شکل بدلی ہوئی تھی لیکن ان روایتوں کے کھنڈرات آج بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ پدما میرے ساتھ بہت خوش تھی۔ ہم نے محسوس کیا کہ لاتعداد نگاہیں ہماری طرف اُٹھ رہی ہیں پتہ نہیں اس کی وجہ کیا تھی لیکن پدما کچھ جھینپی جھینپی سی نظر آ رہی تھی کافی دیر تک ہم چہل قدمی کرتے رہے اور اس کے بعد اشوکا واپس آ گئے۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر پدما نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''منصور کیا تم نے محسوس کیا کہ بہت سے لوگ ہمیں خاص طور سے دیکھ رہے تھے؟''

''ہاں۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا۔

''اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟'' پدما نے ہونٹوں پر ہلکی سی شوخی مسکرا رہی تھی۔

''تمہاری خوبصورتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' میں نے سادہ سے انداز میں کہا۔ ظاہر ہے یہی بات میرے ذہن میں آئی تھی۔ لیکن پدما کی آنکھوں میں شرم کے تاثرات نظر آنے لگے تھے۔ پھر وہ بولی۔

''اور تمہیں کیوں دیکھ رہے تھے؟'' اب میں نے محسوس کیا کہ اس کے اس سوال میں شرارت سی چھپی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

''سوچ رہے ہوں گے کہ حور کے پہلو میں لنگور کہاں سے پہنچ گیا۔'' پدما ہنس پڑی۔

''یہ انکسار.... تو لکھنؤ والوں کا ہے۔تم نے کہاں سے سیکھ لیا؟''

''سچ بولا ہے اس میں انکسار.... کی کیا بات ہے؟''

''میرا خیال کچھ اور ہے۔''

''کیا؟''

''بس جو ہے بتایا نہیں جا سکتا۔''

''چلو ٹھیک ہے جانے دو۔'' میں آہستہ سے بولا۔

پدما خاموش ہو گئی۔ ذرا دیر بعد پھر کہنے لگی۔

''یوں لگتا ہے جیسے برسوں کی قید کے بعد رہائی ملی ہو۔ میرے دل میں طرح طرح کے خیالات ضرور ہیں منصور! مگر تمہارا ساتھ مل جانے سے ایسا لگتا ہے جیسے اب میں محفوظ پناہ میں ہوں۔''

''میں کوشش بھی یہی کروں گا کہ تمہیں اس پناہ کا احساس ہوتا رہے اور تم اپنی منزل پر پہنچ جاؤ۔''

''منزل'' اس نے ایک سسکی سی لی۔ ''یہ منزل تو میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے نجانے کیسا لگے گا اس وقت جب میرے اپنے مجھے ملیں گے۔ کیسے ملیں گے۔ یہ بھگوان ہی جانے۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا تو بولی۔ ''تم کچھ بجھے بجھے سے ہو؟''

''نہیں پدما ایسی بات تو نہیں ہے۔''

"پتہ نہیں تمہارا دل کہاں جانے کا تھا۔ میرے چکر میں پڑ کے اپنا راستہ کھوٹا کر لیا۔ اس کے صلے میں، میں تمہیں کیا دوں گی؟"

راعمیس نے میرے کان میں کہا۔" کہہ دے۔ کہہ دے میرے یار ہمت سے کام لے۔"

"بکواس مت کرو راعمیس! ہر وقت کی ٹیں ٹیں اچھی نہیں لگتی۔"

میں نے مدھم لہجے میں کہا تو پدما مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔" جو کچھ کہنا چاہو زور سے بھی کہہ سکتے ہو میں برا نہیں مانوں گی۔"

"نہیں پدما! تم جو کچھ سوچ رہی ہو ایسا نہیں ہے میں اپنی خوشی سے تمہارے کام کے لئے آمادہ ہوا ہوں اور میری یہی خواہش ہے کہ تمہارے مقصد کی تکمیل ہو جائے۔"

پدما ہنس کر چپ ہو گئی۔

شام کو اتر کر ہال میں آ گئے۔ ہم اپنی میز پر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے کہ ہماری نگاہ تھوڑے فاصلے پر اٹھ گئی ایک بہت ہی قد آور اور اسمارٹ سا سکھ بیٹھا ہوا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت بھی تھی۔ اس کی توجہ بھی ہماری طرف ہی تھی۔ یہ کوئی بات نہیں تھی کہ میں.... خاص طور سے اس کے بارے میں سوچتا۔ لیکن اس وقت میں ضرور چونکا، جب وہ سکھ جوڑا اُٹھ کر ہماری میز کے پاس آ گیا۔

"بھیا جی! کسی بھی جوڑے کے بیچ مداخلت کرنا اچھی بات نہیں۔ لیکن دوستیوں کی خواہش کس کے دل میں نہیں ہوتی۔ اجازت ہو تو آپ کے چند لمحات ہم لے لیں؟"

اس نے اتنی خوش اخلاقی سے یہ جملے ادا کئے تھے کہ انکار کرتے نہ بن پڑا اور میں نے آہستہ سے کہا۔" بیٹھیے سردار جی۔"

"بیٹھو کرن کور۔" اس نے اپنی ساتھی عورت سے کہا۔ اور دونوں بیٹھ گئے۔ پدما بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"ہمارا نام جی وسنت سنگھ ہے اور یہ ہماری دھرم پتنی کرن کور ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت سجتے ہیں اور آج ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم دوسرے نمبر پر آ گئے آپ کی دھرم پتنی بہت سندر ہیں اور آپ بھی۔" اس نے پدما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پدما کا چہرہ گلال ہو گیا۔ میں نے کچھ کہنا چاہا تو پدما نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ میرے ذہن میں یہی تصور اُبھرا کہ پدما ان جملوں کی تردید نہیں چاہتی۔ میں مسکرا

کر رہ گیا۔

"آپ سے تعارف نہیں ہوا بھائی جی آپ کا شبھ نام؟"

"میرا نام شیتل کپور ہے اور یہ میرے پتی سندر لال کپور۔" میری بجائے پدما بول پڑی تھی۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر کہیں باہر سے آئے ہیں شاید، دلّی کے نہیں لگتے؟"

"ہاں ہم دونوں کئی ملکوں کی سیر کر کے واپس آئے ہیں۔"

"اوہو۔ میرا بھی یہی خیال تھا تو نے دیکھا کرن کور، میں نے سچ ہی کہا تھا۔ دراصل آپ کا لباس یہ بتاتا ہے کہ آپ تازہ تازہ کہیں باہر سے لوٹے ہیں۔" وسنت سنگھ کہنے لگا۔

"میرا یہاں گاڑیوں کا چھوٹا موٹا کاروبار ہے اور مہا گورو کی عنایت سے اچھی خاصی زندگی گزار رہے ہیں۔ بات یہ ہے جی کہ ہم حسن پرست ہیں۔ کرن کور نے ایک نگاہ مجھے دیکھا اور پسند کر لیا اور تل گئی اس بات پر کہ شادی کرے گی تو مجھ سے ہی کرے گی۔ میں نے اسے دیکھا تو میں نے بھی یہ سوچا کہ چلو ٹھیک ہے اپنی ٹکر پر آ ہی جائے گی آہستہ آہستہ۔" کرن کور ہنسنے لگی تھی میں احمقوں کی طرح ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

وسنت سنگھ کہنے لگا۔" کیا بات ہے بھائی جی۔ آپ ذرا کم بولتے ہیں مگر آپ کی دھرم پتنی جی خاصی خوش اخلاق ہیں۔"

"نہیں دوست خوش اخلاق تو میں بھی ہوں بس مجھے ذرا اپنی خوش اخلاقی کا اظہار کرنے میں دیر لگ جاتی ہے۔"

میں نے صورتحال کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ ویسے پدما کی اس حرکت کو میں نے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ کھلتی جا رہی تھی۔ خیر، اَب ایسی بات بھی نہیں تھی کہ میں اس کی اس بے تکلفی سے کسی پریشانی کا شکار ہو جاتا بس فطرتاً ہی میں دیر سے گھلنے ملنے والوں میں سے تھا۔

وسنت سنگھ ضرورت سے زیادہ ہی ملنسار تھا۔ ہم لوگوں کو اُس نے اپنی رہائش گاہ پر دعوت بھی دے دی اور وعدہ لیا کہ دوسرے دن رات کا کھانا ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ زبردستی کی بات تھی ہم لوگ تو یہ فیصلہ بھی نہیں کر پائے تھے کہ دوسری رات

ہمیں دہلی میں رکنا ہے یا نہیں۔ خیال یہی تھا کہ یہاں کچھ وقت گزار کر ذرا معلومات حاصل
کی جائیں گی اور اس کے بعد ہم راجپوتانہ کی طرف چل پڑیں گے۔

جب ہم اپنے کمرے میں پہنچے تو میں نے پدما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' پدما بات
کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''محسوس مت کرنا منصور! دراصل نجانے کیوں مجھے ان لوگوں کی آنکھوں میں کچھ
شبہات محسوس ہوئے تھے اور تم جانتے ہو کہ اس وقت میں زمانے سے ڈری ہوئی ہوں میں
نہیں چاہتی تھی کہ ہم انہیں اپنی اصلیت بتا دیں اور پھر زبانی طور پر یہ جملے کہنے میں اتنا
حرج بھی نہیں ہے۔''

''تعجب ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟''

اس لئے کہ تم ہندوستانی خاتون ہو اور ہندوستانی لڑکیوں کے بارے میں، میں نے یہ
سنا ہے کہ وہ جسے ایک بار دل سے اپنا پتی مان لیتی ہیں، ساری زندگی اس کا پیچھا نہیں
چھوڑتیں۔''

پدما ہنسنے لگی۔'' تم اطمینان رکھو منصور میرے اور تمہارے درمیان تو بہت بڑی خلیج حائل
ہے۔ مذہب کی خلیج..... اور پھر ویسے بھی نہ تم اتنی بُری طبیعت کے مالک ہو اور نہ میں۔
پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تم جب چاہو گے میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گی۔''

میں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔'' اور اگر میں نہ چاہوں تو؟'' میں نے سوال
کیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ راعمیس میری کھوپڑی پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔ میں نے اُس کا ہاتھ
جھٹک دیا تھا۔

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں پہلے تو ہمیں اپنی منزل تلاش کرنی ہے، جس کا تم نے مجھ
سے وعدہ کیا ہے۔''

پدما نے کہا اور ایک لمحے میں، میں نے محسوس کر لیا کہ اب اس کی ذہنی کیفیت کافی بدل
چکی ہے وہ میری...طرف مائل نظر آتی تھی چند لمحے ہم دونوں خاموشی سے کچھ سوچتے رہے
پھر میں نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے پدما۔ یہ شک کس قسم کا ہو سکتا ہے۔''

''میں نہیں جانتی۔ بس یوں سمجھ لو، میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا تھا۔ اور میں نے
ان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ ہماری طرف دیکھ دیکھ کر کچھ گفتگو کر رہے تھے میں تم سے پہلے بھی
کہہ چکی ہوں کہ دن میں جب ہم لوگ یہاں چہل قدمی کر رہے تھے تو بہت سی نگاہیں
ہماری طرف اٹھی تھیں۔ لیکن ان نگاہوں کا مفہوم کچھ اور تھا۔ جبکہ اس جوڑے کی نگاہوں
میں، میں نے کچھ مختلف کیفیت دیکھی ہے۔''

رات کا کھانا ہم نے کمرے میں ہی منگوا لیا تھا اور اس کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ
گئے۔ پدما مجھ سے کچھ فاصلے پر لیٹی خاموشی سے چھت کو گھور رہی تھی۔ نجانے کیوں میرے
ذہن میں سنسناہٹیں پیدا ہونے لگیں۔ کافی دیر اسی طرح خاموشی سے گزر گئی پھر پدما نے
مجھے پکارا۔

''نیند آ رہی ہے؟''

''نہیں کوئی خاص نہیں۔''

''تو پھر خاموش کیوں ہو؟''

''یہ بھی کوئی خاص بات نہیں۔''

''چلو عام ہی سہی بتا تو دو؟''

''نہیں پدما۔ ظاہر ہے مختلف خیالات ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ ان میں عموماً بے
ربط ہی ہوتے ہیں میں اس وقت کوئی خاص بات نہیں سوچ رہا لیکن تم بھی تو سوچ میں کوئی
ڈوبی تھیں۔''

''ہاں۔ میں تو بس وہی سب سوچ رہی تھی جو آج تک سوچتی رہی ہوں۔''

''ہاں میں جانتا ہوں تمہارے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات آتے ہوں گے۔''

''نیند آ رہی ہے تو پھر کیوں نہ چائے منگوا کر پی جائے؟''

''اگر تم ضرورت محسوس کر رہی ہو؟''

نہیں۔ بس بیٹھیں گے کچھ باتیں کریں گے۔'' پدما نے کہا۔

ابھی ہم نے کوئی کارروائی بھی نہیں کی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی نجانے کون آیا
تھا؟ میں نے دروازہ کھولا تو بہترین لباس میں ملبوس ایک شخص ایک ویٹر کے ساتھ کھڑا تھا۔
ویٹر وہی تھا جو ہمارے کمرے میں سروس کر رہا تھا۔ دوسرے شخص نے دونوں ہاتھ جوڑ کر

ہمیں پرنام کیا۔

''معاف کیجئے گا! مجھے آپ کے آرام میں مداخلت کا حق تو نہیں پہنچتا لیکن ہوٹل منیجر کی حیثیت سے مجھ پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کی تکمیل میں ضروری سمجھتا ہوں باتیں کرنی ہیں آپ سے۔ اس ویٹر کو اپنی تصدیق کے لئے ساتھ لے آیا تھا۔''

''آیئے منیجر صاحب۔ ویٹر تم ہمارے لئے چائے بھجوا دو۔''

''بہت بہتر جناب۔'' ویٹر نے گردن خم کی اور واپس چلا گیا منیجر اندر آ گیا اس نے کو دیکھا جس نے اب سلیپنگ گاؤن پہن لیا تھا۔

''میں آپ لوگوں کی توجہ اس شخص کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں، جس کا نام سنگھ ہے اور جس نے اپنی ساتھی عورت کے ساتھ آپ سے ملاقات کی تھی۔''

''ساتھی عورت۔ اس نے اس کا نام کرن کور بتایا تھا اور اسے اپنی بیوی کہا تھا۔''

''ایک بات میں آپ سے عرض کر دوں کرن کور سب کچھ ہو سکتی ہے اس کی بیوی ہے۔ یہ بات آپ جہاں سے چاہیں تصدیق کر لیں۔ وہ ایک ٹرانسپورٹر ہے۔ لیکن کاروبار درحقیقت کچھ اور ہے۔ پولیس کے پاس ممکن ہے اس کے سلسلے میں کوئی ثبوت لیکن پولیس نے اسے آج تک گرفتار نہیں کیا۔ وہ مختلف جرائم میں ملوث ہے غیر ملکیوں دوستی بڑھاتا ہے اور پھر انہیں اپنے جال میں پھانس لیتا ہے۔ ہر چند کہ آپ مقامی لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ باہر سے آئے ہیں اس لئے میں نے اپنا فرض سمجھا کہ صورتحال بتا دوں۔''

''شکریہ! مسٹر منیجر آپ نے ہم پر احسان کیا ہے۔''

میں نے جواب دیا۔ ''ہم جے پور جانا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں ہماری ضر پوری نہیں ہو سکی تھیں۔ چنانچہ ہم نے یہاں دہلی میں قیام کیا ہے آپ براہ کرم کل کسی وقت ہمارے جے پور جانے کا بندوبست کر دیجئے۔''

میں نے پدما سے مشورہ کئے بغیر پروگرام بنا لیا۔ ہو سکتا ہے، وسنت سنگھ کے ہمارے لئے کوئی ایسی ہی بات ہو اور میں کسی بھی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا وقت تک خطرات کو ٹالتے رہنا زیادہ بہتر تھا جب تک صورتحال ناگزیر نہ ہو جائے۔ منیجر نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ کی خواہش کی تکمیل ہو جائے گی۔

بذریعہ ٹرین روانہ ہونا پسند کریں گے۔''

''بے حد شکریہ منیجر۔ ایک بار پھر ہم اس عنایت کے لئے شکر گزار ہیں۔''

''کوئی بات نہیں جناب! یہ میرا فرض تھا۔ اجازت چاہتا ہوں۔'' منیجر نے کہا اور ہم اسے دروازے تک چھوڑنے آئے۔

دروازہ بند کر کے میں نے پدما کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اب سنجیدہ ہو گئی تھی۔ کہنے لگی ''ہو سکتا ہے وسنت سنگھ ہمیں غیر ملکی جوڑا سمجھ کر لوٹنا چاہتا ہو۔ یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی اس ملاقات میں کوئی گہرائی پوشیدہ ہو۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے لیکن محتاط رہنا اچھی بات ہے تم میری اس کارروائی سے اختلاف تو نہیں رکھتیں؟''

''بالکل نہیں منصور۔ یہ بہتر ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے ہم یہاں سے نکل جائیں۔ نجانے کیوں میں ذہنی طور پر ایک خلش سی محسوس کرنے لگی ہوں۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے وسنت سنگھ..... وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

میں نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔

دوسرے دن تقریباً گیارہ بجے منیجر نے ہمیں ٹرین کے فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کے دو ٹکٹ لا کر دیئے اور بتایا کہ بارہ بج کر بیس منٹ پر ٹرین روانہ ہو گی۔ تمام انتظامات مکمل کر دیئے گئے ہیں۔ منیجر کو تمام ادائیگیاں کر دی گئیں، اور ہم نے ذاتی طور پر شکریہ بھی ادا کیا پھر اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ مقررہ وقت سے کافی پہلے اسٹیشن پہنچ گئے۔ ہم نہیں چاہتے تھے کہ وسنت سنگھ کہیں سے ہمیں پا لے۔ ٹرین کہیں اور سے آ رہی تھی اور دہلی کے اسٹیشن پر اسے صرف بیس منٹ رکنا تھا۔ چنانچہ ہمارے اسٹیشن پر پہنچنے کے چند ہی منٹ کے بعد مطلوبہ ٹرین آ گئی اور ہم فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ کو تلاش کر کے بیٹھ گئے۔

کمپارٹمنٹ میں ہمارے علاوہ بھی بہت سے افراد تھے۔ ہمیں ہر شکل پر شبہ سا ہوتا کہ وسنت سنگھ آ پہنچا۔ اس دوران رامیس سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا وہ میرے قریب ضرور موجود تھا۔ لیکن میں نے اس سے کسی طرح کی گفتگو مناسب نہیں سمجھی تھی۔ اس کم بخت کا یہی موقف تھا اور اپنے مطلب کی بات کے علاوہ، وہ اور کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ ٹرین چل پڑی تو پدما اطمینان سے بیٹھ کر مسکراتی نگاہوں سے مجھ کو دیکھنے لگی۔

''ابھی تک تمہارے ذہن پر وسنت سنگھ ہی سوار ہے؟''

''ہاں تم نے اپنی ذمہ داری مجھ پر جو چھوڑ دی ہے۔'' میں نے کہا اور وہ لگاو
انداز میں مجھے دیکھنے لگی پھر اُس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆.........☆.........☆

جے پور ریلوے اسٹیشن پر اُترنے کے بعد ہوٹل چل دیئے شہر بڑا شاندار تھا۔ ماحو
وہی سب کچھ تھا جس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ہوٹل میں مقامی اور غیر مقامی لوگ
تھے۔ یہاں ہم اپنے کمرے میں بند ہو کر رہ گئے۔ اب فیصلہ یہ کرنا تھا کہ یہاں سے
چاندنگر کی جانب روانہ ہوا جائے یا کنڈوالا کی طرف جہاں کے قصبے تنوریا میں پ
پرورش پائی تھی اور جہاں سے ہمیں گوپال کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی
پدما نے پہلے چاندنگر چلنے کا مشورہ دیا، جہاں لاج پال کا خاندان آباد تھا۔ ہو سکتا
ایسی باتیں انہیں معلوم ہوں جو ہمارے لئے بہتر ثابت ہوں۔

دوسرے دن صبح تیار ہونے کے بعد میں پدما کے ساتھ باہر نکلا ہی تھا کہ میر
سامنے کی جانب اٹھ گئی۔ دل دھک سے رہ گیا۔ یہ قابل یقین بات نہیں تھی لیکن آنکھ
جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ ہمارے سامنے کچھ فاصلے پر وسنت سنگھ اپنی نام نہاد بیوی ک
کے ساتھ موجود تھا۔ دونوں اس طرح آ رہے تھے کہ اگر ہم ان کے سامنے سے
چاہتے تو یہ ممکن نہ ہوتا۔ لیکن ان کا انداز ایسا تھا، جیسے اُنہیں ہمارے بارے میں م
ہو۔ ان کا اچانک یہاں پہنچ جانا قابل حیرت تھا۔ لیکن اب جو سامنے تھا وہ جھٹلا
سکتا تھا۔ پھر وہی ہوا، یعنی ان دونوں نے ہمیں دیکھ لیا اور ٹھٹھک کر رہ گئے۔ وسنت
منہ حیرت سے پھیل گیا۔ اس نے پہلے اپنی بیوی کی طرف دیکھا اور پھر ہماری طرف

''بھائی جی! ذرا یہ کرپان تو میرے پیٹ میں چبھو دو تا کہ مجھے اپنی آنکھوں
جائے یا پھر بڑے آرام سے یہ کہہ دو کہ تم وہ نہیں ہو جس کی ہمیں تلاش تھی۔''

''تمہارا یہاں پہنچ جانا بھی تو اتنا ہی حیرت انگیز ہے وسنت سنگھ! تمہیں دہلی
چاہئے تھا۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''بھائی جی! ہم ذرا دوسرے قسم کے آدمی ہیں۔ جو بات دل میں ٹھان لیتے ہیں
کے چھوڑتے ہیں۔ تم لوگ ہوٹل چھوڑ کر چل پڑے ہمیں بتائے بغیر۔ کسی کی دعوت

ٹھرائی جا سکتی ہے یہ تجربہ ہمیں پہلی بار ہوا تھا۔ مگر کرن کور جانتی ہے کہ مہا گرو کی مدد سے
وسنت سنگھ ہر اُس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں اُسے پہنچنا ہوتا ہے۔ دیکھ لو! ہم تمہیں تلاش کرتے
ہوئے آ ہی گئے۔ اب کیا خیال ہے؟ کیسے نکلو گے ہمارے چنگل سے؟''

''تعجب کی بات ہے وسنت سنگھ! تم تو واقعی الہ دین کے چراغ کے مالک معلوم ہوتے
ہو۔''

''ہاں جی..... بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ لیکن ہم الہ دین نہیں وسنت سنگھ ہیں۔ اب تو
آپ ہمارے چراغ کی بات کریں۔ یہ بتائیں چلے کہاں؟''

''کہیں نہیں۔ جے پور آ گئے تھے۔ اچانک ہی پروگرام بنا تھا۔ اور سوچا کہ وسنت سنگھ
سے تو اب دوبارہ زندگی میں ملنا نہیں۔ کون معذرت کرے؟ میری بیوی جے پور آنا چاہتی
تھی۔ چنانچہ فوری فیصلے کے تحت ہم یہاں آ گئے۔''

''ٹھیک ہے جی۔ اب اپنے کمرے میں چائے بھی مت پلاؤ ہمیں۔ وسنت سنگھ اتنا ہی
اتنا ہی برا آدمی ہے۔''

میں اُن دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا اور انہیں چائے کی پیشکش کی۔

''مگر بھائی جی! تم نے کم از کم ہمیں اطلاع تو دے دی ہوتی کہ جا رہے ہیں۔ بڑے
اہتمام سے پہنچے تھے تمہارے پاس کہ تمہیں ساتھ لے آئیں گے۔ مگر پتہ چلا کہ تم تو دن ہی
میں وہاں سے چل پڑے ہو۔ بس! یہ تو تمہاری محبت ہی تھی کہ ہم تمہاری خوشبو سونگھتے ہوئے
یہاں پہنچ گئے۔''

''تم ہوا میں اُڑ کر آئے ہو گے وسنت سنگھ!''

''بالکل ٹھیک جی..... بالکل ٹھیک..... میں ریل کے سفر کا قائل نہیں ہوں۔ بس! کچھ
ذرائع ہیں میرے پاس۔ مگر دیکھو! کیسا پکڑا تمہیں۔ اب اگر تم چاہو تو خاموشی سے یہاں
سے بھی فرار ہو جاؤ۔ وسنت سنگھ وہیں نہ پہنچ جائے، جہاں تم جاؤ تو اُس کا نام بھی وسنت سنگھ
نہیں۔''

میں ہنسنے لگا تھا۔ درحقیقت اُس شخص سے مجھے کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ عجیب چپکو آدمی
تھا۔ جان کو لگا تھا تو چھوڑنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ لیکن میں یہ بات ماننے کے لئے قطعی تیار
نہیں تھا کہ اُسے میرے جے پور آنے کی خبر نہیں ہے۔ یا تو اُس کا ذریعہ مینجر ہی بنا تھا، یا ہو

سکتا ہے کہ وسنت سنگھ کے اپنے ذرائع ہوں اور اُس نے ہم پر کڑی نگاہ رکھی ہو۔ اُ
بروقت ہی یہ اطلاع دے دی گئی ہو کہ ہم بذریعہ ٹرین جے پور کا سفر کر رہے ہیں اور
وقت ہمارے ساتھ چل پڑا ہو۔ یہاں اس ہوٹل میں پہنچ جانا بھی معمولی بات تو نہیں تھی۔
ساری باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وسنت
سنجیدگی سے کہنے لگا۔

''ہمارا ٹرانسپورٹ کا کاروبار ہے بھائی جی! اور ہندوستان کے مختلف صوبوں
ہمارے ٹرک آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہاں جے پور میں بھی میرے چھ ٹرک آتے ہیں۔
دن اور رات کا سفر ہے اُن کا۔ یہاں بھی ہم نے اپنے لئے ٹھکانہ بنا رکھا ہے۔ اور بھائی
دیکھو، ایک بار ہماری دعوت ضرور قبول کرلو۔ بعد میں چاہے جیون بھر مت ملنا۔ مگر وسنت
سنگھ کے دل میں یہ خلش نہیں رہنی چاہئے کہ اُس نے کسی کو مہمان بنانے کی کوشش کی اور اُس
نے اُسے ٹھکرا دیا۔''

''ہم سات بجے آئیں گے۔'' میں نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' پدما نے بھی پرسکون انداز میں آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔

جب وہ دونوں چلے گئے تو پدما پھر مجھ سے مخاطب ہوئی۔ ''یہ سب اتفاق نہیں ہے
منصور! بلکہ سوچی سمجھی سکیم ہے۔ لیکن تم نے کچھ اور بھی تو کہا تھا۔''

''کیا.....؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''تم نے کہا تھا کہ کرنل جیمز نے کچھ ایسے لوگوں کو ہماری نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے
سادھوؤں کے بھیس میں ہوں گے اور ہرے کرشنا ہرے راما تحریک کے رُکن ہوں گے
ہمیں تو ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا۔''

''پتہ نہیں! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ویسے یہ خطرناک آدمی ہے۔ یہ بات میں دعوے
کہتا ہوں۔''

''پھر کیا خیال ہے؟ کیا یہاں سے بھی فرار ہونے کی کوشش کی جائے؟ اگر ممکن ہو تو
اب ہم چاندنگر جا کر ہی پناہ لیں۔''

''نہیں..... میرا خیال ہے اُس سے دو دو ہاتھ ہو جانے چاہئیں۔''

''میں نے بھی اسی لئے وعدہ کیا ہے، دیکھیں تو سہی۔ میں نے تو پہلے بھی تم سے

یں خود کسی ایسے آدمی کو چاہتی ہوں جو ہماری طرف متوجہ ہو۔ میرا خیال ہے منصور!
اچھی طرح دیکھ لیا جائے۔ ہم تیاریاں کر کے چلیں گے اور اگر کوئی ایسی ویسی بات
ہوئی تو پھر.....''

''ٹھیک ہے۔ تم اطمینان رکھو۔'' میں نے جواب دیا اور ذہن میں راعمیس کو پکارا۔

''میں تیرے ساتھ ہوں میری جان! جو کچھ تو سوچ رہا ہے، بالکل ٹھیک ہے۔'' اُس
نے جواب دیا۔ اُس وقت پدما کی موجودگی میں، میں یہ سوال نہیں کرسکتا تھا کہ یہ وسنت سنگھ
کیا چیز ہے؟ اب دل میں اس بات کی شدت سے خواہش تھی کہ پدما سے تھوڑی سی علیحدگی
ہو تو میں راعمیس سے اس سلسلے میں مکمل طور پر گفتگو کروں۔ اس کا طریقہ زیادہ مشکل نہیں
تھا۔ میں نے پدما سے کہا کہ میں تھوڑی دیر کے لئے نیچے جا رہا ہوں۔ جلد واپس آ جاؤں
گا۔ چاندنگر کے سلسلے میں اگر ہو سکا تو کچھ معلومات حاصل کرتا ہوں۔ اُس نے اس بات پر
کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ نیچے آ کر میں نے راعمیس کو پکارا۔ وہ میرے پکارنے کا مطلب
سمجھتا تھا۔ کہنے لگا.....

''وسنت سنگھ ایک پراسرار شخصیت کا مالک ہے۔ وہ ٹرین میں ہی تمہارا تعاقب کرتے
ہوئے یہاں پہنچا ہے۔ یہاں اس کی رہائش گاہ موجود ہے۔ ایک قدیم حویلی کی شکل میں جو
سرخ پتھروں سے بنی ہے۔ یہ حویلی وسنت سنگھ کی ہے یا کسی اور کی یہ بات میں نہیں جانتا۔
لیکن اس حویلی کے بہت بڑے ڈرائنگ روم میں ایک تصویر لٹکی ہوئی ہے۔ قد آدم
تصویر..... جو درحقیقت پدما کی ہے۔ اگر کوئی اس کا جائزہ لے تو کسی طور یہ نہیں کہہ سکتا کہ
وہ تصویر پدما کی ہے۔ سوائے اُس لباس کے جو پدما کا نہیں ہوتا۔ یہ لباس مقامی عورتوں کا
ہے۔ وہ عورتیں جو بڑے گھروں سے تعلق رکھتی ہیں اور یقیناً اس تصویر کی وہاں موجودگی
کوئی معنی رکھتی ہے۔ اب یہ کام صرف تمہارا ہے کہ وسنت سنگھ سے اس تصویر کے بارے
میں معلومات حاصل کرو۔ جہاں تک اُس کا تعلق ہے وہ یہ تصویر تمہیں دکھانا چاہتا ہے تاکہ
وہ اس سے کوئی فائدہ اُٹھا سکے۔ اُس کی گہرائی میں کیا ہے؟ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے
اس تصویر کا تعلق کسی طور پدما سے ہو۔ لیکن اب یہ تمہارا کام ہے کہ اپنے آپ کو چھپاؤ۔ ہو
سکتا ہے وسنت سنگھ یہ تصویر دکھا کر تم لوگوں کا راز معلوم کرنا چاہتا ہو۔ ایسے حالات میں اگر
تم نے اپنا راز کھول دیا تو وہ تمہارے لئے نقصان کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ زیادہ سے

زیادہ تم اس تصویر کو دیکھ کر حیرت کا اظہار کرو۔ اس سلسلے میں پدما کو سنبھالنا تمہارا کام ہے۔ اُسے بتانا کہ وہ تصویر دیکھ کر صرف حیرت کا اظہار کرے۔ کوئی تعلق ظاہر نہ کرے۔"

"یہ کوئی خاص معلومات تو نہ ہوئیں۔" میں نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور موقع پر جو بھی بہتر صورت حال بن سکی، تمہیں اس سے آگاہ کر دوں گا۔"

میں واپس آ گیا۔ پدما اپنے کاموں میں مصروف تھی۔ اُس نے مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھا تھا۔

شام چھ بجے کے قریب پدما نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور بولی "تیار ہو جائیں۔ کیونکہ وقت ہونے والا ہے۔ وہ پہنچنے ہی والا ہو گا۔"

"ہاں....." میں نے جواب دیا۔

پدما نے ایک انتہائی حسین ساڑھی زیب تن کی۔ جس سے وہ بلا شبہ کوئی ہندوستانی کماری ہی معلوم ہو رہی تھی۔ وقت مقررہ پر وسنت سنگھ، کرن کور کے ساتھ پہنچ گیا۔

"آپ لوگ تیار ہیں؟" وہ آتے ہی چہکا۔

"ہاں وسنت جی! یہ انوکھی اور بڑی دلچسپ دعوت ہے کیونکہ زبردستی کی جا رہی ہے۔"

وسنت سنگھ نے ایک بلند قہقہہ لگایا۔ "ہاں! بعض دعوتیں ایسی بھی ہوتی ہیں۔"

میں پدما کو ساتھ لئے باہر نکل آیا۔ نیچے ایک خوبصورت کار کھڑی تھی۔ کار کا سفر طویل ثابت نہیں ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم سرخ پتھروں سے بنی ہوئی اُس حویلی میں داخل ہو رہے تھے جس کا تذکرہ راعمیس مجھ سے کر چکا تھا۔ ہم نے اُس حویلی کی کافی تعریف کی۔

وسنت سنگھ ہنس کر کہنے لگا۔ "تم نے تو یہ سوچا ہو گا سندر لال جی! کہ وسنت سنگھ بس یونہی اکھڑ سا آدمی ہے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ وسنت سنگھ کی دوستی کتنی فائدہ مند رہتی ہے؟ یہ وہ جانتے ہیں جو اس کے دوست ہیں۔" وہ ہمیں لئے ہوئے عظیم الشان ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوا جس کا ایک حصہ مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ روشنیوں کا انتظام کچھ اس طرح کیا گیا تھا کہ ڈرائنگ رُوم کے مختلف حصے تاریکی میں رہیں۔ جہاں ہم لوگوں کو بٹھایا گیا وہاں مکمل روشنی تھی۔ ہمارے سامنے چائے اور خشک میوے لا کر رکھ دیئے گئے اور

ابتدائی خاطر مدارت شروع ہو گئی۔ میں وسنت سنگھ سے مختلف باتیں کرتا رہا۔ میری نگاہیں بہت ہی احتیاط کے ساتھ ڈرائنگ رُوم کا جائزہ لے رہی تھیں۔ میں اُس تصویر کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا تھا جس کی نشاندہی راعمیس نے کی تھی۔ کافی دیر تک میں وسنت سنگھ سے باتیں کرتا رہا۔ پھر وہ بولا۔ "میں تم لوگوں کو ایک ایسی چیز دکھانا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر واقعی تمہیں حیرت ہو گی۔"

"ہاں ہاں.....ضرور۔ کیا ہے وہ؟"

"ایک منٹ....." وسنت سنگھ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ کرن کور بھی اُس کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔ تب میں نے سرگوشی کے انداز میں پدما سے کہا۔ "پدما! جو چیز یہ شخص دکھانا چاہتا ہے، میں دیکھ چکا ہوں۔ شاید تم نے اس کا اندازہ نہ لگایا ہو۔ لیکن میری تیز آنکھیں اُس چیز کو دیکھ چکی ہیں۔ ایک تصویر جو ہو بہو تمہاری ہے۔ اس سلسلے میں ہم تنہائی میں بات کریں گے۔ میں تمہیں ایک وارننگ دینا چاہتا ہوں جس پر تمہیں پوری توجہ سے کام کرنا ہے۔"

"کیا؟" اُس نے حیرت سے پوچھا۔

"وہ تصویر سو فیصدی تمہاری ہے۔ تم اُسے دیکھ کر حیرت کا اظہار ضرور کرو گی۔ لیکن کسی قسم کا اضطراب یا کوئی ایسی کارروائی نہیں کرو گی جس سے وسنت سنگھ کو یہ احساس ہو کہ تم اس تصویر سے کوئی وابستگی رکھتی ہو۔"

"اوہ.....اوہ....."

"وہ واپس آ رہا ہے۔ خیال رکھنا۔" میں نے اُس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور وہ گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ اپنے آپ پر قابو کس طرح پاتی ہے؟ وسنت سنگھ نے تیز روشنی کر دی اور پورا ڈرائنگ رُوم جگمگانے لگا۔ ہم حیرت و دلچسپی کا اظہار کر رہے تھے۔

وسنت سنگھ نے آہستہ سے کہا۔ "دوستو! میرے ساتھ آؤ۔"

پدما اور میں اُٹھ گئے۔ وسنت سنگھ نے کرن کور کو وہیں تصویر کے قریب چھوڑ دیا تھا۔ پھر اُس نے اُس کی طرف اشارہ کیا اور ہم دونوں وہ تصویر دیکھنے لگے۔ وسنت سنگھ کی نگاہیں ہمارے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ تصویر ہو بہو پدما کی تھی۔ میں نے حیرت و دلچسپی کا اظہار کیا۔ پدما نے بھی کمال کی اداکاری کی تھی۔ اُس کے ہونٹوں پر پرتجسس مسکراہٹ

تھی۔ اور وہ دلچسپی کی نگاہوں سے تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے وسنت سنگھ سے کہا۔

''وسنت سنگھ! کمال ہے۔ یہ تو شیتل کی تصویر ہے۔''

''ہاں..... شیتل دیوی ہمارے پاس بہت پہلے سے موجود ہے۔'' وسنت سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم انہیں کہاں سے چرا لائے؟ یوں لگتا ہے شیتل دیوی کا یہ دوسرا جنم ہو۔ اور پہلے سے تمہارا اُن سے کوئی تعلق ہو۔''

وسنت سنگھ نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے بولا۔ ''ویسے سچ بتانا سندر لال جی! شیتل کو دیکھ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اس تصویر میں نہیں ہیں؟''

''نہیں وسنت سنگھ! تم نے واقعی ہمیں حیران کر دیا ہے۔ شیتل کی یہ تصویر تو کافی پرانی معلوم ہوتی ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ کبھی یہاں آ چکی ہے؟ کم از کم اس جنم میں تو یہ ممکن نہیں۔ ہاں..... پہلے جنم کی بات اور ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ شیتل کا پہلا جنم ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اُس نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ ''نہیں..... لیکن اس سے تمہیں یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہو گا کہ میری تم سے دلچسپی بے لوث نہیں تھی۔

''کمال ہے..... واقعی کمال ہے۔ تصویر کافی پرانی معلوم ہوتی ہے اور ہم اس سے پہلے یہاں نہیں آئے۔''

''بالکل ٹھیک۔ تصویر کافی پرانی ہے۔ اس کے رنگوں سے تم اندازہ لگا سکتے ہو۔ لیکن قدیم بھی نہیں ہے کہ تم اسے سو سال پرانی کہہ سکو۔ تمہیں یہ سن کر تعجب ہو گا کہ یہ تصویر کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔''

''شیتل کو اگر یہ لباس پہنا دیا جائے تو کیا وہ اس تصویر کی طرح نہیں ہو جائے گی؟''

''ہاں! میرا بھی یہی اندازہ ہے۔''

''اور میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ کوئی اس میں بہت دلچسپی لے رہا ہے۔ آؤ..... خیال ہے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' وسنت سنگھ، کرن کور کے ساتھ واپس آ گیا اور ہم صوفوں پر بیٹھ گئے۔

پدما نے واقعی بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا تھا اور میں اس بات سے خوش تھا کہ اُس نے

پدما کو ذرا بھی موقع نہیں دیا۔ اُس کی نگاہیں اب بھی پدما کا اور میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

میں نے شدید حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''اب اس راز پر سے پردہ اُٹھا بھی دو وسنت سنگھ! یہ بات تو ثابت ہو گئی بلکہ تم نے خود اس کا اعتراف کر لیا کہ تم بلا وجہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوئے اور وہ کون شخص ہے جو اس تصویر میں دلچسپی لے رہا ہے؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے ڈیئر سندر لال! میں تمہیں مختصر الفاظ میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں لیکن اس سے پہلے کچھ سوالات بھی ضروری ہیں۔''

''ضرور..... ضرور.....'' میں نے جواب دیا۔

''بڑی بری بات ہے۔ لیکن بعض بری باتیں جان بوجھ کر کرنا ہوتی ہیں۔ اشوکا جیسے ہوٹل میں قیام کرنے والے مالی طور پر کمزور تو نہیں ہوتے۔ لیکن میں پھر بھی یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہارے مالی حالات کیسے ہیں؟''

''بہت اچھے نہیں۔ لیکن اطمینان بخش.....'' میں نے جواب دیا۔

''اگر تمہیں مزید اطمینان حاصل ہو جائے تو کیا حرج ہے؟'' وہ پراسرار انداز میں مسکراتا ہوا بولا۔

''مطلب.....؟'' میں نے پوچھا۔

''تھوڑا سا کام۔ اور اس کے عوض لاکھوں روپے۔ کیا تم پسند کرو گے؟''

''کام کی نوعیت معلوم ہو جائے تو جواب دیا جا سکتا ہے۔ تم اس سے انکار نہیں کرو گے وسنت سنگھ! کہ ایک ایسا جوڑا جو ایک دوسرے سے پوری طرح مطمئن ہو اور اپنے طور پر ایک بہتر زندگی گزار رہا ہو، کسی خطرے میں پڑنا پسند نہیں کرے گا۔ میرے اپنے جو وسائل ہیں انہی کے تحت میں اپنی دھرم پتنی کو خوش رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر تمہارا کوئی کام بن جائے اور مجھے کچھ مل جائے تو میں اُسے برا بھی نہیں سمجھتا۔ بشرطیکہ اس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔''

''خطرہ؟'' وسنت سنگھ پر جوش انداز میں بولا۔ ''تم وسنت سنگھ کو نہیں جانتے سندر لال! میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اتنے لمبے کہ اُن کی لمبائی کا تمہیں اندازہ ہو جائے تو تم اس سے دوستی پر ناز کرو گے میری جان! ایک ایسی پارٹی میرے چنگل میں ہے جو شیتل یا اس کی

ہم شکل کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہم اگر ایک پروگرام بنا کر اُس پارٹی کو مطمئن کر دیں تو یقینی طور پر ہمارے قبضے میں اتنی بڑی رقم آ جائے گی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں دس لاکھ روپے کی پیشکش کرتا ہوں اگر تم میرے ساتھ کام کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔''

''یہ بہت بڑی رقم ہے اور اس کے لئے خطرہ بھی مول لیا جا سکتا ہے۔ لیکن تم بغیر کسی پریشانی کے اس کام کی تفصیل بتا دو۔ ایک بات کا تم سے وعدہ کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ اگر یہ کام ہمیں اتنا ہی خطرناک لگا کہ ہم اُسے کرنے سے گھبرائے تو تمہیں انکار ضرور کر دیں گے۔ لیکن تمہارا یہ راز کبھی ہمارے سینوں سے باہر نہیں جائے گا۔''

''مجھے اطمینان ہے۔ اور میں خود بھی انہی شرائط پر تم سے سودا کرنا چاہتا ہوں۔ جس پارٹی کو اس تصویر کی ہم شکل لڑکی کی ضرورت ہے، وہ بہت بڑی پارٹی ہے اور نیک نام تصور کی جاتی ہے۔ بہت پہلے کی بات ہے کہ مجھ سے اس سلسلے میں اُن کی گفتگو ہوئی تھی اور یہ تصویر اسی وقت میرے حوالے کی گئی تھی۔ میں نے ان سے معلوم کرنے کی کوشش بھی کی کہ انہیں اس کی ضرورت کیوں پیش آ گئی ہے تو مجھے اس سلسلے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ بس! یہ کہا گیا کہ میں اگر اُسے تلاش کر کے اُن کے حوالے کر دوں تو وہ اس کے لئے مجھے بہت بڑی رقم پیش کر سکتے ہیں۔ میں نے ابتداء میں بہت کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔ پھر میں نے یہ تصور چھوڑ دیا اور اُس دن تم لوگ اتفاق ہی سے مجھے نظر آ گئے تھے۔ میں نے کرن کور سے کہا کہ کیا یہ لڑکی اس تصویر کی ہم شکل نہیں ہے تو کرن کور نے بھی اس کی تصدیق کر دی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم کسی بھی طرح تم لوگوں کو اُس بات پر مجبور کرنا چاہتے تھے کہ تم ہماری یہ پیشکش قبول کر لو لیکن اگر یہ کام دوستانہ بنیاد پر ہو جائے تو اس سے اچھی اور کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے بعد میں یہی فیصلہ کیا کہ خود تمہیں بھی اس راز میں شریک کر لیا جائے۔ لیکن اس کے لئے میرے اور میری پتنی کے درمیان اور تجویز طے پائی تھی۔ ہم نے یہ سوچا تھا کہ پہلے تمہیں یہ تصویر دکھا دی جائے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی جائے کہ کیا شیتل جی وہی لڑکی ہیں جس کی تلاش تھی یا پھر صرف یہ اتفاق ہے؟ اگر شیتل جی وہی ہوتیں تو یقیناً تم لوگ اس تصویر کو دیکھ کر حیران ہوتے۔ ہمارے بارے میں سوچتے۔ لیکن یہ اندازہ با آسانی ہو گیا کہ تم نے اس تصویر کو دیکھ کر حیرت کا اظہار ضرور کیا لیکن اس سے اپنی کوئی شناسائی ظاہر نہیں کی۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ صرف اتفاق ہے۔ تو پھر کیوں نہ ہم اس اتفاق سے فائدہ اُٹھائیں۔ سندر لال جی! میں تم سے ایک بات کا وعدہ کرتا ہوں، انہیں اُن کے حوالے کر دیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ہم اس بات کا بھی پورا پورا خیال رکھیں گے کہ کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ ان سے ہمارا بہترین ذریعوں سے رابطہ رہے گا اور اگر اُن لوگوں کے قبضے میں پہنچنے کے بعد شیتل جی کو کوئی خطرہ محسوس ہوا تو فوراً اور اگر نہ ہوا تو کچھ دن کے بعد شیتل جی کو وہاں سے واپس حاصل کر لیا جائے گا۔ اس دوران ہم رقم وصول کر چکے ہوں گے اور پھر اُس رقم کا آدھا آدھا ہم لوگ آپس میں تقسیم کریں گے۔ کیوں شیتل؟ تمہارا کیا فیصلہ ہے؟'' اُس نے شیتل سے پوچھا۔

''اگر میرے لئے خطرہ مول لے کر یہ رقم حاصل کرنا ہی ہے تو تم لوگ جانو۔ میں اس معاملے میں خود کوئی مداخلت نہیں کر سکتی۔ بس! میری زندگی کو کوئی خطرہ پیش نہیں آنا چاہئے۔ اور اگر سندر کو میرے ذریعے اتنی بڑی رقم حاصل ہو سکتی ہے تو میں اس سے انکار بھی نہیں کروں گی۔'' شیتل نے کہا۔

''نہیں نہیں شیتل جی! آپ کی زندگی کے لئے کوئی خطرہ مول لے کر تو ہم دس کروڑ بھی پسند نہیں کریں گے۔ میں سچے دل سے آپ سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس میں ایک مفاد ضرور ہے۔ مگر ایسے نہیں کہ اس مفاد پر آپ کو بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ جہاں تک آپ کی کسی تکلیف کا معاملہ ہے تو آپ اس کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ ایک ایک لمحہ آپ کی نگرانی کی جائے گی اور ہم زندگی کی قیمت پر یہ کام کریں گے۔ اگر آپ کو اطمینان ہو تو ٹھیک ہے۔ یہ ایک تجویز تھی جو پیش کر دی گئی۔ اور اگر آپ یہ محسوس کرتی ہیں کہ اس میں زندگی کو خطرہ ہے تو پھر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ دولت تو کمائی جا رہی ہے اور کمائی جاتی رہے گی۔ ہم آپ کی زندگی کی قیمت پر کوئی دولت نہیں چاہتے۔''

''مجھے منظور ہے۔'' شیتل نے جواب دیا۔ ویسے ہم دونوں ہی سنسنی محسوس کر رہے تھے۔

میں نے وسنت سنگھ سے پوچھا۔ ''اب جب کہ ہمارے درمیان یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ کام اسی انداز میں کریں گے جس میں تم چاہتے ہو تو کم از کم یہ تو بتا دو کہ وہ پارٹی کون ہے

اور شیتل کو کہاں لے جانا ہوگا؟ یہ معلوم ہو جائے تو ہم اپنے طور پر بھی سوچ سمجھ سکیں۔''

وسنت سنگھ نے کرن کور کی طرف دیکھا اور کرن کور نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! اب اس میں کوئی حرج تو نہیں۔ ویسے بھی میرا خیال ہے سندر لال نے کسی بھی قیمت پر ہم سے بدعہدی نہیں کریں گے۔''

''نہیں اس کا کوئی چانس نہیں ہے۔ تم لوگ اطمینان رکھو۔'' میں نے انہیں دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

''ہمیں ایک قدیم ریاست گنڈا پور جانا ہوگا۔ گنڈا پور کے دیوان ہریش چندر جی نے یہ پیشکش کی ہے۔''

میں نے اور شیتل نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ شیتل گردن ہلاتے ہوئے بولی۔ ''تعجب کی بات ہے۔ مگر جیسا آپ لوگ فیصلہ کریں۔'' وسنت سنگھ ہمیں ہوٹل چھوڑنے آیا۔ میں نے سب سے پہلے راعمیس سے رابطہ قائم کیا اور کہا۔

''کہو راعمیس! اس نئے ہنگامے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

''جاری رکھو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وسنت سنگھ اس وقت جو کچھ کہہ رہا ہے، اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔ اس نے تمہارے سامنے بالکل سچ بولا ہے۔ جہاں تک پدما کی حفاظت کا معاملہ ہے اس کے لئے بھی اطمینان رکھو۔ اس کی ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں مطمئن ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

پدما مجھ سے کہنے لگی۔ ''یہ نیا نام سامنے آیا ہے منصور! گنڈا پور۔ میں اس سے پہلے اس نام سے واقف نہیں تھی۔ یہ دیوان ہریش چندر جی کون ہو سکتے ہیں اور انہیں میری ضرورت کیوں پیش آ گئی؟''

''یہ تو بعد میں ہی معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن تم یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہو؟''

''اسے خطرہ نہ کہو منصور! میں اپنی شناخت ہی تو چاہتی ہوں۔ پہنچ جانے دو مجھے گنڈا پور۔ یہ معلوم تو ہو کہ آخر کسی کو میری کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟''

میں پدما کے الفاظ کی گہرائی پر غور کرنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

پدما مجھ پر مکمل اعتبار کر چکی تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو شوہر اور بیوی کی حیثیت سے لوگوں کو متعارف کرایا تھا۔ یہ ایک عارضی ضرورت تو تھی۔ لیکن میں نے بارہا پدما کے چہرے پر ایسے تاثرات دیکھے تھے، جیسے یہ الفاظ سن کر اُسے برا نہ لگتا ہو۔ عورت خواہ کچھ بھی ہو، بعض چیزوں سے بہت متاثر ہوتی ہے۔ پدما بھی اس وقت اپنے آپ کو اس احساس سے باز نہیں رکھ پاتی تھی۔ جب اُس کا تعارف میری بیوی کی حیثیت سے کسی سے ہوتا، اُس کے چہرے پر ایسا حجاب پھیل جاتا جس میں ناگواری کے تاثرات نہیں ہوتے تھے۔ اُس کے چہرے کا گلابی پن اس کیفیت کا مظہر ہوتا تھا کہ وہ ان الفاظ سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔

آج بھی پدما پر کچھ ایسی ہی کیفیت طاری تھی۔ وسنت سنگھ سے ملاقات کے بعد اُس کے اندر ایک عجیب سا اضطراب نمودار ہو گیا تھا۔ بہرطور! میں نے ایک گہری سانس لے کر پاؤں پھیلا دیئے تھے۔ راعمیس نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ مگر غور کرتا تو قصور راعمیس کا نہیں تھا۔ یہ تو سب تقدیر کے کھیل تھے۔ کیسی انوکھی اور دلچسپ بات تھی۔ اب تو اُس کے بارے میں سوچتے ہوئے یا اُس کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی عجیب لگتا ہے۔ میرا خیال ہے دنیا میں شاید ہی کوئی مجھ جیسا ہوگا جس نے اپنی مختصر زندگی میں اتنے اُلٹ پھیر دیکھے ہوں گے۔ ماضی کو یاد کرتا تو صرف وہ حصہ جب تک میں اپنے وطن میں بے کسی کی زندگی گزار رہا تھا اور خالہ شہادت کے رحم و کرم پر پڑا ہوا تھا۔ مجھے یاد تھا اور اُس کے بعد کی کہانی یاد کرتا تو ساری کہانیاں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی تھیں۔

پدما لباس تبدیل کر کے آئی تو میری کھوپڑی ہوا میں اُڑ گئی..... یہ لباس یقیناً اُس نے جان بوجھ کر پہنا تھا۔ وہ ایسی لڑکی نہیں تھی کہ دلی کیفیات کو لباس کے ذریعے مشتہر کرتی۔ اُس کے لہجے میں بھی کبھی ایسی کیفیت نمودار نہیں ہوئی تھی۔ جانے کہاں کہاں پرورش پائی

تھی اور کیسے کیسے لوگوں کے ساتھ رہی تھی۔ لیکن شخصیت کا وہ حجاب جو مشرق کی دین ہے اُس کے وجود میں موجود تھا۔ میں نے اُس کی آنکھوں میں ہلکی سی گلابی کیفیت اور ہونٹوں میں معمولی سی لرزش کے علاوہ کبھی کوئی لچک نہیں دیکھی تھی۔ اس وقت جو لباس اُس نے زیب تن کیا تھا وہ اُسے ہزار گنا زیادہ حسین بنا کر پیش کر رہا تھا۔ اُس کا چہرہ اُس وقت کی ایسی کیفیت کا آئینہ دار نہیں تھا جسے لطیف جذبات سے منسوب کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس اُس کے چہرے پر ایک مایوسی سی طاری تھی۔ آنکھوں میں یاسیت جھلک رہی تھی۔ اُس کی کیفیت دیکھ کر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ اُس کی آنکھیں غور وفکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

''اب کیا سوچنے لگیں؟ آرام کرو۔ ہم جو فیصلہ کر چکے ہیں، وہ غلط نہیں ہے۔ کم از کم میں اُس سے پوری طرح مطمئن ہوں۔ ہاں! اگر تمہارے ذہن میں کوئی ایسی بات ہے تو براہِ کرم مجھے بتاؤ۔''

''نہیں منصور! میں اس مسئلے پر نہیں سوچ رہی۔ بلکہ میرے ذہن میں کچھ اور ہی خیالات بھٹک رہے ہیں۔''

''مجھے بتانا پسند کرو گی؟''

''تمہیں نہیں بتاؤں گی تو پھر کیا کروں گی؟ میری زندگی میں اب تمہارے علاوہ اور ہے کون؟'' پدما نے جواب دیا اور میں کھوپڑی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ یہ الفاظ بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ لیکن مجھ سے تو بہت سے لوگوں نے کہے تھے۔ جانے کس کس نے..... جانے کس کس نے مجھ سے کیا کیا اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ لیکن اب کوئی میرے نزدیک نہیں تھا۔ پدما بھی چند روز کا کھیل تھی۔ میں جانتا تھا کہ آخر وہ بھی ایک دن فضاؤں میں گم ہو جائے گی اور شاید چند ہی روز کے بعد میں اُس کی کہانی بھول جاؤں۔ کیونکہ مجھ پر اس سے بھی بڑی افتاد پڑ چکی ہو گی۔ پدما کو خود بھی اپنے ان الفاظ کا احساس نہیں تھا۔ وہ بدستور سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔

''ہم نے ساری باتیں سوچیں منصور! لیکن ایک بات نہ سوچی۔ کیا تمہارے ذہن میں بھی وہ نہیں ہے؟''

''کیا؟''

''یہ بتاؤ! وہ تصویر کس کی تھی؟''

''اوہ..... وسنت سنگھ نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا ہمیں۔''

''اگر میں اُس سے پوچھتی تو وہ کیا بتا سکتا تھا؟'' پدما نے سوال کرنے والے انداز میں کہا۔

''بھلا مجھے کیا معلوم؟''

''چلو چھوڑو وسنت سنگھ کو تم بتاؤ! تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ تصویر انتہائی قدیم تھی۔ اس میں جو لباس تھا، میں نے اُس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن کیا یہ لباس مہارانیوں کا سا نہیں تھا؟ وہ تصویر مجھ سے اتنی مل رہی تھی کہ میں خود بھی شاید اُسے دیکھتی تو یہ یقین نہ کر پاتی کہ وہ میری نہیں ہے۔ لیکن اتنی قدیم تصویر اور میری؟''

''تمہارا مطلب کیا ہے پدما؟''

''تم سوچ نہیں رہے منصور..... تم نہیں سوچ رہے۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں گم کردہ منزل ہوں۔ میں اپنے ماضی، خاندان اور لوگوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میں انہی کی تلاش میں تو سرگرداں ہوں۔ میں یہ سوچ رہی ہوں کہ کہیں اس تصویر کا تعلق مجھ سے نہ ہو۔ کہیں..... کہیں وہ میری ماں نہ ہو..... دیکھو منصور! یہ باتیں ڈرامائی حیثیت ضرور رکھتی ہیں لیکن کیا ان کی وجوہ سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ بہت سی اولادیں اپنے ماں باپ کی ہم شکل ہوتی ہیں؟ اتنی ہم شکل کہ لوگ حیرت کرتے ہیں۔''

''ہاں..... تمہارا یہ خیال درست ہے۔ میں نے تو ہم شکل کے معاملے میں بڑی چوٹیں کھائی ہیں۔ مجھ سے ایسی بات کر رہی ہو؟''

''کیا یہ ممکن نہیں ہو گا کہ اس تصویر کے بارے میں معلومات حاصل کریں؟''

''جہاں تک میرا خیال ہے پدما! وسنت سنگھ براہِ راست اس مسئلے میں ملوث نہیں ہے۔ تمہیں ہوٹل کے منیجر کے الفاظ ضرور یاد ہوں گے۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ایک جرائم پیشہ شخص ہے۔ اور ہر طرح کی لوٹ مار کے دھندے کرتا رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے وسنت سنگھ نے ہم سے جو کچھ کہا ہو، صحیح ہو اور بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ اُس کی باتیں سچ ہیں۔ کسی نے اُس سے رابطہ قائم کر کے یہ تصویر اُس کے حوالے کی ہو اور کہا ہو کہ اس طرح اُسے ایک لڑکی کی تلاش ہے۔ وسنت سنگھ نے اپنے طور پر ہمیں دیکھا اور پھر یہ جاننے کے لئے کہ کیا تم وہی

لڑکی ہو، ہمیں اپنی اُس حویلی میں لے گیا۔ یہ صرف اتفاق ہے کہ ہم نے دہلی سے جے پور ہی کا رُخ کیا۔ میرا خیال ہے کہ وسنت سنگھ کو حقیقت نہیں معلوم ہو گی۔ اُس نے دس لاکھ روپے کی پیشکش کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں اُسے پچاس لاکھ روپے تک یا اس سے کچھ زیادہ کی پیشکش ہوئی ہو۔ وسنت سنگھ یقیناً ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکے گا۔''

پدما نے ایک سسکی لی۔ ''نجانے کیوں میرے ذہن میں بار بار یہ تصور اُبھرتا ہے کہ اِس تصویر کا میرے خاندان سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔''

''ہو سکتا ہے ایسی بات ہو۔'' میں نے جواب دیا۔

پدما کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔ اس سے پہلے وہ کبھی اس قدر متاثر نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن اب نئی سوچ نے اُسے یقیناً اُداس کر دیا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس تک پہنچا۔

''تم تو بڑی باہمت لڑکی ہو۔ بعض لوگ تقدیر کے بیٹے ہوتے ہیں۔ انہیں زندگی میں ایسے مسائل درپیش ہوتے ہیں کہ وہ ان سے نمٹنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ لیکن بہرطور! جب مسئلہ وجود ہے تو اس کے ساتھ ہی 'حل' کا نام بھی آتا ہے۔ ہمیں دیر ضرور لگ رہی ہے لیکن ایک دن یقیناً ایسا ہو گا جب تم اپنوں کے بیچ پہنچ جاؤ گی۔ یقیناً تمہیں اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ویسے بھی تمہاری زندگی میں ایسی کوئی بری بات نہیں، جس کی وجہ سے تمہیں کسی گناہ کی سزا ملے۔ تم اطمینان رکھو! ایک دن ایسا ضرور ہو گا۔ ہراساں نہ ہونا۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو کیوں جھلملا رہے ہیں؟''

پدما بے اختیار ہو گئی۔ ''میں تھک گئی ہوں منصور!'' اُس نے روتے ہوئے کہا۔ ''یقین کرو میں تھک گئی ہوں۔ بعض اوقات سوچتی ہوں کہ اگر میں اپنے گھر میں ہوتی، اپنے لوگوں میں ہوتی، میرے سر پر سایہ ہوتا، لوگ میری پشت پر ہوتے تو کیا اس قدر جدوجہد سکتی تھی؟ کیا کیا نہیں ہوا میرے ساتھ؟ کس طرح پرورش پائی غیروں کے درمیان؟ اُس کے بعد کیسے کیسے لوگوں کے ہاتھوں میں بھٹکتی پھر رہی ہوں؟ یہ تقدیر کیسے تبدیل ہو سکتی ہے منصور؟ بتاؤ! میں اپنی تقدیر کیسے بدل لوں؟ میں تو سکون کی زندگی چاہتی ہوں۔ میں اپنا گھر چاہتی ہوں۔ اپنے لوگوں کے درمیان جینا چاہتی ہوں۔ لیکن کیا یہ جینا ہے؟ اسی کو ہی جینا کہتے ہیں؟''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور میں خالص عورتوں کی طرح اُسے تسلیاں دینے لگا۔

اُن کا رونا دھونا اور بے اختیاریاں جب حد سے بڑھیں تو میں نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی۔ یکایک پیچھے سے گدی پر ایک تھپڑ پڑا..... میں نے چونک کر پیچھے دیکھا..... کوئی نہیں تھا۔ تب راعمیس کی آواز سنائی دی.....

''او گدھے..... راعمساس! عقل نہیں آئے گی تجھے....؟ عقل نہیں آئے گی؟''

''لعنت ہو تجھ پر.....'' میں نے دل ہی دل میں کہا۔

''ہاں ہاں..... مجھ پر لعنت بھیجتا رہ۔ لیکن..... لیکن اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ یقین کر! اگر تو نے ایسا کیا تو پھر..... تو پھر میرے غضب سے نہیں بچ سکے گا۔''

''او گدھے..... تو یہاں مر کیوں رہا ہے؟ دفعان ہو جا نا یہاں سے.....''

''میں دفعان ہو جاؤں گا لیکن اسی شرط پر.....'' راعمیس کی ہلکی سی ہنسی سنائی دی۔ میں نے پھر اپنا ذہن اُس کی طرف سے ہٹا لیا۔ پدما اُس معصوم بچی کی طرح ہو رہی تھی جو صدیوں سے کسی پیار بھری آغوش کی بھوکی تھی۔ وہ ایسی بے قرار رُوح بن گئی تھی جس کا آنگن سالوں سے ساون کی جھڑی کا منتظر رہا ہو۔ میں نے اُسے تسلیاں دیں۔ اپنی صلاحیت اور قابلیت کے مطابق الفاظ و اظہار کے سارے طریقے استعمال کر دیئے تھے۔ میری تسلیاں اور ہمدردیاں بن بادل برسات کی طرح اُس کی سونی آنکھوں میں برسی تھیں۔ پھر دفعتہً اُس نے چونک کر دہشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا.....

''منصور.....'' لیکن میں نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُس نے سمٹ کر دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ پھر اُس نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیر تک دیکھتی رہی۔ اس کے بعد اُس نے آنکھیں بند کر کے آہستہ سے گردن جھٹکی۔ ''مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں؟ میری زندگی ہر لمحہ ایک نئے حادثے سے روشناس ہوتی ہے منصور! مجھے میری منزل تک پہنچا دو..... مجھے میری منزل تک پہنچا دو..... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔''

''پدما! مجھے معاف کر دینا۔''

''نہیں منصور! ٹھیک ہے۔ جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ ہوتا رہے گا۔ کوئی نہیں روک سکتا اسے۔ تم بتاؤ! میں ہوں کیا چیز؟ ایک ایسی شخصیت جس کا کوئی محور نہیں ہے۔ براہِ کرم! ان احساسات کو ذہن سے نکال کر سو جاؤ۔''

میں نے اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن راعمیس میرے کان میں مسلسل ہنسے جا رہا تھا۔ وہ بہت مسرور تھا۔ عجیب بدبخت رُوح تھی یہ..... جس نے جانے مجھے کہاں کہاں گھمایا۔ میں اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ پدما بھی سونے کے لئے لیٹ گئی تھی۔ جانے کب نیند نے ہمیں اپنی آغوش میں لے لیا..... پھر جب سورج کی کرنیں کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو رہی تھیں کہ ٹیلی فون کی گھنٹی نے مجھے جگا دیا۔ میں نے چند لمحے ٹیلی فون کی گھنٹی کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ مسلسل بجتی رہی تو میں بستر سے اُٹھ کر ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا۔ پدما بھی جاگ گئی تھی۔ میں نے ریسیور کان سے لگا لیا اور آواز صاف کر کے ہیلو کہا۔ لیکن دوسری طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔ البتہ ایک عجیب سی خرخراہٹ سنائی دے رہی تھی..... ''ہیلو! کون بول رہا ہے؟ کیا بات ہے؟'' میں نے پھر سوال کیا۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے دوسری طرف کوئی چیز گھسیٹی جا رہی ہو۔ پھر ایک کھرکھراتی ہوئی سی آواز سنائی دی.....

''مسٹر..... مسٹر..... سندر..... سندر.....''

میں نے حیرت سے اُس آواز کو سنا جو نسوانی تھی۔ ''ہیلو! کون بول رہا ہے؟''

''سندر لال..... سندر لال کپور.....؟''

''ہاں! میں ہی ہوں۔ مگر آپ کون ہیں؟''

''کرن..... کرن کور.....'' اُس نے جواب دیا۔

''ارے کرن جی! کیا بات ہے؟ یہ بول کیسے رہی ہیں آپ؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''فوراً سندر لال..... فوراً..... فوراً ہوٹل مالا بار آ جاؤ..... ہوٹل مالا..... بار..... رُوم فائیو تھری ایٹ۔ پلیز.....''

''مگر تمہاری آواز کو کیا ہو گیا ہے کرن جی؟ یہ تم بول کیسے رہی ہو؟''

''پلیز جلدی..... جلدی.....'' اُس نے کہا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ریسیور اُس کے ہاتھ سے گر پڑا ہو۔ میں نے کئی بار ہیلو، ہیلو کہا۔ لیکن پھر مجھے کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ ریسیور کریڈل پر نہیں رکھا گیا تھا۔ میں نے پریشان نگاہوں سے پدما کی طرف دیکھا جو اُٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیا بات ہے؟ کیا کہہ رہی تھی کرن کور؟ تم..... تم پریشان کیوں ہو گئے تھے؟''

''اوہ! پدما..... کرن کور نے مجھے ٹیلی فون کیا تھا۔ مالا بار ہوٹل کے کمرہ نمبر پانچ سو اڑتیس میں اُس نے مجھے بلایا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی اذیت کا شکار ہو۔''

''کرن کور..... ہوٹل مالا بار..... کمرہ نمبر پانچ سو اڑتیس..... مگر وہ ہوٹل مالا بار میں کیوں ہے؟ وسنت سنگھ کہاں ہے؟'' پدما نے متحیرانہ انداز میں سوال کیا۔

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ بولو! کیا کرنا چاہئے؟''

''چلو چلتے ہیں۔ ان لوگوں سے تو اب ہماری بھی ضرورت اٹک گئی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہوا؟ یہ اپنی حویلی سے اُس ہوٹل میں کیسے پہنچ گئے؟''

''میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر چلنا ہے تو لباس تبدیل کر لو۔'' میں نے کہا۔

پدما پھرتی سے اُٹھ بیٹھی۔ میں نے راعمیس کو آواز دی۔ اُس سے مشورہ کر لینا تو زیادہ بہتر تھا۔ لیکن میرے پکارنے پر اُس کی کوئی آواز سنائی نہیں دی اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ ایسے اہم موقعوں پر تو وہ خود بخود غائب ہو جاتا تھا۔

پدما لباس تبدیل کر کے آ گئی۔ میں بھی تیار ہوا اور پھر ہم دونوں باہر نکل آئے۔ پدما کے بدن میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔ نیچے اُتر کر اُس نے پریشان نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اب کیا کرنا چاہئے؟ میں تو پریشان ہو گئی ہوں۔ کہیں وہاں ہمارے لئے کوئی خطرہ نہ ہو.....''

''اب جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔ فی الحال یہی دونوں ہمارے پروگرام میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ کم از کم دیکھا تو جائے چل کر کہ ہوا کیا ہے؟''

''کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔ کوئی سازش نہ ہو ہمارے خلاف۔ تمہیں یقین ہے کہ وہ آواز کرن کور ہی کی تھی؟''

''تقریباً اسی فیصد! اُس آواز میں ایک زخمی زخمی کیفیت تو تھی لیکن بولنے کا انداز کرن کور ہی کا تھا۔ پھر چونکہ میں بھی نیند سے اُٹھا تھا اور ذہن پوری طرح حاضر نہیں تھا اس لئے اُس پر غور نہیں کیا۔''

پدما گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ میں خود بھی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ لیکن پھر میں نے یہی سوچا کہ میری زندگی تو ہے ہی ان حالات سے منسوب۔

مالا بار میں داخل ہونے کے بعد لفٹ کے ذریعے ہم اُوپر کی منزل پر پہنچ گئے جہاں کمرہ

نمبر پانچ سو اڑتیس ہو سکتا تھا۔ میرا دل دھڑک رہا تھا۔ پدما کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ہوٹل میں چہل پہل نہیں ہوئی تھی۔ ویٹر وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ راہداریاں سنسان پڑی تھیں۔ میں نے کمرہ نمبر پانچ سو اڑتیس کے سامنے رُک کر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تو میں نے اُنگلی سے دروازہ کو دھکیل کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے کھلا ہوا تھا۔ میں ایک لمحے تک سوچنے کے بعد پدما کو اشارہ کر کے اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں تیز روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ میں نے جو منظر دیکھا، اُس نے ایک لمحے کے لئے مجھے دہلا دیا..... مسہری پر وسنت سنگھ پڑا تھا۔ لیکن اُس کی گردن مسہری کے نیچے تھی۔ بے گردن کا بدن مسہری پر چاروں شانے چت تھا اور اتنا خون بہا تھا کہ شاید مسہری کا گدا بھی اس خون کو جذب کرنے میں ناکام رہا تھا.....

پدما کے حلق سے چیخ نکلنے ہی والی تھی کہ میں نے اُس کا منہ بھینچ لیا۔ کمرے کے ایک گوشے میں ٹیلی فون کے بالکل نزدیک کرن کور بری طرح مڑی تڑی اوندھے منہ زمین پر پڑی تھی..... ٹیلی فون کا ریسیور کریڈل پر نہیں تھا بلکہ اُس کے نزدیک ہی لٹکا ہوا تھا۔ میں نے پھرتی سے پدما کو سنبھالا دے کر کرن کور کو سیدھا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے کہ اُس کے سینے میں کئی گہرے زخم تھے جن سے خون رِس رِس کر نیچے قالین میں جذب ہو رہا تھا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں..... یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی بینائی رخصت ہو گئی ہو۔ پھر اُس کی کمزور آواز اُبھری۔

''کون..... کون ہے.....؟''

''انہوں نے..... انہوں نے وسنت..... وسنتو کو قتل کر دیا۔ وہ سادھو تھے..... اگر سا.....'' کرن کور نے بس یہ الفاظ ادا کئے اور اُس کے بعد اُس کی آواز بھینچ گئی۔

میں ایک دم کھڑا ہو گیا۔ پدما نے پھرتی سے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اپنی دوبارہ نکلنے والی چیخ کو روکا تھا۔ اُس کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ اپنے ہاتھ پوری طاقت سے منہ پر جمائے ہوئے تھی۔ کرن کور کو اسی طرح چھوڑ کر میں پیچھے آ گیا اور میں نے پدما کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں پدما.....! چیخنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ ہم ایسے الزام میں گرفتار ہو جائیں گے جس سے نکلنا ممکن نہیں ہوگا۔''

''من..... منصور.....''

''سنبھلو..... پدما! سنبھلو..... خود کو سنبھالو اور یہ سوچو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ یہاں سے نکل چلیں یا یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ وسنت سنگھ.....؟''

''نہیں پلیز..... چلو یہاں سے..... جلدی چلو.....'' پدما رونے والے انداز میں بولی اور پھر مسہری کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''اُس کی گردن..... اُس کی گردن.....؟''

''آؤ..... یہ منظر مت دیکھو۔ تم سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔'' میں نے دروازے کے قریب پہنچ کر اُسے اس احتیاط سے کھولا کہ میری اُنگلیوں کے نشانات اس پر نہ رہیں۔ دروازے کے بیرونی ہینڈل کو بھی رُومال سے صاف کیا اور پھر پدما کو ساتھ لے کر راہداری میں تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں ہم دونوں کو دیکھ نہ لیا جائے۔ خوش بختی ہی تھی کہ ہماری اس تمام کارروائی کو کسی نے نہیں دیکھا۔ اب ذرا رونق ہو گئی تھی۔ لوگ باگ اور ویٹر اِدھر سے اُدھر جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں برق رفتاری سے ہوٹل مالا بار سے باہر نکل آئے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔ اندر آ کر پدما دھم سے مسہری پر گر پڑی۔ اُس کا بدن کانپ رہا تھا۔ ''یہ کیا ہو گیا.....؟ یہ کیا ہو گیا.....؟''

''خود کو سنبھالے بغیر چارہ نہیں ہے پدما! اگر تم نے کسی کمزوری کا اظہار کیا تو ہم پھنس جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کسی نے ہمیں وسنت سنگھ کے ساتھ دیکھا ہو۔ ممکن ہے ہمیں اُن کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا جائے۔''

''پھر کیا، کیا جائے..... کیا، کیا جائے.....؟''

''سب سے پہلا کام یہی ہے کہ خود کو سنبھالے رکھو..... جب تک ہم ذہنی طور پر معتدل نہیں ہوتے، کوئی فیصلہ نہیں کر پائیں گے۔''

''کیا جے پور چھوڑ دیا جائے؟''

''یہ بھی سوچنا پڑے گا۔ کہیں یوں نہ ہو کہ ہماری نشاندہی کی جائے اور جب ہم جے پور سے غائب پائے جائیں تو ہماری تلاش شروع کر دی جائے اور ہمیں قاتل تسلیم کر لیا جائے۔ خیر! یہ بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال تازہ دم ہو جاؤ۔ میں چائے وغیرہ منگواتا ہوں۔ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ لیکن اب اس کا اظہار

ہمارے چہروں یا ہماری حرکات سے نہیں ہونا چاہئے۔''

پدما اب میرے احکامات کی تعمیل فوراً ہی کرتی تھی۔ چنانچہ وہ باتھ رُوم کی جانب بڑھ گئی اور میرے ذہن نے گھومنا شروع کر دیا......

وسنت سنگھ کو قتل کر دیا گیا۔ کرن کور نے صاف الفاظ میں انگریز سادھوؤں کا ذکر کیا تھا اور یہ انگریز سادھو کرنل جیمز کے ہی آدمی ہو سکتے تھے۔ مجھے ان کے بارے میں اطلاع دے دی گئی تھی۔ لیکن انہوں نے وسنت سنگھ کو کیوں قتل کر دیا؟ وہ تو میرے تحفظ کے لئے مامور تھے..... کیا ہماری زندگیوں کو وسنت سنگھ اور کرن کور سے کوئی خطرہ تھا؟ اور اس خطرے کو وقت سے پہلے ٹالنے کے لئے انہوں نے ان دونوں کو ٹھکانے لگا دیا؟ یا کوئی اور بات تھی؟ یہ بات بھی حیرت انگیز تھی کہ وہ لوگ اپنی حویلی میں قیام کرنے کی بجائے ہوٹل مالا بار میں کیوں مقیم تھے؟

پدما کے آنے سے پہلے میرے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ نہا کر اور نکھر گئی تھی۔ ویٹر چائے اور ناشتے کا سامان لے آیا۔ پدما نے میرے لئے چائے بنائی اور پھر ہم بیٹھ کر باتیں کرنے لگے.....

''ہے بھگوان! کتنا وحشیانہ قتل تھا۔ انہوں نے اُس کی گردن کاٹ کر نیچے پھینک دی تھی۔'' پدما نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ چائے کا کپ اُس کے ہونٹوں پر کانپ گیا تھا۔

''تذکرہ کرتے ہوئے بھی احتیاط رکھو پدما! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

پدما نے آنکھیں بند کر لیں۔ غالباً وہی منظر اُس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ ویٹر برتن وغیرہ اُٹھا کر لے گیا تو ہم نے اپنے آئندہ پروگرام پر گفتگو شروع کر دی۔

''یہ سب کچھ ہمارے لئے غیر متوقع ہوا ہے۔ پدما! یوں سمجھو کہ ہمارے پروگرام کے تمام راستے رُک گئے۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ وسنت سنگھ کوئی صحیح آدمی نہیں تھا۔ لیکن کم از کم وہ ہمیں ہماری منزل کی جانب لے تو جا رہا تھا۔ اب ایک بار پھر ہم تنہا رہ گئے ہیں۔''

''میرا دماغ کام نہیں کر رہا منصور!''

''تمہیں اپنی اُنہی قوتوں سے کام لینا ہوگا پدما! جن کے سہارے تم آج تک حالات سے نمٹتی چلی آئی ہو۔''

پدما نے عجیب سے انداز میں میری طرف دیکھ کر کہا۔ ''اب جی نہیں چاہتا۔''

''میں نہیں سمجھا؟''

''اب میری ذمہ داری تم پر ہے۔ صرف تم پر.....''

میں نے دل ہی دل میں ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلائی تھی۔ ہاں! میں پھنس تو گیا ہی ہوں۔ یہ ذمہ داری مجھے سنبھالنی ہی پڑے گی۔ لیکن پدما پر میں نے اپنے احساسات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ راعمیس مسلسل غائب تھا اور اب میرا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ میں اُسے اس مسئلے میں شریک کروں۔ خود ہی آئے گا جھک مار کر۔ اور مجھے کچھ بتائے گا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ جو کچھ بھی ذہن میں آئے گا، کرتا رہوں گا۔

دوپہر ہوگئی۔ ہم لوگ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ بس! ہمیں ایک عجیب سے انداز میں انتظار تھا اس بات کا کہ کوئی ہم تک پہنچے۔ ہم سے کچھ کہے۔ وسنت سنگھ کی حویلی میں ملازمین بھی تھے۔ انہوں نے ہمیں دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے وسنت سنگھ کی موت کے بعد کوئی ہماری نشاندہی کرے۔ لیکن یہ احساس بھی احمقانہ ہی تھا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد پدما نے کہا۔ ''اب بتاؤ منصور! ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہمارے سامنے چند نام ہیں۔ کیا ہم ریاست گنڈا پور چلیں اور وہاں جا کر ہریش چندر سے ملنے کی کوشش کریں؟''

''وسنت سنگھ، ہریش چندر سے یہ وعدہ کر کے آیا تھا کہ وہ اس تصویر کی ہم شکل لڑکی کو تلاش کر کے ان کے حوالے کرے گا اور اُس نے ہمیں اس کے لئے دس لاکھ روپے کی پیشکش کی تھی۔ اس بات کو ذہن میں رکھو پدما! اگر ہم براہِ راست ہریش چندر تک پہنچ گئے تو ہو سکتا ہے کسی ایسی فوری مشکل میں گرفتار ہو جائیں جس سے چھٹکارہ ممکن نہ ہو۔ اس کے بعد ہمارے راستے رُک جائیں گے اور وہ کام نہیں ہو سکے گا جو ہم کر رہے ہیں۔''

''ہاں! یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے۔ کیوں نہ اس کی تکمیل کی جائے؟ ہم سیدھے تنوریا جا کر گوپال سانگا کے اہل خاندان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ اگر مجھے ہرناوتی اور اُس کی ماتا جی مل گئیں تو پھر سمجھو کہ کافی کام ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ لوگ میری حیثیت بتا سکیں۔ یہ بات تو پہلے ہی ہمارے پروگرام میں شامل تھی نا..... اگر وسنت سنگھ ہمیں نہ مل جاتا تو ہم تنوریا ہی جاتے۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

باقی وقت بھی ہم نے اپنے ہوٹل ہی میں گزارا۔ باہر کے حالات کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ رات ہوگئی اور ہم ہوٹل سے باہر نہ نکلے۔ رات کا کھانا بھی کمرے میں ہی کھایا اور پھر سونے کے لئے لیٹ گئے۔

دوسرے دن پدما کسی قدر مطمئن نظر آ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر بھی بشاشت تھی۔ گویا اُس نے مجھے اپنے آپ میں تسلیم کرلیا تھا۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ہم نے ناشتہ کیا اور تیار ہو کر میں ہوٹل سے باہر نکل آیا تاکہ تنوریا جانے کے لئے کسی سواری کا معلوم کرسکوں۔

سیڑھیاں عبور کرنے کے بعد میں نے باہر قدم رکھا اور دل ہی دل میں لرزتے ہوئے راعمیس کو آواز دی۔ ''اے بدبخت رُوح! کہاں مرگئی ہے تو..... کہاں گم ہوگئی ہے؟ کم از کم اب مجھے یہ تو بتادے کہ میرے آگے کے راستے کیا ہوں گے؟''

لیکن بدبخت رُوح عالم برزخ میں واپس پہنچ گئی تھی۔ مسلسل غائب تھی۔ کوئی جواب نہیں ملا اور میں دل ہی دل میں اُسے کوستا ہوا آگے بڑھ گیا۔ خوف کے احساس کو میں ذہن سے جھٹک نہیں پایا تھا۔ ہر لمحے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے عقب سے پولیس کے جوان آئیں گے اور میری گردن دبوچ کر مجھے گرفتار کرلیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ میں لرزتے انداز میں آگے بڑھتا رہا اور اُس کے بعد جب یہ اُمید ہوگئی کہ کوئی میرے تعاقب میں نہیں ہے تو پھر میں نے اپنا کام شروع کردیا۔ تنوریا جانے کے لئے بس مل جاتی ہے اور اس میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں کسی قدر مطمئن انداز میں اپنے ہوٹل آ گیا۔

پدما میرا انتظام کر رہی تھی۔ جس وقت میں کمرے میں داخل ہوا، اُس کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی گنگناہٹ تھی۔ گویا اپنے آپ کو اُس نے کافی حد تک سنبھال لیا تھا یا پھر مجھ پر بہت زیادہ اعتماد کرنے لگی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ سنبھل گئی اور مسکرا کر پوچھنے لگی۔ ''کہو! کچھ کامیابی حاصل ہوئی؟''

''ناکامی کا کیا سوال ہے؟ تنوریا جانے کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرکے آیا ہوں۔ ایک ہی ذریعہ ہے وہاں تک پہنچنے کا۔ اور وہ ہے گھٹیا قسم کی ٹوٹی پھوٹی بسیں۔''

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمارا سفر کتنا طویل ہوگا؟ بالآخر تنوریا پہنچ ہی جائیں گے۔

اس سلسلے میں تم بالکل فکر مت کرو۔''

چنانچہ تنوریا روانہ ہونے کے لئے تھوڑی سی خریداری بھی کرنی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے ہم نے ہوٹل کا بل ادا کر کے ہوٹل چھوڑ دیا۔ پھر ٹہلنے کے انداز میں شہر کے بازاروں میں نکل آئے۔ جے پور کی روایتی زندگی جاری وساری تھی۔ سڑکیں، گلیاں، بازار اب کافی ماڈرن ہوچکے تھے۔ اور یہاں کی قدیم تاریخ تبدیل ہوگئی تھی۔ ایک بازار سے ہماری ضرورت کی اشیاء ہمیں مل گئیں۔ سیاحوں کی حیثیت سے ہمیں یہ سفر کرنا تھا اور خصوصی طور پر کسی کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانا مقصود نہیں تھا۔ چنانچہ ایک مناسب جگہ دیکھ کر پدما نے وہ معمولی سی ساڑھی زیب تن کرلی جو ہم نے اس سفر کے لئے خاص طور سے خریدی تھی۔ اور اُس کے ساتھ ہی راجپوتانہ کے وہ روایتی چاندی کے زیور بھی جنہیں کوئی ماڈرن لڑکی کسی قیمت پر پہننا پسند نہ کرتی۔ میں نے بھی اپنے لباس میں تبدیلیاں کرلیں اور اس کے بعد ہم معمولی شہریوں کی حیثیت سے بسوں کے اڈے پر پہنچ گئے۔ بس تنوریا جانے کے لئے تیار تھی۔ چنانچہ ہم اس میں بیٹھ گئے۔ بس میں طرح طرح کے مسافر بھرے ہوئے تھے جن میں زیادہ تر کا تعلق راجپوتانہ ہی سے تھا۔

سفر تقریباً پونے چار گھنٹے تک جاری رہا۔ فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ لیکن راستہ دشوار گزار تھا۔ خاص طور سے تقریباً دس یا بارہ میل کا ایک ٹکڑا تو بڑا ہی تکلیف دہ ثابت ہوا۔ کچی سڑک اور خوفناک گھاٹیاں..... یہاں سفر کی رفتار بہت سست رہی تھی۔ اور صرف یہی ایک ٹکڑا تقریباً ایک گھنٹے بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ وقت میں طے ہوا تھا۔ اس کے بعد والی سڑک بہتر حالت میں تھی۔

تنوریا چھوٹا سا پہاڑی قصبہ اپنی حسین روایات کے ساتھ مصروف زندگی تھا۔ لال پتھروں کے مکانات، لیکن کچے مکانات اور جھونپڑیاں زیادہ تھیں۔ ایک دیہاتی سے ہم نے قیام گاہ کے لئے پوچھا۔ وہ حیرت سے ہمیں دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے ہمیں کچی سرائے کا حوالہ دیا۔ جہاں چھوٹے چھوٹے ڈربے نما خانے بنے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ایک چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ ہمیں اس عالی شان سرائے میں ایک رہائش گاہ حاصل ہوگئی۔ سرائے کے دیہاتی مالک نے ہمارے ڈربے میں ایک چارپائی کا اور اضافہ کردیا لیکن اس کے بعد بس اتنی ہی گنجائش تھی کہ دونوں چارپائیوں کے درمیان سے نکل کر دروازے تک

پہنچا جا سکے۔ ہم نے اپنا سامان چار پائیوں کے نیچے ٹھونس دیا۔

چار پائی پر بیٹھ کر پدما نے ایک گہری سانس لی اور مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہو

"ویسے یہ ایڈونچر بھی برا نہیں۔"

میں بھی مسکرا دیا تھا۔ شام جھک آئی تھی۔ سرائے میں ہمیں جو، گیہوں اور چنے کی ملی جو آٹے کی روٹیاں کھانے کو ملیں، جن کے ساتھ ساگ کی ترکاری تھی۔ یہ تمام چیزیں بھ جدید زندگی میں کہاں؟ چنانچہ بے حد لذیذ محسوس ہوئیں اور ہم صبر وشکر سے انہیں کھا کر سرائے کے اُس کمرے میں پڑ رہے۔

کچی پکی سرائے میں گزرنے والی رات بھی کسی اعلیٰ پائے کے ہوٹل سے کم نہیں تھی۔ یہ تو صرف انسان کی سوچ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مخمل کے گدوں میں زیادہ پرسکون محسوس کرے۔ پدما کی کیفیت مجھ سے بھی بہتر تھی۔ حالانکہ یہ اضطراب اُسی کا تھا۔ میں تو بعض اوقات ایک تماش بین کی حیثیت اختیار کر جاتا تھا۔ کبھی کبھی عمل بھی کرنا پڑتا تھا۔ لیکن زیادہ تر مسائل میرے نہیں ہوتے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد پدما نے مجھ سے پوچھا کہ تنوریا میں گوپال سانگا کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟

میں چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ "دیکھو پدما! میں تو ان علاقوں کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔ ظاہر ہے میں اس سلسلے میں نام لے کر تو کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ چلتے ہیں۔ جس طرح اور جہاں سے جو کچھ معلوم ہو سکا، کوشش کریں گے۔"

"تو پھر میں اس کے علاوہ کیا کہہ رہی ہوں تم سے۔" اُس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکنے لگا۔

"کیوں کیا بات ہے؟ کیا رات کو پرسکون نیند نہیں آئی؟"

"نہیں نہیں..... بہت سکون سے سویا۔" میں نے شریر لہجے میں کہا اور پدما کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ غالباً اُس نے میرے الفاظ سے کچھ اور نتیجہ اخذ کر لیا تھا۔

اس کے بعد ہم تنوریا نکل آئے۔ خاص طرز کی بستی تھی۔ ویسے بھی راجپوتانہ کے علاقے کی آبادیوں کو میں نے بہت قریب سے دیکھ لیا تھا اور وہاں کے رہن سہن اور طرز زندگی سے واقف ہو گیا تھا۔ یہاں ذرا محتاط انداز میں چلنا ضروری تھا۔ کیونکہ لوگ کسی قدر اکھڑ

طبیعت کے مالک تھے۔

مختلف علاقوں میں گوپال سانگا کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ کچھ ایسے لوگ ملے جنہوں نے اُس سے واقفیت کا اظہار کیا اور اُس کی دردبھری کہانی مزید دردبھرے انداز میں سنائی۔ لیکن اُن میں سے کوئی یہ نہ بتا سکا کہ گوپال سانگا کی بیوی اور اُس کی بیٹی ہرناوتی سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔

سارا دن اسی کاوش میں گزر گیا۔ جب تھکن سے چور ہو گئے تو سرائے میں آ کر ٹھہر گئے۔ اور اس کے بعد وہی معمولاتِ زندگی، ساری تھکن ہمارے چند لمحات دُور کر دیا کرتے تھے۔ کم از کم پدما کا یہی خیال تھا بلکہ اب تو وہ کھلے الفاظ میں یہ کہنے لگی تھی کہ اُس کی زندگی کا مقصد حاصل ہو نہ ہو، اُسے ایک ایسی شخصیت ضرور مل گئی جو اُس کی زندگی کا مقصد ہے اور میں ایسے لمحات میں خوفزدہ انداز میں سوچتا تھا کہ وہ خود تو میری زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ اگر اس کا کام نہ ہو سکا تو پھر میں اسے کون سے خانے میں فٹ کروں گا؟

تنوریا کا دُوسرا، تیسرا، چوتھا، پانچواں دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکا تھا۔ گوپال سانگا کے سلسلے میں بہت سے شناسا ملے لیکن کوئی بھی اس بات کی نشاندہی نہ کر سکا کہ اس کے اہل خاندان کہاں گم ہیں؟ اس سلسلے میں ہمیں ایک اور چھوٹی سی بستی بھی جانا پڑا۔ جہاں کے بارے میں اشارہ ملا تھا کہ ہو سکتا ہے وہاں سے اُن لوگوں کا پتہ چل جائے۔ لیکن وہاں تنوریا سے ملنے والی اطلاعات کی تصدیق نہیں ہو سکی تھی۔ اب ہمارے ذہنوں میں مایوسی پیدا ہو گئی تھی۔ وسنت سنگھ اگر زندہ ہوتا تو شاید یہ صورت حال درپیش نہ ہوتی۔ اس دوران میں نے ان بدبخت انگریز سادھوؤں کو بھی نہیں دیکھا تھا جو کرنل جیمز کے ہرکارے تھے۔ پتہ نہیں وہ کہاں غائب رہتے تھے؟

ایک روز پدما کہنے لگی کہ اب تنوریا میں پڑے رہنا بے کار ہے۔

"تو پھر کیا کرنا چاہئے؟" میں نے پوچھا۔

"میں شرمندہ ہوں منصور! کہ تمہیں بلا وجہ اپنے ساتھ اُلجھائے ہوئے ہوں۔ لیکن جو کچھ تم نے اپنی زندگی کے بارے میں مجھے بتایا ہے، اُس سے اطمینان ہوتا ہے کہ کم از کم تم کسی ایسے نقصان میں نہیں ہو جو تمہارے لئے پریشان کن ثابت ہو اور اب تو میں تم پر یہ حق رکھتی ہوں کہ تمہیں اپنے مشن کے لئے محدود کر دوں۔ چاہے ہمیں اس میں کتنا ہی وقت لگ

جائے۔"

"تو ان باتوں کا تذکرہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے کب کہا کہ میں تم سے فرار چاہتا ہوں؟"

"نہیں منصور! اخلاق بھی کوئی چیز ہے۔ میں بہت زیادہ محسوس کر رہی ہوں کہ بجائے اس کے کہ تم سکون کے کچھ لمحات گزارو، میرے ساتھ نگر نگر سرگرداں ہو۔"

"اچھا! چھوڑو ان باتوں کو۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

"ایک ہی بات ذہن میں رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ گنڈا پور چلیں اور اپنے آپ کو ہریش چندر کے حوالے کر دیں۔ ہریش چندر اگر کسی کو اتنی بڑی رقم ہماری تلاش کے لئے پیش کر سکتا ہے تو یقیناً وہ ہمیں دیکھتے ہی ختم نہ کر دے گا۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"تو پھر کل یہاں سے گنڈا پور کے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کئے لیتے ہیں اور اس کے بعد وہاں چلیں گے۔"

دوسرے دن ہم نے یہ معلومات حاصل کر لیں۔ بھلا اس میں کیا دقت ہو سکتی تھی؟ یہاں سے ایک بس ہمیں چک والی لے جا سکتی تھی اور چک والی سے دوسری بس گنڈا پور کے لئے مل سکتی تھی۔ چک والی کا راستہ دو گھنٹے کا ثابت ہوا۔ یہاں بھی وہی معمول کے مطابق ماحول تھا۔ گرم ریت، گرم پتھر، گرم پہاڑی علاقہ ار اُس کے بعد چک والی کی شام جو اتنی گرم نہیں تھی۔

راجپوتانہ میں ایک بڑی خوبی تھی۔ دن کو شدید گرمی پڑتی تھی۔ لیکن جونہی سورج ڈھلنا شروع ہوا، فضا میں خنک ہوائیں اُتر آئیں اور اُس کے بعد رات بے حد سرد اور انتہائی سرد ہوتی۔ چک والی ایک چھوٹی سی بستی ثابت ہوئی۔ لیکن یہاں کم بخت سرائے بھی نہیں تھی۔ البتہ یہ ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہاں سے گنڈا پور جانے کے لئے بس مل سکتی ہے۔ صرف ایک ہی بس گنڈا پور جاتی تھی اور اُسی سے ہمیں سفر کرنا تھا۔ چنانچہ بہتر یہی سمجھا گیا کہ رات بس کے اڈے پر گزاری جائے۔ یہاں ایک پیپل کے درخت کے نیچے ہم نے دھونی رمالی، کھانے پینے کے لئے حلوہ پوری اور بھاجی ترکاری مل گئی۔ جیسے تیسے رات گزری۔ صبح ہی وہ بس آ کر رُک گئی جسے گنڈا پور جانا تھا۔ ہم نے ٹکٹ خریدے اور اُس میں جا بیٹھے۔ رفتہ رفتہ

سواریاں آنا شروع ہو گئیں۔ لیکن کئی گھنٹے انتہائی بوریت کے عالم میں گزرے کیونکہ جب تک تمام سواریاں پوری نہ ہو جائیں، بس کی روانگی ممکن نہ تھی۔ تقریباً پونے گیارہ بجے بس نے آخری سواری بٹھائی اور چل دی۔

شام ساڑھے پانچ بجے گنڈا پور پہنچے۔ عمارتیں مخصوص انداز کی تھیں۔ اب تک کسی اور بستی میں، میں نے عمارتوں کا یہ طرز تعمیر نہیں دیکھا تھا۔ ہم بس سے اُتر کر چل پڑے۔ پاؤں شل ہو گئے تھے۔ کچے راستوں پر لگنے والے جھٹکوں نے بدن کو چور چور کر دیا تھا۔ آبادی بس کے اڈے سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ ذرا دیر بعد چند گھڑ سوار ہمیں اپنی جانب آتے نظر آئے۔ پہلے تو وہ ہمارے نزدیک سے گزرتے چلے گئے۔ لیکن تھوڑے ہی فاصلے پر پہنچ کر اُن کے درمیان ہلچل مچ گئی۔ وہ طوفانی انداز میں واپس پلٹے اور قریب آ کر گھوڑوں سے نیچے کود پڑے..... اُن کے ہاتھوں میں پستول تھے جن کا رُخ ہماری جانب تھا۔ میں اور پدما ہکا بکا رہ گئے تھے۔ دوسرے لوگوں نے لپک کر مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اُن میں سے ایک نے پدما کی کنپٹی سے پستول لگا دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو رُک گئے۔ لیکن کسی نے قریب آنے کی جرات نہیں کی۔ میں ابھی حیرت زدہ ہی تھا کہ میرے دونوں ہاتھ کس کر پشت پر باندھ دیئے گئے۔ تب میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے؟ کون ہو تم لوگ؟"

"معلوم ہو جائے گا کہ ہم لوگ کون ہیں اور یہ کیا بدتمیزی ہے....." ایک دراز قامت آدمی نے جس کی مونچھیں لمبی لمبی اور نوکیلی تھیں اور ٹھوڑی پر ایک بہت بڑا مسّہ نظر آ رہا تھا۔ طنزیہ لہجے میں کہا۔ "ہم اِس کے ساتھ کوئی بدتمیزی نہیں کریں گے۔ شرط یہی ہے کہ یہ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے۔"

"مگر کہاں؟" میں نے پوچھا۔

"جہاں تمہیں لے جایا جائے۔"

"تم لوگ پاگل معلوم ہوتے ہو۔ کیا تمہارے ہاں سیر و سیاحت کے لئے آنے والوں کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے؟" میں نے کہا۔

"بہت زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو۔ نقصان اُٹھاؤ گے۔ چلو....." دراز قد آدمی نے کہا اور وہ ہمیں آگے دھکیلنے لگے۔ تب اُن میں سے ایک بولا۔

''انہیں گھوڑوں پر بٹھا دیں مہاراج؟''

''بٹھا دو۔'' ہم دونوں کو دو گھوڑوں پر سوار کرا دیا گیا میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ پدما کو رسیوں سے نہیں کسا گیا تھا بلکہ گھوڑوں پر بیٹھے ہوئے آدمی پستول سے اُس کا نشانہ لئے ہوئے تھے۔صورت حال چند لمحے تو سمجھ ہی میں نہیں آئی تھی۔ بہرحال ہم آگے بڑھتے رہے۔ گنڈا پور میں ہمارا استقبال کافی دلچسپ ہوا تھا۔ بالآخر ہم عمارت کے حصے میں داخل ہو گئے۔ یہاں زندگی مصروف تھی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوئے تھے۔ لیکن ہمیں دیکھ کر سب کاروبار چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ مگر کسی نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔

مختلف سڑکوں، گلیوں سے گزر کر ہمیں ایک پتھروں سے بنی ہوئی عظیم الشان عمارت لے جایا گیا جسے حویلی کا نام دیا جا سکتا تھا۔ نوکیلے گنبد اُس کے آخری سرے پر نظر آ رہے تھے۔ درمیانی دروازہ بے پناہ لمبا چوڑا تھا اور اُس سے گزرنے کے بعد پتھر کی سلوں سے بنائی ہوئی سڑک تھی، جس کے دونوں اطراف نہایت خوبصورت انداز میں گھاس لگائی گئی تھی۔ ایک لمبی روش طے کر کے ہمیں صدر دروازے تک پہنچا دیا گیا۔ جہاں سے جانے کے لئے تقریباً چوبیس سیڑھیاں تھیں۔ اس کے بعد ایک اور چوبی دروازہ نظر آیا، جس میں پیتل کی کیلیں جڑی ہوئی تھیں۔ دروازے کے دونوں طرف دو دربان کھڑے ہوئے تھے جن کے جسموں پر مخصوص طرز کے رنگین لباس تھے۔ انہوں نے دروازہ کھولا، ہم لوگ اندر داخل ہو گئے۔ اندر ایک لمبی راہ داری تھی جس کے ذریعے ہمیں ایک ہال میں پہنچا دیا گیا۔

''مل گئے.....مل گئے یہ دونوں۔'' اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔

''ہاں مہاراج! پاپی دھوکہ دے رہے تھے ہمیں۔'' اُسی دراز قامت شخص نے، جو ہماری گرفتاری کا سبب بنا تھا۔

''بند کر دو انہیں۔ لے جاؤ.....'' وہ شخص دانت پیس کر بولا۔ اور وہ لوگ ہمیں پھر لے گئے۔

ہمیں ایک مخصوص کمرے میں پہنچ کر چند سیڑھیاں نیچے اُترنا پڑا۔ یہ غالباً زیر زمین خانہ تھا۔ ہمیں اس میں بند کر کے وہ خاموشی سے واپس چلے گئے۔ پدما کے ہاتھ چونکہ

ہوئے تھے چنانچہ اُس نے چند ہی لمحوں میں میرے ہاتھ کی رسّی بھی کھول دی۔ وہ خاصی خوفزدہ نظر آ رہی تھی۔

''یہ سب کیا ہے؟ یہ کیا ہو گیا؟''

''جو کچھ بھی ہوا ہے، میرے خیال میں برا نہیں ہوا۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے، ہم ہریش چندر کے پاس پہنچ چکے ہیں۔''

''اوہ.....میرا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن.....''

''تم اُس لڑکی کی ہم شکل ہو جس کی تلاش کے لئے وسنت سنگھ کو ہریش چندر نے مامور کیا تھا اور میری صورت کے بارے میں تمہیں اندازہ ہے۔''

''رنجیت کمار۔'' پدما نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

''میرا خیال ہے ہم دونوں کو انہی کے دھوکے میں پکڑا گیا ہے۔''

''اوہ.....'' پدما نے گہری سانس لی۔ بیٹھنے کے لئے کچھ نہیں تھا۔ ننگی زمین تھی۔ ہم اُس کھردری زمین پر بیٹھ گئے۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے ہوں گے کہ اچانک تہہ خانے کا دروازہ کھلا اور کچھ روشنیاں اندر آتی محسوس ہوئیں۔ آنے والوں میں وہی دراز قد آدمی تھا جس نے ہمیں گرفتار کیا تھا۔ اُس کے ساتھ چار آدمی اور بھی تھے۔ اُس نے کڑک دار آواز میں کہا۔ ''کیا تم سو گئے؟''

''نہیں.....نہیں۔ تمہاری مہمان نوازی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔''

''باہر آؤ! تمہاری اچھی طرح مہمان نوازی کی جائے گی۔'' اُس نے اُسی انداز میں کہا۔

میں اور پدما کھڑے ہو گئے۔ ہم دونوں اُن کے ساتھ چلتے رہے۔ اس بار ہمیں کئی راہ داریوں اور غلام گردشوں سے گزرنا پڑا۔ اور پھر ہمیں ایک اور کمرے میں لے جایا گیا جہاں فانوسوں کی تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک زرنگار کرسی پر دُبلے پتلے بدن کا مالک پینسٹھ ستر سالہ شخص بیٹھا ہوا تھا۔ لباس بھی شاہانہ تھا۔ کانوں میں بڑے بڑے بالے لٹک رہے تھے۔ اُس نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے ہمیں دیکھا اور اُس کے بعد اپنی جگہ سے اُٹھ کر ہمارے قریب آ گیا۔ دیر تک وہ مجھے اور پدما کو دیکھتا رہا۔ پھر بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

''یہ کیا چکر ہے؟ تم ٹھاکر رنجیت کمار ہو نا؟'' اُس نے میری طرف رُخ کر کے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟''
''تم سے جو کچھ پوچھ رہا ہوں، اُس کا جواب دو۔ میں جواب نہ دینے والے کی ز
کھینچ کر اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا کرتا ہوں۔''
''تمہارا اپنا نام کیا ہے؟'' میں نے بھی غرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔
''تم مجھے نہیں جانتے؟''
''نہیں.....''
''بکواس کرتے ہو۔''
''جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں، اُس کا وہی مقصد ہے۔ اگر تم زیادہ تیس مار خان ہو تو اطمینا
رکھو۔ آسانی سے مجھ پر قابو نہیں پا سکو گے۔'' مجھے بھی غصہ آ گیا تھا۔
وہ خونی نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر پدما کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''اور کماری
آپ.....؟ آپ اپنے بارے میں کیا کہتی ہیں؟''
پدما خاموش رہی۔ اُس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا تھا۔ پھر اُس نے طو
القامت آدمی کی طرف رُخ کر کے کہا۔ ''جاؤ..... اُن دونوں کو بھی لے آؤ۔''
دو آدمیوں نے ہمیں ایک دیوار کے ساتھ کھڑا ہونے کے لئے کہا تھا۔ زیادہ دیر نہ
گزری تھی کہ چند اور افراد اندر داخل ہوئے۔ اُن میں دو چہرے دیکھ کر میں اور
ششدر رہ گئے۔ اُن میں ایک میرا ہم شکل تھا اور دوسری بالکل پدما تھی۔ میرا ہم شکل
ٹوٹا پھوٹا نظر آ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر زخم کا نشان تھا۔ لباس بوسیدہ اور میلا کچیلا تھا۔
پر جا بجا خون کے دھبے نظر آ رہے تھے۔ مجھے یہ جاننے میں دقت نہیں ہوئی کہ وہ اصلی ٹھ
رنجیت کمار ہے۔ اُن دونوں کو بھی ہمارے برابر کھڑا کر دیا گیا۔ لیکن میری شکل دیکھ
ٹھاکر رنجیت کمار بری طرح اُچھل پڑا۔ پھر اُس نے پدما کی طرف دیکھا اور دیکھتا
گیا۔ اُس کے انداز میں بڑی عجیب سی کیفیت نظر آ رہی تھی۔ لیکن زبان سے اُس نے
کہا۔
زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا شخص جس کے بارے میں اَب میں نے اندازہ لگا لیا تھ
ہریش چندر کے علاوہ کوئی نہیں ہے، اپنی جگہ سے اُٹھ کر ہمارے سامنے آ گیا۔ پھر
چاروں کے سامنے ایک ایک منٹ تک رُک کر ہماری صورتیں دیکھتا رہا۔

''حیرت انگیز..... بہت عجیب.....'' وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ پھر میری طرف رُخ کر کے
''جانتے ہو، کون ہو تم ٹھاکر رنجیت کمار! اور تم..... تم بھی ٹھاکر رنجیت کمار ہو۔ اور لڑکی!
اُس نے پدما کی ہم شکل لڑکی کی طرف رُخ کر کے کہا۔ ''تم پدما ہو۔ اور تم بھی پدما
کیسی عجیب بات ہے۔ سنسار میں دو کردار ایک شکل کے، ایک نام کے یکجا ہو گئے ہیں۔
میرا نام سنو! میں ہریش چندر ہوں۔ دیوان ہریش چندر..... سمجھے تم لوگ۔ لوگوں کا
خیال ہے کہ مجھے دھوکہ دینے والے کسی دوسرے کو دھوکہ دینے کے لئے زندہ نہیں رہتے۔ تم
میں سے کون زندگی چاہتا ہے اور کون موت؟''
ہم چاروں ہی خاموش رہے۔ دیوان ہریش چندر میرے سامنے رُکا اور اُس نے
آہستہ سے کہا۔ ''تم بتاؤ..... تم..... تم کون ہو؟''
''میرا نام سندر لال کپور ہے۔''
''اور یہ لڑکی؟''
''اس کا نام شیتل ہے۔''
''ہوں.....'' وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا اور اُس کے بعد وہ ٹھاکر رنجیت کمار کے پاس پہنچ
گیا۔ ''اور تم..... تم کون ہو؟''
''میں سندر لال کپور ہوں اور میری ساتھی لڑکی شیتل۔'' ٹھاکر رنجیت کمار نے کہا اور ہم
دونوں چونک پڑے۔
دیوان ہریش چندر چند قدم پیچھے ہٹا اور پھر طویل القامت آدمی کی طرف رُخ کر کے
بولا۔ ''ٹھیک ہے۔ ان چاروں کو ایک جگہ بند کر دو۔ کل صبح کے بعد انہیں میرے سامنے
پیش کرو۔ میں دیکھوں گا کہ یہ کتنے پکے لوگ ہیں۔ اگر یہ اپنا اپنا نام اپنے منہ سے نہ
بتا پائیں تو دیوان ہریش چندر اپنی ناک کاٹ کر ان کے سامنے پھینک دے گا۔''
ہمیں اُسی قید خانے میں لایا گیا تھا جہاں سے انہوں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے نکالا تھا۔
قید خانے کا دروازہ بند ہوا تو ٹھاکر رنجیت کمار نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر قید خانے کے ایک در
میں نصب مشعل روشن کر دی۔ غالباً وہ پہلے بھی اسی قید خانے میں رہ چکا تھا اور یہاں کے
بارے میں اُسے معلومات حاصل تھیں۔ مشعل کی ملگجی روشنی پورے قید خانے میں پھیل گئی۔
ٹھاکر، پدما کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ''کماری پدما؟'' اُس نے سرسراتی آواز میں

کہا۔ لیکن پدما خاموش رہی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ میرا اس معاملے میں کیا ردِعمل ہوتا
ہے۔ میری اجازت کے بغیر وہ کچھ نہیں بول سکتی تھی۔

"تم خاموش کیوں ہو کماری پدما؟ میں رنجیت کمار....."

"بہتر ہے کہ اسے خاموش رہنے دو اور مجھ سے گفتگو کرو۔" میں نے بھرائے ہوئے
لہجے میں کہا اور ٹھاکر رنجیت کمار میری جانب متوجہ ہو گیا۔

"یہ بات تو میں مان سکتا ہوں دوست! مگر یہ راج کماری پدما ہیں۔ لیکن تم کون ہو؟ اور
تم ٹھاکر رنجیت کمار کیسے بن گئے؟ یہ میرے پلے نہیں پڑا۔" وہ آہستہ سے ہنسا اور بولا۔
"بڑی دلچسپ بات ہے۔ ہم دونوں میں سے ایک اصلی ہے اور ایک نقلی۔ یعنی میں اصلی
اور تم نقل۔ اور تمہاری ساتھی کماری پدما اصل اور میری ساتھی یہ لڑکی نقل..... بڑا دلچسپ
اتفاق ہے۔ کیا تم اس اتفاق پر مسکراؤ گے بھی نہیں؟"

"اطمینان سے مسکراؤں گا ٹھاکر! پہلے تم سے سوالات کرنے ہیں۔ اُن کے جواب دے
دو تو میرا خیال ہے ہمارا وقت مسکراہٹوں ہی میں گزرے گا۔"

"ہوں..... بیٹھ جاؤ۔" ٹھاکر رنجیت کمار نے کہا۔ میں اور پدما بیٹھ گئے۔ وہ بھی ہمارے
سامنے بیٹھ گئے تھے۔ رنجیت کمار کی ساتھی لڑکی بیزار بیزار سی نظر آ رہی تھی۔ ویسے وہ
حیرت انگیز طور پر پدما کی ہم شکل تھی۔

ٹھاکر چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "میں تو یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ میں ٹھاکر رنجیت
کمار ہوں اور کماری پدما مجھے اچھی طرح جانتی ہیں۔ یہ لڑکی جو میرے ساتھ ہے، اس کا
اصل نام سونیا ہے اور یہ میری دوست ہے۔ بلکہ میں نے انتہائی مہارت سے اس کا حلیہ
بدلا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ کیا تمہارے چہرے پر بھی میک اَپ ہے؟"

"نہیں..... یہ میری اصل شکل ہے۔"

"اور تمہارا نام؟"

"بتا چکا ہوں، سندر لال کپور۔"

"میرے اتنے ہم شکل کیوں ہیں؟"

"یہ نہیں معلوم۔" میں نے بے اختیار مسکرا کر کہا۔

"دیکھو دوست! بہتر یہ ہے کہ ہم دوستانہ ماحول ہی میں گفتگو کریں۔ کماری پدما

مجھے آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔ آپ یورپ سے یہاں کب پہنچیں؟"

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینا پسند نہیں کرتی ٹھاکر! تم دھوکے باز ہو۔ مکار
ہو۔"

"گڈ! میں یہ تمام باتیں تسلیم کرتا ہوں مہارانی جی! مگر آپ کو چند باتیں تو بتانا ہی ہوں
گی۔ یہ بتایئے کہ کس منصوبے کے تحت آپ اس شخص کو میرا ہم شکل بنا کر یہاں لائی ہیں؟"

"میں نے کہہ دیا کہ میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دوں گی۔"

"میں آپ کو مجبور کرنے کی جرات کر بھی نہیں سکتا۔ جو کام میں کر رہا ہوں، وہ کرتا
رہوں گا۔ ایک بات آپ کان کھول کر سن لیجئے! ہریش چندر آپ کو زندگی دینے کے لئے
نہیں بلکہ موت دینے کے لئے گرفتار کر کے لایا ہے۔ جلد یا دیر سے وہ بالآخر ہم سب کو مار
دے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم اُس وقت تک ایک دوسرے سے تعاون کریں جب تک
ہم ان ہریش چندر کی قید میں ہیں؟"

پدما کی بجائے میں نے جواب دیا۔ "میں تمہاری اس تجویز سے متفق ہوں۔ بہتر ہے،
دوستانہ ماحول میں بات کریں۔"

"تم مجھے صورت ہی سے سلیقے کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کماری پدما کا معاملہ دوسرا
ہے۔ ان کے اور میرے درمیان ایک ایسا چکر چل گیا تھا جس میں قصور میرا تھا نہ ان کا۔
بس کچھ مجبوریاں تھیں جن کی وجہ سے انہیں یہ احساس ہوا کہ میں نے انہیں دھوکہ دیا
ہے۔"

پدما نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے ایک نظر اُسے دیکھا اور پھر بولا۔ "تم
کہاں سے گرفتار ہوئے؟"

"بھائی! بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ سونیا کے بارے میں، میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ
میری دوست ہے اور مجھ سے پریم کرتی ہے۔ ہم دونوں ساتھ جیون گزارنے کا وعدہ کر چکے
ہیں۔ لیکن میں ابھی زندگی کے اس مسئلے سے گزر رہا ہوں، جس کی تکمیل کے بعد کچھ کر سکتا
ہوں۔ کوئی ڈیڑھ مہینہ پہلے ہریش چندر نے مجھے گرفتار کیا تھا اور میں اسی قید خانے میں اُس
کا قیدی تھا۔ تین چار دن پہلے میں نے ایک ترکیب لڑائی اور اُس کے چنگل سے نکل بھاگا۔
یہاں سے زیادہ دور نکلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ ہم لوگ گولہ پور کے پہاڑوں میں چھپے

ہوئے تھے کہ کم بخت کے آدمی ہم تک پہنچ گئے اور ہمیں گرفتار کرلیا گیا۔ اگر مجھے ایک بھی اور مل جاتا تو ہریش چندر کے فرشتے بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن میں یہ ہوں کہ میری یہ گرفتاری میرے لئے بڑی کارآمد ہے۔ کیونکہ میری ملاقات کماری پدما ہوگئی۔''

''اور زخموں کے یہ نشانات؟''

''انہی کم بختوں کے لگائے ہوئے ہیں۔''

''کیوں؟''

''کچھ معلومات حاصل کررہے تھے مجھ سے۔''

''کیا معلومات؟''

''کماری پدما! آپ بالکل خاموش ہیں۔ کیا آپ نے رنجیت کمار کو ساری صورت نہیں بتائی؟''

''ٹھاکر! میں تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔ تم دغا باز، دھوکے باز اور کمینے انسان ہو۔''

''کماری جی! جو کچھ بھی کہہ لیں، میں سننے کو تیار ہوں۔ لیکن حقیقی بات یہ ہے کہ اگر جنم کنڈلی لے کر وہاں سے فرار نہ ہو جاتا تو مجھے اور آپ کو قتل کر دیا جاتا۔ ہم پرائے میں تھے۔ میں اُن لوگوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ مجبوراً مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اور یقین کریں کہ اس جنم کنڈلی ہی کی وجہ سے آپ بھی زندہ ہیں۔ اگر وہ جنم کنڈلی انگریزوں کے ہاتھ لگ جاتی تو آپ کی ضرورت انہیں باقی نہ رہتی۔ ایک طرح سے نے آپ سے برائی مول لے کر آپ کا جیون بچایا ہے۔''

''تم اتنے دغا باز ہو کہ میں تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کرسکتی۔''

''آنے والا سمے آپ کو اس بات کا پورا پورا یقین دلا دے گا۔ ویسے سندر لال کی میں آپ سے ایک بات کہوں، ہریش چندر بڑا ہی کینہ پرور انسان ہے۔ یہ جو کچھ کر اُس کے بارے میں آپ یا کماری پدما نہیں جانتے۔ اگر ہم اس کے قیدی رہے تو لیں کہ نہ تو ہم زندہ رہیں گے اور نہ کماری پدما اپنا مقصد پاسکیں گی۔''

''تم مجھے ساری تفصیلات بتاؤ تو میں اس سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کروں۔''

''ایک ایک بات بتا دوں گا آپ کو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے ہم یہاں سے نکل جائیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیا ہماری زندگی طویل ہے؟ میں دعوے سے کہہ سکتا کہ اب چونکہ کماری پدما اُس کے ہاتھ لگ گئی ہیں اس لئے وہ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔''

''تم یہاں سے کیسے نکل بھاگے تھے؟''

''میں نے ایک آدمی کو پھانس لیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے اس فرار کے سلسلے میں اُس کا نام کبھی نہیں آیا ہوگا۔ البتہ اب یہ لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ میں یہاں سے کیسے بھاگا؟ میں اُس کا نام نہیں بتاؤں گا اور کوشش کروں گا کہ دوبارہ اُسے اپنے لئے تیار کرلوں۔ اس بار ہم ذرا مختلف انداز میں کام کریں گے۔ آپ سے ایک بات میں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ آپ نے اگر میری بات نہ مانی اور یہاں رُکے رہنے پر ضد کی تو نہ صرف اپنے دشمن بنیں گے بلکہ کماری پدما کے بھی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھ سے تعاون کریں اور یہاں سے فرار ہو جائیں۔''

میں نے پدما کی طرف دیکھا۔ وہ سپاٹ نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ گویا اُس نے فیصلہ مجھ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ رنجیت کمار کی بات میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔ لیکن ہوسکتا ہے وہ جو کچھ کہہ رہا ہو، سچ کہہ رہا ہو۔ ہریش چندر اگر ہماری جان کا دشمن ہے تو پھر مسئلہ گڑبڑ ہو جائے گا۔ بہرطور! میں نے اس سلسلے میں پدما سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کرلیا اور ٹھاکر سے کہا۔

''میں پدما کی مرضی کے بغیر کچھ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تم وہ گوشہ اپنا لو اور اس گوشے میں ہمیں رہنے دو۔ ہم لوگ آپس میں صلاح مشورہ کریں گے اور اس کے بعد فیصلہ کرسکیں گے۔''

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔'' ٹھاکر نے جواب دیا اور میں پدما کے ساتھ تہہ خانے کے دوسرے گوشے میں چلا گیا۔ پدما دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگئی۔ میں اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا تھا جبکہ اصل ٹھاکر رنجیت کمار، پدما کی ہم شکل لڑکی سونیا کے ساتھ دوسرے گوشے میں بیٹھا ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

''کیا خیال ہے؟ کیا کہتی ہو تم اس شرط کے بارے میں؟'' میں نے پدما سے پوچھا۔

''میرا تو دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں؟''

''اگر ہریش چندر ہمیں قتل کرنا چاہتا ہے تو میرا خیال ہے پدما! ہمارے پاس بچاؤ کوئی ذریعہ نہیں ہے۔''

''میں بھی یہی سوچ رہی ہوں کہ ہریش چندر سے بات کر کے یہ کیسے پتہ لگایا جائے وہ ہم سے کیا چاہتا ہے؟''

''واقعی معاملہ بے حد اُلجھا ہوا ہے۔ بہرطور! دیکھ لیتے ہیں۔ ابھی جلدی کیا ہے؟ جیسی بھی صورت حال ہوئی، اُس کے مطابق کریں گے۔''

میں نے ٹھاکر کو اس وقت کچھ نہیں بتایا۔ وہ بھی غالباً سونے کے لئے لیٹ گیا تھا۔ پدما میرے قریب ہی دراز ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی گہری نیند سو گئی۔ البتہ میں جاگ رہا تھا اور دل ہی دل میں راعمیس کو کوس رہا تھا۔ میں نے اُسے بار بار پکارا لیکن اُس کی آواز میرے کانوں میں نہ گونجی۔ اس وقت مجھے اُس کی شدید ضرورت تھی۔ تاکہ اور کچھ نہیں تو کم از کم کوئی صحیح فیصلہ ہی اُس کے مشورے سے کر سکوں۔

☆.....☆.....☆

دوسری صبح ہم جاگے تو ہمارے بدن بھوک سے نڈھال تھے۔ لیکن اس وقت ہمارے ساتھ مہربانی کی گئی۔ صبح کا ناشتہ بہت شاندار تھا۔ تمام کسر پوری کر دی گئی تھی۔ ہم چاروں ہی آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

ٹھاکر ناشتے کے بعد بولا۔ ''کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لیا ہو گا تم نے.....''

''کماری پدما کا کہنا ہے کہ وہ تم پر بالکل بھروسہ نہیں کر سکتیں۔''

''تو ٹھیک ہے۔ ہمارا تو جو کچھ ہو گا، لیکن میں ایک بات صاف کہے دے رہا ہوں۔ اب اگر میری ملاقات ہریش چندر سے ہوئی تو میں صاف کہہ دوں گا کہ یہ کماری پدما ہیں۔ سونیا کی اصل شکل انہیں دکھا دوں گا تو صورت حال واضح ہو جائے گی۔ تم مجھے اس سے نہیں روک سکتے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ناشتے سے فارغ ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ بہت سے سپاہی اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے ہم سے چلنے کے لئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد ہم پھر کل والے کمرے میں موجود تھے۔

دیوان ہریش ہمیں دیکھ کر مسکرایا۔ اور پھر رنجیت کمار کی طرف رُخ کر کے بولا۔

''ٹھاکر! یہ بات تو میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ اصل ٹھاکر رنجیت کمار تم ہو۔ لیکن ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرنا باقی ہے۔ ان میں سے اصل کماری پدما کون ہے؟''

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اصل ٹھاکر میں ہوں؟''

''بڑی معمولی بات ہے۔ تمہارے جسم پر زخموں کے نشانات ہیں جو ہمارے لگائے ہوئے ہیں اور اس آدمی کے بدن یا چہرے پر ایک بھی زخم نہیں ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟''

رنجیت کمار دانت پیس کر خاموش ہو گیا۔ تب ہریش چندر نے پدما اور سونیا کو اپنے

سامنے بلایا اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''بہتر یہ ہے کہ تم لوگ مجھے خود ہی بتا دو کہ اصل کماری پدما کون ہے؟ تا کہ میں کام کی بات کر سکوں۔''

پدما نے کہا۔ ''اصل پدما میں ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی سونیا بول پڑی۔ ''نہیں! یہ جھوٹ کہتی ہے۔ اصل پدما میں ہوں۔''

ٹھاکر رنجیت کمار کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ حالانکہ اُس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ اصل کماری پدما کا حوالہ دے دے گا۔ لیکن اُس وقت اُس کی ساتھی سونیا نے اُس کی یہ بات غلط ثابت کر دی تھی۔ اُس کے چہرے کی مسکراہٹ یہ بتاتی تھی کہ یہ تمام منصوبہ اسی کا ہے۔

''دیکھو! تم دونوں سن لو کہ تم میں سے جو کماری پدما ہے، اُس کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ اگر میں چاہوں تو تم دونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بھوکے کتوں کے سامنے ڈال دوں۔ اگر یہ مجھے پتہ چل جائے کہ تم میں سے اصل کون ہے تو ہو سکتا ہے کہ تم سے کام کی بات کر کے تمہاری زندگی بخش دوں۔ بہتر یہی ہے کہ تم دونوں آپس میں فیصلہ کر لو اور مجھے صورت حال سے آگاہ کر دو۔''

''میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ اصل پدما میں ہوں۔'' سونیا نے کہا۔

''نہیں..... اصل پدما میں ہوں۔'' سونیا کے بعد پدما نے کہا اور ہریش چندر پریشان نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ تھوڑا سا انتظار کر لو۔ میں نے تو چاہا تھا کہ تم سے سودے بازی کر لی جائے اور تمہارا کام بھی بن جائے۔ لیکن تم دونوں موت کو گلے لگانے کے لئے تیار ہو تو پھر میرا کیا دوش؟ جاؤ..... انہیں لے جاؤ اور بند کر دو۔ شام کو ہم ان کا فیصلہ کر دیں گے۔''

ہمیں دوبارہ اُسی قید خانے میں پہنچا دیا گیا۔ ماحول میں گھٹن سی تھی۔ پدما نڈھال ہو کر میرے قریب بیٹھ گئی تھی۔ ''یہ تو واقعی زندگی کا عذاب ہو گیا۔ پتہ نہیں تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ ہریش چندر سے ملاقات کے سلسلے میں یہ سوچا تھا کہ شاید اُس کے قبضے میں جانے سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے۔ لیکن اس کی زبان کچھ اور ہی ہے۔ کیا ہم نے یہاں آ کر غلطی کی ہے منصور؟''

''سمجھ میں نہیں آتا پدما! اتنا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم یہاں پہنچے۔ خیال یہی تھا کہ

ہریش چندر نے پدما کے حصول کے لئے وسنت سنگھ کو جتنی بڑی رقم کی پیشکش کی تھی، اُس کے بعد ہماری دستیابی اُس کے لئے بڑی اہم ثابت ہو گی۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ رنجیت کمار نے یہاں آ کر سارا کھیل خراب کر دیا ہے۔ ویسے یہ بھی سوچنا ہے کہ رنجیت کمار اُس لڑکی کو پدما بنا کر یہاں کیوں لایا ہے؟''

''وہ بہت گہرا آدمی ہے۔ میں خود اُس سے دھوکہ کھا چکی ہوں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ میری جنم کنڈلی لے کر فرار ہو گیا تھا اور اُس کے بعد مجھے اُس کا پتہ نہیں چل سکا۔ جب کہ اس سے پہلے نہ جانے اُس نے مجھے کیسی کیسی باتیں کہی تھیں۔ بیچارہ بیل کیروسا اور اُس کی بہن بھی اسی چکر میں ماری گئی۔''

''خیر! پرانی باتیں دُہرانے سے کچھ نہیں حاصل ہو گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اَب کیا، کیا جائے؟''

''فی الحال تو ہم قیدی ہیں۔ ہریش چندر سے اگر براہِ راست بات چیت کی جائے اور یہ تمام باتیں اُس پر ظاہر کر دی جائیں تو اُس کے نتائج کیا ہوں گے؟ اس کا بھی کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مجھے تو یوں لگتا ہے منصور! جیسے میں تمام زندگی ایسے ہی رہوں گی اور اپنے بارے میں کبھی نہیں جان سکوں گی۔ پتہ نہیں دل میں کیسے کیسے خیالات آتے ہیں۔ کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ..... کہ.....''

پدما جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد اُس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں بھی خیالات میں ڈوب گیا تھا۔ رہ رہ کر راعمیس کا خیال آ جاتا تھا اور میں سوچتا تھا کہ اگر وہ ہوتا تو ممکن ہے اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکتا۔ بہرطور! جو نہیں تھا اُس کے بارے میں سوچ کر خوامخواہ اپنے ذہن کو تھکانے سے کیا فائدہ؟''

صبح ہو گئی اور پھر پورا دن گزر گیا۔ اس دوران کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ ہمارے لئے کھانا برابر آتا رہا۔ رات ایک بار پھر دیوان ہریش چندر کی طرف سے بلاوا آیا۔ لیکن اِس بار ہم دونوں کو بلایا گیا تھا۔ ہم دیوان ہریش چندر کے پاس پہنچ گئے۔ وہ اس بار ایک اور نشست گاہ میں بیٹھا تھا اور اُس کے چہرے پر شدید جھنجلاہٹ کے آثار تھے۔

''تم لوگوں نے آپس میں کوئی فیصلہ کر لیا ہو گا۔ میں کب تک تمہارا انتظار کروں؟ بالآخر مجبور ہو جاؤں گا تو تم سب کو قتل کر دوں گا۔ تا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔''

پدما نے ہریش چندر کی طرف دیکھا اور بولی۔ ''دیوان ہریش چندر! اگر تم یہ بتانا پسند کرو کہ تمہارا مقصد کیا ہے تو ہوسکتا ہے ہم تمہاری مدد کریں۔''

''پہلے تم مجھے یہ یقین دلا دو کہ تم اصل پدما ہو؟''

''ہاں..... میں اصل پدما ہوں۔'' پدما نے غالباً اپنے طور پر کوئی فیصلہ کرلیا تھا۔

''تمہارے یہ الفاظ کافی نہیں ہیں۔ اگر تم اصل پدما ہو تو وہ لڑکی کون ہے؟''

''یہ جاننا تمہارا کام ہے ہریش چندر! لیکن میں تم سے دوٹوک بات کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے بتاؤ! میں کون ہوں؟ میرے ماتا پتا کون ہیں؟ میں نے گوپال سانگا کے ہاں پرورش کیوں پائی؟ مجھے یہاں سے اغواء کیوں کیا گیا؟ یہ ساری باتیں اگر تم مجھے بتا سکتے ہو تو بتا دو۔ اس کے بدلے تم جو کچھ کہو گے، میں تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔''

ہریش چندر طنزیہ انداز میں ہنسنے لگا۔ ''یہ تمام باتیں تو مجھ سے وہ لڑکی بھی کر چکی ہے جو رنجیت کمار کے ساتھ ہے۔ تم مجھ سے جنم کنڈلی کی بات کرو۔ تمہاری جنم کنڈلی کہاں ہے؟''

''وہ ٹھاکر رنجیت کمار کے پاس ہے۔'' پدما نے جواب دیا اور ہریش چندر میری طرف متوجہ ہوگیا۔

''کیوں ٹھاکر! تم کیا کہتے ہو اس بارے میں؟''

''بھائی میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرا نام رنجیت کمار نہیں، سندر لال ہے۔ اور میرا ان واقعات سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ میں کماری پدما کے باڈی گارڈ کی حیثیت رکھتا ہوں۔''

''تم سب فریب کر رہے ہو۔ لیکن میں تمہارے فریب کا پردہ چاک کر دوں گا۔ آخری بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ جنم کنڈلی میرے حوالے کر دو۔ اور ساتھ ہی اصل پدما بھی۔ ورنہ تم لوگوں کے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔ میں نے تمہیں اس وقت اسی لئے تکلیف دی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ہاتھوں تمہارے ساتھ کوئی سخت سلوک نہ ہو۔ لیکن شرط یہی ہے کہ تم اس سلسلے میں خود بھی مجھ سے تعاون کرو۔''

اُس نے ایک بار پھر ہمیں قید خانے بھیجنے کا حکم دے دیا۔ رنجیت کمار اور سونیا بالکل مطمئن تھے۔ انہیں ذرا بھی تشویش نہیں تھی کہ ہمارے ہریش چندر کے پاس جانے سے ان پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ میں نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا تھا۔ رنجیت کمار نے مجھ سے

اب بھی سوال نہیں کیا۔

پدما کہنے لگی۔ ''یہ بہت مطمئن معلوم ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے؟ اس سلسلے میں ہمارے ہاتھوں میں تو کوئی بات نہیں رہی۔ غالباً اُس نے کچھ اس طرح کی کارروائیاں کی ہیں کہ ہریش چندر بالکل بوکھلا کر رہ گیا ہے۔ میرے انکشافات بھی اُس کے لئے حیرت انگیز نہیں تھے۔''

''میں تو سوچ رہا ہوں کہ اس وقت رنجیت کمار ہی سے تعاون کیا جائے۔ ہریش چندر تو ذہنی طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ تمہاری مشکلوں کا حل اسی شخص کے پاس ہے۔''

''خود میرا بھی یہی خیال ہے۔'' پدما نے جواب دیا۔

''میں جانتا ہوں کہ ہریش چندر نے تم لوگوں سے کیا سوالات کئے ہوں گے اور تم نے اس کا بھی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ ہم سے الگ ہٹ کر بھی تم اُسے اپنے آپ سے متاثر نہیں کر سکتے۔ بہتر یہ نہیں ہوگا کماری پدما! کہ آپ میرے ساتھ ہی تعاون کریں۔ اس کے باوجود میری طرف سے اجازت ہے کہ اگر آپ اپنے طور پر کچھ کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔ لیکن اگر مجھ سے تعاون کے بارے میں فیصلہ کرلیں تو پھر میرا ساتھ دیں۔''

''رنجیت کمار! جب تک تم مجھے جنم کنڈلی کے بارے میں نہیں بتاؤ گے، میں تم سے کوئی تعاون نہیں کروں گی۔ تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے میرے اعتماد کو دھوکہ دیا تھا۔''

''بہت سے اندازے آپ نے میرے بارے میں قائم کئے ہوں گے کماری پدما! اور بہت سے میں نے دوسروں کے بارے میں کئے تھے۔ بدقسمتی تو یہی ہے کہ جنم کنڈلی میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ اگر وہ میرے پاس ہوتی تو شاید اس وقت تک میں اپنے مقصد کی تکمیل کر چکا ہوتا۔ وہ کرنل جیمز کے ساتھیوں نے اُڑا لی تھی۔''

''تم بکواس کرتے ہو۔ کرنل جیمز اتنا بے وقوف نہیں معلوم ہوتا کہ جنم کنڈلی کے حصول کے بعد بھی وہ کوئی کارروائی کرتا۔ اُس نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ جنم کنڈلی اُس کے پاس نہیں ہے۔''

''بکواس کرتا ہے۔ اُس کا پلان کچھ اور ہوگا۔ بہرطور! میں آپ کو کیسے اطمینان دلاؤں؟ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

''تم نے سونیا کو پدما کیوں بنا ڈالا؟''

''میں نہیں جانتا تھا کہ جنم کنڈلی ہریش چندر تک پہنچی ہے یا نہیں اور ہریش چندر تک آنے کے لئے پدما کا سہارا ضروری تھا۔ یہاں آ کر مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ جنم کنڈلی اس کے پاس بھی نہیں ہے۔ اور وہ بھی اسی لئے بھٹک رہا ہے۔''

''تو پھر اَب کیا کرنا ہے؟''

''فی الحال کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ مجھ سے تعاون کریں تو میں آگے قدم بڑھاؤں۔ میرے ساتھ تو یہ مشکل ہے کہ جب جنم کنڈلی میرے پاس تھی تو آپ نہیں تھیں۔ اور اب آپ میرے پاس ہیں تو جنم کنڈلی نہیں ہے۔ تاہم! میرے پاس کچھ ایسے ثبوت موجود ہیں جن کے ذریعے میں وہ کام کر سکتا ہوں جو آپ کے بس کی بات نہیں۔''

''اس کے لئے تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟'' پدما نے پوچھا۔

''تعاون..... مکمل تعاون۔''

''لیکن اس قید خانے میں تم سے تعاون کرنا بھی تو بے معنی ہے۔''

''میں نے کہا نا، ہم انتظار کر رہے ہیں۔ اگر آپ ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جائیں تو ہم لوگ ساتھ ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔ اس بات پر آپ بھروسہ رکھیں کہ ہمارا یہاں بال بیکا بھی نہیں ہو گا۔ ہریش چندر کسی قیمت پر ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اس میں خود اُس کا بھی نقصان ہے۔ باقی رہا یہاں سے نکلنے کا مسئلہ تو میں مطمئن ہوں۔ وہ شخص آج نہیں تو کل میرے پاس آئے گا جس نے مجھے پہلے فرار کرایا تھا۔''

پدما گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ مجھ سے مشورہ تو ہو ہی چکا تھا اور اب اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہیں رہ گئی تھی۔ چنانچہ اُس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں اپنے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ اس سے زیادہ میری اور کوئی خواہش نہیں ہے ٹھاکر! اس لئے اگر تم اس بات کا وعدہ کرو کہ یہاں سے نکلنے کے بعد میرے تعاون سے تم اپنا مقصد حل کر کے مجھے میری منزل تک پہنچا دو گے تو میں تمہارے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''یہ پیش کش تو میں نے پہلے ہی آپ کو کی تھی۔ اگر اُس وقت آپ اس کے لئے تیار ہو جاتیں تو میرا خیال ہے، درمیان کے لوگ ہمارے راستے نہیں کاٹ سکتے تھے۔ اُس وقت آپ نے ایک بے مقصد ضد کی تھی۔''

''ٹھیک ہے۔ اُس وقت کی بات اُس وقت رہی۔ اب جو کچھ میں کہہ رہی ہوں، اُس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے۔ آپ اطمینان سے ہمارے ساتھ رہیں۔ میں جب ایک بات بھروسے سے کہہ رہا ہوں تو آپ کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔''

اس کے بعد ہمارے درمیان تعاون رہا تھا۔ اور ہم سب یکجا ہو گئے تھے۔ سونیا عموماً خاموش رہتی تھی۔ کم گو لڑکی تھی۔ کسی قدر سنجیدہ بھی۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان تمام معاملات سے وہ بری طرح اُکتائی ہوئی ہے۔ لیکن زبان سے کچھ نہیں کہتی تھی۔

مزید دو دن گزر گئے۔ تیسری رات ہمارے لئے جو شخص کھانا لایا، وہ اجنبی تھا اور تنہا ہی تھا۔ اندر داخل ہونے کے بعد اُس نے جلدی سے کھانے کے برتن رکھے اور رنجیت کمار کے پاس پہنچ گیا۔ ''اوہ ٹھاکر..... ٹھاکر! میں یہاں موجود نہیں تھا۔ میں دیوان جی کے کام سے کہیں گیا ہوا تھا۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ تم دوبارہ..... دوبارہ.....''

''ہاں! بس ایسا ہی ہوا ہے۔ بدقسمتی مجھے دوبارہ ان کے چنگل میں لے آئی۔ میں زیادہ دور نہیں نکل سکا تھا اور اس کی بنیادی وجہ ایک غلطی تھی۔''

''کیا؟'' اجنبی نے پوچھا۔

''ہمارے پاس گھوڑے نہیں تھے۔ اور ہم پیدل زیادہ دُور تک نہیں نکل سکے تھے۔''

پہلی بار اجنبی نے میری طرف اور پھر پدما کی طرف دیکھا اور بری طرح اُچھل پڑا۔

''یہ..... یہ دونوں کون ہیں؟''

''ہمارے ہم شکل۔''

''یہ کہاں سے آئے؟''

''بس! یہ بھی ہماری طرح پھنس گئے ہیں بے چارے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ ہمارے فرار کے لئے مزید کیا کر سکتے ہو؟''

''میں صبح واپس آ گیا تھا اور آتے ہی مجھے پتہ چل گیا تھا کہ آپ دوبارہ اُن کے قبضے میں آ گئے ہیں۔ آپ کا یہاں سے نکل جانا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ یہ سب میرے لئے بھی مصیبت کا باعث بن سکتا ہے۔ چنانچہ سارا دن میں اسی کوشش میں مصروف رہا ہوں کہ اس بار آپ کو اس طرح نکالوں کہ آپ دوبارہ ان کے ہتھے نہ چڑھ سکیں۔''

''میں جانتا تھا کہ تم کتنے سمجھ دار آدمی ہو۔'' ٹھاکر رنجیت کمار نے فخریہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ ''لیکن اب تم نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ فرار ہونے والے دو نہیں بلکہ چار آدمی ہیں۔''

''کاش! یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہوتی۔ لیکن آپ چنتا نہ کریں۔ ان لوگوں کے لئے بھی گھوڑوں کا بندوبست کر دیا جائے گا۔''

''تو پھر ہمیں کیا کرنا ہے ونود؟''

''آپ کو کچھ نہیں کرنا۔ آپ آرام سے یہاں بیٹھے رہئے۔ میں آپ کو وقت مقررہ پر آ کر اطلاع کر دوں گا۔''

''چار گھوڑے تیار رکھنا۔ میرا خیال ہے اس بار ہم کسی دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔''

''ہاں مہاراج! بہتر تو یہ ہے کہ آپ اس بار تلسی نگر کی طرف چلے جائیں۔ تلسی نگر جانے والے راستے کی طرف اُن کی توجہ نہیں جائے گی۔ کیونکہ وہ بہت دُشوار گزار ہے اور پہاڑوں سے گزرتا ہے۔ کوئی بھی سمجھ دار آدمی اس طرف کا رُخ نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اسی طرف جاؤں گا۔'' ٹھاکر رنجیت کمار نے کہا۔

اس کے بعد ونود چلا گیا۔ رنجیت کمار مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ''تم نے دیکھا، جو کچھ میں نے کہا تھا وہ غلط نہیں تھا؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ظاہر ہے ٹھاکر کے معاملات میری سمجھ سے باہر تھے۔

رات کے تقریباً گیارہ بجے ہوں گے، جب ونود واپس آ گیا۔ اُس کے پاس کچھ سامان تھا جو ایک پوٹلی میں بندھا ہوا تھا۔ وہ سامان اُس نے رنجیت کمار کو دیتے ہوئے کہا۔ ''آئیے مہاراج.....! سب ہو چکا ہے.....''

''تمام کام ٹھیک کر لئے ہیں؟''

''بالکل! اس بار ونود دھوکہ نہیں کھائے گا۔''

ٹھاکر نے کچھ نہ کہا۔ سونیا اور پدما کھڑی ہو گئی تھیں۔ ہم چاروں قید خانے سے باہر آ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن قید خانے کے اس راستے کی جانب ہم نے سفر نہ کیا جدھر سے گزر کر ہم ابھی تک ہریش چندر کے پاس جاتے رہے تھے۔ بلکہ ونود ہمیں ساتھ لئے ہوئے ایک بغلی راہ داری کی جانب چل پڑا تھا۔ یہ راہ داری باغ کے عقبی گوشے میں

تھی۔ اور یہاں سے ہمیں دیوار عبور کرنی پڑی تھی۔ ونود ہمارے ساتھ ساتھ ہی تھا۔ ی دوسری جانب چار گھوڑے موجود تھے جن پر زینیں کسی ہوئی تھیں۔ ونود نے ہمیں ری بار پرنام کیا اور اُس کے بعد ہم نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی.....

کام اتنا آسان ہوگا، میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔ لیکن بہرطور! اب اس سلسلے میں وشنید بے معنی تھی۔ چنانچہ ہم ٹھاکر رنجیت کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے۔ تاریک چاروں طرف مسلط تھی۔ کتے بھونک رہے تھے۔ ہم اس طرح گھوڑے آگے بڑھا ے تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بھی نہ سنائی دے۔ ویسے مضبوط اور توانا گھوڑے تھے۔ پدما سے میں نے گھڑ سواری کے بارے میں پوچھا تو اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں! میں بہترین گھڑ سوار ہوں۔''

سونیا بھی بڑے آرام سے گھوڑے کی پشت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ہم بے آواز چلتے ہوئے آخر بستی کے آخری سرے پر آ گئے۔ اور جب بستی کا آخری مکان بھی پیچھے رہ گیا تو رنجیت ر نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بس! اب تیز رفتاری ہی ہماری مشکل حل کر سکتی ہے۔''

ہم نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ رنجیت کمار سب سے پیچھے تھا۔ اُس نے ایک سیدھ متعین کر لی تھی۔ چنانچہ عورتوں کی دونوں طرف سے حفاظت کی جا رہی تھی۔ میں آگے آگے اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا اور اس کوشش میں تھا کہ ان لوگوں سے زیادہ دُور نہ نکلنے پاؤں۔

عجیب وغریب صورت حال تھی۔ کار تو چلائی تھی لیکن گھڑ سواری کی زیادہ مشق نہیں تھی۔ لئے اپنے آپ کو گھوڑے کی پشت پر جمانے کے لئے بڑی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ ہم نچے نیچے ٹیلے عبور کرتے رہے۔ کھائیوں میں بھی اُترنا پڑا اور گڑھوں میں سے بھی گزرنا پڑا۔ واقعی بڑا ہولناک سفر تھا..... بعض جگہیں تو ایسی تھیں کہ گردن گھما کر دیکھتا تو دل کی حرکت بند ہونے لگتی تھی۔ ایک طرف بلند و بالا پہاڑ، دوسری طرف اتنی گہری کھائی کہ نیچے زمین نظر نہیں آتی تھی۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جس راستے پر گھوڑے دوڑ رہے تھے، وہ زیادہ سے زیادہ تین یا چار فٹ چوڑا تھا اور اُس کے کنارے بالکل سپاٹ تھے۔ گھوڑے کا کوئی بھی پاؤں غلط پڑتا تو وہ اپنے آپ کو سوار سمیت گہرائیوں میں گرنے سے نہیں روک

سکتا تھا۔ میں خوف کی وجہ سے آنکھیں بند کئے گھوڑا دوڑا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے یہ راستہ ختم ہوا اور اس کے بعد سپاٹ میدان آ گیا جس کے
سرے پر درخت نظر آ رہے تھے۔ گویا اب جنگل شروع ہونے جا رہا تھا۔ ہم سپاٹ م
میں دوڑتے رہے۔ پھر درختوں میں داخل ہو گئے۔ جنگلوں کے درمیان گھوڑوں کا
حد دشوار گزار تھا۔ میں نے گھوڑے کی رفتار سست کر لی۔ وہ سب میرے نزدیک
تھے۔ میں نے ٹھاکر رنجیت کمار سے پوچھا۔

''جس طرف تم جا رہے ہو، کیا وہاں جانے کے لئے کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے؟''

''اول تو باقاعدہ راستہ نہیں ہے۔ لیکن دوسری بات یہ ہے کہ میں اس طرف جا بھی
رہا۔ ونود لاکھ میرا وفادار سہی۔ لیکن مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے۔ اگر کہیں ہریش چند
شبہ ہو گیا کہ ہمارے فرار میں اُس کا ہاتھ ہے تو ظاہر ہے کسی نہ کسی طرح وہ یہ بات ا
لے گا کہ ہم لوگ کہاں گئے ہیں۔ میں نے اس خطرے کو مدنظر رکھا ہے اور اُس طرف
جا رہا، جدھر ونود نے کہا تھا۔''

میں نے رنجیت کی بات پر غور کیا تو مجھے اُس کی یہ دانش مندی پسند آئی۔ اور اُس
بعد ہم جنگل میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ صبح کے وقت گھوڑے بالکل ہی تھک گ
ٹھاکر نے گھوڑے کی پشت چھوڑ دی۔ اُس کے نیچے اُترتے ہی ہم سب بھی نیچے اُتر آئے
میں نے کہا۔ ''ٹھاکر! کیا خیال ہے؟ قیام کے لئے یہ جگہ موزوں ہو گی؟''

''موزوں تو نہیں ہے۔ لیکن گھوڑے بری طرح تھک گئے ہیں۔ اگر ہم ایک دو گھنٹے
سفر اور کر لیں تو ان پہاڑوں کو عبور کر کے ایک ایسے حصے میں جا نکلیں گے جہاں ایک ند
پڑتی ہے۔ ندی کے کنارے درخت بھی ہیں۔ علاقہ بالکل سنسان ہے اور آس پاس کسی
گزرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔''

''تو پھر کیوں نہ گھوڑوں کا یہ سفر بھی کر لیا جائے تا کہ ندی کے قریب پہنچ کر آرام
وقت گزارا جائے۔ ورنہ یہاں تھوڑی دیر کے بعد سورج سروں پر پہنچ جائے گا تو پہاڑ
کی طرح تپنے لگیں گے۔''

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ تمہیں راجپوتانہ کے بارے میں کیسے معلومات حاصل ہیں''

''کچھ نہیں۔ بس! یہاں کا ماحول دیکھ چکا ہوں۔''

ہم بہ مشکل تمام گھوڑوں پر بیٹھ کر آگے بڑھے۔ گھوڑے واقعی اب جگہ جگہ اڑ رہے
لیکن کسی نہ کسی طرح انہیں چمکار اور مار کر بالآخر ہم اس میدان کو عبور کرنے میں
کامیاب ہو گئے جو اونچے نیچے چٹانی ٹیلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اور اس کے بعد جب ہم ایک
ے گزر کر ڈھلان پر پہنچے تو وہ ندی ہمیں نظر آ گئی..... جگہ جگہ گھاس نظر آ رہی تھی۔
ے گھاس دیکھ کر تیزی سے اُس کی جانب بڑھے تھے۔

ندی کے قریب پہنچ کر ہم نے گھوڑوں کو آزاد چھوڑ دیا اور خود درختوں کی چھاؤں میں
کر گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ پدما اور سونیا کی کیفیت بھی ہم دونوں سے مختلف نہیں

ندی کے کنارے کچھ دیر آرام کرنے اور کھانا کھانے کے بعد ہم سفر کے اگلے حصے کے
تیار ہو گئے۔ لیکن رنجیت کمار زمین پر ہی پڑا رہا۔ میں نے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو
نے آنکھیں کھول دیں۔

''میں.... میں سخت بیمار ہوں.... میرا پورا بدن... بے جان ہو رہا ہے.....'' وہ کانپتی
آواز میں بولا۔

''اوہ! رنجیت! ہمیں ہمت سے کام لینا ہو گا۔ یہاں تو تمہارا کوئی علاج بھی نہیں ہو
مجھے بتاؤ! آس پاس کوئی بستی ہے۔ میں تو ان علاقوں سے بالکل ناواقف ہوں۔''

''ہاں! دریا کے کنارے ہم تقریباً دو میل چل کر دریا عبور کریں اور تقریباً تین چار میل
طے کر لیں تو ہمیں بستی مالک پورہ مل جائے گی۔ مالک پورہ اچھی خاصی بستی ہے اور
خیال ہے ہمارے لئے محفوظ بھی۔ کیونکہ اس طرف ان لوگوں کا کوئی عمل دخل نہیں

''دریا کے کس سمت سفر کرنا ہو گا ہمیں؟''

''ئیں سمت.....'' اُس نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔

یہ بات میں نے احتیاطاً پوچھ لی تھی کہ اگر کہیں رنجیت کمار کی حالت زیادہ بگڑ جائے تو
اُسے کسی بستی تک پہنچا تو سکوں۔ اس وقت رنجیت کمار ہمارے لئے خاصی اہمیت
گیا تھا۔ چنانچہ اُس کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ وہ اسی طرح پڑا رہا۔ میں نے اور
بھی اُس کی تیمارداری کی۔ اور سونیا تو اُس کی دوست اور محبوبہ تھی۔

رنجیت کمار کو بخار نہیں تھا۔ لیکن وہ مسلسل کراہے جا رہا تھا۔ اور ہمیں اُس کی
خاصی خراب محسوس ہو رہی تھی۔ طے یہ کیا گیا کہ رات یہیں گزاری جائے۔ اِس
میں رنجیت کمار سفر نہیں کر سکتا تھا۔

رات کو تھوڑا بہت کھانا کھایا گیا۔ جو اَب ختم ہونے کے قریب تھا۔ رنجیت کمار نے
وقت کچھ نہیں کھایا تھا۔ اُس کے ہونٹ خشک تھے اور آنکھیں چڑھی جا رہی تھیں۔
اِس کیفیت کو دیکھ کر ہمیں تشویش ہوتی رہی۔ بہرطور! بارہ ساڑھے بارہ تک ہم لوگ
رہے اور اُس کے بعد آنکھیں جھپکنے لگیں۔ پدما تو مجھ سے پہلے ہی سو گئی تھی۔ لیکن میں
دیر تک جاگتا رہا تھا۔ پھر جانے کب نیند آ گئی.....

رات کے کسی پہر، دفعتہً میرے کانوں نے ایک چیخ سنی اور میں ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔
دوبارہ سنائی دی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔
چیخ پر غور کیا تو وہ پدما کے علاوہ اور کسی کی آواز نہیں تھی۔ میں وحشت زدہ انداز میں
گیا۔ ایک عجیب و غریب منظر میرے سامنے تھا..... پدما، رنجیت کمار کے بازوؤں میں
مچل رہی تھی۔ اور وہ اُسے گھوڑے پر بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ
کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟

دیکھتے ہی دیکھتے رنجیت کمار گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھر اُس نے گھوڑے کی پ
ہاتھ مارا اور گھوڑے نے زقند لگا دی۔ اسی وقت میں ہوش میں آ گیا۔ رنجیت کمار
لئے جا رہا تھا..... میں نے تیزی سے پلٹ کر دوسرے گھوڑوں کی طرف نگاہ دوڑائی۔
ایک اور منظر نے میرے اوسان خطا کر دیئے۔ مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر ایک
زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اور مجھے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ زندہ نہیں ہے۔ میں اُ
قریب پہنچا تو میں نے وہ وحشت ناک منظر دیکھا..... گھوڑے کی گردن پر خنجر پیوست
تھا۔ اُس سے تقریباً پندرہ گز کے فاصلے پر دوسرا گھوڑا بھی مُردہ حالت میں پڑا تھا۔
کے ساتھ ہی تیسرا بھی..... میرے اوسان خطا ہو گئے۔ بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔
کچھ ٹھاکر رنجیت کمار نے کیا ہے؟

رفتہ رفتہ تمام باتیں میری سمجھ میں آ گئیں..... ٹھاکر رنجیت کمار نے بیمار ہونے کا
تھا اور نڈھال ہونے کی اداکاری کی تھی۔ اُس کے ذہن میں شروع ہی سے یہ منصوبہ

سی طرح پدما کو لے کر فرار ہو جائے۔ میں نے تیزی سے گھوم کر سونیا کو دیکھا۔ وہ بھی
دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے بیٹھی تھی۔ اور اُس کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ میں آہستہ آہستہ
اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"سونیا! رنجیت، پدما کو لے گیا....." اُس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی تھی۔ میں نے پھر
کہا۔ "اور اُس نے تینوں گھوڑے ہلاک کر دیئے تاکہ ہم اُس کا تعاقب نہ کر سکیں۔"

تب سونیا کی گردن گھومی اور اُس نے گھوڑوں کی لاشوں کو دیکھا۔ دوسرے لمحے وہ منہ
پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تھی۔

"رونے سے کام نہیں چلے گا سونیا! وہ کہاں گیا؟ اور پدما کو کیوں لے گیا؟ کیا تم مجھے
کچھ بتا سکتی ہو؟"

سونیا نے اب بھی میری بات کا جواب نہیں دیا۔ بس! وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی اور
میں پاگلوں کے انداز میں اِدھر اُدھر ناچتا رہا۔ یہ سب کچھ میری توقع کے خلاف تھا۔ میں
سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ٹھاکر رنجیت کمار میرے ساتھ ایسا فریب کر سکتا ہے۔

میں نے اب کسی قدر غصیلی نگاہوں سے سونیا کی طرف دیکھا اور پھر غراتے ہوئے لہجے
میں بولا۔ "آواز بند کرو..... یہ کیا اداکاری شروع کر رکھی ہے تم نے؟"

سونیا نے دونوں ہاتھ منہ پر سے ہٹائے اور شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔ "تم
کون ہوتے ہو مجھ سے بکواس کرنے والے؟" وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"وہ تمہارا ساتھی تھا....."

"میں تم پر بھی لعنت بھیجتی ہوں اور اُس پر بھی۔"

"لعنت بھیجنے سے کام نہیں چلے گا سونیا! جس طرح وہ پدما کو نکال لے گیا ہے، اُسی
طرح تمہیں بھی نقصان اُٹھانا پڑے گا۔"

"میں..... میں کہتی ہوں مجھ سے بکواس مت کرو۔ میں سب کچھ سمجھ چکی ہوں۔"

پھر وہ زار و قطار رونے لگی۔ اور میں پریشانی سے اُس کے نزدیک بیٹھ کر اُس کی شکل
دیکھتا رہا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اُس کے بال پکڑوں اور اُس کا سر زمین پر دے ماروں.....
غصے کے عالم میں میری حالت بری ہو رہی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں چند لمحوں کے لئے
بالکل ختم ہو گئی تھیں۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ سونیا کی سسکیاں اُبھر رہی تھیں۔ پھر میں

نے اُس سے کہا۔ ''اللہ کی بندی! یہ تو سوچ لو کہ اب ہم یہاں سے کیسے آگے بڑھیں گے
کیا تم میری مدد نہیں کرسکتیں؟ کیا یہ نہیں بتا سکتیں کہ رنجیت کمار اُسے کہاں لے گیا ہے؟''

''جہنم میں.....'' وہ بولی۔

''جہنم کا راستہ تو جانتی ہوگی تم.....؟''

''تم بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے جاؤ۔ گھوڑے کے قدموں کے نشانات تو مل جائیں گے تمہیں۔'' اُس نے پھر جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

''او مصیبت..... میں تیرا کیا کروں؟''

''جہنم رسید ہو جاؤ۔ مجھے تمہاری ضرورت بھی نہیں ہے۔ سمجھے؟ میں اپنا بچاؤ خود کرلوں گی۔ نہ بچ سکی تو مر جاؤں گی۔''

''مگر میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

''کیا بگاڑ لوگے تم میرا؟''

''ٹکڑے کر دوں گا تمہارے۔ کیا سمجھیں؟ یہیں گردن دبا کر ندی میں پھینک دوں گا۔'' میں نے خونخوار لہجے میں کہا تو وہ کسی قدر سہمی ہوئی نظر آنے لگی۔

''میرا کیا قصور ہے؟ میں تو خود..... دھوکہ کھا گئی ہوں..... وہ پاپی..... میں سب سمجھتی ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں نے پہلے بھی محسوس کیا تھا کہ وہ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ مطلبی ہے..... خودغرض ہے۔''

''وہ جو کچھ بھی ہے، لیکن اُس کا پتہ بتانے کے لئے صرف تم یہاں موجود ہو۔''

''پتہ بتانے کے لئے؟ کیا وہ مجھے اپنا پتہ بتا کر گیا ہوگا؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا وہ مجھے نہیں لے جا سکتا تھا؟ کماری پدما تو اُس کی ضرورت تھی۔ اور میں..... میں اُس کی مجبوری سمجھوں۔ اُس کی منگیتر ہوں..... سمجھے تم؟ لیکن میں..... میں اُسے اچھی طرح سمجھ گئی ہوں۔''

''مجھے بھی سمجھا دو تو بہتر ہوگا۔''

''تم کیوں میرے کان کھائے جا رہے ہو؟ تمہارا جو دِل چاہے، کرو..... میں تو مصیبت زدہ ہوں۔''

''بہتر ہے میں اس دریا میں کود کر خودکشی کرلوں.....''

''تو کرلو..... بھاڑ میں جاؤ! مجھے کیا؟'' وہ جھلائے ہوئے انداز میں بولی اور پھر گھٹنوں میں منہ دے کر بیٹھ گئی۔

عجیب سی بے بسی طاری ہوگئی تھی مجھ پر۔ لیکن پھر دفعتہً ہی میرے اندر ایک اور احساس اُبھرا..... ارے واہ! یہ تو بڑا اچھا ہوا، پدما خود بخود میری زندگی سے نکل گئی اور یہ جھگڑا ختم ہوگیا۔ اب مجھے کیا پڑی ہے کہ اُس کے پیچھے پیچھے چکر لگاتا پھروں؟ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے کہیں اور نکل جاؤں..... لعنت ہے اس علاقے پر..... لعنت ہے کماری پدما پر اور لعنت ہے ان سب پر..... میں کون سا ان سب کے لئے مضطرب ہوں یا مجھے کون سی ریاست حاصل کرنی ہے جو میں پدما کے لئے پریشان رہوں..... گئی، جائے، جہنم میں جائے۔ اب وہ جانے اور رنجیت کمار۔ میرا پیچھا تو چھوٹ گیا..... میں اس سلسلے میں بہت زیادہ مصیبت پالنے کا قائل نہیں تھا۔ نہ ہی میرے ذہن میں پدما کے لئے کوئی ایسا خیال تھا۔ بلکہ وہ خود ہی اس بارے میں مختلف انداز میں سوچتی تھی۔ لیکن سونیا..... اس کا کیا، کیا جائے؟ وہ مجھے بھاڑ میں جانے کا مشورہ دے چکی تھی۔ لیکن بھاڑ میں جانے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی سواری درکار ہوتی۔ جبکہ تینوں گھوڑے مر چکے تھے۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر پھر اپنی جگہ دراز ہو گیا.....

کافی دیر تک اسی طرح لیٹا، میں آنے والے وقت کے بارے میں سوچتا رہا۔ پدما کی تلاش بے مقصد تھی میرے لئے۔ جان بوجھ کر کون مصیبت مول لے؟ راعمیس موجود نہیں تھا جو اُس کی مدد لی جاسکتی۔ اور پھر اُس جیسا مددگار تو بالکل ہی ناکارہ تھا جو کسی مصیبت میں پھنسانے کے بعد خود گم ہو جائے۔ اُس کی تاریخ ہی یہی تھی۔ چنانچہ اُسے یاد کرنے سے کیا فائدہ؟ کبھی واپس آ گیا تو ٹھیک ہے۔ لیکن نہ آیا تو جہنم میں جائے بلکہ بھاڑ میں بقول سونیا کے۔ سونیا بھی وہیں لیٹی ہوئی تھی۔ لیکن جب سورج بلند ہوا تو زمین لیٹنے کے قابل نہ رہی اور ہم دونوں اُٹھ بیٹھے۔ اب وہ کسی قدر معتدل نظر آرہی تھی۔ اُس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سنو! کیا نام ہے تمہارا سندر لال.....''

''جی سنائیے!'' میں نے کہا۔

''میں شاید غصے میں تمہیں بہت برا بھلا کہہ گئی ہوں۔''

''اچھا..... آپ کو یاد ہے؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''مجھ پر طنز نہ کرو۔ ذرا غور کرو! میں نے جس کے لئے اپنی ساری زندگی لٹا دی، وہ
مجھے کس طرح چھوڑ کر بھاگ گیا بے یار و مددگار۔ اُس نے گھوڑوں کو بھی مار دیا کہ ہم اُ
کا پیچھا نہ کرسکیں۔ لیکن یہ نہ سوچا اُس نے کہ اِس بیابان میں ہمارا ہوگا کیا؟

''ابھی زمین تپ جائے گی۔ آسمان بھی تپے گا تو ہم اطمینان سے اس میں روسٹ ہو
جائیں گے۔ روسٹ سمجھتی ہو تم؟''

''میرا مذاق مت اُڑاؤ۔ میں بہت پریشان ہوں۔''

''اچھا..... چلو ٹھیک! نہیں اُڑاتا۔ لیکن میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟''

''دیکھو! انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ کم از کم انسانی رشتے سے تمہیں میری مدد کرنی
چاہئے۔ میں یہ بات جانتی ہوں کہ خود تمہارے ساتھ بھی دھوکہ ہوا ہے اور وہ پاپی پدما کو
تمہارے پاس سے چھین کر لے گیا ہے۔ جتنے مظلوم تم ہو، اتنی ہی میں ہوں۔''

''ایک بات بتاؤں۔ میں بالکل مظلوم نہیں ہوں۔ بلکہ ٹھاکر رنجیت کمار نے میرے اوپر
احسان کیا ہے کہ مجھے اس مصیبت سے نکال لیا۔ ارے واہ..... مجھے کیا پڑی ہے پدما سے
اور اُس کی شناخت سے؟ اب وہ جانے اور ٹھاکر رنجیت کمار۔ میں تو ایک اجنبی ہوں۔ اپنے
معاملات وہ یقیناً آپس میں طے کرسکتے ہیں۔''

''مگر تم تو اُس کے ساتھ تھے اور وہ تم سے بہت مانوس نظر آتی تھی۔''

''تم اسے ناگہانی کہہ سکتی ہو۔ جب انسان پر برا وقت آتا ہے تو وہ ایسی ہی مصیبتوں
میں پھنس جاتا ہے۔ اور پھر برا وقت تو مجھ پر مرکوز ہے۔ اچھا وقت دیکھے ہوئے پتہ نہیں کتنا
عرصہ گزر گیا۔''

''تم بھی کافی پریشان معلوم ہوتے ہو۔''

''پہلے تھا، اَب نہیں ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ پریشانی کو رنجیت کمار لے بھاگا ہے۔''

''تم اُس سے اتنے اُکتائے ہوئے تھے؟''

''اُس وقت تک نہیں اُکتایا تھا، جب تک وہ میرے ساتھ تھی۔ لیکن اب محسوس کر

ہوں کہ حماقت کررہا تھا۔''

''تعجب ہے۔ میں تو سمجھتی تھی تمہیں اُس کے چلے جانے کا بہت دُکھ ہوگا۔''

''اب تم یہ سمجھ لو! کہ مجھے اُس کے چلے جانے کا دُکھ نہیں ہے.....''

''تو اَب کیا کرو گے؟''

''عیش.....'' میں نے جواب دیا۔

''کہاں جاؤ گے؟''

''جہاں بھی تقدیر لے جائے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے؟ اُس نے مالک پورہ کے
بارے میں جو کچھ کہا تھا، وہ سچ کہا تھا؟''

''بھگوان کی سوگند! میں کچھ نہیں جانتی۔ میں بھی اِن راستوں سے اتنی ہی ناواقف
ہوں، جتنے تم۔''

''تب یہ ندی کہیں نہ کہیں ضرور جاتی ہوگی۔ ہم اس کے کنارے کنارے چلتے ہیں۔
کہیں بھی پہنچ جائیں گے۔''

''دھوپ بہت تیز ہوتی جارہی ہے۔ کیسے سفر کریں گے؟''

''جیسے بھی ممکن ہوسکا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کھانے پینے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے۔''

''تمہیں زیادہ بھوک لگے تو تم مجھے کھا جانا اور مجھے زیادہ بھوک لگی تو میں.....'' میں نے
ہونٹوں پر زبان پھیر کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

''ویسے تم دلچسپ آدمی ہو۔''

''خبردار دوبارہ یہ جملہ نہ کہنا۔ میری کھوپڑی آؤٹ ہوجائے گی.....''

''کیوں؟'' وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

''پہلے تم لوگ دلچسپ کہتی ہو پھر پرکشش اور اس کے بعد... ارے باپ رے... نہیں
اب میں کسی مصیبت میں پڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

''دیکھو میرا مذاق مت اڑاؤ۔ کسی بے بس لڑکی پر تمہیں رحم کھانا چاہئے۔''

آج تک اس کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے۔ بے بس لڑکیوں پر رحم کھاتا رہا ہوں اور
مصیبت میں پھنستا رہا ہوں۔ میری مصیبت کی وجہ لڑکیاں ہی ہیں۔''

''لیکن میں تمہارے لئے مصیبت نہیں بنوں گی، وعدہ کرتی ہوں، بس کسی آبادی تک مجھے ساتھ رکھو، جہاں انسانوں کی کوئی بستی آ جائے تم مجھے چھوڑ دینا۔ دوسری بات نہیں کہوں گی، وعدہ ہے۔''

''پکا وعدہ؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہاں پکا وعدہ، میں تو خود ہی دکھی ہوں، اپنا گھربار، سنسار سب کچھ چھوڑ دیا تھا اس پاپی کے لئے، مگر نہ جانے کیوں مجھے کچھ دنوں سے یقین ہو چلا تھا کہ وہ خودغرض ہے اور اپنا مطلب نکال رہا ہے، بس اور کچھ نہیں۔''

''تو پھر آؤ چلیں، ندی کے کنارے کنارے چلتے ہیں اس طرح پانی کے نزدیک رہے تو دھوپ کی تپش زیادہ محسوس نہیں ہوگی۔''

سونیا نے گردن ہلا دی اور ہم دونوں چل پڑے۔ دھوپ واقعی تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن میرا یہ فیصلہ بھی درست تھا کہ ندی کے ساتھ ساتھ چلا جائے تاکہ جب ضرورت پڑے ہم پانی میں اُتر کر اپنے بدن بھگو لیں۔ دھوپ سے بچنے کے لئے ہم نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔ جانے کتنا سفر طے ہو گیا۔ بری طرح تھک گئے تھے۔ بھوک کے مارے طبیعت نڈھال ہو رہی تھی لیکن پھر کچھ ڈھلانوں میں اُترتے ہوئے، ہمیں درخت نظر آئے جو پھل دار تھے اور ہم ان کی جانب بڑھ گئے، اتنی دیر تک پیدل سفر کرتے رہے تھے، بدن پھر تھک گئے تھے چنانچہ درختوں کے نیچے نہایت سکون محسوس ہوا۔ پھل ہم نے توڑ کر کھائے اور ان سے پیٹ بھی بھر گیا۔ سونیا ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔ مجھے اُس پر ترس آنے لگا۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو روکا۔ یہ ترس ہی تو مصیبتوں کا باعث بن جاتا ہے۔

''سُندر لال جی، بہت تھک گئی ہوں میں، کیا ابھی آگے کا سفر کرنا ہے یا رات کو آرام کر لیا جائے۔''

''ابھی تو رات کافی دور ہے۔''

''ہاں، مگر یہ ہو سکتا ہے کہ آگے ہمیں ایسی جگہ نہ ملے۔''

میں، چند لمحے سوچتا رہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی۔ ''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔''

سونیا نے آنکھیں بند کر لیں، میں واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ اگر یہ ندی یوں ہی سپاٹ میدانوں اور سنگلاخ چٹانوں کے درمیان سے گزر رہی تو کیا ہوگا، ہو سکتا ہے آگے چل کر کہیں راستہ رک جائے۔ کیا اسے عبور کر کے دوسرے کنارے کو دیکھا جائے لیکن اس سے بھی فائدہ نہیں تھا۔ جہاں تک نگاہ کام کر رہی تھی، ویرانہ ہی ویرانہ نظر آ رہا تھا۔ اس ویرانے میں اگر کوئی ذی روح میرے ساتھ تھا تو صرف سونیا، اگر میں تنہا ہوتا تو شاید زیادہ خوفناک بات ہوتی، اس وقت سونیا کا ساتھ غنیمت تھا۔ کم از کم بولنے بات چیت کرنے کے لئے تو کوئی تھا۔ چنانچہ اب میں نے اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا کر لی، میں نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔ ''اگر تمہیں نیند آ رہی ہو تو سو جاؤ!''

وہ اپنی آنکھیں کھول کر بولی۔ ''نیند نہیں آ رہی۔ تھکن ہو گئی ہے۔ دھوپ کافی تیز تھی، انگ انگ دکھ گیا ہے۔''

''چاہو تو ندی میں نہا لو۔''

''نہیں اب اس کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی۔'' وہ بولی اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

شام آہستہ آہستہ جھکتی چلی آ رہی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد فضاؤں میں اندھیرے اتر آئے۔ سونیا میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی تھی ''دیکھو، کوئی غلط بات مت سمجھنا، بس مجھے رات کی تاریکیوں سے ڈر لگتا ہے۔''

''کوئی بات نہیں، اطمینان سے بیٹھو میں تمہارے ساتھ ہوں، ویسے ان جنگلوں میں نہ تو کیڑے مکوڑے نظر آتے ہیں اور نہ ہی دوسرے جانوروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں پرندوں کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نقصان پہنچا سکے۔''

''ہاں۔'' اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا.....

بھوک لگی تو ہم نے پھر وہی پھل توڑ کر کھا لئے اور اس کے بعد ایک صاف ستھرا ٹھکانہ بنا کر وہاں بیٹھ گئے۔ میں نے سونیا سے کہا۔

''سونیا کیا تم بتانا پسند کرو گی کہ رنجیت کمار سے تمہارا واسطہ کیسے پڑا۔''

وہ چند لمحے سوچتی رہی اس نے فوری طور پر میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور آہستہ سے بولی۔

''تقدیر کی خرابی کہو سندر لال جی، اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس پاپی نے مجھ

سے محبت کا ناٹک رچایا تھا۔ وہ مجھ سے پریم کی بات کرتا تھا۔ کہتا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرے گا میں پاگل اُس کی باتوں میں آ گئی۔''

''تمہارا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں؟ گھر بار، ماں باپ، کوئی تو ہوگا تمہارا۔'' میں نے سوال کیا اور سونیا کے چہرے پر غم ناک تاثرات پھیل گئے۔

''ہیں، چاچا جی ہیں، چاچی ہیں، لیکن چاچا جی، چاچی کے ہاتھوں میں کھیلتے ہیں۔ مجھے کبھی سنسار میں وہ سکھ نہیں ملا جو اپنوں کا ہوتا ہے۔ ہمیشہ خود کو بے سہارا ہی پایا۔ کبھی کوئی ایسا نہیں ملا جس نے دل سے پیار کیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جب مجھے رنجیت کمار کا سہارا ملا تو میں نے اپنا سارا سنسار اسے سمجھ لیا میں نے سوچا کہ اب میری تقدیر کھل گئی۔ اس کے روپ میں میں نے سنسار پالیا تھا۔ مگر میری کالی تقدیر..... اسے بدلنا تو میرے بس میں نہیں ہے۔'' سونیا کی سسکیاں اُبھرنے لگیں۔

''مجھے افسوس ہے سونیا! واقعی یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں، رنجیت کمار تمہارے ساتھ مخلص نہیں تھا۔ اس نے تمہیں صرف آلہ کار بنایا تھا لیکن کیا اس نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ تمہیں یہ روپ دے کر کیا کرنا چاہتا ہے؟

''کیا بتاؤں؟ مت ماری گئی تھی۔ میری تقدیر نے دھوکا دیا تھا اس نے میری اصل شکل بدل دی۔ ایک آدمی سے میرا چہرہ بدلوایا تھا۔ پاپی، ہتھیارا بھگوان اُس سے اُس کی ساری خوشیاں چھین لے۔ بھگوان کرے وہ بھی کبھی سکھی نہ رہے۔'' سونیا نے غصے میں آ کر اپنے چہرے سے وہ نقلی ماسک اتار پھینکی جو یقیناً کسی ماہر فن سے بنوائی گئی تھی اس کا اصل چہرہ نمایاں ہوگیا تھا۔ اپنی اصلی شکل میں بھی وہ کافی حسین تھی۔ نازک نازک سے نقوش کی مالک، خوبصورت آنکھوں والی، اس نے روتے ہوئے کہا۔

''چاچا، چاچی نے اتنا تنگ کیا تھا مجھے کہ سُدھ بُدھ کھو بیٹھی اور اس پاپی کے فریب میں آ گئی ورنہ..... ورنہ میں اپنا گھر کیوں چھوڑتی؟''

''بھیس بدلنے کے سلسلے میں اس نے تم سے کیا کہا تھا۔'' میں نے پھر سوال کیا۔

''گھر سے نکلنے کے بعد میں بہت خوش تھی۔ اس نے مجھے ایک مکان میں رکھا تھا اور وہاں وہ میری خوب دلجوئی کرتا تھا بہت کچھ بنا کر دیا تھا اس نے، مجھے کہتا تھا کہ سنسار کی ہر خوشی میرے قدموں میں ڈال دینا چاہتا ہے۔ مگر کچھ مجبوریاں ہیں۔ میں اگر ایک کام کر

دوں تو دن بدل جائیں گے۔ مجھ بے وقوف نے خود ہی اس سے اس کام کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے ایک کہانی سنا دی۔ اور پھر کہا کہ میں اگر کماری پدما بن جاؤں اور اچھے دنوں کے لئے کچھ محنت کرلوں تو پھر عیش ہی عیش ہوں گے۔''

''ہاں! اس نے ایک آدمی کو بلا کر یہ نیا چہرہ، میرے چہرے پر چڑھوا دیا اور پھر مجھے ساتھ لے کر گنڈا پور آ گیا۔ جہاں ہم دونوں کو دیوان ہریش چندر نے گرفتار کرلیا۔ مگر وہ جو کچھ سوچ رہا تھا، وہ نہ ہوا۔ ہریش چندر اُس سے کسی جنم کنڈلی کے بارے میں پوچھتا تھا جو اس کے پاس نہیں تھی۔''

''وہ کہانی کیا تھی سونیا۔ براہِ کرم مجھے سناؤ۔'' میں نے دلچسپی سے کہا اور سونیا کسی گہری سوچ میں گم ہوگئی۔ غالباً وہ کہانی یاد کر رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''اس نے مجھے کماری پدما کے بارے میں بتایا تھا۔''

''کیا سونیا؟'' میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔ پدما کی کہانی میرے لئے بھی پُراسرار تھی۔

☆.....☆.....☆

''راجکماری پدما، ریاست کنڈ والا کے جاگیردار گیان چند کی بیٹی ہے۔ گیان چند اور
اس کے پرکھوں نے ہمیشہ انگریز راج کی وفاداری کی، جس کے نتیجے میں اسے بہت سی
جاگیریں دی گئیں اور وہ بے حد دولت مند ہو گیا۔ پھر وہ کہیں کھدائی کرا رہا تھا کہ اسے ایک
بہت بڑا خزانہ ہاتھ لگا۔ خزانے کے بارے میں اندازہ تھا کہ اس سے چار بڑے شہر بسائے
جا سکتے ہیں، چالاک گیان چند نے خزانہ وہاں سے نکال کر کہیں اور چھپا دیا۔ اس سلسلے میں
اس نے بڑی رازداری سے کام لیا تھا۔ اور جن لوگوں کے ذریعے اس نے خزانہ
چھپایا، انہیں قتل کر دیا۔ مگر ان میں سے ایک کسی طرح بچ گیا۔ گیان چند اسے مردہ سمجھ کر
چھوڑ گیا تھا۔ مگر اس میں جان تھی وہ زخمی حالت میں پڑا تھا کہ کرنل جیمز نامی ایک انگریز شکار
کھیلتا ہوا ادھر جا نکلا اور وہ زخمی اس کے ہاتھ لگ گیا۔ زخمی نے اسے خزانے کی کہانی سنائی
لیکن اس کے چھپانے کی جگہ بتائے بغیر مر گیا۔ خزانے کی جگہ کے بارے میں تو کرنل جیمز کو
کچھ نہ معلوم ہو سکا لیکن اسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ خزانہ گیان چند کی تحویل میں ہے۔ کرنل
جیمز کے گیان چند سے تعلقات نہیں تھے۔ لیکن ایک انگریز افسر کی حیثیت سے گیان چند
سے ملا اور بالآخر اس پر ظاہر کر دیا کہ وہ خزانے کے بارے میں جانتا ہے اس لئے بہتر ہے
کہ اسے خزانے کا حصہ دار بنایا جائے۔ گیان چند نے اس خزانے سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا
لیکن کرنل جیمز نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اس نے گیان چند کو ان لوگوں کے قتل کے الزام
میں پھانس کر جیل میں ڈلوا دیا جنہیں گیان چند نے خزانہ پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے قتل کیا
تھا۔ پھر جیل میں اس نے گیان چند کو دھمکیاں دیں کہ اگر اس نے خزانے کے بارے میں
نہ بتایا تو اس کی بیٹی پدما کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ گیان چند نے جیل میں ملاقات کرنے
کیلئے آنے والے اپنے ایک معتمد خاص گوپال سانگا سے درخواست کی کہ وہ پدما کو لے
روپوش ہو جائے اور وفادار گوپال سانگا نے ایسا ہی کیا۔ اس نے پدما کی پرورش کی، اس
بات سے مایوس ہو کر کرنل جیمز نے گیان چند کے دوسرے دوستوں سے رابطہ قائم کیا اور

انہیں خزانے کے بارے میں بتا کر کوشش شروع کر دی کہ خزانہ مل جائے۔ ان میں لاج پال
وغیرہ تھے۔ رنجیت کمار کو بھی راج پال کے ذریعہ یہ کہانی معلوم ہوئی تھی۔ چنانچہ سب مل کر
کوشش کرتے رہے۔ گیان چند نے ایک کام اور کیا، وہ یہ کہ پدما کی جنم کنڈلی میں اس
خزانے کا نقشہ پوشیدہ کر دیا لیکن جنم کنڈلی کا راز، راز نہ رہ سکا۔ تاہم پدما ہی کا پتہ نہیں
تھا۔ پھر انگریز راج ختم ہو گیا اور کرنل جیمز کو بھی دوسرے انگریزوں کی طرح یورپ واپس
جانا پڑا لیکن خزانے کی یاد وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا اور اس کا مسلسل رابطہ ان لوگوں سے
رہا اور وہ خود بھی ضرورت کے وقت یہاں آتا رہا اور راج پال اور دوسرے لوگ بھی خزانے
کے چکر میں اپنے طور پر سرگرداں تھے کرنل جیمز کو یہ احساس بھی تھا کہ چونکہ اب ہندوستان
میں ان کا اقتدار نہیں ہے۔ اس لئے یہ دوسرے لوگ جو اپنے طور پر کام کر رہے ہیں۔ آیا وہ
باثر ہو گئے ہیں۔ کسی طرح اسے گوپال سانگا کے بارے میں معلوم ہو گیا اور اس نے
گوپال کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ لیکن وہ وفا پرست اپنے گھر کو خاکستر کر کے خود
جنگلوں میں روپوش ہو گیا۔ لیکن پھر وہ زندہ نہ بچ سکا اور پدما مختلف حالات سے گزرتی ہوئی
پہلے رنجیت کمار اور پھر کرنل جیمز کے ہاتھ لگ گئی۔ رنجیت کمار نے اس کی جنم کنڈلی اڑا لی۔
واپس ہندوستان کا رخ کیا اور بہت دن تک وہ جنم کنڈلی کا درز کھولنے میں لگا
رہا۔ ادھر گیان چند جیل سے رہا ہو گیا اور اس نے کنڈ والا کے نواح میں اپنی ایک جاگیر سونا
گڑھی میں اپنے لئے ایک کوٹھی بنوالی۔ لیکن پدما اسے نہ مل سکی۔ رنجیت کمار کو جب کنڈلی
سے خزانے کا راز ملا اس نے خزانے کے حصول کے لئے کوششیں شروع کر دیں اور جب وہ
خزانے کی جگہ پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ خزانہ وہاں سے نکالا جا چکا ہے اور ظاہر ہے خزانہ
گیان چند کے علاوہ اور کون نکال سکتا تھا۔ رنجیت کمار کی ساری کوششیں بے کار ہو گئی تھیں۔
وہ پریشان ہو گیا۔ بقول اس کے اس نے اپنی ساری پونجی داؤ پر لگا دی تھی اور اس کے پاس
کچھ نہیں رہا تھا جو لوگ اس چکر میں سرگرداں تھے ان میں ہریش چندر بھی تھا۔ لیکن اسے بھی
اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ پھر رنجیت کمار بڑی چالاکی سے گیان چند سے ملا اور اس
نے پدما کی جنم کنڈلی اس کے حوالے کر کے اسے بتایا کہ یہ کسی نے اسے دی تھی۔ گیان چند
نے اسے پیشکش کی کہ اگر وہ پدما کو تلاش کر لے تو وہ اسے اتنی دولت دے گا کہ اس کے
بال بچے تک عیش کریں گے، اب رنجیت کمار سخت افسردہ تھا کہ اس نے پدما کو ایسے کیوں

چھوڑ دیا۔ اس نے پدما کو تلاش کیا وہ تو دوبارہ اسے نہ مل سکی۔ لیکن اس نے ایک اور ترکیب
سوچ لی، وہ یہ کہ کسی اور کو پدما بنا کر گیان چند کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ اور اس پاپی
نے مجھے اس کے لئے تیار کیا اس نے مجھے ساری پٹیاں پڑھائیں کہ کس طرح میں گیان چند
سے ملوں گی۔ گوپال سانگا کے بارے میں بتاؤں گی۔ شاید اسی لئے اس نے مجھے یہ ساری
کہانی بھی سنا دی تھی کہ میں اپنا کردار سمجھ لوں۔ ورنہ مجھے اصل کہانی کبھی نہ سناتا۔ بہرحال
اس کے بعد وہ مجھے لے کر چل پڑا مگر اس کے فرشتوں کو بھی یہ بات معلوم نہ تھی کہ ہریش
چندر بھی اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ ہم سونا گڑھی جانے کے لئے یہاں گنڈا پور
آئے تھے کہ ہریش چندر کے آدمیوں نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ مگر ہریش چندر کو ساری بات
معلوم نہیں تھی۔ وہ بدستور جنم کنڈلی کے چکر میں پڑا ہوا تھا اسی کے سلسلے میں اس نے رنجیت
کمار کی خوب پٹائی بھی کی اور اس سے پوچھا کہ جنم کنڈلی پدما کے گلے سے اتار کر اس نے
کہاں چھپائی ہے۔ رنجیت کمار کو افسوس تھا کہ اس نے جنم کنڈلی گیان چند کے حوالے کر دی
اگر وہ ہوتی تو اسے ہریش چندر کو دے کر وہ اپنی جان بچا لیتا۔ کیوں کہ اب جنم کنڈلی ایک
بے کار چیز تھی۔ بہرحال کوشش میں لگا رہا اور پھر اس نے ہریش چندر کے ایک ملازم کو
توڑ لیا اور پربھولال نے ہمارے فرار کا بندوبست کر دیا ہم یہاں سے نکل آئے۔ لیکن زیادہ
دور نہیں گئے تھے کہ دوبارہ گرفتار ہو گئے۔ پھر تم سے قید خانے میں ملاقات ہوئی اور بعد کی
کہانی تمہیں خود معلوم ہے۔''

سونیا خاموش ہو گئی۔ میں نے سر پکڑ لیا تھا عجیب کہانی تھی۔ کتنی پیچیدہ، کیسی الجھی
ہوئی، بہرحال میرا اس سے کیا تعلق تھا۔ البتہ یہ سوچنا تھا کہ اب کیا، کیا جائے۔ اس بات کا
اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ رنجیت کمار کہاں گیا ہوگا اس کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ
سیدھا گیان چند کے پاس گیا ہوگا۔ اور اس نے پدما کو اس کے باپ کے سامنے پیش کر دیا
ہوگا۔ بہرحال ایک بات تو سکون بخش تھی کہ پدما بالآخر اپنوں میں پہنچ گئی۔ لیکن خاتون
سونیا، ارے باپ ارے، اب یہ کہیں میرے گلے پڑنے کی کوشش نہ کرے، میں نے خوفزدہ
نگاہوں سے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ گردن جھکائے کسی سوچ میں گم تھی۔

''بڑی دکھ بھری کہانی ہے سونیا۔''

''اب میرا کیا ہوگا؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میری بات مانو گی سونیا؟''

''کہو!''

''تم اپنے چاچا چاچی کے پاس چلی جاؤ''

''مرتے دم تک نہیں جاؤں گی۔ میرے چلے آنے سے ان کی کم بدنامی ہوئی ہو
گی۔ وہ لوگ پہلے ہی مجھ سے جلتے تھے، اب تو مجھے بھون کر کھا جائیں گے۔''

''تو تم وہاں نہیں جاؤ گی؟''

''کہانا، کبھی نہیں۔''

''ہوں، چلو یہاں سے تو چلو'' تم نے تو اپنے چہرے سے پدما کا خول اتار پھینکا
ہے۔ مگر میرا یہ چہرہ میرا بدترین دشمن ہے یہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔''

''کیا مطلب؟'' سونیا نے پوچھا۔

ہریش چندر کے آدمی ہماری تلاش ترک نہیں کریں گے۔ تم تو اس لئے بچ جاؤ گی کہ
پدما نہیں ہو، لیکن میرے چہرے پر کوئی خول نہیں ہے۔ اور میں ضرور پکڑا جاؤں گا۔''

''ہائے رام، یہ بات تو ہے۔'' سونیا نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''چلو، یہاں سے تو چلو'' میں نے کہا اور ہم وہاں سے چل پڑے۔ کوئی منزل نہیں
تھی، کسی راستے کا تعین نہیں تھا۔ پھر ایک جگہ سے ہم نے ندی پار کی۔ زیادہ گہری نہیں تھی،
ندی پار کرنے کے بعد سیدھے سفر کرتے رہے اور پھر ایک ڈھلان پر ہمیں ایک بستی نظر آ
گئی۔ میں نے سونیا سے اس کے بارے میں مشورہ کیا تو اس نے بھی یہی خیال کیا کہ یہ بستی
مالک پورہ ہے۔ بستی مالک پورہ میں داخل ہو کر ہمیں کھانے پینے کی سہولتیں مہیا ہو گئیں اور
قیام کے لئے ایک سرائے بھی مل گئی۔ لیکن سرائے کی پہلی رات میرے لئے تشویش کی رات
تھی۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ سونیا کسی گہری سوچ
میں ڈوبی ہوئی تھی، تب اس نے کہا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں سونیا! پوچھو۔''

''تم کون ہو؟ کماری پدما سے تمہارا کیا تعلق تھا؟''

سونیا کے اس سوال پر میں چونک پڑا۔ میرے بارے میں اس کا اتنا تجسس خطرناک بھی

ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے سنبھل کر کہا۔ ''میرا اُس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ اُس نے صرف اس مقصد کے تحت حاصل کیا تھا کہ میں اسے اس کے گھر تک پہنچا دوں، وہ اپنے کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ اور میں اُس کے لئے کام کر رہا تھا، جس کا اُس نے معقول معاوضہ دینے کے لئے کہا تھا۔''

''دیکھو! کتنی خود غرض ہے یہ دنیا۔ وہ بھی تمہیں چھوڑ کر فرار ہوگئی۔''

''ہاں! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہ سب تقدیر کی باتیں ہیں۔''

''میرا کیا ہوگا سندر لال؟ ایک انسان ہونے کے ناطے میرے بارے میں بھی سوچو''

''میں بھلا کیا سوچ سکتا ہوں سونیا!'' میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات آئی تھی وہ یہ کہ تم اپنے چاچا، چاچی کے پاس چلی جاؤ۔ لیکن تم کہتی ہو کہ تمہارا اُن کے پاس خطرناک ہوگا۔ تو اَب اُس کے بعد میں کیا کہہ سکتا ہوں؟''

''میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی سندر..... میں وہاں کبھی نہیں جاؤں گی۔ کیا تم شا شدہ ہو؟'' اُس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میرے ذہن خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ میں نے سنبھل کر ایک سرد آہ بھری اور آہستہ سے بولا۔

''ہاں..... میری پہلی شادی میرے ماتا پتا نے کی تھی۔ ایک موٹی، بھدی اور جھگڑ عورت سے۔ جس کے ساتھ رہتے ہوئے میری آدھی زندگی برباد ہوگئی۔ اُس نے مجھے کے طور پر چھ بچوں کا باپ بنا دیا۔ پھر میں نے دوسری شادی اپنی مرضی سے کی اور تجربہ اس سلسلے میں بھی بہت بھیانک نکلا۔ میری اپنی پسند کی شادی بھی ناکام ہوگئی اور پانچ بچے میری تقدیر میں لکھے گئے۔ اب میں گیارہ بچوں اور دو بیویوں کا شوہر ہوں دونوں ساتھ ساتھ رہتی ہیں اور میں کوشش کرتا ہوں کہ گھر سے بھاگا رہوں۔ ایسے ہی تلاش کرتا ہوں، جن میں مجھے اُن سے دُور رہنا پڑے۔ تم بتاؤ سونیا! ایک ایسے آدمی زندگی کیا حیثیت رکھتی ہے، جس کے دائیں طرف ایک موٹی بھدی، جھگڑالو عورت کھڑی اور دوسری طرف ایک اور خوفناک عورت۔ ایک کے ہاتھ میں بیلن ہو اور دوسری کے میں جھاڑو۔ اور دونوں کا نشانہ میں ہی ہوں۔ گیارہ بچوں کی تالیاں گھر کے چاروں سے اُبھریں..... اِن حالات میں تم خود ہی سوچو! میری کیا کیفیت ہوگی؟''

میرا خیال تھا کہ سونیا ہنس پڑے گی۔ لیکن وہ رحم آمیز نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

نے آہستہ سے کہا۔ ''تو پھر تم اس نرکھ سے نکل کیوں نہیں آتے سندر لال؟ میں دل سے وہ سب کچھ بھلا دُوں گی جو اُن دونوں نے تمہارے دل میں پیدا کر دیا میں جیون بھر تمہاری سیوا کروں گی اور تمہیں کبھی تکلیف نہ ہونے دوں گی۔''

میں نے تھوک نگلتے ہوئے سونیا کو دیکھا اور بولا۔ ''مجھے سوچنے کا موقع دو سونیا..... غور نے کا موقع دو۔''

مجھے سوچنے کا موقع دینے سے پہلے سونیا اپنا داؤ پکا کر لینا چاہتی تھی۔ لیکن میں اُس کے حیلے سے بچتا رہا اور رات کے آخری پہر وہ تھک کر سو گئی۔ اس سے اچھا موقع میرے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے راتوں رات نہ صرف سرائے چھوڑی، بلکہ پورہ بھی چھوڑ دیا.....

کوئی راستہ ذہن میں نہیں تھا۔ کوئی سمت ذہن میں نہیں تھی۔ بس! آوارہ گردوں کی چلا جا رہا تھا۔ رات کا یہ آخری حصہ بھی ختم ہوگیا۔ صبح تک تھکن سے چور ہوگیا تھا۔ خوش قسمتی سے ایک بس آتی ہوئی نظر آئی اور میں اُسے روک کر اُس میں سوار ہوگیا۔ یہ نہ پوچھا کہ بس کہاں جا رہی ہے؟ جب میں بس سے اُترا تو فوراً ہی مجھے یہ یقین ہوگیا یہ سونا گڑھی ہے۔ وہی بستی جس کا نام مجھ سے لیا گیا تھا اور جوگیان چند کی بستی تھی۔

گیان چند کی بستی میں آ کر خواہ مخواہ ہی میرے ذہن میں تجسس پیدا ہوگیا تھا کہ پدما کے ے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ ویسے بھی پدما اب میرے لئے خطرناک نہیں تھی۔ اپنے باپ تک پہنچ گئی تو میری ذمہ داری ختم..... ظاہر ہے اب وہ مجھے کیا خاطر میں ئے گی؟ معلومات حاصل کرتا ہوا بالآخر میں گیان چند کی حویلی کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں نے پدما کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ حویلی کے ایک حصے میں دیئے روشن جنہیں دن کی روشنی میں بجھا دیا جاتا تھا۔ جس شخص سے میں نے معلومات حاصل کیں، نے ان دیئوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہ دیئے رات کو پھر جل اُٹھیں گے۔ سات دن تک ان میں گھی کے چراغ جلیں اور آج تو صرف تیسرا ہی دن ہے۔''

''وجہ؟''

''وجہ یہ کہ گیان چند کی بیٹی پدما وتی بہت عرصے تک گم رہنے کے بعد اُسے ملی ہے۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لی اور گردن ہلانے لگا۔ گویا میرا اندازہ درست تھا۔ پدما بھی گھر پہنچ گئی تھی۔ گویا اب سونا گڑھی بھی رُکنا بے کار تھا۔ میں دوپہر تک سونا گڑھی پر چکراتا رہا۔ دل میں بہت سے فیصلے کر رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اور پھر جب میں حویلی سے کافی دُور ایک باغ کے نزدیک ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا تھا تو چند گھڑسوار میرے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے گھوڑے روک کر میرے نزدیک آتے ہوئے کہا

''مہاراج! آپ یہاں گھوم رہے ہیں اور وہاں پرانی حویلی میں ٹھاکر گیان چند آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''مم.....میرا.....؟'' میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہاں! اُن کے پاس زیادہ سے نہیں ہے۔ براہِ کرم! ہمارے ساتھ چلئے۔''

''لیکن بھائی.....!''

''چلئے مہاراج! یہ گھوڑا حاضر ہے۔'' اُن میں سے ایک نے کہا اور کچھ اِس طرح مجبور کیا کہ اُن کے ساتھ جاتے ہی بن پڑی۔

پرانی حویلی وہ نہیں تھی جس میں، میں نے ٹھاکر گیان چند کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر تھا اور اس ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کے ایک حصے میں ٹھاکر گیان چند مجھے ملا۔ ایک دراز قامت آدمی تھا۔ چہرے ہی سے سخت گیر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے مجھے دیکھتے ہی سرد لہجے میں کہا۔

''رنجیت کمار! میں نہیں چاہتا کہ اب تم ایک لمحہ بھی یہاں رُکو۔ یہ سنبھالو اپنے حصے کی دولت اور یہاں سے فوراً روانہ ہو جاؤ۔ تمہارا گھوڑا تیار ہے۔ اور ایک بات کان کھول کر سن لو! کہ اب اگر تم راجپوتانہ کے نواح میں نظر آئے تو تمہاری زندگی ممکن نہیں ہوگی۔ یہ ٹھاکر گیان چند کا قول ہے۔ لو..... یہ سنبھالو!''

اُس نے باقاعدہ ایک بوجھ میرے حوالے کر دیا۔ میں نے اُس بوجھ کو ٹٹول کر دیکھا تو میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کیونکہ کپڑے سے ہیرے کی چمک صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ بقچہ میرے ہاتھ میں تھمانے کے بعد گیان چند نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ مجھے سونا گڑھی کی سرحد کے پار چھوڑ آئیں۔ اور وہ لوگ مجھے لے کر چل پڑے۔

میں اس خوفناک صورت حال پر غور کر رہا تھا۔ یقیناً مجھے یہ دولت ٹھاکر رنجیت کمار کے

دھوکے میں دی گئی تھی اور یہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ اب تھوڑی دیر کے بعد اصل رنجیت کمار، ٹھاکر گیان چند کے پاس پہنچے گا تو سارا کچا چٹھا کھل جائے گا۔ ہاتھ آئی دولت کو بھلا کون ٹھکرائے؟ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ گھوڑے کو ایڑ لگائی جائے اور اُس وقت تک اس کی پٹائی کی جاتی رہے جب تک کہ وہ مجھے یہاں سے اتنی دُور نہ پہنچا دے کہ یہ لوگ میرا نشان بھی تلاش نہ کر سکیں۔ چنانچہ میں نے گھوڑے کی پیٹھ پر ایک سانٹا جمایا اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا.....

تیز ہوائیں کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھیں۔ میں عمدہ گھڑسوار بھی نہیں تھا۔ چنانچہ گھوڑے کی پشت پر جمے رہنا مشکل لگ رہا تھا۔ جوش میں آ کر اور یہاں سے جلد از جلد دُور نکل جانے کے تصور سے گھوڑے کو چابک لگا تو دیا تھا مگر لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ گھوڑا چابک کا برا مان گیا تھا اور میری ہر خوشامد کو نظر انداز کر رہا تھا۔ غلطی میری ہی تھی۔ آخر وہ بھی جاندار تھا اور اپنی انا اور وقار رکھتا تھا۔ غالباً اُسے اعتراض تھا کہ میں نے اُن کے ساتھ۔ یہ بدسلوکی کیوں کی؟ اب میں اُسے کیا بتاتا کہ میں نے اُسے یہ چابک اسی طرح مارا تھا جیسے کسی کار کو سٹارٹ کرنے کے لئے سیلف گھمایا جاتا ہے۔

جانے کتنی دیر گزر گئی؟ پھر مجھے گھوڑے کی رفتار سست ہوتی محسوس ہوئی اور وہ رُک گیا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے گردن اُٹھائی کہ کمبخت کی کوئی چال نہ ہو۔ اطراف میں ہرے بھرے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ پس منظر میں سنگلاخ پہاڑ نظر آ رہے تھے اور بائیں سمت کچھ عمارتیں، کوئی چھوٹی سی بستی تھی۔ رُوح میں بالیدگی پیدا ہو گئی تھی۔

میں نے وہ گٹھری سنبھالی جس میں تاریخی خزانے کا کافی بڑا حصہ تھا۔ جس کے لئے جانے کتنے لوگ کب سے سرگرداں تھے۔ پھر میں بڑی مہارت سے گٹھری سمیت گھوڑے سے کود گیا۔ زمین پر قدم جمتے ہی میں نے اُسے کھول کر دیکھا تو میری آنکھیں چکا چوند ہو گئیں..... انتہائی قیمتی زیورات، سونے کے قدیم سکے اور جانے کیا کیا تھا..... گٹھری کو اسی طرح باندھ کر سونے کے چند سکے نکال کر جیب میں رکھے۔ پھر ایک مناسب جگہ تلاش کر کے میں وہاں جا بیٹھا۔ میرا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا اور آرام کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ گٹھڑ سرہانے رکھ کر میں لیٹ گیا۔ دماغ میں خیالات کی یلغار ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے ذہن خالی چھوڑنا چاہتا تھا۔ کیا خیالات کو دُور رکھنا میرے بس سے باہر تھا؟''

یہ سب کچھ بھی میرے لئے انتہائی برق رفتار تھا۔ صورت حال کافی حد تک میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ رنجیت کمار نے گیان چند کے پاس پہنچ کر پدما اُس کے حوالے کیا ہو گا اور گیان چند نے پدما کی بازیابی کے بعد یقیناً رنجیت کمار سے وعدہ کیا ہو گا کہ وہ اُس کو اس روایتی خزانے کا ایک حصہ بطورِ معاوضہ ادا کرے گا۔ ہو سکتا ہے رنجیت کمار نے پدما پر جال ڈالنے کی کوشش کی ہو جس کا علم گیان چند کو ہو گیا ہو۔ اُس کا رویہ یہی بتاتا تھا کہ وہ رنجیت کمار کو دھمکی دے رہا ہے کہ اگر وہ خزانے کا یہ حصہ لے کر فوراً یہاں سے نہ چلا گیا تو اُس کے ساتھ برا سلوک کرے گا۔ اب یہ رنجیت کمار کی بدقسمتی تھی اور میری خوش قسمتی کہ اُس کی بجائے میں اتفاقیہ طور پر گیان چند کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا اور اُس کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے یہ خزانہ مجھے مل گیا۔ اصل رنجیت کمار جب گیان چند کے پاس اپنا حصہ وصول کرنے پہنچے گا تو گیان چند اُس کے ساتھ جو بھی سلوک کرے گا، اُس کا اندازہ مجھے بخوبی ہو چکا تھا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ حقیقت تو یہی تھی کہ اس خزانے کا حقدار رنجیت کمار سے زیادہ میں تھا۔ کیونکہ پدما کے سلسلے میں مجھے جس قدر بھاگ دوڑ کرنا پڑی تھی اُسے میرا دل ہی جانتا تھا۔ رنجیت کمار کی تقدیر میں یہ سب کچھ نہیں تھا۔ جب کہ میری تقدیر میں بہت کچھ لکھ دیا گیا تھا۔ کئی بار مجھے ایسے خزانے حاصل ہوئے تھے اور ہر بار میں ان سے استفادہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

کیسی عجیب بات ہے؟ ایک زمانے میں، میں ایک معمولی سی نوکری کے لئے سرگرداں تھا جو میرا تن من ڈھکنے اور میرا پیٹ بھرنے میں میری معاون ہو۔ لیکن آج قدم قدم پر مجھے خزانوں کے انبار مل رہے تھے اور میں انہیں خرچ نہیں کر پا رہا تھا۔ واقعی انسانی زندگی میں واقعات ہی سب سے بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ اس طرح عمل میں نہیں آتا جس طرح اُس کی سوچ میں ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ مجھے کرنا کیا چاہئے؟

خزانے کو پوشیدہ رکھنا اور مناسب طریقے سے استعمال کرنا ایک بہت بڑا مرحلہ تھا جس سے ابھی گزرنا تھا۔ ہمیشہ کی مانند حالات نے پھر ایک امتحان گاہ تیار کر دی تھی۔ نئی سوچیں، نئے خیالات، نئی منزلیں..... ان تمام چیزوں میں سے مجھے گزرنا تھا۔ کوئی ایک بھی

تھا جہاں ساکت ہو جاؤں..... لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میں نے اس کی خواہش کی کہ زندگی کی لطافتوں سے اسی طرح گزروں، جس طرح دنیا کے رہنے والے گزرتے ہیں۔ لیکن حالات نے اس کا موقع کہاں دیا؟ کیا کچھ نہ کر کے دیکھ لیا..... صورت بدلی تو بھی مصیبت میں پڑ گیا۔ واپس اصل صورت میں آیا تب بھی مصیبتوں نے میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ کہتے ہیں کہ ہر انسان کے چند ہم شکل ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہر چوتھا آدمی میرا ہم شکل ہے۔ اس کہانی کو ناقابل یقین کہا جاتا تو بہتر ہوتا، جس پر مجھے خود بھی یقین نہیں آتا تھا۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا کہ اپنا چہرہ تیزاب سے جھلسا لوں۔ لیکن یہ بات بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کی تکلیف الگ اُٹھانی پڑے گی۔ اور پھر اس جھلسے ہوئے چہرے کا بھی کوئی نہ کوئی دعوے دار ضرور پیدا ہو جائے گا۔ گزارہ ہی کرنا تھا۔

آنکھیں بند کر کے ذہن کو زور سے جھٹکا۔ کاش ایک گھنٹے کے لئے ان خیالات سے چھٹکارا مل جائے اور سکون کی نیند سو جاؤں۔ جلتے ہوئے ذہن اور دُکھتے ہوئے بدن کو کچھ تو آرام ملے۔ نیند تو نہ آ سکی لیکن کافی دیر تک ایک ہی انداز سے لیٹے رہنے سے جسمانی تھکن کسی قدر کم ہو گئی اور دُکھتے ہوئے بدن کو کافی آرام ملا۔ میں ایک گھنٹے کے بعد اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بہت قیمتی چیز اپنے ساتھ لئے گھوم رہا تھا۔ پہلے اس کے تحفظ کا بندوبست کر لیا جائے پھر کچھ اور سوچا جائے۔ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ گٹھری بہت مضبوطی سے باندھی ہوئی تھی۔ اسے ساتھ لے کر آبادی کی طرف چل پڑا۔ لیکن آبادی میں داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت چھوٹی سی پسماندہ سی بستی تھی اور وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ قیام کے لئے کوئی جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی۔ البتہ کوئی آدھے گھنٹے بستی میں گھومنے کے بعد میں جس جگہ جا کر نکلا، وہ ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن تھا۔ راجپوتانہ ہی کی کوئی بستی تھی۔ لیکن ریلوے سٹیشن کی موجودگی نے مجھے تقویت بخشی۔ سیاہ پٹڑیاں بچھی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ اور سٹیشن نام کی ایک چیز بھی تھی۔ میں وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ بہتر یہی تھا کہ اب ٹرین کا سفر کروں۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد مجھے ٹرین کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ اب یہ جستجو کرنا تو بے مقصد ہی تھا کہ یہ ٹرین کہاں جا رہی ہے؟ کہیں بھی نکل جاؤں..... کیا فرق پڑتا ہے؟ چنانچہ ٹرین رُکتے ہی جس ڈبے میں جگہ ملی، اُس میں جا بیٹھا۔ ڈبے کی تمام سیٹیں پُر تھیں۔ دھوتی اور کُرتے میں ملبوس ایک شخص نے ازراہ ہمدردی، مجھے اپنے پاس جگہ دے دی اور میں نے

چالاکی سے کام لیتے ہوئے گٹھری نہایت بے پروائی سے سیٹ کے نیچے اپنے پیروں کے
پاس سرکا لی۔ بھاری بھرکم آدمی خوش اخلاق معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے
میرے اس سفر کے بارے میں پوچھا۔ لیکن میں اس کا جواب گول کر گیا اور خود اُس سے
پوچھ ڈالا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟

''آگرہ اُتروں گا۔ یہ گاڑی تو آگے چلی جائے گی مگر میں آگرے میں ہی رہتا
ہوں۔''

''گڈ..... گڈ.....'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''آپ آگرے میں کیا کرتے
ہیں؟''

''سنار ہوں بھیا جی! یہاں جودھ پور میں اپنی بیٹی کے پاس آیا تھا۔ وہ یہیں بیاہی
ہے۔'' اُس شخص نے جواب دیا۔ میں نے کافی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''بڑی دلچسپ بات ہے کہ آپ جوہری ہیں۔ میں بھی آگرے جا رہا ہوں۔ کچھ کام
ہیں مجھے وہاں۔ اور پھر مجھے اپنے دادا کے دیئے ہوئے سونے کے یہ چار سکے بھی فروخت
کرنے ہیں۔ دادا جی نے خاص طور سے ہدایت کی تھی۔''

''سونے کے سکے؟ ذرا دکھاؤ تو.....'' سنار نے کہا اور میں نے جیب سے ایک سکہ نکال
کر اُس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

سنار اُسے آنکھوں کے قریب کر کے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے اُسے ہتھیلی پر گھس کر دیکھا
اور گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ''کھرا سونا ہے۔ آسانی سے بک جائے گا۔ ویسے چار سکے نہ
نہیں، تم چاہو تو دو سکے میں بھی خرید سکتا ہوں۔ مجھے دے دو۔''

''کیا فرق پڑتا ہے..... آپ لے لیجئے۔ مجھے تو بیچنے ہی ہیں۔''

''باقی دو سکوں کے لئے اگر تم چاہو تو میری دُکان پر آ جانا۔ اُس کے پیسے بھی میں وہیں
دے دُوں گا۔ دو سکوں کے پیسے یہیں لے لو۔''

اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں..... بغیر ٹکٹ ریل میں سفر کر رہا تھا پیسے نہ ہونے کی وجہ
سے۔ ویسے ایسے واقعات بھی دلچسپ ہوتے ہیں۔ جانے کتنی مالیت کا سونا میرے ساتھ
تھا۔ لیکن ٹرین کا ٹکٹ لینے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ یہ کام خوش قسمتی سے یہیں ہو گیا۔
جب ٹکٹ چیکر آیا تو میں نے بڑی اطمینان سے اُسے نوٹ دیتے ہوئے کہا کہ میں ٹکٹ نہیں

بنوا سکا۔ ٹکٹ چیکر نے وہیں مجھے ٹکٹ بنا کر دے دیا تھا۔ اس طرح یہ مشکل بھی حل ہو گئی اور
یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔''

سفر ختم ہوا اور ہم آگرے کے ریلوے سٹیشن پر اُتر گئے۔ یہاں وہ سنار تو مجھ سے
رُخصت ہو گیا اور میں ریلوے سٹیشن سے باہر نکل کر سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟
آگرہ تاریخی مقام تھا۔ اور یہاں کچھ عرصہ رہا جا سکتا تھا۔ مجھے کون سی کوئی جلدی تھی کہیں
جانے کی۔ بس! پاس جو کچھ تھا، اُسے محفوظ کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ ایک سائیکل رکشہ کا
انتخاب کیا اور کسی ایسے ہوٹل چلنے کے لئے کہا، جہاں قیام کیا جا سکے۔ میں نے اپنی شخصیت
بالکل ہی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رکشہ ڈرائیور نے مجھے ایک ہوٹل کے سامنے اُتار دیا۔ میں نے ہوٹل میں کمرہ حاصل
کرتے وقت، ہوٹل کے رجسٹر میں نام برج موہن لکھوایا۔ اس ہوٹل میں کوئی خوبی نہیں تھی۔
لیکن ایسی ہی جگہ میرے لئے محفوظ ہو سکتی تھی۔ میں نے اس گٹھری کو سنبھال کر ایک جگہ رکھا
اور منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر آرام کرنے لیٹ گیا۔

جاگا تو شام ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر اُٹھ کر میں نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور آئندہ
پروگرام کے بارے میں سوچنے لگا۔ زندگی کا کوئی خاص مقصد ہی نہیں تھا۔ نہ کہیں جانا تھا نہ
کسی کا خیال ذہن میں تھا۔ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ پدما کا کھیل ختم ہو گیا تھا۔ وہ
اپنے باپ کے پاس پہنچ گئی تھی اور سارے مسائل حل ہو گئے تھے۔ ہاں! اب میرا کوئی دشمن
ہو سکتا تھا تو وہ صرف رنجیت ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اُسے میرے ہاتھوں چوٹ پہنچی تھی۔ لیکن اُس
کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں ہو گی کہ میں یہاں آ گیا ہوں۔ ہندوستان بہت بڑا ملک
ہے۔ اس کے کسی گوشے میں جا کر رہ پڑوں گا اور بقیہ زندگی گزار دوں گا۔ بھلا کیا فائدہ کسی
کی جستجو، کسی کی تلاش میں؟ جو گزر رہی ہے سو ٹھیک ہے۔ بشرطیکہ خاموشی سے گزر جائے۔

میں نے بازار سے ایک عمدہ قسم کا سوٹ کیس خریدا اور کچھ ایسی ہی چیزیں جو میری
ضرورت میں کام آ سکتی تھیں۔ یہاں رہ کر کم از کم لباس وغیرہ کی ضرورت بھی تھی۔ جس کا
بندوبست میں نے ہنگامی طور پر کیا۔ لیکن بعد میں ہوٹل کے کمرے تک ہی محدود رہا تھا۔
یہاں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ہوٹل بالکل محفوظ تھا۔ جو دو سکے فروخت کئے تھے اُن کی رقم ہی
اتنی مل گئی تھی کہ سارے کام ہو گئے تھے۔ دوبارہ اُس سنار کی دُکان کا رُخ نہیں کیا کہ کہیں

کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

لباس مل جانے کے بعد میں نے مزید چار سکے ایک اور جوہری کے ہاتھ فروخت کئے اور اُسے بھی ایک کہانی سنا دی۔ جوہری نے مجھ پر کوئی شبہ نہیں کیا تھا۔ اس طرح میرے پاس ایک اچھی خاصی رقم ہوگئی۔ میں نے سوٹ کیس کو احتیاط سے محفوظ جگہ رکھا اور گھومنے نکل گیا۔

آج میں نے تاج محل دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ زمانہ قدیم کی یہ حسین یادگار، آج بھی اپنی تمام روایتوں کے ساتھ دنیا کے سامنے تھی۔ کیسے کیسے عجیب لوگ تھے۔ ایک دوسرے کی محبت میں دیوانے ہو جاتے تھے۔ شاید زندگی کے دوسرے مسائل اُن سے دُور رہتے ہوں گے۔ شاہ جہان نے ممتاز محل سے عشق کیا اپنی پسند کے مطابق، تاج محل تعمیر کرا دیا۔ اگر وہ بھی ہم شکلوں کے بیچ پھنس جاتا تو تاج محل کا وجود اس کائنات میں نہ ہوتا۔ سیاحوں کی ٹولیاں اِدھر اُدھر گردش کر رہی تھیں۔ نوادرات کی دُکانیں سجی ہوئی تھیں۔ تاج محل کے چھوٹے بڑے ماڈل برائے فروخت رکھے ہوئے تھے اور جانے کیا کیا چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔

فوٹو گرافر تاج محل کے ہر حصے کی تصویر بنانے کے لئے مستعد تھے اور ہر شخص سے اس بارے میں سوالات کر رہے تھے۔ شاہ جہان کے مقبرے میں ایک مؤذن آواز کے کرشمے دکھانے کے لئے مستعد کھڑا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ وہاں پر اذان دیتا جس کی آواز تاج محل کے بے شمار گوشوں میں پہنچ جاتی تھی۔ شاہ جہان اور ممتاز محل کی اصل قبریں نیچے تہہ خانے میں تھیں۔ اُوپر اُن کی نقل بنائی گئی تھی۔

میں تاج محل کے اُس حصے کی جانب چل پڑا جہاں سے جمنا بہتی نظر آتی تھی۔ اُس طرف زیادہ لوگ نہیں تھے۔ نیچے گہرائیوں میں جمنا بہہ رہی تھی۔ اس عمارت کا حسن اپنی روایتوں کے ساتھ عجیب ہی کیفیت رکھتا تھا۔ دیر تک اس جگہ کھڑا جمنا کا نظارہ کرتا رہا۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ یہ راہ داری آگے جا کر ختم ہو جاتی تھی اور اُس طرف کا گوشہ سنسان پڑا ہوا تھا۔

اچانک ہی ایک عجیب سی روشنی کا احساس ہوا۔ یہ روشنی مجھ پر پڑی تھی اور میری نگاہیں بے اختیار اپنی داہنی سمت گھوم گئیں۔ اس جگہ جہاں تھوڑی دیر پہلے کوئی نہیں تھا، مجھے ایک

خوش لباس عورت نظر آئی جو بلند قامت تھی۔ اُس کے ہاتھ میں کیمرہ دبا ہوا تھا اور یقیناً یہ اس کیمرے کی روشنی ہی تھی جو دن کی وجہ سے بہت زیادہ محسوس نہیں ہوئی تھی۔ مگر یہ احساس ضرور ہوگیا تھا کہ کوئی چیز چمکی ہے۔ عورت نے کیمرہ نیچے کیا اور بے پروائی سے میرے نزدیک سے گزر گئی۔ لیکن ایک عجیب سا احساس میرے ذہن میں جاگزیں ہوگیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میری تصویر لی گئی ہو۔ ویسے تو سیاح تاج محل کے گوشے گوشے کی تصاویر لے رہے تھے۔ شاید ان پر پابندی بھی عائد کر دی گئی ہے۔ لیکن یہ پابندی غیر ملکی سیاحوں پر نہیں ہے یا ہوگی، مجھے اس کا اندازہ نہیں۔ لیکن یہ تصویر تاج محل کے کسی گوشے کی نہیں لی گئی تھی۔ کیونکہ میں بھی احمق آدمی نہیں تھا۔ میں پوری طرح فلش لائٹ میں آیا تھا۔ یہ سرپھرے لوگ ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اُس خاتون کو میرا یہ پوز پسند آ گیا ہو اور انہوں نے بہتی ہوئی جمنا کے ساتھ ساتھ میری تصویر بھی لے ڈالی ہو۔ یہ کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں تھی۔ لیکن جانے کیوں میرے ذہن میں چبھتی رہی۔ خاتون بھی کچھ عجیب و غریب خدوخال کی مالک تھیں۔ مغربی لباس تھا لیکن چہرے کے نقوش خالص مغربی نہیں کہے جاسکتے تھے۔ رنگ انگریزوں کی مانند تھا، لیکن انگریزوں جیسی کھردراہٹ چہرے پر نہیں تھی۔ بلکہ اس میں ایک انوکھی سی ملاحت تھی جسے کوئی تشبیہ نہیں دی جاسکتی تھی۔ خدوخال سے خاصی حسین عورت تھی۔ اور عمر کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ تیس سے لے کر پینتالیس تک کوئی بھی عمر تعین کی جاسکتی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور میں شانے جھٹک کر پھر جمنا کی جانب متوجہ ہوگیا۔ یہ بات قابل غور نہیں تھی جس پر میں مسلسل توجہ دیتا۔

تاج محل سے نکل کر اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ مجھے یہ اندازہ ضرور ہوگیا تھا کہ آگرہ میری مستقل رہائش گاہ نہیں بن سکتا۔ یہاں ایسی خوبی نہیں تھی کہ قدم جمانے کے بارے میں سوچا جاسکے۔ پھر یہیں سے فتح پور سیکری کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور فتح پور سیکری روانہ ہوگیا۔

فتح پور سیکری میں، میں نے ''بلند دروازہ'' دیکھا جو بلا شبہ عظیم تھا۔ وہ عظیم الشان مسجد دیکھی جس میں خواجہ سلیم الدین چشتی کی درگاہِ مبارک تھی۔ اس کے بعد رانی جودھا بائی کے محل کی جانب آ گیا۔ یہاں آکر میں مغلوں کی تاریخ میں کھو گیا اور مجھے اپنے اطراف میں

ہلکی ہلکی سرسراہٹیں سنائی دینے لگیں..... دورِ مغلیہ نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا..... با ادب! ملاحظہ کی آوازیں سرگوشیوں کے انداز میں کانوں میں اُبھرنے لگی تھیں۔ ایک عجیب سا سحر ذہن اور دل پر طاری ہو گیا۔

ایک تیز آواز سنائی دی تو میں چونک اُٹھا۔ سہمی ہوئی نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا اور گہری سانس لے کر رہ گیا۔ آواز ایک پتھر کے لڑھکنے سے پیدا ہوئی تھی اور پتھر میرے جیسے کسی سیاح کی ٹھوکر سے اپنی جگہ سے ہٹا تھا۔ مجھے دو پاؤں نظر آئے جو سیڑھیاں اُتر رہے تھے۔ یہ سیڑھیاں ایک تنگ دروازے کی شکل میں تھیں اور نیچے آنے والے کا چہرہ اسی وقت نظر آ سکتا تھا جب وہ نیچے آ جائے۔ کوئی جھک کر آخری سیڑھی اُترنے کے بعد باہر نکلا اور میری آنکھیں اُسے دیکھتی رہ گئیں۔ ایک لمحے میں، میں نے اُسے پہچان لیا..... یہ وہی سیاح عورت تھی جس نے تاج محل میں میری تصویر بنائی تھی۔ اُس نے بھی ٹھٹک کر مجھے دیکھا۔ اُس کی آنکھیں میرا جائزہ لیتی رہیں۔ پھر وہ سپاٹ چہرہ لئے آگے بڑھ گئی۔ میں سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ یہ سب کیا ہے؟ اُس عورت کا چہرہ بلاشبہ حسین تھا۔ لیکن اُس کے خدوخال میں ایک ایسی بات تھی جسے میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔ لیکن میں نے اُسے ذہن سے نکال پھینکا اور فتح پور سیکری کے مزید علاقے دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ وہاں میں دو دن رُکا اور پھر بمبئی روانہ ہو گیا۔

بمبئی عالمی شہر اور ہندوستان کی فلمی زندگی کا مرکز ہے۔ میرے ذہن میں بمبئی کا تصور اُس وقت بھی تھا جب میں خالہ شہادت کی کھولی میں رہتا اور ننھے منے معصوم سے خواب دیکھتا تھا۔ اب تو زندگی نے رنگ ہی کچھ اور اختیار کر لئے تھے۔ چھوٹی موٹی چیزیں ذہن میں آتی ہی نہیں تھیں۔

ریلوے سٹیشن پر ہی مجھے ہوٹلوں کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو گئیں اور میں نے بھی ایک عمدہ سے ہوٹل کا انتخاب کر لیا۔ ہوٹل میں داخل ہونے کے بعد یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ ہندوستان کے کس شہر میں ہوں۔ کچھ دیر آرام کیا اور رات کو ایک انتہائی اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں پروگرام دیکھنے گیا۔ کچھ خاص رقاصائیں اور چند مقامی فنکار سٹیج شو پیش کر رہے تھے جس کا اہتمام ایک ہوٹل نے کیا تھا اور کافی پبلسٹی کی گئی تھی۔ ایک ایک میز پر چار چار افراد کے لئے گنجائش رکھی گئی تھی۔ میں جس میز پر بیٹھا، اُس پر صرف ایک فرد آیا ہوا تھا۔

باقی دو سیٹیں خالی تھیں۔ لیکن اُن پر ریزرویشن کے کارڈ لگے ہوئے تھے۔ سٹیج پر تیز روشنیوں میں آرکسٹرا مدھم موسیقی بکھیر رہا تھا۔

ابھی پروگرام شروع نہیں ہوا تھا۔ میری نگاہیں اطراف میں بھٹکنے لگیں۔ بمبئی سے متعلق جتنی روایتیں تھیں وہ سب کی سب یہاں زندہ تھیں۔ مختلف صوبوں کے لوگ، مختلف چہرے لئے میرے سامنے تھے۔ میں اُن کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر میں نے کرسی ہلکی سی گھمائی اور اپنے عقب میں دیکھنے لگا۔ میرے بالکل ہی برابر والی میز پر بھی تین سیٹیں خالی تھیں۔ اور صرف ایک خاتون اُس میز کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے یونہی سرسری نگاہوں سے جائزہ لیا تو میرے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا اور میں ایک لمحے کے لئے ساکت رہ گیا..... یہ چہرہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ یہ وہی سیاح عورت تھی، جس سے دو بار میری ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ اس وقت بھی مجھے ہی دیکھ رہی تھی اور میں اپنے جھنجھناتے ذہن پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ کیا یہ صرف اتفاق ہے؟ کیا اب بھی اسے اتفاق قرار دیا جا سکتا ہے؟ میں نے سوچا اور جرأت سے کام لے کر اُٹھ گیا۔ میرا رُخ اُسی کی میز کی جانب تھا۔ اب اس حقیقت کی نقاب کشائی ہو جانی چاہئے۔

اُس کی مدھم لیکن گونج دار آواز سنائی دی۔ ''بیٹھ جائیے پلیز.....''

میں ایک لمحے کے لئے جھجکا۔ لیکن کرسی سرکا کر بیٹھ گیا۔ اب جب یہاں تک آ ہی گیا تھا تو باقی مراحل بھی طے ہو جانے چاہئیں تھے۔

میرا خیال تھا کہ مجھے اس طرح سامنے دیکھ کر اُس کے انداز میں کوئی تبدیلی پیدا ہو گی یا وہ میری آمد کو بہت اچھے انداز میں نہیں لے گی کیونکہ پہلی ملاقاتوں میں اُس نے مجھے صرف دیکھنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ لیکن میں نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا تو وہ بالکل پُرسکون تھی۔ چند لمحات کے لئے میں اُس کے قریب آنے کی وجہ بھی بھول گیا۔

''کیا پئیں گے آپ؟'' اُس نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

''شکریہ..... کچھ نہیں۔''

''کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟'' اُس نے سوال کیا۔

اب میرے لئے خاموش رہنا ناممکن تھا۔ میں نے اپنا حلق صاف کیا اور آہستہ سے بولا۔ ''شاید آپ کو یہ احساس ہو کہ یہ ہماری پہلی ملاقات نہیں ہے۔''

''یہاں آپ نے لفظ احساس کا استعمال غلط کیا ہے۔ مجھے یقین ہے بلکہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پہلے بھی ہماری ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں اور یقینی طور پر آپ اسے ایک دلچسپ اتفاق سمجھ رہے ہوں گے۔''

''بدقسمتی سے میرے ذہن میں تجسس کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں بے چین ہو کر آپ کے سامنے آ گیا۔''

''آپ اسے تجسس کہہ لیں۔ لیکن میں کچھ اور سمجھتی ہوں۔'' اُس نے پر اعتماد مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

زندگی میں اب اتنا کچھ حاصل ہو چکا تھا مجھے کہ میں اپنے آپ کو ناتجربہ کار شخص نہیں کہہ سکتا تھا۔ اتنی ہمت پیدا ہو گئی تھی کہ جرات سے کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکوں۔ لیکن یہ پراسرار عورت..... یہ پراسرار وجود، اُس وقت مجھے احساس دلا رہا تھا کہ میرا تجربہ غلط ہے اور کوئی شخصیت ایسی بھی میرے سامنے آ سکتی ہے جس کے نزدیک پہنچ کر زبان میرا ساتھ چھوڑ دے۔ اس وقت بھی یہی احساس ہو رہا تھا۔ میں کچھ نہ بول سکا۔ وہ خاموشی سے میری صورت دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے کہا۔

''میں آپ کا تجزیہ کر رہی ہوں۔ آپ مجھے مسلسل اپنے ساتھ دیکھ رہے ہوں گے۔''

''ہاں! میں اسے اتفاق ہی سمجھ رہا ہوں۔''

''نہیں..... یہ اتفاق نہیں ہے۔ میں آپ کا تعاقب کر رہی ہوں۔'' اُس نے بہت صاف گوئی سے کام لے کر کہا۔

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''دنیا کا کوئی بھی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔''

''میں یہ مقصد جاننا چاہتا ہوں۔''

''بے شمار باتیں اپنے وقت پر سامنے آ جاتی ہیں۔ وقت سے پہلے انہیں نہیں جانا جا سکتا۔''

''گویا آپ یہ بتانے پر آمادہ نہیں ہیں کہ آپ میرا تعاقب کیوں کر رہی ہیں؟'' میں ہمت کر کے بولا۔

''نہیں.....'' وہ اُسی ٹھوس لہجے میں بولی۔

اب میرے پاس کوئی اور سوال نہیں تھا۔ میں احمقوں کی طرح اُس کے سامنے بیٹھا رہا۔ وہ مسکراتی رہی۔ میرے ذہن میں اُس کے لئے حیرت پیدا ہو گئی تھی۔ چند لمحے میں نے چپ رہنے کے بعد کہا۔

''لیکن آپ آخر مجھ سے چاہتی کیا ہیں؟ میرا مطلب ہے میں آپ کے کس کام آ سکتا ہوں؟''

''فی الحال اگر آپ چاہیں تو میرے دوست بن سکتے ہیں۔ بہت سی باتیں چند لمحات میں نہیں سمجھائی جا سکتیں۔ اتنا میں آپ کو بتا دوں کہ میرے دوست بن کر آپ فائدے میں رہیں گے۔''

''چلئے ٹھیک ہے۔ میں یہ بات تسلیم بھی کر لوں کہ کسی طرح آپ میری شخصیت سے واقف ہو گئی ہیں لیکن آپ کا دوست ہو کر میں آپ کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہوں؟''

''دوستوں کو فائدے یا نقصان کے لئے منتخب نہیں کیا جاتا۔ بس! بعض اوقات جی چاہتا ہے کہ کسی سے دوستی کر لی جائے۔ اب اُس کے نفع اور نقصان کا مسئلہ تو بعد میں سامنے آتا ہے۔''

''بے مقصد دوستی کسی سے نہیں کی جاتی۔''

''میں نے کب کہا؟ بلکہ میں نے تو یہ اعتراف بھی کیا کہ میں جوہر شناس ہوں اور میں نے تمہاری شخصیت میں وہ چیزیں تلاش کر لی ہیں جو میرے لئے کارآمد ہو سکتی ہیں۔''

''آپ کی دوستی قبول کر کے مجھے کیا فائدہ ہو گا؟''

''آپ بار بار یہی سوال دُہرا رہے ہیں۔ میں نے کہا نا فائدہ یا نقصان تو بعد ہی میں سامنے آتا ہے۔ یہ بتایئے آپ میری دوستی قبول کرنا پسند کریں گے یا نہیں؟''

''فرض کیجئے میں ہاں کہہ دوں تو؟''

''تو پھر میں آپ سے آپ کے بارے میں بھی پوچھوں گی کہ آپ کون ہیں؟ آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟''

''اور اس کے جواب میں آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں گی؟''

''اس حد تک جہاں تک مناسب ہو۔''

''گویا حدود کا تعین کیا جائے گا۔'' میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''ہاں۔ حدود ہر حال میں قائم رہنی چاہئیں، ورنہ نقصانات بھی ہو جاتے ہیں۔ آپ مجھے
بتائیے! آپ کون ہیں؟''

''میرا نام منصور ہے اور میں صرف ایک سیاح ہوں۔''

''تعلق کہاں سے ہے؟''

''آپ ساری دنیا سے میرا تعلق سمجھ سکتی ہیں کیونکہ اب تو میں اپنی اصل جگہ ذہن سے
فراموش کر چکا ہوں۔''

''کون کون سے ممالک گھومے ہیں آپ نے؟''

''بے شمار۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر..... اور مجھے یقین ہے کہ مستقبل میں آپ کو بھی مجھ
سے مل کر بہت خوشی ہوگی۔'' اُس نے جواب دیا۔

''اب یہی سوال میں آپ سے کرنا چاہتا ہوں میڈم!''

''بس! میں اپنی زندگی کے بارے میں خود بھی کچھ نہیں جانتی۔ کون ہوں؟ کیا ہوں؟ بہت
بہت سے سوالات میرے ذہن میں اُلجھتے رہتے ہیں۔''

''نام کیا ہے آپ کا؟''

''نام..... ہم ناموں کو تعارف کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ تعارف کے لئے بعض اوقات
صورتیں بھی کافی ہوتی ہیں۔ تم مجھے اپنی ایک صورت آشنا سمجھ لو اور بس.....''

''کیا یہ اس حقیقت سے انحراف نہیں ہے کہ آپ اپنے آپ کو برتر سمجھتی ہیں؟''

''نہیں یہ حقیقت ہے کہ میں بہت سوں سے برتر ہوں۔'' عورت نے جواب دیا۔

''اور اگر میں آپ کی برتری تسلیم نہ کروں تو؟''

''کوئی بات نہیں۔ میں برتری تسلیم کراتی ہوں اور کچھ دن کے بعد میرے شناساؤں کو
اپنے خیالات تبدیل کرنا پڑتے ہیں۔'' اُس کے لہجے میں ایک غرور سا شامل ہو گیا تھا۔ لیکن
نجانے کیوں مجھے اُس کے یہ الفاظ اپنی توہین محسوس ہوئے۔ میں نے آہستہ سے گردن
جھکائی اور بولا۔

''میڈم! ہو سکتا ہے آپ ڈرامائی زندگی گزارنے کی عادی ہوں۔ آپ نے اپنے آپ
کو ایک پُراسرار اور پُرسحر شخصیت تسلیم کیا ہو۔ لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص آپ کو

ایسے تسلیم کر لے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آپ سے آپ کے بارے میں معلوم کروں
میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ میرے ذہن میں تجسس تھا لیکن آپ اپنے آپ کو
زیادہ ڈرامائی بنانے کی کوشش کر رہی ہیں تو معاف کیجئے گا میرے ذہن میں آپ کا وہ
مقام نہیں رہا۔ ہاں! اگر آپ اچھے انسانوں کی طرح مجھ سے اپنا تعارف کروا دیتیں تو شاید
میں آپ کی دوستی قبول کر لینے پر بھی غور کرتا۔

''جا رہے ہیں؟ ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے میں نے آپ کو خود نہیں بلایا تھا۔ آپ آئے
تھے آپ کو جانے سے بھی نہیں روک سکتی۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ وقت ہمارا
تعارف کرائے گا اور اُس وقت، آپ کو افسوس ہوگا کہ آپ نے میری دوستی کی پہلی
کوشش کو قبول کیوں نہیں کیا۔''

میں تلخی سے مسکرایا اور ہال سے نکل کر اپنے ہوٹل چلا آیا۔

کمرے میں آ کر میں نے لباس تبدیل کیا اور سونے کے لئے مسہری پر دراز ہو گیا۔
ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ دفعتہً دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ میں نے
چونک کر گھڑی دیکھی۔ اس وقت رُوم سروس کا کوئی آدمی تو نہیں ہو سکتا کیونکہ قواعد کے
مطابق مقررہ اوقات کے بعد مہمانوں کے دروازے نہیں کھٹکائے جاتے۔ پھر کون ہیں؟
میں نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ نارنجی رنگ کی خوبصورت ساڑھی میں ملبوس ایک
درمیانی جسامت کی لڑکی سامنے کھڑی تھی۔ ''جی فرمائیے.....'' میں نے پوچھا۔

''تھوڑی سی جگہ دیں گے اندر آنے کے لئے؟'' اُس نے بے باکی سے سوال کیا اور
میں بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اندر آ گئی اور دروازہ بند کر دیا۔

''کون ہیں آپ..... اور کیا چاہتی ہیں؟'' میں نے اُس کی اس حرکت کو تعجب کی نگاہ
سے دیکھا تھا۔

''میں تنہائیوں کی ساتھی ہوں۔ بملا ہے میرا نام۔''

''کس نے آپ سے کہا کہ میں تنہا ہوں؟''

''میرے دل نے۔ میں نے محسوس کیا کہ تم یہاں اس وقت کسی کی کمی محسوس کر رہے ہو۔''

''دروازہ کھولو اور باہر نکل جاؤ۔ میں تم جیسی لڑکیوں کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ سوری
تم غلط کمرے میں آ گئیں۔''

''میں کبھی غلط جگہ کا انتخاب نہیں کرتی۔''

''کاش! تم کوئی شریف لڑکی ہوتیں تو میں تمہیں احترام سے کہتا کہ بیٹھو یا چلی جاؤ۔'' وہ مجھے دیکھتی رہی۔ اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ غائب ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے اُس کے چہرے پر یہ بدلتے ہوئے تاثرات دیکھے تو آہستہ سے بولا۔ ''لڑکی! میں ان راستوں کا راہی نہیں ہوں جن کا تم نے مجھے سمجھ لیا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کیسے یہ بات معلوم ہوئی کہ میں یہاں اس کمرے میں تنہا ہوں۔''

''سوری مسٹر..... سوری! دراصل..... دراصل.....'' اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''ہاں کہو! آگے کہو۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔'' اُس نے دروازہ کھولا اور واپسی کے لئے پلٹی۔

''ایک منٹ..... ایک منٹ..... اندر آؤ!'' میں نے کہا۔ وہ ایک لمحے کے لئے رُکی، پھر اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ واپس آ گئی۔ ''نہیں۔ تم غلط سمجھی ہو۔ میں نے تمہارے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر دیکھا، جس نے مجھے تمہیں دوبارہ واپس بلانے پر مجبور کر دیا۔ میرا وہ مقصد نہیں ہے جو تمہارے ذہن میں آیا ہے۔''

''دراصل جناب میں..... میں اس وقت مجبور ہوں۔ انتہائی مجبور..... مجھے پیسے چاہئیں۔ میرے لئے تھوڑی سی رقم بے حد ضروری ہے۔ ورنہ بہت سے نقصانات سے دوچار ہو گئی ہوں۔ جانے کیوں آج تقدیر کچھ ساتھ نہیں دے رہی۔ کئی جگہ کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ بڑی ہمت کر کے یہاں تک پہنچی تھی۔''

''ہوں..... کم از کم کتنی؟'' میں نے سوال کیا۔

''جو کچھ بھی آپ دے دیں۔''

''لو! یہ پیسے رکھ لو۔ اور جاؤ! اگر تم فریب کر رہی ہو تو بھی مجھے یہ پیسے دے کر کوئی افسوس نہیں ہو گا۔ لیکن بہتر ہے کہ آئندہ ایسا فریب کبھی کسی کے ساتھ نہ کرنا۔''

اُس نے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ پیسے لئے اور آہستہ سے بولی۔ ''بھگوان کی سوگند! میں نے فریب نہیں کیا۔'' اُس نے یہ کہا اور پھر باہر نکل گئی۔ میں نے دروازہ بند کیا اور واپس بستر پر آ لیٹا۔

☆.....☆.....☆

صبح تقریباً ساڑھے آٹھ بجے آنکھ کھلی تو میں نے گنگناتے ہوئے غسل خانے کا رُخ کیا۔ ابھی پوری طرح نہا بھی نہ سکا تھا کہ دروازے پر زور زور سے دستک سنائی دینے لگی۔ میں نے غسل خانے سے ہی آواز لگائی کہ انتظار کرو، آ رہا ہوں۔ کوئی ویٹر وغیرہ ہو سکتا تھا۔ غسل کے بعد بال سنوارتا ہوا باہر نکلا۔ پہلے جس شخص پر نگاہ پڑی، وہ ہندوستانی پولیس آفیسر تھا..... اُس کی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ پھر اُس نے مشتبہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا اور اندر گھس آیا۔ اُس کے پیچھے تین پولیس والے اور ہوٹل کے عملے کے کچھ افراد بھی تھے جنہیں میں نہیں پہچانتا تھا۔ ان سب کو اس جارحانہ انداز میں اندر آتے دیکھ کر میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ میری چھٹی حس نے اعلان کیا کہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔

''ہوں..... تو یہ تم ہو۔'' آفیسر نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''خیریت آفیسر، کیا بات ہے؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''اور کون رہتا ہے یہاں تمہارے ساتھ؟''

''کوئی نہیں۔ مگر تمہیں کیا تکلیف ہے؟''

''تکلیف تو تمہیں پہنچنے والی ہے دوست! کتنی معصوم صورت بنائے کھڑے ہو۔''

''آفیسر! بات بتائے بغیر فضول باتوں سے گریز کریں آپ!'' میں نے کسی قدر کرخت لہجے میں کہا جس کے اثرات کچھ بہتر نمایاں ہوئے۔ آفیسر ایک لمحے کے لئے جھجک گیا تھا۔ پھر اُس نے کہا۔

''تم نے لڑکی کو کیوں قتل کیا؟ کیا بات تھی؟''

''کیا.....؟'' میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

''تمام مجرم ایسی ہی اداکاری کرتے ہیں۔''

''میں ایک بار پھر آپ سے کہہ رہا ہوں آفیسر! کہ ذرا احتیاط سے گفتگو کریں۔ میں بھی

کوئی گیا گزرا آدمی نہیں ہوں۔ آپ کو مشکل پڑ جائے گی۔''

''مجرم کتنا ہی بڑا آدمی ہو۔ پولیس اُسے کوئی اہمیت نہیں دیتی۔''

''آپ مجھے کم از کم یہ تو بتایئے کہ مجھ پر الزام کیا ہے؟''

''تم نے بملا نامی لڑکی کو قتل کیا ہے۔''

''کیا.....؟'' میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ بملا کا نام میں نہیں بھول سکا تھا۔ پھر میں نے بے ساختہ پوچھا۔ ''کک.....کیا.....کیا اُسے قتل کر دیا گیا؟''

''کیا تم بملا کے قتل کی وجہ بتا سکتے ہو؟''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے آفیسر! کہاں ہے اُس کی لاش؟''

''جہاں تم نے اُسے پھینکا۔ سیڑھیوں کے نیچے جو خلا بنا ہوا ہے، وہاں لاش پڑی ہے۔ پولیس وہاں متعین ہے، کیا سمجھے؟ وہاں تمہاری اُنگلیوں وغیرہ کے نشانات ضرور موجود ہوں گے۔ سب کچھ پتہ چل جائے گا۔ چلو..... تیاریاں کرو!''

''کک.....کہاں؟''

''پولیس سٹیشن.....ظاہر ہے تمہیں وہیں لے جانا ہے۔'' پولیس آفیسر نے کہا۔

میں بڑا پریشان ہو گیا تھا۔ بملا بے شک میرے پاس آئی تھی۔ لیکن قتل..... کس نے قتل کر دیا اُسے؟ میں پولیس آفیسر کے ساتھ باہر نکل آیا۔ میرا تمام سامان پولیس نے اپنی تحویل میں لے لیا اور پولیس آفیسر مجھے ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ یہی شکر تھا کہ اُس نے میرے ہاتھ میں ہتھکڑی لگانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُسے شواہد ضرور ملے تھے کہ بملا کا قاتل میں ہو سکتا ہوں، لیکن کوئی ٹھوس ثبوت اُس کے پاس موجود نہیں تھا۔ میری درخواست پر اُس نے مجھے سیڑھیوں کے نیچے بملا کی لاش دکھائی، جس کے فوٹو گراف وغیرہ بنائے جا چکے تھے اور اب اُسے اُٹھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بملا کو غالباً گردن دبا کر ہلاک کیا گیا تھا۔ مجھے اس لڑکی کا مظلوم چہرہ دیکھ کر جانے کیوں بے حد دکھ ہوا۔ اُس نے چلتے وقت قسم کھائی تھی کہ اُس نے مجھ سے فریب نہیں کیا۔ لیکن اُسے کس نے قتل کیا؟ میرا ذہن چند لمحات کے لئے ماؤف ہو گیا تھا۔

پولیس آفیسر کو خوامخواہ مجھ سے کد ہو گئی تھی۔ ''گڈ..... ویری گڈ..... آپ تو یوں لگتا ہے جیسے انگریزوں کا ہندوستان سے لے جایا ہوا سارا مال واپس لے آئے ہیں۔ لندن ہی

ہیں نا یہ سونے کے زیورات اور جواہرات وغیرہ؟''

میں کچھ نہ بولا۔

''آیئے.....بہتر ہے کہ یہ سب سامان یہاں سے نکال لیں۔ لاکرز میں بہت عرصے رہ چکا، اب پولیس کی تحویل میں رہنا چاہئے۔''

میں بھلا کیا انکار کر سکتا تھا؟ ڈی ایس پی نے سامان نکلوا کر ایک تھیلے میں بھرا اور اُسے سیل کر دیا۔ مجھے لاک اَپ میں بھیج دیا گیا۔ ڈی ایس پی نے تھانے جا کر مجھ سے اور کوئی بات نہیں کی۔

لاک اَپ میں پہنچ کر میں زمین پر لیٹ گیا۔ پھر نئی قسم کی مصیبتوں کا آغاز ہو چکا تھا اور میں پھر پولیس کی نگاہ میں تھا۔ یہ آنکھ مچولی تو میری زندگی میں بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا اور اس نئے مسئلے سے میں کیسے بچ سکوں گا؟

غالباً اُس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں نے اُس کے ساتھیوں کے سامنے بہت تلخ اور کسی قدر بدتہذیبی سے گفتگو کی تھی۔ چنانچہ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ ذلیل و خوار کرنے پر تل گیا تھا۔ لاک اپ میں پہنچنے کے بعد جب میں نے سنجیدگی سے حالات پر غور کیا تو دفعتہً ہی مجھے پھر غصہ آ گیا۔ اُن لوگوں نے جو کچھ میرے ساتھ سلوک کیا تھا، وہ یقیناً زیادتی تھی۔ بھلا کیا ثبوت ہے اُن کے پاس کہ بملا کا قاتل میں ہوں۔ وہ تو میرے کمرے میں بھی نہیں پائی گئی۔ بے شک وہ میرے پاس آئی ضرور تھی لیکن میرے اور اُس کے درمیان جو لمحات گزرے اور جتنی گفتگو اُس نے کی، اُس بارے میں جانے بغیر ان لوگوں نے مجھے اُس کا قاتل سمجھ لیا۔ جس سے میری ملاقات لمحاتی تھی۔

پولیس سٹیشن میں تقریباً مجھے چار گھنٹے یونہی گزارنے پڑے اور ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی موجودگی میں مجھے باہر نکال لیا گیا۔ ڈپٹی کسی قدر نرم مزاج اور سلیقے کا آدمی تھا۔ اُس نے سر سے پاؤں تک مجھے دیکھا اور پھر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ مجھ سے بولا۔ ''کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے بملا کو ہلاک کر کے اُس کی لاش سیڑھیوں کے نیچے پھینک دی؟''

''آفیسر! بہت افسوس کی بات ہے کہ کسی بھی حقیقت کا ثبوت حاصل کئے بغیر آپ نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور انتہائی غیر ذمہ دارانہ انداز میں مجھے یہاں لے آیا گیا۔''

''نہیں..... ایسی بات نہیں ہے۔ دراصل! آپ کے سلسلے میں چند ایسے لوگوں نے گواہیاں دی ہیں جنھوں نے بملا کو اور آپ کو ایک ساتھ دیکھا ہے۔''

''غلط..... بالکل غلط۔''

''میں آپ کا اُن سے تعارف کرائے دیتا ہوں۔ بلاؤ!'' اُس نے غالبًا انسپکٹر سے کہا اور اُس نے ایک شخص کو اندر بلا لیا جو ویٹر کے لباس میں ملبوس تھا۔ میں اُسے نہیں جانتا تھا۔ اندر آنے کے بعد وہ سہما سہما سا ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

''ہوں..... تم بتاؤ! تم نے کیا دیکھا؟''

''صاحب! میری رات کی ڈیوٹی تھی۔ اُس وقت مہمانوں کی آمد و رفت بہت کم ہو گئی تھی۔ میں گیلری میں کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ میں نے اُس لڑکی کو ان کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ کمرے کے اندر چلی گئی اور میں پریشانی سے یہ سوچتا رہ گیا کہ مینجر صاحب کو اس بارے میں اطلاع دوں یا نہ دوں..... صاحب! ہمارے ہوٹل میں عیاشی نہیں ہوتی۔ ہم نے اس سلسلے میں خاص طور سے نگاہ رکھی ہے۔ مگر یہ سب کچھ..... یہ سب کچھ..... میں وہاں سے ہٹ کر مینجر صاحب کے کمرے کی طرف گیا تو مینجر صاحب مجھے اپنے کمرے میں نہیں ملے۔ بہرطور! میں واپس گیلری میں آ گیا۔ پھر میں نے سوچا کہ جب وہ واپس جائے گی تو میں اُس سے بات چیت کروں گا۔ پھر میں انتظار ہی کرتا رہا۔ لیکن وہ واپس نہیں گئی۔''

''ہوں..... کیا خیال ہے جناب؟ ویسے اتفاق سے ہم ابھی تک آپ کے بارے میں بھی نہیں جان سکے۔''

''میرا نام منصور ہے۔ سیاح ہوں اور بغرض سیاحت یہاں آیا ہوا ہوں۔ زیادہ دن نہیں گزرے، آگرہ اور دہلی دیکھ کر یہاں پہنچا ہوں۔ ویسے لندن کا باشندہ ہوں۔ مستقل وہیں قیام رکھتا ہوں۔''

''گڈ..... گڈ! بہرطور! ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن قانون شکنی کو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ بملا کو آپ نے کیوں قتل کر دیا؟''

''ڈی ایس پی صاحب! میں اس بارے میں بالکل کچھ بھی نہیں جانتا۔ کیوں آپ اس

کو میرے نام سے منسوب کر رہے ہیں؟''

''اوہو..... اوہو..... نہیں۔ نہیں! آپ کا یہ خیال غلط ہے۔ ایک منٹ بلاؤ۔'' اُس نے ی کے انداز میں پھر انسپکٹر سے کہا اور انسپکٹر پھر باہر نکل گیا۔ اس بار وہ ایک ایسے شخص کو ساتھ لے کر آیا جو دھوتی اور کرتے میں ملبوس تھا۔ چہرے ہی سے بدمزاج آدمی نظر آتا تھا۔ ادھیڑ عمر تھا۔ وہ اندر آ گیا اور آتے ہی بولا۔

''واہ صاحب..... یہ اچھی بات ہے، کرے کوئی بھرے کوئی۔ یعنی نیکی کرو اور بھاڑ میں چلے جاؤ۔ ہم سے غلطی ہو گئی صاحب! معاف کر دیجئے۔ آئندہ کبھی دھرم سدھارنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ سماجی کارکن نہیں بنیں گے۔ بس! غلطی ہو گئی ایک بار۔ آئندہ نہیں ہو گی۔''

''آپ تفصیل تو بتا دیجئے.....'' پولیس آفیسر نے پوچھا۔

''ارے بھائی! تفصیل کیا..... بگڑے ہوئے نوجوان ہیں آج کل کے۔ عیاشی کے بغیر زندگی نہیں گزرتی۔ ہم اچھے خاصے سو رہے تھے کہ دروازے پر دستک سنائی دی۔ گھر والی نے کہا کہ ہمارے کمرے کے دروازے پر کوئی ہے۔ ہم نے دروازہ کھول کر دیکھا تو وہ لڑکی جس کی لاش سیڑھیوں کے نیچے پڑی ملی ہے، ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔ پھر انہوں نے دروازہ کھولا اور وہ اندر چلی گئی۔ بس جی! یہ ہم نے دیکھا اور دروازہ رام رام کہہ کر بند کر لیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ آئندہ جب بھی بمبئی آئیں گے، ہوٹل میں نہیں ٹھہریں گے۔ اپنا ہی کوئی ٹھکانہ کرنا پڑے گا۔ ہم یہاں کاروبار کے سلسلے میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ اس بار ہماری دھرم پتنی اور بیٹی بھی ساتھ آ گئی تھیں۔ اب بتائیے! وہ ہم سے پوچھنے لگیں کہ کون تھا؟ کیا جواب دیتے انہیں؟ رام، رام، رام.....''

''ہوں..... ٹھیک ہے۔ اب آپ اپنے ہوٹل واپس جا سکتے ہیں۔ لیکن انسپکٹر! ان کے بارے میں تمام تفصیل حاصل کر لیجئے تاکہ اگر ان کی ضرورت پیش آئے تو انہیں بلایا جا سکے۔''

''ارے بھائی! کیوں مصیبت میں پھانس رہے ہو ہمیں؟ ہم بھلا کہاں سے آتے جائیں گے؟ ہم کاروباری آدمی ہیں۔ ایک دن کام نہ کریں تو جانے کتنے کا نقصان ہو جاتا ہے.....''

''بہر طور! یہ آپ کو کرنا ہوگا۔ جائیے۔'' ڈی ایس پی نے کہا اور انسپکٹر اُسے ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ تب ڈی ایس پی میری طرف دیکھ کر بولا۔ ''ہاں جناب! کیا نام بتایا آپ نے منصور..... غالباً منصور صاحب! اب آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ نے بملا کو کیوں قتل کیا؟''

صورت حال کا مجھے کافی حد تک اندازہ ہوگیا تھا۔ ویٹر نے بملا کو میرے دروازے پر دیکھا تھا۔ اس کے بعد اُس شخص نے جو غالباً میرے کمرے کے پڑوس ہی میں رہتا تھا۔ اب میں کیا بتاتا اُن لوگوں کو کہ میرے ساتھ کیا بیتی ہے؟ میں نے مدھم لہجے میں ڈی ایس پی سے کہا۔ ''ڈی ایس پی صاحب! ظاہر ہے ان لوگوں نے جو گواہی دی ہے اس کی روشنی میں آپ مجھے ہی مجرم قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن انسانی بنیادوں پر ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔''

''جی..... جی..... فرمائیے۔''

''آپ پوری طرح اس مسئلے کی تفتیش کیجئے۔ میں نے قتل نہیں کیا۔ بملا نامی وہ لڑکی دستک دے کر میرے کمرے میں داخل ہوگئی۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ میری تنہائی دور کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اُس سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ تب اُس نے اپنی مجبوریاں بتائیں۔ کہنے لگی کہ میں پریشان حال ہوں۔ میری ماں بیمار ہے اور مجھے اُس کے لئے پیسوں کی ضرورت ہے۔ انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہی میں نے تھوڑی سی رقم اُسے دے دی اور اس کے بعد وہ چلی گئی۔ پھر مجھے نہیں معلوم کہ اُس کے ساتھ کیا بیتی؟ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟''

''بڑی ہلکی کہانی سنائی ہے منصور صاحب! ان دو آدمیوں کی گواہی کے بعد اتنی معمولی سی بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات تو آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ وہ آپ کے پاس آئی تھی۔''

''جس طرح آئی تھی، میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔''

''اب اس سلسلے میں تو تحقیقات ہی ثابت کر سکتی ہیں کہ صورت حال کیا تھی؟ آپ اطمینان رکھئے۔ لاک اَپ میں ضرور رہنا پڑے گا آپ کو۔ لیکن میں انسپکٹر کو ہدایت کر دوں گا کہ اُس وقت تک جب تک آپ کے خلاف کوئی جرم مکمل طور پر ثابت نہ ہو جائے، آپ

کے ساتھ کوئی بدسلوکی یا گستاخی نہ کی جائے۔ براہِ کرم! اس حد تک پولیس سے تعاون کیجئے۔ اگر آپ بے گناہ ہیں تو ہمیں آپ کو نقصان پہنچا کر کوئی خوشی نہیں ہوگی۔''

مجھے دوبارہ لاک اَپ میں بند کر دیا گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے ساتھ پولیس والوں نے کوئی بدسلوکی نہیں کی تھی۔

تیسرے دن اُسی ڈی ایس پی نے مجھے اپنے آفس میں طلب کیا۔ میرا سامان اُس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ لیکن اس سامان کے ساتھ ایک اور شخصیت کو میں نے دیکھا اور میرے دل میں پریشانی پیدا ہوگئی۔ یہ وہی جوہری تھا، جسے میں نے سونے کے سکے فروخت کئے تھے اور ایک بالکل ہی جھوٹی کہانی سنا دی تھی۔ جوہری کو دیکھ کر میری پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں پھیل گئیں۔ ڈی ایس پی غالباً میرے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جوہری کی یہاں موجودگی کا مجھ پر کیا اثر مرتب ہوا ہے؟ اُس نے اُسی شرافت سے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی اور پھر بولا۔

''منصور صاحب! یہ آپ کا سامان ہے؟''

''جی ہاں!''

''ہوٹل کے کمرے میں یہی تمام سامان موجود تھا یا اس کے علاوہ بھی اور کچھ تھا آپ کے پاس؟''

میں نے ایک نگاہ اپنے مختصر سے سامان پر ڈالی۔ ''نہیں۔ یہی سامان تھا میرا۔''

''سوچ لیجئے۔ کچھ اور بیگ، پرس یا ایسی ہی کوئی چیز ہو جو اس وقت یہاں موجود نہ ہو؟''

''جی نہیں۔ یہی سب کچھ تھا۔''

''تو آپ کا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات کہاں ہیں؟ جیسا کہ آپ نے کہا کہ آپ مقامی نہیں ہیں اور لندن کے شہری ہیں، ہندوستان میں آپ بغرض سیاحت آئے ہیں۔ یقیناً آپ نے یہ سب کچھ سچ ہی کہا ہوگا۔''

میں ایک لمحے کے لئے دہشت زدہ سا ہوگیا۔ بڑی گہری گرفت تھی یہ۔ اپنے آپ کو سنبھالا اور آہستہ سے کہا۔ ''پاسپورٹ میرے اسی بیگ میں ہے۔ غالباً آپ نے اس کی تلاشی نہیں لی۔''

''جی نہیں..... آپ کے تمام سامان کی تلاشی لی جا چکی ہے۔ پاسپورٹ یا آپ کی شہریت سے متعلق کوئی کاغذ آپ کے اس سامان میں موجود نہیں ہے۔''

''جب میں اپنے کمرے کے ہوٹل میں تھا تو یہ تمام اشیاء میرے سامان میں موجود تھیں۔ میں نے فوراً کہا۔

''ہو سکتا ہے آپ نے سامان کسی بینک کے لاکر میں رکھ دیا ہو۔ چونکہ آپ کے اس سامان سے دو بینک کے لاکرز کی چابیاں ضرور ملی ہیں۔''

میرا رنگ فق ہو گیا.....اُن لاکرز میں کیا تھا، یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا۔

''یہ سب مجھے کوئی چالبازی معلوم ہوتی ہے۔ میرے سامان میں اور لاکرز کی چابیاں.....ناممکن.....ناممکن.....!''

''یہ چابیاں ہیں اور آپ کی وہ تمام شناخت بھی ان بینکوں میں موجود ہے جس میں آپ نے اپنا نام منصور ہی لکھا ہے اور خود کو لندن کا باشندہ ہی ظاہر کیا ہے۔''

''میں چکرا کر رہ گیا تھا۔ بلاشبہ پولیس کی یہ گرفت مجھ پر بے حد سخت تھی۔ میری غیر موجودگی میں لاکرز تو نہیں کھولے گئے ہوں گے لیکن ان لوگوں نے بینک سے میرے بارے میں شناخت ضرور کی ہو گی۔

''ان سے ملئے! یہ موہن لعل جی ہیں۔ جوہری ہیں اور سونے کا بیوپار کرتے ہیں۔ اور آپ کو بخوبی پہچانتے ہیں۔ آپ نے ان کے ہاتھ کچھ سونا فروخت کیا تھا۔ کیوں موہن جی؟''

''ہاں جی! یہی ہیں وہ صاحب۔ انہوں نے یہ بتایا تھا کہ یہ شاہی خاندان کے آدمی ہیں اور یہ سونے کے سکے ان کے ماتا پتا نے ورثے میں ان کے لئے چھوڑے تھے۔ اب انہیں پیسے کی ضرورت ہے تو یہ سونا فروخت کر رہے ہیں۔''

میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

''کیا خیال ہے منصور جی! ہمارے موہن جی جھوٹ بول رہے ہیں؟''

''نہیں.....'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ آپ موہن جی کی صورت بھی نہیں پہچانتے۔ کبھی نہیں دیکھا آپ نے انہیں۔''

میں پھر بھی کوئی جواب نہیں دے سکا۔

''آپ کو تھوڑی سی تکلیف دینی ہے منصور جی! آئیے، ہمارے ساتھ بینک چلئے۔ لاکرز کھولئے۔ ذرا دیکھیں بھی تو ہم، آپ نے اپنے کاغذات وغیرہ کہاں چھپا رکھے ہیں اور لاکرز میں کیوں رکھے ہیں؟''

میرے پاس اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ ان کی ہدایت پر عمل کروں۔ اب تک میرے ساتھ پولیس کا رویہ برا نہیں تھا۔ لیکن اگر میں نے ان کی ہدایت پر عمل نہیں کیا تو پولیس میرے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟ اس کا اندازہ مجھے بخوبی تھا۔ چاروناچار میں تیار ہو گیا۔ مجھے گاڑی میں بٹھا کر بینک لے جایا گیا جہاں میرے لاکرز تھے۔ اُن میں سے برآمد ہونے والا اتنا بڑا خزانہ دیکھ کر پولیس کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئیں۔

''اب یہ بھی بتا دو جانِ من! کہ اتنی قیمتی چیزیں تم نے کہاں سے حاصل کیں؟'' اُس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

''دوست! بتا دوں تو شاید تم یقین نہیں کرو گے۔''

''کوشش کروں گا کہ یقین کر لوں۔ تم بتانے کی کوشش تو کرو۔'' انسپکٹر نے پھر مذاق کیا۔

''لندن میں مجھے ایک ایسا نقشہ دستیاب ہو گیا تھا جو کسی سیاح ہی کا بنایا ہوا تھا۔ اور اُس نقشے میں اس خزانے کے بارے میں تفصیلات تھیں۔ میں اس کی تلاش میں چل پڑا اور یہ خزانہ مجھے فتح پور سیکری میں جودھا بائی کے محل کے ایک گوشے سے دستیاب ہو گیا۔''

''اچھا، اچھا.....گویا یہ خزانہ تم نے زمین کی گہرائیوں سے حاصل کیا ہے۔''

''ہاں!''

''بے وقوف بنانے کے لئے ہم ہی رہ گئے ہیں۔ وہ نقشہ کہاں ہے جس میں خزانہ پوشیدہ تھا؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''وہ بھی پاسپورٹ کے ساتھ دوسرے کاغذات میں شامل تھا۔''

''بہت چالاک آدمی ہو۔ لیکن میں تمہاری اس بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

''تو پھر اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

''صحیح بات بتانی ہوگی۔''

''صحیح بات اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ یہ خزانہ میں نے زمین کی گہرائیوں سے حاصل کیا ہے۔''

''رہنے والے کہاں کے ہو؟''

''لندن کا۔''

''یہ تو تم پہلے بھی کہہ چکے ہو۔ اصل بات بتاؤ۔''

''اصل بات تم خود معلوم کرلو انسپکٹر! میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔'' لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے ان الفاظ کا نتیجہ کیا ہوگا۔

انسپکٹر نے سامنے بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں سے کہا۔ ''چلو اوئے! اصل بات معلوم کرو.....'' اور اصل بات معلوم کرنے والے، اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹا لیکن انہوں نے آگے بڑھ کر میرے بازو پکڑ لئے۔ پھر اُن میں سے ایک نے مجھے دیوار کے پاس لگے کنڈے میں پڑی ہوئی رسّی سے کس دیا اور اس کے بعد کم بختوں نے مار لگانے کے ایسے ایسے طریقے آزمائے کہ میں اُن کی اس فنکاری پر حیران رہ گیا۔

وہ میری ہڈیوں کے جوڑوں پر ضربیں لگا رہے تھے اور میرے حلق سے دلخراش چیخیں نکل رہی تھیں۔ شدت تکلیف سے دیوانہ ہوکر میں نے اُن میں سے ایک کو کسی نہ کسی طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور پھر میرے دانت اُس کے شانوں میں گڑ گئے۔ بلا شبہ میں نے اُس کے شانے سے گوشت کا ایک ٹکڑا اُکھاڑ لیا تھا۔ وہ بری طرح بلبلانے لگا۔ لیکن دوسرے آدمی نے پوری قوت سے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈنڈا میرے بازو، گردن اور پھر سر پر مارا اور میرے سر سے خون بہنے لگا۔ میری آنکھوں میں ستارے ناچ گئے تھے اور چند ہی لمحوں بعد میرے ہوش وحواس جواب دے گئے.....

جانے کتنی دیر کے بعد ہوش آیا۔ حواس واپس نہیں آئے تھے۔ غالباً میں اُسی کنڈے سے بندھا ہوا تھا۔ میرا پورا بدن پھوڑے کی طرح دُکھ رہا تھا۔ ایک کراہ کے ساتھ میں نے اپنے آپ کو جنبش دینے کی کوشش کی۔ لیکن فوراً ہی کسی کا ہاتھ میرے سینے پر آ گیا۔

''لیٹے رہو..... لیٹے رہو..... ہلنے جلنے کی کوشش مت کرو۔'' میں نے چونک کر آنکھیں

کھول دیں۔ وہ نرم ولطیف ہاتھ مجھے بے حد عجیب محسوس ہوا اور آواز بھی نسوانی تھی۔ میں حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ مدھم سی روشنی تھی۔ اتنی مدھم کہ احساس بھی نہ ہو سکے۔ اور اس مدھم روشنی میں ایک ہیولا میرے نزدیک موجود تھا۔

''کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟'' اُس نے سوال کیا۔ لیکن میں جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''ایک منٹ.....'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھی اور ایک سمت بڑھ گئی۔ کھڑکھڑاہٹوں کی آواز میں روشنی، آہستہ آہستہ تیز ہوتی گئی۔ غالباً یہ میری آنکھوں کا قصور تھا کہ میں روشنی کو پوری طرح محسوس نہیں کر پایا۔ لیکن رفتہ رفتہ میرے سامنے ماحول اُجاگر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو اُس کے ہاتھوں میں ایک سرنج دبی ہوئی تھی جس میں ہلکے نیلے رنگ کا سیال تھا جو اُس نے میرے بازو میں انجیکٹ کر دیا۔ ناقابل یقین بات تھی۔ میں تو اُن کے اذیت خانے میں تھا جہاں وہ مجھ سے خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔ لیکن یہ بدلا ہوا ماحول..... اب تو سب کچھ ہی تبدیل ہو گیا تھا۔

دو دن گزرنے کے بعد ایک دوپہر مجھے بہت عمدہ کھانا دیا گیا۔ روزانہ جو کھانا ملتا تھا وہ بس زہر مار ہی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن آج کچھ اہتمام تھا۔ میں نے اس اہتمام کی وجہ تو کسی سے نہیں پوچھی، لیکن اُسے محسوس ضرور کیا تھا۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ کمبخت کھلا پلا کر مارنا چاہتے ہیں۔

کھانے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد مجھے لاک اَپ سے نکال کر ایک بالکل ہی مختلف کمرے میں پہنچا دیا گیا اور اس کمرے میں، میں نے قدم رکھتے ہی محسوس کر لیا کہ اب آغاز ہو رہا ہے۔ ایک میز پر اذیت رسانی کے آلات سجے ہوئے تھے اور اندر دو خاص قسم کے پولیس والے بیٹھے ہوئے تھے جو آدمی کم اور جانور زیادہ لگ رہے تھے۔ ڈی ایس پی موجود نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت وہ چھچھورا پولیس انسپکٹر سامنے بیٹھا ہوا تھا جو ڈی ایس پی کی غیر موجودگی میں شاید خود کو آئی جی سمجھنے لگا تھا۔

اُس نے مجھے دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آیئے آیئے۔ تشریف لے آئے آپ.....؟ آج ڈی ایس پی صاحب چھٹی پر ہیں اور مجھے ہدایت کر گئے ہیں کہ میں آپ سے سوالات کروں۔''

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ گویا مجھے کھڑے رہنا تھا۔ انسپکٹر کی طنزیہ آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ پھر اُس نے اپنے سامنے رکھا ہوا فائل کھول کر کہا۔ ''جو سوالات میں نے آپ کے لئے ترتیب دیئے ہیں اُسی ترتیب سے جواب دیئے چلے جایئے۔ ورنہ یہ دونوں جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں، یہ انسان کی سر سے پاؤں تک ترتیب بگاڑ دیتے ہیں۔ آپ یقیناً اپنے ٹخنے، کندھوں اور اپنا سر کر کے قریب نہیں چاہتے ہوں گے۔ کیا خیال ہے؟''

انسپکٹر اپنی دانست میں مذاق کر رہا تھا اور میرا خون کھول رہا تھا۔ لیکن دہشت کا ایک احساس بھی رگ و پے میں جاگزیں تھا۔ میں خاموشی سے انسپکٹر کی صورت دیکھتا رہا اور اُس نے مجھ سے سوال نمبر ایک کیا۔

''کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ آپ لندن کے باشندے ہیں اور وہاں کی شہریت رکھتے ہیں۔ پولیس نے لندن کے سفارت خانے سے بھی رابطہ قائم کیا ہے اور آپ کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں۔ لیکن سفارت خانے والوں کے ذریعے پتہ چلا کہ آپ کا لندن سے کوئی تعلق نہیں۔ ہمیں آپ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ کیا آپ لندن میں موجود کچھ ایسے لوگوں کا پتا دینے کے لئے تیار ہیں جن کی مدد سے آپ کے بارے میں تصدیق کی جا سکے؟''

''کیا میرا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ میں لندن کا شہری ہوں اور یہاں بغرض سیاحت آیا ہوں.....''

''میرے بھیا! یہ لندن نہیں ہے جہاں انسانوں کی باتوں پر اعتبار کر لیا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان ہے۔ ہم اپنا اعتماد خود کرتے ہیں۔ کسی کے کہے سنے پر اعتبار نہیں کرتے۔''

''میرے ذہن میں کوئی ایسا نام نہیں ہے، جس کا میں تمہیں حوالہ دے سکوں۔''

انسپکٹر نے اس بات پر قہقہہ لگایا تھا۔ پھر وہ بولا۔ ''صرف اس لئے کہ شاید تم نے اپنی زندگی میں لندن دیکھا بھی نہ ہو۔''

''کیا کہوں انسپکٹر تم سے..... تمہارے بدن پر سجی ہوئی یہ وردی مجھے خاموش رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ ورنہ میں تمہیں بتاتا کہ میں کیا کیا دیکھ چکا ہوں۔''

''دھمکی دے رہے ہو؟'' انسپکٹر نے میز پر رکھا ہوا رول اُٹھا لیا اور میری رُوح فنا ہو

گئی۔

''نہیں..... دھمکی نہیں دے رہا۔ بلکہ بتا رہا ہوں.....'' میں نے فوراً ہی لہجہ تبدیل کر لیا۔

''پاسپورٹ کہاں ہے؟''

''پولیس نے جو سامان میرے ہوٹل کے کمرے سے حاصل کیا تھا، اُس میں تمام چیزیں موجود تھیں۔ تم نے دیکھا کہ لاکرز کی وہ چابیاں بھی میرے سامان سے ہی برآمد ہوئیں جن میں وہ خزانہ رکھا ہوا تھا۔''

''ہوں، ہوں..... سمجھ رہا ہوں۔ مجھے خزانے کی طرف متوجہ کر کے کچھ لالچ دینا چاہتے ہو۔ مگر میں لالچی آدمی نہیں ہوں۔''

میرے ہونٹوں پر پھر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''اگر یہ خزانہ ڈی ایس پی کی موجودگی میں برآمد نہ ہوتا تو پھر میں دیکھتا کہ تم لالچی آدمی ہو یا نہیں۔''

انسپکٹر اس بار رول لے کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوسا کہ یہ زبان کم بخت کیوں چل رہی ہے؟ کہیں یہ اچھی طرح مرمت نہ کرا دے۔ بہرطور! جو غلطی ہو گئی تھی، اُسے نبھانا ہی تھا۔ سو میں خاموشی سے انسپکٹر کی صورت دیکھتا رہا۔ اچانک انسپکٹر نے اپنے اُنہی دو ملازموں کو اشارہ کیا، جو میری مرمت کے لئے موجود تھے۔

اشارہ ملتے ہی اُن دونوں نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا اور میں پھر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا.....

☆.....☆.....☆

دوبارہ جب ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو میں نے ایک بستر پر پایا۔ کشادہ کمرہ، جس میں آرائشی چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ ماحول بے حد پُرسکون تھا۔ جس لڑکی نے میرے بازو میں انجکشن لگایا تھا وہ صاف ستھرا مقامی لباس پہنے ہوئے تھی۔ کسی قدر خاموش طبع اور چہرے سے سنجیدہ نظر آتی تھی۔ میں حیرت سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ کیا یہ بھی پولیس کا کوئی ڈیپارٹمنٹ ہے؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ لیکن پھر اپنی زبان بند نہ رکھ سکا اور اس بارے میں سوال کر ڈالا۔

''کیا یہ پولیس ہیڈ کوارٹر ہے؟''

''نہیں.....'' اُس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے کیا پولیس نے مجھے ہسپتال بھجوا دیا ہے؟"

"نہیں..... بالکل نہیں۔" وہ پھر اسی انداز میں بولی۔

"تو پھر یہ کون سی جگہ ہے؟"

"یہ ہمارا گھر ہے۔"

"اور آپ کون ہیں؟"

"میرا نام نینی ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"مس نینی! نہ تو میں آپ کو جانتا ہوں اور نہ ہی آپ کے گھر والوں کے بارے میں مجھے کچھ تفصیل معلوم ہے۔ میں تو یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پولیس سٹیشن سے مجھے کون یہاں لایا؟"

"اوہ..... آپ کے سر میں چوٹ لگی ہے۔ غالباً آپ ذہنی طور پر بھٹک گئے ہیں۔ پولیس سٹیشن کا نام بار بار لے رہے ہیں۔ کیا قصہ ہے یہ؟"

"اگر اداکاری کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو ایک بات سن لو! میری زندگی ایسے اداکاروں کے درمیان ہی گزری ہے۔ میں تمہاری بات سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ تم مجھے یہاں کے بارے میں بتانا نہیں چاہتیں۔"

"میرا خیال ہے تمہیں ایک اور انجکشن لینا پڑے گا تاکہ تمہاری ذہنی کیفیت بھی درست ہو جائے۔"

"مطلب یہ کہ بے ہوشی کا انجکشن؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں..... یقیناً! ابھی کچھ دیر اور پرسکون رہو۔"

"نہیں..... پلیز نہیں۔ سنو! میں بالکل پرسکون ہوں۔ بلاشبہ میرے بدن میں جگہ جگہ تکلیفیں ہیں۔ لیکن اس کی وجہ تم جانتی ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو۔"

"میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے تو تمہاری تیمارداری کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔"

"کس نے کیا ہے، پولیس نے؟"

"نہیں..... پولیس کا ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تو پھر مجھے پولیس سٹیشن سے کون یہاں لایا ہے؟"

"انجکشن دیتی ہوں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ لیکن میں نے ہاتھ

بڑھا کر اس کے لباس کو پکڑ لیا۔

"پلیز..... بیٹھ جاؤ! مجھے کسی انجکشن کی ضرورت نہیں۔ اگر تم مجھے پولیس سٹیشن سے نہیں لائیں اور کوئی بھی جو اس گھر کا مکین ہے، مجھے پولیس سٹیشن سے نہیں لایا تو کم از کم اتنا تو بتاتی ہو گی تم کہ مجھے یہاں، کہاں سے لایا گیا ہے؟"

"معاف کرنا! مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اب میں چلتی ہوں۔ تمہاری حالت کافی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ البتہ ایک ہدایت تمہیں کئے جاتی ہوں۔ یہاں تم بے حد سکون کے ماحول میں ہو۔ باہر نکلنے یا بھاگنے کی کوشش کی تو بلاوجہ اُلجھنوں میں پھنس جاؤ گے۔" وہ چلی گئی اور پھر لوٹ کر نہ آئی۔

رات کا کھانا بڑا پر تکلف تھا جو مجھے اسی کمرے میں پیش کیا گیا۔ وہی لڑکی میرے لئے کھانا لے کر آئی تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

"کیا اس مکان میں تمہارے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے؟"

"بہت سے لوگ ہیں۔ کیوں؟"

"میرا مطلب ہے تم ہی میری تیمارداری کر رہی ہو۔"

"یہ ڈیوٹی میرے سپرد کی گئی ہے۔"

"اس زندگی میں مجھے ایک انتہائی دلچسپ تجربہ ہوا ہے۔ مجرم ہوں یا دوسرے لوگ۔ کسی مجھ جیسے شخص کی تیمارداری کے لئے خاص طور سے لڑکیاں ہی مقرر کی جاتی ہیں۔ اس کی وجہ بتا سکتی ہو؟"

"اگر وجہ بتاؤں گی تو کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ چنانچہ بہتر ہے کہ وجہ پوچھنے کی بجائے کھانا کھاؤ۔" لڑکی نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں کھانے میں مصروف ہو گیا..... ابھی تک بدن کی چوٹیں تازہ ہیں۔ کسی قسم کی جدوجہد بے مقصد ہو گی۔ ہر چند کہ یہ جگہ ہسپتال نہیں تھی۔ لیکن یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ بے حد غنیمت تھا۔ چنانچہ میں نے بھی فیصلہ کر لیا کہ کتنے ہی دن گزر جائیں، میں بھی آرام ہی سے پڑا رہوں گا۔ اور میں نے پھر اس فیصلے پر عمل درآمد کیا۔

دوسرا دن، تیسرا دن اور چوتھا دن گزر گیا۔ ان لوگوں کی کوشش سے میری چوٹیں بھی درست ہوتی جا رہی تھیں۔ اب میں اپنے آپ کو کافی بہتر حالت میں پا رہا تھا۔ اس کی وجہ

وہ غذائیں اور وہ دوائیں تھیں جو مسلسل مجھے دی جا رہی تھیں۔ میرے لئے نئے لباس بھی لائے گئے تھے۔ پتہ نہیں یہ اہتمام کیوں ہو رہا تھا؟ بہرطور! اب اس زندگی سے اتنا ناآشنا بھی نہیں تھا کہ لوگوں کی ان حرکتوں پر حیرت ہوتی۔ چوتھا دن گزرنے کے بعد جب پانچویں دن کی صبح کا آغاز ہوا تو کچھ نئی شکلیں میرے سامنے پہنچ گئیں.....

دو مقامی آدمی تھے جنہیں شکل و صورت سے شریف نہیں کہا جا سکتا تھا۔ البتہ اُن کے انداز میں شرافت کی جھلکیاں تھیں۔

''پرنسز آپ کو طلب کرتی ہیں۔''

''گویا میں کسی شہزادی کا مہمان ہوں۔'' میں نے کہا اور وہ دونوں مجھے دیکھنے لگے۔ پھر بولے۔

''کچھ ہدایتیں دی جاتی ہیں آپ کو۔ ان پر عمل کرنے سے آپ کا فائدہ ہے۔''

''ارشاد..... ارشاد.....'' میں نے کہا۔

''پرنسز کا احترام کیجئے گا۔ ان کی کسی بات سے انحراف نہ کریں۔ اسی میں آپ کی بہتر زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔''

''کوشش کروں گا۔''

''تو پھر آیئے!'' اُن میں سے ایک نے کہا اور میں ہوش میں آنے کے بعد پہلی بار اس کمرے سے باہر نکلا۔ مکان تھا کہ محل..... بڑا خوبصورت گھر تھا اور بڑے وسیع و عریض علاقے میں پھیلا ہوا تھا۔ پتہ نہیں بمبئی ہے یا کوئی اور جگہ..... ان چیزوں میں دماغ کھپانا بے کار تھا۔ ایک طویل راہداری سے گزرنے کے بعد بڑے ہال کے چوبی دروازے پر وہ لوگ رُکے اور دروازہ کھول دیا.....

اندر کی سج دھج قابل دید تھی۔ دیواروں پر بہت ہی اعلیٰ پائے کے شیڈز لگے ہوئے تھے۔ چھت میں تقریباً چھ فٹ کے دائرے میں فانوس لٹکا ہوا تھا۔ زمین پر سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ بہت ہی پراسرار سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے ہال کا جائزہ لینے کے بعد جب اُس کے اختتامی سرے کو دیکھا تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... سیاہ رنگ کی وسیع و عریض میز کے پیچھے ایک خوبصورت عورت بیٹھی تھی۔ اُس کے قدموں کے پاس ایک خونخوار چیتا زبان نکالے ہانپ رہا تھا..... لیکن یہ عورت..... میری آنکھیں کسی کو

دیکھنے کے بعد دھوکہ نہیں کھاتیں۔ یہ وہی عورت تھی جس نے میری تصویر بنائی تھی۔ بار ساحل پر مجھے ملی تھی۔ میں نے اُس سے گفتگو بھی کی تھی۔ ایک لمحے میں سینکڑوں خیالات ذہن میں آ کر گزر گئے۔ عورت کا وہ عہد، مجھے یاد آیا جو اُس نے میرے سامنے کیا میرا اُس سے انحراف اور اس کے بعد کے حالات بھی روشن تھے۔ بملا کا قتل بھی اب ذہن میں آ گیا تھا۔ یہ سب مجھے ہراساں کرنے کی سازش تھی۔ ایک لمحے کے لئے ذہن میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔ ہر شخص مجھ پر تسلط قائم کرنے کے لئے، مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کیوں کرتا ہے.....؟

میں اپنی جگہ کھڑا اُسے دیکھتا رہا اور اُس نے اُنگلی کے اشارے سے مجھے قریب آنے کے لئے کہا۔ دروازے پر وہی دونوں آدمی جم گئے تھے اور بالکل ساکت و جامد مجسمے کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ میں آگے بڑھ کر اُس کے سامنے پہنچ گیا اور پھر میں نے بڑی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ''ہیلو!''

''ہیلو..... بیٹھ جاؤ۔ وہ کرسی تمہارے ہی لئے ہے۔'' اُس نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

میں اطمینان سے کرسی پر جا بیٹھا۔ ایک دو بار میں نے اُس چیتے کو دیکھا تھا جو مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔ اُس کی گردن میں کوئی پٹا وغیرہ نہیں تھا لیکن وہ بالکل پرسکون بیٹھا ہوا تھا۔ عورت بھی اُس وقت خاص قسم کے لباس میں ملبوس تھی اور اُس کے بال ایک مخصوص انداز میں بنے ہوئے تھے۔ بلاشبہ ایک نگاہ میں وہ کوئی شہزادی ہی نظر آ رہی تھی۔

''افسوس! آپ نے مجھے اپنا نام بتانے کی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔'' میں نے اُس سے کہا۔

''وہ ایک مخصوص وقت کے لئے تھا۔ اور شاید ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ میں تمہیں اپنا نام بتاؤں۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے بھی جلدی نہیں ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم بالآخر میرے پاس آ گئے منصور!''

''آیا نہیں، لایا گیا ہوں۔''

''مطلب؟''

''اگر آپ کو تفصیلات معلوم ہیں تو میرا خیال ہے یہ سوال نہیں کرنا چاہئے آپ کو۔''

''اوہ.....تمہاری مراد ہے کہ تمہیں ہوش کے عالم میں یہاں نہیں لایا گیا؟''

''آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں۔''

''لیکن کیا تمہارا یہاں آنا تمہارے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوا؟''

''اس سے مجھے کب انکار ہے؟ ظاہر ہے جس عذاب میں مجھے گرفتار کرایا گیا ہے، میرے لئے زیادہ تکلیف دہ تھا۔ یہاں آپ نے عارضی طور پر ہی سہی! لیکن مجھے پرسکون ماحول دیا ہے۔''

''تم چاہو تو یہ پرسکون ماحول دائمی بھی ہو سکتا ہے۔''

''کیوں کیا آپ مجھے قتل کر کے یہاں میری قبر بنا دیں گی؟''

''نہیں.... یہاں سے تمہیں ایک نئی زندگی مل سکتی ہے۔''

''کیا حساب کتاب ہوگا اُس نئی زندگی کا؟''

''بہت جلد کر ڈالا یہ سوال تم نے۔ پہلے مجھے کچھ سوال کرنے کی اجازت دو۔''

''اجازت کی کیا ضرورت ہے؟ ظاہر ہے آپ کا نمک خوار ہوں۔ چار دن سے آپ کے مہمان کی حیثیت سے رہ رہا ہوں۔ آپ میزبان کی حیثیت سے جو سوال چاہیں کر سکتی ہیں۔''

''تمہاری شخصیت کیا ہے؟ میں نہیں جانتی تھی کہ تمہاری شخصیت میں کچھ پراسرار پہلو بھی ہیں۔ لیکن اب حالات مجھے معلوم ہو چکے ہیں۔ یعنی تمہارے پاس سے ایک اچھا خاصا قیمتی خزانہ دستیاب ہوا ہے جس کے بارے میں تم نے بیان دیا ہے کہ وہ تمہیں فتح پور سیکری میں ملا تھا۔ میں اس بیان پر یقین نہیں کرتی۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ تم فتح پور سیکری گئے تھے۔ اس کے علاوہ تمہارے پاس پاسپورٹ بھی نہیں ہے۔ تم نے اپنے آپ کو لندن کا باشندہ ظاہر کیا ہے۔ لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں مل سکا۔ پولیس تم سے یہی سوال کر رہی تھی۔ لیکن اس کے یہ سوالات قانون کے لئے تھے۔ میں قانون کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے سوالات کرنا چاہتی ہوں کہ تمہاری اصل شخصیت کیا ہے؟''

''بتاؤں گا تو کبھی یقین نہیں کرو گی۔ اس لئے جانے دو۔''

''نہیں، نہیں.....ہو سکتا ہے ایسا ہو۔ لیکن میں حالات کا تجزیہ تو کر سکتی ہوں؟''

''میں اپنے آپ کو کسی تجزیئے کے لئے پیش نہیں کر سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایک بات خاص طور سے محسوس کر رہی ہوں منصور! کہ تم بہت ضدی ہو۔ اور ضد میں نقصانات بھی اُٹھاتے رہتے ہو۔ میں نے تمہیں پیش کش کی تھی کہ میرے دائرۂ اختیار میں آ جاؤ اور تم نے اس سے انحراف کر ڈالا تھا جس کے نتیجے میں آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو۔ لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو! مصیبت بھی میری بھیجی ہوئی تھی اور اس کے بعد تمہیں اس مصیبت سے نکالنا بھی میرا ہی کام ہے۔''

''کیا تم اس بات کا اعتراف کرتی ہو کہ بملا کو تم نے یا تمہارے آدمیوں نے قتل کیا تھا؟''

''آپ سے تم پر آ گئے۔ اس کی وجہ؟''

''نہیں، نہیں.....کوئی وجہ نہیں۔ بس! ایسے ہی بے اختیارانہ انداز میں یہ الفاظ منہ سے نکل گئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے آپ کہہ کر مخاطب کرو۔ میں بہت زیادہ بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔''

''جی.....میرا سوال برقرار ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا۔ وہ میری اس حالت سے فائدہ اُٹھا رہی تھی اور اپنے آپ کو برتر سمجھ رہی تھی۔

''تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔'' اُس نے کہا۔

''خوب.....گویا آپ مجرمانہ ذہنیت رکھتی ہیں۔ خاص مجرمانہ ذہنیت.....اور آپ کے پاس ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی کو ہلاک بھی کر سکتے ہیں۔'' میں نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ جواب میں اُس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

''مائی ڈیئر مسٹر منصور! میں کیا کیا کر سکتی ہوں؟ اس کا اندازہ تو تمہیں آہستہ آہستہ ہوتا رہے گا۔ مجھے اب اس سوال کا جواب دو کہ خزانہ تم نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟''

''اور اگر جواب نہ دوں تو؟''

''تو کوئی بات نہیں۔ ظاہر ہے وہ خزانہ اب میں اپنی تحویل میں تو نہیں لے سکتی۔ نہ ہی مجھے ایسے خزانوں سے کوئی دلچسپی ہے۔ تمہاری اصل شخصیت جاننا چاہتی ہوں۔''

''میری اصل شخصیت جو بھی ہے آپ کے سامنے ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟''

''نہیں..... میں کبھی کسی ایسے شخص پر اعتماد نہیں کرتی جو مجھ سے منحرف ہو۔''

''آپ کا ساتھی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو آپ کو اپنے دشمنوں میں تصور کرتا ہوں۔ آپ نے مجھ پر تسلط جمانے کے لئے مجھے قاتل بنا دیا ہے اور اب چاہتی ہیں کہ میں تعاون کروں۔''

''اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ جہاں سے چلے تھے، وہیں ہو۔ یہ تعاون تو تمہیں کرنا پڑے گا مائی ڈیئر! اور اگر تعاون نہیں کرو گے تو ابھی ایسے بہت سے حالات تمہارے سامنے آئیں گے جو تمہاری زندگی کو جہنم بنا دیں گے۔''

''ہوسکتا ہے ایسا ہو۔ میں اپنے آپ کو آزمانے کی کوشش بھی کرنا چاہتا ہوں۔''

اُس کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں جو چاہتی ہوں وہ تمہیں بتائے دیتی ہوں۔ کچھ وقت تمہیں فیصلہ کرنے کے لئے دیا جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی دوسرے لوگوں کی طرح میرے غلاموں میں شامل ہو جاؤ۔ میرے غلام کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ اندازہ تمہیں بعد میں ہی ہو گا۔ اتنا کہہ سکتی ہوں تم سے کہ بڑے بڑے لوگ میری غلامی کے خواہاں ہوتے ہیں، لیکن ایسے بہت کم ہوتے ہیں جن پر میری نگاہِ التفات ہو اور جو میرے غلاموں میں شامل ہو جاتا ہے پھر وہ بہت کچھ ہوتا ہے۔ جاؤ! غور کرنا۔ اگر میرے تلوے چاٹنے پر آمادہ ہو تو میرے پاس واپس آ جانا۔ میں تمہاری پذیرائی کروں گی۔''

میرے ہونٹوں پر ایک نفرت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن میں نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اُس نے اشارہ کیا اور مجھے واپس اسی جگہ لے آیا گیا جہاں میں تھوڑی دیر پہلے موجود تھا۔ وہ لوگ مجھے بند کر کے چلے گئے۔ میں خاموشی سے اپنے قید خانے میں وقت گزارتا رہا۔ معمولات زندگی ہمیشہ کے مطابق تھے۔

☆.....☆.....☆

رات کو مجھے اسی طرح کھانا پیش کیا گیا جس طرح روزانہ دیا جاتا تھا۔ انسان خواہ کسی بھی حالت میں ہو، پیٹ کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا۔ میں بھی بہرطور! کسی حد تک انسانوں ہی میں شمار ہوتا ہوں۔ چنانچہ کھانا وغیرہ کھایا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ جانے کتنی دیر تک میں خیالات میں کھویا رہا۔ اور پھر اچانک ہی نیند آ گئی۔ میں اسے اچانک ہی کہوں گا۔ اس لئے کہ سونے سے پہلے یہ احساس ہوتا ہے کہ نیند آ رہی ہے۔ بہرطور! سوتا رہا اور صبح اُس وقت آنکھ کھلی جب کسی نے میری پسلیوں میں ٹھوکر مار دی تھی۔ میں نے چونک کر ٹھوکر مارنے والے شخص کو دیکھا۔ وہ کوئی جمعدار تھا جو صفائی کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

جمعدار کی آواز اُبھری۔ ''اُٹھ جا اوئے..... صبح ہوئے دیر ہو چکی ہے۔ کب تک سوتا رہے گا لاٹ صاحب! صفائی کرنے دے۔''

میں نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے اردگرد کا ماحول دیکھا..... وہی لاک اَپ تھا جہاں میں قید ہوا تھا۔ میں زمین پر پڑا تھا۔ سامنے سنتری دروازہ کھولے مستعد کھڑا ہوا تھا کہ اگر میری طرف سے کوئی حرکت ہو تو جوابی کارروائی کرے۔ لاک اَپ میں جمعدار صفائی کر رہا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح اُٹھ کر بیٹھ گیا تو جمعدار پھر بولا۔

''اوئے..... اُدھر سرک جا! اُدھر.....''

میں نے اُس کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن یہ سب کچھ..... یہ سب کچھ میرے لئے ناقابل یقین تھا۔ جو واقعات اس دوران پیش آئے تھے، وہ کیا حیثیت رکھتے تھے؟ کیا وہ صرف ایک خواب تھا؟ کیا..... کیا..... میں نے زور سے اپنے بدن میں کئی جگہ چٹکیاں کاٹیں اور مجھے تکلیف ہونے لگی۔ ایک ہی بات سوچی جاسکتی تھی۔ صرف ایک بات..... کسی طرح پولیس والوں کا اُس پراسرار عورت سے کوئی گٹھ جوڑ ہے۔ مجھے یہاں سے نکالنے میں بھی

پولیس ہی نے اُس کی مدد کی تھی اور دوبارہ یہاں پہنچانے میں بھی پولیس ہی کا ہاتھ کارفرما تھا۔ چنانچہ چند لمحوں بعد میں دروازے کے پاس آ کھڑا ہوا۔ پہرہ دینے والے سنتریوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر اُن میں سے ایک بولا۔

''کیا بات ہے؟''

''سنتری صاحب! مجھے پچھلی رات اس لاک اَپ میں کب لایا گیا؟''

''او بھائی! پچھلی رات ہماری ڈیوٹی نہیں تھی۔ رات کو ڈیوٹی والا آئے گا تو پوچھ لینا'' دوسرے سنتری نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔

اب مجھے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ کوئی بڑی پوسٹ کا آفیسر اُس عورت کا آلہ کار ہے۔ یہ تو بڑی خوفناک بات تھی۔ میرے حق میں قطعی بہتر نہیں تھی۔ کافی دیر گزر گئی۔ اس کے بعد سنتریوں نے لاک اَپ کا دروازہ کھولا اور مجھے باہر آنے کے لئے کہا۔ میری رُوح فنا ہو رہی تھی اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ مجھے اُس اذیت خانے میں لے جائیں گے۔ لیکن مجھے انسپکٹر کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ انسپکٹر نے طنزیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور سنتریوں کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور بولا۔

''کہو..... دماغ ٹھکانے آیا کچھ؟''

''انسپکٹر! جو کھیل تم کھیل رہے ہو، تمہارے حق میں بھی بہتر ثابت نہیں ہو گا۔''

''دھمکیاں دے رہے ہو مجھے؟'' انسپکٹر گرجا۔

''نہیں..... حقیقت بتا رہا ہوں۔ تم نے آخر مجھے کیوں گرفتار کیا ہے؟''

''بملا کے قتل کے سلسلے میں۔ تم نے اُسے قتل کیا اور اس کے دو گواہ موجود ہیں۔''

''گواہ صرف یہ کہتے ہیں کہ بملا میرے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔''

''ہاں! اور اس کے بعد کسی نے اُسے تمہارے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ البتہ ہوٹل ہی کی سیڑھیوں کے نیچے اُس کی لاش پائی گئی تھی۔''

''تو کیا اس بات سے میں قاتل ثابت ہو گیا؟''

''ہوئے نہیں ہو تو ہو جاؤ گے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ تم میرا مقدمہ عدالت میں پیش کر دو، مجھے اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اب مجھے لاک اَپ میں رکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟''

''یہ کام قانون کے رکھوالے زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ تمہیں ہدایت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''انسپکٹر! پرنس کون ہے؟ مجھے بتاؤ!'' میں نے کہا اور انسپکٹر تعجب سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''کون پرنس؟''

''تمہارا کیا خیال ہے کیا عدالت اس بات کو دلچسپی سے نہیں سنے گی کہ مجھے کئی دن تک لاک اَپ سے باہر ایک پرنس کی قید میں رکھا گیا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔''

''اب پاگل پن کی اداکاری کرو گے..... کیوں؟''

''نہیں انسپکٹر! سوچا تھا میں نے اس بارے میں بھی کہ کہیں واقعی میرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔ لیکن یہ پتہ چلا کہ تمہارے اور پرنس کے گٹھ جوڑ سے یہ سارا کھیل عمل میں آیا ہے۔ ظاہر ہے اس کے بعد بملا کا قاتل میں ہی ہو سکتا ہوں۔ اور کون ہو سکتا ہے؟''

''تمہاری اُلٹی سیدھی باتیں میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہیں۔ میں تو تم سے صرف یہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارا پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات کہاں ہیں؟ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے تم غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوئے ہو۔ ہو سکتا ہے غیر ملکی جاسوس ہو۔ پڑوسی ملک سے ہمارے ویسے ہی اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ یہ بات ثابت ہو گئی دوست! تو سوچ لو کہ تمہارا کیا حشر ہو گا.....''

''کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''مسکرا کیوں رہے ہو؟ یہ نہیں جانتے کہ سارے دانت حلق میں گرا دوں گا؟''

''جانتا ہوں۔ تم ایسا کر سکتے ہو۔ لیکن در پردہ کیا تم مجھ سے یہ نہیں کہنا چاہتے کہ پرنس کی غلامی قبول کر لوں؟''

''اگر پاگل پن کی اداکاری کرو گے تو یہ جان لو کہ ہم نے اچھے اچھے پاگلوں کو درست کر دیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ تو پھر تم مجھے بھی درست کر دو۔'' میں نے کہا اور انسپکٹر مجھے گھورنے لگا۔

''ٹھیک ہے۔ جاؤ..... چلو! اسے اندر لے جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اس کے ٹخنے

پھر توڑ دوں گا تاکہ اسے ہوش آ جائے۔'' سنتری ایک بار پھر مجھے لاک اَپ میں لے گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میں پولیس کے چنگل میں بے بس تھا اور پولیس افسر سے بدکلامی میرے ہی حق میں بری ثابت ہو سکتی تھی۔ مگر کیا کرتا؟ حالات کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے اب سو فیصد یقین ہو گیا تھا کہ پرنس اور پولیس والے ملے ہوئے ہیں۔ لاک اَپ میں زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دوبارہ میرا بلاوا آ گیا۔ اس بار جب ایس ایچ او کے کمرے میں داخل ہوا تو ڈی ایس پی بھی وہاں موجود تھے اور اُن کے چہرے پر عجیب سے آثار تھے۔

''بیٹھئے مسٹر منصور!''

میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈی ایس پی نے معنی خیز نگاہوں سے انچارج کی طرف دیکھا اور انچارج نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ مجھ سے وہ آنکھ ہی نہیں ملا رہا تھا۔ ڈی ایس پی کہنے لگے۔'' دوست! یہ بات ثابت نہیں ہو سکی کہ تم لندن سے آئے ہو۔ ہم چاہیں تو کم از کم اس جرم کے سلسلے میں تمہیں بند رکھ سکتے ہیں۔ لیکن ہم نے آپس میں مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں آزادی دے دی جائے۔''

''یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہی تھا ڈی ایس پی صاحب!''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ کسی بھی مسئلے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔''

''بکواس کرتے ہو..... بالکل بکواس کرتے ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بملا کا قاتل گرفتار ہو گیا ہے اور اُس نے اپنے آپ کو ہیڈ کوارٹر میں پیش کر دیا ہے۔ لیکن اس سے یہ مت سمجھنا کہ تمہارا دوسرا جرم بھی ختم ہو جاتا ہے۔''

''بملا کا قاتل گرفتار ہو گیا؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں! اُس نے اپنے آپ کو پولیس ہیڈ کوارٹر میں پیش کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ بملا اُس کی بہن تھی۔ وہ آوارہ اور بدچلن ہو کر پیسہ کمانے لگی تھی۔ چنانچہ اُس نے شدتِ غضب میں آ کر اپنی بہن کو اُس وقت ہلاک کر دیا تھا، جب وہ ہوٹل کی سیڑھیاں اُتر کر نیچے آئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ بملا ہوٹلوں میں کال گرل کی حیثیت سے آتی جاتی رہتی تھی۔ اُس نے

تمام اعترافات کر لئے اور تمہاری گرفتاری کا کوئی جواز نہیں رہا ہے کم از کم بملا کے حل کے سلسلے میں۔ لیکن پاسپورٹ کا نہ ہونا اور تمہاری اپنی شخصیت کا جاننا ہمیں اس بات کا حق دیتا ہے کہ ہم تمہیں ابھی لاک اَپ میں رکھ سکیں۔ لیکن ہم ایسا نہیں کر رہے۔ جاؤ! تمہاری چھٹی۔''

''اور میرا وہ خزانہ؟''

''کون سا خزانہ؟ دماغ خراب ہوا ہے کیا؟ پاگل پن کی باتیں کر رہے تھے اور ابھی تک بدستور کئے جا رہے ہو۔''

''اوہ! تو یہ مسئلہ ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا مسئلہ ہے؟ خبردار! اگر کسی کے سامنے خزانے کا نام بھی لیا۔ سونے کے وہ سکے جن کی تعداد ساٹھ ستر کے قریب ہے تمہارے پاس سے مشتبہ طور پر برآمد ہوئے تھے۔ وہ پولیس نے اپنی تحویل میں لے لئے ہیں اور اس کے علاوہ اور کیا تھا تمہارے پاس؟''

''ٹھیک ہے ڈی ایس پی صاحب..... ٹھیک ہے! ظاہر ہے میرے پاس یہ سب کچھ ثابت کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگر آپ اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تو میں جاؤں؟''

''ہاں! جاؤ.....''

''کچھ تو دے دیجئے مجھے اس میں سے۔ زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔''

''تمہارے پاس سے جو کرنسی ملی ہے ہمیں وہ تمہاری ملکیت ہے۔ تم اسے واپس لے جا سکتے ہو۔'' ڈی ایس پی صاحب نے ازراہِ کرم کہا۔ میں نے اسی کو غنیمت جانا اور کرنسی جیب میں ڈالنے کے بعد دروازے کی جانب چل پڑا۔ تب عقب سے ڈی ایس پی صاحب کی آواز اُبھری۔ ''بہتر ہے کسی دماغی ہسپتال میں جا کر اپنا علاج کرا لو۔ خوامخواہ اول فول بکتے پھرو گے تو لوگ پٹائی بھی کریں گے تمہاری اور دوبارہ تھانے میں بند کر دیئے جاؤ گے۔''

میں درپردہ اس دھمکی کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ ڈی ایس پی نے کہا تھا کہ باہر جا کر میں کچھ بھی کہوں لیکن کم از کم خزانے کا نام نہ لوں۔ اور سچی بات ہے کہ میں لینا بھی نہیں چاہتا

تھا۔ وہ میری تقدیر ہی میں نہیں تھا۔ میری تقدیر میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ایک بار پھر سڑکوں پر آوارہ ہو گیا تھا۔ بہت تھوڑی سی رقم پاس، پلے تھی۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اور پھر بمبئی جیسے شہر میں بے یار و مددگار تھا، جہاں فٹ پاتھ پر سونے کے لئے بھی کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ بہت دیر تک آوارہ پھرتا رہا۔ ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پاسپورٹ کا حصول آسان نہیں ہو گا۔ میں اگر اس کے لئے کوشش بھی کروں تو اوّل میرے پاس خرچ کرنے کے لئے کوئی بڑی رقم بھی نہیں ہے۔ اور پھر پاسپورٹ لے کر بھی کیا کروں گا؟ کیسے نکلوں گا یہاں سے؟

حالات میرے بس میں بھی نہیں تھے۔ پہلے کم از کم یہ تو تھا کہ کہیں نکل جانا چاہتا تو اس میں آسانی ہوتی۔ اب تو بمبئی تھا اور میں..... چنانچہ میں فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر وقت گزاری کرنے لگا۔ پھر ایک چھوٹے سے ہوٹل میں قیام کے لئے جگہ تلاش کر لی۔ اتنی رقم تھی کہ ابھی میں چار پانچ دن تک اس کا کرایہ ادا کر کے یہاں رہ سکتا تھا۔ کم از کم کچھ وقت ڈ گزارا جائے۔ اس کے بعد جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ بھیانک مستقبل میری آنکھوں کے ا منے تھا۔ یہاں سے نکلنے کا بندوبست اگر ہو جائے تو سیدھا اپنے وطن ہی چلا جاؤں اور الہ شہادت کے قدموں میں گر کر اُن سے معافی مانگ لوں اور کہوں کہ خدا کے واسطے! ب بار پھر مجھے اُسی کھولی میں جگہ دے دیں جہاں کم از کم میرے حسین خواب تو تھے۔ ا زمت نہیں تھی تو کیا ہوا؟ پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی تھی تو کیا ہوا؟ کم از کم بقیہ زندگی تو سکون ے تھی۔ لیکن یہ سب خواب ہی معلوم ہوتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے خالہ شہادت بھی ایک خواب ں اور اب اس خواب سے میری آنکھ کھل گئی ہو۔ ہوٹل کے کمرے میں اپنے مجہول سے تر پر پڑا میں اس بارے میں سوچتا رہا۔

دو دن گزر گئے۔ تیسرا دن اور چوتھا دن بھی گزر گیا۔ رقم تیزی سے ختم ہوتی جا رہی ی۔ اور اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ کسی مجرمانہ طریقے سے دوبارہ رقم کا ندوبست کروں۔ یہ خیال بھی تھا کہ کسی نہ کسی وقت، کسی سڑک یا کسی گلی میں یا کسی ہوٹل کے دروازے پر ایک بار پھر وہ لوگ مجھ تک پہنچ جائیں گے اور میں دوبارہ اُس پرنس کے ا منے ہوں گا جو مجھے اپنا غلام بنانا چاہتی تھی۔ ایک بات یہ بھی سوچی تھی کہ جب دوسرے ا ئوں کی خواہش کے مطابق میں بہت سے کردار ادا کر چکا ہوں تو پرنس کا غلام بن کر بھی

یکھ لوں۔ آخر اس غلامی کے ذریعے وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ بے کار کی ضد کسی طرح کارآمد نہیں ہوتی۔ چنانچہ دل میں یہ آخری فیصلہ کرنے کے بعد میں نے از سرِ نو ہمت باندھی اور پھر سڑکوں پر نکل آیا۔ لیکن مزید دو دن اور گزر گئے اور کسی نے میری جانب رُخ بھی نہیں کیا۔ کیا پرنس مجھ سے مایوس ہو چکی ہے یا وہ مجھے تلاش نہیں کر پا رہی؟ جانے کمبخت ون سی جگہ تھی، جہاں مجھے لے جایا گیا تھا۔ اگر خود ہی وہاں پہنچ سکتا تو ضرور پہنچ جاتا۔ میں بے حد پریشان تھا۔ انتہائی پریشان.... پھر میں نے فیصلہ کیا کہ کم از کم بمبئی چھوڑ دیا جائے۔ بمبئی میں رہنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن یہاں سے جا کر میں کہاں رہ سکتا ہوں؟ عجیب الجھن میں گرفتار تھا۔

دوسری صبح ایک اور پریشانی کا آغاز ہو گیا۔ میں نے اخبار خریدا تو نہیں تھا بلکہ ہوٹل کے نچلے حصے میں ایک صاحب اخبار پڑھ رہے تھے۔ میں نے اُن کے ہاتھ سے اخبار اُچک لیا کیونکہ اخبار میں مجھے اپنی تصویر نظر آئی تھی۔ اُن صاحب نے چونک کر مجھے دیکھا تو میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

''ابھی ایک منٹ..... ابھی واپس کرتا ہوں۔'' میں نے ایک بار پھر اخبار میں اپنی تصویر دیکھی جو پہلے صفحے پر چھپی ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد میں اس کے نیچے لگی ہوئی خبر پڑھنے لگا۔ دوسرے لمحے میرے بدن نے ٹھنڈا پسینہ چھوڑ دیا تھا..... خبر تھی کہ ایئر پورٹ پر ایک پراسرار شخص ایک کمپنی کے جہاز سے اُترا۔ اُس کے ساتھ سامان کا ایک بیگ بھی تھا۔ کسٹم ڈیپارٹمنٹ میں اُس کے بیگ کی تلاشی لینے کی تیاریاں شروع کی گئیں تو اُس نے دفعتہً کسٹم افسروں پر فائرنگ شروع کر دی اور وہاں سے نکل بھاگا۔ دو کسٹم آفیسر ہلاک ہو گئے۔ تصویر سو فیصد میری تھی اور میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہوا جا رہا تھا۔ بملا کے قتل کے بعد جب میں الزام سے بچا تو میں نے سوچا کہ کم از کم موت کا پھندا تو میرے حلق سے علیحدہ ہو گیا ہے۔ لیکن اب دو کسٹم افسروں کے قتل کا مسئلہ اور میری تصویر..... ظاہر ہے، وہ پراسرار شخص میں نہیں تھا۔ مجھے تو اس سلسلے میں کوئی معلومات نہیں تھیں۔ اخبار میں نے ان صاحب کو واپس کر دیا اور فوراً ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ کیونکہ یہ تصویر وہ بھی دیکھ سکتے تھے۔

اب میرے لئے ایک بار پھر بھاگ دوڑ کا دور شروع ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ چاروں طرف پولیس چوکس ہو گئی ہو گی۔ لیکن یہ سب کیسے ہوا؟ اور اس سلسلے میں زیادہ

سوچنا نہ پڑا۔ میں نے خوفزدہ انداز میں سوچا کہ صورتِ حال تبدیل ہوگئی ہے اور یقیناً یہ سب کچھ اُس پرنسس کا کیا ہوا ہے۔ وہ ایک مسئلے میں ناکام ہوگئی تو اُس نے کوئی دوسرا کھیل، کھیل ڈالا۔ لیکن..... لیکن یہ تو بہت خوفناک بات ہے۔ کہاں چھپوں؟ کہاں جاؤں؟ کیا کروں؟ میں نے سیدھا ریلوے سٹیشن کا رُخ کیا تھا۔ پاس، پلے جو رقم تھی اُس کے ذریعے اگر بمبئی ہی سے نکل جاؤں تو اس سے اچھی بات اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔

ریلوے پلیٹ فارم پر پہنچنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپاتے ہوئے یہ دیکھنا شروع کر دیا کہ میں کون سی ٹرین میں چھپ کر بیٹھ سکتا ہوں؟ ٹرینوں کے بارے میں مجھے صحیح معلومات حاصل نہیں تھیں۔ میں ایسے ہی ٹرینوں کے اوقات پڑھنے لگا اور اُن کے راستوں کے بارے میں جاننے کا چارٹ دیکھنے لگا۔ دفعتہ مجھے اپنے عقب سے شور وغُل کی آواز سنائی دی۔ دیکھا تو چند پولیس والے دوڑے چلے آ رہے تھے اور اُن کا رُخ میری جانب تھا..... میں اُچھل کر بھاگا۔ پلیٹ فارم سے نیچے کود کر سیڑھیوں پر پہنچا اور پھر سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ پولیس والوں کی سیٹیاں فضا میں اُبھریں اور مجھ پر فائرنگ شروع ہوگئی.....

کئی گولیاں میرے پاس سے سنسناتی گزر گئی تھیں۔ پھر میں مال گاڑی کے ایک ڈبے میں گھس گیا۔ پولیس والے میرا مسلسل تعاقب کر رہے تھے۔ مال گاڑی کے اس ڈبے میں گھس کر میں ایک لمحے کے لئے، پولیس والوں کی گولیوں سے محفوظ ہوگیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے چند لمحات کے بعد وہ وہاں پہنچ جائیں گے۔ میں تو اُن کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ڈبے کے دوسرے دروازے سے اُترنے کے بعد میں نے ایک بار پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ لیکن اس بار میں نے عقل سے کام لیا تھا۔ میں سیدھا نہیں دوڑا تھا، بلکہ اُس ڈبے کے نیچے گھس کر واپس اس طرف دوڑنے لگا تھا جس طرف سے پولیس والے آرہے تھے۔ میری یہ چال کارگر رہی۔ پولیس والے مال گاڑی کے ڈبے کے قریب پہنچ گئے اور پھر اُسے چاروں طرف سے گھیرنے لگے۔ میں برق رفتاری سے لوگوں کی بھیڑ میں گم ہوکر پلیٹ فارم سے باہر نکل آیا اور ابھی میں نے دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک آدمی میرے قریب پہنچ گیا۔

''جناب آپ کی کار وہ کھڑی ہوئی ہے.....''

میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ..... اُس کے ساتھ تیزی سے چل پڑا اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس شخص نے فوراً ہی ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا اور کار سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ شکل وصورت سے وہ ایک پڑھا لکھا اور مہذب آدمی معلوم ہوتا تھا۔ تعلق بھی اسی ملک سے تھا۔ لیکن پتہ نہیں اُسے کوئی دھوکہ ہوا تھا یا کوئی اور بات تھی۔ بہرطور! میں سکون سے بیٹھا رہا۔ اگر اس میں بھی اب پرنسس کا ہاتھ ہے تو میں تو تھا ہی پرنسس کی تلاش میں۔

کار دوڑتی رہی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک مکان کے سامنے جا رُکی۔ خوبصورت مکان تھا۔ مجھے دروازے سے اندر داخل کر دیا گیا اور یہاں مزید دو افراد نے میرا استقبال کیا۔ وہ میرے سامنے مؤدب ہوگئے تھے۔ انہوں نے گردن خم کر کے کہا۔ ''اندر تشریف لے چلئے جناب! آپ کے لئے تمام انتظامات مکمل ہیں۔ ہم معافی چاہتے ہیں کہ بروقت آپ تک نہ پہنچ سکے۔''

''کوئی بات نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں۔'' میں نے تمسخرانہ انداز میں جواب دیا۔ اب تو یہ سارے ڈرامے مجھے مضحکہ خیز ہی لگتے تھے۔ مؤدب لوگ مجھے اندر لے گئے اور پھر ایک دروازے کے پاس رُک کر انہوں نے کہا۔

''یہ آپ کا بیڈ روم ہے جناب! ہم سب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ کوئی بھی ضرورت ہو دیوار پر لگا ہوا بٹن دبا دیجئے۔ آپ آرام کرنا پسند کریں گے۔ غسل کر لیجئے گا۔ آپ کے لباس ابھی پہنچا دیئے جائیں گے۔''

''او کے.....او کے.....'' میں نے بھاری لہجے میں کہا اور بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ طبیعت خوش ہوگئی تھی۔ اپنی تقدیر کے بارے میں کچھ کہنا مذاق اُڑانے کے مترادف تھا۔ عام طور سے مجھے اچھی رہائش گاہیں ہی ملتی تھیں اور اُن کا معاوضہ اتنا زبردست ہوتا تھا کہ طبیعت خوش ہو جاتی تھی۔ اسی طرح سے یہ کمرہ بھی تھا۔ اتنی شاندار ڈیکوریشن تھی کہ آنکھیں نہیں ٹھہر پاتی تھیں۔ میں درحقیقت طبیعت پر بہت گرانی محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ غسل کیا تو اتنی فرحت محسوس ہوئی کہ ناقابل بیان ہے۔ تب کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک کر اُدھر دیکھنے لگا۔

''جناب! آپ کا لباس باہر سٹینڈ پر ہے۔ میں دروازہ باہر سے بند کئے دیتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے.....'' میں نے جواب دیا اور اُس کے بعد پھر ٹھنڈے پانی سے

لطف اندوز ہونے لگا۔ پھر غسل سے فارغ ہو کر بدن خشک کیا۔ سلک کا ایک سلیپنگ سوٹ پہن لیا۔ لباس حیرت انگیز طور پر میرے بدن پر فٹ تھا۔ اس کے بعد میں اطمینان سے مسہری پر بیٹھ گیا۔

اب جو کچھ بھی ہو، اگر اُسی کمبخت پرنس نے یہ نئی چال چل کر میری جان بچائی ہے تو اس وقت مجھے اُس کا شکرگزار ہی ہونا چاہئے تھا۔ بعد کے معاملات بعد میں دیکھے جائیں گے۔ جہاں تک کسی چکر میں پھنسنے کی بات ہے تو اس سے فرار کہاں تھا؟ کسی چکر میں نہ بھی پھنستا تو چکر خود ہی مجھ میں پھنس جاتے تھے اور بالآخر میں چکرانے لگتا تھا۔ بارہا یہ فیصلے کئے تھے کہ اب کسی بھی مسئلے میں حالات سے روگردانی نہیں کروں گا۔ لیکن پھر نہ جانے کون سی فطرت غالب آ جاتی تھی اور میں اپنے بچاؤ میں مصروف ہو جاتا تھا۔ لعنت ہے مجھ پر...... کسی کل چین نہیں ہے۔ کوئی لمحہ پرسکون نہیں ہے۔ ایک بار پھر دل میں اپنے عزم کو دُہرایا کہ دنیا جو کچھ بنا رہی ہے، بن جاؤ اور اس سے گریز نہ کرو..... چنانچہ میں پرسکون ہو کر لیٹ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہی دو افراد اندر داخل ہو گئے۔ اُن میں سے ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا آیا تھا جس پر کافی کے برتن اور کچھ لوازمات سجے ہوئے تھے۔ ٹرالی مسہری سے لگا دی گئی اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں ادب سے گردن جھکا کر کچھ کہے بغیر واپس چلے گئے تھے۔ کافی کی دو پیالیاں پیں۔ بسکٹ اور خشک میوے کھاتا رہا اور کمرے کی سجاوٹ دیکھتا رہا۔ ایک چھوٹے سے ایکوریم میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ رنگین اور خوبصورت مچھلیاں۔ میری نگاہیں اُن پر جم گئیں اور میں مچھلیوں کی پرسکون زندگی دیکھنے لگا۔ بظاہر وہ پرسکون تھیں لیکن کون جانے کہ اس ایکوریم میں قید ہونے کے بعد ان کی ذہنی کیفیت کیا ہو؟ دل چاہا کہ ایک ایک مچھلی کو ایکوریم سے نکال کر دریا میں پھینک دوں۔ لیکن اوّل تو دریا کہاں تھا؟ دوسری بات یہ کہ یہاں سے جا نہیں سکتا تھا۔ تیسری بات یہ کہ مجھے ان مچھلیوں کو آزاد کرنے کا حق نہیں تھا۔ جانے کتنا وقت اسی طرح گزر گیا۔

رات کو اعلیٰ قسم کا ڈنر دیا گیا۔ لیکن ڈنر ٹیبل پر میں تنہا تھا۔ بڑے اطمینان سے میں نے رات کا کھانا کھایا۔ پھر اُن میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''کیا آپ چہل قدمی کرنا پسند کریں گے؟''

''بالکل پسند کریں گے۔'' میں نے جواب دیا اور اُن کے ساتھ باہر نکل آیا۔ تب میں

پہلی بار محسوس کیا کہ یہ عمارت ساحل سمندر پر واقع ہے۔ اس کے عقبی حصے بے حد حسین عمارت کے عقبی حصے میں گھاس کا ایک بہت بڑا قطعہ تھا جس میں کیاریاں بنا کر پھول ئے گئے تھے۔ قطعے کے اختتام کے بعد چند سیڑھیاں نیچے اُترتی تھیں اور ساحل تک چلی تھیں۔ حسین ترین جگہ تھی یہ۔ میں خاموشی کے ساتھ اُن کے ساتھ چلتا رہا۔ رات کا تھا، اس لئے کوئی خطرہ بھی نہیں تھا۔ اور پھر خطرہ حیثیت کیا رکھتا تھا؟ اب ظاہر ہے اس بعد کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ سمندر کے کنارے میں دیر تک چہل قدمی کرتا رہا۔ وہ وں باادب، خاموشی سے دو قدم پیچھے ہٹ کر میرے ساتھ چلتے رہے۔

جب میں تھک گیا تو واپسی کا ارادہ کیا اور وہ میرے ساتھ اندر آ گئے۔ ہر طرح کی تیں بہم پہنچائی گئی تھیں مجھے اور میں اپنے آپ کو بہت خوشگوار کیفیت میں محسوس کر رہا ان تمام چیزوں سے کھل کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا کیونکہ یہ نہیں معلوم تھا کہ کتنی دیر بعد میرے لئے مصیبتوں کا آغاز ہو جائے گا۔ دوسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔

شام کے تقریباً سات بجے ہوں گے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا اندر آیا۔ یہ انہی دونوں میں ایک تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ میں نے اُن دونوں میں سے ایک کا نام بھی نہیں پوچھا اور نہ ہی انہوں نے اب تک مجھے میرے نام سے مخاطب کیا تھا۔ اُس نے آتے ہی کہا۔

''جناب! میڈم ربیکا آئی ہیں۔ ابھی ابھی گاڑی سے اُتری ہیں۔ کیا حکم ہے ان کے لئے؟ ملیں گے آپ ان سے یا انہیں ٹال دیا جائے؟''

''میڈم ربیکا.....'' میں نے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

''جلدی فرما دیں۔ یقیناً وہ اندر داخل ہو گئی ہوں گی۔''

''جب اندر داخل ہو گئی ہیں تو آنے دو۔'' میں نے جواب دیا۔

''ڈرائنگ رُوم میں بٹھایا جائے یا یہاں بیڈرُوم میں بھیج دوں؟''

''بیڈرُوم ہی میں بھیج دو۔'' میں نے جواب دیا۔

وہ باہر نکل گیا۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ لمبے قد کے دُبلے پتلے لیکن انتہائی خوبصورت اور متناسب بدن کی مالک تقریباً پچیس سالہ لڑکی یا عورت اندر داخل ہوئی تھی۔ دروازہ کھول کر اُس نے مجھے دیکھا پھر شوخ انداز میں دیکھتی رہی۔ اور پھر دونوں ہاتھ پھیلا بے اختیار آگے بڑھ آئی۔

''ہیلو ڈارلنگ کیلاشی! اوہ مائی گاڈ! یہ تم ہی ہو؟ کیا تم ہی ہو یہ مسٹر کیلاشی.....''

''ہیلو سوئٹ ہارٹ! کیسی ہو تم؟'' میں نے بھی اسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

''گڈ گاڈ! تم اتنے شاندار ہو گے، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ ویری گڈ! تم سے مل کر اب دلی مسرت ہوئی ہے۔'' اُس نے مجھے اُوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر میرے بازو پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ میں تھوڑا سا ٹھٹک گیا تھا۔ اُس کے یہ الفاظ کہ تم اتنے شاندار ہو گے مجھے اندازہ نہیں تھا اس بات کی نشاندہی کرتے تھے کہ کیلاشی جو کوئی بھی ہے اور جس کے بارے میں مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کم از کم اس کا صورت آشنا نہیں ہے۔ میں نے جس انداز میں اُس کی پذیرائی کی تھی، اس سے یہ اظہار کیا تھا جیسے ہم گہرے ساتھی، دوست یا اور کچھ بھی ہیں۔

پھر میں نے کہا۔ ''تم بھی میرے خیال کے برعکس ہو ڈیئر ربیکا!''

''اوہ نو..... نو..... مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، میں بیان نہیں کر سکتی۔''

''بیان کر دو تو اچھا ہے۔'' میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔

''ویری گڈ! خوش مزاج بھی ہو۔ ورنہ عموماً ہماری فیلڈ کے لوگ چڑچڑے اور بدمزاج ہوتے ہیں۔ لیکن تمہارے بارے میں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تم عام لوگوں سے بالکل مختلف ہو۔ اوہ! میں کتنی خوش ہوں، بیان نہیں کر سکتی۔'' اُس نے پھر اپنے الفاظ دُہرائے۔ کسی قدر کھسکی ہوئی سی لگتی تھی۔ لیکن بہرطور! شکل وصورت بہت عمدہ تھی۔ ''مجھے تو جب تمہارے بارے میں معلوم ہوا تو ایک لمحہ بھی صبر نہ کر سکی۔ فوراً ہی دوڑی چلی آئی۔''

''تمہیں صبر کرنا بھی نہیں چاہئے تھا ڈیئر!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اُسے بیٹھنے کی پیش کش کی۔ وہ کرسی پر بیٹھنے کی بجائے مسہری پر جا بیٹھی تھی۔ اور اس حرکت سے میں نے اُس کے بارے میں کافی حد تک اندازہ لگا لیا تھا۔ بہرطور! میں خود کرسی پر جا بیٹھا۔

وہ میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی۔ ''''تم..... تم نے کیسے کیسے بیش بہا کارنامے انجام دیئے ہیں۔ میں تو جب بھی تمہارے بارے میں کچھ سنتی تھی خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ یہ سوچتی تھی کہ پتہ نہیں تم کس قسم کے آدمی ہو گے۔ ڈراؤنے اور خوفناک۔ چہرے پر زخموں کے نشانات ہوں گے اور پورے بدن پر بال ہی بال..... مگر تم..... اب لطف آئے گا کام کرنے کا۔ اوہ! ڈیئر کیلاشی.....''

ہم دونوں باہر نکل آئے۔

''یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟'' لڑکی نے میرے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''بالکل نہیں۔ بہت اچھا ماحول ہے یہاں کا۔ سب لوگ بہت اچھے ہیں۔ اور پھر اب تو تم آ گئیں۔ کیا تم واپس چلی جاؤ گی؟''

''ہرگز نہیں۔ اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے میں نے، معاف کرنا! یہاں آتے ہوئے یہ سوچا تھا کہ اگر تمہاری شخصیت میری توقع کے مطابق ہی نکلی تو میں تم سے معذرت کر کے چلی آؤں گی۔ لیکن اب کس کا جانے کو جی چاہتا ہے۔''

''میرا بھی نہیں چاہتا۔'' میں نے جواب دیا۔ یہ خاتون تھیں کیا۔ اور ان کی اپنی حیثیت کیا تھی؟ اس بارے میں جاننا مشکل تھا۔ لیکن بہرطور! آہستہ آہستہ معلومات حاصل ہو ہی جائیں گی۔ فی الحال تو ان کی ویری گڈ، ویری گڈ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ دیر تک ہم ساحل پر چہل قدمی کرتے رہے۔ میری نگاہیں دُور دُور تک بھٹک رہی تھیں۔ وہ مجھ سے گپ کی باتیں کر رہی تھی۔ میں لندن، پیرس اور اسکاٹ لینڈ یارڈ میں اپنی دیکھی ہوئی مہموں کی تفصیل اُسے بتاتا رہا اور وہ ویری گڈ، ویری گڈ کی گردان کرتی رہی۔ پھر شاید وہ خود بھی تھک گئی اور ہم دونوں واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑے۔ میں اب اس صورت حال سے پوری طرح متفق ہو گیا تھا اور اس میں اس وقت تک کوئی ترمیم نہیں کرنا چاہتا تھا، جب تک ترمیم بیچ میں خود ہی نہ آ کود ے۔

سمندر کے کنارے کی نم ہوائیں بہت فرحت بخش تھیں۔ ہم کافی دیر سے واپس لوٹے۔ ربیکا کی پسندیدگی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ اُس نے رات کو بھی واپسی کی ضرورت نہ سمجھی۔ میں جو اپنے حالات سے جنون کی حد تک اُکتا گیا تھا، اب اپنی زندگی میں پیش آنے والے کسی بھی لمحے پر معترض نہیں تھا۔ زندگی کو اپنا سمجھنا میرے لئے مشکل ہو چکا تھا۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اپنی سوچ کا ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکوں گا۔ یہی وجہ تھی کہ اجنبی ربیکا کی قربت کو بھی میں نے خوش دلی سے برداشت کر لیا۔

صبح ناشتے کے بعد وہ مجھ سے تھوڑی دیر کے لئے اجازت لے کر گئی اور پھر واپس آ گئی۔ شام کی چائے البتہ اُس نے میرے ساتھ پی تھی۔

''تم نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ یورپ میں گزارا ہے۔ میں تمہارا پارک شائر والا کیس کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ کمال کر دیا تھا اس میں تم نے کیلاشی!'' چائے کی چسکی لیتے ہوئے وہ بولی۔

''اوہ ڈیئر ربیکا..... بس! کمالات خود بخود ہو جاتے ہیں اور ان میں انسان کی اپنی کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔''

''لیکن یوڈی میکلارنس کو تو تم نے کھلے عام شکست دی تھی۔ کتنا مغرور انسان تھا وہ..... کتنا وحشی اور درندہ صفت..... لیکن یہ صرف کیلاشی ہی تھا جس نے یوڈی میکلارنس کو کتے کی موت مار ڈالا۔''

''بس! یوں سمجھ لو کہ اُس کی موت ہی آئی تھی۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ تم اسی وقت سے میرے ہیرو بن گئے تھے۔''

''اوہ..... اچھا، اچھا!'' میں اپنے آپ پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ کون یوڈی میکلارنس اور کیسا پارک شائر..... میں خالہ شہادت کی کھولی کے حوالے سے زیادہ بہتر طریقے سے پہچانا جا سکتا تھا۔ لیکن وقت مجھے جو کچھ بھی بنا دے۔ اب پتہ نہیں یہ مسٹر کیلاشی میرے ہم شکل تھے یا ان تمام کوششوں میں کوئی اور کارروائی کارفرما تھی۔ میں جو اعترافات کر رہا تھا، اُن کے مضحکہ خیز ہونے پر خود دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ اگر دوسرے ہنس رہے ہوں تو تعجب کی کون سی بات ہے؟

اسی طرح پانچ دن گزر گئے۔ چھٹے دن ربیکا نے مجھ سے کہا کہ ممکن ہے میں اُکتاہٹ محسوس کر رہا ہوں۔ وہ بولی۔ ''ڈیئر کیلاشی! تمہارے لئے بھلا یہ کیا مشکل ہے کہ اپنے چہرے میں تھوڑی سی تبدیلی کر لو۔ آؤ! کیوں نہ بمبئی کی سیر کو چلیں؟ یہ جگہ ایسی دلنواز ہے کہ انسان کو اپنے آپ میں گم کر دیتی ہے۔''

''لیکن ڈیئر ربیکا! میک اَپ کا سامان بھی تو ہونا چاہئے۔''

''کیا ضروری ہے؟ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک اور ناک کے نتھنوں میں دو سپرنگ..... تمہاری شخصیت ہی تبدیل ہو جائے گی۔ میں تمہیں یہ دونوں چیزیں مہیا کر دیتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' میں نے دلیرانہ کہا۔ حالانکہ باہر جاتے ہوئے میری رُوح کانپ رہی

تھی۔ میں جانتا تھا کہ جو الزام مجھ پر آ چکا ہے، وہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ پولیس والے میرا چہرہ آسانی سے فراموش کر دیں۔ چپے چپے پر میری تلاش ہو رہی ہو گی۔ لیکن اب اتنی بزدلی کا مظاہرہ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ لوگ میرے لئے جان کی بازی لگا دیں۔ جس طرح انہوں نے پہلی مرتبہ مجھے پولیس کے چنگل سے نکالا تھا، اُسی طرح یقیناً وہ اَب بھی میری نگرانی کا معقول بندوبست کریں گے۔

ربیکا نے مجھے بمبئی کی سیر کرائی۔ حسین عمارتوں اور حسین چہروں کا یہ شہر درحقیقت میرے لئے بہت پرکشش تھا۔ سوچا تو یہ تھا کہ اپنے اس مال و دولت کے ساتھ بمبئی میں ایک اعلیٰ درجے کی زندگی گزاروں گا۔ لیکن وہی تقدیر کا مسئلہ آ جاتا ہے۔ تقدیر کے کھیل بھی انوکھے ہوتے ہیں۔

یہ تمام باتیں میرے لئے باعث دلچسپی تھیں اور میں نے اپنے آپ کو پھر دنیا کے جھگڑوں سے لاتعلق کر لیا تھا اور جس طرح میں نے اب تک بے شمار ملکوں کی سیر کی تھی، اُسی طرح بمبئی کو ایک سیاح کی حیثیت سے دیکھنے لگا۔

لیکن اب وہ وقت آ گیا تھا۔ اس تمام عیش و عشرت کا حساب ہونے والا تھا۔ یہ سب کچھ بھی میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اس رات ربیکا نے مجھے بتایا کہ کل صبح ساڑھے دس بجے مسٹر بلیک، فرانس سے یہاں پہنچ رہا ہے۔ ''تمہیں یقینی طور پر مسٹر بلیک کا انتظار رہا ہو گا۔ ویسے کیلاشی! اس منصوبے کی تکمیل کے بعد تمہارا کیا پروگرام ہو گا؟ یہیں رُکو گے یا یہاں سے کہیں چلے جاؤ گے؟''

''کیا کہا جا سکتا ہے؟'' میں نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ یہ مسٹر بلیک کیا چیز تھا؟ اس کے بارے میں بھلا مجھے کیا معلوم؟ ایک بات بار بار ذہن میں آ رہی تھی۔ وہ کوئی ایسا منصوبہ لے کر آ رہا تھا جس پر مجھے عمل کرنا تھا اور یہ بات بھی سامنے تھی کہ مجھے اس منصوبے کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے تھا۔ مسٹر بلیک کے آنے کے بعد میرا کیا ہو گا؟ اس کا فیصلہ کرنا بھی مشکل تھا۔ لیکن ڈر کی کیا بات ہے؟ صورت حال بگڑ گئی تو جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک مطمئن رات گزاری۔

دوسرے دن ناشتے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ربیکا مجھ سے رُخصت ہو کر چلی گئی۔ وہ بلیک کو لینے ایئر پورٹ گئی تھی۔ اب بھی موقع تھا کہ اس کوٹھی سے بھاگ جاؤں اور

اپنی جان بچا لوں۔ بالآخر انسان تھا۔ خوف و دہشت کو دل سے کیسے جدا کر سکتا تھا؟ خطرناک لوگ تھے۔ یہ بات معلوم ہونے کے بعد کہ میں کیلاشی نہیں ہوں اور ان لوگوں کو دھوکہ دیتا رہا ہوں وہ میری زندگی کے گاہک بھی بن سکتے تھے۔ لیکن اس وقت یہاں سے بھاگنا بھی قیامت تھا۔ کیونکہ چپے چپے پر میری زندگی کے گاہک پھیلے ہوئے تھے۔ ناچار انتظار کرتا رہا اور ٹھیک پونے بارہ بجے مسٹر بلیک، ربیکا کے ساتھ یہاں پہنچ گئے۔ یقیناً بلیک تھے۔ افریقہ کے کسی ملک سے تعلق تھا۔ بدن پر اپنے دادا جان کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اتنا ڈھیلا ڈھالا کہ ایسا لگتا تھا جیسے بانس پر لٹکا دیا گیا ہو۔ بڑا سا ہیٹ پہنے ہوئے تھے جو اُن کے کانوں پر آ رہا تھا۔ چہرے پر بھی حماقت ہی برس رہی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگا ہوا تھا جو پرانے بوڑھوں کی طرز کا تھا۔ دیکھنے میں اچھے خاصے کسی تھیٹر کے مسخرے معلوم ہو رہے تھے۔ انہوں نے اپنا برف جیسا یخ ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر منمناتے ہوئے کہا۔

''بہت دن کے بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے مسٹر کیلاشی! کیسے ہیں آپ؟''

''بالکل ٹھیک ہوں مسٹر بلیک!'' میں نے لہجے کو پُراعتماد بناتے ہوئے کہا۔

''افسوس! کام وقت سے کچھ پہلے ہو رہا ہے۔ ہمیں اپنے بعض منصوبوں میں ناکامی ہوئی۔ مگر آئیے! میں آپ سے تفصیلی گفتگو کئے لیتا ہوں۔ کیونکہ کل ٹھیک ایک بجے وہ لوگ یہاں پہنچ رہے ہیں۔''

''اوہ..... اتنی جلدی؟'' میں نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... کسی خاص وجہ سے اُن کے پروگرام میں کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ ہم لوگ بر وقت نہیں جا سکے تھے۔''

''خیر! کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تو چوبیس گھنٹے کا وقت ہے ہمارے پاس۔'' میں نے کہا۔ ربیکا ہمارے ساتھ ہی اندر آئی تھی۔ مسٹر بلیک نے آرام نہیں کیا۔ انہوں نے اپنا وہ سوٹ کیس منگوا لیا جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور پھر سوٹ کیس کھول کر بیٹھ گئے۔ کچھ کاغذات، فائل، ایک فلم اسپول اور ایسی ہی چند دوسری چیزیں..... اس کے بعد انہوں نے فائلیں وغیرہ کھول کر میرے سامنے رکھ دیں اور میں اُن کے مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

انہوں نے ربیکا سے کہا کہ وہ سولہ ایم ایم کے پروجیکٹر کا بندوبست کرے اور ربیکا اٹھ کر باہر چلی گئی۔ مسٹر بلیک مجھے دیکھتے رہے اور میں فائل پر نگاہیں دوڑاتا رہا۔ عجیب و

غریب عبارتیں درج تھیں اس فائل میں۔ میرے پلے کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔ غالباً یہ کوڈ ورڈز تھے، جن میں مجھے ہدایات دی گئی تھیں۔ ربیکا کی آمد نے یہ مشکل حل کر دی۔ اُس نے پروجیکٹر ایک طرف رکھا اور پھر سکرین لگانے لگی۔ مسٹر بلیک نے وہ اسپول پروجیکٹر پر چڑھا دیا اور مجھے اُس کی جانب متوجہ کر لیا۔ تب میں نے سکرین پر ایک شخصیت کو دیکھا جس کے مختلف پوز نمایاں کئے گئے تھے۔ یہ شخصیت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ ایک بہت بڑے ملک کی بہت بڑی سیاسی شخصیت جو اس وقت ایک نہایت اہم سرکاری عہدہ رکھتی تھی۔ پھر اس کے بعد مجھے اُس شخصیت کی مختلف عادات سے متعلق فلم رپورٹیں دکھائی گئیں۔ اور ان فلم رپورٹوں میں کمنٹری بھی تھی جس میں مجھے یعنی مسٹر کیلاشی کو ہدایات دی جا رہی تھیں۔ ایئر پورٹ پر کون کون سے لوگ متوقع ہو سکتے ہیں اور کتنے لوگوں کی نگاہوں میں دُھول جھونک کر مجھے اپنا کام انجام دینا ہے؟ فلم رپورٹ میں ایئر پورٹ کے آس پاس کے مناظر بھی نمایاں کئے گئے تھے۔ اور اس کے بعد وہ بلڈنگ بھی دکھائی گئی تھی جو ابھی زیرِ تعمیر تھی۔ اس کے فاصلے کا پورا پورا ناپ موجود تھا۔ یہ تمام چیزیں مجھے بڑی تفصیل کے ساتھ ذہن نشین کرائی جا رہی تھیں اور میرے بدن میں ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ کیا کرنا ہے..... مجھے کیا کرنا ہے؟ پھر جب تمام فلم ختم ہو گئی تو مسٹر بلیک نے مجھ سے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے مسٹر کیلاشی! اس سے زیادہ تفصیلی رپورٹ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ ہم نے بہت دُور بیٹھ کر انتظامات کئے ہیں۔''

''یقیناً..... میں حیران ہوں۔'' میں نے بھی اب اپنے جنون کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

''اب آپ آخری چیز دیکھ لیجئے اور اس کے بعد آپ کے کام کا آغاز ہوتا ہے۔'' یہ آخری چیز جدید ساخت کی رائفل تھی جس پر دُوربین فٹ کر دی گئی تھی۔ مسٹر بلیک نے اُس رائفل کے مختلف پارٹس جوڑے۔ دُوربین اُس پر فٹ کی اور مجھ سے بولے۔ ''اس سے عمدہ چیز آپ کے کام کے لئے دوسری نہیں ہو سکتی۔ اس کی رینج بہت زیادہ ہے اور آپ جس جگہ سے اسے استعمال کریں گے وہاں سے اس کا استعمال آپ کے لئے بے حد آسان ہوگا۔ طے یہ کیا گیا ہے کہ اس کے چھ فائر کئے جائیں اور چھ فائروں میں آپ لازمی طور پر کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں گے۔ بس! آپ کو ذرا محنت اور ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا۔''

اب میں بالکل نڈھال ہو گیا تھا۔ بات میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ زیرِ تعمیر عمارت، ایک

غیر ملکی سیاسی شخصیت، اعلیٰ قسم کی رائفل اور اُس شخصیت کے بارے میں فلم رپورٹ.....گویا مجھے ایک اہم ترین سیاسی شخصیت کو قتل کرنا تھا ایک ماہر قاتل کی حیثیت سے۔ میرا پورا وجود ٹوٹا جا رہا تھا۔ کنپٹیاں چیخ رہی تھیں۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو رہے تھے۔ مسٹر بلیک نے میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھیں گے اور ہمیں کامیابی سے روشناس کرائیں گے۔''

میں نے بڑے اعتماد سے یقیناً..... یقیناً کہنا چاہا۔ لیکن میرے حلق سے بطخ کی سی آوازیں نکل کر رہ گئیں۔ اَب تو آواز بھی ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

میری بطخ جیسی آواز سن کر مسٹر بلیک نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور غالباً یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنی سابقہ روایات برقرار رکھنے کا عہد کر رہا ہوں۔ ویسے وہ افریقی نژاد تھے اور افریقہ کے باشندے ہر چیز آسانی سے مان لیا کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی جنبش کا اُن کے لئے جواز نکل آتا ہے۔ لیکن میرے دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ بہت سے جرائم کا اگر ماسٹر نہیں رہا تھا تو انہیں سمجھ ضرور گیا تھا۔ مگر وقت گواہ ہے کہ ان ساری کارروائیوں میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ خالہ شہادت کی کھولی سے ساحل سمندر جانا میرے لئے عذاب بن جائے گا۔ آغاز تو وہیں سے ہوا تھا۔ اور اس کے بعد مجھے بین الاقوامی بکرا سمجھ لیا گیا۔ جس کے ہاتھ میں بھی چھری ہوتی، وہ میری گردن کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا، اُٹھاتا، پٹختا اور میری گردن پر چھری پھیر دیتا۔

میں بہت دیر تک اپنے اس نئے منصب کے بارے میں اور شاید مسٹر بلیک میرے پروگرام کی کامیابی کے بارے میں سوچتے رہے۔ پھر دفعتہً ہی وہ مسکرائے اور تاریکی میں ہوپ نکل آئی۔ انہوں نے پُر جوش انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے یقین ہے مسٹر کیلاشی! کہ آپ کامیاب ہوں گے۔ اس نقشے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو براہِ کرم! بتا دیجئے۔''

''آپ کو میرے نقشے میں کوئی کمی نظر آ رہی ہو تو مجھے بھی بتا دیجئے۔''

''اوہ..... کیا آپ نے بھی اپنے ذہن میں کوئی نقشہ ترتیب دیا ہے؟''

''جی ہاں! لیکن وہ بے حد خفیہ ہے۔ کسی مناسب وقت پر آپ کے سامنے پیش کروں گا۔''

مسٹر بلیک میری بات نہیں سمجھ پائے تھے۔ بہرطور! انہوں نے ایک بٹن دبا کر ربیکا کو طلب کر لیا اور پھر شراب کے برتن سج گئے..... میرے لئے جام صحت تجویز کیا گیا اور

کامیابی کی خوشی میں دونوں پینے لگے۔ جام میں نے بھی لیا تھا لیکن اُس وقت شراب کی بجائے زہر پینے کو جی چاہ رہا تھا۔ بھلا میں اور ایک پیشہ ور قاتل؟ اور پھر وہ بھی ایک ایسی شخصیت کا جسے قتل کرنا آسان کام نہیں تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اب تک کی زندگی میں غیر اختیاری طور پر بہت کچھ ہو چکا تھا یا پھر اپنی جان بچانے کے لئے کسی کو کچھ نقصان پہنچا دیا تھا۔ لیکن اس کا کیا سوال تھا کہ ایک پیشہ ور مجرم کی حیثیت سے کسی کو قتل کر دوں۔ لیکن مجبوریاں اور پھر وہ مادام جنہوں نے مجھے اپنی غلامی میں لینے کا عہد کر رکھا تھا، میں جانتا تھا کہ چوہے بلی کا جو کھیل میرے ساتھ کھیلا جا رہا ہے، وہ انہی پرنس کی ہدایات پر ہے۔ میرے ہاتھوں ایک ایسی شخصیت کو قتل کروایا جا رہا تھا جو اگر واقعی قتل ہو جائے اور اُس کی موت کا الزام مجھ پر آ جائے تو شاید میں قیامت تک اپنی گلو خلاصی نہ کرا سکوں گا۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجھے کرنا کیا چاہئے؟ حالات بتا رہے تھے کہ اگر ان لوگوں کی ہدایات پر عمل نہ کیا تو اسی طرح کسی چوک پر کھڑا کر کے مجھے گولی ماردی جائے گی۔ ظاہر ہے پولیس ابھی تک میرے چکر میں ہو گی اور یہی لوگ اس وقت میری زندگی کے ضامن بن سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ میں اُن کی ہدایت پر عمل کرنے ضمانت دوں۔

شراب کے دور چلتے رہے۔ ربیکا آؤٹ ہو گئی تھی..... مسٹر بلیک اُٹھ کر چلے گئے اور ربیکا مجھے اپنی بچپن کی محبت کا یقین دلانے لگی۔ حالانکہ بچپن میں، میں اگر اُسے دیکھ لیتا تو کمبخت کو جوان ہی نہ ہونے دیتا۔ کہیں گلا گھونٹ کر سلا دیتا تا کہ اس وقت اس مصیبت میں گرفتار تو نہ ہونا پڑتا۔

تمام پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ اور اب میرے لئے سوچنے سمجھنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔ رات گزری اور پھر وقت آ گیا جب قتل کے ماہر کیلاشی کو ایئر پورٹ ایریا میں داخل ہونا تھا۔ تمام نقشے میرے پاس محفوظ کر دیئے گئے تھے اور مجھے بتایا گیا تھا کہ میرے تحفظ کا مکمل بندوبست کر لیا گیا ہے۔ اگر کوئی خطرہ درپیش ہوا تو مجھے اس سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

ایک بند گاڑی مجھے اور میری رائفل کو لے کر چل پڑی..... دو افراد ساتھ تھے۔ تیسرا ڈرائیور تھا۔ دونوں خاموشی سے میرے ساتھ اُس جگہ تک آئے جہاں سے مجھے اُن دونوں کو

دا حافظ کہہ دینا تھا۔ یہ ایک ویران سی جگہ تھی اور یہاں سے ایئر پورٹ کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ سامنے ہی بے شمار فلیٹ بنے نظر آ رہے تھے جو ایئر پورٹ کے احاطے سے کافی دور تھے لیکن پھر بھی قریب محسوس ہوتے تھے۔

مجھے ان فلیٹوں سے بھی دور اُتار دیا گیا اور پھر ایک طرف جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں جھاڑیوں کے جھنڈ ضرور تھے لیکن جس جگہ یہ گٹر لائن شروع ہوتی تھی، وہاں جھاڑیاں نہیں تھیں۔ چنانچہ مصنوعی جھاڑیاں لگا کر یہاں میری نقل و حرکت کو پوشیدہ کر دیا گیا تھا اور یہ جھاڑیاں صرف اُسی وقت تک کے لئے تھیں جب تک میں اپنا کام مکمل طریقے سے انجام دے کر وہاں سے فرار نہ ہو جاؤں۔ گٹر کا ڈھکن اُٹھایا گیا اور میں نے گھبرا کر پوچھا۔

”بھائی! اس قسم کے پرانے گٹروں میں گیسیں ہوا کرتی ہیں جن سے لوگ ہلاک ہو جایا کرتے ہیں۔ کیا ان میں میری ہلاکت کا معقول بندوبست موجود ہے؟“

”نہیں جناب! گٹر خاص طریقے سے گیس سے خالی کر لئے گئے ہیں۔ آپ اندر اُتریں گے تو آپ کو ایک خوشبو کی سی کیفیت ملے گی۔ انہیں آپ کے کام کے لئے خوشبو سے معطر کیا گیا ہے۔“

”واہ..... سبحان اللہ! ایسی غلیظ جگہ..... بہر طور!“ میں نے کہا اور پھر خدا کا نام لے کر گٹر میں اُتر گیا۔

پہلے تو یہی سوچا تھا کہ اب مصیبت آ ہی گئی ہے تو دلجمعی سے کام کیا جائے۔ لیکن گٹر میں اُترنے کے بعد تمام قوتیں ساتھ چھوڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ گٹر کا ڈھکن اُوپر سے بند کر دیا گیا..... میں نے تجربے کے طور پر اُسے اُٹھا کر دیکھا تو وہ با آسانی اُٹھ گیا۔ ڈھکن رکھ کر جانے والے ایک دم پلٹ آئے تھے۔

”جناب عالی! کوئی ہدایت؟“

”جاؤ میاں! اپنا کام کرو۔ اپنا تجربہ کر رہا تھا میں۔“ میں نے کہا اور دوبارہ ڈھکن بند کر دیا۔ پھر میں نے بدن پر لگی ہوئی جیبی ٹارچ روشن کر لی۔ بہت سی کار آمد چیزیں میرے سپرد کر دی گئی تھیں جو میرے لئے معاون ثابت ہو سکتی تھیں۔ اُس جیبی ٹارچ سے میں نے گٹر کا نقشہ دیکھا اور پھر اُس سرخ نشان کی طرف چل پڑا جو نقشوں میں میری نشاندہی کے

لئے بنایا گیا تھا۔

گٹر لائن میں واقعی کافی صفائی کر دی گئی تھی۔ اور یہ کام انہی لوگوں نے کیا تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ نقشے ہی سے مدد لے رہا تھا ورنہ اس تنگ و تاریک سرنگ نما جگہ، بھلا کیا، کیا جا سکتا تھا؟ ذرا دیر بعد زوردار آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ کوئی جہاز عین میرے سر کے اُوپر سے گزرا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ اب میں ایئر پورٹ آ پہنچا ہوں..... نقشے کے مطابق میں نے بائیں سمت کی وہ سرنگ دیکھی جس طرف مجھے بڑھنا تھا۔ یہاں تھوڑا سا پانی موجود تھا۔ تعفن بھی اُٹھ رہا تھا۔ لیکن میں اُس جگہ پہنچ گیا جہاں مجھے زمین پر اُبھرنا تھا اور اُس کے بعد اس معقول جگہ پہنچنا تھا جہاں سے نہ صرف ایئر پورٹ کے رن وے پر ہونے والی کارروائی کا پتہ چل سکتا تھا بلکہ اور بھی کئی جگہوں پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ خطرہ سکیورٹی فورس کا تھا جو ایئر پورٹ پر آنے والے معزز مہمان کی نگہداشت کے لئے پوری طرح مستعد اور چوکس تھی۔

میں نے گٹر کا ڈھکن اُٹھا کر گردن باہر نکالی۔ میرے اطراف امکانات کے مطابق بالکل سنسان تھے۔ میں آہستہ سے گٹر سے باہر نکل آیا۔ سامان کا تھیلا میرے پاس موجود تھا۔ میں نے وہ بلندیاں عبور کیں جنہیں طے کر کے مجھے اپنی منزل پر پہنچنا تھا۔ اور پھر ایک جگہ فٹ ہو گیا۔ لباس اور انداز ایسا تھا کہ ذرا بھی جنبش نہ ہو اور اگر کہیں قریب سے دیکھ بھی لیا جاؤں تو کوئی یہ نہ سوچ سکے کہ مٹی کے تودے میں اور بھی کوئی چیز پوشیدہ ہے۔

سامنے ایک چھوٹا سا کیبن نظر آ رہا تھا جو کسی قدر بلندی پر بنایا گیا تھا۔ جانے اس کا کیا مقصد تھا؟ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد معلوم ہو گیا کہ وہاں سکیورٹی کے افراد موجود تھے اور مجھے اُس وقت پتہ چلا جب دو مسلح آدمی اُس کیبن سے اُتر کر اطراف کا گشت کرنے کے لئے نکلے تھے۔ میں سہمی نگاہوں سے سانس روکے ہوئے انہیں دیکھتا رہا۔ وہ لوگ ایک مخصوص ایریئے میں گشت کرتے ہوئے دُور تک نکل گئے تھے۔

میں نے رائفل کے ٹکڑے جوڑے اور اُس پر دُور بین فٹ کر لی۔ دوسری دُور بین اپنی آنکھوں پر لگا کر میں آس پاس کا جائزہ لینے لگا۔ رن وے پر مہمانوں کے استقبال کی زبردست تیاریاں تھیں۔ مسلح دستے گارڈ آف آنر پیش کرنے کے لئے تیار تھے۔ پروٹوکول الگ مستعد تھا۔ میرے بدن میں سنسنی دوڑ رہی تھی اور میں اب یہ طے کر رہا تھا کہ اپنی

مخصوص جگہ پہنچ جاؤں۔ جہاں سے مجھے رن وے کا نشانہ لینا تھا۔ میں کھسکتا ہوا اُس جگہ بڑھا۔ سکیورٹی سٹاف کے دونوں آدمی واپس آ رہے تھے اور اُن کی واپسی سے پہلے ہی میں اپنے آپ کو پوشیدہ کر لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اُس آخری حصے میں پہنچ گیا جہاں سے مجھے رن وے صاف نظر آ رہا تھا اور اسی جگہ سے مجھے اپنی کارروائی کرنی تھی۔

ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ مجھے اپنی گردن پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اُسے پکڑا تو سیاہ رنگ کا ایک چیونٹا تھا۔ میں نے اُسے مسل کر پھینک دیا۔ لیکن چند ہی لمحات کے بعد پھر ایسی ہی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ یہاں نیم تاریکی تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں چیونٹوں کو دیکھ سکتا تھا۔ بڑی نسل کے چیونٹے تھے۔ میں نے اپنے بدن کے کھلے ہوئے حصوں کو ڈھک لیا تا کہ چیونٹے مجھے نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اور پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر دیوار سے پشت ٹکا دی۔ دُور بین بار بار آنکھوں سے لگتی اور فضا کا جائزہ لینے لگتی۔ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ سوئیاں بہت سست روی سے کھسک رہی تھیں۔

پھر میں نے ایئر پورٹ ایریا میں کچھ ہلچل سی دیکھی۔ اور اس کے ساتھ ہی میری نگاہیں آسمان کی جانب اُٹھ گئیں۔ ایک طیارہ فضا میں گردش کر رہا تھا۔ لینڈنگ کے انتظامات کئے جا رہے تھے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد طیارے نے رن وے کو چھو لیا اور دوڑتا ہوا ایک جگہ آ کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں اَب رائفل کی دُور بین سے طیارے پر تھیں۔ سیڑھی لگ گئی۔ معزز مہمان نیچے اُترنے لگے اور ان کے درمیان وہ شخص نظر آیا جس کے لئے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل دھڑک اُٹھا۔ اُس بے چارے سے میری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ مگر جس مقصد کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا وہ کرنا تھا۔ چنانچہ میں دُور بین سے اُس شخص کو دیکھتا رہا۔ معزز شخصیتیں اُس سے ہاتھ ملا رہی تھیں۔ میری رائفل اُس شخص کے ساتھ ساتھ گردش کرتی رہی۔ مجھے ایک مخصوص فاصلے تک اپنا کام کرنا تھا۔ کیونکہ اس کے بعد نشانہ لینا ممکن نہ ہوتا۔

پھر میرا دل دھک دھک کرنے لگا..... وہ میری رینج میں آتا جا رہا تھا۔ اس وقت پوزیشن ایسی تھی کہ میں فائر کر سکتا تھا۔ میں نے دانت کچکچائے، اُس کا نشانہ لیا اور ٹرائیگر پر اُنگلی رکھ دی..... لیکن اچانک ہی مجھے اپنی پشت پر سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے سوچا کہ

پسینہ ہے۔ لیکن پشت کی سرسراہٹ اب نیچے کی جانب محوِ سفر تھی۔ میں اس پر توجہ دیئے بغیر اپنا نشانہ درست کرتا رہا۔ اور پھر میں نے ٹرائیگر دبا دیا..... لیکن گولی شاید پلٹ کر میری کمر میں ہی آ لگی تھی یا پھر..... یا پھر کاٹنے والی چیز کے دانت ہی مضبوط تھے کہ مجھے شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ میں اُچھل پڑا۔ دھماکہ ہوا اور اس کے ساتھ ہی نجانے کیا ہوا.....؟ میں نے البتہ اپنی پشت پر رینگنے والی اُس شے کو پتلون کے اُوپر ہی سے پکڑا اور مسل ڈالا۔ کمبخت نے کاٹنے میں اتنی قوت کا مظاہرہ کیا تھا، جتنی قوت میں نے رائفل کی لبلبی دبانے میں لگائی تھی۔

ایئر پورٹ پر بھگدڑ مچ گئی اور میں نے فوراً ہی دُور بین سینے سے اُٹھا کر آنکھوں سے لگا لی۔ میں نے دیکھا کہ جس شخص کا میں نے نشانہ لیا تھا وہ صحیح سلامت ہے۔ اُسے گھیرے میں لے لیا گیا تھا۔ آس پاس کوئی زخمی بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر میری نگاہیں کچھ اور آگے اُٹھ گئیں۔ بہت فاصلے پر ایک عمارت کی بلندی سے ایک شخص دونوں ہاتھ فضا میں بلند کئے نیچے جھک رہا تھا۔ میں نے اُسے فوکس میں لیا اور پھر میرے ہوش وحواس رُخصت ہو گئے..... اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو وہ مسٹر بلیک تھا جو چھت کی بلندی سے نیچے آ رہا تھا۔ دُور بین کے طاقتور لینز اُس کی کھوپڑی کے سوراخ کو بھی نمایاں کر رہے تھے۔

میں ایسی گہری سوچ میں ڈوب گیا کہ اپنے اطراف سے بھی بے خبر ہو گیا۔ مجھے اندازہ نہ ہو سکا کہ سکیورٹی کے لوگ کس طرح پوزیشن لئے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ جس وقت ہوش آیا تب تک پستول کی چار پانچ نالیں میرے بدن کے مختلف حصوں میں گدگدی شروع کر چکی تھیں اور میں انہیں بھی چیونٹے سمجھ کر جھاڑ رہا تھا۔ لیکن جب کسی نے میرا گریبان پکڑ کر مجھے پوری قوت سے باہر کھینچا تو میں حیران رہ گیا۔ رائفل میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور میں متحیرانہ انداز میں اُن لوگوں کی شکلیں دیکھنے لگا۔ وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ مجھے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اگر میں نے مزاحمت کی ذرا بھی کوشش کی تو وہ یہیں پر مجھے پیچ پیچ کر مار ڈالیں گے۔ بہتر یہی تھا کہ مکمل خاموشی اختیار کی جائے۔ سو میں نے یہی کیا۔ وہ لوگ مجھے گھسیٹتے ہوئے اُس کیبن کی جانب لے چلے۔ وہاں انہوں نے نائیلون کی مضبوط رسّی سے میرے ہاتھ پاؤں کس دیئے اور اچھی خاصی ہنگامی کارروائی ہونے لگی۔ غالباً میرے بارے میں اطلاع دی جا رہی تھی۔

میں خاموش تماشائی کی حیثیت سے اُن کی کارروائی کو دیکھ رہا تھا لیکن مسٹر بلیک کی موت میرے ذہن میں کچوکے لگا رہی تھی۔ پھر غالباً کروٹ بدلنے کی کوشش کی تھی کہ عقبی حصے میں ٹیس اُٹھی اور ٹیس نے سارا معمہ حل کر دیا۔ میں بھی عجیب بیوقوف آدمی تھا۔ ذرا سی بات نہ سوچ سکا۔ جب میں رائفل سے فائر کر رہا تھا، اسی وقت میرے بدن پر سرسراہٹ ہوئی تھی۔ اور کسی شے نے اس زور سے کاٹا تھا کہ میں بلبلا اُٹھا تھا۔ رائفل کی نال یقیناً اُونچی ہو گئی تھی۔ مسٹر بلیک غالباً مووی کیمرے سے تمام کارروائی کی فلم بنا رہا تھا۔ رائفل نے اُسی کی پیشانی کا نشانہ لے لیا۔ ارے باپ رے باپ..... میرے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا۔ گویا اُس شخص کی بجائے حیرت انگیز، بلکہ ڈرامائی طور پر مسٹر بلیک میری گولی کا نشانہ بن گیا تھا۔ یہ اچھا ہوا یا برا؟ یہ میں نہیں جانتا تھا۔ بہرطور! اب اگر سکیورٹی فورس والوں نے پکڑ لیا ہے تو ظاہر ہے میری جان بخشی آسان نہ ہوگی۔ البتہ اگر کوئی ترکیب لڑائی جائے تو ممکن تھا کچھ کام بن جائے۔

ذہن کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جیسے سو کلومیٹر کی رفتار سے چل رہا ہو۔ اور پھر میرے ذہن نے ایک عجیب منصوبہ تیار کر لیا۔ منصوبے تیار کرنے میں حرج ہی کیا ہے؟ کامیابی ضروری تو نہیں ہوتی۔ اور پھر مجھ جیسے شخص کے لئے جس کا برسوں سے اس دنیا میں یار و مددگار کوئی نہیں تھا۔ میں نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی اور دل میں سوچا کہ اپنے کام کا آغاز کر دینا چاہئے۔

جس طرح مجھے باندھ دیا گیا تھا، اُس سے تکلیف بھی ہو رہی تھی۔ سکیورٹی کے بہت سے افسر وہاں موجود تھے۔ میں نے اُن میں سے ایک کو اشارہ کیا اور وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھتا ہوا میرے میرے پاس آ گیا۔ ”بڑے بھائی! کم از کم ایک گلاس پانی تو پلوا دو۔“ میں نے کہا۔ جواب میں اُس کی ٹھوکر میری پسلیوں میں پڑی۔ میں نے شدت کرب سے کراہتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو! میرے ساتھ جو کچھ کر رہے ہو، اس پر تمہیں خون کے آنسو رونا پڑے گا، اس بات کو ذہن میں رکھنا۔ تم نے بلا شبہ مجھے ایک مجرم کی حیثیت سے گرفتار کیا ہے۔ لیکن جو کچھ میں نے کیا ہے، اُس کی تفصیل جب منظر عام پر آئے گی تو تم مجھے سیلوٹ کرنے پر مجبور ہو گے۔“

سکیورٹی آفیسر غرایا۔ ”زبان بند رکھو! ورنہ منہ پر پاؤں رکھ کر سارے دانت حلق میں

اتار دیئے جائیں گے۔''

مجھے یہ تصور بالکل پسند نہیں آیا۔ اگر وہ ایسا کر ڈالتے تو اس کے بعد جینا بے مزہ ہو جاتا۔ میں فوراً خاموش ہو گیا۔

باہر جانے کیا کیا کارروائیاں ہو رہی تھیں۔ سکیورٹی کے لوگ ٹیلی فون پر پیغامات وصول کر رہے تھے۔ وائرلیس پر گفتگو ہو رہی تھی۔ لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ میں اُن کی آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔ پھر کافی دیر کے بعد کچھ فوجی اندر داخل ہوئے۔ اُن میں سے دو سپاہیوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ کر لٹکا لیا اور کیبن کے نزدیک ترپال سے ڈھکی گاڑی میں ٹھونس دیا۔ کئی فوجی میرے آس پاس بیٹھ گئے۔ گاڑی سٹارٹ ہوئی اور چل پڑی۔

میں خاموشی سے بلکہ کان دبا کر پڑا رہا۔ یہاں تک کہ گاڑی کا سفر ختم ہو گیا۔ جہاں مجھے اُتارا گیا، وہ انداز سے کوئی فوجی چھاؤنی معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف وسیع و عریض سرخ پتھروں کی عمارت بھی تھی۔ مجھے پیدل وہاں تک لے جایا گیا۔ پیچھے چند فوجی انتہائی مہلک ہتھیار لئے چل رہے تھے۔ پھر مجھے ایک کمرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا جس کے دروازے پر موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر کھردرے فرش پر لیٹ کر سکون کی گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

صبر و سکون سے میں نے کافی وقت گزار دیا۔ غالباً انداز سے کوئی اٹھارہ گھنٹے ہو چکے ہوں گے کہ میری طرف توجہ دی گئی۔ ان اٹھارہ گھنٹوں میں مجھے کھانا اور چائے البتہ ضرور پیش کی گئی تھی۔ بالآخر چار افراد میرے پاس آئے۔ چاروں فوجی تھے۔ انہوں نے میرے ہاتھوں میں لوہے کی ہتھکڑیاں ڈال کر انہیں پشت پر باندھ دیا اور پھر اُن میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''تمہیں اپنی زندگی بچانے کے لئے احتیاط کرنا ہو گی۔ تمہاری ذرا سی غلط جنبش تمہیں موت سے ہمکنار کر سکتی ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ تم لوگ اطمینان رکھو! میں تم سے مکمل تعاون کروں گا۔'' میں نے جواب دیا اور انہوں نے مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

حقیقت یہی ہے کہ میں ان سے مکمل تعاون کر رہا تھا۔ کیونکہ اسی پر میرے منصوبے کا دار و مدار تھا۔ سفر کا اختتام ایک کمرے میں ہوا۔ تین افراد باہر ہی رہ گئے تھے۔ صرف ایک آدمی اندر داخل ہوا تھا۔ کمرے میں قدم رکھ کر اُس نے ایڑیاں بجائیں اور پھر گردن خم کر

واپس پلٹ گیا۔ جاتے ہوئے اُس نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔ اب جو میں نے کمرے کے ماحول پر نگاہ دوڑائی تو ایک لمحے کے لئے مجھ پر اچھا خاصا رُعب سا طاری ہو

وسیع و عریض کمرہ تھا۔ جس میں نیم دائرہ نما بہت بڑی میز لگی ہوئی تھی، جس کے عقب میں چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ تمام اعلیٰ فوجی افسر تھے۔ دائرے کے دوسرے حصے میں ایک کرسی تھی۔ مجھے آگے آنے کا اشارہ کیا گیا۔ ایک آدمی نے اُٹھ کر جیب سے چابی نکالی اور میری ہتھکڑیاں کھول دیں۔ اس کے بعد اُس نے مجھے نہایت احترام سے کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں نے اس سلسلے میں تکلف نہیں کیا۔

فوراً ہی دو سمتوں سے تیز روشنیاں جلیں اور انہوں نے مجھے اپنے دائرے میں لے لیا۔ یہ تیز روشنیاں تھیں۔ میں جانتا تھا کہ ایسی روشنیاں پوچھ گچھ کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ان کا مقصد میری سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ شاید چہرے کے تاثرات کا صحیح اندازہ لینے کے لئے ان روشنیوں کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی تھی۔

وہ چند لمحے خاموش رہے۔ پھر روشنیاں بجھ گئیں اور مدھم لائٹیں میرے گرد احاطہ کرنے لگیں۔ میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ ان روشنیوں کی وجہ سے طبیعت میں کچھ بے چینی سی پیدا ہو گئی تھی۔ تب درمیان میں بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔ ''مسٹر! تمہیں ایئرپورٹ کے نزدیک علاقے سے گرفتار کیا گیا ہے۔ تمہارے قبضے سے جی۔ ایم سترہ ٹیلی سکوپ رائفل برآمد ہوئی ہے جس سے اُس وقت فائر کیا گیا جب ہمارے ایک معزز مہمان نے ایئرپورٹ پر قدم رکھا۔ ہر چند کہ اُس معزز مہمان کو نشانہ نہیں بنایا گیا تھا اور ایک دوسرا شخص نشانہ بنا۔ لیکن اس کے باوجود یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تمہارا نشانہ خطا ہو گیا اور ہمارے معزز مہمان کے بجائے وہ شخص لقمہ اجل بن گیا۔ گویا تم نے ایک ایسے بھیانک جرم کا ارتکاب کرنا چاہا جو پایہ تکمیل تک پہنچ جاتا تو ہمارے لئے بدنامیوں کے سوا اور کچھ نہ رہ جاتا۔ اب تمہیں یہ جواب دینا ہے کہ کس کے ایماء پر اور کن ذرائع سے تم وہاں تک پہنچے؟ اور ہمارے معزز مہمان کو قتل کرنے کے پس پردہ کیا جذبے تھے؟ تمہارے ساتھ کتنے افراد شریک ہیں؟ اس وقت وہ کہاں تھے جب ایئرپورٹ پر تم نے اپنی کارروائی کی؟ جواب نہ ملے تو تم ... ہو کہ بحالت مجبوری ہمیں وہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا جو بہر طور گھٹیا اور فرسودہ

ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کارگر ہو جاتا ہے۔''

میں ان الفاظ کا مفہوم سمجھ رہا تھا۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔''معزز آفیسرز! میں جو کچھ بھی آپ کو بتاؤں گا، ممکن ہے وہ آپ کے لئے ناقابل یقین ہو۔ لیکن اگر آپ کو میرے جوابات جھوٹے محسوس ہوں تو آپ مجھ سے یہ نہ کہیں کہ اس کے بعد میں سچ بولوں۔ بلکہ بہتر یہی ہے کہ میرے لئے وہ طریقہ کار منتخب کر لیں جو آپ کے ذہن میں موجود ہو۔ یعنی آپ کے ہر سوال کا جواب میرے پاس آخری ہوگا۔ اذیتیں دیں گے، تب بھی وہی جواب ملے گا۔ یقین کر لیں گے تو وہی حقیقت ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں رائفل کے ساتھ خفیہ طور پر گٹر لائن کے ذریعے ایئر پورٹ تک پہنچا۔ لیکن آپ کا یہ سوچنا کہ وہ فائر اتفاقیہ طور پر نشانہ خطا ہو جانے کی وجہ سے کسی اور شخص پر کارآمد ہوا تھا، بالکل غلط ہے۔ یہ ایک لمبی داستان ہے اور اس کا آخری سرا یہی سمجھ لیجئے کہ جو شخص میرے فائر کی زد میں آیا وہی میرا نشانہ تھا۔''

''لیکن ایئر پورٹ ایریئے میں داخل ہونے کے بعد اُس شخص کو نشانہ بنانے کا کیا جواز ہے؟'' اُس نے مجھ سے سوال کیا۔

''نشانہ وہ شخص نہیں تھا۔ نشانہ آپ کا معزز مہمان ہی تھا۔ لیکن یہ صرف میں ہوں جس نے اُس معزز مہمان کو قتل نہ کرنے کا فیصلہ کر کے اُس شخص کو قتل کر دیا، جس نے مجھے اس قتل کے لئے آمادہ کیا تھا۔''

میں نے اُن چاروں کو چونکتے ہوئے دیکھا۔ اُن کی تیز نگاہیں میرے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ پھر اُسی شخص نے کہا۔''اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ پہلے تم سے تمہارا نام پوچھا جائے۔''

''مجھے جس نام سے اس کام کے لئے آمادہ کیا گیا ہے، وہ کیلاشی ہے۔ لیکن اصل نام منصور ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میں صرف ایک سیاح ہوں۔ جب میں یہاں پہنچا تو کچھ لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ایئر پورٹ کے علاقے میں داخل ہو کر آپ کے اُس معزز مہمان کو قتل کر دوں۔ ورنہ مجھے بملا نامی لڑکی اور بعض دوسرے افراد کے قتل کے الزام میں پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ وہ لوگ ایسا کر سکتے تھے اور چونکہ پولیس اُن لوگوں سے تعاون کر رہی ہے اس لئے میری آواز بے اثر ہو جائے گی۔

میں نے آمادگی کا اظہار کر دیا۔ یہاں تک پہنچنے کے راستے انہوں نے دریافت کئے۔ رائفل اُنہوں نے ہی دی تھی اور گٹر لائن کے ذریعے وہاں پہنچنے کے نقشے بھی اُنہوں نے فراہم کئے تھے۔ لیکن میں اپنے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبہ بنا چکا تھا۔ مجھے اُس شخص کے بارے میں معلوم تھا جو ایئر پورٹ کے سامنے اُس عمارت پر اس تمام حادثے کی فلم بنانے والا تھا اور شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ مسٹر بلیک ہی کم از کم اس پروگرام کا سربراہ تھا۔''

''مسٹر بلیک.....؟'' اُن میں سے ایک نے آہستہ سے کہا۔

''ہاں! جو شخص میری رائفل کا نشانہ بنا ہے، اُسے آپ مسٹر بلیک ہی کے نام سے پکار سکتے ہیں۔ وہ اسی نام سے مشہور تھا۔''

''اوہ.....اور یہ تمام باتیں تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جھوٹ نہیں بولوں گا۔'' میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

میرے لہجے کی پختگی پر وہ سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سرگوشیوں کے انداز میں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ بالآخر وہی شخص مجھ سے مخاطب ہوا جو پہلے ہی سے باتیں کر رہا تھا۔''آپ کا تعلق کہاں سے ہے مسٹر منصور؟''

''میں برطانوی شہری ہوں۔ سیاحت کے لئے نکلا تھا لیکن سازشوں کا شکار ہو گیا۔ میرا پاسپورٹ اور دیگر کاغذات بھی غائب کر دیئے گئے۔ میری پوزیشن حد درجے مشکوک بنا دی گئی اور مجھے کیلاشی کا نام دیا گیا۔''

''ٹھیک ہے مسٹر منصور! جب تک آپ کے ان الفاظ کی تصدیق نہ ہو جائے آپ کی حیثیت ہمارے یہاں قیدی کی سی رہے گی۔ لیکن ایک معزز قیدی کی حیثیت جسے آپ با عزت مہمانی محسوس کر لیں گے۔'' ملٹری آفیسر کا لہجہ نرم تھا۔ میں نے دل میں نعرہ لگایا کہ وہ مارا۔ اور اس کے بعد میں خاموش ہو گیا۔

مجھے واپس میری کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اُن کے اس قول کی تصدیق ہو گئی۔ کیونکہ اُس کوٹھڑی میں ایک بہت ہی نفیس بستر اور ضروریات زندگی کی بہت چیزوں کا فوری اضافہ کر دیا گیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تھوڑی سی ذہانت سے میں نے حالات پر قابو پانے کی کوشش تو کی ہے۔ لیکن بہرطور! ابھی اسے

آخری قدم قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ کھانا آیا تو میں اُس پر ٹوٹ پڑا۔ پیٹ میں کھانا پہنچا تو طبیعت پر کاہلی طاری ہوگئی اور میں اس آرام دہ نفیس بستر پر لیٹ گیا جو بہت دنوں کے بعد مجھے نصیب ہوا تھا۔ لیکن بستر پر لیٹنے کے بعد گزرے ہوئے واقعات ذہن کے پردے پر چسپاں ہو گئے۔ میں اُن واقعات کی گہرائیوں میں کھو گیا۔

وہ تو کمبخت ایک چیونٹے نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔ ورنہ اگر حکومت کا معزز مہمان میرے ہاتھوں قتل ہو جاتا تو ظاہر ہے سکیورٹی کے لوگ مجھے اسی طرح گرفتار کر لیتے اور اس کے بعد..... میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ظاہر ہے کسی حکومت کے معزز مہمان کے قاتل کو سزائے موت سے کم کیا سزا ملتی اور بجلی کی کرسی..... میرے بدن میں کرنٹ دوڑنے لگا اور میں بے اختیار اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بال بال بچ گیا تھا میں..... اور مسٹر بلیک.....؟

میرے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ میرے فرشتوں کے بھی گمان میں نہیں تھا کہ مسٹر بلیک اس عمارت کی چھت پر کھڑے اس کارنامے کی فلم بنا رہے ہیں۔ وہ کیمرے سمیت نیچے آ گئے تھے اور بلیک سے ریڈ ہو گئے تھے۔ اُن کے ساتھ ہی ربیکا یاد آئی اور بہت سے لمحات..... ارے باپ رے! ایک بار پھر میرے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ مسٹر بلیک کے قتل کے بعد تو وہ تمام لوگ میرے بدترین دشمن بن گئے ہوں گے۔ اب اگر میں اُن کے قبضے میں چلا جاؤں اور انہیں یہ بتانے کی کوشش کروں کہ معاملہ میرا نہیں بلکہ ایک بدبخت چیونٹے کا تھا تو وہ لوگ دانت پیسنے کے علاوہ اور کیا کریں گے.....

پھر مجھے جماہیاں آنے لگیں اور میں بلیک، ریڈ اور ربیکا پر لعنت بھیج کر بستر پر دراز ہو گیا اور تھوڑی ہی دیر بعد اتنا غافل ہو چکا تھا۔

جانے کتنا وقت گزر گیا اور میں اپنے اُس قید خانے میں آنے والے وقت کا انتظار کرتا رہا۔ پھر وہ وقت آ ہی گیا جس کا مجھے انتظار تھا۔ ایک بار پھر قید خانے سے نکال کر مجھے اُس ہال میں پہنچا دیا گیا۔ وہی لوگ بیٹھے ہوئے تھے جنہیں میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ البتہ ایک کرسی کا اضافہ تھا جس پر بیٹھی ہوئی شخصیت کو میں ایک ہی نگاہ میں پہچان گیا۔ یہ وہی معزز مہمان تھے جو میرا نشانہ بننے والے تھے لیکن ایک چیونٹے نے اُن کی زندگی بچا لی تھی۔

''مسٹر منصور!'' ایک فوجی افسر نے کہا۔ لیکن وہ مہمان شخصیت مجھے دیکھ کر بے اختیار کھڑی ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں میں حیرت کے شدید آثار تھے۔ وہ میرے نزدیک آ گئے اور

انہوں نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ..... تم..... تم.....''

''ہیلو.....'' میں نے مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''آہ..... میرے دوست! آہ..... وان ڈارک! یہ تم ہو کیا؟ واقعی یہ تم ہو.....؟'' معزز مہمان کے لہجے سے بے اختیاری ٹپک رہی تھی۔ ''اوہ آفیسر! آپ نہیں جانتے۔ آپ نہیں جان سکتے۔ یقیناً یہ شخص میرے لئے جان کی بازی لگا سکتا ہے۔''

''مسٹر آرسن پاور! کیا آپ پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ آپ کے شناسا ہیں؟'' ایک فوجی آفیسر نے جواباً دریافت کیا۔

''آپ وثوق کی بات کرتے ہیں۔ یہ وہ واحد شخص ہے جو بچپن سے میرا دوست ہے۔ لیکن کافی عرصہ پہلے..... اوہ! میں کچھ اور ہی سمجھ رہا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا ڈیئر وان! کہ تم اپنی مہم پر نکل گئے ہو۔ لیکن مجھے حیرت تھی.....''

''حیرت کی بات ہی ہے۔ ظاہر ہے تمہیں بتائے بغیر میں اپنی مہم پر کیسے نکل سکتا تھا ڈیئر پاور؟''

''ویری گڈ! تمہارا مل جانا..... مگر تم غائب کہاں ہو گئے تھے؟ اور میرا خیال ہے ہمیں اس جگہ یہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔''

فوجی افسر بے چارے اپنی کھوپڑیاں سہلا رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کریں۔ یقیناً میرے بارے میں انہیں معلوم ہوا ہوگا کہ منصور نامی کوئی شخص برطانوی شہریت نہیں رکھتا اور نہ ہی برطانیہ سے آیا ہے۔

مسٹر آرسن پاور نے فوجی افسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ڈیئر آفیسر! آپ یہ سمجھ لیں کہ میں اس شخص کی ہر طرح سے ضمانت دینے کے لئے تیار ہوں۔ اور پھر یہ تو میرا محسن ہے۔ بقول آپ کے اس نے میری جان بچائی ہے۔ کیا آپ لوگ اس بات کا یقین کریں گے کہ میری جان بچانے کے لئے اگر اسے اپنی جان کی بازی بھی لگانا پڑتی تو یہ اس سے دریغ نہ کرتا۔ اُن لوگوں کی یہ بدقسمتی تھی کہ انہوں نے میرے قتل کے لئے اس شخص کا سہارا لیا۔ ویسے جس مسٹر بلیک کو قتل کیا گیا ہے، میں اُسے جانتا ہوں کہ وہ میرے قتل کے لئے کئی بار آمادہ ہوئے۔ خیر! میں اس سلسلے میں آپ کے اعلیٰ افسران سے بھی بات کر لوں گا۔''

فوجی افسروں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر اُن میں سے ایک افسر اُٹھ کر باہر نکل گیا اور آرسن پاور مجھ سے بات چیت کرنے لگے۔ ''ڈیئر ڈارک! تم اس دوران کہاں کہاں رہے؟''

''ظاہر ہے میرا یہ سفر اتنا مختصر نہیں تھا کہ میں چند الفاظ میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں۔ لیکن میری کہانی اتنی دلدوز ہے کہ سنو گے تو تمہاری آنکھوں سے آنسو نکل آئیں گے۔''

''تم بچپن ہی سے مصیبتوں کا شکار رہے ہو میرے دوست! لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام مصیبتیں تمہاری اپنی مول لی ہوئی ہیں۔''

''ہرگز نہیں۔ میں کوئی چیز مول نہیں خریدتا۔ لیکن اب جو کچھ بھی ہو، اُسے تم میری تقدیر کی خرابی کہہ سکتے ہو۔''

''آؤ! یہاں سے چلیں..... آفیسر! کیا آپ انہیں میرے ساتھ جانے کی اجازت دیں گے؟''

''آپ مکمل طور پر ذمہ داریاں لے چکے ہیں۔ چنانچہ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟'' فوجی آفیسر نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ آفیسر بھی آ گیا جو باہر چلا گیا تھا۔ اور اس کے بعد مسٹر آرسن پاور مجھے ساتھ لے کر باہر نکل آئے۔

باہر ایک اعلیٰ درجے کی کار کھڑی تھی جو بلٹ پروف تھی اور بند تھی۔ ہم دونوں کو اس میں بٹھایا گیا اور فوجی نگرانی میں ہم سرکاری مہمان خانے میں پہنچ گئے جہاں آرسن پاور رہائش پذیر تھے۔ غالباً بہت ہی بے تکلفی کا رشتہ تھا میرے اور اُن کے درمیان۔ انہوں نے بہت محبت بھرے انداز میں کہا۔ ''تم نے مجھے چھوڑ دیا وان ڈارک! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا میرے دوست!''

''کہانی بہت طویل ہے آرسن! بس..... تم یوں سمجھ لو کہ یہ سب کچھ میں نے خود نہیں کیا تھا۔ بلکہ کچھ پراسرار قوتوں نے مجھے اغواء کر لیا تھا۔''

''اغواء.....؟'' اُن کی آنکھوں میں حیرت کے نقوش نظر آئے۔ ارے! کون لوگ تھے وہ؟''

''خدا ہی جانے..... میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ جانے کہاں کہاں بھٹکتا پھرا ہوں۔ کون کون سی مصیبتیں اُٹھائی ہیں میں نے اور اس کے بعد یہاں پہنچا تھا کہ یہاں وہ کمبخت پرنسز، مسٹر بلیک اور ربیکا مل گئے اور انہوں نے مجھے تمہارے قتل پر مامور کر دیا۔ جب میرے علم میں یہ بات آئی کہ تم ہو وہ شخصیت جسے مجھے قتل کرنا ہے تو میں نے دل میں سوچ لیا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اُن لوگوں کو کیفر کردار تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ اور اس کے بعد میں نے کم از کم اُس شخص کو تو قتل کر ہی دیا جو اُس بلڈنگ کی چھت پر چڑھا تمہاری فلم بنا رہا تھا۔ غالباً وہ اس فلم کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اُسے اُس کے کیمرے سمیت جہنم رسید کر دیا۔''

آرسن پاور اپنی جگہ سے اُٹھے اور انہوں نے مجھے گلے سے لگا لیا۔ ''اگر تمہاری جگہ کوئی اور قاتل ہوتا تو کیا وہ مجھے چھوڑ دیتا؟''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اُن لوگوں نے جس طرح مجھ سے معاہدہ کیا تھا، اس کے تحت لاکھوں ڈالر مجھے ملنے والے تھے۔ بھلا کسی اور شخص کو ان لاکھوں ڈالرز کی پیشکش کی جاتی تو وہ بھلا باز رہتا اس سے؟''

''اور تم نے یہ سب کچھ میرے لئے ٹھکرا دیا؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو ڈیئر! تمہارے لئے تو میں یہ دنیا ٹھکرا سکتا ہوں، تم دولت کی بات کر رہے ہو۔ اور پھر میرا دوست میرے ہاتھوں قتل ہو۔ کیا دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے؟ جتنی دوستی تمہارے اور میرے درمیان ہے، اتنی دوستی کے بعد بھلا کوئی دوست دوسرے دوست کو قتل کر سکتا ہے؟''

آرسن پاور بہت زیادہ جذباتی آدمی تھے۔ جذباتی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ طاقتور بھی تھے کیونکہ جب وہ مجھے اپنے سینے سے بھینچتے تھے تو میری ہڈیاں کڑکڑانے لگتی تھیں۔ میں نے فوراً دل میں فیصلہ کیا کہ آئندہ کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے وہ جذباتی ہو جائیں۔ ورنہ اپنی ہڈیوں کی کڑکڑاہٹ کا خطرہ کون مول لیتا؟ ہو سکتا ہے ایک دو پسلیاں ٹوٹ ہی جائیں۔

اُن کے سوالات کے جوابات میں نے انتہائی ذہانت سے دیئے تھے۔ بہت سے ایسے میرے سامنے لئے گئے جن کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اُن سے اس

طرح واقفیت کا اظہار کیا جیسے میں اُن کے پورے شجرۂ نسب سے واقف ہوں۔ مقصد یہ تھا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اور اپنی زندگی بچاؤں۔ بعد میں مسٹر پاور کو تمام صورت حال بتا دوں گا اور اُس کے بعد اُن سے مدد طلب کروں گا کہ وہ مجھے بھی زندگی گزارنے کے لئے صحیح موقع عنایت کریں۔ کیونکہ میں نے اُن کی زندگی بچائی ہے۔

اب مقامی حکام اور سکیورٹی اُن کے سلسلے میں کافی مستعد تھی۔ چنانچہ انہیں نہایت خفیہ طریقے سے یہاں سے روانہ کیا گیا۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ جس طیارے سے آرسن پاور کی روانگی کا اعلان کیا گیا تھا، اُس کی پرواز ہی روک دی گئی اور ہم لوگ ایک دن پہلے ہی یہاں سے روانہ ہو گئے تھے، یہ صرف حفاظتی اقدام کے طور پر کیا گیا تھا۔ اُس طیارے تک کو فضا میں بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لیا گیا تھا جس سے مسٹر آرسن پاور کی روانگی کا اعلان کیا گیا تھا۔

طیارے نے ہندوستان کی سرزمین چھوڑ دی اور میں کسی نامعلوم سمت پرواز کرنے لگا۔ میں اب تک اُن سے یہ پوچھنے کی جرات نہیں کر سکا تھا کہ خود اُن کا تعلق کون سے ملک سے ہے۔ لیکن فی الوقت یہ مرحلہ آیا بھی نہیں تھا۔

بالآخر یہ طویل سفر ختم ہوا اور طیارہ کسی سرزمین پر اُتر گیا۔ مجھے ابھی تک نہیں معلوم تھا کہ یہ سرزمین کون سی ہے۔ لیکن آرسن پاور کو دیکھتے ہوئے یہی اندازہ کیا جا سکتا تھا کہ اُس کا تعلق کسی افریقی ریاست سے ہوگا۔ جس رن وے پر ہم لوگوں کو اُتارا گیا، وہاں چاروں طرف سناٹا تھا۔ اطراف میں بھوری پہاڑیاں تھیں۔ شام کا جھٹپٹا فضا پر مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ رن وے کے آخری سروں پر مسلح فوجی ہتھیار سنبھالے کھڑے ہوئے تھے۔ آرسن پاور کو خوش آمدید کہنے کے لئے کچھ لوگ آئے تھے۔ جو یقیناً اُن کے اہل خانہ معلوم ہوتے تھے۔ اُن میں بعض شکلیں بے حد پرکشش تھیں۔ مثلاً وہ نوجوان اور خوبصورت لڑکی جس کا تعلق تو سیاہ نسل ہی سے تھا لیکن رنگ گندمی اور نقوش اتنے حسین تھے کہ ایک نگاہ دیکھنے کے بعد دوسری نگاہ کی حسرت ہی رہ جائے۔ بلکہ نگاہیں اُس پر سے ہٹنے کا نام ہی نہ لیں۔

اُن سب نے آگے بڑھ کر مسٹر آرسن پاور کا استقبال کیا۔ وہ لڑکی تو اُن سے لپٹ ہی گئی جس کے حسن بے مثال نے مجھے بے اختیار کر دیا تھا۔ آرسن پاور کے ساتھ باقی لوگ بھی رن وے پر کھڑی گاڑیوں میں جا بیٹھے۔ میں آرسن پاور کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اور

اگلی سیٹ پر وہ لڑکی تھی۔ باقی افراد دوسری گاڑی میں بیٹھے تھے۔ ہمیں کئی سنسان راہوں سے گزار کر ایک عمارت میں لے جایا گیا۔ میں ظاہر ہے آرسن پاور کا مہمان تھا۔ چنانچہ میری بھی پذیرائی ہو رہی تھی۔ ابھی تک البتہ اُن لوگوں سے تعارف نہیں ہو سکا تھا۔

آرسن پاور بھی دورانِ سفر مجھ سے اس طرح لاتعلق ہو گئے تھے جیسے میرے وجود ہی کو نظر انداز کر بیٹھے ہوں۔ میں بھی بھلا اُنہیں کیا گھاس ڈالتا؟ میں اپنی دنیا کا بادشاہ تھا۔ بس! اس بادشاہ کو ذرا اپنے دشمنوں سے کچھ خطرہ لاحق ہو گیا تھا جس کی وجہ سے آرسن پاور کا سہارا قبول کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔ ورنہ مسٹر آرسن کیا اور اُن کی اوقات کیا.....

آرسن پاور مجھ سے مخاطب ہوئے بغیر، اُس لڑکی اور ایک معمر خاتون کے ساتھ آگے بڑھ گئے جس کے نقوش میں لڑکی کے نقوش کی جھلک پائی جاتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب یہ جھلک کافی مدھم پڑ گئی تھی۔ مجھے ایک دراز قامت آدمی نے مخاطب کر کے کہا۔

''آیئے جناب! آپ کے لئے مہمان خانے میں بندوبست کر دیا گیا ہے۔ ویسے براہِ کرم! آپ اپنا تعارف کرا دیجئے۔''

''کیا تم مجھے نہیں جانتے..... مجھے یعنی ڈارک کو؟''

''معافی چاہتا ہوں۔ بہرطور! تشریف لایئے۔'' اُس نے معذرت کی اور مجھے عمارت کے مہمان خانے میں لے گیا۔ ایک شخص کو میری خدمت پر مامور کر دیا گیا۔ مقامی آدمی تھا۔ نام جوزان تھا۔ پتہ نہیں نسلاً کیا تھا؟ لیکن روبوٹ معلوم ہوتا تھا کمبخت۔ مشینی انداز میں بولتا تھا۔ ضرورت پوچھتا اور خاموشی سے باہر نکل جاتا۔ بہرحال! مجھے کیا؟ میرے سامنے تو ایک ہی سوال تھا کہ وان ڈارک کی حیثیت سے میں اپنے آپ کو کس طرح برقرار رکھ سکوں گا؟ میری صورت نے یہاں بھی ایک خوبصورت پھول کھلا دیا تھا۔ یعنی میں وان ڈارک کا ہم شکل تھا۔

سوچا تھا کہ چند روز تو وان ڈارک بن کر ہی گزار لئے جائیں۔ اور اس کے بعد آرسن پاور کو بڑے خلوص سے بتا دوں کہ بھائی میاں! میں نہ ڈارک ہوں نہ لائٹ۔ میرا نام منصور ہے۔ اور اس کے علاوہ میں کیا ہوں؟ کوئی شخص بتا دے تو اُسے دنیا کے سب سے بڑے اعزاز سے نواز دوں۔ کیونکہ خود مجھے اپنی ذات کے بارے میں اب کچھ نہیں معلوم تھا کہ کیا ہوں؟

اگلی صبح جوزان نے ناشتہ میرے کمرے ہی میں دیا۔ کسی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی ابھی تک۔ البتہ یہ بات ذرا دل کو کھٹکتی تھی کہ مسٹر آرسن پاور، جہاز میں قدم رکھتے ہی مجھ سے بیگانے ہو گئے تھے۔ جس انداز میں اُنہوں نے جذباتیت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے تو یہی لگتا تھا کہ میرا اُن کا عشق انتہائی گہرا ہے۔ لیکن اچانک ہی یہ عشق ہوا ہو گیا تھا۔

میں خود بھی جانتا تھا کہ جب انہیں حقیقت معلوم ہو گی تو صورتِ حال اس سے مختلف نہیں ہو گی۔ پتہ نہیں انہیں میرے بارے میں حقیقت معلوم ہو گئی تھی یا پھر اُن کی مصروفیات نے انہیں جکڑ لیا تھا۔ دن آہستہ آہستہ بیت رہا تھا۔ میں نے جوزان سے پوچھنے کی کوشش کی کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ لیکن وہ احمقوں کی طرح میری صورت دیکھتا رہا۔ شاید مقامی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان نہیں جانتا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ دوپہر ہو گئی۔ کھانا اب بھی مجھے یہیں پہنچا دیا گیا تھا۔ میں رہائش گاہ سے یہ سوچ کر نہیں نکلا تھا کہ جب تک میزبان مجھ سے ملاقات کر کے اس کی اجازت نہ دے۔ مجھے اپنے طور پر بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن مسلسل بے اعتنائی اُلجھن کا باعث بن رہی تھی۔ تقریباً تین بجے میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو جوزان جلدی سے میرے پاس آ گیا۔

''کیا بات ہے؟ کیا تو میرا پہرے دار ہے؟'' میں نے تیکھے انداز میں کہا اور وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

پتہ نہیں کیا سمجھا تھا، احمق کہیں کا..... میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ زیادہ فاصلہ نہیں طے کرنا پڑا تھا۔ سامنے ہی ایک خوبصورت لان نظر آ رہا تھا جہاں وہ لڑکی بھی موجود تھی جسے دیکھ کر میں نے یہ سوچا تھا کہ رنگ سانولا ضرور ہے لیکن نقوش قیامت ہیں۔ لڑکی نے بھی مجھے دیکھا اور پھر مسکراتی ہوئی میری جانب بڑھ آئی۔

''ہیلو.....!'' اُس نے مجھے مخاطب کیا۔

''ہیلو.....!'' میں نے بھی جواب دیا۔

''سوری مسٹر! آپ سے تفصیلی ملاقات ہو ہی نہیں سکی۔''

''اگر کوئی مجھ سے تفصیلی ملاقات کرنا چاہتا، تبھی ہو سکتی تھی۔ مسٹر آرسن پاور تو مجھے یہاں لا کر بھول ہی گئے اور مجھ سے ایک بار بھی ملاقات نہیں کی۔ میرا خیال ہے ان حالات میں مجھے یہ جگہ چھوڑ دینی چاہئے۔''

''اوہ..... نہیں نہیں۔ اب ایسا بھی نہیں ہے۔ دراصل آپ سے مکمل تعارف نہیں ہو سکا۔ میں اس بات کا انتظار کر رہی تھی کہ ڈیڈی آپ سے تعارف کرا دیں تو آپ کے ساتھ بے تکلفی کے لمحات شروع ہوں۔ لیکن شاید آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ یہاں آتے ہی ڈیڈی کو تھوڑی دیر کے بعد محکمہ خارجہ میں طلب کر لیا گیا ہے اور وہاں وہ اب تک مصروف ہیں۔ سوری مسٹر! کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟''

''وان ڈارک!'' میں نے جواب دیا۔

''اگر میں آپ کو صرف مسٹر ڈارک کہوں تو آپ برا تو نہیں مانیں گے؟''

''یہاں کم از کم اس ملک میں برا ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ویسے کیا آپ مجھے یہ بتانا پسند کریں گی، معاف کیجئے گا! آپ کا نام بھی تو مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔''

''لیشی پاور'' اُس نے جواب دیا۔ میرے پاپا مجھے بہت زیادہ چاہتے ہیں۔''

''آپ چاہے جانے کی چیز ہیں۔'' میں نے کہا اور پھر دانتوں تلے زبان دبا لی۔ لیکن اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''شکریہ!''

''ہاں! تو میں یہ عرض کر رہا تھا آپ سے میڈم لیشی! کہ یہ کون سی جگہ ہے؟''

''کیا مطلب؟ آپ اس جگہ کے بارے میں نہیں جانتے؟''

''نہیں.....''

''کیوں؟'' اُس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''کاش! آپ کے ڈیڈی مجھے یہ بات بتا دیتے۔''

''یہ سان بوتو ہے۔'' لیشی نے جواب دیا۔ میں زیرِ لب یہ نام دُہرانے لگا۔ کوئی غیر معروف سی جگہ تھی۔ لیکن یہ اندازہ ہوتا تھا کہ افریقہ ہی کا ملک ہے۔ ''ویسے مسٹر وان ڈارک! آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟''

''آہ..... اس سلسلے میں مسٹر آرسن پاور نے مجھے منع کر دیا ہے۔ اُن کی خواہش ہے کہ میں اپنے بارے میں کسی کو بھی نہ بتاؤں۔''

''اوہ..... یہ اچھی بات ہے کہ وعدے کی پابندی کی جائے۔ لیکن میں آپ کو یہ بتا دوں کہ پاپا دنیا کی کوئی بات مجھ سے نہیں چھپاتے۔''

''یقیناً.....آپ سے کوئی بات چھپائی بھی نہیں جا سکتی۔'' میں پھر بے اختیار بول اٹھا اور وہ ہنسنے لگی۔

''آپ دلچسپ آدمی ہیں۔''

''اس کا بے حد شکریہ۔'' میں نے نیاز مندی سے سرخم کر کے کہا۔ پھر لیشی مجھ سے اپنے پاپا کے بارے میں بات کرنے لگی۔ لیکن یہ ساری باتیں گھریلو انداز کی تھیں۔ وہ ایک ایسی بیٹی تھی جو اپنے باپ کو بہت زیادہ چاہتی تھی۔ خیر! اُس کی چاہتوں کا جو سلسلہ بھی ہو لیکن مجھے وہ سر سے پاؤں تک چاہے جانے کے قابل نظر آئی اور میں اُسے جی بھر کے دیکھتا رہا۔ وہ بے تکان بولتی رہی اور میں جواب دیتا رہا۔ کئی دفعہ اُسے رُکنا پڑا اور مجھے بھی۔ کیونکہ اس طرح بات میری ذات تک آ جاتی تھی۔ لیشی اب خود اس بات سے گریز کر رہی تھی کہ میرے بارے میں زیادہ کھوج کرے۔ دو تین گھنٹے پر لگا کر اُڑ گئے۔ اُس نے وقت دیکھ کر کہا۔

''میرا خیال ہے کہ پاپا کے آنے میں دیر نہیں ہو گی۔ اب مجھے ذرا کچھ مصروفیت ہے۔ تاہم جب تک تم یہاں ہو، تمہارے ساتھ وقت گزارنے میں لطف آئے گا۔''

''تھینک یو!'' میں نے گردن خم کر کے جواب دیا اور وہ چلی گئی۔ میں احمقوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہ اُسی کا گھر تھا اور یہاں وہ میرے لئے ایک مہمان کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس سے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ کم از کم آرسن پاور نے مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ لیکن اب میں تھوڑی سی اکتاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

شام کے کھانے پر لیشی نے مجھے بھی طلب کر لیا۔ آرسن پاور بھی کھانے کی میز پر موجود تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے سوالیہ انداز میں لیشی کی جانب نگاہیں اُٹھائیں۔ وہ خاموش رہی تو اُنہوں نے دوسرے افراد کی طرف دیکھا۔ اور پھر آہستہ سے بولے۔ ''آپ سے تعارف نہیں ہو سکا۔''

''جی.....؟'' میری آنکھیں شدتِ حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

''لیشی! کیا تم اپنے دوست کا تعارف نہیں کراؤ گی؟''

''پاپا! یہ تو آپ کے دوست ہیں۔''

''میرے؟'' آرسن پاور کے چہرے کی لکیریں عجیب انداز میں نمایاں ہو گئیں۔ لیشی، میں اور دوسرے لوگ حیرت سے آرسن پاور کو دیکھ رہے تھے: ''پاپا! کیا یہ آپ کے دوست نہیں ہیں؟''

''سوری ڈیئر! یا تو میں انہیں پہچان نہیں سکا یا پھر کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری نگاہیں تو ہر دوست کو پہچانتی ہیں۔ جبکہ انہیں میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

میرے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا آپ مذاق کر رہے ہیں مسٹر آرسن؟''

''سوری مسٹر! میں اجنبی لوگوں سے مذاق نہیں کرتا۔''

''تب کیا آپ مجھے پہچان نہیں پا رہے ہیں؟ وان ڈارک ہوں۔ آپ کا دوست۔ جس پر آپ ناز کرتے ہیں۔''

''وان ڈارک میرا دوست..... میں اُس پر ناز کرتا ہوں؟ معاف کرنا نوجوان! اب تو تمہیں اپنے بارے میں اور بھی بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ اس عمارت میں تمہارا داخلہ کس طرح ہوا؟''

''پاپا! یہ آپ کے ساتھ جہاز پر آئے تھے۔'' لیشی نے کہا۔

''میرے ساتھ؟'' آرسن پاور کی آنکھیں سوالیہ انداز میں لیشی اور پھر میری طرف اُٹھ گئیں۔

''میں وان ڈارک ہوں۔ وان ڈارک.....'' میں نے کسی قدر غصیلے لہجے میں کہا۔

''کون وان ڈارک؟ میں کسی وان ڈارک کو نہیں جانتا۔ یہ نام پہلی بار میرے کانوں تک آیا ہے۔''

''ارے باپ رے باپ.....'' میں نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلائی۔ لیکن اب آرسن پاور کے انداز میں کسی قدر کرختگی پیدا ہو گئی تھی۔

انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔ ''کون ہو تم؟''

''سمجھ میں نہیں آتا پاپا! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟'' لیشی نے میری حمایت کی۔ ''یہ آپ کے ساتھ جہاز میں آئے تھے۔ آپ انہیں یہاں لے کر آئے ہیں اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ انہیں نہیں جانتے۔''

آرسن پاور پریشان نگاہوں سے ایک ایک کو دیکھنے لگا۔ ''یا تو تم لوگ پاگل ہو گئے ہو یا پھر میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ نوجوان دوست! براہِ کرم اپنے بارے میں مجھے تفصیل بتا دو۔ میں بے حد مصروف انسان ہوں۔ ہوسکتا ہے تمہیں بھول گیا ہوں۔''

''اب تو بتانی پڑے گی تفصیل مسٹر آرسن پاور! لیکن ساتھ ہی میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ الفاظ کہتا ہوں کہ آپ نہایت ناسپاس اور گھٹیا آدمی ہیں۔''

آرسن پاور کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اپنا غصہ دبانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ دوسرے لوگ بھی چونک پڑے۔ پھر میں نے ہی کہا۔

''آپ غالباً یہ بھول گئے ہوں گے کہ ہندوستان میں آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور کسی نے آپ کی زندگی بچائی تھی۔''

''اوہ..... تعجب ہے۔ اگر آپ وہ تھے مسٹر..... کیا نام بتایا، مسٹر وان ڈارک! تو آپ یہاں کیسے آ گئے؟ کیا میرے تحفظ کے لئے ہندوستان کی حکومت نے آپ کو میرے ساتھ بھیجا تھا؟'' آرسن پاور نے سوال کیا اور میری آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

''جی نہیں۔ ویسے اگر آپ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہیں تو مجھے اس کا افسوس ہے۔ ہندوستانی حکام کے سامنے آپ نے مجھے وان ڈارک کی حیثیت سے پہچانا اور حکومت سے درخواست کی کہ مجھے آپ کے حوالے کر دیا جائے۔ آپ نے دوستی کے جن جذبوں کا اظہار کیا، اُن کے تحت میں نے آپ کو مایوس کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنا وطن چھوڑ کر یہاں آ گیا۔ اب آپ نے دل میں یہ سوچا ہے کہ میری ضرورت نہیں رہی۔ چنانچہ عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ معاف کیجئے گا مسٹر آرسن! میں آپ کا احسان لینا بھی نہیں چاہتا۔ اور اس کے بعد آپ کے عیش کدے میں رہنا بھی پسند نہیں کرتا۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ میں تو صرف آپ کی دعوت پر یہاں تک چلا آیا ہوں اور اس سلسلے میں اگر آپ کو کسی طرح کا کوئی شبہ ہے تو حکومت ہندوستان اس بات کی تصدیق کر سکتی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایک غلط آدمی کو وہ حیثیت دی جو ذہن و دل سے تعلق رکھتی ہے۔ سوری! اس کے بعد اس کا کیا سوال ہے کہ میں آپ کے ساتھ وقت گزاروں یا اس میز پر بیٹھ کر کھانا کھاؤں.....''

مسٹر آرسن پاور متحیرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہے تھے۔ میں کرسی سے اُٹھ کر واپسی کے لئے مڑا تو انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ''سنئے تو سہی مسٹر ڈارک! پلیز..... یہ بات بھی

مناسب نہیں ہے کہ آپ کھانے کی میز سے اس طرح چلے جائیں۔''

''آپ کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو؟ آپ کے خیال میں، میں آپ کی اس میز پر بیٹھنے کے لئے یہاں آیا ہوں؟ اس توہین کے بعد اگر میری جگہ آپ ہوتے تو کیا رُک جاتے؟ میں البتہ یہ کسی طور ممکن نہیں سمجھتا۔'' میں نے کہا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

میں تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔ لیکن اُسی تیزی سے لیشی پاور بھی میرے قریب پہنچ گئی۔ ''سنو تو سہی مسٹر ڈارک..... پلیز!''

''سوری ڈیئر! تم خود سوچو۔ میں نے مسٹر آرسن پاور کی زندگی بچائی تھی۔ اور اُس وقت میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ اُس کے بدلے میں مسٹر آرسن پاور کے ساتھ سان بوتو تک آؤں گا۔ مسٹر آرسن پاور نے ہندوستان کی حکومت سے درخواست کی اور مجھے یہاں تک لے آئے۔ اور یہاں آنے کے بعد وہ مجھ سے جان چھڑانے کے لئے اس طرح بیگانگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ میں ایک خوددار آدمی ہوں۔ اور یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔''

''تو آپ سے کون کہتا ہے کہ آپ یہ سب کچھ برداشت کیجئے؟ ڈیڈی نے اگر یہ حرکت کی ہے تو کیا ہوا؟ دوسروں سے بھی تو آپ کا تعارف ہو چکا ہے۔ میں بھی موجود ہوں۔ کیا میں یہ بات برداشت کر سکتی ہوں کہ میرے گھر سے کوئی مہمان اور خاص طور سے وہ جس نے میرے ڈیڈی پر احسان کیا ہو، اس طرح رُخصت ہو جائے۔''

''کمال کی بات ہے مس لیشی! بھلا میرے اور آپ کے درمیان کیا ربط ہے؟''

''سنئے! اگر ڈیڈی کسی وجہ سے یہ باتیں بھول چکے ہیں تو یہ اندازہ تو لگانا ہی ہوگا کہ ایسا کیوں ہوا؟ قاتلانہ حملے کے بارے میں مجھے کچھ تفصیل معلوم ہے۔ اس کی اطلاع ہم لوگوں کو مل گئی تھی لیکن بہت ہی مختصر انداز میں۔ میں ابھی تک ڈیڈی سے اس سلسلے میں پوچھ بھی نہیں پائی کہ حملہ آور کون تھے؟ اور اُن کا مقصد کیا تھا؟ ظاہر ہے مجھے وقت ہی نہیں مل سکا۔ لیکن اگر آپ نے ڈیڈی کی جان بچائی ہے تو پھر یہ مجھ پر لازم ہے کہ میں آپ کی پذیرائی کروں۔ ہوسکتا ہے کہ ڈیڈی کسی ذہنی منصوبے کے زیر اثر ہوں۔ براہِ کرم! آپ یہاں سے جانے کا فیصلہ ملتوی کر دیجئے۔''

''مس لیشی! کیسی عجیب باتیں کر رہی ہیں آپ؟ جس شخص کے ایماء پر میں یہاں تک

آیا ہوں اگر وہ مجھے پہچاننے سے منکر ہو جائے تو اس کے بعد میرے یہاں رُکنے کا کیا سوال ہے؟''

لیشی کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''اچھا! ایک کام کیجئے آپ۔ آپ یہاں نہ رُکیں۔ لیکن میرے ساتھ کہیں اور تو چل سکتے ہیں۔''

''کہاں؟''

''جہاں میں لے جاؤں۔'' اُس نے عجیب سے انداز میں کہا اور میں اُس کی صورت دیکھنے لگا۔

پھر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''کہنے کو تو میں آپ سے بہت کچھ کہہ سکتا ہوں مس لیشی! لیکن بہرطور! اگر آپ کی یہ خواہش ہے کہ آپ مجھے کہیں رکھیں تو ٹھیک ہے۔ عارضی طور پر آپ کی یہ بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں آپ کو دھوکہ نہیں دُوں گا۔''

''تو پھر آیئے! میرے ساتھ چلئے۔''

''آپ جایئے۔ کھانے کے کمرے میں وہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ ان حالات میں بھلا کیا یہ مناسب ہو گا؟ میں خود بھی بہت بد دل ہوئی ہوں ڈیڈی کے اس انداز سے۔ براہِ کرم! میرے ساتھ آیئے۔'' لیشی نے مجھے اس طرح مجبور کیا کہ میں نے حامی بھر لی اور تھوڑی دیر کے بعد میں اُس کے ساتھ ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھا جا رہا تھا۔

راستے میں، میں نے اُس سے پوچھا۔ ''کہاں لے جائیں گی مجھے؟''

''ایشانو۔ یہ ایشیائیوں کا ہوٹل ہے۔''

''اوہ! لیکن......''

''معاف کیجئے گا۔ ہوٹل کا منیجر میرا دوست ہے۔ اور مجھے اس کے اخراجات ادا نہیں کرنے پڑیں گے۔ اور اگر ادا کرنے بھی پڑے، تب بھی یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں نہیں سمجھتی کہ آپ کے اور ڈیڈی کے معاملات کیا ہیں؟ لیکن بہرطور! میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آپ ڈیڈی کے ساتھ ہی جہاز سے اُترے تھے۔ اس وقت ڈیڈی آپ کو بڑے احترام سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہاں آ کر نہ جانے اُن کو کیا ہو گیا؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہوٹل ایشانو، واقعی ایشیائیوں کا ہوٹل تھا۔ یہاں چپکی ہوئی پگڑی باندھے سکھ بھی نظر آ رہے تھے۔ دھوتی بردار ہندو بھی تھے اور مسلمان بھی مختلف لباسوں میں نظر آ رہے تھے۔ چینی اور جاپانی افراد بھی گاہے گاہے نظر آ جاتے تھے۔ مقامی لوگوں کی تعداد بھی اچھی خاصی نظر آتی تھی۔

لیشی منیجر کے پاس پہنچ گئی۔ وہ ایک مقامی نوجوان تھا۔ انتہائی چوڑے شانوں والا۔ مقامی لوگوں کی طرح بدنما تھا لیکن آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔ لیشی اُس سے باتیں کرتی رہی۔ اُس نے گردن خم کی پھر ایک شخص کو بلایا اور اُسے کچھ ہدایات دیں۔ اُس شخص نے کاؤنٹر سے ایک چابی حاصل کی اور اُس کے بعد ہمیں ساتھ آنے کا مشورہ دے کر لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔ لفٹ نے ہمیں پانچویں منزل پر اُتار دیا۔ پانچویں منزل کا ایک کمرہ میرے لئے منتخب کر دیا گیا۔ چنانچہ میں اُس میں مقیم ہو گیا۔ کمرہ کافی کشادہ اور بہت خوبصورت تھا۔ لیشی پاور نے عقبی کھڑکی کھولی اور گہری سانسیں لینے لگی۔ تب اُس نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے کمرہ آپ کو پسند آئے گا۔ لیکن براہِ کرم! یہاں سے جانے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ میرا آپ سے رابطہ رہے گا۔ براہِ کرم! مجھ سے تعاون کیجئے۔ میں آپ سے درخواست کرتی ہوں۔''

''مس لیشی! آپ کو واقعی میری وجہ سے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ میں اُس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ ایک اور درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔ کسی قسم کی پریشانی یا تردد کی ضرورت نہیں ہے میرے لئے۔ ہاں! کم از کم یہ بات ضرور معلوم کر لیجئے کہ میں نے پاور کی جان بچائی تھی یا نہیں؟ اگر یہ ثبوت آپ کو مل جائیں تو براہِ کرم! مجھے اس سے آگاہ کر دیجئے گا تاکہ میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کے بعد یہاں سے چلا جاؤں۔''

لیشی نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور آگے بڑھی۔ میرا ہاتھ پکڑا۔ اُسے بوسہ دیا اور تیزی سے باہر کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔ ''اس امانت کو اپنے پاس محفوظ رکھئے گا۔ یقین ہے کہ یہ آپ کو کسی لیشی پاور کی یاد دلاتی رہے گی اور آپ اسے چھوڑ کر بھاگنا پسند نہیں کریں گے۔''

بڑا خوبصورت انداز تھا کسی کو رُجھانے کا۔ میں اپنے ہاتھ کی پشت پر اُس کے ہونٹوں

کے سرخ نشانات دیکھتا رہا جو لپ اسٹک سے بن گئے تھے۔ پھر میں نے شانے ہلائے اور اس کھڑکی کے پاس پہنچ گیا جو لیشی نے کھولی تھی۔ تھوڑی دیر وہاں کھڑا باہر کا نظارہ کرتا رہا۔ پھر واپس آ کر کمرے کے وسط میں پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب میرا ذہن انہی پراسرار واقعات میں اُلجھا ہوا تھا۔

مگر یہ اُلجھاؤ زیادہ طویل ثابت نہ ہوا۔ اچانک کھڑکی سے سرد ہوا کا ایک جھونکا اندر داخل ہوا اور میرے بدن پر ایک لمحے کے لئے کپکپی سی طاری ہو گئی۔ میں نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور حیران رہ گیا..... کھڑکی کے پاس سے ہٹتے ہوئے میں نے اُسے بند کر دیا تھا۔ پھر..... اور پھر یہ ٹھنڈک میرے ذہن میں سرایت کر گئی۔ میرے ہونٹ بھنچ گئے۔ آنکھیں خون اُگلنے لگیں۔ میں نے سرد اور بگڑے ہوئے لہجے میں پکارا۔

''راعمیس.....تم؟''

''ہاں! میرا خیال تھا کہ مجھے بھول چکے ہو گے۔'' ذہن میں راعمیس کی آواز گونجی۔

''ہاں.....تمہارا خیال درست ہے۔ میں واقعی تمہیں بھول چکا ہوں۔''

''تو پھر تم نے مجھے میرے نام سے کیسے پکارا؟''

''ظاہر ہے۔ تکلیف دہ لمحات اتنی جلدی ذہن سے فراموش نہیں ہوتے۔''

''راعماس! بدقسمتی ہے میری کہ تم میرے دوست کے ہم شکل ہو۔ ورنہ تمہارا کیا خیال ہے، کیا تم ایسی ہی خوبیوں کے مالک ہو کہ تمہاری خوشامدیں کی جائیں؟''

''میں تمہاری دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اور اپنی اس صورت پر بھی جو کہیں اور کسی جگہ تمہارے دوست راعماس سے ملتی جلتی ہے۔ مجھے ساری شکلیں قبول ہیں لیکن راعماس کی صورت قبول نہیں ہے اور اس بات پر میں ہمیشہ شرمسار رہوں گا۔''

''تم ناسپاس بھی ہو راعماس! میں نے ہمیشہ ہر جگہ تمہاری مدد کی ہے۔ ہر برے وقت میں تمہارا ساتھی بنا ہوں۔ لیکن جب بھی ہمارا سامنا ہوتا ہے، تم ایسی ہی باتیں کرتے ہو۔''

''میں لعنت بھیجتا ہوں تمہاری ہر طرح کی امداد پر۔ تم سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بار بار اپنی مکروہ یاد نہ دلایا کرو۔''

''احمق انسان! کیا تو نے یہ نہیں سوچا کہ تجھے یہاں کون لایا؟ کس نے اُس وقت تیری مدد کی جب ہندوستانی فوج اور پولیس تیرے پاسپورٹ اور تیری شناخت میں ناکام ہو گئی

اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا، اس کا تصور تم نہیں کر سکتے۔ میں نے یہی مناسب سمجھا کہ سن پاور کے ذہن میں تیرے لئے جگہ پیدا کر دی جائے۔ تب میں نے اُس کے ذہن ان ڈارک پیدا کیا۔ اور وہ تجھے اس حیثیت سے پہچان گیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی کار نہیں تھا کہ آرسن پاور تجھے یہاں اپنے ساتھ لے آئے۔ ورنہ تیرا ہندوستان سے ممکن نہیں ہوتا۔ بہرطور! میں تیرے لئے کچھ نہیں کرتا۔ جو کچھ کرتا ہوں، اپنے دوست اس کے لئے کرتا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تو میرے لئے دل میں یہی جذبات رکھتا ہے تو مرضی میں جا رہا ہوں۔ اب بھگت ان حالات سے.....''

سردی کی فضا معدوم ہو گئی اور مجھے اندازہ ہو گیا کہ راعمیس ناراض ہو کر چلا گیا ہے۔ وہ میرے ذہن میں بڑی سنسنی چھوڑ گیا تھا۔ واقعی راعمیس کا کہنا درست تھا۔ آرسن یقیناً اُس کے زیر اثر آ گئے تھے اور یہ سب اُسی کی کارستانی تھی اور اب اگر وہ مجھے نے سے انکار کر رہے تھے اور اُن کے ذہن سے وہ تمام لمحات محو ہو گئے تھے تو مجھے ت نہیں کرنی چاہئے تھی۔ وہ بے چارے بے قصور تھے۔ لیکن میں بھی تو نہیں جانتا تھا کہ ب کچھ اُس بری رُوح کا کارنامہ ہے جو بھٹکتی ہوئی نجانے کہاں سے آتی ہے اور کہاں جاتی ہے؟ مگر اب کیا ہو گا.....؟

☆.....☆.....☆

رات یونہی گزری۔ دوسرا دن بھی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا۔ ذہن پر ایک بوجھ سا تھا
جو ہمیشہ ہی طاری رہتا۔ اور میں اپنی ذات اور اپنے مستقبل کے وسوسوں میں گھرا رہتا تھا۔
فی الوقت یہی فیصلہ کیا تھا کہ لیشی پاور جب تک سپاس گزاری کر رہی ہے، کرنے دی
جائے۔ جب وہ اکتا جائے تو پھر آگے کے بارے میں سوچنا مناسب ہے۔ میں لیشی پاور کا
انتظار کرتا رہا۔ دوپہر تک وہ نہ آئی تو میں خود ہوٹل سے نکل آیا اور سان بوتو کے گلی کوچوں
میں گردش کرنے لگا۔ افریقہ کی روایتی زندگی یہاں نظر نہیں آ رہی تھی۔ شہر، گلیاں اور بازار
اعلیٰ درجے کی عمارتوں سے مرصع تھے۔ البتہ اُن کے درمیان گھومنے پھرنے والے لوگ
بہت زیادہ مہذب نظر نہیں آ رہے تھے۔

میں ٹہلتا ہوا ایک ایسے علاقے کی جانب جا نکلا جو عام شہر کی نسبت ذرا ہلکی طرز پر بنا ہوا
تھا۔ یہاں پہلی بار مجھے روایتی افریقی رقص نظر آیا۔ غالباً کوئی تقریب تھی۔ لوگوں نے بانس
کھڑے کر کے اُن میں رنگ برنگی جھنڈیاں لٹکائی ہوئی تھیں اور اُن کے آس پاس بہت
سے لوگ ایک دائرہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اس تقریب میں چند غیر ملکیوں کو بھی
دیکھا جو پتھروں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں وہ اُن کے درمیان باقاعدہ طور پر مدعو تھے یا
پھر یہ صرف اتفاق ہی تھا۔ میں خود بھی اُن کے درمیان جا کھڑا ہوا۔

دو ننگ دھڑنگ نوجوان جنہوں نے کسی جانور کی کھال سے جسم کے نچلے حصے کی ستر پوشی
کی ہوئی تھی اور اُن کے عقب میں جانور کی کھال کی دُم لٹک رہی تھی، وحشیانہ رقص کر رہے
تھے۔ رقص میں عورتیں شامل نہیں تھیں۔ اُن لوگوں کے لرزیدہ بدن بالکل مشینی انداز میں
رقص کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ ڈھول کی آواز پر وہ چار چار فٹ اونچی چھلانگ لگا کر
اپنے بدن کو تحریک دے رہے تھے۔ رقص میں بہت مزہ آیا۔ اور میں کافی دیر تک اُن کے
درمیان شامل رہا۔ پھر رقص ختم ہو گیا۔ اور میں مزید کچھ دیر گھومتا رہا۔ پھر واپس اپنے ہوٹل

[واپس] اپنے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ میں متحیرانہ انداز میں اندر داخل
ہوا تو لیشی کو صوفے پر دراز پایا۔ وہ کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ اُس نے
شکایتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

''کہاں چلے گئے تھے؟''

''بس.....ایسے ہی تمہارا سان بوتو دیکھ رہا تھا۔''

''سان بوتو کی شہری زندگی تو تمہاری دنیا سے مختلف نہیں۔ دیکھنی ہے تو یہاں کی دیہی
زندگی دیکھو۔ ویسے میں تمہیں آج رات کے کھانے پر مدعو کرنے آئی ہوں۔''

''اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ میں تو آپ کا انتظار کر رہا تھا یہ سوچ کر کہ آپ آ
جائیں تو آپ سے اجازت لے لوں۔ ظاہر ہے میں آپ کے یہ احسانات زیادہ دیر تک
قبول نہیں کر سکتا۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا اور لیشی کا چہرہ بھی سنجیدہ نظر آنے لگا۔

''میرا خیال تھا کہ آپ میری دوستی قبول کر چکے ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں نے
جو کچھ کیا ہے وہ صرف دوستی کی بنیاد پر کیا ہے۔ اس میں کسی احسان کا تصور بھی میرے ذہن
میں نہیں آیا۔ تاہم اگر آپ یہاں سے جانا چاہتے ہیں تو میں آپ کو روکنے کی کیا ہمت رکھتی
ہوں؟'' اُس کے لہجے میں اُداسی گھل گئی اور میں اُسے دیکھنے لگا۔ تب وہ رسالہ رکھ کر سیدھی
ہوئی اور آہستہ سے بولی۔ ''ظاہر ہے ہمارے گھر آپ کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں ہوا
اور آپ کو آپ کے احسان کا کوئی بدلہ نہیں ملا۔ آپ کی ناراضگی ہمیں قبول کر لینی چاہئے۔''

''نہیں..... میں ناراض نہیں ہوں۔ لیکن آپ خود سوچئے! میں کس بنیاد پر آپ کے
اخراجات پر یہاں قیام کروں؟ بدقسمتی ہے میری کہ میں اپنے ساتھ کچھ نہ لا سکا، مسٹر پاور
نے بھی اس طرح میری پذیرائی کی تھی۔ لیکن کوئی حرج نہیں۔ میرا خیال ہے مجھے یہاں سے
ایسے ذرائع مل سکتے ہیں جنہیں استعمال کر کے میں یہاں سے واپسی کا بندوبست کروں۔''

''تو پھر آپ آج رات ہمارے ساتھ کھانے پر شریک نہیں ہو رہے؟''

''یہ دعوت اگر آپ کی ذاتی نوعیت کی ہے تو اس کے لئے گھر کا تکلف کیا حیثیت رکھتا
ہے۔ ہم کسی ہوٹل میں کھانا کھا لیں گے۔ آپ میرے ساتھ کھانا کھا لیجئے۔''

''نہیں..... یہ ذاتی نوعیت کی نہیں ہے۔ ذاتی دعوتوں کے سلسلے میں تو میں نے آپ کے
لئے ایک پروگرام ترتیب دیا تھا۔ لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں سوچ رہی تھی کہ

آپ میری دوستی قبول کرلیں گے۔ میں آپ کو کسی بھی جگہ مجبور کرنا نہیں چاہتی۔ آپ کو رات کے کھانے پر مسٹر آرسن پاور نے بلایا ہے۔''

''کیا وہ میرا نام تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں؟''

''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہتر یہ ہو گا کہ اس بارے میں سوالات آپ انہی سے کرلیں۔'' لیشی نے کہا۔ وہ کچھ رُوٹھی رُوٹھی سی نظر آ رہی تھی۔ میں نے سنبھالا لیا۔ اب اس سے زیادہ ناراضگی کا اظہار مناسب نہیں تھا کہ کہیں میری بے بسی میرے لئے مصیبت نہ بن جائے۔

چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آپ کا رُوٹھا ہوا چہرہ بہت دلکش لگ رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ کچھ لوگ صرف دُکھ دینا جانتے ہیں۔ آپ بھی انہی میں سے ہیں۔''

''اوہو! یہ الفاظ کہہ کر آپ مسٹر پاور ہی کی طرح اپنائیت کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔''

''جی نہیں۔ یہ میرے ذاتی جذبات ہیں۔''

''مگر مس لیشی.....''

''نہیں.....رہنے دیجئے۔ میں کسی طرح کی بھی رعایت نہیں چاہتی۔''

''سوری لیشی! اگر آپ کو میرے الفاظ سے دُکھ پہنچا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔''

''دُکھ پہنچانے کی کوشش ہی کیوں کی گئی تھی؟ کوئی بھی ایسی دقت ہو سکتی ہے ڈیڈی کے لئے، جس کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر معطل ہو گئے۔ آپ کو فوراً ہی بدلہ تو نہیں لے لینا چاہئے تھا۔''

''میں نے بدلہ کہاں لیا ہے؟ بس! اس احساس کا شکار رہا ہوں کہ اگر مسٹر آرسن میری پذیرائی کرتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔ اب میرا بوجھ آپ کے اُوپر پڑ رہا ہے۔''

''لیکن میں نے تو اس بوجھ کو بالکل بھی محسوس نہیں کیا۔ آپ غیریت برت رہے ہیں تو دوسری بات ہے۔''

''چلیں چھوڑیں۔ ہم لوگ بہت سنجیدہ گفتگو کرنے لگے۔ میں آپ سے آپ کے بارے میں باتیں کیوں نہ کروں؟'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دل چاہے تو ضرور کریں۔ آپ نے تو اس کا حق ہی چھین لیا مجھ سے۔'' لیشی نے کہا اور میں اُس کے برابر ہی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہے لیشی! اگر میری بات سے آپ کو دُکھ پہنچا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں، رات کے کھانے کی دعوت کا شکریہ۔ آپ کہتی ہیں تو ضرور چلوں گا۔ اب ان تمام باتوں کو چھوڑ کر مجھے اپنے بارے میں بتایئے۔''

''کیا بتاؤں اپنے بارے میں؟''

''کیا کرتی ہیں آپ؟''

''بوریت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ بہت کم دوست بنانے کی عادی ہوں۔ دوستوں کو پرکھتی ہوں اور اس کے بعد اپنے قریب آنے دیتی ہوں۔ لیکن دنیا سے بہت زیادہ خوش نہیں ہوں۔''

''اوہ.....افریقہ کی زندگی میں آپ کیسا محسوس کرتی ہیں؟''

''دراصل مجھے جدید زندگی بالکل پسند نہیں ہے۔ ہاں! افریقہ کے اندرونی علاقے میرے لئے باعث دلکشی ہیں۔ وہاں کے لوگ عقل سے عاری ہیں۔ لیکن انسانی محبت سے مالا مال ہیں۔ وہ نفرت کرتے ہیں تو اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اور محبت کرتے ہیں تو اُن کی محبت میں بھی کوئی کھوٹ نہیں ہوتا۔ میں نے تو اپنے دل میں سوچا تھا کہ آپ کو افریقہ کی زندگی دکھاؤں۔ سان بوتو کا یہ شہر جدید شہر ہے۔ لیکن اس سے آگے کی زندگی اُن سادہ لوح لوگوں کے جذبات کی آئینہ دار ہے جو یہاں کے باشندے ہیں۔''

''آہ! میں ایک سیاح ہوں اور سیاحت کی حیثیت سے بہت کچھ دیکھ چکا ہوں۔ لیکن آپ کے ساتھ افریقہ کی زندگی دیکھ کر مجھے واقعی لطف آئے گا۔''

لیشی مسکرانے لگی۔ اُس نے اپنی حسین آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''پھر ابتداء میں ناراضگی کا اظہار کیوں کیا تھا؟ سارا موڈ خراب کر دیا۔''

''چلو! اب اپنا موڈ بحال کرلو، میں دوستوں کو ناراض نہیں کرسکتا۔''

لیشی آہستہ آہستہ بحال ہو گئی۔ ہم دونوں نے کافی منگوا کر پی اور اس کے بعد لیشی مجھ سے آج کے مشاغل کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہی۔ میں نے اُس تقریب کا تذکرہ سنایا تو وہ مسکرانے لگی۔ ''ہاں! یہاں کے لوگ مہمان نواز بھی ہیں۔ وہ تقریب یقیناً کسی کے گھر میں ہو گی۔ جس گھر میں تقریب ہوتی ہے وہاں کے لوگ ایسے ہی میدانوں میں رقص کیا کرتے ہیں۔ میں تمہیں اندر کی زندگی دکھاؤں گی۔ لطف آ جائے گا۔'' لیشی نے

کہا۔

شام تک ہم دونوں ساتھ ہی رہے اور دنیا بھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر شام کو میں تیار ہو کر اُس کے ساتھ ہی اُس کے گھر کی جانب چل پڑا۔

مسٹر آرسن پاور نے خوبصورت مکان کے بیرونی حصے میں میرا استقبال کیا تھا۔ وہ ایک شاندار لباس میں ملبوس بہت سمارٹ نظر آ رہے تھے۔

لیشی کہنے لگی۔ ''پاپا! مسٹر ڈارک بہت ناراض تھے اور ہمارے گھر نہیں آنا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسٹر آرسن کی اس توجہ سے وہ اپنے لئے انتظامات کر کے ہی نہ آئے اور یہاں سے واپس جانے کے لئے انہیں کافی دقت پیش آئے گی۔ اگر یہ دقت اُن کے ساتھ نہ ہوتی تو شاید وہ سان بوتو چھوڑ کر چلے گئے ہوتے۔

آرسن پاور نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے ڈرائنگ رُوم میں آ بیٹھے جو کافی نفاست سے آراستہ تھا۔ یہاں اُن کے دیگر اہل خانہ بھی تھے۔ سب کے سب مہذب اور تعلیم یافتہ۔ گو اُن کے چہروں سے سان بوتو جھلک رہا تھا۔ لیکن مہذب تھے اور وہ بھی اعلیٰ درجے کے۔ اور افریقہ کی روایتی وحشت کبھی کی چھوڑ چکے تھے۔

مسٹر آرسن پاور نے مجھے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ ''اب میں آپ کو مسٹر واران ڈارک کہہ کر مخاطب نہیں کروں گا۔ کیونکہ آپ وہ نہیں ہیں۔ لیکن مسٹر منصور! آپ یقین کیجئے کہ میں زندگی میں اتنا حیران کبھی نہیں ہوا۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا تو مسٹر پاور کہنے لگے۔ ''یہ وعدہ جو میں نے کیا تھا، ایک خاص نوعیت کا حامل تھا۔ مجھے ایک بہت بڑی مملکت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن چھوڑیئے! یہ سارے معاملات سیاسی نوعیت کے ہیں۔ مجھے شدید حیرت ہے کہ میری زندگی کے وہ لمحات کہاں گم ہو گئے جن میں، میں نے آپ کو وان ڈارک کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ آپ یقین کیجئے! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں بس! کسی ایسے ذہنی مرض کا شکار ہو گیا تھا جس کے زیر اثر میں نے آپ کو وان ڈارک سمجھا، آپ کو یقیناً تعجب ہوگا کہ اس نام کا میری زندگی میں کوئی دخل نہیں ہے اور مجھے یہ یاد نہیں کہ میں نے کب آپ کو طیارے میں اپنے ساتھ سفر کی دعوت دی اور کب آپ سے اپنی محبت کا اظہار کیا..... میں آپ سے بھی اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ میری اس ذہنی کیفیت کا کوئی تجزیہ کر

سکتے ہیں؟'' مسٹر آرسن پاور چند لمحات خاموش رہ کر میرا چہرہ دیکھتے رہے۔ پھر آہستہ سے مسکرا کر بولے۔ ''لیشی نے مجھے بتایا ہے کہ آپ ناراض ہو گئے تھے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی بھی شخص اگر کسی پر انحصار کرے اور اس کی طرف سے اچانک بے اعتنائی کا مظاہرہ ہونے لگے تو ناراضگی اپنی جگہ ایک ٹھوس حقیقت رکھتی ہے۔ لیکن میں آپ کو تمام صورتِ حال بتا چکا ہوں۔ پہلے میں آپ کو یہ بتاؤں کہ جب آپ نے اپنی حیثیت کا اظہار کیا اور میں ان گمشدہ لمحات کو یاد نہ کر سکا جن کا تعلق آپ سے تھا تو مجھے شدید حیرت ہوئی۔ لیشی نے ایک عمدہ کام کیا۔ یعنی آپ کو یہاں سے جانے نہ دیا۔ اور اس کے بعد جب وہ آپ کو ہوٹل ایشیانو میں پہنچا کر میرے پاس آئی اور اُس نے تمام باتیں مجھ سے کیں تو مجھے جستجو ہوئی۔ میں نے تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ یہ تمام باتیں ایک ٹھوس حقیقت رکھتی ہیں۔ آپ نے مجھے قتل کرنے کی بجائے میری زندگی بچائی اور اُس شخص کو قتل کر دیا جسے میں قطعی نہیں جانتا۔ اور اس کے بعد وہاں میں نے آپ سے اپنائیت کا اظہار کیا۔ یہ تمام باتیں ایک ٹھوس حقیقت رکھتی ہیں۔ لیکن آپ یقین کیجئے کہ مجھے وہ گمشدہ لمحات نہیں ملتے جس میں، میں نے آپ سے واقفیت کا اظہار کیا تھا۔ بہر حال! میں آپ کا شکر گزار ہوں اور شرمندگی کا اظہار کرتا ہوں کہ میری کچھ باتوں سے آپ کی دل شکنی ہوئی۔''

مسٹر آرسن پاور کے لہجے میں شرمندگی کے آثار تھے۔ اور پھر چونکہ اب میں حقیقتوں سے واقف ہو چکا تھا چنانچہ میں بھی نرم پڑ گیا۔ ''آپ میرا تجزیہ کریں مسٹر آرسن پاور! میں صرف ایک سیاح ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے بیش قیمت لمحات مختلف ملکوں میں گزارے ہیں۔ ہندوستان میں، میں عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گیا.....'' میں نے پرنسز، ربیکا اور مسٹر ...ڈ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کی کہانی انہیں کہہ سنائی۔ ''کیا آپ اس بات پر غور نہیں کر سکتے مسٹر آرسن پاور! کہ سکیورٹی پولیس کی تحویل میں جانے کی بجائے، میں دوبارہ اُن کے ہتھے چڑھ سکتا تھا اور میری ان کاوشوں کے جواب میں وہ مجھے کتے کی موت مار سکتے تھے۔ کیونکہ میں نے اُن کے ایک اہم آدمی کو قتل کر دیا تھا۔''

''یقیناً..... میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔''

''اور اس کے بعد جب آپ نے مجھے وان ڈارک کی حیثیت سے مخاطب کیا تو میں نے ... مناسب سمجھا کہ آپ کے ساتھ وہاں سے نکل آؤں۔ اس سے بہتر طریقہ جان بچانے کا

اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر یہاں آنے کے بعد آپ کے ان الفاظ سے میری جو بہت ہوئی، اُس کا اندازہ آپ خود کر لیجئے۔''

''سوری ڈیئر! ویسے مجھے اُن لوگوں کے بارے میں کچھ اور تفصیلات بتاؤ۔''

''کیا آپ کو اپنے دشمنوں کے بارے میں خبر نہیں ہے؟'' میں نے سوال کیا تو وہ مسکرانے لگے۔ پھر بولے۔

''دراصل میری ذمہ داریاں کچھ ایسی ہیں کہ میرے بے شمار دشمن ہو سکتے ہیں۔ اور پھر جس مشن پر میں ہندوستان گیا تھا، اس سے بہت سے لوگوں کو اختلاف تھا۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے قتل کی کارروائی کن لوگوں کا کارنامہ تھا؟ بہرطور! چھوڑو ان باتوں کو۔ تم میرے ذاتی مہمان ہو اور میں تم سے معافی مانگ چکا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم طویل عرصہ سان بوتو میں قیام کرو۔ مجھ سے جو چاہو حاصل کرو۔ میں تمہارے بارے میں بھی جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور تمہاری زندگی کیا ہے؟ یہ تمام چیزیں دوستی کی بنیاد پر میں تمہیں پیش کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اب تم دل سے ساری باتیں فراموش کر کے میری دوستی قبول کر لو گے۔ کیا میں یقین کر لوں میرے دوست! کہ تم نے اپنے ذہن سے ساری کبیدگی دور کر لی؟''

میں نے مسکرا کر گردن ہلائی اور آہستہ سے بولا۔ ''میں اپنی اس چھوٹی سی کاوش کا کوئی صلہ وصول کرنا نہیں چاہتا۔ عرض کر چکا ہوں کہ ایک سیاح ہوں۔ دنیا گردی کرتا پھر رہا ہوں۔ ہندوستان میں تھا، وہاں سے کہیں اور نکل جاتا۔''

''تو پھر تمہاری اس سیاحت میں سان بوتو کی سیاحت بھی شامل ہو جانی چاہئے۔ لیشی خود بھی مہم جو ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ اپنے باپ کے محسن کو کہیں بھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دے گی۔ جہاں تک ہوٹل ایشیانو میں رہنے کا تعلق ہے، اب تمہیں وہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیشی تمہاری واپسی کا بندوبست کر دے گی۔''

''میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایشیانو بہت خوب صورت ہے اور مجھے پسند ہے۔ آپ کی محبتوں کے سائے میں، میں وہاں بھی رہ سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے دوست! اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''مسٹر آرسن پاور سے اس ملاقات کے بعد نوعیت ہی بدل گئی تھی۔ میں نے دل ہی دل

میں سوچا کہ کیا حرج ہے؟ زندگی جب تک کوئی دوسری پٹڑی نہ بدلے، لیشی کے ساتھ گھومنا پھرنا دلکشی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اور یوں بھی اب میں زندگی کی اقدار تو کھو چکا تھا۔ تقدیر نے جو کچھ مجھے دیا تھا، وہی میری عادت بن چکا تھا۔ لیشی کی دلکش شخصیت اور اُس کے گداز وجود کو نظر انداز کرنا اس دنیا سے منہ موڑنے کے مترادف تھا۔

رات کو بہترین قسم کا ڈنر لیا گیا۔ لیشی بھی خوش نظر آ رہی تھی۔ اُس نے بھی اس بات کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا تھا کہ میں ایشیانو میں رہوں۔ کھانے کے بعد کافی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے جو ممالک دیکھے تھے، اُن کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ اور اس کے بعد مسٹر آرسن نے لیشی کو ہدایات جاری کیں اور لیشی نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ پھر لیشی خود ہی مجھے ہوٹل چھوڑنے آئی تھی۔ اب وہ بے تحاشا ہنسنے لگی تھی اور تیزی سے بے تکلفی کے مراحل طے کرتی جا رہی تھی۔ ایشیانو میں وہ میرے ساتھ کافی دیر رہی۔ اور پھر واپس چلی گئی۔

اُس کی مجھ میں دلچسپی اس بات سے ظاہر ہوتی تھی کہ اگلی صبح جب میں جاگا تو وہ میرے کمرے میں موجود تھی۔ اُسے دیکھ کر میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ میں نے دروازہ اندر سے لاک کر دیا تھا اور وہ کسی رُوح ہی کی مانند، دوسری بار بھی میرے کمرے میں گھس آئی تھی۔ پہلے تو میں اُس سے اُس کی اس طرح آمد کے بارے میں پوچھنا بھول گیا تھا۔ لیکن اب اُسے دیکھ کر مجھے اچنبھا ہوا اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''مائی گاڈ! اس کا مطلب ہے کہ تم مافوق الفطرت ہو۔''

''کیوں؟''

''تم دوسری بار اس طرح میرے کمرے میں آ گئی ہو۔ آخر کیسے؟''

''ایسے.....'' اُس نے ایک چابی نکال کر میرے سامنے رکھ دی اور دروازے کے تالے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''یہ لاک دونوں طرف سے کھولا جا سکتا ہے۔ سمجھے؟'' اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ ''میں نے ناشتے کے لئے کہہ دیا ہے۔ میں نے بھی تسلیم کیا۔''

میں مسکراتا ہوا غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتہ کر رہے تھے۔ لیشی کہنے لگی۔ ''یقیناً تمہیں گھڑ سواری سے دلچسپی ہوگی۔ ہم گھوڑے پر سفر کریں گے۔ اس

طرح ایڈونچر رہتا ہے۔ جب کہ بند گاڑی بہت سی آسانیوں کا سبب بن جاتی ہے اور مہماتی سفر میں جب تک آسانیوں سے دُور نہ رہا جائے، مزہ نہیں آتا۔''

''تو تم اس سفر کی تیاریاں کر چکی ہو؟''

''ہاں! میں خود بھی ان دنوں بڑی بوریت کا شکار تھی۔ لیکن کسی اچھے ساتھی کے بغیر کسی بھی قسم کی تفریح میں لطف نہیں آتا۔ بس! اب تم تیار ہو جاؤ۔ افریقہ تمہارا منتظر ہے۔'' لیشی نے کہا اور میں گہری سانس لے کر مسکرانے لگا۔

''افریقہ.....'' میں نے آہستہ سے کہا۔

لیشی سفر کی تفصیلات ترتیب دے کر آئی تھی۔ اُس نے بتایا کہ گھوڑوں کے ذریعے سان بوتو کی نواحی بستی پہنچیں گے اور وہاں سے دریائے بوناٹا کے ذریعے سفر کیا جائے گا.....

''میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ تم نے دورانِ سیاحت بڑے بڑے ملکوں اور شہروں کو دیکھا ہوگا۔ لیکن سرزمین افریقہ پر دریائے بوناٹا میں سفر کر کے تم ایک انوکھی فرحت محسوس کرو گے۔ یہاں کی زندگی خوفناک ہے۔ لیکن اس میں قدم قدم پر زندگی اور موت کے درمیان جو آنکھ مچولی کھیلی جاتی ہے، وہ انسانی زندگی کے لئے سب سے دلکش لمحات کی حیثیت رکھتی ہے۔''

''مم.....موت.....'' میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور لیشی ہنس پڑی۔

''ہاں.....موت.....موت کو اتنے قریب سے دیکھنے میں جو لطف حاصل ہوتا ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں ہوتا۔''

''تم خاصی خوفناک معلوم ہوتی ہو لیشی!''

''کم از کم اس سلسلے میں اگر تم مجھے خوفناک کہنا چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ میں خطرات سے کھیل کر ہی زندہ رہ سکتی ہوں۔''

''اور میں خطرات سے کھیلتا ہوا زندہ ہوں۔ لیکن یہ خطرات خود بخود مجھ تک پہنچ جاتے ہیں۔ بلکہ یوں سمجھ لو! کہ کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ میں اُن سے بھاگتا ہوں لیکن یہ میری دُم میں اٹکے رہتے ہیں۔ کبھی کسی شکل میں اور کبھی کسی شکل میں.....''

''تب تو تمہاری ان سے دوستی ہو جانی چاہئے۔ جبکہ تم گھبراہٹ کا مظاہرہ کر رہے ہو۔''

''نہیں..... یہ کم از کم میرے یک طرفہ دوست ضرور ہیں۔ یعنی میں ان کی طرف نہیں

ہوتا لیکن یہ مجھ سے دُور نہیں جاتے۔ ویسے ہمیں کب چلنا ہے؟''

''اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔ میں پاپا سے اجازت لے کر آتی ہوں۔''

''یعنی.....یعنی بالکل تیار؟''

''ہاں! بالکل تیار.....'' لیشی نے ایک ادا سے گردن جھٹکتے ہوئے کہا اور میں پُر خیال انداز میں گال کھجانے لگا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ میں تفریحی انداز میں کسی مہم پر روانہ ہو رہا تھا۔ اور اس میں میری کوئی مجبوری شامل نہیں تھی۔ یہ تبدیلی ہی کم از کم پُرسکون تھی۔ لیشی میرے ساتھ ہوٹل سے نکل آئی۔ کمرہ چھوڑا نہیں گیا تھا۔ ظاہر ہے لیشی ایک بڑے باپ کی بیٹی تھی اور اُس بڑے باپ نے میرے سلسلے میں اُسے ہر طرح کی اجازت دے رکھی تھی۔ وہ مجھے ساتھ لئے ہوئے بازار میں آئی اور درحقیقت تھوڑی دیر کے لئے مجھے شرمندہ ہی ہونا پڑا۔ کیونکہ اُس نے کچھ دوسری خریداریوں کے ساتھ میرے لئے بھی چند چیزوں کی خریداری کی تھی۔ جن میں لباس وغیرہ شامل تھے۔ پھر وہ بستی کے اُس حصے میں آ گئی جہاں میں پہلے بھی آ چکا تھا اور اُس نے یہاں سے دو گھوڑے حاصل کئے۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ گھوڑے کرائے پر حاصل کئے گئے ہیں۔ اُس نے خود ہی مقامی لوگوں سے اس سلسلے میں گفت و شنید کر لی تھی۔ ایک تیسرا آدمی بھی ہمارے ساتھ تھا جو تیسرے گھوڑے پر سوار تھا۔ جب ہم بستی سے باہر نکلے تو میں نے لیشی سے پوچھا کہ کیا یہ شخص گائیڈ کے طور پر ہمارے ساتھ رہے گا؟ تو لیشی نے جواب دیا کہ نہیں یہ اُس بستی تک ہمارے ساتھ جائے گا جہاں ہم گھوڑے چھوڑ دیں گے اور دریائے بوناٹا میں سفر کریں گے۔ یہ شخص وہاں سے گھوڑے واپس لے آئے گا۔

''دریائے بوناٹا میں سفر کا ذریعہ کیا ہوگا؟'' میں نے سوال کیا۔

''افریقی وحشیوں کی بنائی ہوئی چھوٹی کشتیاں جو ہمیں وہاں سے با آسانی حاصل ہو جائیں گی۔'' لیشی نے جواب دیا۔

میں ایک لمحے کے لئے واقعی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ لیشی تو افریقی نژاد تھی۔ لیکن کیا کشتیوں کا سفر باعث دلچسپی ہوگا؟ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ لیکن اب کسی لڑکی کے سامنے اس بزدلی کا اظہار بھی مناسب نہیں تھا۔ گھڑ سواری میں مجھے کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی کیونکہ میں پہلے بھی اسے بھگت چکا تھا۔ آبادیاں دُور رہ گئیں تو افریقہ کی روایتی زندگی کا

آغاز ہو چکا تھا۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی بستیاں نظر آئیں۔ بعض ایسی تھیں جن میں صرف آٹھ دس مکانات ہی تھے اور اُن کے درمیان رہنے والے آپس ہی میں میل جول کی زندگی گزار رہے تھے۔ ہم قریب سے گزرتے رہے اور کوئی پانچ گھنٹے کے سفر کے بعد ایسی بستی میں پہنچ گئے جو تقریباً چار پانچ سو مکانات پر مشتمل تھی۔ رات ہمیں یہیں گزارنی پڑی۔

دوسری صبح لیشی نے کشتی کے حصول کے لئے کوششیں شروع کر دیں۔ وہ شخص دونوں گھوڑے لے کر واپس چلا گیا تھا جو اس بستی تک ہمارے ساتھ آیا تھا۔ لیشی نے ایک چھوٹی کشتی جو درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی گئی تھی، حاصل کر لی اور سامان کے تھیلے کشتی میں منتقل کر دیئے گئے۔

دریائے بوناٹا ہمارے سامنے بہہ رہا تھا۔ اُس کی روانی بہت زیادہ تند نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی اچھی خاصی تھی۔ لیشی نے مجھے بتایا کہ وہ کشتی رانی کی ماہر ہے۔ اُس کی مہارت تسلیم کرنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں تھا۔ اُس نے ایک جگہ جا کر لباس تبدیل کیا۔ اب وہ ایک ڈھیلی ڈھالی پتلون اور سرخ رنگ کی بشرٹ پہن کر ایک سیاح کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ ویسے اُس کے وجود کی دلکشی کا میں دل سے معترف ہو گیا تھا۔ سر کے بالوں کو اُس نے ایک سرخ رومال سے باندھ لیا تھا۔

ہم نے کشتی دریا میں دھکیلی اور اُچھل کر اُس پر سوار ہو گئے۔ ہماری اس مہم کا آغاز ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے تک کشتی دریا میں سفر کرتی رہی۔ جب شام کے سائے گہرے ہو کر رات میں تبدیل ہونے لگے تو ہم نے ریتیلے ٹاپو کا رُخ کیا۔ لیشی کے انداز سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسی مہمات کی عادی ہے۔ اُس نے لکڑیاں جلا کر مچھلی اور مکئی کے دانے بھونے۔ یہ چیزیں وہ ڈبوں میں بند کر کے لائی تھی۔ میں نے یہ غذا کھائی تو بڑا ہی لطف آیا۔ اور اب میں ذہنی طور پر اس مہم جوئی کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ پھر لیشی نے ربڑ کا بستر بچھا دیا اور بڑے اطمینان سے لیٹ گئی۔ میں نے کن انکھیوں سے اُسے دیکھا۔ لیکن اُس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں پائی۔ کافی رات تک وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی اور پھر سو گئی۔ مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ کیا وہ اتنی ہی معصوم ہے کہ اُسے میری قربت کا احساس نہیں یا پھر وہ میری طرف سے کسی تحریک کی منتظر ہے؟"

وہ ساری رات سکون سے سوتی رہی تھی۔ مجھے بھی کسی وقت نیند آ گئی۔ صبح ہم دونوں

تھ ہی جاگے تھے۔ کیفیت شرمساری کی سی تھی۔ لیکن اس کے بعد لیشی نے کسی اور ذہنی یفیت کا اظہار نہیں کیا اور ہم نے ضروری تیاریوں کے بعد دوبارہ ڈونگی پر سفر شروع کر یا۔ دوپہر کے بعد ہم اُس دریا کے دوشاخے پر پہنچے۔ ایک شاخ نہایت پرسکون تھی اور وسری بہت تیز۔ میں نے لیشی کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا دی اور اُس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "تمہیں دریا کی تیز روانی پسند ہے یا اس کا پرسکون انداز؟"

"میں اس کا کوئی جواب نہیں دُوں گا۔"

"میں تو تیز دھاروں پر بہنا چاہتی ہوں۔" اُس نے کہا اور میں نے شانے ہلا دیئے۔ یکن اُس نے دوبارہ پوچھا۔ "تم نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" میں نے کہا۔

لیشی نے فوراً کشتی کا رُخ تبدیل کر دیا۔ ایک لمحے کے لئے ہوا تو کھسکی تھی۔ لیکن اب یا بھی کیا جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔ ہم تیز رفتار شاخ کے ذریعے آگے بڑھتے رہے۔ جھاگ اُڑاتی ہوئی لہریں اُچھل اُچھل کر کشتی میں آ رہی تھیں۔ کہیں کہیں بھنور بھی اُٹھ رہے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر میری آنکھیں دہشت سے بند ہوئی جا رہی تھیں۔ لیکن لیشی نے کشتی رانی کے بارے میں سچ کہا تھا۔ وہ ان بھنوروں سے بچتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور اپنی کشتی رانی کی مہارت کا ثبوت دے رہی تھی۔

دوسری شام ہم نے پھر دریا کے کنارے کا رُخ کیا۔ یہاں ہمیں ایک چھوٹی سی بستی نظر آئی جہاں کے لوگ کافی وحشی معلوم ہوتے تھے۔ اُن کے دانت بہت تیز اور نوکیلے تھے۔ یشی سے گفتگو کر کے وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔

لیشی مجھ سے مخاطب ہوئی۔ "یہ مہمان نواز ہیں اور ہمیں رات کو اپنی بستی میں ٹھہرانا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"اگر تم سمجھتی ہو کہ کوئی حرج نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔"

"ظاہر ہے ڈیئر ڈارک! ہم اُن کی زندگی دیکھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے درمیان رہنا برا بھی نہیں ہوگا۔"

"ایک بات پر اعتراض کرنا چاہتا ہوں لیشی۔" میں نے کہا۔

"اوہ.... کیا؟" لیشی چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''تم مجھے مسلسل ڈارک کہہ کر مخاطب کر رہی ہو۔ جبکہ میں کسی طرح بھی ڈارک نہیں ہوں۔''

لیشی ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ ''مجھ سے منصور بنتا نہیں۔ تاہم اگر تمہاری یہ خواہش ہے تو میرا تلفظ غلط ہوگا۔ لیکن میں تمہیں منصور ہی کہوں گی۔''

''اس کے لئے میں تمہارا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

لیشی نے بتایا کہ آنے والے، گاؤں میں ہمارے بارے میں اطلاع دینے کے لئے گئے ہیں اور اب گاؤں کے لوگ ہمارے استقبال کے لئے آتے ہی ہوں گے۔ لیشی کا کہا غلط نہ ہوا۔ تقریباً بیس پچیس افراد کا گروہ ہمیں لینے کے لئے چلا آیا۔ وہ لوگ لیشی سے باتیں کر رہے تھے۔ اور اس کے بعد ہم اُن کے ساتھ چل پڑے اور ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں بے شمار لوگ آگ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور آگ پر کوئی چیز بھون کر کھا رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں بھی اپنے قریب بیٹھنے کی پیشکش کی اور لیشی اُن کے ساتھ ہی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ میں خود بھی اُسی انداز میں بیٹھ گیا تھا۔ پھر میں نے اس پر غور کیا کہ وہ لوگ، آگ سے کیا نکال کر کھا رہے ہیں؟ اپنے قریب ہی بیٹھے ہوئے شخص کے ایک ہاتھ میں، میں نے وہ چیز دیکھی جو راکھ سے نکالی تھی تو دہشت سے میرا خون رگوں میں منجمد ہوگیا۔ وہ ایک ادھ جلا انسانی پنجہ تھا۔ میرا بدن تھرا اُٹھا۔ ایک لمحے میں خیال گزرا کہ یہ آدم خور ہیں۔ میں نے دہشت بھری نگاہوں سے لیشی کو دیکھا تو اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ غور سے دیکھو۔ یہ انسانی ہاتھ نہیں ہے۔''

''تب؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''یہ لوگ بندروں کے رسیا ہیں۔ چھوٹی بڑی نسل کے بندر انہیں دیکھ کر دُور بھاگتے ہیں۔ یہ قبیلہ توسانہ ہے۔ اور توسانہ قبیلے کے لوگ بندروں کی ضیافت کو اولین ترجیح دیتے ہیں۔''

لیشی کی بات پر میرے منہ کا مزا خراب ہوگیا تھا۔ مجھے سخت گھن آ رہی تھی۔ اُسی وقت ایک شخص ہمارے لئے بھی بندر کی ایک لاش اُٹھا لایا اور لیشی سے کچھ کہنے لگا۔ لیشی نے مسکراتے ہوئے گردن خم کر دی اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔ ''کیا تم بندر کھانا پسند کرو گے؟''

''میرا تو دل اُلٹ رہا ہے۔ براہِ کرم! یہاں سے ہٹ جاؤ۔''

''نہیں نہیں..... ہمیں مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہ ان کی طرف سے ہمارے لئے ایک تحفہ ہے۔''

''کیا تم بھی اس ضیافت کو پسند کرتی ہو؟''

''میں نے آج تک توسانہ قبیلے کی میزبانی کا شرف حاصل نہیں کیا۔ بس! اُن کے بارے میں سنا ہے۔ دیکھو! وہ بندر کی لاش پکار رہے ہیں۔''

میں اُن کی جانب متوجہ ہوگیا۔ ہر چند کہ طبیعت اوب رہی تھی۔ لیکن افریقی روایتوں کو دیکھنے کا شوق بھی دل میں تھا۔ لیشی نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے مقامی زبان میں کچھ کہا اور وہ چیخ چیخ کر دوسرے لوگوں سے کچھ کہنے لگا۔ متحرک لوگ رُک گئے اور ہماری طرف دیکھنے لگے۔ پھر ایک بوڑھے وحشی نے انہیں کچھ سمجھایا اور وہ خاموش ہو گئے۔ لیشی مجھے بتا رہی تھی کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کر رہے ہیں کہ ہم نے ان کی ضیافت قبول نہیں کی۔''

''کیا یہاں سے اُٹھا جا سکتا ہے؟''

''اگر تم چاہو تو ٹھیک ہے۔'' لیشی نے جواب دیا اور پھر مقامی زبان میں اجازت لی۔

ہم وہاں سے اُٹھ کر ایک جھونپڑے میں آ گئے جو ہمارے لئے بنایا گیا تھا۔ جھونپڑے میں گھاس پھونس کا بستر تھا۔ لیشی نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بستر پر لیٹ گئی۔ اُس کے دیکھنے کا انداز بھٹکا دینے والا تھا۔ لیکن میں نے بھی تہیہ کر لیا تھا کہ اپنے آپ پر جبر کروں گا اور کسی بھی ایسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کروں گا جو میرے لئے وبالِ جان بن جائے۔

رات گزر گئی اور صبح ہم اُن سے رُخصت ہو کر اپنے سفر پر چل پڑے۔ اب دریا کی رفتار سست ہوتی نظر آ رہی تھی۔ کشتی کی رفتار بھی مدھم پڑ گئی تھی۔ لیشی جو خوراک اپنے ساتھ لائی تھی اُس میں چاول، مچھلی کے ڈبے، گوشت کے ٹکڑے موجود تھے بسکٹ بھی تھے۔ البتہ چائے یا کافی وغیرہ کا اُس نے کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ بیوقوف لڑکی اگر مجھ سے مشورہ کر لیتی تو میں اُس کا انتظام ضرور کرتا۔ لیکن اب کیا، کیا جا سکتا تھا؟

سفر جاری رہا۔ اور پھر ایک دن ہمیں دریا کے کنارے بڑی بیلیں نظر آئیں جو پپیتے جیسے پھل سے لدی ہوئی تھیں۔ میں نے کشتی وہاں رُکوائی، پھل توڑے، انہیں چکھ کر دیکھا تو

لطف ہی آ گیا۔ بہت لذیذ اور شیریں تھے۔ رنگت اُوپر سے پیٹھوں جیسی تھی۔ لیکن اندر سے خربوزے جیسے تھے۔ نرم اور لذیذ۔ پھر ایک اور بستی پہنچے اور رات گزارنے کے بعد دوسری صبح پھر آگے بڑھ گئے۔

میں بھی اب یہاں کے ماحول میں کافی دلچسپی لینے لگا تھا۔ افریقہ کی وہ انوکھی زندگی جو وحشت سے بھرپور ہے، میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ زہریلی مکھیوں کے غول کبھی کبھی ہماری کشتی پر پرواز کرنے لگتے تھے۔ ایک دو بار ان مکھیوں نے کاٹنے کی کوشش بھی کی۔ ہم نے اپنے لباس چپوؤں میں باندھ لئے اور ان مکھیوں کو اُڑانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ بمشکل تمام ان کی زد سے بچ سکے تھے۔ دو دن کے بعد دریا کا بہاؤ پھر تیز ہو گیا۔ میں نے لیشی سے پوچھا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ صحرائے اعظم کی زندگی انسانی تصورات سے کہیں آگے کی چیز ہے۔ اب تک میں نے جو کچھ دیکھا، وہ انتہائی باعث دلکشی ہے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی ایسی نامعلوم سمتوں کی طرف جانکلیں جہاں سے واپسی ممکن نہ ہو سکے۔''

لیشی نے ہنس کر کہا۔ ''نہیں ڈیئر منصور! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی تو ابتدائی حصہ ہے۔ یہاں سے آگے جانے کے بعد ہمیں ایک بڑی آبادی بونیکا ملے گی۔ وہاں باقاعدہ مہذب نظام قائم ہے۔ وہاں ہم قیام کریں گے۔ میرے پاس تمام نقشے موجود ہیں۔ ابھی تو ہم نے اس سفر کا آغاز کیا ہے۔ صحیح معنوں میں افریقہ کی ہیبت ناک زندگی تو آگے نظر آئے گی۔''

بونیکا کا فاصلہ ابھی جانے کتنا تھا؟ میں اُس ہیبت ناک زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا جس کی نشاندہی لیشی نے کی تھی۔ وہ تو مقامی تھی۔ مگر میں اس ہیبت ناک زندگی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن پھر دل کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ حرج ہی کیا ہے؟ کون سے میرے پیارے میری واپسی کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ جدید دنیا کی رنگینیاں تو دیکھ ہی لی تھیں۔ اب انسانی نگاہوں سے دُور صحرائے اعظم کے یہ مناظر بھی دیکھ لئے جائیں۔ اور اگر موت ہی اس طرف لے آئی ہے تو پھر یہی سہی۔ ایسی کوئی جگہ بھی پسند نہیں تھی جہاں مرنے کا تصور بھی کیا جا سکے۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو ان معاملات سے بے نیاز کر لیا۔

لیشی ابھی تک کسی ایسی کیفیت کی حامل ثابت نہیں ہوئی تھی جو باعث توجہ ہوتی۔ وہ ایک

دلچسپ اور بے تکلف دوست کی حیثیت سے میرے ساتھ سفر کر رہی تھی۔ بارہا ایسے دلکش مراحل سامنے آئے جو ہیجان کن ہوتے تھے۔ لیکن اس وقت میری گہری نگاہیں لیشی کا جائزہ لیتی تھیں۔ اور مجھے محسوس ہوتا کہ وہ اپنی اس کیفیت سے بالکل ہی بے نیاز ہے۔

ایک جگہ دریا کا پاٹ اتنا چوڑا تھا کہ سمندر کا گمان ہوتا تھا۔ نگاہوں کی آخری حد پر ایک جزیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ کہیں کہیں دریا میں چھوٹے چھوٹے ٹاپو بھی آ جاتے۔ ان ٹاپوؤں میں سے بعض پر آبادیاں بھی تھیں جن کے بارے میں لیشی نے مجھے بتایا کہ یہاں مچھیرے رہتے ہیں۔ اکثر غیر آباد ٹاپو جو سفید رنگ کی ریت اور سرسبز درختوں سے ڈھکے نظر آتے تھے، ہمارے بالکل قریب سے گزر جاتے۔ پھر ہم نے بہت دُور سے دھوئیں کے بادل دیکھے اور میں نے لیشی کو اس طرف متوجہ کیا۔ درخت جل رہے تھے۔ راکھ اور چنگاریوں کے بادل دریا پر چھانے لگے۔ لیشی بھی اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''یہ خشک جنگل ہے۔ میں اس علاقے کے بارے میں جانتی ہوں۔ یہاں بارش نہیں ہوتی۔ اور یہاں کی زمینیں بارش نہ ہونے کی وجہ سے تپ تپ کر سیاہ ہو چکی ہیں۔ آؤ! ان کے قریب چلتے ہیں۔ ویسے یہ بونیکا کا عقبی علاقہ ہے۔ لیکن دریا کے راستے ہمیں کافی گھوم کر بونیکا کے سامنے والے حصے تک جانا ہوگا۔ آؤ! اس ماحول سے لطف اُٹھائیں۔ میں تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گی۔''

کشتی کنارے کی جانب چل پڑی۔ لیشی کا کہنا بالکل درست تھا۔ درختوں کے جلے ہوئے کالے ڈھانچے بے حد خوفناک نظر آ رہے تھے۔ ہم زمین پر اُترے تو میرے پاؤں جلنے لگے..... زمین اتنی ہی گرم ہو رہی تھی۔

لیشی نے مجھے بتایا کہ ان جنگلوں کو بونیکا کے باشندوں نے جان بوجھ کر نذرِ آتش کر دیا ہے۔ یہ لوگ اناج بونے کے لئے زمینیں صاف کرتے ہیں۔ سیلاب کے دنوں میں جب یہ زمینیں زیرِ آب آ جاتی ہیں تو مچھلیاں جھاڑیوں اور درختوں کی جڑوں میں پناہ لے لیتی ہیں اور دلدل میں نہیں پھنستیں۔ چنانچہ ان علاقوں کو اس مقصد کے لئے بھی صاف کیا جاتا ہے۔

ہم نے ایک دن موت کے اس جنگل میں گزارا۔ گرمی کی وجہ سے زبانیں خشک ہو رہی تھیں۔ لیکن مہم جو لیشی، ہر ماحول سے روشناس ہونا چاہتی تھی۔ افسوس! اُسے اپنے ساتھی کی

دلچسپیوں کا اندازہ نہیں تھا۔ دوسری صبح ہم جلد از جلد وہاں سے آگے بڑھ گئے اور پھر دریا کے راستے بونیکا پہنچ گئے۔

بونیکا کے اطراف دریا میں کشتیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں نے ایک موٹر بوٹ کے انجن کی آواز بھی سنی۔ اُس کے بارے میں لیشی سے استفسار کیا تو پتہ چلا کہ محافظ پولیس ہے۔ اس عجیب وغریب آبادی میں پولیس کا نام ہی مضحکہ خیز معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اُس کی موجودگی کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''کیا پولیس ہم سے تعرض کرے گی؟'' میں نے لیشی سے سوال کیا۔

''نہیں۔ لیکن یہاں سے ہمیں دریائی سفر کا اجازت نامہ حاصل کرنا ہوگا۔ میں اس کے لئے انتظامات کر کے آئی ہوں۔''

''یوں لگتا ہے جیسے تم ان علاقوں میں پہلے بھی آ چکی ہو۔''

''نہیں۔ اس طرف نہیں آئی۔ میں نے دوسری سمت کافی سفر کیا ہوا ہے۔ لیکن یہاں کے بارے میں مجھے اتنی معلومات حاصل ہیں کہ مجھے ان میں سے کوئی بھی چیز اجنبی محسوس نہیں ہوتی۔ اور پھر میں نے پاپا سے اس سفر کے بارے میں تمام تفصیلات پوچھ لی تھیں۔ ہماری ایک آیا ہے جو ایسی ہی ایک اندرونی بستی سے تعلق رکھتی ہے اور کافی تعلیم یافتہ ہے۔ اُس نے لندن میں تعلیم حاصل کی ہے۔ کہنے کو وہ ہماری آیا ہے۔ لیکن اُس نے افریقہ کے اُن علاقوں کے بارے میں باقاعدہ مضامین لکھے ہیں اور ان مضامین میں اُس زندگی کا بڑی تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ اس طرف سفر کرتے ہوئے میں نے اُس سے بہت سے مشورے لئے ہیں۔''

''میں تو سمجھ رہا تھا کہ یہ چند گھنٹوں کا یا زیادہ سے زیادہ چند دنوں کا عام سا سفر ہوگا۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے تم کافی طویل پروگرام بنا کر نکلی ہو۔''

لیشی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے ڈیڈی سے دو ماہ کی اجازت لے کر نکلی ہے۔ میری آنکھیں یہ سن کر حیرت سے پھیل گئیں۔ ''دو ماہ...... اور دو ماہ ہم اسی طرح گزاریں گے؟''

''مہم جوئی کا لطف اُسی وقت آتا ہے ڈیئر منصور! جبکہ ہمیں اپنے آئندہ قدم کے بارے میں کچھ بھی نہ معلوم ہو۔ کیا تم مجھ سے متفق نہیں ہو؟''

میں اپنے آپ ہی سے متفق نہیں تھا تو بھلا اُس سے کیا ہوتا؟ چنانچہ میں نے اپنے آپ پیدائشی متفق ظاہر کرنے کے لئے زور زور سے گردن ہلا دی۔

ہم لوگ ایک ایسے کیمپ میں پہنچ گئے جو بونیکا کا سرکاری کیمپ تھا۔ لکڑی کی بنی ہوئی بدی میزیں اور سٹول وہاں رکھے ہوئے تھے اور اُن پر بونیکا کے عہدے دار بیٹھے ہوئے تھے۔ ماحول کافی مہذب نظر آ رہا تھا۔ لیشی پاور نے اُن عہدیداروں سے گفتگو کی اور وہاں سے آگے جانے کا اجازت نامہ مل گیا۔

بونیکا سے ہم نے کھانے پینے کی اشیاء کا کافی ذخیرہ خریدا۔ لیشی اس خرید وفروخت کا انتظام کر کے آئی تھی۔ اور اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ اب دریا کا منظر بدلتا جا رہا تھا۔ کناروں کے ساتھ ساتھ اونچی نیچی بے ترتیب پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بعض نشیبوں میں سرسبز گھاس نظر آ رہی تھی۔ درختوں کے جھنڈ دریا کے کنارے کنارے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ناریل کے درخت یہاں نمایاں تھے۔ البتہ دریا کا پاٹ پتھریلے کناروں کی وجہ سے تنگ ہو گیا تھا۔

ہماری کشتی اب دریا کے تیز دھاروں میں بہنے لگی تھی۔ ارد گرد دریا کا پانی جیسے اُبل رہا تھا۔ آگے بھنور بھی نظر آنے لگے اور چند لمحوں کے بعد ہم اُن کے قریب پہنچ گئے۔ یہاں کشتی کو اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا انتہائی مشکل ثابت ہوا۔ کشتی بھنور کے اندر داخل ہوتے ہی ڈگمگانے لگتی۔ ایک بھنور سے نکلتے تو دوسرے میں پھنس جاتے۔ بھنور سے نکلنے کے بعد ہمیں چپوؤں کو تیزی سے چلانا پڑتا اور درحقیقت یہاں پہنچنے کے بعد میری ہمت جواب دیتی جا رہی تھی۔ لیکن خوش قسمتی تھی کہ جلد ہی آخری بھنور بھی پیچھے رہ گیا۔ چٹانوں کے درمیان ایک تنگ سی آبنائے نے ہمیں اپنی آغوش میں سکون بخشا اور اُس کے بعد ہم دوبارہ پرسکون سفر کرنے لگے۔

سفر ایک ایسی جگہ ختم ہوا جہاں دریا کے کنارے کنارے بے شمار جھونپڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ جھونپڑیوں کے دوسری طرف گھنا اور سرسبز جنگل تھا۔ یہ جنگل جھونپڑیوں سے کافی فاصلے پر جا کر شروع ہوتا تھا۔ درمیان میں انسانی قد سے اُونچی گھاس پھیلی ہوئی تھی جو دور سے دیکھنے پر ترشی ہوئی اور ہموار محسوس ہوتی ہوگی۔ کہیں سے ڈھول بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ جھونپڑیوں میں چربی سے جلنے والی مشعلیں روشن تھیں۔

ہم نے کشتی کنارے پر کھینچ لی اور اُسے ایک اُبھری ہوئی چٹان میں اٹکا کر آگے بڑھ گئے۔ جھونپڑیوں کی قطار کے پاس پہنچے تو اندازہ ہوا کہ جھونپڑیاں خالی پڑی تھیں۔ لیکن ہوا کے دوش پر ڈھول کی تال اور انسانی آوازیں ہم تک پہنچ رہی تھیں۔ چنانچہ ہم نے بھی اُسی جانب رُخ کیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ہم اُس جگہ پہنچ گئے جہاں مشعلوں کا ایک بڑا سا دائرہ نظر آ رہا تھا۔ اس دائرے میں رقص کیا جا رہا تھا۔ غالباً یہ کوئی چھوٹا سا گاؤں تھا۔ ہم ہمت کر کے آگے بڑھے۔ رقص کرنے والی افریقی نسل کی لڑکیاں تھیں۔ اُن کے چہروں پر نیل اور سفید چاک سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ کچھ لڑکیوں کے چہرے دو برابر حصوں میں تقسیم تھے۔ ایک حصہ نیلا اور دوسرا سفید تھا۔ رقص کرنے والی اُن لڑکیوں کے علاوہ مرد بھی اس رقص میں شامل تھے۔ ڈھول بج رہے تھے اور نرسنگھے چنگھاڑ رہے تھے۔ رقص میں تیزی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ ڈھول بجانے والوں کے بدن پسینے سے چمک رہے تھے اور ہیجان خیز رقص تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ میں اور لیشی لوگوں کے درمیان جگہ بناتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ کوئی بھی ہماری جانب متوجہ نہیں ہوا تھا اور میرے لئے یہ بات ذرا باعث حیرت تھی کیونکہ ہم دونوں اُن سے مختلف تھے۔

لیشی نے آہستہ سے میرے کان میں کہا۔ ''ذرا ان رقص کرنے والوں کے بدن کی پھڑکتی ہوئی بوٹیاں تو دیکھو! یوں لگتا ہے کہ جسم کی بوٹی بوٹی الگ ہو جائے گی۔''

''مجھے تو کچھ اور بھی لگتا ہے۔''

''کیا؟''

''ہم جس طرح ان کے درمیان گھس آئے ہیں، اس رقص کے بعد کہیں ہمارے بدن کی بوٹی بوٹی بھی الگ نہ ہو جائے۔''

''اوہ..... نہیں! اب افریقہ اتنا غیر مہذب نہیں رہا جتنا قصے کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ ہاں! اس کے انتہائی اندرونی علاقے کی بات میں نہیں کرتی جہاں آدم خور وغیرہ بستے ہیں۔ باقی علاقے تہذیب کی روشنی سے کسی حد تک آشنا ہو چکے ہیں۔ اب تمہیں چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی سکول نظر آئیں گے جہاں ملکی اور غیر ملکی مشنریاں ان لوگوں کو تعلیم دیتی ہیں۔ تم نے محسوس نہیں کیا کہ انہوں نے ہمیں اجنبی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ بہت سے

مشن یہاں آتے رہتے ہیں۔ بہت سے ممالک یہاں مختلف منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔ چینی باشندے چاک اور سیمنٹ کی فیکٹریاں چلا رہے ہیں۔ رُوسی ماہرین سونے کی کانیں دریافت کر رہے ہیں۔ پولینڈ والے کھاد کے کارخانے لگائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا افریقہ کے علاقے اب اتنے پس ماندہ نہیں رہے۔''

ہم لوگ سرگوشیوں کے انداز میں باتیں کرتے رہے۔ رقص اپنی آخری کیفیت میں پہنچ گیا تھا۔ رقاص لڑکیاں رقص کر رہی تھیں۔ اچانک میں نے ایک لڑکی کو اپنے قریب آ کر رکتے ہوئے دیکھا۔ اُس کا قد کسی بھی طرح چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ بدن انتہائی متناسب اور سڈول تھا۔ لمبے لمبے بال سیاہ کمر سے نیچے آ رہے تھے۔ اُس نے اپنے چہرے پر نقش و نگار بنائے ہوئے تھے۔ لیکن ایک بات ذرا حیرت ناک تھی۔ وہ یہ کہ اُس کے نقوش میں بھدا پن نہیں تھا جو افریقی لڑکیوں کے چہروں میں پایا جاتا تھا۔ نہ موٹے ہونٹ نہ چوڑی ناک۔ چہرے کی بناوٹ بھی کتابی تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ لڑکی کی عجیب نگاہیں مجھے اپنے دماغ میں چبھتی ہوئی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ کوئی دس پندرہ سیکنڈ تک میرے سامنے کھڑی رہی۔ اور اُس کے بعد ڈھول کی تال پر تھرکتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ میں نے لیشی کی طرف دیکھا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی۔ ''آؤ..... یہاں سے چلیں منصور!''

''کیا بات ہے لیشی؟ تمہارا لہجہ کچھ عجیب سا ہو گیا ہے۔''

''نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ بس! کچھ تھکن سی محسوس ہو رہی ہے۔ ویسے بھی اب یہ رقص ختم ہونے والا ہے۔ آخری مراحل میں ہے۔'' لیشی کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ڈھول بند ہو گئے اور ایک دم سکوت چھا گیا۔

میں نے لیشی کا ہاتھ پکڑا اور ہم واپسی کے لئے مڑ گئے۔ وہ کچھ خاموش سی تھی۔ ہم دریا کے کنارے اُسی جگہ آ گئے جہاں ہماری کشتی موجود تھی۔ لیشی نے صاف اور ہموار جگہ دیکھ کر وہاں پر ڈیرہ ڈال دیا۔ کشتی سے کچھ چیزیں اُتار کر زمین پر بچھا دی گئیں۔ میں نے لیشی سے پوچھا۔ ''کیا اُسے بھوک نہیں لگ رہی؟''

''اگر تم کہو تو تمہارے لئے بندوبست کر دوں؟''

''نہیں..... مجھے بھی بھوک نہیں لگ رہی۔ لیکن ایک سوال میں تم سے ضرور کروں گا۔''

''کیا؟''

''تم اچانک کچھ سنجیدہ سی ہوگئیں۔''

''ہاں..... جانے کیوں اُس لڑکی کا اچانک تمہارے سامنے اس طرح کھڑے ہو جانا، مجھے ناگوار گزرا ہے۔ عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی تمہیں۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا؟''

''ہاں! محسوس کیا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے، کیا بات ہوسکتی ہے؟''

''کچھ نہیں۔ یہ لوگ اب بھی کہیں کہیں پسماندہ ہیں۔ لڑکی کہیں تمہاری طرف متوجہ نہ ہو گئی ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ تمہارے لئے مشکل بن سکتی ہے۔''

''اوہ.....'' میں ہنس پڑا۔ ''اچھی بات ہے۔ افریقہ کی اس مہم میں کم از کم یہ تجربہ بھی ہو جائے گا۔''

لیشی نے پہلی بار ایسی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو۔ اُس کے ہونٹ کپکپائے اور پھر وہ ہنسنے لگی۔ ''ہاں..... ٹھیک ہے۔ اگر وہ تمہاری طرف راغب ہو جائے تو پھر تم یہیں رہ جانا۔''

''کیوں؟''

''ظاہر ہے وہ تمہارے ساتھ تو یہاں سے جائے گی نہیں۔''

''ارے باپ رے..... اس کا مطلب.....؟''

''ہاں، ہاں! کوئی حرج نہیں ہے۔ یہاں کی زندگی اتنی بری تو نہیں ہے۔''

''تم نے مجھے خوف زدہ کر دیا ہے لیشی! میں ایسا بھیانک تجربہ بھی نہیں چاہتا۔ چلو! ابھی اسی وقت یہاں سے نکل چلیں۔ میں خوف زدہ ہو گیا ہوں۔''

لیشی پھر ہنسنے لگی۔ ''بس! اتنی ہی دلچسپی ہے تمہیں ایڈونچر سے؟''

''ہاں! اگر صورت حال ایسی ہو تو پھر اتنی ہی دلچسپی لینا کافی ہے۔'' میں نے کہا اور وہ ہنستی رہی۔ ہم کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

پھر لیشی نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ ''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''او کے..... شب بخیر!'' میں نے جواب دیا اور لیشی کروٹ بدل کر گہری گہری سانسیں لینے لگی۔

میں اُس کے انداز پر غور کر رہا تھا۔ یورپ میں لڑکیاں بہت بے باک ہوتی ہیں۔ میں

نے ایسی افریقی لڑکیوں کو بھی دیکھا تھا جو یورپ کی آبادیوں میں وہاں کے باشندوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئی تھیں۔ لیکن لیشی کے اندر ایک رکھ رکھاؤ تھا۔ بالکل مشرقیت کا حامل..... جانے کتنی دیر اُس کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر نیند آ گئی۔

یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں کتنی دیر سویا ہوں۔ یکایک ہی آنکھ کھل گئی تھی اور میں نے ایک نسوانی ہاتھ کو اپنی گردن میں حمائل ہوتے محسوس کیا..... حواس جاگ گئے۔ میں نے سوچا کہ یا تو لیشی نے سوتے میں کروٹ بدلی ہے یا پھر ماحول اُس پر اثر انداز ہو گیا ہے۔ میں نے آنکھیں کھول کر اُس کا چہرہ دیکھا۔ لیکن دوسرے لمحے میں بری طرح اُچھل پڑا۔ میرے سامنے چاند کی روشنی میں ایک چہرہ نمایاں تھا۔ آدھا سفید، آدھا نیلا..... یہ وہی لڑکی تھی جو رقص کے دوران میرے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے آنکھیں دھوکہ دے رہی ہوں۔ میں پھرتی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس طرح اُٹھ جانے سے اُس کا بازو میری گردن سے نکل گیا تھا۔ میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں پراسرار سی چمک تھی۔ پھر میں نے گردن گھما کر لیشی کو دیکھا جو نہایت بے ترتیبی سے سو رہی تھی۔

جنگلی لڑکی کچھ دیر اسی طرح بیٹھی مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اُٹھ گئی۔ اور اس کے بعد اُسی پراسرار انداز میں چلتی ہوئی وہاں سے چلی گئی..... میرے اوسان خطا تھے۔ اُس کی اس طرح آمد، یہ بے تکلفی اور پھر خاموش واپسی بے حد پراسرار تھی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اُس چھوٹی قیامت کو میں عقب سے دیکھتا رہا۔
پراسرار چاندنی میں وہ ست روی سے آگے بڑھ رہی تھی اور میرے وجود میں پھریریاں سی دوڑ رہی تھیں۔ چلتے ہوئے وہ عقب سے اتنی حسین نظر آ رہی تھی کہ ذہن بھٹک جائے..... لیکن مجھ جیسے آدمی کا ذہن کہاں بھٹکتا ہے جس کی زندگی ہی خوف و ہراس سے عبارت ہوگئی ہو؟ میں تو اُس کے وجود کی دلکشی میں کھونے کی بجائے اپنے وجود کی سلامتی میں کھویا ہوا تھا۔ یہ نئی مصیبت کہاں سے گلے پڑ رہی تھی؟

اب تک کی زندگی میں کبھی وہ نہیں ہوا جو میں نے چاہا تھا۔ بلکہ وقت مجھے اپنے ساتھ لے کر سفر کر رہا تھا اور وہ جو بھی تبدیلی میرے اندر لانا چاہتا تھا، باآسانی لے آتا تھا۔ لیشی پاور کے ساتھ یہاں تک آنے کا پروگرام نہیں تھا۔ یہ سارا پروگرام اُس نے خود ہی بنایا تھا ورنہ میں اتنا دلیر کہاں کہ صحرائے اعظم کی ان ہولناک روایات کو فراموش کر دوں جو اچھے اچھوں کا پتا پانی کرتی ہیں۔

میں دیکھتا رہ گیا اور وہ پراسرار ساحرہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔ لیشی پاور ایسے پیارے انداز میں سو رہی تھی کہ دل خوامخواہ دھڑکنے لگا۔ میں نے آنے والی بلا پر لعنت بھیجی۔ اس سے بہتر تو لیشی پاور کا نظارہ تھا جو چاندنی کی دُلہن بنی زمین پر بے ترتیب پڑی ہوئی تھی۔ لیکن شاید دماغ میں شرافت کے کچھ ذرات اٹکے رہ گئے تھے۔ جی نہ چاہا کہ ایک سوئی ہوئی لڑکی کو اس طرح بے حجابی سے دیکھوں۔

میں اُس پر سے نظریں ہٹا کر پھر پراسرار ساحرہ کے بارے میں سوچنے لگا کہ یہ لڑکی تھی کون؟ کیا چاہتی ہے یہ؟ صحرائے اعظم کی یہ حسینہ اگر لیشی پاور کے بیان کے مطابق مہربان ہوگئی تو میرا کیا بنے گا؟ کیا میری کیفیت اُن بے شمار مہم جوؤں کی سی نہ ہوگی جو کسی جنگلی لڑکی کی قید میں زندگی کے دن تڑپ کر گزار دیتے ہیں.....

لیشی پاور نے کراہ کر کروٹ بدلی تو میں ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آ گیا۔ اُس حسینہ کا تصور ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔ بیٹھے بیٹھے تھکن ہونے لگی تو لیٹ گیا۔ کیا فائدہ اب ان احمقانہ سوچوں میں پھنسے رہنے کا؟ وہ جو کچھ بھی چاہتی ہے اگر فطرت کے مطابق غور کیا جائے تو کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ لیکن میں نے کب کسی لڑکی سے آگے بڑھ کر عشق کیا تھا، جو اب کروں گا..... دیکھوں یہ لیشی پاور کب تک اپنی قوتوں کو آزماتی ہے؟ اور اگر اس کی زبان نہ کھلے تو جہنم میں جائے۔ میں بھی اُس کے لئے کون سا مرے جا رہا ہوں؟

ذہن میں سناٹے در آئے۔ نیند شاید حملہ آور تھی۔ کچی نیند جاگا تھا۔ بس اُس کی بانہوں کا خیال آیا۔ دنیا کی کوئی بھی لڑکی ہو، اُس کے وجود کی نزاکتیں یکساں ہوتی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ ایلش نے بری راہوں پر ڈال دیا تھا۔ ورنہ شاید ''ہم بھی کام کے آدمی ہوتے'' ایلش کا تصور ذہن میں آیا تو اور بھی بہت سے کردار ذہن میں آنے لگے۔ اور پھر سب ایک دوسرے سے نبرد آزما ہو گئے۔ کوئی کسی کے بال گھسیٹ رہا تھا اور کوئی کان۔ کسی نے کسی کی ٹانگ پکڑی ہوئی تھی تو کوئی کسی کی ناک مروڑ رہا تھا۔

میں اُلجھنوں میں گھرا کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ سورج کی کرنوں نے پپوٹوں میں سرخ رنگ بکھیر دیا اور لیشی پاور نے زور سے جھنجھوڑا تو میں اُٹھ گیا۔ لیشی پاور کو دیکھا اور پھر خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ طلسمی حسینہ پھر سے واپس آ گئی ہے۔ لیکن یہ بات نہیں تھی۔ طلسمی حسینہ تو نہیں آئی تھی لیکن سورج کی کرنیں افریقہ کی روایتی گرمی جذب کر کے بدن میں چبھنے لگی تھیں۔ میں بوکھلائے ہوئے انداز میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

لیشی پاور نے مجھے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔ ''کیا بات ہے؟ کوئی خواب دیکھ رہے تھے؟''

''خواب.....؟'' میں نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی بھیانک خواب سے چونک گئے ہو۔''

''آہ..... لیشی پاور! بھیانک خواب تو میں جاگتی آنکھوں سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔''

''جاگتی آنکھوں سے تو تم صرف مجھے دیکھتے ہو۔ کیا میں کوئی بھیانک خواب ہوں؟''

''ارے نہیں..... مطلب یہ کہ صحرائے اعظم کی یہ زندگی، ہولناک واقعات، ہمارے

ساتھ پیش آنے والے یہ حادثات..... سب کچھ ایک بھیانک خواب ہی تو ہیں۔'' میں نے جلدی سے بات برابر کرنے کی کوشش کی۔

''خیر! اگر تم مجھے بھی ایک بھیانک خواب قرار دیتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جو تمہارا دل چاہے سمجھو۔''

''غلط فہمیوں کا شکار ہو کر میں تم سے جھگڑا نہیں کروں گا۔ درحقیقت یہاں کی زندگی سے کچھ اُلجھن سی ہونے لگی ہے۔''

''کمال ہے۔ مہم جو تو یہاں اپنی آدھی آدھی عمر گزار دیتے ہیں۔''

''میں صرف ''جو'' ہوں۔ مہم سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔''

''فضول باتیں چھوڑو اور ناشتہ کرلو۔ مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔''

لیشی نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء سجا دیں اور میں اُس کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گیا۔ بارہا دل میں خیال آیا کہ اُس عجیب و غریب لڑکی کے بارے میں اسے بتاؤں لیکن یہ میرا تجربہ تھا کہ لڑکیاں کہیں کی بھی ہوں۔ اُن کے سوچنے کا انداز ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر بدقسمتی سے کبھی لیشی کے عالم ہوش میں وہ لڑکی دوبارہ میرے سامنے آ گئی تو لیشی کی نگاہیں قابل دید ہوتیں اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے چھوڑ کر یہاں سے چلی جائے۔ کم از کم لیشی کی موجودگی میں اس بات کے امکانات تو تھے کہ ایک بار پھر مہذب زندگی میں لوٹ جاؤں گا۔ ہر چند کہ میں لیشی کو اس سلسلے میں مجبور نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن وہ بھی اکتا کر ضرور مجھ سے کہے گی کہ چلو! یہاں سے واپس چلتے ہیں۔ اور مجھے اُس دن کا انتظار تھا۔

''کیا خیال ہے؟ اب یہاں سے چلا جائے؟'' ناشتے کے بعد لیشی نے کہا۔ ''میں نے آگے راستوں کا تعین کرلیا ہے۔''

''آگے کے لئے؟'' میں نے بوکھلائے انداز میں کہا۔

''پھر؟''

''مم..... میں سمجھا پیچھے کے لئے۔''

''نہیں ڈیئر! ابھی تو صحرائے اعظم کے حسین ترین علاقے باقی ہیں۔ جب یہاں تک آئے ہو تو کم از کم دل میں یہ حسرت لے کر تو نہ جاؤ کہ صحرائے اعظم کے ان علاقوں کو تم

نہیں دیکھا جو روایتی حیثیت کے حامل ہیں۔''

میں نے دل ہی دل میں کہا کہ محترمہ! میری حسرت تو کچھ اور ہی ہے۔ لیکن کیا کروں؟ میری حسرتیں بھی میری طرح بدنصیب ہیں۔ ورنہ جہاں تک روایتوں کا تعلق ہے میری اپنی روایات ایسی عجیب و غریب ہیں کہ اگر تفصیلات بتاؤں تو آپ کبھی یقین نہ کریں گی۔ یا اگر یقین کرلیا تو مجھے داغِ مفارقت دے جائیں گی۔ چنانچہ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموشی سے گردن ہلا دی۔

''اب ہم یہاں سے نیاسافال چلیں گے۔'' لیشی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ''ہماری کشتی یہیں رہے گی اور ہم ان لوگوں سے گھوڑے حاصل کرلیں گے۔''

''یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ممکن ہوسکتا ہے؟'' میں نے کہا۔

''اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''کیوں نہیں؟ اب تک ہمیں کون سی دقت ہوئی ہے؟''

میں نے گردن ہلا دی۔ یہ بھی نہیں پوچھا کہ یہ نیاسافال ہے کیا چیز.....

لیشی پاور خاصی دیر تک وہاں رُکی اور اُس کے بعد بستی میں آ گئی جو بلاشبہ قدیم و جدید کا امتزاج تھی۔ ایک طرف ننگ دھڑنگ وحشی اِدھر سے اُدھر آتے جاتے نظر آ رہے تھے تو دوسری طرف اس قسم کے انتظامات بھی تھے جن سے یہ احساس ہو کہ وہ بالکل ہی غیر مہذب نہیں ہیں۔

لیشی نے گھوڑوں کے سلسلے میں کسی سے گفتگو کی اور پتہ نہیں کس انداز میں معاملات طے کر لئے۔ وہ شخص ہمیں اپنے ساتھ لے گیا اور دو چاق و چوبند اور توانا گھوڑے ہمارے حوالے کر دیئے۔ ضمانت کے طور پر کشتی اُس کے سپرد کر دی گئی تھی۔

دیگر ضروری تیاریوں کے بعد ہم نیاسافال چل پڑے۔ تنگ درے، پر پیچ گھاٹیاں، درخت، جنگل..... تقریباً چار یا پانچ گھنٹے تک گھوڑوں کا یہ سفر مسلسل کرنا پڑا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سفر کی رفتار تیز نہ تھی۔ لیکن گھوڑے کی پشت پر چار پانچ گھنٹے گزارنے کا مطلب یہ ہے کہ تمام ہڈیاں زبانِ حال سے چیخنے لگیں اور کم از کم میری ہڈیاں تو واقعی اب درد سے کراہ رہی تھیں۔ لیکن میں نے اس سلسلے میں لیشی پاور سے کوئی سوال نہیں کیا کہ یہ شانِ مردانگی کے خلاف تھا۔

پانچ چھ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم نے ایک سرسبز اور ہرے بھرے میدان میں قیام کیا.....''کیا یہی نیاسافال ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''نہیں.....ظاہر ہے چار پانچ گھنٹے کے اس سفر کے بعد اب گھوڑوں میں بھی سکت نہیں رہی تھی کہ وہاں تک مزید دوڑ سکیں۔ اور اس کے علاوہ ہم لوگ بھی تھک گئے ہیں۔ کل صبح تین گھنٹے کا سفر مزید کرنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد ہم نیاسافال پہنچ جائیں گے۔''

''گویا تقریباً آٹھ گھنٹے کا سفر؟ اُف میرے خدا! واپسی میں اگر یہ سفر مستقل کرنا پڑا تو کیا ہوگا.....؟''

''یہ تو تم پر منحصر ہے ڈیئر! کیا ضروری ہے کہ ہم مسلسل سفر کریں؟ میں تو دراصل اس جگہ پہنچنا چاہتی تھی۔ اس لئے میں نے مسلسل چار پانچ گھنٹے سفر کر ڈالا۔ اور پھر ہمارے پاس وقت بھی تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ کیوں وقت ضائع کیا جائے...؟''

میں نے فوراً تائید میں گردن ہلا دی۔ لیشی پاور نے شاید میرے انداز کے طنز کو محسوس نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد وہی معمولات..... رات کو ہم دونوں کی قربت..... بے اعتنائی.....خاموشی.....ایک دوسرے کی طرف سے تحریک کا انتظار اور اس کے بعد گہری نیند.....سب کچھ معمول کے مطابق ہی ہوا تھا۔ دوسری صبح بھی معمول کے مطابق ہی آنکھ کھلی۔

صبح کو لیشی پاور نے ناشتہ میرے سامنے رکھ دیا اور ہنس کر بولی۔ ''تم اپنی دُھن کے پکے ہو ڈیئر وان ڈارک!''

''تم نے مجھے منصور کہنے کا وعدہ کیا تھا۔'' میں نے کہا۔

''پتہ نہیں! یہ نام لیتے ہوئے مجھے دقت کیوں ہوتی ہے؟'' لیشی پاور نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔ ڈارک سے تمہیں دلچسپی ہے۔ اس لئے مجھے ڈارک ہی کہہ لیا کرو۔''

لیشی ہنسنے لگی۔ اور میں اُس سے پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ ''آخر یہ نیاسافال کیا چیز ہے جس کے لئے ہم اتنا لمبا سفر طے کر رہے ہیں؟''

''حسین ترین جگہ۔ علاقائی حیثیت سے بے مثال۔ نیاسافال سے تقریباً چار میل کے فاصلے پر گرین لیک ہے۔ تم اُسے دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ صاف و شفاف لیکن سبز پانی.....جبکہ لیک کی گہرائی میں کائی بھی نہیں ہے۔ سبزی بھی قدرتی ہے۔ اگر تم اُس جھیل

سے پانی نکالو گے، تب بھی تمہیں یہ کسی برتن میں صاف نظر آئے گا۔''

''گڈ.....کہیں یہ چشمہ حیات تو نہیں؟''

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''آبِ حیات کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟''

''نہیں.....تم مجھے بتاؤ!''

''چشمہ حیواں.....جس میں سے چند قطرے پینے کے بعد انسان ابد تک کے لئے جیتا ہے۔''

''توبہ.....ایسا جینا بھی کس کام کا.....''

''کیوں؟''

''بڑھاپا کتنی بدترین چیز ہوتی ہے۔ تم نے غور نہیں کیا؟''

''مگر آبِ حیات پینے کے بعد انسان بوڑھا بھی نہیں ہوتا'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''مگر تم یہ بتاؤ کہ نیاسافال جا کر ہم کریں گے کیا؟''

''اب تک کیا کرتے رہے ہیں؟'' لیشی نے اُلٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

''میرے خیال میں کچھ نہیں۔''

''تو پھر وہاں جا کر بھی کچھ نہیں کریں گے۔ بس! خوبصورت جگہ ہے۔ اور میں تمہیں اس علاقے سے پوری طرح روشناس کرا دینا چاہتی ہوں۔ ویسے تم سے ایک بات کہوں۔ تمہیں خوشی ہوگی۔''

''ہاں، ہاں.....کہو! بہت عرصے سے میں خوشیوں کو ترسا ہوا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہاں بہت سے سیاح آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے تمہیں وہاں مختلف ملکوں کے لوگ نظر آ جائیں۔''

''کیا واقعی؟'' میں خوشی سے اُچھل پڑا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں اُمید کی شمع روشن ہوئی تھی۔ انہی میں سے کوئی ایسا سیاح نظر آ جائے جس نے واپسی کے لئے رختِ سفر باندھا ہو اور مجھے اُس کی خدمت کرنے کا موقع مل جائے۔ لیشی پاور کو اگر دھوکہ دینا پڑے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ ان علاقوں کی رہنے والی تھی۔ واپس چلی جائے گی۔ لیکن مجھے

یہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا۔

میں نیا سافال جانے کے لئے خوش دلی سے تیار ہو گیا تھا۔ گھوڑوں کی ننگی پشت بلاشبہ پرگوشت تھی۔ اگر گھوڑے اس قدر جاندار نہ ہوتے اور اُن کی پشت پر سوکھی ہڈیاں ہوتیں تو میرا خدا ہی حافظ تھا۔ ہم بغیر زین کے سفر کرتے رہے۔ تین گھنٹے کا مسلسل سفر ہمارے لئے مصیبت ثابت ہوا تھا۔ لیشی میری نسبت زیادہ پرسکون نظر آ رہی تھی۔

پھر نیا سافال کا سلسلہ شروع ہو گیا..... آسمان کی بلندیوں سے پانی گر رہا تھا۔ بڑی بڑی سفید دھاریں حسین شکل میں بہت دُور تک ایک پہاڑی دیوار سے نیچے لڑھک رہی تھیں۔ نیچے ایک پرشور ندی بہہ رہی تھی۔ اطراف کے علاقے اس قدر سرسبز اور حسین تھے کہ الفاظ میں بیان مشکل ہے۔ یہاں تک نگاہ جاتی، برف پوش چوٹیاں اور سبزہ زار نظر آتے۔

میں اس علاقے میں آ کر کھو گیا۔ لیکن میری نگاہ اطراف میں بھی بھٹک رہی تھی۔ اکاذکا خیمے نظر آ رہے تھے اور میں اُن خیموں کے نزدیک صرف اس نظریئے سے پہنچا تھا کہ ممکن ہے کچھ غیر ملکی سیاحوں سے ملاقات ہو جائے۔ لیکن غیر ملکی سیاحوں کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ میں اس وقت یہاں آنے والا ہوں اور میرا ساتھ جو بھی حاصل کرتا ہے، اُس کے لئے مصیبتیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اتفاق سے غیر ملکی ایک بھی نہیں تھا۔ البتہ افریقہ کے مختلف حصوں سے لوگ آئے ہوئے تھے جو نیم مہذب تھے۔ چنانچہ اُن سے ملاقات کرنا بھی ضروری نہ سمجھا گیا۔

ہم لوگوں نے اپنے لئے بھی ایک جگہ ڈیرہ ڈال دیا۔ گو ہمارے پاس خیمہ نہیں تھا لیکن یہاں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ آسمان ابر آلود تھا اور آبشار کی وجہ سے ماحول میں ایک حسین سی خنکی رچی ہوئی تھی۔

''کہو کیسی جگہ ہے؟'' لیشی نے مجھ سے پوچھا۔

''بے حد حسین..... تمہاری موجودگی نے اسے اور بھی حسین بنا دیا ہے۔''

''جب تم یہ الفاظ ادا کرتے ہو تو مجھے ہنسی آنے لگتی ہے۔'' لیشی پاور نے کہا۔

''کیوں؟'' میں نے متعجبانہ انداز میں منہ کھول دیا۔

''تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو کسی کی موجودگی سے متاثر ہوتے ہیں۔''

''اوہ! نہیں..... ایسی بات نہیں ہے ڈیئر! دراصل میں جن لوگوں میں سے ہوں، اُن

کے بارے میں ذرا کم ہی لوگوں کو معلومات حاصل ہوتی ہیں۔''

''ہاں..... مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم بے حد عجیب انسان ہو۔''

''ویسے مجھے تم پر بھی حیرت ہوتی ہے کہ صرف ایک چھوٹی سی بات پر مجھے کس قدر اہمیت دی ہے۔''

''چھوٹی سی بات؟''

''ہاں! تمہارے پاپا کے سلسلے میں، میں نے تھوڑا سا کام کر دیا تھا اور اُس کے نتیجے میں تم نے اپنا اتنا قیمتی وقت میرے ساتھ ضائع کر دیا۔''

لیشی پاور مجھے عجیب سے انداز میں دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پاپا کا مسئلہ اُسی وقت ختم ہو گیا تھا۔''

''پھر؟''

''اس پھر کے آگے ایک طویل دیوار ہے جسے عبور کرنے کے لئے ہم دونوں میں سے کسی ایک کو جرات کرنا ہو گی۔'' اُس نے معنی خیز انداز میں کہا۔

میں خاموش ہی ہو گیا۔ بہتر یہی تھا کہ میں اس دیوار کو عبور کرنے کی جرات ہی نہ کروں۔ پتہ نہیں اس دیوار کے اُس طرف کیا موجود ہو.....

نیا سافال پر ہم نے پورا دن گزارا۔ اور اس کے بعد لیشی پاور مجھے دوسری صبح ساتھ لے کر گرین لیک چل پڑی۔ اس بات پر اُس نے بہت مایوسی کا اظہار کیا تھا کہ اتفاق سے ان دنوں یہاں سیاح موجود نہیں۔

گرین لیک واقعی دنیا کا آٹھواں عجوبہ تھی۔ یا شاید میں غلط کہہ رہا ہوں، نواں عجوبہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آٹھواں عجوبہ تو میں خود تھا۔ پانی واقعی سبز تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس میں کوئی ایسی شے بھی شامل نہ تھی جو اُس کا رنگ سبز کر دے۔ لیکن اس کافی وسیع و عریض علاقے میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی سمندر نما جھیل بلاشبہ بالکل سبز ہی تھی۔ اُس کا پانی بھی ہاتھوں میں لے کر دیکھا۔ اُس میں ہلکی سی سبزی کی آمیزش تھی۔

''کہو! اتنی عجیب چیز کو نہ دیکھتے تو کیا بعد میں اس کا افسوس نہ ہوتا؟'' لیشی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں..... یقیناً! حیرت انگیز بات ہے۔ کیا اس کا کبھی کیمیاوی تجزیہ کیا ہے؟''

''بے شمار بار۔ لیکن ابھی تک اس کے بارے میں کوئی حتمی رپورٹ شائع نہیں ہوئی کہ اس پانی کا رنگ سبز کیوں ہے؟''

''پینے میں یہ پانی کیسا ہے؟''

''پی کر دیکھو!''

''کہیں میرے سر پر سبزہ تو نہیں اُگ آئے گا؟''

''نہیں..... تم بالکل ٹھیک رہو گے۔''

میں نے پانی چکھ کر دیکھا۔ واقعی شیریں تھا۔ افریقہ میں ایسے عجائبات کی کمی نہیں ہے۔ ویسے گرین لیک کے آس پاس کافی جانور کلیلیں کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شکاریوں کے لئے تو یہ جگہ جنت سے کم نہیں تھی۔

ہم دیر تک گرین لیک کے آس پاس کے علاقوں کی سیر کرتے رہے۔

''کیا خیال ہے، یہیں رُکو گے یا واپسی کا سفر طے کریں؟'' لیشی نے مسکرا کر پوچھا۔

''کیوں..... کیا یہاں قیام نہیں کرو گی؟''

''بے مقصد ہی رہے گا۔'' اس سے زیادہ واضح الفاظ میں لیشی پاور اور کیا کہہ سکتی تھی؟ یہ الفاظ بھی نجانے اُس نے کتنی مشکل سے ادا کئے تھے۔

شام کے جھٹپٹے فضاؤں میں اُتر آئے۔ زمین پر دُھندلکا سا پھیلتا جا رہا تھا۔ گرین لیک کے آس پاس ہمیں کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی اب یہ بھیانک ویرانے ہماری عادت بن گئے تھے۔

میں اور لیشی واپس چل پڑے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ جھیل کے ساتھ ہی کسی خوبصورت جگہ کا انتخاب کر کے قیام کے انتظامات کئے جائیں گے۔ ہمارے گھوڑے سست رفتاری سے چل رہے تھے کہ اچانک ہی کچھ ہوا..... ایک ہلکی سی سرسراہٹ میں نے بھی سنی اور اس کے ساتھ ہی لیشی کے گھوڑے کی ہنہنانے کی آواز بھی اُبھری اور وہ الف ہو گیا۔ لیکن اُس نے دونوں پاؤں اُوپر اُٹھا کر نیچے رکھنے کی کوشش کی تو اوندھے منہ زمین پر آ رہا اِدھر وہ نیچے گر پڑی۔

میری سمجھ میں اس وقت کچھ نہیں آیا۔ لیکن میں نے ایک عجیب وغریب مڑی سی شے ضرور دیکھی جو گھوڑے کے اگلے پیروں کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ سنسناہٹ اسی کی وجہ سے

تھی۔ ابھی میں لیشی کے سلسلے میں کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ میرا گھوڑا بھی اُسی طرح الف ہو گیا اور میں نے پھرتی سے اپنے بدن کو سادھ لیا تاکہ گھوڑا منہ کے بل بھی گرے تو کم از کم میں سر کے بل نیچے نہ آؤں۔ لیکن میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں سلامت تھے۔ اس نے دونوں پاؤں زمین پر مارے اور ایسا جان توڑ کر بھاگا کہ مجھے اپنے آپ کو اُس کی پشت پر قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔

میرے منہ سے ارے ارے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اور میں گھوڑے کی لگامیں مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ مجھے اُس کی گردن سے چمٹ جانا ہی پڑا۔ ورنہ یقینی طور پر نیچے گرنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ گھوڑا یوں دوڑ رہا تھا جیسے اُس کی دُم میں آگ لگ گئی ہو۔ میں اُسے سنبھالنے کی ہر کوشش میں ناکام ہو گیا تو اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ اب میں اُس کی گردن سے اس طرح چمٹا ہوا تھا جیسے اُس کی پشت پر بالوں کی جگہ ایک انسان اُگ آیا ہو۔ ذرا بھی جنبش کرتا تو یقینی طور پر گھوڑے کی پشت سے نیچے گرنے سے بچا نہیں رہ سکتا تھا۔

گھوڑا دوڑتا رہا اور میں اُس کی پشت سے چمٹا رہا۔ ہر لمحے یہی احساس ہوتا تھا کہ اب ٹھوکر کھائے گا اور زمین پر آ رہے گا۔ لیشی کے لئے ایک لمحے بھی ذہن میں خیال نہیں آیا کہ اُس کا کیا ہوا ہو گا؟ گھوڑے سے گرنے کے بعد زندہ بچی یا مر گئی؟ یہ حادثہ اتنا ہی اچانک ہوا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں سلب ہو گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ گھوڑے کی رفتار سست ہونے لگی۔ میں ہوش و حواس سے عاری ہو چکا تھا۔ کان بند ہو گئے..... حواس نے ساتھ چھوڑ دیا.....

بالآخر گھوڑا رُک گیا۔ لیکن اب چاروں طرف اندھیرا پھیل چکا تھا اور مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ میں گرین لیک سے کس طرف نکل آیا ہوں؟ یہ راستہ نیاسافال کی طرف جاتا تھا یا کسی اور طرف؟ میں گھوڑے کی پشت پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ گھوڑا اب بالکل نارمل تھا تو میں نے اُس کا چاروں طرف سے جائزہ لیا اور اس کے بعد اطراف کا جائزہ لیا۔

چاروں اطراف درخت ہی درخت بکھرے ہوئے تھے۔ غالباً کوئی جنگل تھا۔ لیکن بہت گھنا نہیں تھا۔ چھدرے چھدرے درخت کافی فاصلے پر اُگے ہوئے تھے۔ لیکن میں یہ

فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ لیشی پاور سے جدا ہونے کے بعد تو میں بالکل ہی بے یارو مددگار رہ گیا تھا۔

مجھے اُن بے شمار افریقی مہم جوؤں کی کہانیاں یاد آگئیں جنہوں نے صحرائے اعظم میں بھوک اور پیاس سے دم توڑ دیا تھا۔ گھوڑے نے پلٹ کر مجھے اس انداز میں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ کب تک یہ مروت جاری رکھی جائے؟ ابھی ایک لات گھما کر دوں گا اور نیچے جا پڑو گے۔ بہتر ہے کہ تم خود ہی میری پشت سے نیچے اُتر آؤ..... میں بوکھلائے ہوئے انداز میں گھوڑے کی پشت سے نیچے اُتر گیا۔ درحقیقت گھوڑے کا مقصد ہی یہی تھا۔ اُس نے گردن ڈال دی اور گھاس کی تلاش میں آگے بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ احمقوں کی طرح کھڑا چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر مجھے خیال آیا کہ یہ سب ہوا کیا؟ کیا یہ سب کچھ اتفاق تھا یا اس میں کوئی راز پوشیدہ تھا؟ لیشی کا گھوڑا اچھا خاصا تھا۔ اُس نے ٹھوکر کیسے کھائی؟ اور اس کے ساتھ یہ تمام واقعہ کیسے بیتا؟ اور پھر میرا گھوڑا بھی ایسے بھاگا تھا جیسے..... مجھے وہ مڑی تڑی چیز نظر آئی جو سنسناتی ہوئی لیشی کے گھوڑے کے پیروں کے پاس سے گزر گئی تھی اور اس کے بعد اس کے گھوڑے کی یہ حالت ہوئی تھی۔ گویا یہ کوئی اتفاقیہ واقعہ یا حادثہ نہیں تھا بلکہ اس میں یقینی طور پر کوئی راز پوشیدہ تھا۔ لیکن کوئی فیصلہ کرنے سے ذہن قاصر تھا۔ اور جب کچھ سمجھ میں نہ آئے تو انسان کو چاہئے کہ وہ جہاں بھی ہو، لمبا لیٹ جائے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ گھوڑے کے سموں کی آواز اور اُس کے منہ سے نکلنے والی ہنہناہٹ مجھے اپنے ساتھ کسی جاندار کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ لیکن اس جنگل میں میرے اور گھوڑے کے علاوہ اور بھی بہت سے جاندار ہوں گے۔ اور اگر وہ جاندار میری طرف نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟ خونخوار اور وحشی درندے..... صحرائے اعظم افریقہ..... ویرانہ..... تنہا انسان اور اجنبی گھوڑا..... واہ! کیا عمدہ صورت حال ہے۔ ایسے میں کسی جانور کو میری تلاش میں کوئی دقت بھی نہیں ہوگی۔ ٹہلتا ہوا آئے گا اور مجھے اپنا نوالہ بنا جائے گا..... پورا بدن پسینے سے تر ہو گیا۔ میں خوف سے اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ مثال غلط ہو گئی تھی کہ تنہا انسان کو ایسے حالات میں زمین پر لیٹ کر آسمان کی طرف دیکھنا چاہئے۔ خیالات خود بخود اُس کے ذہن میں رینگ آتے ہیں۔ اس وقت تو جو خیال میرے ذہن میں رینگا تھا، وہ بہت ہی

ہولناک تھا۔

میں نے خوفزدہ ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ اب تو درخت بھی دُھندلانے لگے تھے۔ صرف یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ انسانی سائے کھڑے ہوئے ہوں اور مجھے مضحکہ خیز نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں۔ اس ویرانے میں جو کیفیت اس وقت مجھ پر بیت رہی تھی اُسے میں جانتا تھا یا میرا خدا۔

میں سہما سمٹا بیٹھا رہا۔ گھوڑے کو بار بار چمکار لیتا تھا تاکہ میری اُس سے شناسائی ہو جائے۔ اور وہ یہ سوچ کر کسی اور طرف نکل جانے کی کوشش نہ کرے کہ یہ بھی کوئی آدمی ہے جس سے بات چیت نہیں ہو سکتی..... میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور گھوڑے کے قریب بیٹھ گیا۔ میں اُس کی خوشامد کرنا چاہتا تھا۔ اُس سے کہنا چاہتا تھا کہ میرے بھائی! مجھے چھوڑ کر فرار ہونے کی کوشش مت کرنا۔ وہ شاید میرا مقصد سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ اُس نے بھی مجھ سے دلچسپی کا اظہار کیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اُس کے چہرے کے تاثرات مجھ سے مختلف نہیں ہیں۔

رات گزارنے کے لئے کوئی جگہ بھی تلاش نہیں کی جا سکتی تھی۔ جاتا تو کہاں جاتا؟ دیر تک خوفزدہ رہا۔ اور اس کے بعد گھوڑے سے چند گز کے فاصلے پر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ خوف و دہشت سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ہر لمحے یہی احساس ہوتا تھا کہ کسی درخت کے عقب سے شیر کی غراہٹ سنائی دے گی۔ دو خونخوار آنکھیں مجھے گھوریں گی۔ ایک جست لگائی جائے گی اور پھر میرے پھیپھڑے اُس کے دانتوں میں دبے ہوں گے.....

میں دل ہی دل لیشی کو گالیاں دینے لگا۔ خدا غارت کرے ان عورتوں کو..... جہاں بھی ہوتی ہیں، مردوں کے لئے مصیبت کا سامان ہی فراہم کرتی ہیں۔ ارے بھائی! مجھے کیا پڑی تھی صحرائے اعظم افریقہ میں بھٹکنے کی۔ زبردستی اپنی مہم جوئی کا ثبوت دینے کے لئے پکڑ لائی تھی وہاں سے اور یہاں لانے کے بعد ذلیل و خوار کر دیا۔ اب خود بھی پتہ نہیں کس عالم میں ہو گی۔ مر گئی ہو تو اچھا ہے۔ گھوڑے سے گر کر بھیجہ نکل گیا ہو خدا کرے..... میں اُسے کوستا رہا۔ خوامخواہ مجھے برباد کرنے کے لئے یہاں لے آئی اگر صبح گھوڑے پر بیٹھ کر سفر کا آغاز بھی کروں تو کون سی سمت اختیار کروں؟ مجھے کوئی پتہ ہے کہ کون سا راستہ کدھر جاتا ہے؟

دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے جن سے نجات پانے کا طریقہ یہی تھا کہ

اپنے آپ کو خدا کے بھروسے پر چھوڑ کر گھٹنوں میں منہ دے کر سو جاؤں۔ کسی طرح نیند آ جائے گی۔ نیند کے عالم میں مجھے کوئی جانور ہڑپ کر جائے تو کم از کم تکلیف تو نہیں ہو گی۔ یہ انتہائی بے بسی کا احساس تھا جس سے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

رائمیس کی طرف سے میں اتنا بد دِل ہو گیا تھا کہ میں نے اس وقت بھی اُسے مدد کے لئے نہ پکارا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اگر اُس بدرُوح کو دوبارہ سر پر مسلط کیا تو پھر مصیبتوں کے اس سفر میں کبھی کمی نہ ہو گی۔ اس سے تو بہتر ہے کہ زندگی کے سفر کا اختتام ہی ہو جائے۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا کہ ایک سرسراہٹ سنائی دی اور میں اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت دیکھنے والے میرا چہرہ دیکھتے تو شاید ہفتوں ہنستے رہتے۔ میں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ سرسراہٹ کی وجہ تو سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن کافی فاصلے پر ایک روشنی سی محسوس ہوئی..... کسی نے شاید آگ جلا رکھی تھی۔ میرے معبود! آخر موت آ ہی گئی قریب..... یہ یقیناً غولِ بیابانی میں سے کوئی ایک ہے جو آگ روشن کئے ہوئے ہے۔ لیکن آگ کی چھاؤں میں مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ کیا کروں؟ کیا اپنی موت کی جانب خود ہی قدم بڑھا دوں؟ میں نے سوچا۔ آخر آگ کس نے روشن کی؟ لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کرنے والا تو کوئی انسان ہی ہو سکتا ہے۔ کیا اس جگہ مجھ سے صرف دو سو گز کے فاصلے پر کوئی انسان موجود ہے؟ اور موجود ہے تو کون ہو سکتا ہے؟

میں ہچکچاہٹ کے عالم میں اپنی جگہ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ مجھے خیال آیا کہ آخر میں انسان ہوں۔ وہ لوگ بھی تو انسان ہی تھے جنہوں نے بڑی بڑی مہمات سر کیں اور انتہائی خوفناک حالات میں بھی اپنے ہوش و حواس برقرار رکھے۔ آگ میرے سامنے ہے تو اس کا راز جاننے کی کوشش کیوں نہ کروں؟ بڑی ہمت کرنے کے بعد میں نے اس آگ کی جانب قدم بڑھا دیئے.....

قدم گو، من من بھر کے ہو رہے تھے۔ لیکن میں آگ کے قریب پہنچ گیا۔ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن کی گئی تھی۔ لیکن اطراف میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آگ روشن کرنے کے لئے لکڑیاں جس انداز میں جمع کی گئی تھیں، اُن سے یہی انداز ہوتا تھا کہ یہ کسی انسان کا ہی کارنامہ ہے۔ لیکن وہ انسان کہاں

ہے؟ کیا وہ میری گھات میں ہے.....؟

دل چاہا کہ گڑگڑا کر اُس سے کہوں کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ لیکن مردانہ غیرت آڑے آئی اور میں یہ آوازیں نہ دے سکا۔ یا پھر مردانہ غیرت کا تصور صرف میرا اپنا ہو سکتا ہے کہ آواز ہی خوف کے مارے میرے حلق سے آزاد نہ ہونا چاہتی ہو۔ مصیبتوں کے جو پہاڑ بلکہ آسمان پے در پے مجھ پر ٹوٹتے رہتے تھے اب انہوں نے مجھے حالات سے سمجھوتہ کرنا سکھا دیا تھا۔ وقتی طور پر کسی بھی بات سے خوف زدہ ہو جاتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ خوف خود بخود زائل ہو جاتا تھا۔

میں چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اور پھر آگ کے قریب بیٹھ گیا۔ اب جو کوئی بھی ہے اور جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے کر لے۔ میں تو سرِ عام نیلام ہونے کے لئے ہی پیدا ہوا ہوں۔ دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ اور پھر واقعی حیرت ہونے لگی۔ آگ مدھم پڑتی جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ آگ جلانے والا آگ جلا کر آخر کہاں فرار ہو گیا؟ اور پھر میری نگاہ کچھ فاصلے پر پڑی اور میں دہشت سے اُچھل پڑا.....

کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن تھا کوئی انسان ہی۔ اس سے پہلے بھی میں یہ جگہ دیکھ چکا تھا، لیکن وہ یہاں موجود نہیں تھا۔ اور اب اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ جب اُس کی طرف سے کوئی جنبش نہ ہوئی تو میں خود ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور لرزتے قدموں سے اُس کے قریب پہنچ گیا۔ ایک بار پھر مجھے ایک ذہنی جھٹکا برداشت کرنا پڑا.....

وہ ایک عورت تھی۔ بلند و بالا قد و قامت کی مالک اور شاید جوان بھی۔ قریب سے دیکھنے پر یہ اندازہ بخوبی ہو جاتا تھا۔ گھٹنوں میں سر دیئے اور دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد لپیٹے بیٹھی تھی۔ قدموں کی چاپ پر اُس نے گردن اُٹھائی۔ عجیب پُراسرار سا انداز تھا..... لیکن مجھے حیرت سے دو قدم پیچھے ہٹ جانا پڑا..... یہ صورت میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ تیسری بار سامنے آئی تھی۔ پہلی بار اُس وقت جب رقص کے دوران وہ میرے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھی۔ دوسری بار اُس وقت جب رات کو وہ میرے بالکل نزدیک تھی اور تیسری بار اب.....

ہاں! یہ وہی پُراسرار لڑکی تھی۔

چند لمحے وہ مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ مجھے ایک

عجیب سا احساس ہوا۔ وہ بے حد دلکش تھی۔ جب میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا تو اُس نے اپنا چہرہ رنگوں سے رنگا ہوا تھا۔ دوبارہ بھی میں نے اُسے رنگے ہوئے چہرے کے ساتھ ہی دیکھا تھا۔ لیکن اس وقت اُس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں تھا سوائے اُس کی صورت کے اصل رنگ کے۔ مسکراہٹ میں بڑی دلکشی تھی۔ خدوخال بھی بے حد حسین تھے۔ چمپئی رنگ۔ کسی قدر موٹے ہونٹ لیکن انتہائی پرکشش، ستواں ناک اور سب سے حسین چیز جو اُس کے چہرے پر تھی، وہ اُس کی آنکھیں تھیں۔ گہری سیاہ، دل میں اُتر جانے والی حسین آنکھیں۔ میں ایک لمحے کے لئے اُس کے سحر میں کھو گیا۔ اس ایک لمحے میں مجھے یاد نہ رہا تھا کہ کیا صورت حال ہے؟ وہ مجھے دیکھ کر مسکراتی رہی۔ اس طرح بیٹھنے سے اُس کے لمبے اور سیاہ بال زمین پر بکھر گئے تھے۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے اور اس کے بعد میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''میں تم سے تیسری بار مل رہا ہوں۔'' اُس نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تب میں بھی اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''اور میرا خیال ہے یہ محض اتفاق نہیں ہے۔''

وہ اسی خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ جواب بھی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا اور بولا۔ ''اگر اس کی کوئی خاص وجہ ہے تو بہتر یہ ہے کہ مجھے بتا دیا جائے۔ اس وقت جب تم ناچ رہی تھیں اور اس وقت جب تم میرے قریب تھیں میں نے تمہیں ایک عجیب کیفیت میں دیکھا تھا اور اب تیسری بار تم مجھے یہاں مل رہی ہو۔ یقینی امر ہے کہ تم نے میرا تعاقب کیا ہے۔ تم جو کوئی بھی ہو، بہتر ہے کہ مجھے اپنے بارے میں بتا دو۔ اس طرح خاموش رہنے سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔''

اُس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ ختم ہوگئی۔ اور وہ اب سادہ سی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کھولے اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کیا قد و قامت تھا..... وہ ریڈ انڈین طرز کی کسی کھال کی پتلون پہنے ہوئے تھی جس کی چوڑی بیلٹ اُس کی پتلی کمر پر کسی ہوئی تھی۔ اُوپری جسم پر بھی ریڈ انڈین سٹائل کا ہی لباس تھا جس میں لوہے کے کچھ کڑے لگے ہوئے تھے۔ لمبے لمبے ہاتھ پاؤں، بلند و بالا قد، انتہائی متناسب بدن..... وہ گھومی اور ایک دوشاخہ درخت کی جانب چل پڑی۔ مجھے اس طرف سے گھوڑے کی کھر کھر کی آواز سنائی دی اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ ویسے بھی ظاہری امر تھا کہ

وہ گھوڑے پر ہی یہاں تک آئی ہوگی۔ لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ کیا اُس نے میرا تعاقب کیا تھا؟ مگر اس کی وجہ؟ کیا اس کے پس پردہ بھی کوئی خاص بات تھی اور ہمارے ساتھ پیش آنے والا حادثہ اُس خطرناک لڑکی کی کوششوں کا مرہون منت تھا؟ مجھے وہ مڑی تڑی سی چیز یاد آ گئی جو لیشی پاور کے گھوڑے کی ٹانگوں کو توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ یہ لڑکی واقعی بے حد پراسرار تھی۔ مگر اسے مجھ سے کیا دلچسپی ہوگئی؟

میں انتظار کرتا رہا۔ اور چند لمحوں میں وہ واپس آ گئی۔ کچھ چیزیں اُس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھیں۔ اُس نے نیچے بیٹھ کر کسی درخت کے چوڑے پتے زمین پر بچھائے اور پھر ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نکال کر اُن پتوں پر رکھ دی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کسی جانور کی بھنی ہوئی ران تھی۔ میرے منہ میں پانی بھر آیا اور یہ احساس ہوا کہ آنتیں پیٹ میں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ اُس نے پانی کا ایک برتن بھی میرے سامنے رکھ دیا جو لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ گویا وہ میری ضیافت کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس قدر خاموش.....

میں نے اُس کی جانب دیکھا تو اُس نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور ران کی جانب اس طرح اشارہ کیا جیسے مجھ سے کہہ رہی ہو کہ دیر نہ کروں..... میں نے اُسے بھی پیش کش کی۔ لیکن وہ پھر اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئی اور میں دانتوں سے ران کا گوشت اُدھیڑنے لگا۔ انتہائی نرم اور خستہ گوشت تھا۔ بالکل پھیکا۔ نمک وغیرہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ لیکن بھنا ہوا تھا۔ چنانچہ میں اُسے دانتوں سے اُدھیڑ کر معدے میں اُتارتا رہا۔ وہ مطمئن انداز میں بیٹھی تھی۔ معدے میں کچھ وزن پیدا ہوا اور طبیعت پر بحالی سی آ گئی۔ اب تک کی جو کیفیت تھی وہ رفتہ رفتہ ختم ہوتی جا رہی تھی۔

اُس نے ابھی تک میری کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے میں نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وہ انگریزی نہیں سمجھتی۔ وہ بظاہر افریقی نہیں محسوس ہوتی تھی۔ لیکن یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی کہ میں نے اُسے افریقیوں کے ایک قبیلے کے ساتھ رقص کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

معدے کے وزن نے آنکھوں میں نیند لانی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ میں وہیں لیٹ گیا اور خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ اُس نے بھی اسی طرح گھٹنوں میں منہ دے کر سر چھپا لیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ میں نے جب بھی اُسے دیکھا، وہ مجھے اسی طرح بیٹھی ہوئی نظر

آئی۔ جانے کیوں ایک بے چینی کا احساس ہونے لگا۔ لیکن پھر نیند نے تمام احساسات چھین لئے اور میں گہری نیند سو گیا.....

دوسری صبح آنکھ کھلی تو چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ لڑکی کہیں نہیں تھی۔ لیکن ایک گھوڑا مجھے نظر آ گیا۔ وہ میرا ہی گھوڑا تھا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور درخت کے عقب میں پہنچ گیا۔ موٹے کینوس کا ایک تھیلا وہاں موجود تھا جو انتہائی جدید ساخت کا تھا۔ اُس میں زِپ لگی ہوئی تھی اور زِپ میں مخصوص قسم کے نمبروں سے کھلنے والا تالا۔ اُسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ اُس افریقی لڑکی کے پاس اس تھیلے کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟

میں نے ٹٹول کو تھیلے کو دیکھا۔ جانے کیا کیا الم غلم، اُس میں بھرا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اب کیا کروں؟ ایک لمحے کے لئے سوچا کہ تھیلا اُٹھا کر کندھوں پر باندھوں، گھوڑے پر بیٹھوں اور یہاں سے فرار ہو جاؤں..... لیکن ابھی کوئی فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس کے بعد میں نے اُسے دیکھ لیا۔ وہ گھوڑے پر واپس آ رہی تھی۔ اُس کے شانوں پر کوئی چیز لٹکی ہوئی تھی۔ قریب آئی تو میں نے دیکھا کہ شانوں پر لٹکی ہوئی چیز ہرن ہے جسے اُس نے شکار کیا تھا۔ اُس نے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ہرن کو اُتار کر نیچے پھینک دیا اور پھر خود بھی گھوڑے سے نیچے اُتر آئی۔ اُس کے انداز میں اتنی پھرتی اور مستعدی تھی کہ مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ انتہائی طاقتور اور پھرتیلی لڑکی ہے۔ اُس نے تھیلے کے قریب پہنچ کر اُس کا تالا کھولا اور ایک لمبا سا چھرا نکال لیا۔ اُس نے چھرا ہرن کی گردن پر پھیر دیا اور ہرن کی گردن سے تازہ تازہ خون بہہ نکلا۔ پھر اس نے اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں اور انہیں اُٹھا کر درخت کی ایک شاخ پر لٹکا دیا۔ اُوپر سے اُس نے دونوں ٹانگوں کو پکڑ کر مروڑا۔ ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ میں نے اپنے بدن میں ایک پھریری سی محسوس کی تھی۔ اتنی طاقتور لڑکی میں نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کیمورا بھی طاقتور تھی۔ لیکن اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اُنگلیوں کی مدد سے ہرن کی پوری کھال اُتار پھینکی۔ اُس نے پھر ایک کپڑا لیا اور ہرن کے اندرونی بدن کو صاف کر دیا۔

میں نے سوچا حرام خوری مناسب نہیں ہے۔ وہ صبح کے ناشتے کا ہی نہیں، غالباً دن بھر کے کھانے کا بندوبست کر رہی تھی۔ چنانچہ تھوڑی سی کارروائی میری بھی ضرور ہونی چاہئے۔

میں نے فوراً ہی خشک لکڑیوں کی ٹکٹکیاں تلاش کیں اور اُن پر ایک ایسی لکڑی رکھی جو ہرن کو آگ پر گھما سکے۔ بے شمار چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جمع کر کے میں نے نیچے رکھ دیں۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے کئی بار مجھے دیکھ چکی تھی۔ پھر اُس نے اپنے تھیلے میں سے ماچس نکال کر میری طرف اُچھال دی اور میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ محترمہ تمام انتظامات سے لیس ہیں۔ میں نے لکڑیاں سلگا دیں۔

اس دوران وہ ہرن کو بالکل صاف کر چکی تھی۔ پھر اُس نے ٹکٹکی پر رکھی ہوئی لکڑی اُٹھائی اور ہرن کو اُس میں پرو دیا۔ ہرن کافی وزنی تھا۔ لیکن لڑکی نے اس طرح اُسے لکڑی میں پرو دیا تھا جیسے وہ بے وزن ہو۔ مجھے دل میں اپنے مستقبل کا خیال آ گیا۔ جس وقت بھی اُسے طیش آ گیا، اُسی وقت مجھے اس ہرن کی طرح کسی ٹکٹکی پر بھننا پڑے گا۔

وہ پانی سے ہاتھ دھو کر ایک سمت جا بیٹھی۔ گویا اب اُس نے باقی ذمہ داری میرے سپرد کر دی تھی۔ جب ہرن تیار ہو گیا تو وہ اُٹھی۔ چھرا اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اُس نے اُسے اپنی پتلون سے صاف کیا اور اس کا دستہ زور سے ہرن کے بازو پر مارا۔ آپ لوگ اس بات پر شاید یقین نہ کریں لیکن ہرن کے بازو کی ہڈی تک کٹ گئی تھی۔ وہ اطمینان سے چھرے کو ہرن کی پسلیوں میں چبھو کر اور اُس کی ران ہاتھ میں لئے آگے بڑھ گئی اور اپنی جگہ بیٹھ کر اُسے دانتوں سے اُدھیڑنے لگی۔ گویا اب اپنے لئے گوشت حاصل کرنا میرا کام تھا۔ میں نے چھرا ہرن کی پسلیوں سے نکال کر اُس کی مانند اُس کے دوسرے ہاتھ پر نہیں مارا۔ خوامخواہ اُس کے سامنے بے عزتی ہوتی۔ گوشت ہی کٹ جاتا تو دوسری بات تھی۔ ہڈی کیسے کاٹی جا سکتی تھی؟ میں نے ہرن کے گوشت کو ہڈی تک کاٹ لیا اور پھر چھرے کو اس جگہ سے گزارنے لگا جہاں جوڑ ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس میں مجھے دقت نہیں ہوئی۔ اپنے حصے کا بازو لے کر میں اُس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا اور ہم دونوں پیٹ بھرنے لگے۔ اُس کے انداز میں بڑی وحشت تھی۔ ایک ران کھانے کے بعد اُس نے دوسری ران اُسی انداز میں اُٹھائی اور اُسے بھی چٹ کر گئی جبکہ میرے لئے ایک بازو کھانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔

شکم سیر ہونے کے بعد وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اب وہ یہاں سے آگے کا سفر کرنا چاہتی ہے۔ میں نے ایک بار پھر اُس سے دست بستہ عرض کیا کہ میں ایک غریب انسان ہوں اور اُس کی ان عنایتوں کا صلہ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ مجھے

واپس جانے دیا جائے۔ اُس کے منہ سے اب بھی کچھ نہیں نکلا تھا۔

میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''محترمہ! اگر آپ میری زبان نہیں سمجھتیں تو اپنی ہی زبان میں کچھ بکواس فرمایئے.....''

اُس نے کینوس کا تھیلا اُٹھا کر کندھوں پر باندھا اور سیدھی کھڑی ہوگئی۔ پھر اُس نے اُنگلی سے مجھے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ میں اپنا گھوڑا بھی لے آؤں۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا گھوڑا سنبھال لیا اور پھر ہمارا سفر شروع ہوگیا..... گھوڑے کی پشت پر وہ اس طرح جمی ہوئی تھی جیسے ساری زندگی، گھوڑے کی سواری میں ہی گزار دی ہو۔ دوپہر کو وہی گوشت کھایا گیا جو صبح کو بھونا گیا تھا۔ لیکن یہاں اُس نے باقی ماندہ گوشت محفوظ کرنے کی بجائے ایک طرف پھینک دیا۔ میں نے پر اضطراب نگاہوں سے اُس کی یہ حرکت دیکھی۔ لیکن اُس کے انداز میں اعتماد تھا جیسے اس کے بعد اُسے تازہ گوشت کے مل جانے کا یقین تھا۔

دوپہر کا سورج ڈھل گیا۔ گرمی نے پورا بدن پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ لیکن انتہائی گرم تھی۔ اور جسم کے کھلے ہوئے حصے بری طرح جھلس کر رہ گئے تھے۔ واقعی پورا بدن شدید تھکن کا شکار تھا۔ لیکن میری نگاہ جب بھی اپنے گھوڑے کے ساتھ ساتھ دوڑنے والے دوسرے گھوڑے کی سوار پر پڑتی، میں دل ہی دل میں اُس کی قوت برداشت کا معترف ہوئے بغیر نہ رہتا۔ اُس کے چہرے پر تھکن کی ایک شکن بھی نہیں تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے چاروں طرف کے مناظر دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے تھوڑی سی جھلاہٹ بھی محسوس ہوئی۔ اس گونگی ہمسفر کا کیا، کیا جائے؟ کاش! وہ بولنا جانتی تو کم از کم زبان کو زنگ نہ لگتا۔ بہت سے عُقدے حل ہو جاتے۔ میں نے دانت پیس کر دوسرے گھوڑے کی طرف دیکھا اور اس وقت وہ بھی میری جانب متوجہ ہوگئی۔ کمبخت کے چہرے پر نگاہ پڑتی تو ایک لمحے کے لئے ذہن بھٹک جاتا۔ بڑی ساحرانہ قوت تھی اُس کی نگاہوں اور مسکراہٹ میں۔ آدمی اس میں کھو کر رہ جاتا تھا۔ رامیس کی صحبت اور جدید ترین ملکوں کی حسیناؤں نے میرا اخلاق بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ذہن میں وہ تمام چیزیں پیدا نہ ہوسکی تھیں جو بے حیائی کی حدود میں داخل ہو جاتی ہیں۔ میں کسی کی پسندیدگی کے باوجود بے لگام نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی اُس کا چہرہ دیکھ کر غصے کے تاثرات تو ذہن

سے نکل گئے تھے۔ لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ ہوسکا۔

شام گہری ہوگئی۔ ایک جگہ قیام کے لئے منتخب کر لی گئی۔ صحرائے اعظم کے بارے میں ظاہر ہے اس سے زیادہ معلومات کس کو ہوسکتی تھیں؟ جس جگہ اُس نے قیام کیا تھا وہاں جنگلات تو نہ تھے۔ لیکن نہ ہونے کے برابر البتہ جانور یہاں بھی بھٹک رہے تھے۔ میں نے گھاس کا ایک قطعہ منتخب کیا اور وہاں لمبا لمبا لیٹ گیا۔ بدن کے ساتھ ساتھ سر بھی چکرا رہا تھا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ ذہن کو کچھ سکون محسوس ہوا تو میں نے کہنیوں کے بل ٹک کر اُس کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں اور اُسے دبے قدموں ایک جانب بڑھتے ہوئے دیکھا۔

ایک اور منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ مڑی ہوئی ایک لکڑی جیسا ایک ٹکڑا اُس کے ہاتھ میں تھا جو سنسناتا ہوا اُس کے ہاتھ سے نکلا اور سامنے دوڑنے والے ہرن کے ایک بچے کی ٹانگوں میں لگا۔ وہ بری طرح اُچھل کر نیچے گرا جبکہ لکڑی کا وہ ٹکڑا واپس اُس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ میرے ذہن نے فوراً ہی نعرہ لگایا ''بومرینگ'' آسٹریلیا کے قدیم باشندوں کا قدیم ترین ہتھیار جسے وہ ہر چیز میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یقینی طور پر یہ بومرینگ ہی تھا۔ لیکن حیرت کی بات تھی کہ یہ لڑکی افریقی نژاد ہونے کے باوجود بومرینگ کے استعمال سے واقف تھی۔ اچانک ہی اُس کے خدوخال میں مجھے آسٹریلیا کے باشندوں کی جھلک نظر آنے لگی۔ لیکن ایک آسٹریلوی حسینہ صحرائے اعظم میں..... میں سوچتا رہا۔ اب مجھے اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ لیشی کے گھوڑے کو جس چیز نے ناکارہ کیا تھا، وہ بھی بومرینگ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انہی خاتون نے لیشی کا پتا صاف کیا تھا۔ مگر کیوں؟ اگر مجھ پر مہربان ہوگئی تھیں تو ان مہربانیوں کے اظہار کا دوسرا طریقہ بھی ہوسکتا تھا۔

ہرن کے بچے کو اُٹھا کر وہ مجھے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔ اب ظاہر تھا کہ مجھے گھڑ گھریلو خواتین کی طرح اس شکار کو بھوننے کا انتظام کرنا تھا۔ ذمہ داری ایک بار قبول کر لی تھی تو اب اُسے نبھانا ہی چاہئے تھا تاکہ تعاون کا اظہار ہوتا رہے اور یہ ہولناک حسینہ مجھ سے بدظن نہ ہونے پائے۔ چنانچہ میں نے اور اُس نے وہی کچھ کیا جو صبح کر چکے تھے۔ شکم سیر ہونے کے بعد بدن پر عجیب سی تھکن سوار ہوگئی اور میں وہیں لیٹ گیا۔ پھر جانے کب آنکھ لگ گئی.....

☆.....☆.....☆

دوبارہ ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹا تو رات کا ہی وقت تھا۔ لیکن پورے دنوں کی چاندنی نے پورے جنگل کو منور کر رکھا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ میرے قریب ہی بے سدھ لیٹی ہوئی تھی۔ کچھ دیر میں اُسے نظروں میں سموتا رہا، پھر اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ بدن میں عجیب سی چپچپاہٹ تھی۔ پسینے اور گرمی نے بیڑہ غرق کر دیا تھا۔ خیال آیا کہ کاش! پانی ہوتا تو نہا لیتا۔ دماغ میں جانے کیا سمائی کہ ایک طرف چل پڑا۔ درندوں کا خوف دامن گیر تھا۔ لیکن اس وقت معلوم نہیں، اتنی ساری بہادری کہاں سے آ گئی اور پھر اُس بہادری کا صلہ بھی مجھے مل گیا۔ میں اچانک ہی ایک جھیل کے کنارے پہنچا تھا جو درختوں نے پوشیدہ کر رکھی تھی۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر کچھ آزادیاں حاصل کر کے میں نے جھیل میں چھلانگ لگا دی۔

پانی اتنا شفاف تھا کہ چاندنی میں اُس کی تہ تک نظر آتی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ لیکن مجھے کوئی آبی جانور نظر نہ آیا۔ میں اطمینان سے نہاتا رہا اور قدرت کی صناعیوں کی داد دیتا رہا۔ پھر ان صناعیوں میں ایک صناعی کا اضافہ ہو گیا..... میری نگاہیں اتفاقیہ طور پر ہی اُس طرف اُٹھ گئی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے تو دِل دھک سے رہ گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آبی جانور آ گیا ہو۔ لیکن چاندنی میں، میں نے اُسے دیکھا تو میرے پورے بدن میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ میں اُس کی آمد کو محسوس نہیں کر سکا اور نہ ہی مجھے یہ اندازہ ہوا تھا کہ کب وہ پانی میں داخل ہوئی؟ مجھے تو وہ کوئی جل پری ہی لگی تھی۔ میں ساکت ہو کر اُس جل پری کو دیکھنے لگا جو کسی پری کی مانند پانی میں کلیلیں کر رہی تھی۔ اُس کے لمبے سیاہ بال قیامت بنے ہوئے تھے۔ جب بھی وہ کروٹ بدل کر پانی کی تہہ میں ترچھی تیرتی، مجھے محسوس ہوتا جیسے کسی نے کمان سے تیر چھوڑا ہو۔ تیرنے کا انداز بھی میرے لئے بالکل اجنبی اور انوکھا تھا۔ وہ میرے اطراف ہی میں چکرا رہی تھی اور میں شدت حیرت سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

میرے پورے بدن میں چیونٹیاں تیرنے لگی تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آسمان پر چاند کی بجائے سورج دوبارہ نکل آیا ہو۔

میری آنکھوں میں جلن پیدا ہونے لگی۔ میں نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اُس پر نگاہیں ہی نہ ٹک پا رہی تھیں۔ پھر اچانک یہ احساس ہوا کہ جس طرح میں اُسے دیکھ سکتا ہوں، اُسی طرح وہ بھی مجھے دیکھ سکتی ہے اور جانے کیوں مشرق میرے ذہن میں آ رچا۔ میں نے فوراً کنارے کی جانب تیرنا شروع کر دیا۔ لیکن آفت کی وہ پرکالہ بار بار میرے سامنے آ جاتی جیسے میرا راستہ روکنا چاہتی ہو۔ مگر ساتھ یہ بھی چاہتی ہو کہ جانے والا خود رُکے۔ مگر اِن تِلوں میں تیل تھا ہی کب؟

کنارے پر آ کر میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر اُسے دیکھتا رہا۔ اور وہ چاندنی کا ہیولا بنی جھیل گردی کرتی رہی۔ بلا شبہ یہ میری زندگی کا اتنا حسین منظر تھا کہ میں نے کبھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ ایک طرح سے جائز نہیں ہے۔ ذہن پر خوامخواہ اخلاقیات کے لبادے آ پڑے اور میں وہاں سے پلٹ آیا۔ یہ الگ بات تھی کہ دل کو قرار نہ تھا۔ آنکھیں بند کیں تو وہ پوری جھیل سمیت آنکھوں میں اُتر آئی۔ ایک لمحے کے لئے میں نے دل میں سوچا کہ شاید وہ میرے رویئے سے بد دِل ہو گئی ہو۔ وہ تو اپنے طور پر میرا ساتھ قبول کر چکی تھی۔ لیکن میں نے اُسے قبول نہیں کیا تھا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زمین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ وہ آ گئی تھی..... میں نے آنکھوں میں درز پیدا کر کے اُسے دیکھا اور اُس دن مجھے پتہ چلا کہ بھیگا حسن کتنا دلفریب اور توبہ شکن ہوتا ہے۔ اُس نے میری طرف نہیں دیکھا اور کچھ فاصلے پر جا کر اپنے مخصوص انداز، یعنی گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ میں نے پوری آنکھیں کھول دیں۔ پتہ نہیں اُس کے ذہن میں کیا کیا خیالات گردش کر رہے تھے؟ لیکن میں اپنے خیالات کا اظہار اُس پر قطعی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہاں..... جانے کیوں ذہن میں راعمیس کی آواز اُبھر رہی تھی۔ وہ مجھے گالیاں دے رہا تھا۔ ہونٹ سکوڑ سکوڑ کر کوس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس حسین منظر میں، میں گم کیوں نہیں ہو جاتا؟ لیکن راعمیس کی خواہش پوری کرنا میرے لئے سب سے بدترین فعل تھا۔ چنانچہ میں نے کروٹ بدل لی تا کہ وہ

میری نگاہوں کے سامنے نہ رہے۔ کچھ دیر میں یوں ہی لیٹا رہا۔ پھر نیند کی دیوی آنکھوں میں پیوست ہوگئی اور میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح وہ پرسکون تھی۔ ناشتہ رات کے بھنے گوشت کا ہی تھا۔ پتہ نہیں کیوں اُس نے نیا شکار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میں نے اُسے دیکھا اور رات کا منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ لیکن میں نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔ وہ بھی اپنے چہرے سے کسی خاص کیفیت کا شکار نظر آ رہی تھی۔ اُس کے انداز میں بیزاری تھی نہ رُوٹھا پن۔ جیسے جو کچھ ہوا ہو، وہ اُس کے لئے بالکل تعجب خیز نہ ہو۔ میں نے اگر اُس کی نسوانیت کو قبول نہیں کیا تھا تو اُس نے اس پر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے اپنا تھیلا معمول کے مطابق کندھوں پر باندھا۔ میں جانتا تھا کہ اب گھوڑوں کے سفر کا آغاز ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے بھی تیاریاں کیں اور بالآخر اُس کے گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد خود بھی سوار ہو گیا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب میں کیا کروں؟ میں نے دل میں یہ فیصلہ ضرور کیا تھا کہ اگر مجھے کسی دوسرے انسان کا وجود نظر آ گیا تو یقینی طور پر ان خاتون کو بھی قسمت پر چھوڑنے کی کوشش کروں گا۔ ظاہر ہے زبان ہی نہیں ہے اس کے پاس جو مجھے یہ پتہ چل سکے کہ آخر وہ کون سے جہنم میں جا رہی ہے؟ اُس دن کا سفر بھی دوسرے دن کے سفر سے مختلف نہیں تھا۔ دوپہر کو ہم ایک پتھریلے میدان سے گزرے جس میں پیلے رنگ کی باریک باریک ریت بچھی نظر آ رہی تھی۔ اُس کے انتہائی سرے پر ہمیں کچھ کھنڈرات نظر آئے۔

میں حیرت زدہ نگاہوں سے اُن کھنڈرات کو دیکھنے لگا۔ صحرائے اعظم کے اس دُور دراز علاقے میں یہ کھنڈرات کیا حیثیت رکھتے تھے؟ یہاں تو اس جدید ترین دور میں بھی باقاعدہ عمارات یا مکانات بنانے کا رواج نہیں تھا۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور پھر خود ہی برا سا منہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ وہ بھلا مجھے ان کھنڈرات کے بارے میں کیا بتا سکتی تھی؟

ہمارا رخ بھی انہی کھنڈرات کی جانب تھا۔ گھوڑوں کو سفر میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ بھی پسینے میں تر تھے۔ جب کچھ اور آگے بڑھے تو یہ انکشاف ہوا کہ وہ کھنڈرات نہیں بلکہ پہاڑیاں ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے جن میں ہواؤں نے

سوراخ کر کے انہیں عجیب و غریب شکلیں دے دی تھیں۔ دروازے، غلام گردشیں، چھتیں، سائبان سب کے سب ہوا کی تراش کا کمال پیش کر رہے تھے۔ بہت عجیب اور پراسرار جگہ تھی۔ الگ الگ بنے ہوئے ان کھنڈرات کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ غولِ بیابانی کیا چیز ہوتے ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم اُن کھنڈرات کے قریب پہنچ گئے۔ آگے جانے کا راستہ اُنہی کھنڈرات کے درمیان سے گزرتا تھا۔ ہم کھنڈرات میں داخل ہو گئے۔ ایک درمیانی دراڑ میں پہنچے تو ایسی عمدہ ٹھنڈک محسوس ہوئی جیسے ایئر کنڈیشنڈ عمارت میں آ گئے ہوں۔ اُس نے گھوڑا روک دیا اور میں بھی فوراً ہی گھوڑے کو روک کر نیچے کود پڑا۔ وہ بھی شاید یہاں قیام کرنے پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ دونوں گھوڑوں کو وہیں چھوڑ دیا گیا اور اُن کی لگامیں ایک پتھر سے اُلجھا دی گئیں۔ میں نے ایک صاف و ہموار جگہ دیکھی اور پھر وہیں دراز ہو گیا۔ اُس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے خود بھی اس آرام سے متفق ہو۔ اور پھر وہ بھی بے سدھ ہو کر ایک طرف لیٹ گئی۔ تقریباً آدھا گھنٹہ ہمیں اسی طرح لیٹے لیٹے گزر گیا۔ پھر وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور پتھر کے ایک نوک دار ٹکڑے سے پہاڑ کی سل سے کچھ لکیریں کاڑھنے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان لکیروں کا کاڑھنا بے مقصد نہیں ہے۔ اُس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی تھا جسے وہ بار بار دیکھتی جا رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے کھنکارا تو وہ میری جانب متوجہ ہو گئی۔ اُس کی حسین آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے پھر چمک لہرائی۔ دوسرے لمحے اُس نے اپنا ہاتھ میری جانب اُٹھایا اور قریب آنے کا اشارہ کرنے لگی۔

''خیریت.....؟'' میں نے بیزاری سے پوچھا۔

اُس نے زور زور سے مجھے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اُس کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اُس نے کاغذ کا ایک نیلے رنگ کا ٹکڑا میرے سامنے کر دیا۔ اُس پر غالباً واٹر کلر سے کچھ تصویریں بنائی گئی تھیں۔ لکیریں، نشانات اور ایسی ہی دوسری چیزیں..... کاغذ کا یہ ٹکڑا غالباً بڑی احتیاط سے رکھا گیا تھا۔

میں نے غور سے اُسے دیکھا۔ لڑکی غالباً مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کاغذ کے ٹکڑے پر بنے ہوئے نشانات اور زمین کی لکیروں میں سو فیصد ہم آہنگی تھی۔ انہی میں مجھے

وہ کھنڈرات بھی نظر آ رہے تھے جن میں اس وقت ہم موجود تھے۔

لڑکی نے پتھر کے نوکیلے ٹکڑے سے ان کھنڈرات کی طرف اشارہ کیا اور انہیں نوک سے کھٹکھٹانے لگی۔ مقصد یہ تھا کہ کیا کاغذ پر بنے ہوئے نقشے میں یہ کھنڈرات نمایاں نظر نہیں آئے؟ اُس کی نگاہیں سوالیہ انداز میں میری جانب اُٹھی ہوئی تھیں۔ طوعاً و کرہاً میں نے اُس کے اس مشغلے میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میں نے اُس کی بنائی لکیروں کو دیکھا اور مجھے احساس ہوا کہ جن راستوں سے ہم گزرتے آئے ہیں، ان کی نشاندہی ان لکیروں میں کی گئی ہے۔ میرے دل میں ایک تجسس اور دلچسپی سی جاگ اُٹھی۔ میں نے کاغذ کے اُس ٹکڑے کو ہاتھ میں لیا اور اُسے بغور دیکھنے لگا۔ درمیان سے پھٹا ہوا تھا۔ اُس کی لمبائی بتاتی تھی کہ کم از کم اتنا ہی لمبا ٹکڑا اس میں اور شامل ہوگا۔ لیکن اب وہ آدھا تھا۔ وہ غالباً مجھ سے اپنے بنائے ہوئے نقشے کی تصدیق چاہتی تھی۔ چنانچہ میں نے گردن ہلا کر آہستہ سے کہا۔

''بالکل.....تم نے اس کی نقل بالکل ٹھیک کی ہے۔'' میں اُنگلی سے کھنڈرات کے نشانات کو کھٹکھٹانے لگا۔ اُس کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آئے۔ ''باقی آدھا ٹکڑا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔ لیکن وہ سپاٹ نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ ''تم اپنے مطلب کی ساری باتیں سمجھ لیتی ہو۔ جو میں کہتا ہوں، وہ تمہاری سمجھ میں نہیں آتا'' میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور کاغذ کا ٹکڑا اُس کی طرف بڑھا دیا۔

اُس نے کاغذ کا ٹکڑا لے کر احتیاط سے تہ کیا اور اُسے اپنے لباس میں رکھ لیا۔ پھر وہ پتھر کا نوکیلا ٹکڑا لے کر کچھ اور لکیریں کاڑھنے لگی جو اُن کھنڈرات سے آگے کی تھیں۔ لیکن پھر میں نے اُسے چونکتے ہوئے دیکھا۔ وہ ناگن کی طرح پلٹی اور میری طرف دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھوں میں ایک سوالیہ نشان سا تھا۔ لیکن میں اُس کا سوال نہیں سمجھ سکا تھا۔ پھر اُس نے اوندھے لیٹ کر زمین سے کان لگا دیئے۔ غالباً کوئی نئی افتاد پڑی تھی اُس پر..... میں اُسے دیکھتا رہا۔ زمین پر کان لگانے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ پھر وہ برق رفتاری سے پلٹی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس نے پیروں سے جلدی جلدی وہ نقشہ مٹا دیا۔

میں اُس کی بوکھلاہٹ کی وجہ نہیں سمجھ پایا تھا۔ لیکن باہر سے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ تب صورت حال کافی حد تک میری سمجھ میں آ گئی۔ اُس نے پھرتی

سے اپنا تھیلا اُٹھایا اور کندھے پر لادنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی کی آمد سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگ جانا چاہتی ہو۔ پھر اُس نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے اُس طرف بڑھنے لگی جدھر گھوڑے کھڑے تھے۔ ابھی ہم گھوڑوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ فائر کی آواز سنائی دی اور گولی اُس جگہ سے صرف چند گز کے فاصلے پر پتھر کی ایک چٹان سے ٹکرائی جہاں ہم دونوں موجود تھے۔ میرے منہ سے ایک خوفزدہ سی آواز نکل گئی۔ اب دیر کرنا موت کو آواز دینا تھا۔ کوئی آ گیا تھا۔ چنانچہ ہم نے گھوڑوں کو دوڑا کر دوسری طرف چھوڑ دیا......

اب مسلسل گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہاڑی کھنڈرات کے دوسری جانب کافی دُور تک وہی پیلے رنگ کا میدان چلا گیا تھا۔ اور اُس کے بعد چھدرے چھدرے درختوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً لڑکی کی یہی کوشش تھی کہ وہ درختوں میں پہنچ جائے۔ لیکن یہ لوگ کون تھے؟ اور لڑکی اُن سے کیوں خوفزدہ تھی؟ یہ نیا سوال ذہن میں پیدا ہوتا تھا۔ اب تک تو صرف وہی منظر عام پر رہی تھی۔ لیکن اب کچھ اور لوگ بھی اس میں ملوث ہو گئے تھے۔ اگر اتفاقیہ طور پر ہم دونوں کو کسی نے یہاں دیکھ لیا تھا تو پھر گولیاں چلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ یہ سوالات صرف میرے ذہن ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ اور یقیناً ذہن ہی میں مر جانے والے تھے۔ کیونکہ ان کا جواب مجھے کہاں سے ملتا؟ ویسے بھی یہ سوال و جواب کا وقت نہیں تھا کیونکہ عقب سے جس انداز سے گولیاں برسائی جا رہی تھیں، اُس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ بمشکل تمام ان لوگوں نے ہمیں یا کم از کم اُس لڑکی کو پایا ہے۔ اور اب اُس کی جان لے لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اُس کے ساتھ ساتھ میری زندگی کو بھی خطرہ لاحق تھا اور اس وقت صرف ایک ہی کوشش زیادہ سودمند تھی اور وہ یہ کہ یہاں سے نکل بھاگا جائے۔

کئی گولیاں سنسناتی ہوئی ہمارے آس پاس سے گزر گئیں۔ لڑکی کے گھوڑے نے اچانک ہی ایک زوردار ٹھوکر کھائی۔ ایک گولی اُس کی ران میں لگی تھی۔ گھوڑا ہنہنا کر الف ہوا اور منہ کے بل زمین پر آ رہا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں۔ میرا خیال تھا کہ لڑکی گئی کام سے۔ لیکن میں نے حیرت انگیز طور پر اُسے زمین پر چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہاتھوں کے بل زمین پر گری اور اُلٹی قلابازیاں کھا کر کھڑی ہوگئی۔ لیکن دوسری قلابازی اُس نے پھر کھائی اور اس کے نتیجے میں، وہ میرے گھوڑے پر پہنچ گئی۔ اُس نے

گھوڑے کی لگامیں اپنے ہاتھوں میں پکڑ لی تھیں اور میرے بازوؤں کے نیچے سے ہاتھ نکال کر گھوڑے کو دوڑا رہی تھی۔ اتنی برق رفتاری کا مظاہرہ بلا شبہ ناقابل یقین تھا۔ لیکن صورت حال اس وقت یہی تھی کہ ایک لمحے کی تاخیر نہ کی جائے.....

ہم نے ایک بار بھی پلٹ کر اُن لوگوں کو نہ دیکھا جو ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔ یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ کتنے فاصلے پر اور کتنی تعداد میں ہیں..... بالآخر ہم چھدرے درختوں کی آڑ میں آ گئے۔ لیکن یہ درخت ہمارے لئے جائے پناہ نہیں تھے۔ ان میں ہمیں بہت زیادہ تحفظ نہیں مل سکتا تھا۔ گھوڑا بدستور دوڑتا جا رہا تھا۔ اب عقب سے گولیاں نہیں برسائی جا رہی تھیں۔ غالباً ہم اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ لیکن لڑکی نے گھوڑے کی رفتار کم نہیں کی۔ کافی فاصلے پر پہنچنے کے بعد جنگل گھنا ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن لڑکی پناہ لینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اُس نے بائیں سمت کا رُخ کیا۔ حتیٰ کہ ہم ایک ایسے مقام پر جا نکلے جو کسی قدر محفوظ محسوس ہوتا تھا۔ یہاں بھی جنگل ہی تھا۔ لیکن درخت ایک دوسرے سے تقریباً جڑے ہوئے تھے۔ جانے یہ صحرائے اعظم کا کون سا حصہ تھا؟ بہرطور! ہم اُن درختوں کے درمیان پہنچ گئے۔ میری حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔ چہرہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ ہم جنگل میں کافی دُور تک اندر آ گئے۔ اور پھر ایک جگہ نسبتاً صاف ستھری نظر آئی جہاں پہنچ کر اُس نے گھوڑا روک لیا اور پھرتی سے نیچے اُتر گئی۔ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر اُس لڑکی سے دُور چلا جاؤں۔ لیکن پھر وہی خوف دامن گیر ہو گیا کہ میں اس ہولناک جنگل میں جاؤں گا کہاں؟ چنانچہ میں بھی مجبوراً گھوڑے سے اُتر آیا۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی اور اُس کے کان مسلسل گردش میں تھے، جیسے وہ دُور دُور کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہی ہو۔ گھوڑے کو ایک طرف چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

''اے خاتون مصیبت جہاں! اب کیا ارادہ ہے؟ کیا ان جنگلوں ہی میں ہماری زندگی بسر ہو جائے گی؟'' میں نے اُس سے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے میرے بازو کو تھپتھپایا اور ایک سمت بڑھ گئی۔ پتہ نہیں کمبخت نے کیا دیکھ لیا تھا؟ وہ تقریباً پندرہ گز تک مجھے اسی طرح ساتھ لئے آئے بڑھتی رہی۔ اب میں نے بھی وہ چٹانیں دیکھ لیں جو عجیب وغریب

تھیں۔ گھاس سے ڈھکی ہوئی دو چٹانیں جن کے نیچے سوراخ نظر آ رہے تھے۔ غالباً یہ غاروں کا کوئی علاقہ تھا۔ ہم ایک غار کے سامنے رُک گئے۔ لڑکی نے ایک لمحے کے لئے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اُس نے ایک غار کے دہانے کے قریب پہنچ کر اندر قدم رکھ لیا۔ لیکن دوسرے لمحے ایک وحشت ناک قہقہہ سنائی دیا اور لڑکی چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ میری چیخ نکل گئی تھی۔

اندر سے کوئی ہنستا ہوا نکلا اور میرے شانوں کو چھوتا ہوا ایک لمبی زقند لگا کر سامنے کی سمت بھاگ گیا۔ میں حیرت سے منہ کھولے دیکھتا ہی رہ گیا۔ بھاگتے ہوئے جانور کی پشت نہ دیکھ کر تو یہی احساس ہوتا کہ وہ کوئی انسان تھا۔ جس نے قہقہہ لگایا اور فرار ہو گیا۔ عجیب و غریب جانور تھا۔ کنگرو کی طرح اُچھلتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ لیکن اُس کا قہقہہ انسانی قہقہے سے کتنا مشابہ تھا۔ لڑکی نے ایک گہری سانس لی اور اُس کے بعد اُس غار میں داخل ہو گئی۔

چند لمحوں بعد وہ مایوسی سے باہر نکل آئی۔ غار اتنا کشادہ نہیں تھا کہ ہم دونوں اُس میں پناہ لے سکتے۔ تاہم اتنا ضرور تھا کہ ہم اُس میں چھپ کر بیٹھ سکتے تھے۔ لڑکی نے باہر نکل کر چند لمبی لمبی جھاڑیاں کاٹیں اور انہیں غاروں کے دہانے پر اس طرح ڈال دیا کہ وہ اسی کا حصہ معلوم ہوں۔ جگہ کیسی بھی تھی لیکن تھی محفوظ، اور ہمیں اُس میں دشمنوں سے پوشیدہ رہنے میں مدد ملتی۔ گھوڑے کی موجودگی البتہ باعث تشویش تھی اور اس سے یہ خوف تھا کہ وہ لوگ گھوڑے کو دیکھنے کے بعد ہمیں آس پاس ہی تلاش کریں گے۔ میں نے اُس سے کچھ کہنا چاہا لیکن جھنجھلا کر خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھتی تو اُس سے کچھ کہتا۔ جو کچھ کرنا تھا، خود ہی آگے بڑھ کر، کر لینا چاہئے تھا۔ لیکن اب اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ باہر نکل کر گھوڑے کے قریب پہنچوں اور اُسے خدا حافظ کہہ دوں۔

کافی دیر گزر گئی۔ اور اس کے بعد غالباً شام جھکنے لگی۔ سورج اپنا سفر طے کر چکا تھا۔ جھکتی ہوئی شام تیزی سے یہاں کے ماحول پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ ویسے بھی گھنے جنگل تھے اور سورج یہاں بہت کم، اپنی حشر سامانیوں کا مظاہرہ کر سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ کوئی سرسراہٹ سی اُبھری تو میں نے چونک کر گردن باہر نکالی۔ لڑکی نے فوراً ہی مجھے پیچھے کھینچ لیا۔ لیکن اتنی دیر میں، میں باہر کا جائزہ لے چکا تھا۔ کچھ فاصلے پر ایک سیاہ سی چیز نظر آئی جو آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔

ذرا دیر میں اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ دشمنوں نے ہماری سمت کا صحیح اندازہ لگا لیا تھا اور یہاں تک پہنچ گئے۔

میں دم سادھے بیٹھا رہا۔ قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ آگے بڑھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ کئی تھے۔ لیکن ہمیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ ہم سانس روکے بیٹھے رہے۔ لڑکی کی طرف سے بھی کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی جس سے احساس ہوتا کہ وہ بھی پوری طرح محتاط ہے۔ آہٹیں کچھ دیر تک سرسراتی رہیں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ لڑکی اپنی جگہ سے باہر نکل آئی اور اُس نے میرا کالر پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔

''اب کیا مصیبت نازل ہو گئی تم پر؟'' میں نے دانت کچکچا کر کہا۔ لیکن اُس نے اتنی زور سے مجھے کھینچا کہ میں گھسٹتا ہوا باہر نکل آیا۔ عجیب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ یہ جگہ تو میرے خیال میں کافی محفوظ تھی۔ اُس نے مجھے کھڑا کیا اور اس کے بعد ایک طرف گھسٹنے لگی۔ گویا وہ یہ جگہ چھوڑ دینا چاہتی تھی۔

ابتداء میں تو میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن بعد میں، میں نے جب غور کیا تو میری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ ایک بہترین اقدام تھا۔ وہ لوگ جس راستے پر تلاش کر کے یہاں تک پہنچے تھے، لڑکی اُس راستے پر جا رہی تھی۔ اس سے یہ فائدہ ہو سکتا تھا کہ اب وہ لوگ ہمیں اُس سمت تلاش نہیں کریں گے۔ ممکن ہے وہ ان چٹانوں کو بھی تلاش کر لیں جن کے درمیان سوراخ بنے ہوئے تھے۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ لڑکی اتنی بے وقوف نہیں ہے جتنا میں سمجھ رہا تھا۔

ہم دیر تک سفر کرتے رہے۔ پھر ہمیں کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ جس راستے پر ہم جا رہے تھے وہاں جنگل زیادہ گھنا اور خوفناک ہوتا چلا گیا تھا۔ بعض جگہ زمین پر دلدل بھی محسوس ہو رہی تھی جو گھاس میں چھپی ہوئی تھی۔ لہٰذا سفر میں سخت دشواری پیش آ رہی تھی۔ لڑکی ہمیشہ کی طرح اُس وقت بھی کافی پرسکون تھی۔ خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بار پھر ہم نے ایک جھنڈ میں پناہ لی۔ درختوں کے درمیان قد آدم گھاس اُگی ہوئی تھی۔ میرے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے اور میں دُور دُور تک کی آوازیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن اطراف میں کوئی آواز نہیں تھی۔ لڑکی یہاں کافی دیر رُکی۔ آہستہ آہستہ چاند نکل آیا تھا اور چاندنی درختوں سے چھن چھن کر پہنچ رہی تھی جس سے بعض حصے اچھے خاصے روشن ہو

گئے تھے۔ درخت یہاں بھی گھنے اور آپس میں جڑے ہوئے تھے اور زمین کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ انسانی قدموں سے ناآشنا ہے۔

کچھ فاصلے پر ہمیں جانوروں کی خشک ہڈیاں بکھری نظر آ رہی تھیں۔ کئی منٹ یہاں گزارے اور اُس کے بعد پھر یہاں سے آگے بڑھ گئے۔ یہاں تک کہ درختوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر پتھریلا میدان نظر آ رہا تھا۔ لڑکی مقامی جغرافئے سے خوب اچھی طرح واقف تھی۔ اور ایسے راستوں پر جا رہی تھی جو مشکل نہیں تھے۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ رات ختم ہو گئی.....

ہم تھوڑی دیر رُک جاتے اور اُس کے بعد پھر سفر کرنے لگتے۔ غالباً لڑکی راتوں رات، اُن لوگوں سے اتنی دُور نکل جانا چاہتی تھی کہ دن کی روشنی میں وہ ہمیں تلاش نہ کر سکیں۔ جب سورج نکلا تو ہم ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں درخت بہت کم تھے۔ اور چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ اُن کے درمیان جھاڑیاں بکثرت موجود تھیں۔ ٹیلے بالکل سنسان اور خاموش تھے۔ اطراف میں جانور وغیرہ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ لڑکی یہاں دھوکہ کھا گئی۔ اگر غذا کا مسئلہ پیش آ گیا تو کیا ہو گا؟ یہاں تو اُس کے شکار کرنے کے لئے جانور بھی نہیں تھے۔ دوسرے ہی لمحے مجھے ایک دم احساس ہوا کہ بلا شبہ یہاں ہمارے شکار کرنے کے لئے جانور نہیں تھے لیکن ہمارے شکاری موجود تھے.....

ایک ٹیلے کے عقب سے پانچ چھ افراد نمودار ہوئے۔ اُن کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ اُن کے چہروں پر ایسے تاثرات نظر آ رہے تھے جیسے وہ چھپے ہوئے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ آن کی آن میں وہ ہمارے چاروں طرف بکھر گئے۔ لڑکی پینترے بدل رہی تھی۔ اُس کی نگاہیں اُن لوگوں پر جمی ہوئی تھیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اُس نے اُن سے ہار نہ مانی ہو۔ وہ چیختے دہاڑتے ہوئے ہماری جانب لپکے۔ اور اُن کا انداز ایسا ہی تھا جیسے ہمیں دانتوں سے چیر کر رکھ دیں گے۔ میں تو آسانی سے اُن کی گرفت میں آ گیا۔ لیکن لڑکی اچانک ہی زمین پر ہاتھ رکھ کر اُچھلی اور اُس کی دونوں ٹانگیں دو افراد کے منہ پر پڑیں۔ اُن کے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ لڑکی نے چھلانگ لگائی اور اتنی برق رفتاری سے ایک ٹیلے پر چڑھی کہ یقین نہیں آتا تھا۔

میں دو آدمیوں کی گرفت میں تھا لیکن میری آنکھیں لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔ آن کی آن

میں وہ ٹیلے کی بلندی پر نظر آئی اور اُس کے بعد دوسری طرف کود گئی۔

''لینا.....'' اُن میں سے ایک دہاڑا اور پھر سب اُس طرف دوڑ پڑے۔ جو مجھے پکڑے ہوئے تھے، وہ بھی مجھے گھسیٹتے ہوئے اُسی جانب جا رہے تھے۔ میں نے بلندی پر پہنچ کر دیکھا۔ لڑکی ٹیلوں کے دامن میں بھاگ رہی تھی۔ دو افراد پوری قوت سے اُس کے پیچھے دوڑ پڑے اور لڑکی سے اُن کا فاصلہ کم ہونے لگا۔ لیکن وہ چھلاوا بنی ہوئی تھی۔

تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر جا کر وہ رُکی اور ہماری طرف ہاتھ ہلایا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے الوداع کہہ رہی ہو۔ ایک بار پھر اُس نے آگے چھلانگ لگا دی۔ اُس کے نزدیک ترین پہنچ جانے والے دونوں افراد دوبارہ اُس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ لیکن وہ دس پندرہ گز ہی گئے ہوں گے کہ اُن کے قدم ٹھٹک گئے اور پھر میں نے اُن کے چہروں پر دہشت نمایاں دیکھی۔

وہ اچانک ہی دونوں ہاتھ بلند کر کے کھڑے ہو گئے اور پھر زور زور سے چیخنے لگے۔ میرے ساتھ موجود افراد حیران رہ گئے۔ اُن دونوں نے بے اختیار مجھے چھوڑ دیا جو مجھے پکڑے ہوئے تھے۔ میں بھی حیرت سے اُن چیخنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ جب کہ لڑکی دوڑتی ہوئی کافی دُور نکل گئی تھی۔ اگر پیچھے والے افراد چاہتے تو اُسے رائفلوں کا نشانہ بنا سکتے تھے۔ لیکن وہ ابھی ان چیخنے والوں کی طرف متوجہ تھے جو اپنی جگہ کھڑے چیخ رہے تھے۔

پھر میں نے ایک اور دہشت ناک منظر دیکھا۔ چیخنے والوں کے قد آہستہ آہستہ چھوٹے ہونے لگے.....فوراً ہی صورت حال سمجھ میں آ گئی۔ جس جگہ وہ کھڑے تھے، وہاں دلدل تھی۔ اور وہ دلدل میں بیس گز دُور نکل گئے تھے۔ اب اُن کے قدم دلدل میں دھنستے جا رہے تھے.....

خوف و دہشت سے میرے بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ میں اُن لوگوں کے چھوٹے ہوتے ہوئے قد دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر مدد کے لئے اپنے ساتھیوں کو پکار رہے تھے اور کنارے پر کھڑے آدمی بری طرح ناچ رہے تھے۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی کس طرح مدد کریں۔

دلدل میں ڈوبنے والوں سے بہت آگے، کافی آگے وہ چھلاوہ لڑکی دوڑی چلی جا رہی تھی۔ یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اُس کے پاؤں ایک لمحے کے لئے بھی دلدل پر نہیں تک

رہے تھے۔ بس! یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے پاؤں دلدل کو چھوتے ہیں اور اُس کے بعد وہ آگے چھلانگ لگا دیتی ہے۔ بالآخر دلدلی علاقہ ختم ہو گیا۔

میں اگر چاہتا تو اُن کی غفلت سے فائدہ اُٹھا کر یہاں سے فرار ہو سکتا تھا۔ لیکن میں نے بھی مصلحت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ لڑکی تو نکل ہی گئی تھی۔ اب اگر میں یہاں سے بھاگ جاتا تو بلا وجہ اُن لوگوں کا مجرم قرار پاتا اور پھر بھاگ کر جاتا بھی کہاں؟ تھوڑے بہت فاصلے کے بعد وہ مجھے دوبارہ پکڑ لیتے۔

میں نے چیخ کر کہا۔ ''تمہارے پاس رسہ نہیں ہے؟ اگر ہو سکے تو رسے کا انتظام کرو۔ ابھی ان لوگوں کے دلدل میں غرق ہونے میں دیر ہے۔''

میری بات غالباً اُن کی سمجھ میں آ گئی۔ اُن میں سے ایک آدمی نے برق رفتاری سے چھلانگ لگا دی اور ایک جانب دوڑ گیا۔ ایک ڈیڑھ منٹ میں وہ واپس بھی آ گیا۔ اُس کے ہاتھ میں نائیلون کا ایک رسہ تھا جسے اُس نے راستے ہی میں کھول لیا تھا اور اب اُسے بکھراتا چلا آ رہا تھا۔

''مجھے دو.....'' میں نے کہا اور اُن کے ہاتھ سے رسہ لینے کی کوشش کی۔ لیکن جو شخص میری نگرانی کر رہا تھا اُس نے مجھے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور رائفل کی نال میرے سینے سے لگا دی۔ باقی لوگ اپنے ساتھیوں کی مدد میں مصروف ہو گئے۔ رسہ گھما کر پھینکا جاتا لیکن ہوا کے باعث ہر بار وہ اُن سے کچھ فاصلے پر چلا جاتا۔

''کیا تم اِن لوگوں کو موت کے حوالے کرنے پر تیار ہو بیوقوف لوگو! رسہ مجھے دو۔''

اس بار پتہ نہیں کیوں اُن میں کچھ نرمی پیدا ہو گئی۔ ایک نے رسہ میری جانب بڑھا دیا۔ میں نے اپنے سامنے کھڑے شخص سے رائفل چھین لی۔ باقی دونوں نے چونک کر مجھے دیکھا اور رائفلیں میری جانب سیدھی کر لیں۔ لیکن میں نے اُن پر توجہ دینے کی بجائے جلدی سے رسے کا سرا رائفل میں مضبوطی سے باندھا اور رائفل کی نالی پکڑ کر پوری قوت سے گھمانے لگا۔ جب میرا مقصد پورا ہو گیا تو میں نے رائفل پوری قوت سے ڈوبنے والوں کی جانب اُچھال دی۔ وہ اُن کے قریب جا گری۔ انہوں نے پھرتی سے رسہ پکڑ کر اپنے بدن کے گرد کس لیا۔ میری اس کوشش سے رائفل بردار غالباً مطمئن ہو گئے تھے۔

اب رسے کی مدد سے انہیں کھینچا جانے لگا۔ میں خود بھی اُن کے ساتھ مصروف ہو گیا۔

دلدل سے اُن دونوں کے بدن اُکھڑنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ دلدل میں ایک لمبی لکیر بناتے ہوئے دُور تک آ گئے۔ ہم لوگ بری طرح پسینہ پسینہ ہو گئے لیکن انہیں بچانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ دلدل سے نکلے تو میں بھاگ کر اُن تک پہنچا۔

''پانی ہے؟'' میں نے سوال کیا اور ایک شخص نے حیرت زدہ انداز میں پانی کی چھاگل میری طرف بڑھا دی۔ میں نے دونوں کو پانی پلایا اور اُن کے شانوں پر تھپکیاں دینے لگا۔

بدبودار دلدل سے اُن کے بدن لتھڑ گئے تھے۔ انہیں صاف کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ تاہم میں کوشش کرنے لگا کہ اُن کے لتھڑے ہوئے بدن صاف کر دُوں۔ وہ سب متحیرانہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں تو اُن کے دشمنوں میں سے تھا۔ وہ لوگ مجھے گرفتار کرنے کی کوششوں میں رات بھر مصروف رہے تھے اور میں اُن کے ساتھ یہ دوستانہ سلوک کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مار لیا تھا۔ کافی دیر تک میں اُن لوگوں پر مصروف رہا اور آخر کار انہیں اس گندگی سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں کوئی تالاب وغیرہ نہیں ہے؟''

''آؤ.....'' اُن میں سے ایک نے کہا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو سہارا دے کر وہ اُس طرف چل پڑے جدھر سے میں نے انہیں برآمد ہوتے دیکھا تھا۔ میں خود بخود اُن کے ساتھ جا رہا تھا اور اُن سے زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ تب میں نے کافی فاصلے پر ٹیلوں کی آڑ میں دو گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ یہ لینڈ روورز تھیں۔ گاڑیوں میں کافی سامان موجود تھا۔ آس پاس اور کوئی شخص نہیں تھا۔ غالباً یہی چھ افراد یہاں موجود تھے۔

میں گاڑیوں کے قریب پہنچ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ اپنے ساتھیوں کے لئے لباس کا بندوبست کرنے لگے۔ دو آدمی مسلسل مجھ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ لیکن مجھے اب کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ چند لمحوں بعد ایک شخص نے ایک پیالی میں مجھے کافی پیش کی۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو میری ناک سے ٹکرائی تو میں نے جلدی سے پیالی تھام کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے شروع کر دیئے۔ میرے نگران بھی ہاتھوں میں کافی کے مگ لئے میرے قریب بیٹھ گئے۔

''تم نے ہمیں پاگل کر کے رکھ دیا ہے۔'' ایک نے شکوے کے سے انداز میں کہا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم یہ بات کیوں سوچ رہے ہو؟'' میں نے کافی کا ایک بڑا سا

گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''کیا تم اُس کے ساتھ نہیں تھے؟''

''تھا.....''

''اور رات کو جب تمہیں تلاش کیا جا رہا تھا، اُس وقت کیا تم نے اُسے تحفظ نہیں دیا؟''

''دوستو! میرے بارے میں سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے اُسے تحفظ نہیں دیا بلکہ وہ مسلسل مجھے اپنا قیدی بنائے ہوئے تھی تو کیا تم اس بات پر یقین کرو گے؟''

''ہاں..... اُس شیطان کی خالہ کی ہر بات پر یقین کیا جا سکتا ہے۔ خدا کی پناہ! انسان تو کہا ہی نہیں جا سکتا اُسے۔ کیا شے ہے..... کس کس طرح اُس نے ہم لوگوں کو ڈاج دیا ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا پارکر؟ کیا جل برادرز اس سلسلے میں ہمیں معاف کر دیں گے؟''

''یہ سوچنا ہی چھوڑ دو۔ جو کچھ ہوگا، سامنے آ جائے گا'' دوسرے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''میں تو اب بھی سوچتا ہوں تو ششدر رہ جاتا ہوں۔ دلدل پر دوڑنے کا یہ فن کیا بالکل اجنبی نہیں تھا؟''

''اُس کمبخت نے اُسے وہ چھلاوہ بنا دیا تھا اور یقینی طور پر اُس نے اُس کے ساتھ کچھ اس قسم کی کارروائیاں کی ہوں گی کہ وہ مافوق الفطرت بن گئی ہے۔''

میں یہ باتیں سن رہا تھا۔ لیکن ابھی میں اُن سے کوئی سوال کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، تاوقتیکہ وہ مجھ پر مکمل طور پر اعتبار نہ کر لیں۔ دوسرے آدمی نے جس کا نام پارکر لیا گیا تھا، مجھ سے پوچھا۔ ''کیا تم اُس کے قبضے سے فرار کی فکر میں تھے؟''

''یہ بات بھی نہیں تھی۔ دراصل میری مجبوری مجھے اُس کے ساتھ لگائے لگائے پھر رہی تھی۔ میں صحرائے اعظم سے بالکل ناواقف ہوں۔ پھر اُس کے قبضے میں پہنچنے کے بعد سے اب تک اس کوشش میں مصروف رہا کہ یا تو کوئی بستی نظر آ جائے یا چند افراد تا کہ میں اُس سے جان چھڑا کر اُن کا سہارا لے سکوں۔ تنہا ان ویرانوں میں بھٹکنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں ان علاقوں سے بالکل ناواقف ہوں۔''

اُسی وقت باقی چاروں میں سے ایک شخص ہمارے قریب آ گیا۔ ''پارکر! واپس چلو!

اب یہاں رُکنا بے مقصد ہے۔ یہ دلدل دُور تک چلی گئی ہے اور اسے عبور کر کے دوسری جانب جانا بے سود ہے۔ ہمیں فوراً ہی جل برادرز کو اُس کے نکل جانے کی اطلاع دینی چاہئے۔''

دونوں کھڑے ہو گئے۔ کافی کے مگ اُٹھا کر لینڈ روور کے عقبی حصے میں رکھے گئے اور پھر اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''دوست! معاف کرنا۔ تمہارے لئے یہ کارروائی یقیناً تکلیف دہ ہو گی۔ لیکن ہمارے لئے ضروری ہے۔ براہِ کرم! اپنے ہاتھ بلند کرلو تاکہ تمہاری تلاشی لے لی جائے۔''

میں نے پورے خلوص سے دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا دیئے۔ ''میرے پاس کچھ نہیں ہے جو تمہارے لئے تکلیف دہ ہو۔''

تاہم انہوں نے میری تلاشی لی اور مجھے بڑے دوستانہ انداز میں لینڈ روور میں بٹھا دیا گیا۔ دلدل سے بچنے والے بھی ساتھ ہی تھے۔ ہم آگے روانہ ہوئے تو اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''منصور۔'' میں نے جواب دیا اور وہ میرے نام کا تلفظ ادا کرنے لگے۔ جانے کون سے ملک کے باشندے تھے؟ بہت کم لوگ ہی ایسے نظر آئے تھے جو میرا نام صحیح طور پر لے سکے تھے۔ وہ میرا بہت بہت شکریہ ادا کر رہے تھے۔ میں نے اُن سے آہستہ سے کہا۔ ''حالانکہ پچھلی رات اگر آپ لوگ مجھے پا لیتے تو یقیناً میرا حشر اُس لڑکی جیسا ہی کیا جاتا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں دل سے اُس کے ساتھ نہیں تھا۔''

پھر راستے میں ہمارے درمیان کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ سفر تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ پتھریلی زمین پر اُن کی رفتار کچھ ہلکی ہی تھی۔ ہم ایک ایسے خطے میں پہنچ گئے جہاں درختوں کی بہتات تھی اور زمین پر مخمل جیسے سبزے کا فرش بچھا ہوا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک آبشار پہاڑوں کی بلندیوں سے گر رہا تھا اور نیچے ایک ندی بناتا ہوا دُور تک نکل جاتا تھا۔

اسی سبزہ زار پر میں نے سفید خیموں کا ایک گاؤں آباد دیکھا۔ خیموں کی تعداد پچیس یا تیس کے درمیان ہو گی، جنہیں ایک دائرے کی شکل میں لگایا گیا تھا۔ درمیان میں خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی جس کے ایک گوشے میں بڑی نفاست سے فولڈنگ میزیں اور کرسیاں جمائی گئی تھیں۔

مجھے لانے والے خیموں کے درمیان آ گئے اور پھر ایک طرف بنے ہوئے خیمے کے ایک دروازے میں مجھے داخل کر دیا گیا۔

''مسٹر منصور!'' میرے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ ''آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس وقت تک اس خیمے میں رہیں جب تک آپ سے دوبارہ رابطہ قائم نہ کیا جائے۔ خیمے سے باہر نکلنے کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ نے بدعہدی کی۔ اس طرح آپ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ چلے گئے۔ میں اطمینان سے خیمے کا جائزہ لینے لگا۔ وہاں ہر شے موجود تھی، جس کی ضرورت اہم تھی۔ میں نے جوتے اُتارے اور منہ ہاتھ دھو کر پلنگ پر دراز ہو گیا اور اُس چھلاوے کے بارے میں سوچنے لگا جو واقعی میری زندگی میں سب سے زیادہ عجیب کردار ثابت ہوا تھا۔ اُس سے جدا ہونے کے بعد احساس ہوا کہ میں دنیا کی حسین ترین شے سے جدا ہو گیا ہوں۔ اُس کا سراپا میری نگاہوں میں تھا۔ خاص طور سے وہ منظر جب وہ چاندنی میں جھیل کے اندر مچھلی کی مانند تیر رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات اس بات کے مظہر تھے کہ وہ میری طرف سے کسی پہل کی منتظر ہے۔ لیکن اب اپنی اس کمزوری کو کیا کرتا جو ہمیشہ ہی میرے ساتھ رہی تھی جس کے باعث میں اس بات کا عادی ہو گیا تھا کہ دوسرے ہی میرے سلسلے میں قدم اُٹھائیں تو میں آگے بڑھوں، ورنہ اپنی ذات سے میں واقعی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہ طے تھا کہ اُسے بھولا نہیں جا سکتا تھا۔

رات کو میرے کانوں میں موسیقی کی مدھم آوازیں اُبھریں۔ غالباً وائلن بجایا جا رہا تھا۔ اُس کے بعد بینجو بھی سنائی دیا۔ میں حیرانی سے منہ کھول کر رہ گیا۔ اُن لوگوں نے جنگل میں منگل منا ڈالا تھا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اُس نے دو موی شمعیں خیمے میں رکھ دیں۔

''آپ اگر باہر آنا چاہیں تو آ سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ انداز بڑا مہذب اور شریفانہ تھا۔ مجھے بھلا خیمے میں پڑے رہنے کی کیا ضرورت تھی؟ اجازت مل گئی تھی۔ چنانچہ میں باہر نکل آیا۔

باہر کا منظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ میزیں جو پہلے ایک گوشے

میں سمٹی ہوئی تھیں اب جگہ جگہ بچھا دی گئی تھیں۔ اُن پر موم بتیاں ایک خاص انداز میں روشن تھیں۔ بہت سی میزوں پر لوگ شراب کے برتن سجائے بیٹھے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک کاؤنٹر بنا ہوا تھا جس کے پیچھے چند افراد کام کر رہے تھے۔ بوتلیں ایک طرف نفاست سے ایک ٹرالی میں سجی ہوئی تھیں اس طلسمی منظر میں کھو کر میں اتنا حیران ہوا کہ بیان نہیں کر سکتا۔

میں کچھ دیر تو احمقوں کی طرح ایک طرف کھڑا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا سب سے قریبی میز پر جا بیٹھا۔ میرے سامنے کسی نے کوئی چیز لا کر نہیں رکھی تھی۔ البتہ میں نے یہ دیکھا کہ جس شخص کو جس شے کی ضرورت ہوتی وہ اپنے طور پر ہی اُٹھا لیتا۔ گویا یہاں سیلف سروس تھی۔ لیکن ظاہر ہے شراب سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور فی الحال شراب ہی پی جا رہی تھی۔ چنانچہ میں خاموشی سے بیٹھا اُن لوگوں کو دیکھتا رہا۔

پھر ایک شخص میرے قریب آیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔

''میرا نام گروجر ہے۔ اور میں اُن دونوں میں سے ایک ہوں جن کی جان بچانے میں آپ نے انتہائی ذہانت کا ثبوت دیا تھا'' اُس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''اوہ..... مسٹر گروجر! میں آپ کو زندگی کی مبارکباد دیتا ہوں۔''

''شکریہ..... کیا آپ ڈرنک نہیں کرتے؟''

''نہیں.....'' میں نے جواب دیا۔

''آپ کے لئے کچھ اور لاؤں؟''

''کافی مل جائے تو.....''

''ہاں..... کیوں نہیں؟ ہر چیز مل سکتی ہے۔ ایک منٹ۔ میں ابھی حاضر ہوا۔'' گروجر ممنونیت کے جذبات کا شکار تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے لئے شراب کی بوتل، گلاس اور آئس باکس اور میرے لئے کافی کا ایک کاغذی کپ لے آیا۔

''یہ ماحول آپ کو کیسا لگا؟'' اُس نے مگ مجھے تھماتے ہوئے پوچھا۔

''ناقابل یقین۔''

''جل برادرز دراصل شاہی خاندان کے افراد ہیں اور شہنشاہیت کی خو بو کبھی نہیں جاتی۔ خواہ وہ کسی بھی جگہ ہوں۔ میں آپ کو اُن کے بارے میں تفصیلات بتاؤں گا۔ یوں

سمجھ لیجئے! کہ انہوں نے اپنے لئے اس زمین پر ہی جنت بنا ڈالی ہے۔''

''افسوس! میں جل برادرز ہی سے ناواقف ہوں۔''

''آپ ابھی اُنہیں دیکھ سکیں گے۔ ویسے آپ کے بارے میں اُنہیں تفصیلات فراہم کر دی گئی ہیں۔''

''گڈ..... لیکن کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ لوگ صحرائے اعظم میں کیا کر رہے ہیں؟''

''میں آپ کو تھوڑی بہت تفصیلات تو بتا سکتا ہوں۔ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ پہلے جل برادرز سے آپ کا تعارف ہو جائے۔ پھر ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات میں آسانی ہوگی۔''

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ جل برادرز کے سلسلے میں میرے ذہن میں تجسس ضرور جاگ اُٹھا تھا۔ لیکن میں خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر میں نے ایک خیمے سے دو افراد کو برآمد ہوتے دیکھا۔ میزوں کے درمیان پھیلی ہوئی مکھیوں میں بھنبھناہٹ کی آوازیں یک لخت معدوم ہو گئیں۔ میں گہری نگاہوں سے آنے والوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ عمر اٹھائیس یا انتیس سال ہوگی۔ دونوں کی شکلیں حیرت انگیز طور پر یکساں تھیں۔ بالوں کا سٹائل، آنکھیں، ناک، چہرہ، حتیٰ کہ لباس بھی بالکل ایک جیسا تھا۔ اُن کے آنے سے ایک تیز خوشبو فضا میں پھیل گئی جو یقیناً کسی اعلیٰ درجے کے سینٹ کی تھی۔ یہ سوال کسی سے کرنا مناسب نہ تھا کہ کیا وہ دونوں جل برادرز ہیں؟ انہیں ایک ہی نگاہ میں دیکھ کر یہ بات کہی جا سکتی تھی۔

دونوں ایک میز پر آ کر بیٹھ گئے اور اُن کے سامنے شراب کے برتن سجا دیئے گئے۔ بھنبھناہٹیں پھر جاری ہو گئیں۔ غالباً ان لوگوں کو اجازت تھی کہ تفریح کے اوقات میں، اُن کی موجودگی کی پرواہ نہ کی جائے۔ وہ اپنے طور پر شراب نوشی میں مصروف ہو گئے۔

گروجر میری میز سے اُٹھ کر چلا گیا تھا۔ میں خاموش بیٹھا اس ماحول کو دیکھتا رہا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ یہاں لڑکیاں بھی کافی تعداد میں تھیں۔ تقریباً آٹھ یا نو تو میں گن چکا تھا۔ جبکہ مردوں کی تعداد تقریباً پچیس تیس کے درمیان ہوگی۔ واقعی اتنا بڑا گروہ لے کر صحرائے اعظم کے اِن ہولناک علاقوں میں داخل ہونا، معمولی بات نہیں تھی۔ اور پھر ظاہر ہے، ساز و سامان کی منتقلی بھی ایک مسئلہ تھی۔ پتہ نہیں اس کے لئے ان لوگوں نے کیا

انتظامات کئے تھے..... کیونکہ بیشتر علاقے ایسے تھے جدھر گاڑیوں کا گزرنا ممکن نہ تھا۔ تاہم اس مسئلے میں سر کھپانے کی مجھے کیا ضرورت تھی؟ مجھ سے زیادہ حیرت انگیز تو ان تمام لوگوں میں سے کوئی نہیں تھا۔ اور یہ بات میں اپنی زبان سے کہہ کر شرمندہ بھی نہیں ہوتا تھا۔

موسیقی کی دُھنیں تبدیل ہونے لگیں۔ میزوں کو ایک خاص ترتیب سے سمیٹ لیا گیا اور درمیان میں دائرہ سا بن گیا۔ میں نے موسیقی کی ان بدلتی ہوئی دُھنوں کا مطلب بھی سمجھ لیا۔ غالباً رقص کا پروگرام تھا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جوڑے ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر رقص کرنے لگے۔ بڑی مفاہمت کا ماحول تھا۔ خواتین ہر شخص کی پذیرائی کر رہی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد پارٹنر بدل جاتے تھے۔ گویا کوئی کسی کی ملکیت نہیں تھا۔ جل برادرز نے واقعی ایک بہترین گروہ آرگنائز کیا تھا اور اس کے لئے جو تیاریاں کی گئی تھیں وہ بھی قابل داد تھیں۔

میری جانب کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ہاں! اتنا میں جانتا تھا کہ اگر میں اُٹھ کر کسی سے رقص کی درخواست کروں تو اُسے مسترد نہیں کیا جائے گا۔

میری نگاہ ایک بوڑھے شخص پر پڑی۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی شخصیت کا مالک تھا کہ ایک نگاہ دیکھ کر اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چوڑے چکلے بدن کا مالک، براق کی طرح سفید بال، چہرہ جاندار اور جھریوں سے پاک تھا۔ بدن کی ترتیب بتاتی تھی کہ جوانی کے زمانے میں بہت پر مشقت رہا ہے۔ اُس کی چوڑی کلائیاں بھی سفید بالوں سے بھری ہوئی تھیں۔ بوڑھے کے سامنے ایک دُبلی پتلی سی لڑکی بیٹھی تھی جس کی آنکھوں میں ہلکے سے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹ بھی خشک تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے یا تو وہ بیمار ہو یا بہت کمزور۔ اُس نے اپنے سامنے سبز رنگ کے کسی سیال کا گلاس رکھا ہوا تھا جو یقینی طور پر شراب نہیں تھی۔ جبکہ بوڑھے کے سامنے شراب کے برتن سجے ہوئے تھے۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ رقص کے کئی راؤنڈ ہوئے اور اس کے بعد موسیقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پھر کاؤنٹر پر کھانے پینے کی اشیاء سجائی جانے لگیں۔ یہ اشیاء ٹرے میں رکھی جا رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ یہاں بھی سیلف سروس ہو گی۔ بہت سی نفیس چیزیں مجھے کاؤنٹر پر نظر آئیں۔ کھانے پینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایک ہلکی سی گھنٹی کی آواز اُبھری تھی۔ گویا یہ کھانے کے لئے اجازت کا وقت تھا۔

جل برادرز بھی اپنی جگہ سے اُٹھے اور ایک ایک ٹرے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اپنی جگہ واپس آ گئے۔ اب میرا بھی خاموش بیٹھے رہنا حماقت ہی تھی۔ چنانچہ میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور میں نے ایک ٹرے لا کر اپنے سامنے رکھ لی۔

مجھے اب یہ ماحول پسند آنے لگا تھا۔ جل برادرز کے ساتھ اگر کوئی لمبی شمولیت ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ ویسے بھی میں نے اپنا رویہ جس طرح کا رکھا ہوا تھا، اس سے امکانات تھے کہ یہاں میری پذیرائی ہو گی۔ اُن کے انداز سے بھی پتہ چلتا تھا کہ جتنے گھنٹے مجھے خیمے میں قید رہنے کی ہدایت کی گئی تھی، اُتنے گھنٹے گزارنے کے بعد اُن لوگوں نے میرے لئے مکمل آزادی فراہم کر دی تھی۔

کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے میں تقریباً ایک گھنٹہ ہی صرف ہو گیا۔ اپنی اپنی ٹرے خود ہی واپس کاؤنٹر پر رکھ دی گئی۔ چند افراد کاموں میں مصروف تھے۔ یہاں ذمہ داریاں شاید تقسیم کر دی گئی تھیں۔ میزوں کی صفائی ہوئی اور اس کے بعد پھر موسیقی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ ایک شخص میرے پاس پہنچا۔

''مسٹر منصور! جل برادرز سے ملاقات کرنا پسند کریں گے؟''

''کیوں..... کیا وہ مجھ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں!'' اُس نے جواب دیا اور میں اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد میں اُن دونوں کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں نے انتہائی مہذب انداز میں کھڑے ہو کر مجھ سے مصافحہ کیا اور احترام سے مجھے بیٹھنے کی پیش کش کی۔

''آپ کیا پینا پسند کریں گے مسٹر منصور؟'' اُن میں سے ایک نے کہا۔

''نہیں شکریہ۔ میرا خیال ہے میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا۔''

''گڈ..... آپ کی ہمارے درمیان شمولیت بڑے عجیب و غریب حالات میں ہوئی ہے اور ہم ان حالات کے بارے میں آپ سے گفتگو کرنا چاہیں گے۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ ہمارے پاس پہنچنے کے بعد آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔ بلکہ میں حیرت انگیز طور پر اس ماحول سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ واقعی! آپ لوگوں نے کمال کر دکھایا ہے۔''

''شکریہ مسٹر منصور! ویسے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟''

''میں ایشیائی باشندہ ہوں۔''

''ہمارا بھی یہی خیال تھا۔ ویسے آپ کا مشغلہ کیا ہے؟''

''سیاحت۔'' میں نے جواب دیا۔

''کہاں کہاں کی سیاحت کر چکے ہیں آپ؟'' اُس نے پوچھا اور میں اُسے تفصیلات بتانے لگا۔لیکن اپنی کہانی کو میں نے اُن سے پوشیدہ رکھا تھا۔ بس! اتنی ہی تفصیل بتائی تھی کہ میں ایک آوارہ گرد انسان ہوں اور مختلف ممالک کی سیر کرتا رہا ہوں۔ میرے پاس کوئی خاص وسائل نہیں ہیں اور اپنے طور پر مختلف علاقوں میں مختلف طریقوں سے گھومتا پھر رہا ہوں۔ اسی طرح میں صحرائے اعظم افریقہ آ گیا تھا۔لیشی پاور کی دوستی کے بارے میں، میں نے بس اتنا ہی بتایا کہ وہ لڑکی مجھے کہیں ملی تھی اور اس کے بعد جب میں یہاں آیا تو اُس نے میری پذیرائی کی اور مجھے اندرونی علاقے گھمانے کے لئے لے گئی۔ اس کے بعد خود بخود ہی اُس پراسرار لڑکی کا تذکرہ نکل آیا۔ اُس کے بارے میں، میں نے ایک بات بھی اُن لوگوں سے نہ چھپائی۔ بھلا مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اُن سے یہ تفصیلات چھپاتا۔ جب میں خاموش ہوا تو وہ ساکت نگاہوں سے مجھے دیکھتے رہے۔ پھر اُن میں سے ایک بولا۔

''آپ کافی نفیس انسان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے ہماری مشکل خود بخود حل کر دی۔ اور لازمی ہے کہ یہ تصور آپ کے ذہن میں ہوگا کہ ہم اُس کے بارے میں آپ سے سوالات کریں گے۔''

''ہاں..... میں جانتا ہوں۔''

''اس کی وجہ؟'' اُن میں سے ایک نے سوال کیا۔

''وجہ صاف ظاہر ہے۔ آپ کے ساتھی اس لڑکی کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اُسے گھیرا لیکن وہ اُن کے قبضے سے صاف نکل گئی۔ ظاہر ہے اگر آپ کو اس سے دلچسپی نہ ہوتی تو آپ میری جانب بھی متوجہ نہ ہوتے۔ مجھ سے یقینی طور پر آپ اُس کے بارے میں سوال کرتے۔ چنانچہ آپ کے سوالات کرنے سے قبل ہی میں نے اپنے اور اُس کے درمیان کی تمام تفصیلات آپ کو بتا دیں۔''

''ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ بلاشبہ انسانوں پر اعتبار کرنا چاہئے اور اُس وقت تک کسی

کے سلسلے میں بے اعتمادی کا شبہ نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اس سے بے اعتمادی کا مظاہرہ نہ ہو جائے۔''

''میں آپ کے اس نظریئے سے متفق ہوں۔ ویسے کیا میں انفرادی طور پر آپ لوگوں کا تعارف نہیں حاصل کر سکتا؟''

''ہم ہمیشہ جل برادرز کے نام سے منسوب ہیں۔ آپ ہمارے درمیان نمبروں کی ترتیب بھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ ہم میں سرمو فرق نہیں ہے۔ چنانچہ ہم لوگ اپنے نمبروں کا تعین بھی نہیں کر سکتے۔ آپ ہمیں جل برادرز کہہ سکتے ہیں۔ جب چاہیں ہم میں سے کسی کو ون یا ٹو کہہ لیا جائے۔ حالانکہ یہ یقین کرنا مشکل ہوگا کہ ہم میں ون کون ہے اور ٹو کون؟''

''مجھے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے۔ بہرطور جل برادرز! میں لڑکی کے بارے میں آپ لوگوں سے معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ضرور! ہمیں اُس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے ہم آپ کو یقینی طور پر بتا دیں گے۔ لیکن اس سے قبل کچھ سوالات ہمارے ذہن میں اُبھرتے ہیں۔ ممکن ہے اگر درمیان میں گفتگو کا سلسلہ، رُخ تبدیل کر جائے تو وہ سوالات ہی ذہن سے نکل جائیں۔ اس لئے آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم پہلے وہ سوالات آپ سے کر لیں۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کے بہترین رویئے کا میں دل سے قائل ہوں۔''

''دراصل ہم آپ کو سو فیصد لڑکی کا ساتھی سمجھتے۔ لیکن ہمارے ساتھیوں نے ہمیں تمام مکمل رپورٹ دے دی ہے اور درحقیقت آپ کا یہ احسان بھی ہے کہ آپ نے ہمارے دو ساتھیوں کی زندگی بچائی اور ہم سے مکمل تعاون کیا۔ اس وقت اگر آپ کسی طرح کے عدم تعاون پر آمادہ ہوتے تو اُن دو افراد کی زندگی بچانا ناممکن تھی۔ آپ یہ بات جانتے ہیں کہ زندگی کتنی قیمتی شے ہوتی ہے۔ زندگی ایک بار ملتی ہے، بار بار نہیں ملتی۔''

''وہ میرا فرض تھا۔ اور ظاہر ہے اُن لوگوں سے میری براہِ راست کوئی دشمنی نہیں تھی۔ لڑکی کا مسئلہ بھی چونکہ میرے ذہن میں واضح نہیں تھا۔ اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا کہ لڑکی مظلوم ہے اور آپ لوگوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچ سکتا ہے تو پھر شاید میرا رویہ آپ کے ساتھ یہ نہ ہوتا۔ تاہم وہ انفرادی طور پر بھی بہت کچھ تھی۔ اور اُس کے اندر خود اعتمادی کے

سوا کچھ بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ بلکہ میں تو اُس کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے بعد یہ محسوس کر رہا تھا کہ میں تو اُس کا محکوم ہوں اور وہ صرف ازراہِ کرم مجھے اپنے ساتھ لئے پھر رہی ہے۔''

جل برادرز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''ہمیں براہِ کرم! اُس کی شخصیت کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائیے۔ پہلی بار جب وہ رقص کے دوران آپ کے سامنے آئی تو اُس کی کیا کیفیت تھی؟''

''وہ قبیلے کی عام لڑکیوں کی طرح ایک رقاصہ لگ رہی تھی اور اُس نے اپنا چہرہ رنگا ہوا تھا۔ دوسری بار وہ رات کی تاریکی میں مجھے نظر آئی اور میں حیران رہ گیا۔ اُس وقت اُس کے جذبات برگشتہ تھے۔''

''تیسری بار اُس سے آپ کی ملاقات، اُس وقت ہوئی جب آپ جنگل میں جا پھنسے تھے۔''

''ہاں..... میں اُس کی تفصیلات آپ کو بتا چکا ہوں۔''

''اس کے بعد کیا کیفیت رہی؟''

''کس سلسلے میں؟''

''اس کی ذہنی وجسمانی حرکات کے سلسلے میں۔''

''میں سمجھتا ہوں وہ مجھے خود سے متاثر کرنا چاہتی تھی۔'' میں نے جواب دیا۔

''چلئے ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے یہ الفاظ کافی ہیں۔ اچھا! کوئی ایسی خاص بات آپ نے اُس کے ساتھ رہ کر محسوس کی جس پر آپ کو تعجب ہوا ہو؟''

''جن کھنڈرات میں آپ کے آدمی اُس کی تلاش میں پہنچے تھے وہاں میں اور وہ الگ الگ لیٹ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ لیٹی رہی۔ پھر وہ اُٹھی اور پتھر کے ایک نوکیلے ٹکڑے سے زمین پر ایک نقش بنانے لگی۔ اس میں اُن کھنڈرات کی نشاندہی بھی کی گئی تھی جن میں ہم اُس وقت موجود تھے۔ لڑکی کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پھٹا ہوا ٹکڑا تھا جس پر ویسے ہی نقوش بنے ہوئے تھے۔ یعنی جن راستوں سے گزر کر ہم لوگ وہاں تک پہنچے تھے وہی راستے اُس کاغذ کے ٹکڑوں پر بنے ہوئے تھے۔''

اُن کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ وہ گہری اور چمکدار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ ''پھر کیا ہوا؟''

''بس! جب اُس نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی تو جلدی سے نقشہ زمین پر سے مٹا دیا۔''

''کیا آپ کے خیال میں اُس نقشے کے تھوڑے بہت نقش اُس جگہ باقی ہوں گے؟''

''میں نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے پتھر پر نوکیلے پتھر سے بنائے ہوئے نقش تازہ ہوں۔''

''اوہ..... کاغذ کا وہ ٹکڑا آپ نے دیکھا؟''

''جی ہاں!''

''کیا کیفیت تھی اُس کی؟'' جل برادرز نے پوچھا اور میں انہیں کاغذ کے اُس ٹکڑے کے بارے میں تفصیلات بتانے لگا۔ جل برادرز مجھے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ کافی دیر بعد دونوں نے ہی بیک وقت کہا۔ ''بلاشبہ مسٹر منصور! ہم نے آپ کے ایک ایک لفظ پر یقین کیا ہے۔ ہم سو فیصد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آپ نے جو کچھ کہا اس میں ایک لفظ بھی غلط نہ ہوگا۔ ہم آپ کو اور بھی پیش کش کرتے ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو افریقہ کی سیاحت میں کچھ عرصہ ہمارے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ کی دلچسپی کے اور بھی سامان پیدا ہو جائیں۔ لیکن اگر آپ یہاں نہ رہنا چاہیں تو ہم آپ کو وہ تمام لوازمات مہیا کر سکتے ہیں جن کے ذریعے آپ واپسی کا سفر طے کریں۔ مثلاً واپسی کے راستوں کے نقشے، گھوڑا اور ایسا سامان جو راستے میں آپ کے کام آسکے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں آپ جلدی نہ کریں۔ چند روز تو ہمارے ساتھ گزاریں۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کرلیں کہ آپ کو کہیں جانا ہے یا مزید کچھ عرصہ ہمارے ساتھ گزارنا ہے۔''

میں نے خاموشی سے گردن ہلائی اور اُس کے بعد وہ دونوں اُٹھ گئے۔ اور اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''افسوس! آپ نے جو اُس نقشے کے بارے میں بتایا ہے نا، ممکن ہے ہمیں اُس کے کچھ نشانات مل جائیں۔ وہ ہمارے لئے از حد ضروری ہیں۔ نقشہ کیا ہے اور کیسا ہے؟ اس کے بارے میں آپ کو دوسری ملاقات میں تفصیل بتا دی جائے گی۔ آپ ان لوگوں کے درمیان پر امن رہیں۔ کسی شخص کو آپ سے کوئی تعرض نہیں ہوگا۔ میں ہدایات دے دوں گا کہ آپ کو ایک معزز ساتھی کی حیثیت سے رکھا جائے۔ یہاں کے تمام اصولوں

سے بھی آگاہ کر دیا جائے گا'' انہوں نے مجھ سے ہاتھ ملائے اور ایک جیسی چال چلتے ہوئے وہاں سے ہٹ کر ایک خیمے میں داخل ہو گئے۔

مشاغل جاری تھے۔ قہقہے اُبھر رہے تھے۔ شراب کے دور پھر سے چلنے لگے تھے۔ میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ جل برادرز نے اپنے اُن ساتھیوں کے لئے کچھ اصول متعین کئے ہیں اور مجھے اس کا بخوبی اندازہ ہو گیا کہ کھل کھیلنے اور تفریحات کی حد تک تمام چیزیں جائز تھیں۔ غالباً اس سے زیادہ کی اجازت کسی کو نہیں تھی۔ کیونکہ اس طرح رقابتوں کا خدشہ پیدا ہوتا ہے اور رقابتیں حادثے جنم دیتی ہیں۔ یہ شور و غو غا رات کو بارہ بجے تک جاری رہا۔ پھر گھنٹی بجی اور لوگوں نے اپنی اپنی جگہیں چھوڑ دیں۔ میں بھی اُس خیمے کی جانب چلا آیا جس میں اب تک مجھے رکھا گیا تھا۔ اپنے ذہن کو تمام تفکرات سے آزاد کیا اور بے فکری سے سو گیا.....

دوسری صبح میں انسانی آوازیں سن کر ہی جاگا تھا۔ لوگ اپنے اپنے مشاغل نیں مصروف تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ پانی کا ذخیرہ کہاں ہے۔ چنانچہ میں آبشار سے بہنے والی ندی کے کنارے پہنچ گیا۔ لیکن پانی برف کی طرح سرد تھا۔ غالباً برف پگھل پگھل کر نیچے آ رہی تھی۔ ماحول بھی اسی وجہ سے سرد تھا۔ یہ پانی قطعی اس قابل نہیں تھا کہ نہایا جائے۔ فوراً ہی نمونیہ ہو جانے کا خدشہ تھا۔ چنانچہ میں نے صرف پاؤں بھگوئے، چہرہ اور پاؤں دھوئے اور واپس آ گیا۔ کاؤنٹر پر معمول کے مطابق ناشتے کی ٹرے لگا دی گئی تھیں۔ میں نے اپنی ٹرے اُٹھائی اور اپنے خیمے میں چلا آیا تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ کم از کم کیمپ کے بارے میں مکمل معلومات تو حاصل کروں۔ چنانچہ میں خیموں کی اس چھوٹی سی آبادی سے باہر نکل آیا۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ تمام لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ عقبی حصے میں، میں نے درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے کچھ گاڑیاں کھڑی دیکھیں۔ اُن میں دو بڑے بڑے ٹرک، تین لینڈ روورز اور باقی دوسری چھوٹی گاڑیاں تھیں۔ سب کی سب نئی تھیں۔ ٹرکوں پر کینوس سے ہر قسم کی پردہ داری کر دی گئی تھی۔ ان میں کیا تھا؟ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

بقیہ واقعات کے لئے جلد چہارم
''ریڈ بون'' کا مطالعہ کریں

ایم اے راحت

ریڈ بون
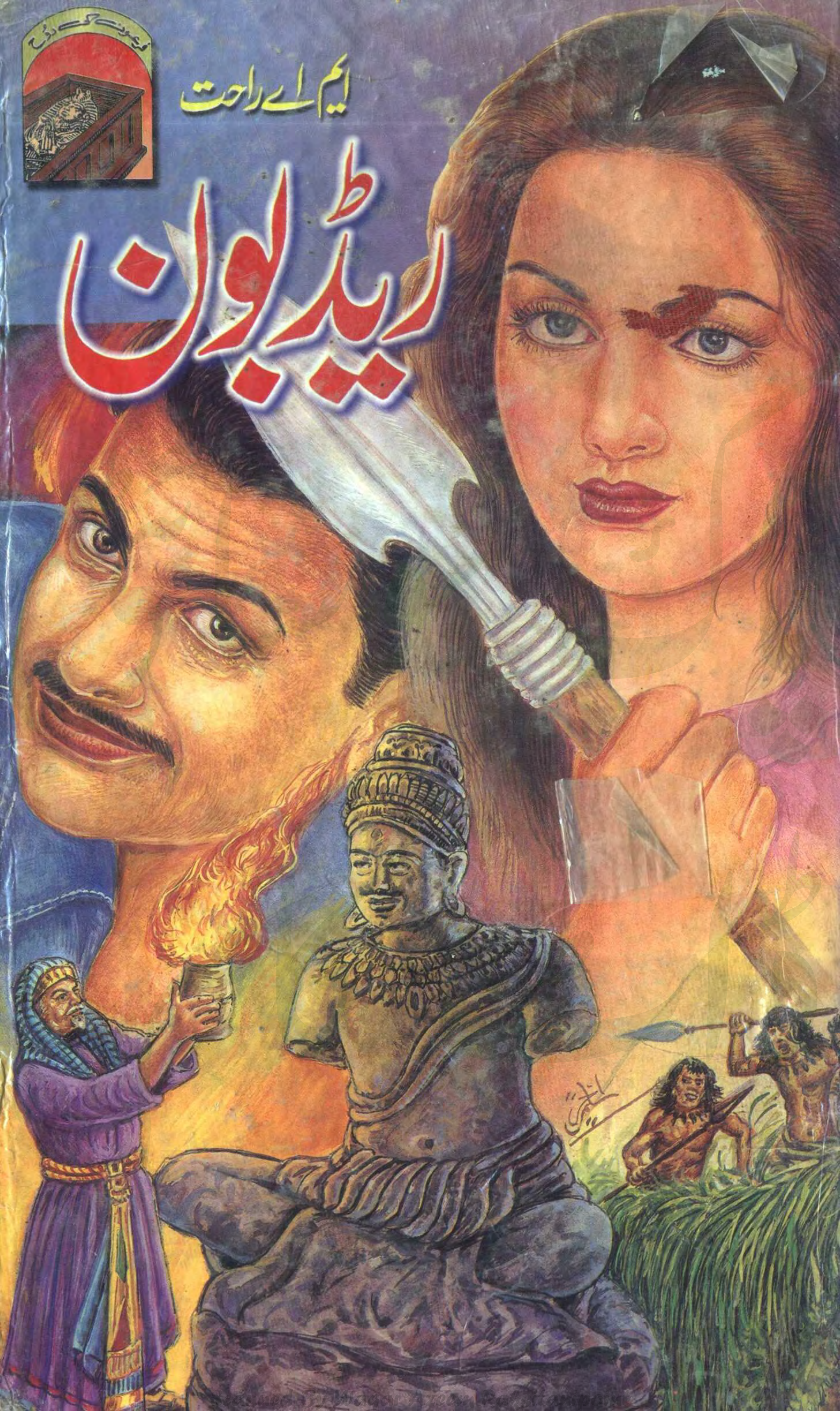
جِل برادران کا کارخانہ عجیب دیکھتا ہوا میں واپس اپنے خیمے میں آ گیا۔ دوپہر کو دو بجے کے قریب کھانا خیمے میں ہی ملا۔ کھانے سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو دیکھا کہ دو جیپیں کسی لمبے سفر سے آئی تھیں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں سے؟ بہر حال! ابھی یہاں شناسائی بھی نہیں تھی۔ ہاں! شام کو چار بجے گروجر سے ملاقات ہو گئی۔

''ہیلو مسٹر منصور!''

''ہیلو گروجر!''

''بور ہو رہے ہوں گے۔''

''ہاں! شاید بور ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔''

''آپ نے کیا فیصلہ کیا.....واپس جائیں گے یا ہمارے ساتھ رہیں گے؟''

''میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا۔''

''اگر آپ سیاح ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ صحرائے اعظم ہمارے ساتھ دیکھیں۔''

''مگر کچھ سوالات میرے ذہن میں اُلجھے ہوئے ہیں گروجر!''

''ایک بات کا اطمینان رکھیں، جِل برادران آپ کو ہر طرح مطمئن کر دیں گے۔'' گروجر نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔

شام کا ماحول پچھلے دن کے مطابق تھا۔ تمام لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہو چکے تھے اور اب اُسی احاطے میں اپنے اپنے مشاغل کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ سورج چھپ گیا اور گراؤنڈ میں موسیقی کی آوازیں اُبھرنے لگیں۔ گویا اُن کا مشغلہ شروع ہو گیا تھا۔ میں نے بھی لباس تبدیل کیا جو مجھے یہیں مہیا کر دیا گیا تھا اور پھر باہر نکل آیا۔ ان لوگوں کی تفریحات کا جائزہ لینے لگا۔ یہ بات غور کرنے کی تھی کہ جِل برادرز اور اُن کا یہ گروہ صرف سیاحت کے لئے ہی یہاں نہیں آیا تھا بلکہ اس کے پس پردہ کچھ اور بھی تھا۔ کیونکہ جس طرح

جل برادرز نے نقشے کے بارے میں گفتگو کی تھی وہ کچھ اور ہی انداز تھا۔ وہ پراسرار لڑکی اُن لوگوں کے لئے انتہائی دلچسپی کا باعث تھی اور میرے لئے بھی۔ کیونکہ لڑکی کا کردار اُن سب میں سب سے زیادہ عجیب وغریب تھا۔ نقشہ کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اور اُس کا آدھا ٹکڑا لڑکی کے پاس کیوں تھا؟ یہ ساری باتیں ذہن میں گڈ مڈ ہوتیں تو دماغ اُڑنے لگتا تھا۔ میں نے وہی طریقہ اختیار کیا۔ یعنی جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے دو۔

اُسی وقت ایک شخص میرے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''جل برادرز آپ کو طلب کر رہے ہیں مسٹر منصور!''

میں نے اُس طرف دیکھا جہاں وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے سامنے مشروبِ بدمست کے برتن سجے ہوئے تھے۔ میں اُن کے قریب پہنچ گیا۔ دونوں نے معمول کے مطابق ایک ہی آواز اور ایک ہی انداز میں میرا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کی پیشکش کی تھی۔ پھر اُن میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مسٹر منصور! یقینی طور پر اتنا وقت گزر جانے کے بعد آپ نے ہمارے ساتھ قیام کرنے کا یا جانے کا فیصلہ کر لیا ہوگا۔ ویسے ہماری پیشکش اب بھی برقرار ہے اور یہ پورے خلوص پر مبنی ہے۔ ہم بغیر کسی لالچ کے آپ کو واپسی کے لئے مواقع مہیا کر سکتے ہیں۔''

''لیکن میں آپ کی رائے پوچھنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر سن لیجئے! ہم دونوں بھائی کسی بھی طور آپ کو اس طرح واپس بھیجنے کے حق میں نہیں ہیں۔ تاہم آپ پر کوئی پابندی اور دباؤ بھی عائد نہیں کیا جا سکتا۔ بس! ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے آپ کی ضرورت ہے۔''

''اور اگر میں آپ سے آپ کا مقصد پوچھوں تو.....؟''

''آپ کو اس کا حق ہے۔'' جل برادرز میں سے ایک نے کہا۔

''تو پھر پہلی بات تو میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ صحرائے اعظم میں آپ کی آمد کا مقصد کیا ہے؟ اور جن عظیم الشان انتظامات کے ساتھ صحرا میں داخل ہوئے، وہ میرے لئے انتہائی حیرت کا باعث ہے۔ ان کی وجہ بتانا پسند کریں گے؟''

''شاید آپ نے ہمارے بارے میں یہاں معلومات حاصل کی ہوں۔ ہمارا تعلق شاہی خاندان سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے وسائل اب بھی لامحدود ہیں۔ مگر

ہماری دلچسپی اور مشاغل ذرا مختلف ہیں۔ میرے پاس اُس نقشے کا آدھا ٹکڑا موجود ہے جس کا بقیہ آدھا آپ نے اُس لڑکی کے پاس دیکھا تھا۔ اُس نقشے میں ایک عظیم الشان خزانے کا راز چھپا ہوا ہے۔ اور ہم وہ خزانہ حاصل کرنے کے لئے ہی صحرائے اعظم میں داخل ہوئے ہیں۔ یقینی طور پر آپ کے ذہن میں اُس خزانے کے متعلق سوالات بھی اُبھر رہے ہوں گے۔ لیکن بہتر ہے کہ ابھی اس کے بارے میں کوئی سوال نہ کریں۔ دوسری بات اس ساز و سامان کے ساتھ یہاں داخل ہونے کی ہے تو شاید آپ نے اپنی عملی زندگی میں کبھی فلمی زندگی کا بھی مطالعہ کیا ہو تو آپ کے ذہن میں جل برادران کی بنائی ہوئی فلمیں بھی آ سکتی ہیں۔''

''اوہ! تت.....تو.....تو کیا.....تو کیا.....؟''

''ہاں! وہ جل برادرز ہم ہی ہیں۔ یہ ہمارا مشغلہ ہے۔ اور مشغلے کے طور پر ہم نے کئی فلمیں بنائی ہیں۔ کروڑوں ڈالرز کا خرچہ کیا ہے اُن پر۔ اور ہماری کئی فلمیں مقبولیت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اس بار بھی آپ جن لوگوں کو ہمارے ساتھ دیکھ رہے ہیں، یہ ایک فلم یونٹ کے طور پر ہی صحرائے اعظم میں داخل ہوئے ہیں اور صحرائے اعظم پر ایک فلم بنا رہے ہیں اور اپنی پسند کے مطابق جو جگہ دیکھتے ہیں وہاں اس فلم کی شوٹنگ بھی کر لیتے ہیں۔ مقصد صرف یہی ہے کہ دونوں کام ہو جائیں۔ صحرائے اعظم کا سفر اسی لئے ہم نے اختیار کیا ہے کہ اُس خزانے کا حصول چاہتے ہیں اور یہ جتنے لوگ ہمارے ساتھ ہیں اگر خزانہ ہمیں دستیاب ہوا تو یہ سب اُس کے حصے دار ہوں گے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ ہماری یہاں آمد کا مقصد کیا ہے؟ اور ہم نے اُن میں سے کسی سے بھی نہیں چھپایا۔ ان میں سے بہت سے لوگ فلمی پروفیشنل ہیں۔ لیکن زیادہ تر نئے اور مہم جو افراد ہیں جو فلم سے نہیں، مہم جوئی سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس طرح ہمارے دونوں کام ہو رہے ہیں۔ اُس لڑکی کا مسئلہ آپ کے ذہن میں اُلجھ رہا ہوگا تو یوں سمجھ لیجئے کہ دوسری پارٹی وہ لڑکی ہے جو اُس خزانے کے بارے میں تفصیلات جاننا چاہتی ہے۔ اور ہم اُس کے ہاتھوں کافی نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ خزانے کے نقشے کا آدھا ٹکڑا اُس نے اپنی حیرت انگیز صلاحیتوں کی بنیاد پر ہم سے حاصل کیا ہے۔ اس نقشے سے متعلق ایک کہانی ہے جسے ہم نے اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھا ہے۔ اور اس کے لئے ہمیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا کہ ہم وہ کہانی اُسے سنائیں۔ مسٹر منصور! تمام تفصیلات آپ کو

بتا دی گئی ہیں۔ ہمیں اس پر ذرہ برابر اعتراض نہیں ہوگا اگر آپ بھی خزانے کے حصے داروں میں شامل ہو جائیں۔ یعنی افریقہ کی سیاحت کریں۔ اور اگر خزانہ دستیاب ہو جائے تو اس میں سے اپنا حصہ لے کر دنیا کے کسی بھی گوشے میں آباد ہو جائیں۔ خزانے کے بارے میں تفصیلات بھی آپ کو آہستہ آہستہ دی جائیں گی کہ وہ کتنی بڑی مالیت کا ہے؟ اس کے علاوہ، ہمیں آپ کی ضرورت یوں بھی درپیش ہے کہ اُس لڑکی نے حیرت انگیز طور پر آپ کو اپنا ساتھی منتخب کرنے کی کوشش کی تھی۔ جب کہ اس سے قبل ایسی کوئی بات دیکھنے میں نہیں آئی۔ ان وجوہات کا جائزہ بھی لینا پڑے گا جن حالات میں آپ اُس سے جدا ہوئے ہیں اور جو کہانی ہمارے علم میں آئی ہے، اُس سے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر دوبارہ آپ کبھی اُس لڑکی تک پہنچ سکے تو وہ معمول کے مطابق آپ کی پذیرائی کرے گی۔ اور اگر آپ ہمارے آدمی ہوں گے تو پھر ہماری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ یوں سمجھ لیجیے مسٹر منصور! کہ آپ اچانک ہمارے لئے ایک کارآمد ساتھی بن گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود شاید آپ اسے ہماری نسلی برتری یا خاندانی برتری سمجھیں کہ ہم کسی بھی شخص کو اُس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کرتے۔ ہم نے اپنی ضرورت کا اظہار کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی آپ کے لئے پھر وہی بات دُہرائی جاتی ہے کہ اگر آپ اپنے طور پر پسند نہیں کریں گے تو ہم آپ کی واپسی کا بندوبست کر دیں گے۔''

بڑی صاف ستھری اور عمدہ گفتگو تھی۔ اور پہلی مرتبہ مجھے برے لوگوں کی اچھی بات پسند آئی تھی۔ میں تو پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ اکیلا یہاں سے واپسی کا تصور بھی نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ کے انداز میں بڑی اپنائیت جھلکتی ہے۔ اور نجانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کا ساتھ دوں۔ مجھے بھی دوسرے لوگوں کی مانند، میری ذمہ داریاں سمجھا دی جائیں۔ میں یہاں عام لوگوں کی طرح تمام کام کروں گا اور جہاں تک اُس لڑکی کا تعلق ہے تو میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں تو خود بھی اُس سے جان چھڑانے کی فکر میں تھا۔ ایسی خوفناک لڑکی کے ساتھ بھلا انسان کس طرح رہ سکتا ہے؟''

''ہم آپ کو اپنے اس گروہ میں خوش آمدید کہتے ہیں مسٹر منصور! جہاں تک آپ کے مشغلے کا تعلق ہے تو ابھی چند روز آپ مہمان کی حیثیت سے گزاریں۔ اس کے بعد کوئی ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی جائے گی۔ ویسے یہاں کوئی شخص کسی ذمہ داری کے اپنے سپرد

ہونے کا انتظار نہیں کرتا۔ کیونکہ ہم کسی کو کسی کی مرضی کے خلاف احکامات نہیں دیتے۔ ہاں! مشورے کے طور پر ہر طرح کی گفتگو کی جا سکتی ہے۔ یعنی کوئی ایسا کام جو آپ کی پسند کے مطابق نہ ہو لیکن ہم یہ محسوس کریں کہ آپ سے وہ کام لینا ضروری ہے تو آپ کو اس سلسلے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور اس کے بعد وہ ذمہ داری آپ کے سپرد کر دی جائے گی۔''

''بہت بہت شکریہ۔ آپ لوگوں نے جس طرح یہ گفتگو کی ہے، اُس نے میرے اندر نہ صرف اعتماد بلکہ دوستی کا تصور بھی پیدا کر دیا ہے۔ اور مسٹر جل برادرز! میں اس دوستی کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ اور جو کام دل سے کیئے جاتے ہیں، اُن میں پھر اپنے جذبات بھی شامل ہوتے ہیں۔''

''یہاں کا ماحول انتہائی دوستانہ ہے۔ اور ہر شخص آپ کا دوست ہے۔ ہر طرح کی آزادی آپ کو حاصل ہے۔ خواہ آپ کے دوست مرد ہوں یا خواتین، آپ پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ یہاں ایک اطلاع آپ کو ضرور دے دی جائے، وہ یہ کہ آپ کے بیان کے مطابق ہم نے اُن کھنڈرات یا پہاڑی چٹانوں میں وہ نقشہ تلاش کرانے کی کوشش کی تھی جو لڑکی نے پتھر کے ٹکڑے سے ترتیب دیا تھا۔ وہاں ایسے نقوش مل گئے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ نقشہ بنایا گیا تھا۔ لیکن جس طرح لڑکی نے اُسے مٹا دیا، اُس سے ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ چند افراد کو وہاں بھیجا گیا تھا۔ وہ اُس جگہ کی تصویریں بنا کر لائے ہیں لیکن بے سود۔ اُن سے ہمیں کوئی کارآمد بات نہیں معلوم ہو سکی۔''

میں نے پُرخیال انداز میں گردن ہلائی اور اُن کا شکریہ ادا کر کے واپس اپنی میز پر جا بیٹھا۔ موسیقی دُھنیں تبدیل کر رہی تھی اور لوگ بالکل اُسی انداز میں بیٹھے ہوئے تھے جیسے کسی اعلیٰ درجے کے اوپن ایئر ہوٹل میں تفریحات میں مشغول ہوں۔ میں اب پہلے سے زیادہ اطمینان محسوس کر رہا تھا کیونکہ ذہن سے بہت سے خیالات مٹ چکے تھے۔ اور میں نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کر لیا تھا کہ جل برادرز کے ساتھ بھی تقدیر کے لکھے ہوئے وہ لمحات پورے کروں جو میرے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔ پھر میری نگاہ ایک میز کی جانب اُٹھ گئی۔ اس میز پر میں نے اُس برفانی بوڑھے کو دیکھا تھا۔ برفانی بوڑھا

میرے ذہن میں اس لئے اُبھرتا تھا کہ وہ واقعی برف کی طرح سفید تھا۔ مگر اس کو دیکھتے ہی یہ احساس ہرتا تھا جیسے یہ سفیدی مصنوعی ہو۔ بوڑھے کے ساتھ وہی لڑکی موجود تھی جس کے چہرے پر زندگی ذرا کم ہی نظر آتی تھی۔ سوکھا سوکھا سا انداز..... حالانکہ وہ اتنی دُبلی پتلی بھی نہیں تھی۔ بس متناسب تھی۔ نقوش میں ایک سپاٹ کیفیت جیسے وہ ہر تاثر سے بے نیاز ہو۔ مجموعی طور پر اس کی صورت دیکھ کر آج یہ اندازہ ہوا کہ اگر وہ اپنے آپ کو سنوار لے تو بلاشبہ حسین کہلائے۔ لیکن اُس کا لٹا پٹا سا انداز اور خاموشی کی کیفیت اُس کی جاذبیت، اُس سے چھین لیتی تھی۔ پتہ نہیں بوڑھے کی کون ہے؟ پچھلے دن کی طرح آج بھی میں نے اُسے اُداس اور خاموش بیٹھے ہوئے محسوس کیا۔ نجانے کیوں میرے ذہن میں ان دونوں کے لئے ایک بے کلی سی پیدا ہوگئی۔ میں نے سوچا کہ گروجر سے اُس لڑکی اور اُس شخص کے بارے میں پوچھوں گا ضرور۔ لیکن اس وقت گروجر اپنے آپ میں نہیں تھا۔ میں دلچسپی سے اُن تمام مناظر میں کھویا رہا۔

پھر دفعتہً ہی کوئی مجھ پر نازل ہوگیا۔ شراب کے برتنوں کی ایک چھوٹی سی ٹرے میری میز پر آ ٹکی اور کرسی گھسیٹ کر ایک خوب صورت سی لڑکی میرے سامنے آ بیٹھی۔ اس سارے ماحول میں اب تک اگر کوئی اجنبی بات تھی تو وہ یہی تھی کہ کوئی لڑکی مجھ تک نہیں پہنچی تھی۔ ساری کہانی ہی بیکار ہوئی جا رہی تھی۔ بھلا جس منظر میں کوئی خوب صورت لڑکی شامل نہ ہو اور خاص طور سے کہانی کے مرکزی کردار کے ساتھ، تو کہانی میں جاذبیت کہاں رہتی ہے؟ چنانچہ میرے مرکزی کردار میں ابھی تک کوئی لڑکی شامل نہیں ہوئی تھی اور شاید میں بے چینی سے اُس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ چنانچہ معزز قارئین! لڑکی آ گئی۔ میں نے گہری نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔ اور اُس کی دلکش آواز اُبھری۔ ''اس بے تکلفی کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ لیکن اگر کچھ لوگ خود کو ضرورت سے زیادہ ہی لئے دیئے رکھیں تو کہاں تک اُن کے ساتھ رعایت برتی جا سکتی ہے؟''

''شاید.....'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا نام سونیتا ہے۔'' اُس نے کہا۔

اُسی وقت عقب سے ایک آواز اُبھری۔ ''ہیلو سونیتا!'' ایک دراز قامت آدمی اُس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

''ہیلو!'' اُس نے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے اُس شخص کی طرف دیکھا۔

''میں تمہارے ساتھ رقص کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں تمہارے ساتھ رقص کرنا نہیں چاہتی۔'' اُس نے اسی شخص کے سے انداز میں جواب دیا اور وہ جھینپ سا گیا۔

''مم..... میرا مطلب ہے.....''

''مطلبی لوگوں سے مجھے سخت چڑ ہے۔ پلیز! میں باتیں کر رہی ہوں اور اپنی گفتگو میں تمہاری مداخلت کو میں نے ناپسند کیا ہے۔'' وہ شخص اپنا سا منہ لئے وہاں سے واپس چلا گیا تھا۔ لڑکی کی تیز طرار گفتگو نے میرے دل میں اُس کے لئے دلچسپی پیدا کر دی۔ وہ پھر میری طرف دیکھنے لگی اور اُس نے مجھ سے کہا۔

''اگر کوئی اپنے نئے دوست کے لئے کسی پرانے دوست، شناسا کو مسترد کر دے تو نئے دوست پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کی پذیرائی کرے۔ میں نے تمہارے لئے اُسے مسترد کر کے اپنی طرف سے پہل کا ثبوت دیا ہے۔ کیا تم اب بھی خاموشی اختیار کرو گے؟''

وہ اتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی کہ مجھے اس کا گمان نہیں تھا۔ تاہم اب میں لڑکیوں کی دنیا کا احمق آدمی نہیں تھا۔ بہت کچھ سیکھ چکا تھا اس دنیا میں۔ چنانچہ میں نے بھی اسی انداز میں کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں تمہاری پذیرائی کرتا ہوں سونیتا۔''

''اور میں تمہیں کس نام سے مخاطب کروں؟''

''منصور۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھو! میری یہاں آمد بلا مقصد نہیں ہے۔ میں کل بھی تمہیں دیکھتی رہی تھی۔ لیکن کل تمہارا یہاں پہلا دن تھا اور تمہیں غالباً کہیں اور جگہ سے پکڑ کر لایا گیا تھا۔ چنانچہ میں ہمت نہ کر سکی۔ لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد یہ تصور ضرور میرے ذہن میں اُبھرا تھا کہ اگر موقع ملا تو تم سے شناسائی ضرور کروں گی۔''

''اس کی کوئی خاص وجہ؟''

''ہاں! میں یہی چاہتی تھی کہ تم وجہ پوچھو۔''

''تو میں پوچھ رہا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ایک بات جہاں تک میرے علم میں ہے، منصور جیسے نام ایشیائیوں کے ہوتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟''

''ہاں.....سو فیصد۔''

''تو پھر میرے بارے میں سنو۔ میں بھی نصف ایشیائی ہوں۔''

''کس طرح؟''

''میری ماں یورپین تھی اور میرا باپ ایشیاء کا باشندہ تھا۔ اُس کا نام دانش تھا اور میرا پورا نام سونیتا دانش ہے۔ اس لحاظ سے میرے بدن میں ایشیائی خون دوڑ رہا ہے اور مجھے ایشیائیوں سے خاص محبت اور رغبت ہے۔ اب جب مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ تم اب ہمارے ساتھی ہو تو میں نے تم سے دوستی کا فیصلہ کر لیا۔ گو یہ دوستی ابھی زبردستی ہے۔ یعنی میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ لیکن ظاہر ہے مجھے ہی تمہارے پاس آنا چاہئے تھا۔''

''تھینک یو سونیتا! میں بھی تم سے متاثر ہوں اس لئے کہ تم آدھی ایشیائی ہو۔''

''یقیناً.....ہماری دوستی کافی پائیدار ہونی چاہئے۔''

''یہ آنے والے وقت پر منحصر ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''میرے ساتھ رقص کرو گے؟''

''کیونکہ تم ایشیائی ہو۔ میرا مطلب ہے نصف ایشیائی۔ چنانچہ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو ٹھیک ہے۔''

''اوہ! بے حد شکریہ۔ مجھے ضدی لوگ پسند نہیں آتے۔ کیونکہ میں خود ضدی نہیں ہوں۔ اگر تم کبھی مجھ سے کوئی بات منوانا چاہو گے تو میں ذرا بھی ضد نہیں کروں گی۔'' اُس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا تھا کہ محترمہ سونیتا! آپ جو کچھ فرما رہی ہیں، اس کا مفہوم میں سمجھ رہا ہوں..... پھر ہم بھی رقص کرنے والوں کی بھیڑ میں آ شامل ہوئے اور اُس کے بعد دیر تک رقص کرتے رہے۔ کسی نے ہماری جانب توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن تیسرے راؤنڈ میں جب میں اور سونیتا رقص کے لئے اُٹھنے والے تھے کہ ایک لحیم شحیم آدمی سونیتا کے قریب پہنچ گیا۔

''ہیلو سونیتا! آؤ رقص کریں۔''

سونیتا نے ٹیڑھا منہ کر کے اُس شخص کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''نو..... سوری ڈیئر بیکن! میں اپنے پارٹنر کے ساتھ ہوں۔''

''کیا لائف پارٹنر کے ساتھ؟''

''اگرچہ تم نے یہ جملہ بدتمیزی کے انداز میں کہا ہے، تب بھی میں نے اس کا برا نہیں مانا۔ کیا سمجھے؟'' سونیتا نے ہونٹ سکوڑ کر کہا اور بیکن ہنسنے لگا۔

میں اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔ بے حد قوی ہیکل اور پہلوان ٹائپ کا آدمی تھا۔ شانے چوڑے، کمر پتلی، ویٹ لفٹر سا لگتا تھا۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا کہ یہ حضرات کہیں میرے رقیب نہ بن جائیں۔ ہڈی پسلی توڑنے میں مہارت رکھتے ہوں گے۔ یہ بلاوجہ کا عشق کہیں مصیبت میں نہ پھنسا دے۔ وہ ہونٹ چباتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔

سونیتا نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔ ''خود کو کچھ سمجھنے والے مجھے ہمیشہ سے ناپسند ہیں۔''

رقص کے بعد سونیتا نے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھایا اور پھر جب تمام لوگ وہاں سے اُٹھے تو وہ میرے ساتھ ہی میرے خیمے میں آ گئی۔ میرے انداز میں اب کچھ بوکھلاہٹ سی پیدا ہوگئی تھی۔ سونیتا اب ایک سمت بیٹھ گئی اور پھر اُس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''نیند آ رہی ہے تو میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کروں گی۔ لیکن ہماری دوستی کا آغاز ہو گیا ہے اور ہمارے درمیان ایشیاء کا رشتہ ہے۔ کیا سمجھے؟''

''یقیناً.....'' میں نے احمقانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''تو میں جاؤں؟'' اُس نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ..... تم نے مجھے بہترین کمپنی دی ہے۔'' میں نے اُس سے جان چھڑاتے ہوئے کہا اور سونیتا ایک پراسراری مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گئی۔

اُس کے جانے کے بعد میں نے گہری سانسیں لی تھیں کیونکہ وہ قوی ہیکل بیکن مجھے یاد آ رہا تھا۔ اگر جل برادرز کے گروہ میں میرا ایک دشمن پیدا ہو جائے تو بہر طور! یہ میرے لئے سود مند نہیں تھا۔ لیکن میڈم سونیتا ضرورت سے آگے کی چیز معلوم ہوتی تھیں۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہوا تھا کہ میڈم سونیتا اندر آ گئی۔ اُسے دیکھ کر میں نے ایک گہری سانس لی۔ سونیتا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''منصور! آؤ باہر چلیں۔ تم تو خیمے میں ہی

قید رہتے ہو۔''

''یہاں کی زندگی سے مجھے کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اس لئے میں اپنے آپ کو محدود رکھ
ہوں۔''

''اوہ نو..... جل برادرز اپنے ساتھیوں پر کوئی بھی پابندی نہیں لگاتے۔ اگر تمہیں بہ
اچھے باس کی تلاش ہو تو ان سے اچھے لوگ تمہیں رُوئے زمین پر نہیں ملیں گے۔'' میں ن
گردن ہلائی۔ پھر سونیتا کے ساتھ میں کیمپ کے حصار سے باہر آ گیا۔

اطراف میں وہی لاتعداد مناظر بکھرے پڑے تھے جن سے میں صحرائے اعظم میں آ
کے بعد اچھی طرح روشناس ہو چکا تھا۔ ہم اُن کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے آبشا
کے کنارے آ بیٹھے اور سونیتا مجھے برق پاش نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''ڈیئ
منصور! دورانِ سیاحت تمہاری ملاقات تو بہت سے ایسے لوگوں سے ہوئی ہو گی جنہوں ن
تمہیں متاثر کیا ہو گا۔ میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''بہت اچھی..... بہت عمدہ۔'' میں نے بادلِ ناخواستہ جواب دیا۔

''کیا تم مستقل ہمارے ساتھ رہنے پر رضامند ہو گئے ہو؟''

''فی الحال تو ارادہ ایسا ہی ہے۔''

''اوہ ڈیئر! اگر جل برادرز سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے تو تمہیں تفصیلات بھی معلوم ہ
گئی ہوں گی۔ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔ جل برادرز کی دو فلموں میں کام کر چکی ہوں۔ کی
تم نے میری فلمیں دیکھی ہیں؟''

''نہیں۔''

اوہ..... کاش! تم نے انہیں دیکھا ہوتا۔ میرے مداحوں کا خیال ہے کہ میں جذبا
اداکاری میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔''

''کون سی فلم تھی تمہاری؟'' میں نے سوال کیا۔

''دو سورج۔'' اُس نے جواب دیا۔

''افسوس! میں نے نہیں دیکھی۔''

اُسی وقت میری نگاہ بیکن پر پڑی جو ایک درخت کے نیچے کھڑا ہم دونوں کو گھور رہا تھا
اُس کے گھورنے کا انداز بے حد خطرناک تھا۔ اُسی وقت اُس نے درخت کی دو موٹی

شاخوں پر ہاتھ رکھا اور پھر بازوؤں کی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شاخ کو درمیان سے
توڑ دیا۔ یہ میرے لئے ایک چیلنج تھا۔ میں نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں۔ سونیتا نے
بھی اُس کی آہٹیں محسوس کر لی تھیں۔ پھر اُس کا سریلا قہقہہ گونج اُٹھا اور اُس نے کافی زور
سے کہا۔ ''بیکن ایک لکڑ ہارا ہے۔''

بیکن غصے سے پاؤں پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ لیکن اُس کے بعد میں سونیتا سے ایک
بھی رُومانی جملہ نہ کہہ سکا۔ جبکہ سونیتا نے بہت ساری باتیں مجھ سے کر ڈالی تھیں۔ پھر ہم
نے کیمپ میں کچھ سرگرمیاں دیکھیں اور سونیتا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اوہو..... شاید جل برادرز
کی جانب سے آگے بڑھنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ آؤ! چلیں۔''

ہمارا اندازہ درست نکلا۔ لوگ خیمے اُکھاڑنے میں مصروف تھے۔ میں نے بھی اُن
لوگوں کا ساتھ دیا۔ سونیتا مسلسل میرے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ بیکن کے علاوہ ابھی تک کسی اور
نے ہم دونوں کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ نہایت برق رفتاری سے کام کیا گیا تھا۔ اور اُس
کے بعد تمام لوگ ٹرکوں اور جیپوں میں سوار ہو گئے۔ سونیتا نے یہاں بھی میرا پیچھا نہیں
چھوڑا تھا۔ جس لینڈ روور میں ہم سوار تھے، اُسی میں سونیتا بھی تھی۔ لیکن دوسرے کئی افراد
بھی تھے۔ البتہ بیکن نہیں تھا۔ سونیتا نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی۔ ''اب سے پہلے
وہ میرے ساتھ سفر کرتا تھا۔''

''بیکن؟'' میں نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ہاں!'' اُس نے کہا اور میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک یہ
خاموشی طاری رہی۔ باہر کے مناظر ہماری نگاہوں سے رُوپوش تھے۔ میں نے دوسرے
لوگوں پر توجہ دی۔ تین نوجوان اور پانچ لڑکیاں مزید ہمارے ساتھ لینڈ روور میں سوار
تھیں۔ مگر سب کے سب خاموش بیٹھے تھے۔ صرف سونیتا ہی تھی جو بار بار میرے کان میں
سرگوشیاں کر رہی تھی۔

دفعتہً مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے سونیتا سے پوچھا۔ ''سونیتا! ایک بات بتاؤ۔ ہمارے
درمیان ایک شخص موجود ہے جس کے بال برف کی مانند سفید ہیں۔ میری مراد اُس سفید
بوڑھے سے ہے جس کے ساتھ ایک دُبلی پتلی سی لڑکی رہتی ہے۔''

''مسٹر تھیوڈور۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''شاید اُس کا نام تھیوڈور ہی ہو۔ تمہارے گروہ میں وہ ایک ہی شخص ہے جس کی داڑھی، بھویں، مونچھیں اور سر کے بال برف کی طرح سفید ہیں۔''

''ہاں! ٹھیک ہے۔ وہ مسٹر تھیوڈور ہیں اور اُن کے ساتھ سولیتا ہے۔''

''سولیتا؟''

''جل برادرز اُس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ ویسے مسٹر تھیوڈور نفیس انسان ہیں۔ نرم خو، خوش مزاج اور بزرگانہ شفقت کے مالک۔''

''ہاں..... بس! مجھے اُن کی شخصیت میں ایسی ہی کچھ کیفیات نظر آئی تھیں جس کی وجہ سے میں نے اُن کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔''

سونیتا خاموش ہوگئی۔ ہمارا سفر شام تک جاری رہا۔ جس جگہ جل برادرز نے قیام کیا تھا، وہ اُونچے نیچے بھورے ٹیلوں سے بھری ہوئی تھی۔ درمیان میں کہیں کہیں تھوڑی بہت جگہ موجود تھی۔ لیکن اُس رات خیمے نہیں لگائے گئے بلکہ پہلے کی مانند گاڑیوں کا ایک دائرہ بنا کر اُن کے درمیان رہنے کے لئے جگہ صاف کر لی گئی۔ رات کا کھانا بھی سفری قسم کا تھا اور آج رات یہاں رقص و سرود کی محفل بھی نہ جمی۔ یہ تھا جل برادرز کا سفر کرنے کا انداز۔ صحرائے اعظم کے مختلف علاقوں کی کیفیت میں اب اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ یہاں جگہ جگہ خطرناک دلدلیں، خوفناک جنگل اور وحشی قبیلوں کی بھرمار تھی۔ جل برادرز ہر سلسلے میں ہوشیار نظر آتے تھے۔ ویسے میں اُن کی تنظیم کا دل سے قائل ہوتا جا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ جو کوئی بھی تھے، بہترین ذہانت کے مالک تھے اور اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے کر رہے تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس گروہ میں جتنے افراد شامل تھے، وہ سب ہی جانتے تھے کہ اُن کا یہ سفر کس حیثیت کا حامل ہے۔ اور سب کے سب اپنے طور پر اس سے دلچسپی رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ خواتین بھی خزانے کی تلاش میں دوڑی دوڑی چلی جا رہی تھیں۔ یہ ایک دلچسپ مرحلہ تھا اور بہرطور! اب تک مجھے ایسے واقعات سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یوں تو زندگی میں بے شمار کردار آئے تھے اور ہر کردار اپنی جگہ ایک الگ حیثیت کا حامل تھا۔ لیکن جل برادرز مجھے بھی کافی پسند آئے تھے۔

سفر کا دوسرا دن بھی پہلے دن کی مانند تھا۔ البتہ چونکہ راستے دُشوار گزار تھے۔ اس لئے یہ سفر تکلیف دہ رہا۔ خاص طور سے پہلے ایسے راستوں کا تعین کیا جاتا تھا جہاں سفر کیا

جائے۔ دوسری رات کا قیام بھی بالکل ایسا ہی رہا۔ البتہ میری دلچسپی کے لئے سونیتا موجود تھی۔ میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لڑکی بہت آگے کی چیز ہے اور اس تک رسائی مشکل نہیں ہے۔ لیکن کیا کرتا؟ بیکن درمیان میں موجود تھا۔ میں نے مختلف طریقوں سے بیکن کو اپنے اردگرد چکراتے محسوس کیا۔ سونیتا بھی اُس سے اُلجھتی نہیں تھی۔ بلکہ اُس کی موجودگی میں مجھ سے زیادہ رغبت کا اظہار کر کے، وہ غالباً بیکن کو جلانا چاہتی تھی اور میں بیکن کے چہرے پر طیش کے آثار دیکھ کر اپنے حواس گم کرنے لگتا تھا۔

تیسرے دن کا سفر دھوپ اور گرمی کی وجہ سے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ پتہ نہیں جل برادرز کون سی لائن پر آگے بڑھ رہے تھے؟ یہ معلومات حاصل کرنا میرا کام نہیں تھا۔ لیکن اُس رات ہم ایک نخلستان میں پہنچے۔ ناریل اور کھجوروں کے جھنڈ بکھرے ہوئے تھے اور اُن کے درمیان پانی موجود تھا۔ جل برادرز نے یہاں خیمہ زنی کا حکم دے دیا اور مجھے اُن کے سفر کے انداز کا احساس ہوا۔ وہ ایسی جگہ قیام کرتے تھے جہاں زندگی کی سہولتیں موجود ہوں یعنی پانی، درخت وغیرہ وغیرہ۔ یہاں راتوں رات خیمہ زنی کر لی گئی اور بالکل اُسی انداز میں خیموں کا یہ شہر آباد ہو گیا۔ سونیتا نے مجھے بتایا کہ جل برادرز اب یہاں دو تین دن تک قیام کریں گے۔ کیونکہ اب تک جو مسلسل سفر کیا ہے، اس سے تھکن بھی ہو گئی ہے۔ اس قیام کے بعد پھر نئے سفر کا آغاز کر دیا جائے گا۔ میں نے سمجھنے والے انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ بہرطور! اُس رات کوئی تفریحی پروگرام نہیں بنایا گیا۔ لیکن دوسرے دن پکنک کا سا سماں تھا۔ رائفلیں نکل آئی تھیں اور بہت سے لوگوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ ٹولیاں شکار کے لئے نکل گئیں۔ غالباً گوشت جمع کرنے اور اضافی خوراک حاصل کرنے کا یہی طریقہ کار تھا۔ سونیتا نے مجھ سے شکار کے بارے میں پوچھا تو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''میں تو خود شکار ہوں اور عموماً شکاری مجھے شکار کرتے رہتے ہیں۔ میں کسی معصوم جانور کو شکار کر کے کیا کروں گا؟''

سونیتا ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''میرا خیال تم سے مختلف ہے۔ تم درحقیقت شکار کے انداز کے شکاری ہو۔ اور یقینی طور پر دھوکے سے شکار کرتے ہو۔''

''تم نے اس کا اندازہ کیسے لگایا؟''

''اپنے آپ کو دیکھ کر۔ کیونکہ میں تمہاری شکاری ہوگئی ہوں اور تم مستقل مجھے تڑپا رہے

ہو۔''

میں نے گہری نگاہوں سے سونیتا کو دیکھا اور اُس کا چہرہ دیکھ کر میری آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی۔ دل ہی دل میں، میں نے کہا کہ محترمہ! یوں تو میں ایک باکردار آدمی تھا اور کسی زمانے میں اپنے آپ پر فخر کیا کرتا تھا۔ لیکن برا ہو اُس کمبخت لڑکی کا جس نے کاک ٹیل پلا کر مجھے میری دنیا سے دُور پہنچا دیا۔ بہرطور! دیکھا جائے گا جو کچھ بھی ہوگا۔ میں سونیتا کے ساتھ دیر تک رہا۔ پھر کسی طرح اُس سے فراغت حاصل ہوگئی اور میں اپنے طور پر آگے بڑھ گیا۔

شکاری، جنگلوں میں پھیلے شکار کھیل رہے تھے۔ بعض ہرن اور نیل گائے اُٹھائے واپس آ گئے تھے اور دوسرا گروہ اُن جانوروں کی کھال اُتارنے میں مصروف ہوگیا تھا۔ مگر میں آگے بڑھ گیا اور پھر ایک درخت سے ٹِک کر اطراف کے مناظر دیکھنے لگا۔ پتہ نہیں ان جنگلوں میں درندے بھی موجود تھے یا نہیں؟ ابھی تک کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ ویسے صحرائے اعظم میں دن کے وقت بھی وحشی درندے بھاگتے دوڑتے نظر آ جاتے تھے۔ اس سفر کے دوران میں نے کئی بار گینڈوں کے غول دیکھے تھے۔ ایک دو بار شیر کی دھاڑ بھی سنائی دی تھی۔ لیکن وہ سامنے نہیں آیا تھا۔ ہوسکتا ہے یہاں بھی ایسے وحشی جانور موجود ہوں۔ مجھے کم ازکم رائفل اپنے ساتھ لے لینی چاہئے تھی۔ اس احساس کے تحت میں نے اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں اور دفعتہً ہی میری رگوں میں خون منجمد ہوگیا۔ مجھ سے کوئی سوگز کے فاصلے پر بیکن کھڑا تھا..... چوڑے چکلے بدن کا یہ آدمی ہاتھ میں رائفل لئے میرا نشانہ لے رہا تھا۔ رائفل کی نال میری ہی جانب اُٹھی ہوئی تھی اور اُس کی آنکھ دُوربین سے لگی ہوئی تھی۔ میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ ایک لمحے میں مجھے اپنے بدن کے مختلف حصوں میں لاتعداد سوراخ خون اُگلتے نظر آنے لگے تھے۔ میں نے وہاں سے ہٹنے کی کوشش کی لیکن پاؤں من من بھر کے ہو گئے تھے۔ بیکن رائفل کے ٹرائیگر پر ہاتھ رکھے ہوئے، میرا نشانہ لئے رہا۔ اور پھر چند لمحات کے بعد رائفل کی نال نیچی کر لی۔ میری طرف دیکھ کر دانت نکوسے اور گردن جھکا کر ایک جانب بڑھ گیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میری جان بچ گئی ہے۔ یہ مذاق تھا یا اپنے غصے کا مظاہرہ؟ یا پھر ایک وارننگ..... بلاشبہ بیکن اگر اُس وقت چاہتا تو مجھے نشانہ بنا سکتا تھا۔ اُس کے پاس کہنے کے لئے بڑا عمدہ بہانہ تھا۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ اُس نے ایک شکار پر گولی چلائی

تھی جو غلطی سے میرے جا لگی۔ اس بات پر اس سے باز پرس بھی نہیں ہوسکتی تھی اور میرا کام بھی تمام ہوسکتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اُس کمبخت نے اس موقع سے فائدہ نہیں اُٹھایا۔

اس بات کا مجھے بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ بیکن مجھ سے سخت نفرت کرنے لگا ہے اور کسی بھی وقت وہ شخص میرے لئے خطرناک ہوسکتا ہے اور میں جان بوجھ کر کسی ایسی اُلجھن میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ آہستہ آہستہ جس طرح بھی ممکن ہوسکا، سونیتا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کروں گا اور اُس کا آغاز میں نے دوسرے ہی دن سے کر دیا۔

شام کو معمول کے مطابق باہر محفل جمی۔ وہی بزم، وہی انداز، موسیقی کی ہلکی ہلکی دُھنیں اور جل برادرز کی تفریحات..... میں نے سونیتا کو خیموں کے درمیان سے آتے دیکھا۔ عین اُسی وقت مسٹر تھیوڈور بھی باہر آ کر ایک میز پر بیٹھے تھے اور اتفاق سے میں اُن کے قریب تھا۔ میری اُن کی نگاہیں ملیں تو میں نے مسکراتے ہوئے انہیں ہیلو کہا۔ مسٹر تھیوڈور بھی مسکرانے لگے اور پھر شفیق لہجے میں بولے۔

''آیئے! کچھ دیر میرے ساتھ بیٹھئے۔'' انہوں نے پیشکش کی اور میں جلدی سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ سونیتا کے قدم رُک گئے تھے۔ وہ چند لمحات کھڑی مجھے دیکھتی رہی اور اُس کے بعد پاؤں پٹختی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

مسٹر تھیوڈور کی ساتھی لڑکی کو آج پہلی بار میں نے اتنے قریب سے دیکھا تھا۔ کچھ عجیب سے خدوخال کی مالک تھی۔ مگر اُن میں بے پناہ دلکشی تھی۔ لیکن نجانے کیوں اُس کے چہرے پر ایک اجنبی اجنبی سا انداز پایا جاتا تھا۔ میں بیٹھ گیا تو مسٹر تھیوڈور بولے۔ ''کئی دن سے آپ ہمارے ساتھی ہیں لیکن نجانے کیوں آپ نے ہم دونوں سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''اوہ.....نہیں مسٹر تھیوڈور! اس میں میرے کوشش کرنے کا دخل نہیں ہے۔ بس! یوں سمجھئے جرات نہیں کر سکا۔''

''نہیں بھئی۔ انسانوں کو ایک دوسرے سے مل لینا چاہئے۔ اگر آپ ایک آدھ دن اور ہم سے دُور رہتے تو پھر میں خود ہی آگے بڑھتا۔ دراصل سولیتا کی نگہداشت کے سلسلے میں میرا تمام وقت صرف ہو جاتا ہے۔ میں آپ کو اس سے ملاؤں۔ یہ میری بیٹی سولیتا ہے اور

میرا نام تھیوڈور ہے۔ آپ کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ کا نام منصور ہے اور آپ ایشیائی ہیں۔''

''مسٹر تھیوڈور! آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ اور حقیقت یہی ہے کہ میں آپ کی شخصیت سے متاثر ہوں۔''

''ارے بھئی واہ! یعنی مجھ سے ملاقات کئے بغیر ہی آپ میری شخصیت سے واقف ہو گئے۔''

''جی ہاں! کچھ شخصیتیں براہِ راست ذہن کو متاثر کرتی ہیں۔ اور آپ بھی اُنہی میں سے ایک ہیں۔ میں نے مس سونیتا سے آپ کے بارے میں تفصیلات معلوم کی تھیں۔''

''اوہ..... اچھا! تعجب ہے۔ میں نے تو اپنی شخصیت میں ایسی کوئی بات نہیں پائی۔'' میں ہنسنے لگا تھا۔ مسٹر تھیوڈور پھر بولے۔ ''اب جبکہ آپ نے یہ قدم اُٹھا لیا ہے تو ہمارے درمیان اجنبیت نہیں رہنی چاہئے۔ آپ کا تعلق کون سے ملک سے ہے؟''

میں نے مسٹر تھیوڈور کو اپنے بارے میں مختصر تفصیلات بتا ڈالیں۔ بلا شبہ اُن کا اندازِ گفتگو بہت اچھا تھا اور اُس میں اپنائیت سی جھلکتی تھی۔ وہ کہنے لگے۔ ''مسٹر منصور! جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ آپ اتفاقاً بلکہ حادثاتاً اس گروہ میں آ شامل ہوئے ہیں۔ میں نے تو یہ بھی سنا تھا کہ آپ ریڈ بون کے ساتھ رہ چکے ہیں۔''

''ریڈ بون؟'' میں نے سوالیہ انداز میں مسٹر تھیوڈور کو دیکھا۔

''ہاں! افریقی نسل کی ایک لڑکی جو اِن سب کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے۔''

''اوہ..... اس کا نام پہلی بار میرے علم میں آیا ہے۔ پہلے مجھے اُس کے نام کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔''

''ہوسکتا ہے انہوں نے اُس کا نام آپ کو کچھ اور بتایا ہو۔ لیکن درحقیقت اُس کا نام ریڈ بون ہی ہے۔ کیا واقعی آپ اُس لڑکی کے ساتھ رہ چکے ہیں؟''

''جی! مجھے اس عذاب میں پھنسانے والی وہی شخصیت ہے۔ لیکن مسٹر تھیوڈور! میں نے محسوس کیا ہے کہ لوگ اُس کے بارے میں تفصیلات بتاتے ہوئے کتراتے ہیں۔ ایسا کیوں؟''

''میرے خیال میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یا تو آپ نے اس کے سلسلے میں صحیح طور

پر تفتیش نہیں کی ہوگی۔ اور اس کے بارے میں جاننا نہیں چاہا ہوگا۔ یا پھر ہوسکتا ہے کہ کوئی خاص وجہ ہو اُس کی۔'' مسٹر تھیوڈور نے کہا۔

''نہیں، حقیقت یہی ہے کہ جل برادرز سے دو ملاقاتوں میں، میں تمام تفصیلات نہیں معلوم کر سکا اور اس کے بعد اس کا موقع بھی نہیں ملا۔''

''اُس کا نام ریڈ بون ہے اور وہ ''بونیٹو'' قبیلے کی لڑکی ہے۔ بونیٹو قبیلہ جو کسی نا معلوم جگہ آباد ہے۔ اور یہ پورا گروہ یعنی جل برادرز اُس قبیلے کی تلاش میں نکلے ہیں۔''

''میری بدقسمتی ہے مسٹر تھیوڈور! کہ اس سے پہلے میں آپ سے ملاقات نہیں کر سکا۔ آپ کے ذریعے میری معلومات میں کافی اضافہ ہوا ہے۔''

''یہ وہ عام معلومات ہیں جو آپ کسی بھی شخص سے حاصل کر سکتے ہیں۔ کیا آپ کو اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ جل برادرز کا یہ گروہ درحقیقت صرف فلم بندی نہیں کر رہا ہے بلکہ خزانے کا متلاشی ہے۔'' مسٹر تھیوڈور نے کہا۔

''ہاں! مجھے تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں..... مس سولیتا بالکل خاموش ہیں۔ کیا یہ کچھ بیمار ہیں؟'' میں نے تھیوڈور کی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اوہ، ہاں..... سولیتا ذہنی طور پر معذور ہے اور خاموش رہتی ہے۔ طویل عرصے سے یہ کچھ نہیں بولی۔ دیکھتی ہے، عمل کرتی ہے لیکن کچھ بولتی نہیں۔''

میں نے ہمدردانہ نگاہوں سے سولیتا کی طرف دیکھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔ مجھے اُس کا یہ انداز بھی بے حد پرکشش لگا۔ مسٹر تھیوڈور کے ساتھ بیٹھ کر میں نے کافی پی اور مسٹر تھیوڈور بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ سونیتا سے برداشت نہ ہوسکا تو وہ خود اُٹھ کر میرے پاس آ گئی۔

''رقص شروع ہو چکا ہے۔ کیا آج تم میرا ساتھ نہ دو گے؟'' اُس نے کچھ اس انداز میں میرا بازو پکڑا کہ مجھے اُٹھنا ہی پڑا۔ میں اُس کے ساتھ رقص کرنے میں مصروف ہو گیا۔ عجیب وغریب لڑکی تھی۔ کسی طرح جان ہی نہیں چھوڑتی تھی۔ میں اُس سے اتنا منحرف نہ ہوتا اگر بیکن درمیان میں موجود نہ ہوتا۔ وہ کمبخت ہر وقت ہی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ اُس وقت بھی رقص کے دوران وہ خاموش بیٹھا ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ میرے قدم ڈگمگا گئے اور سونیتا چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔

''کیوں..... کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔ رقص کرتی رہو۔'' میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ مسکرا کر خاموش ہوگئی۔ میرے حواس اب برقرار نہیں رہے تھے۔ رقص میں مجھے ذرا بھی لطف نہیں آ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟''

''اوہ..... یہ کیا کر رہے ہو؟'' دفعتہً سونیتا کسمسائی اور میں چونک پڑا۔

''کیا بات ہے؟''

''بار بار میرا پاؤں کچل رہے ہو۔''

''سوری۔''

''تم کچھ اُلجھے ہوئے ہو۔''

''ہاں شاید۔''

''کیا اس کی وجہ وہ لڑکی ہے؟''

''کون؟'' میں چونک کر بولا۔

''سولیتا کی بات کر رہی ہوں۔'' سونیتا کے لہجے میں جلن اُبھر آئی اور میں نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔

''جی نہیں محترمہ! اس کی وجہ وہ لڑکی نہیں بلکہ وہ دیوزاد ہے جو آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھے کئی بار ہڑپ کر چکا ہے۔''

''تم اُس کی طرف غور بھی نہ کیا کرو۔''

''میں صرف اپنی طرف غور کرتا ہوں اور میں..... آپ خود میرا جائزہ لے سکتی ہیں۔''

''وہ دنیا کا سب سے بزدل انسان ہے۔ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''تب تو وہ خطرناک ہے۔ کیونکہ بہادروں کی بہادری سے نمٹا جا سکتا ہے۔ لیکن جب بزدل سینہ تان کر سامنے آجائے تو اُس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''نرالی منطق ہے۔'' سونیتا بولی۔

''لیکن حقیقت پر مبنی ہے۔ تم اسے میرا تجربہ بھی کہہ سکتی ہو۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ بہرحال! سونیتا نے کسی منطق پر غور نہ کیا اور مسلسل میرے اُوپر نازل رہی۔ اُس سے پیچھا اُسی وقت چھوٹا جب یہ ہنگامے ختم ہوئے۔

تفریحات ختم ہوگئیں اور میں اپنے خیمے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ دیر تک مختلف خیالات میں ڈوبا رہا۔ پھر نیند آ گئی..... نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ آنکھ کھل گئی۔ کوئی سرسراہٹ سنائی دی تھی۔ میں اُچھل کر بیٹھ گیا اور میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ اور پھر مجھے خیمے کا ایک گوشہ اُٹھتا نظر آیا۔ کوئی خطرناک جانور بھی ہو سکتا تھا۔ میں کسی قدر خوفزدہ ہو گیا۔ لیکن پھر تاریکی کے باوجود میں نے سفید داڑھی اور سفید بال دیکھ لئے۔ پورے گروہ میں ایک ہی شخص ایسا تھا اور یہ تھے مسٹر تھیوڈور......

☆.....☆.....☆

''مسٹر منصور!'' تھیوڈور کی آواز اُبھری۔

''میں جاگ رہا ہوں مسٹر تھیوڈور!'' میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''سوری مسٹر منصور! اس وقت آپ کو اس طرح پریشان نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لیکن میں کئی دن سے برداشت کر رہا تھا اور اب مجھ میں مزید برداشت کی ہمت نہیں رہی تھی۔''

''خیریت..... کیا بات ہے؟''

''حقیقت یہ ہے کہ تمہارے بارے میں تفصیلات معلوم ہونے کے بعد کہ تمہارا تعلق اس گروہ سے براہِ راست نہیں ہے، مجھے تم سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''میں اور میری بیٹی صرف دو افراد ایسے ہیں جو اس گروہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ ہم ان کے درمیان قیدی کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

''قیدی.....؟'' میں نے سرسراتی آواز میں کہا۔ ''بظاہر تو ایسا نہیں لگتا۔''

''بظاہر..... اور اس کی وجہ بھی ہے۔''

''کیا؟''

''میری صحت اچھی ہے۔ اس کے باوجود میں اپنی ذہنی طور پر معذور بیٹی کے ہمراہ اس بھیانک صحرا میں تنہا سفر نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے یہ لوگ یہ بات جانتے ہیں۔ اس لئے انہیں میرے فرار کا اندیشہ نہیں ہے۔''

''کیا آپ ان کے درمیان سے فرار ہونا چاہتے ہیں مسٹر تھیوڈور؟''

''نہیں.... میں تمہیں اپنی اور جل برادرز کی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔'' بوڑھے تھیوڈور نے جواب دیا اور میں خاموشی سے گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ دل ہی دل میں، میں نے سوچا تھا کہ مسٹر تھیوڈور! آپ نے غلط آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ آپ مجھے صرف ایک کہانی سنا

سکتے ہیں۔ جبکہ میں تو کہانیوں کی پوری کتاب ہوں۔ بہرحال! سنا دیں اپنی کہانی۔ البتہ آپ کو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا..... تھیوڈور بھی خاموش تھا۔ چند لمحات کی خاموشی کے بعد اُس نے کہا۔

''دولت کے حصول سے دلچسپی رکھتے ہو؟''

''ہاں!'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''یہ نامراد شے بار بار میرے ہاتھ آ کر نکل جاتی ہے۔ اس سے کسے دلچسپی نہیں ہوتی۔ مگر اسے بھی تو کسی سے دلچسپی ہو۔''

''یقیناً یہ خزانہ تمہارے لئے بھی دلکشی کا حامل ہوگا جس کے لئے جل برادرز کام کر رہے ہیں۔''

''میں بے وقوف نہیں ہوں۔ خزانوں کے لئے ہونے والے کھیل جانتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ جب کسی کو دولت ملتی ہے تو اُس کی سوچ کا کیا انداز ہوتا ہے۔''

''اوہ..... ویری گڈ! اس کا مطلب ہے کہ تم ایک ٹھوس انسان ہو اور مجھے اپنے مشن میں کامیابی ہو سکتی ہے۔''

''کون سا مشن؟''

''بہت پہلے کی بات ہے۔ غالباً اٹھارہ سال گزر چکے ہیں۔ تین مہم جو جن میں دو کا تعلق ایک ہی ملک سے تھا، صحرائے اعظم آئے۔ دو یعنی لیکسی تھیوڈور اور ولیم جل ایک ساتھ یہاں آئے تھے۔ تیسرے سے اس صحرائے اعظم میں ملاقات ہوئی تھی۔ اُس کا نام پیڈرو مورالس تھا۔ مورالس سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ خوب صورت جوان تھا۔ صحرائے اعظم میں ہم تینوں بہت دُور تک نکل گئے۔ تب ہماری ملاقات ایک بوڑھے سیاح سے ہوئی جس کی دونوں ٹانگیں بھیڑیئے کھا گئے تھے۔ بوڑھے سیاح کو بچانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ مرتے ہوئے اُس نے بونیٹو کے خزانے کا حوالہ دیا۔ اُسی خزانے کا حصول اُس کی آرزو تھی۔ لیکن شدید زخمی ہونے کی وجہ سے وہ اُسے حاصل نہ کر سکا۔ اُس نے خزانے کا نقشہ ہمارے حوالے کر دیا اور اُس کی تفصیل بتانے کے بعد مر گیا..... اُس کی تدفین کے بعد ہم نے خزانے کی تلاش کی ٹھانی اور نقشے کے سہارے بونیٹو چل پڑے۔ ہم تینوں ذہین تھے۔ بالآخر ہم قبیلہ بونیٹو میں داخل ہو گئے۔ لیکن اُس کے بعد وہی روایتی کہانیاں شروع ہو گئیں۔ بونیٹو میں ہمیں وحشی قبیلے کا شکار ہونا پڑا اور ہم قید ہو

گئے۔ طویل عرصہ اُس قید میں گزر گیا۔ پھر حالات بدلے۔ بونیٹو قبیلے کے سردار کی بڑ
مورالس پر عاشق ہوگئی اور مورالس کو اُس سے پیار ہوگیا۔ لڑکی نے مورالس کو اُس قید سے
آزاد کرا لیا اور ہم دونوں بھی رہا ہو گئے۔ سیلی لون نے مورالس سے شادی کر لی۔ لیکن ا
کے ساتھ ہی ہم دونوں کی شامت آ گئی۔ کیونکہ اب ہم اُس قبیلے کے فرد بن چکے تھے اور
اس سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ ہم دونوں ہی شادی شدہ تھے۔ یعنی میں اور جل۔ جل
درحقیقت شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ جل برادرز اُس کے جڑواں بیٹے ہیں۔ مورالس
بدل نہیں گیا تھا لیکن ظاہر ہے ہم لوگ اُن وحشیوں میں پوری زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔
مورالس بھی یہاں سے نکلنا چاہتا تھا۔ سیلی لون سے اُس کی بیٹی پیدا ہوگئی۔ سیلی لون اُس پ
حاوی تھی اور مورالس کی مجال نہیں تھی کہ وہ باہر جانے کا نام بھی لے سکے۔ ہماری کوششیں
ناکام ہوگئیں اور ان کوششوں کے نتیجے میں ہمیں ایک بار پھر قید کر لیا گیا۔ یعنی مجھے اور جل
کو۔ مورالس آزاد تھا لیکن وہ درپردہ یہاں سے فرار کی کوششوں میں مصروف تھا اور اب وہ
اپنی بیٹی کے لئے پریشان تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ صرف اپنی بیٹی کو نکال لے جائے تاکہ اُسے
بہتر مستقبل دے سکے۔ وہ کوششیں کرتا رہا۔ اور ایک بار اُسے کامیابی حاصل ہوگئی.....
تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ اُس کے بعد ہم تینوں فرار ہو گئے۔ سیلی لون کی بیٹی ریڈ بون
اُس وقت میرے پاس تھی اور مورالس ہماری مدد کر رہا تھا۔ ہم دونوں رسیوں کے اُس پُل
کو عبور کر گئے جو ہم نے عارضی طور پر تیار کیا تھا۔ لیکن عین اُس وقت جب مورالس پُل عبور
کرنے والا تھا، وحشی عقب سے پہنچ گئے اور انہوں نے مورالس کو پکڑ لیا۔ ہم لوگوں تک
اُس کی رسائی اُس پُل کے ذریعے ممکن تھی۔ لیکن موجودہ حالات میں پُل کو برقرار رکھنے کا
مطلب تھا کہ ہم بھی اُن کی گرفت میں آ جائیں۔ چنانچہ مجبوراً ہم نے پُل کاٹ دیا۔
مورالس اُن کے قبضے میں رہ گیا۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ہم اپنے دوست کو رہا
کرا سکتے۔ مجبوراً یہی فیصلہ کیا گیا کہ ہم یہاں سے نکل چلیں اور مورالس کو اُس کی تقدیر پر
چھوڑ دیا جائے۔ خزانے کا نقشہ ہمارے پاس ہی موجود تھا۔ لیکن اب چونکہ ہم اُن کی
نگاہوں میں آ چکے تھے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم واپس جا کر دوبارہ خزانے کے حصول
کی کوشش کر سکیں۔ چنانچہ اس پروگرام کو بعد کے لئے ملتوی کر دیا گیا اور سوچا گیا کہ ازسرنو
تیاریاں کر کے ہم واپس آئیں گے۔ اپنے دوست مورالس کو اُن کی قید سے چھڑائیں گے

رخزانے کے حصول کی کوشش کریں گے۔ لیکن وقت بار بار ساتھ نہیں دیتا۔ ہم اپنی دنیا
سے واپس آ گئے۔ دوبارہ صحرائے اعظم کے لئے تیاریاں کرنا ایک انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔
ابراہیم جل اور میں بارہا اس سلسلے میں سر جوڑ کر بیٹھے۔ لیکن کبھی بھی کوئی آخری فیصلہ نہیں کر
ئے اور وقت گزرتا رہا۔ مورالس کی بیٹی ریڈ بون میرے پاس پرورش پاتی رہی اور میں
اس کی نگہداشت کرنے لگا۔ ولیم جل نے مجھ سے ایک باعزت سمجھوتہ کر لیا۔ نقشوں کے
درمیان سے دو ٹکڑے کر دیئے اور اُن میں سے ایک ٹکڑا، ولیم جل نے اپنے پاس محفوظ کر
لیا۔ دوسرا سرا میرے پاس موجود تھا۔ ہم نے یہی سوچا تھا کہ حالات نے اگر اجازت دی تو
پھر ہم دونوں اُس خزانے کے حصول کے لئے دوبارہ کوشش کریں گے اور اُس وقت یہ نقشہ پھر
سے جوڑ لیا جائے گا.....
ہم دونوں ہی اس بات سے مطمئن ہو گئے تھے۔ ریڈ بون میرے پاس پرورش پاتی
رہی۔ ایک وحشی قبیلے کی لڑکی ہونے کی وجہ سے اُس کے اندر وحشیانہ صفات باقی تھیں۔ لیکن
شاید وہ گونگی تھی۔ میں نے اُسے ہر طرح سے بولنے پر آمادہ کیا۔ لیکن اُس کی زبان سے
ایک لفظ بھی نہ نکلا اور وہ اسی انداز میں پرورش پاتی رہی۔ اُس کے گونگے پن کا علاج
کرانے کے لئے میں نے ڈاکٹروں کا سہارا بھی حاصل کیا تھا۔ لیکن ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ
اُس کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اُسے گونگا قرار دے۔ اس مکمل خاموشی کی وجہ کچھ اور
ہی ہے۔ بہرطور! ہماری کوشش کارگر نہ ہوئی۔ مجھے اُس کی پرورش کے دوران ہمیشہ یہی
محسوس ہوتا رہا جیسے اُس نے کبھی اپنے آپ کو ہم میں ضم نہ سمجھا ہو۔ اور اپنے طور پر بالکل
الگ ہی رہی ہو۔ میری بیٹی سولیتا بھی اُس کے ساتھ پروان چڑھ رہی تھی لیکن دونوں میں
کوئی ہم آہنگی نہیں تھی۔ ریڈ بون اپنی مرضی کی مالک تھی۔ وہ اپنے طور پر جیتی تھی۔ میں نے
اُسے تعلیم دلانے کی کوشش کی اور اس میں اُس نے دلچسپی کا اظہار بھی کیا۔ لیکن اُس کی بے
زبانی، اُس کی تعلیم کے آڑے آئی۔ تاہم جب میں نے مجبور ہو کر اُس کی تعلیم ختم کرنا چاہی
تو اُس نے شدت سے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ
خاموشی سے اُسے تعلیم دی جانے لگی۔ لیکن اُس کی خاموشی بھی مسلسل برقرار رہی اور میں
نے دل ہی دل میں یہی سوچا کہ کوئی ایسی پراسرار بیماری اسے ہے جس کی وجہ سے وہ بول
نہیں سکتی۔ بہرطور! اب یہ تصور میرے ذہن سے نکل گیا تھا کہ ریڈ بون کبھی بولے گی۔

وقت گزرتا گیا۔ ولیم جل بیمار ہو گیا۔ اُس کے دونوں جڑواں بیٹے اُس کی بے
دولت سے پرورش پا رہے تھے۔ ہمیں ایک دوسرے کے ذاتی معاملات سے کوئی دلچسپی
تھی۔ میں کبھی ولیم جل کی عیادت کرنے جاتا تو وہ خزانے کا تذکرہ نکال بیٹھتا۔ اُس
دل میں شدید آرزو تھی کہ وہ عظیم الشان خزانہ حاصل کیا جائے۔ دوسری طرف میرے
وسائل بھی ایسے نہیں تھے کہ اُن سے کسی خزانے کے حصول کے لئے کوئی باقاعدہ ٹیم لے
صحرائے اعظم میں نکل آؤں۔ وقت مزید گزر گیا اور اُس کے بعد ولیم جل کا انتقال ہو
گیا..... مجھے اپنے اُس دوسرے مہم جو دوست کی موت کا بہت افسوس تھا۔ لیکن میرے
میں یہ بات نہیں تھی کہ جل برادرز اپنے باپ سے بالکل مختلف نوجوان ہیں۔ ولیم جل
موت کے بعد انہوں نے ایک فلم کمپنی قائم کی اور اُس کے بینر تلے کئی فلمیں بنائیں
دولت کی اُن لوگوں کے پاس کوئی کمی نہیں تھی۔ لیکن نجانے کیوں اُن کے ذہن میں
خزانے کا نقش جم گیا تھا۔ وہ آدھا نقشہ جو ولیم جل کے پاس تھا اب اُس کے بیٹوں
ملکیت بن چکا تھا۔ بہت عرصے کے بعد جل برادرز میں سے ایک نے مجھ سے اس
میں بات کی اور کہا کہ وہ اب صحرائے اعظم میں جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ یا تو میں اُن
ساتھ دُوں اور خزانے کے حصول میں اُن کا شریک کار بن جاؤں۔ یا پھر وہ آدھا نقشہ
کے حوالے کر دوں۔ انہوں نے اس کے لئے مجھے ایک بہتر رقم کی پیشکش بھی کی تھی۔
اُلجھن میں تھا۔ اپنی اس فطرت کا میں تذکرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا جس کے تحت خزانہ میرے
دل میں بھی مچلتا رہتا تھا اور میں سوچتا تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ حاصل ہو جائے جس سے میں
خزانہ حاصل کر سکوں۔ میری بیٹی سولیتا بیمار رہتی ہے اور ذہنی طور پر ڈسٹرب ہے۔ بیٹا کوئی
نہیں تھا میرا۔ زندگی انہی حالات میں چل رہی تھی کہ ایک بار پھر جل برادرز نے مجھ سے
ملاقات کی اور اُس خزانے کے سلسلے میں تمام تفصیلات طلب کیں۔ میں نے جل برادرز کو
شروع سے لے کر آخر تک کی کہانی سنائی اور پھر انہوں نے دوبارہ مجھے پیشکش کی کہ میں اُن
کے ساتھ صحرائے اعظم کا سفر کروں۔ میں نے اس سے معذوری کا اظہار کر دیا تھا۔ جل
برادرز بالآخر ناراض ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ میں دونوں کاموں میں اُن سے تعاون
نہیں کر رہا۔ آخر میں نقشہ فروخت کیوں نہیں کر دیتا؟ میں نے اُن سے کہا کہ بہت جلد انہیں
اس بارے میں اطلاع کر دُوں گا۔ چنانچہ وہ چلے گئے۔ لیکن مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ

ریڈ بون کسی جگہ سے یہ کہانی سن رہی ہے اور اپنے پورے ماضی سے باخبر ہوگئی ہے۔ میں
نے اُس رات جب اُسے کھانے کی میز پر دیکھا تو اُس کا چہرہ جوش غضب سے سرخ ہو رہا
تھا۔ اُس نے کھانا بھی نہ کھایا۔ میں حیران ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی اولاد ہی کی طرح اُس
کی پرورش کی تھی۔ چنانچہ میں نے اُس سے اس بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں اور
اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بولتی تو وہ ویسے بھی نہیں تھی۔ لیکن اہم بات لکھ کر رکھ لیا کرتی
تھی۔ میں نے بارہا کوشش کی کہ وہ لکھ کر مجھے بتائے کہ اس کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ لیکن
اُس نے نہیں بتایا اور اُسی رات میری تجوری سے نقشے کا وہ ٹکڑا غائب ہو گیا.....
میں نے اس وقت تو توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن غالباً تیسرے ہی دن ریڈ بون نے وہ ٹکڑا
میرے سامنے رکھا اور اُسے اُٹھا کر اپنے گریبان میں رکھ لیا۔ غالباً وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ اب
وہ خود اپنا گھر تلاش کرے گی اور اپنے والدین سے ملے گی۔ میں نے اُس وقت یہ تفصیلات
سمجھی نہیں۔ لیکن اس کے بعد ریڈ بون اچانک میرے پاس سے غائب ہو گئی۔ خزانے کے
نقشے کا ٹکڑا اُس کے پاس تھا۔ میں سخت پریشان ہو گیا۔ اس طرح میرے اُوپر ضرب بھی آ
لگی تھی۔ ریڈ بون سے بھی محبت تھی مجھے۔ میں بڑی کشمکش کا شکار تھا کہ جل برادرز نے
دوبارہ مجھ سے رابطہ قائم کیا اور آخری فیصلہ کرنے کے بارے میں کہا۔ میں نے انہیں بتایا
کہ نقشے کا وہ ٹکڑا غائب ہو چکا ہے اور انہیں اس بارے میں تفصیلات بھی بتا دیں۔ بہرطور!
وہ غصے سے پاؤں پٹختے ہوئے چلے گئے اور پھر ایک ہفتے کے اندر اندر ایک شام اُس وقت
جب میں ایک تقریب میں شرکت کے بعد واپس آ رہا تھا، مجھے اور میری بیٹی کو اغواء کر لیا گیا
اور اُس کے بعد ہمیں بے ہوشی کے عالم میں ایک طویل سفر طے کرنا پڑا۔ یہ سفر ہم نے کس
طرح کیا؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ بلکہ مجھے آج تک نہیں معلوم۔ بہرطور! جب مجھے ہوش آیا تو
ہم نے خود کو انہی خیموں کے شہر میں پایا اور یہ بات مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئی تھی کہ
میں اُن جل برادرز کا قیدی ہوں۔ جل برادرز نے اس سلسلے میں مجھ سے پھر ملاقات کی اور
نقشے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں تو میں نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ
جو کچھ میں نے کہا وہ غلط نہیں ہے۔ اس وقت تک انہوں نے میری بات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔
لیکن پھر ایک رات دفعتہً ہی جل برادرز کے خیمے پر شدید حملہ ہوا اور وہ اس حملے سے بال
بال بچے۔ حملہ آور ریڈ بون تھی جو طوفانی بدن اور طوفانی کارکردگی رکھتی ہے۔ پتہ نہیں اُس

لڑکی میں یہ صفات کہاں سے پیدا ہوگئیں؟ بلکہ میں تو انہیں قدرتی ہی کہوں گا۔

جِل برادرز نقشے کا وہ ٹکڑا بچانے میں کامیاب ہو گئے اور اُس وقت ریڈ بون کو نا
سامنا کرنا پڑا۔ تب جِل برادرز کو اس بات کا یقین ہوا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، د
کہہ رہا ہوں، ریڈ بون نقشے کا وہ ٹکڑا لے کر فرار ہوگئی ہے۔ بہرطور! وہ میری طرف
مطمئن ہو گئے۔ تاہم وہ اس رنجش کا شکار ہیں کہ میں نے اُن سے تعاون نہ کر کے ا
مشکلات کا شکار کر دیا ہے۔ ریڈ بون بھی انہی علاقوں میں سفر کر رہی ہے۔ اُسے بقی
ٹکڑا درکار ہے۔ اور اس کے بعد وہ اپنی حکومت میں واپس جانا چاہتی ہے۔

یہ کل کہانی ہے میری، مورالس کی..... جِل برادرز کی.....اور ریڈ بون کی۔ دراصل
منصور! ریڈ بون ان صحراؤں میں بھٹک رہی ہے۔ اور جِل برادرز اپنے شاہانہ انداز
آگے کا سفر طے کر رہے ہیں۔ انہوں نے نہایت مضبوط بنیادوں پر اور مقامی حکومتو
مکمل تعاون سے یہ سفر اختیار کیا ہے۔ بلا شبہ اُن کے ساتھ اسلحے اور افراد کی طاقت
لیکن تمہیں شاید اس بات پر حیرت ہو گی کہ ریڈ بون چھ کوششیں کر چکی ہے اور ا
کوششوں میں اُس نے جِل برادرز کو بدحواس کر دیا ہے۔ ہر چند کہ وہ بقیہ نقشہ حاصل ک
میں ناکام ہے۔ لیکن بہرطور! یہ لوگ اُس کی جانب سے سخت خوفزدہ ہو چکے ہیں۔ وہ ا
تنہا ہے۔ اور جب میں نے یہ سنا کہ اُس نے تمہارا ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کی۔
آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ بلاشبہ ایک تنہا لڑکی کب تک اس پورے گروہ کا مقابلہ ک
ہے؟ اب تک وہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ یہی بڑی بات
میرے دوست! یہ معلوم ہونے کے بعد کہ تمہارا براہِ راست کوئی تعلق جِل برادرز سے
ہے اور تم شاید صرف اس لئے اُن کے ساتھ شامل ہو گئے ہو کہ خزانہ تمہارے لئے
باعث دلچسپی ہو سکتا ہے، میری یہ جرات ہوئی کہ میں تم سے بات کروں اور اپنی ب
سناؤں۔''

میں اُن لاتعداد کہانیوں کی مانند یہ کہانی سن رہا تھا جو میری زندگی میں دخل رک
تھیں۔ اور جن کے لئے میں نے نجانے کیا کیا کچھ کیا تھا۔ بوڑھے تھیوڈور کی یہ کہانی
بلاشبہ دلچسپ تھی۔ اُس کے خاموش ہونے کے بعد کافی دیر تک میں اُس پر غور کرتا رہا
میں نے کہا۔ ''لیکن مسٹر تھیوڈور! میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''ہاں! اگر تم خلوصِ دل سے کچھ کرنے پر تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ تمہیں
کیا کرنا چاہئے۔''

''میں ہمیشہ خلوصِ دل سے تیار ہو جایا کرتا ہوں۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ظاہر ہے جِل برادرز نے تمہارے لئے واپسی کی تجویز بھی رکھی تھی۔ اور تم نے اُس
تجویز کو منظور نہیں کیا تھا۔ اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ تم خزانے سے دلچسپی رکھتے ہو۔
خزانے سے یہ دلچسپی بلاشبہ ہر شخص کو ہو سکتی ہے۔ لیکن جِل برادرز کے ساتھ تم نے جتنا بڑا یہ
گروہ دیکھا ہے اُن میں سے ہر شخص خزانے کا حصہ دار ہے۔ تم ذرا غور کرو! اگر خزانہ ہمیں
دستیاب ہو گیا تو اُس کے کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ اور ان مہم جوؤں کے ہاتھ کیا آئے گا؟
اس کے برعکس اگر ہم تین افراد یعنی میں، تم اور میری بیٹی اس خزانے کے حصول میں
کامیاب ہو جائیں تو ہماری مالی حیثیت کیا ہو گی؟ میں ریڈ بون کی ذہنی کیفیت جانتا ہوں۔
وہ صرف اپنے والدین سے ملنے کی خواہاں ہے۔ نہ اُسے خزانے سے دلچسپی ہے اور نہ وہ
اُس کے حصول کے لئے سرگرداں ہے۔ ہم اُس کی مدد کر سکتے ہیں اور جِل برادرز کو دھوکہ
دینے کے لئے تم سے بہتر مہرہ اور کوئی نہیں ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی زندگی خطرے
میں ڈالو۔ خزانے کے نقشے کا وہ دوسرا حصہ چراؤ اور یہاں سے نکل جاؤ، یہ ممکن نہیں ہو گا۔
اور اس طرح ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم جن
راستوں پر سفر کر رہے ہیں، ان پر اپنا سفر جاری رکھیں۔ اور جب بھی ہمیں موقع ملے ہم
ریڈ بون کی مدد کریں۔ یہ میرے محبت کے جذبات بھی ہیں اور اُس کے لئے انسانیت کے
جذبات بھی کہ وہ اپنے ماں باپ سے ملنا چاہتی ہے اور لالچ بھی ہے۔ بلاشبہ! ہم جِل
برادرز کے ساتھ ہی سفر کریں گے۔ لیکن اگر ریڈ بون کبھی جِل برادرز کے چکر میں پھنسنے
لگے تو میں اور تم مل کر اُس کی مدد کریں۔ اگر کوئی ایسا ہی موقع پیش آ جائے کہ ہمیں جِل
برادرز سے نکلنا پڑے تو نکلنے کی کوشش کی جائے۔ اور یہ کام نہایت احتیاط سے کرنا ہو گا۔
اور ایک خاص بات جو میں تمہیں بتا رہا ہوں اور جو میرا اہم راز ہے۔ اگر تم اسے افشا کر دو
گے تو میری زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ لیکن میں تمہیں بتائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ راز
یہ ہے میرے دوست! کہ کم از کم میں تو ان راستوں پر سفر کر چکا ہوں۔ نقشہ اس خزانے کا
ہے اور وہ خزانہ ہمیں بونیٹو پہنچنے کے بعد ہی دستیاب ہو سکتا ہے۔ لیکن جِل برادرز یوں سمجھ

رہے ہیں کہ یہ راستے بھی اس خزانے یعنی نقشے میں درج ہیں۔ وہ مسلسل راستے تلاش رہے ہیں۔ جبکہ یہ راستے میں جانتا ہوں۔ ولیم جل نے یقیناً انہیں ان راستوں کے بار میں بتایا ہوگا اور وہ ابھی تک صحیح راستوں پر جا رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ یہ راستے طے بھی لیتے ہیں تو ظاہر ہے اس کے بعد مشکلات اُن کے سامنے ہوں گی۔ اگر ہم ریڈ بون کے ذریعے وہاں تک پہنچنے کی کوشش کریں تو غالباً اس کہانی میں تمہیں اس عورت کا کردار یاد ہوگا جس کا نام سیلی بون ہے۔ سیلی بون اُس وقت قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی۔ اگر بون یعنی اُس کی بیٹی کو لے کر ہم اُس کے پاس پہنچیں گے تو یقینی طور پر اُس کی محبت مراعات کا مرکز ہوں گے۔ جبکہ جل برادرز کے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس طرح سمجھ لو ہمیں ایک زبردست قوت حاصل ہے۔ بشرطیکہ تم اسے حاصل کرنے کی کوشش خود بھی کرو۔

میں دل ہی دل میں ہنسنے لگا تھا۔ اب بھلا میں مسٹر تھیوڈور کو کیا بتاتا کہ جل برادرز میرے لئے واپسی کی پیشکش بلاشبہ خلوص پر مبنی ہوگی لیکن یہ ہمت کس میں تھی کہ صحرا اعظم کے اتنے وسیع و عریض حصے میں تنہا سفر کرتا۔ البتہ مسٹر تھیوڈور کی پیشکش قبول کی جا تھی۔ اس بات میں ایسی کوئی دقت بھی نہیں تھی۔

چند لمحات خاموشی کے بعد میں نے مسٹر تھیوڈور سے کہا۔ ''مسٹر تھیوڈور! آج سے م آپ کا اور ریڈ بون کا ساتھی ہوں۔ بس! آپ مجھے ہدایات دیتے رہیں کہ کس وقت کرنا ہے؟ اپنے طور پر میں جو کچھ کر سکتا ہوں، ضرور کروں گا۔''

مسٹر تھیوڈور کا چہرہ فرطِ مسرت سے سرخ ہو گیا تھا۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ''م اپنی بیٹی کے ساتھ بالکل تنہا تھا۔ اور اُس کی کیفیت کا اندازہ تمہیں ہے ڈیئر منصور! میں سو تھا کہ اگر ایسی کوئی صورت حال پیش آ گئی تو بوڑھا تھیوڈور کیا کر سکے گا؟ لیکن اب تمہ سہارا مل جانے پر میں اپنے آپ کو انتہائی مضبوط اور توانا محسوس کر رہا ہوں۔ میں ذہنی پر کمتر نہیں ہوں ڈیئر منصور! اور بہترین پلاننگ کر سکتا ہوں۔ لیکن جسمانی طور پر میں جو نظر آتا ہوں، وہ نہیں ہوں۔ عمر بہرطور! ایک حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ ذ میرا اور جسم تمہارا، خزانہ ہم سب کا۔'' مسٹر تھیوڈور کے چہرے پر ایک عجیب سی چمک آنے لگی۔ اُس خزانے کی چمک..... اُن ہیروں کی چمک جو خزانے میں محفوظ تھے۔

کافی دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہنے کے بعد انہوں نے مجھے خدا حافظ کہا اور باہر

گئے۔ جاتے ہوئے انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں اُن سے آزادانہ طور پر مل سکتا ہوں۔ کیونکہ جل برادرز بہت گہرائیوں میں نہیں جھانکتے۔ ہاں! جب کوئی کارروائی کی جائے اُن کے خلاف تو پھر وہ باعمل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں ملنے جلنے میں کوئی تکلف نہیں برتنا چاہئے..... یہ کہنے کے بعد وہ باہر نکل گئے اور میں اس کہانی کے ہر پہلو پر غور کرنے لگا۔

یہ کہانیاں ہی تو میری زندگی سے وابستہ تھیں۔ پہلے جل برادرز کی کہانی شروع ہوگئی تھی اور اب اُس کے بعد مسٹر تھیوڈور اور ریڈ بون کی..... اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کہانی کا اختتام کیا ہوتا ہے.....؟

تھیوڈور کے جانے کے بعد کافی دیر تک میں اُس کی سنائی ہوئی کہانی پر غور کرتا رہا۔ اس بات کا اندازہ تو مجھے بخوبی ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی جسے ریڈ بون کے نام سے پکارا جاتا ہے، وہی تھی جو میرے ساتھ رہی تھی اور جو مجھ سے کچھ چاہتی تھی۔ اُس کے انداز سے ہی پتہ چلتا تھا کہ وہ عام لڑکی نہیں ہے۔ گویا وہ قبیلہ بونیٹو کی بیٹی تھی۔ لیکن اُس کی ذہانت اور اُس کی دلیری کا میں بھی دل سے قائل ہو گیا تھا۔ کیا فرق پڑتا ہے اگر مسٹر تھیوڈور کا ساتھ ہی دے دُوں..... ویسے جل برادرز بھی برے نہیں تھے۔ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ خطرناک ہیں اور کسی بھی وقت وحشت خیزی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔

رات کے کسی حصے میں نیند آ گئی تھی۔ دوسری صبح جاگا تو پتہ چلا کہ جل برادرز پھر سفر کے لئے تیار ہیں۔ اب مجھے اِن تمام باتوں پر حیرت نہیں ہو رہی تھی۔ کیونکہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ جل برادرز کا مقصد کیا ہے؟ لیکن یہ بھی دلچسپ بات تھی کہ انہوں نے خزانے کے حصول کے لئے کتنے اعلیٰ پیمانے پر انتظامات کئے تھے اور بلاشبہ یہ اُن کی ذہانت کی دلیل تھی کہ انہوں نے صحرائے اعظم میں داخل ہونے کے لئے ایک نفیس طریقہ کار اختیار کیا تھا۔ جیسا کہ مسٹر تھیوڈور نے بتایا تھا کہ خود ولیم جل، فلم ساز نہیں تھا۔ اس کارروائی کا آغاز اُس کے بیٹوں نے کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فلم ساز کی حیثیت سے اپنے آپ کو مستحکم کرنا چاہتے ہوں۔ اور بلاشبہ ایسا ہی تھا۔ انہوں نے صحرائے اعظم میں اپنے اس عظیم الشان سامان کے ساتھ داخل ہونے کے لئے جواز پیدا کر لیا تھا۔

سفر کے لئے تیاریاں مکمل ہو گئیں اور پھر ہم لوگ آگے بڑھ گئے..... تاحدِ نظر پھیلے ہوئے جنگل، پہاڑ، دلدلیں..... انسانی زندگی سے دُور ان وحشت خیز علاقوں کو دیکھ کر عجیب

عجیب خیالات دل میں آتے تھے۔ زمانہ قدیم میں جب انسان تہذیب سے نا آشنا تھا اُ
وقت صرف یہی کچھ ہوتا ہوگا۔ جنگلی جانوروں کے درمیان انسان بھی اُنہی کی طرح زندگ
گزارتا ہوگا۔ اور پھر تہذیب..... تہذیب کے نام پر اس نے کیا کیا مصیبتیں خرید لیں
بلاشبہ وہ زندگی موجودہ زندگی سے کہیں بہتر تھی۔ خزانوں کا چکر تھا اور نہ اقتدار کی ہوس
جس نے انسان کو پہلے سے کہیں زیادہ وحشی بنا دیا تھا۔ میں خاموش بیٹھا رہا۔

آج اتفاق سے سونیتا کو میرے ساتھ جگہ نہیں ملی تھی۔ پھر میں نے جل برادرز کا اصل
کام دیکھا۔ یہاں جنگلی درندے وغیرہ تھے۔ اور جل برادرز اُن کے درمیان شوٹنگ کر
چاہتے تھے۔ چنانچہ اُس جگہ رُک کر کیمرے وغیرہ تیار کئے گئے اور اُس کے بعد ایک
دلچسپ کارروائی شروع ہوگئی۔ وحشی جانوروں کو سلو لائیڈ پر قید کیا جانے لگا۔ اور اُس کے
لئے وہ کافی ایڈونچر پسندی کا ثبوت دے رہے تھے۔

یہ قیمتی منظر جل برادرز کے لئے کتنے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس کا مجھے بھی اندازہ تھا۔
گاڑیاں، یہاں سے بھی آگے بڑھ گئیں۔ دن بھر سفر کیا گیا اور اُس کے بعد عارضی قیام کے
لئے ایک جگہ منتخب کر لی گئی۔ عارضی قیام کے دوران ہم صرف گاڑیوں کے حصار میں کھلی
جگہ پر رہا کرتے تھے۔ جو گاڑیوں میں سونا چاہتے تھے وہ گاڑیوں میں سو جاتے تھے۔ سونیتا
حیرت انگیز طور پر مجھ سے دُور رہی تھی اور غالباً اُس نے کوشش بھی نہیں کی تھی کہ میرے
قریب آئے۔ ورنہ اُس جیسی بے باک لڑکی کے لئے یہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن میرا اندازہ غلط
نکلا۔ شام ہوتے ہی سونیتا میرے پاس پہنچ گئی۔ سورج چھپ چکا تھا اور ماحول پر تاریکی
مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ اُس نے عقب سے آکر میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور
میں چونک پڑا۔ لیکن ہاتھوں کی نرمی اور ملائمت سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سونیتا ہے۔ وہ
مسکراتی ہوئی میرے سامنے آگئی اور بولی۔

''میں جائزہ لے رہی تھی کہ کیا تمہیں بھی میرا اتنا ہی خیال ہے جتنا مجھے تمہارا؟ پورا دن
دُور رہے ہو مجھ سے۔''

میں نے نڈھال سے انداز میں اُن معزز خاتون کی طرف دیکھا جو لمحوں میں طویل
کرنے کی عادی تھیں۔ اب وہ مجھ سے بھی اس بات کی متوقع تھیں کہ میں اُن کی فرقت
رونا روؤں گا۔ اب اتنا بے وقوف بھی نہیں تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے اپنا رُخ تبدیل

دیا تاکہ وہ جو آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز میں میرے اُوپر لد رہی تھی، ذرا فاصلے سے ہو
جائے۔ سونیتا کہنے لگی۔

''آؤ! اُدھر چلتے ہیں۔ میں نے وہاں ایک چھوٹا سا چشمہ دیکھا ہے۔ وہاں لطف آئے
گا۔ آؤ....'' اُس نے میرے جواب کا انتظار نہیں کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اُس طرف لے
جانے لگی۔ چشمہ بہت چھوٹا سا تھا اور اُس کا پانی گدلا اور بدبودار تھا۔ سونیتا کو وہاں پہنچ کر
بہت مایوسی ہوئی۔ وہ کہنے لگی۔ ''میرا خیال تھا کہ چشمے کے پانی سے ہم لوگ غسل کریں
گے۔ لیکن بدقسمتی.....''

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلا دی۔ سونیتا ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ میں نے
آہستہ سے کہا۔ ''یہ جگہ تو زیادہ اچھی نہیں ہے سونیتا!''

''جہاں میں ہوں، وہ جگہ اچھی ہو جاتی ہے۔''

دفعتہً ایک گڑگڑاہٹ سنائی دی اور ہم دونوں وحشت زدہ انداز میں اُٹھ کھڑے
ہوئے۔ اور پھر ہماری نگاہ بیکن پر پڑی جو بوکھلایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ گڑگڑاہٹ ایک پتھر
کی تھی جو چشمے کے کنارے سے لڑھک کر پانی میں جا پڑا تھا۔ اس کے بعد بیکن تیز تیز
قدموں سے چلتا ہوا اُس طرف چلا گیا جہاں گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ سونیتا پھٹی پھٹی
آنکھوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''آپ نے کوئی
اندازہ لگایا مس سونیتا؟''

''کیا؟''

''یہ بڑا پتھر لڑھک کر ہم پر بھی آ سکتا تھا۔''

''گویا تمہارا خیال ہے یہ بیکن کی حرکت تھی؟'' سونیتا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے
لگی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''بیکن ایسا تو نہیں ہے۔ وہ شیر جیسے جسم کا مالک ہے۔ لیکن اُس کے
سینے میں ایک چوہے کا سا دل ہے۔''

''آؤ..... یہاں سے چلیں۔'' میں نے کہا۔ بیکن کی اس حرکت کو میں نے بھی عجیب و
غریب انداز میں دیکھا اور سوچا تھا۔ وہ اب تک صرف دھمکیاں ہی دیتا رہا تھا۔ عملی طور پر
کچھ نہیں کیا تھا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں؟ سونیتا سے مجھے کوئی خاص
رغبت بھی نہیں تھی۔

ہم دونوں واپس آ گئے۔ سونیتا بھی ہیکن کی اس حرکت سے شاید کچھ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد وہ زیادہ دیر میرے پاس نہ رُکی اور مجھے نجات مل گئی۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا تھا کہ اس سے پہلے کہ میں ہیکن کے ہاتھوں شکار ہو جاؤں، بہتر ہے کہ ہیکن کے سامنے اپنی پوزیشن صاف کر دُوں اور اُس سے کہہ دُوں کہ بھائی! تیری محبوبہ تجھے مبارک۔ مجھے جان دینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کس طرح کروں.....؟

رات کا کھانا کھایا گیا اور اُس کے بعد میں نے بھی اپنے لئے ایک جگہ منتخب کر لی۔ میں ایک ٹرک کے نیچے جا لیٹا تھا۔ ابھی مجھے لیٹے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دفعتہً ہی دوسری سمت سے ایک ہلکی سی آہٹ سنائی دی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا اور چونک پڑا۔ یہ سولیتا تھی۔ اُس نے بھی غالباً مجھے دیکھ لیا تھا۔ رات کی تاریکی میں اُس کی سفید آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اور اُس کا چہرہ میری ہی جانب تھا۔ میں نے اُس کے آس پاس دیکھا اور یہ غور کر رہا تھا کہ مسٹر تھیوڈور بھی یہاں کہیں آس پاس ہی موجود ہیں یا نہیں.....لیکن سولیتا کے پاس وہ مجھے نظر نہیں آئے۔ غالباً اور کوئی شخص بھی یہاں موجود نہیں تھا۔ دل ہی دل میں، میں نے غور کیا کہ سولیتا اتفاقیہ طور پر اس طرف آئی ہے یا اس میں کوئی اور تصور ہے؟ چند لمحات ہم دونوں خاموش رہے۔ فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا کہ ہم ایک دوسرے کو نظر انداز کر سکتے۔ مجبوراً مجھے ہی بولنا پڑا۔

''ہیلو مس سولیتا!'' اُس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر میں نے کہا۔ ''مسٹر تھیوڈور کی زبانی آپ سے تعارف ہو چکا ہے۔ اور درحقیقت یہاں جتنے لوگ موجود ہیں، میری مراد خواتین سے ہے، اُن میں آپ مجھے سب سے بہتر نظر آئی ہیں۔ خاموش طبع، دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے والی۔''

وہ اب بھی خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ تب میں نے کہا۔ ''محترمہ! اب اس طرف آ ہی گئی ہیں تو کچھ باتیں کریں۔ میں ایک بے ضرر آدمی ہوں اور آپ کو میرے ہاتھوں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

سولیتا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی اور میں خوش ہوگیا۔ نجانے کیوں اس لڑکی سے ایک اُنسیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ غالباً اُس کے ذہنی توازن کی خرابی اور اُس کی

کیفیت دل پر اثر انداز ہوتی تھی۔ میں نے اُس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر کہا۔ ''اگر آپ مجھ سے دوستی کرنا چاہیں تو میں آپ کو اچھے اچھے لطیفے اور کہانیاں سناؤں گا۔ ویسے تو میں بذاتِ خود ایک کہانی ہوں۔ میں نے ایک ایسی منحوس شکل پائی ہے جو میرے لئے مصیبت کا باعث ہے۔ پتہ نہیں اس شکل نے مجھے کیسے کیسے چکروں میں پھنسا دیا ہے۔'' میرے ان الفاظ پر سولیتا کے ہونٹ کپکپائے۔ اُس نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ لیکن پھر خاموش ہو گئی۔

''بولئے.....پلیز بولئے! اب جب آپ یہاں آ ہی گئی ہیں اور ہم اتفاق سے یکجا ہو گئے ہیں تو کچھ تو بولئے مس سولیتا!'' میں نے عاجزی سے کہا اور اُس کے ہونٹ کپکپاتے رہے، لیکن اُس سے آواز نہیں نکلی تھی۔ پھر دفعتہً ہی کچھ اور بھی ہوا۔ وہ تھوڑی سی کھسکی اور اُس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ دوستی اور اپنائیت کا اظہار تھا۔ میں نے اُس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بڑی ملائمت سے اُسے دبانے لگا۔ ''میں جانتا ہوں کہ اگر آپ بولنے کی تھوڑی سی کوشش کریں تو آپ کو اس میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ ویسے بھی آپ ایک مکمل خاتون ہیں۔ بلا شبہ ایک نفیس ترین خاتون.....''

سولیتا نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رہنے دیا اور میں اُس کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی شیطانی تصور نہیں اُبھرا تھا۔ نہ ہی سولیتا کی اس حرکت سے میں نے کسی اور کیفیت کا احساس کیا تھا۔ بس! رحم کا ایک جذبہ غالباً اُنسیت میں بدلتا جا رہا تھا۔

''ہم دونوں دوست ہیں۔ اور میں آپ کی دل سے قدر کرتا ہوں ڈیئر سولیتا.....'' میں کافی دیر تک اُس سے باتیں کرتا رہا اور وہ سنتی رہی۔ اس کے بعد اُس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن ہاتھ میرے ہاتھ سے نہیں ہٹایا تھا۔ غالباً یہ اس بات کا اظہار تھا کہ اُسے نیند آ رہی ہے۔ میں نے خود ہی اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ معصوم لڑکی تھی۔ اُس کی اس حرکت پر مجھے بے حد پیار آیا تھا۔ دیر تک میں اُسے دیکھتا رہا۔ اُس نے کروٹ بدل لی تھی اور پھر نیند کی دیوی نے مجھے بھی اپنی آغوش میں لے لیا۔ پھر اُس وقت آنکھ کھلی جب صبح ہو چکی تھی۔

رات کے مناظر یاد کر کے میں نے دوسری جگہ نگاہ دوڑائی۔ لیکن سولیتا اب وہاں

موجود نہیں تھی۔ سونیتا کی مصیبت سر پر نازل ہو چکی تھی۔ دوسرے دن کے سفر میں بھی میں نے جان بوجھ کر سونیتا سے اجتناب برتا۔ جب وہ ایک گاڑی میں داخل ہوئی تو میں فوراً ہی دوسری گاڑی میں جا بیٹھا۔ اور یقیناً یہ صرف اتفاق تھا کہ اُس گاڑی میں مسٹر تھیوڈور اور سولیتا کے علاوہ دوسرے چند افراد بھی تھے۔ مجھے سولیتا کے قریب ہی جگہ ملی اور اُس نے بڑی اپنائیت سے تھوڑا سا کھسک کر مجھے آرام سے بیٹھنے کی سہولت فراہم کی تھی۔ میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ مسٹر تھیوڈور نے مجھ سے ایسی کوئی خاص بات نہیں کی تھی، بس! رسمی سی چند باتیں ہوتی رہی تھیں۔ اور سفر جاری رہا۔

یہ رات بھی عارضی قیام کی رات تھی اور اس کے بعد دوسرے دن سفر اور تیسری رات عارضی قیام۔ ہم لوگ بہت زیادہ فاصلہ طے نہیں کر پاتے تھے۔ کیونکہ دُشوار گزار راستوں سے ٹرکوں اور گاڑیوں کا گزرنا آسان کام نہیں تھا۔ چوتھی رات ایک خوبصورت علاقہ نظر آیا جہاں پانی وغیرہ بھی تھا۔ اور پھر یہاں قیام کر لیا گیا۔ جنگل وسیع نہیں تھا۔ بہت چھوٹے سے ٹکڑے میں درخت اُگ آئے تھے۔ باقی اطراف میں گہری گہری کھائیاں اور خشک و بے آب و گیاہ چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں سے ہمیں آگے کا فاصلہ طے کرنے کے لئے ان کھائیوں میں سے کسی ایک کھائی میں اُترنا تھا۔ جل برادرز سے اتنی قربت نہیں تھی کہ میں اُن سے اُن کے سفر کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتا۔ دوسرے لوگوں کو بھی کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی۔ اُس رات مسٹر تھیوڈور، جل برادرز کے ساتھ کسی خاص میٹنگ میں شریک رہے اور سولیتا میرے پاس آ گئی۔ سونیتا کے بارے میں کچھ ایسا اندازہ ہوتا تھا کہ اُس دن بیکن کے واقعے کے بعد وہ کچھ ڈرسی گئی تھی۔ پتہ نہیں کیا خیالات تھے اُس کے؟ لیکن مجھے کافی سکون محسوس ہوا تھا۔ محبوبہ تو پالی جا سکتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اگر رقیب بھی حصے میں آ جائے تو بات خطرناک ہو جاتی ہے۔ ویسے سولیتا کی آمد سے مجھے بھی خوشی ہوئی تھی کیونکہ یہاں یہ مسئلہ نہیں تھا۔ وہ میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک قلم تراش تھا اور وہ لکڑی کے ایک ٹکڑے کو اس سے آہستہ آہستہ چھیل رہی تھی۔

''مجھے افسوس ہے مس سولیتا! کہ آپ مجھ سے بھی کوئی گفتگو نہیں کرتیں۔'' وہ ہاتھ روک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اُس کی آنکھیں واقعی بے حد شفاف تھیں اور اُن میں ایک انوکھی جاذبیت نظر آتی تھی۔ یوں لگا جیسے اُس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے کچھ کہا۔ لیکن

اب اتنا تعلیم یافتہ بھی نہیں تھا کہ اس کہے کو آسانی سے سمجھ لیتا۔ وہ چند لمحات خاموشی سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور اس کے بعد پھر لکڑی کے کنارے کو چھیلنے لگی۔

''آپ کی زندگی میں کوئی ایسا واقعہ جس نے آپ کو متاثر کیا ہو اور جو آپ کی اس خاموشی کا سبب بنا ہو؟''

اُس نے ایک بار پھر مجھے دیکھا اور نفی میں گردن ہلا دی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ کم از کم اُس نے میری بات کو سمجھا تو تھا۔

''نہ بولنے والے مجھے دو افراد ملے ہیں۔ میں نے دوسرے کے لئے بھی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ بھی آپ کی ہی مانند تھی۔''

مجھے یوں لگا جیسے سولیتا کے ہونٹوں پر لفظ ''کون'' آتے آتے رُک گیا ہو۔ اُس کی سوالیہ نگاہیں ایک لمحے کے لئے میری طرف اُٹھی تھیں اور اسی وقت ایک عجیب سا خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا...... ہوسکتا ہے سولیتا خود ہی نہ بولنا چاہتی ہو۔ یہ بے اختیارانہ انداز اس بات کا اظہار کرتا تھا کہ وہ اچانک ہی بولنا چاہتی تھی۔ لیکن اُس نے اپنی زبان بند رکھی تھی۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ ہوسکتا ہے یہ سب مسٹر تھیوڈور کی کارروائی ہو اور انہوں نے خود ہی اپنی بیٹی کو بولنے سے منع کر دیا ہو۔ ہوسکتا ہے اس سلسلے میں انہوں نے یہ احتیاطی کارروائی جل برادرز کے لئے کی ہو۔ بہرطور! میں اب اتنی زیادہ دلچسپی بھی نہیں لے رہا تھا ان معاملات میں کہ سولیتا کے بولنے کے لئے کوئی خاص طریقہ کار اختیار کرنے کی کوشش کرتا۔ ہم لوگ دیر تک اُس جگہ بیٹھے رہے۔ میں نے سولیتا سے بہت سی باتیں کیں۔ لیکن جواب میں مکمل خاموشی چھائی رہی۔ اس کے بعد ہم اپنے خیموں میں واپس آ گئے۔

آج موسیقی کی محفل نہیں جمی تھی۔ کیونکہ کئی دن کے سفر سے لوگ تھکے ہوئے تھے۔ رات کو چاند نکل آیا اور پراسرار پہاڑیاں، چاندنی میں عجیب سا منظر پیش کرنے لگیں۔ میں اپنی آرام گاہ میں لیٹا اِس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ دفعتہً ہی چیخ و پکار کی کچھ آوازیں بلند ہوئیں اور ساتھ ہی عجیب سی افراتفری مچ گئی۔ چند ہی لمحات کے بعد اس افراتفری میں فائرنگ کا شور بھی شامل ہو گیا اور میں بوکھلا کر اپنی جگہ سمٹ گیا۔ کوئی بھی گولی میری طرف کا رُخ کر سکتی تھی۔ رات کے اندھیرے میں نشانے تو نہیں لگائے جا سکتے۔ لیکن یہ اچانک ہنگامہ کیا

نوعیت رکھتا ہے.....؟

پھر اچانک ہی مجھے ریڈ بون یاد آئی تھی۔ کیا ریڈ بون نے حملہ کیا ہے؟ جل برادرز اُس سے خوف زدہ تھے۔ ایک پورا گروہ اور ایک لڑکی۔ لیکن وہ ایک لڑکی بھی پورا گروہ تھی۔ اُس نے اُن لوگوں کو نچا کر رکھ دیا تھا۔ باہر فائرنگ مسلسل ہو رہی تھی۔ مسامات پسینہ چھوڑ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ خود باہر نکلنے کی جرات بھی نہیں کر سکتا تھا۔ رات کی تاریکی میں نہ جانے کس طرف سے کوئی گولی بھٹکتی ہوئی مجھے تلاش کر لے۔ چیخ و پکار کی آوازوں میں کئی بار مجھے جل برادرز کی آوازیں بھی سنائی دی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ ہنگامہ ختم ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ اور جب میں نے یہ اندازہ لگایا کہ دوسرے لوگ آزادانہ باہر نکل آئے ہیں تو پھر میں بھی اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ تقریباً تمام ہی لوگ خیموں سے باہر کھڑے طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ تیز روشنیاں تیار کی جا رہی تھیں۔ پھر مسلح افراد ایک سمت چل پڑے اور میں نے بھی اس آخری وقت میں اپنی بہادری دکھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا۔ زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا پڑا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں تیز روشنی میں انسانی بدن اوندھے سیدھے پڑے نظر آئے۔ روشنیاں اُن پر مرکوز کر دی گئیں اور اُن جسموں کو ٹٹول کر دیکھا جانے لگا۔ لوگ اس سلسلے میں گفتگو بھی کر رہے تھے۔ میری نگاہ مسٹر تھیوڈور پر پڑی اور میں اُن کے نزدیک پہنچ گیا۔ مسٹر تھیوڈور نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ بولے۔

''اس کا مطلب ہے کہ یہ سیاہ فام افریقی نہیں ہیں۔''

''کچھ سمجھ میں آیا مسٹر تھیوڈور! یہ سارا واقعہ کیا ہے؟''

''اوہ! اچانک ہی اُن میں سے چند افراد نے خیموں میں گھس کر حملہ کر دیا تھا۔ کسی نے دیکھ لیا اور اس کے بعد اُن پر گولیوں کی بارش کر دی گئی۔ وہ خیموں سے نکل بھاگے۔ غالباً نہتے تھے۔ پہلے تو ہم نے یہی سمجھا تھا کہ اُن کا تعلق افریقہ کے کسی وحشی قبیلے سے ہے۔ اور یہی سوچ کر اُن پر بے دریغ گولیاں چلائی گئیں۔ لیکن کچھ غلطی ہوگئی۔ اُن میں سے تو ایک بھی افریقی نہیں ہے۔''

میں نے ایک لاش کی جانب دیکھا۔ اُس کے بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ ننگے پاؤں تھا۔ ایک شدید زخمی تھا اور یہ زخم گولیوں کے نہیں تھے۔ غالباً درختوں اور جھاڑیوں کی

خراشیں تھیں جن سے خون نکل نکل کر جم گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون لوگ ہیں۔ روشنیوں میں اُن کے چہرے بھی دیکھے گئے اور وہ کسی سفید نسل کے باشندے معلوم ہوتے تھے۔

جل برادرز بھی اب متاثر نظر آ رہے تھے۔ میں نے جل برادرز میں سے ایک کو کہتے سنا۔ ''آہ! شاید غلط فہمی ہوگئی۔ یہ کسی قسم کے مصیبت زدگان میں سے ہیں۔ اور.....اور کسی سفید نسل ہی سے ان کا تعلق ہے۔''

تلاشی لینے والے چاروں طرف انہیں تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ بہت سی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ چھ سات تو میں نے خود گنیں۔ اور ظاہر ہے یہ جل برادرز کی گولیوں کا شکار ہوئے تھے۔ اور پھر دو افراد ایسے ملے جو زندہ تھے اور زخمی بھی نہیں تھے، لیکن بے ہوش تھے۔ جل برادرز کے ایماء پر اُنہیں ایک خیمے میں پہنچا کر فوری طور پر اُن کی نگہداشت کی جانے لگی۔ بھلا اتنا بڑا پروگرام ہو اور ڈاکٹر موجود نہ ہو؟ کئی ڈاکٹر اُن کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ باقی لوگوں کی حفاظت کے لئے بندوبست کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب جل برادرز نے یہ ہدایت نشر کر دی تھی کہ اُن میں سے اور کوئی نظر آئے تو اُسے قتل نہ کیا جائے۔ اور اگر وہ وحشت خیزی کریں تو اُنہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔ زیادہ سے زیادہ ہلکا پھلکا زخمی کر دیا جائے۔ بس! اس سے زیادہ کچھ نہیں ہونا چاہئے.....

یہ غالباً نسلی احساس تھا۔ میں خود بھی اُن کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا پایا تھا۔ لیکن بہرحال! ان سارے معاملات سے واقف رہا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ وہ لوگ شدید فاقہ کشی کا شکار تھے اور یہ بے ہوشی بھی فاقہ کشی کے نتیجے میں ہی ہے۔ جل برادرز نے بہت افسوس کا اظہار کیا تھا۔ اور اب صورتِ حال بہت حد تک واضح ہوگئی تھی۔ یقینی طور پر سیاحوں کا کوئی گروہ تھا جو بدترین حالات کا شکار ہو گیا تھا۔ بھوک اور صعوبتوں نے اُنہیں وحشی بنا دیا تھا۔ اور لازمی طور پر خوراک کی تلاش میں یہ لوگ خیموں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ لیکن اُن کی بدقسمتی تھی کہ اُنہوں نے رات کے اس لمحے کا انتخاب کیا اور اس انداز میں کیا۔ اور جل برادرز نے اُنہیں خطرناک سمجھ کر گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔

تمام لاشوں کو دن کی روشنی میں جمع کر لیا گیا تھا۔ کل تیرہ لاشیں تھیں۔ اور صرف یہ دو افراد زندہ بچے تھے۔ اُن میں زیادہ تر جوان لوگ تھے۔ دو تین عمر رسیدہ بوڑھے بھی نظر

آئے تھے۔ دُور دُور تک جل برادرز کے ساتھیوں کی ٹولیاں پھیل گئیں اور اُن لوگوں کے
ساز و سامان کو تلاش کیا جانے لگا تاکہ اُن کے بارے میں اندازہ ہو سکے۔ بدن پر
جھولتے چیتھڑوں سے کچھ کاغذات بھی برآمد ہوئے تھے۔ لیکن اُن کی تفصیلات عام لوگوں
نہیں معلوم ہو سکیں۔ جل برادرز نے اُن کاغذات کو اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔

شام کو فضا کچھ غمگین سی لگی۔ جل برادرز کو اُن لوگوں کی اس طرح موت کا بہت دُکھ
تھا۔ اور وہ بار بار تاسف کا اظہار کر رہے تھے۔ آج بھی رقص و موسیقی کا پروگرام نہیں ہوا
گیا تھا اور ہر جگہ اسی موضوع پر بات ہوتی رہی۔ ان دونوں کو ہوش میں لے آیا گیا تھا۔
اُنہیں اس طرح کی خوراک دی گئی تھی کہ اتنے عرصے کے بعد ملنے والی خوراک اُن کے
بدن کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ ابھی تک اُن کے بارے میں کوئی تفصیلات نہیں معلوم ہوئی
تھیں اور نہ ہی اُن لوگوں سے کوئی سوال کیا گیا تھا۔ اس سوال کے پیشِ نگاہ کہ کہیں اُن
دیوانگی نہ طاری ہو، اُنہیں باندھ کر بھی رکھا گیا تھا۔ تاکہ وہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔
لیکن اُن دونوں کی زبردست تیمارداری کی جا رہی تھی۔ رات کو گیارہ، بارہ بجے تک ہم لوگ
اُن کے بارے میں گفتگو میں مصروف رہے۔ سونیتا دو تین بار نظر آئی تھی۔ لیکن خدا نے
اُسے عقل دے دی تھی۔ وہ مجھ سے ہی ناراض تھی۔ بہرطور! میری جان بخشی کر دی تھی۔
نے اور میں بہت پرسکون تھا۔ اس دوران میں نے بیکن کو بھی دیکھا تھا۔ یہ شخص ہمیشہ
مجھے عجیب سا لگتا تھا جیسے وہ صحیح الدماغ نہ ہو۔

☆.....☆.....☆

رات گزر گئی۔ دوسرے دن مجھے اُن لوگوں کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو گئیں۔ بلا
شبہ وہی کہانی تھی، جو ہم سب نے سوچی تھی یعنی وہ سیاح تھے اور اپنا راستہ بھٹک کر طویل
عرصے سے صحرائے اعظم میں چکرا رہے تھے۔ خوراک کا ذخیرہ ختم ہو گیا تھا۔ اسلحہ وغیرہ بھی
اُن کے پاس نہیں تھا جس سے شکار کرتے۔ اُن کے ساتھیوں کی تعداد تیس تھی۔ جن میں
سے پندرہ مختلف حادثات کا شکار ہو گئے تھے اور باقیوں کا جو غول تھا، وہ جل برادرز کے
ہاتھوں مارا گیا..... اُنہوں نے خوراک کے حصول کے لئے ہی یہ کارروائی کی تھی۔ لیکن
چونکہ سوچنے سمجھنے کی قوتیں کھو بیٹھے تھے، اس لئے کارروائی کا انداز وحشیانہ ہی تھا۔ دونوں
کے نام بھی معلوم ہو گئے تھے۔ اُن میں سے ایک پیری فوسٹر اور دوسرے کا نام شارپ تھا۔
دونوں ہی برٹش تھے اور مہم جوئی کے لئے نکلے تھے۔ بہرطور! جل برادرز کو اپنی اس کارروائی
پر تاسف تھا۔ لیکن اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ البتہ اُن دونوں کو ہر طرح کی سہولتیں اور
مراعات فراہم کی گئی تھیں۔

پانچ دن گزر چکے تھے اور جل برادرز کی طرف سے ابھی تک آگے بڑھنے کا حکم نہیں ملا
تھا۔ پھر اُس شام جب میں اپنے خیمے میں بیٹھا تھا اور باہر نکلنے کے بارے میں سوچ رہا تھا
کہ ایک شخص میرے پاس پہنچ گیا۔

''مسٹر منصور! باس آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میں بھونچکے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ باس یقیناً جل برادرز کو ہی کہا جا رہا تھا۔ پھر اُس کے
ساتھ ہی میں جل برادرز کے خیمے کی طرف چل پڑا تھا۔ اپنے خیمے میں صرف وہ دونوں ہی
تھے۔ دونوں نے پرسکون انداز میں مسکراتے ہوئے میرا خیر مقدم کیا۔ پھر اُن میں سے ایک
بولا۔ ''مسٹر منصور! ہم نے آپ کو بھی بتایا تھا کہ ہمارے مشن کی تکمیل سے ہر شخص کا فائدہ
ہے۔ اور جب آپ کو ہم نے اپنے درمیان قبول کر لیا تو پھر اس فائدے میں آپ بھی

شریک ہو گئے۔ لیکن مسٹر منصور! ایک بات خاص طور سے آپ کو ذہن نشین کرانا ضر
ہے کہ اچھے لوگ بہت اچھے ہوتے ہیں اور وہ اپنی ذات سے کسی کو کوئی نقصان پہنچا
نہیں کرتے۔ لیکن اگر کسی کی ذات سے انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو پھر یہ حق انہیں
حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنا انتقام لیں۔ اور ہماری عادت بھی یہی ہے۔ ہم سب لوگ
دوستوں کی مانند، یہ مہم سر کر رہے ہیں۔ اور ہمارے ساتھ جو کوئی بھی ہے، ہم اس سے
اور اسی دلچسپی کی توقع رکھتے ہیں۔ اور ان میں آپ بھی شامل ہیں۔''

''اگر آپ لوگ کوئی ذمہ داری میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے یہ زبانی
دینا کافی ہوگا کہ جو ذمہ داری آپ میرے سپرد کریں گے، اس میں کسی قسم کی غیر ذمہ
کا مظاہرہ نہیں ہوگا۔''

جل برادرز نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی۔ اور پھر دونوں نے بیک وقت گ
بلائی۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ ''جس وقت آپ ہمارے درمیان آئے تھے تو ہا
ذہن میں قطعی یہ خیال نہیں تھا کہ اچانک ہی آپ ہمارے لئے اہم ترین بن جائیں
آپ بس ہماری نگاہوں میں ایک انسان تھے اور صرف انسانی بنیادوں پر ہم نے آ
خدمت کی۔''

''اعلیٰ نسل کے لوگوں سے اعلیٰ ظرفی کی ہی توقع کی جاسکتی ہے معزز جل برادرز!
نے کہا۔ مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ جل برادرز کس بات سے خوش ہو سکتے ہیں۔ انہیں
شاہی خون کی پبلسٹی کا خاص طور سے شوق تھا اور یہ بات بار بار میرے سامنے آچکی
اس وقت میں نے اسی کا سہارا لیا تھا اور حسب توقع ان کے چہروں پر فخر کے تا
پائے تھے۔ ان کا لہجہ مزید نرم ہو گیا۔

''اور اب آپ کو ہمارے لئے ایک اہم کام کرنے کا موقع ملا ہے۔''

''اگر میں اپنی شکرگزاری کا اظہار کر سکا تو مجھے خوشی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''تو مسٹر منصور! بدنصیب ٹولی کے دونوں افراد اب نارمل ہو چکے ہیں اور انہو
ہماری ضرورت کا ایک انکشاف کیا ہے۔''

''کیا؟'' میں نے سوال کیا۔

''ریڈ بون اب بھی ہمارے آس پاس بھٹک رہی ہے۔''

''اوہ..... وحشی لڑکی؟''

''ہاں! ظاہر ہے وہ ہم سے دور نہیں جاسکتی۔ جس طرح ہمیں اس کے پاس موجود
آدھے نقشے کی تلاش ہے اسی طرح وہ بھی ہمارے پاس موجود باقی آدھے نقشے کی خواہش
مند ہے۔ ہرچند کہ باقی آدھے نقشے کا حصول اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ لیکن ہم بھی اس
باقی آدھے نقشے کے بغیر اپنے مشن میں ادھورے ہیں۔ اور اب اس باقی آدھے نقشے کے
حصول کے لئے ہمیں آپ کی مدد درکار ہے۔ اور اس کے عوض آپ کو خزانے کے مزید دو
حصے ملیں گے۔ کیونکہ یہ کام اہم ترین نوعیت کا حامل ہے۔''

''آپ مجھے بتائیے۔'' میں نے کہا۔

''آپ یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ اور اس کے لئے باقاعدہ ڈرامہ کیا جائے گا اس
خیال کے پیش نگاہ کہ وہ آس پاس موجود ہے اور ممکن ہے ہم پر نگاہ رکھ رہی ہو۔ پھر آپ
اسے تلاش کریں گے۔ وہ چونکہ آپ سے متاثر ہے اور آپ پہلے فرد ہیں جسے اس نے اپنے
ساتھ شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے اس ڈرامے کے بعد وہ دوبارہ آپ تک پہنچنے
کی کوشش کرے گی۔ آپ اس کے ساتھ شامل ہو جائیں اور اس کا اعتماد حاصل کر لیں۔''

''فرض کیجئے اگر ایسا ہو جائے تو؟'' میں نے سوال کیا۔

''باقی نقشے کا حصول آپ کی ذمہ داری ہوگی۔''

''کیا یہ اتنا آسان ہوگا؟''

''آپ موقع پا کر اسے ہلاک کر دیں۔''

''ہلاک؟'' میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''ہاں! یہ ضروری ہے۔'' جل برادرز نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے چند لمحات خاموشی اختیار کی۔ پھر کسی قدر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''دراصل
مسٹر جل برادرز! اپنے بارے میں، میں نے ایک لفظ بھی آپ سے جھوٹ نہیں کہا۔ میں
صرف ایک سیاح ہوں اور میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی خزانہ نہیں ہے اور نہ ہی میں
صحرائے اعظم میں اتنی دور تک آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ تو صرف اتفاقات تھے جنہوں نے
مجھے یہاں تک پہنچا دیا۔ مگر اب ایک لڑکی کا قتل.....''

''اس پوائنٹ کو بھی ذہن میں رکھا گیا ہے مسٹر منصور! اور اس سے آپ کی نیک نیتی کا

بھی اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ یہ بات صاف کہہ دی۔ آپ اُسے قتل
کریں گے۔''

''باقی میں سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''وہی باقی سب کچھ آپ کی ذمہ داری ہے۔ ہم آپ کو ٹرانسمیٹر دیں گے جس پر
ہم سے رابطہ رکھ کر اپنی سمت سے آگاہ رکھیں گے۔ اور پھر کوئی مناسب موقع پا کر
اُسے بے ہوش کر دیں گے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہوگا۔ باقی
ہمارا ہوگا۔''

''بہتر ہے..... میں تیار ہوں۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا اور جل برادرز نے اس طرح
گہری سانسیں لیں جیسے اس گفتگو سے مطمئن ہوں۔ اس کے بعد مجھے جانے کی اجازت
دے دی گئی تھی۔

یہ تو فطری بات تھی۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ میں عام آدمی تو نہیں تھا۔ خصوصیت
میری تقدیر میں لکھی تھی۔ خزانہ جائے جہنم میں۔ کم از کم اِن لوگوں کے ساتھ صحرائے
افریقہ سے آسانی سے نکلنا تو نصیب ہو سکتا تھا۔ یا کسی اور پریشانی کے بغیر زندگی تو گزر
تھی۔ لیکن تقدیر کو یہ سکون بھی پسند نہیں آیا تھا۔

رات کو تمام معمولات سے فارغ ہو کر اپنے خیمے میں آ گیا اور پھر وہی ماضی
یادیں..... وہی یادوں کے کھلے دریچے..... جانے کون کون ان دریچوں سے اندر آ
لیکن مسٹر تھیوڈور کسی دریچے سے نہیں، پہلے کی مانند خیمے کے بیچ سے آئے تھے۔

''اوہ..... تم جاگ رہے ہو؟''

''ہاں مسٹر تھیوڈور!''

''کیا تمہیں یہ خیال تھا کہ میں آؤں گا؟'' مسٹر تھیوڈور نے کہا اور میں چونک کر انہیں
دیکھنے لگا۔ پھر مجھے غصہ آ گیا۔ اُس سفید ریچھ کو یہ غلط فہمی کیسے ہو گئی؟ یہ کسی محبوبہ دلنواز کا
رُوپ رکھتا ہے کہ میں اس کا انتظار کروں گا؟

''میں کبھی اُن کی طرف سے غافل نہیں رہتا۔ چنانچہ میں نے اُن کے اور تمہارے
درمیان ہونے والی ساری گفتگو سن لی ہے اور تمہاری آمادگی پر مجھے خوشی ہوئی۔ تم
نہایت ذہانت سے اُنہیں کسی طرح کے شک کا موقع دیئے بغیر اُن کی پیشکش قبول کر

مجھے اندازہ ہو گیا مسٹر منصور! کہ تم ایک ذہین انسان ہو۔''

''آہ..... کاش! مجھے بھی اس کا اندازہ ہوتا۔'' میں نے کراہتے ہوئے کہا۔

''یہ تمہاری کسرنفسی ہے۔''

''کیا آپ کو یقین ہے مسٹر تھیوڈور! کہ جس طرح آپ نے اُن لوگوں کی گفتگو سن لی
تھی، اُسی طرح وہ میری اور آپ کی گفتگو سننے کی کوشش نہیں کریں گے؟''

''ہرگز نہیں۔ میں اُن کی یہ کمزوری جانتا ہوں۔''

''کمزوری؟''

''خود پر نازاں ہو جانے والے زندگی میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ وقت کہتا
ہے جس قدر طاقت حاصل کرتے جاؤ، محتاط ہوتے جاؤ۔ کیونکہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت کا
اندازہ لگانے کے بعد ہی تم پر وار کرتا ہے۔''

''عمدہ بات ہے۔''

''اور اب تم اس ڈرامے سے پورا فائدہ اُٹھاؤ۔''

''وہ کس طرح؟''

''وہ نہایت آسان ہے۔ اس طرح تو اُنہوں نے ہماری وہ مشکل حل کر دی ہے جس کا
حل بہت کوشش کے باوجود میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔''

''مجھے بھی کچھ سمجھا دیں مسٹر تھیوڈور!''

''اوہ..... ڈیئر منصور! یہ لوگ تمہیں تمام تیاریوں کے ساتھ فرار کا موقع دیں گے۔ اور تم
یہاں سے چلے جاؤ گے۔ اُن کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم اُسے تلاش کرو۔ میں بھی یہی چاہتا
ہوں کہ تم اُسے تلاش کرو اور پھر اُسے اُس کی منزل تک لے جاؤ۔''

''ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا مسٹر تھیوڈور.....؟''

''ہاں! میں تمہیں وہاں تک کا پورا نقشہ ذہن نشین کرا سکتا ہوں۔ اور اسے اپنے تحفظ
میں بونیٹو لے جاؤ اور وہاں میرا انتظار کرو۔''

''بونیٹو میں؟''

''ہاں..... بونیٹو میں۔ میں ان لوگوں کو لے کر وہاں آ رہا ہوں۔ اُس وقت تک میں
اُن کا قیدی ہوں جب تک یہ بونیٹو نہیں پہنچ جاتے۔ اور اس کے بعد یہ ہمارے قیدی ہوں

گے۔''

میں حیرت سے مسٹر تھیوڈور کو دیکھ رہا تھا۔ برفانی بوڑھا پہلے بھی پراسرار نظر آتا تھا۔ لیکن اس گفتگو کے بعد وہ میری نگاہ میں کچھ اور پراسرار ہو گیا تھا۔ بہرحال! اُس کی تجویز بری نہیں تھی۔ میں نے اُس پر بھی آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔ مسٹر تھیوڈور مجھے بونیٹو تک راستہ سمجھانے لگا۔ اور میں اُس کے بتائے ہوئے نقشے کو ذہن نشین کرنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ ''قبیلہ بونیٹو میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟''

''اس قبیلے کے لوگ غیر مہذب نہیں ہیں۔ کم از کم ان میں وحشت خیزی نہیں ہے۔ اگر بہت زیادہ کریں گے تو تمہیں قید کر لیں گے۔ لیکن میں بہت مختصر وقت میں وہاں جاؤں گا۔''

''کیا وہ لوگ اپنے قبیلے کی لڑکی کو نہیں پہچان سکیں گے؟''

''یہ ہرگز نہیں کرنا۔ ریڈ بون اگر خود وہاں ایسی کوئی کوشش کرے تو دوسری بات ہے۔ اپنے طور پر اس کی کوشش مت کرنا۔ طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ حالات کیسے ہیں؟ ہمیں کا جائزہ لینا ہوگا۔ اور پھر ہم آسانی سے ریڈ بون کو اُن کے حوالے نہیں کریں گے۔ کے نام پر تو ہم اُن سے سودے بازی کریں گے۔''

''سودے بازی؟''

''ہاں..... خزانے کے سلسلے میں میرے دوست! جل برادرز اُس خزانے کے حصول کے لئے چل تو پڑے ہیں لیکن اُنہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ بونیٹو پہنچ جانا ہی سب کچھ نہیں ہے۔'' تھیوڈور نے پراسرار انداز میں کہا۔

میں غور کرنے لگا۔ یہ اُس نے سچ کہا تھا۔ پھر میں بولا۔ ''اور اگر ریڈ بون خود تعارف کرا دے؟''

''تب بھی تم محفوظ رہو گے۔ کیونکہ تم اُس کے ساتھی ہو گے۔''

''ٹھیک ہے مسٹر تھیوڈور! سب کچھ آپ کی خواہش کے مطابق ہوگا۔''

''تم ساری صورتِ حال سمجھ گئے ہو۔ اب میں جاؤں؟''

''مکمل اطمینان کے ساتھ۔'' میں نے جواب دیا۔

''ہوسکتا ہے دوبارہ میری تم سے ملاقات نہ ہو۔ اس لئے بونیٹو میں ملاقات تک

لئے خدا حافظ.....''

''او کے مسٹر تھیوڈور!'' میں نے کہا اور تھیوڈور اُسی طرح باہر چلا گیا۔ میں اب اُس کے بارے میں اور کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ جتنا سوچتا، ذہن اُلجھنے لگتا تھا۔ اس لئے صرف بونیٹو تک کا سفر ذہن میں دُہرانے لگا اور اُسے دُہراتے دُہراتے سو گیا۔ جل برادرز نے اس بارے میں کوئی تعین نہیں کیا تھا کہ مجھے کب روانہ ہونا ہے۔ دوسرے دن بھی یہاں سفر کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے، جس کا مطلب تھا کہ آج بھی یہیں قیام ہوگا۔ میں بھی سست روی سے اپنے کاموں میں مصروف رہا تھا۔ پورا دن گزر گیا۔ شام کو محفل طرب جم گئی۔ درمیانی جگہ کو میزوں سے سجا دیا گیا۔ اور پھر مدھم موسیقی اُبھرنے لگی۔ میں بھی تیاریاں کرنے لگا۔ لیکن پھر اچانک ہی دو افراد میرے خیمے میں داخل ہو گئے۔ ''مسٹر منصور! جل برادرز آپ کو طلب کرتے ہیں۔''

میرا دل دھک سے رہ گیا۔ تاہم میں نے کہا۔ ''بہتر ہے۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

''معاف کیجئے! آپ جس حالت میں ہیں، ہمارے ساتھ چل پڑیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔

''اچھا..... چلو!'' میں نے کہا۔ چھٹی حس بتا رہی تھی کہ میری روانگی کا وقت آ گیا ہے۔ بہرحال! اگر ایسی بات ہے تو مجھے پریشان بھی نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ چنانچہ میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔

دونوں جڑواں بھائیوں نے میرا خیر مقدم کیا تھا۔ اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ پھر جل ون نے کہا۔ ''آپ کی روانگی کا وقت آ گیا ہے مسٹر منصور!''

''میں تیار ہوں جل برادرز!'' میں نے پرسکون انداز میں کہا۔ ظاہر ہے جو کرنا تھا اُس کا فیصلہ تو ہو ہی چکا تھا۔ اب کسی تردّد کا کیا سوال؟

''ہم آپ پر مکمل اعتماد کر رہے ہیں مسٹر منصور! اور یہ جانتے ہیں کہ ہمارا یہ اعتماد کبھی مجروح نہیں ہوگا۔ آپ ہمارے لئے جو کچھ کر رہے ہیں، ہم بھی کوشش کریں گے کہ آپ کو اس کا بھرپور صلہ دیں۔''

''یہ گفتگو ختم ہو چکی ہے مسٹر جل برادرز!'' میں نے کہا۔

''ہاں! بالکل۔ اب اس سلسلے میں کوئی گفتگو بے معنی ہے۔ ہم آپ کو آپ کے سفر کے

بارے میں تفصیلات بتا دیں۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

''یہ انگوٹھی آپ اپنی اُنگلی میں پہن لیجئے۔ اس میں خواب آور سفوف ہے جو کسی بھی شخص کو کئی گھنٹوں کے لئے بے ہوش کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ سے باقی گفتگو تو ہو چکی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اسے کب اور کس موقع پر استعمال کیا جائے گا۔''

''یقیناً.....''

''تو پھر آیئے! آپ کو وہ جیپ دکھا دی جائے جو آپ کو لے کر یہاں سے روانہ ہوگی۔ ہم نے اس سلسلے میں جو پروگرام ترتیب دیا ہے اس کے لئے ہمارے آدمی تیار ہیں اور جیپ میں آپ کے لئے مکمل انتظامات کر دیئے گئے ہیں۔ درحقیقت اس وقت کا انتخاب خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ زیادہ لوگ اس ہنگامے میں ملوث ہوں۔ اُنہیں اپنے کام میں مصروف رہنا چاہئے۔ اور اس کے لئے ہم نے یہ وقت منتخب کیا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جل برادرز مجھے ساتھ لئے باہر نکل آئے اور پھر تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کر کے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں تین جیپیں کھڑی تھیں اور اُنہی میں سے ایک جیپ میرے لئے تیار کی گئی تھی۔ جل برادرز نے مجھے اُس جیپ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''دیکھئے! اس میں یہ تین بیرل پٹرول سے بھرے ہوئے ہیں۔ جیپ کی ٹینکی فل ہے۔ بیرل گولیوں کا نشانہ نہیں بن سکتے۔ اُن کے تحفظ کا بندوبست کر دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ ہدایات بھی جاری کر دی گئی ہیں کہ کوئی بھی گولی جیپ کی طرف نہ چلائی جائے۔''

''گولی.....؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں! آپ کو ابھی اس سلسلے میں تمام حقیقتیں بتا دی جائیں گی۔ جیپ کا اندرونی جائزہ لے لیجئے۔ ویسے بہترین حالت میں ہے اور اس کا انجن کہیں بھی آپ کو دھوکہ نہیں دے گا۔ اب اس کے اندرونی سامان کی سمت آ جایئے۔ کھانے پینے کی یہ اشیاء پیکٹوں کی شکل میں محفوظ کر دی گئی ہیں۔ یہ پانی ہے۔ یہ کافی کا تھرماس اور ایسی ہی چیزیں جو آپ کے کام آ سکتی ہیں۔ درحقیقت! ان تمام چیزوں کا بندوبست اس لئے کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے ریڈ بون کی تلاش میں آپ کو کافی دقتوں کا سامنا ہو۔ اور اس میں وقت لگ جائے۔ اس

بات کے امکانات بھی ہیں کہ وہ آپ کو ہمارا آدمی سمجھ کر پوشیدہ رہنے کی کوشش کرے۔ یہ بھی سوچا جا سکتا ہے کہ ابتداء میں وہ آپ پر شک کرے۔ حالانکہ اس کے امکانات ذرا کم ہیں۔ کیونکہ بہرطور! آپ کو اس کے ساتھ ہی دیکھا گیا تھا۔ اور اسی وقت آپ قیدی بنے تھے۔ آپ اُسے اپنے بارے میں تفصیلات بتا سکتے ہیں۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا مسٹر منصور! کہ صورتِ حال کیا ہے؟ ہمیں دونوں سمتوں کا خیال رکھنا ہے۔ اُس کی توجہ اور اُس کا شک دونوں ہی سامنے آ سکتے ہیں۔ اب یہ آپ کی ذہانت ہے کہ آپ اُسے کیسے مطمئن کر سکیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ یہ آپ میری ذہانت پر چھوڑ دیجئے۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ یہ پستول اور یہ ننھا سا ٹرانسمیٹر۔ جل برادرز نے مجھے تقریباً ڈیڑھ انچ کے سائز کا ایک پتلا اور چپٹا سا چوکور بکس دے دیا اور پھر وہ اُس کے آپریٹ کرنے کا طریقہ بتانے لگے۔ میں نے یہ تمام چیزیں ذہن نشین کر لی تھیں۔ اس وقت میں بالکل پرسکون تھا۔ کیفیت وہی تھی کہ آ پھنسے ہیں تو مجبوری ہے۔ ضرورت نہ ہوتی تو اس سارے پروگرام پر تھوکتے بھی نہیں۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہمیں تو پیدا ہی دوسروں کے لئے کیا گیا تھا۔ اس کے بعد جل برادرز نے آخری پروگرام بتایا اور میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا گیا.....

''جیپوں میں چھ افراد ہوں گے۔ ایک جیپ ڈرائیو کرے گا اور باقی اس سلسلے کی دوسری کارروائی۔ لیکن وہ سب بہترین تربیت یافتہ ہیں۔ آپ اس سلسلے میں بالکل مطمئن رہیں۔''

میں نے ٹھنڈی سانس لے کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ نہ کرتا تو کیا کرتا؟ کوئی ترکیب بھی تو نہیں تھی۔ آخری کام مکمل ہو گیا اور اُس کے بعد میں نے اُس جیپ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا جسے لے کر مجھے فرار ہونا تھا۔ اب مسئلہ یہ بھی تھا کہ جیپ کو صحیح طور پر ڈرائیو بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے فرار ہونا معمولی بات نہیں ہوتی۔ اور فرار بھی اس طرح کہ عقب سے گولیاں چلائی جا رہی ہوں۔ ریڈ بون اگر احمق نہیں ہے تو اُسے اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ آس پاس موجود ہو۔ بہرصورت! اس ڈرامے کا آغاز ہو گیا.....

جب میں جیپ لے کر تقریباً ایک فرلانگ ڈور نکل گیا تو عقب سے جیپیں
ہوئیں اوراس کے بعد ہنگامے کا آغاز ہوگیا۔ گولیاں چلانے کے لئے اتنا فاصلہ طے
گیا تھا کہ رقص وموسیقی میں مشغول لوگوں کو آوازیں سنائی دے سکیں۔ جیپیں میرا تعاق
رہی تھیں۔ اور فائروں کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میرے دانت بھنچے ہوئے
گولیوں کے سلسلے میں تو مجھے مطمئن کر دیا گیا تھا۔ لیکن صحرائے اعظم کے اس ہولنا
علاقے میں جیپ چلانا بھی کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اور اُسے دوڑانا تو اور بھی خطرنا
تھا۔ لیکن بہرطور! ابھی میں اُن کی رینج میں تھا اور اُنہی کی پسند کے مطابق اداکاری
تھی۔ جیپیں میرا تعاقب کرتی رہیں۔ اور واقعی تھوڑی دیر کے بعد مزہ آنے لگا۔ اتفاق
بھاگنے کا راستہ بھی کچھ زیادہ ہی عمدہ تھا۔ سیدھا اور سپاٹ..... چنانچہ جیپ دوڑانے میں
کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ البتہ یہ احساس ضرور کیا جا سکتا تھا کہ دیکھنے والا اس
مشکوک بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ وہ بالکل ہی احمق نہ ہو۔ بہرطور! یہ بھاگ دوڑ جاری رہ
پتہ نہیں اُن لوگوں کو کتنا وقت دیا گیا تھا۔ گہری تاریکی میں اب روشنیاں جلانی پڑی تھیں
ذرا محتاط ہونا پڑا تھا تا کہ کہیں جیپ کسی چھوٹی سی چیز پر بھی چڑھ کر اُلٹ نہ جائے۔ یوں
ہنگامہ خیزی تقریباً دو یا ڈھائی گھنٹے جاری رہی۔ اور اُس کے بعد پچھلی جیپیں زیادہ فاصلہ
کرنے لگیں۔ گویا اب وہ اپنی کوششیں ترک کر دینا چاہتے تھے۔ میں نے بھی اپنی ر
سست کر دی۔ لیکن مجھے چلتے رہنا تھا۔ ایک خوف بھی دامن گیر تھا۔ بھلا میں ان علاقوں
بارے میں کیا جانوں جن میں سفر کر رہا تھا۔ دن کی روشنی ہوتی تو کم از کم سمتوں کا تع
کرنے کی کوشش کی جاتی۔ رات میں بھٹک کر کہیں سے کہیں جا نکلا تو کیا ہوگا؟ ضرور
نہیں ہے کہ ریڈ بون سے فوراً ہی ملاقات ہو جائے۔ بہت سے مسئلے تھے۔ بہت
اُلجھنیں۔ لیکن اس خانہ برباد کو مسئلوں اور اُلجھنوں کے علاوہ ملا ہی کیا تھا؟ کسی سمت
کوئی وحشی جانور چھلانگ لگا دے تو قصہ پاک ہو جائے۔

دفعتہً ہی پورے بدن میں سنسنی کا احساس ہوا تھا۔ واقعی اگر ایسا ہو گیا تو کیا ہوگا؟ اک
آدمی کو پا کر تو کوئی بھی شیر ہو سکتا ہے۔ خواہ وہ شیر ہو یا نہ ہو۔ مجھے اپنے چاروں طر
شیروں کی دھاڑیں محسوس ہونے لگیں۔ جیپ بھی کھلی ہوئی تھی۔ یہ نہیں کہ دروازہ بند کر
بیٹھ جاؤ۔ دوسرے لمحے مجھے ایک عجیب سی وحشت کا احساس ہوا۔ کہیں یہ میرے خلاف کو

سازش تو نہیں ہے؟ کہیں جل برادرز اس طرح مجھ سے نجات تو نہیں حاصل کرنا چاہتے تھے؟

تا حد نگاہ ہولناک تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور میرے مسامات پسینہ اُگل رہے تھے۔
بڑے بڑے خوفناک واقعات پیش آئے تھے۔ مگر ایسی صورت حال کبھی نہ ہوئی تھی۔ تعاقب
کرنے والی جیپوں کا کہیں نشان نہیں تھا۔ ظاہر ہے میری طرح بدنصیب تو نہیں تھے۔ اپنا
فرض پورا کر کے واپس جا چکے ہوں گے۔ آہ! اب تو تقدیر سے شکوہ بھی بے کار لگتا تھا۔
کمبخت عقل بھی گھاس چرنے چلی گئی تھی۔ کم از کم جل برادرز سے یہ تو کہہ سکتا تھا کہ کوئی بند
گاڑی ہی دے دی جائے۔ جنگلی درندوں سے بچاؤ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ خوف کی وجہ
سے بدن میں بھی کچھ اینٹھن سی ہونے لگی تھی۔ بھلا اس عالم میں جیپ بھی آگے کس طرح
بڑھائی جا سکتی تھی؟ اور کوئی منزل تو نہیں تھی جہاں پہنچ کر کچھ سکون حاصل ہو۔ دل نے کہا
کہ اطمینان سے لمبی تان لو۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ سوئے ہوئے انسان پر تو درندے بھی
حملہ آور نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کوئی شریر فطرت درندہ..... بدن کانپ کر رہ گیا۔ آج کل
حالات بدل چکے تھے۔ ہو سکتا ہے انسانوں کی طرح جانوروں نے بھی اخلاق و آداب سے
کنارہ کشی اختیار کر لی ہو۔ بہر حال! میں ڈرائیونگ سیٹ پر ہی دراز ہو گیا۔ پھر کسی خیال
کے تحت سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ سیٹ فولڈنگ تھی۔ میں نے اُس کا ہک ہٹایا اور
سیٹ پیچھے جھک گئی۔ لیکن ساتھ ہی ایک آواز سنائی دی۔ آواز کی نوعیت تو نہ سمجھ پایا تھا۔
لیکن بس! وہ آواز تھی۔ میرے حلق سے دھاڑ نکل گئی تھی اور میں بری طرح خوف زدہ ہو گیا
تھا۔ دوسری آواز بھی مسلسل اُبھر رہی تھی۔ اور اس میں میری چیخیں بھی شامل تھیں۔ مگر یہ
آواز.....؟

پہلی بار دل میں خیال آیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ تب میں نے خاموش ہو کر غور کیا اور
مجھے یہ انسانی آواز محسوس ہوئی۔ کوئی کہہ رہا تھا۔ ''اوہ! سنتے کیوں نہیں تم؟ سیٹ سیدھی
کرو۔ میرے شانے ٹوٹے جا رہے ہیں۔''

''انسانی آواز.....؟'' میں نے حیرت سے سوچا۔ اور پھر اُس کے الفاظ.....

دفعتہً میری کمر میں زور سے چٹکی بھری گئی اور میں پھر چیخ پڑا۔ ساتھ ہی وہ آواز پھر
اُبھری۔ ''خدا کے لئے سیٹ سیدھی کرو۔ میں مری جا رہی ہوں۔''

اس بار آواز زیادہ نمایاں اور الفاظ سمجھ میں آنے والے تھے۔ میں نے حیرت سے اُدھر دیکھا۔ الفاظ پر غور کرتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ کون کِ کے بارے میں بات ہو رہی ہے اور آواز کس کی ہے؟ پھر مجھے خیال آیا کہ ابھی ایک قبل میں نے اپنی سیٹ پیچھے کی سمت کی ہے۔ ایک بار پھر مجھ پر بوکھلاہٹ طاری ہو میں نے جلدی سے کھلی ہوئی سیٹ کا ہُک اُس کی جگہ سے نکال دیا۔ اور پچھلے حصے پر زور کا دھکا مار کر آگے دھکیل دیا۔ میں سامنے کے حصے سے ٹکرایا تھا۔ اور اُسی وقت کچھ سے آہٹیں اُبھریں اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پچھلی سیٹ پر اُٹھ کر بیٹھ گیا ہو۔ میں دہشت بھرے انداز میں گردن گھمائی۔ رات کی تاریکی کی وجہ سے ایک لمحے میں تو خدو نمایاں ہوئے تھے۔ لیکن دوسرے لمحے مجھے یہ احساس ہوا کہ وہ کوئی لڑکی ہے۔ آواز نسوانی تھی۔

''خدا تمہیں غارت کرے۔ میرے شانے توڑ کر رکھ دیئے.....''

''کک.....کون.....کون.....؟'' میں نے وحشت بھرے انداز میں کہا۔

''درندہ ہوں.....شیرنی ہوں۔ کھا جاؤں گی تمہیں۔'' غصے اور جھلاہٹ بھری آواز اور اس بار اس آواز میں شناسائی بھی محسوس ہوئی۔ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ سونیتا تھی.....سو فیصدی سونیتا۔ جو اپنے شانے کو دبائے جا رہی تھی۔ میں نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

''مس.....سس.....سس.....'' میرے منہ سے پورا جملہ نہ نکل سکا۔

سونیتا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''لعنت ہے تم پر۔ خوف سے مرے جا ہو۔''

میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ ناقابلِ یقین بات تھی۔ سونیتا اور یہا لیکن دوسرے لمحے دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کسی بھی طرح سہی، ایک ذی رو ہولناک ویرانے میں میرے ساتھ ہے۔ اگر واقعی کوئی جنگلی درندہ حملہ آور ہو جائے تو کم اُسے ڈھال تو بنا سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے درندہ ایک ہی پر اکتفا کرے اور میری جا جائے۔ میں نے اس طرح سوچا تھا۔ لیکن ایک بار پھر حیرت کا شدید حملہ ہوا۔ کیا اس پر یقین کر لوں گا وہ سونیتا ہے؟ اور یہ صرف میرا وہم نہیں ہے؟ سونیتا نے دو تین گہری گ

سانسیں لیں اور پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''مجھے تم نے سیٹ کے نیچے دبا ہی دیا تھا'' وہ تیز لہجے میں بولی۔

''سونیتا! کیا واقعی یہ تم ہی ہو؟''

''نہیں.....میری رُوح ہے جو اِن ویرانوں میں بھٹکتی ہوئی تمہارے پاس پہنچ گئی ہے۔''

''رر.....رُوح.....رُوح.....؟'' میں نے کہا۔

''اوہ منصور! تم مذاق کیئے جا رہے ہو۔ یقین کرو! میرے شانے میں بہت چوٹ لگی ہے۔ میں تمہاری سیٹ کے نیچے چھپی ہوئی تھی اور تم نے میرے شانے پر پورا وزن ڈال دیا۔

''چھپی ہوئی تھیں.....مگر کیسے؟''

''بس.....ہٹو! مجھے راستہ دو۔'' اُس نے کہا اور میں ایک طرف جھک گیا۔ سونیتا سیٹ پھلانگ کر میرے برابر کی سیٹ پر آ گئی تھی اور پھر اُس نے بٹن کھول کر اپنا شانہ میرے سامنے کر دیا۔ ''ذرا دیکھو تو! اس پر زخم آیا ہے۔'' اُس نے کہا اور میں بادلِ نخواستہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا تھا۔ اور واقعی مجھے اُس کے شانے پر ایک سیاہ لکیر نظر آئی جو یقیناً سرخ ہو گئی تھی۔ میں نے آہستہ سے اُس لکیر پر ہاتھ رکھا تو خون کی چپچپاہٹ محسوس ہوئی اور اس کے ساتھ ہی سونیتا کی سسکی نکل گئی۔ ''زخم ہے نا؟''

''سوری سونیتا! لیکن مجھے کیا معلوم تھا کک کہ تم.....''

''زیادہ زخم ہے۔ لو! اس رُومال سے صاف کر دو.....''

''میں نے ہمدردانہ انداز میں اُس کے زخم کو صاف کیا اور پھر وہی رُومال اُس کے زخم پر رکھ دیا۔ سونیتا نے اپنا لباس برابر کر لیا۔ اور پھر دفعتہً ہی اُس کے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا۔ یہ قہقہہ بھی مجھے اس ہولناک ویرانے میں بڑا خوفناک لگا تھا۔ لیکن میں نے اس کا اظہار نہ کیا۔

سونیتا ہنستی رہی۔ پھر بولی۔ ''میری آواز سن کر تو تمہاری حالت بری ہو گئی تھی۔''

میں جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا۔ پھر میں نے کہا۔ ''ظاہر ہے میں تمہارے یہاں ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کیا واقعی یہ کسی رُوح کا کارنامہ نہیں معلوم ہوتا؟''

سونیتا نے سیاہ چمک دار آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''رُوح کا کارنامہ ہی
لیں۔ یہ رُوحوں کے رشتے ہی ہوتے ہیں جو زندگی کا خطرہ مول لینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''

میں ان الفاظ کی گہرائی پر غور کرتا رہا۔ سونیتا مسلسل مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ ''تمہارا
خیال تھا، میں نے تمہیں چھوڑ دیا؟'' وہ بولی۔

''ارے نہیں نہیں۔ تم نے مجھے کہاں چھوڑا ہے.....'' میں نے پھیکے سے انداز میں ہنستے
ہوئے کہا۔

سونیتا بدستور مجھے شکایتی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''بیکن مجھے اپنی
ملکیت سمجھتا تھا۔ نفرت ہوگئی تھی مجھے اُس سے۔ بہتر ہوا کہ تم وہاں سے چل پڑے۔ ورنہ وہ
میرے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔ میں موقعے کی تلاش میں تھی۔''

''مگر تم.....سونیتا تم.....''

''وہاں مجھے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ تم یہاں سے روانہ ہو رہے ہو۔''

''کیسے معلوم ہوگیا؟''

''کاربٹ کی زبانی۔''

''کاربٹ کون ہے؟''

''دوسرا گدھا جو مجھ سے عشق کرتا ہے۔''

''کیا کہا اُس نے؟''

''تفصیل تو اُسے بھی نہیں معلوم۔ بس! اُس نے بتایا کہ تمہیں یہاں سے فرار کرایا جا رہا
ہے۔ وہ اُن لوگوں میں شامل تھا جو تم پر گولیاں برسا رہے تھے۔''

''تمہیں اس پر حیرت نہیں ہوئی سونیتا؟''

''کس پر؟''

''اسی پروگرام پر۔ ایک طرف تو مجھے وہاں سے نکالا جا رہا تھا اور دوسری طرف مجھ پر
گولیاں بھی برسائی جا رہی تھیں۔''

''میں اُلجھنوں سے سخت اُکتا گئی ہوں۔ انہیں اپنے ذہن میں جگہ نہیں دیتی۔ یہ جانتی
ہوں کہ جل برادرز کسی خزانے کے چکر میں یہاں آئے ہیں۔ مگر سچ بات ہے کہ مجھے
خزانوں سے اتنی دلچسپی بھی نہیں ہے۔ میں تو زندگی کو سکون سے گزارنے کی خواہش مند

ہوں۔ بس! اتنا خزانہ ہونا چاہئے کہ ضرورتیں پوری ہو جائیں۔''

''تو پھر جل برادرز کے ساتھ کیوں چلی آئیں؟''

''میں اُن کی کمپنی کی مستقل ملازم ہوں۔ اُنہوں نے حکم دیا اور مجھے آنا پڑا۔ پھر اس فلم
میں بھی میرا کافی رول ہے۔ جو وہ صحرائے اعظم میں تیار کر رہے ہیں۔''

''مگر سونیتا! تم اس طرح کیوں آ گئیں؟''

''صرف تمہارے لئے۔''

''جل برادرز اس کے لئے تمہیں معاف کر دیں گے؟''

''اب اُن کے پاس جائے گا کون؟ میں نے خزانے اور جل برادرز، دونوں پر لعنت
بھیج دی ہے۔ ہم لوگ یہاں سے واپس چلیں گے اور پھر کسی پرسکون گوشے کو ہمیشہ کے لئے
اپنا لیں گے۔''

''ہم لوگ.....؟'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''ہاں..... میں اور تم۔'' اُس نے بدستور اطمینان سے کہا۔ پھر چونک کر بولی۔

''کیوں.... کیا تم میرا ساتھ نہ دو گے؟''

''یہ بات نہیں ہے۔ کیا تمہیں صحرائے اعظم سے نکلنے کے راستے معلوم ہیں؟''

''راستے تلاش کر لیں گے۔''

''اور اگر نہ ملے تو؟''

''کیسے نہ ملیں گے؟ ہم تلاش کریں گے۔ پہلے کسی بستی کی تلاش کی جائے گی اور وہاں
سے ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ جل برادرز نے مجھے وہاں سے کیوں نکالا ہے؟''

''شہزادوں نے کوئی سازش بھی کی ہوگی۔ مگر ہمیں کیا ضرورت ہے؟ اب ہمیں یہاں
سے نکلنے کے راستے معلوم کرنے ہوں گے اور اس کے بعد کچھ نہیں۔ یہ لوگ تو جانے کب
تک بھٹکتے رہیں گے۔ جب تک وہ لوگ ہماری تلاش کے لئے نکلیں گے، ہم اُن سے بہت
دُور جا چکے ہوں گے۔''

میرے دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔ کاش! ایسا ہی ممکن ہو جائے۔ درحقیقت مجھے بھی
اب کسی خزانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ ہی میں ریڈ بون سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ میں

سب پر لعنت بھیجتا تھا۔ اگر واقعی نکلنے کا راستہ مل جائے تو میں سونیتا کو بھی ایک حد برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن وہ بیوقوف تھی۔ اور اُس کی حماقتیں مصیبت بھی نازل کر سکتی تھیں۔ یہ احمقانہ خود اعتمادی نہیں تھی تو کیا تھا کہ وہ بس یہ جان کر وہاں سے چل پڑی تھی کہ کہیں جا رہا ہوں۔ کیا ضروری تھا کہ میں اُسے قبول کر لیتا؟ اور پھر یہ سوچتا کہ جو کہے گی، میں مان لوں گا۔ میں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ اُس کے اس طرح آ جانے سے خوشی بھی ہوئی تھی کہ تنہائی دُور ہو گئی تھی۔ اور اب اتنا زیادہ خوف نہیں تھا۔ لیکن احساس بھی تھا کہ اب کیا ہو گا؟ صحرائے اعظم سے نکل جانے کا تصور میرے لئے بھی خوش کن تھا۔ لیکن اس کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ اور جیسا کہ جل برادرز نے کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ دُور نہ ہوں گے۔ یقیناً اُس کے لئے بندوبست کر لیا ہو گا۔ اس کے علاوہ یہ کسی طور پر برداشت نہیں کیا جائے گا کہ سونیتا میرے ساتھ ہو۔ اُس کا اس طرح وہاں سے نکل آنا جل برادرز کے غصے کو بھڑکا سکتا ہے اور اس طرح وہ اُن کے عتاب کا شکار ہو جائے گی۔ دوسری بات یہ تھی کہ میرے پاس ٹرانسمیٹر موجود تھا۔ اور اصول کے مطابق مجھے فوراً اُس کے بارے اطلاع دینی چاہئے۔ اطلاع نہ دیتا تو مجھ پر بھی شک کیا جا سکتا تھا۔ اور پھر مجھ پر بھی جھلاہٹ طاری ہو گئی۔ وہ آ گئی تو میں کیا کروں؟ میں تو اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ مجھ سے باز پرس ہوئی تو صاف کہہ دُوں گا کہ اس کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔''

''کیا سوچنے لگے ڈیئر منصور؟'' سونیتا کی آواز اُبھری۔

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''پھر بھی۔''

''رات کس طرح گزاری جائے گی؟'' میں نے سوال کیا۔

''اس خوبصورت، خاموش اور پرسکون ماحول میں۔ آہ! میں تو اس تصور سے ہی مسرور ہوں۔ ہاں! وہاں تو کمبخت بیکن کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔'' اُس نے جواب دیا اور میں اُس عجیب و غریب لڑکی کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ مخبوط الحواس معلوم ہوتی تھی۔ میری خوف سے جان نکلی جا رہی تھی اور اُسے ہولناک رات خوبصورت، خاموش اور پرسکون محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''اور اگر اس خوبصورت، پرسکون اور خاموش رات میں کوئی وحشی درندہ جیپ پر چھلانگ لگا کر ہم دونوں کو دبوچ لے تو.....؟''

''درندہ؟'' سونیتا کی آواز میں خوف جھلکنے لگا۔

''جی ہاں..... درندہ! کیا خیال ہے ڈیئر! کہ درندے ہمیں دیکھ کر روپوش ہو جائیں گے؟''

''اوہ! نہیں، نہیں۔ تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ یہاں درندے تو نہیں معلوم ہوتے۔''

''یہاں نہیں ہیں۔ لیکن آگے تو ہو سکتے ہیں۔''

''تت..... تو پھر؟''

''کچھ نہیں۔ انتظار فرمائیے کہ کس وقت کسی گوشے سے شیر کی دھاڑ سنائی دیتی ہے اور اس کے بعد وہ ہماری بو سونگھتا ہوا ہم تک پہنچ جاتا ہے۔''

''اوہ.....'' سونیتا اب واقعی خوفزدہ نظر آنے لگی تھی۔ ''اب میں کیا کروں؟''

''کچھ نہیں..... بس انتظار فرمائیے گا۔''

''کافی ہے؟ مجھے کچھ خوشبو سی محسوس ہوئی ہے۔''

''ہاں..... تھرماس میں ہے۔'' میں بولا اور سونیتا کافی تلاش کرنے لگی۔ اُس کے بعد ہم دونوں دیر تک کافی کی چسکیاں لیتے رہے۔ یہ خاموش اور پرسکون رات تو سونیتا کے لئے ہولناک بن گئی۔ کم از کم یہی فائدہ ہوا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی اور اب اُس کی جولانیاں ختم ہو گئی تھیں۔ کئی بار ہواؤں کی ہلکی ہلکی سرسراہٹیں سنائی دیں اور وہ وحشت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے کہا۔

''مجھے تو نیند آ رہی ہے منصور! اگر تم اجازت دو تو میں پچھلی سیٹوں کے درمیان سو جاؤں؟''

''ہاں! وہ محفوظ جگہ ہے۔ اور بہتر ہے تم سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا اور وہ پچھلی سیٹوں کے درمیان گھس کر لیٹ گئی۔

رات دبے پاؤں آگے بڑھ رہی تھی۔ ہوائیں سرد ہو گئی تھیں، لیکن خنکی نہیں پیدا ہو سکی تھی۔ یہ گرم ترین علاقہ معلوم ہوتا تھا۔ دیر تک مجھے سونیتا کی آواز سنائی نہ دی۔ میں نے

پلٹ کر دیکھا تو وہ گہری نیند سو چکی تھی۔ عجیب مصیبت تھی۔ اب میں سیٹ کھول کر لیٹ بھ نہیں سکتا تھا۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں؟ کیا اسی طرح بیٹھے بیٹھے رات گزار دُوں؟ سخ بیزاری کے عالم میں تھا۔ وہ جاگ رہی تھی تو عجیب احساسات کا شکار ہو گیا تھا۔ اور اب سو گئی تھی تب بھی بوریت ہو رہی تھی۔ اگر اس عالم میں ریڈ بون سے ملاقات ہو جائے تو ہو گا؟ کیا سونیتا کی موجودگی میں بھی وہ سب کچھ کر سکوں گا جس کے لئے مجھے روانہ کیا گ تھا؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ تو پھر کیا ٹرانسمیٹر پر سونیتا کے آ جانے کی اطلاع د دُوں؟ اگر واقعی یہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے تو......

میں نے سیٹ سے پشت لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ تھک کر چور ہو گیا تھا۔ اور ب فارمولا بے حد کارآمد رہا۔ نہ جانے کب پلکیں جھپک گئیں اور صبح ہو گئی۔ سونیتا نے ہی مجھ جھنجوڑ کر جگایا تھا۔ وہ خوشی کے عالم میں کہہ رہی تھی۔ ''اوہ..... ڈیئر منصور! بڑے زبردست انتظامات کئے ہیں جل برادرز نے تمہارے لئے۔ دیکھو! ہر طرح کی خوراک کے ڈب موجود ہیں۔ کافی بھی ہے اور پنیر وغیرہ بھی۔ چلو! منہ ہاتھ دھو لو۔ میں ناشتہ تیار کر رہ ہوں۔''

مجھے اُس کی خوشی پر ہنسی آ گئی۔ اور اُس وقت میں نے سوچا کہ اُس کی موجودگی غنیمت ہے۔ اگر وہ نہ ہوتی تو اس وقت عالم ہی دوسرا ہوتا۔ اُسی وقت میں نے فیصلہ کیا کہ آن والے وقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہو۔ اس لئے اس کے بارے میں جل برادرز کو کوئی اطلاع نہیں دی جا سکتی۔ اور پھر میں کون سا اُن کا محکوم ہوں؟ میں نے اُن سے وفاداری کا عہد تو نہیں کیا۔ اوّلیت اس بات کو دُوں گا کہ یہاں سے نکل جاؤں بشرطیکہ اس کا موقع مل جائے۔ نہ نکل سکا تو اس بات کا اظہار کر دُوں گا کہ ریڈ بون کو تلاش کر رہا تھا۔ سونیتا کا مسئلہ وہ خود حل کریں گے......

یہ فیصلہ کر کے اطمینان ہوا تھا۔ سونیتا نے ناشتہ تیار کر لیا تھا۔ ہم دونوں نے نہایت خوشگوار فضا میں ناشتہ کیا تھا اور اُس کے بعد میں نے جیپ کی دیکھ بھال کی، پھر اُسے سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا۔ ہمیشہ کی مانند میں نے اس بار بھی خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔

☆.....☆.....☆

صحرائے اعظم کا ایک وسیع و عریض علاقہ آج بھی پُراسرار کہانیوں کا حامل ہے۔ لیکن زیادہ تر علاقہ اب جدیدیت کی طرف مائل بہ پرواز ہے اور وہاں کی زندگی بالکل مختلف ہو گئی ہے۔ تو جناب منصور ان دنوں وحشت خیز صحراؤں میں سفر کر رہے ہیں جو ان قصے کہانیوں میں بار بار استعمال کیا گیا ہے۔ آنکھیں جھٹک جھٹک کر بدن میں چٹکیاں لے لے کر یہ سوچا جاتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ عالم خواب ہی نہ ہو۔ لیکن پھر گوناگوں مصائب اور اطراف میں بکھرے ہوئے کردار ہوش دلاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جناب عالی! آپ کسی کہانی کا سفر نہیں کر رہے۔ ذرا بھی چوکے تو کسی درندے کے پیٹ میں پہنچ جائیں گے اس لئے ہوش و حواس کی دنیا میں رہیں اور اپنے آپ کو کسی کہانی کا ہیرو نہ سمجھیں۔ سمجھنا چاہیں تو سمجھ بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ کے ساتھ کسی نہ کسی کردار کا نزول رہا ہے اور اس وقت ہماری شریک سفر، شریک حیات تو کہا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ حیات کا مسئلہ ہر لمحے اُلجھن میں پڑا رہتا تھا۔ چنانچہ تازہ ترین شریک سفر مس سونیتا تھیں جو اپنا سب کچھ چھوڑ کے پیا کے دیس آ گئی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود اُن کے پیا کا کوئی دیس نہیں۔ وہ خود بیچارے دیس بدیس بھٹک رہے تھے۔ مس سونیتا نے ہماری صحت کی ذمہ داری سنبھال لی تھی اور وہ اُس چھوٹی سی جیپ میں بہت خوش تھیں جسے اُنہوں نے اپنا ہوم سویٹ ہوم سمجھ لیا تھا۔ ہمارے اور اُن کے درمیان ہر طرح کی گفتگو ہوتی تھی۔ سونیتا نے تو ''میں آئی رے تیرے لئے سارا جگ چھوڑ کے'' کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب اُنہیں اس بات سے غرض نہیں تھی کہ ہمارا یہ جگ صحرائے اعظم افریقہ رہے یا کوئی اور خطہ..... لیکن ہم اپنے طور پر کچھ چاہتے تھے۔ موت بھی آئے تو کم از کم کسی ایسی جگہ تو آئے جہاں کفن دفن کا معقول انتظام ہو سکے۔ یہاں تو زیادہ سے زیادہ یہی ممکن تھا کہ کوئی درندہ ہمیں اپنے پیٹ میں جگہ دے دے۔ لیکن یہ ساری سوچیں ہمیشہ ہی ہم پر مسلط رہتی تھیں۔ اور اس سلسلے میں

آج تک کچھ نہ کر سکے تھے تو آئندہ کیا کرتے؟ چنانچہ جل برادرز کی ہدایت کے مطابق بون کو تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور اس تلاش میں اب سونیتا بھی ہمارے سا تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم نے اُنہیں اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی۔ دونوں صورتیں ہمارے سامنے تھیں۔ بہتر یہ تھا کہ ہمیں صحرائے اعظم سے باہر نکلنے کا راستہ جائے۔ دوسری صورت میں اگر ریڈ بون نظر آ جاتی تو جل برادرز کا کام ہو جاتا۔ ذاتی پر ہماری دلچسپی ریڈ بون سے وابستہ نہیں تھی۔ مسٹر تھیوڈور بھی اپنے چکروں میں مصروف اور انہوں نے جو ہدایات کی تھیں، وہ بھی ہم ذہن سے نہیں نکال سکے تھے۔ سر سے پاؤں تک مثلث بن کر رہ گئے تھے۔

رات ہوئی تو پھر ایک جگہ قیام کر لیا گیا۔ اُس رات موسم ذرا خنک تھا اور فضا میں کہر سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ رات گزارنے کے لئے جیپ کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نظر نہ آیا۔ ویسے بھی ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے کہ اور کوئی ذریعہ تلاش کریں۔ مس سو نے اُس رات اپنی تمام شخصیت ہم پر نچھاور کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ہم اس فیصلے سے مستفی نہ ہو سکے جس کی وجہ سے وہ کسی قدر بددِلی کا شکار رہیں اور دوسری صبح جب ہم نے سفر آغاز کیا تو مس سونیتا کا موڈ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔

دوسرا دن بھی بغیر کسی دقت کے گزر گیا اور کوئی ایسا قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ لیکن مس سونیتا کا موڈ دن بھر خراب رہا تھا۔ اور جب یہ رات بھی بغیر کسی خاص واقعہ کے گزر تو مس سونیتا بددِل ہو گئی اور دورانِ سفر اُنہوں نے ہم سے اس بات کی شکایت بھی کی۔۔۔

''میں محسوس کرتی ہوں کہ تمہیں میری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور شاید میرے اس طرح نازل ہو جانے سے اخلاقاً تو خاموش ہو گئے۔ لیکن ذہنی طور پر کچھ ا ہوئے سے ہو۔''

''نہیں ڈیئر! تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ تم خود سوچو! ہم جس ہولناک ماحول میں سفر رہے ہیں کیا اس میں اِن رنگینیوں کی کوئی گنجائش ہے؟ تمہاری وجہ سے مجھے یہ مسرت ہے کہ میں تنہا نہیں رہا۔ لیکن زندگی کے بیشتر مراحل سکون سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سکونی کبھی لطیف جذبات کو جنم نہیں دے سکتی۔''

شاید سونیتا نے یہ منطق قبول کر لی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد اُس نے مجھ سے مکمل تعا

شروع کر دیا۔ ہم ابھی تک اِدھر سے اُدھر بھٹک رہے تھے۔ جل برادرز سے بھی کوئی رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا۔ ظاہر ہے کوشش کرتے تو ایسا ممکن تھا۔ ورنہ اُن لوگوں کو بھی اس کی ضرورت نہ پیش آئی ہو گی۔ بہر حال! اُن سے دُوری ہی اچھی تھی۔ اور پھر کچھ ہو بھی تو نہیں سکا تھا جس کی اُنہیں اطلاع دی جاتی۔ سونیتا کے بارے میں بھی اُنہیں بتانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ یہ سفر جاری رہا۔

صحرائے اعظم کے مناظر بدلتے رہے اور پھر ہم ایک ایسے علاقے میں جا نکلے جسے اب تک کے سفر کا سب سے دہشت ناک علاقہ کہا جا سکتا تھا۔ یہاں روئیدگی کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ زمین کا رنگ سیاہ تھا اور دُور دُور تک سیاہ رنگ کی ہی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ علاقہ کیسا ہے۔ رات کو ہم نے اُنہی چٹانوں کے درمیان ایک جگہ قیام کیا۔ فضا میں ایک عجیب سا حبس طاری تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور ماحول پر ایک گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔ سونیتا بھی خاموش تھی۔ ویسے بھی میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری اِن باتوں کے بعد کسی قسم کے اظہار سے تو باز رہی تھی لیکن اُس کی کیفیت میں ایک پژمردگی سی پیدا ہو گئی تھی۔ اور میں اُسے دُور کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا تھا۔ شاید یہ میری فطرت ہو جس کا میں نے کوئی اندازہ نہیں کیا تھا۔

رات آہستہ آہستہ گزرتی گئی۔ اور پھر اُس وقت ہم یا کم از کم میں تقریباً نیند کی آغوش میں پہنچ گئے تھے کہ فضا میں ایک سنسناہٹ سی سنائی دینے لگی۔۔۔۔۔ ایک عجیب سی گونج اُن چٹانوں سے بلند ہو رہی تھی۔ میں چونک کر اُٹھ بیٹھا اور میں نے دیکھا کہ سونیتا کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ہم دونوں پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ دفعتہً یہ سنسناہٹ ایک خوفناک گڑگڑاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔۔۔۔۔ جیپ کو شدید جھٹکے لگے تھے۔ سونیتا کے حلق سے ایک تیز چیخ نکل گئی اور وہ مجھ سے لپٹ گئی۔

''یہ۔۔۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اُس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''زلزلہ۔۔۔۔۔ شاید یہ زلزلہ ہے۔'' میں نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر اچانک ہی میں نے دُور فضا میں پھلجھڑیاں سی چھوٹتی ہوئی دیکھیں۔ یہ فاصلہ چار پانچ فرلانگ سے کم نہیں ہو گا۔ بس یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا انار جل رہا ہو۔ دھماکوں کے ساتھ ساتھ زمین بھی لرز رہی تھی۔ میں نے ذہن پر زور دیا اور مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ شاید کوئی آتش فشاں

پھٹا ہے۔ فضا میں آتش بازی چل رہی تھی۔ سرخ پگھلے ہوئے پتھر گیس کے دباؤ کے
آتشیں لکیریں بناتے ہوئے آسمان کی جانب جا رہے تھے۔ پھر ایک ساعت شکن دھما
اور آسمان پر سیاہ دھوئیں کے مرغولوں اور چمکتے ہوئے آتشیں پتھر بلند سے بلند تر ہو گئے
زمین اور زور سے ہلنے لگی اور ہمیں خدشہ ہو گیا کہ جیپ اُلٹ جائے گی۔ سونیتا کی چیخیں
مسلسل بلند ہو رہی تھیں اور اُس نے مضبوطی سے مجھے جکڑ رکھا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں
تھا کہ کیا کروں..... بے اختیاری کے عالم میں، میں سونیتا کے ساتھ جیپ سے نیچے اُتر
لیکن زمین پر قدم رکھے ہی تھے کہ بڑی زور سے گرے۔ ہلتی ہوئی زمین پر قدم جما
کوشش احمقانہ ہی تھی۔ سونیتا مجھ سے چمٹی ہوئی چیخ رہی تھی اور مجھ میں دوبارہ کھڑے ہو
کی ہمت نہیں رہی تھی۔ پتھروں کے فضا میں بلند ہو کر گرنے کی آوازیں قریب آتی جا
تھیں۔ گڑگڑاہٹ سے کان پھٹے جا رہے تھے۔ درجہ حرارت ایک دم بڑھ گیا تھا..... سمجھ
نہیں آ رہا تھا کہ کیا، کیا جائے؟ جیپ کے پاس سے ہٹ کر جاتے بھی تو کہاں جاتے؟
کے لئے کون سی جگہ تھی؟ بہرطور! ہم کسی ایسی پناہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگے
کے پاس پہنچ کر اُوپر سے برسنے والے پتھروں سے نجات مل جائے۔ ورنہ کوئی بھی پتھ
بھی وقت ہماری قبر بنا سکتا تھا.....

تھوڑے ہی فاصلے پر مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ میں سونیتا کو اپنے ساتھ گھسیٹتا ہوا
چٹان کی آڑ میں لے گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں ہمیں برستے ہوئے پتھ
سے نجات مل گئی۔ تاریک رات، بھیانک ماحول..... جس میں صرف پتھروں سے
ہونے والی چنگاریاں، روشنی پیدا کر رہی تھیں۔ ورنہ گہری تاریکی چاروں طرف مسلط
سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو چکی تھیں۔ گرم ماحول سے زبان خشک ہو کر تالو سے لگ
گئی۔ پھر ایک اور تبدیلی رُونما ہوئی۔ کافی فاصلے پر عظیم الشان چٹانوں کے سلسلے کی
جانب سے سرخ روشنی بلند ہو کر پورے ماحول پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ ابتداء میں تو
اُسے بھی آتش فشاں سے بلند ہونے والے لاوے کی روشنی سمجھتا رہا۔ لیکن فضا میں
بڑھتے ہوئے شعلوں کی لپک یہ احساس دلا رہی تھی کہ کچھ اور ہوا ہے..... حدت تھی کہ
ہی جا رہی تھی۔ پھر دفعتہً ہی صورتِ حال منکشف ہو گئی۔ غالباً اُس طرف کوئی گھنا جنگل
جس کے درختوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ ہم خوف و دہشت سے آنکھیں پھاڑے

ہولناک منظر کو دیکھتے رہے۔ جنگل میں آگ لگتے ہی ایک اور مصیبت کا آغاز ہو گیا تھا، وہ
یہ کہ جنگلی جانوروں نے آگ سے گھبرا کر میدانوں کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ اُن کے چیخنے
چلانے کی آوازوں نے فضا کو اور بھی دہشت ناک بنا دیا تھا۔ قیامت کی اُس رات میں
اپنے اعمالوں کو کوس رہا تھا۔ نجانے کس کا دل دُکھانے کے نتیجے میں یہ سزا ملی تھی۔ بیچاری
خالہ شہادت نے یوں تو درجنوں ار بددُعائیں دی تھیں۔ لیکن یہ بددُعا نہیں دی تھی کہ میں
کسی ایسے قیامت خیز منظر کا شکار ہو جاؤں۔ نجانے کیا ہونے والا تھا؟ زمین مسلسل کروٹیں
بدل رہی تھی۔ کبھی ایک لمحے کے لئے خاموشی چھا جاتی اور پھر دھماکوں کا مسلسل طوفان
شروع ہو جاتا.....

ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ پھر خدا خدا کر کے دن کی روشنی پھوٹی۔ آتش فشانی میں
کمی آتی جا رہی تھی۔ زمین کی جنبش بھی رُک گئی تھی۔ لیکن جنگل مسلسل روشن تھے۔ اور درجہ
حرارت بڑھ جانے سے آنکھوں میں شدید جلن پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے چٹان سے ٹکی ہوئی
سونیتا کو دیکھا۔ اُس کا چہرہ خوف و دہشت سے سفید اور بدن بے جان سا ہو رہا تھا۔ اُس کی
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ لیکن اس میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔ میں نے اُسے جھنجوڑا تو وہ
چونک کر چیخی اور پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

''بھاگو..... یہاں سے بھاگو..... خدا کے لئے یہاں سے بھاگو.....'' اُس نے کہا اور
رو پڑی۔''

انسانی ہمدردی کی بنیاد پر میں نے اُس کے شانے پر تھپکی دے کر اُسے تسلی دی اور کہا کہ
یہ خوفناک صورتِ حال جلد ختم ہو جائے گی۔

''خدا کے لئے یہاں سے چلو.....'' اُس نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

چاروں طرف پھیلے ہوئے دھوئیں کے مرغولوں نے فضا میں گھٹن سی پیدا کر دی تھی اور
ایسی حالت میں جیپ ڈرائیو کرنا آسان کام نہیں تھا۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں نے
جیپ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ کھانے پینے کی چیزیں اب بھی کافی مقدار میں موجود تھیں۔
جیپ چند گز آگے بڑھانے کے ساتھ ہی مجھے ایک اور احساس ہوا اور میرا دل شدتِ خوف
سے کانپ اُٹھا۔ رات کو جس طرح آتش فشانی ہوئی اور جس طرح پتھر برسے اُن سے میں
نے تو جان بچا لی تھی۔ لیکن اگر کوئی جلتا ہوا پتھر جیپ میں لگے ہوئے ان پٹرول کے بیرلوں

میں سے کسی ایک میں آ گھستا تو کیا ہوتا؟ لیکن قدرت نے زندگی بخشی تھی۔ چنانچہ ہم
تھے۔ جیپ آگے بڑھتی رہی اور مجھے اُس وقت اپنی زندگی کی بہترین ڈرائیونگ کرنا پڑ
کیونکہ جگہ جگہ زمین پھٹ گئی تھی۔ آتش فشاں اب بھی گرج رہا تھا اور دوسری طرف
جنگل میں آگ لگی ہوئی تھی۔

سورج نے پہاڑیوں سے سر بلند کیا تو ماحول کی وحشت خیزی نمایاں ہوگئی۔ نقش
بدل گیا تھا اُس علاقے کا۔ میدانوں میں پتھروں کے نیچے جانوروں کی لاشیں دبی نظر آ
تھیں اور چاروں طرف سے دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ میں نے جیپ کا رُخ اُس سمت کر دیا
نسبتاً صاف نظر آ رہی تھی۔ جب کافی فاصلہ طے ہوگیا تو آگے کے مناظر کچھ بہتر نظر آ
لگے۔ اب ہم ایک چٹیل میدان سے گزر رہے تھے۔ یہاں سوکھی ہوئی جھاڑیوں کے سوا
اور نہیں تھا۔ ماحول کی وحشت خیزی یہاں بھی چیخ رہی تھی۔ اور پھر دفعتہً ہی میری نگاہ ا
سمت اُٹھ گئی۔ یہاں ڈھلان کے اختتام پر ایک جنگل نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے جیپ
رُخ اُس جنگل کی طرف کر دیا۔ جنگل وسیع اور گھنا نہیں تھا۔ درختوں کے سلسلے میں دا
ہوئے تو پانی کی آواز سنائی دی۔ غالباً کوئی تیز رفتار ندی بہہ رہی تھی۔ اور تھوڑے ہی فا
پر ہم نے اُس ندی کو دیکھ لیا جس کے کنارے سبزہ زار سے ڈھکے ہوئے تھے اور اُن م
کچھ پھلوں کے درخت بھی تھے۔ نامعلوم قسم کے افریقی پھل لیکن لذیذ اور پیٹ بھر
والے۔ میں نے کچھ پھل توڑ کر کھائے اور پھر اُن کے بارے میں اندازہ لگا کر، سونیتا کو
یہ پھل پیش کئے مگر سونیتا نے انکار کر دیا۔ اُس کی حالت ابھی تک بہتر نہیں تھی۔ سفر ک
طویل طے ہو چکا تھا اور ہم لوگ بھوکے تھے۔ اس لئے کچھ نہ کچھ کھا لینا ضروری تھا۔ جی
میں محفوظ اشیاء کو میں سنبھال کر ہی رکھنا چاہتا تھا۔ نجانے آئندہ کیا حالات پیش آئیں؟ اب
تو سب کچھ ہی اپنے طور پر کرنا تھا۔ ذہن میں ایک اور خیال بار بار پیدا ہو رہا تھا کہ کیا
زلزلے اور آتش فشانی کا اثر جل برادرز تک ہوا ہوگا؟ کیا وہ اس سے محفوظ ہوں گے؟
اُنہیں علم ہوگا کہ ہم پر کیا گزر رہی ہے؟ یہ سب سوچنے کی باتیں تھیں۔

دفعتہً ہی مجھے ایک اور احساس بھی ہوا۔ رات کی اُس افراتفری میں جو ٹرانسمیٹر میر
لباس میں پوشیدہ تھا، نکل کر کہیں گر پڑا تھا..... ایک لمحے کے لئے میں ساکت رہ گیا۔
اب جل برادرز سے رابطے کا ذریعہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ اور یہ سب کچھ.....

نجانے کیوں بدن میں شدید اینٹھن سی ہونے لگی۔ حالات بد سے بدتر ہی ہوتے جا
رہے تھے اور میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ درحقیقت اب یہاں
شدید بیزاری ہونے لگی تھی۔ آتش فشانی اور زلزلے کا اثر اب تک میرے اعصاب پر موجود
تھا اور بیزاری کی اس شدت میں اُنہی کی کارفرمائی تھی۔ سونیتا بھی ضرورت سے زیادہ ہی
خاموش نظر آتی تھی اور اب اُس نے مجھ سے اظہارِ اُلفت بھی بند کر دیا تھا جس سے بسا
اوقات مجھے ذہنی کوفت ہوتی تھی۔

ہم سفر کر رہے تھے اور اب ہمارے پاس پٹرول کا ذخیرہ بھی ختم ہوتا جا رہا تھا۔ صرف
ڈیڑھ بیرل باقی تھا اور کہیں کسی آبادی کا نام و نشان نہیں ملا تھا۔ مایوسی نے ہمارے اندر
اضمحلال پیدا کر دیا تھا۔ ایک دوپہر جب سورج آسمان پر چمک رہا تھا، واقعات کی یکسانیت
میں پھر تبدیلی پیدا ہوئی۔ جس علاقے سے ہم گزر رہے تھے، وہاں ایک آبشار گر رہا تھا اور
اُس سے بننے والی چوڑی ندی دھیمے انداز میں گنگناتی ہوئی سیدھی ایک سمت چلی جا رہی
تھی۔ غیر اختیاری طور پر ہم اُسی ندی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جیپ اُسی راستے پر دوڑ
رہی تھی اور سونیتا بالکل خاموش تھی۔ سورج کی تمازتِ جب ناقابلِ برداشت ہونے لگی تو
میں نے ایک گھنے درخت کے نیچے جیپ روک دی اور اس کے بعد ہم اُس سبزہ زار پر لیٹ
گئے۔ سونیتا کے انداز میں ناراضگی پائی جاتی تھی۔ اور اس کی وجہ شاید میری بے اعتنائی تھی۔
لیکن میں بھی اپنی ہی مصیبت میں گرفتار تھا۔ ان ویران صحراؤں میں بھلا کب تک بھٹکا جا
سکتا ہے؟ کمبخت ریڈبون کے بارے میں مجھے جو اطلاعات ملی تھیں، اُن پر بھی کچھ نہیں ہوا
تھا۔ نظر ہی نہیں آئی تھی۔ اور اگر نظر آ بھی جاتی تو میں کیا کرتا؟ اس کا مجھے بھی کوئی صحیح
اندازہ نہیں تھا۔

مسٹر تھیوڈور نے جو مشورہ دیا تھا، اُن حالات میں، میں نے قبول کر لیا تھا۔ لیکن بہتر تو
یہی تھا کہ مجھے ان ویرانوں سے نکلنے کا موقع مل جاتا۔ یہی سوچ ہر وقت ذہن پر مسلط رہتی
تھی۔ سونیتا کو اسی طرح لیٹا ہوا چھوڑ کر میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور ندی کے کنارے جا بیٹھا۔
چھوٹی چھوٹی رنگین مچھلیوں کے غول کے غول پانی میں اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ گہرائیوں میں
بڑے خوبصورت پتھر نظر آ رہے تھے۔ اگر یہ پتھر ہیرے بھی بن جاتے تو ان ویرانوں میں
میرے لئے بیکار تھے۔ انسان کتنی بے وقت چیز ہے۔ بہت کچھ سوچتا ہے اپنے لئے۔ لیکن

ایک وقت ایسا آ جاتا ہے جب وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتہً ایک دھماکہ سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی کوئی چیز شائیں کی آواز کے ساتھ میری گردن کے پاس سے نکل گئی..... بدحواس ہو کر پلٹا تو دوسری گولی میرے بالوں کو چھوتی ہوئی گزری۔ میں کچھ اس طرح بے اختیار ہوا کہ پانی ہی میں جا پڑا۔ مجھے یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ گولی کس نے چلائی ہے۔ سونیتا کی چیخ بھی میرے کانوں میں پہنچی تھی۔ اور اس کے بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں..... کوئی کنارے پر آ گیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو پانی میں سنبھالا اور بدحواسی سے اُس طرف دیکھا جدھر کوئی نظر آ رہا تھا۔ دو اور فائر ہوئے اور اس کے ساتھ ہی میرے حلق سے دو آوازیں نکل گئیں۔ گولی، پانی سے ٹکرائی تھی۔ جو شخص مجھ پر گولیاں برسا رہا تھا، وہ میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اُس کا چہرہ اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ میری نگاہیں ایک لمحے میں اُس کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکیں۔ لیکن دوسرے لمحے میں نے اُسے پہچان لیا۔ یہ بیکن تھا۔ جان برادرز کے گروہ کا وہ طاقتور اور توانا شخص جسے دیکھ کر ہمیشہ مجھ پر دہشت طاری ہو جاتی تھی۔

بیکن نے دانت کچکچاتے ہوئے پھر میرا نشانہ لیا اور پستول کا ٹرائیگر دبا دیا۔ اس بار میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اب ظاہر ہے اس کے سارے نشانے ہی تو خطا نہیں جا سکتے تھے۔ لیکن ٹرچ کی ایک ہلکی سی آواز ہوئی اور فائر نہ ہوا۔ غالباً بیکن کے پستول میں گولیاں ختم ہو گئی تھیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھا۔ اُسے اب پستول کے خالی ہونے کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ میری طرف لپکا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اب اُس دیوزاد کو سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ جہاں تک اُس سے جنگ کا تصور تھا تو بھول کر بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ جسمانی طور پر میں اُس پر حاوی ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں ایک سمت دوڑ لگا کر اُس کی گرفت سے بچنے کی کوشش کرنے لگا۔ بیکن بھی پانی میں میرے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اُسے جھکائی دے کر میں وہاں سے باہر نکل آیا اور پھر میں نے اُس درخت کی جانب چھلانگ لگا دی جس کے نیچے جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ بیکن میرے پیچھے دوڑ اُٹھا۔ سونیتا بیوقوفوں کی طرح کھڑی یہ بھاگ دوڑ دیکھ رہی تھی۔ میں نے درخت کے تنے کا سہارا لیا اور بیکن غراتا ہوا حملہ آور ہو گیا۔ اُس نے ایک زوردار گھونسا میرے جبڑے پر رسید کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اپنی جگہ خالی کر دی اور گھونسا درخت کے تنے پر

پڑا۔ بیکن کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ اپنا ہاتھ دبا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے ہانپتے ہوئے سونیتا سے کہا۔

”اس جنگلی بھینسے کو سنبھالو۔ اگر مجھے بھی غصہ آ گیا تو.....“

سونیتا کو جیسے ہوش سا آ گیا۔ اُس نے وحشت زدہ نگاہوں سے پہلے مجھے اور پھر بیکن کو دیکھا۔ بیکن میں اب غالباً اتنی ہمت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے ہاتھ سے دوبارہ مجھ پر حملہ کر سکتا۔ میں نے اس موقع کو بہتر سمجھ کر پھر سرد لہجے میں کہا۔ ”تم نے اسے پہچانا؟ یہ بیکن ہے۔ کیا خیال ہے، کیا اب میں اسے موت کے گھاٹ اُتار دوں؟“

”اوہ! نہیں، نہیں۔ خدا کے لئے ایسا مت کرنا۔“ سونیتا نے ہذیانی انداز میں کہا۔

”تو پھر ٹھیک ہے۔ تم اسے درست کر لو۔ میں صرف تمہاری وجہ سے اس کی جان بخشی کر رہا ہوں۔“

بیکن نے دانت کچکچائے۔ لیکن آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ میں جانتا تھا کہ اُسے یہ گھونسا کس قدر مہنگا پڑا ہے۔ زندگی بھر یاد کرے گا۔ اور اس کیفیت کو جاننے کے بعد ہی میں نے یہ الفاظ اتنے مطمئن انداز میں کہے تھے۔ ورنہ جب تک بیکن درست تھا، میرے اوسان خطا ہی ہوتے رہے تھے۔ کمبخت اگر پکڑ لیتا تو شاید اُسی چوڑے چکلے درخت کے نیچے میری قبر بن جاتی۔

سونیتا، بیکن کے پاس پہنچ گئی اور میں وہاں سے ہٹ گیا۔ یہ صورتِ حال میرے لئے بالکل غیر متوقع تھی۔ لیکن ایک بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ بیکن جس طرح بھی یہاں پہنچا ہے، مجھ پر حملہ کرنے کی وجہ رقابت ہی ہو سکتی ہے۔ اور وجہ رقابت بیکن کو اعتدال پر لا سکتی ہے۔ یعنی میڈم سونیتا..... چنانچہ میں نے وجہ رقابت کو رقیب کے قریب بلکہ عاشق کے قریب رہنے کا موقع دیا اور خود وہاں سے کافی دُور ہٹ گیا۔ لیکن بہت چوکنا تھا۔ تاکہ بیکن ہاتھ کی تکلیف درست ہونے کے بعد کہیں دوبارہ مجھ سے شرارتیں نہ شروع کر دے۔ وہ جس وحشیانہ انداز میں مجھ پر حملہ آور ہوا تھا، اُس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر قیمت پر میری زندگی کے درپے ہے۔ کمبخت کا نشانہ اتنا ناقص نہ ہوتا تو نجانے کیا کچھ ہو چکا ہوتا۔ سونیتا، بیکن سے کچھ گفتگو کر رہی تھی۔ اور بیکن خاموش نظر آ رہا تھا۔ پھر میں نے ایک اور منظر دیکھا اور میری ہنسی نکل گئی۔ بیکن بھوں بھوں کر کے رو رہا تھا۔ حالانکہ کافی فاصلہ تھا

لیکن اُس کے رونے کی آواز یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ کمبخت کو مردوں کی طرح رونا بھی نہیں آتا تھا۔ میں اب کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ جب آنسو نکل آتے ہیں تو پھر غصہ اور انتقام کی وہ کیفیت نہیں رہتی۔ پھر میں نے ایک اور منظر بھی دیکھا۔ سونیتا نے اپنا رُومال نکال کر بیکن کی آنکھیں صاف کیں۔ چلو چھٹی ہوئی۔ اب بھلا بیچارہ بیکن میرے مقابل کیسے آ سکتا تھا؟ اور جہاں تک میرا مسئلہ تھا، میرے دِل میں رقابت کا کوئی تصور بھول کر بھی سر نہیں ابھار سکتا تھا۔ کیونکہ سونیتا میری محبوبہ نہیں تھی۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر میں نے اُن دونوں کو قریب آتے دیکھا اور چوکنا ہو گیا۔ اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بیکن پھر خطرناک ہو سکتا ہے۔

سونیتا میرے قریب آ گئی اور اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''مسٹر منصور! بیکن آپ سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔''

میں نے گھورتی ہوئی نگاہوں سے بیکن کو دیکھا تو وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''سوری ڈیئر! مجھے واقعی اپنی شدید غلطی کا احساس ہے۔''

''اور اگر اس غلطی میں تمہارے پستول کی کوئی گولی واقعی میرے بدن کو چھو لیتی تو کیا ہوتا؟''

''حقیقت معلوم ہونے کے بعد میں سخت شرمندہ ہوتا۔''

''یہ کیا کہتا ہے سونیتا؟ پہلے مجھے یہ بتاؤ، یہ یہاں آ کہاں سے گیا؟''

''ڈیئر منصور! اگر تم مناسب سمجھو تو اپنے ذہن سے بیکن کے لئے برائی نکال دو۔ یہ بیچارہ غلط فہمی کا شکار تھا۔ مگر میں نے اس سے کوئی سچ نہیں چھپایا ہے۔ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ مجھے یہاں تم نہیں لائے بلکہ میں خود چھپ کر آئی تھی۔''

''آئی ایم سوری منصور! واقعی مجھے سخت شرمندگی ہے۔ بس! میں سخت غصے کا شکار ہو گیا تھا۔ بہتر ہے تم مجھے معاف کر دو۔''

''میں تم دونوں کے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں۔ میرا خیال ہے کافی پیتے ہوئے ہم باتیں گفتگو کریں گے۔'' سونیتا نے بیکن کا شانہ تھپکا اور واپس جیپ کی جانب چلی گئی۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سونیتا نے ہم دونوں کو جنگ سے روکنے کے لئے یہ پالیسی اختیار کی تھی یا پھر بیکن کے لئے واقعی اُس کے دل میں کوئی نرمی پیدا ہو گئی تھی؟ بیکن میرے

سامنے زمین پر بیٹھ گیا۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔ پھر وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''میں مس سونیتا کو بہت چاہتا ہوں مسٹر منصور! میں اُس کے لئے پاگل ہوں۔''

''اور اس پاگل پن میں تم میری جان لینے کی کوشش کر رہے تھے؟''

''میں سخت شرمندہ ہوں۔ اب مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔''

''خیر! چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ، اُس آتش فشانی اور زلزلے میں جل برادرز کا کیا ہوا؟''

''میں نہیں جانتا۔ اس سے پہلے میں اُنہیں چھوڑ چکا تھا۔'' بیکن نے جواب دیا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''تمہارے فرار سے سنسنی پھیل گئی تھی۔ سب حیران رہ گئے تھے۔ جو لوگ تمہارے تعاقب میں نکلے تھے، وہ تمہیں پکڑنے کی کوشش میں ناکام ہو کر واپس پہنچ گئے۔ جل برادرز شدید غصے میں تھے۔ یہ دوسری صبح ہی معلوم ہوا کہ سونیتا بھی موجود نہیں ہے۔ پہلے تو مجھے اندازہ نہیں ہو سکا۔ لیکن بعد میں سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''بس! میں غصے سے دیوانہ ہو گیا اور کسی کو کچھ بتائے بغیر، خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔ اس کے بعد سے میں تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔''

''اُس وقت تم کہاں تھے جب آتش فشاں پھٹا تھا؟''

''میں اُس علاقے سے دُور تھا۔ لیکن اس ہولناک تباہی سے میرا گھوڑا بھڑک کر بھاگ گیا۔''

''تم گھوڑے پر سفر کر رہے تھے؟''

''ہاں!''

''بہر حال! تمہیں سونیتا نے بتا دیا ہو گا کہ میں نے اُسے، اس پر آمادہ نہیں کیا تھا۔''

''ہاں.....اور مجھے اس غلطی پر افسوس ہے۔''

''اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟''

''ابھی کچھ نہیں سوچا میں نے۔ ویسے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں میں تم سے۔ کیا تم بھی سونیتا سے عشق کرتے ہو؟''

''ذرہ برابر بھی نہیں۔ میرے دل میں اُس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہاں بھی اُ
غور کرتے تو تمہیں اس کا اندازہ ہو جاتا۔ وہ خود ہی ساری حماقتیں کرتی رہی ہے۔ اور
ہمیشہ اس سے بچتا رہا ہوں۔''

''میں واقعی تم سے نادم ہوں۔'' بیکن نے گہری سانس لے کر کہا۔

''جل برادرز کے گروہ سے تمہارا فرار کیا تمہارے لئے باعث مصیبت نہیں بن جا
گا؟''

''میں اب دوبارہ اُن کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔''

''تو پھر کیا کرو گے؟''

''اگر سونیتا کے دل میں اب بھی میرے لئے کوئی جگہ نہ بن سکی تو یہیں خودکشی کر لو
گا۔ اور اگر اُس نے میری محبت قبول کر لی تو اُسے لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔''

''اور خزانہ؟''

''لعنت ہے ایسے خزانوں پر جو موت کے بعد ملیں۔ اور پھر یہ صرف جل برادرز
بھوک تھی۔ ہمیں تو اس کی پہلے بھی اُمید نہیں تھی۔ تم جانتے ہو کہ ہم جل برادرز کے ملا
تھے۔ بس! اُنہوں نے ایک پروگرام بنایا اور اس میں ہمیں بھی شریک کر لیا گیا۔ اس ل
ہم اُن کے پروگرام میں شامل ہو گئے۔''

''میرے دوست! میری دُعا ہے کہ تم اپنی محبت حاصل کر لو۔ لیکن کیا تمہیں واپسی ک
راستوں کے بارے میں کوئی اندازہ ہے؟''

''نہیں.....''

''تو پھر واپس کیسے جاؤ گے؟''

''راستے تلاش کریں گے۔'' اُس نے جواب دیا اور میں نے دل ہی دل میں اُس
مزید بار لعنت بھیجی۔ عشق کرنے چلے ہیں مجنوں کی نسل کے آخری فرد اور بھٹک رہے ہ
ان صحراؤں میں.....

تھوڑی دیر کے بعد سونیتا کافی لے آئی تھی۔ میں نے سونیتا کو بھی نہیں بتایا تھا کہ جل
برادرز نے مجھے کس منصوبے کے تحت فرار کرایا تھا۔ نہ ہی بیکن کو بتانے کی ضرورت تھی۔
اب اس کے سوا چارۂ کار نہیں تھا کہ بیکن کو بھی ہضم کر لوں۔ کر بھی کیا سکتا تھا؟ مجبوریاں

ہمیشہ میرے ساتھ رہتی تھیں۔

کافی پیتے ہوئے، ہم اُس ہولناک آتشزدگی اور زلزلے کے بارے میں باتیں کرتے
رہے۔ جل برادرز بھی زیر بحث آئے۔ اُن کی تیاریوں کے بارے میں بیکن سے کچھ اور
تفصیلات معلوم ہوئی تھیں۔ مسٹر تھیوڈور پر بھی گفتگو ہوئی۔ بیکن واقعی اس سلسلے میں زیادہ
نہیں جانتا تھا۔ چنانچہ کوئی ایسی بات نہیں بتا سکا جو قابل ذکر ہوتی۔ ریڈ بون بھی زیر بحث
آئی۔ بیکن کو بس اتنا ہی معلوم تھا کہ ریڈ بون اُس خزانے کے سلسلے میں جل برادرز سے
زیادہ معلومات رکھتی ہے۔ اور اس دوران اُس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

رات ہو گئی۔ حالات کے تحت اُس جگہ کو نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اور ہم نے یہیں قیام کرنے
کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ جگہ بہت مناسب تھی۔ رات کو میں نے اُن لوگوں کو تجدید محبت کے
لئے تنہا چھوڑ دیا۔ میں نے اپنے آرام کے لئے ذرا فاصلے کی جگہ منتخب کی اور اس کے بعد
خاموشی سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ سونیتا اور بیکن وہیں جیپ کے پاس موجود تھے۔
اور پھر نجانے کب نیند آ گئی.....

دوسری صبح خوب دیر سے آنکھ کھلی تھی۔ بیکن اور سونیتا ایک جگہ بیٹھے ہوئے کافی پی رہے
تھے اور اُن کے درمیان کافی مفاہمت نظر آ رہی تھی۔ بیکن بھی خوش تھا۔ میں نے ایک گہری
سانس لی۔ ان حالات میں سونیتا کو یہی کرنا چاہئے تھا۔ ایک بے مقصد اور بیکار آدمی سے سر
پھوڑنے سے کیا حاصل؟ بیکن اُس کے لئے زندگی بھر کا سہارا بن سکتا تھا۔ بہرطور! اُنہوں
نے خوش دلی سے مجھے مخاطب کیا۔

سونیتا تو تھی ہی عورت۔ اور ایک عورت کی موجودگی جن فوائد کی حامل ہو سکتی ہے وہ
ہمیں حاصل تھے۔ یعنی ناشتے کی تیاری وغیرہ۔ ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد
بیکن مجھ سے مشورہ کرنے لگا کہ یہاں سے نکل جانے کے لئے کون سے راستے منتخب کئے
جائیں؟ تمام باتیں اٹکل پچو ہی تھیں۔ ظاہر ہے مجھے کون سی اُن کے بارے میں معلومات
حاصل تھیں؟ اگر ہوتیں تو اب تک اُن سے فائدہ نہ حاصل کر چکا ہوتا؟ چنانچہ ایک سمت
منتخب کر لی گئی اور پھر ڈرائیونگ بیکن نے سنبھال لی۔ کم از کم اُس کی آمد سے یہ فائدہ تو ہوا
تھا کہ مجھے مسلسل ڈرائیونگ سے نجات مل گئی تھی۔ سونیتا تو اس سلسلے میں بالکل ہی بیکار ثابت
ہوئی تھی۔ اور اب تک مجھے اُس کی ذمہ داری سنبھالنی پڑ رہی تھی۔ لیکن اب مجھے سونیتا کی

کوئی فکر نہیں تھی۔

آج ... سارا دن بیکن ہی جیپ ڈرائیو کرتا رہا۔ راستے میں، میں نے البتہ ایک تجویز پیش کی۔ وہ یہ کہ ہمیں ہر طرح کی خوراک کا بندوبست کرتے رہنا چاہئے۔ اوّل تو ہمارے پاس پٹرول کی قلت شروع ہو چکی ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پٹرول کب تک ہمارا ساتھ دے سکے۔ گو ابھی ڈیڑھ بیرل پٹرول موجود تھا۔ لیکن جہاں جہاں تک نگاہ جاتی، ویرانی ویرانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ہمیں اس پٹرول کے ختم ہونے سے پہلے کوئی منزل ملے گی یا نہیں..... چنانچہ بہتر یہ تھا کہ خوراک کے ذخائر محفوظ رکھے جائیں اور راستے میں کسی بھی طرح شکار کیا جاتا رہے۔ تاکہ خوراک کا مسئلہ حل ہوتا رہے۔ اور اس کے لئے میرے پاس انتظامات تھے۔ چنانچہ راستے میں ہم نے ایک ہرن کا شکار کیا اور اس کا گوشت محفوظ کر لیا گیا۔ یہ شام کھانے پینے کے لحاظ سے بڑی اچھی گزری۔ ہرن کا گوشت بھونا گیا اور تازہ گوشت کھا کر بہت لطف آیا۔ پھر بیکن اور سونیتا نے ایک پُر لطف رات گزاری.....

ابھی تک کمبخت ریڈ بون کا کوئی نشان نہیں ملا تھا، اور نہ ہی کوئی ایسی آبادی تھی جس کی طرف ہم رُخ کرتے۔ مجھ پر ایک بیزاری سی طاری ہو گئی تھی۔ جبکہ بیکن اور سونیتا بہت خوش تھے۔ بس! ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے میری سرکردگی میں وہ صحرائے اعظم میں ہنی مون منا رہے ہوں۔ میں اُن کے بزرگوں کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ بعض اوقات اپنی حماقتوں پر کوفت بھی ہوتی تھی۔ بلاوجہ مصیبتوں میں گرفتار ہو گیا تھا۔ لیکن مجھے تو اپنی ابتدائی حماقت پر بھی افسوس تھا۔ یعنی اس دنیا میں آنے کی حماقت.....

بیکن کی ہمارے ساتھ شمولیت کو پانچواں دن تھا۔ اور ہم ہنوز کسی منزل سے محروم تھے۔ اور اُمید کا ایک بھی چراغ روشن نہ ہو سکا تھا۔ اُس رات ماحول کچھ گرم تھا اور جیسی کہ توقع یہاں ہو جایا کرتی تھی، ویسی نہیں تھی۔ طبیعت پر ایک اضمحلال سا طاری تھا۔ میں معمول کے مطابق اُن سے کچھ فاصلے پر لیٹ گیا۔ بیکن اور سونیتا ایک چٹان پر جا بیٹھے تھے۔ کافی دیر تک میں سونے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن طبیعت کچھ بے چین سی تھی۔ چنانچہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور یونہی ٹہلتا ہوا ایک سمت چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ بیکن اور سونیتا اس جگہ موجود نہیں تھے، جہاں میں نے انہیں چھوڑا تھا۔ ہو سکتا ہے کہیں جیپ میں چلے گئے ہوں.....

میں ٹہلتا ہوا کافی دُور نکل آیا۔ تب ہی مجھے کچھ آوازیں سنائی دیں اور میں چونک کر رُک گیا۔ یہ آوازیں اُس بڑی چٹان کے عقب سے آ رہی تھیں جو مجھ سے اب صرف چند فٹ کے فاصلے پر تھی۔ میں چوکنا ہو کر رُک گیا۔ اور پھر میں نے اُن آوازوں کو پہچان لیا..... بیکن اور سونیتا ہی تھے جو غالباً ٹہلتے ہوئے اُس طرف نکل آئے تھے۔ لیکن اُن کے منہ سے اپنا نام سن کر میں نے اُن کی گفتگو پر اپنے کان لگا دیئے۔ بیکن کہہ رہا تھا.....

”تم نے میرے دل کی بات چھین لی سونیتا! اس دوران میں خود بھی یہی سوچتا رہا ہوں۔ آخر اُس احمق آدمی کو ساتھ لگائے پھرنے سے فائدہ ہی کیا؟ بے شک جیپ میں سامان بہت کم رہ گیا ہے۔ چلو! اگر ہم گوشت اور پانی حاصل بھی کر لیتے ہیں تب بھی دوسری چیزوں کی مقدار ہمارا زیادہ ساتھ نہیں دے سکے گی۔ اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمیں پُرسکون منزل تلاش کرنے میں کتنا وقت لگ جائے گا..... اور پھر میں تم سے ایک بات سچ کہوں، اُس کی موجودگی مجھے ناگوار گزرنے لگی ہے۔ اور ہم لوگ خوامخواہ جھجک کا شکار رہتے ہیں۔“

”تو پھر کیا ارادہ ہے.....؟“

”کچھ نہیں۔ بہرطور! میں اُس کا اس حد تک شکر گزار ہوں کہ اُس نے تمہارا تحفظ کیا۔ اس لئے ہم اُسے قتل نہیں کریں گے۔ میرا خیال ہے صبح کو سورج نکلنے سے پہلے ہم جیپ لے کر یہاں سے نکل جائیں۔ سامنے کے راستے بھی صاف ہیں۔ وہ ہمارا تعاقب نہیں کر سکے گا۔ بس! اس کے بعد ان صحراؤں میں ہم اپنی منزل تلاش کریں گے اور عیش کریں گے۔“

”ٹھیک ہے بیکن! وہ کمبخت اسی قابل ہے۔“ سونیتا نے آہستہ سے کہا اور میرے دیوتا کوچ کر گئے۔ میں ایک لمحے کے لئے سن کھڑا رہ گیا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے میں دبے پاؤں وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ میرا دل تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ سونیتا پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ بیکن تو خیر تھا ہی میرا سدا کا دشمن۔ لیکن یہ لڑکی..... میں نے اپنے گال پر دو زوردار تھپڑ لگائے۔ اب ایسی بھی پارسائی کس کام کی؟ ہر جگہ میں اپنی اسی ازلی شرافت کے ہاتھوں مار کھا جاتا ہوں۔ لیکن کیا کرتا؟ مجبوری تھی۔ خون مشرق رگوں میں دوڑ رہا تھا۔

شرافت و اخلاق کی بھی کوئی حیثیت تھی۔ اپنی ذات کو اس قدر نہیں گرانا چاہتا تھا کہ
نگاہوں میں ذلیل ہو جاؤں۔ اب تک جو کچھ ہوا تھا، اُس میں میری کوششوں کا
تھا۔ بہرطور! انسان تھا اور بعض جگہ حالات کے ہاتھوں بھٹک گیا تھا۔ جن میں
سرفہرست تھی۔ لیکن جہاں تک ہو سکا، میں نے گناہوں کی دلدل میں غرق ہو جانے
اجتناب کیا۔ اور یہی اجتناب، سونیتا اور میرے درمیان دیوار تھا۔ ورنہ صحرائے اعظم
اس سفر میں میرے لمحات بھی رنگین ہو سکتے تھے۔ مگر حماقت..... صرف حماقت..... اس
بہتر یہ تھا کہ رامیس کے راستے اپنا لیتا۔ اُسے بھی تو میری ذات سے صرف یہی اختلاف
کہ میں اُس کی خواہشوں کے مطابق نہیں ڈھل رہا۔ اور ہر جگہ اپنی شرافت کا ڈھول
لگتا ہوں۔ کافی دیر تک ذہن پر غم و غصہ طاری رہا۔ اور پھر خوف کا یہ احساس جاگزیں
کہ اگر یہ لوگ اپنی اس سازش میں کامیاب ہو گئے تو میرا کیا ہوگا؟ نہ کھانے کو ہوگا
کو..... جیپ جا چکی ہوگی..... چنانچہ اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ اس سے
کہ میرے دشمن میرے خلاف اپنی سازش میں کامیاب ہو جائیں، مجھے یہ سازش
چاہئے۔ اب اس بات میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ سونیتا اور بیکن میرے دوست
تھے۔ بلکہ اب وہ میرے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ چنانچہ میرے جانے کے بعد
کیا ہوگا؟ یہ سوچنا حماقت تھی۔ جبکہ اُنہوں نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اخلاق و آداب میں
بن جانا بھی مناسب نہیں ہوتا۔ میں ایک جگہ پڑ رہا۔ البتہ میں نے اتنا ضرور کیا
اگنیشن کی چابی نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔ تاکہ مجھ سے پہلے وہ لوگ کارروائی
جائیں۔ عموماً یہ چابی اگنیشن میں لگی رہتی تھی۔ اور اُسے نکالنے کی ضرورت پیش نہیں
تھی۔ میں جاگتا ضرور رہا.....

ابتدائی راتوں کا چاند نکل آیا اور چاندنی چاروں طرف پھیل گئی۔ تب بیکن اور
جیپ کے قریب واپس آئے اور پھر ایک جگہ منتخب کر کے لیٹ گئے۔ لیکن یہ رات
لئے سونے کی رات نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے، وہ لوگ رات ہی کے کسی حصے میں یہاں
ہونے کی کوشش کریں، اگنیشن میں چابی تلاش کریں یا چابی مجھ سے حاصل کر لیں۔
مجھے اُن کے سونے کا انتظار تھا۔

وقت گزرتا رہا۔ اور اُس کے بعد چاندنی مدھم پڑ گئی۔ میں نے بیکن کے گہرے

خراٹوں کی آوازیں سنی تھیں۔ سونیتا بھی بے سدھ سو رہی تھی۔ وہ دونوں جیپ سے تقریباً دس گز کے
فاصلے پر تھے اور بہت مطمئن تھے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُنہیں دیکھتا ہوا جیپ میں جا
بیٹھا۔ یہ راستہ بیکن نے منتخب کیا تھا۔ لہٰذا میں نے اُسی پر سفر کرنے کا فیصلہ کر لیا.....
اُس کے بعد میں نے جیپ سٹارٹ کر دی۔ اُسے گیئر میں ڈالا اور تیزی سے آگے بڑھا
دیا۔ سیدھے راستے پر جیپ دوڑاتے ہوئے میں نے کئی بار پلٹ کر اُن دونوں کی طرف
دیکھا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ محبت کی منزلوں کے راہی گھوڑے بیچ کر سو
رہے تھے اور جیپ کے انجن کی آواز بھی اُنہیں نہیں جگا سکی تھی۔ بہرطور! یہ میرے حق میں
بہتر ہی تھا۔ تھوڑی دیر میں، میں اُن سے کافی دُور نکل آیا۔

چل برادرز نے جب مجھے روانہ کیا تھا تو میں تنہا ہی تھا۔ اور پھر اچانک ہی سونیتا کا
دل ہوا تھا اور میرے سارے پروگرام دھرے رہ گئے تھے۔ ہو سکتا ہے، یہ لڑکی کی نحوست
ہو کہ میں اپنی منزل نہیں پا سکا تھا۔ اور ہو سکتا ہے اب میں اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہو
جاتا۔

اُجالے پھوٹتے جا رہے تھے۔ اور میں اب اُن سے اتنی دُور نکل آیا تھا کہ دوسرے روز
وہ دن بھر بھی سفر کرتے رہتے تو مجھ تک نہ پہنچ پاتے۔ لیکن میں اتنی دُور نکل جانے کا خواہش
مند تھا کہ ہر طرح کا خطرہ دُور ہو جائے۔

روشنی کے ساتھ ساتھ جیپ کا سفر جاری رہا۔ اور اُس کے بعد میں نے ایک جگہ گاڑی
روک دی اور کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرنے لگا۔ ناشتہ کرتے ہوئے مجھے اُن دونوں کا
خیال آیا۔ میری نیت میں تو کوئی کھوٹ پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن وہ مختلف انداز میں سوچنے
لگے تھے۔ میں کیا کرتا؟ چنانچہ خاموشی سے ناشتہ کرنے کے بعد میں نے پھر جیپ سٹارٹ
کی اور وہاں سے چل پڑا۔ موسم کسی قدر بہتر تھا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کے بعد کیا
کیفیت ہو۔ میں سورج بلند ہونے سے پہلے کوئی ایسی پناہ گاہ تلاش کر لینا چاہتا تھا، جہاں
رات کی نیند پوری کی جا سکے۔ ویسے بھی صحرائے اعظم کے خطرات تو اب تقریباً بے اثر ہی
ہو گئے تھے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ کب کیا ہو جائے؟ زندگی بس یہی ہو کر رہ گئی تھی۔

جیپ کافی دیر تک سفر کرتی رہی۔ اور پھر کچھ ڈھلان نظر آئے جن میں گھنے درختوں کے
جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔ میں احتیاط سے جیپ اُس ڈھلان پر اُتار لے گیا جو میرے راستے

کی سیدھ میں تھا۔ اور پھر گھنے درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس میں نے جیپ روک
پہلے میں یہ جائزہ لیتا رہا کہ آس پاس کا ماحول کیسا ہے؟ درندوں کے قدموں کے نشان
بھی تلاش کئے زمین پر۔ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ درختوں پر نگاہیں دوڑا
کیونکہ صحرائے اعظم میں درختوں پر سانپ جھولتے عام طور سے نظر آ جاتے تھے اور
لمحے اُوپر سے کوئی سانپ نیچے گر کر سارا حساب کتاب درست کر سکتا تھا۔ باریک بینی
جائزہ لینے کے باوجود اُن درختوں میں مجھے سانپ نظر نہیں آئے۔ پھر باقی سب کچھ
کے سپرد کر کے میں جیپ کی عقبی سیٹوں میں گھس کر سو گیا۔ اپنے طور پر حفاظت کا مع
بندوبست کر لیا تھا۔ اگر سوتے ہی میں کچھ ہو جائے تو بہتر ہے کہ ہوش کی اذیتوں سے
مل جائے۔ جب خطرات حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں تو بے اثر ہو جاتے ہیں۔ یہی
میری تھی۔ سونے کی کوشش کی تو فوراً ہی نیند آ گئی۔ ویسے بھی رات بھر جاگنے سے
جل رہی تھیں۔ اور پھر کیا ہی مزے کی نیند آئی..... موسم بھی خوش بختی سے زیادہ گرم
تھا۔ کیونکہ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔

شام کو تقریباً چار بجے آنکھ کھلی تو بدن پر کسل مندی طاری تھی۔ اسٹوو نکالا اور کا
کرنے لگا۔ جل برادرز کی مہربانیوں سے کم از کم یہ سارے انتظامات جیپ میں کر
گئے تھے۔ کافی نے اُس وقت مزہ ہی دے دیا۔ یوں لگا جیسے بدن سے ساری تھکن دُور
ہو۔ اس کے ساتھ ہی میں نے کچھ اور چیزیں بھی لے لی تھیں جن سے عارضی طور
ختم ہو گئی۔ اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ یہاں سے آگے بڑھا جائے یا رات یہیں گزاری
طبیعت کی کسل مندی نے اس کی اجازت نہ دی کہ اس وقت یہاں سے کہیں آگے
جائے۔ ویسے بھی بہتر جگہ تھی اور پورا دن گزرنے کے باوجود کوئی واقعہ پیش نہیں آیا
وقت بھی آرام کر لیا جائے۔ تاکہ کل صبح پورا دن سفر کرنے کے لئے طبیعت ہشاش
ہو۔ جیپ سے اُتر کر کافی دُور تک پیدل چلتا ہوا اطراف کے مناظر دیکھتا رہا۔ اور
لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ رات کی تاریکیاں خطرناک تو نہیں ثابت ہوں گی؟ بار
کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ میں ٹھنڈی سانس لے کر درختوں کے نیچے
خشک لکڑیاں جمع کرنے لگا تاکہ آگ روشن کر لوں۔ ویسے ابھی تک تو خنکی نہیں تھی
پر بادل البتہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ اگر بارش ہوئی تو اس کے لئے کیا، کیا؟

میں نے دل میں سوچا۔ اور پھر گردن جھٹک کر رہ گیا۔ کچھ بھی ہو، کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔
اور پھر وہی ہوا جس کا خدشہ تھا رات کے تقریباً آٹھ بجے ہوں گے، میں نے بچی ہوئی
کافی، جسے میں نے تھرماس میں محفوظ کر دیا تھا، پی اور اُس کے ساتھ ہی دو چار بسکٹ لے
لئے۔ اُسی وقت درختوں کے پتوں سے ہلکی ہلکی بوندیں چھننے لگیں اور میں ایک گہری سانس
لے کر جیپ میں ایسی چیزیں تلاش کرنے لگا جن کی مدد سے اس بارش سے بچاؤ ہو سکے۔
لیکن خوش بختی تھی کہ بارش زیادہ تیز نہیں ہوئی۔ بس ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ویسے بھی
گھنے درختوں کے نیچے بہت معمولی سی بوندیں آ رہی تھیں۔

رات کے تقریباً بارہ، ساڑھے بارہ بجے ہوں گے جب میں کوشش کر رہا تھا کہ مجھے نیند
آ جائے۔ لیکن چونکہ دن میں خوب سویا تھا، اس لئے آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ یہ ننھی ننھی
پھوار جیسی بارش پتہ نہیں کیوں اُس وقت دلکش لگ رہی تھی اور میں اُس سے لطف اندوز ہو
رہا تھا۔ لیکن تنہائی، ویرانی، بے سروسامانی، بے بسی کا ایک احساس پیش کر رہی تھی۔ دفعتہً
ہی میرے کانوں نے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنی اور میں اُچھل کر بیٹھ گیا۔ یہ آواز
میری سماعت کا واہمہ تو نہیں تھی؟ میں نے فوراً ہی جیپ سے اُترنے کے بعد ایک بلند جگہ
کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسی وقت آواز دوبارہ سنائی دی اور تقریباً ایک فرلانگ کے
فاصلے پر کچھ ہلچل سی بھی محسوس ہوئی۔ میں سراسیمہ نگاہوں سے اُس طرف دیکھتا رہا۔ کیا
کچھ لوگ اِدھر آ نکلے ہیں اور میں خطرے میں گھر گیا ہوں.....؟'' میں نے دل میں سوچا۔
میں کافی دیر تک اُسی طرح سہما کھڑا، اُس جگہ نگاہیں جمائے رہا جہاں اب بھی درختوں کے
ایک جھنڈ کے پاس کچھ چیزیں ہلتی جلتی نظر آ رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے وہاں کسی اور گروہ نے
قیام کیا ہو۔ صحرائے اعظم میں تو اس قسم کے لوگ آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ
کوئی ایسی پارٹی نہ ہو جو مجھے پہچانتی ہو۔ ہو سکتا ہے مجھے اُس سے کچھ مدد مل جائے۔ ہو سکتا
ہے وہ ایسے لوگ ہوں جن کی وجہ سے میری تنہائی دُور ہو سکے..... لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
کوئی نئی مصیبت میرا انتظار کر رہی ہو۔ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیا کروں؟
ایک بار پھر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی اور اب میرے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ
میں اس آواز سے دُور رہوں۔ ہمت کی اور اُس جانب چل پڑا۔ لیکن مجھ پر ایک دہشت
سوار تھی اور ہلکی ہلکی کپکپاہٹ کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ آگے بڑھ کر یہ اندازہ ہوا کہ بارش

اتنی بھی کم نہیں ہے جتنی میں تصور کر رہا تھا۔ وہ تو درختوں کا سایہ تھا کہ بارش کی بوند
تک اُس باقاعدگی سے نہیں پہنچ پا رہی تھیں۔ کپڑے بھیگنے لگے۔ لیکن اب نکل ہی آ
رُکنا بیکار تھا۔ چنانچہ میں ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کر کے اُس جگہ پہنچ گیا جہاں سیاہ
ایک قد آور گھوڑا ایک درخت سے بندھا ہوا تھا۔ آس پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ میں نے
زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ یہ کوئی گروہ نہیں بلکہ ایک فرد تھا یا شاید صرف
گھوڑا جسے کوئی یہاں باندھنے کے بعد کہیں چلا گیا تھا۔ آس پاس نگاہیں دوڑائیں، لیکن
نظر نہیں آیا۔ پھر گھوڑے کے عقبی حصے میں ایک گھنے اور چوڑے درخت کے پیچھے سے
سرسراہٹیں سنائی دیں اور میں اُچھل پڑا۔ ہمت کی اور درخت کے عقب میں پہنچ گیا
درخت کے تنے کے ساتھ کوئی دراز تھا اور گٹھری سا بنا ہوا تھا۔ لیکن میں نے رات کی تا
کی عادی آنکھوں سے اس وجود کو دیکھا اور مجھے اُس کے لمبے لمبے سیاہ بال نظر آ گئے
دوسرے لمحے میں شدتِ حیرت سے اُچھل پڑا تھا۔ اب ذہن نے اس طرح بھی ساتھ
چھوڑ دیا تھا کہ میں ریڈ بون کو نہ پہچان سکتا..... اُس کی جسامت اور انتہائی دلکش بدن
بھولنے والی چیز تھا۔ وہ بری طرح سمٹی سکڑی پڑی ہوئی تھی۔ اس سے کچھ فاصلے پر
تھیلا اور تھیلے کے نزدیک ایک اعلیٰ درجے کی سب مشین گن پڑی ہوئی تھی۔ میں حیرا
گیا۔ ایک لمحے کے لئے دل میں خوشی کی لہر بھی اُٹھی۔ لیکن پھر معدوم ہو گئی۔ نجانے
ریڈ بون کے مل جانے کی تھی یا تنہائی دور ہو جانے کی۔ پتہ نہیں کیا تھا؟ بہرطور! میں
سے اُس کے قریب پہنچ گیا۔ ریڈ بون جیسی عجیب و غریب عورت کا اس طرح میری مو
کے باوجود پڑے رہنا تعجب خیز تھا۔ میں اُس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اور پھر میں نے
سے اُس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ بجلی کی طرح تڑپ گئی تھی۔ اُس نے بے اختیارانہ
میں اُٹھ کر فوراً سب مشین گن پر ہاتھ مارا۔ لیکن میں ہوش میں تھا۔ میں نے پھرتی سے
مشین گن اُٹھا لی اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔

''ریڈ بون! میں تمہارا دشمن نہیں، دوست ہوں۔ اگر پہچان سکتی ہو تو مجھے پہچانو
وہی ہوں، جس کا تم سے ساتھ رہ چکا ہے۔ منصور ہے میرا نام۔ اُس وقت میں گرفتا
تھا جب تم دلدل عبور کر کے جل برادرز کے چنگل سے نکل گئی تھیں۔''

اُس کی جدوجہد ایک دم ماند پڑ گئی۔ ابھی تک وہ کھڑی نہیں ہوئی تھی۔ اُس نے

کے تنے کا سہارا لے کر کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن ایک جانب لڑھک گئی اور میں
نے کچھ جانے بوجھے بغیر برق رفتاری سے آگے بڑھ کر اُسے گرنے سے بچایا۔ میں ایک
لمحے کے لئے بازو کو ہاتھ لگایا تھا۔ تب ہی یہ احساس ہوا تھا کہ اُس کا بازو کچھ گرم ہے۔ لیکن
اب جبکہ میں نے اُس کے بدن کو سنبھالا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ تو بری طرح بخار کا شکار
ہے۔ اُس کا بدن تو بھٹی کی طرح تپ رہا ہے۔ میں نے ہمدردی سے اُس کے بدن کو سہارا
دے کر اُسے درخت کے نیچے بٹھا دیا اور تشویش سے بولا۔

''تمہیں تو بخار ہے ریڈ بون! ایک منٹ۔ میں تمہارے لئے بندوبست کرتا ہوں۔ مگر
براہِ کرم! میرا انتظار کرنا۔'' اُس کے بعد میں برق رفتاری سے دوڑتا ہوا جیپ کے قریب پہنچ
گیا۔ اور پھر جیپ سٹارٹ کر کے یہاں لے آیا۔ میں جس طرح اُسے بٹھا گیا تھا، وہ اُسی
طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ گھوڑا پانی سے بھیگ رہا تھا جس کی وجہ سے تھوڑی دیر کے
وقفے کے بعد ہنہنانے لگتا تھا۔ لیکن ابھی اُس کی جانب توجہ نہیں دی گئی تھی۔ میں نے جیپ
حتیٰ الامکان ایسی جگہ کھڑی کی جہاں وہ بارش سے محفوظ رہے۔ اور اس کے بعد ریڈ بون
کے پاس آ گیا۔ پھر میں اُس کے تپتے ہوئے وجود کو سنبھالے ہوئے جیپ تک آ گیا۔ بڑا
بھاری بدن تھا۔ لیکن ایسی طاقتوں کا حامل کہ انسان پاگل ہو جائے۔ بہرطور! جیپ کی اگلی
سیٹ پر میں نے اُسے بڑی احتیاط سے لٹا دیا۔ اور جو کچھ اوڑھنے کے لئے میرے پاس
موجود تھا، اُس سے اُس کے بدن کو ڈھک دیا۔ پھر میں نے پھرتی سے اسٹوو نکالا۔ بچی
ہوئی کافی پی چکا تھا اس لئے نئی کافی بنائی اور اُسے پیالی میں ڈال کر ایک بار پھر اُس کے
نزدیک پہنچ گیا۔ کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو، بارش کی ننھی ننھی بوندوں کے ساتھ ایک
عجیب ہی لطف دے رہی تھی۔ میں نے اپنے لئے کافی نہیں نکالی تھی۔ بس! سہارا دے کر
اُسے بٹھایا اور اپنے ہاتھ سے گھونٹ گھونٹ کافی پلانے لگا۔ اُس نے میری جانب توجہ نہیں
کی تھی۔ کافی پینے کے بعد اُس نے لیٹ جانے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے اُسے لٹا دیا۔
میرا ذہن عجیب و غریب احساسات کا شکار تھا۔ اُس کا مجھ سے یہ تعاون کچھ ایسی دلکشی کا
احساس دلا رہا تھا جسے میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس! یوں لگ رہا تھا جیسے اُس نے
مجھ پر مکمل بھروسہ کر لیا ہو۔ حالانکہ میں نے اُس آتشی لڑکی کو ایک غیر انسانی مخلوق کی سی
کیفیت میں پایا تھا۔ خاص طور سے وہ لمحات جب وہ ہولناک دلدل دوڑ کر عبور کر گئی تھی۔

یہ کوئی انسانی کارنامہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اِس وقت ریڈ بون میری پناہ میں تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ یا تو اُس پر غشی کی کیفیت طاری ہے، یا پھر وہ سوگئی ہے۔ میں بے آواز جیپ سے نیچے اُترا اور اُس کے گھوڑے کی رسّی کھول کر اُسے بھی ایک ایسی جگہ باندھ دیا جہاں وہ پانی سے محفوظ رہے۔ اور اس کے بعد جیپ کی اگلی سیٹ پر آ بیٹھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ریڈ بون کے لئے کیا کروں؟

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ یہ ہم دونوں کی ہی خوش قسمتی تھی کہ بارش تیز نہیں ہوئی تھی بلکہ آدھی رات کے بعد بند ہوگئی تھی۔ پھر نجانے کب میری آنکھوں میں نیند گھر کر گئی.....

☆.....☆.....☆

صبح جب سورج کی کرنوں نے گدگدایا تو میری آنکھ کھل گئی۔ چند لمحات تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اُس کے بعد جب گزری ہوئی رات کے واقعات یاد آئے تو میں اُچھل کر بیٹھ گیا۔ ریڈ بون پچھلی سیٹ پر کمبل لپیٹے، نیم درازی کی کیفیت میں تھی۔ اُس کی بڑی بڑی حسین آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ہونٹ خشک تھے۔ میں نے جاگ کر اُسے دیکھا تو اُس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار اُبھر آئے۔ وہ دھیرے سے مسکرائی بھی تھی۔ میں ہڑبڑا کر سیدھا ہوگیا اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اُس کا ہاتھ چھوکر دیکھا۔ بخار اب بھی خوب تیز تھا۔ لیکن اُس کی کیفیت پہلے سے بہت بہتر نظر آ رہی تھی۔ میں ایک تولیہ بھگو کر اُس کی آنکھیں اور چہرہ صاف کرنے لگا۔ ریڈ بون نے کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ بس میٹھی میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر میں نے کلی کرنے کے لئے پانی پیش کیا۔ اس دوران میں کافی کا پانی چڑھا چکا تھا۔ بسکٹوں کے دو ڈبے کھول کر میں نے اُس کے سامنے رکھ دیئے اور پھر اُسے کافی بنا کر دی۔ کافی کی دوسری پیالی میں خود لے کر بیٹھ گیا تھا۔

''پتہ نہیں، اسے اپنی بدقسمتی کہوں یا تمہاری ستم ظریفی کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوسکتی۔ میں اس سے بہت بد دِل ہوں۔''

اُس نے ایک بسکٹ اُٹھایا اور اُسے اپنے تیز سفید چمکیلے دانتوں سے کاٹنے لگی۔ پھر کافی کا ایک گھونٹ لے کر اُس نے بڑے آسودہ انداز میں میری طرف دیکھا۔ اُس کی آنکھیں بول رہی تھیں۔ لیکن مجھے ان بولتی آنکھوں کی زبان نہیں آتی تھی۔ وہ خاموشی سے کافی پیتی جا رہی تھی بسکٹ بھی اُس نے اچھی خاصی مقدار میں کھا لئے تھے۔ پھر اُس نے کافی کی پیالی میری جانب بڑھا دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اور کافی دوں اُسے۔ میں نے اُس کی یہ خواہش جلدی سے پوری کر دی۔ پھر یہ ہلکا پھلکا ناشتہ ختم ہوگیا تھا۔ وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے کھسکی۔ اُس نے کمبل اُتارا اور اپنا داہنا پاؤں میرے سامنے کر دیا۔ ایک لمحے کے

لئے میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ لیکن دوسرے لمحے میں نے اُس کے پھٹے ہوئے لبا
س سے جھانکتے ہوئے اُس زخم کو دیکھا جو تقریباً دس انچ لمبا اور کافی گہرا تھا۔

میں اُس زخم کو دیکھ کر اُچھل پڑا اور میرے بدن میں جھرجھری سی آ گئی۔ تب ہی
بون نے ایک ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور اپنی پشت میرے سامنے کر دی۔ اُس کی پشت پر ایک ا
ہی بڑا زخم تھا۔ میں واقعی اس وقت عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ ان بڑے زخمو
کے باوجود اُس کے اندر کتنا سکون پایا جاتا تھا..... جبکہ دوسرا کوئی ہوتا تو شاید ساری رات
ہی درد و تکلیف سے تڑپتا رہتا۔ میں بھی بہت متاثر ہو گیا تھا۔ میں نے بے اختیار کہا۔

''اوہ..... بے وقوف لڑکی! تم نے مجھے پہلے یہ زخم کیوں نہیں دکھائے؟'' اور اس کے
بعد میں مصروفِ عمل ہو گیا۔

میں نے تیز گرم پانی کیا اور اُس کے بعد فرسٹ ایڈ بکس سے جو کچھ بھی سامان موجود
نکالا۔ پھر اُسے سہارا دے کر جیپ ہی میں بٹھا دیا اور پانی لے کر اُس کے قریب بیٹھ گی
اُس کے زخم کو صاف کرتے ہوئے کئی بار میرے بدن میں پھریریاں سی اُٹھی تھیں۔ وہ
بڑی اپنائیت سے اپنے زخم صاف کرا رہی تھی۔ میں نے اُن زخموں کو صاف کر کے اُن
مرہم لگایا اور پھر بینڈیج کر دی۔ اس سے زیادہ کٹھن مسئلہ اُس کی پشت کے زخم کا تھا۔ م
نے اُس کی نگاہوں میں ہلکی سی مسکراہٹ دیکھی۔ غالباً یہاں وہ میرا امتحان لینا چاہتی تھی۔
میں نے اُس کی مسکراتی نگاہوں کو پڑھ لیا۔ اور خود میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل
گئی۔ پھر میں نہایت بے باکی سے اُس کی پشت کو فطری لباس میں لے آیا اور اپنے کام م
مصروف ہو گیا۔ یہ کام واقعی میرے لئے سخت مشکل ثابت ہوا۔ بدن پر رعشہ طاری ہو
تھا۔ لیکن اس وقت میرے سامنے ایک زخمی تھا۔ اور میری کیفیت ایک ڈاکٹر سے مختلف نہ
تھی۔ میں نے ڈاکٹر ہی کے انداز میں سوچنا شروع کر دیا۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر جب میں جیپ کی اگلی سیٹ پر بیٹھا تو میں نے اُن
آنکھوں میں ممنونیت کے آثار دیکھے۔ کمبخت اگر گونگی تھی تو اس سے بڑی بدقسمتی میری
کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ کم از کم کچھ الفاظ تو کہہ دیتی۔ بہر حال! سمجھ لیتی تھی، یہ کافی تھا۔
کی شخصیت ہی میرے لئے بڑی عجیب و غریب تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک
بون کی حالت بہتر نہیں ہو جاتی، یہاں سے آگے کا سفر بے مقصد ہے۔ جہاں تک لیکن

سونیتا کا معاملہ تھا تو اب میں اُن پر فاتحہ پڑھ چکا تھا۔

ریڈ بون کی حالت کافی بہتر نظر آ رہی تھی۔ اُس نے بھی یہاں سے آگے بڑھنے پر
اصرار نہیں کیا۔ میں نے شام کو اُسے جیپ سے اُتارا اور سہارا دے کر تھوڑی دُور تک لے
گیا۔ لیکن پاؤں کے زخم کی وجہ سے وہ با آسانی چل نہیں پا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں
نے پھر اُسے، اُس کی جگہ بٹھا دیا۔ سب مشین گن، میں نے جیپ ہی میں رکھ لی تھی۔ اس
سے پہلے جب میں اُس سے ملا تھا تو اُس کے پاس یہ سب مشین گن نہیں تھی۔ نجانے اُس
نے اُسے کہاں سے حاصل کیا تھا؟ بہترین ساخت کی گن تھی۔ مجھے تو اُس کا استعمال بھی
نہیں آتا تھا۔ اُس کے تھیلے میں بھی کافی غذائی اشیاء موجود تھیں جنہیں اُس نے خود نکال کر
میرے سامنے رکھ دیا تھا۔ سب مشین گن کا ایمونیشن بھی تھا۔ کوئی پستول وغیرہ نہیں تھا۔ میں
نے اندازہ لگا لیا کہ اُس کی حالت بہتر ہونے میں کئی دن لگ جائیں گے۔ چنانچہ شکار کی
بھی اشد ضرورت تھی۔ اور یہ ہماری خوش بختی تھی کہ اُس شام مجھے شکار بھی مل گیا۔

دوسرے دن، میں نے پھر ریڈ بون کی بینڈیج تبدیل کی اور اُس کے زخموں کو حیرت
انگیز طور پر بھرتے ہوئے محسوس کیا۔ پھر تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ چوتھے دن ریڈ
بون جیپ سے نیچے اُتر آئی اور کافی دُور تک پیدل چلتی رہی۔ اس دوران ہمارے درمیان
کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ ریڈ بون کے انداز میں اب پہلے جیسی وحشت نظر نہیں آتی
تھی۔ البتہ وہ اپنے اطراف سے پوری طرح چوکنا تھی۔ میں نے اُس عجیب و غریب لڑکی
کے اندر ایک وحشت سی پائی تھی۔ بے شک وہ اپنے مشن کی تکمیل کر رہی تھی۔ لیکن اس
دوران، مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ اُس کی جنگلی فطرت کی وحشت خیزی ہے۔ اور میں اُس
کی شخصیت سے واقف ہونے کے بعد اُس کا زیادہ گہری نگاہوں سے جائزہ لینے لگا تھا۔ پھر
اُس نے مجھ سے اشاروں کی زبان میں کہا کہ اب ہمیں یہاں سے آگے بڑھنا چاہئے۔ میں
نے اُس کا مطلب سمجھنے کے بعد کہا۔

''تمہارا زخم اور بہتر ہو جائے تو ہم زیادہ آسانی سے آگے کا سفر طے کر سکتے ہیں۔''
اُس نے گردن ہلاتے ہوئے دونوں ہاتھ میرے سامنے کر دیئے۔ مطلب یہ تھا کہ اب وہ
سفر کے لئے بالکل تیار ہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔ ''بہتر ہے کہ ایک آدھ دن اور یہاں گزار لیا

جائے۔ ویسے تم سے کچھ باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں۔'' اُس نے غالباً میری بات سمجھ لی
تھی۔ پھر وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ جب میں نے اُسے سوالیہ نگاہوں سے
طرف دیکھتے ہوئے پایا تو آہستہ سے بولا۔ ''ایک بات تو بتاؤ ریڈ بون! تم میری
کیوں متوجہ ہوئی تھیں؟'' یہ سوال تو کر ڈالا تھا میں نے۔ لیکن مجھے اس پر خود ہی ہنسی
ظاہر ہے وہ مجھے کیا جواب دے سکتی تھی؟ میں نے اُس سے کہا۔ ''اچھا! ایک بات
کیا تم لکھ کر گفتگو نہیں کر سکتیں؟''

اُس نے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

''خیر! یہ بات میں تسلیم نہیں کر رہا۔ کیونکہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میری
تھیوڈور سے ہو چکی ہے۔'' ریڈ بون نے سپاٹ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ لیکن میری
بین نظروں نے اُس کے چہرے کی بدلتی ہوئی کیفیات کو محسوس کر لیا تھا۔ میں نے آہستہ
کہا۔ ''میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ کہنے یا کرنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ بس
بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ اُس دن جب میں نے تمہیں پہلی بار ایک رقاصہ کی شکل
دیکھا تھا تو میرے ذہن میں تمہارے لئے ایک عجیب سا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ میری
دوسری ملاقات ہوئی اور پھر ہم لوگ، ایک مختصر وقت ایک دوسرے کے ساتھ رہے
جل برادرز نے تم پر قابو پانے کی کوشش کی۔ لیکن تم وہاں سے نکل گئیں اور میں اُن کے
میں آ گیا۔ میرے لئے بڑا مشکل مرحلہ پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے میں ان تمام
سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا تھا۔ مجھے بڑی مشکل سے اپنی پوزیشن صاف کرنی پڑی
جل برادرز نے مجھے قبول کر لیا۔ میں تمہارے سامنے چند حیرت انگیز انکشاف کر رہا
ریڈ بون! لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا اور نہ ہی مجھے
تمام معاملات سے کوئی دلچسپی ہے۔ جل برادرز کے درمیان میری حیثیت بے مقصد
رہ گئی تھی۔ اُنہوں نے مجھے پیشکش بھی کی کہ اگر میں چاہوں تو وہ مجھے صحرائے اعظم سے
بھجوانے کا بندوبست بھی کر سکتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میں نے اُن کی
قبول نہ کر کے سخت غلطی کی تھی۔ مجھے کسی خزانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے ریڈ بون
ساری زندگی میں لاتعداد خزانے بکھرے پڑے ہیں۔ میں دنیا کا سب سے بڑا خزانہ
حاصل کر لوں تو یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس سے مجھے کوئی خاص فائدہ نہیں

خزانہ کسی اور کی تحویل میں چلا جائے گا اور میں اسی طرح بھٹکتا پھروں گا۔ ہاں! یہ میری
تقدیر ہے۔ اگر تم میری کہانی سنو تو تمہیں خود حیرت ہو۔ اور اب میں کسی کو اپنی کہانی سنانا
بھی نہیں چاہتا۔ بات جل برادرز کی ہو رہی تھی۔ اُنہی کے کیمپ میں مجھے مسٹر تھیوڈور ملے۔
جن کے ساتھ اُن کی بیٹی سولیتا بھی تھی۔ مسٹر تھیوڈور نے مجھ سے خفیہ ملاقات کر کے تمہاری
کہانی سنائی۔ سیلی بون کے بارے میں بتایا اور تمام تفصیلات ذہن نشین کرا کے مجھے پیشکش
کی کہ اگر میں خزانے کے حصول میں دلچسپی رکھتا ہوں تو مسٹر تھیوڈور کی مدد کروں۔ اسی
دوران جل برادرز نے مجھے پیشکش کی کہ میں اگر اُن کے لئے کام کروں تو وہ مجھے اُس
خزانے کا بہت بڑا حصہ پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

میں کسی سے تعاون نہیں کرنا چاہتا تھا ریڈ بون! میری خواہش تو صرف یہ تھی کہ کسی طرح
اس مصیبت سے چھٹکارہ مل جائے اور میں صحرائے اعظم سے واپس چلا جاؤں۔ جل برادرز
نے مجھے جو پیشکش کی تھی، وہ یہ تھی کہ میں اُن کے درمیان سے فرار ہو جاؤں۔ دراصل کچھ
لوگ اُن کے قبضے میں آئے تھے جو صحرائے اعظم میں بھٹک رہے تھے۔ اور شدتِ بھوک
سے پریشان ہو کر جل برادرز پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اُن میں بے شمار مارے گئے اور چند
گرفتار ہونے والوں نے بتایا کہ اُنہوں نے ریڈ بون کو جل برادرز کے آس پاس بھٹکتے
دیکھا ہے۔ بس! جل برادرز نے یہ فیصلہ کیا کہ تمہیں میرے ذریعے گرفتار کر لیا جائے یا
ہلاک کر دیا جائے۔''

ریڈ بون نے چونک کر میری طرف دیکھا اور میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں!
اور میں اُن سے یہ وعدہ کر کے وہاں سے نکلا تھا کہ میں ریڈ بون کو اُن کی گرفت میں دے
دوں گا۔ تو ڈیئر ریڈ بون! میرے لئے فرار کا ایک ڈرامہ رچایا گیا۔ اور یہ جیپ تیار کر کے
مجھے دے دی گئی۔ بس! میں صحراؤں میں نکل آیا۔ لیکن میرا مقصد یہی تھا کہ میں صحرائے
اعظم سے نکل جاؤں۔ مجھے کسی خزانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ میں اب بھی کہہ رہا
ہوں۔ تمہاری مدد بھی اسی قدر کرنا چاہتا ہوں کہ ٹھیک ہو کر تم اپنی منزل سے جا لگو تو مجھے
خوشی ہو گی۔ آتش فشاں کی آتش فشانی اور زلزلے نے مجھے بدحواس کر دیا۔ بالآخر بچتا بچاتا
یہاں تک نکل آیا اور تم اتفاق سے پھر میرے نزدیک آ گئیں۔ ریڈ بون! میں تمہاری مدد کر
سکتا ہوں۔ تمہیں اُس آدھے نقشے کی تلاش ہے نا جو جل برادرز کے پاس ہے؟ اور یہ نقشہ

بہرطور! ابھی جل برادرز کے پاس ہی محفوظ ہے۔ لیکن اگر تم بونیٹو کے راستے کے بار
میں جاننا چاہتی ہو تو میں اس راستے کے سلسلے میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔ کیونکہ مسٹر تھیو
نے مجھے وہ تمام تفصیلات بتا دی ہیں۔ وہاں تک کا راستہ اُن کے ذہن میں محفوظ تھا۔
چاہو تو ان راستوں کی تفصیلات مجھ سے معلوم کرسکتی ہو۔ اوراس کے جواب میں تمہیں
صرف اس قدر مدد کرنا ہو گی کہ مجھے افریقہ سے باہر نکلنے کا راستہ بتا دو۔ بولو! کیا یہ
کرنے پر تیار ہو؟''

ریڈ بون کے چہرے پر اضطراب کی لہریں نمایاں ہو رہی تھیں۔ وہ عجیب سی نگاہ
سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر اپنی جگہ سے کھسکی، آگے بڑھی، میرا بازو پکڑا اور اپنا سر میر
کندھے سے لگا دیا۔ یہ عجیب سا اظہار تھا۔ جس کا مفہوم میں سمجھ نہیں پایا تھا۔ ریڈ بون
منٹ تک اس طرح میرے کندھے سے لگی رہی۔ پھر اُس نے زور زور سے میرا با
جھنجوڑتے ہوئے گردن ہلائی اور میں اُس کی کیفیت سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس
کیفیت سمجھ کر میری اپنی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ روکنا چاہتی تھی۔
نے اُس سے یہ سوال بھی کرلیا۔

''کیا چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ رہوں؟'' اُس نے زور زور سے گردن ہلا
تھی۔ اس وقت وہ ایک معصوم الہڑ سی لڑکی لگ رہی تھی۔ یقین نہیں آتا تھا کہ صحرائے اعظم
میں تنہا بھٹکنے والی رُوح کی مانند یہ لڑکی اتنی معصوم ہو سکتی ہے۔ اُس کی آنکھوں میں التجا تھی

''دیکھو ریڈ بون! مجھے کسی خزانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں یقین دلا رہا ہوں
مجھے ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو دنیا کا کوئی پر سکون گوشہ اپنے
چاہتا ہوں۔ جہاں میں اپنی زندگی سکون سے بسر کرسکوں۔ خزانے مجھے راس نہیں آتے
بون! مجھے خزانے نہیں چاہئیں۔ اگر تم اس طرح میرا ساتھ چاہتی ہو تو چلو! صحرائے اعظم
سے باہر چلتے ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے پسند کیا تو میں بقیہ زندگی تمہارے ساتھ
بسر کرلوں گا۔''

اُس نے میرے کندھے سے چہرہ ہٹا کر مجھے دیکھا۔ اور دوبارہ مجھ سے ٹِک گئی۔
کی آنکھیں اور انداز کہہ رہے تھے کہ وہ اس بات پر بضد ہے کہ اس مرحلے پر میں اُس
ساتھ دُوں۔

میرے لئے کشمکش کے لمحات پیدا ہو گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ ویسے
بھی صحرائے اعظم سے نکلنا ایک موہوم سا تصور تھا۔ یقین سے کیا کہا جا سکتا تھا کہ یہ مرحلہ
کیسے طے ہو گا؟ اُس کی ملتجی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ میں نے بے بسی سے گردن ہلاتے
ہوئے کہا۔

''تم وہ کام کرنے کے لئے کہہ رہی ہو مجھ سے جو میرا ذہن کسی طور قبول نہیں کر رہا۔
تاہم اس مجبوری کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتا کہ مجھے صحرائے اعظم سے باہر جانے کے آسان
راستے معلوم نہیں۔ تم اگر یہی چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔''

وہ ایک دم خوش ہو گئی۔ اور اس خوشی کا اظہار بھی اُس نے غم کے اظہار کی مانند ہی کیا۔
بہرطور! میں نے ایک بار پھر خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا۔ کر بھی کیا سکتا تھا.....؟

ریڈ بون کو میرے فیصلے کا اندازہ ہو گیا تھا اور وہ بہت خوش تھی۔ ہم نے مزید ایک دن
وہیں گزارا۔ اُس کے انداز میں اپنائیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور جب بھی مجھ سے کچھ فاصلے پر
ہوتی، عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہتی۔ اُس دن صبح ریڈ بون نے خود ہی یہاں سے
آگے بڑھنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ بکھرا ہوا سامان سمیٹا گیا۔ گھوڑے کی لگامیں اُس
نے جیپ کے عقبی حصے سے باندھ دیں۔ میں اُس کی یہ تیاریاں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے
بعد اُس نے میرا بازو پکڑ کر مجھے سٹیئرنگ پر بٹھا دیا اور اُنگلی سے ایک سمت اشارہ کر دیا۔
مطلب یہی تھا کہ اس جانب سفر کیا جائے۔ میں نے جیپ سٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی
تھی.....

تھوڑی دُور چلنے کے بعد فیول بتانے والی سوئی نے اشارہ کیا کہ پٹرول ختم ہونے والا
ہے۔ میں نے آخری بیرل کھول کر پٹرول کا ٹینک فُل کر دیا اور خالی بیرل ایک جگہ پھینک
دیا۔ پٹرول کے ذخیرے کا یہ آخری بیرل تھا۔ اور اس کے بعد جیپ سے ہاتھ دھونا پڑتے۔
ریڈ بون نے اپنا گھوڑا ساتھ رکھا تھا۔ اور غالباً وہ بھی اس سلسلے میں غور کر رہی تھی۔ ہمارا سفر
چار بجے تک جاری رہا۔ اور اچھا خاصا فاصلہ طے ہو گیا۔ شام کو جس جگہ قیام کیا گیا، وہ بھی
بہت دلکش تھی۔ چاروں طرف سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے۔ درختوں کے سلسلے بھی طویل ترین
تھے۔ کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا۔ درختوں میں ایک خاص قسم کے پھل لٹکے ہوئے تھے
جن کا جائزہ لیا گیا۔ اور پھر اُن پھلوں کا ذخیرہ کرلیا گیا۔ اُس وقت تو کھانے پینے کی ہر چیز

کی ضرورت تھی۔ ریڈ بون کافی خوش نظر آ رہی تھی۔ اُس کے زخم بالکل ٹھیک تو نہیں تھے لیکن بھر چکے تھے۔ اور اُن پر تیزی سے کھال آتی جا رہی تھی۔ یہ غالباً اُس مدافعت کا کرشمہ تھا کہ اتنے گہرے زخموں سے اُس نے اتنی جلدی نجات حاصل کر شام کو وہ ایک جگہ زمین پر بیٹھ کر پتھر سے زمین پر نشانات بنانے لگی۔ اُس کے ساتھ نے اپنا نقشہ بھی زمین پر پھیلا لیا تھا۔ اب اُسے مجھ سے کسی قسم کا اجتناب نہیں تھا کے مطابق مجھے راستے سمجھاتی رہی اور میں نے بھی اطراف میں دیکھتے ہوئے اِس اعتراف کیا کہ ریڈ بون صحیح راستوں پر سفر کر رہی ہے۔ مسٹر تھیوڈور نے جو نقشہ ذ نشین کرایا تھا، اُس کے نشانات بھی مل رہے تھے۔ جنگلوں کا یہ سلسلہ عبور کرنے ہمیں ایک وسیع و عریض میدان سے گزرنا تھا، جس کا اختتام پہاڑی سلسلے پر ہوتا اس کے بعد یہ پہاڑی سلسلہ عبور کر کے ہمیں دوسری جانب جانا تھا۔ ریڈ بون، ہو دانتوں سے دبا کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر اُس نے اشاروں میں کچھ کہنا چاہا، جو کوشش باوجود بھی میں نہ سمجھ سکا تھا۔ اُس نے مجھے جیپ کو ہاتھ لگا کر بتایا کہ ان پہاڑیوں پر سفر ممکن نہیں ہوگا۔ اور وہ اتنی چڑھائی نہیں چڑھ سکے گی۔ میں نے اب اُس کی بات تھی۔ میں نے دونوں شانے ہلاتے ہوئے کہا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں چاروں طرف دیکھنے لگی اور اس کے بعد اُس نے کچھ سوچ کر گھوڑے کی طرف اشا دیئے۔ میں سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے۔ لیکن دوسرے لمحے وہ گھوڑے پر بیٹھ کر ہوا ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لئے میرا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ کیا ہوا..... اُس نے مجھے تنہا چھوڑ دیا تھا؟ لیکن یہ اُمید نہیں تھی اُس سے۔ جس طرح وہ متاثر اور جس طرح اب تک اُس نے میرے ساتھ تعاون کیا تھا، اُس کے بعد اس با امکانات نہیں تھے کہ وہ اس طرح مجھے چھوڑ کر یہاں سے فرار ہو جائے گی۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ پھر وہ اُس وقت واپس خوب اندھیرا پھیل گیا۔ مگر میرا آدھے سے زیادہ خون خشک ہو گیا تھا۔ اُس کے تھکن کے آثار تھے۔ وہ گھوڑے سے اُتر کر جیپ میں آ لیٹی۔ کافی دیر تک اُس نے مجھ بات نہیں کی تھی۔

رات کو تقریباً ساڑھے آٹھ یا نو بجے ہم نے ہلکا پھلکا سا کھانا کھایا۔ ریڈ بون

جگہ بنائی اور دراز ہو گئی۔ میں کچھ فاصلے پر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر نیند آنے لگی اور میں ایک مناسب جگہ دیکھ کر دراز ہو گیا۔ ماحول پر خنکی سی چھا گئی تھی۔ یہ خنکی ناخوشگوار نہیں تھی۔ پھر نجانے کس وقت نیند آ گئی۔

آنکھ کھلی تو غالباً کسی احساس کے تحت۔ اور یہ احساس انسانی شکل اختیار کر گیا۔ وہ ریڈ بون ہی تھی۔ جو بہت پہلے کی ایک رات کی مانند، جب صحرائے اعظم میں اُس سے پہلی ملاقات ہوئی تھی، میرے نزدیک موجود تھی۔ اُس کی آنکھیں رات کی تاریکی میں بھی چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں ایک کہانی لبی ہوئی تھی۔ اس کہانی میں زندگی کا حسن ہی بکھرا ہوا تھا۔ تا حد نگاہ گنگناتی ہوئی وادیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور میں نے ریڈ بون کے ساتھ اُن وادیوں کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے..... جب آخری منزل سے گزر گیا تو احساس ہوا کہ میں کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا ہوں.....اور اس احساس کے بعد ریڈ بون کی محبت زندگی بن گئی.....اُسے میرے وجود میں وہ مقام حاصل ہو گیا جو شاید پہلی بار مجھے کاک ٹیل پلانے والی لڑکی کو بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے شکست خوردہ نگاہوں سے ریڈ بون کو دیکھا۔ اُس کی آنکھوں میں فتح مندی کے آثار تھے.....تب میں نے آہستہ سے کہا۔

''شریر لڑکی! تو نجانے کیا ہے؟''

میرے الفاظ سمجھ کر اُس نے مسکرا کر میرے بازوؤں میں گردن چھپا لی۔ اور پھر صحرائے اعظم اتنا برا نہ رہا۔ دھوپ کی شدت، رات کی سردی، اُٹھتے ہوئے بگولے، اُڑتی ہوئی خاک، پھیلی ہوئی دلدلیں، خوفناک راستے اب اتنے غیر دلکش نہیں رہے تھے۔ اور مجھے اب یہ جلدی نہیں رہی تھی کہ میں صحرائے اعظم سے باہر نکل جاؤں۔ حیات کے لئے چند ہی کردار تو ضروری ہوتے ہیں جن میں عورت سرفہرست ہے۔ انسان کسی اعلیٰ درجے کے شہری مقام پر زندگی بسر کرے یا کسی ویرانے میں۔ زندگی کی ضروریات تو یکساں ہی ہوتی ہیں۔ اور اُسے جہاں بھی یہ ضروریات میسر آ جائیں، وہیں اُس کا مسکن بن جاتا ہے۔

ہم سفر کر رہے تھے۔ لیکن دنیا کی باقی ضروریات سے بے نیاز ہو کر۔ ریڈ بون بھی شاید اپنا مقصد بھول گئی تھی۔ بس! وہ میری ذات میں گم تھی۔ اور میں اُس میں پوشیدہ تھا۔ نقشوں کے مطابق ہماری سمتیں وہی تھیں۔ لیکن اب ہمیں اپنی منزل تک پہنچنے کی جلدی نہیں تھی۔ میں بھی یہ فیصلہ ترک کر چکا تھا کہ اب فوری طور پر مہذب دنیا تلاش کی جائے۔

ریڈ بون کی خواہش ہی اب میری خواہش تھی۔ جنگلوں کا سلسلہ عبور کرلیا گیا۔ ا
کے بعد ہم اُس وسیع وعریض میدان میں سفر کرنے لگے جس کے انتہائی سروں پر
پہاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ راستے میں چونکہ کوئی رکاوٹ نہیں تھی اس لئے میدان ک
سرے سے دوسرے تک دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن دوسرا سرا آسمان میں پیوست معلوم ہو
کیونکہ اُس کا فاصلہ اتنا ہی تھا۔ تاہم ناہموار میدان میں جیپ دوڑائی جاتی رہی۔ ا
آہستگی آگے بڑھنے لگے۔ بس! زندگی کی تمام دلکشی اور دلچسپیاں ہمیں حاصل تھیں۔
ایسے لمحات میں طویل سے طویل فاصلے مختصر ہو جاتے ہیں اور ہمیں اندازہ بھی نہ ہو
اُن پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ گئے۔

ریڈ بون نے نقشہ نکال کر میرے سامنے کر دیا اور اس پہاڑی سلسلے پر اُنگلی رکھ
ہمارے سامنے موجود تھا۔ نقشے میں یہ پہاڑیاں پیچ در پیچ دکھائی گئی تھیں۔ اُن کی
چوٹیاں عقب میں بکھری ہوئی تھیں۔ غالباً یہ پہاڑی سے اُوپر جانے کے بعد ہی معلو
تھا کہ ان دُور سے نظر آنے والی چوٹیوں کا مقصد کیا ہے؟ لیکن ایک بات کا اندازہ
بھی بخوبی لگا لیا۔ وہ یہ کہ جیپ کے ذریعے ان پہاڑیوں کو عبور کرنا ناممکن تھا۔ ہاں!
گھوڑے ہوتے تو ہمیں بڑی آسانی ہو جاتی۔ لیکن گھوڑا صرف ایک تھا۔ اور اُس کا
ریڈ بون نے تلاش کر لیا۔ جیپ سے تو یہاں آنے کے بعد چھٹکارہ حاصل ہو چکا تھا۔
بھی اب پٹرول زیادہ وقت ہمارا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔

میں نے کسی خیال کے تحت پہاڑیوں میں ایسا کٹاؤ دریافت کر لیا جس میں ایک
چھجے کی طرح جھکی ہوئی تھی اور جیپ کو اُس کٹاؤ میں داخل کر دیا۔ تاکہ اگر واپسی میں
ضرورت پیش آ جائے تو یہاں سے اسے حاصل کیا جا سکے۔ اگنیشن کی چابی بھی
ایک پتھر کی آڑ میں چھپا دی تھی۔ ریڈ بون نے جیپ کا وہ تمام سامان جو اہم ضرو
حامل تھا، کچھ اپنے تھیلے میں پیک کیا۔ باقی ایک اور تھیلے میں بھر لیا۔ زیادہ تر یہ کھا
کی چیزیں تھیں۔ فی الحال اُس نے یہ دونوں تھیلے گھوڑے پر بار کئے تھے اور ایسا
لے لیا تھا جو اضافی حیثیت رکھتا تھا۔ جس کی ضرورت کہیں بھی پیش آ سکتی تھی۔ پھر
گھوڑے کی لگام پکڑ کر پہاڑیوں کی جانب سفر شروع کر دیا اور رات ڈھلے کافی بلند
گئے۔ لیکن ابھی تمام بلندیاں طے نہیں کی گئی تھیں۔ رات کو یہ سفر ملتوی کرنا پڑا۔

آسمان کے نیچے ایک ایسی جگہ منتخب کر لی گئی جہاں ہم قیام کر سکتے تھے۔ گھوڑے کو بھی ایک
جگہ محفوظ کر لیا گیا اور باقی رات دُھندلی چاندنی میں اُنہی روایات کے ساتھ گزاری جو ریڈ
بون سے بے تکلفی ہونے کے بعد ہماری عادت بن چکی تھیں.....

دوسری صبح ضروریات زندگی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد دوبارہ سفر شروع کر دیا
گیا۔ کچھ علاقے ایسے بھی ملے جہاں گھوڑے تک کے لئے چلنا مشکل تھا۔ لیکن بہرطور! کسی
نہ کسی طرح انہیں عبور کر لیا گیا۔ اور اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ ریڈ بون کی مہارت قابل
ذکر تھی۔ میں اگر تنہا ہوتا تو شاید بعض مقامات پر ہمت ہار بیٹھتا۔ لیکن ریڈ بون اب پوری
طرح پرفیکٹ ہو گئی تھی۔ اور اُس کے انداز میں کہیں بھی جھجک نظر نہیں آتی تھی۔ مشکل سے
مشکل مرحلے کو وہ مسکراتے ہوئے طے کر لیتی تھی۔ اور اس کی معیت میں درحقیقت مجھے بھی
کچھ نئے تجربات سے روشناس ہونا پڑا تھا۔ میں تو اپنی پچھلی شخصیت کو بالکل بھول گیا تھا۔
اب دوبارہ ریڈ بون کے ساتھ زندگی کی جانب آ رہا تھا..... یہاں تک کہ اُس شام جب
سورج غروب ہونے لگا تو ہم یہ پہاڑی سلسلہ عبور کر چکے تھے۔ اور اُوپر پہنچنے کے بعد ہمیں
اندازہ ہوا کہ نقشے میں دکھائی دینے والی چوٹیاں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ پہاڑی سلسلہ
بہت چوڑائی پر مشتمل تھا۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے خلا نظر آ جاتے تھے۔ ورنہ یہ سلسلہ بھی
ایک طویل میدان کی طرح پہاڑوں کے اُوپر چلا گیا تھا۔ البتہ یہاں جگہ جگہ چوٹیاں اور
چٹانیں اُبھری ہوئی تھیں۔ یہ عجیب وغریب منظر ہمارے لئے بے حد دلکشی کا حامل تھا۔
پہاڑی سلسلے تو بہت دیکھے تھے۔ مگر اس طرح کا سلسلہ پہلی بار نگاہوں کے سامنے آیا تھا۔ ہم
چاندنی میں سفر کرتے رہے۔ اور جب چاند ڈوبنے لگا تو تھک کر چور ہو گئے۔ اور اُس کے
بعد ریڈ بون میرے بازو میں سر چھپا کر سو گئی۔

دوسرے دن صبح دس بجے تک ہم سوتے رہے۔ اور اُس کے بعد پہاڑیوں کے اختتام
کی جانب سفر کا آغاز کر دیا۔ کیا وسیع وعریض جگہ تھی۔ ویسے اس علاقے میں ہمیں سفر کرتے
ہوئے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ بلکہ پہاڑیوں کی بلندی پر زمین سے کافی اُوپر یہ سفر ہمارے
لئے انتہائی دلچسپ تھا۔ ریڈ بون میرے ساتھ مطمئن اور مسرور تھی۔ بہرطور! اُس شام ہم
نے پہاڑیوں کی چوٹیوں کے انتہائی حصے کا سفر مکمل کر لیا۔ اور اب دوسری جانب پھر ڈھلان
تھی۔ جس سے اُترنے کے بعد نقشے کے مطابق ہمیں آگے کا سفر کرنا تھا۔ بونیٹو کے بارے

میں جو کچھ مسٹر تھیوڈور نے مجھے بتایا تھا، میں اُس کی تلاش میں بھی نگاہیں دوڑا رہا تھا۔
پہاڑی سلسلے کے بارے میں بھی مسٹر تھیوڈور نے مجھے بتا دیا تھا۔ لیکن اُس نے تفصیل
اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ میں اگر تنہا ہوتا تو شاید بھٹک جاتا۔ اور سوچتا کہ مسٹر تھیوڈور نے
سب کچھ اس انداز سے تو نہیں بتایا۔ لیکن ریڈ بون میری رہنمائی کر رہی تھی۔

رات ہم نے پہاڑیوں کے اختتامی حصے میں گزاری۔ اور پھر رات کی رنگینیاں ٹھنڈی
اور خنک ہواؤں کے ساتھ ہمارے حواس پر مسلط ہو گئیں۔ اور ہم اُس وقت چونکے جب
ہمیں اپنے اطراف میں کچھ سرسراہٹیں سنائی دیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمارے آس
پاس کوئی موجود تھا۔ ابتداء میں تو ہم اُسے ہواؤں کا کرشمہ سمجھے۔ لیکن جب ہواؤں کے
دوش پر انسانی آوازیں ہمارے کانوں تک پہنچیں تو ہمیں سنبھلنا پڑا۔ ریڈ بون نے تڑپ کر
سب مشین گن اُٹھا لی اور مستعد ہو گئی۔ اُس کی آنکھیں چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی
تھیں اور کان ہوا کی سرسراہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ چند لمحات کے لئے مکمل خاموشی چھا
گئی۔ پھر ایک قہقہہ سا اُبھرا اور اُس کے ساتھ ہی ریڈ بون کی سب مشین گن قہقہے برسانے
لگی۔ گولیاں چٹانوں سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگیں۔ اور پہاڑیوں کا سناٹا زخمی ہو
گیا۔ ریڈ بون نے چند لمحات گولیاں برسائیں۔ اور اس کے بعد پھر جائزہ لینے لگی۔ اس کی
آوازیں دائیں سمت سے آئی تھیں۔ یوں محسوس ہوا تھا جیسے پتھر پر کوئی چیز گھسیٹی گئی ہو۔ ریڈ
بون نے پھر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ میرے خیال میں یہ سب کچھ مناسب نہیں تھا۔

دفعتہً ہی ریڈ بون نے اپنی جگہ تبدیل کی اور قلابازی سی کھا کر ایک چٹان پر سیدھی لیٹ
گئی۔ اُس نے ایک لمحے تک آہٹوں کا جائزہ لیا اور اُس کے بعد ایک بار پھر اُس کی مشین
گن گولیاں اُگلنے لگی۔ لیکن جواب میں کوئی چیخ سنائی نہیں دی تھی۔ میں متوحش نگاہوں سے
چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ آوازیں اور سرسراہٹیں، میں نے بخوبی سن لی تھیں۔ اور
آوازیں بے معنی نہیں ہو سکتی تھیں۔ لیکن ریڈ بون کی ان کوششوں کا نتیجہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔
وہ ہر آہٹ پر گولیاں برسانے لگتی تھی اور میرے خیال میں یہ مناسب نہیں تھا۔ پھر ایک
کے لئے خاموشی چھا گئی اور سناٹا ذہن کو مجروح کرنے لگا..... ریڈ بون اب بھی چاروں
طرف دیکھ رہی تھی۔ لیکن اُس کے بعد جیسے قیامت آ گئی ہو۔ دفعتہً ہی پہاڑیوں میں گولیوں
کا زبردست شور اُبھرا تھا اور اُن گولیوں نے ہمیں حصار میں لے لیا تھا۔ ہمارے چاروں

طرف ایک دائرے کی شکل میں گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ حالانکہ ہم ایسی جگہ تھے کہ اگر
گولیاں برسانے والے چاہتے تو ہمیں باآسانی نشانہ بنا سکتے تھے۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے
ہمیں صرف دھمکیاں دی جا رہی ہوں۔ وہ لوگ ہمارے گرد گولیوں کا حصار قائم کر رہے
تھے۔ پتھروں کی کرچیاں اُڑ اُڑ کر ہمارے جسموں میں لگ رہی تھیں۔ ریڈ بون ایک دم سے
اچھلتی ہوئی نیچے آ کر میرے بالکل قریب پہنچ گئی۔ اُس کی پھرتی اور مستعدی اُس وقت بھی
قابل دید تھی۔ سب مشین گن ہاتھ میں لئے وہ کسی خونخوار بلی کی مانند، چاروں طرف نگاہیں
جمائے ہوئے تھی۔ لیکن لوگوں کا یہ حصار کسی طرح نہ ٹوٹ رہا تھا۔

پھر ایک غرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ ''کتے کے بچو! اپنے ہتھیار پھینک دو۔ ورنہ
تمہارے خون کے چھینٹے ان پہاڑی پتھروں سے چپک جائیں گے۔''
زبان انگریزی تھی۔ لیکن لہجہ کسی اور ملک کے باشندوں کا معلوم ہوتا تھا۔ ریڈ بون نے
اُس سمت گولیاں برسائیں جدھر سے یہ آواز آئی تھی۔ لیکن نتیجہ صفر ہی رہا۔ البتہ میں یہ سوچ
رہا تھا کہ جو کچھ وہ لوگ کہہ رہے ہیں، کر کے دکھا سکتے ہیں۔ اُن کی تعداد کافی معلوم ہوتی
تھی۔ پھر دفعتہً ہی سب مشین گن کا ایمونیشن ختم ہو گیا۔ اب اس کے لئے ضروری تھا کہ
اسے دوبارہ لوڈ کیا جائے۔ ریڈ بون نے تھیلے کی طرف چھلانگ لگائی تو میں نے اُسے روک
دیا۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی تھی۔

ایک بار پھر گولیاں ہمارے قریب برسنے لگیں۔ میں نے محسوس کیا کہ اُن کا دائرہ تنگ
کر دیا گیا ہے۔ غالباً وہ لوگ ہر قیمت پر ہمیں زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ میں نے یہ محسوس
کر لیا تھا کہ اگر ریڈ بون سب مشین گن لوڈ کر کے گولیاں برسانا شروع بھی کر دے تو بیکار
ہے۔ وہ لوگ ایسی پوزیشن میں تھے کہ ہم اُنہیں اپنی سب مشین گن کا نشانہ نہیں بنا سکتے
تھے۔ جبکہ وہ ہم پر مکمل طور پر نگاہ رکھتے تھے۔ میں نے آہستہ سے ریڈ بون سے کہا۔
''میرا خیال ہے گولیاں برسانا بیکار ہے۔ اگر وہ اپنے ارادے پر تل گئے تو ہم زندہ نہیں
بچیں گے ریڈ بون!''

ریڈ بون کے بارے میں مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بولتی نہیں ہے لیکن سمجھتی سب کچھ
ہے۔ اُس نے ایک لمحہ میری طرف دیکھا اور پھر سب مشین گن ایک طرف پھینک دی۔ گویا
اُس نے میرے جملوں کی حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ یا میری وجہ سے ایسا کیا گیا تھا۔ ورنہ میں

نے دیکھا تھا کہ ریڈ بون کسی بھی حالت میں شکست تسلیم کرنے والوں میں سے نہیں
ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں گزرا۔ جس طرح وہ دلدل کو عبور کر کے نکل گئی تھی
طرح اس وقت بھی اگر چاہتی تو اپنے لئے کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیتی۔ لیکن...... لیکن
شاید میری محبت تھی جس کی وجہ سے اُس نے اکیلے یہاں سے فرار مناسب نہیں سمجھا تھا
سب مشین گن پھینک دی گئی۔ چند لمحات کے لئے مکمل خاموشی چھا گئی۔ پھر ہم
چٹان کی ایک چوٹی کے عقب سے ایک انسانی جسم کو برآمد ہوتے دیکھا۔ اُس کے ہاتھ
ایک خاص قسم کی رائفل دبی ہوئی تھی۔ اُس جیسے انسان ہمیں چاروں طرف نظر آئے۔
سب کے سب پہاڑوں کی چوٹیوں کے عقب سے اُبھر رہے تھے۔ اور اُن کی تعداد
وقت بھی سولہ سترہ سے کم نہیں تھی۔ سب کے سب مسلح تھے۔ تاروں کی چھاؤں میں ہم
کے ہیولوں کو تو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر ریڈ بون سے کہا۔
''ریڈ بون! اس وقت کسی قسم کی مداخلت مناسب نہیں ہے۔ وہ لوگ اگر ہمیں ہلاک
چاہتے تو یہ کام اُن کے لئے مشکل نہ ہوتا۔ وہ ہماری گرفتاری چاہتے ہیں۔ اور میرے
میں ان سے مقابلہ بے مقصد ہوگا۔ ہم کسی دوسرے مرحلے پر ان سے نمٹنے کا فیصلہ
گے۔''

ریڈ بون خاموش رہی۔ ہم آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے اور قریب پہنچے تو ہم نے
کے حلیوں کو حیرت سے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے ذہن میں یہ گمان گزرا تھا کہ ہو سکتا
یہ جل برادرز کے آدمی ہوں۔ لیکن اب اُن کے حلیوں کو دیکھ کر اس اندازے کی تردید
تھی۔ اُن کے لباس چیتھڑوں کی شکل میں اُن کے جسموں پر جھول رہے تھے۔ چہرے
نہیں تھے۔ لیکن یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ کم از کم افریقہ کے وحشی لوگ نہیں ہیں۔ اُن
جسموں پر جو لباس تھے وہ جدید ساخت ہی کے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب وہ
ہو رہے تھے۔ لیکن اُن کے بدن قوی ہیکل تھے اور اُن کے آگے بڑھنے کا انداز
جارحانہ تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد اُنہوں نے ہمارے گرد ایک دائرہ بنا لیا اور پھر چند
بالکل خاموش کھڑے رہے۔ پھر دفعتہً ہی اُن کے حلق سے عجیب سی وحشیانہ آواز
اور وہ ہم پر ٹوٹ پڑے۔ اُنہوں نے ہمارے ہاتھ پشت پر کس دیئے اور اس
ہمارے لباس کی تلاشی لینے لگے۔ جو کچھ بھی اُنہیں ہمارے پاس سے دستیاب ہو سکا

نے اُسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ میں نے اور ریڈ بون نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔
اس کا فیصلہ ہم لوگ کر چکے تھے۔ بہرطور! اس کے بعد انہوں نے ہمیں ڈھلانوں کی سمت
دھکیلنا شروع کر دیا۔ رات کی تاریکی میں ان ڈھلانوں کو عبور کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ لیکن
اُنہوں نے ہمارے بازو پکڑ لئے تھے اور ہمیں گھسیٹتے ہوئے نیچے لے جا رہے تھے۔ شاید وہ
اس اُترائی سے خوب واقف تھے۔ بہرطور! یہ کام آسان بھی نہیں تھا اور اس میں کافی وقت
صرف ہوا۔ چونکہ ہم دونوں نے پوری طرح اُن سے تعاون کیا تھا اس لئے ہمارے ساتھ
کوئی سختی نہیں ہوئی تھی۔

بالآخر ہم نیچے پہاڑ کے دامن میں دوسری جانب پہنچ گئے۔ پھر وہ لوگ ہمیں آگے دھکیلنے
لگے۔ ہم دونوں آگے بڑھتے رہے۔ یہ سفر بھی کافی طویل تھا۔ اس کے بعد تاروں کی
چھاؤں میں، ہمیں کچھ عجیب سے ہیولے نظر آئے۔ یوں لگتا تھا جیسے زمین پر بہت سے
کوہان اُبھر آئے ہوں۔ ہمارا رُخ اُنہی ہیولوں کی جانب تھا۔ وہاں پہنچے تو عجیب وغریب
قسم کی بوسیدہ چھولداریاں دیکھیں جن کا پورا شہر سا آباد تھا۔ اُن کا احاطہ بے حد وسیع تھا۔
ہمیں ایک جگہ ایک درخت کے تنے سے باندھ کر بٹھا دیا گیا۔ عجیب قسم کے رسے جو غالباً
کسی قسم کی چھال سے بنائے گئے تھے، ہمارے جسموں کے گرد لپیٹ دیئے گئے تھے اور
اتنے کس کر لپیٹے گئے تھے کہ ہم جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دو آدمی ہم پر تعینات ہو گئے اور
باقی چھولداریوں کے اندر چلے گئے۔ اس کے بعد کسی نے ہم سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔
میں نے ریڈ بون کی طرف دیکھا۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کسی گہری سوچ میں
تھی۔ تب میں نے آہستہ سے کہا۔
''اس صورت حال سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ریڈ بون! پتہ نہیں یہ کمبخت
کون لوگ ہیں۔ تعلق مہذب دنیا سے ہی ہے۔ لیکن یہاں صحرائے اعظم میں آ کر وحشی بن
گئے ہیں۔''

ریڈ بون نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ پھر آہستہ سے مسکرا دی۔ اُس
نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ وہ ان واقعات سے خوفزدہ نہیں ہے۔ میرے ہونٹوں پر
بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ وہی ریڈ بون تھی جو جل برادرز کے بہترین لڑاکوں کو طویل
عرصے سے جُل دے رہی تھی۔ لیکن اب پھنس گئی تھی۔ اور اُس کے پھنس جانے کی وجہ میں

تھا۔ نجانے یہ سب کچھ اس انداز میں کیوں ہوتا ہے؟

رات آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ اور پھر صبح کی روشنی پھیلنے لگی۔ چھولداریوں کے [cut off]
زندگی شروع ہو گئی تھی۔ بہت سی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ اُن میں نسوانی آوازیں بھی [cut off]
اور کچھ عجیب سی چیخیں اور کراہیں بھی۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ سکا۔ دن کی روشنی میں [cut off]
نے اُن وحشیوں کو دیکھا۔ اُن کے لباس درحقیقت مہم جوؤں کے سے تھے۔ لیکن [cut off]
بوسیدہ کہ ہونا نہ ہونا برابر ہی تھا۔ ایک شخص کے شانوں پر میں نے ایک کمبل پڑا ہوا دیکھا۔
بالکل نیا اور شاندار کمبل تھا۔ وہ اُسے اپنے گرد لپیٹے ہوئے تھا۔ دوسرے کچھ لوگ بھی کپڑ[cut off]
کے کچھ ٹکڑے لئے ہوئے نظر آئے۔ بس! عجیب وغریب سی کیفیت تھی اُن کی۔ تقریباً [cut off]
ہی کے چہروں پر مونچھیں اور داڑھیاں تھیں جو بے ترتیبی سے پھیلی ہوئی تھیں۔ بال [cut off]
ضرورت سے زیادہ بڑے تھے۔ غالباً وہ صحرائے اعظم میں طویل عرصے سے زندگی گز[cut off]
رہے تھے اور اُن چیزوں کی آراستگی سے محروم ہو چکے تھے۔ غالباً اُن کے پاس اس [cut off]
بندوبست ہی نہ ہو گا۔ خدوخال سے کوئی صحیح اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ کون سے علاقے [cut off]
باشندے ہیں۔ ایک عجیب سی زبان بول رہے تھے جو میری سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن [cut off]
اندازہ مجھے ضرور ہو گیا تھا کہ یہ افریقی زبان نہیں ہے۔ پھر سورج نکل آیا۔ دو آدمیوں [cut off]
ہمیں درخت سے کھولا اور پھر دھکے دیتے ہوئے بوسیدہ چھولداریوں کے درمیانی حصے میں
لے گئے۔ اور یہاں کا منظر دیکھ کر ہماری آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں..... احاطے
کے ایک گوشے میں بہت سے لوگ قطار بنائے بیٹھے تھے اور اُنہیں دیکھ کر مجھے چکر آ گئے
تھے۔ کیونکہ یہ جل برادرز اور اُن کے گروہ کے افراد تھے..... سب کی حالت خراب تھی۔
میں چند لمحات کے لئے بالکل ساکت رہ گیا۔ ہمیں بھی دھکا دے کر وہیں بٹھا دیا گیا۔
اُس کے بعد ہمارے درمیان خوراک تقسیم کی جانے لگی۔ عجیب وغریب خوراک تھی۔ کچھ
درخت کے پھل اور ایک عجیب سا سیال جو گرم تھا۔ ظاہر ہے یہ کھانے پینے کی چیزیں نہیں
تھیں۔ سیال چکھ کر دیکھا تو بالکل پھیکا تھا۔ البتہ پھل ذرا اچھے ذائقے کے تھے۔ میں
ریڈ بون کو اشارہ کیا اور کہا کہ پھل کھا لئے جائیں۔ ہمیں نجانے کن حالات سے گزرنا
پڑے۔ اس لئے بدن کی توانائی بحال رکھنا ضروری ہے۔ لیکن اس صورت حال نے مجھے
کافی بدحواس کر دیا تھا۔ میں گونگی لڑکی کے تاثرات کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا کہ

ہیں۔ البتہ میں نے اُس کے چہرے پر عجیب سی کیفیت دیکھی تھی۔ ظاہر ہے جل برادرز کے
گروہ کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ ویسے شاید ابھی تک اُن لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔
اُن کا ہم سے فاصلہ بھی کافی تھا۔ اور جس جگہ ہمیں بٹھایا گیا تھا، وہاں لکڑیوں کا ایک ڈھیر
بھی پڑا ہوا تھا۔ ہم نے تو اُن پر نگاہ ڈال لی تھی۔ لیکن وہ ہمیں نہیں دیکھ سکے تھے۔ چند
لمحات اسی طرح گزر گئے۔ ریڈ بون اب میرے ہر حکم کی تعمیل کرتی تھی۔ چنانچہ اُس نے
سارے پھل کھا لئے۔ البتہ سیال ہم دونوں میں سے کسی نے نہیں پیا تھا۔ غالباً یہ چائے کی
جگہ استعمال کیا جاتا تھا۔ ایک بہت بڑا سا لکڑی کا برتن تھا۔ جس سے نکال نکال کر یہ سیال
دیا جا رہا تھا۔ ریڈ بون چند لمحات اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر تھوڑا سا اُٹھ کر جل برادرز کے
گرفتار شدگان کی طرف نگاہیں دوڑائیں اور میں بھی اُس کا ساتھ دینے لگا۔ پھر وہ بیٹھ گئی۔
میں نے آہستہ سے کہا۔

''اُن لوگوں کی گرفتاری باعث حیرت ہے۔ ویسے اُن کا ساز و سامان بھی غالباً اِنہی
لوگوں کے قبضے میں آ چکا ہے۔''

ریڈ بون ایک بار پھر کھڑی ہو کر اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگی۔ ہمارا اندازہ غلط نہیں
تھا۔ چھولداریوں کے مغربی حصے میں جل برادرز کی جیپیں اور ٹرک کھڑے نظر آ رہے تھے۔
سب پر اُن وحشیوں کا قبضہ تھا۔ اور غالباً یہ سارے ٹرک وغیرہ خالی کر دیئے گئے تھے۔
بہرطور! بڑی اُلجھی ہوئی صورت حال تھی۔ میں نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اب اس صورت حال سے
ہمیں چھٹکارہ کیسے حاصل ہو گا؟ ویسے یہ اندازہ میں نے لگا لیا تھا کہ ان وحشیوں کی تعداد
بہت زیادہ ہے۔ سارے کے سارے جنگلی سانڈ کی مانند تھے اور اُن کی ہیئت دیکھ کر ہی دل
پر وحشت طاری ہوتی تھی۔ انتہائی تندرست و توانا اور طاقت ور جسموں کے مالک تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم نے ایک شخص کو اپنے سامنے سے گزرتے دیکھا۔ وہ ایک انتہائی
خوب صورت کپڑے کا ریشمی سوٹ پہنے ہوئے تھا اور اُوپری بدن پر پھٹا لباس تھا۔ سر اور
داڑھی کے بال اُسی انداز میں بکھرے ہوئے تھے جیسے دوسرے لوگوں کے نظر آتے تھے۔
چہرہ بے حد چوڑا چکلا اور خونخوار تھا۔ دوسرے لوگ اُس کے سامنے مودب نظر آ رہے تھے۔
وہ ہم سے چند گز کے فاصلے پر رُکا۔ ہمیں دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی
شیطانی چمک تھی۔ اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ غالباً ہمیں اُس نے کسی قابل نہیں سمجھا

تھا۔ میرے لئے یہ ریشمی سکرٹ حیرت انگیز تھا۔ لیکن چند لمحات کے بعد مجھے اندازہ ہوا
کہ یہ جل برادرز کے لوٹے ہوئے سامان میں سے نکالا گیا ہے۔ اور اُس شخص نے
سکرٹ کو اپنے استعمال میں لے لیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ لوگ افریقہ کے آدم خور وحشیوں
سے زیادہ وحشت خیز ہیں۔ اب پتہ نہیں ہمارا کیا حشر ہوگا..... ویسے میں جل برادرز
بارے میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں یہاں سے اُٹھ کر اُن کے قریب جانے کی کوشش کروں
کیا یہ اُن لوگوں کے لئے قابل قبول ہوگا یا مجھے اس کی سزا دی جائے گی؟ میری اپنی
ہمت نہیں تھی کہ کسی قسم کا خطرہ مول لیتا۔ پہلے جائزہ لے لیا جائے کہ ہمارے سلسلے میں
لوگوں کا رویہ کیا رہتا ہے؟ اگر کچھ نرمی ہوئی تو بعد میں دیکھا جائے گا۔ وقت گزرتا رہا
دوپہر کو پھر ہمیں کھانا پیش کیا گیا۔ اور یہ کھانا اُبلے ہوئے جوار کے دانے اور اُنہی پھلوں
مشتمل تھا۔ غالباً آس پاس کسی جگہ ان پھلوں کی کافی مقدار موجود ہوگی۔ چنانچہ یہی کھانا
میں استعمال کئے جارہے تھے۔ اُبلے ہوئے جوار کے دانے تو بالکل ہی نہ چکھے گئے۔ لیکن
اس وقت بھی ہم نے پھل کھا کر گزارہ کر لیا تھا۔ ریڈ بون اب بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی
لیکن اس سنجیدگی میں تشویش کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ بلاشبہ وہ انتہائی مضبوط اعصاب کی مالک
تھی۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی مضبوط لڑکیاں بہت کم دیکھی تھیں۔ ویسے میرے دل میں
بھی اُس کے لئے کافی اُنسیت پیدا ہوگئی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ میں یہ جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ جل برادرز کے گرفتار ساتھیوں
کو یہاں کس حد تک مراعات حاصل ہیں اور یہ وحشی لوگ اُن کے ساتھ کیا سلوک کر رہے
ہیں؟ مگر کوئی ایسی صورتِ حال نظر نہیں آئی جو خوف زدہ کرنے والی ہوتی۔ بس! وہ قیدی
تھے اور چل پھر رہے تھے۔ مسلح افراد اُن کی نگرانی ضرور کر رہے تھے لیکن اُن کی کسی بات
میں دخل انداز نہیں تھے۔ میں اُن کا جائزہ لیتا رہا۔

شام کو تقریباً چھ بجے تھے۔ فضا میں تاریکیاں اُتر رہی تھیں جب میں ہمت کر کے اپنی
جگہ سے اُٹھا۔ میں نے ریڈ بون سے کہا۔ ''تم اطمینان سے یہاں بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر
بعد واپس آجاؤں گا۔ خوف زدہ تو نہیں ہو؟''

اُس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی اور میں آہستہ قدموں سے چلتا
ہوا آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اُن کے درمیان تھا۔ اُن میں سے کچھ نے مجھے

پہچانا اور اُن کے منہ سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل گئیں۔ ایک جانب سے میں نے جل
برادرز میں سے ایک کی آواز سنی۔

''اوہ مائی گاڈ..... تم بھی گرفتار ہو گئے؟''

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں بھائیوں میں سے ایک وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ مگر بہت بری
حالت میں تھا۔ اُس کے بدن پر قمیص اور پتلون تھی۔ حالانکہ لباس کے معاملے میں، میں اُن
لوگوں کو جنون کی حد تک نفاست پسند دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس وقت اُن کی حالت بہت خراب
تھی۔ بہت سی نگاہیں میری جانب اُٹھ گئیں۔ کافی فاصلے پر میں نے مسٹر تھیوڈور اور سولیتا کو
بھی دیکھا۔ برفانی بوڑھا دُور ہی سے اپنی ہیئت کی وجہ سے پہچانا جا سکتا تھا۔ غالباً میرے
بارے میں دُور دُور تک اطلاع پہنچ گئی۔ میں جل برادرز کے پاس ہی بیٹھ گیا اور اسی وقت
تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اُس کا دوسرا بھائی بھی میرے نزدیک پہنچ گیا۔

''اوہ..... منصور! تم..... تم ان لوگوں کے درمیان کیسے آن پھنسے؟ کب آ پھنسے؟ اچانک
ہی نظر آئے ہو تم۔''

''ہاں..... میں بھی اسی مصیبت کا شکار ہو گیا جناب۔ میں ان ہی پہاڑیوں میں قیام
پذیر تھا کہ رات کو وہ ہم پر حملہ آور ہوئے۔''

''اوہ مائی گاڈ! کیا تم نے مشین گن سے مقابلہ کیا تھا؟''

''ہاں.....''

''رات کو مشین گن کی آواز سنی گئی تھی۔ جبکہ اُن میں سے کسی کے پاس مشین گن نہیں
ہے۔''

''یہ مشین گن ریڈ بون کے پاس تھی۔''

''ریڈ بون..... تت..... تو کیا ریڈ بون بھی.....؟''

''ہاں! وہ بھی ان کے قبضے میں ہے۔''

''کہاں ہے؟ کس جگہ ہے؟''

''لکڑیوں کے ڈھیر کے اُس جانب۔''

''اوہ..... یہ تو بہت برا ہوا۔ کیا ریڈ بون خود کو قابو میں رکھے گی؟ وہ آتشی عورت ہے۔
کہیں وہ ہم سب کے لئے بھی موت کا باعث نہ بن جائے۔''

''نہیں..... میں اُسے کنٹرول میں رکھوں گا۔''

''تم.....؟'' جِل برادرز میں سے ایک نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں!''

''مگرتم غائب کہاں ہو گئے تھے؟ تم نے ایک بار بھی ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ تم نے شاید بدعہدی کی ہے۔''

''اب یہ آپ لوگوں کی سمجھ ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ کیا آپ اس خوفناک آتش فشانی سے بچے جس کا شکار میں ہو گیا تھا؟''

''ہم لوگ خوش قسمتی سے اُس علاقے میں تھے جہاں زلزلے اور آتش فشانی کے اثرات نہیں ہوئے۔ مگرتم؟''

''ہاں! میں عین اُسی جگہ تھا جہاں آتش فشاں نے تباہ کاریاں پھیلائی تھیں۔ مگر ہماری زندگی بچ گئی۔ یہی تعجب کی بات ہے۔ ٹرانسمیٹر وغیرہ سب اُسی زلزلے کی نذر ہو گیا تھا۔ اس کے بعد میں آپ لوگوں سے کس طرح رابطہ قائم کرتا؟''

''اوہ.....سوری ڈیئر! ہم نے اس انداز میں بھی سوچا تھا۔ لیکن تم جانتے ہو انسانی ذہن شیطانی خیالات کی آماجگاہ ہوتے ہیں۔ بہرحال! دیکھ لو۔ ہم بھی اس عذاب کا شکار ہو گئے۔''

''میں اس عذاب کی نوعیت جاننا چاہتا ہوں۔''

''یہ..... یہ.....'' جِل برادرز میں سے ایک نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اُن کی حالت بہت خستہ نظر آ رہی تھی۔ اُس کے بعد دیر تک خاموشی طاری رہی تھی۔ پھر دوسرے بھائی نے کہا۔

''یہ پرتگالی باشندے ہیں۔ کمبخت یہاں کیا کر رہے ہیں؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ ویسے غالباً یہ بحری قذاق ہیں۔ ان کی خونخوار کیفیت یہی بتاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کسی تباہ شدہ جہاز سے اُتر کر افریقہ کے ان علاقوں میں آ پھنسے ہوں۔ اُن کے لیڈر کا نام گولیرا ہے۔ گولیرا انتہائی وحشی آدمی ہے۔ غالباً تم نے سکرٹ میں ملبوس کسی شخص کو دیکھا ہو گا۔ وہی گولیرا ہے۔ اُن سب کا سردار۔''

''ہاں! میں اُسے دیکھ چکا ہوں۔'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''وہ مردُود بے حد شاطر اور خونخوار ہے۔ ذرا سی گڑبڑ خطرناک ہو سکتی ہے۔ ہم تم سے دوبارہ ملیں گے۔ اس وقت تک ریڈ بون کو قابو میں رکھنا۔ تفصیلی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

میں نے گردن ہلا دی۔ اور پھر خاموشی سے ریڈ بون کے پاس واپس آ گیا۔ وہ مجھ سے بے نیاز اُسی طرح لکڑیوں کے ڈھیر کے پاس خاموش اور لاتعلق سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اُس کے انداز میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ بے چارے بیکن کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا، وہ میرے لئے بھی دُکھ کا باعث تھا۔ سونیتا اب نجانے کس حال میں تھی؟ بہرحال! یہ تمام واقعات وقت کا نتیجہ تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ آئندہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھے۔ ریڈ بون سے تو اس سلسلے میں کوئی گفتگو بے مقصد ہی تھی۔ ظاہر ہے اس سلسلے میں وہ مجھے کیسے مطمئن کر سکتی تھی؟ وقت گزرتا رہا۔ بہت سے معاملات میرے ذہن میں اُلجھے ہوئے تھے۔

دوسرے دن صورتِ حال پرسکون نظر آئی۔ کھانا تقسیم ہوا اور ہماری وہی کیفیت رہی۔ ظاہر ہے کھانے میں تھا ہی کیا جو کھایا جاتا؟ وہی پھل زہر مار کر لئے۔ لیکن اس صورت حال سے کچھ اور اندازے بھی قائم ہوئے تھے۔ مثلاً یہ کہ گولیرا کے آدمی ان لوگوں کو کب تک قید رکھیں گے؟ کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا پڑے گا اُنہیں۔ ویسے گولیرا کا حدود اربعہ ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ اس واقعے کے بعد جو سنسنی پھیلی تھی، وہ آہستہ آہستہ زائل ہو رہی تھی۔ اور جِل برادرز کے آدمیوں میں نقل و حرکت پائی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص میرے قریب پہنچ گیا اور اُس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ تمہارے منتظر ہیں۔''

''آ رہا ہوں۔'' میں نے جواب دیا۔

شہزادے اپنے مخصوص گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے اور اُن کی کیفیت مزید ابتر ہو گئی تھی۔ اُن کے چہرے پتھروں کی طرح سنگین نظر آ رہے تھے۔

''کل تم سے گفتگو ادھوری رہ گئی تھی۔ مگر یہ بتاؤ! نقشہ تمہیں مل سکا یا نہیں؟''

''نقشہ اُس کے پاس ہے اور اُس کا حصول اب مشکل نہیں ہے۔ میں اس دوران جن مشکلات کا شکار رہا، اس کا اندازہ آپ کو ہو ہی چکا ہو گا۔''

''ہاں! کسی حد تک۔ یہ کمبخت گولیرا ایک عذاب کی حد تک مسلط ہو گیا۔ ورنہ ہم کامیابی سے اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھے۔''

''مگر یہ گولیرا ہے کیا بلا؟''

''خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ پرتگال کا باشندہ ہے اور نجانے کن ارادوں کے تحت ا
علاقوں میں نکل آیا ہے۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ لوگ کافی عرصے سے یہا
ڈیرے ڈالے ہوں۔ ہوسکتا ہے یہ قانون کے باغی ہوں اور پورے گروہ نے یہاں پ
لے رکھی ہو۔ ان کے پاس کھانے پینے کی اشیاء ختم ہو چکی ہیں۔ لیکن اسلحہ کافی مقدار م
موجود ہے۔ اور غالباً انہوں نے ہم پر حملہ کھانے پینے کی اشیاء کے حصول کے لئے ہی ک
ہے۔ اور کوئی ارادہ نہیں معلوم ہوتا۔''

''لیکن پھر ہمیں قید رکھنا کیا معنی رکھتا ہے؟''

''اسی کے لئے میں پریشان ہوں۔ لیکن فکر کی بات نہیں۔ تمام انتظامات تقریباً مکمل ہ
چکے ہیں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم بھی ہوشیار رہو۔ اور سنو! ریڈ بون کا کھیل ختم کرنے ک
لئے اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ میں تمہیں تمام صورت حال سمجھائے دی
ہوں''، جل برادرز میں سے ایک نے کہا۔ وہی مجھ سے مسلسل گفتگو کر رہا تھا۔ دوسرا شہزا
خاموش تھا۔ میں سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگا تو وہ آہستہ سے بولا۔

''ہم لوگ بظاہر قیدی ہیں۔ لیکن میرے چند ذہین آدمی مسلسل کام کر رہے ہیں۔ ہم
نے وہ جگہیں تلاش کر لی ہیں جہاں اُن لوگوں نے اسلحہ کا ذخیرہ چھپایا ہوا ہے۔ اور شاید آج
کی رات یا اگر آج ممکن نہ ہوسکا تو کل یقیناً اسلحے کے اُس ذخیرے پر قبضہ کر لیا جائے گا۔
اور اس کے بعد ہم ان پر موت برسا دیں گے۔ اُن کے پاس گھوڑے وغیرہ کافی تعدا
میں موجود ہیں۔ لیکن ہمیں ان سے فیصلہ کن جنگ کرنا ہوگی۔ بے شک اُن کی تعداد بہت
زیادہ ہے۔ لیکن ان میں سے ہر شخص کی ہلاکت بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں سے فرار
ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ فرار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اپنا تمام ساز و سامان یہیں چھو
دیا جائے۔ اور اس ساز و سامان کے بغیر ہم بالکل بے کار ہیں۔ چنانچہ ہمیں ان میں سے ہ
شخص کو قتل کرنا پڑے گا۔ اور اسی کی پلاننگ کی جا رہی ہے۔ مسٹر منصور! اسلحہ تمہیں بھی فراہم
کر دیا جائے گا۔ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ ہی ساتھ ریڈ بون کو بھی ہلاک کر دینا چاہئے۔
جونہی آپریشن شروع ہو، تم ریڈ بون کو گولی مار دینا۔ کم از کم یہ بات تو تمہیں معلوم ہوگی کہ
اُس نے نقشہ کہاں چھپا رکھا ہے؟ بس! وہ نقشہ حاصل کر لو۔ لیکن سنو! ریڈ بون کی ہلاکت

بہت ضروری ہے۔ اُسے زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ ورنہ ہم لوگوں کے لئے عذاب بن جائے
گی۔ تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ ہماری آخری کوشش یہی ہوگی کہ ہم ان میں سے ہر شخص کو
ہلاک کر دیں۔ اور اس کے لئے ہم نے اپنے مورچے بھی منتخب کر لئے ہیں۔ تمہیں ہر لمحے
مستعد رہنا ہوگا۔''

میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میری جانب سے آپ لوگ مطمئن رہیں۔ اور اس
کا وعدہ بھی میں کرتا ہوں کہ ریڈ بون کو میں اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دوں گا اور نقشہ اُس
سے حاصل کر لوں گا۔''

''ویری گڈ! ویسے ان بدمعاشوں نے ہمیں کافی دن پیچھے دھکیل دیا ہے۔ لیکن کیا، کیا جا
سکتا ہے؟ ہم کسی بھی ناگہانی کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔ یہ کچھ اس انداز سے ہم پر آ
پڑے کہ ہم ان سے مقابلہ بھی نہ کر سکے۔ پھر جب گولیرا نے ہمارے بارے میں معلومات
حاصل کیں تو ہم نے اپنے تمام کیمرے وغیرہ اُن کے سامنے کرتے ہوئے کہا کہ ہم تو
صرف فلم کی شوٹنگ کر رہے ہیں۔ اور افریقہ کے اندرونی مناظر فلماتے ہوئے اس طرف آ
نکلے ہیں۔ کیمرے وغیرہ دیکھنے کے بعد ہی اُنہوں نے ہماری جان بخشی کر دی تھی۔ گولیرا کا
حلیہ غیر مہذب انسانوں کا سا ضرور ہے۔ لیکن بیرونی دنیا کے بارے میں یہ لوگ سب
جانتے ہیں۔ چنانچہ اس ساز و سامان کی موجودگی ہمارے لئے عارضی زندگی کا باعث بن گئی
ہے۔ مگر جس طرح یہ لوگ وحشت خیزی کر رہے ہیں، تم نے اس کا بھی اندازہ لگا لیا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے مسٹر جل برادرز! میں اپنی ذمہ داریاں با آسانی پوری کروں گا۔''

''ہم نے تمہیں اسی لئے تکلیف دی تھی۔ اب تم چاہو تو دوبارہ ریڈ بون کے پاس جا
سکتے ہو۔'' میں نے گردن ہلائی اور ٹہلتا ہوا وہاں سے واپس چل پڑا۔

صورتِ حال میں ایسی کوئی نئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی تھی جو قابل ذکر ہوتی۔ میری زیرک
نگاہیں مسٹر تھیوڈور کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ابھی تک اُن سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔
ذاتی طور پر تو مجھے سچی بات یہ ہے کہ مسٹر تھیوڈور سے بھی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن بہرحال! ایک
شخص سے مفاہمت کر رہا تھا تو پھر دوسرے کو نظر انداز کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ چنانچہ میں
موقع کی تاک میں رہا۔ براہِ راست مسٹر تھیوڈور سے ملاقات کر کے میں جل برادرز کو اپنی
طرف سے مشکوک کرنا نہیں چاہتا تھا۔ شام کو مجھے مسٹر تھیوڈور سے ملاقات کرنے کا موقع مل

گیا۔ جھٹپٹا ہو گیا تھا۔ اور وحشیوں کے کیمپ میں عجیب وغریب قسم کی اُچھل کود ہو رہی تھی۔ وہ لوگ اپنے طور پر شغل کر رہے تھے۔ میں نے ریڈ بون سے اجازت لی اور پھر لاپروائی کے سے انداز میں تھیوڈور کی جانب بڑھ گیا۔ جس جگہ مسٹر تھیوڈور بیٹھے ہوئے تھے، ایسی اوٹ تھی کہ جل برادرز ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مسٹر تھیوڈور نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ میں اُن کے پاس بیٹھ گیا۔ سولیتا بھی چند فٹ کے فاصلے پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

''ہیلو مسٹر تھیوڈور! کیسے مزاج ہیں آپ کے؟''

''میں بے چینی سے اس بات کا منتظر تھا کہ تم میرے پاس آؤ۔ شاید میں رات کو تم تک پہنچتا۔ لیکن اُس واقعے کی وجہ سے وہ لوگ رات کو مستعد تھے۔ عجیب وحشی لوگ ہیں یہ۔ اندازہ کرنا ہی مشکل ہو رہا ہے کہ ان کا تعلق صحرائے اعظم کے کسی قبیلے سے ہے یا باہر کے ہیں۔ بہرطور! یہ بتاؤ! کیا رہا؟''

''اس بات کا علم آپ کو ہو چکا ہو گا کہ ریڈ بون میرے ساتھ ہے.....''

''کیا وہ تعاون کر رہی ہے؟'' مسٹر تھیوڈور میری بات کاٹ کر بولے۔

''ہاں! میں نے اُسے تعاون پر آمادہ کر لیا ہے۔''

''مگر اب صورت حال بالکل تبدیل ہو گئی ہے مسٹر منصور! اور میں تم سے اسی تبدیل شدہ صورت حال کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا۔''

''میرے خیال میں کسی تمہید کی بجائے اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہے تو فوراً کہہ ڈالیں۔''

''شاید تمہیں اس بات کا علم نہ ہو کہ جل برادرز کے بہت سے کارکن ایسے پوائنٹس پر پہنچ گئے ہیں جہاں اسلحہ اُن کی پہنچ سے دُور نہیں ہے۔ وہ آج رات یا کل کسی وقت اپنی کارروائی کا آغاز کر دیں گے۔ کاش! اس سلسلے میں رات کا وقت ہی منتخب کیا جائے۔ بہرحال! اُن کو ملنا شرط ہے۔ جل برادرز کا منصوبہ ہے کہ اسلحے پر مکمل قابو پانے کے بعد ان لوگوں کو ختم کر دیا جائے۔ کیونکہ انہیں ختم کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ہر فرد کام کرے۔ یہ زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔ ہم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کے بعد صحرائے اعظم میں جینے کے لئے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ چنانچہ اپنی بقا کی خاطر ان لوگوں کو ہلاک کر کے اپنا سامان لینا ضروری ہو گا۔ لیکن سنو ڈیئر منصور! اب جبکہ تم مل گئے ہو تو میرے اس منصوبے کو زیادہ تقویت پہنچ گئی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ پہلے میں نے سوچا کہ صرف سولیتا کو لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔ لیکن اب تم دونوں بھی میرے ساتھ ہو۔ تم نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں اُن کے گھوڑے بندھے ہیں؟''

''نہیں.....''

''تو میرے بیان کے مطابق اس جگہ کو ذہن نشین کر لو۔ وہ جو بائیں سمت کا حصہ نظر آ رہا ہے، چھولداریوں کے اُس طرف اصطبل ہے۔ جس وقت یہاں آپریشن ہو گا، تمہیں ریڈ بون کے ساتھ سیدھے اُس اصطبل کی طرف جانا ہے۔ ہو سکتا ہے تمہیں اسلحہ بھی دے دیا جائے۔ وہاں میں تمہارا انتظار کروں گا۔ یا اگر تم چھ بجے سے پہلے پہنچ جاؤ تو تم میرا انتظار کرنا۔ بظاہر ہم اُن لوگوں کو گھوڑوں تک پہنچنے سے روکنے کا کام سنبھالیں گے۔ تاکہ کوئی فرار نہ ہو سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہو گی کہ ہم چاروں یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔ بے شک! ہم کوئی اور سامان ساتھ نہیں لے سکتے۔ لیکن فی الحال اس سے بہتر اور کوئی خوش نصیبی نہیں ہو گی۔ پہلی بار جل برادرز، افراتفری کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور میں اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے آنکھیں بند کر کے مسٹر تھیوڈور کی بات پر گردن ہلا دی۔ ظاہر ہے میں خود بھی یہاں رہنا نہیں چاہتا تھا۔ بہرطور! مسٹر تھیوڈور اگر ساتھ لگ گئے تو پھر بعد کی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔ میں نے مسٹر تھیوڈور سے وعدہ کیا کہ میں اُن کی مرضی کے مطابق عمل کروں گا۔

مسٹر تھیوڈور مطمئن ہو کر بولے۔ ''بس! میں تم سے اسی لئے ملاقات کا بے چینی سے منتظر تھا۔ اب تم جاؤ۔''

پھر میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا واپس ریڈ بون کے پاس پہنچ گیا۔ کسی کو ہمارے اُوپر شبہ نہیں ہوا تھا۔

ریڈ بون بالکل پرسکون تھی۔ میں نے آہستگی سے اُسے اپنا سارا پروگرام سمجھا دیا اور ریڈ

بون نے مستعدی سے گردن ہلا دی۔ میں نے مسٹر تھیوڈور کے بارے میں بھی اُسے
تھا اور اُس نے اس بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بڑی سنسنی خیز کیفیت تھی۔
وقت گزرتا رہا۔ جل برادرز کے آدمی موقعے کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ اور
اُسی رات جب تقریباً ڈھائی بجے تھے، ایک آدمی نے میری پنڈلی پر ٹھوکر ماری اور میں
غنودگی کے انداز میں چونک پڑا۔ دوسرے لمحے میرے ہاتھ میں ایک شاندار رائفل
کارتوس کی پیٹی پہنچ گئی۔ ایسی ہی ایک رائفل اور کارتوسوں کی پیٹی ریڈ بون کو بھی دی گئی
میں بری طرح اُچھل پڑا۔ وہ شخص چھلاوے کی طرح میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا
اور اب اس بات میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں تھا کہ جل برادرز کے آدمی اسلحہ حاصل کرنے
میں کامیاب ہو گئے تھے اور انتہائی احتیاط اور خاموشی کے ساتھ یہ اسلحہ تقسیم ہو رہا تھا۔
کم از کم اس کارکردگی کی داد میں دل ہی دل میں ضرور دے رہا تھا۔ ورنہ گولیرا کے
غیر مستعد نہیں تھے۔ جل برادرز کے ساتھیوں نے ناقابل یقین کارنامہ سرانجام دیا تھا۔
نے رائفل چھپا لی۔ کیونکہ گولیرا کے پہرے دار زیادہ دُور نہیں تھے۔ اس کے بعد میں
ریڈ بون کی جانب دیکھا۔ ریڈ بون کی حفاظت کا انتظام بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جل برادرز
کے منصوبے میں اس کی موت سرفہرست تھی۔ ہرچند کہ یہ ذمہ داری میرے سپرد کی گئی
لیکن یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جل برادرز خود بھی ریڈ بون پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں اور اگر وہ
ہی اُسے ہلاک کرنے میں مصروف ہو جائیں تو پھر ریڈ بون کی زندگی مشکل ہو جائے گی
چنانچہ میں نے آہستہ آہستہ ریڈ بون کو کچھ ہدایات دیں۔ ان ہدایات کی وجہ میں نے اُسے
نہیں بتائی تھی۔ میری کنپٹیاں چیخ رہی تھیں۔ اور ہم دونوں ہی کارروائی کے آغاز کا انتظار
رہے تھے کہ دفعتہً کام شروع ہو گیا.....

چھولداریوں کے ایک مخصوص حصے میں بم کا دھماکہ ہوا اور چھولداریوں نے آگ
لی۔ اس کے ساتھ ہی میں اور ریڈ بون تڑپ کر کھڑے ہو گئے۔ پھر جو طوفان برپا ہوا
انتہائی سنسنی خیز تھا۔ گولیاں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ کسی بھی وقت کوئی بھی ہلاک
سکتا تھا۔ گولیرا کے پہریدار چونک کر پلٹے اور انہوں نے جل برادرز کے ساتھیوں
نشانے لے لئے۔ لیکن پہلے سے تیار شدہ لوگ اُنہیں اپنی گولیوں کا نشانہ بنانے
کامیاب ہو گئے۔ میں نے ریڈ بون کے ساتھ مطلوبہ سمت چھلانگ لگا دی تھی۔ اور راستے

میں آنے والے ہر شخص کو ہم گولیوں سے اُڑا رہے تھے۔ غالباً اُن میں جل برادرز کے کچھ
افراد بھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے۔ لیکن ہماری پہلی ہی دوڑ نے ہمیں بائیں سمت کے
اُس حصے میں پہنچا دیا جہاں گولیوں کی آوازوں پر گھوڑے بدک رہے تھے۔ میں نے
گھوڑوں کے رسوں پر ہاتھ ڈال دیئے اور ابھی میں اور ریڈ بون گھوڑوں پر سوار ہی ہوئے
تھے کہ ہم نے مسٹر تھیوڈور اور سولیتا کو دیکھا جو دو سفید گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔
مسٹر تھیوڈور کی آواز اُبھری۔ ''چلو.....'' اور اس کے بعد انہوں نے پلٹ کر گھوڑوں پر
فائرنگ شروع کر دی۔ گھوڑے رسیاں تڑا کر بھاگے اور ہمارے پیچھے والوں کے راستے میں
حائل ہو گئے۔ مسٹر تھیوڈور غالباً یہی چاہتے تھے کہ فوراً ہی اُن کی سمت پر توجہ نہ دی جائے۔
ہم نے ایک سمت اختیار کی اور رات کی تاریکی میں گھڑسواری کا مظاہرہ کرنے لگے۔ مسٹر
تھیوڈور کی اس جواں مردی پر مجھے حیرت تھی۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ سفید بالوں والا بوڑھا
اس مستعدی کا اظہار کر رہا ہے۔ گھوڑوں کی ننگی پشت پر ہم لوگ مضبوطی سے جمے ہوئے
تھے۔ میں نے حیرت سے سولیتا کو دیکھا۔ بظاہر مضمحل اور بیمار سی نظر آنے والی یہ لڑکی گھڑ
سواری میں کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی۔ اور اُس کے گھوڑے کی رفتار بھی
ہمارے گھوڑوں سے کسی طور پر کم نہیں تھی۔ گھوڑوں کی ننگی پشت پر سفر کرنا معمولی بات نہیں
تھی۔ مجھے بس لطف آ رہا تھا کہ ریڈ بون تو خیر ایک مضبوط لڑکی ہے۔ لیکن سولیتا کا یہ مظاہرہ
قابل داد ہے۔ یا پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جان بچانے کے تصور سے اُس کے اندر ہمت پیدا
ہو گئی ہو۔''

عقب میں گولیوں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ نہ جانے اُن کے درمیان کیا فیصلہ ہو؟
جل برادرز زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے اور گولیرا بھی کم نہیں تھا۔ بہرحال!
گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ اور پھر عقب کی تمام آوازیں معدوم ہو گئیں۔ پتہ نہیں مسٹر تھیوڈور
نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس سمت رُخ کیا تھا یا یہ صرف ایک اتفاق ہی تھا کہ ہمیں
سیدھے، سپاٹ اور ہموار راستے مل گئے تھے اور گھوڑوں کو دوڑنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ
رہی تھی۔ چھوٹی موٹی رکاوٹیں، گھوڑے خود عبور کر رہے تھے اور ابھی تک اُن کی رفتار میں
کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ جل برادرز اور گولیرا کے گروہ میں کیا
فیصلہ ہوا؟ بہرطور! ہمارا وہاں سے نکل آنا ہی بہتر تھا۔ اور اب تو مسٹر تھیوڈور اور اُن کی بیٹی

بھی گولیرا کے چنگل سے آزاد ہو چکے تھے۔ ویسے غور کرنے پر مجھے اُس برفانی ریچھ کا
بھی عجیب نظر آ رہا تھا۔ صورتحال اب اُس کے قابو میں تھی اور یہ وہ تھا جس کے پا
تک کے راستوں کے نقشے موجود تھے۔ ویسے راستے تو اُس نے مجھے بھی سمجھا دیئے
لیکن ان معاملات میں، میں کبھی اتنا سمجھدار واقع نہیں ہوا تھا۔ اپنی صورت حال تو ب
ہی جانتا تھا یا میرا خدا۔ کبھی خود آگے بڑھ کر کسی مسئلے میں ٹانگ نہیں اڑائی تھی۔ لیکن
ہمیشہ میری ٹانگوں سے لپٹے رہتے تھے۔

صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو ہمیں ایک جنگل نظر آنے لگا۔ افریقہ میں اور تھا ہی
صحرا، جنگل، پہاڑ، دلدلیں اور خوفناک مناظر۔ ہم ان لوگوں سے اب دُور نکل آئے
اب اس کا خدشہ نہیں رہا تھا کہ وہ ہم تک پہنچ جائیں گے۔ اور پھر ویسے بھی وہ اپ
مسائل میں گھرے ہوں گے۔ ہمارے فرار کی جانب کون توجہ دے گا؟ گھوڑوں کی
ست ہوگئی۔ رات بھر دوڑتے رہے تھے اور یہ بھی کمال کی چیز تھی۔ اُن کے انداز میں
تھکن نمایاں ہوگئی تھی۔

جنگل کے سرے پر پہنچ کر مسٹر تھیوڈور کہنے لگے۔ ''مسٹر منصور! میرا خیال ہے ہمیں
میں داخل ہو کر آرام کی کوئی جگہ تلاش کر لینی چاہئے۔ یہاں ہم دوسروں کی نگاہوں
محفوظ بھی رہیں گے۔''

''جیسا آپ پسند کریں۔ اب تو صورتِ حال کا کنٹرول آپ کے پاس ہے۔''

''نہیں میرے دوست! مجھے قدم قدم پر تمہاری معاونت کی ضرورت ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہم گھوڑوں سے اُتر کر اُن کی لگامیں پکڑے ہوئے
میں داخل ہو گئے۔ جنگل اپنی روایتوں کے ساتھ ہر طرح کی ہولناکیوں سے پر تھا۔
بہت گھنے تھے اور اُن کے نیچے تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ جنگل کا
اس لئے ابتدائی حصوں میں کچھ روشنی نظر آ رہی تھی۔ لیکن باقی اندر داخل ہو کر ہی اند
سکتا تھا کہ اندر کی صورتِ حال کیا ہے؟ لیکن یہ احساس ضرور ہو رہا تھا کہ اندر گہری
چھائی ہوگی۔ تھوڑا سا اندر داخل ہونے کے بعد بالآخر ایک ایسی صاف ستھری جگہ
جہاں قیام کیا جا سکتا تھا۔ حشرات الارض کو دُور رکھنے کے لئے خشک لکڑیاں جمع کر
روشن کر دی اور یہ خطرہ مول لئے بغیر چارۂ کار نہیں تھا۔ چنانچہ آگ کے حصار کے

ہم لوگوں نے اپنا ڈیرہ ڈال لیا۔ گھوڑوں کو البتہ آگ کے حصار سے کچھ فاصلے پر درختوں
سے باندھ دیا گیا تھا۔ گھوڑوں کے لئے کافی خوراک موجود تھی۔ لیکن ہمارے پاس کھانے
پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ یہ بات سب ہی جانتے تھے۔ چنانچہ اب آرام کرنے کے سوا
اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔ میں زمین پر دراز ہو گیا اور پھر میں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ مسٹر
تھیوڈور، سولیتا اور ریڈ بون کس پوزیشن میں ہیں؟ ریڈ بون کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔
میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ خیال یہ تھا کہ رات بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد اُس وقت
نیند پر لطف آئے گی۔ لیکن پیٹ میں دوڑتے ہوئے چوہوں نے سونے کی اجازت نہیں دی
اور نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ سولیتا میرے بالکل نزدیک تھی۔ اُس کے بعد ریڈ بون اور پھر
مسٹر تھیوڈور۔ میں دیر تک اسی طرح بے سدھ پڑا رہا۔ اور جب نیند نہ آئی تو کروٹ بدل کر
تھوڑی سی آنکھیں کھولیں۔ تب میں نے ریڈ بون کو دیکھا جو مسٹر تھیوڈور کے سینے سے لگی
ہوئی تھی۔ مسٹر تھیوڈور محبت بھرے انداز میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ وہ شاید کچھ
کہتے بھی جا رہے تھے۔ لیکن آواز اتنی مدھم تھی کہ میں سن نہ سکا۔ یہ منظر میرے لئے باعث
تعجب نہیں تھا۔ کیونکہ مسٹر تھیوڈور مجھے ریڈ بون کی کہانی سنا چکے تھے۔ میں نے ایک بار پھر
آنکھیں بند کر لیں۔ اور اس بار نیند کی دیوی مجھ پر مہربان ہو ہی گئی۔ اور بھوک کے باوجود
سو گیا۔ ظاہر ہے جب تک نیند نہیں آئی تھی، نہیں آئی تھی۔ لیکن جب آ گئی تو پھر تمام گھوڑے
فروخت ہو گئے اور اس کے بعد مسٹر تھیوڈور نے مجھے جگایا تھا۔ شام ہو چکی تھی اور مسٹر
تھیوڈور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

''مسٹر منصور! غضب ہو گیا۔'' میں اُن کے الفاظ سن کر بری طرح اُچھل پڑا۔ میں نے
آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُنہیں دیکھا۔

''گھوڑے..... گھوڑے.....'' مسٹر تھیوڈور کے منہ سے نکلا۔ آگ بجھ چکی تھی۔ اور اب
وہاں ہلکا ہلکا دُھواں باقی رہ گیا تھا۔ میں نے گھوڑے کے لفظ پر اپنے گھوڑے کی طرف
دیکھا۔ لیکن گھوڑے مجھے وہاں نظر نہیں آئے۔ تب میں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا ہوا گھوڑوں کو؟''

''کسی زہریلے جانور کا شکار ہو گئے۔ تین گھوڑے مُردہ ہیں اور ایک رسہ تڑا کر فرار ہو
گیا ہے۔''

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ زہریلا جانور کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا انداز
سکتا تھا۔ لیکن جب مسٹر تھیوڈور نے جا کر مُردہ گھوڑوں کو دیکھا تو جان ہی نکل گئی۔ ا
بدن سے زرد پانی بہہ رہا تھا اور جسم میں جگہ جگہ سوراخ ہو گئے تھے..... یہ ہولناک منظ
ہوش کر دینے والا تھا۔ بمشکل تمام ذہن پر قابو پا سکا تھا۔ اوّل تو بھوک نے حالت خرا
دی تھی۔ پھر گھوڑوں کی ہلاکت..... لیکن اس کے باوجود زندہ رہنے کے لئے آ
تھا۔ اب صورتِ حال کچھ بھی ہو کیا، کیا جا سکتا ہے؟ البتہ واپس آنے کے بعد میں ن
تھیوڈور سے پوچھا۔

''کیا اس جنگل میں داخل ہونے کے بعد ہم اپنی منزل کی جانب ہی بڑھ رہے
راستہ بھٹک گئے ہیں؟''

''ہمیں اسی جنگل سے گزرنا تھا۔ ہمارا راستہ بالکل درست ہے۔ میں نے اچھی
غور کرنے کے بعد اُسی طرف رُخ کیا تھا۔''

مسٹر تھیوڈور مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ ہم نے طے کیا تھا کہ آج رات اور یہیں
کریں گے۔ تاکہ جنگل میں آگے بڑھنے کے لئے چاق و چوبند ہو جائیں۔ لیکن خورا
بندوبست کرنا ضروری تھا۔ اور اس کام کے لئے ہم چاروں ہی آگے بڑھ گئے
چھوٹے چھوٹے پرندے ہی ہاتھ لگ سکے جنہیں بمشکل تمام شکار کیا اور اس کے بعد
بہت بھوک کی آگ بجھ گئی۔ ایک بار پھر ہم نے خشک لکڑیاں جمع کر کے آگ روشن
اور وہ رات بھی وہیں گزار دی گئی۔ تاکہ دوسرے دن سورج کی روشنی میں آگے بڑھیں

پھر جب مشرقی اُفق پر صبح کاذب کا دُھندلکا صبح صادق میں تبدیل ہونے لگا تو
آگے کا سفر شروع کر دیا۔ ہم گھنی جھاڑیوں اور سر جوڑے کھڑے درختوں کے بیچ
راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جنگل کی زندگی آہستہ آہستہ بیدار ہو رہی تھی
تھوڑی دُور چلنے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ درختوں پر اُچھل کود ہو رہی ہے۔ ہم
بڑھتے رہے۔ اس اُچھل کود پر ہم نے توجہ نہیں دی تھی۔ ہمارا اندازہ غلط نہیں تھا۔ جنگل
جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے تھے، اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا اور بندروں کی آوازیں
سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑے سے فاصلے پر چلنے کے بعد مسٹر تھیوڈور نے کہا۔ ''اگر م
اندازے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی تو یہ جنگل زیادہ طویل ثابت نہیں ہو گا۔ البتہ

درندے موجود ہیں۔ اس کے اختتام پر ہمیں ہراگا قبائل سے پالا پڑے گا۔ یہ قبائلی بھی
خطرناک ہیں۔ لوٹ مار کر لیتے ہیں۔ ان سے بچ کر ہمیں آگے بڑھنا ہو گا۔ میں نہیں چاہتا
کہ ان سے ہمارا مقابلہ ہو۔ جنگل کے دائیں سمت کا سفر اختیار کرو اور راستہ کاٹتے رہو۔
ہراگا قبائل ہمیں سیدھ میں ہی ملیں گے۔ بس! اس کے بعد دریائے بونیٹو تک پہنچ جائیں
گے۔ اور یہی ہماری منزل ہے۔''

ہم بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے اور ہماری چوکنا نگاہیں چاروں طرف گردش کر
رہی تھیں کہ دفعتہً ریڈ بون نے اپنی رائفل اُٹھا کر دونوں ہاتھ سیدھے کر دیئے۔ ہم سب
رُک گئے اور ہماری نظریں ریڈ بون کا تعاقب کرنے لگیں۔ پھر دفعتہً ہی سامنے کی جھاڑیاں
ہلیں اور میں نے سراسیمہ نگاہوں سے ایک شیر کی صورت دیکھی۔ وہ جھاڑیوں میں دُبکا ہوا
تھا۔

مسٹر تھیوڈور نے چند لمحات اُس کا جائزہ لیا اور اس کے بعد بولے۔ ''وہ آرام کر رہا
ہے۔ اسے چھیڑے بغیر یہاں سے گزر جائیں تو بہتر ہے۔ اور اگر وہ بگڑ گیا تو صورتِ حال
کافی پریشان کن ہو جائے گی۔''

ہم دبے پاؤں وہاں سے آگے بڑھنے لگے۔ ہیبت ناک خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ہم
لوگ اپنے دل کی دھڑکنیں اپنے کانوں میں محسوس کر رہے تھے۔ ایک ایک قدم پھونک
پھونک کر اُٹھایا جا رہا تھا۔ شور مچانے والے بندر، رفو چکر ہو گئے تھے۔ شیر نے واقعی کوئی
تعرض نہیں کیا اور ہم اُس سے کافی دُور نکل آئے۔ بہرطور! یہ فاصلہ بمشکل طے ہو رہا تھا۔
اور پھر اُس وقت نجانے سفر کرتے ہوئے کتنی دیر گزر گئی تھی جب ہم ایک ایسے علاقے میں
پہنچے جہاں جنگل پیچھے سے بھی زیادہ گھنا تھا۔ درخت ایک دوسرے میں پیوست ہو رہے
تھے۔ اور اُن کی شاخیں آپس میں اتنی جڑی ہوئی تھیں کہ دن کی روشنی قطعی نیچے نہیں پہنچ پا
رہی تھی۔ ہر لمحہ ایک نئے خوف کا حامل تھا۔ اور ہمیں ہوا کی سرسراہٹ بھی اپنی اصل کیفیت
سے کئی گنا زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ فضا میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ ہم جنگل
کے اس انتہائی دُشوار گزار حصے سے بخیر و عافیت نکل آئے تھے۔ ہوا میں نمی کا احساس فوراً
ہی ہو گیا تھا جس سے یہ اندازہ لگانے میں دُشواری نہیں ہوئی تھی کہ کوئی دریا، جنگل کے
بالکل قریب ہے۔ ہماری بائیں سمت ایک کھلا میدان پھیلا ہوا تھا جس کے انتہائی سرے پر

پہاڑوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ میں ابھی کچھ بولنے والا ہی تھا کہ مسٹر تھیوڈور
کہا۔

''بالکل خاموشی اختیار کرو۔ یہ علاقہ ہمارے لئے سب سے زیادہ خطرناک ثابت ہو
ہے۔ اس بات کے امکانات ہیں کہ یہاں آس پاس ہراگا قبیلے کے افراد موجود ہوں
اُن سے بچ کر ہی نکل جائیں تو ہمارے حق میں بہتر رہے گا۔''

میں نے ایک بار پھر دم سادھ لیا اور ہم سب داہنی سمت ہٹتے چلے گئے۔ جنگل اب پیچھے
رہ گیا تھا اور ہمارے پیروں کے نیچے سنگلاخ چٹانیں تھیں۔ ہم اُن چٹانوں کی آڑ لے
کر سفر کر رہے تھے۔ ایک جگہ رُک کر مسٹر تھیوڈور نے ایک سمت اشارہ کیا اور میں اُ
دیکھنے لگا۔ بہت فاصلے پر کسی قدر گہرائی میں جھونپڑیوں کا ایک شہر نظر آ رہا تھا۔ یہ یقیناً ہ
قبیلہ تھا۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ ہراگا قبیلے کے لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ مصیبت
ہی آ جاتی۔ ہم سفر طے کرتے رہے۔ اور اس کے بعد میں نے اُس دریا کو دیکھ لیا جو ہمارے
سامنے تھا۔ دریا کی رفتار کافی تیز معلوم ہوتی تھی۔ ہم اُس کے کنارے کنارے آگے بڑھتے
رہے۔ اور پھر ایک جگہ کئی کشتیاں رسّی سے بندھی ہوئی نظر آئیں۔ مسٹر تھیوڈور نے بتایا۔
یہ ہراگا قبیلے والوں کی کشتیاں ہیں جن میں بیٹھ کر وہ خوراک کی تلاش میں نکل جاتے ہیں
اور مچھلیاں پکڑ کر لاتے ہیں۔ ہمیں انہی میں سے ایک کشتی پر سفر کرنا ہوگا.....

میں نے متحیرانہ انداز میں مسٹر تھیوڈور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مسٹر تھیوڈور! دریا کا
بہاؤ تو اسی سمت ہے جدھر اُن کے جھونپڑے نظر آ رہے ہیں۔ کیا ہمیں دریا میں دیکھا نہیں
جائے گا؟''

''یہ خطرہ مول لینا پڑے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہمیں انہی کشتیوں
کے ذریعے اپنا آگے کا سفر طے کرنا ہے۔''

میں نے آہستہ سے گردن ہلائی۔ چند لمحات کے بعد ہم نے ایک بڑی کشتی کی رسّی
کھولیں اور پھر بڑی احتیاط سے اُس میں سوار ہو گئے۔ دوسری کچھ کشتیوں سے بھی چپو
لئے گئے تھے تاکہ سفر کی رفتار تیز کی جا سکے۔ کشتی دریا کے دھارے پر برق رفتاری
آگے بڑھنے لگی اور مسٹر تھیوڈور نے ہم تینوں کو مستعد کر دیا تاکہ اگر ہراگا قبیلے کے قریب
سے گزرتے ہوئے ہمارے خلاف کوئی جدوجہد کی جائے تو ہم اُن لوگوں سے اپنا بچاؤ

تیں۔ اور اس کے لئے ہمیں زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ کشتی اچھی خاصی رفتار سے آگے بڑھ
رہی تھی۔ پھر دفعتہً ہی کنارے پر انسانوں کے ٹڈی دل نظر آئے۔ غالباً ہمیں دیکھ لیا گیا
تھا۔ وہ ہاتھوں میں نیزے لئے ہمارے قریب آنے کا انتظار کر رہے تھے..... اُن کی تعداد
دیکھ کر حواس گم ہونے لگے۔ اگر یہ سب ہم پر نیزے پھینک ماریں تو ظاہر ہے ہمارا کیا حشر
ہوگا۔ جبکہ ہم تینوں اُن پر گولیاں برسائیں، تب بھی اتنے سارے لوگوں کا کچھ نہیں بگڑ
سکتا.....

موت ایک بار پھر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور کشتی آہستہ آہستہ اُن کی جانب بڑھ رہی
تھی.....

☆.....☆.....☆

اُن لوگوں کی تعداد دیکھ کر دل پر خوف و دہشت طاری ہو رہی تھی۔ پھر ہم اُن
بالکل قریب پہنچ گئے۔ اور وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ اُنہوں نے ہم پر نیزوں کی با
شروع کر دی۔ بے شمار نیزے کشتی کے اُوپر گرے اور بے شمار ہمارے سروں پر سے
گئے۔ شکر ہے کہ کوئی نیزہ کارگر نہیں ہوا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم کشتی میں جھکے ہو
رائفلیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

مسٹر تھیوڈور نے کہا۔ ''میں بلاوجہ ان لوگوں کا قتلِ عام نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ یہ وحشی
جنگلی ہیں اور اپنی عادت کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔ پہلے ہوائی فائرنگ کر کے دیکھو۔
اُن کا زور ٹوٹ جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ مجبوراً ہمیں ان کے نشانے لینا ہوں گے۔''

ہم نے یہی کیا۔ اس دوران وحشی جوش کے عالم میں دریا میں کود پڑے اور پانی
بہاؤ پر تیز رفتاری سے ہماری جانب آنے لگے۔ ہم نے ہوائی فائرنگ شروع کر دی
دھماکے سنتے ہی ساحل پر کھڑے لوگ واپس بھاگ نکلے۔ جو پانی میں اُترے تھے، اپنی
رُک گئے۔ اور پھر کناروں کی جانب تیرنے لگے۔ ہم مسلسل ہوائی فائرنگ کرتے رہے
اور چند ہی لمحات کے بعد اُن کا نام و نشان بھی غائب ہو گیا۔ تھیوڈور کے ہونٹوں
مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اُس نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''شکر ہے ہمیں ان کی زندگیاں نہ لینا پڑیں۔''

بہرطور ہم اُن وحشیوں کے چنگل سے نکل آئے تھے۔ اور اُس کے بعد کافی حد تک
سکون ہو گئے تھے۔ کشتی اب اُس علاقے سے بہت دُور نکل آئی تھی۔ اور جوں جوں
آگے بڑھتے جا رہے تھے دریا کا پاٹ چوڑا ہوتا جا رہا تھا اور بہاؤ میں بھی سست رفتاری
جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ کشتی بالکل سست ہو گئی اور ہمیں چپو سنبھالنے پڑے۔ ایک چھو
ٹیلہ نما جزیرہ اس طرح سامنے آ رہا تھا جیسے اُس نے دریا کا راستہ روک لیا ہو۔

میں نے حیرت سے تھیوڈور کی طرف دیکھا تو تھیوڈور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اس
ٹیلے کے دوسری جانب بونیٹو آباد ہے۔''

میرا منہ ایک لمحے کے لئے حیرت سے کھل گیا تھا۔ چند لمحات خاموش رہ کر میں نے
پوچھا۔ ''لیکن مسٹر تھیوڈور! کیا یہ ٹیلہ، دریا کا راستہ روک لیتا ہے؟''

''نہیں۔ یہاں سے دریا دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ
آگے چل کر یکجا نہیں ہوتا بلکہ دو مختلف سمتوں کو نکل جاتا ہے۔ ہمیں بائیں سمت چلنا ہے۔
اور جونہی ہم ٹیلے کی دوسری طرف پہنچیں گے، بونیٹو کی سرزمین شروع ہو جائے گی۔''

میں نے ایک عجیب سی سنسنی محسوس کی تھی۔ کیونکہ جو کہانی تھیوڈور نے مجھے سنائی تھی، وہ
ابھی میرے ذہن سے محو نہیں ہوئی تھی۔ بہرحال! تھیوڈور کی ہدایت کے مطابق ہم نے کشتی
کو ٹیلے کے پاس سے بائیں سمت کاٹ لیا اور اُسے کھینچتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کشتی
کنارے سے جا لگی تھی۔ یہاں ہم نے اُسے خشکی پر کھینچ لیا اور نیچے اُتر کر پیدل چلنے لگے۔

تھیوڈور ہر چیز کو گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ ریڈ بون اور سولیتا بھی خاموش تھیں۔
دونوں کمال کی لڑکیاں تھیں۔ اُن میں سے ایک بھی بولنا نہیں جانتی تھی۔ تھیوڈور چند لمحات
حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر بولا۔ ''کافی تبدیلیاں ہو گئی ہیں یہاں۔ پہلے دریا کے اس
کنارے پر آبادی تھی۔ لیکن اب یہ آبادی ویران پڑی ہے۔ پتہ نہیں کیوں؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ صحرائے
اعظم کا یہ علاقہ بھی دوسرے علاقوں سے مختلف نہیں تھا۔ اُجاڑ ویران میدان اور اُن کے
اختتام پر کہرے سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں۔ سرمئی دھند لکے دھواں دھواں سا چاروں طرف پھیلا
ہوا تھا۔ تھیوڈور کسی قدر اُلجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اور ہم اُس میدان میں آگے بڑھتے چلے جا
رہے تھے۔

پھر دفعتہً ہی کچھ ہوا..... زمین نے اچانک انسان اُگلنا شروع کر دیئے تھے۔ اور یہ
سارے کے سارے وحشی انسان تھے۔ گہرے سیاہ رنگوں کے مالک اور افریقہ کی روایت
کے مطابق اُن کے چہرے انتہائی خوفناک تھے اور وہ جانوروں کی کھالوں سے اپنے بدن
ڈھکے ہوئے تھے۔ اُن کی آنکھیں سفید سفید تھیں لیکن اُن میں دوستی کا انداز نہیں تھا۔ سب
سے حیران کن بات یہ تھی کہ وہ اچانک ہی زمین سے نکلے تھے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ

وہ کہاں سے آئے ہیں۔ اُنہوں نے اپنے نیزے سیدھے کر لئے اور ہمیں گھورتے ہو
ہمارے قریب پہنچ گئے۔ پھر ہمیں اُنہوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس کے
میں سے ایک نے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

تھیوڈور آہستہ سے بولا۔ ''کوئی تعرض نہ کرنا۔ آگے بڑھتے رہو۔ یہاں کی تہ
میرے لئے حیرت انگیز ہیں۔ لیکن فکرمندی کی بات نہیں۔ آگے چل کر جب ہم
کے پاس پہنچیں گے تو ساری مشکلات دُور ہو جائیں گی۔''

تھیوڈور کے یہ الفاظ نجانے کیوں مجھے کھوکھلے سے لگے تھے۔ میری سمجھ میں
آ رہا تھا کہ خود اُس کا ذہن بھی اس سلسلے میں صاف ہے یا نہیں؟ کیا اُس کی مرضی
مطابق معاملہ نہیں ہوا ہے؟ پھر ہم آگے بڑھتے رہے اور پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔
پہاڑ کے دوسری جانب ایک بہت وسیع میدان میں جھونپڑوں کا شہر آباد تھا۔ مقامی باشند
نیزے ہاتھوں میں تھامے اُن جھونپڑوں کے درمیان چل پھر رہے تھے۔ ہمیں بھی
جھونپڑی کے درمیان لے جایا گیا جس کے اطراف احاطہ بنا ہوا تھا۔ اور پھر ہم چاروں
اُس احاطے میں دھکیل دیا گیا۔ احاطے کی دیواریں کچی مٹی اور چھت گھاس پھونس
ہوئی تھی۔ احاطے میں دھکیل کر دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا جو گھاس پھونس کا بنا ہوا
بہت مضبوط تھا۔ ہم پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

میں نے مسٹر تھیوڈور سے کہا۔ ''ان کا رویہ تو اچھا نہیں ہے۔''

''ظاہر ہے بیرونی لوگوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک نہیں کیا جاتا ہوگا۔ البتہ ان
سے کوئی نہیں جانتا ہوگا کہ ہم لوگ ہیں کیا چیز.....''

''وہ لوگ یہ بات کیسے مانیں گے؟''

''میں کسی ایسی شناسا شکل کا منتظر ہوں جس سے میں سیلی بون کے لئے پیغام
سکوں۔''

میں خاموش ہو کر تھیوڈور کی صورت دیکھنے لگا۔ نجانے کیوں دل اندر سے کہہ رہا تھا
یہ سب بہتر نہیں ہے۔ اور کوئی گڑبڑ ہوگئی ہے۔ ایک اور خیال بھی میرے ذہن میں آیا
تھیوڈور کے بیان کے مطابق سیلی بون سے اُسے جدا ہوئے طویل ترین عرصہ گزر چکا
کیا اُس کے خیال کے مطابق سیلی بون زندہ ہوگی اور کیا وہ اپنی بیٹی کو پہچان کر

حالات درست کر دے گی؟ ہو سکتا ہے کہ سیلی بون زندہ نہ ہو اور اب یہاں ریڈ بون کی
ضرورت ہی نہ محسوس کی جاتی رہی ہو۔ اور میں نے پھر یہی سوال تھیوڈور سے کر دیا۔

''اس امکان کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔'' وہ تشویش سے بولا۔

مجھے تھیوڈور پر انتہا کا غصہ آیا۔ جی چاہا کہ اُس کا جبڑا توڑ دوں۔ جب یہ امکانات تھے
تو اُس نے یہ احمقانہ حرکت کیوں کی تھی؟ لیکن پھر مجھے اُس کے کچھ اور الفاظ بھی یاد آ گئے۔
ظاہر ہے وہ اپنی مرضی سے ان علاقوں میں نہیں آیا تھا۔ بے شک اُس نے اس سلسلے میں
کارروائی کی تھی۔ لیکن اب یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ سب کچھ اُس کی مرضی کے مطابق ہی ہو
جائے۔ بہرطور! اب جو کچھ ہوگا، وہ تو برداشت کرنا ہی پڑے گا۔

پورا دن گزر چکا تھا۔ اور رات کی تاریکی فضاؤں پر مسلط ہوتی جا رہی تھی۔ ہر طرف گہرا
اندھیرا چھا گیا۔ میں کھردری زمین پر لیٹ گیا تھا۔ دماغ اور بدن چیخ رہے تھے۔ نجانے
کب مجھے نیند آ گئی۔ غالباً صبح ہونے والی تھی۔ ساری رات اُسی طرح گزر گئی تھی۔ چاروں
طرف مکمل خاموشی طاری تھی۔ میں نے اُٹھ کر اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں تو قرب و جوار
کے مناظر میری نگاہوں میں واضح ہونے لگے۔ میں نے ایک گوشے میں سولیتا کو دیکھا جو
احاطے کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ لیکن ریڈ بون اور تھیوڈور موجود نہیں
تھے۔ پورے احاطے میں نگاہیں دوڑانے کے باوجود وہ مجھے نظر نہیں آئے۔ اور میرے
انداز میں کسی قدر حیرانی پیدا ہوگئی۔ لیکن یہ اس قدر اہم بات بھی نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے
تھیوڈور اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے چلا گیا ہو۔ ریڈ بون کی غیر موجودگی بھی یہ ظاہر کرتی
تھی کہ اُس نے کسی سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ لیکن سولیتا کچھ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ مجھے
دیکھ کر اُس نے ہونٹ کھولے لیکن پھر خاموش ہوگئی۔ میں خود ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس
کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

''تمہاری ذہنی قوتیں اب بھی واپس آئیں یا نہیں؟'' میں نے کسی قدر طنزیہ انداز میں
کہا۔ اُس نے مجھے دیکھا اور خاموش رہی۔ ''گونگی لڑکیوں کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ اُن
کی گردن دبا دوں۔'' میں نے پھر کہا۔ سولیتا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھک لیا تھا۔

''ارے......ارے میڈم سولیتا! اب کہیں آپ رونا نہ شروع کر دیں۔ خدا کے لئے
میرے گناہوں کو معاف کر دیا جائے۔ میں بڑا ستم رسیدہ انسان ہوں۔ زندگی مجھ پر بار بن

گئی ہے۔ اور اگر آپ نے رونا دھونا شروع کر دیا تو درحقیقت میں خودکشی کے امکانات پر غور کروں گا۔''

سولیتا بدستور چہرہ چھپائے بیٹھی رہی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں بولے گی۔ مسٹر تھیوڈور کی واپسی کا انتظار کرتے کرتے دوپہر ہوگئی۔ ویسے مہذب دنیا کے لوگ بول مہذب سرزمین کے باشندے۔ تھوڑی سی اخلاقیات سب میں ہوتی ہیں اور یہ لوگ اخلاق سے عاری نہیں تھے۔ غالباً بیس گھنٹے کے فاقے کے بعد اُنہیں ہمارے کھانے کا خیال آیا تھا۔ چنانچہ چند مقامی افراد کھانے پینے کی اشیاء ہمارے سامنے رکھ کر چلے گئے۔ وہی دودھ، پھل وغیرہ تھے جنہیں زہر مار کرنا پڑا۔ سولیتا نے البتہ کچھ نہیں کھایا تھا۔ اُس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔

میں نے یہاں ملائمت سے کام لیا۔ جھلاہٹ اپنی جگہ لیکن سولیتا کا کچھ نہ کچھ ضروری تھا۔ میں نے بآہستگی اُس سے کہا۔ ''سولیتا! اگر تم مسٹر تھیوڈور کے لئے پریشان ہو تو میرا خیال ہے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ تمہیں یہاں آنے کا مقصد ہی ہے۔ یقینی طور پر مسٹر تھیوڈور اُن لوگوں سے گفت وشنید کرنے گئے ہوں گے۔ اور اب اس قبیلے کی بیٹی کو اُن کے حوالے کر دیں گے اور ہمیں یہاں بہترین مراعات حاصل ہو جائیں گی۔ ریڈ بون کی مکمل حقیقت کم از کم تمہیں تو معلوم ہوگی۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

سولیتا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرطور! میں اُسے دُودھ پلانے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر شام ہوگئی۔ رات کے کھانے کی شاید ضرورت نہیں محسوس کی گئی۔ اچھا انداز تھا اُن لوگوں کا۔ کم از کم ڈائٹنگ ہی ہو رہی تھی۔ حالانکہ ہمارے لئے اس کی گنجائش نہیں تھی۔ طویل عرصہ ہوگیا تھا کوئی ڈھنگ کی چیز کھائے ہوئے۔ لیکن مجبوری میں صبر ہوتا ہے۔

رات گزر گئی، پھر دوسرا دن۔ البتہ اُس دن صبح کو پھر کھانے پینے کی اشیاء پہنچی تھیں۔ اور اُس کے بعد رات ہی کو خبر لی گئی۔ کھانے میں یہ بے ترتیبی نوٹ کر لی تھی۔ چنانچہ اب میں کوئی چیز واپس نہیں کرتا تھا۔ جتنی کھائی، کھائی۔ باقی واپس رکھ لی۔ تھیوڈور کی مسلسل غیر موجودگی سے اب مجھے بھی تشویش ہونے لگی تھی۔ ریڈ بون کا پتہ نہیں تھا۔ یہ صورت حال بھی انتہائی پریشان کن تھی۔ اگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہو کر کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو میرا کیا ہوگا؟ اور پھر مسٹر تھیوڈور کی صاحبزادی، جن کا دماغی توازن بظاہر تو بالکل درست تھا بس! یہ مسٹر تھیوڈور ہی کا خیال تھا کہ اُن کی بیٹی ذہنی طور پر درست نہیں ہے، اُن کا کیا ہوگا؟

اسی طرح چوتھا اور پانچواں دن بھی گزر گیا۔ اب سولیتا پر دیوانگی سی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ عموماً احاطے کے چکر لگاتی رہتی تھی۔ رات کو بھی میں نے اُسے سوتے نہیں دیکھا۔ حالت میری بھی غیر تھی۔ لیکن آپ میرے جیسے کسی انسان کا تجزیہ کر سکتے ہیں جس کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی۔ حالات نے اُسے اونٹ سے زیادہ ٹیڑھا میڑھا کر دیا تھا۔ میں بھلا اب پریشانیوں کو کیا خاطر میں لاتا؟ لاتعداد مواقع ایسے آئے تھے جب میں موت کا منتظر تھا۔ مگر زندگی کسی چیل کی طرح پنجوں میں دبوچ کر لے گئی، اور پھر کسی نئی مصیبت میں لا پھینکا تھا۔ چنانچہ احاطے کی زندگی میرے لئے اس قدر بری نہیں تھی۔ تھوڑی سی بھاگ دوڑ اُسی احاطے میں کر لیا کرتا تھا جو جسمانی ورزش کے لئے کافی تھی۔ اُس وقت بھی رات ہوگئی تھی اور چاروں طرف گہرا سناٹا اور اندھیرا طاری تھا۔ سولیتا ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور میں اُس سے کچھ فاصلے پر زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ میں دیر تک تھیوڈور کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور پھر تھک کر آنکھیں بند کر لیں۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مجھے اپنے چہرے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا اور میں نے ایک دم اُس کی کلائی پکڑ لی۔ سولیتا کی کلائی تھی۔ میں نے آہستگی سے کلائی چھوڑ دی اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ''کوئی بات ہے سولیتا؟''

''ہاں.....'' اُس کی آواز سنائی دی اور میں ایک دم اُچھل پڑا۔ یہ آواز سولیتا کے منہ ہی سے نکلی تھی اور لہجہ انتہائی نغمہ بار تھا۔ آنکھوں میں ٹھنڈک سی اُتر آئی۔ کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ میں ششدر ہو کر اُٹھ بیٹھا تھا۔

''سولیتا.....! یہ تم بول رہی ہو؟ کیا میں اپنے کانوں پر یقین کر لوں؟ یہ تم ہی بول رہی ہو؟''

''ہاں..... اُٹھو منصور..... اُٹھ جاؤ۔'' سولیتا نے کہا۔ مگر میں تو پہلے ہی اُٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ ''میں بہت پریشان ہوں۔ میری پریشانیاں اب عروج پر پہنچ چکی ہیں۔ اب ہمیں

بیوقوفوں کی طرح انتظار نہیں کرنا چاہئے منصور!''

''خدا کی پناہ! اس خوبصورت آواز اور اس شستہ لہجے کو اب تک کیوں حلق میں تھا؟ آخر اس کی کیا وجہ تھی؟''

''براہِ کرم! طنز کی گفتگو مت کرو منصور! اب تمہارے سوا کوئی ساتھی نہیں رہ گیا ہے۔''

''یقین کرو سولیتا! تمہیں بولتے دیکھ کر مجھے اتنی حیرت ہو رہی ہے کہ بیان سے ہے۔''

''میں بول رہی ہوں اور بول سکتی ہوں۔ مگر میں جان بوجھ کر خاموش تھی۔ براہِ اتنا جاننے کے بعد، اس بارے میں مزید سوالات مت کرو۔ اب یہ سوچو کہ ہم مسٹر تھیو کی تلاش میں کیا اقدامات کر سکتے ہیں؟''

''یقیناً..... کچھ نہ کچھ کریں گے۔ اور اگر تم یہ بتا دو کہ تم نے اب تک یہ خاموشی اختیار کر رکھی تھی تو میری تمام اُلجھنیں رفع ہو جائیں گی اور میں بہترین کارکردگی کا مظ کر سکوں گا۔ اس کا وعدہ کرتا ہوں۔''

''منصور! میرا نام سولیتا نہیں ہے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''خوب..... پھر غالباً قلوپطرہ ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''نہیں..... میرا نام ریڈ بون ہے۔''

''کیا.....؟'' میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''ہاں..... میرا نام ریڈ بون ہے اور میں اسی علاقے کی بیٹی ہوں۔ میں سیلی بون کی ریڈ بون ہوں۔''

میری عقل میرا ساتھ چھوڑ کر کھوپڑی سے تقریباً دو فٹ اُونچی لہرا رہی تھی۔ سولیتا بھی تو کفن پھاڑ کر بولی۔ یہ کیا حماقت کی بات ہے؟ یہ کیا بکواس ہے؟ کچھ سمجھ میں نہیں تھا۔

میں خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد وہ کہنے لگی۔ '' کہانی تم سن ہی چکے ہو۔ انکل تھیوڈور مجھے یہاں سے لے گئے اور پھر اُنہوں نے پرورش کی۔ لیکن اُنہیں یہ اندازہ غالباً شروع ہی سے تھا کہ دوسرے لوگ خزانے کے کے چکر میں مجھ تک پہنچنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک بہت

وہ بہت عظیم انسان تھے مسٹر منصور! تم اُن کی ذہنی عظمت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''آہ..... میری بات جانے دو میں تو اپنی اس بے تکی زندگی کا بھی تصور نہیں کر سکتا جو میں گزار رہا ہوں۔ تم بولتی رہو۔''

''انکل تھیوڈور نے یہ محسوس کرنے کے بعد کہ میں خطرے میں گھری ہوئی ہوں، اُنہوں نے اپنی بیٹی سولیتا کو ریڈ بون کی حیثیت سے مشہور کر دیا اور جاننے والے اُسے ریڈ بون کے نام سے جاننے لگے۔ جبکہ اُنہوں نے مجھے اپنی بیٹی سولیتا کا رُوپ دے دیا اور میں اُن کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے لگی۔ مگر اُن کی اپنی بیٹی سولیتا کو اُس گھر سے الگ مختلف جگہوں پر پروان چڑھایا گیا۔ اُس کے لئے انتہائی بہترین تربیت کا بندوبست کیا گیا۔ انکل تھیوڈور نے ایک لمبی پلاننگ کی تھی۔ وہ مجھے سولیتا کی حیثیت سے معمولی انداز میں پرورش کر رہے تھے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ سیلی بون اور بونیٹو خزانے سے دلچسپی رکھتے ہیں، وہ ریڈ بون کی جانب ہی متوجہ رہیں اور میری زندگی کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ اور اس کے لئے سولیتا کو بہترین تربیت دی گئی۔ وہ جسمانی طور پر بھی بہت اعلیٰ قسم کی لڑکی تھی۔ اور یہی کیفیت اُس کی ماں کی بھی تھی جو مسٹر تھیوڈور کی بیوی تھیں اور جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ ریڈ بون آتش فشاں بن گئی۔ اُس کا ہر فن میں طاق ہونا اُس کے لئے انتہائی کارآمد رہا اور انکل تھیوڈور اُس کے ذریعے اپنا کھیل کھیلتے رہے۔ پھر جل برادرز والا معاملہ سامنے آیا اور انکل تھیوڈور کے تمام خدشات کی تصدیق ہو گئی۔ اُنہوں نے سولیتا کو ریڈ بون کی حیثیت سے دوسروں کی نگاہوں سے مفرور کرا دیا اور اس علاقے کا آدھا نقشہ اُس کے پاس محفوظ کرا دیا گیا تا کہ یہ لوگ مسلسل اُس کے پیچھے لگے رہیں۔ اس کے بعد کی کہانی تمہیں معلوم ہے۔ جل برادرز کا پورا گروہ سولیتا کو ریڈ بون سمجھ کر اُس کے پیچھے لگا رہا اور میں انکل تھیوڈور کے ساتھ رہی۔ یہاں تک کا سفر بھی اسی انداز میں کیا گیا۔ انکل تھیوڈور نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو میری وجہ سے موت کے داؤ پر لگا دیا تھا اور سولیتا میری حیثیت سے جنگلوں میں بھٹکتی پھر رہی تھی۔ یہ معمولی کام نہیں تھا مسٹر منصور! میری زبان اس لئے بند کر دی گئی کہ بہر طور! میں لڑکی ہوں اور کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ میں کسی طور اپنی زبان کھول دوں اور میرے منہ سے کوئی ایسا ویسا جملہ نکل جائے جو دوسروں کو میرے بارے میں مشکوک کر دے۔ یہ بھی ایک بہت طویل معاہدہ تھا جو مجھے کرنا پڑا۔ اور اب انکل تھیوڈور، ریڈ بون کو

لے کر اس لئے باہر گئے ہیں کہ کسی با اختیار شخصیت کو ریڈ بون کے بارے میں تفصیل
دیں۔ اُنہوں نے اس وقت بھی یہ رسک نہیں لیا کہ مجھے اپنے ساتھ لے جاتے۔
مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اُن کی یہ طویل گمشدگی اُن کے لئے کسی خطرے کا باعث
بن گئی ہو۔ وہ یقیناً کسی مشکل میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ورنہ اتنا عرصہ وہ مجھے نظر انداز
کرتے۔ مسٹر منصور! اب براہِ کرم! کچھ کرو۔ ورنہ ہم یہیں گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے
میں اب اپنی اصل حیثیت کو منظرِ عام پر لے آنا چاہتی ہوں۔''

یہ عجیب و غریب کہانی میرے لئے باعث حیرت تھی۔ واقعی اس سلسلے میں مسٹر تھیوڈور
نے بڑی عظمت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن مجھ جیسا مجبور، بے بس اور بے کس آدمی بھلا اس
میں کیا کرسکتا تھا؟ دفعتہً میں نے چونک کر ریڈ بون یا سابقہ سولیتا سے پوچھا۔ ''لیکن
ایک بات اور بتائیں گی آپ مجھے؟''

''کیا.....؟''

''کیا مسٹر تھیوڈور کی بیٹی سولیتا یعنی وہ جو ریڈ بون بنی ہوئی تھی، گونگی تھی؟''

''نہیں..... اُس نے اعلیٰ درجے کی تعلیم حاصل کی ہے۔ لیکن ریڈ بون بننے کے
اُسے بھی اپنی زبان بند رکھنی تھی۔''

میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ تو وہ لڑکی جس نے اپنا سب کچھ مجھے سونپ
اور مجھ سے بے پناہ محبت کا اظہار کرتی تھی، گونگی نہیں تھی۔ اُس نے جان بوجھ کر اپنی
بند رکھی تھی۔ نجانے کیوں دل میں ایک عجیب سا احساس اُبھرا۔ اس قدر خلوص کا
کرنے کے باوجود، اُس نے مجھے اپنا رازدار نہیں بنایا تھا۔ یہ اُنسیت نہیں تھی۔
مطلب یہ ہے کہ اُس کے ذہن میں میرے لئے فریب موجود تھا۔ نجانے کیوں طبیعت
کی طرف سے کچھ بد دِل ہو گئی۔ بہرحال! اس کہانی نے ذہن پر جو اثرات مرتب کئے
وہ آسانی سے زائل ہونے والے نہیں تھے۔

میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''مگر ریڈ بون! اب کیا، کیا جائے
بتاؤ۔''

''کسی طرح یہاں سے نکل کر یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ابھی تک انکل تھیوڈور کامیاب
نہیں ہو سکے؟ کیا میری ماں زندہ نہیں ہے؟ کیا میرا باپ موجود نہیں ہے یہاں؟

باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی ہیں۔ بہت عرصہ گزر گیا مسٹر منصور! بہت طویل عرصہ
بیت گیا..... یہاں کچھ تبدیلیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ کہیں یہ تبدیلیاں انکل تھیوڈور کے لئے
مصیبت کا باعث تو نہیں بن گئیں؟''

''یہ سب تو ٹھیک ہے۔ مگر فرض کرو! تمہاری ماں سیلی بون زندہ ہے۔ تمہارا باپ بھی
موجود ہے تو ہمارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہوگا کہ تم ریڈ بون ہو؟''

''اوہ..... یہ بہت آسان بات ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''میں اپنی ماں کی سو فیصد ہم شکل ہوں۔ اس کے علاوہ میری پشت پر میرے قبیلے کا
نشان موجود ہے جو سولیتا کی پشت پر نہیں ہے۔ اگر میری ماں مجھے دیکھے گی تو فوراً مجھے پہچان
لے گی۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ ہم یہ پتہ لگائیں کہ یہاں پر کیا
تبدیلیاں رُونما ہوئی ہیں؟ اور انکل تھیوڈور کہاں غائب ہو گئے؟''

''فرض کرو! ہمارے نکلنے کے بعد اگر مسٹر تھیوڈور یہاں پہنچے تو پھر کیا ہوگا؟''

''اگر وہ میری ماں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہوتے تو اب تک بہت کچھ ہو چکا
ہوتا۔ یقینی طور پر کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ اور اب ہمیں ہر قیمت پر یہاں سے نکلنے کی کوشش
کرنی چاہئے۔ اگر میں کسی طرح اپنی ماں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تو پھر ساری مشکلات
آسان ہو جائیں گی اور ہم انکل تھیوڈور کو بھی تلاش کر لیں گے۔''

''لیکن یہاں سے نکلنے کا مسئلہ ہی تو سب سے ٹیڑھا ہے۔ آخر میں کیسے کامیاب ہو سکتا
ہوں؟''

''تم کیسے مرد ہو مسٹر منصور؟ مرد تو بہت کچھ کر دکھاتے ہیں۔ تم آج تک کچھ بھی نہیں کر
سکے۔''

''میں جیسا مرد ہوں، میں ہی جانتا ہوں۔ اب آپ کو کیا بتاؤں میڈم ریڈ بون.....''
میں نے آہستہ سے کہا۔

''اگر تم نے کچھ نہ کیا تو پھر مجبوراً مجھے ہی میدانِ عمل میں اُترنا پڑے گا۔ انکل تھیوڈور
نے میری جس طرح حفاظت کی ہے، میں اُسے ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ ورنہ میں بھی بزدل
نہیں ہوں اور بہت کچھ کر سکتی ہوں۔''

"خدا کے لئے فوراً ہی کوئی قدم اُٹھا کر اپنی اور میری زندگی خطرے میں نہ ڈالو۔ تھوڑا سا صبر کرلو۔ ہوسکتا ہے مجھے کچھ سوچنے کا موقع مل جائے۔"

ریڈ بون خاموش ہوگئی۔ میرا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔ یہ حقیقت تسلیم کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا کہ سولیتا، ریڈ بون ہے اور ریڈ بون، سولیتا۔ اور اصل سولیتا بھی بولنا جانتی تھی لیکن اتنے عرصے تک میرے سامنے خاموش رہی۔ کمبخت نے ایک بار بھی تو زبان سے آواز نہیں نکالی تھی۔ لیکن یہ لڑکیاں..... خدا انہیں غارت کرے کبھی سچ بولتی ہی نہیں۔ جب ضرورت پیش آئی تو کس طرح زبان کھول دی..... میں دل ہی دل میں دانت پیستا رہا۔ لیکن اب یہ تشویش بھی دامن گیر ہوگئی تھی کہ آئندہ کیا ہوگا؟ اگر واقعی ریڈ بون کے کہنے کے مطابق مسٹر تھیوڈور کسی مصیبت میں پھنس گئے تو یہ مصیبت مجھ تک پہنچنے میں کتنی دیر لگائے گی؟ کچھ نہ کچھ تو ہوگا ہی۔ یہ لوگ کب تک ہماری پرورش کرتے رہیں گے؟ صورت حال کا جاننا واقعی بے حد ضروری تھا اور اس کے لئے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر چارۂ کار نہیں تھا۔ لیکن ہاتھ پاؤں ہلانے کا نتیجہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔ نجانے کب تک میں اسی طرح سوچتا رہا۔ ریڈ بون نے اس کے بعد مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ البتہ میں آنکھیں پھاڑ کر تاریکی میں اُس کی صورت دیکھنے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔ یہ خاموش لڑکی کس طرح کفن پھاڑ کر بول پڑی تھی۔ اور بولی بھی تو ایسا جس نے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ بہرحال! کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ باہر کی آوازیں مسلسل محسوس کی جاتی رہتی تھیں۔ جس سے یہ انداز ہوتا تھا کہ یہ لوگ ہماری نگرانی سے غافل نہیں ہوئے ہیں۔

رات گزر گئی۔ صبح کو پھر ہمارا ناشتہ آگیا۔ میں نے دن کی روشنی پھوٹتے ہی ریڈ بون کا چہرہ دیکھا۔ آج سولیتا ایک ذہنی طور پر بیمار لڑکی ریڈ بون بن گئی تھی۔ کیسی عجیب کہانی تھی ناقابل یقین۔ لیکن اس لفظ کے تصور ہی سے اب مجھے چڑ ہونے لگی تھی۔ کون سی بات ناقابل یقین ہوسکتی ہے؟

میں نے آہستہ سے اُس سے کہا۔ "ریڈ بون! ناشتہ کرلو۔ یہ ہماری جسمانی بقاء کے لئے ضروری ہے۔"

"تم ناشتہ کرنے کی بات کرتے ہو، میں اپنی زندگی سے بیزار ہوں۔ اگر آپ نے کچھ نہ کیا تو پھر یہ بات ذہن نشین کرلو کہ مجھ سے جو کچھ بن پڑے گا، میں کروں گی۔ اب انکل تھیوڈور کی جدائی برداشت نہیں کرسکتی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن کوئی بے نتیجہ کارروائی کرنے سے کیا حاصل؟ ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے، سوچ سمجھ کر کرنا ہے۔"

"میری سوچنے سمجھنے کی قوتیں اب زائل ہوتی جارہی ہیں۔"

"خدا کے لئے انہیں سنبھالو۔ تم..... میرا مطلب ہے پتہ نہیں تمہارا مذہب کیا ہے؟ لیکن میں یہی کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو حواس میں رکھو۔ کچھ سوچتے ہیں۔ فوراً ہی کوئی قدم اُٹھانا مناسب نہیں ہے۔"

ریڈ بون خاموش ہوگئی۔ اور پھر اس کے بعد دن میں اُس نے مجھ سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ البتہ میں بونیٹو قبیلے کی اُس بیٹی کو دیکھ رہا تھا جو کسی بھی طرح کسی وحشی قبیلے کی لڑکی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس ریڈ بون تھی۔ جس نے واقعی کمال کر دکھایا تھا۔ کیا اعلیٰ تربیت دی تھی اُسے تھیوڈور نے۔ ویسے میرا ذہن اور بھی بہت سی باتیں سوچ رہا تھا۔ کیا تھیوڈور نے اصل ریڈ بون کو جو کچھ بتایا ہے، وہی سچ ہے یا اس کی آڑ میں وہ کچھ اور کرنا چاہتا ہے؟ کیا اُس نے جو ایثار کیا ہے، وہ ایثار ہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو ریڈ بون کی بیٹی بنا کر سیلی بون سے خزانے کے حصول کے لئے آسانیاں چاہتا ہو؟ لیکن یہ بات ذہن میں پوری طرح بیٹھی نہیں تھی۔ اس کے پس پردہ نجانے کیا تصور تھا؟ اور بھی تو بہت کچھ ہوسکتا تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اصل سولیتا یعنی ریڈ بون کسی کے ہاتھوں ماری جاتی۔ جل برادرز نے اس کے لئے کیا کیا کوششیں نہ کرلی تھیں؟ عقل یہیں آکر چکرا جاتی تھی۔ اور اس کے بعد دماغ اس طرح دُکھنے لگتا تھا کہ پھر مزید کچھ سوچنے کو دل نہ چاہتا۔

پورا دن گزر گیا۔ رات آگئی۔ اس کے بعد ریڈ بون نے مجھ سے اور کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ رات کا کھانا البتہ اُس نے پیٹ بھر کر کھالیا اور مجھے اس بات پر بھی حیرت ہوئی۔ اب وہ کسی قدر پرسکون نظر آرہی تھی۔ کہیں اس سکون کی آڑ میں کوئی طوفان تو کروٹیں نہیں بدل رہا؟ پھر اس وقت اندازے کے مطابق رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا جب میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ میں ذرا یہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ باہر کی کیفیت کیا ہے؟ اگر یہاں سے فرار کی کوشش کی جائے تو اس میں کس حد تک کامیابی کے امکانات موجود ہیں؟ میں احاطے کے دروازے کے پاس پہنچ گیا اور پھر میں نے آہستہ سے دروازے کو کھولنے کی کوشش کی۔ ہلکی

ہلکی آوازیں پیدا ہوئیں لیکن دروازہ نہیں کھلا۔ میں چند لمحات انتظار کرتا رہا۔ اور بعد پھر میں نے دروازہ کھولا۔ اس بار جب میں نے دروازے پر زور لگایا تو وہ فوراً گیا اور میں جھونک میں باہر نکل آیا۔ میرا سر پتھریلی چٹان سے ٹکرایا تھا اور سر کے تارے ناچ گئے۔ ایک لمحے کے لئے میں چکرا کر گرنے ہی والا تھا کہ کوئی چیز ہاتھ آ گئی۔ ایک پتلا سا ڈنڈا تھا جسے سنبھال کر میں نے اپنے آپ کو گرنے سے روکا۔ لیکن یہ کیا ہوا؟ ڈنڈے کے ساتھ ساتھ ہی کوئی اندر آیا اور دھپ سے زمین پر گر پڑا۔ میں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ پھر میں نے اس ڈنڈے کو ٹٹول کر دیکھا جواب میرے ہاتھ میں بے وزن تھا۔ اُوپری سرے پر ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا کہ نوک دار نیزہ ہے۔ میں نے گھبرا کر نیزے کو پوری قوت سے دروازے سے باہر پھینک دیا اور دوسرے لمحے مجھے ایک کراہ سنائی دی۔ یہ کراہ بھی میرے لئے تعجب خیز تھی۔ میں چند سیکنڈ احمقوں کی طرح کھڑا رہا اور پھر اپنے عقب سے مجھے ریڈ بون کی آواز سنائی دی۔

''باہر نکلو..... میں نے اس کی گردن دبا دی ہے۔''

''کک..... کس کی؟''

''جسے تم نے اندر کھینچا تھا۔''

''مم..... میں نے؟'' میں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر نیچے بیٹھ کر اس کو ٹٹولنے لگا جو اندر آ کر دھپ سے گری تھی۔ کوئی انسان ہی تھا۔ میرے حلق سے … آواز نکل گئی۔

''ارے باپ رے.....'' اور اب مجھے صورت حال کا اندازہ ہو رہا تھا۔ میری … سن کر باہر موجود کسی وحشی پہرے دار نے دروازہ کھولا تھا اور اسی جھونک میں، میں باہر چلا گیا تھا۔ اور پھر شاید میرا سر اُس کے سر سے ٹکرایا تھا اور میں نے گرنے سے بچنے کے لئے جس چیز کا سہارا لیا تھا، وہ اُس شخص کے ہاتھ میں تھما ہوا نیزہ تھا۔ نیزے پر … پڑی تو وہ شخص نیزے کے زور کے ساتھ ساتھ ہی اندر آ گرا تھا اور پیچھے ریڈ بون نے اس کی گردن پکڑ لی تھی۔ اس تمام کارروائی میں میرا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ جو کچھ ہوا … کا نتیجہ تھا۔ لیکن باہر جو آواز سنائی دی تھی وہ کیسی تھی؟ اس دوران ریڈ بون نے مجھے … کے دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ اور میں کسی چیز سے ٹکرا کر گرتے گرتے بچا۔ اس

ٹکرانے والی چیز کو دیکھا تو یہ بھی ایک انسانی بدن تھا۔ باہر اندر کی نسبت کسی قدر روشنی تھی۔ جو شاید تاروں کی چھاؤں کی وجہ سے تھی۔ یا پھر دُور جلتی ہوئی کچھ مشعلیں جن کی ہلکی ہلکی روشنی یہاں تک بھی پہنچ رہی تھی اور اس کی روشنی میں، میں نے جو کچھ دیکھا، اس سے بھی بری حالت مزید خراب ہو گئی۔ یہ دوسرا پہرے دار تھا۔ جس کے حلق میں ایک نیزہ ترازو تھا۔ دوسرا نیزہ اُس کے ہاتھ میں تھا، لیکن یہ نیزہ جس سے وہ ہلاک ہوا تھا۔ اور پھر مجھے اس نیزے کا خیال آیا جسے میں نے ٹٹول کر محسوس کیا تھا اور خوفزدہ ہو کر باہر پھینک دیا تھا۔ آہ! یہ تو کمال ہی ہو گیا۔ خوف کے انداز میں باہر پھینکا ہوا میرا نیزہ باہر کھڑے ہوئے پہرے دار کی گردن میں ترازو ہو گیا تھا۔ خدا کی پناہ میرے ہاتھوں دو وحشی قتل ہو گئے تھے۔ اور وہ بھی نادانستہ طور پر۔ بلکہ صرف اتفاقات کے سہارے۔ اب کیا ہو گا؟ اب اگر باہر نکلا تو زندگی کے لالے پڑ جائیں گے۔

ریڈ بون نے میرا بازو پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ''چلو! اب یہاں کیوں رُکے ہوئے ہو؟ اگر دوسرے لوگ آ گئے تو ہمیں انہی نیزوں سے چھلنی کر ڈالیں گے۔''

میرے کانوں میں یہ الفاظ پڑے تو میرے بدن میں جیسے بجلیاں بھر گئیں۔ اور اس کے بعد مجھے ہوش نہیں رہا کہ میں کتنی دیر تک دوڑتا رہا..... ریڈ بون میرے ساتھ تھی۔ غالباً دوسرے لوگوں کو ہمارے اس طرح فرار کی توقع نہیں تھی۔ کیونکہ کئی دن سے ہم تہ خانے میں بڑی شرافت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے اپنے آپ کو جنگل میں محسوس کیا۔ میری آنکھیں پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر بھٹک رہی تھیں۔ تاحد نگاہ اُونچے نیچے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ نجانے کب تک میں اور ریڈ بون دوڑتے رہے تھے۔ ہماری انتہائی کوششیں یہی تھیں کہ اتنی دُور پہنچ جائیں کہ وہ لوگ صورت حال معلوم ہونے کے بعد ہمارا تعاقب نہ کر سکیں۔ پھر جب سورج کی روشنی پھوٹی تو ہم نے اپنے آپ کو ایک چٹانی علاقے میں پایا۔ موسم خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ لیکن دوڑنے سے میرا بدن تھک کر چور چور ہو گیا تھا اور اب دوڑنے کی رفتار بھی وہ نہیں رہی تھی جس رفتار سے ہم نے یہاں تک کا سفر کیا تھا۔ پورا بدن پسینہ اُگل رہا تھا۔ میں نے ریڈ بون کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ہانپ رہی تھی اور پسینے میں تر تھی۔ لیکن اُس کے انداز میں تھکن موجود نہیں تھی۔ آخر جنگلی لڑکی تھی۔ مہذب دنیا میں رہنے کے بعد بھی اتنی ہی جنگلی، جتنا اُسے ہونا چاہئے تھا۔

ہم چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگے۔ تب ریڈ بون بولی۔ ''ہمیں اس سے زیا... نہیں نکلنا چاہئے۔ اگر اُنہیں ہمارے فرار کا علم ہوگیا تو وہ ہمیں تلاش کریں گے۔ ... کے قریب پہنچنے سے پہلے بہتر ہے کوئی ایسی جگہ دریافت کر لی جائے جہاں ہم پوش... جائیں۔ اگر ہم ان سے بہت دُور نکل گئے تو پھر صورت حال معلوم کرنے میں بہت ... گی۔''

دل تو چاہا کہ اس صورت حال کو گندی گندی گالیاں سنائی جائیں۔ لیکن ظاہر ہے سب کچھ بہت مشکل تھا۔ ہم ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ علاقہ خوبصورت تھا۔ چاروں طرف سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے اور جگہ جگہ چٹانیں اُبھری تھیں۔ ایک سبزے سے گھری ہوئی چٹان کے نیچے ایک سوراخ نظر آیا اور ہم تیز... اُس کے قریب پہنچ گئے۔ چند ہی لمحات کے بعد یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ سوراخ کی ... جانب کوئی کشادہ غار ہے۔ چنانچہ یہ اندازہ لگائے بغیر کہ اس غار میں کوئی خطرہ تو نہیں... ہم دونوں اُس میں داخل ہوگئے۔ غار اندر سے کافی کشادہ تھا اور ہمیں تھوڑا سا نیچے ... تھا۔ لیکن یہاں گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی ایسا رخنہ نہیں تھا جس سے روشنی ا... سکتی۔ چند لمحات ہم وہیں کھڑے ہوکر تاریکی میں آنکھیں پھاڑتے رہے۔

''اوہ..... اُدھر دیکھو! شاید وہ کوئی سرنگ ہے۔'' ریڈ بون نے کہا۔

میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ دیں۔ مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ لیکن چند لمحات کے... جب آنکھیں تاریکی کی عادی ہوگئیں تو میں نے بھی اُس سیاہ سے دھبے کو دیکھ لیا تھا جو... کے آخری سرے پر تھا۔

یقیناً وہ ایک سرنگ ہی تھی اور اتنی کشادہ تھی کہ ہم لوگ کھڑے ہوکر با آسانی اُس... چل سکتے تھے۔ لیکن اُوپر کا حصہ ہم سے صرف چار، پانچ انچ اُونچا تھا۔ اور اگر اس میں... کوئی پتھر اُبھرا ہوتا تو ہمارے سروں کے ٹکڑے بھی اُڑ سکتے تھے۔ چنانچہ ہم نے دونوں... اُوپر کر لئے تاکہ چھت کو ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھ سکیں۔ سرنگ کافی لمبی تھی۔ لیکن اچھی... یہ تھی کہ اس میں گھٹن نہیں تھی۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد ہم رُک گئے۔

''کیا خیال ہے..... آگے بڑھتے رہیں؟'' ریڈ بون نے کہا۔

''اور اطمینان سے تحت الثریٰ میں جا پڑیں۔'' میں نے کہا۔

''اوہ..... تم بلا وجہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ حالانکہ تم اتنے بزدل نہیں ہو۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''یہی کہ تم بزدل نہیں ہو۔ تم نے کس دلیری سے ان دونوں کو قتل کر دیا۔''

''ارے خدا سے ڈرو! وہ تو کمبخت خود ہی قتل ہو گئے۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔'' میں نے دانت پیستے ہوئے کہا اور ریڈ بون ہنسنے لگی۔

''خود قتل ہونے کی بھی خوب رہی۔ کیا اُنہوں نے اپنے ہاتھوں سے وہ نیزے اپنے بدن میں اُتار لئے تھے؟''

''آہ..... میں تمہیں کیا بتاؤں کہ کیا ہوا تھا؟'' اور پھر میں نے ساری صورت حال بتا دی۔

''تم بہت دلچسپ آدمی ہو منصور! مگر میں ایسی مصیبتوں میں گرفتار ہوں کہ تمہاری شخصیت سے لطف اندوز بھی نہیں ہوسکتی۔ آؤ! اس سرنگ کو آگے تک دیکھیں۔''

اُس نے کہا اور اسی طرح چھت ٹٹولتی آگے بڑھنے لگی۔ میں نے دل ہی دل میں اُسے بے شمار گالیاں دے ڈالی تھیں۔ میرا دل ہی جانتا تھا کہ میں کس قدر دلچسپ انسان ہوں۔ اُس کا خیال تھا کہ میں نے جان بوجھ کر اُن دونوں وحشیوں کو قتل کیا تھا۔ بہرحال! یہی سہی۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی تھا۔ چنانچہ میں نے بھی قدم آگے بڑھا دیئے۔

تنگ و تاریک سرنگ شیطان کی آنت کی مانند لمبی تھی۔ ویسے تاریکی اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی وجہ سے ہمارے سفر کی رفتار بھی سست تھی۔ اور میں بہت آہستگی سے قدم اُٹھا رہا تھا۔ یہی کیفیت ریڈ بون کی تھی۔ بعض جگہ سرنگ کچھ نیچی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے ہمیں جھک کر سفر کرنا پڑ رہا تھا۔ اور پھر اُس کا اختتام ہوگیا اور یوں محسوس ہوا جیسے ہم کسی بہت ہی کشادہ غار میں پہنچ گئے ہیں۔ بس! یہ احساس ہی تھا۔ دہانے سے باہر نکلے تو خلاء میں ہاتھ مارے۔ خلاء لامحدود تھی۔ یہ احساس ان الفاظ سے ہوا تھا جو ریڈ بون کے منہ سے نکلے تھے۔

''یوں لگتا ہے جیسے اس سرنگ کا اختتام ہوگیا۔'' اُس کے یہ الفاظ بری طرح گونجے گئے تھے اور ہم آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ہمیں اس غار کی کشادگی کا احساس ہوا۔ اس کی بلندی بے پناہ تھی اور شاید وسعت بھی۔ ہم چند لمحات

اپنی جگہ کھڑے رہے۔

''آؤ! اسے بھی ٹٹول کر دیکھیں۔ ہوسکتا ہے اس کا بھی کوئی باہر جانے کا راستہ ہو۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے منصور؟ یہ ہماری بہترین پناہ گاہ ہے اور یہاں کوئی بھی نہیں سکتا۔'' ریڈ بون نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس پناہ گاہ میں ہم کریں گے کیا؟ کتنی دیر ہم زندہ رہ سکتے ہیں؟''

''سوچنے کے لئے کچھ وقت چاہئے اور پھر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ اگر ہم دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو جائیں اور ہمیں تحفظ مل جائے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی بیدار ہوں گی۔''

''اور میں بہت لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ کیوں؟'' میں نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ پھر میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔ ''آؤ! آگے بڑھیں۔''

اور پھر ہم آگے بڑھ گئے۔ پیروں کے نیچے کوئی گیلی سی چیز محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے غار کے فرش پر گھاس بچھی ہو۔ لیکن اس گھاس نے جو کارنامہ دکھایا، اس سے تو لطف ہی آ گیا۔ دفعتاً وہ گھاس ہمارے وزن کو لے کر سمٹنے لگی اور ہم گرتے گرتے بچے۔ میں نے سہارے کے لئے ریڈ بون کو پکڑ لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہم دونوں گر پڑے۔ البتہ گرنے سے کوئی چوٹ نہیں لگی تھی۔ کیونکہ وہ گھاس اب زمین سے کافی اونچی ہوگئی تھی۔ اور پھر یہ تو بعد میں ہی احساس ہوا کہ وہ گھاس نہیں بلکہ رسیوں کا کوئی جال تھا جس پر ہم چل رہے تھے۔ اور اب یہ جال اُوپر اُٹھنا شروع ہو گیا۔ ہم نے جدھر بھی ہاتھ پاؤں مارے، اُدھر ہی لڑھک گئے اور دیر تک ہم اُسی طرح تاریکی میں، جال میں پھنسے ہوئے لڑھکنیاں کھاتے رہے۔ میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں ایک بار پھر زائل ہوگئی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ جال کیا ہے؟ لیکن ہر بات تھوڑی دیر کے بعد سمجھ میں آ ہی جاتی ہے۔

دفعتاً ہی ایک سمت سے روشنی پھوٹی۔ یہ مشعل کی روشنی تھی۔ اور پھر مشعل ایک دیوار میں نصب ہوگئی۔ پھر دوسری مشعل جلی۔ پھر تیسری اور پھر چوتھی۔ اور اُس کے بعد ہمیں ایک ہیولا نظر آنے لگا جو غار کی دیواروں میں نصب شدہ مشعلیں روشن کرتا پھر رہا تھا۔ ہم حیرت سے اُس وحشی کو دیکھنے لگے جس کا بدن ننگ دھڑنگ تھا۔ بھاری بدن اور درمیانہ قد کا یہ

شخص مقامی باشندہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے چہرے پر نقش و نگار کندہ تھے۔ سر پر پروں کی ٹوپی تھی۔ بدن اچھا خاصا تھا اور وہ اپنی حرکات سے چست و چالاک نظر آتا تھا۔

پھر ہم نے چھت کی طرف دیکھا۔ بہت اُونچائی پر اُس جال کی ڈوریاں بندھی ہوئی تھیں اور جال بھی کافی وسیع تھا۔ غار میں اُس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد غار پوری طرح روشن ہوگیا۔ مشعلیں جس چیز سے جل رہی تھیں، وہ نہ تو بدبودار تھی اور نہ ہی دھواں دے رہی تھی۔ پورے غار میں صرف یہی ایک وحشی نظر آ رہا تھا جس کا تعلق بونیٹو سے تھا۔ ایک سمت ایک چھوٹا سا دہانہ اور نظر آیا۔ غالباً یہ شخص وہیں سے نکلا تھا۔ جب غار پوری طرح جگمگانے لگا تو اُس کا کام ختم ہوگیا اور اُس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھا۔ اور پھر تھائی زبان میں کچھ بولا جو میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ ریڈ بون اس زبان کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔ لیکن ریڈ بون بھی خاموشی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ ہم دونوں بڑے اطمینان سے جال میں لٹکے ہوئے تھے۔ رسیاں اتنی موٹی تھیں کہ انہیں کاٹنے یا توڑنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وحشی نے چند لمحات کھڑے ہو کر ہمیں دیکھا۔ پھر ایک سمت بڑھا اور اُس نے غالباً وہ رسی ڈھیلی کرنا شروع کر دی جو جال کے میکنزم سے تعلق رکھتی تھی۔ ہم اتنے نیچے آ گئے کہ وحشی ہمارے چہرے دیکھ سکتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور ہمارے قریب پہنچ گیا۔ اُس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ رنگ گہرا سیاہ اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پائی جاتی تھی۔ نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ وحشی کے انداز میں ایک پراسراری کیفیت ہے۔ وہ ہمارے نزدیک کھڑا مسکرا رہا تھا۔ لیکن پھر دفعتاً ہی اُس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار نظر آئے۔ وہ ریڈ بون کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کے بعد وہ دوڑتا ہوا ایک طرف گیا اور ایک مشعل اپنی جگہ سے نکال کر لے آیا تاکہ اور غور سے ریڈ بون کا چہرہ دیکھ سکے۔

ریڈ بون نے آہستہ سے کہا۔ ''یوں لگتا ہے جیسے اب کچھ ہونے والا ہے۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے تو شروع ہی سے یہ لگ رہا تھا کہ کچھ ہونے والا ہے۔

وحشی، ریڈ بون کا چہرہ غور سے دیکھتا رہا۔ اور پھر اُس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ کے انداز میں نکلا ''میرے خدا.....''

اور اس بار ہم دونوں کے اُچھل پڑنے کی باری تھی۔ کیونکہ وحشی نے یہ جملے انگریزی میں کہے تھے۔ گویا وہ انگریزی بول سکتا ہے.....

سب کچھ ہو سکتا تھا۔ میرا سر نیچے اور پاؤں اُوپر ہو سکتے تھے تو بھلا یہ وحشی انگریزی کیوں نہ بول سکتا تھا؟

ریڈ بون بھی متحیرانہ انداز میں اُسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا تم انگریزی بول سکتے ہو؟''

''اوہ.....اب تو میں لاطینی، فرانسیسی، جرمنی بھی بول سکتا تھا۔ اور اگر تم چاہو تو جاپانی زبان بھی۔ اوہ میرے خدا! حیرت انگیز.....واقعی حیرت انگیز.....'' چند لمحات وہ اسی طرح ہم دونوں کو گھورتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''کیا تمہارے پاس کوئی آتشیں ہتھیار موجود ہے؟''

''میرے پاس ہے۔'' میں نے کہا۔

''تو براہِ کرم! اُسے نکال کر جال سے باہر پھینک دو۔ میں تمہارے ساتھ تعاون کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرا آتشیں ہتھیار میری زبان ہے۔ ایسی اعلیٰ پائے کی گالیاں سناؤں گا تمہیں کہ تمہارے تن بدن میں آگ لگ جائے گی۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا۔ اگر تم اپنی بہتری چاہتے ہو تو جو بھی آتشیں ہتھیار تمہارے پاس موجود ہے، اُسے باہر پھینک دو۔''

''بے وقوف آدمی! ہمارے پاس اگر ہتھیار ہوتا تو اَب تک تمہارے بدن میں لاتعداد سوراخ ہو گئے ہوتے۔''

''اگر تم نے مجھ سے بدعہدی کی تو میں بھی اس کے لئے مجبور ہو جاؤں گا۔''

''تم چاہو تو ہماری تلاشی لے سکتے ہو۔'' میں نے کہا۔

''تو اَب میں تمہیں جال سے باہر نکال رہا ہوں۔ لیکن ایک بات سن لو! میں لڑائی بھڑائی کا آدمی نہیں ہوں۔ تم نے اگر ایسی کوئی کوشش کی تو سخت نقصان میں رہو گے۔ میں تم سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ جو حیرت انگیز انکشاف ہوا ہے، اسے میں صرف اتفاق نہیں سمجھتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بہت ہی بری بات ہونے جا رہی ہے۔''

''اس سے بری بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم نہ زمین پر ہیں اور نہ آسمان پر۔''

''میں تمہیں نیچے اُتارتا ہوں۔ لیکن براہِ کرم! مجھ سے تعاون کرنا۔'' اُس نے کہا اور پھر وہ ایک طرف چل پڑا۔ غالباً وہ جال کو نیچے اُتارنے جا رہا تھا۔ لیکن پھر کسی خیال کے تحت وہ رُکا اور اس کے بعد اس سوراخ میں چلا گیا۔ چند لمحات کے بعد واپس آیا تو اُس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

پستول ہاتھ میں لے کر اُس نے جال کی اُس رسّی کو نیچا کیا۔ جس سے وہ جال آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ اور اس کے بعد ہم دونوں جال سے باہر نکل آئے۔

وحشی نے آہستہ سے کہا۔ ''تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔ اور ایک بات کا یقین رکھو! میری ذات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

میں نے اور ریڈ بون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر ہم اُس کے ساتھ، اُس دہانے کی طرف بڑھ گئے جس سے وہ خود نکل کر باہر آیا تھا۔

دہانے کے دوسری طرف کا منظر البتہ مختلف تھا۔ یہاں بہت ہی نفیس قسم کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ کھانے پینے کی اشیاء، ایک طرف مقامی طور پر لکڑی سے بنائی گئی میز اور سٹول اور کرسی، دوسری طرف زمین پر بہت سی گھاس بچھی ہوئی تھی جسے نہایت عمدگی سے سیٹ کیا گیا تھا اور وہ ایک نرم اور آرام دہ بستر بن گیا تھا۔ غرض اُس ویرانے میں اور اُس جنگلی علاقے میں آسائشوں کا جو بندوبست کیا جا سکتا تھا، جدید پیمانے پر وہ کر لیا گیا تھا۔

وحشی نے ہمیں ایک طرف بیٹھنے کی پیشکش کی اور پھر بولا۔ ''میں تمہیں عمدہ قسم کی کافی پلا سکتا ہوں اور اچھا کھانا دے سکتا ہوں۔ یہ میری طرف سے دوستی کا اظہار سمجھو۔ لیکن جواب میں، میں تمہاری دوستی بھی چاہتا ہوں۔''

''کافی.....؟'' میں نے لذیذ سے انداز میں ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''ہاں..... برازیل کی نہایت عمدہ کافی۔''

''یار! بڑے ماڈرن وحشی معلوم ہوتے ہو۔ بہرطور! اگر تم ایسا کرو تو یوں سمجھ لو ہمارے تمہارے درمیان تمام اختلافات ختم۔''

وحشی نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔ اَب وہ ہماری طرف سے کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود پستول اُس نے اپنے پاس سے جدا نہیں کیا تھا۔ تاکہ اگر ہم

کھانے پینے کے بعد بھی کسی شرارت پر آمادہ ہوں تو وہ اپنا تحفظ کر سکے۔ اُس کے بعد اُس نے کیروسین سٹو نکالا اور اُس پر کافی کا پانی چڑھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کچھ خاص قسم کے ڈبوں سے کھانے پینے کی اشیاء نکال رہا تھا۔ ہماری حیرت کا عالم انتہائی حدوں کو چھو رہا تھا۔ واقعی اس سلسلے میں عقل کام نہیں کر رہی تھی کہ بونیٹو کا یہ مہذب وحشی کیا حیثیت رکھتا ہے؟ بلاشبہ اُس نے بہترین کافی بنائی تھی۔ کافی کے پیالے ہمارے ہاتھوں میں دے کر اُس نے ایک پلیٹ ہمارے سامنے رکھ دی جس میں اعلیٰ قسم کے بسکٹ رکھے ہوئے تھے اور بھی دوسری چیزیں تھیں جن میں ڈرائی فروٹس وغیرہ شامل تھے۔

ریڈ بون کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ہم کافی بھی پی رہے تھے، اُس کی لائی ہوئی اشیاء بھی کھا رہے تھے۔ لیکن وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ تب ہی دفعتہً ریڈ بون نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''کیا اس کا تعلق بونیٹو سے نہیں ہے؟''

''اس کا تعلق کہیں سے بھی ہو۔ اس کافی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

''نہیں منصور! یہ مجھے بونیٹو کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا۔ تم اس کی انگلش سے کوئی اندازہ لگا سکتے ہو؟''

''میں اس کی کافی سے بہت سے اندازے لگا سکتا ہوں۔'' میں نے کافی کا کپ خالی کرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم اور کافی لینا پسند کرو گے؟'' اُس نے سوال کیا۔

''اس سے زیادہ پسندیدہ بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔'' میں نے کہا اور اُس نے میرا کافی کا کپ پھر سے بھر دیا۔ میں نے شکریئے کے ساتھ یہ دوسرا کپ بھی قبول کر لیا تھا۔ البتہ ریڈ بون نے دوبارہ کافی نہیں لی۔

جب ہم تمام چیزوں سے فارغ ہو گئے تو وہ ہمارے پاس آ بیٹھا اور بولا۔ ''دوستو! اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تمہیں بھی خزانے کا چکر ہی یہاں لے آیا ہے۔''

''آہ..... اگر میری بات کرتے ہو تو میں تو تقدیر کا مارا ہوا ہوں۔ اور تقدیر کے ای چکر میں گرفتار ہوں۔ اور جہاں تک میری دوست کا تعلق ہے.....'' میں نے جان بوجھ کر ریڈ بون کا نام نہیں لیا تھا۔ ''تو اگر اس کے ذہن میں کوئی خزانہ ہو تو میں کہہ نہیں سکتا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے تعاون کرو۔ میں تمہاری زندگی کی ضمانت لیتا ہوں۔''

''زندگی کے لئے تو ہر طرح کا تعاون کیا جا سکتا ہے۔ لیکن دوست! کیا تم اپنے بارے میں بتانا پسند نہیں کرو گے؟'' آخر تم نے بونیٹو میں رہ کر یہ عمدہ قسم کی انگریزی اور اعلیٰ قسم کی کافی کہاں سے حاصل کی؟''

اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ بولا۔ ''ہر چند کہ اتنی جلدی تمہارے اوپر اعتبار خود میری ذات کے لئے خطرناک ہے۔ لیکن میں خطرات کی زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ جو زندگی گزار رہا ہوں، اس میں ہر لمحہ اتنے خطرات پیش آتے ہیں کہ بالآخر خطرے کا احساس میرے ذہن سے نکل گیا ہے۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بے شک بتا رہا ہوں۔ لیکن تم اگر اس سے کوئی غلط فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرو تو تمہارے ضمیر پر منحصر ہے۔ لیکن میں تمہارے ساتھ ہر طرح سے تعاون کرنے کو تیار ہوں اور تمہاری آمد سے مجھے بے پناہ خوشی ہوئی ہے۔''

''ہمیں بھی تمہارے مل جانے سے بے پناہ خوشی ہوئی ہے۔ لیکن زیادہ خوشی اُس وقت ہوگی جب تم مکمل طور پر اپنا تعارف کراؤ گے۔''

''میرا نام کارنیلس ہے۔ اور میں برطانوی باشندہ ہوں۔'' اُس نے کہا۔

ہم دونوں اُچھل پڑے۔ پھر میں نے کہا۔ ''لیکن بھائی برطانوی! یہ تم روسیاہ کیسے ہو گئے؟''

''میرے چہرے پر میک اَپ ہے۔'' اُس نے جواب دیا۔

''واقعی کمال کا میک اَپ ہے۔ لیکن کیا تم مقامی زبان بھی جانتے ہو؟''

''اچھی طرح۔'' اُس نے جواب دیا۔

''وہ کون سی مصیبت تمہیں درپیش تھی جس کی بناء پر تم لندن چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئے؟''

''خزانہ..... سونے کی چمک، ہیروں کی جگمگاہٹ انسان سے اُس کی عقل چھین لیتی ہے۔ بونیٹو کا وہی روایتی خزانہ مجھے یہاں لے آیا ہے جس کی تلاش میں تم یہاں پہنچے ہو۔ انکار کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میں تمہاری بات پر یقین نہیں کروں گا۔ صحرائے اعظم سے ان ہولناک علاقوں کا سفر کر کے یہاں آنے والے کسی چکر میں ہی آ سکتے ہیں۔ تفریحاً کوئی اتنے خطرات مول نہیں لے سکتا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ یہ اعتراف کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم بھی خزانے کی
تلاش میں آئے ہیں۔ لیکن مسٹر کارنیلس! آپ کو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔''

''تم تصور نہیں کر سکتے کہ یہاں تک پہنچنے کے لئے مجھے کیا کیا کچھ کرنا پڑا؟ اور…
قربانیاں دینی پڑی ہیں؟ میرے ساتھ چھ افراد اور بھی تھے۔ اور وہ چھ کے چھ ہلاک ہو
گئے۔''

''اور تمہیں زندہ رہنے کے لئے یہ روسیاہی اختیار کرنا پڑی۔''

''ہاں! اس کے سوا چارۂ کار نہیں تھا۔ میں تقریباً چار سال سے ان لوگوں کے درمیان
ہوں۔''

''میرے خدا! چار سال۔ لیکن تمہارے پاس اس کافی کی موجودگی۔ کیا یہ چار…
پرانی کافی ہے؟'' میں نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

وہ مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔ ''ذہین آدمی ہو۔ لیکن یہ کافی چار سال پرانی نہیں ہے۔…
کے اس خزانے کے سلسلے میں بہت سے گروہ یہاں آ کر ہلاکت کا شکار ہو چکے ہیں۔…
کے یہ چار بڑے پیکٹ میں نے ایک گروہ ہی سے حاصل کئے تھے۔ یہاں کے باشندے
اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ یہ ڈرائی فروٹس اور یہ تمام چیزیں بھی اُنہی کا…
ہیں۔''

''تو کیا یہاں بیرونی لوگوں کو قتل کر دیا جاتا ہے؟''

''یہ ایک طویل کہانی ہے۔ اگر تم مجھے اس بات کا اطمینان دلا دو کہ میرے ساتھ…
تعاون کرو گے تو میں تمہیں یہ کہانی سنا سکتا ہوں۔''

''پیارے بھائی! اس سے پہلے جن گروہوں سے تم نے یہ کافی وغیرہ حاصل کی تھی…
انہیں تم نے اپنے ساتھ تعاون کے لئے آمادہ نہیں کیا؟'' میں نے دوسرا ٹیڑھا سوال کیا۔

کارنیلس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اُس نے کہا۔ ''نہیں۔ مجھے اس کا…
ہی نہ مل سکا۔ اور نہ ہی کوئی ان وحشیوں کے چنگل سے نجات حاصل کر کے مجھ تک پہنچ سکا
ہے۔ تم پہلے دو افراد ہو جنہوں نے یہ جرات اور ہمت کی ہے۔''

میں نے مسکراتی نگاہوں سے ریڈ بون کو دیکھا۔ لیکن ریڈ بون کا چہرہ ستا ہوا تھا۔…
گیا کہ وہ اس وقت کس احساس کا شکار ہے؟ باہر سے آنے والوں کے لئے موت کا…

…ن پر اُس کے ذہن میں یہ احساس جاگا ہے کہ کہیں مسٹر تھیوڈور اور اُن کی بیٹی سولیتا کو بھی
…تو نہیں کر دیا گیا؟ بہر طور! میں اس داستان کو سننے کے لئے بے چین تھا جو مسٹر کارنیلس
مجھے سنانا چاہتے تھے۔

چند لمحات کے بعد اُس نے کہا۔ ''دوستو! میرا تعارف ہو چکا تم سے۔ کیا اب بھی اپنے
بارے میں بتانا پسند نہیں کرو گے؟''

''کیوں نہیں مسٹر کارنیلس! میرا نام منصور ہے۔ اور یہ.....'' میں نے محسوس کیا کہ ریڈ
بون کے چہرے پر بے چینی کی سی لہر پھیل گئی۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اور یہ
میری بہت ہی گہری دوست سولیتا ہیں۔'' ان الفاظ پر میں نے ریڈ بون کے چہرے پر
اطمینان کے آثار دیکھے تھے۔ گویا وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُسے ریڈ بون کی حیثیت سے روشناس
کرایا جائے۔

''تمہارا تعلق ایشیاء سے ہے؟'' کارنیلس نے سوال کیا۔

''برطانوی باشندے ایشیاء سے کیوں نہ واقف ہوں گے؟''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے، تمہارے خدوخال ایشیائی ہیں اور یہ لڑکی غالباً امریکن
ہے۔''

''تمہارا یہ سوچنا بھی بالکل درست ہے۔''

''ویسے اس کے چہرے میں ایک عجیب بات پائی جاتی ہے۔ خیر میڈم سولیتا! میں آپ
کو بھی خوش آمدید کہتا ہوں۔ اگر آپ آرام کرنا چاہتے ہوں تو میں مداخلت نہیں کروں گا۔
ویسے میرا خیال ہے، آپ اُنہی گرفتار ہونے والوں میں سے ہیں جو ابھی حال ہی میں
مزنی بار بونیو پہنچے ہیں۔''

''تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔'' مسٹر کارنیلس! کیا تم اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام
لے کر ہمیں یہ بتا سکتے ہو کہ ہمارے بقیہ ساتھی کہاں گئے؟ میری مراد ایک لڑکی اور ایک
بوڑھے ساتھی سے ہے۔'' میں نے کہا۔

وہ مایوس ہو کر ہونٹ سکیڑ کر بولا۔ ''افسوس، نہیں۔ میری معلومات اب اتنی وسیع بھی نہیں
ہیں۔ میں اپنے طور پر ان کے درمیان جی رہا ہوں۔ اور اس کے لئے مجھے کیا کیا جتن
کرنے پڑتے ہیں؟ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''کاش! ہمیں اُن کے بارے میں معلوم ہو جاتا۔ ویسے یہ بات تعجب خیز نہیں
باہر سے آنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں؟''
''اس کے پس پردہ ایک المیہ کہانی ہے۔''
''آہ! ان ویرانوں میں بھی المیے بکھرے ہوئے ہیں۔''
''المیے کہاں نہیں ہوتے؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سولیتا یا ریڈ بون
خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ ویسے بھی یہ لڑکی عا
سے مسکرانے کی عادی نہیں تھی۔ اور میں نے اُسے زندگی کی دلچسپیوں سے دُور پایا
ہماری فرمائش پر مسٹر کارنیلس نے اپنی کہانی سنائی۔ اُس نے کہا کہ وہ ایک مہم جو ہیں
اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ بونیٹو کے خزانے کی تلاش میں تھے۔ اُن میں سے دو
راستے کی مصیبتوں کا شکار ہو گئے۔ باقی صرف پانچ افراد بونیٹو تک پہنچ پائے تھے۔
میں اُنہیں گرفتار کر لیا گیا اور اُن چاروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ مگر مسٹر کارنیلس اُن کے
سے نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ مسٹر کارنیلس نے کہا۔ ''میرے دوست! تم
جانتے کہ زندگی بچانے کے لئے مجھے کیسی کیسی اذیتوں اور صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔''
''لیکن بونیٹو میں رہ کر آپ اُن کے چنگل سے کیسے آزاد رہے؟''
''بس! اسے میری خوش قسمتی ہی سمجھ لو کہ میں نے اس قبیلے کے کچھ ایسے راز دریافت
لئے جو مقامی لوگوں کو بھی معلوم نہیں تھے۔''
''یعنی؟'' میں نے سوال کیا۔
''زمین کے نیچے کی دنیا..... ان پہاڑوں میں لاتعداد سوراخ ہیں اور یہ سوراخ
بہت وسیع، کہیں بہت لمبے اور کہیں بہت تنگ ہیں۔ میں اُن سوراخوں میں کئی دن تک
پیاسا چھپا رہا۔ اور اس کے بعد میں نے کچھ فیصلے کئے۔ میں نے سوچا کہ میں اُنہی
درمیان وقت گزاروں گا۔ ظاہر ہے تن تنہا تو صحرائے اعظم کے اس دُور دراز علاقے
واپسی بھی ممکن نہیں ہے۔ میں انتظار کروں گا آنے والے وقت کا۔ ہو سکتا ہے وقت
مجھے زندگی کی پناہ دے۔''
''پھر کیا ہوا؟'' میں نے سوال کیا۔
''یہاں رہنے اور اُن کے ساتھ شامل ہو جانے کے لئے سب سے پہلے اُن کی

سیکھنا ضروری تھا۔ چنانچہ میں نے انتہائی کوشش کر کے اُن کی زبان سیکھی۔''
''لیکن کس طرح؟''
''میں نے اپنے آپ کو اُن کے رُوپ میں ڈھال لیا۔ اس کے لئے مجھے جنگل کی جڑی
بوٹیوں سے ایسی بے شمار چیزیں مل گئیں جنہیں محلول کی شکل میں تیار کر کے میں اپنے چہرے
کا رنگ تبدیل کر سکتا تھا۔ میں نے اپنے خدوخال بھی مختلف طریقوں سے تبدیل کر کے اُن
سا حلیہ بنا لیا۔ یہ رنگین نقش و نگار جو تم دیکھ رہے ہو، یہ اس سلسلے میں میرے معاون
ہیں۔ اور اس کے بعد اُن کے درمیان بیٹھ کر میں نے بڑی محنت سے اُن کی زبان سیکھ
لی۔''
''کتنا عرصہ لگا تھا اُن کی زبان سیکھنے میں؟''
''تقریباً تین ماہ۔''
''اور اس دوران آپ کیا کرتے رہے مسٹر کارنیلس؟''
''بس! ہر لمحہ موت کے خوف کا شکار رہا۔ لیکن جب میں نے اُن کی زبان سے واقفیت
حاصل کر لی تو مجھے کوئی دقت نہ رہی۔ میں نے اپنی حرکات و سکنات سے اپنے آپ کو مقامی
باشندہ ثابت کر دیا۔ لیکن میں اُن کے درمیان رہ نہیں سکتا تھا۔ اور اس کے لئے میں نے
سوراخوں کو آباد کیا اور جو وسائل مجھے میسر آ سکتے تھے، اُنہیں استعمال کرتا رہا۔''
''واقعی! بڑی سخت جدوجہد کی آپ نے۔''
''زندگی کے لئے انسان نجانے کیسی کیسی سخت جدوجہد کرتا ہے۔'' مسٹر کارنیلس نے
جواب دیا۔
''خیر! پھر کیا ہوا؟''
''کچھ نہیں۔ بس اُس کے بعد یہاں کے بارے میں مجھے مکمل صورت حال معلوم
ہو گئی۔ خزانے کا علم مجھے آج تک نہیں ہو سکا۔ لیکن بونیٹو کے اندر کی زندگی سے مکمل طور
پر واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔''
''لیکن بونیٹو میں تو کسی عورت کی حکمرانی تھی۔'' سولیتا بول پڑی۔
''تمہاری معلومات بالکل درست ہیں ڈیئر سولیتا! میں تمہیں ایک ایسی حیرت انگیز بات
بتاؤں گا کہ تم اس پر یقین نہیں کر سکو گی۔''

"حیرت انگیز باتوں کو ترتیب وار بتاتے جائیے۔ ہمیں لطف آ رہا ہے۔"
درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ اور مسٹر کارنیلس مسکرانے لگے۔
"یہاں کی حکمران ایک عورت ہی ہے۔ سیلی بون اُس کا نام ہے۔ وہ بوڑھی
ہے۔ بونیٹو میں بیرونی دنیا کے لوگوں سے صرف سیلی بون کی وجہ سے نفرت کی جا
دراصل بہت پہلے کبھی کسی زمانے میں سیلی بون کو ایک بیرونی دنیا کے نوجوان سے
گئی اور اُن دونوں نے شادی کر لی۔ لیکن بیرونی دنیا کا وہ نوجوان سیلی بون سے مخ
تھا۔ اُن کی ایک بیٹی بھی پیدا ہوگئی اور سیلی بون بہت اچھی زندگی گزارنے لگی۔
کے محبوب نے اُس سے بے وفائی کی اور اپنے چند دوستوں کے ساتھ فرار کے منصو
رہا۔ اور بالآخر ایک دن وہ یہاں سے اپنی بیٹی کو لے کر فرار ہو گیا۔ اُس کے دوست
کی بیٹی کو لے کر نکل گئے۔ لیکن وہ شخص گرفتار ہو گیا اور اس کے بعد بونیٹو کے قانو
مطابق اُسے موت کی سزا دی گئی۔"

سولیتا کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے کرب کے آثار اُبھر آئے تھے۔ لیکن
مسٹر کارنیلس اُس کی جانب متوجہ نہیں تھے۔

"پھر کیا ہوا؟" میں نے سوال کیا۔

"اپنے محبوب کی بے وفائی سے سیلی بون نیم پاگل سی ہوگئی اور اس کے بعد
کے عالم میں اُس نے بونیٹو کا یہ قانون بنا دیا کہ باہر کی دنیا سے کوئی بھی شخص آئے
کر دیا جائے۔ وہ اپنے اُس قبیلے میں کسی اور لڑکی کے ساتھ ایسی بے وفائی نہیں چاہ
وہ قانون آج تک رائج ہے۔"

"لیکن سیلی بون کہاں ہے؟ کیا وہ زندہ ہے؟" سولیتا نے پوچھا۔

"ہاں..... ابھی تک سیلی بون ہی کی حکومت ہے۔ لیکن ان دنوں کچھ اور
واقعات پیش آ رہے ہیں۔"

"وہ کیا؟"

"سیلی بون یہاں سے کچھ فاصلے پر اپنی اقامت اختیار کر چکی ہے۔ اور اب
بوڑھی ہو گئی ہے اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ چنانچہ اُس کی موت کے بعد کوئی
قبیلہ بونیٹو کا سردار بنے گا۔ جبکہ سیلی بون نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اُس کی بیٹی ریڈ بون

واپس آئے گی اور اسی قبیلے پر حکومت کرے گی۔ اس دعوے کی بنیاد ایک بوڑھی جادوگرنی
جو بہت لمبی عمر کی مالک ہے۔ اور اُس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ سیلی بون کی بیٹی ریڈ بون
واپس آئے گی اور بونیٹو پر اُسی کی حکومت ہوگی۔ وہ کسی بھی عمر میں یہاں واپس آ جائے۔
لیکن لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ سیلی بون کی زندگی میں واپس نہ آ سکی تو پھر حکومت اُس کے
ہاتھ میں نہیں رہے گی اور سرداری کسی اور کو منتقل کر دی جائے گی۔ بوڑھی جادوگرنی نے یہ بھی کہا
ہے کہ وہ سیلی بون ہی کی زندگی میں واپس آ جائے گی۔ سیلی بون اُس کا انتظار کر رہی ہے۔ اگر
کبھی یہاں کوئی بیرونی قبیلہ آ جاتا ہے تو اُس کی کسی عورت کو قتل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ مردوں کو
قتل کر دیا جاتا ہے۔ قبیلے سے میری مراد وہ مہم جو ہیں، جو بونیٹو کے خزانے کی تلاش میں
ادھر آتے رہتے ہیں۔ سیلی بون اپنی بیٹی ریڈ بون کی منتظر ہے اور اُس کی آس میں جی رہی
ہے۔ یہ ہے وہ عجیب و غریب کہانی۔ میں سمجھتا ہوں ڈیئر منصور! کہ اگر سیلی بون کے حوالے
کوئی اُس کی بیٹی کر دے تو سیلی بون اپنے ہاتھوں سے بونیٹو کا خزانہ اُس شخص کو دے دے
گی۔ کیونکہ خزانہ یہاں کے لوگوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

"خوب..... بہت خوب۔" میں نے گہری نگاہوں سے مسٹر کارنیلس کو دیکھتے ہوئے
کہا۔

"اور جو حیرت انگیز بات اب میں آپ کو بتا رہا ہوں مسٹر منصور! اُسے سن کر آپ
شدت حیرت سے اُچھل پڑیں گے۔"

"بتائیے! میں اُچھلنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

مسٹر کارنیلس، سولیتا کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔ "آپ کی یہ ساتھی لڑکی
سولیتا، سیلی بون کی ہو بہو ہم شکل ہے۔ سیلی بون یقینی طور پر عالم جوانی میں ایسی ہی رہی ہو
گی۔ یہ حیرت انگیز شکل دیکھ کر میرے دل و دماغ پر کیا بیتی؟ اس کا آپ تصور نہیں کر
سکتے۔" میں نے حیرت زدہ نگاہوں سے سولیتا یعنی ریڈ بون کو دیکھا اور پھر ایک گہری
سانس لے کر مسٹر کارنیلس کو دیکھنے لگا۔

"میں نے اپنی حفاظت کے لئے یہاں بندوبست کر رکھا ہے۔ کئی بار اس جال میں
ایسے لوگ پھنس چکے ہیں جنہوں نے یہ سوراخ تلاش کر لئے تھے۔ لیکن میرے لئے اُن کی
موت ضروری ہوتی ہے۔ تاکہ میرا راز ان غاروں سے باہر نہ چلا جائے۔"

''اوہ..... گویا آپ نے یہ جال اسی لئے لگایا ہوا تھا۔''

''ہاں! میں زندہ رہنا چاہتا ہوں اور میرے دل میں آج بھی یہ خواہش جاگ رہی ہے کہ بونیٹو کا خزانہ مجھے مل جائے، چاہے وہ کتنی مقدار میں ملے۔ لیکن ملنا چاہئے۔ اس کے بعد میں اپنی دنیا میں واپس چلا جاؤں گا۔ چنانچہ اس لئے اپنی زندگی کا تحفظ ضروری ہے اور میں اب تک آٹھ قتل کر چکا ہوں۔''

''سبحان اللہ..... اچھی خاصی مہارت معلوم ہوتی ہے۔''

''نہیں میرے دوست! یہ سب کچھ مجھے بحالت مجبوری ہی کرنا پڑا۔ لیکن میں اُن پسندوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی زندگی داؤ پر لگا کر اپنی اقدار کو چاٹتے رہتے ہیں۔''

''تو آپ کچھ اور کہہ رہے تھے؟''

''ہاں! میں نے جال میں تمہیں پھنسا ہوا دیکھا۔ اور یقینی طور پر میں اپنا یہ راز باہر جانے دیتا اگر تمہارے ساتھ یہ لڑکی نہ ہوتی۔''

''کیا مطلب؟''

''جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ یہ لڑکی سیلی بون کی ہم شکل ہے اور اسی کو دیکھ کر میرے ذہن میں ایک نیا منصوبہ جاگا ہے۔''

''منصوبہ کیا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''کیا ہم اسے ریڈ بون کی صورت میں سیلی بون کے سامنے پیش نہیں کر سکتے؟''

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ کیا عجیب و غریب بات تھی۔ ریڈ بون کو ریڈ بون کی صورت میں دھوکہ دہی کے طور پر سیلی بون کے سامنے پیش کئے جانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ بہرطور! یہ کافی دلچسپ بات تھی۔ لیکن ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں میں نے فیصلہ کر لیا کہ کارنیلس کو حقیقت سے آگاہ کرنا غلط ہوگا۔ ہاں! اگر وہ اپنے طور پر یہ کرنا چاہ رہے ہیں، وہی کریں تو اس سلسلے میں اُن سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔ تاہم میں نے کہا۔

''لیکن مسٹر کارنیلس! کیا سیلی بون میری دوست سولیتا کو ریڈ بون کی حیثیت سے قبول کر لے گی؟''

''اگر مس سولیتا اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں تو یقیناً ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دی جائے۔''

''کیا آپ ہمیں سوچنے کا موقع دیں گے، اِس سلسلے میں؟''

''تم لوگ اپنے آپ کو یہاں بالکل محفوظ تصور کرو۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہاں تمہیں تلاش کرنے والا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ میں تمہیں سوچنے کے لئے تمہاری ضرورت کے مطابق وقت دے سکتا ہوں۔''

''اگر آپ ایک کام اور کر سکیں مسٹر کارنیلس! تو میں ذاتی طور پر آپ کی شکر گزار ہوں گی۔'' ریڈ بون نے کہا۔

''ہاں کہو! تم میرے لئے انتہائی قیمتی حیثیت رکھتی ہو۔''

''ہمارے ساتھ دو افراد اور تھے۔ ایک لڑکی اور ایک بزرگ۔ براہِ کرم! صرف یہ بات معلوم کر کے ہمیں بتاؤ کہ اُن دونوں کا کیا ہوا؟ وہ کہاں ہیں؟''

''ہر چند کہ یہ ایک مشکل کام ہے۔ لیکن میں تمہارے لئے اسے انجام دینے کی کوشش کروں گا۔ آؤ! اب میں تمہیں ایک ایسی جگہ دکھاؤں جہاں تم آرام سے وقت گزار سکتے ہو۔ کھانے پینے کی بالکل فکر مت کرنا۔ میرے پاس ایسی اشیاء کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جو تم دونوں کو پسند آئیں گی۔'' مسٹر کارنیلس نے کہا۔ اور اُس کے بعد وہ ہمیں وہاں سے اُٹھا کر اُس غار سے ملحق ایک اور چھوٹے سے غار میں لے گئے جہاں اُنہوں نے غالباً اپنی آسائشوں کا بندوبست کر رکھا تھا۔ یہاں کی زمین پر بہترین گھاس کا بستر بچھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی پانی کا بھی انتظام تھا۔ مسٹر کارنیلس ہمیں یہاں چھوڑ کر باہر چلے گئے اور میں گہری نگاہوں سے سولیتا کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ کافی دیر تک وہ خاموش رہی۔ میں بھی اُسے سوچنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ ویسے یہ اچانک جو تبدیلی رُونما ہوئی تھی، وہ بڑی دلچسپ تھی۔ اور نجانے کیوں مجھے ان معاملات میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ مسٹر کارنیلس کے بیان سے بہت سے عجیب و غریب انکشافات ہوئے تھے اور اس طرح مسٹر تھیوڈور کی کہانی کی بھی تصدیق ہو گئی تھی۔ ویسے مجھے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ سولیتا یعنی ریڈ بون کے تاثرات کیا ہیں؟ لیکن اس بات پر مجھے خوشی تھی کہ میں نے اُس کی ذات کے انکشاف میں جلد بازی سے کام نہیں لیا تھا۔

☆.....☆.....☆

کافی دیر گزر گئی اور اُس کے بعد ریڈ بون نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔''
منصور! میں بہت زیادہ ذہین نہیں ہوں۔ اس سلسلے میں آپ کا مشورہ چاہتی ہوں۔ [illegible]
کاش! تھیوڈور ہمارے ساتھ ہوتے اور اس وقت یہ انکشافات ہوتے تو مجھے کس قدر [illegible]
ہوتی۔ لیکن میں..... میں اُن کے لئے بے حد پریشان اور افسردہ ہوں۔''

''میں جانتا ہوں ریڈ بون! مسٹر تھیوڈور نے تمہارے سلسلے میں زبردست قربانیاں [illegible]
ہیں۔ ہوسکتا ہے ہمیں کارنیلس کے ذریعے مسٹر تھیوڈور کے بارے میں معلومات حاصل [illegible]
جائیں۔ لیکن اب اس سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میں تم سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ ویسے تم نے نہایت ذہانت سے کام لیا کہ میرا [illegible]
سولیتا بتایا۔ اور اُسے میری حقیقت نہیں بتائی۔ ویسے یہ جان کر مجھے انتہائی رنج ہوا کہ [illegible]
باپ اس دنیا میں نہیں ہے۔ ویسے مسٹر تھیوڈور اُسے بہت چاہتے تھے۔ اور اُن کے دل [illegible]
ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ وہ دوست کی امانت اُسے واپس کر دیں۔ یہ بھی حقیقت [illegible]
اُنہیں اُس خزانے سے بھی دلچسپی تھی جسے وہ بحالت مجبوری چھوڑ چکے تھے۔ لیکن..... [illegible]
میں اس سلسلے میں اُن کی کوئی مدد کر سکتی۔ البتہ میں یہ چاہتی ہوں کہ جو کچھ یہ شخص کہہ [illegible]
ہے، اس پر جس قدر جلد ممکن ہو، عمل کیا جائے۔ ہوسکتا ہے میری اصل حیثیت مجھے مل [illegible]
کے بعد مسٹر تھیوڈور اور اُن کی بیٹی کی کچھ مدد کر سکوں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ لیکن ہمیں اس کے ہر پہلو پر غور [illegible]
چاہئے۔ پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ مسٹر کارنیلس تمہیں ریڈ بون ثابت کرنے کے [illegible]
پروگرام رکھتے ہیں؟ ہم اُن کے پروگرام پر غور کریں گے۔''

''یقیناً..... میں نہیں چاہتی کہ میرے ساتھ ساتھ تم کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤ۔''

''مم..... میں.....'' میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''کیا تمہیں مسٹر کارنیلس کی یہ بات یاد نہیں کہ بیرونی دنیا سے آنے والے مردوں کو قتل
کر دیا جاتا ہے؟''

''ارے باپ رے باپ.....'' میرے حلق سے کراہتی ہوئی سی آواز نکلی۔ واقعی میں بھی
[illegible] ہی ہوں۔ میں نے سرد نگاہوں سے ریڈ بون کو دیکھا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''اب تو
مجھے اپنی زندگی کا خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔''

''اسی لئے تو میں چاہتی ہوں کہ جس قدر جلد مسٹر کارنیلس کے پروگرام کو عملی جامہ پہنا
دیا جائے بہتر ہے۔ میں اس لئے خاموش ہو گئی کہ تم سے اس بارے میں اور مشورہ کر لوں۔
ورنہ شاید میں اسی وقت اس بات کا فیصلہ کر لیتی کہ میں مسٹر کارنیلس کے پروگرام کے مطابق
ریڈ بون بننے کے لئے تیار ہوں۔''

''میں اس منصوبے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ مسٹر کارنیلس سے دوسری ملاقات پر مکمل تعاون کا فیصلہ سنا دیں
گے۔''

ریڈ بون خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد وہ مسلسل دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی رہی
[illegible] نجانے کتنا وقت گزر گیا؟ بہر طور! یہاں ہمیں تقدیر ہی لائی تھی۔ ورنہ باہر اگر ہوتے تو
[illegible] لے گیا ہوتا؟ یہ ابھی تک پتہ نہیں چل سکا تھا کہ مسٹر تھیوڈور وہاں سے خود فرار ہوئے اپنی
[illegible] کر گیا پھر اُن کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا؟ ہم بے چینی سے مسٹر کارنیلس کی واپسی
[illegible] انتظار کرنے لگے۔ اور پھر بھوک لگنے لگی۔ میں نے بے تکلفی سے باہر آکر وہ تمام چیزیں
[illegible] جو کھانے پینے کی تھیں۔ اور اس کے بعد کافی تیار کرنے لگا۔ کافی کی سوندھی
[illegible] فضا میں بلند ہو رہی تھی کہ مسٹر کارنیلس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ ایک لمحے کے
[illegible] تو ہم بھونچکے سے ہو گئے تھے۔ لیکن مسٹر کارنیلس کو دیکھ کر سکون ہوا۔ مسٹر کارنیلس کے
[illegible] پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم نے بہت ہی اچھا کیا کہ خود ہی اپنے لئے انتظامات شروع کر دیئے۔ میری
[illegible] سے تمہیں مکمل اجازت ہے کہ یہاں جو کچھ بھی موجود ہے، اسے استعمال کرو۔''

''شکریہ مسٹر کارنیلس..... ہاں! آپ یہ بتایئے! اُن دونوں کے بارے میں کچھ پتہ
چلا؟''

''وہ دونوں وہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔ یہ بات میں نے معلوم کر لی ہے۔''

''تو کیا وہ گرفتار نہیں ہوئے؟''

''نہیں۔'' مسٹر کارنیلس نے جواب دیا۔ اور پھر بولے۔ ''وحشی اُنہیں تلاش کر
ہیں۔''

''میرے خدا..... کاش! وہ اُن کے ہاتھ نہ آئیں۔'' ریڈ بون آہستہ سے بولی۔

مسٹر کارنیلس دیر تک ہم سے گفتگو کرتے رہے۔ اُنہوں نے ہمیں ہر طرح تو
یقین دلایا اور بولے۔ ''جو کچھ میں کرنا چاہتا ہوں، اس کی تکمیل تمہارے لئے بہت
ہو گی۔ تم اطمینان رکھو۔'' اور میں نے گردن ہلا دی۔

مسٹر کارنیلس بھی ہمارے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو گئے۔ کافی کے چ
چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بہرحال
لوازمات سے فارغ ہونے کے بعد، وہ ہمارے ساتھ اُس چھوٹی سی رہائش گاہ میں آ

''یہ معلوم ہونے کے بعد کہ تم لوگ میری اس تجویز سے بالکل متفق ہو، مجھے بہ
ہوئی ہے۔ میں بلند و بانگ دعوے تو نہیں کرتا۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اگر
تجویز مکمل طور سے کامیاب ہو گئی تو ہم بہترین خزانہ لے کر یہاں سے جائیں گے۔
بون اپنی بیٹی کے لئے بہت ہی مضطرب ہے۔ بوڑھی جادوگرنی، شابولا کے نام سے
جاتی ہے۔ اور شابولا نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ جب سیلی بون بڑھاپے کی منزل میں
ہو جائے گی تو بونیٹو کی سربراہی کے لئے اُس کی بیٹی ریڈ بون خود بخود وہاں پہنچ جائے
بوڑھی نے اپنے اس دعوے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور ایک خانقاہ میں
ہے۔ اُس نے اپنے اُوپر تمام آسائشیں حرام کر لی ہیں اور اسی طرح عبادت کرتی ہے
کا خیال ہے کہ اُس کی یہ عبادت رنگ لائے گی اور دیوتا کسی نہ کسی طرح ریڈ بون
خانقاہ میں بھیج دیں گے۔ تب وہ ریڈ بون کو سیلی بون کے سامنے پیش کرے گی۔ اُ
اس دعوے کا ابتداء میں بہت مذاق اُڑایا گیا۔ لیکن اُسے سیلی بون کی حمایت حاصل
سیلی بون اُس کا ہر طرح خیال رکھتی ہے۔ چنانچہ یوں ہو گا ڈیئر سولیتا! کہ میں، تم
دوست منصور وہاں چلیں گے۔ ہم چالاکی سے تمہیں اُس خانقاہ میں پہنچا دیں گے
کے بعد تمہیں اداکاری کرنا ہو گی۔ تم اپنے آپ کو ریڈ بون ظاہر کرو گی اور بوڑھی

یہ تم واپس آ گئی ہو۔ اس کے بعد ظاہر ہے بوڑھی تمہیں سیلی بون کے سامنے پیش
گی۔ تمہیں اس طرح کا اظہار کرنا ہے۔ اور تم جانتی ہو کہ تمہاری بہترین اداکاری ہی
ری زندگیوں کی ضمانت بن سکتی ہے۔ اس دوران ہم خانقاہ سے زیادہ دُور نہیں رہیں
گے۔ اور جب تم سیلی بون پر اپنا اعتماد قائم کر لو تو پھر ہمیں طلب کر کے ہماری سفارش کرنا۔
طرح خزانہ ہمیں حاصل ہو جائے گا۔ پھر وہ راستے میں جانتا ہوں جہاں سے ہم واپس
پنی دنیا میں جا سکتے ہیں۔ میں اس کا تمام بندوبست کر لوں گا۔ یہ ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ
دو۔''

ریڈ بون نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ لیکن ہم اپنی منزل کی جانب کب
روانہ ہوں گے؟''

''کل رات کو۔ مجھے چوبیس گھنٹے کا وقت اور دے دیا جائے۔ اس دوران میں وہ تمام
تیاریاں کر لوں گا جس کے تحت ہم آسان راستوں سے پہاڑوں کے دوسری جانب جا سکتے
ہیں۔''

ریڈ بون نے گردن ہلا دی۔ کافی دیر تک مسٹر کارنیلس ہم سے گفتگو کرتے رہے اور پھر
واپس چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد سولیتا یا ریڈ بون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہارا
کیا خیال مسٹر منصور! کیا بوڑھی شابولا کی پیش گوئی غلط ثابت ہوئی؟''

''میں سخت حیران ہوں۔ بلکہ اس وقت میں اسی انداز میں سوچ رہا تھا۔ طریقہ کار کچھ
بھی ہو، جادوگرنی کی پیش گوئی تو بالکل درست رہی۔''

''ہاں! میں بہت چھوٹی سی عمر میں اپنے اس قبیلے سے نکل گئی تھی۔ لیکن میرے بزرگ،
میرے محترم، میرے محسن اور میرے سب کچھ مسٹر تھیوڈور نے مجھے اپنے قبیلے کے رسم و
رواج اور وہاں کی روایتوں سے لاعلم نہیں رکھا۔ مجھے بہت ہی احتیاط کے ساتھ افریقی زبان
سکھائی گئی تاکہ جب میں اپنے قبیلے میں پہنچوں تو کسی کے لئے اجنبی نہ رہوں۔''

میں گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ بلاشبہ اس سلسلے میں مسٹر تھیوڈور کی خدمات کو نظر
انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عجیب و غریب انسان تھے۔ اگر اُن کے دل میں صرف خزانے کے
حصول کی خواہش تھی تو اُنہوں نے اتنا طویل عرصہ انتظار کیوں کیا؟ اگر اپنے دوست کی
محبت اُن کے دل میں تھی تب بھی اس کے لئے اُنہیں مضطرب ہونا چاہئے تھا۔ نجانے کون

سی قوت اُنہیں آج تک اس کام کے لئے مجبور کرتی رہی تھی۔ تب میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ آخر بوڑھی شابولا نے یہ پیش گوئی کسی مقصد کے تحت تو کی ہوگی۔ ہو سکتا ہے اُس کا جادو کوئی حیثیت رکھتا ہو اور ہو سکتا ہے یہی جادو مسٹر تھیوڈور پر اثر انداز ہو۔ جس کے تحت اُنہوں نے اتنے اہتمام سے اور اپنی بیٹی کی زندگی داؤ پر لگا کر ریڈ بون کی حفاظت کی تھی۔ بہرطور! اگر واقعات کسی شکل میں پراسرار حیثیت اختیار کر جائیں تو کم از کم مجھ جیسا آدمی ان سے منحرف نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ میری زندگی جس قدر پراسرار گزر رہی تھی، جیسی پراسراریت تو کہیں بھی نہ پائی جاتی ہوگی۔ میں تو اب اپنا ذکر خود بھی نہیں کر سکتا۔ بھی شرمندگی ہوتی ہے۔ میں کیا ہوں اور کیا رہوں گا؟ اس کا تجزیہ اگر کوئی مجھے کر دے تو میں اُس کی شاگردی اختیار کر لوں گا۔ ریڈ بون پر کیا گزر رہی تھی؟ اس کا تو مجھے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا۔ وہ تمام صورت حال سے تو واقف تھی اور بڑے دلچسپ انداز میں اپنی دنیا میں واپس جا رہی تھی۔ بیرونی افراد کے بارے میں جو فیصلہ سیلی بون نے کیا تھا وہ بھی جذباتی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس جذباتیت کا شکار نجانے کتنے افراد ہو چکے ہوں گے۔

ہم وقت گزارتے رہے۔ یہاں کوئی دقت نہیں تھی۔ ویسے بیرونی طور پر ہمیں ہوشیار رہنا پڑا تھا۔ خاص طور سے اُن اوقات میں جب مسٹر کارنیلس یہاں موجود نہیں ہوتے تھے۔ کوئی بھی اس طرف آ سکتا تھا۔ لیکن اس کے امکانات بہت کم تھے۔ میرا ذہن ہر وقت وسوسوں کا شکار رہتا تھا۔ کیونکہ میرا اعتبار اس دنیا سے اُٹھ گیا تھا۔ اپنے بارے میں خاص طور سے میں یہی سوچتا تھا کہ جو چیز کبھی میرے مفاد میں گئی، اُس میں گڑبڑ ضرور ہوگی۔ چکر تو چلتا ہی رہتا ہے۔ ان تمام تصورات کے ساتھ ساتھ کبھی ذہن میں سایہ سا آ کر جاتا تھا۔ یہ راعمیس کا تصور تھا جو مجھے چونکا دیا کرتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے راعمیس کی دوستی مکمل طور سے ٹھکرا دی تھی۔ بلاشبہ وہ میرے لئے بڑی محنت کرتا تھا اور ہر طرح کے مصائب سے نکال لیتا تھا۔ لیکن نجانے کیوں میرے دل میں، اُس کے لئے ایسی نفرت پیدا ہو گئی تھی کہ میں نے ہر طرح کی مشکلات سے گزرنا پسند کیا تھا لیکن راعمیس کی قربت مجھے ناپسند تھی۔ اور اس بار تو طویل عرصہ ہو گیا تھا کہ اُس کا گزر مجھ تک نہیں ہوا تھا۔ شاید بد دِل ہو کر اُس نے بھی اپنے لئے کوئی نہ کوئی راہ اختیار کر لی ہوگی۔

پھر وہ وقت آ گیا جب مسٹر کارنیلس ہمارے پاس پہنچ گئے۔ وہ اپنے ساتھ بہت سا سامان لائے تھے۔ اُنہوں نے جڑی بوٹیوں سے وہی محلول تیار کیا تھا جس نے اُنہیں سیاہ کر دیا تھا اور اب وہ خصوصاً مجھے اپنے جیسا بنانے پر تُلے ہوئے تھے۔ اس کا اظہار اُنہوں نے کیا تو میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا

"مسٹر کارنیلس! اپنے بارے میں آپ کو بتا دُوں تو آپ ان تمام معاملات کو بھول کر مجھ پر ریسرچ کرنے بیٹھ جائیں گے۔ مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ میں زندگی کے نجانے کون کون سے مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔ اب اگر یہ روسیاہی بھی مقدر میں ہے تو آپ یہ سیاہی خوشی میرے وجود پر تھوپ دیجئے۔"

"مسٹر منصور! یہ بے حد ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر تم دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر سفر نہیں کر سکو گے۔ کہیں بھی اپنی اصل حیثیت میں اُن لوگوں کی نگاہوں میں آ گئے تو تمہارا حشر بھی اُن بیرونی افراد سے مختلف نہیں ہوگا جو بے کسی کی موت مر چکے ہیں۔"

میں نے گھبرا کر جلدی سے اپنا لباس اُتار دیا تاکہ مسٹر کارنیلس مجھ پر طبع آزمائی کر سکیں۔ اور حقیقتاً لطف ہی آ گیا تھا۔ ایک بڑے برش نما چھال سے مجھ پر سیاہی رنگی گئی۔ یہ براؤن مائل سیاہی تھی جو مقامی لوگوں کے رنگ سے مطابقت رکھتی تھی۔ اور بلاشبہ اس کا اثر اتنا پکا تھا کہ آدمی تصور بھی نہ کر سکے۔ البتہ میں نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں مسٹر کارنیلس سے پوچھا تھا کہ کیا میری یہ روسیاہی کبھی دُور بھی ہو سکے گی؟

اس بات پر مسٹر کارنیلس مسکرا دیئے تھے۔ اُنہوں نے کہا۔ "ہاں..... کیوں نہیں؟ اس کا توڑ بھی موجود ہے۔ لیکن عام انداز میں یہ سیاہی نہیں اُتر سکے گی۔"

میں نے گردن ہلا دی تھی۔ مسٹر کارنیلس اپنی ماہرانہ کارروائیوں میں مصروف رہے اور میرے نقش و نگار بھی تبدیل ہو گئے۔ پھر اُنہوں نے کسی جانور کی کھوپڑی کی آٹھ ہڈیوں کی مالا میری گردن میں ڈال دی۔ کچھ اُلٹے سیدھے موتی، پتوں کا ایک تاج سا بنا کر میرے سر پر فٹ کر دیا گیا۔ اور ایک جانور کی کھال بدن کے زیریں حصے پر منڈھ دی گئی۔ گویا اب میرا بناؤ سنگھار ہو چکا تھا۔ میں نے ریڈ بون کی طرف دیکھا۔ وہ میٹھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ مجھ سے نگاہیں ملیں تو مسکرا دی۔ تب میں نے آہستہ سے مسٹر کارنیلس سے کہا۔

"ایک بات تو بتایئے مسٹر کارنیلس! کیا مقامی خواتین یہ رنگ و رُوپ نہیں رکھتیں؟ آخر مردوں پر ہی قیامت کیوں ٹوٹی ہے؟ کیا میڈم سولیتا کے لئے کوئی میک اَپ ضروری نہیں

ہے؟''

''یہ ایک دلچسپ سوال ہے جس کا جواب کچھ یوں ہے۔ اتفاق ہے کہ یہاں
حکمران خواتین رہیں، اُن کا تعلق کسی نہ کسی بیرونی مرد سے ضرور رہا۔ اور اس کے بعد
اُن کی اولاد پیدا ہوئی، وہ مخلوط شکل وصورت رکھتی تھی۔ موجودہ سیلی بون سے پہلے کی
کے بارے میں تو میں نہیں جانتا۔ لیکن سیلی بون یہاں کی تمام خواتین سے مختلف ہے۔
یوں سمجھ لو کہ میڈم سولیتا کا بڑھاپا، اسی طرح یہاں کی دوسری لڑکی جو حکمران بنے گی
کی شکل وصورت سے مطابقت رکھتی ہوگی۔ اُس کا بارہا تذکرہ بھی آیا ہے۔ اور سنا گیا
کہ سیلی بون اپنی ماں کی ہم شکل ہے۔''

''خوب.....'' میں نے مسکراتے ہوئے ریڈ بون کی طرف دیکھا۔ اور وہ جھینپ گئی
میری اُس مسکراہٹ کا مطلب وہ سمجھ گئی تھی۔ تاہم میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اگر اتفاق
میڈم سولیتا کو یہیں رہنا پڑے تو پھر آنے والی نسلوں کی حکمران بھی کوئی متنازعہ شخصیت
ہوگی۔''

ریڈ بون خاموش رہی تھی۔ بہرطور! مسٹر کارنیلس فارغ ہو گئے اور اب میں ایک
ہی اعلیٰ پائے کا وحشی لگ رہا تھا۔ مسٹر کارنیلس نے ایک تیر میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے
کہا۔ ''اب کم از کم اس خطے کا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم مقامی نہیں ہو۔''

''لیکن مقامی زبان.....''

''اوہ! اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اشاروں کی زبان ساری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی
ہے۔ اور پھر اس نسل میں بھی گونگے لوگوں کا وجود ہے۔''

''یہی میرے لئے مناسب ہوگا۔''

''اور اب مس سولیتا! براہ کرم! آپ لباس تبدیل کر لیجئے۔ ہر چند کہ آپ کو یہ
عجیب محسوس ہوگا، لیکن آپ اسے مجبوری تصور کریں۔''

لباس دیکھنے کے قابل تھا۔ عجیب قسم کے جانوروں کے بالوں یا شاید کسی اور چیز سے
لباس بنایا گیا تھا۔ بس! تھوڑا سا حصہ اُوپری بدن کے لئے تھا۔ باقی جسم پتوں سے ڈھک
گیا۔

''اس طرح آپ کو ہمارے ساتھ سفر کرنے میں آسانی ہوگی۔ ویسے جب آپ

بون کی حیثیت سے پیش کیا جائے گا تو اُس وقت آپ کے جسم پر دوسری قسم کا لباس ہوگا۔
اُس کا بندوبست بھی میں نے کرلیا ہے۔''

''ہمیں روانہ کب ہونا ہے؟''

''بس! اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔'' مسٹر کارنیلس نے میرے سوال کا جواب دیتے
ہوئے کہا۔

اس کے بعد اُنہوں نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء، اپنے پاس محفوظ کیں۔ ہم تینوں نے
بہت ہی اعلیٰ قسم کی کافی کی دو، دو پیالیاں پیں اور اُس کے بعد ان آسائشوں کو خیر باد کہہ دیا
جنہوں نے یہ بھلا دیا تھا کہ ہم صحرائے اعظم کے ایک انتہائی غیر مہذب حصے میں ہیں۔ پھر
ہم غاروں ہی کے ذریعے باہر نکل آئے۔

درحقیقت، مسٹر کارنیلس کی زندگی اسی لئے محفوظ تھی کہ اُنہوں نے بونیٹو میں بے شمار غار
اور سرنگیں دریافت کر لی تھیں۔ ایک طویل ترین سرنگ میں تقریباً پینتالیس منٹ تک چلنا
پڑا۔ اور اس کے بعد ہم اُس کے دہانے سے باہر نکل آئے۔ پہاڑیوں کا سلسلہ تاحد نگاہ
پھیلا ہوا تھا اور ہمیں اس سلسلے کے درمیان ہی سفر کرنا تھا۔ مسٹر کارنیلس نے بتایا کہ اس
طرح ہم بستی سے کافی دُور نکل آئے ہیں۔

ہم سفر کرتے رہے۔ صحرائے اعظم کے ہولناک مناظر نگاہوں کے سامنے تھے۔ مگر ہم
تمام ہنگاموں سے بچتے ہوئے اپنی منزل کی جانب گامزن ہو گئے۔ سولیتا یا ریڈ بون بھی
ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ ویسے میں نے اُس کے چہرے پر جذبات کے سائے لرزتے
دیکھے تھے۔ نجانے کتنی طویل زندگی گزارنے کے بعد وہ اپنی ماں کے حضور جا رہی تھی؟ یہ
بات تو کارنیلس کے فرشتوں کے بھی علم میں نہیں تھی کہ جس لڑکی کو وہ ایک مصنوعی لڑکی کی
حیثیت سے لے جا رہا ہے، وہ درحقیقت وہی ہے جس کی حیثیت سے وہ اُسے پیش کرنا
چاہتا ہے۔ اب پیش کاری ہی کا مسئلہ تھا کہ یہ پیش کاری کس طرح ہوتی ہے؟ اور مسٹر کارنیلس
اس میں اپنی مرضی کے مطابق کامیاب ہو بھی پاتے ہیں یا نہیں؟ میں تو بس! ایک تماشائی
تھا۔ اور یہ تماشا اپنی زندگی میں نجانے کتنی بار دیکھ چکا تھا۔ اب تو یاد بھی نہیں رہا تھا کہ میری
زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا تھا؟ اور اب میں کہاں ہوں.....

سفر جاری رہا۔ پہاڑوں سے گزرنے کے بعد ہم جنگلوں میں داخل ہوئے۔ خوش قسمتی

تھی کہ راستے میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جس سے ہمیں کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو۔ اس کے بعد جب ہم ایک بلندی سے ایک ڈھلان میں اُترے تو میں نے ڈھلان کے انتہائی سرے پر ایک بستی آباد دیکھی۔ اُسے کوئی بستی کہنا تو حماقت تھی۔ یہ ایک وسیع و عریض شہر تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُونچی نیچی اور کئی کئی منزلہ عمارتوں پر مشتمل نہیں تھا۔ یہاں کچی مٹی اور پہاڑی پتھروں سے مکانات ضرور بنائے گئے تھے۔ لیکن اُن مکانات کی تعداد اُنگلیوں پر گنی جا سکتی تھی۔ زیادہ تر گنبد نما جھونپڑے تھے جو عجیب و غریب نظارہ پیش کر رہے تھے۔ اور اُن جھونپڑوں کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ بہت بڑا کٹاؤ تھا جس میں یہ بستی پھیلی ہوئی تھی۔ اطراف میں ڈھلان اور ناقابلِ عبور پہاڑ تھے۔ یقینی طور پر بستی سے باہر جانے کے لئے جو راستے بنائے گئے ہوں گے، اُنہیں پہاڑوں کو کاٹ کر ترتیب دیا گیا ہو گا۔

کچی مٹی اور پتھروں سے بنی ہوئی بے شمار عمارتوں کے بارے میں مسٹر کارنیلس نے بتایا کہ یہ بونیٹو کے اُن معزز لوگوں کی رہائش گاہیں ہیں جو کسی نہ کسی طور حکومت میں دخل رکھتے ہیں۔ پھر اُنہوں نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اور وہ جو ایک سفید سی جگہ نظر آ رہی ہے، وہ خانقاہ ہے جہاں بوڑھی جادوگرنی شابولا رہتی ہے۔ اور ہمیں اُسی خانقاہ تک پہنچنا ہے۔''

''کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم اُسی جگہ سے یہ ڈھلان عبور کرتے جہاں خانقاہ موجود ہے۔ ان ڈھلانوں سے اُترتے ہوئے ہمیں دیکھا بھی جا سکتا ہے۔''

''ہم یہاں اس غار میں پوشیدہ ہو جائیں گے جو چند گز کے فاصلے پر نظر آ رہا ہے۔ پھر رات کی تاریکیاں پھیلنے کے بعد اپنا بقیہ سفر طے کریں گے۔ ویسے جس جگہ کا تم تذکرہ کر رہے ہو، وہ ایسی نہیں تھی جہاں سے نیچے اُترا جا سکے۔ نیچے اُترنے کے لئے یہی جگہ مناسب ہے۔ اور تم خود دیکھ لو! کہ اس خانقاہ کے اُوپر جو پھیلی ہوئی پہاڑی ہے وہاں ایسی جگہ نہیں ہے کہ ہم وہاں پاؤں جما کر نیچے اُتر سکیں۔ اس جگہ سے اُترنا زندگی کا خطرہ مول لینے کے مترادف تھا۔ چنانچہ میں نے یہ جگہ منتخب کی ہے۔''

''یوں لگتا ہے مسٹر کارنیلس! جیسے آپ پہلے بھی یہاں آ چکے ہوں۔''

''ہاں! بونیٹو کے سارے اطراف میں دیکھ چکا ہوں۔ اور اس کی وجہ تم بہتر جانتے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''خزانے کی تلاش..... میں نے ہر وہ جگہ دیکھ ڈالی جہاں خزانہ موجود ہونے کے امکانات تھے۔''

بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ بہرطور! ہم ڈھلان میں تھوڑا سا اُترنے کے بعد اُس پہاڑی کھوہ میں جا چھپے جو ہمیں دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔ یہاں سے میں اور ریڈ بون بستی میں ہونے والی کارروائیاں دیکھتے رہے۔ ایک باقاعدہ دنیا آباد تھی۔ ایک باقاعدہ زندگی تھی۔ ویسے میں نے محسوس کیا کہ اس زندگی میں حد سے زیادہ وحشت نہیں ہے۔ جھونپڑوں کی ترتیب بھی قطاروں میں تھی۔ اور اُن کے درمیان کشادہ جگہ چھوڑی گئی تھی۔ کھیتی باڑی بھی اُس علاقے میں کی گئی تھی۔ اس طرح یہ علاقہ کافی خوبصورت ہو گیا تھا۔ درختوں کی بہتات تھی اور یہ درخت بالکل جدید دنیا کی مانند سڑکوں کے کنارے قطار کی شکل میں لگائے گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں کی زندگی میں ایک ترتیب ہے۔ لیکن وہ ابتدائی حصہ..... وہاں بے ترتیبی سی تھی۔ غالباً اُسے اس لئے چھوڑ دیا گیا ہو گا کہ وہاں بیرونی لوگ پہنچ جاتے تھے اور اُن سے نمٹنے اور اُنہیں روکنے کے لئے وہاں بے ترتیبی ہی مناسب تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ اور پھر شام کے سائے بستی میں اُتر آئے۔ بستی میں جگہ جگہ چراغ روشن ہو گئے۔ اور رات کی تاریکی میں وہ بستی بہت عجیب لگنے لگی۔ ناقوسوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ گویا یہاں عبادت بھی کی جاتی تھی۔ ہم وقت کا انتظار کرتے رہے اور اس کے بعد کارنیلس کے اشارے پر اپنی جگہ سے نکل آئے۔ اب ہمارا رُخ اُس خانقاہ کی جانب تھا جو دُور سے اب بھی سفید نظر آ رہی تھی۔ یہ غالباً سفید پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ پتہ نہیں یہاں اور بھی لوگ موجود تھے یا نہیں؟ دُور سے چھوٹی نظر آنے والی خانقاہ اندر سے کافی وسیع تھی اور یہاں سے نیچے جانے کے لئے پتھروں میں سیڑھیاں تراشی گئی تھیں جو نیچے گہرائیوں تک لے جاتی تھیں۔ بوڑھی شابولا کی نجانے اُن کی نگاہوں میں کیا حیثیت تھی؟ بہرطور! ہمارا ایک ایک قدم سنسنی خیزی کا حامل تھا۔ سولیتا یا ریڈ بون جانتی تھی کہ اُسے بوڑھی کے سامنے جا کر کیا کرنا ہے؟ اور اس وقت ظاہر ہے ہم دونوں اُس کے ساتھ نہ

ہوتے۔ لیکن اس بات سے کارنیلس واقف ہو یا نہ ہو، البتہ میں جانتا تھا کہ ریڈ بون
جا کر کیا کرے گی؟

ہم خانقاہ کے عقبی حصے سے اندر داخل ہو گئے۔ بہت سکوت چھایا ہوا تھا وہاں۔
ایک عجیب سی بو پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے ہی ایک لمبی آگ کی لکیر نظر آ رہی تھی جس میں
سرخ انگارے دہک رہے تھے۔ اور انگاروں کے عقب میں ایک مخنی سا وجود نظر آ رہا تھا
یہی بوڑھی جادوگرنی شابولا تھی۔ اُس کے سامنے کوئی سفید سی چیز رکھی ہوئی تھی جو یقیناً
لوبان نہیں تھی۔ وقفے وقفے سے وہ آگ میں یہ تمام چیزیں ڈالتی جا رہی تھی۔ اور آ
سے ہلکا ہلکا دُھواں خارج ہو رہا تھا۔ اور یہ بو اُسی دُھوئیں کی تھی جو بالکل ناگوار نہیں تھی
غالباً کوئی خاص قسم کی پسی ہوئی شے تھی۔ جس سے یہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

ریڈ بون نے میری جانب دیکھا۔ پھر کارنیلس کو دیکھنے لگی۔ اور پھر آہستہ سے بولی
''میرا خیال ہے آپ لوگوں کا وہاں تک جانا مناسب نہیں ہے۔''

''قطعی نہیں۔ ہم وہاں جانا بھی نہیں چاہتے۔ دیکھو! ہم اس جگہ پوشیدہ ہو جاتے ہیں
یہاں سے ہم وہ سب کچھ بھی دیکھ سکیں گے جو تم کرو گی۔ اور اس کے بعد تمہاری معاو
بھی کرتے رہیں گے۔''

کارنیلس نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا، وہ واقعی یہاں سے زیادہ دُور نہیں تھی۔ اور
نہ صرف یہاں سے ریڈ بون کی کارروائی دیکھ سکتے تھے بلکہ اُس کی آواز بھی سن سکتے تھے
اور یہ جگہ محفوظ بھی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں پوشیدہ ہو گئے۔ ریڈ بون دبے قدموں چلتی
آگ کے پیچھے جا کھڑی ہوئی۔ یہاں داخل ہونے سے پہلے وہ لباس پہن لیا گیا تھا
کارنیلس اپنے ساتھ لایا تھا۔ کیونکہ اسی لباس میں ریڈ بون کو بوڑھی جادوگرنی کے سا
پیش ہونا تھا۔ اور بلاشبہ اس وقت آگ کے پس منظر میں کھڑی ہوئی ریڈ بون کوئی آ
دیوی ہی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اُس کے چہرے پر ایک عجیب سی تمکنت اور
دیکھا۔ اور دل ہی دل میں اس بات کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ ریڈ بون عام لڑ
سے الگ تھلگ قسم کی لڑکی ہے۔ ویسے جب پہلی بار میں نے اُسے مسٹر تھیوڈور کے
ایک دماغی مریضہ کی حیثیت سے دیکھا تب بھی مجھے اُس کے خدوخال میں کوئی ایک
بات محسوس ہوئی تھی۔ جسے میں کوئی الفاظ نہیں پہنا سکا تھا۔ اُس کے بعد میں نے کچھ

بھی محسوس کئے جب میں نے یوں سمجھا کہ سولیتا یا ریڈ بون میری جانب مائل ہے۔ لیکن
یہ صرف ایک لمحاتی تصور تھا۔ اُس کے بعد جب میں اور وہ یکجا ہوئے تو میں نے ایک بار بھی
اُس کے انداز میں وہ کیفیت نہیں پائی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ میری خوش فہمی ہو کہ میں نے اس
طرح سے سمجھا۔ بہرطور! یہ تمام باتیں یاد کرنے کا وقت نہیں تھا۔ ہماری نگاہیں ریڈ بون پر
لگی ہوئی تھیں۔

پھر دفعتاً ہی بوڑھی شابولا نے بہت سی خوشبو آگ میں ڈالی اور اس بار بلند ہونے والا
دُھواں بہت زیادہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی شابولا نے اپنے سامنے پڑے ہوئے پتھروں کے
چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بجانے شروع کر دیئے۔ وہ بڑی دیوانگی کی کیفیت میں پتھروں کے
ٹکڑے بجا رہی تھی۔ اور اُس کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں نے اُن
آوازوں کو سنا تو سہی۔ لیکن سمجھ نہیں پایا۔ جبکہ کارنیلس کے انداز میں ایک عجیب سی حیرت
پیدا ہو گئی تھی۔

میں نے سرگوشی کے انداز میں اُس سے اس حیرت کی وجہ پوچھی تو وہ آہستہ سے بولا۔

''جانتے ہو یہ بوڑھی شابولا کیا کہہ رہی ہے؟''

''جانتا تو تم سے پوچھتا؟'' میں نے کہا۔

''وہ کہہ رہی ہے۔ اے مقدس خوشبو..... اے مقدس ہواؤ.....! اے جلتی ہوئی
آگ..... اے چمکتے ہوئے تارو..... اے جگمگاتے ہوئے چاند..... اے پتھرو..... مجھے بتاؤ!
میرا خواب پورا ہو گا یا نہیں؟ جو کچھ میں نے کہا، وہ ممکن ہے یا نہیں؟ ہاں..... یہ میرے لئے
آخری لمحات ہیں۔ میں زندگی کی آخری سانسیں گن رہی ہوں۔ اگر مقدس ملکہ کو میں اپنے
دعوے کی تصدیق پیش نہ کر سکی تو بدنام ہو جاؤں گی۔ میرا جادو ناکارہ قرار دیا جائے گا۔ اور
مجھے جھوٹا کہا جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا سچ ثابت کر دو..... مقدس ہواؤ.....! میرا سچ
ثابت کر دو۔ میں جھوٹی مرنا نہیں چاہتی۔ اُسے میرے سامنے بھیج دو۔ مجھے حکم دو مقدس
ہواؤ..... کہ میں اُسے کہاں تلاش کروں؟ آہ.....! یہ لمحات میرے لئے بے حد قیمتی ہیں۔
اگر میں اُسے پا گئی تو زندگی پاؤں گی۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی میری رُوح ان چٹانوں میں
بھٹکتی پھرے گی۔'' کارنیلس کے یہ الفاظ مجھے بہت عجیب محسوس ہوئے تھے۔
اس کا مطلب تھا کہ بوڑھی اس لمحے خاص طور سے اس بات کی توقع کر رہی تھی کہ ریڈ

بون اُس کے سامنے آ جائے گی۔ بوڑھی نے ایک بار پھر سامنے رکھا ہوا خوشبو دان اُٹھا
اس میں سے خوشبو انگاروں پر ڈالنے لگی۔ تب ہی میں نے ریڈ بون کے منہ سے ایک
سنی۔ وہ مدھم لہجے میں کچھ کہہ رہی تھی اور یہ زبان یقینی طور پر مقامی تھی۔ اس بار بھی کارنی
کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار اُبھرے تھے۔

''ارے..... ارے! یہ لڑکی یہ زبان جانتی ہے؟''

میں جواب دیئے بغیر اُدھر دیکھتا رہا۔ جیسے ہی ریڈ بون کے منہ سے الفاظ نکلے، بوڑھی
دیوانہ وار کھڑی ہوگئی۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ سیدھے کیئے اور دہکتے ہوئے انگاروں
رکھ دیئے۔ اُس کے چہرے سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ اور انگاروں سے جلتے ہو
گوشت کی بدبو بلند ہو رہی تھی۔ تب ہی ریڈ بون نے تیزی سے آگے بڑھ کر بوڑھی راہبہ
کے دونوں ہاتھ انگاروں سے ہٹا لئے اور راہبہ کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکل گئی۔

''آہ..... تو آ گئی..... ہواؤں کی بیٹی! تو آ گئی..... ملکہ زادی! مجھے یقین تھا تو آ
گی۔ آہ! وقت نے مجھے سچا ثابت کر دیا۔ شابولا کے لئے اس سے حسین موقع زندگی میں کبھی
نہیں آیا۔ تو آ گئی میری بچی..... تو نے میری لاج رکھ لی.....'' اُس نے آگے بڑھ کر ریڈ
بون کو سینے سے لگا لیا۔

ریڈ بون اُس کے جلے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نے
اپنے ہاتھ انگاروں پر کیوں رکھ دیئے مقدس شابولا؟''

''آہ! میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے جا رہی تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ جھوٹی ہونے
کی بجائے میرا مر جانا بہتر ہے۔ یہ زخم کچھ نہیں ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہیں۔ تو آ گئی، مجھے
زندگی کی ساری خوشیاں مل گئیں۔ لوگو.....! بونیٹو کے لوگو! تمہاری ملکہ تمہارے درمیان
گئی۔ شابولا سچ بولتی ہے۔ اور تم یہی کہنا کہ شابولا سچی تھی۔ میرا سارا جادو اسی وقت کے
لئے تھا۔ آ میری بچی..... میں اعلان کر دوں۔ میں بتا دوں کہ مقدس ملکہ ہمارے درمیان
گئی ہے۔ بونیٹو کے سونے والو! آج کی رات سونے کی نہیں، جاگنے کی رات ہے۔ جشن
منانے کی رات ہے۔''

بوڑھی دیوانہ وار اُچھل رہی تھی۔ اُس کے کمزور بدن میں نجانے کہاں سے اتنی طاقت
گئی تھی، وہ ریڈ بون کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک جانب بھاگی۔ ہم یہ اندازہ نہیں لگا سکے

یہ دواُسے کہاں لئے جا رہی ہے؟ ویسے یہ باہر جانے کا راستہ نہیں تھا۔ بلکہ کچھ بلندی
سیڑھیاں سی تھیں جسے عبور کرنے کے بعد وہ کسی مخصوص جگہ پہنچ گئی۔ یہاں سے ہم اُسے
دیکھ سکتے تھے۔ کارنیلس نے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔

''تمہاری دوست نے تو کمال ہی کر دیا۔ وہ اُس سے افریقی زبان میں بات کر رہی
تھی۔ میں اُس کے الفاظ تو نہیں سن سکا۔ لیکن بوڑھی کا انداز یہی بتاتا تھا جیسے اُس نے ریڈ
بون کی آمد کا اعلان سنا ہو۔''

میں نے خاموشی ہی اختیار کر رکھی تھی۔ البتہ ہم اب کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھے
جہاں سے ہم اس تمام صورت حال کا نظارہ کر سکیں۔ ہم نے چند لمحات سوچتے رہنے کے بعد
یہ جگہ چھوڑ دی اور اُنہی سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگے۔ سیڑھیاں بلندی تک گئی تھیں۔
لیکن ایک راستہ درمیان سے کٹتا تھا اور وہ ایک چٹان پر جا کر ختم ہو جاتا تھا۔ ابھی ہم چٹان
تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ بوڑھی شابولا کی آواز اُبھری۔ ''بونیٹو کے سونے والو! سو رہے ہو؟
سونا بہتر نہیں ہے۔ جاگو! کہ جاگنے والی رات آ گئی۔ آؤ! اس خانقاہ کی طرف اور شابولا
کے سچ کی تصدیق کرو! اور سنو..... تمہاری دیوی تمہارے درمیان آ گئی ہے۔ دیکھو! میں
تمہارے سامنے اپنا سچ پیش کر رہی ہوں۔''

اُس کی کمزور آواز اس قدر نہیں تھی کہ بستی تک پہنچ جاتی۔ چنانچہ اُس نے کچھ اور
کارروائی کی اور چند ہی لمحات کے بعد ایک بھیانک آواز فضا میں گونجنے لگی۔ یہ نرسنگھے کی
آواز تھی۔ غالباً کسی بہت بڑے نرسنگھے کو پھونکا جا رہا تھا۔ اور اُس آواز کے اثرات بستی
والوں پر فوراً ہی ظاہر ہو گئے۔ بستی کے زیادہ تر لوگ سو چکے تھے۔ روشنیاں بجھ گئی تھیں۔
لیکن نرسنگھے کی مسلسل گونجنے والی آواز سے لوگ جاگنے لگے تھے اور ہر گھر میں روشنی ہوتی جا
رہی تھی۔ لوگ اُس نرسنگھے کی آواز کو کسی آفت کا پیش خیمہ سمجھے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ہم نے
لوگوں کو گھروں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ وہ ٹڈی دل کی طرح اپنے اپنے گھروں سے باہر
نکل کر ایک دوسرے سے چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ بہر طور! ہم سکتے کی سی کیفیت میں جائزہ
لے رہے تھے۔ کارنیلس بھی بالکل خاموش اُس عجیب و غریب منظر کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں تک
ہماری نگاہیں کام کر رہی تھیں، وہاں تک انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے۔ پھر کچھ مشعلیں
بستی سے خانقاہ کی طرف دوڑتی ہوئی نظر آئیں۔ کارنیلس نے مجھ سے کہا۔ ''بہتر ہے

تھوڑی سی آڑ میں ہو جاؤ۔ اس وقت سب کی نگاہیں اسی طرف لگی ہوئی ہیں۔ ہم سے تو
ہی بلندی پر بوڑھی عورت، سولیتا کے ساتھ موجود ہے۔''

میں نے کارنیلس کی ہدایت پر عمل کیا۔ آنے والے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کی
رفتاری سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔ وہ بستی کے دوسرے سرے سے آ رہے تھے اور اُن
لئے راستہ چھوڑا جا رہا تھا۔

کارنیلس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہوسکتا ہے اِن آنے والوں میں سیلی بون بھی ہو۔''

ہم اُن لوگوں کو دیکھتے رہے۔ چھ گھوڑے سوار تھے۔ ساتواں سوار اُن سے کچھ
آگے گھوڑے پر سفر کر رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ مختلف راستوں سے گزرتے ہو
بالآخر اس راستے پر آ گئے جہاں سے خانقاہ کی سیڑھیاں آتی تھیں۔ اور پھر ہم نے شعلوں
روشنی میں، اُس قد آور عورت کو دیکھا جو گھوڑے سے اُتر کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ
تھی۔ بقیہ چھ افراد بھی اُس کے عقب میں چلے آ رہے تھے۔ آنے والی عورت سیلی بون
علاوہ بھلا اور کون ہوسکتی تھی؟ رات کی تاریکی میں اُس کے خدوخال تو نظر نہیں آ رہے
لیکن اُس کی چال میں بڑی مستعدی تھی۔ اور وہ تیزی سے خانقاہ کی سیڑھیاں عبور کرتی
اُوپر آ رہی تھی۔

اُوپر سے بوڑھی چیخ رہی تھی۔ ''بونیٹو کی ملکہ..... دیکھ! شابولا نے تیری عزت رکھ
دیکھ..... شابولا نے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔ دیکھ! اس کے سچ کی تصویر تیرے سا
ہے۔ شابولا جھوٹ نہیں بولتی۔ بونیٹو کی ملکہ! مقدس دیوی تیرے سامنے آ گئی ہے۔ تیز
میرے پاس موجود ہے۔ اپنی رفتار میں تیزی پیدا کر۔'' اور اس کے بعد وہ غالباً اُس را
سے نیچے اُترنے لگی، جس سے چڑھ کر وہ اُوپر پہنچی تھی۔

ہمارے لئے فوری طور پر یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم پھر اس جگہ پہنچ جاتے جہاں سے
واقعات کا تجزیہ اور نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم ہم نے بھی اپنی جگہ چھوڑ کر ایک ایسی
منتخب کی جہاں سے کسی حد تک کچھ نہ کچھ تو نظر آئے۔ خانقاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ چند
لمحات کے بعد اس میں ایک عورت داخل ہوئی۔ یہ وہی عورت تھی جو سیڑھیوں پر سب سے
آگے نظر آ رہی تھی۔ میں نے بھی حیرت سے دیکھا۔ بلاشبہ وہ ریڈ بون کی ہم شکل
بوڑھی ہوگئی تھی لیکن چہرے کا کروفر، وقار اور تمکنت بالکل جوانوں جیسی تھی اور انداز

پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی قبیلے کی ملکہ ہے۔

سیلی بون تیزی سے آگے بڑھی۔ ریڈ بون اُس وقت شابولا کے ساتھ تھی اور اُس کے
چہرے پر جذبات کے سائے لرز رہے تھے۔ اُس کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا۔
بہت طویل ترین عرصے کے بعد نجانے کتنے عرصے کے بعد اُس نے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔
لیکن اُس کے جذبات، اُس کی محبت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ سیلی بون نے پھٹی
پھٹی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ وہی چہرہ، وہی سب کچھ..... اور اُس کے بعد اُس کے
دونوں ہاتھ پھیل گئے۔ دوسرے لمحے دونوں ایک دوسرے میں پیوست ہوگئی تھیں۔ اُن کے
منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکل رہی تھیں، جنہیں میں سمجھنے سے قاصر تھا۔ اور اس کے
بعد میں نے وہ دیکھا جو کارنیلس کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ اور نہ ہی وہ اس بات کو سمجھ سکا۔
سیلی بون نے ریڈ بون کی پشت برہنہ کر دی اور مشعل لے کر اُس پر کچھ دیکھنے لگی۔ اُس کے
بعد اُس نے ایک زبردست چیخ کے ساتھ ریڈ بون کو دوبارہ سینے سے لگا لیا تھا۔ کارنیلس یقینی
طور پر اس بارے میں کچھ نہیں سمجھ سکا ہوگا۔ لیکن میں جانتا تھا۔ کیونکہ ایک مرتبہ ریڈ بون
نے مجھ سے اُس نشان کا تذکرہ کیا تھا جو اُس کی پشت پر تھا۔ اور جس کے بارے میں اُس کا
اندازہ تھا کہ وہ اُس کا خاندانی نشان ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی ایسی چیز ہو جو کسی بچے کی پیدائش
کے بعد اُس کی شناخت کے لئے اُس کی پشت پر بنا دی جاتی ہو۔ بہرطور! میں اس قدر بے
تکلف نہیں ہو سکا تھا ریڈ بون سے کہ اُس نشان کو دیکھنے کی فرمائش کر دیتا یا اُسے دیکھ لیتا۔
لیکن بہرطور! اس نشان نے ریڈ بون کی تمام مشکل حل کر دی تھی۔ سیلی بون بے اختیار اپنی
بیٹی کو سینے سے لگائے کھڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے ساتھ آنے والے مؤدب نظر آ رہے
تھے۔ پھر بوڑھی شابولا اور سیلی بون کے درمیان کچھ مکالموں کا تبادلہ ہوا۔ اور اُس کے بعد
سیلی بون، ریڈ بون کو لے کر واپس پلٹ پڑی۔

تب ہی ریڈ بون کی آواز زور سے اُبھری۔ ''محافظ رُوحو! میرے محسنو..... میرا انتظار
کرنا۔ اور تم پر لازم ہے کہ تم اپنا تحفظ کرتے رہو۔ لیکن زیادہ وقت نہیں گزرے گا، جب
میں تمہاری مشکل آسان کر دُوں گی۔ اور یہی بہتر ہے کہ یہ جگہ چھوڑنے کی کوشش نہ کرنا۔
تاکہ میں تمہیں آسانی سے پا لوں۔'' یہ الفاظ اُس نے انگریزی میں ادا کئے تھے اور ہم سمجھ
رہے تھے کہ یہ ہمارے لئے ہیں۔

سیلی بون ایک لمحے کے لئے رُک کر اُسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر جب ریڈ بون نز
گئی تو سیلی بون نے اپنے لباس کے سائے میں اُسے لے لیا اور اُس کے بعد
اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ یہ بہتر تھا۔ کیونکہ شابولا کی یہاں موجودگی ہمارے
ثابت ہوسکتی تھی۔ پھر وہ سب باہر نکل گئے اور ہم لوگوں نے گہری سانس لی۔
سیڑھیاں اُترتے ہوئے وہ لوگ اپنے گھوڑوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ سوئی ہوئی آبادی
طرح جاگ گئی تھی۔ اور وہ لوگ غالباً یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین تھے کہ
آواز کیوں فضا میں پھیلائی گئی؟

سیلی بون کی کیفیت کا جائزہ اب ہم یہاں سے تو نہیں لے سکتے تھے، بس! یہ اندازہ
لگایا جا سکتا تھا۔ ہم اُن لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اور پھر میں نے مسٹر کا
کی طرف دیکھا۔

مسٹر کارنیلس بہت خوش نظر آرہے تھے۔ اُنہوں نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے
کہا۔ ''منصور..... میرے دوست! ہم نے بلاشبہ بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اور
ساتھی لڑکی، اداکاری میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ جو کچھ دیکھا گیا، اُس سے یہی ظا
ہے کہ وہ یقینی طور پر اُس عورت کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائے گی کہ وہی
بیٹی ریڈ بون ہے۔ اور اگر اُسے کامیابی حاصل ہوگئی تو پھر تم دیکھ لینا کہ ہماری تقدیر
جائیں گی۔''

میں دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے باوجود میں، مسٹر کارنیلس کو یہ نہیں
تھا کہ درحقیقت! وہی لڑکی ریڈ بون ہے۔ اصولی طور پر ابھی یہ مناسب نہیں تھا جب
کوئی ایسی کارروائی نہ ہو جائے جس سے یہ اندازہ ہو جائے کہ میرا یہ انکشاف کسی
نقصان دہ نہیں ہوسکتا۔

چند لمحات کے بعد مسٹر کارنیلس نے کہا۔ ''اور وہ ہمیں ہدایت کر گئی ہے کہ ہم اسی
میں رہیں۔ اب دیکھو! ہم پر کیا بیتتی ہے؟''

ہم اُس بلند جگہ پہنچ گئے جہاں سے تھوڑی دیر قبل نرسنگھا پھونکا گیا تھا۔ یہاں
منظر مزید صاف نظر آرہا تھا۔ گھوڑوں کی قطار چلی جارہی تھی اور شعلوں سے یہ انداز
تھا کہ اب وہ کہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ ویسے پوری بستی روشن ہوتی جارہی تھی۔

بستی والوں نے کیا دیکھا؟ ہم کافی دیر تک وہاں کھڑے رہے۔ بستی میں مسلسل چہل پہل
نظر آرہی تھی۔ پھر مسٹر کارنیلس نے کہا۔'' آؤ! یہاں کھانے پینے کی چیزیں تلاش کرتے
ہیں۔''

میں نے اُس سے اتفاق کرلیا اور ہم خانقاہ میں اُتر آئے۔ پھر ہم نے خانقاہ کا کونہ کونہ
چھان مارا۔ لیکن کوئی ایسی چیز، ہمیں نہ ملی جسے ہم غذا کے طور پر استعمال کر سکتے۔ میں نے
گہری سانس لے کر کہا۔'' وہ راہبہ تھی۔ ظاہر ہے، دنیا کے عیش وعشرت سے اُسے کوئی لگاؤ
نہ ہوگا۔''

''لعنت ہے اس پر۔ بغیر کھائے پیئے جینا بھی کوئی جینا ہے؟ مجھے دیکھو! میں نے کس
محنت سے وہ اشیاء جمع کی تھیں۔ جبکہ میں بھی ایک راہب ہی کی حیثیت سے زندگی گزار رہا
تھا۔'' مسٹر کارنیلس کی بات پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں نے گہری سانس لے کر کہا۔'' اگر سولیتا ہمیں نظر انداز نہ کرے تو پھر یقیناً بہت جلد
ہمارے لئے کچھ نہ کچھ بندوبست ہو جائے گا۔''

''خدا کرے اُسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو۔''

ہم لوگ کچھ تھکن سی محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ ایک مناسب جگہ دیکھ کر لیٹ گئے۔
لیکن نیند کا آنکھوں میں شائبہ بھی نہیں تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ اسی طرح گزر گیا۔ پھر مسٹر
کارنیلس اپنی جگہ سے اُٹھے تو میں بھی اُٹھ گیا۔

''کہاں جارہے ہو؟''

''ذرا دیکھیں، باہر کیا حالات ہیں؟''

میں بھی مسٹر کارنیلس کے ساتھ اُس سوراخ کے نزدیک پہنچ گیا اور ہم نے بستی میں وہی
چہل پہل دیکھی۔ بستی والوں کو ابھی شاید صورت حال سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ انداز سے
یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ اصل صورت حال سمجھ نہیں پائے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی جلدی ریڈ بون کی
آمد کا اعلان ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اب یہ اُن کے اپنے معاملات تھے۔ مسٹر کارنیلس تو ابھی
اسی امید وبیم کی کیفیت کا شکار تھے کہ سولیتا پتہ نہیں سیلی بون کو یہ یقین دلانے میں کامیاب
ہو سکے گی یا نہیں کہ وہ ریڈ بون ہے؟ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر مسٹر کارنیلس کی تمام محنت
اکارت جائے گی۔ لیکن اُن کے برعکس میں اس سلسلے میں سو فیصد یقین رکھتا تھا کہ ریڈ بون

کو اپنی حیثیت منوانے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ بلکہ اُس نے یہ حیثیت چند لمحے
منوالی تھی۔ دل میں بہت سی خواہشات اُبھر رہی تھیں۔ لیکن اُن کی تکمیل ممکن نہیں تھی
دیکھنا چاہتا تھا کہ سیلی بون پر اپنی بیٹی کے مل جانے کا کیا ردِعمل ہوا؟ تاہم انتظار
اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا۔

میں نے مسٹر کارنیلس سے کہا۔ ''مسٹر کارنیلس! اگر آپ ساری رات جاگنا چا
تو جاگتے رہیں۔ میں سونے جا رہا ہوں۔''

''جاگنا بے سود ہی ہے۔ لیکن نیند کیسے آئے گی؟ تاہم، اگر تم سونا چاہو تو سو
کوئی خاص بات ہوئی تو میں تمہیں جگا دوں گا۔''

میں نے اس بات کی حامی بھر لی۔ اور پھر میں ایک مناسب جگہ دیکھ کر لیٹ
آنکھیں بند کر لیں اور ایک بار پھر ذہن سے خیالات کے قافلے گزرنے لگے۔
سوچیں، بہت سے احساسات اور اُس کے بعد سکون۔ اور یہ سکون نیند آ جانے ہی
ہوا تھا۔ نیند بھی کیا پُر لطف چیز ہے..... تمام جھگڑوں، تمام وسوسوں سے بے نیاز
ہے۔ کوئی غم، کوئی پریشانی نہیں رہتی۔ نجانے لوگ موت سے خوفزدہ کیوں ہوتے ہیں
ابدی نیند کے بعد تو یہ خطرہ بھی نہیں رہتا کہ صبح ہوگی اور آنکھ کھل جائے گی۔

مسٹر کارنیلس نے نہ جانے رات کس طرح گزاری؟ میں تو بڑے مزے سے
چڑھے تک سوتا رہا تھا۔ جاگا تو سب سے پہلے مسٹر کارنیلس کی صورت نظر آئی۔
پریشان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر چونکے اور ہراساں لہجے میں بولے۔ ''
کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔''

''آپ پریشان کیوں ہیں مسٹر کارنیلس؟''

''اس خطرے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ہو سکتا ہے، تمہاری دوست
جائے۔''

''آپ اس لئے پریشان ہیں؟''

''یہ پریشانی کی بات نہیں ہے کیا؟ بہرحال! وہ ایک لڑکی ہے۔ بے شک ذہین
لیکن اُس کی ذہانت شکست بھی کھا سکتی ہے۔ ایک ماں اور ایک بیٹی کا معاملہ
ہے وہ تجربہ کار سیلی بون کے سامنے پہنچ کر اپنی اداکاری برقرار نہ رکھ سکے۔ ایسی

لئے بھی مشکلات پیش آ سکتی ہیں۔'' مسٹر کارنیلس پریشان لہجے میں بولے۔
ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر میں نے کہا۔ ''اگر آپ کے ذہن میں یہ خیال
کارنیلس! تو پھر آپ کو یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہئے تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ آپ
بوجھ کر میری ساتھی لڑکی کو مصیبت میں پھنسا دیا۔''

نہیں..... غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ بہرحال! وہ ایک کوشش تھی۔ اور اس کوشش میں
ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی دلا سکتی تھی۔''

''تو پھر اس کوشش کی کامیابی یا ناکامی کا انتظار کریں۔'' میں نے مسٹر کارنیلس کی
لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

''تم اتنے پریشان نہیں معلوم ہوتے جتنا میں ہوں۔''

''آپ کو اس سلسلے میں اُلجھنا نہیں چاہئے مسٹر کارنیلس! حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو
آپ نے ایک غلط انداز میں کرنے کی کوشش کی، وہ اپنی نوعیت میں صحیح حیثیت رکھتا
''

مسٹر کارنیلس نہ سمجھنے والے انداز میں میری صورت دیکھنے لگے۔ پھر اُنہوں نے آہستہ
کہا۔ ''میں نہیں سمجھا، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''دلچسپ بات یہ ہے مسٹر کارنیلس! کہ آپ نے جس پریشانی کا اظہار کیا، وہ بے معنی
چونکہ جو لڑکی ریڈ بون کی حیثیت سے آپ نے مصنوعی طریقے سے سیلی بون تک
ہے، وہی اصل ریڈ بون ہے۔''

مسٹر کارنیلس کچھ دیر میری بات سمجھنے کی کوشش کرتے رہے۔ پھر اُنہوں نے گردن جھٹکتے
ئے کہا۔ ''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔''

''اگر میں آپ سے کہوں کہ جو لڑکی سولیتا کے نام سے میرے پاس تھی، وہ اصلی ریڈ
تھی اور میرا مشن بھی یہی تھا کہ اصل ریڈ بون کو اُس کی ماں کے پاس پہنچا دوں تو کیا
بات پر یقین کریں گے؟''

''تم شاید اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو، ایسا لگتا ہے۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو، کیا اس پر تم
بھی غور کیا؟''

''ہاں، ہاں..... کیوں نہیں؟ اب اس کے بدلے میں آپ کو اگر میں ایک کہانی سناؤں

تو آپ اس وقت بھی یہی سوچیں گے کہ میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہوں۔''

''مجھے کہانیاں سننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نجانے کیوں مجھ پر ایک بے چینی سی ہو رہی ہے۔''

''آپ اس بے چینی کو رفع کریں مسٹر کارنیلس! حقیقت یہی ہے کہ وہ لڑکی ریڈ بون ہے اور اُس کا پس منظر کچھ یوں ہے.....'' میں نے مسٹر کارنیلس کو سولیتا، جل برادرز اور بون کی کہانی سنانا شروع کر دی۔ وہ بیزاری کے عالم میں منہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ صاف لگ رہا تھا جیسے اُنہیں میری اس کہانی پر ذرہ برابر یقین نہ آیا ہو۔ میں نے اُنہیں پوری تفصیل سنا دی تو وہ آہستہ سے بولے۔ ''خدا تمہارے حال پر بھی رحم کرے۔''

''کیا مطلب؟''

''اچھی کہانی گھڑی ہے تم نے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا میں اس پر یقین کر رہا ہوں؟''

''یہ آپ کی مرضی ہے مسٹر کارنیلس! یقین نہیں کر سکتے تو آپ پریشان ہوتے رہیں میرے اُوپر کوئی اثر نہیں پڑتا۔'' میں نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا۔ مسٹر کارنیلس خاموش ہو گئے تھے اور مجھے اُن کی اُلجھن پر ہنسی آ رہی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ ذرا باہر کا نظارہ کیا جائے، کیا کیفیت ہے؟ ویسے میرا تو یہی خیال تھا کہ ریڈ بون کے مل جانے کی خوشی میں قبیلے میں جشن برپا ہو جائے گا اور یقینی طور پر اس سلسلے میں خوب ہنگامے ہوں گے۔ بلاشبہ ایسا نہیں ہو سکا تھا اور اس کی وجہ کچھ بھی ہو سکتی تھی۔ اس وقت بھی قبیلے کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ کاروبارِ زندگی جاری تھے۔ سب سے بڑی پریشانی کھانے پینے کی تھی۔ ہمیں اُس خانقاہ میں کچھ بھی نہیں ملا تھا۔ اور ابھی تک ریڈ بون نے بھی ہماری کوئی خبر نہیں لی تھی۔

ویسے میں اُس کی اس کیفیت کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ رہا تھا۔ کم از کم اُسے ہماری خبر گیری تو کرنی چاہئے تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ہم دونوں یہاں موجود ہیں اور اُسی کے رحم و کرم پر ہیں۔ پھر نجانے کیوں مجھے بھی مسٹر کارنیلس کی پریشانی صحیح محسوس ہونے لگی۔ کچھ عجیب سی بات نہیں تھی۔ مکمل خاموشی چھائی ہوئی ہے اور کچھ ہنگامہ خیزی نہیں ہو رہی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

بہت دیر تک اپنی جگہ رُکا اس صورت حال کا جائزہ لیتا رہا۔ اور پھر ایک گہری سانس لے کر واپس پلٹ پڑا۔ اب میں مسٹر کارنیلس سے یہ گفتگو کرنا چاہتا تھا کہ ہمیں کھانے پینے کے لئے کیا کارروائی کرنی چاہئے؟ یہاں تو بھوکے ہی مر جائیں گے۔ میں وہاں پہنچ گیا جہاں کارنیلس کو چھوڑا گیا تھا۔ لیکن مسٹر کارنیلس وہاں موجود نہیں تھے۔ میں نے انہیں آوازیں دیں اور اُن آوازوں کا کہیں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ دفعتہً ہی میرا دِل پریشان سا ہو گیا۔ کیا مسٹر کارنیلس اپنی اُلجھنوں کا شکار ہو کر یہاں سے کہیں اور چلے گئے؟ ایسا ہوا ہے تو بہت برا ہوا۔ میں دیوانہ وار پوری خانقاہ کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن مسٹر کارنیلس کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ البتہ اس تلاش میں مجھے ایک ایسی جگہ دستیاب ہو گئی جہاں کھانے پینے کی کچھ معمولی سی اشیاء اور پانی وغیرہ موجود تھا۔ ابھی کچھ کھانے کو دل نہیں چاہا۔ یہ تصور بڑا جان لیوا تھا کہ مسٹر کارنیلس یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔ کہیں یہ بے وقوف کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ آخر وہ کیا کر لے گا؟ کہاں جائے گا؟ بہت دیر تک مسٹر کارنیلس کی تلاش میں سرگرداں رہا۔ خانقاہ سے باہر آ کر بھی چاروں طرف دیکھا۔ مسٹر کارنیلس جیسے فضا میں پرواز کر گئے تھے۔ مجبور ہو کر واپس آ گیا۔ اور اس کے بعد جو روکھا پھیکا وہاں موجود تھا، اُس سے پیٹ کی آگ بجھائی۔ پہلے مسٹر کارنیلس پریشان تھے اور میں مطمئن تھا۔ لیکن اب میری پریشانیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ دونوں ہی باتیں سوچنے کے قابل تھیں۔ یہ خاموشی کیا معنی رکھتی ہے؟ اور اس کی وجہ کیا ہے؟ دوسری بات یہ کہ مسٹر کارنیلس کہاں گم ہو گئے؟ شام ہو گئی۔ لیکن دونوں ہی باتوں میں سے کچھ نہ ہوا۔ نہ مسٹر کارنیلس واپس آئے اور نہ ریڈ بون کا کوئی ہنگامہ ہوا۔

رات بھی اُسی خاموشی سے گزر گئی۔ اور دوسری صبح جب میں ٹھنڈی زمین پر گہری نیند سو رہا تھا تو دفعتہً ہی ہنگامے شروع ہو گئے۔ چاروں طرف سے عجیب و غریب قسم کی آوازیں آ رہی تھیں۔ کہیں ڈھول پیٹا جا رہا تھا اور کہیں نعرے لگائے جا رہے تھے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر دوڑتا ہوا اُس سوراخ پر آ گیا جہاں سے باہر کا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ اور پھر میں نے اطمینان کی سانس لی۔

یہ شور و غل خوشیاں منانے ہی کا تھا۔ لیکن اس کے لئے اُنہوں نے بڑی تاخیر کی۔ میں سوراخ سے اُن لوگوں کا جائزہ لیتا رہا۔ تمام لوگ اِدھر سے اُدھر بھاگ دوڑ کر رہے تھے اور

اُن کے چہروں سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ اتنی طویل خاموشی کیا معنی رکھتی
ہو سکتا ہے، سیلی بون قبیلوں کے اُمراء کو طلب کر کے اُن سے صلاح و مشورے کرتی رہی
ہو سکتا ہے ابتداء میں کچھ لوگوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہو کہ ریڈ بون
اصل ریڈ بون ہی ہے اور واپس آ گئی ہے۔ اور اس کے بعد جب سیلی بون نے اُن حالات
پر قابو پا لیا تو خوشیوں کا اعلان ہوا۔ یقیناً ایسا ہی ہو سکتا ہے۔

مجھے، مسٹر کارنیلس پر غصہ آنے لگا۔ عجیب احمق آدمی تھا۔ اگر تھوڑا سا انتظار کر لیتا تو کیا
حرج تھا؟ طویل عرصے سے تو وہ انتظار میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنے آپ کو اُن لوگوں کی
نگاہوں سے محفوظ کر رکھا تھا اُس نے۔ لیکن اب چند گھنٹے صبر نہ کر سکا۔ بہرطور! اُس کا مسئلہ
تھا۔ اب جو کچھ بھی اُس پر بیتے گی، وہ اُس کی اپنی ذمہ داری ہو گی۔ میں اس سلسلے میں کیا
کر سکتا تھا؟

وقت گزرتا رہا۔ ہنگامے عروج پر تھے۔ پھر میں نے لوگوں کو اپنے اپنے مکانات سجاتے
ہوئے دیکھا۔ درختوں کی پتیاں، چھالوں میں باندھ کر وہ گلی کوچوں میں لٹکا رہے تھے۔ یہ
یقیناً اظہارِ خوشی تھا۔ وہ جشن برپا کر رہے تھے۔ میں اُن کی یہ خوشیاں دیکھتا رہا۔ اور اب اس
بات پر مجھے کوئی شک و شبہ نہ رہا کہ اُن سب کو ریڈ بون کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے۔ لیکن
سولیتا یا ریڈ بون کی میرے سلسلے میں یہ خاموشی تکلیف دہ تھی۔ اُس وقت شام کے چار بجے
تھے، مجھے خانقاہ کے سامنے والے حصے کی سیڑھیوں کے اُوپر چند افراد آتے نظر آئے۔ وہ
اپنے ہاتھوں میں بہت سی چیزیں اُٹھائے ہوئے تھے۔ میں نے گہری سانس لی۔ گویا اب
ریڈ بون کو میرا خیال آیا ہے۔ آنے والوں نے اندر آنے کے بعد وہ اشیاء ایک جگہ رکھ
دیں۔ اور پھر اپنی زبان میں مجھے آوازیں دینے لگے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُن
کے سامنے جاؤں یا نہ جاؤں؟ بہرطور! تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ سے نکل آیا اور وہ کھانے
کی اشیاء کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کچھ کہنے لگے۔ میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا
دی تھی۔ وہ لوگ اتنی ہی خاموشی سے واپس چلے گئے۔ تب میں نے کھانے پینے کی اشیاء کی
طرف دیکھا۔ لیکن یہ سب کچھ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اصولاً مجھے فوراً ہی وہاں طلب کر لیا
جانا چاہئے تھا جہاں ریڈ بون موجود تھی۔ لیکن اس سلسلے میں اجتناب برتا گیا تھا۔ اور وہ رویہ
روا نہیں رکھا گیا تھا جو ہونا چاہئے تھا۔

ریڈ بون سے بات کھٹی ہو گئی۔ لیکن یہ کوئی اہم بات نہیں تھی۔ ساری دنیا ہی اپنے مقصد
کے لئے جی رہی تھی۔ اُس نے اپنی حیثیت حاصل کرنے کے بعد اگر مجھے نظر انداز کر دیا تو
کوئی ایسی بات تو نہیں تھی جو بہت ہی حیرت انگیز ہو۔ ٹھیک ہے..... ایسا ہی سہی۔
بہرطور! کھانے پینے کی اشیاء میں سے کچھ چیزیں میں نے کھا پی لیں اور اُس کے بعد
سوچنے لگا کہ واقعی مجھ سے زیادہ ذہانت کا ثبوت مسٹر کارنیلس نے دیا ہے کہ اس کا انتظار
کئے بغیر یہاں سے چلے گئے۔ میرے ساتھ کون سا بہتر سلوک ہو رہا تھا؟ بلکہ ایک طرح
سے اچھا ہی ہوا تھا کہ مسٹر کارنیلس یہاں سے چلے گئے۔ ورنہ مجھے بھی شرمندگی ہوتی۔ اُن
کے سامنے بھلا کیا کہہ سکتا تھا؟ ریڈ بون کے لئے دل میں بہت سی برائیاں پیدا ہو گئیں اور
میرے ذہن میں مسٹر تھیوڈور اور اُن کی بیٹی سولیتا آئے۔ اگر وہ دونوں بھی یہیں ہوتے اور
اصل ریڈ بون کا رویہ یہی ہوتا تو یقیناً اُنہیں بھی بہت افسوس ہوتا۔ مسٹر تھیوڈور نے تو گویا
اپنی زندگی ہی برباد کر دی تھی اُس لڑکی کے لئے۔ اور اس کے بعد وہ کیا ثابت ہوئی؟
میں نے ایک گہری سانس لی اور میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ دنیا کے
رنگ ڈھنگ ہر جگہ نمایاں ہیں۔ چاہے وہ صحرائے اعظم افریقہ کا کوئی دُور دراز کا حصہ ہو یا
پھر نیویارک سٹی۔ ہر جگہ ایک ہی کیفیت ہے انسانی ذہنوں کی۔ اب اس سلسلے میں کیا سوچنا،
کیا سمجھنا؟ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کیا میں بھی مسٹر کارنیلس کی طرح کوئی راستہ اپنا لوں یا مزید
انتظار کروں؟ مسٹر کارنیلس تو باہمت تھے کہ اُنہوں نے ایک فیصلہ کیا اور یہاں سے نکل
گئے۔ لیکن میں باہمت آدمی نہیں تھا۔ اگر یہاں سے نکل کر جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ وہی
صحرا، وہی جنگل، وہی ویرانے..... بھٹکتا ہی پھروں گا۔ کچھ بھی نہیں ملے گا ان تمام
کارروائیوں سے۔ یقینی طور پر اُس کا انتظار کر لینا چاہئے۔ جب میرے لئے کھانے پینے کی
اشیاء بھیجی ہیں تو ہو سکتا ہے کچھ اور عنایت بھی کی جائے۔ جہاں تک خزانے کا مسئلہ تھا تو بے
شک خزانہ بے شمار افراد کی طلب تھا۔ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ دنیا کا کوئی
خزانہ مجھے راس نہیں آ سکتا۔ یہ سب کچھ میری تقدیر میں ہی نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی خزانہ ملنا
ہوتا تو نوکری کی شکل میں نہ مل جاتا؟ کہ دو وقت کی روٹیوں کا سہارا ہو جاتا۔ بلاوجہ خالہ
شہناز کے ٹکڑے توڑتا رہا تھا۔ یہ سب کچھ میری تقدیر میں نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا
کہ اپنی اس تقدیر کو کون سے پتھر سے پھوڑوں؟

پھر رات ہوگئی۔ اور اُس کے بعد دوسرا دن۔ دوسری صبح بھی میرے لئے کھانے پینے کی اشیاء آگئی تھیں۔ گویا مجھے میری اوقات میں رکھا گیا تھا۔ بس! اتنا کام کہ پیٹ بھروں اور آرام سے سو جاؤں۔ ظاہر ہے ابھی ریڈ بون کو فضول لوگوں کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں ہے۔ طبیعت پر ایک جھلاہٹ سی سوار ہوگئی اور اُسی طرح مجھے پانچ دن گزر گئے۔ کوئی بھی ملنے نہیں آیا تھا اور نہ ذرہ برابر اہمیت دی گئی تھی۔ آخر یہی سوچنا پڑا کہ اس طرح خانقاہ میں رہ کر راہب بننے سے کیا فائدہ؟ بہتر یہ ہے کہ اب آگے کے بارے میں کچھ سوچا جائے۔ ریڈ بون کی بے توجہی شرم ناک حیثیت رکھتی تھی۔ اور اب اس سلسلے میں، اُس کی طرف سے کسی عنایت کی توقع رکھنا حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ جب بھی میں اس سلسلے میں غور کرتا، وہی سوال سامنے آ کھڑا ہوتا کہ جاؤں تو کہاں جاؤں.....؟ اور اگر ہمت کر بھی ڈالوں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

ساتویں رات بالآخر اس سارے مرحلے کے لئے فیصلہ کن بن گئی۔ تاحد نگاہ خاموشی چھائی ہوئی تھی اور میں بدستور خانقاہ میں اپنی تقدیر کا ماتم کر رہا تھا کہ مجھے کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ بیرونی راستے کو بہت دیر سے نہیں دیکھا تھا۔ ورنہ یہ علم ہو جاتا کہ کوئی آ رہا ہے۔ میرے لئے کھانے پینے کی اشیاء لانے والے سرِشام ہی اپنی یہ خدمت سرانجام دے کر واپس چلے گئے تھے۔ پھر اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ دل ایک دم اُچھل پڑا۔ ہو سکتا ہے ریڈ بون کو فرصت مل گئی ہو۔ بہرطور! آنے والے اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر مجھے آواز دی گئی۔ یہ آواز میرے لئے اجنبی تھی۔ لیکن نام میرا ہی پکارا جا رہا تھا۔ اور تلفظ بے حد عجیب تھا۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل آیا تو میں نے تین افراد کو دیکھا۔ سب سے آگے بوڑھی سیلی بون تھی۔ اور اُس کے پیچھے دو مقامی آدمی..... سیلی بون سر سے پاؤں تک ایک مخصوص قسم کے لباس میں تھی۔ اور اُس کے چہرے پر ایک پتھریلا پن چھایا ہوا تھا۔ تب اُس نے نہایت بے تکی انگریزی زبان میں کہا۔

''مسٹر منصور! میرا نام سیلی بون ہے۔''

میں حیرت سے ایک افریقی عورت کو انگریزی بولتے سن رہا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا میں مادام سیلی بون سے مخاطب ہوں؟''

''اُس نے میرے یہ الفاظ بخوبی سمجھ لئے اور آہستہ سے بولی۔ ''ہاں! میں ریڈ بون کی

سیلی بون ہوں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ریڈ بون نے آپ کو میرے بارے میں بتا دیا۔''

''بہت پہلے بتا دیا تھا۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں بولی۔ یہ انگریزی اُس نے یقیناً اپنے شوہر سے سیکھی ہوگی۔ بہرطور! کام چل رہا تھا۔

''میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں سیلی بون! کہ آپ کو آپ کی بیٹی مل گئی۔''

''تمہارا شکریہ! اور اُس شخص کا بھی جس نے میری بیٹی کو پرورش کیا۔ میں نہیں جانتی، وہ کہاں ہے؟ اگر وہ ہوتا تو میں اُس کا بھی شکریہ ادا کرتی۔''

''گویا وہ نہیں مل سکا۔''

''ہاں! ہمیں نہیں پتہ کہ وہ کہاں چلا گیا؟''

''خیر! یہ اُس کی تقدیر۔ میں کئی دن سے یہاں موجود ہوں اور مجھے یہ نہیں معلوم کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟'' میں نے کہا۔

''میں اسی لئے یہاں آئی ہوں مسٹر منصور! میں آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ ریڈ بون کو آپ نے جس طرح یہاں پہنچایا، اُس کے لئے میں شکرگزار ہوں۔ آپ کے ساتھ ایک اور آدمی بھی ہونا چاہئے تھا، وہ بھی نہیں ہے؟''

''وہ اُکتا کر یہاں سے چلا گیا۔''

''خیر! مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کون یہاں ہے اور کون نہیں ہے؟ میں تمہیں کچھ ضروری باتوں سے آگاہ کرنا چاہتی ہوں۔''

''جی..... فرمائیے۔'' میں نے کہا۔

''ریڈ بون سے مجھے علم ہوا ہے کہ تم بونیٹو کا وہ روایتی خزانہ حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے ہو جو بیرونی دنیا کے لئے بہت پرکشش ہے۔ یہ بات کسی اور کو میں نہیں بتا سکتی تھی۔ لیکن تمہارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ایسے کسی خزانے کا بونیٹو میں کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ خزانہ صرف ایک روایتی حیثیت رکھتا ہے۔ اور شاید کسی ضرورت کے تحت اُس کی کہانی بنائی گئی ہے۔ وہ ضرورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح خزانے کی تلاش میں آنے والوں کے ذریعے ہمیں بیرونی دنیا کے معاملات بھی پتہ چلتے رہیں۔ ورنہ ایسا کوئی خزانہ یہاں موجود نہیں ہے۔ تم نے ریڈ بون کو یہاں تک پہنچانے کے لئے جو مشقتیں اُٹھائی ہیں، اُن

کے صلے میں، میں تمہیں چند ہیرے اور سونے کا ایک بڑا ذخیرہ دے سکتی ہوں۔ جو تمہاری
دنیا کے لئے بہت قیمتی ہوگا۔''

سیلی بون نے اپنے لباس میں سے ایک بڑی سی تھیلی نکالی اور اُس کا منہ کھول کر میرے
سامنے اُلٹ دیا۔ آٹھ قیمتی ہیرے جگمگا رہے تھے۔ اور اُس کے ساتھ ہی کچے سونے کے
بہت سے ٹکڑے تھے جن کا مجموعی وزن کافی بن جاتا تھا۔

سیلی بون نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ ساری چیزیں میری طرف سے
تمہارے لئے انعام ہیں۔ جہاں تک ریڈ بون کا معاملہ ہے، اُس نے ابھی اپنے قبیلے میں
واپس آنے کے بعد اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا ہے۔ وہ قبیلے کے اصول اور ضوابط سمجھ رہی
ہے۔ اس لئے اُسے فرصت نہیں ہے۔ میں تمہارے پاس اس لئے آئی ہوں کہ تمہیں انعام
دینے کے بعد یہاں سے تمہاری روانگی کا بندوبست کر دوں۔ چنانچہ تیار ہو جاؤ۔ یہ چیزیں
اپنے پاس رکھ لو۔ یہ دو افراد جو میرے ساتھ آئے ہیں، تمہیں مہذب دنیا تک پہنچانے کا
بندوبست کر دیں گے۔ ان کے ساتھ خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ اور تمہارے لئے یہی
بہتر ہے۔''

''کیا ایک بار میں ریڈ بون سے مل نہیں سکتا؟''

''اس کا تصور بھی مت کرنا۔ میرے تجربات بہت تلخ ہیں۔ بیرونی دنیا سے آنے والے
مردوں کو یہاں آنے کے بعد قتل کر دیا جاتا ہے۔ اور میں بہت عرصے کے بعد اپنے ہی
احکامات سے انحراف کر رہی ہوں۔ صرف اس بنیاد پر کہ تم نے میری بیٹی کو یہاں تک
پہنچانے کے لئے بڑی محنت کی ہے۔ لیکن رات کی تاریکیوں میں تمہارا یہاں سے نکل جانا
بہت ضروری ہے۔ ورنہ دن کی روشنی میں اگر قبیلے کے افراد تمہیں پائیں گے اور یہ جان لیں
گے کہ تم مقامی آدمی نہیں ہو تو تمہارا قتل یقینی ہو جائے گا۔ ان دونوں کے ساتھ گھوڑوں پر
بیٹھ کر چلے جاؤ۔ یہ تمہیں بتائیں گے کہ تمہارا آگے کا سفر کس انداز میں ہوگا۔''

میں نے بیچارگی کی نگاہوں سے سیلی بون کو دیکھا اور آہستہ سے گردن ہلا دی۔ ''ٹھیک
ہے۔ میں تمہاری ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''میں ایک بار پھر تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔'' اُس نے کہا۔ اور پھر پلٹ کر افریقی
زبان میں اُن سے کچھ کہنے لگی۔ اُنہوں نے گردنیں خم کر دی تھیں۔ سیلی بون واپس پلٹ

گئی۔

میرے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ لیکن ظاہر ہے میرے ساتھ یہ سب کچھ ہونا
چاہئے تھا۔ چنانچہ میں وہ ہیرے اور سونے کے ٹکڑے اُس تھیلی میں بند کرنے لگا۔ اور پھر
تھیلی میں نے اپنے بدن سے باندھ لی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں مجھے مہذب دنیا تک
پہنچانے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کریں گے؟ لیکن سیلی بون نے مجھے اُن کے حوالے کیا
تھا۔ ظاہر ہے کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا۔ چنانچہ میں اُن کے ساتھ خانقاہ سے باہر نکل آیا۔
مجھے پیالے نما وادی کے اُوپری حصوں تک پیدل سفر کرنا پڑا۔ اور اُس کے بعد میں نے
وہاں تین گھوڑے دیکھے جن میں سے دو اُن کے لئے اور ایک میرے لئے تھا۔ اور اُس کے
بعد گھوڑوں کا یہ سفر جاری ہو گیا۔ بہرطور! لوٹ کر بدھو گھر کو آئے والا معاملہ تھا۔ نہ مسٹر
تھیوڈور ملے تھے، نہ بے چاری سولیتا۔ جو بہرطور! میرے دل میں ایک کسک بن کر اُبھرتی
رہتی تھی۔ وہ جو کچھ بھی تھی، بہت اچھی لڑکی تھی۔ مسٹر تھیوڈور بے حد ایثار پسند تھے۔ اور
اُنہوں نے اپنی بیٹی کی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ اُن دونوں کا تصور میرے لئے بہت ہی
رُوح فرسا تھا۔ جب یہ یاد کرتا کہ اُنہیں اُن کی زندگی بھر کی محنت کے صلے میں کچھ بھی نہیں
مل سکا تو دل غم سے ڈوبنے لگتا تھا۔ لیکن یہ تو دنیا کی ریت ہے۔ ہر شخص ایک ہی مزاج کا
نہیں ہوتا۔ سولیتا یا موجودہ ریڈ بون نسلاً بہتر نہیں تھی۔ ورنہ اُس کے دل میں سپاس گزاری
کے جذبات ضرور ہوتے۔ مسٹر تھیوڈور نے اُسے اپنی بیٹی کی حیثیت سے پروان چڑھایا تھا
اور اپنی بیٹی کو اُس کے لئے داؤ پر لگا دیا تھا۔ یہ بہت بڑا ایثار تھا۔ اور اس کے نتیجے میں پتہ
نہیں ان کے ساتھ کیا ہوا؟ اس کے علاوہ وہ احمق آدمی تھا جس کا نام کارنیلس تھا۔ پتہ نہیں
کیوں بھاگ گیا؟ کیا مصیبت نازل ہوئی تھی اُس پر؟ کہاں بھٹکتا پھرے گا؟ اور کسی نہ کسی
جگہ مارا جائے گا۔ اگر وہ بھی میرے ساتھ ہوتا تو خزانے کی کہانی تو منظر عام پر آ ہی چکی
تھی۔ اُسے بھی شاید یہی سب کچھ مل جاتا جو مجھے ملا ہے۔ کم از کم کچھ تو بھلا ہو جاتا اُس کا۔
لیکن جس کی تقدیر میں جو کچھ ہو، اُسے وہی ملتا ہے۔

گھوڑوں کا یہ سفر رات بھر جاری رہا۔ اور پھر صبح ایک جگہ قیام کیا گیا۔ یہ تھکن دُور
کرنے کے لئے تھا۔ پھر دوپہر کو جب سورج پوری طرح آسمان کی چھت پر چمک رہا تھا،
ایک بار پھر اُن لوگوں نے گھوڑے تیار کر لئے اور شام کو جس وقت تک سورج ڈوبا، یہ سفر

جاری رہا۔ اب میرے کانوں میں ایک بڑے دریا کا شور اُبھر رہا تھا۔ نجانے یہ کون سا
تھا؟ ابھی نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ رات کو یہیں قیام کر لیا گیا۔ اور دوسری صبح تھوڑا سا
کرنے کے بعد ہم ایک وسیع و عریض دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ یہاں ایک بڑی کُٹیا
موجود تھی۔ اُس کے آس پاس چھوٹی چھوٹی چند جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں افراد
میرے رہنما کی حیثیت سے میرے سامنے آئے تھے اور اپنی زبان کے علاوہ اور کوئی زبان
نہیں جانتے تھے، اُن جھونپڑیوں میں گئے اور چار ملاحوں کو میرے ساتھ کر دیا گیا۔ اور مجھے
کشتی میں بٹھا کر یہ ملاح کسی نا معلوم منزل کی جانب چل پڑے۔ کھانے پینے کا کافی
سامان موجود تھا۔ چاروں ملاح افریقی تھے اور مجھ سے کیا، ایک دوسرے سے بھی بات نہیں
کرتے تھے۔ کشتی کا یہ سفر بھی طویل ترین رہا۔ اور کشتی دریا کے بہاؤ پر سفر کرتی رہی۔ مجھے
اب یہ زندگی ہی دُوبھر محسوس ہونے لگی تھی۔ خشک ہوائیں، رات کی سردی، دن کی گرمی اور
دریا کا سفر.....نجانے کتنے دن تک یہ سفر جاری رہا اور اُس کے بعد یہ کشتی ایک جگہ روک
دی گئی۔ پھر چاروں ملاحوں نے مجھے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے، وہ آبادی دکھائی جو
کافی وسیع و عریض تھی۔ گویا اُن کا مطلب تھا کہ اب میں یہاں سے خود اپنی مدد آپ
کروں۔ آبادی یہاں سے کافی دُور تھی۔ لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق آبادی کی جانب
چل پڑا۔ جوں جوں آگے بڑھتا جا رہا تھا، یہ احساس ہو رہا تھا کہ آبادی بالکل جدید دنیا کے
مطابق ہے۔ چند کہ لوگ افریقی ہی تھے لیکن کافی ترقی یافتہ آبادی تھی۔ ہو سکتا ہے کوئی
ایسی جگہ ہو جس سے میں بخوبی واقفیت رکھتا ہوں۔ حیرت انگیز بات تھی۔ اُن لوگوں نے
ایسے راستے دریافت کر رکھے تھے جہاں سے آبادیوں تک رسائی آسان تھی۔ اور یہ راستے
وہی لوگ جان سکتے تھے۔ بیرونی دنیا کے لوگ تو دریائی راستے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔
اور ظاہر ہے جس انداز میں اُنہوں نے سفر کیا، اُس انداز میں یہ سفر بھی مشکل تھا۔ میں
آبادی دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر اُس آبادی کے سب سے پہلے مکان کے قریب پہنچ
گیا۔ مکان کے احاطے میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ اُنہوں نے مجھے دیکھا اور دفعتاً
میری طرف دوڑ پڑے۔ وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اور پھر اُنہوں
نے شور مچانا شروع کر دیا۔ میری سمجھ میں ایک لمحے تو کچھ بھی نہیں آیا۔ لیکن دوسرے لمحے
جب میں نے اپنے آپ پر غور کیا تو میرے اوسان خطا ہو گئے...... افریقی آبادی میں

مہذب افریقیوں کے درمیان میں ایک غیر مہذب اور وحشی افریقی کی ہیئت رکھتا تھا۔ ہاں!
اس دوران یہ احساس ہی نہ ہوا کہ میری اپنی ہیئت کیا ہے؟ اُس مردود کارنیلس نے مجھے
افریقی بنا دیا تھا اور اُس وقت بھی میری گردن میں چھوٹی چھوٹی کھوپڑیوں کا ہار اور سر پر
پروں کا تاج تھا۔ اور زیریں بدن پر کسی جانور کی کھال منڈھی ہوئی تھی۔ میرے پورے
بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ اب کیا کروں؟ اب کیا کرنا چاہئے.....؟

☆.....☆.....☆

اپنی اس ہیئت کذائی پر چند لمحات تو میں بدحواس رہا۔ اور پھر میرے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہوگیا۔ اب تو اپنے آپ پر ہنسنے کے علاوہ اور کچھ کرنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ زندگی جتنے بھی مذاق مجھ سے کرسکتی تھی، کر رہی تھی۔ اور صحیح معنوں میں، میں گزرنے والے وقت کے لئے فٹ بال کی حیثیت اختیار کرگیا تھا۔ جہاں بھی جاتا، ایک لات پڑتی اور کہیں سے کہیں پہنچ جاتا۔ خود میرا اپنا کوئی نظریہ نہیں تھا۔ کوئی منزل نہیں تھی۔ کوئی راستہ نہیں تھا۔ راستے اختیار کرنے کی کوشش بھی کرتا تو سیدھے سیدھے راستوں پر چلتے ہوئے، ایسی ٹیڑھی میڑھی جگہوں پر پہنچ جاتا جو ناقابل یقین کہی جاسکتی تھیں۔ بارہا یہ بات بھی سوچی کہ اپنے وطن روانہ ہو جاؤں۔ جانے کیوں دل کو یقین نہیں تھا کہ میں اپنی دنیا میں واپس پہنچ جاؤں گا۔ وقت کی ٹھوکروں کا احساس ہمیشہ میرے ذہن پر مسلط رہتا تھا اور بعض اوقات تو دل چاہتا تھا کہ کہیں کسی بھری پری آبادی کے چوراہے پر جا کر لیٹ جاؤں۔ بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں اپنے لئے کوئی منزل، کوئی راستہ تلاش کروں؟ وقت خود بخود مجھے کہیں سے کہیں پہنچا دے گا۔ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ اور مجھے وہ لطیفہ یاد آرہا تھا کہ ایک مہذب قسم کے پادری نے یہ فیصلہ کیا کہ عریانیت پسندوں کے درمیان جا کر تبلیغ کرے۔ پادری صاحب اُس جزیرے پر جا پہنچے جو بے لباس لوگوں کا جزیرہ تھا اور اُس میں لباس پہن کر داخل ہونا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ پادری صاحب نے سوچا کہ تبلیغ تو بہرطور اُن کے درمیان جا کر کرنی ہی ہے۔ اُنہی کی سی ہیئت اختیار کی جائے، اور اس کے بعد اُنہیں بے لباسی کے مضرات سے آگاہ کیا جائے۔ اُدھر بے لباسوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ ایک پادری تبلیغ کے لئے آرہا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ آج سے بے لباسی ترک کر دی جائے۔ اور سب لوگ لباس پہن کر جزیرے میں گھومیں پھریں۔ پادری صاحب جب بے لباس اُن لوگوں کے درمیان پہنچے تو دہشت زدہ ہو گئے۔ جن لوگوں کی

بے لباسی کے خلاف تبلیغ کرنے آئے تھے، وہ تو سب لباس میں ملبوس تھے اور پادری صاحب بے لباس تھے۔

میری بھی اُس وقت یہی کیفیت تھی۔ افریقہ کے نیم مہذب وحشیوں کی سی کیفیت..... میں اُن کے درمیان موجود تھا جو درحقیقت افریقی تھے۔ لیکن تہذیب یافتہ تھے۔ بچے چاروں طرف سے مجھے گھوم پھر کر دیکھ رہے تھے۔ اور میں اُن کے درمیان ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ دیکھ لو بھائی! دُنیا دیکھنے کی چیز ہوں۔ تقدیر نے تمہیں یہ موقع فراہم کیا ہے تو اچھی طرح دیکھ لو۔ وہ ہنستے رہے، قہقہے لگاتے رہے۔ پھر اُس کے بعد کچھ بڑے بھی وہاں پہنچ گئے اور میں اُن میں سے کوئی ایسا چہرہ تلاش کرنے لگا جو تعلیم یافتہ بھی ہو۔ میرا اندازہ تو یہی تھا کہ لوگ جدید ماحول اور جدید تہذیب سے آشنا ہیں اور سبھی کی آنکھوں میں میرے لئے حیرت کے آثار تھے۔ تب میں نے انگریزی زبان میں اُن سے ایک کو مخاطب کیا۔

''کیا آپ انگریزی زبان بول سکتے ہیں جناب؟''

''میرے لباس اور حلیئے کو سامنے رکھتے ہوئے شاید اُن کے ذہنوں میں یہ گمان نہیں تھا کہ میں اتنی روانی سے انگریزی بول سکتا ہوں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر حیرت سے کہا۔ ''کیا تم انگریزی بول سکتے ہو؟''

''آپ میری زبان سے انگریزی ہی سن رہے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''ہاں.....لیکن تمہارا لباس، تمہارا حلیہ.....''

''میرے دوستوں نے مجھ سے مذاق کیا ہے اور مجھے اس حلیئے میں تبدیل کر دیا ہے۔ اب میرے پاس نہ کوئی لباس ہے اور نہ.....نہ.....''

''اوہ.....سوری! ہم تمہارے بارے میں کچھ اور ہی سمجھے تھے۔ آؤ! میں تمہیں لباس دوں۔'' اُن میں سے ایک نے ہمدردی سے کہا اور میں اُس کے پیچھے گردن جھکا کر ہو لیا۔

کھوپڑیاں اور وہ دُوسری چیزیں اُتار کر میں نے وہیں پھینک دی تھیں جو میرے جسم سے لپٹی ہوئی تھیں۔ اور بچے اُن پر ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ شخص مجھے اپنے گھر لے گیا۔ ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر تھا جو مقامی روایات کے مطابق بنایا گیا تھا۔ یہاں اُس نے مجھے

ایک ڈھیلا ڈھالا سا مخصوص قسم کا لباس دیا جسے پہن کر میں کم از کم آدمی کا بچہ تو نظر آ
تھا۔ اُس کے بعد میں نے اپنے چہرے کی رگڑائی شروع کر دی چھوٹے سے غسل خانے
میں۔ میں اپنے چہرے کو جس قدر چھیل سکتا تھا، میں نے چھیلا۔ لیکن توبہ کریں صاحب
رنگ کسی طور نہ اُترا۔ یہ رنگ میری تقدیر کی سیاہی کی مانند تھا، جو کسی بھی طور میری جان نہیں
چھوڑ رہی تھی۔ بالآخر میں تنگ آ گیا۔ اب تو چہرہ یوں لگتا تھا جیسے پورے چہرے پر خراشیں
پڑ گئی ہوں۔ رنگ ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔ ویسا ہی چمکدار، سیاہ حسین رنگ جو ان مہذب
افریقیوں کے لئے بہت باعزت تھا۔ لیکن میری تمام عزت خاک میں مل گئی تھی۔ مجبوراً
میں نے خود کو تن بہ تقدیر چھوڑ دیا۔ اب یہ رنگ خود ہی اُترے تو اُترے۔

میرے شریف النفس میزبان نے ہلکے پھلکے سے کھانے پینے کا بھی بندوبست کیا
میرے پاس جو کچھ تھا وہ بہت کچھ تھا اور فی الوقت کم از کم یہ خطرہ لاحق نہیں تھا کہ مجھے کسی
مالی پریشانی کا شکار ہونا پڑے گا۔ باقی رہی اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کی
بات تو یہ مذاق میں اپنے آپ سے بارہا کر چکا تھا۔ میں اپنے مستقبل کے لئے فیصلہ کرنے
پر قادر نہیں تھا۔ بلکہ مستقبل میرا فیصلہ خود کرتا تھا۔ چنانچہ اب میں نے سوچا کہ یہاں سے
نکل کر کہیں بود و باش اختیار کی جائے۔ اور اُن لمحات کا انتظار کیا جائے، جو میرے لئے
آگے کی منزل کا تعین کریں گے۔

اپنے میزبان کا دلی شکریہ ادا کرنے کے بعد میں وہاں سے نکل آیا۔ میں اُس لباس کی
قیمت سونے کی ڈلی یا کسی اور صورت میں دے سکتا تھا۔ لیکن یہ جذباتی مظاہرہ کرنا میں نے
مناسب نہیں سمجھا۔ کیونکہ اس طرح اپنے لئے کوئی فوری عذاب مول لینے میں کوئی دقت
نہیں ہوتی۔ البتہ جب کسی ہوٹل میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا تو اس سے پہلے اُن نادرات
کو کرنسی میں تبدیل کرانے کی ضرورت بے شک پیش آ گئی اور اس میں مجھے کوئی مشکل پیش
نہیں ہوئی۔ سونا فروخت کرنا اتنا مشکل کام نہیں تھا۔ ایک سونے کے تاجر سے میں نے
اچھی خاصی رقم لے کر اپنے لباس میں محفوظ کی اور اس کے بعد اُس خوب صورت آبادی کے
بازاروں میں گھومنے پھرنے لگا۔ بلاشبہ کبھی افریقہ کو غیر مہذب کہا جاتا تھا۔ لیکن اب
کی آبادی کو دیکھنے کے بعد یہ احساس ہو رہا تھا کہ افریقی قوم بلاشک وشبہ دنیا کی ترقی یافتہ
ترین قوموں میں شمار ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی پسماندگی کے لئے نجانے

صدیوں سے کام ہوتا رہا ہے۔ لیکن جہاں بھی اُسے اُبھرنے کا موقع ملا، اس نے اپنے آپ
کو منوا کر دکھا دیا۔ اور یہ شہر بھی اُنہی تمام روایات کا مظہر تھا۔ خوب صورت پارک، بہترین،
کشادہ اور چوڑی سڑکیں جو شیشوں کی طرح صاف شفاف، اعلیٰ درجے کی عمارتیں، ہوٹل،
غرض ہر وہ چیز موجود تھی جو مہذب دنیا کے کسی ملک یا شہر میں ہو سکتی ہے۔

میں نے اپنے معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد بالآخر ایک ہوٹل کا رُخ
کیا۔ اور ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ لباس وغیرہ میں نے
اپنے لئے کافی خرید لئے تھے اور اپنے اُس معزز میزبان کے تحفے کو میں نے ایک سٹور ہی
میں محفوظ کر دیا تھا اور جدید تراش کے سوٹ میں ملبوس ہو کر ہوٹل پہنچا تھا۔ ہوٹل کی دنیا میں
کوئی خاص تبدیلی نہیں تھی سوائے اس کے کہ ہوٹل اعلیٰ درجے کا تھا اور افریقی روایات کو مد
نظر رکھتے ہوئے بنایا گیا تھا۔ یہاں پر تمام کام کرنے والے ویٹرز وغیرہ بھی افریقی ہی
تھے۔ مہذب اور مستعد..... طویل عرصے کے بعد میں نے زندگی کے کچھ پرسکون لمحات
حاصل کئے اور فیصلہ کیا کہ ہوٹل کے کمرے ہی میں اُس وقت تک آرام کرتا رہوں جب
تک بدن سے تھکن کا ایک ایک لمحہ دُور نہ ہو جائے۔ عمدہ قسم کی کافی اور کھانا۔ غرض وہ تمام
چیزیں جو انسانی زندگی کی خواہشات ہوتی ہیں، یہاں میرے لئے موجود تھیں۔ سیاہ فام
لڑکیاں جو ویٹر کی حیثیت سے یہاں کام کر رہی تھیں، میرا خاص طور سے خیال رکھتیں۔
نجانے کیوں؟ میں نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ بلکہ یہی تصور کیا تھا کہ وہ اپنی ڈیوٹیاں
خوش اسلوبی سے انجام دے رہی تھیں۔ یہ بات مجھے بعد میں معلوم ہوئی کہ میرے تیکھے
نقوش اور کالا رنگ اُن لوگوں کے لئے انتہائی باعث دلکشی ہے۔ گویا افریقی حسن پرستی کی
روایات میں، میں اس دور کا کیوپڈ تھا جس کے نقوش بھی اچھے تھے اور رنگ بھی گہرا گاڑھا
اور چمک دار تھا۔ لیکن یہ بات مجھے ذرا دیر میں ہی معلوم ہوئی تھی۔ تقریباً تین دن تک میں
اپنے ہوٹل کے اُس کمرے میں پڑا اینڈتا رہا۔ میرے ذہن میں جب بھی مستقبل کا سوال
اُبھرتا تو میں نے اُسے باہر نکال پھینکا۔ مستقبل کے بارے میں سوچنا اب مجھے زہر ہی لگتا
تھا۔

تین دن میں جب تمام کسلمندی دُور ہو گئی اور صحرائے اعظم میں گزرے ہوئے لمحات
کی یادوں کا تصور ذہن سے مٹ گیا تو میں نے سوچا کہ کم از کم باہر نکل کر دیکھا تو جائے۔

یہاں کی سیر کی جائے۔ اچھی جگہ ہے۔ اگر کہیں نکلنے کا موقع ملا تو یہاں سے نکلنے کی کو
بھی کی جائے گی۔ کیا حرج ہے؟ تھوڑی سی تفریح ہی سہی..... چنانچہ میں تیار ہو کر باہر
آیا۔ میں نے ایک عمدہ سوٹ زیب تن کیا تھا۔ ہوٹل کے نچلے حصے میں مجھے ایک خوبصو
سی بید کی چھڑی نظر آئی جو چھڑیوں کی دُکان پر لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے یونہی تفریحاً وہ چھڑ
خرید لی اور اُس کے بعد اُسے گھماتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ کافی دیر تک اُس شہر
مختلف حصوں میں آوارہ گردی کرتا رہا۔ اور جب کافی تھک گیا تو واپس ہولیا۔ ابھی میں
اپنے ہوٹل کے دروازے سے اندر داخل ہو ہی رہا تھا کہ ایک بہت ہی متناسب خدوخال
مالک لڑکی جو ایک جدید لباس میں ملبوس تھی، ہوٹل سے باہر نکلنے لگی اور اچانک ہی اُس
مجھے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے ٹھٹکی، اُس کی سفید خوب صورت آنکھوں میں حیرت کی چمک
پیدا ہوگئی اور ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ۔ وہ سیاہ فام ہی تھی۔ لیکن نقوش کے معاملے میں
انفرادیت رکھتی تھی۔ میں ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ اور اس کے بعد اندر آ گیا تھا۔ لیکن میں
نے فوراً ہی محسوس کر لیا تھا کہ لڑکی واپس ہوگئی ہے۔ میں کچھ دیر میں حیران رہا۔ لیکن
دوسرے لمحے فوراً سنبھل گیا۔ آئی مصیبت..... میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ وقت کافی
گیا تھا۔ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں رونق بڑھتی جا رہی تھی۔ اُوپر جانے کی بجائے میں
ڈائننگ ہال ہی کا رُخ کیا۔ اور وہ بلائے بے درماں میرے پیچھے لگی ڈائننگ ہال ہی میں آ
گئی۔ آنا ہی تھا۔ یہ تو زندگی کا معمول تھا۔ ہمیشہ چند مجرم اور ایک لڑکی میرا تعاقب کرتے
رہے تھے۔ اور اس کے بعد میں اُن کی اُنگلیوں کے اشاروں پر ناچتا رہا تھا۔ غالباً زندگی
نے یہی سب کچھ دیا تھا۔ جب میں نے اپنی میز کے قریب پہنچ کر کرسی گھسیٹی تو دوسری کرسی
گھسٹنے کی آواز سنائی دی۔ اور جب میں بیٹھا تو وہ بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"ہیلو۔"

"جی فرمایئے! میں بہت دیر سے محسوس کر رہا ہوں کہ آپ میرا تعاقب کر رہی ہیں۔"

"بہت دیر سے کہاں؟ ہوٹل کے دروازے ہی پر تو میں تم سے ملی تھی۔"

"لیکن میں آپ سے نہیں ملا تھا۔"

"تو اب مل لو۔ میرا نام گریٹا ہے۔"

"مجھے تم بالکل گریٹ نظر نہیں آتیں۔ شریف لڑکیاں کہیں اس طرح مردوں کا تعاقب

کرتی ہیں؟" میں نے کہا۔

وہ ہنس پڑی۔ "ٹھیک ہے۔ میں ثابت کروں گی کہ میں گریٹ ہوں۔"

"اور یہ ثابت کرنے کی اجازت کون دے گا آپ کو؟"

"میں کسی کام کے لئے اجازت طلب نہیں کرتی۔ ویسے تمہارا نام کیا ہے؟"

"ڈگم بگم پر اعتراض ہے تمہیں؟"

"ہاں..... تھوڑا بہت اعتراض تو ہے۔ تم جیسے حسین نقوش کے مالک کا یہ نام نہیں ہونا
چاہئے تھا۔"

"لیکن ہے۔"

"چلے گا۔ کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں پیار سے ہنی کہا کروں گی۔"

"کہہ کر دیکھنا۔ گھونسا مار کر منہ توڑ دوں گا۔" میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا اور وہ
ہونٹ بند کر کے ہنسنے لگی۔ عجیب ڈھیٹ قسم کی لڑکی تھی۔ پہلی ہی ملاقات میں اس قدر بے
تکلفی۔

چند لمحات وہ خاموش رہی۔ پھر بولی۔ "کچھ پلاؤ گے نہیں ہنی؟"

"زہر دستیاب ہو سکتا ہو تو دو گلاس منگوا لو۔"

"دو گلاس کیوں؟"

"ایک تمہارے لئے اور دوسرا بھی تمہارے ہی لئے۔" میں نے جواب دیا۔

وہ پھر ہنس پڑی۔ "بہت دلچسپ باتیں کرتے ہو۔" میں پاؤں پٹختا ہوا کرسی کھینچ کر کھڑا
ہو گیا۔ "ارے، ارے..... کیوں؟ بیٹھو..... پلیز بیٹھو! میرا خیال ہے کہ تم میری باتوں سے
ناراض ہو گئے۔"

کیا خاک بیٹھتا؟ موڈ ہی چوپٹ ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ سیاہ فام حسینہ، سیاہ فام
نوجوانوں کے لئے باعث دلکشی ہو۔ لیکن مجھے وہ قہر خداوندی معلوم ہو رہی تھی۔ اُس
نیگرو چہرے کو میری طبع نازک کیسے برداشت کر سکتی تھی؟ بہرطور! اَب اُٹھ گیا تھا تو
دوبارہ بیٹھنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔ اپنی تقدیر کو کوستا ہوا کمرے میں واپس آ گیا۔ اگر میرا
ذہن اصل حالت میں ہوتا تو اُن محترمہ کو اس بے تکلفی کی ہمت نہیں پڑ سکتی تھی۔ اب تو مجھے
اپنے باپ کی ملکیت سمجھی ہوں گی۔

کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے لباس وغیرہ تبدیل کیا۔ سارا موڈ چوپٹ ہو
گیا تھا۔ بمشکل تمام موڈ بنانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اُس کالی بکری نے سب کچھ خراب کر
کے رکھ دیا تھا۔ اونہہ! مجھے اُس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ میں نے جو کچھ کیا، اچھا کیا
میں سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر تک اسی طرح اُس کے بارے میں دل جلتا رہا۔ پھر اِدھر اُدھر
دیکھا اور ایک کرسی پر دراز ہو گیا۔ کیا میں پریشان ہوں؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور
پھر منہ ٹیڑھا کر کے ہنسنے لگا۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پریشانی کیا چیز ہے؟ آخر ہے کیا پریشانی؟ میں بالکل پریشان
نہیں ہوں۔ جیسا بھی وقت گزرے گا، گزاروں گا۔ کیا فرق پڑتا ہے ان تمام فضول باتوں
سے؟

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو میں نے بھاری لہجے میں کہا۔ ”آ جاؤ.....“ وہ جو کوئی
بھی تھا، دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ لیکن اُسے دیکھ کر میں بری طرح اُچھل پڑا تھا۔

”تم.....؟“ میں نے اُسی سیاہ فام لڑکی کو دیکھ کر کہا۔

”ہاں! تمہاری اجازت سے اندر آئی ہوں۔“

”تو پھر میری درخواست پر باہر نکل جاؤ۔“

”نہیں۔ اس پر تو غور کرنا پڑے گا۔“ وہ واپس ہوئی اور اُس نے دروازہ بند کر دیا۔

”تمہیں میرے کمرے کا نمبر کیسے معلوم ہوا؟“

”تلاش کرنے سے کیا نہیں مل جاتا؟“

”مگر خدا کے لئے مجھے تلاش مت کرو۔ میں ایک گمشدہ شخصیت ہوں۔“

وہ ہنستی ہوئی بیٹھ گئی۔ ”اب تو تمہارے لئے میرے دل میں اور بھی اُنسیت اور کشش
پیدا ہو گئی ہے۔“

”وہ کیوں.....؟“

”اس لئے کہ تم دلچسپ باتیں کرتے ہو۔“

”میں بڑے دلچسپ ہاتھ بھی جھاڑ سکتا ہوں۔“

”اوہ! شاید تم بہت سی باتوں سے ناواقف ہو۔ مرد کے ہاتھوں سے پڑا ہوا ایک تھپڑ
عورت کے لئے کتنا پرکشش ہوتا ہے اس کا شاید تمہیں اندازہ نہیں۔“

میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ ”ویسے میں نے تم سے زیادہ ڈھیٹ
لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔“

”تو یہ میری خوبی ہوئی نا۔ چلو ٹھیک ہے۔ انسان ہمیشہ خوبیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔“

وہ میرے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ ”تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ میں
نے تم سے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی جو تمہارے لئے ناخوشگوار ہو۔“

”میں تنہائی چاہتا ہوں۔“

”یہ ذہنی اُلجھنوں کا اظہار ہوتا ہے۔ اور میں تمہیں ذہنی اُلجھنوں سے نکالنا چاہتی
ہوں۔“

”خدائی فوجدار ہو تم؟“

”یہ کیا ہوتا ہے؟“

”ہمارے ہاں ہوتا ہے۔ کاش! تمہارے ہاں بھی ہوتا۔“ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر
کہا۔

”کون سے علاقے کے رہنے والے ہو ڈیئر؟ ویسے میرا خیال ہے کہ تم نے اپنا نام
درست نہیں بتایا۔ بلکہ جھلاہٹ کے عالم میں بتایا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں اپنا درست نام بتانا بھی نہیں چاہتا۔“

”تو کیا فرق پڑتا ہے؟ میں تو تمہیں ہنی کہتی ہی ہوں۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو
ہنی؟“

”جہنم کا.....“

”واہ..... عمدہ جگہ ہو گی۔ جہاں تم جیسے حسین نوجوان پیدا ہوتے ہیں۔“

میں اُسے دیکھتا رہا۔ بڑی ستم ظریف لڑکی تھی۔ زبردستی میرے پیچھے پڑ گئی تھی۔ پھر میں
نے سوچا کہ کیا فائدہ مرچیں چبانے سے؟ بہتر ہے تھوڑا سا وقت ہی اُس کے ساتھ گزارا
جائے۔ چنانچہ میں نے نرم لہجے میں کہا۔

”تم..... کیا نام بتایا تھا تم نے اپنا؟“

”گریٹا..... گریٹا“

”تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟“

''مقامی ہی ہوں۔ لیکن بس! یونہی ذرا بھٹکی ہوئی سی ہوں۔''

''میری جانب رُخ کیوں کرلیا؟''

''تم حسین ہو۔ اورخوب صورت چیزیں مجھے پسند ہیں۔''

''کمال ہے۔'' میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ویسے ڈیئر! تم یہاں..... میرا مطلب ہے ہوٹل میں کیوں مقیم ہو؟ کیا مقامی باشندے نہیں ہو؟''

''نہیں۔''

''تو پھر کہاں سے آئے ہو؟''

''نہیں بتاؤں گا۔''

''چلو! کیا فرق پڑتا ہے؟ ویسے میری دوستی قبول کرو۔ ہم لوگ اگر ملتے رہیں تو کیا حرج ہے؟''

''ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم لوگ کل سے ملنا شروع کردیں؟'' میں نے کہا۔

''آج اگر تمہیں کوئی خاص پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔ میں دوستوں کی دوست ہوں۔ اور تمہاری مدد کرکے مجھے بے حد مسرت ہوگی۔''

''نہیں شکریہ۔ ویسے میں نے کھانا نہیں کھایا۔''

''اوہ! یہ کون سا مشکل کام ہے؟ ابھی رُوم سروس کو ٹیلی فون کرکے کھانا طلب کرلیتی ہوں۔'' اُس نے کہا اور پھر اُس بلائے بے درماں نے کھانا بھی میرے ساتھ ہی کھایا۔ کھانے کے دوران وہ بہت سی باتیں کرتی رہی تھی۔ جانے کہاں کہاں کی باتیں۔ جو مجھے ہضم نہیں ہو رہی تھیں۔ جب کافی دیر گزر گئی تو میں نے اُس سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''اب میں سونا چاہتا ہوں۔''

''تمہارا بستر درست کردوں؟'' اُس نے سوال کیا۔

''نہیں..... میرا بستر تو بالکل درست ہے۔''

''میرے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''تمہارے بارے میں.....؟'' میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔ اور پھر اُس کی آنکھوں

میں اُبھرتی ہوئی خواہشات مجھے نظر آگئیں۔

میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تمہارے بارے میں میرا یہی خیال ہے کہ تم آرام کرو۔ کہاں رہتی ہو؟''

''جہاں بھی رہتی ہوں، بہرطور! تم سے دُور نہیں۔''

''لیکن خدا کے لئے اس وقت دُور ہو جاؤ۔'' میں نے کہا اور پھر اُس کا بازو پکڑ کر دروازے تک لے آیا۔

وہ ہنستی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں پھرتی سے دروازہ بند کرکے واپس آگیا اور مسہری پر آلیٹا۔ تبھی مجھے اپنے کانوں میں ایک ہلکی سی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔ ہنسی کی آواز کہاں سے آئی.....؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ اور پھر دفعتہً ہی راعمیس کا تصور میرے ذہن میں اُبھر آیا۔ اور میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''آپ ابھی تک مجھ پر مسلط ہیں؟'' لیکن جواب نہیں ملا تھا۔ ''اگر آپ میرے اطراف چکرا رہے ہیں تو میں نے آپ سے مدد طلب کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ اس کی بنیادی وجہ سمجھتے ہیں آپ۔'' جواب اَب بھی نہیں ملا تو میں نے پھر کہا۔ ''اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کی قربت سے نفرت کرتا ہوں۔'' مجھے راعمیس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

لیکن اُس کے بعد میں دیر تک راعمیس کے بارے میں سوچتا رہا۔ کمبخت مسلسل ہی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ سب اُسی کی نحوست ہے۔ سو فیصد اُسی کی نحوست ہے۔ ہوسکتا ہے بصرہ آنے کے بعد میری گلوخلاصی ہو جاتی، اگر میں اُس مقبرے تک نہ پہنچتا، جہاں سے یہ بدروح مجھ سے آ چمٹی تھی۔ حالات پر غور کرتا تو اندازہ ہوتا کہ راعمیس میرے معاملات میں بہت زیادہ دخیل رہا ہے۔ اور اس بات کے امکانات بھی قوی تر تھے کہ صرف اُس کی انتقامی کارروائی کے تحت میں مسلسل پریشانیوں کا شکار ہوں۔ میرے دل کے گوشے گوشے میں اُس کے لئے نفرت ہی نفرت تھی اور میں اُس کے تصور سے بھاگنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اپنا ذہن جھٹک کر بستر پر جا لیٹا۔ ابھی غنودگی طاری نہیں ہوئی تھی کہ ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی۔

اب کون آ مرا؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ہوسکتا ہے، ویٹر کسی کام سے آیا ہو.....

ویسے میں نے دل میں یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اگر وہ ویٹر ہوا تو میں اُسے ڈانٹ دوں گا
کہوں گا کہ ہر وقت ٹھک ٹھک مناسب نہیں ہوتی۔ کون کس وقت سونا چاہتا ہے، اس
خیال رکھا جائے۔ چنانچہ اسی تصور کے تحت میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔
اُس قتالہ عالم کو دیکھ کر میں ششدر رہ گیا جو شب خوابی کے لباس میں اپنی دلاویز
بجلیاں گراتی ہوئی میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ میں نے جلدی سے گڑبڑا کر درو
بند کرنے کی کوشش کی تو اُس نے اپنا پاؤں دروازے میں اڑا دیا۔ اور پھر نرم اور مہین آ
میں بولی۔

''میرا پاؤں توڑ کر کیا تمہیں خوشی ہوگی؟''

''اپنا سر توڑ کر مجھے خوشی ہوگی۔ میرا خیال ہے یہی میرے لئے مناسب ہے۔''

''نہیں۔'' اُس نے کہا اور دروازہ تھوڑا سا دھکیل کر اندر داخل ہوگئی۔ ''آخر تم مجھ
اس قدر اجتناب کیوں برت رہے ہو؟''

''آخر تم ایک بدروح کی طرح مجھ پر مسلط کیوں ہوگئی ہو؟''

''اس لئے کہ تم مجھے پسند ہو۔''

''لیکن تم مجھے سخت ناپسند ہو۔'' میں نے جواب دیا اور وہ دیوار سے ٹک کر کھڑی
گئی۔

''میں نے تمہاری وجہ سے اس ہوٹل میں کمرہ حاصل کیا ہے۔''

''گویا تم اتنی دیر میں یہ سب کچھ بھی کر چکی ہو۔''

''ہاں! میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ اور کچھ اسی قسم کی فطرت کی مالک ہوں۔ م
جسے پسند کرتی ہوں، آسانی سے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔''

''ہمارے ہاں ایسی خواتین کو چڑیل کہا جاتا ہے۔''

''چڑیل.....؟'' اُس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

''بڑی عظیم چیز ہوتی ہے۔ بہت گریٹ، بلکہ گریٹا۔'' میں نے جواب دیا۔

''اوہ تھینک یو ڈیئر.....تھینک یو!'' اُس کی ہمت اب بڑھی اور وہ آگے بڑھ کر مسہری
بیٹھ گئی۔

میں پریشان نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ کمبخت ذہنی

ذہنی اور میں ذہنی طور پر اُسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

''تم بھی کمال کی چیز ہو گریٹا!''

''ہوں نا۔ میرے کمالات تو تم نے ابھی دیکھے ہی نہیں۔ جانے کیوں تم مجھ سے اتنا
اجتناب برت رہے ہو۔ اب اتنی بری بھی نہیں ہوں میں۔''

''نہیں..... یہ بات نہیں۔ دراصل.....وہ ایک منٹ.....ایک منٹ.....'' میں فوراً ہی
اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں.....کیا ہوا؟''

''ایک منٹ انتظار کرو۔ میں ابھی واپس آیا۔'' میں نے کہا اور اُسے کچھ سوچنے کا موقع
دیئے بغیر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازہ کھول کر باہر نکلا اور پھر اطمینان سے باہر سے اُس کی چٹخنی لگا دی۔ اس کے علاوہ
کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی تھی کہ میں خود اپنا کمرہ چھوڑ بھاگوں۔ باہر نکلنے کے بعد میں نے
سوچا، اب کیا کرنا چاہئے؟ ہوٹل کی تفریحات دو ڈھائی بجے تک جاری رہتی تھیں۔ اس
وقت تک تو گزارا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد؟ اس کے بعد بھی کوئی نہ کوئی ٹھکانہ
تلاش کر ہی لوں گا۔ کم از کم اُس بلا سے تو جان چھوٹے۔

میں ہوٹل کے اُس حصے میں آگیا جہاں رقص اور موسیقی کے پروگرام جاری تھے۔ بلاشبہ
یہ آبادی مہذب آبادی تھی اور یہاں جدید ترین زندگی پائی جاتی تھی۔ لیکن رقاصوں کے
رقص میں وہ وحشیانہ پن موجود تھا جو صحرائے اعظم افریقہ کی مخصوص روایتوں کا علمبردار ہے۔
مجھے بیٹھے ہوئے کافی دیر گزر گئی۔ میں انتظار کرتا رہا اُس لمحے کا جب میرے لئے کوئی نئی
مصیبت پیدا ہو جائے۔ لیکن وہ لمحہ نہیں آیا اور تقریباً ڈھائی بج گئے۔ ڈھائی بجے کے بعد
ہوٹل کی تفریحات ختم ہوگئیں اور لوگ وہاں سے اُٹھ اُٹھ کر جانے لگے۔

کمرے کی طرف واپس جانے کو بالکل دل نہیں چاہا تھا۔ چنانچہ میں خاموشی سے اُس
باغ میں آگیا جو ہوٹل کا اپنا پارک تھا۔ پھر میں نے ایک ایسا پُرسکون گوشہ تلاش کر لیا
جہاں کسی کی نگاہ آسانی سے نہ پہنچ سکے۔ درختوں کے جھنڈ کی آڑ میں، میں گھٹنوں میں سر دبا
کر بیٹھ گیا۔ سردی ہو چکی تھی۔ اور اچھی خاصی خنکی تھی۔ میں سکڑا سمٹا بیٹھا رہا۔ اور اپنے
آپ کو آزاد چھوڑ دیا۔ یہ ایک بہترین طریقہ ہوتا ہے نیند لانے کا۔ اور اس ہلکی ہلکی سردی

کے باوجود مجھے نیند آ گئی جو میرے بدن کو اُس وقت تک چبھتی رہی تھی، جب تک
نہیں پایا تھا۔ اور پھر اُس وقت جاگا جب چاروں طرف سورج کی روشنی پھیل گئی۔
بہت زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن بہرطور! روشنی ہو گئی تھی اور اب یہاں سے اُٹھ جانا ضروری
تھا۔ میرا انگ انگ ٹوٹ رہا تھا۔ سردی اور غالباً شبنم نے میرے ہوش و حواس بگاڑ دیئے
تھے۔ تھکا ہارا میں اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔ اب بھی اگر وہ بدبخت میرے کمرے میں
موجود ہے تو اُس کے ساتھ وہ سلوک کروں گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گی۔ خواہ مخواہ میری
رات برباد کر دی۔ اور بدن میں درد الگ ہو رہا ہے۔

کمرے کے دروازے پر پہنچا تو وہ باہر سے بند تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے دروازہ
کھولا اور خونخوار انداز میں اندر داخل ہو گیا۔ اب کچھ کر ہی ڈالنا چاہتا تھا۔ ذہن پر شدید
جھلاہٹ سوار تھی۔ مسہری پر دیکھا تو وہ موجود نہیں تھی۔ غالباً غسل خانے میں ہو گی۔ چنانچہ
آگے بڑھ کر میں نے غسل خانے کا دروازہ کھول دیا۔ نہ تو پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی اور
نہ ہی اندر کسی وجود کا احساس ہو رہا تھا۔ میں اُچھل پڑا۔ ظاہر ہے اِن دونوں جگہوں کے
علاوہ اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں اُس کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے۔ تبھی میری نگاہ
اُس بغلی کھڑکی پر پڑی جو باہر کی جانب کھلتی تھی اور جس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ بغلی کھڑکی
کے کھلے ہوئے پٹ دیکھ کر مجھے احساس ہو گیا کہ وہ رات ہی کے کسی حصے میں اُس کھڑکی
سے باہر نکل گئی ہے۔ عجیب و غریب لڑکی تھی۔ لیکن اُس کی مجھ سے ملاقاتوں کا مقصد کیا
ہے؟ کہیں اس کے پس پردہ کوئی اور سلسلہ نہ ہو۔ سوچنا پڑ گیا تھا اس بات پر، وہ اتنی
خاموشی سے نکل گئی تھی کہ مجھے یقین نہیں آتا تھا۔

بہرطور! میں نے کھڑکی اندر سے بند کی اور پھر دروازہ بھی پھرتی سے بند کر دیا۔ کیا کہا
جا سکتا ہے کہ کمبخت واپس آ جائے۔ اس کے بعد غسل خانے میں جا کر گرم پانی سے غسل
کیا۔ رات کی سردی، تیز گرم پانی سے رفتہ رفتہ زائل ہو گئی۔ اور پھر کچھ کھائے پیئے بغیر بستر
میں جا گھسا۔ نیند یقینی طور پر بہتر طریقے سے نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب گرم بستر ملا تو
پلکیں خود بخود ایک دوسرے سے جڑ گئیں۔ اور میں گہری نیند سو گیا۔ تقریباً ڈھائی یا پونے
تین بجے آنکھ کھلی تھی۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ صبح کو ناشتہ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ میں
نے منہ ہاتھ وغیرہ دھویا اور پھر رُوم سروس کو ٹیلی فون کر کے اپنے لئے کافی اور سینڈوچ

کر لئے۔ میں اُنہیں زہر مار کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ ایک لڑکی سے اس طرح
ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے؟ اب اگر وہ دوبارہ نظر آئی تو اُس کا دماغ درست کر کے
دوں گا۔ دو چار ہاتھ کھائے بغیر نہیں رہ سکے گی مجھ سے۔ اور پھر اس کے بعد جو ہو گا،
جائے گا۔ بھئی یہ کوئی مجبوری ہے کہ زبردستی کسی سے دوستی کر ڈالی جائے۔ اور پھر
میرے چہرے پر عجیب سے آثار پھیل گئے۔ گزرے ہوئے لمحات یاد آئے۔ بہت
کردار ذہن میں موجود تھے۔ خاص طور سے وہ لڑکی سولیتا جو بھولے نہ بھولی جا رہی تھی۔
بہت سی خواتین میری زندگی میں داخل ہوئی تھیں۔ مورا بھی ایک الگ حیثیت کی حامل
تھی۔ لیکن سولیتا..... وہ واقعی ذہن سے چپک جانے والی لڑکی تھی۔ جانے کب تک اُن
لوگوں کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر طبیعت نے اندر سے بغاوت کی۔ لباس وغیرہ تبدیل
کیا اور سوچا کہ اب رات گئے تک آوارہ گردی کرتا رہوں گا۔ یوں بھی اب اتنا سو لیا تھا کہ
شاید دو تین بجے تک نیند ہی نہ آتی۔ ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد میں باہر نکل آیا۔ وہ
بتا چکی تھی کہ اُس نے میری وجہ سے اسی ہوٹل میں کمرہ لیا ہے۔ چنانچہ حتیٰ الامکان یہی
کوشش کی کہ بچتا بچاتا نکل جاؤں۔ ہوٹل سے نکلنے کے بعد میں نے ایک ٹیکسی روکی اور اُس
میں بیٹھ کر چل پڑا۔ ٹیکسی میں بیٹھنے کے بعد بھی میں نے اِدھر اُدھر کا جائزہ لے لیا تھا۔ لیکن
خدا کا شکر تھا کہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں تھی۔ ٹیکسی دوڑتی رہی۔ اس علاقے کے بارے
میں مکمل طور پر تو نہیں جانتا تھا۔ لیکن ضروری نہیں تھا۔

کافی دُور جانے کے بعد میں نے ٹیکسی رُکوائی اور پھر پیدل آگے بڑھنے لگا۔ دُکانیں،
رُوم اور دوسرے چھوٹے چھوٹے ریستوران وغیرہ کھلے ہوئے تھے۔ سڑکوں پر رونق
تھی۔ غیر ملکی سیاح بھی نظر آ رہے تھے۔ مقامی لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ہر قسم کے
نظر نگاہوں کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ میں اُن سے لطف اندوز ہوتا ہوا آگے بڑھتا
رہا۔ اور پھر ایک چھوٹے سے ریستوران میں جا بیٹھا۔ یہاں بیٹھ کر میں نے ایک مقامی
منگوائی اور اُس کے چھوٹے چھوٹے پیس کھاتا رہا۔ ساتھ میں گرین چائے تھی جو لطف
دے رہی تھی۔ اس موسم میں یہ دونوں چیزیں پتہ نہیں کیوں بہت ہی لذیذ محسوس ہوئیں۔
پھر میں نے سوچا کہ آج شام کسی ہوٹل یا نائٹ کلب میں پروگرام دیکھا جائے۔ اور اس سلسلے
میں اخبارات پر نگاہ دوڑا لینا ضروری تھا۔ چنانچہ ویٹر سے میں نے اخبار طلب کیا اور پھر

اُس پر نظریں دوڑانے لگا۔ بالآخر ایک پروگرام پر نگاہ جا ٹکی۔ اور میں نے سوچا کہ رات
گئے تک اس پروگرام سے لطف اندوز ہوتا رہوں۔ یہ خوف بھی تھا کہ کہیں واپس جاؤں تو
ہوٹل کے کمرے میں موجود نہ ملے۔ اگر ایسا ہوا تو مجبوراً انتظامیہ سے رابطہ قائم کرنا پڑے
گا۔ وہ خود اپنی دشمن بن گئی تھی تو میں کیا کرتا؟

پھر میں ہوٹل سے اُٹھا۔ اب رات کی تاریکی پھیل گئی تھی اور چاروں طرف روشنیاں
جگمگا اُٹھی تھیں۔ میں نے اُس ہوٹل کا پتہ ذہن نشین کر لیا تھا جہاں یہ پروگرام تھا، جو
میں نے انتخاب کیا تھا۔ سوچا کہ وہیں چلا جاؤں کم از کم اسی جگہ وقت گزرے گا۔ ویسے
ایک بات اُس وقت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ وہ یہ کہ بالکل ہی تنہائی بھی بعض اوقات
مناسب نہیں ہوتی۔ اور انسان کسی سے کچھ کہنے سننے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن کم از کم
جیسی لڑکی سے دوستی بھی ہولناک ثابت ہو سکتی ہے۔ قصور ایک طرح سے اُس کا بھی نہ
تھا۔ بلکہ جو رنگ و رُوپ مجھے بخش دیا گیا تھا، وہ اُس وقت میری مصیبت کا باعث بنا
تھا۔ آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں زندگی میں اسی قسم کی مشکلات سے گزرتا
ہوں۔ اور اپنے بارے میں کوئی صحیح فیصلہ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے لوگ کم
ہوتے ہوں گے جنہیں اپنی ذات پر کسی لمحے قدرت حاصل نہ ہو۔ لیکن اب بار بار
باتوں کا تذکرہ فضول ہے۔ میں اپنے کردار کی یہ حیثیت قبول کر ہی چکا تھا۔ ٹیکسی مجھے لے
کر چل پڑی۔ اور پھر اُس کے بعد تقدیر نے اس تماشے کا آغاز کر دیا جس کا میں
اندرونی طور منتظر تھا......

ایک بھری پری سڑک سے گزر رہا تھا کہ ایک اور ٹیکسی میرے برابر سے گزری۔
اتفاق کی بات یہ ہے کہ آگے آ جانے والی ایک گاڑی کی وجہ سے میری ٹیکسی رُک گئی۔
جو ٹیکسی رُکی تھی، یونہی میری نگاہ اُس کی جانب اُٹھی۔ اور پھر دوسرے لمحے مجھے ایک
چیخ سنائی دی۔

''اوہ..... ہنی تم! پلیز ایک منٹ..... پلیز!'' اُس نے اتنا ہی کہا تھا کہ آگے والی گاڑی
ہٹ گئی۔

ڈرائیور نے میری طرف دیکھا۔ غالباً وہ اُس لڑکی کی ٹیکسی کو رُکنے کا اشارہ دیتے
ہوئے دیکھ چکا تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ''جلدی سے آگے بڑھو۔ اور

جتنی تیزی سے نکل سکتے ہو، نکلو۔''

ڈرائیور نے شانے ہلائے اور ٹیکسی آگے بڑھا دی۔ اس دوران لڑکی یعنی گریٹا جو
ٹیکسی میں بیٹھی ہوئی تھی، اپنی ٹیکسی کا دروازہ کھول کر نیچے اُتر چکی تھی۔ میری ٹیکسی
آگے بڑھتے دیکھ کر اُس نے جلدی سے اپنی ٹیکسی کا دروازہ دوبارہ کھولا اور اُس میں جا بیٹھی
ٹیکسی میری ٹیکسی کے پیچھے چل پڑی۔

''پلیز! ہری اَپ..... ہری اَپ.....'' میں نے ڈرائیور سے کہا اور اُس نے ایکسیلیٹر پر
دباؤ بڑھا دیا۔ لیکن رش کافی تھا۔ اس لئے وہ زیادہ برق رفتاری کا مظاہرہ بھی نہیں
کر سکا۔ کئی مرتبہ اُس نے عقب نما آئینے میں میرا چہرہ دیکھا تھا۔ غالباً وہ یہ اندازہ لگانے
کی کوشش کر رہا تھا کہ میں کسی خوبصورت لڑکی سے خوفزدہ کیوں ہوں؟ لیکن مجھ سے کوئی
سوال کرنے کی جرات نہیں کر سکا تھا۔ میں دانت کچکچا رہا تھا۔ بڑی کمبخت لڑکی ہے۔ اتنا بے
التفات ہونے کے باوجود میری جان کی گاہک بنی ہوئی ہے۔ میں اُس سے بچتا ہوا ٹیکسی سے
اُتر کر تیزی سے ایک گلی میں گھوم گیا اور پہلے دروازے میں گھستا چلا گیا۔ دفعتہً مجھے کچھ
آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر دروازوں کی ہلکی سی چرچراہٹ۔ غالباً کواڑ بند ہو گئے تھے۔
میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کہیں بھاڑ سے نکل کر چولہے میں نہ آ گرا ہوں۔ ابھی میں یہ
سوچ ہی رہا تھا کہ تیز روشنی ہو گئی اور میں بری طرح اُچھل پڑا۔ میں نے اپنے اطراف میں
دیکھا تو میری آنکھیں شدتِ حیرت سے چڑھ گئیں۔ چاروں طرف سیٹیں لگی ہوئی تھیں اور
بے شمار افراد خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ تاریکی اور خاموشی جانے کس مقصد کے تحت تھی؟
میں اُن کے درمیان اُلوؤں کی طرح کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔ تبھی ایک میز سے آواز اُبھری۔

''لیڈیز اینڈ جینٹلمین! زیمبوکا آپ کے درمیان موجود ہے۔''

میں نے چونک کر اُس میز کی طرف دیکھا۔ ایک بھاری بھرکم شخص دونوں ہاتھ میز پر
ٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے ایک چھوٹا سا مائیک رکھا ہوا تھا، جس میں اُس نے یہ الفاظ کہے۔
سیٹوں پر بیٹھے ہوئے لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے گردنیں خم کیں۔ یوں محسوس
ہو رہا تھا جیسے اُن کا مخاطب میں ہی ہوں۔ میں منہ پھاڑے اُن میں سے ایک ایک کی صورت
دیکھ رہا تھا۔ بھاری بھرکم شخص جس نے مجھے زیمبوکا کہہ کر مخاطب کیا تھا، مشینی انداز میں

"زیمبوکا ایک پراسرار رُوح کو کہا جاتا ہے۔ اور آپ لوگ دیکھ لیجئے! وہ پراسرار
ہمارے درمیان موجود ہے۔ ہم زیمبوکا کے لئے جام صحت تجویز کرتے ہیں۔" ...
نے کہا۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر ایک میز کی طرف بڑھ گئے، جس پر شراب ...
جام سجے ہوئے تھے۔

سبھی نے اپنے اپنے جام اُٹھا لئے۔ بھاری بھرکم شخص اپنی جگہ سے اُٹھا اور ...
ایک جام اُٹھا کر بڑی عقیدت سے میرے سامنے پیش کیا۔ "معزز زیمبوکا! ہم تمہاری ...
کا جام تجویز کرتے ہیں۔" اُس نے دوسرا جام اُٹھایا اور میرے جام سے ٹکرا کر ...
ہونٹوں سے لگا لیا۔

تمام لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے اور میں ہونقوں کی طرح ایک ایک ...
صورت دیکھ رہا تھا۔ غالباً میرے ساتھ کسی نئے مذاق کی ابتداء ہو گئی تھی۔ اور اب میں ...
زیمبوکا تھا۔ یہ زیمبوکا کیا چیز ہے؟ میرے فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ لیکن ...
بلا میرا پیچھا کر رہی تھی، اگر اُس سے اس انداز سے جان چھوٹ جائے تو فی الحال ز...
بننے میں بھی کوئی قباحت نہیں تھی۔ وہ لوگ آپس میں گفتگو کرتے رہے تھے۔ پھر ایک ...
خاموشی چھا گئی۔ میں نے اپنے جام کی شراب ایک جانب لڑھکا دی تھی۔ بھاری بھرکم ...
نے پھر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستہ سے بولا۔

"آپ کی آمد ہمارے لئے بہت عظیم حیثیت رکھتی ہے۔ اور ہم آپ کو اپنے درمیان ...
کر اتنا خوش ہیں کہ بتا نہیں سکتے۔ ہم سب آپ کے اشاروں پر چلنے میں فخر محسوس کر...
گے۔ اور آپ یقین کیجئے مسٹر زیمبوکا! کہ آپ کی شخصیت ہمارے لئے ایک ساحر...
ہے۔ ہم آپ کی داستان اور آپ کے کارنامے سنتے رہے ہیں۔ اور ہمارے دلوں ...
شدید خواہش تھی کہ کبھی ہمیں آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے۔ اور پھر جب ہمیں
اطلاع ملی کہ آپ ہمارے درمیان آنے والے ہیں تو ہماری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔
ہم نے آپ کے استقبال کے لئے یہ طریقہ کار اختیار کیا۔ یقیناً یہاں آپ کو آنے میں
تھوڑی سی کوفت ہوئی ہوگی۔ لیکن اسے آپ ہمارا اظہارِ عقیدت سمجھئے۔ اور اب میں آپ
رہائش گاہ میں آپ کے آرام کا بندوبست کئے دیتا ہوں۔ براہِ کرم! میرے ساتھ تشریف
لائیے۔ اِن سب کا تعارف تو آپ سے فرداً فرداً ہو ہی جائے گا۔" اُس نے آگے بڑھ...

...سامنے گردن خم کی اور پھر ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

میں بادلِ نخواستہ اُس کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔ اور ایک راہداری سے گزار کر مجھے
...ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا جو سامانِ آرائش سے آراستہ تھا۔ اُس کے ساتھ ہی ایک
...نے ایک دُبلے پتلے آدمی کو آواز دی اور اُسے حکم دیتے ہوئے کہا۔

"زیمبوکا کو اگر یہاں کوئی تکلیف ہوئی تو اُس کے نتائج تم جانتے ہو۔"

"میں عظیم زیمبوکا کا پرستار ہوں۔ بھلا انہیں یہاں کیسے کوئی تکلیف ہو سکتی ہے؟"
دُبلے پتلے آدمی نے جواب دیا۔

"اب مجھے اجازت دیجئے۔ اور آپ آرام کیجئے۔" اُس نے کہا اور میں نے کوئی جواب
نہیں دیا۔ وہ باہر نکل گیا۔ دُبلے پتلے آدمی نے جو سیاہ فام ہی لگتا تھا، مجھ سے کہا۔ "کسی
شے کی ضرورت ہو تو براہِ کرم! اس انٹر کام پر مجھے حکم دیجئے گا۔ میں حاضر کر دُوں گا۔" وہ
بھی باہر نکل گیا تو میں ہراساں نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ اَب میں
یہاں زیمبوکا کی حیثیت سے پروان چڑھوں گا..... میں نے دِل ہی دِل میں سوچا۔ اور پھر
بے اختیار میرے حلق سے ایک قہقہہ آزاد ہو گیا۔

"اوکے مسٹر زیمبوکا! تمہارے لئے جو کچھ بھی تجویز کیا گیا ہے، اس سے تمہیں منحرف
نہیں ہونا چاہئے۔" میں نے ایک قلقاری سی نکال کر اپنے پیروں کے جوتے فضا میں
اُچھال دیئے اور پھر بستر پر چھلانگ لگا دی۔ یہاں میرا کوئی ساز و سامان نہیں تھا۔ لیکن یہ
بات میرے لئے اسی جگہ مخصوص ہو گئی تھی۔ میں اپنے آپ پر ہنس رہا تھا۔ اَب زیمبوکا بن
گیا تھا۔ اصل زیمبوکا کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور میں زیمبوکا کی حیثیت سے عظیم کیوں
ہوں؟ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ لیکن میں کچھ معلوم کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اُس خوفناک بلا
سے جان چھوٹ گئی تھی۔ ساری رات یہاں گزاروں گا، صبح ان لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش
کروں گا کہ میں زیمبوکا نہیں ہوں۔ اور اگر اُن لوگوں نے تسلیم نہ کیا تو پھر یہ جانیں اور ان
کا کام۔ میں تو بہرطور! حاضر تھا ہی۔ اپنے آپ کو مختلف شکلوں میں پیش کرنے کے لئے
...اپنے آرام دہ بستر پر لیٹا دیر تک اس بارے میں سوچتا رہا۔ اور میرے ذہن میں شگفتگی
...رہی۔ اب زیمبوکا بن گیا ہوں تو یہی سہی۔ رات کے تقریباً ساڑھے تین بجے جبکہ
...کام نہ رہا تو بالآخر نیند نے آ دبوچا اور دُوسری صبح جاگا تو خوب تیز روشنی پھیل چکی تھی۔

ملحقہ باتھ رُوم میں جا کر غسل کیا اور اس کے بعد وہی لباس دوبارہ پہن کر باہر نکل آیا
وہ دُبلا پتلا آدمی ہاتھ باندھے ایک گوشے میں کھڑا ہوا تھا۔

''میں آپ کے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ناشتہ تیار ہے۔'' وہ مجھے اپنی رہنمائی میں کمرے میں لایا جہاں ایک عظیم الشان میز رکھی ہوئی تھی۔ اور اُس پر ناشتے کی اشیائیں تھیں۔ لیکن یہاں میرے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ میں اطمینان سے ناشتے کے لئے بیٹھ گیا۔ وہ آدمی بڑے مودبانہ انداز میں مجھے سرو کرتا رہا۔ ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں اپنے کمرے میں آ گیا اور ایک شیلف کی طرف بڑھ گیا جس میں رات ہی کو کتابیں رکھی ہوئی دیکھی تھیں۔ اُن میں سے ایک کتاب نکالی اور صوفے پر دراز ہو گیا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ پورے کمرے میں رقص کروں۔ اور سر کے بل کھڑا ہو جاؤں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن میں یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور وقت کا انتظار کرنے پر مجبور تھا۔

اُس وقت تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تھے جب دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں بھاری بھرکم اور کسی سفید نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنہوں نے مسکراتے ہوئے مجھے زیمبوکا کہہ کر مخاطب کیا اور پھر اپنا تعارف کرانے لگے۔ اُن میں سے ایک کا نام گیسٹر تھا اور دوسرا ہاروے۔ وہ کون تھے؟ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہاروے کے ہاتھ میں ایک چرمی بریف کیس دبا ہوا تھا۔ دونوں صوفوں پر بیٹھ گئے اور پھر اُن میں سے ایک شخص جس کا نام گیسٹر تھا نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

''مسٹر زیمبوکا! درحقیقت آپ کے نام سے منسوب کہانیاں آفاقی حیثیت کی حامل ہیں۔ اور ہم آپ سے ملنا چاہتے تھے۔ یہ ہماری ذاتی خواہش بھی تھی۔ اور پھر اتفاق سے کچھ ایسے لمحات آ گئے کہ ہمیں آپ کی ضرورت پیش آ گئی اور بلاشبہ آپ نے ہمارے لئے جو ذمہ داری قبول کی ہے، وہ ہم پر ہی نہیں بلکہ پوری قوم پر ایک احسان ہے۔ جس دستاویز کی آپ سے بات کی گئی ہے، وہ ہمارے لئے اس اہمیت کی حامل ہے کہ ہم آپ کو اس کی صحیح اہمیت کا احساس الفاظ میں نہیں دلا سکتے۔ یوں سمجھ لیجئے! ایک طرح سے یہ دستاویز ایک قوم کے لئے تحفظ کی ضامن ہے۔ اگر وہ اُن ہاتھوں میں پڑے گی، جن میں اُسے نہیں پڑنا چاہئے تو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ ہماری قوم پر تباہی نازل ہو جائے گی۔ اگر ہم آپ کے ذریعے اپنی اس مشکل پر قابو پا سکے تو ظاہر ہے آپ سے زیادہ معزز اور

محترم ہمارے لئے اور کوئی نہیں ہو گی۔ آپ کا وقت ضائع کئے بغیر مختصر تفصیلات بتا دی جائیں۔ براہِ کرم! اِن نقشوں کو ملاحظہ کیجئے۔ راستوں کے نقشے ہیں جو شیلڈ اسٹون کو جاتے ہیں۔ یہ علاقہ کچھ ایسے لوگوں کے قبضے میں ہے جنہیں باغی تو نہیں کہا جا سکتا لیکن اُن کی کارروائیاں باغیانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ اور اُن کے ہاتھوں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ہمارے پانچ ایجنٹ اُن کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور اَب ہمارے پاس ایسے لوگ موجود نہیں ہیں جنہیں ہم اس سلسلے میں اعتماد کے ساتھ استعمال کریں۔ آپ کو ہماری درخواست پر آپ کو ہمارے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ شیلڈ اسٹون کا یہ علاقہ درحقیقت ڈین گاربو کی حکومت کہلاتا ہے۔ ڈین گاربو بیس یونینوں کا صدر ہے۔ اور ان یونینوں کے خطرناک لوگ اُس کی مدد پر آمادہ رہتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو اُن مزدوروں کے ذریعے بدترین انقلاب کے راستے کھول سکتا ہے۔ اور غالباً وہ اِسی سلسلے میں ہمیں بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ درحقیقت اگر حکومتیں اس طرح عام آدمیوں کے ہاتھوں مجبور ہو جائیں تو اُنہیں استعفیٰ ہی دینا پڑتا ہے اور وہ کسی بھی طرح اپنی حکمرانی برقرار رکھنے کی اہل نہیں رہتیں۔ یہ ایک بدترین سازش ہے جو ہمارے خلاف کچھ لوگوں نے کی ہے اور ہم اس سے نمٹنے کے لئے آپ کا سہارا چاہتے ہیں۔ وہ خفیہ دستاویز، ڈین گاربو کے مخصوص علاقے یعنی شیلڈ اسٹون کی رہائش گاہ کے ایک ایسے حصے میں محفوظ ہے جہاں سنگی مجسموں کی بھرمار ہے۔ ڈین گاربو، سنگی مجسموں کا شوقین ہے۔ اور خود بھی سنگ تراش رہ چکا ہے۔ ایسے ہی ایک خفیہ مجسمے میں وہ مطلوبہ دستاویز پوشیدہ کر دی گئی ہے جو چمڑے کی ایک جھلی میں محفوظ کی گئی ہے۔ اصل میں ہمارا ایک ایجنٹ اِس خفیہ دستاویز کو ڈین گاربو سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن وہ خود وہاں سے زندہ واپس نہ نکل سکا۔ اور جب اُسے یہ احساس ہو گیا کہ اُس کا بچ نکلنا ممکن نہیں ہے تو اُس نے اِس قسم کی چالیں چلیں جن سے ڈین گاربو کو یہ اندازہ ہوا کہ خفیہ دستاویز اُس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ لیکن درحقیقت، وہ دستاویز اُس کی رہائش گاہ کے ایک مجسمے میں پوشیدہ ہے۔ ہمارا وہ ایجنٹ اُس کے ہاتھوں مارا گیا اور ڈین گاربو نے اُس کی لاش کو جلا دیا۔ اس تصور کے تحت کہ اگر دستاویز کہیں اس کے وجود میں پوشیدہ ہو تو وہ جل کر خاکستر ہو جائے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ دستاویز اُسی جگہ کسی مجسمے میں پوشیدہ ہے۔ ہمیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ مجسمہ کون سا ہے؟ لیکن یہ اندازہ ضرور ہے کہ وہ تمام

کے تمام بت اُسی جگہ موجود ہیں جہاں ہمارے ایجنٹ نے اُنہیں پایا تھا۔ چنانچہ آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ کی اس دستاویز کو ان مجسموں میں تلاش کر کے حاصل کریں۔ ہم طرح جانتے ہیں کہ شیلڈ اسٹون کے اُس ممنوعہ علاقے میں آپ کا پہنچنا کتنا مشکل جہاں ایک طرح سے ڈین گاربو نے اپنی باقاعدہ فوجی حکومت قائم کر رکھی ہے۔ زیمبوکا، کا نام دراصل انہی تمام روایات کا حامل ہے کہ وہ چیزیں جو ناممکن تصور کی ہیں، زیمبوکا کے ذریعے ممکن ہو جاتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اس سلسلے میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن بہرطور! آپ ہمارا آخری سہارا ہیں۔ اور اب ہاروے آپ کو ان تمام لوگوں کے ناموں سے اور باقی تفصیلات سے آگاہ کر دیں گے اس سلسلے میں آپ کے معاون کار رہیں گے۔'' گیسٹر خاموش ہو گیا۔

میں چکرائے ہوئے ذہن کے ساتھ یہ ساری گفتگو سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب میں اُن لوگوں سے اس بات کی تردید کر دوں کہ میں زیمبوکا نہیں ہوں تو یقیناً یہ مار میرے پورے بدن کی کھال اُتار دیں گے۔ جس شخص سے عقیدت کا یہ عالم ہو کہ انہوں نے اپنا مستقبل اُس کے ہاتھوں میں سونپ دیا ہو، وہ اگر ایسی شکل میں اُن کے سامنے تو اُن کا دیوانہ ہو جانا لازمی امر ہے۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور سب کچھ سوچا اور سمجھا جائے جو یہ سمجھانا چاہتے ہیں۔ اور پھر یہ بات تو میں جانتا تھا کہ کچھ کروں، ہونا وہی ہے جو ہونے والا ہے۔ چنانچہ حماقتوں کا اظہار کیوں کیا جائے۔ ہاروے اس دوران اپنے بریف کیس سے بہت سی چیزیں نکال چکا تھا۔ اور اس کے بعد گیسٹر نے اُس کے اور میرے درمیان کوئی دخل نہیں دیا اور ہاروے میری کھوپڑی میں جانے کیا کیا ٹھونستا رہا۔ کیا کچھ میری کھوپڑی کے ذریعے میرے ذہن کی گہرائیوں میں پہنچا اور کیا نہیں پہنچا؟ اس کے بارے میں، میں کچھ نہیں کہتا۔ لیکن دو گھنٹے کی اس نشست میں وہ میرے دماغ کا آخری حصہ بھی چاٹ گیا تھا۔ پھر اُس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی اور گیسٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے خیال میں مسٹر زیمبوکا خود بھی ذہین آدمی ہیں۔ اور اب انہیں مزید سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''گڈ..... ویری گڈ!'' گیسٹر نے کہا اور پھر بولا۔ ''باقی معاملات آپ پر منحصر ہیں

جب آپ اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں۔''

''اس سلسلے میں بہت جلد آپ کو آگاہ کر دوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ہم لوگ تو یہاں موجود نہیں ہوں گے۔ لیکن آپ کے معاون کاروں کی کافی تعداد یہاں موجود ہے۔ وہ آپ کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کریں گے۔ ہماری یہ پہلی اور آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد ہم آپ کا پرجوش استقبال کریں گے، جب آپ دستاویز ہمارے حوالے کر دیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں آپ لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوا۔'' میں نے بھاری لہجے میں کہا دونوں نے بڑے پرجوش انداز میں مجھ سے مصافحہ کیا۔ پھر اپنا بھان متی کا پٹارا اُٹھا کر باہر نکل گئے اور میں نے اپنے پاؤں سے جوتا اُتار لیا۔ دس جوتے اپنی کھوپڑی پر مارنے کے بعد کسی قدر سکون نصیب ہوا تھا۔ اور پھر صوفے پر بیٹھ کر آرام سے سوچنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ گویا زیمبوکا صاحب کوئی بہت ہی ذہین ترین ایجنٹ ہیں اور ان لوگوں کی مشکل کا حل تلاش کرنے آئے ہیں۔ مگر وہ مر کہاں گئے؟ اس کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ عجیب معاملہ تھا۔ میں یہاں پھنس گیا تھا اور تمام لوگ یقین کر بیٹھے رہنا چاہتے تھے۔ میں نے اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا اور صبر و سکون کے ساتھ گزرنے والے لمحات کا انتظار کرتا رہا۔ کسی کو دوش دینا حماقت کی بات تھی۔ حالانکہ کئی بار اُس بدروح حسینہ کا خیال آیا تھا، جس کی منحوس کالی صورت نے مجھے یہاں پہنچایا تھا۔ اُسی سے جان بچانے کے لئے اُس عمارت میں آ گھسا تھا اور عمارت میں اس طرح میرے منتظر تھے جیسے وہ بدروح حسینہ یقینی طور پر مجھے وہاں تک پہنچا دے یہ سوچ کر تھوڑا سا چونکا بھی تھا اور یہ خیال میرے ذہن میں آیا تھا کہ کہیں یہ سب مجھے یہاں تک پہنچانے کے لئے تو نہیں کیا گیا؟ لیکن پھر عقل خود ہی اس بات کی تردید کر دیتی۔ دل اندر سے جھلستا رہا۔ ہونا وہی تھا جو تقدیر میں لکھا تھا۔ چنانچہ میرے اُن معزز میزبانوں نے بڑے احترام کے ساتھ میرے سفر کے راستے متعین کئے اور بالآخر ایک کے ذریعے مجھے قربان گاہ کی طرف روانہ کر دیا گیا.....

☆.....☆.....☆

میرے ساتھ دو افراد اور بھی تھے اور اُنہوں نے مجھے یہ ہدایت دی تھی کہ کس طرح مجھے
کہاں تک پہنچنا ہے اور کہاں سے آگے کیا ہوگا؟ طیارے کے ایک جگہ قیام کے دوران وہ
دونوں اُتر گئے تھے اور اَب میں بالکل تنہا تھا۔ کاش! طیارہ کوئی بس ہوتا۔ اور میں اُس کے
دروازے پر زوردار تھپکی لگا کر کہتا 'روک کے استاد' اور پھر وہیں اُتر جاتا۔ اور اُن لوگوں کی
نگاہوں سے گم ہو جاتا۔ لیکن طیارہ، طیارہ تھا۔ اور استاد کسی قیمت پر اُسے نہیں روک سکتے
تھے۔ چنانچہ وہاں تک تو پہنچنا ہی تھا جہاں تک کی مجھے ہدایت کر دی گئی تھی۔ اور اس کے
بعد..... اس کے بعد؟ دفعتہً میرے ذہن نے مجھ سے سوال کیا۔ ہاں! ٹھیک تو ہے۔ یہ
ضروری ہے کہ مطلوبہ جگہ پہنچنے کے بعد اُن کے احکامات کے مطابق ہی کام کیا جائے؟ وہاں
سے نکلنا مقصود تھا اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں تھا جسے سہارا بنا کر اُن کے چنگل سے نکل جاتا۔ اس
بات کا اچھا خاصا تجربہ تھا کہ اگر کبھی میں نے اپنے آپ کو اصل ثابت کرنے کی کوشش کی اور
یہ بتایا کہ بھائی! میں وہ نہیں ہوں جو آپ لوگ سمجھ رہے ہیں تو اس کے نقصانات ہی اٹھانے
پڑے، فائدہ کوئی نہیں ہوا تھا۔ تسلیم بھی نہیں کیا گیا تھا اور مار الگ پڑی تھی۔ چنانچہ اَب تو
سب کہنا ہی بے کار تھا۔ ہاں! عمل کی دنیا میں اگر کچھ کر لیا جائے تو غلط نہیں ہے۔ میں نے
دِل میں یہ فیصلہ کیا کہ ایئر پورٹ پر اُترنے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ جو تفصیلات اُنہوں
نے بتائی ہیں، اُسی کے مطابق کام کروں۔ اپنے طور پر کہیں پوشیدہ ہو جاؤں اور اُس وقت
تک پوشیدہ رہوں جب تک وہ لوگ میری تلاش میں ناکام نہ ہو جائیں۔ اور اس کے بعد
پھر اپنے لئے کچھ کروں..... واہ! خیال تو عمدہ ہے۔

طیارہ اپنے مخصوص انداز میں رن وے پر اُتر گیا۔ میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا
کہ اب کام کا آغاز ہونا چاہئے۔ چنانچہ تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد میں باہر نکل
آیا۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میرا استقبال کرنے کے لئے کوئی نہیں آئے گا۔ لیکن وہ ...

...ے میری نگرانی کریں گے۔ مجھے اُن ہزار آنکھوں کا خوف تو تھا۔ لیکن اس خوف
...نیاز ہو کر میں نے ایک ٹیکسی روکی اور اُس میں بیٹھ کر چل پڑا۔ ڈرائیور نے مجھ
...ے ہوٹل کے بارے میں پوچھا تو میں نے اُس سے کہا۔ ''میں ٹورسٹ ہوں۔ اور
...غریب آدمی بھی ہوں۔ کسی ایسے ہوٹل میں قیام کرنا چاہتا ہوں جہاں بہت کم خرچ

ڈرائیور نے مجھے مشورہ دیا کہ اگر اس سلسلے میں کیمپنگ کروں، میرے اخراجات نہ
ہونے کے برابر ہوں گے۔ میں خوشی سے اُچھل پڑا۔ اور اُسے داد دیتے ہوئے کہا کہ واہ!
بہت عمدہ بات ہے۔ مجھے کسی کیمپنگ میں ہی پہنچا دو۔ ڈرائیور نے گردن ہلا دی تھی۔
یہاں سے گویا آغاز ہو گیا میرے فرار کے راستوں کا۔ اور میں بہت خوش تھا۔ ٹیکسی
ایک طویل و عریض سفر طے کیا۔ ویسے مجھے اُن ہزار آنکھوں کا خوف اَب بھی تھا۔ مگر
نہیں بھی میرے قریب موجود تھیں۔ جو راستہ ٹیکسی ڈرائیور نے اختیار کیا تھا، وہ تو
...ہی سنسان تھا اور آس پاس کوئی گاڑی بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ٹیکسی کئی ڈھلوانوں کو عبور
...ہوئی بالآخر ایک ایسے پہاڑی علاقے میں جا رُکی جہاں چاروں طرف خیمے لگے
...تھے۔ یہ اس علاقے کی کیمپنگ تھی۔ میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو بل کے علاوہ کافی رقم
...کے طور پر دی اور خوش خوش اپنا مختصر سا سامان اُٹھائے کیمپنگ کی جانب بڑھ گیا۔
...ادگرد سیاح، ہر طرح کے لوگ کیمپنگ میں آباد تھے۔ چھوٹی چھوٹی دُکانیں سجی ہوئی
...خوب رونق تھی یہاں۔ میں اس ماحول میں آ کر بہت خوش تھا۔ اب اپنے آپ کو
...پوشیدہ کرنے کے لئے کوئی بہتر طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا۔ وہاں میں نے معلومات
...کیں اور ایک چھوٹی سی چھولداری کرائے پر حاصل کر لی جسے میں نے خود نصب کیا
...اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ چھولداری میں داخل ہو گیا۔ میرے دل و دماغ میں
...ہٹ ہو رہی تھی۔ جو قدم میں نے اُٹھایا تھا، وہ بلاشبہ بعض حالات میں خطرات کا حامل
...تھا۔ لیکن کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔ لیکن اُس چھولداری میں گھسنے کے بعد جو
...نصیب ہوا، وہ ناقابلِ بیان ہے۔ جانے دِل کے کون سے گوشے اس بات کا اعلان
...رہے تھے کہ میں اُن لوگوں کے چنگل سے نکل آیا ہوں۔ اور یہ شاید میری زندگی کا پہلا
...ہوگا کہ میں نے اپنے طور پر کچھ سوچا ہو اور اُس میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی ہو۔ اُس

کامیابی پر میں پھولا نہیں سما رہا تھا اور چھولداری کے نیچے لیٹا لیٹا سوچ رہا تھا کہ اگر
واقعی کچھ وقت سکون سے گزارنے کا موقع مل گیا تو اس بات کے امکانات قوی تر ہیں
میں اس علاقے سے نکل بھی جاؤں اور وہ لوگ مجھے تلاش کرتے رہ جائیں۔ چھولداری
سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ چنانچہ کئی گھنٹے وہاں گزارے۔ اس دوران باہر
ہنگاموں کی آوازیں کانوں تک پہنچتی رہیں۔ لیکن کسی نے مجھے پریشان نہیں کیا تھا۔

میں نے اپنی چھولداری کا پردہ اندر سے باندھ دیا تھا۔ موسم بے حد خوشگوار تھا اور فضا
میں ہلکی ہلکی خنکی اُتری ہوئی تھی۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ باہر رات کی تاریکی پھیل گئی ہے
اور میں نے سکون کی گہری سانس لی۔ کم از کم رات کی اس تاریکی میں مجھے براہِ راست
دیکھنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے اپنے طور پر اپنا چہرہ وغیرہ صاف کیا اور پھر
چھولداری کا پردہ کھول کر باہر نکل آیا۔ جگہ جگہ الاؤ روشن تھے۔ اور یہی آوارہ گرد اپنے اپنے
مشاغل میں مصروف تھے۔ میں اُن کے درمیان سے گزرتا رہا۔ اور پھر ایک جگہ آ کر میں
نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء خریدیں۔ بڑے سائز کا جمبو ہیم برگر لے کر میں اُسے کولڈ
ڈرنک کے ساتھ کھانے لگا۔ ڈنر کے لئے یہی کافی تھا۔ کیونکہ یہاں عموماً اسی قسم کے لنچ اور
ڈنر ہوا کرتے ہیں۔ جسے جو ملا، کھا کر پیٹ کا دوزخ بھر لیا۔ نہ کوئی اہتمام نہ خوامخواہ کی
فضول حرکتیں۔ اِن تمام چیزوں کا معمولی سا معاوضہ ادا کرنے کے بعد میں نے سرسری
نگاہوں سے اطراف کے ماحول کو دیکھا۔ کئی رقص و موسیقی کے مجمعے لگے ہوئے تھے، کہیں
لوگ آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ دِل ہی دِل میں، میں نے سوچا کہ اگر ان ہی
آوارہ گردوں میں سے کسی ایسے گروہ سے دوستی کرلوں جو یہاں سے کہیں جانے کا ارادہ
رکھتا ہو تو یہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ مجھے مستقل طور پر اُن کے ذریعے
یہاں سے نکل جانے کا موقع مل جائے۔ بلاشبہ یہ ایک بہتر صورتِ حال ہوگی۔ اس کے
لئے مجھے کچھ لوگوں کو تلاش کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ میں اپنے طور پر ایسے لوگوں کی تلاش
میں مصروف ہو گیا۔ اور بالآخر ایک مجمعے میں جا شامل ہوا۔ یہاں ایک بدمست دوشیزہ رقص
کر رہی تھی۔ خوامخواہ اُچھل کود رہی تھی۔ وہ نشے میں بری طرح دُھت تھی۔ لیکن اُس کے
رقص کو دیکھنے والے مسرت سے سرشار ہوئے جا رہے تھے۔ کیونکہ وہ خود بھی نشے میں تھے۔
پھر دفعتہً ہی کسی نے میرے ہاتھ میں کوئی چیز تھما دی..... اُس کا انداز اتنا بے اختیار تھا کہ

نے اُسے پکڑ لیا۔ یہ ایک چھوٹی سی چلم قسم کی چیز تھی جس میں سے ہلکا ہلکا سا دُھواں اُٹھ
رہا تھا۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور پھر اُس کو میرے چہرے کی طرف بڑھانے لگا۔ میں
اِس تصور کے ساتھ کہ اگر مجھے کسی سے دوستی کرنی ہے تو پھر اس کے لئے تھوڑی سی
تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔ میں نے چلم ہونٹوں سے لگائی اور ایک لمبا سوٹا لے لیا۔ کیا عجیب
..... دِل و دماغ روشن ہو گیا۔ یوں لگا جیسے دماغ میں شعلے بھڑک اُٹھے ہوں۔ بمشکل
میں نے وہ منحوس شے اُس کے حوالے کی۔ لیکن اپنے اعصاب پر قابو کون رکھتا؟ میں
بمشکل سے چند قدم واپس چلا۔ آنکھوں میں ترمرے ناچ رہے تھے۔ چاروں طرف
رنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور یہ سب کچھ مجھے اپنے وجود میں بھی محسوس ہو رہا
قدم لرز رہے تھے۔ اور چند ہی لمحات کے بعد یہ احساس ہونے لگا کہ اب کھڑا نہ رہ
وں گا۔ نشہ آور اشیاء کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ کبھی کبھی اُن میں سے کسی چیز
استعمال کا موقع بھی مل گیا تھا۔ لیکن یہ خوفناک چیز، جس کے ایک ہی کش نے میرے
حواس گم کر دیئے تھے، میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ گھٹنوں نے گویا ساتھ دینا ہی چھوڑ
تھا اور بے جان ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ بیٹھ گیا اور سجدے کے سے
داز میں اوندھا زمین پر گر گیا..... بس! اتنا ہی احساس ہوا تھا کہ میں گھٹنوں کے بل سجدے
پڑا ہوا ہوں۔ پھر ہر احساس سے عاری ہو گیا.....

یہ کیفیت جانے کب تک جاری رہی؟ جب آنکھ کھلی تو پیٹھ پر برف کی سل رکھی ہوئی تھی
سخت درد کر رہی تھی۔ گھٹنے مُڑے ہوئے تھے۔ اور پیشانی چونکہ زمین سے ٹکی ہوئی تھی،
ننھے ننھے کنکر پیشانی میں گھس کر گویا پیوست ہو گئے تھے۔ ماتھے پر شدید جلن ہو رہی
آنکھوں میں اب بھی وہی کیفیت تھی۔ میں نے سر کو زور سے جھٹکا اور ایک جانب
گیا۔ تب مجھے اپنی ہیئت کذائی کا احساس ہوا اور میں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔
کا آخری پہر تھا۔ تمام آوارہ گرد سو رہے تھے۔ کہیں کہیں کچھ تحریک نظر آتی تھی۔ لیکن
بے جان سی محسوس ہوتی تھی۔ میں نے اپنی پیٹھ پر رکھی ہوئی برف کی سل کا احساس
دراصل وہ ٹھنڈک تھی جو آسمان کی طرف رُخ کرنے سے میری پیٹھ میں پیدا ہو گئی
بدن کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا۔ بمشکل تمام اپنی جگہ سے اُٹھا۔ رات کے اس حصے میں اپنی
ماری کو تلاش کرنا بھی بے حد مشکل کام تھا۔ لیکن اس سلسلے میں، میں نے ذرا ذہانت

سے کام لیا تھا۔ جب چھولداری سے چلا تھا تو ایسے نشانات لگا دیئے تھے جن سے مجھے واپس
اپنی چھولداری میں پہنچنے میں دقت نہ ہو۔ چنانچہ انہی نشانات کا سہارا لیتا ہوا اپنی چھولداری
میں آ گیا۔ کیا حماقت ہو گئی تھی؟ دوستی حاصل کرنے کے چکر میں، میں نے اپنے وجود میں
آگ اُتار لی تھی۔ اور اب.....اب میری کیفیت بری طرح خراب ہو رہی تھی۔ خیمے میں
آنے کے بعد میں گھٹنوں میں سر دے کر لیٹ گیا۔ بدن میں شدید درد ہو رہا تھا۔ کوشش
کرنے لگا کہ سو جاؤں۔ اور اِس کوشش میں مجھے کامیابی بھی حاصل ہو گئی۔ جس کی وجہ سے
تمام تکلیف کا احساس دُور ہو گیا۔

پھر دوسرے دن تقریباً ساڑھے دس بجے تھے جب میری آنکھ کھلی۔ اُس وقت کیفیت
کسی حد تک بحال ہو چکی تھی۔ لیکن چونکہ بے سکونی کی نیند آئی تھی، اس لئے اَب بھی طبیعت
پر ہلکی ہلکی کسلمندی تھی۔ منہ ہاتھ دھونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ ایسے ہی خراب
حال میں باہر نکل آیا۔ پھر ایک چھوٹے سے ریستوران کا رُخ کیا جسے ریستوران کہنا
ریستوران کا مضحکہ اُڑانا تھا۔ یہاں پانی بھی دستیاب ہو گیا۔ عمدہ قسم کی کافی بھی ملی۔ اور
ناشتے کے لئے دُوسری چیزیں بھی۔ اور ان تمام چیزوں کے استعمال کے بعد طبیعت میں
کافی حد تک بحالی پیدا ہو گئی تھی۔ تاہم کچھ ایسی کسل مندی ذہن و دِل پر طاری تھی کہ یہاں
سے اُٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

ابھی وہاں بیٹھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میں نے دو آدمیوں کو دیکھا جو میری جانب
بڑھ رہے تھے۔ میری نگاہوں میں اجنبیت کے آثار تھے۔ لیکن پھر میں دفعتہً ہی اُچھل
پڑا۔ اُن دونوں نے اپنے سینے کھول کر اپنے اندرُونی لباس پر بنے ہوئے وہ نشانات
دکھائے، جن کی مجھے پہچان کرا دی گئی تھی اور یہ نشان خود میری اپنی بنیان پر بھی موجود تھا۔
میرا دِل خون ہو گیا۔ یہ اُسی گروہ کے آدمی تھے جس نے مجھے یہاں بھیجا تھا۔ لیکن یہ کمبخت
یہاں کیسے آ گئے؟ میں نے اُن کے چہروں کو غور سے دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں عقیدت
کے آثار تھے۔ اور پھر اُن میں سے ایک نے مجھ سے اجازت لی اور میرے سامنے پڑی
ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس نے عقیدت بھرے لہجے میں کہا۔

''سر! ویسے تو ہم زیمبوکا کے بارے میں سن چکے ہیں کہ وہ ایک رُوحانی حیثیت رکھتا
ہے۔ اور بلاشبہ اُس کے کارنامے اس بات کا احساس دلاتے ہیں کہ وہ مادیت سے زیادہ

روحانیت سے کام لیتا ہے۔ لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ کر دِل سے تسلیم
کر لیا کہ وہ سچائی ہے۔''

میں بے وقوفوں کی طرح اُن کی صورتیں دیکھتا رہا۔ تب اُن میں سے ایک نے کہا۔

''سر! کیا آپ یہیں بیٹھنا پسند کریں گے؟''

''ایں.....!''

''سر! ہم آپ کے لئے گاڑی لائے ہیں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ اب ایسی کوئی صورتِ
حال نہیں ہے۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''ہوں! لیکن چلنا ضروری ہے؟''

''سر! جیسا آپ پسند کریں۔ ویسے اَب ہمیں ہدایت ملی ہے کہ اَب ہم آپ سے الگ
نہ رہیں اور کچھ فاصلے پر رہ کر آپ کی نگرانی کریں۔''

''لعنت ہے تم پر.....یعنی تمام کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔'' میں نے اُردو میں کہا اور
وہ دونوں چونک کر میری طرف دیکھنے لگے۔ تب میں نے جلدی سے کہا۔ ''ٹھیک ہے.....
ٹھیک ہے۔ چلو! میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔''

ساری خوشی کافور ہو گئی تھی۔ کم بختوں نے یہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن یہ یہاں
کیسے پہنچ گئے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اَب اگر میں یہاں کوئی گڑبڑ کرتا تو خوامخواہ
مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔ چنانچہ یہی مناسب سمجھا کہ اُن کے ساتھ چل پڑوں اور تقدیر کا
تماشہ دیکھوں۔

یہاں سے نکلنے سے پہلے میں نے اپنے سامان کو سمیٹا اور چھولداری سے چھٹکارہ حاصل
کرنے کے بعد اُن لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ ایک سیاہ رنگ کی لینڈ روور میں بیٹھ کر وہ
لوگ مجھے اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ اور میں خاموشی سے آنکھیں بند کئے سوچتا رہا کہ
دیکھو کیا ہوتا ہے؟ لینڈ روور نے جانے کون کون سے راستے طے کئے۔ اور اس کا سفر
تقریباً چالیس منٹ تک جاری رہا۔ اس کا مطلب تھا کہ اُس نے کافی فاصلہ طے کیا ہے۔
رفتار بھی خاصی تیز رہی تھی۔ بالآخر مجھے رفتار سست ہوتی ہوئی محسوس ہوئی اور میں نے
آنکھیں کھول دیں۔ مجھے ساتھ لانے والے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر جس جگہ مجھے
اُتارا گیا، وہ ایک وسیع و عریض لیکن پرانے طرز کی عمارت تھی۔

اُس کے سنگی ستونوں کے درمیان چند افراد نیم دائرے کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے اور غالباً میرا استقبال کرنے کے لئے تیار تھے۔ میں اُن لوگوں کے ساتھ آگے بڑھا اور میرا استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہوئے لوگ نیچے اُتر آئے۔ پھر اُنہوں نے بڑی عقیدت سے میرے ہاتھوں کو بوسے دیئے تھے اور بڑے احترام سے لے کر اندر چل پڑے تھے۔ سنگی عمارت باہر سے جس قدر بوسیدہ نظر آئی تھی، اندر سے اُسی قدر خوب صورت تھی۔ ایک وسیع وعریض ہال میں اعلیٰ درجے کا آبنوسی فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ زمین پر سرخ رنگ کا موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ بہترین پرانی طرز کے صوفے لگے ہوئے تھے۔ مجھے بڑے احترام سے ایک صوفے پر بٹھایا گیا۔ اور میرے ساتھ آنے والے اپنا اپنا تعارف کرانے لگے، جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

ایک دراز قامت اور تانبے جیسی رنگت والے شخص نے کہا۔ ''مسٹر زیمبوکا! یوں تو بہت سے سوال کرنے کو دل چاہتا ہے آپ سے۔ لیکن ان تمام سوالات کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے میں نے، اور وہ صرف ایک سوال ہے۔ وہ یہ کہ آپ وقت سے پہلے اپنے ساتھ پیش آنے والے حادثات سے کیسے واقف ہو جاتے ہیں؟''

''اور اتفاق کی بات ہے کہ یہی راز میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔'' میں نے بلبلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

''اوہ..... یقیناً! یہ آپ کی زندگی کا سب سے اہم راز ہے۔ ویسے آپ نے جس دانش مندی کا ثبوت دیا، اس کی مثال ممکن نہیں۔ اور اس سے ہم نے یہی اندازہ لگایا کہ کچھ پوشیدہ قوتیں، آپ کے قبضے میں ہیں۔ وہ کون سا جادو ہے جس نے آپ کو اس قدر سپر بنا دیا ہے؟ ہمیں گمان بھی نہیں تھا کہ یہ سب کچھ اس انداز میں ہو جائے گا۔ ویسے بھی آپ کی آمد کو جس طرح صیغۂ راز میں رکھا گیا، ہم نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن جانے کس طرح دُشمنوں کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ آرہے ہیں۔ ایئرپورٹ پر بڑے اہم پیمانے پر آپ کے لئے تیاریاں کر لی گئی تھیں۔ لیکن وہ لوگ شاید یہ بات نہیں جانتے تھے کہ مد مقابل زیمبوکا ہے۔''

میں نے اب کسی قدر متحیرانہ انداز میں اُس کی صورت دیکھی۔ پھر خود کو سنبھال کر بولا۔
''میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔''

''اوہ..... مسٹر زیمبوکا! کم از کم یہ بات آپ کو یقیناً نہیں معلوم ہوگی کہ مقامی حکومت اس وقت پوری طرح ڈین گاربو کا ساتھ دے رہی ہے۔ اور باہر سے ہونے والی ہر کارروائی کو ناکام بنانے کی خواہش مند ہے۔ یہ عجیب وغریب تبدیلی جانے کس طرح رُونما ہوئی ہے؟ لیکن بہرطور! حکومت اعلیٰ پیمانے پر ڈین گاربو کا تحفظ کرنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ پتہ نہیں اس کا پس منظر کیا ہے؟ ہم انتہائی کوششوں کے باوجود نہیں معلوم کر سکے۔ اس سے پہلے اپنا یہ کام اس لئے آسان محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن اب یہ سنا گیا ہے کہ شیلڈ اسٹون کے علاقے کو غیر معمولی تحفظ دیا گیا ہے۔ اور خاص طور سے بیرونی لوگوں کو واچ آؤٹ کیا جا رہا ہے۔ اور ہر طرح سے اُن پر نگاہ رکھی جا رہی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایئر پورٹ پر انتہائی خفیہ پیمانے پر اعلیٰ انتظامات کئے گئے ہیں اور اُس فلائٹ سے جتنے لوگ آئے تھے، اُن کی الگ الگ چھان بین کی گئی۔ اُس وقت ہم بدحواس ہو گئے تھے جب ہم نے آپ کی جانب بھی اُن لوگوں کو متوجہ دیکھا۔ ہم اس بات سے خوفزدہ ہو گئے تھے کہ اگر آپ نے پوائنٹ کی جانب رُخ کیا تو یقینی طور پر یہ آپ کا راز پا لیں گے۔ لیکن مسٹر زیمبوکا! آپ نے کمال کیا اور کیمپنگ کی طرف رُخ کر کے اُن لوگوں کو کامیابی سے دھوکہ دے دیا۔ کیا یہ بات آپ کو معلوم ہے کہ جس پوائنٹ پر آپ کو رُکنا تھا اور جس کمرے میں آپ کو قیام کرنا تھا، اُسے ایک دھماکے سے اُڑا دیا گیا ہے۔ اور اُس کے آس پاس کے افراد شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ حکومت کھل کر اس سلسلے میں کوئی قدم نہیں اُٹھا رہی۔ لیکن خفیہ پیمانے پر یہ کارروائی کرا کے اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ اب وہ باقاعدگی سے ڈین گاربو کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ہم تو اس بات پر خوفزدہ ہو گئے تھے کہ اگر آپ ہمارے متعین کردہ پوائنٹ پر پہنچ جاتے تو آپ کی زندگی ممکن نہ ہوتی۔''

میرا دل چاہا کہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لوں۔ گویا یہ بات بھی میری ذہانت میں شامل کر دی گئی تھی۔ ویسے یہ سچ بھی ہے۔ اگر میں یہ کوشش نہ کرتا اور اُن کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ جاتا تو غالباً میرے بدن کے چیتھڑے بھی اُڑ گئے ہوتے۔ انسان بڑی عجیب وغریب چیز ہے۔ زندگی کے کتنے ہی مسائل، کتنے ہی دُکھوں میں پھنس جائے۔ لیکن زندگی سے چمٹے رہنے کی خواہش اُس کے وجود میں ہمیشہ رہتی ہے۔ بارہا میں اپنی ذات سے تنگ آ کر یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ایسی زندگی سے کیا فائدہ جس کا ایک سانس بھی اپنے لئے نہ ہو؟

لیکن جب کبھی زندگی کے خاتمے کا تصور ذہن میں آتا تو ایک دم یہ خیال آتا کہ ابھی مرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور زندہ رہنے کے لئے جدوجہد کرنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اس وقت اُن کے اس بیان پر میں نے دِل ہی دِل میں خدا کا شکر بھی ادا کیا تھا کہ خدا نے مجھے اِس مصیبت سے بچا لیا۔ اُن لوگوں پر اِس بات کا اظہار مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

''بعض باتیں خود بخود ہو جاتی ہیں۔ مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ حکومت براہِ راست ڈین گاربو کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے تو اس قسم کے حالات نہیں تھے۔''

''ہاں..... یقیناً! اور ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت اور ڈین گاربو کے درمیان کوئی خفیہ معاہدہ ہوا ہے۔ دراصل جو دستاویز ہماری ضرورت ہے، اس سے مقامی حکومت کو بھی تو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایک باقاعدہ عمل ہے۔ جس کے لئے مقامی حکومت پوری طرح سرگرم عمل ہو گئی ہے۔ اور اَب مسٹر زیمبو کا! آپ کو جن مشکلات سے گزرنا ہوگا، آپ کو خود اس کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔''

''ہوں..... میں جن مشکلات سے گزر رہا ہوں، اُن کا بھی مجھے بخوبی اندازہ ہے۔'' میں نے دِل ہی دِل میں کہا۔ اور پھر وہ لوگ میری خاطر مدارت میں مصروف ہو گئے اور اُسی دراز قامت شخص نے جو اَب تک مجھ سے گفتگو کرتا رہا تھا، کہا۔

''ہم نے آپ کے لئے راستوں کا تعین کر لیا ہے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں کچھ گفتگو ہو جائے۔''

''ہو جائے۔'' میں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ لیکن دراز قامت شخص نے اس غراہٹ کو بھی میری شخصیت ہی کا ایک حصہ سمجھا تھا۔

بالآخر تمام معاملات سے فارغ ہونے کے بعد، وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا جہاں دیوار پر ایک نقشہ بنا ہوا تھا۔ یہ نقشہ روشن لکیروں کی شکل میں نمایاں تھا اور اس پر موٹے موٹے الفاظ میں علاقوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ میں نے دُور ہی سے شیلڈ اسٹون کو دیکھ لیا۔ دراز قامت شخص نے ایک چھڑی سے مجھے راستہ بتاتے ہوئے کہا۔

''طے یہ کیا گیا ہے کہ آپ بذریعہ کار اس طرف روانہ ہوں گے۔ کار کی خصوصیات میں

آپ کو بتا دُوں گا۔ اور اس طرح آپ شیلڈ اسٹون کے علاقے میں داخل ہوں گے۔ اس پوائنٹ پر آ کر آپ کی ملاقات لینتھرا سنوکا سے ہوگی۔ یہ مقامی آدمی ہے۔ اور انتہائی اعلیٰ ذہنوں کا مالک۔ یہ شیلڈ اسٹون کے بارے میں آپ کو وہ تمام تفصیلات بتائے گا جن سے آپ کو مدد مل سکتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ لینتھرا سنوکا کو اس سلسلے میں کیا ہدایات دی گئی ہیں۔ لیکن اس پوائنٹ پر پہنچنے کے بعد وہ ہر طرح سے آپ کی معاونت کرے گا۔ میں نے یہ انتظامات کئے ہیں، اس کا دوسرا مرحلہ اگر آپ پسند کریں تو ابھی آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے؟''

''ہوں..... ہوں! ضرور.....'' میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور اُس تمام نقشے کو ذہن نشین کرنے کے بعد اُس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

عمارت کے عقبی حصے میں ایک برانڈ نیو لینڈ روور کھڑی ہوئی تھی۔ اُس لینڈ روور کو دُور سے دیکھنے ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ خاص طور سے بنائی گئی ہے۔ اس کی خصوصیات مجھے اُس دراز قامت شخص نے بتائیں۔ وہ ایک اچھا خاصا اسلحہ خانہ بھی تھا۔ اور ایک بہترین گاڑی بھی۔ انتہائی مضبوط..... بالکل نئی۔ اُس کے بارے میں مجھے تمام تفصیلات بتانے کے بعد دراز قامت شخص نے کہا۔ ''اس کے علاوہ اگر اور کوئی ضرورت درپیش ہو تو آپ براہِ کرم! فرما دیجئے گا۔ راستوں کے نقشے میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ تمام تفصیلات آپ نے ذہن نشین کر لی ہوں گی۔ اور کوئی سوال اگر باقی رہ گیا ہو تو اس کے لئے حاضر ہوں۔''

''نہیں..... شکریہ! مجھے کب روانہ ہونا ہوگا؟''

''بہتر ہے کہ وقت کا تعین آپ خود کر لیں۔ بہت زیادہ جلدی بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی مناسب ہوگا کہ لینتھرا سنوکا کو آپ کا انتظار زیادہ نہ کرنا پڑے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں کچھ دیر گزارنے کے بعد اپنی روانگی کے وقت کا اعلان کر دُوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ آئیے! اَب میں آپ کو آرام گاہ دکھا دُوں۔''

یہی بہتر ہے..... میں نے دل میں سوچا۔ اور جو آرام گاہ مجھے دکھائی گئی، وہ واقعی آرام گاہ کہی جا سکتی تھی۔ اور میں اپنے تھکے اور دُکھے ہوئے جسم اور ذہن کو سکون دینے کے لئے اس آرام گاہ میں پڑے ہوئے نرم و گداز بستر پر لیٹ گیا۔

میں نے سوچا، زندگی ایک بار پھر مصیبتوں سے دوچار ہونے جا رہی ہے۔ لیکن زندگی

کبھی موقع ہی نہیں دے رہی تھی کہ مصیبتوں سے بچ کر سکون کا کوئی گوشہ اپنا لوں۔ بہت
عرصہ ہوگیا تھا۔ اَب تو یاد بھی نہیں رہا تھا۔ کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار رہ کر
ہی وقت گزار رہا تھا۔ ارے باپ رے..... اُس کا کہنا ہے کہ صورتِ حال بدل گئی ہے۔
اور مقامی حکومت بھی ڈین گاربو کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں اُلو کا
ایک حکومت سے ٹکرا رہا ہوں۔ کیسے جان بچا سکوں گا اپنی؟ وہ ڈین گاربو ہی کیا قیامت کی
شے ہوگا؟ اور اُس کے بعد اُوپر سے اُسے مقامی حکومت کا سہارا حاصل ہے۔ اور رہ گیا
یہ بے وقوف آدمی جسے اُنہوں نے جانے کیا کیا نام دے رکھے ہیں۔ اگر وہ ہوتا تو کوئی
بات نہیں تھی۔ لیکن بد قسمتی تو یہ تھی کہ میں، وہ بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے آپ کو خوب کوسا
اور اس کے بعد طبیعت کچھ ہلکی ہوگئی۔ دل میں سوچا کہ جب یہ کام کرنا ہی ہے تو پھر بیکار
وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ میں نے دوسرے دن روانگی کا اعلان کر دیا۔
میرے دوست اس سلسلے میں مصروف ہوگئے۔ مجھے ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی گئیں اور
بہترین دُعاؤں کے ساتھ رخصت کیا گیا۔

وہ نقشہ میری کھوپڑی کے گوشے میں اُتر گیا تھا، جس کے سہارے مجھے آگے بڑھنا تھا۔
اور میں جانتا تھا کہ مجھے یہاں سے کس سمت کو اختیار کرنا ہے۔ بالآخر تیار ہوکر میں نے لینڈ
روور سٹارٹ کی۔ اُس کا تمام میکنزم دیکھا اور چل پڑا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب راستے میں
کون کون سی مشکلات میرا سامنا کرنے والی ہیں۔ میں اُس بل کھاتی پتلی سڑک سے آگے
بڑھتا چلا گیا جو شہر کو جنگلوں سے جدا کرتی تھی اور راستے میں ایک گہری کھائی سے گزرتی
تھی۔ لینڈ روور نے اُس کھائی کو عبور کرنے میں ذرا برابر ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ میرا
پاؤں ایکسیلیٹر پر تھا۔ اور لینڈ روور، پانی کی سی رفتار سے بہتی چلی جا رہی تھی۔ ڈھلان پر تو
خیر کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن بلندی پر چڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے اُسے اس میں کوئی
دقت نہ محسوس ہو رہی ہو۔ اُس کا طاقتور انجن بے آواز تھا۔ لینڈ روور کی ساخت پر غور کرتے
ہوا میں آگے بڑھنے لگا۔ جوں جوں آگے بڑھتا جا رہا تھا، شہری آبادی نگاہوں سے اوجھل
ہوتی جا رہی تھی۔ تقریباً بیس میل تک کے سفر میں مجھے کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ سڑک آگے
سے آگے بھی اُسی انداز میں بڑھ رہی تھی۔ لیکن آگے چل کر ایک دو شاخے کی شکل اختیار کر
گئی تھی۔ سامنے والی سمت تو سیدھی چلی گئی تھی اور پہاڑیوں پر بچھی ہوئی نہ جانے کہاں تک

پہنچ گئی تھی۔ لیکن مجھے بائیں سمت مڑنا تھا۔ اور یہ کٹی ہوئی سڑک باقاعدہ نہیں تھی، بلکہ
یہ چوڑی پگڈنڈی کی مانند تھی، جس پر کم از کم لینڈ روور باآسانی دوڑ سکتی تھی اور اُسے
یہ سفر میں کوئی دقت نہیں پیش آ سکتی تھی۔

اَب میں پوری طرح چاق و چوبند ہوگیا تھا۔ یہ بیکار تھا کہ اپنے ذہن کو پراگندہ
ہوں۔ اس طرح میں کم از کم اپنا کام نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ذہن اب اُس دستاویز میں کھو گیا
جو کسی مجسمے میں پوشیدہ کر دی گئی تھی۔ جیسا کہ مجھے بتایا گیا تھا کہ لینتھرا سنو کا نامی کوئی
شخص مجھے ملے گا۔ اور وہ اس سلسلے میں میری مزید رہنمائی کرے گا۔ تو میں اُسی کی سمت
بڑھ رہا تھا۔ اور وقت آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ جس علاقے میں، میں سفر کر رہا تھا، وہ
گھنے درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات سے پر تھا۔ سڑک اوّل تو سڑک تھی ہی نہیں۔ اور اگر
اسے سڑک کہا بھی جا سکتا تو وہ شکستہ اور ناقابل استعمال حد تک اُجڑی ہوئی تھی۔ اُس پر
گاڑیں دوڑانے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بائیں جانب پہاڑی سلسلہ اور دائیں
جانب وہ گھنا جنگل تھا جس کے بارے میں مجھے بتایا گیا تھا کہ یہاں میری ملاقات مقامی
حکومت کے ہرکاروں سے بھی ہو سکتی ہے۔ میں اُن تمام باتوں کو مدِ نگاہ رکھتا ہوا سفر کرتا
رہا۔ اور اُس وقت مجھے صرف اتفاق ہی سے اُوپر دیکھنے کا موقع مل گیا تھا جب میں ایک
وسیع و عریض جھاڑیوں کے احاطے کے بیچ میں سے گزر رہا تھا۔ وہ ایک مخصوص قسم کا طیارہ
تھا جسے جنگی طیارہ کہا جا سکتا تھا، سامنے سے آ رہا تھا۔ اور اُس کا رُخ نیچے ہی کی جانب
تھا.....

ایک لمحے کے لئے میرے ذہن میں بوکھلاہٹ کے آثار پیدا ہوگئے اور میری سمجھ میں
نہ آیا کہ طیارہ اس طرح کیوں جھک رہا ہے؟ سمجھ میں تو تب آیا جب وہ کسی عقاب کی مانند
میری کار کی طرف جھپٹا اور اُس کے اطراف میں لگی ہوئی مشین گنوں سے گولیوں کی بوچھاڑ
ہوئی..... میری اس لینڈ روور سے دو فٹ کے فاصلے پر سڑک پر دھول اور کنکریاں اُڑنے
لگیں اور میرے حواس جواب دے گئے۔ میں نے پوری قوت سے بریکوں پر دباؤ ڈالا اور
لینڈ روور اپنی جگہ جام ہوگئی۔ طیارہ برق رفتاری سے میرے سامنے سے گزرتا ہوا آگے
نکل گیا۔ میں دہشت زدہ نگاہوں سے طیارے کو دیکھتا رہا۔ اور پھر دفعتہً مجھے خیال آیا کہ
مجھے رُکنا نہیں چاہئے۔ چنانچہ بے اختیاری کے عالم میں، میں نے کلچ فوراً ہی چھوڑ دیا۔ کار

نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ اس طرح رُکنے کے بعد میرا ایک لمبی چھلانگ لگا کر آگے بڑھ جانا میرے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔ کیونکہ طیارہ ایک چکر لگانے کے بعد پھر لینڈ روور پر جھپٹا تھا اور جس جگہ وہ کھڑی تھی، وہاں اَب دھول اور کرچیاں اُڑ رہی تھیں۔ طیارے نے یہاں بھی گولیاں برسائی تھیں۔ لیکن کار کے دفعتہً آگے بڑھ جانے سے اُس کا نشانہ خطا ہو گیا تھا اور میری جان بچ گئی تھی۔

میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں؟ ایک لمحے کے لئے دل چاہا کہ کار کو اس کے حال پر چھوڑوں اور خود چھلانگ لگا کر اس سے باہر نکل آؤں اور گھنی جھاڑیوں میں چھپ کر جان بچاؤں۔ لیکن یہ بھی مشکل ہی تھا۔ پتہ نہیں یہاں کیا مصیبتیں میرا انتظار کر رہی ہیں؟ چنانچہ اس کی ہمت نہ کر سکا اور کار کو برق رفتاری سے دوڑا دیا۔ اس وقت میں سامنے کی سمت کچھ نہیں دیکھ رہا تھا کہ آگے کیا ہے؟ ہو سکتا ہے، راستے میں کوئی چٹان اُبھری ہوئی نظر آ جاتی۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر میرے سامنے کوئی چٹان آ جاتی تو پوری قوت سے کار، چٹان سے جا ٹکراتی۔ میں اس وقت اسے بچانے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ کمبخت طیارہ فضا میں ایک مختصر سا دائرہ بنانے کے بعد دوبارہ کار کی جانب بڑھ رہا تھا اور میرا دم خشک ہوا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ کار کی رفتار اور بڑھا دوں۔ پختہ سڑک کب کی ختم ہو چکی تھی۔ اور محض پگڈنڈی یا کچے راستے قسم کی کوئی چیز رہ گئی تھی جس میں یہ تمیز کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اَب راستہ کس سمت سے جا رہا ہے؟ طیارے سے کار کو بچانے کے لئے میں نے اچانک راستہ کاٹ دیا اور سیدھا جاتے جاتے داہنی سمت مُڑ گیا۔ لینڈ روور اُگی ہوئی جھاڑیوں کو روندتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور طیارہ ایک بار پھر ناکامی کا شکار ہو گیا۔ وہ مسلسل مجھ پر گولیاں برسانے میں مصروف تھا اور زندگی مسلسل میرا ساتھ دے رہی تھی۔ بدبخت طیارہ گرجتا ہوا کار کا پیچھا کرتا رہا۔ بلاشبہ وہ لاکھ قیمتی سہی مگر طیارے کا مقابلہ کیسے کر سکتی تھی؟ چنانچہ اب اُس کے انجر پنجر ڈھیلے ہوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ ویسے بھی وہ اُونچے نیچے پتھروں سے اُتر اور چڑھ رہی تھی۔ اور اس وقت میری ساری عملی کوششیں بے کار ہو گئی تھیں۔ میرے ذہن میں بس یہی خوف تھا کہ کسی طرح اس طیارے سے جان بچا لوں۔

طیارے نے کسی شاہین کی طرح پھر غوطہ لگایا اور میں نے بے اختیارانہ انداز میں

بریکوں پر دباؤ ڈال دیا۔ گاڑی کے پہیئے چرچرائے اور اُس کا انجن خاموش ہو گیا۔ ایک بار پھر طیارے کے پروں سے آتشی لکیریں نکلیں اور کار میں ہلکا سا دھماکہ ہوا اور دُھوئیں کا کثیف مرغولہ فضا میں بلند ہو گیا..... مجھے یقین تھا کہ اس بار گولیاں ریڈی ایٹر میں پیوست ہو گئی ہوں گی۔ کیونکہ پانی کی سنسناہٹ بھی سنائی دی تھی۔ طیارہ خوفناک گرج کے ساتھ میرے سر پر سے گزرتا ہوا اَب اُوپر اُٹھ رہا تھا۔ میں اسے اپنی تقدیر کی خوبی یا خرابی ہی کہہ سکتا تھا کہ اَب تک میں اُس کے تمام حملوں سے بچ گیا تھا۔

ایک بار پھر میں نے سنبھل کر کار کو آگے بڑھا دیا۔ لیکن اَب وہ جھٹکے لے لے کر آگے بڑھ رہی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شدید زخمی ہو گئی ہے۔ اس اندازے کے بعد میرے ہوش و حواس ذرا کچھ اور متاثر ہو گئے تھے۔ ایک بار پھر طیارے نے غوطہ لگایا تو لینڈ روور کا انجن گولیوں کا شکار ہو گیا۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ طیارے کے علاوہ جنگل میں بھی لوگ بکھرے ہوئے ہیں جو میری جان کے خواہاں ہیں۔ خدا غارت کرے ان تمام لوگوں کو جنہوں نے ایک معصوم اور بے گناہ کو اس مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔ میں پھرتی سے لینڈ روور کے دروازے کی طرف بڑھا اور دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ خاردار جھاڑیوں نے میرا استقبال کیا تھا اور میرے ہاتھوں اور پاؤں کو بری طرح چھیل دیا تھا۔ بدن کے کھلے ہوئے حصوں میں تو جیسے آگ ہی لگ گئی تھی۔ اور میں بری طرح لڑھکتا ہوا دُور تک چلا گیا تھا۔ میں لڑھکتے ہوئے جھاڑیوں کو پکڑنے کی کوشش بھی کرتا رہا تھا اور اس سلسلے میں یہ کوشش میری زندگی کی ضامن ہی ثابت ہوئی۔ کیونکہ جھاڑیوں کے آخری سرے پر ایک گہری کھائی نظر آ رہی تھی۔ دفعتہً ہی ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور کار کی ٹینکی کے چیتھڑے اُڑ گئے۔ میں دہشت زدہ نگاہوں سے اُس ہولناک منظر کو دیکھتا رہا۔ میرے جسم کے کچھ حصوں سے غالباً خون بہنے لگا تھا۔ لیکن وہ پسینے میں شامل ہو کر لکیریں بناتا ہوا نیچے بہہ رہا تھا۔ مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ جنگل میں یقیناً کچھ لوگ چھپے ہوئے ہیں اور میری جانب نگراں ہیں۔

چند لمحات کے بعد میں نے وہاں سے آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا اور اُس کھائی کا جائزہ لینے لگا۔ اگر میں اس کھائی میں اُتر جاؤں تو ہو سکتا ہے کہ اُن کی نگاہوں سے بچ سکوں۔ وہ مجھے آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔ یقینی طور پر میرے سلسلے میں تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔

اور ہر سمت سے مجھے گھیرا جا رہا ہے..... بہرطور! میں جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہؤا کھائی میں اُترنے لگا۔ جھاڑیاں، کھائی کے ساتھ ساتھ نیچے تک چلی گئی تھیں۔ لیکن اُبھی زیادہ دُور تک نہیں گیا تھا کہ میرے کانوں میں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دی اور اُس کے ساتھ کچھ انسانی آوازیں بھی۔ کوئی شخص بھاری آواز میں چیخ چیخ کر کتوں کو آواز دے رہا تھا۔ تب میری رُوح فنا ہوگئی جب میں نے اُن کتوں کو برق رفتاری سے بھاگ کر اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔ اُن لوگوں کی بھی یہ برق رفتاری قابلِ داد تھی۔ اُنہوں نے پوری محنت کے ساتھ میرے لئے معقول انتظامات کئے تھے۔ بہرطور! میں جانوروں کی طرح رینگ کر اُن ڈھلانوں کو عبور کرتا رہا اور کوشش یہ کی کہ جھاڑیاں اتنی زور سے نہ ہلیں کہ دوسروں کو اس کے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں۔ اس وقت میں انسان سے زیادہ چوپایہ معلوم ہو رہا تھا۔ اُس ڈھلان پر اُترنا آسان کام نہیں تھا۔ خودرو درختوں اور جھاڑیوں نے بار بار میرا دامن تھاما اور کوشش کی تھی کہ میں آگے نہ بڑھ سکوں۔ مگر مجھے آگے بڑھنا ہی چاہئے تھا۔ ورنہ وہ قد آور کتے برق رفتاری سے مجھ تک پہنچ جاتے اور پھر میرے بدن کے چیتھڑے اُڑ جاتے۔

ڈھلوان راستوں کو عبور کرتا ہوا بالآخر میں ایک جگہ ٹھٹک گیا۔ یہاں راستے میں ایک چٹان حائل تھی۔ اَب اگر میں اس چٹان کے دوسری جانب پہنچ جاؤں تو ہوسکتا ہے، کتوں کی نگاہوں سے محفوظ رہوں۔ لیکن وہ بدبخت تو انسانی بدن کی بو کو سونگھتے ہوئے اُس تک پہنچتے ہیں۔ میں انتظار نہیں کرسکتا تھا۔ چٹانی حصے کو ایک لمبا فاصلہ طے کرنے کے بعد عبور کیا۔ اور بعد میں اُس ڈھلان پر بھاگنے لگا۔ یہاں رُک کر موت کا انتظار تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بھاگتے ہوئے مجھے بار بار ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ اور یہ خطرہ تھا کہ کہیں اگر منہ کے بل گر پڑا تو بس! چہرے کا بھرتا ہی بن جائے گا۔

معاً میں نے اپنے بہت قریب قدموں کی آواز سنی اور میرا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ شاید اُن میں سے کسی محافظ نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا اور عقب سے گزر کر میری طرف آیا تھا۔ میں برق رفتاری سے ایک چوڑے اور تن آور درخت کی آڑ میں سیدھا کھڑا ہو گیا میں نے اُس کے تنے سے اپنے آپ کو چپکا کر سانس روک لی تھی۔ وہ دو افراد تھے جو ہاتھوں میں اسٹین گنیں سنبھالے ہوئے آہستہ قدموں سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اُن کی

نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ اور اُن کے اِدھر اُدھر دیکھنے کے انداز سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ کم از کم اُنہیں اس جگہ کا علم نہیں ہے جہاں میں چھپا کھڑا ہوں۔ لیکن اُن کا رخ اُسی جانب تھا اور میں مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اُن سے مقابلہ کرنے پر تُل گیا تھا۔ یہ شکر تھا کہ اُن کے ساتھ کتے نہیں تھے۔ ورنہ آن کی آن میں مجھ تک پہنچ جاتے۔ اور پھر جانے کیا ہوتا؟ وہ آگے بڑھتے رہے اور میں اُن کا انتظار کرتا رہا۔ اُس وقت جو بھی ہو رہا تھا، اضطراری طور پر ہو رہا تھا۔ پھر اُن میں سے ایک میرے بالکل قریب سے گزرا اور دوسرے لمحے میرا ہاتھ بجلی کی تیزی سے آگے بڑھا اور اُس کے چہرے پر جا پڑا۔ میں نے اُس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اُسے اپنی جانب کھینچ لیا۔ اور اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ پاؤں مار سکتا، میں نے اُس کا سر پوری قوت سے درخت سے دے مارا۔ جس کا تنا ٹھوس، مضبوط اور چکنا تھا۔ ایک عجیب سی آواز پیدا ہوئی تھی۔ جیسے کوئی تربوز اچانک اُوپر سے گر کر پھٹ گیا ہو۔ مجھے یہ اندازہ تو نہیں ہو سکا کہ اُس کے سر کا کیا حال ہوا؟ لیکن میں دوسرے کی جانب دیکھ رہا تھا جس نے دہشت زدہ انداز میں اسٹین گن سیدھی کی تھی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ میری جانب رُخ کر کے اسٹین گن کا برسٹ مارتا، میں نے اپنے ہاتھوں میں دبے ہوئے شخص کو پوری قوت سے اُس پر دھکیل دیا۔ وہ ایک عجیب سی آواز کے ساتھ نیچے گر پڑا تھا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا، میں نے اُس پر چھلانگ لگا دی اور اُسے زمین پر ہی دبوچ لیا۔ جانے بدن کی کون سی قوتوں کے ساتھ میں اُن دونوں کو زمین پر رگڑ رہا تھا۔ ہاتھ، خون میں چپچپا گئے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بے جان ہوتے جا رہے ہوں۔ پہلا شخص جس کا سر میں نے درخت سے مارا تھا، کوئی حرکت کرنے قابل ہی نہ رہا تھا۔ لیکن چند لمحات کے بعد دوسرا بھی ٹھنڈا ہوگیا۔ یہ غالباً خوف کا انتہائی عالم تھا جب انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اُس کا مدمقابل اُسے ختم کر دے گا، تب اُس کے جسم میں بے پناہ طاقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں نے انہی طاقتوں کا سہارا لیتے ہوئے اُن دونوں کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اور جب مجھے احساس ہوگیا کہ اُن میں زندگی کی رمق باقی نہیں ہے تو میں اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اُن میں سے ایک کی اسٹین گن اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ اگر قرب و جوار میں کوئی نظر آئے تو اُسے اسٹین گن کی گولیوں سے بھون ڈالوں۔ یقیناً یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔ لیکن میں اس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا

کہ اَب میرے دل میں خوف کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔ غالباً دل کی وہ کیفیت انتہائی خوف کے عالم میں ختم ہوگئی تھی جو خوف کو جنم دیتی ہے۔ اور اَب میں اپنی زبان میں شیر دل تھا۔ اس وقت کوئی بھی سامنے آ جاتا تو میں اُسے بھوننے سے دریغ نہ کرتا۔ کتوں کے بھونکنے کی آواز اَب بھی فضا میں اُبھر رہی تھی۔ لیکن اَب اُن کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صحیح سمت کھو بیٹھے ہیں اور اِدھر نہیں آ سکے جدھر میں موجود تھا۔ چند لمحات انتظار کرتا رہا۔ فیصلہ یہ کرنا تھا کہ اب کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے؟

جانے کیوں ایک ذہنی اور جسمانی تھکن کا احساس ہوا۔ اس احساس کا حملہ بالکل اچانک تھا۔ وجود کا کوئی ایسا حصہ متاثر ہو گیا تھا جو پورے جسم پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ہاتھوں میں دبی اسٹین گن بھی بے حد وزنی محسوس ہونے لگی..... میں اپنی اس کیفیت پر خود ہی حیران رہ گیا تھا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ میرے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ میرے اطراف میں خونخوار لوگ پوشیدہ ہیں اور وہ میری یہاں موجودگی سے بخوبی باخبر ہیں۔ اُن میں سے دو میں نے ہلاک کر دیئے تھے۔ لیکن جو اندازہ میں نے اُن کے بارے میں لگایا تھا، اس کے تحت اُن دو کی ہلاکت بے معنی تھی اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اگر میں نے یہاں پسپائی اختیار کر لی تو میری تکا بوٹی ہو کر رہ جائے گی جو بہر طور! میں نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ یہ جگہ چھوڑ دینا بے حد ضروری تھا۔ جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا میں کھائی کی گہرائیوں میں اُترتا رہا۔ میرے حواس خمسہ مجھے احساس دلا رہے تھے کہ اس کھائی میں بھی تنہا نہیں ہوں۔ گو کسی کو دیکھ نہیں پایا تھا لیکن بس! حسیات کچھ ایسے ہی احساسات دلا رہی تھیں اور مجھے جگہ جگہ سانس روک کر دُبک جانا پڑتا تھا۔ خوف و دہشت تو شاید اعصاب پر طاری نہیں تھے۔ بس، ایک چوکنی سی کیفیت تھی جو مجھے ان تمام حرکات پر مجبور کر رہی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ اور میں چیونٹی کی رفتار سے کھسکتا رہا۔ شکر تھا کہ ابھی تک ان جھاڑیوں میں کوئی ایسی تحریک نہیں ہوئی تھی جو میرے لئے باعث دقت ہوتی۔ ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ زمین خود مجھے راستے دے رہی تھی۔ پھر بلندیاں شروع ہو گئیں۔ یہ سامنے والے جنگل تک پہنچنے کا واحد راستہ تھا۔ چنانچہ میں نے بلندیاں طے کرنا شروع کر دیں۔ بعض مقامات ایسے آئے جہاں جھاڑیاں میرے قد سے بہت نیچی تھیں اور میں جھک

کر اُن میں چل نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اُن جھاڑیوں میں کہیں کہیں کانٹے دار جھاڑیاں بھی تھیں جو میرے چہرے کو لہولہان کر دیتیں۔ چنانچہ یہاں بڑی مشکل پیش آئی۔ تاریکی پھیلنے لگی تھی اور فضا میں دُھندلاہٹیں تیزی سے اُتر رہی تھیں۔ وقت کا کوئی احساس ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ بلندی کا سفر زیادہ مشکل ثابت ہوا اور میرا پورا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ لیکن وہی مسئلہ تھا اگر احساسات کا شکار ہو جاؤں تو شاید چند قدم بھی آگے نہ بڑھ سکوں۔ اپنے آپ کو ہر صعوبت کے تصور سے بے نیاز کر کے ہی میں زندگی کی جانب لوٹ سکتا تھا۔ چنانچہ چلتا رہا۔ تب میں نے اپنے آپ کو چڑھائی سے بے نیاز حصے میں پایا۔ گویا یہ ہولناک کھائی عبور کی جا چکی تھی۔ اَب میرے اطراف میں جنگل بکھرے ہوئے تھے۔ عجیب قسم کے درخت تھے۔ جو نہ بہت گھنے تھے اور نہ چھدرے۔ بس کچھ عجیب ہی لگ رہے تھے۔ بعض جگہ اُن کی شاخیں دوسرے درختوں سے گزرتی ہوئی اُن سے بھی آگے بڑھ گئی تھیں۔ اور یوں لگتا تھا جیسے کسی نے اُن شہتیروں سے پُل بنا دیا ہو۔ میں جنگل سے بھی دُور تک آگے بڑھتا رہا۔ یہاں بھی جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ کوشش کے باوجود میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے میں ناکام رہا جسے صاف ستھرا کہا جا سکے اور جہاں قیام کے بارے میں سوچا جا سکے۔ ہر جگہ جھاڑیاں ہی جھاڑیاں تھیں۔ کہیں نرم اور کہیں ڈھلواں..... بالآخر یہ طے کیا کہ اَب کسی ایسی جگہ قیام کر ہی لیا جائے جہاں گھاس ہو۔ اور اُس جگہ کی تلاش میں مجھے دقت نہ ہوئی۔ دِل و دماغ کی قوتیں ساتھ چھوڑتی جا رہی تھیں۔ کھانے اور پینے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ اَب وہی کیفیت شروع ہوئی تھی، جو بارہا میری زندگی کی عجیب و غریب مہمات میں مجھ پر مسلط ہو چکی تھی۔

میں ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور دونوں پاؤں زمین پر پھیلا دیئے۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ میرے پیروں کے نیچے کوئی بہت ہی نرم شے موجود ہے جو فوم کے گدے کا سا مزہ دے رہی ہے۔ لیکن ذہنی تھکن اَب پورے وجود پر کچھ اس طرح مسلط ہو گئی تھی کہ میں بے بس ہو گیا۔ اور اُس پر توجہ نہ دے سکا۔ ذہن پر نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ دفعتہً مجھے احساس ہوا کہ پیروں کے نیچے کی نرم شے میں کچھ کلبلاہٹ پیدا ہوئی ہے۔ لیکن یہ احساس ایک خواب کی سی کیفیت رکھتا تھا۔ ذہن بیدار نہ ہو سکا اور کلبلاہٹ بڑھتی رہی۔ میں نے پاؤں اُس جگہ سے ہٹا لئے تھے۔ نجانے کتنا وقت اس طرح گزر گیا۔ دفعتہً ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم کے گرد کچھ سرسراہٹیں ہو رہی ہیں۔

میں اِن سرسراہٹوں کو بھی کوئی معنویت نہ دے سکا۔ البتہ جسم کی ہڈیوں میں کڑکڑاہٹ ی
پیدا ہوئی تو ذہن ایک دم بیدار ہو گیا۔ بے اختیارانہ انداز میں، میں نے اپنے جسم کے گرد
اُس چھا جانے والی شے کو ٹٹول کر دیکھا اور رگ و پے میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔ کوئی
موٹی سی شے تھی جو میرے جسم کے گرد کس گئی تھی اور اُس کی گرفت شدید ہوتی جا رہی
تھی..... میں نے اُس موٹی شے کو ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا تو دِل جیسے دھڑکنا بھول گیا.....
ذہن نے فوراً ہی نعرہ لگایا..... اژدھا..... میں دہشت کے عالم میں اپنی جگہ سے اُٹھنے کی
کوشش کرنے لگا۔ لیکن یہ کوشش بالکل ہی بے مقصد ثابت ہوئی تھی۔ خونخوار اژدھے نے
مجھے درخت کے تنے کے ساتھ اپنے جسم سے لپیٹ لیا تھا اور اُس کی گرفت بڑھتی جا رہی
تھی..... سانس رُکنے لگا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی آخری لمحات تک آ پہنچی ہے۔
میں اپنے بدن کی تمام قوتوں کے ساتھ اُس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن قطعی
ناکام رہا۔ اور رفتہ رفتہ میرے حواس جواب دے گئے۔ اور اُس کے بعد گہری اور بے پناہ
تاریکی، جو ہر قسم کے احساسات سے آزاد کر دیتی ہے۔ یہ تاریکی جانے کب تک مجھ پر
مسلط رہی۔

☆.....☆.....☆

ہوش آیا تو رفتہ رفتہ گزرے ہوئے واقعات بھی یاد آنے لگے۔ میں نے دہشت سے
بدن کو سکوڑا اور دوبارہ اُس اژدھے کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن.....
اَب تو میرے بدن پر کوئی گرفت نہیں تھی۔ میں نے دہشت بھرے انداز میں چاروں
دیکھا۔ تبھی مجھے اپنے سینے پر کسی کے نرم و نازک ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا۔ میں نے
پھٹی آنکھوں سے اُس چہرے کو دیکھا جو مجھ پر جھکا ہوا تھا۔ گندمی رنگ، گہرے سیاہ
گہری آنکھیں اور نازک نازک نقوش۔ میں متحیرانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔ بدن
جدید تراش کا لباس موجود تھا۔ لیکن کسی قدر بوسیدہ کیفیت میں۔ وہ سو فیصد لڑکی ہی تھی۔
اژدھا.....؟ ماحول بدلا ہوا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لڑکی آہستہ آہستہ میرے
پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ اور پھر اُس نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں
ہا۔

''لیٹے رہو..... لیٹے رہو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے ذہن میں
رے ہوئے لمحات موجود ہیں تو اَب تم اُس ماحول میں نہیں ہو۔''
میں گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ یہ مسیحائی کس نے کی؟ واقعی زندگی کا وہ لمحہ تو بے حد
ناک تھا۔ لڑکی نے قریب رکھی ہوئی میز سے پانی کا گلاس اُٹھایا جو کسی کتاب سے ڈھکا
ہوا تھا۔ اور پھر مجھے سہارا دے کر اُٹھانے لگی۔ میں خود بھی کوشش کر کے اُٹھ گیا اور اُس
پانی کا گلاس میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ اُس کے اِس انداز میں بڑی اپنائیت اور
ردی تھی۔ پانی پینے کے بعد میرے حواس کسی قدر معتدل ہو گئے اور میں اپنے جسم کے
ے ہوئے حصوں کو ٹٹولنے لگا۔ تب میں نے دیکھا کہ میرے بدن کی خراشوں پر ٹیپ لگے
ئے تھے۔ گویا میری سرجری کر دی گئی۔ چہرے کو ٹٹول کر دیکھا تو چہرے پر بھی ایک دو
جگہ ہی ٹیپ لگے ہوئے محسوس ہوئے اور اُسی وقت مجھے اپنی بدصورتی کا خیال آ گیا۔

جو سیاہی بلکہ روسیاہی مجھ پر مسلط کر دی گئی تھی، وہ ابھی تک مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ باتھر
کے رنگ سے اس کا احساس ہو رہا تھا۔ بہرطور! ایک خوبصورت لڑکی کی موجودگی میں
روسیاہی احساسِ کمتری پیدا کرتی تھی اور یہ میرے دِل میں پیدا ہو گیا تھا۔ میں نے ایک
گہری سانس لے کر اُس بستر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا، جس پر میں لیٹا ہوا تھا۔

''بہت بہت شکریہ خاتون! آپ نے بہت برے وقت میں میری مدد کی ہے۔ لیکن آپ
نے ایسا کیسے کیا؟''

''میں نہیں جانتی کہ آپ کو کیا ہوا تھا؟''

''آپ نے مجھے کہاں سے پایا؟''

''قریب کے جنگل سے؟''

''کیا یہ آبادی..... میرا مطلب ہے جہاں آپ موجود ہیں، اس جنگل کے بالکل قریب
ہے؟''

''ہاں! یوں سمجھ لیں کہ یہاں سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر جنگل کا وہ سلسلہ
شروع ہوتا ہے۔''

''یہ..... یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہم اپنی بستی کو کرین او، کہتے ہیں۔'' اُس نے جواب دیا۔

میں نہ سمجھنے والے انداز میں اُسے دیکھنے لگا۔ تب میں نے جلدی سے پوچھا۔ ''یہاں
سے شیلڈ اسٹون کتنے فاصلے پر ہے؟''

میرے سوال پر لڑکی کے چہرے پر کسی قدر خوف کے آثار اُبھر آئے اور اُس نے آہستہ
سے جواب دیا۔ ''شیلڈ اسٹون کا راستہ اس بستی کے عقب سے گزرتا ہے۔'' وہ کسی قدر سہم
سی گئی تھی۔ اور میں اُس کے سہمے ہوئے انداز کو سمجھ نہ پایا۔ پھر میں نے فوراً ہی کہا۔ ''تمہارا
نام کیا ہے؟''

''ویلی۔'' اُس نے جواب دیا۔

''مس ویلی! تم مجھے یہاں تک کس طرح لائیں؟''

''اپنے ڈیڈی کی مدد سے۔ پہلے میں نے تمہیں ایک درخت کے تنے کے نزدیک بے
ہوشی کے عالم میں پڑے ہوئے دیکھا۔ اور اُس کے بعد میں نے اپنے ڈیڈی کو بلایا اور ہم

نہیں سہارا دے کر یہاں تک لے آئے۔''

''ہاں! کیا میرا جسم کسی اژدھے کی گرفت میں تھا؟''

''اژدھا.....؟'' لڑکی حیرت سے بولی۔ اور پھر آہستہ سے کہنے لگی۔ ''نہیں۔ اس وقت
نہیں۔ ویسے اِن جنگلوں میں اژدھے پائے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ آبادیوں
تک آتے ہیں۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ آبادی تک رینگ آنے والے کسی
اژدھے کو زندہ نہیں چھوڑا جاتا۔ کیا تمہیں کسی اژدھے نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا؟''

''ہاں! مجھے تعجب ہے کہ میں زندہ کیسے بچ گیا؟''

''تم بے ہوش ہو گئے ہو گے؟''

''ہاں! میرے ہوش و حواس میرا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔''

''اور یہی تمہاری زندگی کا باعث بن گیا۔ اگر تمہارے بدن میں تحریک رہتی تو وہ اُس
وقت تک تمہیں دباتا رہتا جب تک تمہارے جسم سے جان نہ نکل جاتی۔ تمہیں بے حس و
حرکت پا کر ہی اُس نے چھوڑ دیا ہو گا۔''

''اوہ میرے خدا!'' میں نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہیں بھوک محسوس ہو رہی ہو تو کچھ کھانے کو لاؤں؟''

''میں کتنی دیر بے ہوش رہا ہوں؟'' میں نے سوال کیا۔

''ساری رات۔ اس وقت دن کے نو بج رہے ہیں۔''

''تب براہِ کرم! اگر کچھ مل سکے تو میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔''

لڑکی نے گردن ہلائی اور وہاں سے نکل گئی۔ میں اس عجیب و غریب اتفاق پر غور کرنے
لگا۔ بہرطور! وہ میری جان بچانے کا باعث بنی تھی اور میں اُس کا دلی طور پر شکر گزار تھا۔
مجھے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ میں شیلڈ اسٹون کے راستے سے نہیں ہٹا اور اُسی راستے پر
ہوں۔ گویا ابھی میں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے باعمل رہ سکتا تھا۔ لیکن میرا مشن.....
میرے دل میں ہنسی آنے لگی۔ زبردستی کے ایسے بے شمار مشن میرے حوالے کئے جا چکے تھے
جن سے اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اُن سے فرار نہیں حاصل کر سکا تھا۔ بلاشبہ! ہمیشہ ہی
میں نے جس حد تک بھی مجھ سے بن پڑتا تھا، کوشش کی تھی کہ اگر میں کسی چکر میں پھنس
جاؤں تو اُس جال سے نکل سکوں۔ لیکن جناب! کمبل مجھے نہیں چھوڑتا تھا۔ اور وہی سب

کچھ کرنا پڑتا تھا جو میرے لئے مقدر کر دیا گیا تھا۔

لڑکی تھوڑی دیر کے بعد واپس آئی تو اُس کے ساتھ دو افراد اور بھی تھے۔ ایک جھکی ہوئی کمر کی عورت، جس کی کمر غالباً کسی بیماری کی وجہ سے جھک گئی تھی۔ چونکہ اُس کا چہرہ اس بات کا غماز تھا کہ اُس کی عمر بہت زیادہ نہیں ہے۔ ایک کسی قدر پستہ قامت آدمی جو دُبلے پتلے بدن کا مالک اور گنجے سر والا تھا۔ اُس کے سر کے عقبی حصے میں تھوڑے سے بال پریشان تھے۔ آنکھوں پر باریک فریم کی عینک لگی ہوئی تھی۔ ویسے چہرے ہی سے وہ پڑھا لکھا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ بوسیدہ قسم کی ایک جیکٹ اور ننھی سی پتلون پہنے ہوئے تھا۔ ننھی سی پتلون میں نے اس لئے کہا کہ اُس کا نچلا بدن، اُوپری بدن کی نسبت کافی چھوٹا تھا اور پتلون کا سائز بس اتنا ہی تھا کہ کسی بچے کے بدن پر آ سکے۔ بہرطور! اس کے باوجود، وہ مجھے بہت ذہین محسوس ہوا تھا۔ اُس نے چشمہ ناک پر درست کر کے بغور میرا جائزہ لیا۔ لڑکی کے ہاتھوں میں ٹرے دبی ہوئی تھی، جس میں چائے کی پیالیاں، کچھ سینڈوچز وغیرہ رکھے ہوئے تھے اُس نے وہ چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔ میں نے ممنون نگاہوں سے اُس شخص کو دیکھا اور پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''معاف کیجئے گا! میں اتنا بھوکا ہوں کہ آپ لوگوں سے گفتگو کرنے کی بجائے پہلے کھانا پسند کروں گا۔''

''کوئی بات نہیں..... کوئی بات نہیں۔ آپ آرام سے کھائیں پئیں۔'' دُبلے پتلے پستہ قامت شخص کی آواز بھی اُس کے بدن کی مناسبت سے دُبلی پتلی ہی تھی۔ لیکن اُس کا لہجہ کافی شگفتہ تھا۔

میں ممنونیت کی نگاہوں سے اُنہیں دیکھتے ہوئے پیٹ کا دوزخ بھرنے لگا۔ پھر سارا کھانا چائے ڈکارنے کے بعد میں نے گہری سانسیں لیں اور مسہری پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

''کیا آپ اپنا تعارف کرانا پسند کریں۔ مسٹر؟'' دُبلے پتلے آدمی نے سوال کیا۔

''جی.....'' میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ تعارف کیا کراتا میں اُس شخص کا؟ جو نام مجھے دیا گیا تھا، وہی بتانا مناسب تھا۔ کیونکہ وہی میرے چہرے سے مطابقت رکھتا تھا۔ ''میرا نام زیمبوکا ہے۔'' میں نے کہا۔

''گڈ.....'' اُس نے پُر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ اُس کی گہری آنکھیں، چشمے کے

میرا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ڈیلی نے بتایا ہے کہ تم شیلڈ اسٹون کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے۔''

''ہاں! میرا رُخ اُسی جانب ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

پستہ قامت شخص نے تشویش سے ہونٹ سکوڑے۔ ''اس کی وجہ بتا سکتے ہو؟''

''افسوس..... نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تمہیں اس کے لئے مجبور نہیں کروں گا۔ ویسے میرا نام آروین گولڈ ہے اور یہ میری بیوی ہے اور یہ بیٹی۔ ہم لوگ اس چھوٹی سی بستی میں جس کا نام کرین او پریشانی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یوں سمجھ لو! ہم اپنے ماحول سے مطمئن نہیں ہیں۔ اگر تم شیلڈ اسٹون کی جانب جا رہے ہو تو یقیناً تمہیں وہاں کے حالات بھی معلوم ہوں وہ ایک خوفناک علاقہ بن چکا ہے۔ حالانکہ کچھ عرصہ قبل ایسی کوئی بات نہیں تھی۔

''اس کی وجہ کیا ہے مسٹر گولڈ؟''

''بہت سی وجوہات ہیں۔ لیکن سب سے بڑی وجہ ڈین گاربو ہے۔'' اُس نے کہا اور سنجیدہ نگاہوں سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اُس نے مزید کہا۔ ''ہاں! اور یہ بات میرے سے دُور نہیں ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح سے ڈین گاربو سے متعلق ہو۔ لیکن تمہاری شکل صورت دیکھنے کے بعد کم از کم یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ تم اس کے مفادات کے حامی پچھلے کچھ دنوں سے ہم لوگوں کی زندگی بے حد تلخ ہو گئی ہے۔ خاص طور سے حکومت کی یہاں کے رہنے والوں کے مزاج کے بالکل خلاف ہے اور اس کے نتیجے میں جگہ جگہ لڑائی کا آغاز ہو گیا ہے۔ حکومت ایک طرح سے ڈین گاربو کے زیر تحت آ گئی ہے۔ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ وہ مقامی طور پر زیر زمین حکمران ہے۔ اور حکومت اپنی ...ون میں بیشتر تبدیلیاں اُس کے اشاروں پر کر رہی ہے۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ...ت درحقیقت اُس کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہی ہے۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کسی ...انہ کارروائیوں کو اس قدر اہمیت دے دینا حکومتوں کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔''

''گولڈ! تم ایک ایسے شخص سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہو جس کے بارے میں نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟ تمہاری یہی جذباتی کیفیت بعض اوقات میرے لئے ...باعث بن جاتی ہے۔'' عورت نے اپنے شوہر کو ٹوکا اور وہ سہمے ہوئے سے انداز

میں خاموش ہو گیا۔

میں نے آہستہ سے کہا۔ ''آپ لوگ اطمینان رکھئے! میں اپنے محسنوں کے لئے کبھی باعث پریشانی نہیں بنوں گا۔''

''نہیں مسٹر! یقینی طور پر آپ نے میری اس بات کا برا نہیں مانا ہوگا۔ میں موجودہ حالات کی بات کر رہی ہوں۔ اِن حالات میں محتاط رہنا ہی عام لوگوں کے لئے بہتر ہے۔ ورنہ جگہ جگہ نقصانات اُٹھانے پڑتے ہیں۔''

میں خاموش ہو گیا۔ اُن لوگوں نے مجھ سے میرے بارے میں زیادہ سوالات نہیں کئے تھے اور یہ بات خود مجھے باعث حیرت محسوس ہوئی تھی۔ کیا وہ اس سلسلے میں کچھ توقع رکھتے ہیں یا اُن کے ذہنوں میں کوئی بات موجود ہے؟ اس بات کا صحیح طور پر اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ بہرطور! کافی دیر تک دونوں میاں بیوی میرے پاس بیٹھے رہے۔ اور اُس کے بعد ویلی کو ہدایت دے کر چلے گئے کہ میرا خیال رکھے۔ ویلی نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''تم مجھے اِس طرح سے ملے۔ لیکن شاید تم اسے میری خودغرضی محمول کرو کہ مجھے تمہاری آمد سے خوشی ہے۔''

''کیوں؟'' میں نے مسکراتی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

''زندگی کچھ اس طرح ڈل ہو کر رہ گئی ہے کہ نا قابل بیان ہے۔ میں موجودہ حالات کی وجہ سے خود کو بڑا غیر محفوظ سا تصور کرتی ہوں۔ پہلے ہم لوگ شہر چلے جاتے تھے اور کافی وقت گزار کر آتے تھے۔ لیکن موجودہ حالات میں گھروں میں قید رہنا ہی ہماری زندگی بن گئی ہے۔''

''موجودہ حالات کیا ہیں؟''

''ہنگامہ خیزیاں..... دہشت گردی اور زندگی کا غیر محفوظ ہو جانا۔''

''اس کی وجہ؟''

''بس! سیاسی وجوہات تو میں سمجھ نہیں پاتی۔ لیکن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟''

''ڈین گاربو تم لوگوں کے لئے کیا حیثیت رکھتا ہے؟''

''ڈین گاربو، خوف و دہشت کی علامت ہے۔ دہشت خیزیاں اُسی کے نام پر کی جاتی ہیں

اور حکومت بہت عرصے سے اُس کے خلاف کارروائیوں میں مصروف ہے۔ لیکن تازہ اطلاع یہ ہے کہ اَب حکومت اور اُس کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔''

''وہ چاہتا کیا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''یقین کرو! میں سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی۔ لیکن کوئی سیاسی ہی مسئلہ ہے۔ غالباً یہاں اپنی پسند کی حکومت کا خواہش مند ہے۔''

میں خود بھی اس معاملے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری کچھ ذمہ داریاں تھیں جنہیں انجام دینے کے لئے مجھے ایک طویل فاصلہ طے کر کے یہاں بھیجا گیا تھا۔ اگر میں ڈین گاربو کے اس بت کدے سے وہ دستاویز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو ایک طرح سے میرا کام ختم ہو جائے گا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ میرے کرم فرما اس سلسلے میں مجھ سے کس طرح رابطہ قائم کرتے ہیں؟ جس شخص کی نشاندہی کی گئی تھی، اُس سے ملنے کے لئے ہی ابھی مجھے ایک طویل سفر اختیار کرنا تھا۔ اور بہرحال! میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ حالات میرا آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں اُن لوگوں کی ہدایت کے مطابق کام کروں۔

پورا دن گزر گیا اور رات ہو گئی۔ مجھے باقاعدگی سے کھانے پینے کو دیا گیا تھا۔ ویلی بھی تین بار میرے پاس آئی اور ہر بار وہ مجھ سے اپنائیت کا اظہار کرتی تھی۔ لیکن اپنائیت کے اس اظہار کی تکمیل رات کے کھانے کے بعد ہو گئی جب اُس نے مجھ سے کہا کہ وہ میرے ہی کمرے میں آرام کرے گی۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا تو وہ آہستہ سے بولی۔

''ہاں! ڈیڈی کا یہی کہنا ہے۔ پتہ نہیں کیوں، اُنہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں محتاط رہوں۔''

''میری طرف سے؟''

''نہیں۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ حالات سے محتاط رہوں۔ غالباً کوئی خاص بات محسوس کی انہوں نے۔''

میں نے اس سلسلے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا اور سوچنے لگا کہ یہ دلچسپ لڑکی اگر میرے ہی کمرے میں قیام کرے گی تو اس قیام کی نوعیت کیا ہو گی؟ اور پھر رات کی تنہائیاں میرے اِس سوال کا جواب بن گئیں..... ویلی درحقیقت بہت زیادہ کوفت محسوس

کرتی تھی۔ اور اُس کی تمام تفریحات ختم ہوگئی تھیں۔ اور اُس نے مجھے اس سلسلے میں
غنیمت ہی تصور کر لیا تھا۔ بہر طور! رات جس طرح بھی گزری، اس کی کہانی ایک طرح سے
بے مقصد ہی ہے اور اسے سنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لیکن دوسری صبح مسٹر آروین گولڈے
نے تشویش زدہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

''تمہارے بارے میں، میں نے جو اندازہ قائم کیا تھا، وہ غلط نہیں ہے۔ تم
حکومت کے لئے ایک تشویش زدہ شخصیت ہو۔ اور مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ لوگ
تم تک پہنچنے میں کامیاب کیسے نہیں ہو سکے؟ جبکہ تمہاری تلاش میں اُنہوں نے ایک لمبا جال
بچھا رکھا ہے۔ اور اس وقت جنگلوں میں ایسے بے پناہ افراد پھیلے ہوئے ہیں جو تمہاری تلاش
میں سرگرداں ہیں۔ اُن کے ساتھ جاسوس کتے بھی ہیں اور بہترین ہتھیار بھی۔ یوں لگتا ہے
جیسے اُنہیں ایک نہیں، بہت سے افراد کی تلاش ہو۔ اس سلسلے میں وہ ہماری اس بستی سے بھی
گزر چکے ہیں۔''

''اوہ!'' میں نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''لیکن کرین او کا کوئی باشندہ تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اور یہی چیز تمہاری
خلاصی کا باعث بن گئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے علاوہ تمہیں کسی اور نے نہیں دیکھا۔
ویسے تو کرین او کے باشندے کسی ایسے شخص کی مکمل حمایت کرتے ہیں جو حکومت کی
پالیسیوں کا مخالف ہو۔ لیکن بعض اوقات اُنہیں تشدد بہت کچھ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہ
اچھی بات ہے کہ اس سلسلے میں اُنہوں نے تشدد کا راستہ اختیار نہیں کیا۔'' آروین گولڈے
نے کہا۔

''تعجب ہے۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

''لیکن ہمیں کوئی تعجب نہیں ہے۔'' گولڈے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر آہستہ سے
بولا۔ ''اور تم شیلڈ اسٹون جانا چاہتے ہو۔''

''مسٹر! اتفاق سے آپ میرے لئے انتہائی اہم شخصیت بن گئے ہیں۔ اور اب میں
آپ سے یہ سوال کرنے میں عار نہیں محسوس کرتا کہ کیا آپ مجھے حکومت کے حوالے کرنا
پسند کریں گے؟''

''ہرگز نہیں..... بالکل نہیں۔ اس بات سے مطمئن رہو۔ زندگی کی قیمت پر بھی۔''

''اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا نا کہ اِن دنوں حالات بہت عجیب و غریب ہو
گئے ہیں۔ ہم لوگ دِل سے حکومت کی پالیسیوں کے خلاف ہیں۔ لیکن ظاہر ہے عام آدمی
اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ ہم آپس میں چہ مگوئیاں ہی کر سکتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ
کسی ایسے شخص کی معاونت جو کسی طرح حکومت کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ آپ کس سلسلے
میں اور کیا کام کر رہے ہیں؟ ہمیں اس بارے میں نہیں معلوم مسٹر زیموکا! لیکن حکومت کی
مخالفت اور آپ کے سلسلے میں اُن کی تلاش کی شدت یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ آپ یقیناً اُن
کے لئے باعث تشویش ہیں اور یہی بات آپ سے ہماری دلچسپی کا باعث بن گئی ہے۔ ویسے
ایک درخواست میں آپ سے ضرور کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیا مسٹر آروین گولڈے؟''

''آپ براہِ کرم! یہاں زیادہ عرصہ قیام نہ کریں۔ یوں تو ہم آپ کی مہمان نوازی کے
لئے ہر طرح سے حاضر تھے۔ لیکن اگر حکومت کے وہ خونخوار درندے یہاں تک پہنچنے میں
کامیاب ہو گئے تو آپ پر تو جو کچھ گزرے گی، وہ گزرے گی ہی۔ لیکن ہمیں بھی آپ سے
تعاون کے الزام میں زندہ نہ رہنے دیا جائے گا۔''

''میں خود آپ جیسے محبت کرنے والے لوگوں پر بار نہیں بننا چاہتا۔ البتہ آپ سے یہ
درخواست ضرور کروں گا کہ مجھے یہاں سے نکال کر شیلڈ اسٹون کے راستے تک ضرور پہنچا
دیجئے۔''

''ہاں..... بالکل! آپ نے شیلڈ اسٹون تک جانے کا جو راستہ اختیار کیا تھا، براہِ کرم!
مجھے اُس کی تفصیلات بتانا پسند کریں گے؟''

''ہاں، کیوں نہیں؟'' میں نے جواب دیا۔ اور پھر ہم لوگ اُس جگہ سے اُٹھ گئے۔
میں نے مسٹر آروین گولڈے کو اپنے پروگرام سے پوری طرح آگاہ کیا۔ تفصیلات نہیں
بتائی تھیں۔ لیکن لینڈ روور وغیرہ کی تباہی کی کہانی میں نے اُنہیں سنا دی۔

مسٹر آروین کہنے لگے۔ ''شیلڈ اسٹون کے جس علاقے تک آپ پہنچنا چاہتے ہیں، اُس
تک جانے کے لئے یہ راستہ انتہائی موزوں تھا، جس سے آپ سفر کر رہے تھے۔ لیکن اب
بدلی ہوئی صورت حال آپ کے سامنے ہے۔ اس لئے میں آپ کو ایک ایسے خفیہ

راستے کا پتہ دے سکتا ہوں جس سے آپ اُن لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ بھی رہ کر
گے۔''

''میں وہی پتہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور مسٹر آروین مجھے پنسل اور کاغذ کی
مدد سے راستے کی تفصیلات سمجھاتے رہے۔

پھر اُنہوں نے کہا۔ ''آج رات کو تقریباً دس ساڑھے دس بجے میں آپ کو ایک ایسے
پوائنٹ پر چھوڑ دُوں گا، جہاں سے آپ اپنا آگے کا سفر طے کر سکتے ہیں۔ ویسے آپ کے
پاس موجود اسٹین گن محفوظ ہے۔ اور میرے پاس وہ آپ کی امانت ہے۔''

میں اُن لوگوں کا دلی طور پر شکر گزار تھا جنہوں نے واقعی میری بھرپور معاونت کی تھی۔
خاص طور سے ویلی کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات بہت عرصے کے بعد میرے لئے باعث
کشش بنے تھے۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ انسان بعض اوقات ذہنی طور پر چند لمحات
میں کسی ایک شخص سے اس طرح متاثر ہو جاتا ہے کہ دوسرا کوئی برسوں کی رفاقت کے بعد
بھی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ ویلی نے اچانک ہی مجھ سے دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور جانے
کیوں میں اُس کی شخصیت کو نظر انداز نہیں کر پایا تھا۔ اور ہم اُس مقام سے گزر گئے تھے جو
صرف دوستی کا مقام کہلاتا ہے.....

اور رات کو جب مسٹر آروین گولڈے اپنی چمڑے کی جیکٹ اور چست پتلون پہن کر
اس بات کے لئے تیار ہو گئے کہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں تو میں نے ویلی کی آنکھوں میں
چمکتے ہوئے آنسو دیکھے تھے۔ موقع اتنا نہیں تھا کہ میں تنہائی میں اُس سے کوئی بات کر سکتا۔
البتہ اُس نے جرات کر کے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''مسٹر زیموکا! میرا خیال ہے، میں آپ کو کبھی نہیں بھول سکوں گی۔ آپ مجھے یاد رکھیں
گا۔ اس بات کے امکانات نہیں ہیں کہ ہم دوبارہ مل سکیں۔ لیکن بعض اوقات یادیں انسان
کو ذہنی سکون دیتی ہیں۔''

میں نے ویلی کا شانہ تھپتھپایا۔ اب میں اتنا باہمت آدمی نہیں تھا کہ اس کے علاوہ بھی
اُس سے کچھ کہتا۔ اور اُس کے بعد مسٹر آروین گولڈے مجھے لے کر چل پڑے۔ مسٹر
گولڈے نے یہ کرم فرمائی کی تھی کہ میرے لئے کھانے پینے کی خشک اشیاء تیار کر دی تھیں۔
مجھے جو راستہ بتایا گیا، وہ بھی بہت ہی عجیب و غریب تھا۔ ایک پتلی سی دراڑ، جس کے

بارے میں مسٹر گولڈے کا کہنا تھا کہ یہ تقریباً تین میل لمبی دُور تک چلی گئی ہے۔ اور اُسی
دراڑ میں مجھے سفر کرتے ہوئے بالآخر اُس راستے تک پہنچنا تھا جو شیلڈ اسٹون کی جانب جاتا
تھا۔ یہ شیلڈ اسٹون پتہ نہیں کیا بلا ہے؟ اور اس علاقے سے متعلق کہانیاں کیا حیثیت رکھتی
ہیں؟ جو کچھ مجھے بتایا گیا، بس اتنا ہی معلوم تھا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ اَب
ذہن سے تو یہ خیالات نکال ہی پھینکے تھے کہ آگے میرا مستقبل کیا ہے؟ میں اپنی ہر کوشش کر
کے ناکام ہو چکا تھا اور ہمیشہ ہی ناکام رہتا تھا۔ چنانچہ بہتر یہ تھا کہ اَب اپنے مقصد کی
جانب دھیان دیتا۔ مسٹر گولڈے مجھے نیک خواہشات کے ساتھ رُخصت کر کے وہاں سے
چلے گئے اور میں سرنگ نما دراڑ میں آگے بڑھتا رہا۔ راستہ تاریک اور طویل تھا۔ اور بے حد
ہموار۔ لیکن کافی دُور نکل آنے کے بعد میں نے فضا میں خنکی محسوس کی۔ گو میرے دونوں
اطراف چٹانی دیواریں بہت بلندی تک چلی گئی تھیں۔ لیکن پہاڑیوں سے ٹکرا کر آنے والی
ہوائیں یہاں تک پہنچ رہی تھیں اور ہڈیوں میں پیوست ہوتی جا رہی تھیں۔ دراڑ کئی دفعہ
مختلف سمتوں میں مُڑی اور میں اُس تنگ و تاریک راستے پر مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ کافی دُور
جانے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا جیسے اَب بلندیاں شروع ہو گئی ہوں۔ گویا میں نے تین میل
کا فاصلہ طے کر لیا تھا اور مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ میں نے بغیر کسی دقت کے یہ سفر کیسے
طے کر لیا؟ میں آگے بڑھتا رہا اور رات کی تاریکیاں اپنا سفر طے کرتی رہیں۔ پھر یوں ہوا
کہ صبح کا اُجالا نمودار ہونے لگا۔ بلاشبہ میں اپنے سفر کو حیرت انگیز سفر کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے
سفر کے طے ہونے کا کوئی احساس نہیں ہوا تھا۔ حالانکہ پوری رات مجھے اُن راستوں پر سفر
کرتے ہوئے گزری تھی۔ پھر جب روشنی نے جھانکا تو میں ایک ایسے علاقے میں موجود تھا
جہاں چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے ایک ٹیلے کی آڑ میں
کھڑے ہو کر دُور دُور تک نگاہیں دوڑائیں۔ جانے کیوں اَب بھی میرے ذہن میں یہ
احساس تھا کہ کچھ لوگ یہاں موجود ہیں۔ چنانچہ جب تک دراڑ میں سفر کرتا رہا تھا، اُس
وقت تک تو کوئی خاص احساس نہیں ہوا تھا۔ لیکن دِن کی روشنی میں اُس صاف ستھرے
علاقے میں پہنچ کر مجھے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اِسی طرح آگے
بڑھتا رہوں گا تو ہو سکتا ہے کہیں سے دیکھ لیا جاؤں۔ اور اَب میرے اندر اتنی سکت نہیں تھی
کہ باقاعدگی سے کسی فرد یا افراد کا مقابلہ کر سکتا۔

بدن کو تھکن کا احساس ضرور ہو رہا تھا۔ گزری ہوئی رات معمولی نہیں تھی۔ یہ میری
اعصابی قوت تھی یا پھر میں نے اپنے ذہن کو سوچوں کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا جس کی وجہ
سے یہ سفر مجھے محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن اَب جب کہ دن کی روشنی چمک آئی تھی تو یہ احساس
ہو رہا تھا کہ رات بھر کیا جانے والا سفر معمولی نہیں ہے۔ میں نے ایک ایسی چٹان منتخب کی جو
ایک سمت سے بالکل کھلی تھی اور میں اُس میں با آسانی سما سکتا تھا۔ اُس چٹان میں اپنا
ٹھکانہ بنانے کے بعد میں نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء نکالیں اور زہر مار کرنے کے بعد
آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ یہی ایک بہترین طریقہ تھا وسوسوں سے محفوظ
رہنے کا کہ میں سو جاؤں۔ اور اَب شاید مجھے اپنی قوتِ ارادی پر بھی کنٹرول کرنا آ گیا تھا
کیونکہ سونے کی یہ کوشش ناکام ثابت نہ ہوئی اور میں گہری نیند سو گیا۔ پھر اُس وقت جاگا
جب کہ شام کے دُھندلکے فضاؤں سے زمین پر اُتر رہے تھے۔ ایسی پُرسکون اور پُرلطف
نیند تھی کہ میں ذہنی اور جسمانی طور پر بالکل چاق و چوبند ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس بات کا
امکان نہیں تھا کہ مجھے اِس ویران علاقے میں بھی یہ چستی حاصل ہو سکتی ہے۔ بہر طور تھوڑا
بہت کھانے کے بعد میں پھر آگے بڑھ گیا اور اُن راستوں کو عبور کرنے لگا۔ طویل و عریض
میدان کو عبور کرنے میں بھی میں نے اُسی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میدان ختم تو نہیں ہوا تھا
لیکن اَب ذرا اُس کی ہیئت بدل گئی تھی۔ یہاں میں نے عجیب و غریب نوکیلی چٹانیں
دیکھیں۔ بس! یوں لگتا تھا جیسے پانچ فٹ، چھ فٹ اور زیادہ سے زیادہ آٹھ فٹ تک بلند مینار
تراش دیئے گئے ہوں۔ یقیناً یہ ہواؤں کی کاٹ تھی جس نے اُن چٹانوں کو یہ شکل دی تھی۔
اور چٹانیں پتلی کر کے ایسی ہیئت و اشکال بنا دی تھیں کہ بالکل مینار محسوس ہوتے تھے۔ اُن
میناروں کے بیچ سے گزرتے ہوئے بس! یوں احساس ہوتا تھا کہ جیسے ابھی عقب سے کوئی
ہلکی سی آواز کے ساتھ نکلے گا اور مجھے دبوچ لے گا۔ لیکن اس احساس کو بھی میں ایک عجیب و
غریب نام دینے پر مجبور ہوں جو نام ابھی تک میرے ذہن میں نہیں آیا۔ کیونکہ میرے اس
وسوسے کی ایک لمحے میں تصدیق ہو گئی تھی۔

دفعتہً ہی ایک مینار نما چٹان نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور خوف و دہشت سے میرا خون
رگوں میں منجمد ہو گیا..... میں نے دہشت کے عالم میں اُس جنبش کرتی ہوئی چٹان کو دیکھا
اور اچانک ہی اُس کے قریب کھڑی ہوئی چٹان کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اُنہوں نے اپنے

ے کسی خاص قسم کے لبادے اُتار پھینکے اور برق رفتاری سے میری جانب
...... میرے پورے بدن میں دہشت بھری ہوئی تھی اور میں شاید اعصابی طور پر ذہن
رانی سے محروم ہو گیا تھا۔ کیونکہ میرے ہاتھ پاؤں حرکت میں آ گئے تھے۔ اُن دونوں
یا چٹان نما میناروں نے مجھ پر خوفناک حملہ کر دیا..... اُن میں سے ایک کا گھونسا
پیٹ پر پڑا اور میں لرز کر رہ گیا۔ لیکن ساتھ ہی میرے ہاتھ پاؤں بھی حرکت میں آ
میں اسے سو فیصد اعصابی کوشش کہہ سکتا ہوں۔ یا اس سے پہلے بھی راعمیس نے یہ
کی تھی، جب کہ اُس وقت میں اُس کی کسی مدد کا منتظر نہیں تھا۔ میں نے سامنے والے
ہاں ہاتھ پکڑ کر آگے جھٹکا دیا۔ جھٹکا اتنا شدید تھا کہ وہ چاروں شانوں پر چت گرا۔ اس
پر تماشہ یہ کہ میں نے اپنے قریب کھڑے ہوئے شخص کو اُٹھا کر اُس پر دے مارا تھا۔
طور پر یہ عمل میں اپنے ہوش و حواس کے عالم میں نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن میرے ہاتھ
برق رفتاری سے اپنا فرض انجام دے رہے تھے۔ دفعتہً ہی کچھ اور چٹانیں بھی اپنی
ے جنبش میں آئیں..... سب سے زیادہ حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ میں اُس جگہ ایسی
نما چٹانوں کا پورا شہر آباد دیکھ چکا تھا۔ اگر یہ سب ہی انسان تھے اور میناروں کی شکل
لبادے اوڑھ کر کھڑے ہو گئے تھے تو یہ سب مل کر تو میری چٹنی بنا سکتے تھے۔ لیکن باقی
یں اسی طرح موجود تھیں۔

وہ دونوں آدمی جو مسلسل مجھ سے جنگ کر رہے تھے، اپنی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ
طرح مجھ پر قابو پا لیں۔ لیکن میں اس وقت چھلاوا بنا ہوا تھا۔ ایک دوسرے آدمی نے
میں مداخلت کی۔ وہ غالباً کسی چٹان کے عقب سے آیا تھا۔ یہ تیسرا آدمی بہت ہی تنومند
آ نظر آتا تھا۔ اُس نے آتے ہی مجھ پر چھلانگ لگائی اور چاہا کہ مجھے قابو کر لے۔ لیکن
وقت میرا بیٹھ جانا میرے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ وہ میرے سر پر سے گزر کر
ی جانب جا گرا تھا۔ میں پھرتی سے اُس کی طرف بڑھا اور پوری قوت سے ایک ٹھوکر
کی پسلی پر رسید کی۔ اُس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی تھی۔ لیکن مجھے بھی ایسا ہی محسوس
جیسے میرے پنجوں کی اُنگلیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ وہ اتنے ہی ٹھوس بدن کا مالک تھا۔ میری
ٹھوکر سے اُسے تھوڑی سی تکلیف تو ضرور محسوس ہوئی لیکن وہ ایک کروٹ بدل کر سیدھا
کھڑا ہو گیا اور مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ اس بار اُس نے میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر میری گردن

پر دونوں ہاتھ ٹکا دیئے تھے۔ میں اس حملے سے بچنے کے لئے اپنے حواس مجتمع کر رہا تھا کہ اُس کے وزن کو برداشت نہ کرتے ہوئے میں اوندھا زمین پر گرا۔ اور اس بار بھی یہ ایک لاشعوری ہی کوشش تھی جس سے مجھے گلوخلاصی حاصل ہوئی۔ یعنی میں زمین پر گرا تو وہ اُچھلتا ہوا ایک چٹان سے جا ٹکرایا۔ اُس کے حلق سے پھر ایک دھاڑ نکلی اور میری گھگھی بندھ گئی۔ اُس کا چہرہ خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ دوسرے لمحے اُس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور آنکھوں سے خون پونچھتا ہوا میری جانب بڑھا۔ میں نے ہونٹ بھینچ کر ایک زوردار لات اُس کی ٹھوڑی پر جڑ دی اور وہ پھر اُچھل کر دُور جا گرا اور کافی دُور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ایک جگہ سنبھلنے کے بعد اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر میں چھلانگ لگا کر اُس تک پہنچ گیا اور اس بار میں نے اُس پر لاتوں کی بارش کر دی تھی۔ چہرے سے خون ٹپک رہا تھا اور حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ پھر ایک خونخوار غراہٹ مجھے سنائی دی.....

''پیچھے ہٹ جاؤ..... پیچھے ہٹ جاؤ! ورنہ تمہارے بدن میں سوراخ ہی سوراخ ہوں گے۔'' یہ آواز کسی عورت کی تھی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو اُس جیسی ہی ایک تنومند عورت میرے سامنے ایک خاص قسم کی رائفل لئے کھڑی تھی۔ وہ جوان، دلکش، خوبرو اور عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اُس کے بال سیاہ اور چمکدار تھے اور شانوں سے نیچے تک بکھرے ہوئے تھے۔ میرا شکار کافی مضمحل ہو گیا تھا۔ عورت نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل سے اِشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''دس قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ اپنی زندگی نہیں بچا سکو گے۔''

''میں کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ لیکن تم جانتی ہو کہ اِن لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔''

''پیچھے ہٹ جاؤ! ورنہ مارے جاؤ گے۔'' عورت پھر اُسی انداز میں غرائی اور میں اُس کی ہدایت پر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

میرا زخمی شکار اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اَب اُس کے حلق سے غراہٹیں نکل رہی تھیں۔ ''میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''اوہ..... نہیں ڈاک! اسے زندہ ہی گرفتار کرنا ہے۔ تم جانتے ہو کہ یہ ہمارے لئے معلومات کا بہترین ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔''

میں نے محسوس کیا کہ اُس شخص کی کیفیت میں کسی قدر تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ عورت نے ں کی نال لہراتے ہوئے کہا۔ ''اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر بیٹھ جاؤ اور اپنی تلاشی ''

میں نے اُس کی اس ہدایت پر بھی عمل کیا اور دو آدمی، عورت کی ہدایت پر آگے بڑھ کر تلاشی لینے لگے۔ اَب میں نے محسوس کیا کہ اُن کی تعداد چھ سات کے قریب ہو گئی اُنہوں نے میرے لباس میں سے ہر چیز نکال لی اور میں اُسی طرح بیٹھا رہا۔ میرے ں طرف کھڑے ہوئے آدمی خونخوار نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے اور میں شی سے ہونٹوں پر زبان پھیر کر اُس عورت کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ عورت نے چند لمحات شی اختیار کی۔ پھر رائفل ہلاتی ہوئی بولی۔

''چلو..... آگے بڑھو!''

''م..... مگر میں.....''

''چلو! جو کچھ کہا جا رہا ہے، وہ کرو۔ ورنہ اپنی زندگی نہیں بچا سکو گے۔''

میں نے چار و ناچار آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ گرفتاری میرے لئے واقعی بہت ب ناک تھی۔ ابھی تو میں نے اپنے کسی کام کا آغاز بھی نہیں کیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ اَب لسلے میں کیا کروں؟ اُن لوگوں کے سوالات کا کیا جواب دُوں؟ بلاشبہ یہ حکومت کے ئان ہی ہو سکتے تھے۔ لیکن جس انداز میں یہ میرے استقبال کے لئے چٹانوں کی شکل تیار کئے موجود تھے، وہ بھی باعث حیرت تھا۔ غالباً اُنہوں نے دُور ہی سے مجھے دیکھ لیا ہو اور یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں خطرناک آدمی ہوں۔ کیونکہ میرے ہاتھ میں اسٹین گن دود تھی۔ اس لئے براہِ راست تو وہ مجھ پر حملہ کرنے کی جرات نہیں کر سکے۔ اُنہوں نے دھوکے ہی سے چھاپ لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اَب اسٹین گن بھی میرے ہاتھوں سے نکل ئی تھی۔ اور میں پوری طرح سے اُن کے قبضے میں تھا۔ وہ لوگ مجھے لئے ہوئے آگے تے رہے اور چٹانوں کا یہ سلسلہ عبور کرنے کے بعد ایک ایسے پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچ جس میں غار نظر آ رہے تھے۔ اُنہوں نے ایک غار کے دہانے ہی کا رُخ کیا تھا۔ غار ر سے بہت کشادہ تھا اور وہاں مشعلیں روشن تھیں۔ ورنہ شاید ان غاروں میں دن کے قت بھی تاریکی ہی رہتی ہوگی۔ مجھے یہاں لانے کے بعد ایک دیوار کے قریب لیجایا گیا۔

دیوار میں کڑے گڑے ہوئے تھے اور اُن میں رسیاں نظر آ رہی تھیں۔ میرے دونوں ہاتھ کڑوں میں پڑی ہوئی رسیوں سے باندھ کر مجھے ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ مجھے یہاں لانے والی وہ عورت جو شکل وصورت سے کافی خونخوار نظر آ رہی تھی، تیکھی نگاہوں سے مجھے گھورنے لگی۔ پھر اُس نے سرد لہجے میں کہا۔

''سنو حکومت کے جاسوس کتے! اِن علاقوں میں تم نے داخل ہو کر بڑی جرات مندی کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن اَب تم یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔ زندگی کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمیں سب کچھ تفصیل سے بتا دو کہ تم یہاں کیوں آئے تھے؟ اور تمہیں کس کی تلاش تھی؟ اور تمہارے مددگار کون کون ہیں؟ اور کون کون سے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں؟ اگر ہمیں یہ تفصیلات معلوم ہوگئیں اور تمہاری نشاندہی پر ہم اُن تمام جاسوسوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھ لو کہ تمہیں زندگی دی جا سکتی ہے۔ لیکن ایک قیدی کی حیثیت سے۔''

''حیرت کی بات ہے، نہ میں حکومت کا جاسوس ہوں اور نہ میرے ساتھ کچھ اور لوگ موجود ہیں۔ تم میرے بارے میں جس طرح چاہو، تصدیق کر سکتی ہو۔ میں یہاں ایک مقصد کے تحت آیا تھا اور مجھے شیلڈ اسٹون میں داخل ہونا تھا۔''

''کیوں.....؟'' عورت نے غراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

وہ شخص عقب میں اُس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا، جس کی مرمت میرے ہاتھوں ٹھیک ٹھاک طریقے سے ہوگئی تھی اور جس کا چہرہ اَب بھی زخمی تھا۔ بس! اُس نے خون صاف کر کے اُس پر ایک پٹی کس لی تھی۔

''اس سلسلے میں، میں شاید تمہیں زیادہ تفصیلات نہ بتا سکوں۔ بس! یہاں ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اور یوں سمجھو کہ اس طرف کا رُخ میں نے اُسی کی تلاش میں کیا تھا۔''

''کون تھا وہ.....؟'' عورت نے سوال کیا اور میں نے مطلوبہ نام بحالت مجبوری اُس کے سامنے دُہرا دیا۔ ظاہر ہے اس وقت زبان بند رکھنے کا مطلب تھا موت۔ لیکن یہ نام میری زبان سے سن کر عورت چونک پڑی۔ اُس نے اپنے عقب میں کھڑے ہوئے شخص کو دیکھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور وہ شخص غراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بکواس کرتا ہے یہ..... بالکل بکواس۔''

''نہیں دوست! میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اور اس سلسلے میں تم جس طرح چاہو، تصدیق کر لو۔ اگر میری بات غلط نکل آئے تو جو سزا تم دو گے، مجھے قبول ہوگی۔''

''لیکن تم اُس سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟''

''شیلڈ اسٹون میں داخل ہو کر ڈین گاربو کے خلاف کام کرنے کے لئے۔'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔ اَب ظاہر ہے، اس مصیبت میں آ پھنسا تھا۔ چنانچہ فضول باتیں کرنے سے کچھ نہ حاصل ہوتا۔

''کس کے ایماء پر.....؟''

جواب میں، میں نے اُن لوگوں کے بارے میں بھی تفصیلات بتا دیں اور اَب عورت کے چہرے کے نقوش حیرت میں تبدیل ہونے لگے تھے۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''زیمبوکا۔''

''کیا.....؟'' وہ حیرت زدہ انداز میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''اوہ نو..... تو! یہ..... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ زیمبوکا..... زیمبوکا تو کسی اور ہی راستے سے آنے والا تھا۔''

''میں اُسی راستے سے اِس طرف آ رہا تھا۔ لیکن تم اس بارے میں کیا جانتی ہو؟''

''آگے کہو..... آگے کہو!''

''میری لینڈ روور، جہاز سے گولیاں چلا کر تباہ کر دی گئی اور اس کے بعد میں بمشکل بچا کر یہاں تک پہنچ سکا ہوں۔''

''اور تمہیں اُس سے ملنا تھا۔'' عورت کے منہ سے ایک سسکی سی نکلی۔

''ہاں.....''

''میڈم ٹوریسا! کیا یہ وہی نام نہیں ہے جس کے بارے میں ہمیں تفصیلات بتائی گئی تھیں؟'' قریب کھڑے ہوئے شخص نے کہا۔

''سو فیصد وہی۔ زیمبوکا..... زیمبوکا۔ ہاں! یہی نام تو ہمیں بتایا گیا تھا۔ اوہ ڈاگ! کاش یہ وہی شخص نہ ہو۔'' عورت نے کہا۔ اور پھر آہستہ سے بولی۔ ''شیلڈ اسٹون میں تم

ڈین گاربو کے خلاف کیا عمل کرنا چاہتے تھے؟''

''چونکہ اَب میں تم لوگوں کے قبضے میں آ چکا ہوں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ تمہارے چنگل سے آسانی سے نکلنا ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ یہ بات بتانے میں، میں عار نہیں محسوس کرتا کہ مجھے ایک دستاویز کی تلاش تھی جو ڈین گاربو نے کسی بت میں محفوظ کر دی ہے۔''

''ڈین گاربو نے.....؟'' عورت نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

''ڈین گاربو نے نہیں بلکہ ایک ایجنٹ نے جو وہاں پھنس گیا تھا اور دستاویز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اُسے وہاں سے لا نہ سکا اور اُس نے وہ دستاویز مجسموں کے درمیان چھپا دی۔''

''آہ! یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں ہے۔ سو فیصد! اوہ مائی گاڈ..... مائی گاڈ! پھر تو واقعی تمہارے ساتھ سخت زیادتی ہوگئی۔''

''کیوں.....؟''

''اس لئے کہ میں اُس شخص کی بیوہ ہوں جس سے ملنے کے لئے تم یہاں آئے تھے۔''

''کیا مطلب..... کیا وہ..... کیا وہ ہلاک ہو گیا؟''

''ہاں! اَب سے تین روز قبل اُسے ہلاک کر دیا گیا۔ اور یہ سب کچھ سرکاری کتوں نے کیا ہے۔ میں اُن سے انتقام لینے کے لئے تڑپ رہی ہوں۔ بے چین ہوں میں۔ اور میں نہیں جانتی تھی کہ تم..... تم..... میں اَب تم سے معافی مانگنے میں حق بجانب ہوں۔ ڈاگ! اس کے ہاتھ کھولو۔''

اُس شخص نے آگے بڑھ کر جلدی سے میرے ہاتھ کڑوں سے نکال دیئے اور میں اپنی کلائیاں مسلنے لگا۔

''مگر تم نے..... واقعی تمہارا کہنا بھی درست ہے۔ تمہیں مجبوراً ہی راستہ تبدیل کرنا پڑا ہوگا۔ ہم تمہارا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ یہ میرا ساتھی اور میرے شوہر کا بھائی ایلن ڈاگ ہے۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے قتل کا انتقام لے گا۔ ہم سب جوشِ انتقام سے دیوانے ہو رہے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ تم ہمارے دوست ہو۔ مسٹر زیبو! ہم واقعی تم سے معافی چاہتے ہیں۔''

اب یہ سب کچھ چونکہ غلط فہمی کی بنیاد پر ہوا تھا اور مجھے اس بات کی خوشی ہے میں ہیں آنا چاہتا تھا، وہاں پہنچ گیا۔ اس لئے معافی وغیرہ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں ہی ہوں کہ مجھے آپ لوگوں تک پہنچنا نصیب ہوا۔''

ن کے بعد یہاں کی صورت حال ہی تبدیل ہوگئی۔ اُنہوں نے مجھے اُس غار سے ملحق ور غار میں لے جا کر آرام سے بٹھایا اور میرے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرنے

جھ جیسے کسی شخص کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جسے آنے والے کسی لمحے کی کوئی خبر ویسے تو یہ بات سبھی پر صادق آتی ہے کہ کسی بھی شخص کو مستقبل کا حال نہیں معلوم لیکن بہرحال! آپ ایک راستہ اختیار کرتے ہیں اور آپ کے سامنے ایک منزل ہوتی آپ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ جلد یا بدیر یا چھوٹے موٹے حادثے سے گزرنے بعد آپ اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ لیکن وہ شخص جس کے سامنے نہ کوئی خاص منزل اُس کی زندگی کا کوئی خاص مقصد ہو۔ بس! وہ آنے والے ہر لمحے کے ہاتھوں میں فٹ بال ہوا ہو، اپنے بارے میں کیا سوچ سکتا ہے؟ میں جن مراحل سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہوں زبردستی پہنچایا گیا تھا، مصیبتوں میں گرفتار ہوا تھا اور یہ سب کچھ اس انداز میں ہو رہا ایک لمحے کے لئے بھی وہ نہیں کر سکتا تھا جو میرے اپنے ذہن میں ہوتا۔ چنانچہ اب اس انداز میں پہنچا تھا اور میرے آگے شیلڈ اسٹون تھا۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ رہنما ہوں گے۔ لیکن اصل شخص جس کی نشاندہی مجھے کی گئی تھی، مارا جا چکا تھا۔ اور میں اُن لوگوں کے رحم و کرم پر تھا جو ڈین گاربو سے انتقام لینے کے خواہش مند تھے۔ یہ تھا کہ آگے اس سلسلے میں تقدیر کون کون سے گلدستے لئے میری راہ میں کھڑی

☆.....☆.....☆

تقدیر کے یہ گلدستے اب میری عادت بن چکے تھے اور ان تحفوں کو وصول کرنے کا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ زندگی کی صبح ہنگاموں کے ساتھ طلوع ہوتی اور شام ہنگاموں میں ختم ہو جاتی تھی۔ اگر رات کو بھی ذہن کو مصروف رکھا جائے تو اس سے زیادہ احمقانہ بات اور کون سی ہو سکتی ہے؟ فرصت کے جو بھی لمحات ملیں، انہیں اپنی ملکیت سمجھ کر ان سے پورا پورا استفادہ کرنا چاہئے۔ چنانچہ مجھے اُس غار میں تنہا چھوڑ دیا گیا اور اس مقصد کے تحت کہ میں آرام کروں تو پھر مجھے کیا ضرورت تھی کہ ان اُلجھنوں میں، میں اپنے دماغ کو کھپاتا؟ اُلجھنوں کا آغاز تو صبح کی روشنی کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ کم از کم صبح کی روشنی تک کے لئے تو اپنے ذہن کو صاف رکھا جائے۔ کھانے پینے کی جو اشیاء مجھ تک پہنچائی گئیں، وہ نفاست کی حامل تھیں۔ گو یہ لوگ اپنے حلیوں سے وحشی معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے یہ بات تو میں بھی جانتا تھا کہ وہ وحشی النسل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے مدعا کے لئے اُنہوں نے یہ وحشت خیزی اختیار کی ہے۔ وہ شخص، جس سے ملاقات کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا اور جس کے سپرد یہ ذمہ داری تھی کہ وہ مجھے شیلڈ اسٹون تک پہنچائے، مارا جا چکا تھا اور اُس کی بیوی عیش کی بانسری بجا رہی ہے۔ ذہن نہ جانے کب تک ایسی ہی احمقانہ باتوں میں بھٹکتا رہا اور جو چیزیں میرے سامنے آئیں، وہ میرے معدے میں اُترتی رہیں۔ خیالات کی رو میں بھٹک کر غالباً ضرورت سے زیادہ کھا گیا تھا۔ اور پھر جب پلیٹوں کی صفائی ہو گئی تو احساس ہوا کہ وہ چیزیں جو میں اپنے معدے میں اُتار چکا ہوں، مقدار میں بہت زیادہ تھیں۔ تب معدے میں گرانی کا احساس ہوا۔ بہرطور! میں تو احساسات سے دُور ہی رہنا چاہتا تھا۔ البتہ معدہ مسلسل احساسات کا شکار رہا اور رات کو بے خوابی کی سی کیفیت رہی۔ مگر رفتہ رفتہ نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

صبح کو غاروں کی پتھریلی دیواریں نگاہوں کے سامنے آئیں تو دل ہی دل میں لاحول

ں۔ کاش کوئی ایسی صبح بھی ہوتی جب میں کوئی ایسا حسین منظر دیکھتا جس سے یہ احساس ہ کہ اب میں موت کی ان ہولناک وادیوں سے نکل آیا ہوں اور زندگی کے جدید ستوں پر گامزن ہوں۔ لیکن وہ سورج شاید ہمیشہ کے لئے مغرب میں غروب ہو گیا تھا، جو ری تقدیر میں روشنیاں طلوع کرنے کا باعث بنتا۔ دیر تک کسی حسرت نصیب کی طرح غار پتھریلی دیواروں کو تکتا رہا۔ اور اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس لے کر اُٹھ بیٹھا۔

تھوڑی دیر چہل قدمی کرتا رہا۔ پھر ایک بھدی صورت کے منحوس آدمی کا دیدار ہوا، جس مجھے ضروریات زندگی سے فراغت کا راستہ دکھانے کی پیشکش کی اور میں سوچنے لگا کہ صبح کا آغاز اس مکروہ صورت سے ہوا ہے، اس کی شام کیسی ہو گی؟ مگر جانا تو تھا ہی۔ اُس کے ساتھ چل پڑا اور اُس نے مجھے وہ جگہیں دکھا دیں جہاں زندگی کے نہ رُکنے لے معمولات سے نمٹنا پڑتا ہے۔

میں تھوڑی دیر کے بعد واپس اپنے غار میں پہنچ گیا اور ابھی اندر داخل ہوا ہی تھا کہ پھر آدمی آ گئے اور اُنہوں نے بتایا کہ مجھے ناشتے کے لئے طلب کیا گیا ہے۔ میں دل ہی دل سوچنے لگا کہ ان وحشیوں میں مہذب زندگی کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ جس جگہ پہنچا وہاں لکڑی کی ایک بھدی سی میز پڑی ہوئی تھی۔ اور اُس میز کے پیچھے پڑی ہوئی ریوں میں سے ایک پر میڈم ٹوریسا، ہاں! یہی نام لیا گیا تھا اُس وحشی بلی کا جو عورت ے زیادہ بلی محسوس ہوتی تھی اور اُس کتے کا جس کا نام اصل میں ایلن ڈاگ تھا، دیدار دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا اور میز پر کھانوں کی قابیں ڈھکی ہوئی رکھی یں۔ دونوں نے مسکراتے ہوئے استقبال کیا اور میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ خونخوار بلی اپنی نکھوں میں زمانے بھر کی دلکشی سمیٹ کر مجھے دیکھنے لگی۔ اُنہوں نے مجھ سے ناشتے کے کہا تو میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ رات ہی سے طبیعت پر کچھ گرانی ہے اس ان کے ساتھ صرف کافی یا چائے پیوں گا۔ اور اُنہوں نے میری بات تسلیم کر لی۔ ایلن خاموش تھا جبکہ میڈم ٹوریسا مسلسل مسکراہٹیں بکھیر رہی تھی۔

مسٹر زیمبوکا! اب جب ہم آپ سے ملاقات کا تصور کرتے ہیں تو یقین کیجئے ذہن عجیب و غریب تاثر پیدا ہو جاتے ہیں۔ اتنی بڑی شخصیت اور ہم اس سے اس انداز میں ہم تو بڑی شدت سے آپ کے استقبال کے لئے تیار تھے۔ لیکن یہ بھی جانتے تھے کہ

اَب جو مشکلات راہ میں آ گئی ہیں، وہ آپ کو آسانی سے ہم تک نہیں پہنچنے دیں گی۔ میرا
شوہر بہت احتیاط سے اپنے تمام کام انجام دے رہا تھا۔ لیکن خدا غارت کرے اُس ڈین
گاربو کو جس نے ایک انوکھی چال چل کر مقامی حکومت کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ یقیناً
آپ کے ذہن میں یہ بات اُلجھی ہوئی ہو گی کہ آخری مقامی حکومت جس کی وجہ سے ڈین
گاربو نے شیلڈ اسٹون کے علاقے کو باغیوں کا گڑھ بنا لیا، ڈین گاربو سے کیسے مل گئی؟ تو
اس سلسلے میں آپ ہی نہیں بلکہ ہر شخص حیران ہے کہ آخر ڈین گاربو نے وہ کون سی چال چلی
جس سے مقامی حکومت اُس کے ہاتھوں بلیک میل ہونے لگی؟ میں اسے بلیک میلنگ ہی
قرار دُوں گی۔ کیونکہ حکومت کا رویہ کچھ اِسی قسم کا ہے جیسے وہ ڈین گاربو سے نفرت تو کرتی
ہو، لیکن اُس کے خلاف کسی اقدام سے گریز بھی کر رہی ہو۔ ہم اس بات کا پتہ چلانے میں
ناکام رہے ہیں کہ حکومت کی اس لچک کا سبب یا وجہ کیا ہے؟ لیکن اس کے انجام دینے کے
باوجود ہمیں اپنے کام میں کوئی پس و پیش نہیں ہے۔ اور مسٹر زیمبوکا! جس مقصد کے لئے
میرے شوہر نے اپنی زندگی قربان کی ہے، اس کی تکمیل کے لئے آپ ہمارے ساتھ شامل
ہوئے، چنانچہ ہمارا ہر تعاون آپ کے ساتھ ہے۔''

ایلن ڈاگ نے میز پر زوردار گھونسا مارتے ہوئے کہا۔ ''اور میری زندگی کا مقصد اپنے
بھائی کا انتقام لینا۔ میں..... میں اُس کتے کو اپنے دانتوں سے چبا جاؤں گا۔''

میں نے چونک کر ایلن ڈاگ کی طرف دیکھا۔ کتے تو کتوں سے لڑتے ہی رہتے ہیں۔
وہ اپنے نام کی مناسبت سے اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے میڈم ٹوریا
اُس بے وقوف آدمی کو کوئی حیثیت نہ دیتی ہو۔ نہ تو وہ اُس کی باتوں پر تبصرے کرتی تھی اور
نہ ہی اُس پر کوئی خاص توجہ دیتی تھی۔ وہ میری جانب متوجہ رہی۔ میں کافی کے گھونٹ لیتا
رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے ٹوریا سے پوچھا۔

''شیلڈ اسٹون کے لئے جو راستے جاتے ہیں، ہم اُن کے سلسلے میں کیا کریں گے؟''

''کچھ نہیں۔ شیلڈ اسٹون کا راستہ اَب اتنا دشوار گزار نہیں رہا ہے۔ دراصل بعض کام خود
بخود ہو جاتے ہیں۔ حکومت نے ایسے راستوں پر پہرے بٹھائے ہیں جن سے عام لوگ
گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن جب ایسی صورت حال پیش آ جاتی ہے تو کچھ نئے
راستے خود بخود دریافت ہو جاتے ہیں اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ ایلن ڈاگ نے

راستے دریافت کئے ہیں جو مشکل ضرور ہیں لیکن اُن سے گزر کر بہرطور! ہم شیلڈ
اسٹون تک پہنچ سکتے ہیں اور اس میں داخل ہونے کے بعد ہمیں ڈین گاربو کی رہائش گاہ تک
رسائی حاصل کرنے میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔''

''ہوں! شیلڈ اسٹون تک جانے والے راستوں کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟'' میں
نے سوال کیا۔

''اس سوال کا جواب میں دُوں گا۔ ہم نے ایسی چھوٹی چھوٹی سرنگیں بنا لی ہیں جن سے
ایسی جگہوں پر عام نگاہوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں جو کھلی ہوئی ہوں۔ باقی رہیں وہ جگہیں
جہاں گھنے جنگل اور ایسے دُشوار گزار راستے ہیں تو اُن پر نگاہ رکھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی
گئی۔ وہاں ہم اپنا یہ سفر با آسانی جاری رکھ سکیں گے۔''

''اور شیلڈ اسٹون تک کے اس سفر کا اصل رقبہ کیا ہے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ اس کی
مسافت کتنی ہے؟''

''یہاں سے تقریباً چھ میل کا فاصلہ طے کرنا ہو گا۔ اور اس کے بعد ہم اُس بستی میں
داخل ہو جائیں گے جو ڈین گاربو کی بستی ہے۔''

''خوب! اور اس سفر کا آغاز کب کرنا ہے؟''

''اس کے لئے صرف آپ کا انتظار ہے مسٹر زیمبوکا! کیونکہ جن لوگوں نے آپ کو تمام
دستاویزات کے ساتھ بھیجا ہے، وہی اس بات کی صحیح نشاندہی کر سکتے ہیں کہ وہ دستاویز کہاں
[...]لتا ہے؟ غالباً اَب ڈین گاربو بھی اُن کے بارے میں صحیح طور پر نہیں جانتا۔ اور اُس نے
حکومت سے ربط و ضبط صرف اسی لئے بڑھایا ہے کہ اَب دستاویزات تو اُس کے ہاتھ سے
نکل گئی ہیں، حکومت میں شمولیت کر کے کم از کم آئندہ کے لئے اپنی زندگی ہی بچا لے۔
بہت چالاک انسان ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔'' میڈم ٹوریا نے کہا اور میں
آہستہ سے گردن ہلانے لگا۔

میں نے اپنی طرف سے کوئی پروگرام نہیں پیش کیا۔ وہ خود ہی شیلڈ اسٹون تک کے لئے
پروگرام بناتے رہے اور میں اُن پر آمادگی کا اظہار کرتا رہا۔ کیسے کہتا اُن گدھوں سے کہ
میری شخصیت ہی کچھ اور ہے۔ ایلن ڈاگ اس سلسلے میں بہت پُر جوش تھا۔ اور اُس نے
منصوبوں کی تفصیل مجھے بتائی۔ بعض جگہ میں نے اُس سے بھی اتفاق کیا تھا۔ اُس نے

کہا۔

''چھ اور سات میل کے اس سفر کو ہم بہت آہستگی سے طے کریں گے۔ ہمارے ساتھ کافی افراد ہوں گے۔ یہ سب کے سب پوری طرح مسلح ہیں۔ میں نے اُن راستوں اور اس بستی میں ڈین گاربو کی رہائش گاہ تک پہنچنے کے لئے بڑے جامع اور مکمل نقشے تیار کئے ہیں۔ ان کی مدد سے ہم اپنا ایک ایک انچ کا سفر اپنے بہترین دفاع کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ بس! شرط یہی ہے کہ راستے میں ہمیں حکومت کے آدمی نہ دیکھنے پائیں۔ اور اس کے لئے میں نے ایک اور طریقہ کار دریافت کیا ہے۔''

''وہ کیا؟''

''وہ یہ کہ ہم دن کی روشنی میں باہر کا سفر کریں گے اور رات کی تاریکی میں سرنگوں کا۔''

''تمہارے اس منصوبے پر نہ مجھے کوئی اعتراض ہے ایلن ڈاگ! اور نہ ہی میرا خیال ہے کو ہو گا۔ کیونکہ ذمہ داری تو ہم لوگوں کے سپرد ہے کہ مسٹر زیمبوکا کو بحفاظت شہ اسٹون تک پہنچا دیا جائے۔ اب یہ آگے مسٹر زیمبوکا، کا کام شروع ہو گا کہ وہ کس طرح اُن دستاویز کے حصول کے لئے اپنی کوششوں کا آغاز کریں۔ ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ اس دوران ڈین گاربو کے آدمیوں کو اپنے آپ میں اُلجھائے رکھیں۔ تاکہ زیمبوکا کو اپنا کام کرنے کا بہتر موقع فراہم ہو سکے۔'' میڈم ٹوریسا نے کہا۔

میں اس گفتگو کو غور سے سن رہا تھا۔ مجھے جو اطلاعات فراہم کی گئیں، اُن کے تحت یہ بات صرف میرے علم میں تھی کہ اُس ایجنٹ نے جسے پہلے ڈین گاربو کے سلسلے میں مصروف عمل کیا گیا تھا، دستاویز کسی سنگی مجسمے میں چھپا دی تھی۔ اور یقیناً ڈین گاربو کا بُت کدہ تلاش کرنا مشکل کام نہ ہو گا۔ گویا میرے کام کا آغاز اُسی وقت ہوتا تھا جب مجھے بحفاظت ڈین گاربو کی رہائش گاہ تک پہنچا دیا جائے اور یہ ذمہ داری اُن لوگوں کی تھی۔ میں نے یہ سب کچھ ذہن سے قبول تو کر ہی لیا تھا۔ اَب باقی کام اُن لوگوں کا تھا۔ صلاح و مشورے میں کوئی حرج بھی نہیں تھا، مجھے ہاں یا ہوں ہی کرنا پڑتا۔ یہ سارا مسئلہ اُسی دن ہی طے ہو گیا۔ ایلن ڈاگ اور میڈم ٹوریسا اس سلسلے میں بہت پُرجوش تھے۔ درحقیقت مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ اُن کے اپنے کون سے مفادات اس سلسلے میں کارفرما ہیں اور وہ کیوں اتنی دلچسپی سے ڈین گاربو کے خلاف کام کر رہے ہیں؟ اور نہ ہی میں نے یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی

میرے ذہن سے اَب یہ تجسس تو تقریباً ختم ہی ہو گیا تھا۔ بس! ایک مشینی عمل میرے وجود میں زندہ رہ گیا تھا۔

ایلن ڈاگ اور ٹوریسا غالباً سفر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ البتہ رات کے کھانے پر مجھے بلایا گیا تو ایلن ڈاگ موجود نہیں تھا اور ٹوریسا نے کھانے کے اُس غار میں میرا استقبال کیا جس میں صبح ناشتے پر بلایا گیا تھا۔

میڈم ٹوریسا شاید مجھ سے کچھ اور گفتگو کرنا چاہتی تھیں۔ میڈم ٹوریسا میری ضیافت کرتی رہیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے کہا۔ ''مسٹر زیمبوکا! آپ کے بارے میں جو پُراسرار کہانیاں مشہور ہیں، بلاشبہ عجیب و غریب نوعیت کی حامل ہیں۔ میں ذاتی طور پر بھی آپ سے ملنا چاہتی تھی۔''

''میرا خیال ہے ہم ذاتی طور پر ہی مل رہے ہیں۔''

''ہاں! جب میرا شوہر زندہ تھا تو میں سمجھتی تھی کہ سارے معاملات اُسی کی ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن اَب وقت نے لاتعداد ذمہ داریاں میرے کندھوں پر ڈال دی ہیں۔ آپ ایک بات بتایئے! کیا میں اس قابل ہوں کہ ساری ذمہ داریاں اُٹھاؤں؟''

''قطعی نہیں.....'' میں نے وہی کہا جو وہ مجھ سے کہلوانا چاہتی تھی۔ بھلا مجھے کیا غرض پڑی تھی کہ کسی سے کوئی اختلاف کرتا جب تک بات میری جان پر نہ بن جائے۔ لیکن یہ اقرار بھی جان پر ہی بن گیا تھا۔ کیونکہ میرے اس جواب سے میڈم ٹوریسا بہت خوش ہو گئی۔ اس نے پُرمسرت انداز میں اپنی کلائی میرے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

''مسٹر زیمبوکا! میں زندگی کی لطافتوں سے بہت دُور رہی ہوں۔ میں..... میں نے زندگی کو ایک ہی رنگ میں دیکھا ہے۔''

''زندگی کا تو ایک ہی رنگ ہے ٹوریسا!'' میں نے جواب دیا۔

''ہرگز نہیں۔ مجھے تم سے اختلاف ہے۔ انسان بعض اوقات اپنی مجبوریوں کے ہاتھوں اپنی اصل شخصیت سے دُور ہٹ جاتا ہے۔ اَب مجھے دیکھو! میں نے زندگی میں شاعری کی۔ بہت اچھے شاعروں کو پڑھا، اُن کی نظموں اور غزلوں پر غور کیا ہے۔ لیکن مجھے کیا دیا گیا؟ یہ جنگ و جدل، یہ خون ریزی..... اور..... اور.....''

''ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔'' میں نے اپنی کلائی اُس کی مضبوط گرفت سے چھڑاتے

ہوئے کہا اور وہ مسکرانے لگی۔

''میں آپ سے آپ کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ اور اس کے لئے آج ہماری نشست رہے گی۔''

میرے اوسان خطا ہو گئے۔ یہ نشست صرف نشست ہی ہو گی یا..... یا...... میں نے سوچا۔ لیکن تقدیر کا لکھا ہو کر ہی رہتا ہے۔ نشست صرف نشست نہ رہی۔ بلکہ یہ نشست ایک طویل نشست ثابت ہوئی۔ اُنہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ایلین ڈاگ راستے ہموار کرنے گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ راستے خود میڈم ٹوریسا نے ہموار کئے۔ اور مجھ جیسے مجبور آدمی سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ ہاں! میں اَب اسے یہی الفاظ دوں گا۔ میری اپنی مرضی اور میرے اپنے تصورات شاید اَب ہمیشہ کے لئے سورج کی طرح غروب ہو گئے ہیں۔ اور مجھے دوسروں کی مرضی ہی کے مطابق عمل کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ مجھ سے بہت سے مشورے لئے گئے اور میں بحالت مجبوری یہ مشورے دیتا رہا۔ رات کے نجانے کون سے پہر ہوا نصیب ہوا تھا۔

دوسری صبح ایلین ڈاگ نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ اُس سفر کا آغاز ہو گیا جس کے سلسلے میں نہ مجھے کوئی دلچسپی تھی اور نہ میرے دل میں کوئی اُمنگ۔ میرے دل میں ایک انجانا سا خوف بھی تھا کہ جن راستوں پر میں سفر کر رہا ہوں، میں زندہ سلامت ڈین گاربو تک پہنچ پاؤں گا یا نہیں؟ لیکن شکر تھا کہ اس ہولناک سفر میں میرے تحفظ کے علاوہ اور کچھ نہ کیا گیا۔ یہ تحفظ تو ایلین ڈاگ بھی کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ دونوں یہ بات جانتے تھے کہ دستاویز صرف میرے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے۔ نجانے اس خیال کے اُن کے ذہن میں بیٹھ جانے کی وجہ کیا تھی؟ اس بارے میں اُن میں سے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ سفر کا طریقہ کار وہی تھا۔ پھر بھی بہت ہی خطرناک سفر تھا۔ البتہ میڈم ٹوریسا رات کی تاریکی میں آرام کرتے ہوئے یہی کوشش کرتی تھیں کہ اُنہیں زیادہ سے زیادہ میری قربت حاصل ہو سکے۔ سارے ہی معمولات یکساں تھے اور زندگی کے بارے میں اگر مجھ سے کوئی پوچھتا تو میں ایک ہی نظریئے کا پرچار کرتا۔ یعنی یہ کہ سفر، ہنگامے اور ایک عورت۔ بس! اس کے علاوہ میری زندگی میں اور کچھ رہ ہی نہیں گیا تھا۔ کوئی تو ایسی بات ہوتی جس سے میں بھی اپنے آپ کو عام انسانوں میں تصور کر سکتا۔ لیکن صاحب کہاں؟ وہ لمحہ نجانے کون سا تھا؟ یا وہ دُعا کون

تھی جو میں نے اپنے لئے مانگی تھی کہ مجھ پر یہ تمام مصیبتیں نازل ہو گئی تھیں۔ اَب تو ماضی کے کسی تصور کے بارے میں سوچ کر خود ہی کو شرمندگی ہوتی تھی۔ ماضی اُن لوگوں کا ہوتا ہے جن کا حال ہو یا کوئی مستقبل۔ میری زندگی سے یہ تینوں چیزیں گم ہو گئی تھیں۔

بہرطور! سفر کا اختتام ہو گیا۔ اس وقت ہم ایک عجیب و غریب جگہ پہنچ گئے۔ یہ جگہ ایک بلندی پر تھی جس کی گہرائیوں میں ایک آبادی نظر آ رہی تھی۔ پتہ نہیں اُس آبادی کا نام شیلڈ اسٹون کیوں رکھا گیا تھا؟ پتھریلا اور وسیع و عریض میدان، جس میں جگہ جگہ رخنے، میدان میں کچے پکے مکانات بکھرے ہوئے تھے اور اُن کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ ایک جگہ پوشیدہ قیام کے لئے منتخب کی گئی اور اُسے اپنا عارضی ہیڈ کوارٹر طے کیا گیا۔ یہاں سے شیلڈ اسٹون کا باقاعدہ جائزہ لیا جا سکتا تھا۔ اور بظاہر یہ جگہ ایسی تھی کہ میں اور میرے زبردستی کے ساتھی کسی کی نگاہوں میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ بہرطور! میں نے یہ جگہ غنیمت سمجھی۔

ایلین ڈاگ اور ٹوریسا نے رازدارانہ انداز میں مجھ سے کہا۔ ''ڈیئر زیمبوکا! یہ بات تو طے ہے کہ اُوپر سے تمہیں بے مقصد نہیں بھیجا گیا۔ اور یقینی طور پر دستاویز کے حصول کے سلسلے میں تمہارا انتخاب بے مقصد نہیں ہو گا۔ یعنی ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ تمہیں بحفاظت ڈین گاربو کی رہائش گاہ تک پہنچا دیا جائے اور وہاں تمہاری ذمہ داریوں کا آغاز ہو جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود جیسا کہ ایلین ڈاگ کے دِل میں ہے کہ وہ ڈین گاربو سے اپنے جذبات کی آگ سرد کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات کو بہتر سمجھتے ہو کہ ایلین ڈاگ اپنا عمل کرے؟''

میڈم ٹوریسا کی اس بات پر ایلین ڈاگ نے چمک کر کہا۔ ''جس طرح دستاویز کا حصول ہمارے سرپرستوں کے لئے اتنا ہی ضروری ہے کہ وہ اس کے لئے ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں، اسی طرح اپنے بھائی کا انتقام میرے لئے بھی بے حد ضروری ہے میڈم ٹوریسا! اور میں اس کے لئے کوئی مشورہ قبول نہیں کروں گا۔ ہاں! میں ہر اُس تعاون کے لئے تیار ہوں جو میرا مقصد بھی پورا کر دے اور ہمارے سرپرستوں کا بھی۔ چنانچہ بہتر ہے کہ جو بھی منصوبہ بنایا جائے، اسی روشنی میں بنایا جائے۔ تاکہ میری دلچسپی بھی اس سے برقرار رہے۔''

''کیوں نہیں؟ میں نے یہ سوال مسٹر زیمبوکا سے اسی لئے کیا ہے کہ اہم ترین کام انہیں ہی انجام دینا ہے۔'' میڈم ٹوریسا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا''

''ہاں! میں جانتا ہوں کہ ڈین گاربو کی رہائش گاہ میں پہنچنے کے بعد مجھے کیا کرنا ہے۔''

''میں یہی تسلی چاہتی ہوں۔ اَب سوال ڈین گاربو کی رہائش گاہ تک پہنچنے کا پیدا ہوتا ہے تو ایلین ڈاگ اس کی رہائش گاہ میں داخلے کے وہ بہت سے راستہ جانتا ہے جو ہمیں مطلوب ہیں، جو تمہیں بحفاظت اندر پہنچا دیں۔ اس کے بعد ہمارا مسئلہ بھی رہ جاتا ہے کہ ایلین ڈاگ اپنا راستہ الگ اختیار کر لے اور تم اپنا راستہ الگ۔ یعنی تم وہ کام کرو جو تمہاری ذمہ داری کے طور پر تمہیں سونپا گیا ہے اور ایلین اپنے دِل کی آگ بجھائے۔ رہا میرا مسئلہ تو یہ سب کچھ میں بھی چاہتی ہوں۔ لیکن کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ میں بیرونی حالات کو سنبھالے رکھوں اور کسی بھی گڑبڑ پر تم لوگوں کی مدد بیرونی طریقے سے کروں۔''

''ہمارا منصوبہ یہی تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ مسٹر زیمبوکا کو بھی اس میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''بالکل ٹھیک..... بالکل ٹھیک۔'' طویل عرصے کے بعد میرا مخصوص جملہ میری زبان پر آ گیا تھا۔

میں جو سر سے پاؤں تک بالکل بندھ کر رہ گیا تھا، کسی بھی منصوبے سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا اور یہ بھی دلچسپ بات تھی کہ جو ذمہ داری میرے سپرد کی گئی، میں اُسے انجام دینے کے سلسلے میں بالکل ٹھیک تھا۔ یعنی اگر پوری ہو جائے تو ہو جائے۔ اور نہ ہو سکے تو اللہ مالک ہے۔ چنانچہ ہم سورج غروب ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ پھر سورج غروب ہونے میں چند ہی لمحات رہ گئے تھے جب ایلین ڈاگ نے میرے ساتھ اُس سفر کا آغاز کر دیا۔ میڈم ٹوریلیا نے غم ناک نگاہوں سے مجھے الوداع کہا تھا۔ اُن غم ناک نگاہوں کا حق اُسے حاصل ہو گیا تھا، وہ بھی غالباً زبردستی۔ بہرطور! اطراف کو پوری طرح محفوظ کر لیا گیا تھا اور ہم نے اُن گہرائیوں کو عبور کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا اس لئے ہم اُن گہرائیوں کو باآسانی عبور کر رہے تھے۔ ایلین ڈاگ کم بخت صرف نام کا ہی کتا نہیں تھا۔ بلکہ درحقیقت اُس میں کتوں جیسی خصوصیات تھیں۔ سفر کے لئے اُس نے جن راستوں کا انتخاب کیا تھا، وہ گندے پانی کے نکاس کے راستے تھے اور وہ مجھے بتائے بغیر رفتہ رفتہ اُنہی راستوں کی جانب بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ ایک گٹر سے اندر داخل ہو گیا اور میں شدید بدبو سے گزرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ یہ لمبا راستہ کافی طویل تھا اور میری شریانیں بدبو کی وجہ

پھٹی جا رہی تھیں۔ پھر ایک جگہ ہمیں اُوپر نکلنے کا موقع مل گیا۔ یہاں تازہ ہوا نصیب ہوئی تھی اور مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے میرے پھیپھڑے پھٹتے پھٹتے بچ گئے ہوں۔

ایلین ڈاگ نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اس طرف سے ایک راستہ تہ خانے کی طرف جاتا ہے۔ اور وہیں سے ہم سرنگوں میں داخل ہو سکیں گے جو خصوصی طور پر بنائی گئی تھیں۔ لیکن کیا تم اس محافظ کو دیکھ رہے ہو؟''

''کک..... کون سا محافظ؟'' میں نے منہ پھاڑ کر کہا۔

''اوہ! وہ سامنے موجود ہے۔''

میں نے اُس محافظ کو دیکھا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ محافظ ایک دُبلا پتلا آدمی تھا۔ اُس کے کندھے پر بندوق رکھی ہوئی تھی اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے انداز میں ٹہل رہا تھا۔ میں نے اپنا منصوبہ پیش کیا۔

''اس بار جیسے ہی یہ اپنی جگہ سے آگے جائے گا، ہمیں اس دروازے تک پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔''

ایلین ڈاگ نے اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کیا تھا۔ ہماری توقع کے مطابق محافظ ٹہلتا ہوا دُور نکل گیا اور ہم فوراً اپنی جگہ سے آگے بڑھ گئے۔ ایک لمبا موڑ طے کرنے کے بعد ہم دونوں تہ خانے کے موڑ پر پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور نیچے اُترنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ایک بہت بڑا آتش دان نظر آ رہا تھا۔ غالباً سردی کے موسم میں یہاں سردی کچھ زیادہ ہی ہوتی ہوگی، اس لئے آگ کا معقول انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن ان دِنوں سردی نہیں تھی۔ اس لئے آتش دان سرد پڑا ہوا تھا۔ جن سرنگوں سے ہمیں اُوپری جانب گزرنا پڑا، اُن کی چوڑائی ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس میں گندگی اور غلاظت بھری ہوئی تھی۔ یقیناً جب ہم ان سرنگوں کو عبور کر کے باہر نکلیں گے تو ہماری شکل ہی تبدیل ہو چکی ہوگی۔

راستے میں ایلین ڈاگ نے بتایا۔ ''یہ تمام سرنگیں اُوپری کمروں تک جاتی ہیں۔ اور وہاں سے ہم اصل عمارت کے اُس حصے میں پہنچ جائیں گے جہاں تک پہنچنے کے بعد ڈین گاربو تک رسائی حاصل کرنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''اگر عقب سے کوئی ہمارے پیچھے آ گیا تو.....؟''

''عموماً یہ جگہ کسی کے آنے جانے کے لئے استعمال نہیں ہوتی۔ اس لئے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ تاہم اگر ایسا ہو بھی جائے تو مجبوری ہے، مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

''پیچھے سے.....'' میں نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور ایلین ڈاگ ہنسنے لگا۔

ہم اُن سرنگوں کا سفر طے کرتے رہے۔ اَب تک تو بدبودار گٹر لائن میں سفر طے کیا تھا اور اب یہ سرنگیں میرے سامنے تھیں۔ ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔ جو کچھ بھی ہو گا، دیکھا جائے گا۔ اور کیا، کیا جا سکتا تھا؟ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رُک کر ہم سرنگوں کے ذریعے یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ اَب ہم کون سی جگہ پر ہیں؟

ایلین ڈاگ نے ایک طرف رُک کر کہا۔ ''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو ہم اس وقت اُس کی رہائش گاہ کے عین اُوپری حصے میں ہیں اور اُس کا کمرہ یہاں سے زیادہ دُور نہیں ہے۔''

''ہوں.....'' میں نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ہمیں انسانوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

یہاں ہمیں رُکنا پڑا۔ کیونکہ ہماری آہٹیں بھی نیچے سنی جا سکتی تھیں۔ ہم اُن آوازوں کو سمجھ تو نہ سکے لیکن ہم نے اُن لوگوں کو دیکھ لیا تھا جن کی تعداد پندرہ سولہ سے کم نہیں تھی۔ وہ غالباً کوئی میٹنگ کر رہے تھے۔ ایلین ڈاگ نے آہستہ سے کہا۔ ''ہو سکتا ہے یہاں سے ہمارے راستے مختلف ہو جائیں۔ کیونکہ میرا مقصد صرف ڈین گاربو کی موت ہے۔ اور اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو پھر دوسرے مسئلے تمہارے رہ جاتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ وہ لوگ میری جانب متوجہ ہو جائیں گے اور تم اپنے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کر سکو گے۔''

مجھے ایلین ڈاگ کے یہ جملے بے حد دلکش محسوس ہوئے تھے۔ مناسب جگہ اگر آرام کے لئے ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ اُس نے ایک سرنگ کے پاس پہنچ کر آہستہ سے کہا۔ ''تو اَب صورت حال یہ ہے کہ یہاں سے میں اُس کی تلاش میں نکلتا ہوں اور تم اپنے مقصد کے لئے آگے بڑھتے رہو۔'' ایلین ڈاگ نے رُخ تبدیل کر لیا۔

میں نے اُس سے کوئی بات نہیں کی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ پھر ایسی جگہ نظر آ گئی جہاں سے میں باہر نکل سکتا تھا۔ نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ ایلین ڈاگ اپنی کسی

کارروائی کا آغاز کر چکا ہے۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر اچھے خاصے شور شرابے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں اُس سرنگ سے نکلنے کے بعد ایک اندھیرے سے کمرے میں پہنچ گیا۔ یہاں کم از کم تازہ ہوا تھی۔ اور اتنی جگہ بھی تھی کہ میں اپنا حلیہ درست کر سکوں۔ چنانچہ اپنے بالوں سے میں گرد جھاڑنے لگا۔ دوسری طرف سے برابر آوازیں آ رہی تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ایلین ڈاگ اُن کے درمیان گھر گیا ہے۔ میرے اپنے خیال میں یہ ایک احمقانہ کوشش تھی۔ بلاشبہ وہ ایک تندرست و توانا آدمی ہے۔ لیکن اتنے لوگوں میں گھس کر اس قسم کی کارروائی ایک احمقانہ حیثیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی یہ بات منصوبے میں شامل تھی۔ مقصد یہی تھا کہ ایلین ڈاگ خاموشی سے ڈین گاربو کو قتل کرے گا اور وہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ جبکہ میں اپنا کام انجام دُوں گا۔ لیکن ایلین نے جوش و جذبات میں آ کر ان تمام ہی لوگوں پر حملہ کر ڈالا تھا اور اَب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ اُس کی زندگی تقریباً ناممکن ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کروں؟ میں اپنے طور پر اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا؟

لیکن ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ دفعتہً کھوپڑی کے عقبی حصے میں سورج اُتر آیا..... مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کھوپڑی بہت سے حصوں میں تقسیم ہو گئی ہے اور سر میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے اور میں اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی کھوپڑی کو پکڑ کر اُسے خربوزے کی طرح پھٹنے سے روک رہا تھا۔ لیکن یوں محسوس ہوا جیسے زمین گھومنے لگی ہو۔ زمین تو نہیں گھوم رہی تھی البتہ میں گھوم گیا۔ اور گھومنے کے بعد زمین پر گرنا لازمی بات تھی۔ پتہ نہیں کب تک ہوش و حواس سے دُور رہا۔ اور جب شعور نے کام شروع کیا تو سب سے پہلے ایک جملہ سنائی دیا.....

''ہوش میں آ رہا ہے۔ ہوشیار.....''

''تم فکر مت کرو۔'' یہ دوسری آواز تھی۔

میری آنکھوں کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہونے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد ماحول میں کچھ کچھ دُھندلاہٹیں نمایاں ہونے لگیں۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میرا بدن کرسی سے بندھا ہوا ہے۔ اور..... اور شاید میں کسی وسیع و عریض کمرے میں ہوں۔ میں نے بندھے ہوئے بدن کو جنبش دینے کی کوشش کی تو یہ احساس ہوا کہ میرے ہاتھ بھی اسی کرسی کے عقب میں کسے

ہوئے ہیں۔ سر سے پاؤں تک ٹیسیں ہی ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ مناظر واضح ہوتے گئے۔ مجھ سے کچھ گز کے فاصلے پر ایک شخص کھڑا تھا۔ وہ ایک بھاری بدن کا آدمی تھا اور اُس کے چہرے پر جلادوں جیسی کرختگی چھائی ہوئی تھی۔ اُس کے نزدیک ہی ایک اور شخص بھی موجود تھا جسے میں نے دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ جہاں تک میرا اندازہ تھا، یہی شخص ڈین گاربو تھا۔ کیونکہ اُس کا حلیہ مجھے اچھی طرح بتایا گیا تھا اور اُس کے دیکھنے کے بعد سب سے پہلا اندازہ یہی تھا کہ بیچارہ ایلین کتے ہی کی موت مارا گیا ہے۔ کیونکہ ڈین گاربو تو اچھی خاصی شکل وصورت میں میرے سامنے موجود تھا۔

ڈین گاربو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو مسٹر زیمبوکا! تم نے اور تمہارے اُس بے وقوف ساتھی نے مجھ تک پہنچنے کے لئے جو راستہ اختیار کیا، میں اس کی داد دیتا ہوں۔ بلاشبہ ان راستوں سے کسی انسان کا گزرنا ناممکن تھا۔''

میرے ہوش وحواس جاگ گئے تھے۔ لیکن زبان ہلنے میں ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ بس! جی چاہ رہا تھا کہ مسلسل خاموش رہوں۔ ڈین گاربو شاید میرے الفاظ کا انتظار کرتا رہا۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''اب تم یہاں آ گئے ہو تو میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔''

میرے منہ سے اَب بھی کوئی آواز نہیں نکل سکی۔ البتہ میں نے گردن گھمانے کی کوشش کی تو اس میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ لیکن جو کچھ میری نگاہوں کے سامنے آیا، اُسے دیکھ کر میری طبیعت ذرا خوش ہوگئی۔ یہاں اذیت دینے کے بہت سے آلات نظر آ رہے تھے۔ نجانے کیا کیا کچھ نظر آ رہا تھا۔ غالباً اس اذیت گاہ میں مجھے خصوصی طور پر لایا گیا تھا اور میرے ساتھ جو سلوک ہونے والا تھا، اُس کا میں نے بخوبی اندازہ کر لیا تھا۔ خدا ان سب کو غارت کرے جو اپنی مقصد براری کے لئے مجھ بدنصیب کا ہی انتخاب کر لیتے ہیں اور مجھے آگے بڑھا کر خود چین کی بانسری بجاتے ہیں۔ اَب اگر اس ذلیل انسان نے یہ تمام چیزیں مجھ پر استعمال کرنا شروع کر دیں تو میرا کیا ہوگا؟ ہوش وحواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ میں آنکھیں بھینچ بھینچ کر گردن جھٹک رہا تھا۔ تب ڈین گاربو کی آواز سنائی دی۔

''نہیں ڈیئر زیمبوکا! تم بے ہوش ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔ بہتر یہی ہوگا تمہارے حق میں کہ تم ہوش وحواس قائم رکھو اور ہوش وحواس کے عالم ہی میں ہم سے گفتگو کرو۔ اگر تم بے ہوش ہو گئے تو ہم تمہیں ہوش میں لانے کی جو کوشش کریں گے، وہ تمہاری توقع سے

بھیانک ہوگی۔''

میں نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں اور سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''نہیں..... نہیں۔ پوری طرح ہوش وحواس کے عالم میں ہوں۔''

''اَب تم چند سوالوں کے جواب دے دو اور اپنی گلوخلاصی کرو۔ ہوسکتا ہے ڈیئر زیمبوکا! میں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں۔ چونکہ تم سے مجھے تھوڑی عقیدت ہے۔ لیکن ایک عقیدت مند اگر مصیبت زدہ بننے والا ہوتو اُس کی عقیدت ذرا کم ہو جاتی ہے اور مصیبت کچھ زیادہ ہی سامنے آ جاتی ہے۔ اگر وہ دستاویز تمہارے ہاتھ لگ گئی اور تمہارے ذریعے اُن لوگوں تک پہنچ گئی تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ بہت عجیب وغریب صورت حال ہو جائے گی۔ کیونکہ مقامی حکومت سے میں نے اپنے مفادات کے حصول کے لئے اس دستاویز کا سودا کرلیا ہے۔ لیکن ایک دلچسپ بات اور بھی تمہیں بتاؤں ڈیئر زیمبوکا! کہ اس سودے کاری میں بھی ایک گہرا راز پوشیدہ ہے۔ مقامی حکومت صرف اسی لئے میرے ساتھ تعاون پر تیار ہوئی ہے کہ میں دستاویز اُس کے حوالے کر دوں۔ لیکن درحقیقت دستاویز کی دوسری کاپی اُن لوگوں تک پہنچے گی جو اُس کے اصل حق دار ہیں۔ جبکہ تم اور تمہارے ساتھیوں کا شمار اُن میں نہیں۔ تم اُن زبردستی کے افراد میں سے ہو جو کسی بھی چیز پر قبضہ جمانے کے لئے مجرمانہ طور پر کارروائیوں کا آغاز کر دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ تمہارے تھوڑے سے مفاد کے لئے دوسروں کو کس حد تک نقصان پہنچ رہا ہے۔ تو یہ صورت حال تمہارے علم میں آ گئی ہوگی۔ اور اَب میں تم سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مجھے اُس دستاویز کا پتہ بھی بتا دو۔ دراصل تمہارا ساتھی ایجنٹ جو بالآخر میرے ہاتھوں مارا گیا، کمبخت اُس کے حصول میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اُس وقت مجھے اس کی اُمید نہیں تھی کہ دستاویز اُس نے کہیں محفوظ کر دی ہے۔ بلکہ میں نے یہی سوچا تھا کہ وہ اُس کے حصول میں ناکام رہا ہے۔ کاش! مجھے اس بات کا علم ہو جاتا تو میں اُسے ہلاک کرنے سے پہلے وہ جگہ معلوم کر لیتا جہاں اُس نے وہ دستاویز چھپائی ہے۔ لیکن یہ بات بھی میرے علم میں تھی کہ وہ اُس دستاویز کی اطلاع دے چکا ہے۔ بس! ذرا سی غلطی ہوگئی تھی اور مسٹر زیمبوکا! میں نے تمہارے بارے میں سنا۔ بلاشبہ اُنہوں نے ایک ایسے شخص کا انتخاب کیا، جو اس سلسلے میں بہت کارآمد ہوسکتا تھا۔ تمہاری کہانیاں میرے کانوں تک پہنچ چکی ہیں۔ لیکن میرے بارے

میں شاید تم بہتر طور پر نہیں جانتے۔''

اُس نے آگے بڑھ کر میرے بال پکڑ لئے اور ایک جھٹکے سے میرا سر پیچھے کر دیا۔ ''میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ دستاویز اُس ایجنٹ نے کہاں چھپائی ہے؟''

اس وقت فیصلہ کرنا میرے لئے ذرا مشکل کام تھا۔ مجھے علم تھا کہ دستاویز کہاں ہے۔ اگر میں اس دستاویز کے بارے میں بتا دیتا تو کیا اس بات کے امکانات تھے کہ یہ لوگ میری زندگی بخش دیتے؟ ڈین گاربو کبھی یہ بات پسند نہ کرتا کہ میں زندہ واپس جاؤں۔ ہاں! میری زندگی کا تحفظ اس شکل میں ممکن تھا کہ میں اپنی زبان بند رکھوں۔ چنانچہ میں خاموش رہا۔ ڈین گاربو چند لمحات میرے بولنے کا انتظار کرتا رہا۔ اور جب میں نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا تو اُس نے میرے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ پھر اُس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم اور تمہارا ساتھی تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میں کس طرح اذیتیں دے دے کر تمہیں مار ڈالوں گا۔ لیکن کوئی بات نہیں ہے۔ پہلے تم جہنم رسید ہو جاؤ۔ اور میں اُس ڈاگ کو ڈاگ ہی کی موت ماروں گا۔ چلو! شروع ہو جاؤ.....'' اُس نے دوسرے آدمی کی طرف رُخ کر کے کہا جو شکل ہی سے جلاد معلوم ہوتا تھا۔ اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ شخص اپنی جگہ سے ہٹا اور ایک سمت چلا گیا۔ میں جہاں تک گردن گھما سکتا تھا، میں نے گھما کر دیکھا کہ وہ کہاں تک جا رہا ہے۔ لیکن وہ میرے عقب میں پہنچ گیا۔ پھر دفعتاً ہی میرے بدن میں چنگاریاں سی دوڑنے لگیں۔ جس کرسی پر میں بیٹھا ہوا تھا، اُس کے بارے میں، میں نے غور نہیں کیا تھا کہ وہ کس قسم کی ہے۔ لیکن اچانک ہی مجھے کرسی گرم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ غالباً وہ ہیٹر قسم کی کرسی تھی اور اَب اُس میں برقی رو دوڑا دی گئی تھی۔ میرا پورا بدن بری طرح جلنے لگا۔ میں نے کئی بار اُچھلنے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے اس طرح بندھا ہوا تھا کہ اُٹھ نہ سکا۔ اور پھر میرے حلق سے دلخراش چیخیں نکلنے لگیں۔ چند لمحات کے بعد غالباً کرسی میں دوڑائی جانے والی برقی رو، روک دی گئی اور ڈین گاربو میرے نزدیک آ گیا۔

''ہاں! اس سے قبل کہ میں دوسرے دور کا آغاز کروں، بہتر ہے کہ تم اپنی زبان کھول دو۔''

یہ حس ظرافت نہیں تھی۔ بلکہ غالباً ہوش و حواس ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ میں نے

کھول کر زبان اُس کے سامنے نکال دی اور اس بات پر شاید زندگی بھر ہی افسوس کرتا رہوں گا کیونکہ اُس کا اُلٹا ہاتھ میرے منہ پر لگا تو زبان دانتوں تلے آ کر کٹ گئی..... میرے منہ سے خون کے قطرے بہنے لگے اور میں اپنی گردن زور زور سے جھٹکنے لگا۔ پھر میں نے اپنی ایک کلی زمین پر کی اور ڈین گاربو میری صورت دیکھ کر ہنسنے لگا۔

''بہت ظریف بننے کی کوشش کر رہے تھے۔ چلو! اسے کھول دو اور وہاں زنجیروں سے باندھ دو۔'' غالباً اَب ڈین گاربو میرے لئے کسی نئی اذیت کا انتظام کرنا چاہتا تھا۔

مجھے کھولا گیا۔ لیکن میرے پاؤں ساتھ نہیں دے پا رہے تھے۔ اُس کمبخت جلاد نے میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے گھسیٹا اور اُوپر دیوار تک لے گیا جہاں دو کڑے لٹکے ہوئے تھے۔ یہ کڑے میرے ہاتھوں میں پڑ گئے۔ لیکن شکر یہ تھا کہ کڑے میرے قد سے اونچے نہیں تھے اور میرے پاؤں زمین پر جمے ہوئے تھے۔ لیکن جو کچھ ہونے والا تھا، اُس کا اندازہ مجھے بخوبی ہو گیا اور میری رُوح فنا ہونے لگی.....

جلاد نما شخص نے چمڑے کا زبردست قسم کا کوڑا اُٹھایا اور اُسے زمین پر پٹختا ہوا میری جانب آنے لگا۔ اَب کیا کروں؟ دفعتاً ہی میرے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ ''ڈین گاربو! تم مکمل طور سے غلط فہمی کا شکار ہو۔ مجھے اذیت دے کر ہلاک کرنے سے تم جس قدر خسارے میں رہو گے، اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔''

''اگر نہیں ہے تو تم مجھے اندازہ کرا دو۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''تمہیں ڈبل کراس کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کیا ایلن ڈاگ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے؟''

''ہوں! گویا مجھے جو اطلاع ملی تھی وہ بالکل درست ہے۔ نہیں میرے دوست! ایلن ابھی میرے ہاتھ نہیں لگا ہے۔ لیکن میرے ساتھی اُسے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اور پھر میں نے اُنہیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ اُسے بھی بہت جلد میرے پاس پہنچا دیں۔''

''تو پھر میں تمہیں ایک حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے زیمبو کا بنا کر یہاں بھیجا گیا ہے۔ درحقیقت میں زیمبو کا نہیں ہوں۔ بلکہ زیمبو کا اُن لوگوں کے ساتھ ہے اور اُس نے ایلن ڈاگ کو وہ تمام تفصیلات بتائی ہیں، جو دستاویز سے متعلق ہیں۔'' نجانے ذہن کے کس گوشے میں یہ بات آئی تھی اور میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے تھے۔ میرے ان

الفاظ نے ڈین گاربو کا چہرہ ہونق سا بنا دیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟''

''مطلب یہ ہے کہ ایلین ڈاگ میرے ساتھ ہی آیا ہے۔ مجھے زیمبو کا بنا کر تم لوگوں کو ڈاج دینے کے لئے بھیج دیا گیا ہے۔ اور درحقیقت ایلین ڈاگ، زیمبو کا سے اُن دستاویز کے بارے میں معلومات حاصل کر چکا ہے۔''

''اوہ! نہیں..... نہیں۔ رُک جاؤ..... رُک جاؤ۔'' دفعتہً ڈین گاربو نے ہیجانی انداز میں کہا اور جلاد نما شخص رُک گیا۔ ''اگر یہ بات ہے تو..... تم جاؤ! باہر جاؤ..... فوراً جاؤ! اور کسی کو میرے پاس بھیج دو۔ باہر جانے کے بعد تم اپنی تمام تر قوت ایلین ڈاگ کی تلاش میں صرف کر دو۔ اور یہ..... اسے میں دیکھتا ہوں۔''

میں اپنی اس عظیم الشان کھوپڑی کو خود ہی داد دے رہا تھا۔ کاش! کوئی ایسا ذریعہ ہو سکے کہ ڈین گاربو میری اصلی شکل نمایاں کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لطف ہی آ جائے گا۔ ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ ڈین گاربو غالباً میرے اُن الفاظ پر شدید ذہنی ہیجان کا شکار ہو گیا تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد دو آدمی میرے نزدیک آ گئے اور ڈین گاربو کے اشارے پر میرے ہاتھوں سے وہ کڑے نکال دیئے گئے۔ لیکن اس سے پہلے وہ کمبخت جو حرکت کر چکا تھا، وہ میرے لئے باعث اذیت بھی تھی اور باعث شرم بھی۔ زبان کی تکلیف تو خیر ہو ہی رہی تھی لیکن کرسی پر بیٹھنے سے بدن کے نچلے حصے کا جو حال ہوا، اُسے میں جانتا تھا یا میرا خدا جانتا تھا۔ اَب بھی ٹانگوں پر کھڑے ہونے کی سکت نہیں تھی۔

ڈین گاربو خونی نگاہوں سے مجھے گھورتا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''ایلین ڈاگ کو گرفتار کرنے میں کوئی مشکل نہیں پیش آئے گی۔ لیکن تمہاری اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں میں۔''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب ڈین گاربو نے اُن دونوں کو حکم دیا۔ ''اسے لیبارٹری میں لے جاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔''

میں نے عاجزانہ انداز میں کہا۔ ''جب تم مجھ پر یہ احسان کر چکے ہو تو براہِ کرم! انہیں یہ ہدایت بھی دو کہ میرے زخموں کا خیال کریں۔''

''ہاں..... ٹھیک ہے۔ خیال رکھنا۔'' ڈین گاربو نے اُن لوگوں سے کہا اور وہ مجھے سہارا دے کر لے جانے لگے۔

لیبارٹری تک کا راستہ طے کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔ لیبارٹری واقعی بہت ہی عظیم الشان اور یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی کہ ڈین گاربو جیسا وحشی شخص غالباً کچھ سائنس دان قسم کا بھی تھا۔ یہاں آنے کے بعد دل کو بڑی اُمیدیں بندھ گئی تھیں۔ کیا عظیم الشان خیال تھا اچانک ذہن میں۔ اور اُس خیال نے میری زندگی کا پانسہ ہی پلٹ دیا تھا۔ وہاں ں نے مجھے ایک سلک کا سادہ لباس پہننے کے لئے دیا اور میری درخواست پر بدن کے ھوں پر دوائیں بھی لگا دی گئیں۔ غالباً اتنا کام یہ لوگ بھی جانتے تھے۔ مجھے ان ں سے بڑی ٹھنڈک محسوس ہوئی اور میں ایک بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ فوری آسائش ل کرنے کے لئے اس وقت جو چیز میری معاون ہوئی تھی، اس کے بارے میں، میں ے سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ میرے ذہن کی اُپج تھی یا میری زبان سے نکلنے والے الفاظ مرضی کے تابع نہیں تھے۔ اسے غیبی امداد کا نام بھی دیا جا سکتا تھا۔ بہرطور اَب مجھے گاربو کی آمد کا انتظار تھا اور میں صحیح معنوں میں اپنی تقدیر کے فیصلے کا منتظر تھا۔ میرے یب موجود افراد ہمدردانہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے میرے زخموں کی ینگ بھی بڑی محبت سے کی تھی، جس سے مجھے احساس ہو گیا کہ وہ کم از کم تھوڑی سی بہتر ت کے مالک ہیں۔ لیکن کیا کرتے؟ ڈین گاربو کے خادم تھے اور اُس کی ہدایت کے تا ہی کام کرتے تھے۔ اَب اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ میں ڈین گاربو کی کا انتظار کروں۔

تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر میں نے خشک ہونٹوں ن پھیرتے ہوئے کہا۔ ''دوستو! یہاں کافی یا چائے نہیں مل سکے گی؟''

دونوں چونک کر مجھے دیکھنے لگے۔ پھر اُن میں سے ایک نے کہا۔ ''کیا خیال ہے؟''

''اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔'' دوسرا بولا۔ اور پھر پہلا شخص باہر نکل گیا۔ غالباً وہ کے لئے چائے یا کافی کا انتظام کرنے گیا تھا۔

شکر گزار نگاہوں سے اُس اکیلے شخص کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے آہستہ سے کہا۔ ''کیا ڈاگ گرفتار نہیں ہوا ابھی تک؟''

''براہِ کرم! کوئی فضول سوال کرنے سے گریز کرو۔ یہ ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔''

''اوہ! معافی چاہتا ہوں۔ درحقیقت تم لوگوں کا رویہ میرے ساتھ ایسا رہا ہے کہ میں خو
تمہارا شکر گزار ہوں۔ کوئی بھی ایسا سوال جو میں غلط فہمی میں کر بیٹھوں اور تمہارے لئے کوئی
اُلجھن ہو تو براہِ کرم! مجھے معاف کر دینا۔ میں ذہنی طور پر ایک اُلجھا ہوا آدمی ہوں۔'' میں
معذرت آمیز لہجے میں بولا اور خاموش ہوگیا۔

بہرحال صبر کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ویسے بھی اگر کچھ معلومات حاصل ہو جاتیں
تو اس سے فرق ہی کیا پڑتا تھا؟ ایلن ڈاگ گرفتار ہوا یا نہیں؟ میں اس سلسلے میں کیا کرتا
تھا؟ میں تو گرفتار ہو گیا تھا۔ ویسے میرے ذہن میں ترکیب خوب آئی تھی۔ اگر ڈین گاربو کی
کوششوں سے میری اصل شکل مجھے واپس مل جائے تو اس سے اچھی اور کون سی بات تھی.....

تھوڑی دیر کے بعد اعلیٰ درجے کی کافی مجھے پیش کی گئی اور میں کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے
خاموش رہا۔ کافی پینے کے بعد میں آرام کرنے لگا۔ وقت نجانے کتنا گزر گیا۔ وہ دونوں بھی
اُٹھ کر باہر چلے گئے تھے جنہیں میری نگرانی پر مامور کیا گیا تھا۔ غالباً بیس گھنٹے انتظار کرنا پڑا
تھا۔ اور اس دوران میں نے سات آٹھ گھنٹے سو بھی لیا تھا۔ مجھے باقاعدہ ناشتہ دیا گیا اور اس
میں اتنی چیزیں تھیں کہ ساری کسر پوری ہوگئی۔ چنانچہ میں شکم سیر ہو کر منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر
بیٹھ گیا تھا۔ زخموں کی ایک بار پھر ڈریسنگ کی گئی اور بظاہر اُن لوگوں کا رویہ میرے ساتھ برا
نہ تھا۔ بیس گھنٹے کے بعد ڈین گاربو کی صورت نظر آئی۔ وہ کافی خطرناک آدمی تھا۔ میرے
پاس پہنچا اور آنکھوں میں جھانک کر کہنے لگا۔

''اگر تم نہایت کامیابی سے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش میں مصروف ہو تو ایک بات
ذہن نشین کر لو ڈیئر زیمبو کا! کہ تم اس میں بہت دیر تک کامیاب نہیں رہ سکو گے۔ اور اب وہ
وقت آگیا ہے جب تمہیں حقیقتوں کا انکشاف کرنا پڑے گا۔''

''اتنا اچھا سلوک کرنے کے بعد مسٹر ڈین گاربو! تم نے پھر وہیں سے آغاز کیا ہے
جہاں سے بہت پہلے آغاز ہو چکا تھا۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم واقعی زیمبو کا نہیں ہو؟''

''میں نے یہ بات پہلے بھی پورے اعتماد سے کہی تھی۔ اگر تم نے اپنے ذہن میں کوئی
گنجائش رکھی ہو تو اس سلسلے میں، میں کم از کم بے قصور ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ اس کا تجزیہ بھی کر لیں گے۔ اگر تم زیمبو کا نہیں ہو تو پھر اپنے بارے میں
بتاؤ تم کون ہو؟''

''آہ! مسٹر ڈین گاربو! تفصیل بتاؤں گا تو آپ یقین نہیں کریں گے۔ بس! یوں سمجھ
لیں کہ ایک راندۂ درگاہ ہوں..... آوارہ ہوں..... سیاح ہوں۔ دنیا کو دیکھنے کے شوق نے
میرا مستقبل برباد کر دیا۔ ایشیا سے تعلق ہے۔ ملک ملک دیکھنے کے شوق میں مصیبتوں میں
گرفتار ہوگیا اور ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں سزا بھگتنی پڑی۔ ڈیڑھ سال سزا بھگتنے کے
بعد باہر نکلا تو مجرم کا چہرہ مجھ پر چسپاں ہو چکا تھا۔ میں نے دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ
میرا بھی اس جرم سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن کسی نے تسلیم نہ کیا اور اُس کے بعد جرائم
کی زندگی ہی میں پناہ لینی پڑی۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے ممالک کی سیر کر چکا ہوں۔ لیکن
دولت کے حصول کے لئے وہی طریقہ کار اختیار کرنا پڑا جسے پہلے نہیں کیا تھا اور سزا پائی تھی۔
بڑی دلچسپ دنیا ہے آپ کی مسٹر گاربو! جرم نہ کرو تو سزا ہو جاتی ہے اور جرم کر ڈالو تو کچھ
نہیں ہوتا۔ چنانچہ جب یہ بات یقینی حیثیت حاصل کر گئی تو پھر میں نے بھی سوچا کہ جرم کو
جرم کیوں تصور کیا جائے؟ اور یہ زندگی جاری رکھی جائے۔ لیکن صرف اس شکل میں کہ اپنی
ضروریات کے پیسے کما لئے جائیں۔ یونہی زندگی گزر رہی تھی کہ وہ کمبخت لوگ مل گئے اور
انہوں نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ ایک چھوٹا سا جرم ہو گیا اُن کے سامنے جس
سلسلے میں وہ مجھے گرفتار کر کے لے گئے، اپنے پاس رکھا۔ پولیس کے حوالے کرنے کی
بجائے میری گلو خلاصی صرف اسی شکل میں ہوئی کہ میں اُن کے لئے کام کروں۔ چنانچہ جب
ایک اچھی خاصی رقم کی پیشکش کی گئی تو میں نے سوچا کہ حرج ہی کیا ہے؟ براہِ راست
نئے ٹھکانے تلاش کرنے کی بجائے اگر ایک مستقل جگہ کام کرنے کے لئے مل رہی ہے
تو یہی۔ ایسا ہی کر لیا جائے۔ بس جناب! اُس کے بعد اُنہوں نے یہ مہم میرے سپرد کر
دی جس کے لئے میں قطعی نااہل تھا۔ آپ یقین کیجئے کہ بارہا فرار ہونے کی کوشش کی اور یہ
کہ نکل جاؤں۔ لیکن کم بختوں نے کچھ ایسی نگاہ رکھی کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہو سکا
اور آخر کار مجھے شیلڈ اسٹون کے علاقے میں دھکیل دیا گیا۔ یہاں میری ملاقات ایلن ڈاگ
اور میڈم لُوریسا نامی عورت سے ہوئی۔ میڈم لُوریسا کے شوہر کو شاید آپ کے آدمیوں نے
قتل کر دیا تھا اور اس کے شوہر کا بھائی ایلن ڈاگ آپ سے انتقام لینے کے لئے سرگرداں

تھا۔ میری اس مہم میں وہ لوگ میرے معاون تھے اور بالآخر زبردستی مجھے یہاں تک لے آئے اور میں یہاں آ گیا۔''

ڈین گاربو پوری دلچسپی سے میری یہ کہانی سن رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں گہری چمک تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''تو اُن کا کیا پروگرام تھا؟''

''پروگرام یہ تھا کہ مجھے اس شکل میں زیمبوکا کی حیثیت سے یہاں بھیجا جائے اور میں ایسے راستے اختیار کروں کہ میرا اور آپ کا آمنا سامنا ہو جائے۔ میں زیمبوکا کی حیثیت سے آپ کو اپنے آپ میں اُلجھائے رکھوں اور دوسری طرف ایلن ڈاگ اور میڈم ٹوریسا اپنا کام کر جائیں۔''

''وہ کام کیا ہے؟''

''میں بتا چکا ہوں، غالباً کسی دستاویز کی تلاش۔''

''اوہ! وہی تو اصل مسئلہ ہے۔ کیا اُن لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ وہ دستاویز کہاں موجود ہے؟''

''یہ بات میں نہیں جانتا۔''

''اور یہی بات مجھے سخت پریشان کیئے ہوئے ہے۔ اچھا! یہ بتاؤ، ایلن ڈاگ کو تم نے کہاں چھوڑا تھا؟''

''وہ میرے ساتھ اُن سرنگوں کے ذریعے گزر کر یہاں تک آیا تھا۔'' میں نے کہا اور ڈین گاربو مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ پھر چند لمحات اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ اور پھر بیٹھ گیا۔

''وہ کمبخت غائب ہو گیا ہے۔ میڈم ٹوریسا کہاں تھی؟''

''اُن بلندیوں پر جہاں ڈھلان شروع ہوتے ہیں۔ اور یہاں تک آنے کا راستہ ہے۔''

''کتنے آدمی اُس کے ساتھ تھے؟''

''تقریباً پندرہ یا سولہ افراد۔''

''ہوں! اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹوریسا یہاں سے نکل گئی۔ لیکن ایلن...... ایلن ڈاگ...... ٹھیک ہے۔ کب تک بچے گا؟ تم نے اگر یہ تمام باتیں درست کہی ہیں تو یوں سمجھ لو کہ میرے دوستوں میں شامل ہو گئے ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ تمہارا

چہرہ نقلی ہے۔ اور اگر تم درحقیقت زیمبوکا ہو اور مجھے دھوکہ دے رہے ہو تو ڈیئر! ایک بات یقین کر لو، تمہیں زندہ آگ میں جلا دوں گا۔''

میں نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''ایک درخواست ہے مسٹر ڈین گاربو!''

''ہوں...... بولو!''

''آپ میرے اس میک اَپ کو اُتارنے کی آخری کوشش بھی کر لیں کہ یہ میرے چہرے سے اُتر جائے۔ اُنہوں نے نجانے کس کس طرح یہ میک اَپ میرے چہرے پر کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں خود اپنی زبان سے اپنے آپ کو زیمبوکا تسلیم نہ کراؤں، براہِ کرم! آپ میرا میک اَپ صاف کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اگر ایک بے گناہ کو آپ نے زندہ جلا دیا تو بہرطور یہ اس کے ساتھ ناانصافی ہو گی۔''

ڈین گاربو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''یہ لیبارٹری دیکھ رہے ہو؟ یہاں یہ تک معلوم کیا جا سکتا ہے کہ پیدا ہوتے وقت تمہارا وزن کتنا تھا اور اس کے بعد تمہارے جسمانی نظام میں کیا کیا تبدیلی ہوئی؟ میک اَپ تو بہت ہی سطحی چیز ہے۔ مجھے نہیں جانتے تم کہ میری اصل حیثیت کیا ہے۔ میں ایک سائنس دان ہوں۔ ایک مجسمہ ساز ہوں۔ میں نے اپنی ساری زندگی ہی مختلف فنون کے حصول میں صرف کی ہے۔ اور تو بس یوں سمجھ لو کہ میری فطرت مجھے اس سمت لے آئی ورنہ نجانے کس حیثیت سے میرا نام منظرِ عام پر ہوتا۔''

''تب مجھے بے حد خوشی ہے، بلکہ میری درخواست ہے کہ آپ اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت نکال کر پہلے میرا مسئلہ حل کر لیں تاکہ میں موت کے خوف سے نجات حاصل کر لوں۔ آپ اس کے بعد اگر چاہیں تو مجھے فوری طور پر کہیں پھنکوا دیں یا ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ لیکن پہلے مجھے موت کے اس خوف سے نجات دلا دیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' ڈین گاربو نے کہا، اور پھر اُس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا۔

☆.....☆.....☆

وہ لوگ لیبارٹری میں کسی کام میں مصروف ہو گئے۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے یہ سوچا کہ اگر وہ لوگ میرا میک اَپ اُتارنے میں ناکام رہے تو پھر میرا کیا ہو گا؟ بہرطور! یہ سارا مسئلہ میرے سوچنے کا نہیں تھا۔ سوچنے والا سوچ چکا تھا۔ طے بھی کر چکا تھا۔ میں اس میں ترمیم کیسے کر سکتا ہوں؟ ڈین گاربو کے آدمی اپنے کام میں مصروف رہے۔ خود ڈین گاربو خاموشی سے کچھ سوچتا رہا تھا۔ البتہ مجھے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ٹوریسا نکل بھاگی ہے اور ایلین ڈاگ یہیں پھنسا ہوا ہے۔ ویسے خطرناک آدمی تھا۔ ڈین گاربو کے گھر میں بیٹھ کر اُس کی نگاہوں سے گم ہو گیا تھا اور یقینی طور پر ڈین گاربو کو اس بات کا خطرہ بھی ہو گا کہ ایلین ڈاگ اپنے بھائی کا بدلہ لینے کے لئے کوئی ایسی کارروائی نہ کر رہا ہو جو اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو۔ بہرطور! اس وقت وہ خود میرا مسئلہ حل کرنے پر تُل گیا تھا۔ چنانچہ مجھے وہاں سے اُٹھا کر ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا اور بالکل اس طرح میری گردن پر کپڑا ڈال دیا گیا جیسے حجامت بناتے وقت حجام کپڑے سے لپیٹ دیتے ہیں۔ اور اس کے بعد میرے چہرے پر برش سے ایک لوشن پیسٹ کر دیا گیا۔ میں آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ چند لمحات کے بعد میرے چہرے پر ایک سپرے کیا گیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا چہرہ، جسامت سے کئی گنا زیادہ بڑھ گیا ہو۔ میں نے خوف زدہ نگاہوں سے اپنا ہاتھ اُٹھا کر اپنا چہرہ ٹٹولا۔ چہرہ تو اصلی چہرے جتنا ہی تھا۔ بس! یہ ایک احساس تھا۔ پھر ایک گرم پانی کا تولیہ میرے چہرے پر لپیٹ دیا گیا اور مجھے سانس لینے میں تکلیف ہونے لگی۔ لیکن یہ صرف چند سیکنڈ کے لئے کیا گیا تھا۔ پھر گرم پانی کے تولئے سے میرا چہرہ، رگڑ رگڑ کر صاف کر دیا گیا۔ اور شاید کوئی اور لوشن میرے چہرے پر سپرے کیا گیا۔ جب یہ کام بھی ہو گیا تو مجھے وہاں سے اُٹھا کر ایک واش بیسن کے پاس پہنچا دیا گیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں اپنا چہرہ دھولوں۔ واش بیسن کے پاس پہنچ کر میں نے اپنا چہرہ دھویا۔ نرم لطیف اور ٹھنڈے

ے سے چہرہ صاف کرنے کے بعد میں نے اس خیال سے چاروں طرف نگاہیں ئیں کہ کاش مجھے کہیں آئینہ نظر آ جائے اور میں خود بھی اپنی منحوس شکل کا جائزہ لے لیکن آئینہ وہاں موجود نہیں تھا۔ البتہ ڈین گاربو میری صورت دیکھ رہا تھا۔ اور پھر اُس ھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہارا کہنا درست ہے۔"

میرے وجود میں خوشی کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔ میں نے ڈین گاربو سے کہا۔ "تت..... تو ..... تو کیا میری اصلی شکل نکل آئی؟"

"ہاں! باتھ رُوم میں جاؤ۔ تمہارے بدن پر بھی غالباً میک اَپ ہے۔ یہ لوگ جانتے کہ تمہارا بدن کیسے صاف کیا جا سکتا ہے۔" ڈین گاربو نے کہا۔

اُس نے جس سمت اِشارہ کیا تھا، میں نے اس سے پہلے اُدھر باتھ رُوم نہیں دیکھا تھا۔ ن اَب میں نے غور کیا تو وہاں ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک لمبی نگ لگائی اور باتھ رُوم میں داخل ہو گیا۔ وہاں آئینہ بھی تھا۔ میں نے اپنی صورت ھی۔ چندے آفتاب..... چندے ماہتاب..... میری اصلی شکل میرے سامنے تھی۔ میں مسرت سے جھوم اُٹھا۔ بالآخر میری وہ منحوس کالی شکل وصورت غرق ہو گئی تھی، جس نے ے پریشان کر رکھا تھا۔ لیکن..... لیکن صورت تو یہ بھی منحوس تھی کہ اس نے زندگی بھر مجھے شان رکھا تھا۔ لیکن اصلی شکل میں آنے کے لئے میں نے نجانے کتنی حسرتوں سے سوچا ا، اور آج مجھے یہ صورت واپس مل گئی تھی۔ نہ صرف واپس مل گئی تھی، بلکہ شاید زندگی میں لی بار میری اصلی شکل نے میری جان بچائی تھی۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ مجھے مصیبتوں ہی ں گرفتار کرتی رہی تھی۔ اور اَب بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا آئندہ پروگرام کیا ہو؟ لیکن ی طور پر مجھے اس کے واپس مل جانے سے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ باہر نکلا تو شاید ڈین ربو اپنے آدمیوں کو ہدایت دے کر جا چکا تھا۔ اُن لوگوں نے میرے بدن سے بھی میک پ اُتارنے کے لئے وہی سارا عمل دُہرایا تھا جو پہلے صرف چہرے پر دُہرایا گیا تھا۔ اور تمام عمل سے گزرنے کے بعد میں نے غسل کیا تھا۔ اور اَب..... اَب میں درحقیقت منصور تھا۔ بالکل اصلی والا..... جب ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر باہر نکلا تو کمرے صرف وہی دو آدمی تھے جو سب سے زیادہ مہربان اور سب سے زیادہ اچھی طبیعت کے

انسان تھے۔ اُنہوں نے کہا۔

"تمہیں عارضی طور پر یہاں رہنا ہوگا۔ اس وقت تک جب تک ایلن ڈاگ کے بارے میں فیصلہ نہیں ہو جاتا، تمہارا قیام یہیں رہے گا۔ اور اس کے بعد مسٹر ڈین گاربو تمہارے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔"

"دوستو! میں نے تو ڈین گاربو سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ اگر چاہیں تو مجھے زندگی بھر کے لئے یہاں رکھ سکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تاہم! تمہارا شکریہ۔"

وہ لوگ مجھے ساتھ لئے ہوئے ایک اور خوبصورت سے کمرے میں آئے۔ یہاں ابتدائی آسائش کی وہ تمام چیزیں موجود تھیں، جو کسی شخص کے لئے ضروری ہوتی ہیں اور میں نے اُن لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر میری خاطر مدارت شروع ہوگئی۔ ہر چیز مجھے باقاعدگی سے دی جا رہی تھی اور اُن کا انداز دوستانہ تھا۔ پہلا دن..... دوسرا دن اور پھر تیسرا دن بھی گزر گیا۔ ڈین گاربو کی مجھ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور شاید اَب میں اتنے بڑے آدمی کے لئے اتنا زیادہ اہم بھی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ مجھ سے خصوصی طور پر ملتا۔ ایلن ڈاگ کے بارے میں دل تو بہت چاہتا تھا کہ معلومات حاصل کروں کہ پکڑا گیا یا نہیں؟ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اس بات کا جواب مجھے کوئی نہیں دے گا۔ وہاں موجود لوگ ویسے تو میرے ساتھ نرمی سے پیش آتے تھے لیکن ایک بار مجھ سے درخواست کی جا چکی تھی کہ کم از کم میں کسی ایسی بات کے بارے میں نہ پوچھوں جس کا وہ جواب نہ دے سکیں۔ اور میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ اُن کی دشمنی مول لی جائے۔ تین چار دن کے بعد میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا، جو میرے زخم کی ڈریسنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔

"میں اس کمرے میں قید رہ کر شدید پیٹ کے درد کا شکار ہو گیا ہوں۔ اگر تھوڑی سی چہل قدمی کی اجازت مل جائے تو....."

"تو تمہیں اس سے منع تو نہیں کیا گیا۔ ایک مخصوص حصے میں تم آ جا سکتے ہو۔"

"تو مجھے اجازت بھی تو نہیں دی گئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ یہاں سے عقبی سمت ایک احاطہ ہے۔ بس! اُس احاطے سے باہر قدم رکھنے کی کوشش مت کرنا۔ کیونکہ اگر تم نے اجازت کے بغیر اُس احاطے سے باہر قدم رکھ دیا تو کسی بھی سمت سے آنے والی کوئی گولی تمہارے بدن میں سوراخ کر دے گی

بعد میں ہی اس کا افسوس کیا جائے گا کہ یہ سب کچھ غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔"

"بس..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ میں احاطے سے باہر قدم رکھوں۔" میں نے [illegible] زدہ انداز میں کہا۔

"احاطے کے اندر تم دوڑ بھی سکتے ہو۔ ویسے وہاں کا ماحول بہت خوبصورت ہے۔"

میں نے گردن ہلا دی اور اس کے کچھ گھنٹے کے بعد میں نے ڈرتے ڈرتے اُس احاطے میں قدم رکھا۔ واقعی یہاں کا ماحول بے حد خوشگوار تھا۔ درخت جھول رہے تھے۔ پھل بھی لگے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی تھی۔ یہ احاطہ میری رہائش کے بالکل عقبی سمت میں تھا۔ اسی سے متصل ایک اور دروازہ بھی مجھے نظر آیا جو بند نہیں تھا۔ احاطے کی سیر کرتے کرتے میں نے یونہی احتیاطاً اُس دروازے کو کھول کر دوسری طرف جھانکا اور دفعتہً میرے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں..... دوسری طرف ایک عجیب وغریب جگہ بنی ہوئی تھی۔ ایک وسیع وعریض ہال جس کا فرش بہت ہی خوبصورت سیاہ اور سفید پتھروں سے بنا ہوا تھا اور ہال کے چاروں طرف پتھریلے انسان نظر آ رہے تھے۔ میرے ذہن نے نعرہ لگایا..... ڈین گاربو کا بت کدہ..... یہی تو وہ جگہ تھی جہاں پہنچ کر میں نے اپنا کام انجام دینا تھا۔ میں اس جگہ اس طرح اچانک آ جاؤں گا، اس کے بارے میں، میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ لیکن اس وقت بغیر کسی خاص کوشش کے میں اس بت کدے میں تھا۔ چند لمحات تک میرا ذہن شدید کشمکش کا شکار رہا۔ ایک دل تو کہتا تھا کہ سب کچھ جہنم رسید کیا جائے اور ڈین گاربو کے خدمت گار کی حیثیت سے کچھ وقت گزارا جائے اور اس وقت جب وہ یہ سوال کرے کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں تو اُس سے یہی درخواست کروں کہ مجھے خاموشی سے کسی شہر میں پہنچا دیا جائے اور زندگی گزارنے کے لئے تھوڑا بہت بندوبست کر دے۔ لیکن نجانے کیوں دماغ میں کیڑا کاٹنے لگا، میں زبردست کشمکش کا شکار ہو گیا اور عجیب کیفیت میں تھا۔ بہت دیر تک اسی طرح احاطے کے پاس کھڑا رہا۔ اور پھر وہاں سے واپس چلا آیا۔ پہلی بار مجھے چہل قدمی کی اجازت دی گئی تھی۔ اس لئے اگر میں بت کدے میں داخل ہو کر کوئی کارروائی کروں تو اس بات کے امکانات بھی تھے کہ مجھے کہیں سے دیکھا جا رہا ہو۔ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ جان بچانا مشکل ہو جائے گی۔ چنانچہ فوراً دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔ اور پھر اُس احاطے میں بھی دل نہ لگا اور اپنے کمرے میں آ کر بستر

پر لیٹ گیا۔ اَب یہاں سے میرے ذہن میں شدید کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ اگر دستاویز تلاش کروں تو اُس کا کروں گا کیا؟ ایلن ڈاگ کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ میڈم ٹوریسا سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔ اور پھر میں اُن لوگوں کے باپ کا نوکر تو نہیں ہوں جنہوں نے زیمبوکا کی حیثیت سے مجھے اس جگہ بھیجا تھا۔ اوّل تو میں زیمبوکا تھا ہی کہاں؟ اور پھر بے چارے ڈین گاربو نے کم از کم میرے اُوپر یہ احسان کیا کہ مجھے میری اصلی صورت واپس دے دی تھی۔ دوسرے لوگ تو کبھی اس سلسلے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ نہیں..... نہیں! یہ مناسب نہیں ہے کہ ڈین گاربو کو دھوکا دیا جائے۔ لیکن ایک اور مسئلہ بھی تھا۔ ڈین گاربو کو دستاویز کے متعلق بتانے اور وفاداری کرنے کے بھی دو مضر پہلو تھے۔ ڈین گاربو فوراً مجھ سے یہ سوال کرتا کہ دستاویز کے بارے میں مجھے کیسے معلوم ہوا؟ اور اس کے بعد..... نہیں بھائی! ان جرائم پیشہ لوگوں کے ذہنوں کا کچھ پتہ نہیں ہوتا۔ اور اس کے بعد وہ نجانے کہاں کہاں سے پھندے نکالنے لگتا اور میری گردن میں پھانسی کا پھندا پڑ ہی جاتا۔ ارے باپ رے..... مجھے وہ الیکٹرک چیئر یاد آ گئی تھی جو کمبخت ہیٹر کے سٹائل پر بنائی گئی تھی۔ اور اُنہوں نے اُس پر مجھے بٹھا کر بس ایک ہلکی سی کوشش کی تھی۔ اگر یہ کوشش ذرا کچھ زیادہ ہو جاتی تت..... تو کیا ہوتا.....؟

میں بہت دیر تک بستر پر پڑا رہا۔ بس! کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہا۔ لیکن رات کے آخری حصے میں بالآخر میرے ذہن نے یہی فیصلہ کیا کہ کم از کم اُس دستاویز کو مجسمے سے نکال کر دیکھا تو جائے۔ بعد میں جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا۔ اگر وہ دستاویز وہاں سے نکال کر میں خود ہی ڈین گاربو کو پیش کر دوں تو.....؟ یا..... یا یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں۔ لیکن یہ آسان کام نہیں تھا۔ ٹوریسا تو خوف زدہ ہو کر بھاگ گئی تھی۔ اور ایلن ڈاگ ابھی گرفتار نہیں ہوا ہے۔ تو کیا وہ اسی شہر میں کہیں موجود ہے؟ کہیں یوں تو نہیں کہ وہ میرے آس پاس ہو اور زیمبوکا کو تلاش کر رہا ہو لیکن اگر اُسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ میں زیمبوکا نہیں ہوں تو وہ ڈین گاربو کے ساتھ مجھے بھی قتل کرنے کی فکر میں لگ جائے گا۔ یہ صورت حال بڑی تشویش ناک ہو گئی تھی۔

دوسرے دن میں پھر چہل قدمی کے لئے احاطے میں نکل آیا تھا۔ پہلے میں نے احاطے کے آس پاس کا پورا چکر لگایا۔ یہ بات میرے ذہن کے گوشے گوشے میں موجود تھی، جو اُن

...وں نے کہی تھی۔ یعنی احاطے کے باہر قدم رکھا تو کسی انجانی سمت سے آنے والی گولی ...را بدن چاٹ لے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ احاطے کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔ لیکن ...یوں؟ ہو سکتا ہے یہ صرف ایک وارننگ ہو، ایک خوف دلایا گیا ہو مجھے۔ لیکن میں اپنا ...اغ کیوں خراب کروں؟ احاطے سے باہر قدم رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے آخر؟ میں نے ...نے آپ کو باز رکھا اور پھر احاطے کے ساتھ ساتھ چہل قدمی کرتا ہوا اُس سمت آ گیا جہاں ...دروازہ نظر آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے دل پھر دھک سے ہو گیا۔ اندر وہ عظیم الشان چیز ...وجود تھی جس کے بارے میں اس وقت صرف مجھے معلوم تھا..... صرف مجھے یا پھر بہت دُور ...بیٹھے ہوئے اُن لوگوں کو جنہوں نے مجھے زیمبوکا کی حیثیت سے یہاں بھیجا تھا۔ یا پھر یہ ...بت اُس ایجنٹ کو معلوم تھی جو ڈین گاربو کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا تھا۔ میں اگر چاہوں تو ...سانی سے اس وقت اُس دستاویز کو نکال کر اپنی تحویل میں لے سکتا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ...ہوتا تھا کہ اگر میں اُس دستاویز کو حاصل کر لوں تو اُس کا کیا کروں گا؟ ظاہر ہے اَب زیمبوکا ...کی حیثیت سے واپس جانا تو نصیب ہو نہیں سکتا۔ شکل ہی بدل گئی تھی۔ پھر کیا کرنا چاہئے؟ بے اختیارانہ میرے قدم اُس بت کدے کی جانب بڑھ گئے اور میں اندر داخل ہو گیا۔ کمال ...کی جگہ تھی۔ درجنوں قد آدم مجسمے ترتیب سے سجے ہوئے تھے۔ ایک جگہ مجسمہ تراشی کا سامان ...بھی موجود تھا۔ غالباً ڈین گاربو اُس شوق کو ترک نہیں کر سکا تھا۔ حالانکہ وہ ایک بالکل ہی ...الگ مسئلے میں اُلجھا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے اندر چھپا ہوا فنکار مر نہیں سکا تھا۔ اور جب بھی ...اسے موقع ملتا تھا، وہ اپنے ذوق کی تسکین کے لئے مجسمہ تراشی کرتا تھا۔ اور بلا شک و شبہ ...اس کے شاہکار یہ بات ثابت کرتے تھے کہ وہ اپنے فن میں بے مثال ہے۔ ہر مجسمہ اپنی ...جگہ بے مثال تھا اور سنگ مرمر کے یہ بے جان ٹکڑے بس! بولنے کے لئے بے چین تھے۔ ...اس مجسمہ ساز کے اس فن میں کھو گیا۔ شاید ذہن کے گوشوں میں ابھی تک حس لطافت موجود ...تھی۔ حالانکہ جن حالات میں زندگی گزر رہی تھی، اُس میں تو کثافت کے اتنے انبار وجود ...میں جمع ہو گئے تھے کہ پورا وجود ہی غلاظت کدہ بن گیا تھا۔ لیکن انسان اپنی ذات میں چھپی ...ہوئی خواہشات اور لطافتوں کو فطری طور پر کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ میں مجسمہ سازی کے ...حیرت انگیز کمالات کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اور ایک بار پھر کلیجہ دھک سے ہو گیا..... وہ ...مجسمہ میری نگاہوں کے سامنے تھا جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔ یعنی وہ جس کی گردن اُس کے

جسم سے علیحدہ تھی۔ ایک ہلکا سا بال محسوس ہوتا تھا۔ گردن، شانوں پر ہی لٹکی ہوئی تھی۔ ایک قدیم رومن سپاہی کا مجسمہ تھا جس کے چہرے پر بے پناہ کرختگی اور درندگی جھلک رہی تھی۔ اور اُس کی آنکھوں کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اگر اُس کے قریب قدم بھی رکھا تو وہ ہاتھ میں تھامی ہوئی تلوار کلیجے کے پار کر دے گا۔ لیکن اُس کی گردن کا ہلکا سا بال اس بات کی دعوت دے رہا تھا کہ اُس کی ٹوٹی ہوئی گردن کو تھوڑی دیر کے لئے اُس کے شانوں سے جدا کر دیا جائے۔

جناب منصور، سدا کے احمق، اپنی زندگی میں کچھ نہ کرنے والے، بھلا اپنے آپ کو باز کیسے رکھ سکتے تھے؟ بدن سکڑ رہا تھا، پٹھے چیخ رہے تھے اور دل اندر سے چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ ایک بار..... صرف ایک بار اس نایاب شے کی زیارت تو کر لی جائے جس کے لئے یہ خواری ہوئی ہے۔ اور اندر کی اس کیفیت کو دبانا میرے لئے ممکن نہ ہوا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ میں نے بیرونی دروازے کی جانب دیکھا جہاں سے گزر کر میں اندر داخل ہوا تھا۔ احاطے میں، میں نے اِس چہل قدمی کے دوران یا اس سے پہلے کی چہل قدمی کے دوران کسی بھی شخص کا وجود نہیں پایا تھا۔ یہاں شاید کسی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے اس سلسلے میں کوئی پابندی لگا دی گئی ہو۔ حالانکہ مجھے احاطے میں چہل قدمی کی دعوت دے دی گئی تھی۔ دل نے ایک بار دُور تک بھی سوچا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن لوگوں کو مجھ پر کوئی شبہ ہو اور اس بات کا امکان اُن کے ذہن میں موجود ہو کہ میں اس دستاویز کی اصل جگہ سے واقف ہوں، میری نگرانی کی جا رہی ہو اور کچھ خفیہ آنکھیں میرا جائزہ لے رہی ہوں۔ جیسے ہی میں دستاویز اُس مجسمے کی گردن کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالوں، مجھے چھاپ لیا جائے..... دل ایک دم ڈر گیا اور میں نے سوچا کہ اس خوفناک رومن سپاہی کو طیش دلانا مناسب نہیں ہے۔ کہیں یہ خود ہی اس بات کا اعلان نہ کر دے کہ مجرم ان کے درمیان موجود ہے۔ چنانچہ دہشت زدہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اندر سے ایک آواز اُبھری۔

''منصور! تم بزدل تو نہیں ہو۔ اگر بزدل ہوتے تو ان خوفناک حالات میں کب کے خودکشی کر چکے ہوتے۔ ایک ایسی شے تمہارے سامنے موجود ہے جس کے لئے نجانے کون کون سرگرداں ہے۔ اور تم اسے نظرانداز کر کے یہاں سے نکل بھاگنا چاہتے ہو۔''

نجانے اس آواز میں کیا جادو تھا کہ میرے دل سے خوف جاتا رہا اور پھر میں نے اُس

ن سپاہی کو اُس کی اوقات یاد دلانے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ میں نے اُسے یہ بتانا چاہا کہ اے ؤف پتھر کے انسان! ہوسکتا ہے کہ زمانہ قدیم میں تیری بہادری کے چرچے ہوں۔ اس وقت تو ایک پتھر کا ٹکڑا ہے اور میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ میرے دونوں ہاتھ آہستہ اُوپر اُٹھے اور میں نے رومن سپاہی کا چہرہ پکڑ لیا۔ اس کے بعد میں نے اُسے را سا اُوپر اُٹھایا اور وہ آسانی سے اپنے بدن سے علیحدہ ہوگیا۔ میرے ہاتھ پاؤں کانپ ے تھے۔ بدن میں ہلکی ہلکی لرزش تھی۔ لیکن میں نے رومن سپاہی کے چہرے کے خول ایک ہاتھ ڈالا اور دوسرا ہاتھ خالی کر لیا۔ پھر یہ خالی ہاتھ رومن سپاہی کی گردن کے نیچے خلا میں داخل ہوگیا اور زیادہ گہرائیوں میں نہیں گیا تھا کہ دفعتہً ہی میرا ہاتھ، کسی لمبی سی ے ٹکرایا۔ ایک نلکی سی محسوس ہوئی تھی۔ گول اور تراشی ہوئی نلکی جو میرے ہاتھ کی گرفت آ گئی اور میں نے اُسے باہر نکال لیا۔ پلاسٹک کی ایک تقریباً سات اِنچ لمبی نلکی تھی، جس دونوں سرے سفید ڈھکنوں سے بند تھے اور اسی نلکی میں وہ دستاویز موجود تھی جس کے نجانے کیا کیا ہنگامے ہو رہے تھے اور ایک غیر ملکی حکومت براہِ راست اس میں ملوث ہو تھی۔ آخر ایسی کیا شے ہے..... اس دستاویز میں کون سا ایسا اہم راز چھپا ہوا ہے جو نے کس کس کے لئے قابل توجہ بن گیا ہے۔ بہرحال! پہلے رومن سپاہی کو اُس کی اصلی ثبت دینا ضروری تھا۔ چنانچہ دستاویز میں نے اپنے گریبان میں رکھ لی اور اُس کے بعد، اُن سپاہی کا سر بالکل پہلے کی مانند اُس کے شانوں پر فٹ کر دیا۔ وزنی چیز تھی۔ اور یہاں کا گزر نہیں تھا۔ اس لئے اس بات کا خطرہ نہیں تھا کہ وہ گر جائے گا۔ وہ اپنی جگہ فٹ ہو یا تو میں نے پلاسٹک کی نلکی نکالی اور اُس کے ایک حصے کو کھول کر اندر رکھے ہوئے غذات کا جائزہ لینے لگا۔ پھر میں نے یہ کاغذات باہر کھینچ لئے۔ بہت ہی نفاست سے اُن غذات پر کچھ تحریریں لکھی گئی تھیں اور میری سمجھ میں بھلا یہ باتیں کہاں سے آ سکتی تھیں؟ اب وہ قیمتی اور نایاب شے میرے قبضے میں تھی، جس کے لئے یہ ساری ہنگامہ آرائیاں ہی تھیں۔ میں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ اور اس کے بعد میں نے وہ کاغذات، نلکی رکھ کر اُس کا سر بند کر دیا اور نلکی اپنے لباس میں رکھ کر میں واپس پلٹا۔ لیکن..... لیکن میرے دل کی حرکت بند ہونے کے قریب ہوگئی..... میں نے اپنے بائیں سمت سرسراہٹ سنی تھی۔ اور دوسرے لمحے میں نے خوف زدہ نگاہوں سے اُس طرف دیکھا

اور میرے وجود کا ایک ایک ذرہ خوف کا شکار ہو گیا..... وہ ایک سنگیں مجسمہ ہی تھا۔ بالکل سفید سنگیں مجسمہ..... سنگِ مرمر کا بنا ہوا۔ لیکن جو اَب اپنی جگہ چھوڑ کر میری جانب بڑھ رہا تھا۔ ایک قدم..... دو قدم..... تین قدم..... میری گھگھی بندھ گئی۔ پورا بدن پسینہ چھوڑ رہا تھا اور میں دہشت سے بری طرح کانپ رہا تھا۔ مارا گیا۔ مارا گیا..... بالآخر مارا گیا..... سنگی مجسمے کو غور سے دیکھا تو اُس کے نسوانی خطوط نمایاں ہو گئے۔ ایک انتہائی متناسب اور سڈول بدن کی عورت کا مجسمہ تھا جو اچانک ہی جان پا گیا تھا۔ کس طرح..... کیسے؟ اُس کے چہرے پر سفید پینٹ کیا ہوا تھا۔ لیکن اُس کی آنکھیں..... اس سے پہلے اُس کی آنکھیں بند تھیں۔ میں نے ایک نگاہ اُس مجسمے کو بھی دیکھا تھا۔ لیکن اب اُن آنکھوں میں زندگی کی چمک نظر آ رہی تھی اور یہ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ پھر نجانے کیوں مجھے اُس مجسمے کے خدوخال جانے پہچانے معلوم ہوئے۔ یہ کس کا مجسمہ ہے؟ ایک لمحے کے لئے میں نے سوچا۔ میں نے وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میرے قدم جیسے جم گئے تھے۔ بدن بے جان ہو گیا تھا۔ مجسمہ میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا..... اور پھر اُس کے احمریں لبوں سے ایک آواز نکلی۔

''منصور!''

''ارے باپ رے.....'' میں گھگھیائی ہوئی آواز میں چیخا۔

ظاہر ہے یہ سنگیں بت تو کائنات کے تمام رازوں سے واقف ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ انسان نہیں ہیں۔ ان کے اندر تو سنگتراش کی رُوحانیت چھپی ہوئی ہے۔ اُس نے مجھے میرے نام سے پکارا تھا۔

مجسمے کی آواز ایک بار پھر اُبھری۔ ''مجھے پہچانا منصور؟''

میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُسے دیکھنے لگا۔ خدوخال شناسا ضرور محسوس ہو رہے تھے۔ لیکن پتھر کے اُس بت کو میں کیسے پہچانتا؟ پھر اُس نے تیسری بار کہا۔

''میرا نام لیری کوئن ہے۔ مجھے یاد کرو منصور..... مجھے یاد کرو۔''

میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا تھا۔ یہ نام تو میرا کان آشنا ہی نہیں، دل آشنا بھی تھا۔ لیری کوئن..... ریڈ اسنیک..... لیری کنگ..... یہ تمام نام میرے ذہن میں موجود تھے۔ اور میں وحشت زدہ نگاہوں سے اُس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

''میں لیری کوئن ہوں۔''

''تت..... تمہارا مجسمہ.....؟''

''نہیں ڈیئر منصور! یہ مجسمہ نہیں۔ بلکہ میں خود ہوں۔''

''تم..... تم پتھر کی کیسے ہو گئیں؟''

''اوہ نہیں جانِ من! میں پتھر کی نہیں، گوشت پوست ہی کی ہوں۔'' اُس نے نرمی اور ے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے بدن پر رکھ لیا۔

لاشبہ وہ گوشت پوست بلکہ پوست کیا گوشت ہی گوشت تھا اور اُس میں ذرا بھی سختی تھی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ لیری کوئن کا مجسمہ میری صورت ہی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم مجھے یہاں دوبارہ مل سکتے ہو۔''

''مگر یہ..... یہ سب کیا ہے؟''

''طویل کہانی ہے۔ مختصر الفاظ میں بھی نہیں سنائی جا سکتی۔ مگر تم سے ایک سوال کرنا تی ہوں میں۔''

''ہاں پوچھو!'' میں نے نجانے کس ترنگ میں کہا۔

''تم یہاں کیسے آ گئے؟''

''یہ بھی ایک طویل کہانی ہے جسے میں مختصر الفاظ میں نہیں سنا سکتا۔''

''اور تمہارے پاس جو شے محفوظ ہے، وہ تمہارے لئے کیا حیثیت رکھتی ہے؟''

''کون سی شے؟''

''پلاسٹک کی وہ نلکی جس میں ایک انتہائی قیمتی دستاویز موجود ہے۔''

''تم اس کے بارے میں کیسے جانتی ہو؟''

''میں تم سے یہ بات کہنے میں ذرا بھی عار نہیں محسوس کرتی کہ میں زندگی کی بازی لگا کر تاویز حاصل کرنے آئی ہوں اور یہ کام ریڈ اسنیک کے سپرد کیا گیا ہے۔ ریڈ اسنیک پھر عامل ہے اور ہم اپنا کام، بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ میں طویل عرصے سے یہاں رہی ہوں اور نجانے کس کس طرح اپنی زندگی محفوظ کئے ہوئے ہوں۔ لیکن میں اس یز کی اصل جگہ نہیں جانتی تھی۔ البتہ تم..... تم ہمیشہ کی مانند خوش قسمت انسان ہو۔ تم کی مانند اس بار بھی ایک شے کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔ البتہ ایک سوال میں تم

سے ضرور کرنا چاہتی ہوں۔''

میں گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ نجانے مجھے کیوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی اس بت کدے کے کھلے دروازے سے ڈین گاربو اندر داخل ہوگا اور اُس کے پیچھے بے شمار افراد ہوں گے۔ پھر ہمیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جائے گا۔

لیری کوئن چند لمحات کے بعد بولی۔ ''تم کسی کے لئے کام کر رہے ہو یا تم نے اپنا کوئی گروہ الگ بنا لیا ہے؟''

''پتہ نہیں..... آلہ ہوں یا کار۔ لیکن اَب کیا کریں؟''

''کچھ نہیں ڈیئر منصور! تمہیں اس سلسلے میں کامیابی حاصل ہوگئی۔ میں خوش ہوں۔ بس! تمہیں دیکھ کر بے اختیار ہوگئی تھی اور تم سے دُور نہ رہ سکی۔ حالانکہ جب تم نے اُس پتھر کے مجسمے کی گردن میں ہاتھ ڈال کر یہ دستاویز نکالی تھی تو میں نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اَب یہ تمہاری ملکیت ہے۔ کم از کم میں تم سے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کر سکتی۔ ہاں! تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو پھر شاید ہمارے درمیان فیصلہ ہو جاتا۔''

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔''

''میں تم سے ایک درخواست کروں گی۔ اس دستاویز کی بے حد اشد ضرورت مجھے ہے اور تم نے کسی بھی شرط پر اگر کسی سے معاملہ طے کیا ہے تو براہِ کرم! مجھے آزما کر دیکھو۔ چاہے اس کی حاصل شدہ رقم سے دس گنا رقم مجھے دینی پڑے۔ لیکن میں تم سے یہی چاہوں گی کہ اس دستاویز کے سلسلے میں تم میری مدد کرو۔''

میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اَب خوف دُور ہو چکا تھا اور یہ صورت حال میرے علم میں آ گئی تھی کہ لیری کوئن کیا کر رہی ہے۔ ریڈ اسنیک کو میں نے بالکل غیر متوقع طور پر چھوڑ دیا تھا اور لیری کنگ اور لیری کوئن کو دھوکہ دے کر وہاں سے نکل بھاگا تھا۔ لیکن لیری کوئن کے ساتھ زندگی کی بہت سی خوبصورت یادیں وابستہ تھیں۔ اور اَب مجھے یہ علم ہو گیا تھا کہ لیری کوئن معمول کے مطابق کام کرتی ہوئی یہاں تک پہنچی ہے۔ اور پھر میں نے اپنے لباس سے وہ نلکی نکالی اور مسکراتے ہوئے اُس کا ایک ڈھکن کھول کر لیری کوئن کے سامنے کر دیا۔

''اس میں دستاویز موجود ہے۔ اور یہ دستاویز تمہاری نذر۔''

ی کوئن کا چہرہ ایک لمحے کے لئے سُت سا گیا تھا۔ پھر مجھے اُس کی آنکھوں میں ں کے دو قطرے نظر آئے اور اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں منصور! اگر میں تم سے ا کہ تم میرے لئے اس دستاویز سے کہیں زیادہ قیمتی ہو تو تم میرا مذاق اُڑاؤ گے۔ مجھے ے کوئی دُکھ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ تم تو بہت پہلے ہی میرا مذاق اُڑا چکے ہو۔ لیکن یہ ز میں ایسے نہیں لوں گی۔ میں جاننا چاہوں گی کہ اس سے تمہارا کیا مفاد وابستہ ہے؟ ں کے بعد جب تک میں تمہارا وہ مقصد نہیں پورا کروں گی، اس کی مالک نہیں بن ''

لکھنؤ دیکھا ہے کبھی؟'' میں نے طنزیہ انداز میں اُس سے پوچھا۔

''کیا؟'' وہ نہ سمجھنے والے انداز میں بولی۔

''وہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے جو تم یہاں اس یورپی ملک میں کر رہی ہو۔''

''میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی۔''

''لو..... اسے رکھ لو۔ جب میں نے تمہیں یہ دے دی تو اَب یہ سمجھ لو کہ یہ تمہاری ملکیت لیکن یہاں سے نکلو گی کیسے؟''

''اگر تم میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کرو تو ابھی ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

''ابھی؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں! میں نے یہاں سے باہر نکلنے کا بندوبست تو کیا ہے۔ لیکن کیا تمہارے ساتھ کچھ راد بھی ہیں؟''

''نہیں..... ہرگز نہیں۔'' میں نے جواب دیا۔

''منصور..... پلیز! یہاں سے میرے ساتھ چلو۔ ہو سکتا ہے ہم گفت و شنید کے بعد یہ طے کر لیں کہ جو کچھ تم کسی کے لئے کر رہے ہو، یہ دستاویز اُسی تک جانا مناسب ہوگا یا ے سلسلے میں تم سے کوئی سودے کاری کر سکتی ہوں۔''

''جب میں یہ تمہیں بطور تحفہ پیش کر رہا ہوں تو پھر تم اس بات کا گمان کیوں رکھتی ہو کہ نے اپنے دوسرے مفادات کو سامنے رکھا ہے۔''

''جب تم یہ سب بھی کر سکتے ہو تو آؤ! میرے ساتھ چلو۔ اور تم اطمینان رکھو! کہ میں ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کرنا چاہتی۔''

"تم سے مجھے اس کی اُمید بھی نہیں ہے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن تم یہاں سے نکلو گی کیسے؟"

"یہاں احاطے سے باہر نکلنے کے لئے میں نے ایک خاص جگہ منتخب کی ہے۔ اور اس راستے سے میں اندر آتی جاتی ہوں۔ یعنی میں یہاں سے اکثر باہر آتی جاتی ہوں۔"

"جبکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ اگر میں نے احاطے سے باہر قدم رکھا تو نامعلوم نگاہیں میرا تعاقب کریں گی اور مجھے گولیوں کا شکار بنا دیں گے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ اس علاقے کی اسی طرح نگرانی کرتے ہیں۔ لیکن میں تقریباً بیس بار یہاں سے باہر جا چکی ہوں اور اندر آ چکی ہوں۔"

"اوہ گڈ! اس کا مطلب ہے تمہاری دریافت کردہ جگہ بالکل محفوظ ہے۔"

"ہاں..... سو فیصد۔"

"اور اس کے بعد؟"

"اور اس کے بعد ہم ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔"

"ہیلی کاپٹر؟" میں نے پھر متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں! یہ ہیلی کاپٹر ڈین گاربو کی ملکیت ہے۔ لیکن اس کے عملے کے دو افراد ریڈ اسنیک کے آدمی ہیں۔ اور وہ بڑی احتیاط کے ساتھ ڈین گاربو کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اُن کا مقصد یہی ہے کہ جونہی میں کامیاب ہو کر یہاں سے نکلوں، وہ ہیلی کاپٹر میں مجھے بٹھا کر اُڑا لے جائیں۔"

"لیکن اگر ہیلی کاپٹر ڈین گاربو کے بغیر پرواز کرے گا تو اُس کی جانب توجہ نہ دی جائے گی؟"

"یہ ہیلی کاپٹر ڈین گاربو کے مختلف کاموں کے سلسلے میں آتا جاتا رہتا ہے۔ شاید تمہیں یہ بات معلوم ہو کہ ڈین گاربو کا مقامی حکومت سے نیا نیا معاہدہ ہوا ہے اور اس طرح اب ڈین گاربو کے عملے کے افراد کو آزادانہ نقل و حرکت میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔"

"ہاں! میں نے یہ بات سنی تھی۔"

"تو پھر اَب کیا خیال ہے؟"

"کم از کم یہاں سے تو نکلا جائے۔ ہم اپنے طور پر یہ فیصلہ کرلیں گے کہ آئندہ ہمیں کیا

؟"

ہیں یہاں سے صرف یہ دستاویز ہی نہیں لے جا رہی جو میری عزت کا سوال ہے۔ یں اس سے کہیں زیادہ قیمتی شے اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ اوہ منصور! میری ں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔"

ر پھر ہم رفتہ رفتہ اُس دروازے کی جانب بڑھنے لگے۔ میرے اوسان خطا ہو رہے اس سے پہلے میں احاطے میں آزادانہ چہل قدمی کرتا رہا تھا اور یہاں اس بت کدے خل ہوتے ہوئے بھی مجھے بہت خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ بس ایک معمولی سا خیال تھا ہ ڈین گاربو میرا یہاں آنا ناپسند نہ کرے۔ لیکن یہاں سے جاتے ہوئے میرا رواں کانپ رہا تھا۔ اور ہم دونوں اُس دروازے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ لیکن دفعتہً ہی ا..... ایک اور مجسمے نے اپنی جگہ چھوڑ دی یا پھر وہ جو کچھ بھی تھا، کسی مجسمے کے عقب ل کر ہمارے سامنے آیا تھا۔ میرے اور لیری کوئن کے قدم ٹھٹک گئے اور ہم نے خوف گاہوں سے اُسے دیکھا۔ یہ مجسمہ نہیں بلکہ ایلن ڈاگ تھا جس کے ہاتھ میں پستول دبا تا۔ میرا چہرہ بگڑ گیا۔ میں نے دہشت بھری نگاہوں سے ایلن ڈاگ کو دیکھا اور ایلن کرخت لہجے میں بولا۔

"تم لوگ جو کوئی بھی ہو، میں تمہیں بڑے اطمینان سے اسی جگہ ہلاک کر دوں گا اور لاشیں یہاں چھوڑ کر نکل جاؤں گا۔ زندگی چاہتے ہو تو پلاسٹک کی وہ نلکی میرے لے کر دو۔"

ں نے ایک لمحے کے لئے حیرت سے ایلن ڈاگ کو دیکھا۔ لیکن دوسرے لمحے میری رفع ہوگئی۔ ظاہر ہے اس وقت میں زیمبوکا کے میک اپ میں نہیں تھا۔ چنانچہ ایلن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ میں ہو سکتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی لیری کوئن بھی ششدر ایلن ڈاگ نے پستول سیدھا کیا تو میں نے جلدی سے دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے بے وقوفی مت کرو ایلن ڈاگ! تم جانتے ہو اس حماقت کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔"

ن ڈاگ بری طرح ٹھٹک گیا۔ یا تو میرے منہ سے اُسے اپنا نام سن کر حیرانی ہوئی تھی پھر اُس نے میرے جملے پر غور کیا تھا۔ میں نے زور زور سے گردن ہلاتے ہوئے ہاں! تمہارے پستول پر سائلنسر بھی نہیں ہے۔ اگر تم نے گولی چلا دی تو نتیجہ جانتے

ہو گیا ہو گا؟ شاید تمہیں یہ بات معلوم نہیں کہ ڈین گاربو اس وقت اپنے علاقے کے چپے چپے پر تمہیں تلاش کر رہا ہے۔''

غالباً ایلن ڈاگ کو میرا لہجہ جانا پہچانا معلوم ہوا تھا۔ وہ میرے الفاظ کے سحر میں کھو گیا اور پھر یہ حقیقت بھی تھی کہ اُس کے پستول پر سائلنسر نہیں تھا۔ لیکن خود فراموشی کے ان لمحات کا اُسے بڑا نقصان اُٹھانا پڑا۔ دفعتہً ہی لیری کوئن کی لات چلی تھی اور ایلن ڈاگ کے ہاتھ سے پستول فضا میں پرواز کر گیا تھا۔ میں کسی زمانے میں کرکٹ کا اچھا خاصا کھلاڑی تھا اور فیلڈنگ کرتے ہوئے کیچ چھوڑ دینا اپنے لئے بدترین گالی تصور کرتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی وہی منظر یاد آ گیا اور میں نے پستول دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ ایلن ڈاگ، لیری کوئن کی جانب پلٹا تھا۔ لیکن اَب بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا تھا کہ میں اُسے لیری کوئن پر حملہ کرنے کی اجازت دے دیتا۔ میری غیرت بھی جوش میں آ گئی تھی۔ چنانچہ میں نے عقب سے ایلن ڈاگ کی قمیص کا کالر پکڑا اور اُسے ایک زوردار جھٹکا دے کر نیچے گرا دیا۔ لیری کوئن جنگ و جدل میں ماہر تھی۔ جیسے ہی ایلن ڈاگ نیچے گرا، لیری کوئن کے جوتے کی ٹھوکر اُس کے سر پر پڑی۔ ایلن ڈاگ حلق پھاڑ کر چیخا تھا۔ لیکن میں شدت دہشت سے اُس پر گر پڑا اور میں نے دونوں ہاتھوں سے اُس کا منہ بھینچ لیا۔ ورنہ اُس کی دھاڑ بڑی زوردار تھی۔ اور باہر تک اُس کی آواز جا سکتی تھی۔ میں کسی قیمت پر ایلن ڈاگ کو چیخنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ لیری کوئن مجھے اس پر سے ہٹاتی رہی۔ لیکن میں ایسے چپک گیا تھا جیسے اُس کے جسم ہی کا ایک حصہ ہوں۔ لیری کوئن نے بالآخر مجھے اُس پر سے ہٹا لیا۔ لیکن ایلن ڈاگ اَب بھی سیدھا ہی پڑا ہوا تھا اور اُس کے بدن میں جنبش نہیں تھی۔ نجانے کیا ہو گیا تھا؟

لیری کوئن نے جھک کر اُس کا چہرہ دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ ''مر گیا۔''

''مر گیا؟'' میں نے متحیرانہ انداز میں کہا اور لیری کوئن ہنس پڑی۔ ''تمہاری یہ ادائیں مجھے ہمیشہ یاد آتی رہیں منصور! تم نے اطمینان سے اسے ہلاک کر دیا۔ حالانکہ یہ قوی ہیکل آدمی ہے اور اَب معصومیت سے مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ کیا یہ مر گیا؟''

''اوہو! اچھا ہوا..... مم..... میں نے اسے مار دیا۔ ہاں..... ہاں..... بالکل!'' میں نے شان سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لیکن اس بت کدے میں کوئی بھی آ سکتا ہے۔ ہم اتنے آزادانہ طور پر یہاں نہیں رہ

بہتر ہے اسے کسی مجسمے کے عقب میں ڈال دو۔ ورنہ ہم بھی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں گے۔''

میں نے بوکھلا کر ایلن ڈاگ کا پستول اپنے لباس میں رکھا۔ پھر میں نے اور لیری کوئن نے اُٹھا کر ایک گوشے میں گھسیٹ لیا اور اس کے بعد ہم دونوں احاطے کے دروازے سے باہر نکل آئے۔ لیری کوئن نے کہا تھا کہ اُس نے ایک ایسا راستہ دریافت کر لیا ہے جس سے وہ بیسیوں بار باہر جا چکی ہے اور اندر آ چکی ہے۔ چنانچہ مجھے اطمینان تھا۔ میں لیری کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ اور پھر لیری کوئن ایک ایسے درخت کی آڑ میں پہنچ گئی جو گھنا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ پھولوں کا ایک وسیع کنج پھیلا ہوا تھا۔ اس کے عقب ایک سوراخ نظر آ رہا تھا۔ غالباً یہ گٹر لائن تھی۔ اور لیری کوئن نے اُس کا ایک ڈھکن اُٹھا کر ایک جانب رکھا ہوا تھا۔ اُس نے مجھے اشارہ کیا اور خود گٹر لائن میں اُتر گئی۔ میرے ذہن میں پھر وہی نفرت بھری بدبو جاگ اُٹھی تھی جس سے گزر کر میں پہلے بھی یہاں آ چکا تھا۔ لیکن یہ گٹر بالکل مختلف تھا۔ قد آدم، کشادہ اور کافی لمبا چوڑا لیکن خشک..... یہ سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک کھلی جگہ پہنچ گئے۔ یہاں یہ گٹر لائن ایک دروازے کی شکل میں باہر نکل آئی تھی۔ غالباً پہلے کبھی اُس کا استعمال ہوتا تھا۔ لیکن اَب یہ خشک پڑی ہوئی تھی۔ جس جگہ یہ دروازہ تھا، وہاں ایک لمبی سرنگ جیسی نظر آ رہی تھی۔ جو اُوپر سے بڑے پتھروں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ لیکن یہ پتھر جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے تھے اور یہ جگہ واقعی ڈین گاربو کی لاپرواہی کا ثبوت تھی۔ ہم اُس عجیب و غریب جگہ سفر کرتے ہوئے تقریباً ایک فرلانگ دُور نکل آئے اور یہاں سے اُوپر نکلنے کے بعد ہم نے وہ ہیلی پیڈ دیکھا جو بہت صاف ستھرا تھا اور اُس پر ایک ہیلی کاپٹر کھڑا ہوا تھا۔ لیری کوئن نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ اور اُس کا ساتھی وہیں قریب ہی موجود تھے۔ لیری کوئن نے اشارہ کیا اور ہم دونوں آگے بڑھنے لگے۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ لیری کوئن نے تقریباً دوڑنے کے سے انداز میں ہیلی کاپٹر تک کا سفر طے کیا۔ میں اُس کے ساتھ ساتھ قدم ملائے ہوئے تھا۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے لیری کوئن کے ساتھ مجھے دیکھا تو لیری کوئن نے جلدی سے کہا۔

''یہ میرے ساتھی ہیں۔ براہِ کرم! جلدی کرو۔ بس یہ ہمارے آخری لمحات ہیں اور ہمیں

نہایت مہارت سے اس علاقے سے نکل جانا ہے۔''

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ اور اُس کے ساتھی نے جلدی سے دروازے کھول دیئے اور ہم دونوں ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔ وہ دونوں بھی اندر جا بیٹھے تھے۔ اور چند لمحات کے بعد ہیلی کاپٹر زمین چھوڑنے لگا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ ڈین گاربو اور اُس کے کارکن اتنی آسانی سے ہیلی کاپٹر کو نظر انداز کر دیں گے۔ پتہ نہیں کیوں دل اندر سے دھک دھک کر رہا تھا اور ہر لمحہ یہی احساس ہو رہا تھا کہ اَب نیچے سے گولیاں چلائی جائیں گی اور ہیلی کاپٹر کے فضا میں ہی پرخچے اُڑ جائیں گے۔ ہیلی کاپٹر ایک مخصوص بلندی پر پہنچنے کے بعد فضا میں سیدھا تیرنے لگا تھا۔ اس دوران میں نے کئی بار لیری کوئن کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن وہ بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔ البتہ یہ بات یقینی تھی کہ خود لیری کوئن کو یہ نہیں معلوم تھا کہ دستاویز کس مجسمے میں محفوظ ہے اور وہاں اُس نے مجسمے کی حیثیت اس لئے نہیں اختیار کی تھی کہ وہ دستاویز کی وہاں موجودگی سے واقف ہے۔ وہ صرف پوشیدہ رہنے کی ایک کوشش تھی اور بلاشبہ ایک کامیاب کوشش۔ ویسے مجھے لیری کوئن سے اپنی پہلی ملاقات یاد آ رہی تھی۔ جب وہ ایک بوڑھی کے میک اَپ میں مجھے ملی تھی اور اُس کے بعد عجیب و غریب حالات میں پھنس کر میں نے ایک مصنوعی سیارے سے حاصل شدہ فلم اُس کے حوالے کی تھی۔ لیری کوئن پر میرا یہ دوسرا احسان تھا۔ غرض زندگی میں بہت سے کردار آئے تھے۔ اور دلچسپ بات یہ تھی کہ گھوم پھر کر کوئی نہ کوئی کردار مجھ سے ٹکرا جاتا تھا۔ غالباً دنیا گول ہے اور انسان اس میں چکراتے رہتے ہیں والا مقولہ تھا۔

ہیلی کاپٹر جب کافی دیر تک اسی مناسب رفتار سے پرواز کرتا رہا تو میرے اندر بھی کسی قدر اعتماد پیدا ہو گیا۔ میں نے نیچے کا منظر دیکھا۔ شاید ہم شہری آبادی پر سے گزر رہے تھے۔ یہ حیرت ناک بات تھی۔ کیونکہ پرائیویٹ ہیلی کاپٹر کا یہ پرسکون سفر ذرا کچھ غیر فطری سا محسوس ہوتا تھا۔ پھر شہری آبادیاں ختم ہو گئیں اور سمندر نظر آنے لگا۔ نجانے لیری کوئن نے یہاں سے نکلنے کے لئے کیا بندوبست کیا تھا؟ میں نے اپنے ذہن کو دوسرے راستوں پر لگانے کے لئے مختلف انداز میں سوچنا شروع کر دیا۔ انسانی جدوجہد عجیب و غریب رہی ہے۔ صدیوں سے انسانی سوچ میں ایک ہی رنگ نمایاں رہا ہے۔ برتری حاصل کرنا، دولت کمانا، اپنے نظریات کا پرچار کرنا اور اس کے بعد مر جانا۔ جبکہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ

ی زندگی ہے، کسی بھی منزل تک سفر کر لے۔ اس کے بعد آخری سفر لازمی ہوتا ہے۔ قدرت نے انسانی فطرت میں تجسس کا مادہ اور یہ احساسات، جزو لازم رکھے ہیں جاننے کے باوجود کہ زندگی کی انتہا موت ہے اور جدوجہد اسی دنیا میں رہ جاتی ہے، وہ کرتا ہے اور جیتنے کے لئے ہر جائز اور ناجائز راستے اختیار کرتا ہے۔ یہ فلسفیانہ سوچ ب تک مجھ پر مسلط رہی اور اُس کے بعد میں نے ہیلی کاپٹر کو ایک لمبا چکر لگاتے وہ کچھ نیچے جھک آیا تھا۔ غالباً اُترنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دورانِ سفر لیری کوئن نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ میں نے نیچے دیکھا۔ سمندر کے ساحل پر ایک سفید رنگ کا بڑت اسٹیمر نظر آ رہا تھا۔ اس سے کچھ فاصلے پر چند افراد بھی کھڑے ہوئے تھے اور اُن ریں اُوپر لگی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک بار پھر لیری کوئن کی جانب دیکھا۔ وہ مطمئن نظر تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ اسی کے ساتھی تھے۔ لیکن اس وقت اس جگہ اور اس میں جیسے وہ لیری کوئن کا انتظار کر رہے ہوں۔ میں اس سلسلے میں سوال کئے بغیر نہ رہ

''یہ تمہارے اپنے آدمی ہیں؟''

''ہاں!''

''لیکن انہیں کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں پہنچنے والے ہیں؟''

''اوہ..... ڈیئر! تم غالباً سو گئے تھے۔''

''کیا مطلب؟''

''تم اس طرح گم تھے کہ میں نے تمہیں دو تین بار مخاطب کیا لیکن تم نے توجہ ہی نہیں میں نے سوچا کہ تم ذہنی طور پر سو رہے ہو۔ میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی تھی کہ فوراً جائیں۔ جگہ بھی بتا دی تھی میں نے اور ہمارا یہ سفر اچھا خاصا طویل تھا۔ چنانچہ اَب یہ مستعد ہیں۔''

''کمال ہے۔ تم نے یہ اطلاع کیسے دی تھی؟''

''وائرلیس پر۔'' لیری کوئن نے جواب دیا۔

''تب واقعی میں سو گیا تھا۔'' میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ کیونکہ اس دوران مجھے کی کوئی آواز ہی سنائی نہیں دی تھی۔ اور واقعی میں نے اس پر کوئی توجہ بھی نہیں دی

تھی۔ بس! اپنی ہی سوچوں میں گم رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر نیچے اُتر گیا۔ ساحل کی ریت بھیگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے فضا میں گرد نہیں اُڑی تھی۔ نیچے اسٹیمر سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے لوگوں کی تعداد دس کے قریب تھی۔ ہمارے لئے احترام سے دروازہ کھول دیا گیا تھا۔ میرے بارے میں یہاں بھی کسی نے کوئی خاص سوال نہیں کیا تھا اور میں لیری کوئن کے ساتھ نیچے آ گیا۔ چند افراد نے لیری کوئن سے ہاتھ ملایا تھا۔ میری جانب بھی لوگ متوجہ ہوئے تھے۔ لیکن لیری کوئن نے میرا اُن سے تعارف کرانا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ پھر ہم اُن لوگوں کے ساتھ اسٹیمر میں سوار ہو گئے۔ میں نے ہیلی کاپٹر کے ایک پائلٹ کو اپنے ساتھ اسٹیمر میں سوار ہوتے دیکھا تھا، جبکہ دوسرا پائلٹ ہیلی کاپٹر ہی میں موجود تھا۔ ہم اُس اسٹیمر میں سوار ہوئے تو اسٹیمر کے انجن سٹارٹ ہو گئے اور وہ سست روی سے آگے بڑھنے لگا۔ دوسری جانب ہیلی کاپٹر فضا میں بلند ہو رہا تھا اور اُس کا رُخ سمندر کی جانب تھا۔ لیکن جو کچھ ہونے والا تھا، اس کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ ہیلی کاپٹر برق رفتاری سے سمندر کی جانب جا رہا تھا۔ پھر میں نے اُس میں سے پائلٹ کو نیچے کودتے ہوئے دیکھا۔ ہیلی کاپٹر کافی آگے بڑھ گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ایک شعلے کی شکل میں بھڑک اُٹھا تھا۔ دھماکہ بھی سنائی دیا تھا اور ہیلی کاپٹر کا ملبہ سمندر میں گرنے لگا۔ جبکہ پائلٹ کرنے والا نوجوان برق رفتاری سے تیرتا ہوا اسٹیمر کی جانب آ رہا تھا اور اسٹیمر سے اُسے اُوپر کھینچ لینے کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ لیری کوئن وغیرہ بھی یہی منظر دیکھنے کے لئے اسٹیمر کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ بالآخر اسٹیمر نے پائلٹ کو اسٹیمر میں کھینچ لیا گیا اور اُس کے فوراً بعد اسٹیمر کا رُخ تبدیل کر لیا۔ میں کسی تفصیل جاننے کی کوشش میں مصروف نہیں تھا۔ ظاہر ہے اَب سب کچھ جان لینا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں اُسے ضروری محسوس کر رہا تھا۔

لیری کوئن دوسرے لوگوں سے بات چیت کرتی رہی اور میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اسٹیمر کا یہ سفر تقریباً ساٹھ، ستر منٹ جاری رہا۔ اس دوران ہمیں کافی پیش کی گئی۔ میں نے اطمینان سے کافی قبول کر لی اور اُس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔ حالانکہ میرے ذہن میں یہ جاننے کا تجسّس تھا کہ اسٹیمر کا یہ سفر کتنا طویل ہو گا؟ لیکن اَب ہر قسم کے تجسّس کو دبانا بھی ضروری تھا۔ خوامخواہ آدمی بلاوجہ کی اُلجھنوں میں

ہو جاتا ہے۔ میرے ذہن میں میڈم ٹوریسا آئی.... ایلن ڈاگ آیا، جو بے چارہ میرے ہی ہاتھوں مارا گیا تھا۔ میڈم ٹوریسا کو وہاں سے فرار ہونا پڑا تھا۔ کیونکہ ہو نے ہمارے پروگرام کے بارے میں تفصیلات معلوم کر لی تھیں۔ اور پھر وہ لوگ نے مجھے زیمبوکا کی حیثیت سے اُس مہم پر بھیجا تھا۔ مگر قصور میرا بھی تو نہیں تھا۔ میں زیمبوکا تھا؟ ایک کمبخت نے چہرے پر کالک لگا دی تھی جو صاف کیئے صاف نہیں ہو۔ بھلا ہو بے چارے ڈین گاربوکا کہ کم از کم اُس نے میری یہ روسیاہی تو ختم کر ورنہ نجانے کب تک وہی منحوس شکل لئے پھرتا رہتا اور لوگ مجھے زیمبوکا اور نجانے کیا سمجھتے رہتے۔ بہرطور! اپنی صورت، اپنی ہی ہوتی ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا کا سب سے بڑا غدار تھا۔ کسی ایک شخص سے بھی میں نے وفا نہیں کی تھی۔ نے میرے لئے نجانے کیا کیا کچھ کیا تھا؟ بہت سے لوگوں نے مجھ سے بہت سی وابستہ کی تھیں۔ اور مجھے اپنی ذات میں شامل کرنے کے لئے نجانے کیا کیا جتن تھے؟ مگر تقدیر نے کبھی کسی ایک کا ساتھ نہ قبول کرنے دیا تھا۔ پتہ نہیں یہ الزام تقدیر پر سکتا تھا یا نہیں؟ خود میں نے بھی تو شاید کسی کے ساتھ جذب ہو جانے کی کوشش نہیں پتہ نہیں کیوں اس دنیا میں میرا کسی کے ساتھ دل ہی نہیں ملتا تھا۔ کبھی بھی، کہیں .... لیکن اس سلسلے میں میرے اپنے کسی خاص جذبے کا کوئی دخل بھی تو نہیں تھا۔ اور بھی یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ میں لیری کوئن کے ساتھ وفا کر سکوں گا۔ اُس بے چاری کا کام میرے ذریعے بن گیا تھا اور دوسری بے چاری کا کام میرے ذریعے بگڑ گیا تھا۔ بھلا بتایئے، ایلن ڈاگ اپنے بھائی کا انتقام لینا چاہتا تھا جسے قتل کر دیا گیا تھا، اور میرا کام اُسی کے ساتھ تھا۔ لیکن لیری کوئن کے مل جانے کی وجہ سے سب گڑبڑ ہو گیا اور میں اُس کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہا تھا۔ سوچوں کے یہ دائرے پھیلتے رہے اور جب اسٹیمر کی رفتار سست ہوئی، تب میں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ لیری کا کہنا درست تھا۔ میں سوچوں میں گم ہو کر سو ہی جاتا تھا۔ ورنہ دُور سے اُس آبدوز کو لینا مشکل نہ ہوتا جو اَب مکمل طور پر سطحِ سمندر پر نظر آ رہی تھی۔ اور اسٹیمر اُسی کی جانب رہا تھا۔ میں نے حیران نگاہوں سے آبدوز کو دیکھا۔ وہاں بھی ہمارے استقبال کے لئے لوگ نظر آ رہے تھے۔

اسٹیمر، آبدوز کے قریب پہنچ گیا اور وہاں سے ہمیں آبدوز میں منتقل ہونا پڑا۔ چند لمحات کے بعد میں آبدوز کے اندر اُتر گیا تھا۔ دوسرے لوگ لیری کوئن سے محو گفتگو تھے۔ لیکن لیری کوئن نے اُن سے یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ وہ شدید تھکن کا شکار ہے اور کچھ وقت آرام کرنا چاہتی ہے۔ غالباً اُس سے پوچھا گیا تھا کہ کیا اُس کے ساتھی کو بھی اُس کے ساتھ ہی جگہ دی جائے؟ تو لیری کوئن نے اُن لوگوں کو یہی ہدایت کر دی تھی۔ پھر ہمیں آبدوز کے شاید واحد کیبن میں منتقل کر دیا گیا۔ کیبن زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ لیکن آرام دہ تھا۔ لیری کوئن نے مجھے سامنے بیٹھنے کی پیشکش کی۔ اور پھر خود بھی میرے ساتھ ایک برتھ نما بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”میں جانتی ہوں ڈیئر مون! کہ تم کیسے کیسے ذہنی مراحل سے گزر رہے ہو گے۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے کوئی اجنبی چیز نہیں ہے۔ تم بھی غالباً ای[illegible] مقصد کے لئے اس دنیا میں آئے ہو۔“

”یہ بات تم نے بالکل درست کہی لیری کوئن! میں دنیا میں اسی مقصد کے لئے آیا ہوں۔ لیکن اپنی مرضی کے بالکل خلاف۔“

”بہر طور! ان لوگوں سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ تم بور ہو رہے ہو۔ چنانچہ میں نے اُن سے معذرت کر لی۔“

”کون لوگ ہیں یہ؟ کیا ریڈ اسنیک کے ارکان؟“

”نہیں..... اس کا تعلق اُس ملک سے ہے جو دستاویز کے حصول کے لئے ریڈ اسنیک کی خدمات حاصل کر چکا ہے اور اس سلسلے میں ریڈ اسنیک کے ساتھ زبردست تعاون کر رہا ہے۔“

”اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ بہت اعلیٰ پیمانے پر کام کیا جا رہا تھا۔“

”ہاں ڈیئر مون!“ لیری کوئن نے عجیب سے انداز میں کہا۔ اُس کی آنکھوں میں احسان[illegible] مندی کے جذبات نظر آ رہے تھے۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔ ”لیکن ڈیئر مون! میں ایک بات جانتی ہوں کہ میرے فرشتے بھی یہ نہیں معلوم کر سکتے تھے [illegible] دستاویز کسی ٹوٹے ہوئے مجسمے کے بدن میں پوشیدہ ہے اور یقینی طور پر میں اُس کے حصول میں ناکام رہتی۔ میں خلوص دِل سے اعتراف کرتی ہوں کہ اس سلسلے میں صرف اور صرف

[illegible]ی مدد سے کامیاب رہی ہوں۔ لیکن ایک اور بات بھی کہہ دینا چاہتی ہوں تم سے، اور [illegible]ت میرے دل کی گہرائیوں سے نکل رہی ہے وہ یہ کہ تم کسی بھی طور اس کے لئے مجبور [illegible] ہو کہ یہ دستاویز میری خواہش پر اُس ملک کے حوالے کرو۔ اگر تم نے اپنے طور پر کسی [illegible] معاہدہ کر لیا ہے اور تم یہ سمجھتے ہو کہ اس معاہدے کی پابندی کرنا ضروری ہے تو میں [illegible]، تمہاری ایک پکی اور سچی دوست کی حیثیت سے یہ یقین دلاتی ہوں کہ کسی کو دستاویز [illegible] ہوا بھی نہیں لگنے پائے گی اور وہی ہو گا جو تم چاہو گے۔ بات دراصل یہ ہے ڈیئر مون! [illegible] میں وہ دولت نہیں چاہتی جو اس دستاویز کے بدلے مجھے حاصل ہونے والی ہے۔ بلکہ [illegible] تمہاری دوستی، تمہارا ساتھ درکار ہے۔ پہلے میں بھی اس کی خواہش مند تھی۔ لیکن نجانے [illegible] تم نے ہمیں چھوڑ دیا۔ میں اس دور کی عورت نہیں ہوں جو اظہار عشق کر کے خود کو زندہ [illegible] سکتی ہے۔ لیکن انسانی فطرت اور شاید انسانی طلب یہی ہوتی ہے کہ کوئی ایک شخص خاص [illegible] کسی ایک سے متاثر ہو جائے اور اسی کی ضرورت محسوس کرتا رہے۔ زمانہ قدیم میں اسے [illegible] عشق کا نام دیا جاتا تھا اور اس کے بارے میں بہت سی داستانیں مشہور کر دی جاتی تھیں۔ [illegible] اس جدید دور میں اگر سائنس اس موضوع پر تحقیقات کرے تو میں دعوے سے کہتی [illegible] کہ ایسے شواہد ملیں گے جو انتہائی حیرت ناک ہوں گے۔ مثلاً تمہارے جسم کی تخلیق میں [illegible] ایسا حصہ ضرور استعمال کیا گیا ہو گا جس کا بقیہ حصہ میرے وجود میں موجود ہو گا اور ہم [illegible] دوسرے کی طلب ذہنی طور پر نہیں بلکہ اندرونی طور پر کرتے ہیں اور اس کو مختلف [illegible] کا نام دے دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے میں نے بہت احمقانہ انداز میں اس بات کی [illegible] کی ہے۔ لیکن اس کا مفہوم تم نے سمجھ لیا ہو گا۔ بعض لوگ صرف اپنی ذات کی بناء پر [illegible] ہوتے ہیں، کسی چیز کی وجہ سے نہیں۔ اور تم ڈیئر منصور! مجھے اپنی ذات کی وجہ سے عزیز [illegible] میرے اور تمہارے وجود میں کوئی مشترک حصہ ضرور موجود ہے جو ہر لمحہ ایک دوسرے کو [illegible] کرتا رہتا ہے۔ مجھے معاف کرو! یہ جملہ کہتے ہوئے شاید غلط کہہ گئی ہوں۔ یہ طلب [illegible] ہے، تمہاری طرف سے اس کا اظہار نہیں ہوا۔ اس کا بھی کوئی سائنسی پہلو ہو گا۔ بات [illegible] کی یہ تھی کہ اگر اس دستاویز کے سلسلے میں تمہارا کسی سے کوئی معاہدہ ہو چکا ہے، جسے تم [illegible] نہیں چاہتے تو یوں سمجھ لو کہ میں اس سے دستبردار..... اور ہم ان لوگوں کے لئے کام [illegible] گے، جن سے تم معاہدہ کر چکے ہو۔“

''اور ان لوگوں سے کیا کہو گی؟''

''یہ میرا کام ہے۔''

''اور ان لوگوں نے تمہارے لئے یہ جدوجہد جو کی ہے، میرا مطلب ہے کہ تمہاری یہاں سے واپسی کم از کم اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ تم نے جس مقصد کے لئے اُن سے تعاون کیا تھا، وہ پورا ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے تم نے اپنی واپسی کی اطلاع انہی الفاظ میں دی ہو گی۔''

میرے اس سوال پر لیری کوئن ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ''نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔ میری واپسی ایک خاص پروگرام کے تحت تھی۔ اور اگر ہم دستاویز کا سودا اِن لوگوں سے کر بھی لیتے ہیں تو ابھی انہیں ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی کہ دستاویز ہمارے پاس موجود ہے۔''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ لیری کوئن کی بات میری سمجھ میں آ گئی تھی۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ ''تم پہلے بھی مجھے جانتی ہو اور جان چکی ہو ڈیئر لیری! کہ میں وہ نہیں ہوں جو سمجھ لیا جاتا ہوں۔ میں تو بس! ایک ڈمی آدمی ہوں جو ہر جگہ بالکل ٹھیک ہوتی ہے۔ بالکل ٹھیک..... بالکل ٹھیک..... یہ لفظ میری زندگی سے چسپاں ہو چکا ہے۔ جس نے جو کہا، اُسے مانا۔ نہ مانا تو مصیبتوں کا شکار ہوا۔ بہرطور! مقصد یہ ہے کہ اُس وقت بھی مجھے ایک عجیب و غریب واقعہ کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور ایسے واقعات میری زندگی کا جزو بن چکے ہیں اور انہی کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا ہوں۔ اس دستاویز کی فروخت سے میرا کوئی براہِ راست تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی میں نے اس کے سلسلے میں کسی سے جذباتی قسم کھائی ہے۔ پہلے بھی ایک بار ایسا ہو چکا تھا کہ دوسرے چند لوگ ایک مسئلے میں میری خدمات حاصل کر چکے تھے۔ لیکن میں نے تمہیں سب پر ترجیح دی اور واقعات نے وہی کہانی پھر سے دہرا دی۔ تم ریڈ اسنیک کے لئے کام کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

لیری کوئن کی آنکھوں میں تشکر کے جذبات نظر آئے تھے۔ وہ دیر تک مجھے دیکھتی رہی۔ اور اُس کی آنکھوں میں میرے لئے محبت کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جسے میں نے بھی محسوس کیا۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔ ''چلے کیوں گئے تھے؟''

''لیری! تمہیں اپنے بارے میں مختصر تفصیل بتا چکا ہوں۔ یوں سمجھ لو! کہ زندگی پر کبھی میرا کوئی اختیار نہیں رہا ہے۔ میں بس! اس کا شکار رہا ہوں۔ جہاں تک اپنی زندگی گزارنے

کا مسئلہ تھا تو اس کے لئے میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات آتی تھی، جس طرح عام لوگ زندگی گزارتے ہیں، ایک گھر ہوتا ہے اُن کا۔ اُن سے متعلق چند افراد ہوتے ہیں۔ پھر افراد کا اضافہ ہوتا ہے۔ اور اُس کے بعد وہ شخص بوڑھا ہو جاتا ہے۔ کبھی اس سے مختلف نہیں سوچا تھا اور میں زندگی کی تمام روایتوں میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے لئے مختلف راستے کیوں منتخب کر دیئے گئے؟ میں اپنی زندگی میں وہ مقام کبھی نہیں پا سکا لیری! جو عام انسانوں میں ہوتا ہے۔ بس، یوں سمجھ لو! وقت نے مجھے وہ مواقع ہی فراہم نہیں کئے۔ اور ایک ناکام زندگی سے نکلنے کی جدوجہد میں، میں مختلف راستوں پر بھٹکتا رہا۔ میں نے وہ کبھی نہ چاہا جو میرے ساتھ ہوا۔ اور پھر مختلف کیفیتوں میں تسلیم کیا جاتا رہا۔ میری اصلی شخصیت میں مجھے کسی نے نہ مانا۔ یہاں تک کہ وقت نے مجھے یہ سکھا دیا کہ میں جو کچھ کہوں، وہ غلط ہے۔ دنیا جو کہے وہ درست۔ اور جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ میں بالکل ٹھیک ہو گیا۔ یہ لفظ میری زندگی سے چسپاں ہو گیا ہے لیری کوئن! ابھی آخری واقعہ لے لو۔ صحرائے اعظم افریقہ میں، میں ایک جال میں پھنس گیا تھا۔ اور وہ بھی کچھ لوگوں کی وجہ سے۔ وہاں میری صورت تبدیل کر دی گئی اور مجھے ایک افریقی انسان بنا دیا گیا۔ معاملات ختم ہوئے اور میں وہاں سے واپس پلٹا تو میرا چہرہ، سیاہ فاموں کا چہرہ تھا۔ میں نے سوچا کہ کم از کم اس صورت میں میری شکل کسی سے نہ ملتی ہو گی۔ لیکن مجھے زیمبوکا کے نام سے پکارا گیا اور یہ مہم میرے حوالے کر دی گئی۔ یعنی اُس دستاویز کا حصول۔ جبکہ میں زیمبوکا نہیں تھا لیری! میں ایک مقام پر ٹھہرنا چاہتا ہوں۔ لیکن کیا کروں؟ اُس مقام کا کوئی وجود نہیں ہے۔''

لیری کوئن تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں جو کچھ کہوں گی، اسے تم میری ہوس یا خود پرستی مت سمجھنا۔ نہ اُسے خودغرضی کا نام دینا منصور! وقت تم سے جو کچھ چاہتا ہے، بے شک تم وقت کو وہی دو۔ لیکن اس سے انحراف تمہاری زندگی میں مختلف واقعات کا محرک بن جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم اسی حیثیت کو برقرار رہنے دو۔ لیکن اپنی مرضی کے مطابق۔ تم منصور ہو نا، منصور ہی رہو۔ اور اسی حیثیت، اسی نام سے وقت کے ساتھ سفر کرو۔ دیکھو! میں ایک بار پھر تمہیں دعوت دیتی ہوں کہ ریڈ اسنیک کو اپنا لو۔ اس کی تفصیل تقریباً تمہارے علم میں ہے۔ لیری کنگ اپنے زمانے میں ریڈ اسنیک کے ایک

سرگرم رُکن رہے۔ پھر اُنہیں زوال کے لمحات دیکھنا پڑے اور ریڈ اسنیک تاریکی میں گم ہو گیا۔ لیکن جب وہ حالات کی گردش سے نکلے تو اُنہوں نے اپنی ضد کے تحت ریڈ اسنیک کو پھر سے زندہ کیا۔ اور بالآخر اُسے اُس مقام تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئے جو کسی زمانے میں اُس کا تھا۔ ہم باپ بیٹی نے ایک مخصوص لائحہ عمل طے کیا اور اپنی باگ ڈور کسی کے ہاتھ میں نہیں دی۔ میں جو کچھ کرتی ہوں، اپنے ڈیڈی کے اشاروں پر کرتی ہوں۔ اور جیسا کہ تمہیں علم ہے کہ لیری کنگ، ریڈ اسنیک کے لئے کام تلاش کرتے ہیں اور خود گروہ سے بہت دُور رہتے ہیں۔ گویا وہ برین ہیں اور ہم باڈی۔ وہ سوچتے ہیں، ہم عمل کرتے ہیں۔ اور منصور! یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ ڈیڈی نے اُس وقت تمہیں آرٹن ڈورل کی حیثیت سے قبول کیا تھا۔ لیکن بعد میں ہم نے تمہیں منصور تسلیم کر لیا۔ آج بھی ریڈ اسنیک تمہارے لئے ہے۔ تم برین اور باڈی دونوں بن جاؤ۔ جس مرحلے پر اپنی ضرورت محسوس کرو، اُس مرحلے پر ریڈ اسنیک کو سہارا دو۔ باقی رہا تمہاری ذاتی زندگی کا تعلق تو میں آج بھی تمہیں یہ پیشکش کرتی ہوں کہ اپنا ایک گھر بناؤ، اپنا ایک مقام بناؤ۔ اُس گھر میں ایک عام انسان کی حیثیت سے رہو۔ تم پر کوئی پابندی نہیں ہوگی کہ تم اپنی مرضی کے خلاف ریڈ اسنیک کے لئے کچھ کرو۔ میں تمہاری دوست ہوں۔ میں تمہیں چاہتی ہوں منصور! لیکن کبھی یہ نہیں چاہوں گی کہ تمہاری ذات پر مسلط ہو جاؤں۔ تمہیں اپنی زندگی، اپنے طور پر گزارنے کی اجازت ہوگی اور تم کبھی کسی کے زیر اثر نہیں آؤ گے۔ میں تمہیں ایک مقام دینا چاہتی ہوں۔ ایک ایسا مقام جس میں تم اپنی پسند کے مطابق زندگی بسر کر سکو۔ اور یہ وعدہ کرتی ہوں تم سے کہ اسے کبھی احسان تصور نہیں کروں گی۔ یہ ایک تعاون ہوگا۔ جہاں تم ہمارے لئے کام کرنے پر آمادہ ہو گے، وہاں ہم تمہیں اپنے کام میں شامل کریں گے۔ اور جہاں تمہیں انحراف ہوگا، ہم اپنے طور پر عمل کریں گے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس کے علاوہ اور کوئی پیشکش میرے ذہن میں نہیں آئی جو میں تمہیں کر سکوں۔ لیکن منصور! دنیا کے ہاتھوں میں کھیلنے کی بجائے دنیا کو اپنے ہاتھوں میں کھلاؤ۔ اور تم یہ کر سکتے ہو۔ تم میں قوت ہے۔ اب تم خود دیکھو، کامیابی کس طرح تمہارے قدم چومتی ہے۔ کون کون اس دستاویز کے حصول کے لئے کوشاں نہیں تھا؟ میں خود ریڈ اسنیک کے حوالے سے کہتی ہوں کہ جتنی شدید جدوجہد کے بعد میں شیلڈ اسٹون تک پہنچی تھی، وہ عام لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ بہت سے

ممالک اس دستاویز کے حصول کے لئے کوشاں ہیں لیکن حاصل نہیں کر سکے۔ اور دستاویز اس وقت تمہارے لباس میں موجود ہے۔ گویا کامران کون رہا؟ تم منصور..... کامیابی تمہاری تقدیر ہے۔ لیکن تم نے اپنی تقدیر دوسروں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ اور مجھے معاف کرنا! یہ صرف تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم خود اپنے آپ کو اس جگہ پر کیوں تسلیم نہیں کرتے جو تمہارا مقام ہے؟ تم کیوں اس دنیا سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اس دنیا میں اپنے نام، اپنے مقام کے ساتھ رہو۔ میں سمجھتی ہوں، تمہیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ اس کی بنیاد کسی اور کے ہاتھوں ڈالی جائے تو لیری کوئن تمہیں اس کی پیشکش کرتی ہے۔ ایک دوست، ایک سچے ساتھی کی حیثیت سے..... بولو اور فیصلہ کرو۔ اور فیصلے صرف لمحوں میں ہوتے ہیں۔ جن فیصلوں کو طویل عرصے کی سوچ کے بعد کیا جاتا ہے، میرے فلسفے کے تحت وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ اُن میں بہت ساری اُلجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میں کہتی ہوں، جب تقدیر تم سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتی ہے تو کم از کم ایک بار تو تقدیر کو تم اپنی مرضی کے تابع کرو۔ اور پھر دیکھو کہ وہ تم سے کس قدر انحراف کرتی ہے؟''

لیری کوئن نے بڑا فکر انگیز فلسفہ میرے سامنے پیش کیا تھا اور میں اُس پر غور کر رہا تھا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور نجانے کیوں مجھے یہ احساس ہوا کہ اس وقت اُس کی آنکھوں میں سچائی ہے۔ اُس کے الفاظ میں حقیقت ہے۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہی ہے، اس میں خود غرضی کا کوئی جذبہ پوشیدہ نہیں۔ چنانچہ جب دل یہ فیصلہ کر لے تو پھر واقعی بقول لیری کوئن کے آخری لمحے میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ میں نے گردن جھٹک کر کہا۔

''ٹھیک ہے لیری! میں تمہارے اس منصوبے پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور اس بات کے کہنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتا کہ اس میں بنیادی طور پر مجھے تمہاری ضرورت ہے۔''

''میں خلوص دل کے ساتھ تمہیں اپنی خدمات پیش کرتی ہوں۔''

''اور میں خلوص دل کے ساتھ یہ دستاویز تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ لیکن اس سے جس طرح کے بھی فوائد حاصل ہوں، اُن میں میرا حصہ صرف اتنا رکھ لینا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، اُسے پورا کر ڈالو۔''

ہمارے درمیان یہ سودا ہو گیا منصور! اور تم اب اپنا ذہن آنے والے وقت کے تصور

سے آزاد کر دو اور خود کو سکون دو۔ ماضی کے ایک ایک نقش کو بھول جاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک نئی دیوار تعمیر کروں گی جو سفید اور سادہ ہوگی اور اس پر بننے والا ہر نقش تمہاری اپنی پسند کے مطابق ہوگا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''اوکے ڈیئر!'' میں نے جواب دیا۔ اور درحقیقت اس تمام تر طویل عرصے میں پہلی بار مجھے ایک ذہنی سکون کا احساس ہوا تھا اور یہ ذہنی سکون اتنا قیمتی تھا میرے لئے کہ ناقابل بیان تھا۔

آبدوز کا سفر بہت خوشگوار رہا تھا۔ لیری عموماً میرے ساتھ ہی رہتی تھی۔ لیکن اُس نے بلاشبہ میرے ذہن پر ایک لمحہ بھی بار بننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں تو ہوتی رہتی تھیں، آبدوز میں موجود افراد کے ساتھ اُس کی میٹنگیں جاری رہتی تھیں۔ پھر آبدوز کا یہ سفر ایک دن ختم ہوگیا۔ اور سمندر ہی میں ہمیں ایک جہاز پر منتقل ہونا پڑا، جو ایک ملک کی بحریہ کا جنگی نوعیت کا حامل تھا۔ غالباً ریڈ اسنیک نے یہ بات اُس ملک کے افراد کو بتا دی تھی کہ دستاویز حاصل ہوگئی ہے اور وہ کامیابی سے اُسے اُس ملک کے حوالے کرنے پر تیار ہیں۔ دستاویز ابھی تک میرے ہی پاس موجود تھی۔ اپنے طور پر میں نے اس خطرے کا احساس بھی کیا تھا کہ ہوسکتا ہے، درمیان میں کوئی اور گڑبڑ ہو جائے۔ لیکن جہاز کے اڑتالیس گھنٹے کے سفر میں بھی ایسی کوئی گڑبڑ نہ ہوئی۔ اور پھر جہاز جس ملک کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا، وہ میرا پسندیدہ ترین ملک تھا۔ اور اس ملک کا حسن ناقابل بیان۔ جہاں زندگی گزارنے کو ایک حسین تصور سمجھا جاتا تھا۔ میں نے یہاں آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور ہم بندرگاہ پر اُتر کر سرکاری گاڑی میں ایک اعلیٰ درجے کی عمارت میں پہنچا دیئے گئے۔ یہاں لیری کو باقی کام کرنے تھے۔ چنانچہ مجھے اس وقت بھی ان تمام معاملات سے علیحدہ رکھا گیا تھا۔ کیونکہ میں نے خود ہی اس کی پیشکش کی تھی۔ لیری یہاں بھی تقریباً بیس گھنٹے مصروف رہی۔ میں نے وہ دستاویز اُس کے حوالے کر دی تھی، اس لئے میرا اُن معاملات سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا۔ بیس گھنٹے کی اس مصروفیت کے بعد لیری میرے پاس آ گئی۔ اُس نے مجھ سے کہا۔

''منصور! ہم نے نہایت کامیابی سے اپنے مشن کو پورا کیا ہے۔ اور اَب میں بالکل فارغ ہوگئی ہوں۔ آؤ! چلتے ہیں۔''

ایک خوبصورت کھلی چھت کی کار میں بیٹھ کر میں لیری کے ساتھ ایک حسین ترین علاقے میں آ گیا۔ یہاں چھوٹے چھوٹے خوشنما جنگلے بنے ہوئے تھے جن کے عقب میں ایک دریا بہہ رہا تھا اور کنارے سرسبز گھاس اور درختوں سے لدے ہوئے تھے۔ ایک مثالی زندگی ہمارے سامنے تھی۔ اُنہی میں سے ایک خوبصورت بنگلے میں لیری کوئن مجھے لے گئی اور پھر اُس نے مجھے جنگلے کی سیر کرائی۔ میں اُس جگہ کو روئے زمین کی حسین ترین جگہ کہہ سکتا ہوں۔ بڑا سکون تھا یہاں۔ سامنے بہتا ہوا وسیع و عریض دریا جس کے کنارے پر چھوٹے چھوٹے پب بنے ہوئے تھے اور اُن کے درمیان زندگی رواں دواں تھی۔ دریا کے ساحل پر کشتی رانی کے شوقین اور قدرتی موسم سے لطف اُٹھانے کے خواہاں، غول در غول نظر آتے تھے۔ اور اُن کا نظارہ ہم اپنے اس چھوٹے سے گھر میں بیٹھ کر، کر سکتے تھے۔ لیری کوئن نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

''کہو منصور! یہ جگہ تمہیں کیسی لگی؟''

''بہت خوبصورت۔ بے حد پرسکون۔''

''ایک سکون کی زندگی کا لطف لینا چاہو تو اس کے لئے تمہارے پاس یہ گھر موجود ہے۔ اور جب رواں دواں زندگی کی خواہش ہو تو یہ کھلی چھت کی کار اَب تمہاری ملکیت ہے۔ اور شہر کی سڑکیں کشادہ ہیں۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم پر مسلط نہیں رہوں گی۔ یہ گھر اَب تمہاری ملکیت ہے اور جہاں تک اس ملک کی شہریت کا سوال ہے تو یوں سمجھ لو! کہ وہ سب تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ اگر یہ جگہ کبھی نہ پسند آئے اور اپنی پسند کی زندگی کہیں اور گزارنا چاہو تو ریڈ اسنیک کی خدمات تمہارے لئے حاضر ہیں۔ اس گھر میں چار ملازم ہیں جن میں ایک بوڑھی عورت اور تین مرد ہیں۔ بوڑھی عورت گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے اور مردوں میں سے تینوں کی ذمہ داریاں مختلف ہیں۔ یہ لوگ تمہارے عارضی ملازم ہیں۔ یہاں اپنی پسند کے جن افراد کو رکھنا چاہو، تمہیں اس کی مکمل اجازت ہے۔ اور میں بہت جلد تمہارا اکاؤنٹ تمہیں پیش کر دوں گی۔ اس کے علاوہ بھی منصور! اگر کسی اور چیز کے خواہشمند ہو تو ظاہر ہے میرے اور تمہارے درمیان رابطہ رہے گا۔''

میں ایک لمحے کے لئے جذباتی ہوگیا۔ یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ اس دنیا سے اعتماد اس قدر اُٹھ گیا تھا کہ اَب خود اپنا مذاق اُڑانے کو جی چاہتا تھا۔ نہ جانے کیوں لیری کوئن

کے یہ الفاظ حقیقت نہیں لگ رہے تھے۔ لیکن اُس کے چہرے پر سچائی تھی اور یہ سچائی اُس کے عمل سے بھی نمایاں تھی۔ میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اور اس کے عوض میں تمہیں کیا دُوں گا لیری.....؟''

''اس کے عوض.....'' لیری نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ چند لمحات وہ خاموش رہی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کے اندر کوئی جذباتی کشمکش ہو رہی ہو۔ پھر اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''یہ جو کچھ ہے منصور! میں نے اس میں تمہارے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا۔ جو دستاویز تم نے مجھے دی ہے، اس کے بدلے میں ہمیں ایک بھاری معاوضہ وصول ہوا ہے۔ جس کے میں نے چار حصے کئے ہیں۔ ایک حصہ ریڈ اسنیک کے اُن کارکنوں کے لئے جو ہمارے ساتھ کام کرتے ہیں۔ دوسرا حصہ میرا۔ تیسرا مسٹر لیری کنگ کا اور چوتھا حصہ تمہارا۔ یہ چوتھا حصہ اتنا ہے کہ میں نے تمہیں جو کچھ پیش کیا، وہ اس کا پانچ فیصد بھی نہیں ہے۔ اصولاً مجھے اُس دستاویز سے حاصل شدہ رقم کا ایک فیصد بھی اپنے لئے نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن میں نے ایسا کر لیا ہے۔ کیونکہ منصور! تم نے دو بار ریڈ اسنیک کو عزت بخشی ہے۔ اور جس کام کے لئے بے شمار لوگ مصروف عمل تھے، اُس میں ریڈ اسنیک کو سرفرازی سے ہمکنار کرایا ہے اور اس طرح ریڈ اسنیک کی ساکھ بحال کی ہے۔ ڈیئر! یہ تمام باتیں کاروباری نوعیت کی ہو رہی ہیں۔ میں نے یہ سب کچھ کر لیا ہے۔ اور باقی جو کچھ ہے، وہ بھی کرنے کا اِرادہ رکھتی ہوں۔ لیکن ان کاروباری باتوں سے ہٹ کر بھی اگر میں یا تم ایک دوسرے کے لئے کچھ کریں تو میں سمجھتی ہوں کہ دوستی کے رشتے ہم نے یہ سب کیا۔ اسے احسان نہیں سمجھا جا سکتا۔''

''بالکل ڈیئر کوئن..... بالکل!'' میں نے پر جوش انداز میں کہا۔

''چنانچہ اگر حساب کی بات ہے تو میں نے یہ حساب تمہارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ تمہارے اُس چوتھے حصے کا بقیہ جو کچھ ہے، اُسے بھی میں ہی اپنے طور پر استعمال کروں گی اور تم مجھے اس کا حق دو گے۔ اس کے بعد سارے معاملات دوستی کے حساب میں آ جاتے ہیں۔ اور براہِ کرم! مجھ سے دوستی کا حساب کبھی مت مانگنا۔'' لیری کوئن کی آواز بھرا گئی۔

''اوہ..... سوری! میرا یہ مقصد نہیں تھا۔ کیسا حساب کتاب؟ میں تو خود تمہارا شکر گزار ہوں۔ جس زندگی کی جھلک تم نے مجھے دکھائی ہے، وہ میرے تصور میں بھی نہیں تھی۔ میں

تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں کس کس طرح بھٹکتا رہا ہوں۔''

''ماضی کا بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ اور وہ ماضی جو تلخ یادیں رکھتا ہو، کسی بھی طرح رکھنے کے قابل نہیں ہوتا۔ تم بھی اپنے اس ماضی کو ذہن سے کھرچ پھینکو۔ وہ تمہیں کچھ نہیں دے گا۔ اَب اجازت چاہتی ہوں۔ کچھ اور ذمہ داریاں بھی مجھے پوری کرنی ہیں۔ ویسے میں نے مسٹر کنگ کو تمہارے بارے میں اطلاع دے دی ہے۔ شاید وہ بھی تم سے جلد ہی ملاقات کریں۔ بہت خوش ہوئے تھے تمہاری واپسی کا سن کر۔''

لیری کوئن کو میں نے روکنا مناسب نہیں سمجھا۔ خود بھی تنہائی میں اپنے آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ جو کچھ میرے کانوں نے سنا ہے، جو کچھ میرے سامنے ہے، اس میں کوئی چیز جھوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے اُسے رُخصت کیا۔ وہ اپنے رابطے کے لئے مجھے اپنا ٹیلی فون نمبر دے گئی تھی جسے میں نے محفوظ کر لیا۔

جب لیری چلی گئی تو میں اُس خوشنما مکان میں اس جگہ جا بیٹھا جہاں سے عقب میں بہتے ہوئے وسیع و عریض دریا، اُس کے کنارے پھیلی ہوئی دلچسپیاں میری نگاہوں کے سامنے آ جاتی تھیں۔ خوابوں کی یہ جنت کتنی حسین تھی، اس کا تصور بھی میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ جنت کسی کے زیر تحت نہیں تھی۔ میں اس چہار دیواری کا حکمران تھا اور یہاں پورے اعتماد کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس جنت کا انتخاب بھی میرے لئے عزیزوں نے ہی کیا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک ٹھوس سچائی تھی کہ میں نے اس کے حصول کے لئے عمل بھی کیا تھا۔ کسی بھی حیثیت سے سہی، لیکن لیری کوئن نے خود اعتراف کیا تھا کہ اس دستاویز کے سلسلے میں اُسے جو رقم وصول ہوئی ہے، یہ اُس کا چوتھا حصہ ہے۔ مجھے باقی تین حصوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ چوتھا حصہ بھی کافی تھا۔

میں بے حد مسرور ہو گیا۔ رفتہ رفتہ مجھے اس بات پر یقین آتا جا رہا تھا کہ اس بار جو کچھ ہوا ہے، اس میں کوئی خوف پوشیدہ نہیں ہے۔ باقی رہا میری شخصیت کا سوال تو اُسے پوشیدہ رکھنے کے لئے یہ چہار دیواری کافی ہے۔ میں نے بہت سا وقت یہاں گزارا۔ رات کو اپنے بیڈ روم میں سو گیا۔

بوڑھی ملازمہ جس کا نام مسز پال تھا، میرے لئے ماتا کا سا انداز رکھتی تھی۔ چاروں ملازموں نے مجھ سے اپنا تعارف خود کرایا تھا اور اپنی اپنی خدمات بتائیں۔ بہرحال وقت

پھر ایک خواب کی سی کیفیت اختیار کر گیا اور مجھے بس اس بات کا خوف تھا کہ کہیں اس خواب سے میری آنکھ نہ کھل جائے۔

دوسرا دن بھی بس اپنے مکان کی چہار دیواری میں گھومتے ہوئے گزارا۔ پورا دن نہ تو لیری کوئن نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور نہ ہی میں نے اُسے ٹیلی فون کرنے کی کوشش کی تھی۔ شام کو پانچ بجے حسین ٹیرس کے سامنے کے حصے میں بیٹھ کر میں نے باہر نگاہیں دوڑاتے ہوئے لیری کوئن کے بارے میں سوچا اور ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال رینگنے لگا کہ شاید لیری مجھ سے محبت کرتی ہے۔ لیکن اس محبت کے جواب میں، میں اُسے کیا دے سکتا تھا؟ کیا زندگی بھر کا ساتھ.....؟

لیکن سوال میرے لئے ذرا پریشان کن تھا۔ کیونکہ لیری، ریڈ اسنیک کی سربراہ تھی۔ اور ایک ایسی لڑکی کو زندگی کا ساتھی بنانا کسی طور ممکن نہیں تھا۔ اور پھر میں یہ چاہتا بھی نہیں تھا۔

میرے ذہن میں اوّل تو کبھی یہ تصور بھی نہیں آیا تھا کہ جن حالات میں گزارا کر رہا ہوں اُن میں کسی ایسی لڑکی کی گنجائش بھی ہو سکتی ہے جو میری بیوی ہو، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی دوسرے معاملات سے میں ہمیشہ ہی الگ رہا تھا۔ عورت کی حیثیت سے متعارف کرانے والی شخصیت تو ایش کی تھی جس نے اپنی خاندانی کاک ٹیل پلا کر مجھے غلط راستوں پر ڈال دیا تھا۔ اور اس کے بعد بہت سے ایسے کردار آئے تھے جنہوں نے میرے ذہن اور بعض اوقات دل کو بھی چھولیا تھا۔ لیکن اُن میں کوئی بھی کردار ایسا نہیں تھا جس کے بارے میں نے یہ سوچا ہو کہ اگر وہ مجھے پرسکون حالات میں مل جائے تو میں اُسے اپنی بیوی کی حیثیت سے اپنی زندگی میں شامل کرلوں۔ اور بلاشبہ لیری کوئن بھی یہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔

احسان کرنا الگ بات ہے اور دل کی آخری حدوں کو چھو لینا دوسری بات۔ اور لیری بھی کم از کم اُن حدوں کو نہیں چھو سکتی تھی۔ باقی اگر یورپ کی زندگی میں رہ کر اُسی کی روشنی میں سوچا جائے تو ہر لڑکی میرے لئے ایش بن سکتی تھی۔ وہ چاہے لیری کوئن ہی کیوں نہ ہو۔

ذہنی رو، پتہ نہیں کہاں بھٹک گئی تھی۔ اس کے علاوہ اور کرتا بھی کیا؟ لیکن پھر تیسرے دن میں نے سوچا کہ یہاں مجھ پر کوئی پابندی تو نہیں ہے۔ باہر جا سکتا ہوں، پھر خود کو کیوں قید کئے ہوئے ہوں؟ ذہن نے اس سوال کا جواب اس انداز میں دیا کہ باہر کی دنیا میں ابھی میرے لئے خوف موجود ہے۔ یہ خوف زمین پر نہیں بلکہ میرے دل کی گہرائیوں میں

ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ میرا یہ منحوس چہرہ، میرے لئے کوئی نیا ہنگامہ نہ کھڑا کر دے۔ حالانکہ یہ کمزوری تو نہیں ہے۔ مجھے خود اعتمادی پیدا کرنی چاہئے۔ اور اس خود اعتمادی کے ساتھ ہی نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہئے۔ واقعی یہ سب کچھ میرا ہی ہے۔ بلاشبہ یہ سب کچھ میرا ہی ہے۔ اور اسی اعتماد میں وقت گزار رہا تھا کہ چوتھے دن لیری کوئن میرے پاس پھر آگئی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ کاغذات لائی تھی۔ اور کافی نکھری نکھری نظر آرہی تھی۔

''ہیلو منصور!''

''ہیلو!'' میں نے اُسی پرجوش انداز میں اُسے جواب دیا۔

''تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم غیر مطمئن نہیں ہو۔''

''اچھے دوست زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہوتے ہیں۔'' میں نے ممنون انداز میں کہا۔

''اوہ... کاش! میں خود کو ایک اچھا دوست ثابت کرسکوں۔'' اُس نے جذبات میں ڈوبے لہجے میں کہا۔ پھر گردن جھٹک کر بولی۔ ''یہ تمام چیزیں بغور دیکھ لو۔ اَب تم اس ملک کے ایک باعزت شہری ہو۔ ایک عمدہ کاروبار کے مالک جو تقریباً تین سال سے نہایت ایمانداری سے جاری ہے۔ اس کی یہ مختصر تفصیل.....'' لیری کوئن نے اپنی کارکردگی کی تفصیل میرے سامنے رکھ دی۔ میں حیرت سے اُسے دیکھنے لگا۔ دیر تک یہی جائزہ لیتا رہا۔ پھر تعجب سے بولا۔ ''کیا یہ سب حیرت انگیز نہیں ہے؟ میں اس کاروبار کا مالک اور یہ میرا عرصہ غربت...؟''

''بہت کچھ کرنا ہوتا ہے منصور! آرگنائزیشن ایسے ہی نہیں چلائے جاسکتے۔ نیک نامیاں ساتھ رکھنا پڑتی ہیں۔ تاکہ کوئی نازک وقت سنبھالا جاسکے۔ یہ ادارہ اپنے معاملات میں بے حد پُروقار ہے۔ اور اس کا مالک گمنام ہے۔ ادارے کے کارکن تک اُسے نہیں جانتے۔ لیکن اُسے توسیع دینے کے لئے منظر عام پر آگیا ہے۔ اور یہ پہلے سے زیادہ پُر وقار طریقے سے کام کرے گا۔ کیا سمجھے؟''

''سمجھ رہا ہوں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اَب بھی زندگی کے اس پُرسکون موڑ کا یقین نہیں تھا۔ کیا واقعی یہ سب کچھ جاری رہ سکتا ہے؟ آپ کا کیا خیال ہے، اپنے ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا ممکن ہے؟''

☆.....☆.....☆

لیری کوئن مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اور غالباً میرے چہرے کے تاثرات بھی پڑھ رہی تھی۔ اور یہ تاثرات محسوس کر کے اُسے شاید خوشی ہو رہی تھی۔ اُس کے ہونٹوں کی ہلکی سی مسکراہٹ سے اِسی کا اندازہ ہوتا تھا۔ میں نے اُسے دیکھا اور اُس کے بعد مسکرا کر ایک گہری سانس لی۔

''منصور! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کچھ تمہاری زندگی کے بارے میں مجھے معلوم ہے، وہ بے حد حیرت انگیز ہے۔ لیکن حقیقت پھر بھی حقیقت ہوتی ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے، تم یوں سمجھ لو، تمہاری پچھلی زندگی کی تمام اُلجھنوں کا صلہ ہے۔ زندگی ایسی ہی کہانیوں کا نام ہے۔ اور اَب تمہاری زندگی میں یہ نئی کہانی آئی ہے۔ خدا کرے تم اپنی اِس نئی کہانی سے مطمئن ہو جاؤ۔''

''حقیقت یہی ہے لیری! میری زندگی نے اتنے جھٹکے کھائے ہیں کہ اَب یوں لگتا ہے جیسے باقی زندگی بھی جھٹکے کھاتے گزر جائے گی۔ بس! یقین نہیں آتا کسی ٹھہراؤ پر۔''

''کوشش کرو۔ یقین کی منزل میں داخل ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے جب تک زندگی میں کوئی دوسرا مرحلہ نہ آ جائے، اُس وقت تک اپنے آپ کو اسی زندگی میں ضم کرنے کی کوشش کرو۔ چاہے اسی احساس کے ساتھ کہ تم پھر ایک نیا تجربہ کر رہے ہو۔''

''خدا کے لئے یہ طلسماتی خوشیاں تو نہ چھینو لیری! تجربہ نہیں، اسے حقیقت ہی کہو۔''

''میں تو یہی کہنا چاہتی ہوں۔ لیکن تمہارے چہرے پر پھیلی ہوئی بے یقینی کا بھی حل پیش کر رہی ہوں۔''

''نہیں۔ رفتہ رفتہ یقین آ جائے گا۔ البتہ تم سے کچھ باتیں ضرور معلوم کرنی ہیں۔''

''ہاں! میں آئی اسی لئے ہوں۔''

''تم نے کہا کہ ایک ادارے کا گمنام مالک ہوں میں۔ پھر اَب یہ بات دوسروں کو کیسے

باور کرائی جا سکے گی کہ میں اس کا اصل مالک ہوں؟''

''اس کی ذمہ داری مسٹر گوڈیل پر ہے۔''

''مسٹر گوڈیل؟''

''ہاں! تمہارے قانونی مشیر اور تمہارے ہر مسئلے کی اُلجھن کا حل۔''

''یہ کون ہیں؟''

''ایک بہت بڑے بیرسٹر۔ جو خود بھی تمہیں اچھی طرح نہیں جانتے۔ دراصل میں نے تمہیں بتایا تھا کہ یہ اِدارہ ریڈ اسنیک کی آڑ ہے۔ اس کے معاملات نہایت صاف ستھرے اور کسی قسم کی اُلجھن سے پاک ہیں۔ یعنی اَب تک جو بھی کچھ کاروبار کرتا رہا ہے، اُس میں بہترین ساکھ رکھتا ہے اور قانونی طور پر یہ ایک انتہائی باعزت ادارہ ہے۔ مسٹر گوڈیل کو تمہارے بارے میں تمام معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔ وہ خود بھی اس حقیقت سے آشنا نہیں ہیں کہ اس ادارے کی اصل حیثیت کیا ہے؟ لیکن اس ادارے کے قانونی مشیر کی حیثیت سے یہ بات اُنہیں معلوم ہے کہ ادارے کا مالک جو کوئی بھی ہے، نہایت ایماندار شخص ہے۔ اور اَب اُنہیں یہ تمام معلومات فراہم کر دی ہیں۔ شاید ایک نگاہ میں وہ تمہیں پہچان بھی لیں۔''

''اوہ میرے خدا! یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے۔''

''ریڈ اسنیک کے لئے حیرت انگیز نہیں ہے۔'' لیری مسکرا کر بولی۔

''تو اَب مجھے کیا کرنا ہوگا اِس سلسلے میں؟''

''مسٹر گوڈیل کو تمہارا پتہ دے دیا گیا ہے اور تمہیں اُن کا ٹیلیفون نمبر دیں گے۔ میں نے خود اپنے طور پر اُن سے تمہاری ملاقات کرانے کی کوشش نہیں کی۔ اور نہ ہی مسٹر گوڈیل سے کوئی وعدہ کیا۔ البتہ جب تم اُن کو ٹیلی فون پر طلب کرو گے تو اسی حوالے سے کرو گے اور وہ تم سے ملاقات کرنے کے بعد تمام معاملات طے کریں گے۔''

''اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہوگا لیری؟''

''کچھ نہیں۔ صرف یہ کہ اس فائل کو پڑھ لو۔ اس سے تمہیں اپنے ادارے کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں گی اور یہ پتہ چل جائے گا کہ وہ کیا کرتا ہے۔ تم اس ادارے کے فروغ کے لئے مسٹر گوڈیل سے بات کرو گے اور یہ کہو گے کہ اَب تم اپنا کام مکمل کر لینا

چاہتے ہو۔ یعنی اس ادارے کو وہ شکل دینا جو تمہارے ذہن میں ہے۔ تمہارے پاس پورا سٹاف ہے۔ مسٹر گوڈیل خود ہی تمہیں اس ادارے کی سیر کرائیں گے اور تمام لوگوں کو متعارف کرائیں گے۔ ادارے کے تمام افراد قانونی مشیر بلکہ منتظم کی حیثیت سے مسٹر گوڈیل کو جانتے ہیں۔''

''ہوں..... تو گویا تم نے سارے انتظامات مکمل کر لئے ہیں؟''

''ہاں ڈیئر! جب ایک دوست کو دوستی کا حق ادا کرنا ہوتا ہے تو ان چیزوں کا خیال رکھنا بھی تو بے حد ضروری ہے۔ اگر تم اُلجھن میں رہتے تو پھر کیا لطف آتا؟''

''مگر لیری! ایک اور سوال میرے ذہن میں چبھ رہا ہے۔''

''کیا.....؟''

''مجھے ریڈ اسنیک کے لئے کیا کرنا ہوگا؟'' میرے اِس سوال پر اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اُس نے کہا۔

''منصور! اَب یہ بات کہے بغیر چارۂ کار نہیں ہے کہ میں تمہیں ریڈ اسنیک کے سلسلے میں نہیں لائی۔ سچ بات یہ ہے کہ تم نے وہ دستاویز ہمارے حوالے کر کے ریڈ اسنیک کا ایک ایسا مشن پورا کیا ہے جس میں اُس کی عزت، اُس کی حیثیت داؤ پر لگ گئی تھی۔ کتنے احسانات کرو گے ہم پر..... ہم نے اُن احسانات کا صلہ تمہیں دیا بھی کیا ہے؟ فی الحال تم یہ سمجھ لو کہ اس عرصے تک، جب تک تم خود اپنے طور پر کسی ایسے کام کی خواہش کا اظہار نہیں کرو گے، ریڈ اسنیک تمہیں کسی مسئلے میں نہیں اُلجھائے گا۔ ہاں! اگر ایسی ہی کوئی اُلجھن پیش آئی جسے تمہارے بغیر رفع نہ کیا جا سکے تو پھر تم سے درخواست کریں گے۔ لیکن اس کے لئے بھی شرط یہی ہوگی کہ اگر تم پسند کرو اور خود کو اِس زندگی میں ضم کر لیتے ہو اور ان جھگڑوں سے ہٹ جانا چاہتے ہو تو پھر یوں سمجھ لو! یہ ایک دوست کی طرف سے تحفہ ہے۔ اور اس کے بعد تمہارے ساتھ کوئی مداخلت نہیں کریں گے۔''

''لیری! بلاشبہ زندگی میں پہلی بار تم نے مجھے دوستی پر اعتماد دلایا ہے اور میں اس کے لئے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

''بس یا اور کچھ.....؟'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میرے خیال میں اتنا ہی کافی ہے۔''

''تو پھر باقی باتیں ختم ہو گئیں۔ میں اَب چلتی ہوں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم پہلی فرصت میں یہ فائل پڑھ کر اپنے ادارے کے بارے میں تفصیلات جان لو۔ میں شاید کافی عرصے تک تم سے نہ مل سکوں۔''

''کوئی..... کوئی ذمہ داری تمہارے سپرد کی گئی ہے؟''

''ہاں! مجھے سپین جانا ہے۔ اور وہاں میری ملاقات مسٹر لیری کنگ سے ہوگی۔ ہم دونوں ایک پروگرام ترتیب دے رہے ہیں۔ اور اِس بار شاید ہماری مصروفیات کچھ زیادہ ہو جائیں۔ ان مصروفیات میں بھاگ دوڑ کم ہے اور ذہنی ورزش زیادہ۔ چنانچہ ہو سکتا ہے جس میں مجھے ایک سے چھ مہینے تک لگ جائیں۔''

''اوہ..... اچھا!''

''لیکن اِس دوران تم مجھے فراموش نہیں کرو گے منصور!'' لیری نے اُٹھتے ہوئے کہا اور میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔

''اس دوران کیا لیری! میں تو شاید ایک لمحہ تمہیں فراموش نہ کروں۔''

''میں اپنے ساتھ تمہارے یہ الفاظ لے کر جا رہی ہوں۔ اور ان الفاظ کا مفہوم ہمیشہ مجھے شاداں رکھے گا۔'' لیری نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر میرا ہاتھ چوم کر وہاں سے چلی گئی۔

میں دُور تک اُس کی کار کو جاتے دیکھتا رہا تھا۔ پھر میں نے ایک گہری سانس لی اور واپس اندر آ گیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یا خدا! ان تمام باتوں پر یقین کروں؟ میں نے سامنے رکھے ہوئے فائلوں اور کاغذات وغیرہ کو دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر مسز پال کو آواز دی۔ وہ آ گئیں تو میں نے اُن سے کافی طلب کی اور وہ [illegible] کے باہر چلی گئیں۔ میں اُس وقت تک انتظار کرتا رہا جب تک کافی نہ آ گئی۔ کافی پیتے ہوئے میں اُس فائل کو دیکھنے لگا، جو میرے لئے عجیب و غریب تھی۔ اور اس کی رو سے میں ایک عظیم الشان ادارے کا مالک قرار پایا تھا۔ میں اس ادارے کے بارے میں تفصیلات پڑھتا رہا۔ بڑی تفصیل سے مجھے ایک ایک چیز سے روشناس کرایا گیا تھا۔ میرا یہ ادارہ دنیا کے کئی ملکوں میں اپنی شاخیں رکھتا تھا۔ اور وہاں سے امپورٹ اور ایکسپورٹ کرتا تھا۔ بہت بڑی ساکھ تھی اس کی۔ سٹاف میں تقریباً ستر افراد تھے اور اس کی فرم ایک مشہور

شاہراہ کی عمارت پر تھی۔ میں اپنے اس کاروبار کی تفصیل پڑھتا رہا اور میرے رگ و پے میں مسرت کی لہریں دوڑتی رہیں۔ یہ تمام باتیں ناقابل یقین تھیں۔ بار بار یہ تصور کرتے ہوئے خود اپنے آپ سے بھی وحشت ہونے لگی تھی کہ میں ان حقیقتوں پر بھی یقین نہیں کر رہا۔ لیکن یقین کر لینا چاہئے تھا۔ گویا صحیح معنوں میں اَب میری اِس زندگی کا آغاز ہوا تھا جس کے لئے میں نے تمام عمر جدوجہد کی۔ لیکن ایک بات اور میرے ذہن میں تھی۔ وہ یہ کہ اپنی تمام تر جدوجہد میں ناکام رہا تھا اور مجھے یہ پرسکون زندگی ملی تو ایک دوست کے سہارے۔ اس دوست کی دوستی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میں نے یہ سب کچھ اپنے دل میں بٹھا لیا اور خود کو اس بات کے لئے تیار کیا کہ میں ذہنی طور پر اِن تمام چیزوں کو قبول کر لوں۔ اَب تک جو بے تکی زندگی گزاری تھی، نئی زندگی اُس سے بالکل مختلف تھی اور اُس کے آغاز کے لئے مجھے اپنی تمام تر صلاحیتوں سے کام لینا تھا۔ لیری کے جانے کے بعد نجانے کتنا وقت اِنہی کاغذات سے شناسائی میں صرف ہو گیا۔ اور جب حواس جاگے تو گہری تاریکی چاروں طرف چھا چکی تھی۔ مسز پال نے مجھ سے رات کے کھانے کے بارے میں پوچھا۔

''نہیں۔ طبیعت کچھ بھاری ہے۔ کھانا نہیں کھاؤں گا اِس وقت۔'' میں نے جواب دیا۔

''سر! جوس پیش کر دُوں؟''

''ہاں! ایک گلاس جوس لے آؤ، کسی بھی چیز کا۔'' میں نے جواب دیا۔

جوس پینے کے بعد میں نے دل میں یہی سوچا کہ گہری اور پُرسکون نیند اپناؤں تاکہ صبح کو طبیعت چاق و چوبند ہو۔ لیری یہ کہہ کر گئی تھی کہ ہو سکتا ہے کہ طویل عرصے تک اُس سے ملاقات نہ ہو۔ چنانچہ اپنے آپ کو اس ماحول میں ضم کرنا بھی ضروری تھا تاکہ تنہائی کا احساس نہ ہو۔ میں بستر پر پہنچ گیا اور اُس کے بعد اپنی قوتِ اِرادی سے کام لے کر سونے کی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ دوسری صبح طبیعت واقعی ہشاش بشاش تھی۔ آنکھ کھلی، بستر پر لیٹا لیٹا چھت کو دیکھتا رہا۔ پھر غسل خانے میں گیا۔ باہر آیا تو ناشتہ کیا اور پھر فیصلہ کیا کہ اَب اپنے کام کی ابتداء کر دینی چاہئے تاکہ کچھ مصروفیت بھی ہو جائے۔ اور اس سلسلے میں سب سے پہلے میں نے مسٹر گوڈیل کا فون نمبر تلاش کیا اور اُنہیں فون کرنے لگا۔ میں نے فون نمبر

ڈائل کئے اور تھوڑی دیر کے بعد ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''یس پلیز.....''

''مسٹر گوڈیل سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کون صاحب ہیں؟''

''میرا نام منصور ہے۔''

''کوئی اپائنٹمنٹ ہے؟ مسٹر گوڈیل سے؟''

''نہیں۔ براہِ کرم! آپ اُنہیں صرف میرا نام بتا دیجئے گا۔''

''ہولڈ آن پلیز۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور میں انتظار کرنے لگا۔ چند ہی لمحات کے بعد ایک بھاری آواز سنائی دی تھی۔

''گوڈیل سپیکنگ۔''

''میں منصور بول رہا ہوں۔ انٹر پارک کے حوالے سے۔''

''اوہ.....سر! آپ۔'' اُن کی آواز میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا۔

''ہاں! آپ سے وقت لینا چاہتا ہوں۔''

''سر! آپ صرف حکم دیجئے۔ جو وقت بھی آپ کے پاس ہو، میں حاضر ہو جاؤں۔'' اُنہوں نے جواب دیا۔

''بھئی آج کا دن میں نے آپ کے لئے وقف کیا ہے۔ جو وقت بھی سوٹ کرتا ہو، آپ تشریف لے آئیے۔''

''سر! میں آپ کی رہائش گاہ پر حاضر ہو جاؤں؟''

''ہاں۔ جانتے ہو میری رہائش گاہ کے بارے میں؟'' میں نے سوال کیا۔

''سر! کیوں نہیں جانتا؟''

''تو پھر میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں مسٹر گوڈیل۔'' میں نے جواب دیا۔

''سر! میں آدھے گھنٹے کے بعد حاضر ہو رہا ہوں۔'' اُس نے کہا اور میں نے رسمی اختتامیہ جملے کہے اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ پھر میں مسٹر گوڈیل کا انتظار کرنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد اطلاعی گھنٹی کی آواز پر مسز پال نے مسٹر گوڈیل کو ڈرائنگ رُوم میں پہنچا دیا جہاں میں موجود تھا۔ یہ ایک بھاری بھرکم اور دراز قامت آدمی تھا۔ عمر پینتالیس اور

پچاس کے درمیان ہو گی۔ چہرے سے شریف طبع نظر آتا تھا۔ میں نے اُس کا خیر مقدم کیا۔
اُس نے نہایت احترام سے مجھ سے ہاتھ ملایا تھا۔ اُن کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی
مسکراہٹ تھی۔ میں نے اُنہیں بیٹھنے کے لئے کہا تو مسٹر گوڈیل کہنے لگا۔

''سر! درحقیقت آپ نے ہمارے ذہنوں میں طویل عرصے تک ایک پراسراری کیفیت
پیدا کر رکھی ہے۔ بڑا سسپنس تھا آپ کے بارے میں۔ لیکن آپ تو انتہائی نوعمر اور
خوبصورت شخصیت کے مالک ہیں۔''

''اَب تو میں آ گیا ہوں مسٹر گوڈیل! اور اَب میں اپنے اس ادارے کے بارے میں
آپ سے باقی تمام تفصیلات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔''

''سر! میں آپ کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ تمام باتیں تحریری شکل میں پیش کر دُوں گا
جو ادارے سے متعلق ہیں۔ ویسے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے یہ کہنا بے حد ضروری ہے کہ
ادارہ انٹر پارک اپنی تمام تر دیانت داری کے ساتھ، کاروبار میں مصروف ہے۔ اس کی ایک
ساکھ ہے اور لوگ اس کے ذریعے اپنے کام کی تکمیل فخر سمجھتے ہیں۔ ہمارے پاس بے شمار
اس قسم کے معاملات آتے رہتے ہیں جنہیں ہم نظرانداز کر دیتے ہیں چونکہ وہ ہمارے لئے
معیاری نہیں ہوتے۔ لیکن اگر ہم باقاعدہ ایک شعبہ قائم کر کے اِن معاملات کو بھی ہینڈل
کرنا شروع کر دیں تو میں سمجھتا ہوں ہمارا کاروبار بے حد بڑھ جائے گا۔''

''ہوں! اس وقت اس کاروبار کو کون دیکھتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''سر! بس، آپ کا ترتیب دیا ہوا پینل، اس سلسلے میں کام کرتا ہے۔ آپ کا حکم تھا کہ
ابھی کسی کو باقاعدہ مینیجر کی پوسٹ نہ دی جائے۔ میں ہدایت جاری کرتا رہتا ہوں۔ اور یہ
ذمہ داری یوں سمجھ لیجئے، میرے ہی سپرد ہے۔''

''مجھے علم ہے۔ لیکن اَب میں اس میں کچھ تبدیلیاں کرنے کا خواہش مند ہوں جو فوری
طور پر تو ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ پینل بھی صحیح طور پر کام کر رہا ہے۔''

''جی سر۔ وہ لوگ سب کے سب ذہین ہیں۔ ہم نے اُنہیں اُن کی سطح پر رکھا ہے اور وہ
مشترکہ کوشش سے ادارے کے معاملات کو نمٹاتے رہتے ہیں۔''

''کوئی ایسی بات مسٹر گوڈیل! جو آپ کے لئے جواب طلب ہو؟''

''نہیں سر۔''

''تو پھر میں چاہتا ہوں کہ ادارے کا ایک معائنہ کرلیں۔''

''جیسا آپ پسند کریں۔''

''میرا خیال ہے کل کا دن اس کے لئے موزوں رہے گا۔''

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ مجھے یہ چوبیس گھنٹے کی مہلت مل جائے۔ کل آپ کو ادارے
کی عمارت میں خوش آمدید کہیں گے۔ اور وہیں آپ کے سامنے..... میرا مطلب ہے پینل
کے سامنے وہ تمام تفصیلات پیش کر دی جائیں گی جس کے لئے میں نے آپ سے چوبیس
گھنٹے کا وقت لیا ہے۔''

''بالکل مناسب ہے مسٹر گوڈیل! ویسے تو سب ٹھیک ہے۔ اَب آپ بتائیں کہ کیا پئیں
گے؟''

''میں نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ مسز پال ایک مشروب لے آئیں اور اُنہوں نے یہ
مشروب ہمارے سامنے رکھ دیا۔ مسز پال نے یہ مشروب ہم دونوں کے سامنے سرو کر دیا۔
اس کے بعد مسٹر گوڈیل مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ دوسرے دن دوپہر کو بارہ بجے کا وقت
میرے استقبال کے لئے متعین کر لیا گیا تھا۔ پھر مسٹر گوڈیل مجھ سے اجازت لے کر چلے
گئے تھے۔

میں پھر ساحل پر نکل آیا۔ میں ہوا کی بدمستیوں میں ڈوبا ہوا دُور تک نکل آیا۔ اور پھر
یہاں سے واپسی کے بارے میں سوچا۔ میں نے کافی کی ضرورت محسوس کی۔ ہوا میں ہلکی سی
خنکی اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ کافی اس وقت لطف دے جائے گی۔ چنانچہ اس کے
لئے کسی پب کا انتخاب کرنا ضروری تھا۔ میں آگے بڑھتا رہا۔ اور پھر اپنے گھر سے کچھ
فاصلے پر بنے ہوئے ایک پب میں داخل ہو گیا۔ یہاں خاصی رونق تھی۔ تقریباً بیس میزیں
بچھی ہوئی تھیں جن میں سے سولہ سترہ میزیں بھری ہوئی تھیں۔ میں بھی ایک میز پر جا بیٹھا۔
مجھے بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ویٹر نے ایک مینو کارڈ لا کر میرے سامنے رکھ
دیا۔ میں اُس پر نگاہیں دوڑانے لگا۔ ویٹر مؤدب کھڑا ہوا تھا۔ پھر میں نے اُس کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔ ''تلے ہوئے جھینگے اور کافی لے آؤ۔''

ویٹر نے میرا آرڈر نوٹ کیا اور چلا گیا۔ اس دوران میں سوچتا رہا۔ سفید وردی میں
ملبوس ویٹر جوان آدمی تھا۔ لیکن اُس کے خدوخال میں مشرقیت جھلکتی تھی۔ ایک لمحے کے لئے

میرا جی چاہا کہ اُس سے اُس کے بارے میں معلوم کروں۔ لہٰذا جب وہ کافی لے آیا تو میں نے پوچھا۔

''ایکسکیوز می ویٹر! تمہارے خدوخال اور تمہارے لہجے سے لگتا ہے کہ تم مقامی نہیں ہو۔''

''نہیں سر! میں مقامی باشندہ نہیں ہوں۔''

''اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تمہارے خدوخال اسپینش ہیں۔''

''نہیں سر! میں ایسٹرن ہوں۔'' اُس نے جواب دیا۔

''اوہ! ویری گڈ۔ اُردو اسپیکنگ؟'' میں نے اُس سے سوال کیا۔

''جی ہاں سر! اُردو اسپیکنگ۔''

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' اس بار میں نے اُردو میں کہا اور اَب ویٹر کے چونکنے کی باری تھی۔

اُس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ دیکھتا رہا۔ اور پھر اُس کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے۔ ''سر..... آپ بھی؟''

''ہاں بھئی! میں بھی مشرقی باشندہ ہوں۔ ویسے تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

''جواب میں اُس نے جس ملک اور شہر کا نام لیا تھا، اُس کا نام سن کر میرے دل میں ایک ہوک سی اُٹھی..... یہ میرا ہی شہر تھا..... میری ہی بستی تھی..... میری ہی آبادی تھی..... میرے ہی لوگ تھے۔ میں حیرانی سے اُسے دیکھنے لگا۔

''آپ کا تعلق کہاں سے ہے سر؟''

''اتفاق سے میں بھی اُسی شہر کا رہنے والا ہوں۔''

''ہوں..... ویری گڈ! کاش میں آپ سے ہاتھ ملا سکتا۔''

''کیوں..... کیا بات ہے؟'' میں نے چونک کر اُس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔

''نہیں سر! میرا مطلب ہے میں ویٹر ہوں۔''

''اوہ..... بے وقوف آدمی!'' میں نے اُس سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور بولا۔

''کاش میں تمہیں اپنے پاس بیٹھنے کی دعوت دے سکتا۔ لیکن تمہاری مصروفیتیں اس کی اجازت نہیں دیتیں۔ تاہم بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔ نام کیا ہے تمہارا؟''

''نوشاد۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کہاں رہتے ہو ڈیئر؟'' میں نے سوال کیا۔

''اِسی پب میں سر۔''

''کیا مطلب؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''جی سر! یہی میرا سب کچھ ہے۔''

''خوب..... کب سے یہ کاروبار کر رہے ہو؟''

''بہت عرصہ ہوگیا۔ اسی جگہ میں نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ میرا مطلب ہے اپنے ن سے آنے کے بعد، خوش قسمتی تھی کہ ایک شخص سے ملاقات ہوگئی۔ میرے اس پب کا ک ایک کینیڈین ہے جو یہاں نہیں رہتا۔ لیکن مجھ پر بے حد اعتماد کرتا ہے۔ اُس نے یہ ب میرے سپرد کر دیا ہے۔ اور مجھے اس سلسلے میں کمیشن ملتا ہے۔''

''کوئی تنخواہ وغیرہ نہیں؟''

''نہیں سر! تنخواہ غیر مناسب رہتی میرے لئے۔ کمیشن سے مجھے زیادہ فائدہ ہو جاتا ہے۔ بس! میں نے ایک کک رکھا ہوا ہے۔ باقی ذمہ داریاں خود سنبھالتا ہوں اور اس کی ہی ہے کہ آمدنی کچھ بڑھ جائے۔''

''گڈ..... بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر نوشاد!''

''سر! اَب جب آپ نے مجھ سے دوستانہ انداز میں گفتگو کی ہے تو میرے دل میں ایک اہش پیدا ہوئی ہے کہ میں آپ سے آپ کا نام پوچھ لوں۔''

''سوری نوشاد! مجھے اپنا نام خود ہی بتانا چاہئے تھا۔ میرا نام منصور ہے۔ اور میں بھی اُسی کا رہنے والا ہوں جس کے تم ہو۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ سامنے ہی میرا گھر ہے۔ تم ے ملاقات ہوتی رہے گی۔''

''میری خوش قسمتی ہوگی سر! ویسے دن کے وقت رَش کم ہوتا ہے۔ اگر کبھی تفصیلی ملاقات ئی چاہے تو براہِ کرم! صبح سے لے کر دوپہر کو دو ڈھائی بجے تک مجھ سے ملئے گا۔ مجھے ی خوشی ہوگی۔ بہت عرصہ بعد اپنے ہم وطن بلکہ ہم شہر کو دیکھا ہے۔''

''ضرور ملوں گا میں تم سے۔''

اُسی وقت کسی میز سے گھنٹی بجائی گئی اور نوشاد اُس جانب متوجہ ہوگیا۔ اُس نے مجھ سے

معذرت کی اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

میں سامنے رکھے ہوئے جھینگوں کی جانب متوجہ ہو گیا۔ کافی اور جھینگے بہت عمدہ تھے اور میں ان سے شغل کرتے ہوئے نوشاد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں بے چارے کی کہانی کیا ہو گی؟ بہرطور! مجھے خوشی تھی کہ وہ میرے قریب ہے اور کم از کم اِس مکان میں رہ کر جس تنہائی کا احساس ہوا تھا، وہ نوشاد کی وجہ سے دُور ہو سکتی ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے نوشاد سے بل طلب کر لیا اور اُس نے بل لا کر میرے سامنے رکھ دیا اور میں نے بل کے ساتھ کچھ ٹپ بھی دینا چاہی تو وہ مسکرا کر بولا۔

''سر! بل کی رقم تو مجبوراً لے رہا ہوں۔ لیکن براہِ کرم! ٹپ نہ دیجئے۔ مجھے خوشی ہو گی۔''

''اوہ..... اچھا ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔'' میں نے ٹپ کی رقم واپس جیب میں رکھی اور پھر وہاں سے رُخصت ہو گیا۔

نوشاد کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ایک دو بار پلٹ کر میں نے اُسے دیکھا اور پھر اُس نے آہستہ سے اپنا ہلا دیا اور پب کے پیچھے بنے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گیا، شاید کسی آرڈر کی تکمیل کے لئے۔

اپنی رہائش گاہ میں آنے کے بعد میں مختلف خیالات کا شکار رہا۔ دوسرے دِن اپنے دفتر جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ تمام چیزیں ایک بار پھر میں نے غور سے دیکھی تھیں۔ اور پھر مسٹر گوڈیل کا انتظار کرتا رہا تھا۔ وقت مقررہ پر مسٹر گوڈیل ایک خوبصورت کار میں پہنچ گئے اور اُنہوں نے مجھ سے چلنے کی فرمائش کی۔ اُنہوں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی اور میں اُن کے نزدیک بیٹھ گیا۔ کار بے حد خوبصورت تھی۔ وہ راستے میں مجھ سے اِنٹر پارک کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔ انٹر پارک کی عمارت شہر کی ایک بھری پری شاہراہ پر تھی جہاں زیادہ تر دفاتر ہی تھے۔ یہ دفتر جو اِنٹر پارک کے نام سے مشہور تھا، عمارت کے ایک پورے فلور پر پھیلا ہوا تھا اور اُس کی سج دھج قابل دید تھی۔ میں سحر کے سے عالم میں اُس کے صدر دروازے سے اندر داخل ہوا اور تمام سٹاف میرے استقبال کے لئے کھڑا ہو گیا۔ مسٹر گوڈیل نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر آہستہ سے مجھ سے بولے۔

''اس وقت ایک بجنے میں سولہ منٹ باقی ہیں سر۔ ٹھیک ایک بجے ہم اُس ہال میں جمع

جائیں گے جہاں آپ کا تعارف اِن لوگوں سے ہو گا۔ چونکہ ایک بجے لنچ ٹائم ہوتا ہے اس سے پہلے اِن لوگوں کے لئے اپنے کام سے ہٹنا ممکن نہیں ہے۔''

میں نے مسکرا کر گردن خم کر دی اور مسٹر گوڈیل مجھے لئے ہوئے ایک شاندار دفتر کے پہنچ گئے۔

''یہ دفتر ہمیشہ آپ کے لئے خالی رہا ہے۔ آپ کی میز، آپ کی کرسی، آپ کے کمرے ڈیکوریشن۔ ہر چیز کا اُس وقت سے اس طرح خیال رکھا گیا ہے جب سے یہ دفتر قائم ہے۔''

''گڈ..... ویری گڈ!''

''اور آپ کو اندازہ ہو گا کہ لوگ کتنے متجسس ہیں آپ کے لئے۔ یقینی طور پر وہ سب آپ کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہوں گے۔''

میں مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ مسٹر گوڈیل نے مجھے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''سر! آج پ اس کرسی کو رونق بخشئے۔''

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی اُڑن تخت پر آ بیٹھا ہوں۔ واقعی ذہن فضاؤں میں واز کر رہا تھا۔ آفس کی شاندار صورت میرے لئے بہت حیران کن تھی۔

''سر! مجھے چند لمحات کے لئے اجازت دیجئے۔ میں ذرا اُن لوگوں سے گفتگو کر لوں جو پ کے استقبال کی تیاریاں کر چکے ہیں۔'' وہ باہر نکل گئے اور میں سحر کے سے عالم میں کی ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ سولہ منٹ گزر گئے اور مسٹر گوڈیل میرے آ گئے۔

''سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں سر! وہ لوگ لنچ آپ کے ساتھ ہی کرنا چاہتے ''

''اوہ..... گڈ مسٹر گوڈیل! آپ نے میرے دل کی بات چھین لی۔''

میں اُن کے ساتھ اُس بڑے ہال میں داخل ہوا جہاں عارضی طور پر شاندار پارٹی کا ظام کر لیا گیا تھا۔ تمام لوگوں نے مجھے دیکھ کر تالیاں بجائیں اور پھر مسٹر گوڈیل ایک ایک میرا تعارف کرانے لگے۔ میرے سٹاف کے لوگ تھے۔ پانچ افراد کا وہ پینل بھی تھا جو ے لئے کام کرتا تھا۔ سب ہی نے مجھ سے بہت محبت اور عقیدت کا اظہار کیا۔ وہ لوگ

مجھ سے طرح طرح کے اظہار کرتے رہے اور میں اُنہیں تسلی بخش جواب دیتا رہا۔ میں اُن لوگوں سے اُن کی اُلجھنوں اور پریشانیوں کے بارے میں بھی پوچھتا رہا۔ سب ہی نے اطمینان کا اظہار کیا اور اس کے بعد یہ چھوٹی سی تقریب ایک گھنٹے کے اندر اندر ختم ہوگئی۔

میں مسٹر گوڈیل کے ساتھ اپنے دفتر میں آ گیا تھا۔ دفتر میں، میں نے اُنہیں بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تشریف رکھئے مسٹر گوڈیل! اَب اس سلسلے میں، میں آپ سے کچھ اور اہم گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی فرمائیے.....''

''یہاں مجھے براہِ راست کس سے ڈیلنگ کرنا ہوگی؟''

''ان پانچ افراد سے جنہیں میں آپ سے متعارف کرا چکا ہوں۔''

''اِس سلسلے میں آپ کی ذمہ داریاں کیا کیا ہیں مسٹر گوڈیل؟''

''سر! آپ کی غیر موجودگی میں تمام قانونی امور کو دیکھتا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں سے فرم کے بارے میں مشورے بھی کرتا رہا ہوں۔ وہ بالکل ذاتی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ لیکن اَب آپ تشریف لے آئے ہیں تو میری خواہش ہے کہ میری ذمہ داریاں صرف قانونی حد تک رہنے دیں۔ باقی آپ تمام ذمہ داریاں خود سنبھال لیں۔ مجھے خوشی ہوگی۔ میری جہاں بھی ضرورت پیش آئے، میں ہر وقت حاضر ہوں۔''

''شکریہ۔ میں آپ کے اس تعاون پر آپ کا شکر گزار ہوں۔''

مسٹر گوڈیل نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سر! اَب مجھے اجازت؟''

''ہاں! آپ کا بہت وقت صرف ہوا میرے لئے۔''

''میں ہر وقت ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔'' مسٹر گوڈیل نے مجھ سے مصافحہ کیا اور اُس کے بعد یہاں سے چلے گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اُن پانچوں کو طلب کر لیا جو یہاں اہم ترین خدمات انجام دیتے تھے۔ اُن کے آنے کے بعد، میں نے اُنہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور پھر اُن سے کہا۔ ''آپ لوگ اپنی خدمات اُسی طرح انجام دیتے رہیں۔ جہاں تک دوسرے معاملات ہیں اُن میں آپ مجھ سے مشورہ کر سکتے ہیں۔ میں اس کاروبار کی توسیع چاہتا ہوں اور اس سلسلے

میں جو بھی مشورے آپ کے ذہن میں ہوں، آپ تحریری شکل میں مجھے دیجئے۔ جہاں تک معاملہ آپ کے کام کا رہا تو اس کے لئے میری طرف سے پیشکش ہے کہ اس میں آپ کی اپنی کاوشوں سے جو بھی اضافہ ہوا، اس میں آپ کی شراکت بھی رکھی جائے گی۔''

''سر! ایسے بہت سے پروگرام ہم نے ترتیب دیئے ہیں۔ اور یہ جاننے کے بعد ترتیب دیئے ہیں کہ آپ پہلی بار ہمارے درمیان آ رہے ہیں۔ باقی ماضی میں جو کچھ ہوتا رہا ہے، اس کے لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہماری کارکردگی کا جائزہ لیجئے اور پھر ہم پر اعتماد کیجئے۔''

''مجھے تم پر اعتماد ہے۔ اَب میں تم لوگوں سے اتنا غافل بھی نہیں رہا ہوں۔ جو کچھ تم کرتے رہے ہو، اس کا میں نے گہری نگاہوں سے جائزہ لیا ہے اور میں تم سے اطمینان کا اظہار کرتا ہوں۔ ہاں! آئندہ تم جو کچھ کرو گے اُس میں، میں نے تمہارا منافع شامل کر دیا ہے۔ میرے سلسلے میں تردّد کی ضرورت نہیں۔ میں لا اُبالی فطرت کا انسان ہوں۔ جب چاہوں گا، دفتر آ جاؤں گا۔ ابھی شاید میں یہاں باقاعدگی پیدا نہ کر سکوں۔''

''بہتر ہے سر! ہم اِس کا خیال رکھیں گے۔''

''اُن پانچوں سے گفتگو کرنے کے بعد میں نے اُنہیں رُخصت کیا اور پھر ایک سحر زدہ کے سے انداز میں اس ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ شیشوں سے دوسری جانب وسیع وعریض ہال نظر آ رہا تھا جس میں کیبن بھی بنے ہوئے تھے اور اُس ہال میں میرا اسٹاف اپنے کام میں مصروف تھا۔ ٹائپ رائٹر کی کھٹا کھٹ، کاغذات کی سرسراہٹیں..... یہ سب میرے لئے بڑی دلکش تھیں۔ میں نے تو اِن میں سے ایک میز کی درخواست کی تھی، جہاں میں خود ٹائپ رائٹر کھٹکھٹاتا رہوں۔ لیکن مجھے جو کچھ مل گیا تھا، وہ میرے لئے بہت عجیب تھا۔ واقعی بے حد عجیب..... بہرطور! واپسی میں، میں بڑی عجیب وغریب کیفیات کا شکار تھا اور یہ احساس گھر پہنچنے کے بعد بھی مجھ پر مسلط رہا۔ گھر واپس آنے کے بعد، دوبارہ باہر نہیں نکلا تھا۔ ہاں! اُس کھڑکی سے لگ کر ضرور جا بیٹھا تھا جہاں سے ساحل دریا نظر آتا تھا اور جہاں بیٹھنے کے بعد یہ محسوس ہوتا تھا کہ زندگی کتنی پر سکون ہے بشرطیکہ انسان کو اس کا موقع مل جائے۔ تھوڑی ہی فاصلے پر وہ پب نظر آ رہا تھا جس میں بے چارہ نوشاد تھا۔ میں نے کل اُس سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ آج کی صورت حال بالکل تسلی بخش تھی۔ میں نوشاد کی طرف چل

دیا۔ نوشاد کا پب کھل چکا تھا اور وہ اپنے کاموں میں مصروف تھا۔ اُس نے دُور ہی سے مجھے دیکھ لیا اور جلدی جلدی اپنے کام نمٹانے لگا۔ میں پہنچا تو وہ میرے قریب آ گیا اور اُس نے گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''سر! میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔''

''چلو اچھا ہوا، ہماری دوستی ہو گئی۔ اور پھر وطن سے دُور رہ کر تو اپنوں سے مل کر ایسے ہی لگتا ہے جیسے کوئی بہت ہی قریبی عزیز ہو۔ کیا تم نے بھی ایسا ہی محسوس کیا؟''

''سر! اگر آپ یقین کریں تو کل آپ سے ملاقات کے بعد بڑا بے چین رہا۔ دل چاہ رہا تھا کہ رات کی تنہائیوں میں آپ کے پاس پہنچوں اور آپ سے باتیں کروں۔ بڑا سکون ملتا ہے وطن کی باتیں کر کے۔'' نوشاد نے کہا۔

''ہاں نوشاد! اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ تم آ کیوں نہ گئے؟''

''سر! ہمت نہ پڑی۔ ویسے کیا آپ کی فیملی بھی وہیں وطن میں ہے؟''

''نہیں۔ میری کوئی فیملی نہیں ہے۔ تنہا ہوں۔ یا پھر مسز پال ہیں جو میری دیکھ بھال کرتی ہیں۔''

نوشاد آگے بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اُس نے میرے سامنے ایک خوبصورت جگ اور ایک گلاس لا کر رکھ دیا۔ ''سر! یہ میں نے آپ کے لئے بنایا ہے۔ آپ کو لطف آ جائے گا۔ ایک بہت ہی نفیس مشروب ہے۔''

''گڈ..... مگر ایک گلاس؟''

''میں سمجھا نہیں سر۔''

''بھئی تم اِس کی جو قیمت مجھ سے چاہو، وصول کر لینا۔ لیکن کم از کم مجھے کمپنی تو دو۔ ویسے بھی تمہارا پب ابھی سنسان پڑا ہوا ہے۔''

نوشاد چند لمحات سوچتا رہا۔ اور پھر بولا۔ ''سر! میری عادت چھوٹ گئی ہے اپنے آپ کو اِس قابل سمجھنے کی۔ لیکن اگر آپ حکم دے رہے ہیں تو آج بہت عرصے بعد یہ تجربہ بھی کئے لیتا ہوں۔''

وہ ایک اور گلاس اُٹھا لایا اور پھر اُس نے نفاست سے میرے گلاس میں مشروب انڈیلا۔ پھر اپنا گلاس بھر کر میرے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''شاید وقت کا تعین نہ کر سکوں نوشاد! بس، یوں سمجھ لو ایک طویل عرصہ ہو گیا وطن سے دور ہوئے۔ ویسے تم وطن کب واپس گئے تھے؟''

''میں جب سے آیا ہوں، ابھی تک نہیں جا سکا۔'' اُس نے جواب دیا۔

''کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں یہاں آئے ہوئے؟''

''تقریباً چھ سال۔'' اُس نے کہا۔

''وطن میں تمہارے بہت سے عزیز و اقارب ہوں گے۔''

''جی سر ہیں۔'' اُس نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر شاید یادوں کے سائے لرزنے لگے تھے۔ میں نے اُسے یادوں کے بھنور سے نکالنے کے لئے کہا۔

''نوشاد! تم میرے پاس آ جاؤ۔ اگر تم وعدہ کرو تو میں رات کے کھانے پر تمہارا انتظار کروں؟''

''نہیں سر! اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔ لیکن کھانے وغیرہ کے تکلف میں آپ نہ پڑیں۔ میں اِن چیزوں سے بہت دُور ہو چکا ہوں۔''

''تم آج رات کھانا میرے ساتھ کھاؤ نوشاد! مجھے بے حد خوشی ہو گی۔ اگر تم انکار کرنا چاہتے ہو تو انکار کر دو۔ لیکن دوبارہ میں تمہارے پاس نہیں آؤں گا۔'' میں نے کہا اور وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ پھر اُس نے شانے ہلا کر کہا۔

''ٹھیک ہے سر! آپ حکم دے رہے ہیں تو اس کی تعمیل ضرور کروں گا۔'' میں نے مشروب کا دوسرا گلاس اُس سے لیا اور اس کے بعد میں اُٹھ گیا۔

رات کو ٹھیک نو بجے مسز پال نے نوشاد کے آنے کی اطلاع دی۔ میں نے مسز پال کو اس کے بارے میں ہدایت دے دی تھی۔ بہر حال! میں فوراً ہی ڈرائنگ رُوم میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے پُر تپاک انداز میں کہا۔

''ہیلو مسٹر نوشاد!'' اور وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

''ہیلو سر!''

''منصور ہے میرا نام۔ کیا سمجھے؟'' میں نے کہا اور وہ مسکرا دیا۔

''سوری مسٹر منصور! کیا کروں، عادت پڑ گئی ہے۔''

''بیٹھو۔'' میں نے اُسے اِشارہ کیا اور وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''یقین کرو تمہارے

آنے سے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے۔'' میں نے کہا۔

نوشاد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس مسکراتا رہا۔ پھر بولا۔ ''زمین کے رشتوں کو ہم فراموش نہیں کر سکتے۔ انسانی فطرتیں مختلف ہوتی ہیں۔ آپ شاید اُس خاص فطرت کے مالک ہیں مسٹر منصور! جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔''

میں خاموشی سے اُس کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔ ''میں تمہارے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا خواہش مند ہوں نوشاد۔ بات کچھ بھی نہیں ہے۔ بس! یوں سمجھ لو، تم سے گہری دوستی کا خواہش مند ہوں۔ تمہاری شخصیت مجھ پر اثر انداز ہوئی ہے۔''

''مجھے تعجب ہے جناب! میرا خیال تھا کہ میری شخصیت میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو دوسروں کو متاثر کر سکے۔ لیکن آپ نے یہ الفاظ کہہ کر میری توقیر بڑھا دی ہے۔ اس ابتدائی تحفے کا شکریہ۔''

میں کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ ''پہلے کھانا کھائیں گے اس کے بعد اطمینان سے اُوپری منزل پر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ تم میرے پاس ٹھہرنے کا فیصلہ کر کے آئے ہو نا؟''

وہ مسکرا دیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔ ''دیکھئے جناب! میں بہت بے تکلف آدمی ہوں۔ بلکہ اگر یوں سمجھ لیں تو زیادہ سچائی ہو گی کہ ہر بے تکلف آدمی اپنی سے بڑی شخصیت کے سامنے زیادہ سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ اس سے اُس کے بہت سے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ بہت کم لوگ اپنے سے نیچے لوگوں سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ بے تکلفی انہیں بعض اوقات مہنگی پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ آپ نے جو حکم دیا ہے، اُس کی تعمیل سو فیصد حق میں ہے اور مجھے کچھ بہتر زندگی حاصل ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں تو انکار نہیں کروں گا۔ لیکن آپ ضرور سوچ لیجئے کہ آپ کو اس سلسلے میں کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔''

''اگر مجھے کوئی تکلیف ہوئی تو میں تمہیں ضرور بتا دُوں گا۔ فی الحال یوں سمجھو کہ میں خود بھی تمہاری قربت کا خواہش مند ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن بہتر یہ ہو گا کہ مجھ سے اِس عنایت کے عوض کچھ وصول کرتے رہئے۔ میں خود کو تو اِس قابل نہیں پاتا۔ لیکن آپ جو خدمت میرے

سپرد کریں گے، اُسے انجام دے کر مجھے مسرت ہو گی۔''

''آؤ! کھانا کھاتے ہیں۔'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا اور اُٹھ کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مسز پال نے بڑی نفاست سے کھانا ہمارے سامنے لگا دیا اور وہ مسکراتی نگاہوں سے ایک ایک چیز کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''میری آنکھوں سے آنسو نکل آنا چاہتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہو گی۔ بہت عرصے بعد میں نے کسی گھر کی چھت دیکھی ہے۔ کتنا عجیب ہوتا ہے گھر بھی منصور صاحب! انسان کے لئے تمام دن کی مشقتوں کے بعد گھر کی چھت ایک ایسا سہارا ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔''

''ہاں نوشاد! بشرطیکہ اُس گھر میں تنہائی نہ ہو۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔

کھانے کے دوران ہم لوگ بالکل خاموش رہے۔ بس! نوشاد نے چند کھانوں کی خاص طور سے تعریف کی تھی۔

کھانے کے بعد میں نے کہا کہ کافی ہم اُوپر پہنچ کر پئیں گے۔ چنانچہ یہاں سے اُٹھا جائے۔ عمارت کی بالائی منزل پر موسم کا سارا حسن جمع ہو گیا تھا۔ بے حد خوشگوار ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا دریا کے پانی کو چھوتی ہوئی بہہ رہی تھی اور فضا میں نجانے کیسی کیسی خوشبوئیں رچی ہوئی تھیں۔

نوشاد گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر بولا۔ ''منصور صاحب! آپ نے واقعی مجھے خوابوں کی جنت میں پہنچا دیا ہے۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے یہ سب کچھ۔ حالانکہ بہت عرصے سے زندگی اس علاقے کے درمیان گزار رہا ہوں۔ لیکن اس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے اس علاقے میں پہلی بار قدم رکھا ہو۔ شاید ایک اچھے، مہربان اور محبت کرنے والے دوست کی قربت اس تصور کی امین ہے۔''

میں خاموش رہا اور کافی دیر تک ہم دونوں اسی طرح خاموشی سے ماحول کی لطافتیں حاصل کرتے رہے۔ مسز پال نے بڑی نفاست سے کافی ہمارے سامنے سجا دی تھی۔ وہ جلدی سے اُٹھا اور کافی بنانے لگا۔ پھر اُس نے کافی کی ایک پیالی میرے سامنے رکھ دی اور دوسری خود لے کر بیٹھ گیا۔

''آپ نے کہا تھا منصور صاحب! کہ میں آپ کو اپنے بارے میں بتاؤں۔ تو کیوں نہ یہ ایک کہانی ہو جائے؟''

''ہاں.....ضرور! مجھے خوشی ہوگی۔'' میں نے کہا۔

''کہانی کا آغاز بہت خوبصورتی سے ہونا چاہئے۔ تاکہ کہانی پر گرفت قائم رہے۔ اگر یہ کہانی میں نے اپنے برے دور سے شروع کر دی تو مزہ خراب ہو جائے گا۔ آپ یوں سمجھے کہ ایک گھر ہے۔ جس میں ماں ہے، باپ ہے اور ایک چھوٹی بہن ہے۔ چھوٹی بہن کا نام شادمان ہے۔ غالباً ماں اور باپ نے بچوں کے نام اس تصور کے تحت رکھے ہوں گے کہ نوشاد بھی ہمیشہ شاد رہے اور شادمان زندگی کی تمام مسرتوں سے ہمکنار ہو جائے۔ لیکن صرف نام رکھ دینے سے تقدیریں نہیں بدل جاتیں منصور صاحب! تقدیر آسمانوں میں لکھی جاتی ہے۔ اور وہی حیات پر چسپاں ہو جاتی ہے۔ یہ صرف ہماری خوش فہمیاں ہیں کہ ہم ایک اچھا سا نام اپنے لئے تجویز کر کے سوچتے ہیں کہ اِس نام کے اثرات ہماری زندگی تبدیل کر دیں گے۔ ایسا نہیں ہوتا۔ کم از کم مجھے اِس کا تجربہ ہے۔''

''میں بھی تمہارے اِس تجربے سے سو فیصد متفق ہوں نوشاد! میرا نام منصور ہے۔ لیکن ساری زندگی ہارتا رہا ہوں۔ جیت کبھی میری زندگی میں داخل نہیں ہوئی۔ چنانچہ کوئی فائدہ نہیں اِن بیکار باتوں کا۔''

''تو بات ہو رہی تھی اُس چھوٹے سے گھر کی جس میں نوشاد رہتا تھا۔ اُس کے والد ایک دفتر میں کلرک تھے۔ ایل، ڈی، سی سے یو، ڈی، سی ہو گئے اور بس، نیکیوں کے رسیا تھے۔ اپنے طور پر اُنہوں نے گھر کی ایک ڈگر بنا رکھی تھی۔ جس پر یہ گھر چل رہا تھا۔ شادمان بھی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ نوشاد بھی پڑھ رہا تھا۔ اور اپنے دل میں مستقبل کے بہت سے منصوبے رکھتا تھا۔ یہ سوچتا تھا کہ باپ کو سکون کی زندگی مہیا کرے۔ لیکن یہاں بھی تقدیر کا شکوہ شروع ہو جاتا ہے۔ مگر چھوڑیئے اِن بیکار باتوں کو۔ آیئے! یونیورسٹی کی حسین فضاؤں میں چلتے ہیں۔ بلاشبہ زندگی کا یہ دور منصور صاحب! سنہرا دور تصور کیا جا سکتا ہے۔ حالات کیسے ہی ہوں، رگوں میں دوڑتے ہوئے جوان خون میں ایک اُمنگ ہوتی ہی ہے۔ چاہے اُسے کتنا ہی دبانے کی کوشش کی جائے۔ نوشاد صاحب بھی یونیورسٹی کی دنیا میں اپنے آپ کو بھول جاتے تھے اور یہ سوچ اُن کے ذہن سے نکل جاتی تھی کہ وہ ایک کلرک کے بیٹے ہیں اور مستقبل میں اُنہیں نجانے کتنی لڑائیاں لڑنی ہیں۔ یہ سب کچھ بھول کر نوشاد صاحب اپنے سینگ کٹا چکے تھے اور بچھڑوں میں شامل تھے۔ یونیورسٹی کی فضاؤں میں

قہقہوں کی بارش ہوتی تھی اور نوشاد کے قہقہے اُن میں کسی بھی طرح کمزور نہیں پڑتے تھے۔ بہت سے نوجوان اپنے دلوں میں بہت سی اُمنگیں دبائے ہوئے ایک دوسرے کو اپنا رازدار بنانے کے خواہاں نظر آتے تھے اور نوشاد کی نگاہیں بھی اسی طرح کسی ایسے حسین تصور کو تلاش کرتی تھیں جو اُس کے دل میں آ بسے۔ اور یہ حسین تصور بالآخر اُس کے دل میں آ بسا..... اور اُس حسین تصور کا نام فرزانہ تھا۔ بلاشبہ ایک ایسی شخصیت جو خود بخود دل میں آ بسے، دُبلی تپلی سی، کامنی سی۔ نزاکتیں جس پر نثار ہوتی تھیں اور جس کے خدوخال بلاشبہ کسی شاعر کی ایک بھرپور غزل تھے۔ اُن غزالی آنکھوں کا جادو نوشاد پر اچانک ہی چلا تھا۔ اور اگر کسی آنکھ میں محبت کا انداز نہ ہو تو شاید دل میں وہ جذبے کبھی نہیں پیدا ہوتے جو سچے ہوتے ہیں۔ ایک معمولی سی ملاقات تھی جو ایک یاد بن گئی۔ اور تصورات نے اُس یونیورسٹی سے اُس چھوٹے سے گھر تک کا سفر کیا۔ پھر وہ ذہن میں رچ بس گئی اور نوشاد صاحب عالم تصور میں اُسے اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ دیکھنے لگے۔

اُنہوں نے خوابوں ہی خوابوں میں اُس کے ساتھ اُن حسین مرغزاروں کا سفر کیا جہاں پھول کھلے ہوتے ہیں، ہوائیں چلتی ہیں۔ اُن برف زاروں میں کلیلیں کیں جہاں برف کمر تک آ جاتی ہے اور انسان عجیب سی بدمستیوں میں ڈوب جاتا ہے۔ فرزانہ بھی شاید اسی انداز میں متاثر ہوئی تھی۔ یونیورسٹیوں سے بہت سی کہانیوں نے جنم لیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اِن کہانیوں میں سے کوئی غلط نہیں ہوتی۔ سب کی سب درست ہوتی ہیں۔ بس! ذرا انداز مختلف ہو جاتے ہیں اور یہ کہانی کاروں کا کھیل ہے۔ اُن کی اپنی سوچ ہوتی ہے۔ میری اپنی کہانی میں فرزانہ کا تصور ایک پاکیزگی لئے ہوئے ہے اور میں نے کبھی اُس کے بارے میں برے انداز میں نہیں سوچا۔ ہاں! اُس کی قربت مجھے ذہنی سکون بخشتی تھی۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں کس طرح اُس سے اظہارِ عشق کروں۔ بس! ایک تصور دل میں پیدا ہوتا رہتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ اُس کے قریب رہوں اور شاید اِس کوشش میں فرزانہ کی کوششوں کو بھی دخل تھا۔

ہماری دوسری ملاقات لائبریری میں، تیسری کینٹین میں اور چوتھی یونیورسٹی کے لان، پانچویں پھر لائبریری میں اور اُس کے بعد ملاقاتوں کا وقت متعین ہونے لگا۔ ہم اِن جانی بوجھی اتفاقیہ ملاقاتوں کے محتاج نہیں رہنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد ہم طے شدہ

پروگرام کے مطابق ملنے لگے۔ فرزانہ خود بھی اس سلسلے میں مجھ سے پیچھے نہ تھی۔ اور زیادہ دن انتظار نہیں کرنا پڑا جب ہم دونوں نے اپنی زبان سے ایک دوسرے کی قربت کی طلب کا اظہار کر دیا۔ فرزانہ نے کہا کہ وہ اُسی دن سے میری قربت کی طالب ہے جس دن پہلی بار ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ مجھے خوابوں میں سوچتی رہی ہے۔ میں نے بھی دل سے اُس کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ میں بھی اُسی دن سے اُس کے لئے بے چین تھا۔ ہمارے درمیان تمام کچے دھاگے ٹوٹ گئے اور ہم دونوں آزادانہ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ جب ہماری قربتیں بہت زیادہ ہوگئیں اور ہم نے اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ ہم ایک دوسرے سے انتہائی طور پر متاثر ہو گئے ہیں تو وسوسوں کی تخلیق شروع ہوگئی۔ اور بہت عرصے کے بعد میں نے فرزانہ سے اُس کے خاندانی حالات پوچھے۔ نادر صاحب کی بیٹی تھی اور وہ دولت مند آدمی تھے اور اُن کی آنکھوں میں فرزانہ کے لئے ایک چمکتے دمکتے مستقبل کے خواب سجے ہوئے تھے۔ کیسی عجیب بات ہے۔ ہر شخص خواب دیکھتا ہے۔ ہر دور میں خواب دیکھتا ہے۔ کبھی اپنے لئے کبھی دوسروں کے لئے۔ سو، نادر صاحب کے بارے میں بھی مجھے یہ علم ہوا کہ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے بہت سے خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے ہیں اور انہی خوابوں کی تکمیل چاہتے ہیں۔ یہاں سے وسوسوں میں خوف شامل ہوگیا۔ کیونکہ میں نے فرزانہ کو بتا دیا تھا کہ میں ایک ایسے کلرک کا بیٹا ہوں جو اَب ریٹائرمنٹ کے قریب ہے اور اس کے بعد نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بھی کلرکی کرنا پڑے یا زندگی میں کوئی مقام مل جائے۔ فرزانہ معصوم تھی اُن تمام لڑکیوں کی طرح جو جذباتی گفتگو کرنے میں ماہر ہوتی ہیں۔ لیکن اس قسم کی گفتگو، کوئی سنہرا مستقبل نہیں دیتی۔ بلکہ سطحی ہوتی ہے۔ اور کوئی گہرائی نہیں ہوتی۔

یہ میرا تجربہ ہے منصور صاحب! لیکن اس عمر میں ہر شخص اسی طرح بولتا ہے۔ فرزانہ نے مجھ سے کہا کہ دولت کوئی چیز نہیں ہے۔ اصلی چیز انسان کی ذات اور شخصیت ہے اور میری ذات اور میری شخصیت سے وہ دلچسپی رکھتی ہے۔ وہ نادر صاحب کو مجبور کر دے گی کہ وہ اُس کی شادی مجھ سے کر دیں۔ فرزانہ نے اِس سلسلے میں منصوبہ بندی شروع کر دی تھی۔ لیکن میں خوفزدہ تھا۔ ٹھیک ہے فرزانہ اگر اپنے والد کو تیار کر لے اور کسی طرح اُنہیں مجبور بھی کر دے تو میں فرزانہ کی کیا پذیرائی کر سکوں گا؟ میرا تو کوئی اثاثہ بھی نہیں تھا کہ میں اُس کے

بل پر فرزانہ کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا۔ ایک ایسا شخص جس کا کوئی مستقبل نہ ہو، کسی کو اپنی ذات سے وابستہ کرتے ہوئے سوچنے پر مجبور تو ہو جاتا ہے۔ بہرطور! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ پڑھائی سے بھی دِل اُچاٹ ہو گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ فائنل کے بعد یونیورسٹی چھوڑ کر کوئی ملازمت کر لوں۔ فرزانہ سے اِس سلسلے میں مشورہ کیا تو اُس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے ہمیں ایک مستقبل کا آغاز کرنا ہے۔ تم کچھ اور پڑھ لو گے تو تمہارا کیا خیال ہے ملازمتیں تمہارے لئے تیار ہوں گی؟ یہ سب کچھ تو کرنا ہی ہے۔ چنانچہ اس کی ابتداء کیوں نہ کر دی جائے؟''

لہٰذا بی اے کے بعد میں نے ملازمت کی تلاش شروع کر دی جو اِس دنیا کا سب سے مشکل کام ہے۔ لیکن مجھے اس مشکل کام میں کچھ آسانی حاصل ہوگئی۔ مجھے ایک پرائیویٹ فرم میں ملازمت مل گئی تھی۔ تنخواہ اٹھارہ سو روپے ماہوار تھی۔ کچھ دوسری سہولتیں حاصل تھیں۔ بہرطور! کم از کم ایک ٹھکانہ ملا تھا قدم جمانے کے لئے۔ اور اَب یہاں سے آنے والے وقت کا انتظار کر رہے تھے۔ فرزانہ نے یونیورسٹی اِس لئے نہیں چھوڑی تھی کہ اس طرح اُسے یونیورسٹی کے نام پر مجھ سے ملنے کا موقع مل جاتا تھا۔ معمولات یونہی جاری تھے اور اس کے بعد بالآخر ہم نے فیصلہ کیا کہ اَب اپنے مسئلے کا کوئی حل دریافت کر لیا جائے۔ میں نے فرزانہ سے بات کی تو وہ کہنے لگی کہ اِس کا آغاز کس طرح کیا جائے؟

''فرزانہ! اگر میں خود تمہارے ڈیڈی سے ملاقات کروں اور اس بات کا اظہار کروں تو بات بہت خراب ہو جائے گی۔ اگر تم خود اس کی ابتداء کرو تو کیسا رہے گا؟''

فرزانہ مکمل طور پر میری مدد کی خواہش مند تھی۔ چنانچہ ہم دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ فرزانہ اپنے دل میں موجود تمام خیالات تحریری شکل میں نادر صاحب کو پیش کر دے گی اور اُن سے بالکل صاف صاف کہہ دے گی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ وہ خط میں نے اور فرزانہ نے مل کر ہی تیار کیا تھا۔ فرزانہ تھوڑی سی خوفزدہ ضرور تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پرعزم بھی تھی۔ اُس نے کہا۔

''نوشاد! ہم زندگی کو ایک راستے پر لانے کے لئے ہمت کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہوسکتا ہے تمہیں بھی مشکلات سے گزرنا پڑے۔ لیکن بہرطور! اِن مشکلات سے گزرنے کے بعد ہی ہمیں زندگی کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔''

میں نے فرزانہ سے کہا۔ ''فرزانہ! جو کیفیت میری ہے، اس کے بارے میں بھی سوچ لو۔ کہیں بعد میں کسی افسوس کا شکار نہ ہو جاؤ۔''

اس بات پر بہت برا سا منہ بنا کر اُس نے کہا تھا کہ زندگی کی تمام خوشیاں وہ دیکھ چکی ہے۔ اور اَب میرے ساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا چاہتی ہے۔ میرا چھوٹا سا گھر اُس کے لئے بہت کچھ ہوگا۔ مجھے اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ بہرطور! میں نے اُسے تمام ''اِن'' اور ''آؤٹ'' بتا دیئے تھے۔ اس کے بعد منصور صاحب! میرا تصور کچھ نہ رہ گیا تھا۔ فرزانہ نے وہ خط نادر صاحب کو دے دیا اور اس کے بعد کی تفصیلی رپورٹ بھی مجھے دی۔ نادر صاحب نے خط پڑھا اور بری طرح سنجیدہ ہو گئے۔ اُس کے بعد اُنہوں نے فرزانہ کے کمرے میں اُس سے ملاقات کی۔

''تمہارا خط مجھے ملا ہے فرزانہ! کیا ضروری تھا کہ تم اِن تمام حماقتوں میں پڑتیں؟ کیا والدین کو بیٹیوں کے سلسلے میں واقعی غیر محتاط نہیں ہونا چاہئے۔ بڑی حماقت کرتے ہیں وہ لوگ جو اپنی اولادوں پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لیتے ہیں اور یہ سوچ لیتے ہیں کہ اُنہوں نے اُن کے ساتھ کچھ برا نہیں کیا تو وہ بھی اُن کی عزت کا اتنا ہی خیال رکھیں گی۔ تم نے اس بات کو غلط ثابت کر دکھایا ہے۔''

''ڈیڈی! اگر مجھے آپ سے براہِ راست گفتگو کرنا ہوتی تو میں خط لکھنے کی حماقت کبھی نہ کرتی۔ میرا خیال ہے اپنے خط میں، میں نے وہ تمام باتیں لکھ دی ہیں جو آپ کے ذہن میں آ سکتی ہیں۔''

''ہاں! تم نے لکھا ہے کہ یہ فیصلہ تم نے چند روز، چند ہفتوں یا چند مہینوں میں نہیں کیا، بلکہ ایک طویل عرصہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اور یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔ لیکن فرزانہ! یہ میری پسند کے خلاف ہے۔''

''ڈیڈی! میں آپ سے محبت کی طالب ہوں اور جانتی ہوں کہ آپ میرے ساتھ ہمدردی کریں گے۔''

''اصل ہمدردی تو یہی ہے فرزانہ! کہ تمہیں اس حماقت سے روک دُوں۔ زندگی صرف ایک جذباتی طوفان کا نام نہیں ہے۔ جب یہ طوفان گزر جاتا ہے تو اس کے چھوڑے ہوئے اثرات بہت بھیانک ہوتے ہیں۔ چاروں طرف گہرے گہرے گڑھے ہوتے ہیں۔ مستقبل

کے گڑھے..... اور یہ گڑھے ساری زندگی منہ کھولے تمہارا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ ایک بار پھر غور کر لو۔''

''ڈیڈی! میری سوچ کی پہنچ جہاں تک تھی، وہاں تک میں نے بے شک سوچا ہے۔ اور اس کے بعد اپنی ساری سوچیں آپ کے سپرد کر دی ہیں۔ آپ کو فیصلہ میرے حق میں کرنا ہے۔''

''میں تمہارا باپ ہوں فرزانہ! تمہارا محکوم نہیں۔ محبت بے شک ایک حد تک مجبوریاں پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن جہاں انسان کو خسارے کا احساس ہو، وہاں ہر شے ختم ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی یہ احساس ہو رہا ہے کہ تمہیں یہ مقام دے کر میں نے غلطی کی ہے۔ مجھے وہ نہیں دے رہیں تم جو میں چاہتا تھا۔ اس کے بعد میرے دل میں تمہاری گنجائش کیسے رہ سکتی ہے؟ میں تمہیں موقع دے رہا ہوں فرزانہ! سوچ لو۔ اس انداز میں بھی سوچ لو۔ یوں سمجھ لو! کہ میں ایک فیصد اِس بات کے حق میں نہیں ہوں کہ تم اُس کلرک سے شادی کرو۔ میں اُس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتا۔ اور نہ ہی میرے اِس فیصلے میں کچھ لچک پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے باوجود، اگر تم یہی فیصلہ برقرار رکھو گی تو پھر میں تم سے سمجھوتہ کر لوں گا۔ لیکن چند شرائط پر۔''

''وہ کیا ہوں گی ڈیڈی؟'' فرزانہ نے اپنے باپ سے پوچھا۔

''شرائط یہ ہوں گی کہ میں اپنی عزت اور اپنا وقار ایک حد تک برباد کر سکتا ہوں۔ اس حد کو میں ختم نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے میں دنیا سے یہ نہیں کہنا چاہتا کہ میری بیٹی نے اپنی پسند سے شادی کر لی اور گھر سے باہر چلی گئی۔ بلکہ میں باقاعدہ تمہاری شادی کروں گا۔ میرے اس فنکشن میں شہر کے تمام معززین شامل ہوں گے۔ میں باقاعدہ بارات بلواؤں گا۔ معززین کی تواضع کروں گا۔ اور اس کے بعد تمہیں رُخصت کر دُوں گا۔ لیکن رُخصت ہونے کے بعد تم زندگی بھر مجھ سے نہیں ملو گی۔ اور نہ ہی تمہیں اپنی دولت سے میں ایک پائی دُوں گا۔ دنیا کے سامنے میں تمہیں باعزت طریقے سے رُخصت کروں گا۔ لیکن وہ دن میری اس کوٹھی میں تمہارا آخری دن ہوگا۔'' نادر صاحب بھی بلاشبہ اپنے نام کی طرح نادر شاہ درانی تھے۔

فرزانہ پر چونکہ محبت کا جنون سوار تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے باپ سے کہا۔ ''اگر یہ آپ کا آخری فیصلہ ہے ڈیڈی! تو ظاہر ہے میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی ہوں؟ میں اپنے آخری

فیصلے میں کوئی لچک پیدا نہیں کر سکتی۔ مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ باقی تمام باتوں کی ضرورت نہیں۔ تم خود ہی اُس شخص سے یہ معاملات طے کر لو کہ وہ کب بارات لے کر آئے گا۔ میں اُس دن کے لئے دعوت نامے چھپوائے دیتا ہوں۔''

نادر صاحب نے نہ میرا گھر دیکھا، نہ مجھ سے ملاقات کی۔ وہ میری صورت سے بھی آشنا نہیں تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ میں کون ہوں؟ واقعی، وہ عجیب وغریب انسان تھے۔ بہرطور! مجھے فرزانہ نے یہ تمام باتیں بتائیں اور میں سکتے میں رہ گیا۔ فرزانہ نے اپنے طور پر واقعی اپنی محبت کا حق ادا کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ آسان نہیں تھا۔ اس کی جگہ میں اپنے آپ کو رکھ کر سوچتا تو مجھے یہ احساس ہوتا کہ اِس سے بڑی قربانی اور کوئی نہیں دی جا سکتی تھی۔ فرزانہ نے آخری لہجے میں کہا۔

''اور اَب تم سوچنے سمجھنے میں وقت نہیں ضائع کرو گے۔ اس سے پہلے کہ اس صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدا ہو جائے، تمہیں یہ سب کچھ کر لینا ہے نوشاد! اگر تم نے اس سلسلے میں ذرا بھی کمزوری دکھائی تو یوں سمجھ لو! کہ پھر ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہے گا۔''

میں نے آخری بار فرزانہ سے کہا کہ وہ خود بھی اِن تمام باتوں کے بارے میں سوچ لے۔

وہ مجھے شکایتی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ''اَب بھی سوچنے سمجھنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے نوشاد؟ میں تو اپنی کشتیاں جلا چکی ہوں۔ اَب اگر تم پہلو بچانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔ تم مرد ہو۔ میں عورت ہو کر اپنے اقدام میں اس حد تک جا سکتی ہوں تو تمہارے لئے کیا مشکلات ہیں؟''

''نہیں فرزانہ! اس کے بعد تو تمہارا تحفظ مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ میں تمہیں تنہا تو نہیں چھوڑ سکتا۔ کچھ وقت درکار ہے مجھے۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ہے۔ بلکہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اِن تمام باتوں سے ڈیڈی کو آگاہ کر دوں۔ اور اَب تم یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ڈیڈی کے گھر میں میری حیثیت ایک ایسے شخص کی سی ہو گی جو صرف اُن کے لئے ایک عذاب ہے۔ اور اِن حالات میں کسی گھر میں کیسے گزارا کیا جا سکتا ہے؟ اس کا اندازہ تم بخوبی لگا

سکتے ہو۔''

''میں جانتا ہوں فرزانہ!'' میں نے جواب دیا۔

''فرزانہ چلی گئی۔ لیکن میرے لئے سوچوں کے پہاڑ چھوڑ گئی تھی۔ فرزانہ سے میں مکمل طور سے مخلص تھا۔ بلکہ وہ میری زندگی کا محور تھی۔ اور میں اُس کے اِس ایثار سے اور زیادہ متاثر ہو گیا تھا۔ واقعی، لڑکی ہو کر اُس نے جو کچھ کیا تھا، وہ مردوں کے بس کی بات بھی نہیں تھی۔ میں نے اپنے اندر ہمت پیدا کی اور پھر براہِ راست میں نے اپنے باپ سے اس سلسلے میں گفتگو کی۔ ماں اور بہن کو بھی اِس گفتگو میں شریک رکھا تھا۔ انتہائی ہمت کے ساتھ میں نے اُنہیں تمام تفصیلات بتا دیں اور یہ بھی کہا کہ فرزانہ اِس سلسلے میں کیا قدم اُٹھا بیٹھی ہے۔ سب پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ لیکن میرے والد نے انتہائی فراخدلی کا ثبوت دیا۔ والد صاحب کہنے لگے۔

''اگر تم چاہو تو میں نادر صاحب سے ملاقات کروں اور کہوں کہ وہ اس انتہا پسندی کو چھوڑ دیں؟''

''نہیں ابو! اگر آپ نے اُن سے ملاقات کی اور یہ جملے کہے تو اس سے وہ یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ ہم وہ مفادات بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو نادر صاحب کے راضی ہو جانے سے ہمیں مل سکتے ہیں۔ بات ہی مختلف ہو جاتی ہے۔ ورنہ میں آپ کو اِس شریفانہ اقدام سے باز نہ رکھتا۔''

''تو پھر اَب تم کیا چاہتے ہو؟ میرا مطلب ہے، کیا خیال ہے تمہارے ذہن میں؟''

''ابو! ہمیں اپنے تمام وسائل جھونک دینے ہوں گے۔ جو کچھ بھی ہم کر سکتے ہیں، ہمیں کرنا ہو گا۔ بہت زیادہ ہنگامے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف چند افراد کو ساتھ لے کر ہم وہاں جائیں گے اور اس فریضے کو انجام دے لیں گے۔''

''جس طرح کہ نادر صاحب نے اپنی عزت بچانے کے لئے یہ منصوبہ بنایا ہے، اس کے تحت کیا وہ یہ نہ چاہیں گے کہ ہم باقاعدہ اُن کے ہاں جائیں؟''

''ہم باقاعدہ ہی جائیں گے۔''

''تو پھر اس کے لئے ہمیں مہمانوں کی تعداد بھی بڑھانی ہو گی۔''

''میں اپنے تمام دوستوں کو جمع کر لوں گا۔ آپ جتنے افراد کو مناسب سمجھیں، اُنہیں

ساتھ لے لیں۔ میرا خیال ہے اس سلسلے میں ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ باقی لوازمات نہ نادر صاحب کر رہے ہیں اور نہ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔''

''اُس بچی سے ملا تو دو مجھے۔''

''آپ اگر اُس سے ملنا چاہتے ہیں تو میں اُسے یہاں بلا لوں گا۔''

میں نے فرزانہ کو اپنے گھر والوں سے ملایا۔ گھر میں سب اُسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔ تقریب اُن کی کوٹھی پر تھی۔

بہرطور! گھر والے میرے ہمنوا ہو گئے۔ تقریباً ساٹھ افراد ہم نے جمع کئے۔ والد صاحب نے نجانے کہاں کہاں سے کیا کچھ لیا اور اس کے بعد ایک دن متعین ہو گیا۔ ہم بارات لے کر پہنچے اور وہاں ہمارا استقبال بڑے مخلصانہ طور پر کیا گیا۔ نادر صاحب کے چہرے سے ذرا بھی اظہار نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بزدل ہیں۔ شہر کے اعلیٰ پائے کے لوگ اس تقریب میں شریک تھے اور کہیں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی تھی۔ میرے بارے میں اُنہوں نے اپنے دوستوں سے کیا کہا؟ یہ بات مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکی۔ نہ ہی فرزانہ اس سلسلے میں جانتی تھی۔ بہرحال! ہمارا نکاح ہوا اور نادر صاحب نے ہمیں نہایت محبت اور عزت کے ساتھ رُخصت کیا۔

فرزانہ میرے چھوٹے سے گھر میں آ گئی اور ہم لوگوں نے ایک عجیب وغریب سہاگ رات منائی۔ جس میں کھونے کا غم، پانی کی خوشی اور مستقبل کے بہت سے اندیشے، بہت سے خواب سجے ہوئے تھے۔ فرزانہ نے میری ہمت بڑھاتے ہوئے کہا کہ اگر اُس کی تقدیر نے ساتھ دیا تو وہ جو کچھ چھوڑ آئی ہے، دوبارہ حاصل کر لے گی۔ اور وقت گزرنے کے بعد ہو سکتا ہے کہ نادر صاحب کے رویئے میں بھی کوئی لچک آ جائے۔ میں نے فرزانہ کی اس محبت اور سچائی کو خلوص دل سے قبول کر لیا تھا۔ چند روز تو جس طرح گزرنے چاہئیں، اسی طرح گزرے اور اس کے بعد میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں مصروف ہو گیا۔ والد صاحب کو اس تمام مسئلے میں کوئی تردّد نہیں تھا۔ بلکہ وہ خوش تھے کہ اس طرح گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہوا۔ کم از کم ہمارا گھرانہ خوش تھا۔ بس! کبھی کبھی فرزانہ کے چہرے پر آزردگی پھیل جاتی تھی۔ اور یہ آزردگی اُس وقت آنسوؤں، سسکیوں اور ہچکیوں میں تبدیل ہو گئی جب ہمیں یہ پتہ چلا کہ نادر صاحب اپنا تمام کاروبار بند کرنے کے بعد اس شہر سے کہیں دور

چلے گئے ہیں۔ فرزانہ اس واقعے سے بہت غمزدہ ہو گئی۔ اُس کی تمام اُمیدیں ٹوٹ گئی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ اُس نے حالات سے سمجھوتہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میرے ساتھ ایک اور ٹریجڈی ہو گئی۔ والد صاحب کو نمونیہ ہوا۔ سخت حالت خراب ہو گئی اور چند ہی روز کے اندر وہ رحلت کر گئے..... والد صاحب کی موت نے میرے اعصاب پر بھی بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ایک ہی تو سہارا تھا میرا اس دنیا میں سچا اور بھرپور، جو ایک دوست، ایک بزرگ کی حیثیت سے مجھے ہر اُونچ نیچ سے آگاہ کیا کرتا تھا۔ لیکن ہر غم برداشت کے لئے ہوتا ہے۔ اور ہم سب مل کر اس غم کو برداشت کرنے لگے۔ بہت سے مسائل کھڑے ہو گئے تھے۔ گھر کی تمام ذمہ داری مجھ پر آ گئی تھی۔ شادماں کا سلسلہ بھی تھا۔ اس کے لئے بھی ہمیں کوئی بہتر اور نئی زندگی تلاش کرنی تھی۔ والدہ صاحبہ، والد صاحب کی موت سے نڈھال ہو گئی تھیں اور اس اچانک حادثے سے اُن کی کیفیت بھی اچھی نظر نہیں آتی تھی۔ مگر جی رہی تھیں۔ فرزانہ کا رویہ بہت بہتر رہا۔ لیکن اَب گھر کے چھوٹے چھوٹے مسائل سامنے آنے لگے۔ میری تنخواہ اٹھارہ سو سے بڑھ کر دو ہزار ہو گئی اور بس! اس سے آگے کچھ نہیں تھا۔ سوچتے تو بہت کچھ تھے لیکن سوچنے کے بعد عمل کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور وقت میرے پاس نہیں تھا۔ کیونکہ ملازمت ایک باقاعدہ حیثیت رکھتی تھی۔ دو ہزار روپے میں بھلا اس دور میں کیا ہوتا ہے؟ فرزانہ نے ابھی تک نہایت پامردی سے حالات کا مقابلہ کیا۔ لیکن رفتہ رفتہ اُس کے مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہوتا چلا گیا تھا۔ شادماں اور ماں پر جو کچھ خرچ ہو رہا تھا، وہ اُسے ناگوار گزرتا تھا۔ حالات جیسے تیسے گزرنے لگے۔ والدہ کی بیماری نے اخراجات اور بڑھا دیئے تھے۔ بہن کے سلسلے میں ایک پیسہ بھی جمع نہیں کر پایا تھا۔ گھر کا خرچ ہی مشکل سے پورا ہوتا تھا۔ ہماری چھوٹی جھڑپیں، بڑی بڑی لڑائیوں میں تبدیل ہونے لگیں۔ فرزانہ مجھ سے بالکل ہی بددِل ہو گئی۔ اَب ہمارے درمیان بہت کم گفتگو ہوتی۔ پھر ایک اور واقعہ ہوا۔ فرزانہ کی کیفیت کچھ خراب ہوئی۔ وہ بیمار ہو گئی تھی۔ جب ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا تو اُس نے خوشخبری سنائی کہ یہ بیماری نہیں ہے۔ بلکہ اس گھر میں ایک فرد کے اضافے کا پیغام ہے۔ والدہ پہلی بار خوش ہو گئیں۔ بیماری کے اس دور میں انہوں نے بڑا عجیب وقت گزارا تھا۔ لیکن اس خبر سے اُنہیں بڑا سکون ملا۔ شادماں بھی مسرت سے دیوانی ہو گئی اور گھر میں چھوٹی چھوٹی خوشیاں نمودار ہونے لگیں۔ لیکن ایک دن

فرزانہ نے ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیا..... وہ رات میری زندگی کی سب سے بھیانک رات تھی۔ فرزانہ نے سرد لہجے میں مجھ سے کہا۔

''آپ سب لوگ اس واقعے سے بہت خوش ہو رہے ہیں۔ جبکہ اس نے میرے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔''

''کس واقعے کی بات کر رہی ہو فرزانہ؟''

''وہی جس پر آپ سب خوشی کا اظہار کر رہے ہیں۔''

''فرزانہ! کیا کہہ رہی ہو تم؟ کیا اس بچے کے بارے میں.....؟''

''ہاں!''

''لیکن تم..... تم اس سے اختلاف رکھتی ہو؟''

''صرف اختلاف نہیں۔ بلکہ سو فیصد اختلاف۔ تم میری فطرت جانتے ہو نوشاد! میں نے جب ایک فیصلہ کیا، وہ فیصلہ آخری تھا۔ اور میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا تھا کہ اس میں کوئی لچک نہیں ہے۔ ایک آخری فیصلہ تمہیں اور سنانا چاہتی ہوں۔''

''کیا.....؟'' میں نے بھونچکا ہو کر پوچھا۔

''گھر میں کسی فرد کا اضافہ نہیں ہونے دیں گے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو؟''

''سنو نوشاد! مرد بننے کی کوشش مت کرو۔ مرد کی آواز میں مت بولو۔ دوست رہ کر سوچو۔ میری کوکھ سے جنم لینے والا یہ وجود اس کسمپرسی کی دنیا میں آ کر کیا کرے گا؟ وہی سب کچھ ہو گا جو سڑکوں پر پیدا ہونے والے نادار بچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیا ملے گا اس دنیا میں آ کر اُسے، بھوک؟ افلاس؟ غربت؟ زندگی کے مسائل؟ ہم اسے صحیح طور پر پروان بھی نہیں چڑھا سکیں گے۔ یہ سب کچھ نہیں تھا میرے ذہن میں نوشاد! بے شک تم سے محبت کر کے تمہارے ساتھ زندگی کے اس نئے دور کا آغاز کر کے میں اپنی ذات کی قربانی دے سکتی ہوں۔ لیکن کسی اور وجود کو میں اپنی اس محبت پر قربان نہیں کر سکتی۔ میں نے اپنے گھر، اپنے باپ کی قربانی پیش کر دی تمہیں۔ اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہے میرے اندر۔ مجھ سے ایک اور زندگی کی قربانی طلب مت کرو۔ یہ میں کبھی نہیں ہونے دُوں گی۔''

''فرزانہ! یہ بچہ صرف تمہارا نہیں ہو گا۔ اس پر دوسروں کا بھی حق ہے۔ اور پھر تم یہ کیسے

کہہ سکتی ہو کہ اس ذات کے لئے کچھ نہیں ہو سکے گا؟''

''مجھے تلخیوں پر مجبور مت کرو نوشاد! جو کچھ میں نے پہلے کیا تھا، وہ بھی بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ میں نے زندگی کے ان حالات میں گزارا کرنا سیکھ لیا ہے۔ بے شک میں یہ سب کچھ کر سکتی ہوں۔ لیکن اولاد ذرا مختلف چیز ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے نوشاد! اگر ہمارے گھر میں ایک وجود کا اضافہ ہو جائے اور وہ بھی انہی حالات کا شکار ہو تو میں یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکوں۔ یہ سب کچھ برداشت کرنے کے لئے میں یہ عمل کرنا چاہتی ہوں۔''

''نہیں فرزانہ..... ہرگز نہیں۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ہمارا پہلا بچہ ہے فرزانہ! ہماری اُمنگوں اور آرزوؤں کا مرکز ہو گا۔ ہو سکتا ہے اس کے آنے سے ہماری تقدیر بدل جائے۔''

''تقدیر، عمل سے بدلتی ہے۔ میں احمقانہ سوچ کی قائل نہیں ہوں۔ میں تم سے اس سلسلے میں مدد چاہتی ہوں۔''

''ہرگز نہیں..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اَب تمہارا کوئی قدم، تمہاری تنہا سوچ سے نہیں اُٹھایا جا سکتا فرزانہ ایسی کوشش کرنے کے بارے میں سوچنا بھی نہیں۔ میں اس کی اجازت تمہیں کبھی نہیں دُوں گا۔''

میں بھی اس سلسلے میں سخت پریشان تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں؟ پریشانیاں عروج کو پہنچ گئی تھیں۔ ماں کی بیماری ٹھیک ہونے ہی کو نہ آتی تھی۔ ایک فیصلہ بھی نہیں کر پا رہا تھا میں کہ فرزانہ نے اپنے اقدام کو عملی جامہ پہنا دیا..... ایک دن گھر واپس آیا تو وہ بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ ماں اور شادماں ششدر تھیں۔ بمشکل تمام ماں نے مجھے روتے ہوئے بتایا کہ فرزانہ کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی اور اُس نے اس عمل پر عملدرآمد کرا ڈالا تھا جس کا اظہار اُس نے مجھ سے کیا تھا۔ میں غصے سے دیوانہ ہو گیا۔ میں نے فرزانہ کی کیفیت پر بھی غور نہیں کیا اور اُسے خوب برا بھلا کہا۔ اُس نے کہا کہ وہ اپنا کیا بھگت رہی ہے۔ میں ان تمام چیزوں کے لئے خود بھی تیار نہیں تھا۔ اُس نے پہلے ہی غلط فیصلہ کیا اور اَب دوسرا غلط فیصلہ کر کے میری ہمدردیاں بھی کھو دیں۔ فرزانہ نے یہ سب کچھ خاموشی سے سنا تھا اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میں شدت غم سے کئی روز پاگل سا رہا۔ ماں کی حالت پھر بگڑ گئی تھی۔ اُن کے دلوں کے چراغ بجھ گئے تھے۔ شادماں بھی روتی ہوئی نظر آتی تھی۔ گھر کا

ماحول جہنم بن گیا تھا اور میرے پاس اَب کوئی امید نہیں تھی کہ اس جہنم میں کوئی تبدیلی سنوں۔ فرزانہ سے ایک طرح کی نفرت سی ہوگئی تھی مجھے۔ لیکن وہ صبر وسکون سے سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ اور رفتہ رفتہ اُس کی حالت بہتر ہوگئی۔ تب ایک دن اُس نے سب کی موجودگی میں مجھ سے کہا کہ اُس کا فیصلہ درست تھا۔ گھر کے لوگ مزید مصائب کا شکار ہو جاتے۔ محدود سی آمدنی میں کسی بچے کی صحیح پرورش ممکن نہیں تھی۔ میں نے اس دن بھی فرزانہ کو برا بھلا کہا اور اس سے کہا کہ یہ اقدام انتہائی مکروہ ہے اور میں اس سے سخت نفرت کا اظہار کرتا ہوں۔ میں نے فرزانہ سے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اگر میرے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی تو مجھ سے علیحدگی اختیار کر لے۔ فرزانہ بھی اپنے باپ کی طرح ہی عجیب تھی۔ اُس نے یہ تمام باتیں سکون سے سنیں اور پھر آہستہ سے بولی۔

’’نہیں نوشاد! میں تم سے علیحدگی اختیار کرنا نہیں چاہتی۔ لیکن جو فیصلہ میں اپنے طور پر کروں گی، وہ اپنے طور پر ہی کروں گی۔ ہاں! اگر تم بھی یہ محسوس کرو کہ میرے ساتھ رہنا ضروری نہیں ہے تو تم مرد ہو۔ اور فیصلے کا حق تمہارے پاس محفوظ ہے۔‘‘ فرزانہ کے الفاظ بے حد ٹھوس تھے۔

میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا تھا۔ ناراضگی اپنی جگہ لیکن محبت بھی اپنی جگہ تھی۔ منصور صاحب! میرے دل میں اَب بھی اُس کے لئے چاہتیں تھیں۔ گو اُس نے ایک بہت برا قدم اُٹھایا تھا۔ لیکن ایک عجیب باپ کی عجیب بیٹی تھی وہ۔ زندگی کے کچھ ماہ وسال اسی طرح گزر گئے۔ فرزانہ بہت محتاط تھی۔ وہ اولاد سے دُور رہنا چاہتی تھی۔ پھر ایک بار میری ملاقات ایک ایسے دوست سے ہوئی جو یونیورسٹی میں میرا ساتھی تھا۔ اور ان دنوں ملک سے باہر تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ وہ بھی نامساعد حالات میں وطن کی سکونت ترک کر کے باہر گیا تھا اور اَب بہتر زندگی گزار رہا ہے۔ اُس دن سے ایک نئی سوچ میرے ذہن میں بیدار ہوئی۔ میں نے یہ سوچا کہ میں خود بھی کیوں نہ قسمت آزمائی کروں؟ اس کا تذکرہ فرزانہ سے کیا تو وہ حیرت انگیز طور پر بڑی خوشی سے تیار ہوگئی۔ اُس نے کہا..... بے شک مجھے یہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے ایسے واقعات سامنے ہیں کہ ایک جگہ اگر تقدیر نہیں کھلی تو دوسری جگہ یقیناً کھل جاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

مجھ سے زیادہ فرزانہ اس سلسلے میں پر جوش ہوگئی تھی۔ چنانچہ ہم لوگ پروگرام بناتے رہے۔ اور بالآخر میں نے یہاں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے لئے میرے پاس ذرائع بھی نہیں تھے۔ لیکن فرزانہ نے میری بہت مدد کی۔ اس دوران وہ کچھ رقم میری ہی دی ہوئی رقم میں سے جمع کرتی رہی تھی۔ چنانچہ اُس نے تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد مجھے یہاں بھجوا دیا۔ منصور صاحب! میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ مجھ جیسے بے سہارا شخص کے لئے اس ملک میں ملازمتیں تیار نہیں ہوں گی۔ اور یہی فیصلہ کر کے میں گھر سے چلا تھا کہ جو کچھ بھی ہو سکا، میں یہاں کروں گا اور فرزانہ کو بہتر زندگی دینے کی کوشش کروں گا۔ تب مجھے وہ کینیڈین شخص مل گیا۔ اُس کے پاس یہ پب بہت پہلے سے موجود تھا۔ اور وہ بہت دنوں سے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کچھ اس طرح ہم آہنگی ہوگئی میرے اور اُس کے ذہن میں کہ اُس نے مجھ پر مکمل اعتبار کر لیا۔ اس کے علاوہ ہمارے درمیان جو کچھ طے ہوا تھا، وہ بھی اتنا پائیدار تھا کہ نہ اُس میں مجھے کوئی دقت تھی اور نہ اُسے۔ اُس نے مجھ سے میرے مسائل سننے کے بعد کہا کہ جب تک میرا دل چاہے میں اس پب کو چلاؤں۔ اور جب مجھے کوئی بہتر ملازمت مل جائے تو بخوشی اسے چھوڑ دُوں۔ بلاشبہ وہ شخص میرے لئے بہت ہی فرشتہ صفت ثابت ہوا کہ مجھے بھٹکنا نہیں پڑا۔ میں نے اپنی تمام تر کوشش اس پب کو سنبھالنے میں صرف کر دی اور دن رات کی محنت سے اُسے اس قابل بنانے میں کامیاب ہو گیا کہ تھوڑا بہت کما سکوں۔ منصور صاحب! میں اس دن سے اس میں مصروف ہوں۔ میں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے اور اپنے لئے ایک مستقبل تلاش کرنے میں سرگرداں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جس مستقبل کا میں خواہش مند ہوں، وہ مجھے کبھی نہیں ملے گا۔ لیکن فطرت جدوجہد پر اُکساتی ہے اور میں جدوجہد کر رہا ہوں۔ یہ ہے میری کہانی منصور صاحب! اس کہانی میں چھوٹا سا المناک واقعہ اور شامل ہے وہ یہ کہ اَب سے تقریباً تین ساڑھے تین

سال پہلے میری والدہ کا انتقال بھی ہو گیا ہے۔ مجھے اس کی خبر ملی تھی۔ فوراً ہی مجھے اس کی خبر دی گئی تھی۔ لیکن آپ خود سوچ سکتے ہیں، میں کیسے جاتا؟ میں ایک ناکام انسان، وہ لمحہ بھی برداشت کر گیا۔ کسی نہ کسی نے بہرطور اُن کی آخری رسومات پوری کر ہی دی ہوں گی اور زندہ انسانوں پر تو، توجہ نہیں دیتے لیکن مُردوں کے مسئلے میں لوگ ہمدرد ہو جایا کرتے ہیں۔ میں نے مجرمانہ انداز میں اُن لوگوں کو لکھا کہ چونکہ مجھے اِس موت کی اطلاع بہت دیر میں ملی ہے، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اَب میرا وہاں آنا بے سود ہے اور اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں نے اُنہیں یہ بھی نہیں بتایا کہ یہاں میں کیا کر رہا ہوں؟ بس! یہی لکھ دیا ہے کہ ایک اچھی ملازمت ہے میرے پاس اور میں سکون سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔ جو کچھ اُنہیں بھیج رہا ہوں، وہ اتنا نہیں ہے کہ وہاں وہ بہت اچھی زندگی گزار سکیں۔ لیکن بہرطور! اُن حالات سے بہت بہتر ہے۔ بس! شاداں کا ایک تصور ہے ذہن میں۔ اور کبھی کبھی دل دُکھتا ہے اُس کے لئے۔ لیکن ان حالات کو بھی میں نے قبول کر لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے پاس اتنی دولت کبھی جمع نہیں ہو سکے گی کہ میں شاداں کو شادمانی سے ہم کنار کر سکوں۔ اُس بدنصیب کی تقدیر میں اندھیرے ہی لکھے ہوئے ہیں۔ مگر میں کیا کروں؟ میں ان اندھیروں کو روشن نہیں کر سکتا۔ اگر اس پب کو چھوڑ کر جذبات کے ہاتھوں بہتے ہوئے میں اپنے وطن جانے کی کوشش کروں تو میں جانتا ہوں کہ اُس کے بعد وہی تاریکیاں مجھ پر مسلط ہو جائیں گی اور میں دوبارہ یہاں واپس بھی نہ آ سکوں گا۔ مجھے جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ سب کچھ میں وہاں بھیج دیتا ہوں۔ پب سے بس اتنا اپنے لئے کرتا ہوں کہ تھوڑا سا کھا لوں اور بدن ڈھک لوں۔ اس کے علاوہ میری زندگی اور کچھ نہیں ہے۔ آپ نے یہ کہانی سننے کی فرمائش کی تھی۔ یہ آپ کی فرمائش تھی۔ اور اس محبت کا خراج بھی جو آپ نے مجھے دی۔ لیکن اَب آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں اس محبت کے قابل نہیں تھا۔ کوئی بات نہیں منصور صاحب! میں حقیقتوں کا پجاری ہوں۔ سچائیوں کو میں نے سچائی کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ آپ سے جو بھول ہوئی ہے، اَب وہ آپ کو محتاط کر دے گی۔ مجھے اس کا کوئی دُکھ نہیں ہو گا۔ ایک گزارش ہے کہ اگر کبھی دریا کے کنارے چہل قدمی کرنے نکلیں تو میرے پب میں تھوڑی دیر کے لئے ضرور آیا کریں۔ جس دن بھی آپ یہ محسوس کریں کہ میں آپ کی اس محبت کے علاوہ آپ سے کسی اور شے کا طالب ہوں، اُس دن سے مجھ سے کنارہ کشی

اختیار کر لیں۔ انسان کے اپنے مسائل ہوتے ہیں۔ اور میں کبھی کسی کو اس کے لئے مجبور نہیں کرتا کہ وہ میری ذات کے بارے میں سوچے۔'' نوشاد کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تیر رہی تھی۔

اس دوران کئی بار اُس کی آواز بھرائی تھی اور میں نے اُسے بخوبی محسوس کیا۔ اُن آخری جملوں کے بعد وہ خاموش ہو گیا اور اپنی جذباتی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن میری کیفیت کم جذباتی نہیں تھی۔ میں اس کیفیت سے بہت متاثر ہوا تھا اور دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ بیٹے منصور! سنو اس کہانی کو اور عبرت پکڑو۔ تم نے آج تک جو کچھ کیا ہے اس میں کم از کم یہ دلدوز واقعات تو نہیں ہیں۔ بڑا مظلوم سمجھتے تھے اپنے آپ کو۔ اَب دیکھو! مظلومیت کسے کہتے ہیں۔

چند لمحات اسی طرح گزر گئے۔ پھر نوشاد کی آواز نے چونکا دیا۔ ''اَب مجھے اجازت مل جائے گی؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''جانا چاہتا ہوں۔'' وہ عجیب سے انداز میں بولا۔

''مگر کیوں نوشاد.....؟ ہمارے اور تمہارے درمیان تو کچھ اور ہی گفتگو ہوئی تھی۔'' میں نے کہا اور وہ ایک اُداس سی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''میری حقیقت جاننے کے بعد بھی آپ مجھے اپنی ذات پر مسلط کرنا پسند کریں گے منصور صاحب؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو نوشاد! تمہاری حقیقتیں جاننے کے بعد تو یوں سمجھو کہ میں تم سے بہت زیادہ قربت محسوس کرنے لگا ہوں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے نوشاد! جیسے یہ میری ہی کہانی ہو۔ انسان اپنی ذات سے کہاں بھاگ سکتا ہے؟''

''اور اگر میں تم سے درخواست کروں نوشاد! کہ میں اپنی خوشی سے تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں تو کیا تم یہ درخواست قبول کر لو گے؟''

''منصور صاحب.....'' وہ آہستہ سے بولا اور خاموش ہو گیا۔

''ہاں نوشاد! میں دل سے یہی چاہتا ہوں کہ آج کے بعد تم میرے ساتھ رہو۔ میرے ساتھ قیام کرو۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں تو ظاہر ہے یہ میری خوش قسمتی ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ مزید کچھ سوچ لیں۔ بات یہ ہے کہ میرے مسائل بہت ہی تکلیف دہ ہیں۔ کہیں آپ اُن میں اُلجھ کر اُکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں اور بعد میں یہ سوچیں کہ آپ نے یہ کیا عذاب اپنے سر لے لیا۔''

''تم نے کہا تھا نوشاد! اگر میں کبھی یہ محسوس کروں کہ تم مجھ سے کوئی لالچ رکھتے ہو تو میں تم سے علیحدہ ہو جاؤں۔ میں بھی تم سے ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اگر تم کبھی یہ محسوس کرو کہ میں تمہیں بوجھ سمجھ رہا ہوں تو اُسی دن سے میری صورت پر تھوک دینا۔''

نوشاد نے گردن جھکا لی اور دیر تک خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ''اگر مجھے یہ عزت ملنی میری تقدیر ہے تو ظاہر ہے آج تک تقدیر کے خلاف کوئی کچھ نہیں کر سکا۔''

''میرے دوست! کہانی میں بھی سناؤں گا تمہیں اپنی کبھی۔ چند الفاظ سن لو۔ تمہارے ساتھ دو وجود وابستہ ہیں جن سے تمہارا کم از کم تصورات کا رشتہ ضرور ہے۔ یعنی کہ تم جب چاہتے ہو گے اپنے ماضی میں جا کر اُن سے مل لیتے ہو گے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ میرے ساتھ ایسی کوئی یاد بھی وابستہ نہیں ہے۔ زندگی میں لاتعداد کردار آئے لیکن دل کی گہرائیوں تک پہنچنے والا ایک بھی نہ تھا۔ بس! یوں سمجھ لو کہ جس طرح تم حالات کا شکار ہو، اُسی طرح میں بھی محبتوں کے لئے ترستا ہوں۔ تم سے اگر یہ اُنسیت مل جائے تو سوچوں گا کہ کچھ مجھے بھی ملا۔''

نوشاد میرے نزدیک آ گیا اور پھر میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ''میں اِس دوستی کو اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی تصور کروں گا منصور صاحب! بہت بہت شکریہ۔ آپ نے مجھے یہ احساس دلایا ہے آج بہت عرصے کے بعد کہ میں بھی انسانوں سے ہی تعلق رکھتا ہوں۔ اور اس دنیا میں کم از کم ایک انسان ایسا ضرور ہے جو مجھے اپنی دوستی کے قابل سمجھتا ہے۔''

''میں تمہیں دوستی کے نہیں، بھائی بنانے کے قابل سمجھتا ہوں۔ بس! یوں سمجھ لو کہ میں زیادہ جذباتی گفتگو نہیں کروں گا۔ لیکن تمہیں آج سے میرا بھائی بننا ہو گا۔''

نوشاد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور میں نے اُس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ ''بہتر ہے نوشاد! کہ اَب تم یہ آنسو ہمیشہ کے لئے پونچھ دو۔ آج نہیں، کل بہت سی باتیں کریں گے ہم لوگ۔''

''ٹھیک ہے..... کل رات کو۔'' نوشاد نے کہا۔

''ہاں! آؤ اَب آرام کریں۔''

نوشاد کو میں نے اپنے ہی بیڈرُوم میں جگہ دی تھی۔ وہ بستر پر لیٹ کر بہت عجیب محسوس کر رہا تھا۔ میں بھی خاموش تھا اور اُس کی کہانی کے بہت سے حصے میری نگاہوں کے سامنے گردش کر رہے تھے۔ وہ بھی شاید خیالات ہی میں کھویا ہوا تھا۔

میں سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اور بہت دیر کے بعد نیند آ گئی۔ نوشاد کے بارے میں پتہ نہیں کہ وہ ٹھیک سے سویا تھا یا نہیں؟ بہرطور! صبح کو وہ ہشاش بشاش ملا۔ وہ غسل کر کے آ رہا تھا۔ مسکراتا ہوا بولا۔ ''یہ مکان بے حد خوبصورت ہے۔ ہر چیز اعلیٰ پائے کی ہے۔''

''ہوں..... ٹھیک ہے۔ مسز پال چائے لائی تھیں؟''

''نہیں۔ ایک بار جھانک گئی ہیں۔ آپ سو رہے تھے۔''

''چلو مسز پال سے کہو کہ چائے لے آئیں۔'' میں نے کہا اور نوشاد تیزی سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم نے چائے پی۔ پھر نوشاد کہنے لگا۔ ''اَب میں پب جاتا ہوں۔ مجھے اپنا کام اِسی وقت شروع کر دینا ہوتا ہے۔''

''خدا حافظ!'' میں نے اُس سے کہا اور نوشاد چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں بھی تیاریاں کر کے اپنے دفتر کی جانب چل پڑا تھا۔ انٹر پارک کے معاملات جوں کے توں چل رہے تھے۔ آج میں نے پوری دل جمعی سے یہاں کے تمام معمولات کو دیکھا اور اس کے بعد اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ایک خیال میرے ذہن میں آیا، کیوں نہ نوشاد کو اپنی اس فرم میں رکھ لوں؟ ظاہر ہے اَب وہ پب اُس کے لئے مناسب نہیں تھا۔ میں نے جو فیصلہ کیا، اُس کے تحت میں نوشاد کو ایک بہترین زندگی دینا چاہتا تھا۔ یہ تو پہلا موقع تھا کہ مجھے کسی کے لئے کچھ کرنے کی مہلت ملی۔ ورنہ لوگ میرے لئے ہی کچھ نہ کچھ کرتے رہے تھے۔

یہ فیصلہ میں نے اپنے دل میں پختہ کر لیا اور سوچا کہ آج رات ہی کو اس سلسلے میں نوشاد سے بات کر لوں گا۔ بات کیا کروں گا، بلکہ اُسے مجبور کر دُوں گا۔ اس وقت پانچ آدمیوں کا یہ چینل فرم کے معاملات سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اگر اُن پانچ اسسٹنٹوں کو ایک جنرل منیجر

کے حوالے کر دیا جائے تو یہ جنرل مینجر کی راہنمائی بھی کریں گے۔ اور نوشاد ان معاملات کو اُن کی مدد سے اچھی طرح سے سمجھ بھی لے گا۔ ویسے بھی پڑھا لکھا آدمی ہے۔ کچھ عرصے میں تمام کام کنٹرول میں کر لے گا۔ میں ان پانچوں افراد کو بھی اُن کی جگہ سے ہٹانا نہیں چاہتا تھا۔ اور میں نے سوچا کہ اُنہیں کھل کر یہ بات بتا دُوں کہ وہ اپنے طور پر کام کرتے رہیں گے۔ بہرطور! مجھے اس کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ لیری کوئن سے جو گفتگو ہوئی تھی، اُس میں بھی کم از کم یہ فرم کسی اور صورت میں ملوث نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ اس کا کاروبار بالکل الگ رکھا گیا تھا۔ اور جو کچھ میں نے سمجھا، اُس سے میں بالکل مطمئن تھا۔ یہ فیصلہ میرے لئے خوشی کا باعث ہوا۔ میں نے اور بھی بہت سے فیصلے کئے۔ میں اُنہیں کم از کم اپنے طور پر جذباتی فیصلے نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے جب ایک گھر ملا تھا مجھے تو اُس گھر میں ایک خاندان بسانے کی آرزو بھی تھی۔ ہوسکتا ہے کچھ اور لوگ میری تقدیر سے منسلک ہو جائیں تو میری یہ کالی تقدیر گردش سے نکل آئے۔ یہ سب سے مضبوط خیال تھا جو میرے ذہن میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ پھر تمام معمولات سے فارغ ہونے کے بعد میں واپس لوٹا اور تیار ہو کر نوشاد کے پب میں پہنچ گیا۔ نوشاد مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میں اُس وقت تک نوشاد کے ساتھ رہا جب تک کہ پب بند کرنے کا وقت نہیں آ گیا۔ اور پھر اُسے ساتھ لے کر ہی میں واپس اپنے گھر آیا۔ نوشاد بہت خوش تھا۔ اس دوران اُس نے مجھ سے تھوڑی سی گفتگو بھی کی تھی۔

گھر پہنچنے کے بعد میں نے اُس سے کہا کہ وہ نہا لے۔ پھر کھانا کھائیں گے۔ نوشاد نیاز مندی سے گردن جھکا کر چلا گیا۔ کھانے کی میز پر ہم دونوں خاموش ہی رہے۔ کھانے کے بعد میں پھر اپنی پسندیدہ جگہ یعنی اُوپر کی منزل میں جا بیٹھا جہاں سے باہر کے نظارے عام تھے۔ نوشاد خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا! ''آج دن بھر تم گزرے ہوئے واقعات کا تجزیہ کرتے رہے ہو گے۔''

''ہاں! میں اس سے انکار نہیں کروں گا۔''

''کیا نتیجہ اخذ کیا؟''

''آپ یقین کیجئے! کچھ عجیب سے احساسات کا شکار رہا۔''

''مثلاً.....؟''

''یہ سوچتا رہا کہ ابھی آپ جذباتی ہو گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد آپ کو یہ احساس ہو کہ آپ نے اپنے لئے ایک بوجھ پال لیا ہے۔''

''ہوں! ٹھیک ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارے لئے جذباتی ہو گیا ہوں تو پھر میں تمہیں کچھ اور جذباتی پیشکش کرنا چاہتا ہوں۔''

''جی.....؟'' اُس نے سوالی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

''پب کا کینیڈین مالک تم سے کئے ہوئے معاہدے کے مطابق اِس بات کا ذمہ دار ہے کہ جب بھی تم اس پب کو چھوڑنا چاہو گے، چھوڑ دو گے اور اُسے اطلاع دے دو گے؟''

''ہاں.....'' اُس نے حیرت سے جواب دیا۔

''اس کی اطلاع اُسے کہاں دی جائے گی؟''

''میرے پاس اُس کا پورا پتہ موجود ہے۔''

''کیا تم پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ تم اس پب کو کسی دوسرے کے حوالے کر دو؟ میرا مطلب ہے کہ اُس کے بعد وہ کینیڈین کیا کرے گا؟''

''یہ میں نہیں جانتا۔''

''وہ سامنے ٹیلی فون موجود ہے۔ اُس سے رابطہ قائم کرو۔'' میں نے کہا۔

''کک.....کیا کہوں اُس سے؟''

''یہی کہ تم تین دن کے اندر اندر یہ پب چھوڑ دینا چاہتے ہو۔''

''جی.....؟'' نوشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں نوشاد! میری ایک فرم ہے انٹر پارک کے نام سے۔ اس فرم میں تقریباً ستر افراد کام کرتے ہیں۔ میری یہ فرم امپورٹ ایکسپورٹ کرتی ہے اور خدا کے فضل سے بہت بہتر کاروبار کر رہی ہے۔ اس کی ایک ساکھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ گھر میرا اپنا ہے اور تم اس کی مالیت کا خود اندازہ لگا سکتے ہو۔ اس کے علاوہ بھی میرے پاس بہت کچھ ہے نوشاد! میں چاہتا ہوں کہ تم کو اس فرم کا جنرل مینجر بنا دُوں اور تم اس فرم کے تمام معاملات سنبھالو۔ اس کے صلے میں، میں تمہیں کیا دُوں گا، یہ میری اپنی پسند پر چھوڑ دو۔ لیکن میں یہ نہیں سننا چاہتا نوشاد! کہ تم ایسا نہیں کر سکو گے۔ اگر تم نے میری اس پیشکش کو قبول نہ کیا تو مجھے معاف کرنا! میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاؤں گا کہ تم مجھ پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں ہو۔ بات یہ ہے

کہ ہر انسان ایک دوسرے انسان کا محتاج ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی شکل میں یہ میری محتاجی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مجھے اپنی زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے چند دوستوں کی ضرورت ہے۔ چند محبت کرنے والوں کا متلاشی ہوں میں۔ اور مجھے تم میں وہ چیز نظر آئی ہے۔''

نوشاد سکتے کے سے عالم میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ کچھ نہ بول سکا۔ پھر اُس نے کہا۔ ''کل دن میں، میں یہ کام کرلوں گا۔ میرا خیال ہے مجھے اس میں کوئی دقت نہیں ہو گی اور میں خوش اسلوبی سے تمام معاملات طے کرلوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

دوسرے دن صبح وہ اپنے پب پر چلا گیا اور میں معمول کے مطابق اپنے دفتر..... ہر چند کہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ روزانہ دفتر نہیں جاؤں گا۔ لیکن اَب دفتر سے مجھے کچھ اُنسیت سی ہوگئی تھی۔ اُسے اپنا سمجھنا ضروری تھا۔ اور اپنے دفتر میں بیٹھ کر جب میں اپنے ماتحتوں کو احکامات صادر کرتا تھا تو میرے اندر خود اعتمادی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ بالآخر دو دن کے بعد نوشاد نے مجھے اطلاع دی کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہوگیا ہے۔ اُس کا مالک آ رہا ہے اور ایک آدھ دن کے بعد وہ پب کا چارج لے لے گا۔ اس میں نوشاد کو کچھ وقت لگے گا۔ میں نے اُسے یہ مہلت بھی دے دی تھی۔ پب کے کینیڈین مالک سے نوشاد نے میری ملاقات بھی کرائی۔ بہت ہی نفیس انسان تھا۔ ہمدرد اور خوش اخلاق۔ اُس نے مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ مسٹر نوشاد کو ایک نئی زندگی مل رہی ہے۔ اور میں خود بھی چاہتا ہوں کہ انسان، انسانوں کی طرح جئے۔ مسٹر نوشاد ایک نیک اور ایماندار آدمی ہیں مسٹر منصور! اور انہوں نے جس خوش اسلوبی سے اَب تک میرے اس چھوٹے سے پب کی ذمہ داریاں سنبھالی ہیں، میں اس سے بہت مطمئن ہوں۔ بہرطور! میں اسے جاری رکھنا چاہتا ہوں اور یہ جاری رہے گا۔ اس کے لئے میرے پاس کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں، مسٹر نوشاد کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر وہ کبھی کسی وقت یہ محسوس کریں کہ اُنہیں پب میں واپس آنا سودمند رہے گا تو میں انہیں خوش آمدید کہوں گا۔''

''آپ کا بے حد شکریہ۔ میں اس کی نوبت کبھی نہ آنے دُوں گا۔'' میں نے کہا۔

''بہرحال! یہ میری ایک مخلصانہ پیشکش تھی۔'' اُس نے کہا۔

نوشاد، پب کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوگیا اور اُس نے پہلا دن میرے ساتھ گزارا۔ اُس دن میں دفتر نہیں گیا تھا۔ نوشاد مجھ سے طرح طرح کی باتیں کرتا رہا۔ اُس نے وہ دفتر دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے کہا۔ ''دیکھئے مسٹر نوشاد! اَب آپ میری فرم کے جنرل منیجر ہو گئے ہیں اور اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ میں ان لمحات کا تعین کروں، جب آپ نے یہ ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ آپ ان ذمہ داریوں کو پانچ سال پہلے کی ذمہ داریاں بھی کہہ سکتے ہیں۔ کسی بھی وقت کا تعین آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اَب آپ پر لازم ہے کہ آپ میرے احکامات کی تعمیل کریں۔''

''میں حاضر ہوں بھائی!'' نوشاد نے کہا۔

''تو پھر آپ فوری طور پر وطن روانہ ہونے کی تیاریاں کیجئے۔''

''جی.....؟'' اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''جی ہاں۔ میں نے اس دوران بہت سے فیصلے کئے ہیں نوشاد صاحب! آپ اپنے وطن جائیں گے۔ اپنی بہن اور اپنی بیگم کو ساتھ لے کر یہاں آ جائیں گے۔ وہاں آپ یہی کہیں گے کہ اس دوران آپ اپنے آپ کو تعمیر کرنے میں مصروف تھے۔ نوشاد! زندگی ایک عجیب چیز ہوتی ہے۔ احساسات و خیالات بڑی نزاکت رکھتے ہیں۔ ہم خلوص دل سے چاہتیں کرتے ہیں۔ لیکن وقت کی صبا رفتاری ہمیں ان چاہتوں سے دُور لے جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ چاہتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ ہمارے راستے میں دیواریں آ جاتی ہیں۔ میں تمہاری بیوی فرزانہ کی بات کر رہا ہوں۔ بے شک فرزانہ پر کچھ ایسے احساسات مسلط ہو گئے ہیں جنہوں نے اُسے پریشان کر دیا اور وہ صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر ہوگئی۔ لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس جذباتی لڑکی نے جذباتی طور پر اپنا گھر چھوڑ دیا تھا، وہ اَب تم سے نفرت کرنے لگی ہوگی۔ محبتوں کی پذیرائی خلوص سے کی جاتی ہے نوشاد! تم جاؤ اور فرزانہ اور شاداں کو یہاں لے آؤ۔ اُنہیں بتاؤ کہ تم نے بہت سے انتظامات کر لئے ہیں۔ تمہارے پاس ایک بہتر ملازمت ہے اور اُنہیں ہر طرح سے اطمینان دِلا دو۔''

''لیکن میں..... میں.....''

''نہیں..... اَب تمہیں میں، میں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں میرے احکامات سُنے چاہئیں۔ ہاں! ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں تم سے۔ ذرا غور سے سنو۔''

''جی.....'' نوشاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ بس! ایک شخصیت تھی جس نے ایسے نازک لمحات میں مجھے سہارا دیا جن کا بیان میں مشکل پاتا ہوں۔ اُن کا نام ہے خالہ شہادت۔ میں تمہیں علاقے کے بارے میں تفصیلات بتا دیتا ہوں۔ وہاں چلے جانا اور خالہ شہادت کو ہر طرح سے مجبور کر کے اپنے ساتھ لیتے آنا۔ اُن سے کہنا کہ منصور نے اُنہیں بلایا ہے۔ وہ آنے میں بہت پس و پیش کریں گی لیکن یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ تم اُنہیں ہر قیمت پر یہاں لے آؤ۔''

''بہتر ہے منصور بھائی! میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا۔'' نوشاد نے جواب دیا۔

اس کے بعد ہماری مصروفیات مختلف ہوگئیں۔ نوشاد واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ وہ بعض اوقات کسی گوشے میں بیٹھ کر مجھے مسلسل گھورے جاتا تھا۔ نجانے بیچارے کے ذہن میں کیا کیا تھا؟ لیکن میں اُس سے مخلص تھا۔ میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ فرم کی ذمہ داریاں میں اسے اُس وقت سونپوں گا جب وہ، وہاں سے آنے کے بعد پوری طرح اپنے آپ کو پُرسکون کرے گا۔ ایک طویل مشقت بھری اور تھکا دینے والی زندگی کے بعد سکون کے کچھ لمحات اُس کے لئے ضروری ہیں۔ نوشاد نے ممنونیت کے اظہار کے طور پر جو کچھ کیا تھا، اس کا بیان بے مقصد ہے۔

وقت گزرتا رہا۔ مجھے نوشاد کی آمد کا انتظار تھا۔ اس دوران میرا اُس سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا تھا۔ میرے معمولات جوں کے توں تھے۔ دفتر کی تمام صورت حال اَب میری سمجھ میں آگئی تھی۔ میں نے اپنے اسٹاف کو بھی اپنے طور پر مطمئن کر دیا تھا اور وہ سب مجھ سے خوش تھے کہ ایک دن ایک عجیب اندوہ ناک خبر سننے کو ملی.....

صبح کا اخبار دیکھ رہا تھا۔ اُس میں عالمی خبریں بھی ہوا کرتی تھیں۔ میں نے اخبار میں ایک خبر پڑھی اور میرے اُوپر جیسے بجلی سی گر پڑی..... ایک اچھی خاصی لیڈ لگی ہوئی تھی۔ جس میں لکھا تھا۔

''بین الاقوامی دہشت گرد گروہ ریڈ اسنیک کے سربراہ لیری اور لیری کوئن ایک مجرمانہ سرگرمی کے دوران ہلاک ہو گئے.....''

میری آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ میں نے کئی بار آنکھیں صاف کیں اور اُس خبر کو

پڑھا اور اس کے بعد پوری تفصیلات پڑھنے لگا۔ تفصیلات کچھ یوں تھیں کہ مسٹر لیری کنگ جن کا تعلق ریڈ اسنیک نامی گروہ سے تھا اور جن کا گروہ دنیا بھر میں اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کے سلسلے میں مشہور تھا، اس گروہ نے بیشتر ممالک میں بڑی بے چینی پھیلا رکھی تھی۔ اور اُن کے اہم ترین راز چوری کر کے دوسرے ممالک کو فروخت کئے تھے، اسپین میں اپنی خاص مجرمانہ کارروائیوں میں مصروف تھا۔ اس سلسلے میں اسپین میں دو اور گروہ بھی سرگرم عمل تھے۔ لیکن اچانک ہی اُن کے درمیان آپس میں ٹکراؤ ہو گیا اور اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ریڈ اسنیک کا سربراہ لیری کنگ اور اُس کی بیٹی لیری کوئن ہلاک ہو گئے۔ اُن دونوں کی لاشیں تحویل میں لے لی گئی ہیں اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کی جا رہی ہیں۔ اسپین سے بقیہ دو گروہ کے افراد فرار ہو گئے ہیں اور اُنہیں اپنی مذموم کارروائی کے سلسلے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔

اس کے بعد ریڈ اسنیک کی سرگرمیوں کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات تھیں جو سو فیصد وہ تھیں جن میں سے کچھ کے بارے میں مجھے معلومات بھی حاصل تھیں۔ لیکن نجانے کیوں یقین نہیں آ رہا تھا کہ مسٹر لیری کنگ اور لیری کوئن ہلاک ہو گئے۔ لیری کوئن جو آخری وقت میں مجھے زندگی کا یہ سکون دے گئی تھی، دنیا کے لئے وہ کچھ بھی ہو لیکن میرے لئے وہ کچھ تھی اُس کا مجھے بخوبی اندازہ تھا۔ لیکن اَب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں اس گروہ کے بارے میں چھان بین کرتے ہوئے بات مجھ تک نہ پہنچ جائے۔ یہ دن میرے لئے اضطراب کے دن تھے۔ لیری کوئن کی موت کا بھی دُکھ تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی خوف کا شکار بھی تھا کہ دیکھئے، کب مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے۔ نجانے کیوں مجھے اپنی تقدیر پر بھروسہ نہیں تھا۔ میں جانتا تھا کہ تقدیر مجھے پُرسکون دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

دس دن..... پندرہ دن..... بیس دن..... یہاں تک کہ ایک مہینہ گزر گیا۔ لیکن میری طرف کسی نے رُخ نہ کیا تو مجھے اعتماد ہونے لگا۔ اس کے علاوہ اس دوران میں نے فرم کے وہ تمام کاغذات دیکھ ڈالے تھے جن کے تحت یہ فرم کام کر رہی تھی۔ کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہوتا تھا۔ اور بظاہر اس گروہ سے فرم کے معاملات بالکل الگ تھے۔ لیری کوئن بیچاری نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ یہ فرم، ریڈ اسنیک سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اور اسے ایسے لمحات کیلئے رکھا گیا ہے جب ریڈ اسنیک پر کوئی برا وقت آ پڑے اور وہ اس فرم کا سہارا لے

سکے۔ اس کا مطلب تھا کہ کم از کم میری ذات کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ میں اسی یقین کی کیفیت میں آتا جا رہا تھا۔

ایک دن مجھ پر خوشیوں کے دروازے کھل گئے..... نوشاد واپس آ گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی، اُس کی بہن شاد ماں اور سب سے بڑی بات یہ کہ خالہ شہادت تھیں۔ خالہ شہادت جیسی تھیں، ویسی ہی تھیں۔ مجھے دیکھا تو آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ میری طرف دوڑ پڑیں۔

''موذی..... تیرا ستیاناس جائے۔ کمبخت..... کمینے! اس طرح مجھے چھوڑ کر بھاگ آیا اکیلا..... میں کہتی ہوں، تو وہاں سے کیوں بھاگا؟ میرے بہت سے پیسے ہو گئے تھے نا تجھ پر..... ارے ہمیشہ کا کمینہ ہے۔'' وہ مجھے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگیں۔ مگر میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

میں نے اُن کی مار کھانے کے بعد، محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''خالہ! میں آپ کو چھوڑ کر خوش کہاں رہا ہوں؟ اور آپ یقین کیجئے کہ میں آپ کے اُدھار کی وجہ سے نہیں بھاگا تھا۔ بلکہ میں تو ہمیشہ یہ سوچتا رہتا تھا کہ آپ کو آپ کی اس محبت کے جواب میں کیا دوں؟''

''موذی..... گندے خون! میری محبت کا جواب دینے کے لئے تو نے مجھے بالکل تنہا چھوڑ دیا۔ جانتا تھا کہ ماں کی طرح تجھے چاہتی ہوں۔ کبھی یہ نہیں سوچا کہ تو کیا لے رہا ہے، کیا دے رہا ہے۔ ارے اگر میں تجھ سے کہتی تھی تو کوئی برے دل سے تو نہیں کہتی تھی۔ بس! مجھے غصہ آتا تھا تو جو دل میں آتا تھا، کہہ ڈالتی تھی۔ میں نے سوچا، موا مسٹنڈا اسی طرح زندگی گزارتا رہے گا۔ کچھ کرے دھرے تو شادی بیاہ ہو، بچے ہوں۔ مجھے بھی کچھ خوشیاں نصیب ہوں۔ مگر تو نے سوچا کہ اچھا طریقہ یہی ہے کہ خالہ شہادت کو چھوڑ کر نکل بھاگو۔ اَب بول! کہاں جائے گا؟''

''میں کہاں جاؤں گا خالہ؟ آپ کے قدموں میں ہی زندگی گزار دوں گا۔'' میں نے کہا اور خالہ شہادت پگھل کر رہ گئیں۔ پھر وہ مجھے بری طرح پیار کرنے لگیں۔ یہاں کا ماحول خالہ شہادت کے لئے بے حد حیرت ناک تھا۔ جو کچھ دیکھتی تھیں، دیکھ دیکھ کر گالیاں بکتی تھیں۔ خاص طور سے اگر کبھی اُنہیں اُوپر کی چھت پر لے جاتا اور وہ دریا کے کنارے نیم عریاں لباس میں ملبوس، لڑکیوں کو دیکھتیں تو جوتی پاؤں سے نکال کر نیچے دوڑنے لگتی تھیں

کہ ان کم بختوں کے سر نہ گنجے کر دُوں تو خالہ شہادت نام نہیں ہے۔ ایک طرف خالہ شہادت نے یہ اُودھم مچا رکھا تھا تو دوسری طرف شاد ماں اور فرزانہ تھیں جو سحر زدہ تھیں اور ابھی تک اُنہیں یقین نہیں آیا تھا کہ وہ دنیا کے ایک جدید ترین ملک میں موجود ہیں۔ وہ اس گھر میں بالکل اجنبی اجنبی سی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اُن پر کوئی دباؤ نہ ڈالا۔ یہ ذمہ داری میں نے نوشاد پر چھوڑ دی تھی کہ وہ ان لوگوں کو اس ماحول سے روشناس کرائے اور نوشاد ان کوششوں میں مصروف تھا۔ لیکن دونوں ہی میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ پھر میں نے ہی یہ ذمہ داریاں سنبھالیں۔ میں نے فرزانہ سے کہا۔

''دیکھئے بھابھی! میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں آنے کے باوجود آپ مطمئن نہیں ہیں۔ میں اس کی وجہ جاننا چاہتا ہوں۔''

''اوہ..... کچھ نہیں بھیا۔ بس! یونہی نجانے کیوں مجھے اپنی تقدیر پر بھروسہ نہیں رہا ہے۔''

''ہر شخص اس کا شکار ہے۔ میں کہتا ہوں تقدیر ہی تمام راستے بند کرتی اور کھولتی ہے۔ ہم تو مٹی کے پتلے ہیں۔ بس! کچھ ڈوریاں ہمیں ہلاتی رہتی ہیں ہم ہلتے رہتے ہیں۔ بلاوجہ ہم نے اپنے آپ کو اتنا کچھ سمجھ رکھا ہے۔ میری درخواست ہے فرزانہ بھابھی! کہ آپ اس گھر کو اپنا گھر سمجھیں اور آپ کو شاید اس بات کا علم نہیں ہے کہ نوشاد میرے ساتھ مل کر کتنی محنت کر رہے ہیں۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی زندگی کی تعمیر میں مصروف تھے۔ اور بالآخر ہم نے ایک مقام پا لیا ہے۔ اَب ہماری ایک بڑی فرم ہے۔ نوشاد اس فرم کے جنرل منیجر ہیں۔ ہم دونوں ساتھ رہتے ہیں۔ اور اَب آپ لوگوں کے آ جانے کے بعد مجھے یہ احساس ہونے لگا ہے کہ یہ میرا ایک گھر ہے۔ جس میں میرے اپنے رہتے ہیں۔''

''بھیا! اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ نے ہمیں نئی زندگی دی ہے۔ میں تو زندگی کے حسن سے مایوس ہو گئی تھی۔''

بعد میں پتہ چلا کہ فرزانہ کے باپ کا کوئی پتہ نہیں چلا ہے۔ وہ بیچارے ایسے گم ہوئے تھے کہ اُنہوں نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ فرزانہ اُنہیں یاد تو کرتی تھی لیکن اُن یادوں کے ساتھ کچھ تلخیاں بھی وابستہ تھیں۔ اس کے بعد شاد ماں تھی۔ ایک دُبلی پتلی نازک اندام لڑکی جو نوشاد ہی کی طرح بہت خوب صورت تھی۔ لیکن بالکل کم گو، خاموش خاموش..... نوشاد کی زبانی مجھے معلوم ہوا، ظاہر ہے ماں کی موت کے بعد گھر کے حالات کچھ عجیب سے

ہو گئے تھے اور شاد ماں اور فرزانہ میں زیادہ بنتی نہیں تھی۔ نوشاد نے مجھ سے کہا۔

''منصور بھیا! دراصل حالات، انسان کا مزاج ہی بدل دیتے ہیں۔ یہ دونوں بے بسی کا شکار تھیں۔ اور یہ بے بسی اُنہیں ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کرتی تھی۔ لیکن اب دونوں ہی اپنے درمیان مفاہمت کی کوشش کر رہی ہیں۔ میں نے چھپ کر فرزانہ کو شاد ماں سے معافی مانگتے دیکھا ہے۔ شاد ماں بھی میرا خیال ہے اپنا دل صاف کر رہی ہے۔''

''کوئی بات نہیں نوشاد! رفتہ رفتہ یہ دونوں اس ماحول کی عادی ہو جائیں گی۔ تم انہیں خوب گھماؤ پھراؤ۔ سیر و سیاحت کراؤ یہاں کی۔''

''اور منصور بھائی! تم؟''

''مجھے ابھی درمیان میں مت گھسیٹو۔''

''میں چاہتا ہوں کہ اپنی ذمہ داریاں سنبھال لوں۔''

''ابھی میں تمہیں چھٹیاں دے چکا ہوں کچھ عرصے کے لئے۔ اس لئے اپنی بیوی اور بہن کو پہلے یہاں کی خوب اچھی طرح سیر کراؤ۔''

نوشاد نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ میں خود بھی کبھی اُن کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ اور پھر ایک پُر بہار موسم میں بادلوں کی چھاؤں تلے جب خالہ شہادت اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں، نوشاد اپنی بیوی فرزانہ کے ساتھ بہت دُور گھاس کے سرسبز میدان میں ٹہلتا ہوا چلا گیا تھا اور شاد ماں میرے قریب ایک عجیب سے بوجھل انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے شاد ماں کو دیکھا۔ شاید پہلی بار، وہ مجھے ایک اجنبی شکل میں نظر آئی تھی۔ یا پھر یہ بادلوں کا قصور تھا جنہوں نے اُس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ یا پھر یہ اُس اچھی زندگی کا عطیہ تھا جو اُن دونوں کو یہاں آ کر ملی تھی۔ شاد ماں میں مجھے ایک عجیب سی دلکشی نظر آئی اور میں اُسے دیکھتا رہ گیا۔ شاد ماں کی نگاہیں میری جانب اُٹھیں اور جھک گئیں۔

''بھئی اتنا خاموش کیوں رہتی ہیں آپ؟'' میں نے سوال کیا۔

''جی بس..... یونہی۔''

''ایک سوال کروں آپ سے شاد ماں؟''

''جی.....''

''اپنے وطن میں کچھ ایسی یادیں تو نہیں چھوڑ آئیں جو آپ کو دُکھ دیتی ہوں؟''

شاد ماں نے نگاہیں اُٹھا کر مجھے دیکھا۔ دیکھتی رہی اور غالباً سمجھتی رہی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں! اپنے وطن میں، میں بہت سی یادیں چھوڑ آئی ہوں۔ اپنا گھر، اپنا بچپن، اپنے بچپن کے واقعات اور وہ زندگی جو رفتہ رفتہ بہتی رہی تھی۔ اور پھر بے کسی کے وہ لمحات جنہوں نے مجھے دنیا سے بیزار کر دیا تھا۔ ان تمام یادوں کو تو میں نہیں بھول سکتی منصور صاحب! آپ بتایئے! کیا آپ اپنا ماضی بھول گئے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔ لیکن میں کچھ اور پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''کیا واقعی؟''

''ہاں!''

''تو پھر بتایئے، میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں؟''

''منصور صاحب! آپ غالباً یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں کوئی ایسی یاد جیتی جاگتی تو نہیں چھوڑ آئی جس کے لئے میں بے چین ہوں۔''

''ہاں..... میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں..... ایسی کوئی یاد میری زندگی سے وابستہ نہیں ہے۔ شاید نوشاد بھیا نے ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہو۔ بس! نوشاد بھائی وہاں سے چلے آئے۔ میں جانتی تھی کہ وہ آ گئے ہیں۔ یہاں سے جب اُنہوں نے ہمیں رقومات بھیجنا شروع کیں تو حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے لیکن ہم مطمئن نہیں تھے۔ اور اب..... اب ہم بہت مطمئن ہیں۔ یہ زندگی ہمارے تصور سے بھی باہر کی ہے جو ہم گزار رہے ہیں۔ اَب تو یوں احساس ہوتا ہے کہ کہیں یہ سب کچھ خواب نہ ہو۔ ایسے خواب میں اکثر دیکھتی رہی ہوں۔ لیکن اِن خوابوں میں ایسا کوئی زندہ وجود شامل نہیں ہے جس کی یاد میرے سینے میں کسک رہی ہو۔''

''کیا میں اپنے آپ کو اس کے لئے پیش کر سکتا ہوں شاد ماں؟'' میں نے براہِ راست کہا اور شاد ماں بھونچکی سی ہو کر رہ گئی۔

وہ پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی تھی۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا۔ ''منصور صاحب! غالباً آپ فرشتے ہیں۔ نوشاد بھیا نے کچھ باتیں مجھے بتائی ہیں، بھابھی کو نہیں۔''

''کیا.....؟'' میں نے چونک کر کہا۔

''اُنہوں نے یہی بتایا مجھے کہ وہ یہاں اس ملک میں بھی بے کسی کی زندگی گزار رہے تھے اور بہت زیادہ کسمپرسی کا شکار تھے کہ آپ اُنہیں مل گئے۔ آپ نے اُنہیں سہارا دیا اور پھر یہ تمام کام ہو گیا جس کے نتیجے میں ہم لوگ یہاں موجود ہیں۔''

''اوہ..... وہ بیوقوف آدمی تمہیں یہ بتا چکا ہے؟''

''ہاں! وہ مجھ پر بے حد اعتماد کرتے ہیں۔''

''لیکن تم فرزانہ کو یہ بات نہیں بتاؤ گی شاد ماں!''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے بھیا کا وقار بھابھی کی نگاہوں میں قائم رہے۔''

''ٹھیک ہے شاد ماں! تو پھر میری بات کا جواب نہیں دو گی؟''

''انتظار کر رہی تھی کہ آپ اپنے سوالات کا سلسلہ ترک کریں تو جواب دُوں۔ میں کہہ رہی تھی کہ کیا آپ فرشتے ہیں؟ اگر ہیں تو ظاہر ہے زمین پر رہنے والی ناچیز مخلوق اس فرشتے کے قابل نہیں ہو سکتی۔ اور اگر آپ انسان ہیں تو کم از کم انسانیت کے معیار پر میں آپ کو بہت بلند سمجھتی ہوں۔ اور اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتی کہ آپ کے قدموں میں زندگی گزار دُوں۔ جب یہ دونوں چیزیں ناقابل یقین ہیں تو پھر یہ سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔''

''شاد ماں! یقین اور ناقابل یقین کا تصور تم نے قائم کیا ہے۔ میرے ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اِشاروں کنایوں میں باتیں کرنے کی بجائے تم سے براہِ راست کیوں نہ سوال کر ڈالوں۔ اگر تم کسی بھی ایسی وجہ سے جو مجھے بتانا بھی ضروری نہ ہو، یہ بات ناپسند کرتی ہو تو بخدا میرے جذبات میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور نہ میں تمہیں اس کے لئے مجبور کروں گا۔ بلکہ شاید تمہارے مستقبل کے لئے فیصلہ کرتے ہوئے میں اپنے آپ کو نوشاد سے آگے پاؤں۔ لیکن یہ خواہش میرے دل میں بیدار ہوئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے شاد ماں! کہ تمہاری شخصیت بہت اچھی ہے۔ تم ایک سنجیدہ اور پُر وقار لڑکی ہو۔ جس کے انداز میں، میں نے کوئی ایسی ہلکی بات نہیں پائی۔ بلاشبہ اگر سچ بات پوچھو تو میں خود تمہارے قابل نہیں ہوں۔ کیونکہ میری شخصیت میں بہت سے داغ لگے ہوئے ہیں۔ ہاں! اگر تم اِن داغوں کے ساتھ مجھے قبول کر لیتیں تو میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت

ترین انسان سمجھتا۔''

''منصور صاحب! میں یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ آپ کی شخصیت پر کوئی داغ ہے۔ لیکن اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو کم از کم، آپ کا جو کردار میری نگاہوں کے سامنے ہے، وہ آپ کے تمام داغوں کو دھو ڈالتا ہے۔ اور میں اس حالت میں بھی پست ہی رہتی ہوں۔''

''اگر مجھے بھی اِن پستیوں میں آ جانے کا موقع دو گی شاد ماں! تو شاید میری زندگی بھی شاد ہو جائے۔''

''ان تمام باتوں کے باوجود آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں؟''

''ہاں شاد ماں! میں تمہیں اپنی زندگی کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔ لیکن میری وہ پیشکش اَب بھی ہے کہ میرے ان تمام سوالات کے جوابات میں آخری الفاظ بھی یہ کہہ سکتی ہو کہ نہیں تم اس کے لئے تیار نہیں ہو اور اس نہیں کی وجہ میں نہیں پوچھوں گا۔''

''وجہ ہی تو کچھ نہیں ہے۔ اگر اس کے علاوہ کچھ ہوتی تو میں آپ کی ہدایت پر عمل کرتی۔ لیکن آپ یقین کیجئے منصور صاحب! کہ ایسی کوئی وجہ نہیں ہے۔ سوائے اپنی حیثیت کے۔''

''تو پھر یہ حیثیت مجھے کیوں نہیں سونپ دیتیں؟''

''اگر آپ ہم غریبوں کو اتنا ہی بڑا مقام دینا چاہتے ہیں تو آپ یقین کیجئے! میں یہی سمجھوں گی کہ ہم نے زندگی میں کبھی نہ کبھی کوئی نیک کام ضرور کیا ہے۔'' شاد ماں نے کہا اور آخر میں اُس کے لہجے میں شرم کے اثرات نمودار ہو گئے۔

''شاد ماں! میں نے اِن الفاظ کا مفہوم یہ نکالا ہے کہ تم کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے جو میں چاہتا ہوں۔ اَب بھی اگر میں غلط فہمی کا شکار ہوں تو خدارا مجھے بتا دو۔''

''نہیں۔ آپ کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہیں۔''

''تو بس! ٹھیک ہے۔ ہم لوگ عشق و محبت کی باتیں نہیں کریں گے۔ یہ ساری باتیں ہم اُس وقت کریں گے جب ہماری زندگی یکجا ہو جائے گی۔ میں پورے اعتماد کے ساتھ اس سلسلے میں نوشاد سے گفتگو کروں گا۔ اور اگر نوشاد تم سے پوچھے تو ظاہر ہے تم بھی میری مدد ہی کرو گی۔''

شاد ماں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خالہ شہادت ٹہلتی ہوئی اُدھر آ گئی تھیں۔ ''اے مٹے

مارے! یہ کہاں لے آیا تو مجھے۔ اُن کمبخت ماریوں کو دیکھ کر تو میرا دل ہول جاتا ہے۔ ہائے شرم و حیا تو سب اُٹھا کر کندھے پر ڈال لی۔ آخر اُن کے بھی تو ماں باپ ہوں گے۔ کوئی اُنہیں روکنے والا نہیں ہے اس دنیا میں؟''

''ہاں خالہ! اُنہیں روکنے والا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں۔''

''تو پھر بھیا! مجھے گھر پہنچا دے۔ مجھے ایسی جگہ مت لایا کر۔ میں تو اَب چھت پر بھی نہیں جاؤں گی۔ دیکھ دیکھ کر آنکھوں کی روشنی ختم ہوئی جاتی ہے۔''

''ٹھیک ہے خالہ! اَب ہم گھر چل رہے ہیں۔'' میں نے پُرمسرت لہجے میں کہا۔

شاد ماں کے اقرار نے نجانے میرے دل پر کیا اثر کیا تھا؟ درحقیقت زندگی کے اس رنگ کو بھی میں اپنا لینا چاہتا تھا۔ میں نے کبھی کسی اور زندگی کی خواہش نہیں کی تھی۔ بس! انسانوں کی طرح جینا چاہتا تھا۔ اور یہ لمحات جو مجھے میسر ہوئے، میں اُنہیں اپنے زندگی کا حاصل قرار دیتا تھا۔ کبھی کبھی تنہائیوں میں بیٹھ کر میں اپنے بدن کے مختلف حصوں کو نوچتا کھسوٹتا رہتا تھا کہ کہیں میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا؟ نجانے کیوں اپنی اس خوش بختی پر یقین نہیں آتا تھا۔ اس تذکرے کے بعد شاد ماں کی آنکھوں میں جو حیا پیدا ہوگئی تھی، وہ اُس کی شخصیت میں چار چاند لگا دیتی تھی۔ میں نے اور بھی بہت کام کئے تھے۔ میں نے نوشاد کو کافی بڑی رقم دے کر کہا تھا کہ فرزانہ کو اتنی شاپنگ کرائے کہ فرزانہ کا دل بھر جائے اور اُس کی تمام حسرتیں پوری ہو جائیں۔ نوشاد چونکہ اب میری ان تمام محبتوں کو سچائی سے قبول کر چکا تھا اس لئے اُس نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ شاد ماں اور فرزانہ کو بے شمار جوڑے سلوا کر دیئے گئے۔ اُنہیں اور بھی بہت سی چیزیں دلوائی گئی تھیں، جس سے کم از کم فرزانہ بے حد متاثر نظر آتی تھی۔ خالہ شہادت بے چاری مسلسل اُلجھنوں اور پریشانیوں کا شکار رہی تھیں۔ یہاں کا طرزِ زندگی اُنہیں بالکل ناپسند تھا۔ وہ اپنی کھولی کو یاد کرتی رہتی تھیں۔ ویسے نوشاد بھی اُنہیں بڑی ترکیب سے لایا تھا۔ اُس نے خالہ شہادت کو صرف میرا حوالہ دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ خالہ شہادت میرا نام سن کر بقول نوشاد کے بری طرح بے چین ہوگئی تھیں اور اُنہوں نے یہ بھی نہ پوچھا کہ میں کہاں رہتا ہوں۔ بس! گالیاں دیتی رہتی تھیں۔ مجھے کوستی رہی تھیں اور روتی رہی تھیں۔ پھر وہ نوشاد کے ساتھ چل پڑیں۔ مگر جہاز میں بیٹھتے ہوئے اُنہوں نے بڑی پریشانی کا اظہار کیا تھا اور بڑی مشکل سے

اُنہوں نے جہاز کا یہ سفر کیا تھا۔ نوشاد نے اس سلسلے میں سارے واقعات بڑے ہنس کر مجھے بتائے تھے، لیکن خالہ شہادت کے سامنے نہیں۔ وہ شاید اُسے بھی گالیاں دینے سے باز نہ آتیں۔ میرے سلسلے میں اُن کا رویہ وہی تھا۔ بات بات پر تنقید، بات بات پر ٹوکنا۔ البتہ گھر کے اندر کا ماحول بہت ہی خوشگوار تھا۔ سب سے دلچسپ مسئلہ مسز پال کے ساتھ پیش آیا۔ فرزانہ اور شاد ماں نے مسز پال سے خوب دوستی گانٹھ لی۔ وہ تھوڑی بہت انگریزی بول لیا کرتی تھیں۔ پڑھی لکھی لڑکیاں تھیں۔ لیکن انگریزی بولنے میں مہارت نہیں تھی۔ البتہ خالہ شہادت کو انگریزی کے نام لٹھ بھی نہیں آتا تھا۔ ایک دن وہ مسز پال سے اُلجھ پڑیں۔

''اے بی بی! یہ تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؟ ایں! میں کہتی ہوں اپنی عمر کو دیکھو اور اپنی حرکتوں کو دیکھو۔ یہ پنڈلیاں کھلی کیوں ہیں تمہاری؟ بی بی! گھر کی نوکرانی ہو۔ اَب بھی میم بننے کی کوششوں میں مصروف رہتی ہو۔ خدا سے ڈرو! عاقبت کو یاد کرو۔ قبر کے عذاب سے ڈرو۔ یہ ننگی پنڈلیاں تمہیں سیدھی جہنم میں لے جائیں گی۔ کیا سمجھیں؟''

بیچاری مسز پال اُن باتوں کو کچھ بھی نہیں سمجھی تھیں۔ وہ پریشانی سے خالہ شہادت کی شکل دیکھتی رہیں۔

''دیکھو! جتنی عمر ہے، اُتنے فیشن کرو۔ بڑی جوانی ٹوٹی پڑ رہی ہے تم پر؟ میں کہتی ہوں، کبھی جھریوں پڑے چہرے کو بھی دیکھا ہے؟''

''اوہ.....نو.....نو.....'' مسز پال نے پریشانی سے کہا۔ اور اس وقت میں نے مسز پال کی مدد کرنا ضروری سمجھا۔ میں نے خالہ شہادت سے کہا۔

''خالہ شہادت! یہ مسز پال کا لباس ہے۔ یہاں کے لوگ ایسے ہی لباس پہنتے ہیں۔''

''تو پھر وقت سے پہلے جہنم میں چلے جائیں گے ایسے ہی لباس پہنتے ہیں۔ ارے! میں کہتی ہوں، ان بڑی بی بی کو سمجھاؤ!''

''خالہ شہادت! آپ مسز پال کو پریشان نہ کریں۔ وہ بیچاری بہت نیک صورت عورت ہیں۔''

''اور ہاں! میں تو جیسے حرافہ ہوں پوری۔ ارے! تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟ بھجوا دو مجھے میرے گھر۔ میں نہیں رہنے کی یہاں۔''

''نہیں خالہ! یہیں رہیں گی۔ آپ ہمیشہ ہمیشہ میرے ساتھ رہیں گی۔ میں مسز پال سے

کہہ دُوں گا کہ وہ ذرا اور نیچا لباس پہنیں۔'' میں مسز پال کو اپنے ساتھ لے کر کچن کی طرف چل پڑا اور میں نے ہنستے ہوئے اُنہیں کہا۔ ''مسز پال! آپ ان خاتون کی باتوں کا برا نہ مانا کریں۔ یہ بس! بہت زیادہ عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے ذہنی طور پر کچھ معذور ہوگئی ہیں۔''

''مگر مسٹر منصور! میں اُن کی کون سی باتوں کا برا مانوں؟ اُن کی باتیں تو میری سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔''

''واہ! یہ اچھی بات ہے۔ لیکن اگر یہ کچھ اُلٹی سیدھی بکواس کیا کریں تو آپ بس! خاموش ہو جایا کریں۔''

''نہیں نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ مجھے تو اچھا لگتا ہے۔ مگر وہ کہتی کیا ہیں؟''

میں نے مسز پال کو خالہ شہادت کے اعتراض کے بارے میں بتایا تو وہ بری طرح ہنسنے لگیں۔ ''اوہ..... اُنہیں میرے لباس پر اعتراض ہے۔ لیکن میں اسے برا نہیں سمجھتی مسٹر منصور! واقعی عمر کی ایک منزل میں آنے کے بعد انسان کے اندر کچھ رکھ رکھاؤ پیدا ہونا چاہئے۔ میں یوں کروں گی کہ اَب بالکل نیچا لباس پہنا کروں گی۔''

''مسز پال! آپ بہت گریٹ ہیں۔''

''نہیں مسٹر منصور اچھی باتوں کو اپنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔''

مسز پال نے واقعی دوسرے دن لباس کے سلسلے میں خالہ شہادت کو مطمئن کر دیا۔

''ہاں..... اَب کچھ ڈھنگ کی لگ رہی ہو۔ ایسے ہی بنی رہا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔ پتہ لگتا ہے کہ بزرگ ہو۔'' خالہ شہادت نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

زندگی زعفران زار بن گئی تھی۔ فرزانہ کے اندر بھی نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوتی جا رہی تھیں۔ نوشاد کی تو رنگت ہی بدل گئی تھی۔ میں اُنہیں خوش دیکھتا تو میری خوشیوں میں اضافہ ہو جاتا اور میں بعض اوقات سوچتا کہ شاید انہی کی تقدیر مجھے بھی صحیح راستوں پر لگا دے ورنہ میرے ساتھ تو بڑی مصیبتیں چپکی رہا کرتی تھیں۔ کئی بار رامیس کا خیال بھی آیا۔ وہ منحوس رُوح شاید مجھ سے دُور ہی ہوگئی ہے۔ ویسے بھی میں جانتا تھا کہ برائیوں میں وہ ہمیشہ حاضر رہتا تھا۔ لیکن جہاں میں نے کوئی ڈھنگ کا کام کیا، اُس کی مصیبت مجھ پر نازل ہوگئی۔ البتہ اس بار سب خیریت ہی خیریت نظر آ رہی تھی۔ اس سے بھی خوفزدہ رہتا تھا۔ لیکن یہ ساری باتیں میں کسی کو بتا بھی نہیں سکتا تھا۔ بیچارے نوشاد کی تو آج تک یہ جرات نہیں ہوئی

تھی کہ وہ مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں تفصیلات معلوم کر سکے اور کوئی ایسا تھا نہیں جو مجھ سے میرے بارے میں پوچھتا۔ بس! اَب یہ گھر میری ان امیدوں اور آرزوؤں کی مکمل تصویر بنتا جا رہا تھا اور اس میں سب سے حسین چیز شاد ماں کی حیا بار آنکھیں تھیں۔ لیکن ابھی اس سلسلے میں نوشاد سے کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ خوفزدہ تھا کہ کہیں وہ میری نیت کے بارے میں مشکوک نہ ہو جائے۔ حالانکہ اگر وہ سوچتا تو درحقیقت میری نیت میں کوئی فتور نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت جب میں نے اُس کے ساتھ یہ سب کچھ کیا تھا، نہ تو میں نے شاد ماں کو دیکھا تھا نہ میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور تھا۔ میں نے سوچا کہ پہلے نوشاد کو اُس کی زندگی کے صحیح راستوں پر لگا دُوں تاکہ وہ مطمئن ہو جائے۔ اور اس کے بعد اُس پر اپنی خواہش کا اظہار کروں۔ چنانچہ ایک شام میں نے اُس سے کہا۔

''ہاں بھئی نوشاد! سناؤ، کچھ اطمینانِ قلب نصیب ہوا؟''

جواب میں اُس کے چہرے پر نیاز مندی کے آثار پھیل گئے۔ ''منصور بھائی! اس کے جواب میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میرے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ ہاں! نہایت عاجزی سے ایک درخواست ضرور کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیا.....؟''

''مجھے دفتر میں میری ذمہ داریاں سونپ دی جائیں تاکہ اُنہیں سمجھ کر میں اُنہیں پورا کر سکوں۔''

''ٹھیک ہے مسٹر نوشاد! کل ہم دفتر چل رہے ہیں۔'' میں نے کہا اور نوشاد خوشی سے کھل اُٹھا۔ اس کے بعد اُس کی خوشیاں قابل دید تھیں۔ نہ جانے رات کو سو بھی سکا تھا یا نہیں؟ فرزانہ سے اُس نے نہ جانے کیا کہا تھا۔ دوسرے دن میں اُسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ میں نے ہی پورے دفتر میں اُس کا تعارف کرایا تھا اور دفتر کے لوگوں کو پوری طرح دفتر کے نئے جنرل منیجر کے بارے میں بتا دیا تھا۔ چنانچہ اُس کا بہترین استقبال کیا گیا۔ نوشاد کے لئے ایک عمدہ دفتر بھی تیار کر لیا گیا تھا جس میں داخل ہوتے ہوئے اُس کے قدم کانپ رہے تھے۔ آفس کے دروازے پر اُس کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ بالآخر وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

جب دوسرے لوگ باہر چلے گئے تو میں نے مسکراتے ہوئے اُس سے کہا۔ ''کیا خیال

ہے نوشاد؟ کیسا لگ رہا ہے؟''

''پاگل ہوا جا رہا ہوں۔''

''مجھ پر یقین نہیں تھا؟''

''اپنی تقدیر پر یقین نہیں آتا تھا۔'' اُس نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خود مجھ پر بھی یہی کیفیت بیت چکی تھی۔ میں نے کہا۔

''تمہیں یقین کر لینا چاہئے نوشاد!''

''ہاں..... میں نے یقین کر لیا ہے۔'' اُس نے لرزتی آواز میں کہا۔''آپ نے میرے لئے.....مجھ بے کار انسان کے لئے بہت کچھ کیا ہے منصور صاحب!''

''یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا مسٹر نوشاد! آپ کو اس ادارے کے لئے کارآمد بننا ہوگا۔ نوشاد! جن پانچ افراد سے میں نے تمہیں خصوصی طور پر ملایا ہے، یہ تم سے پہلے یہاں وہ ذمہ داریاں انجام دیتے رہے ہیں، جو اَب تمہیں انجام دینی ہیں۔ پانچوں اَب تمہارے ماتحتوں کی حیثیت سے کام کریں گے۔ میں نے اُنہیں ہدایت کر دی ہے کہ یہ تمہیں پوری تفصیل سے اُن کاموں کے بارے میں بتائیں۔''

''بہتر ہے۔'' اُس نے جواب دیا۔ پھر میں اپنے آفس میں چلا گیا۔

شب و روز یونہی گزرتے رہے۔ شادماں کے انداز میں اَب ایک گہری اپنائیت پیدا ہو گئی تھی۔ اور وہ بہت خوش رہنے لگی تھی۔ خالہ شہادت سے اُس کی خوب چھنتی تھی۔ کیونکہ وہ ایک باحیا لڑکی تھی۔ میرا وہ خاص طور سے خیال رکھتی تھی۔ پھر ایک دن میں نے نوشاد پر دل کا حال کھول دیا۔ میں نے اُس سے پُراعتماد لہجے میں کہا تھا۔

''نوشاد! اس گھر کی حسین فضاؤں میں تم لوگوں کی آمد کے بعد پھول ہی پھول کھل گئے ہیں۔ میں اس گھر کی خوشیوں میں ایک اور اضافہ چاہتا ہوں۔''

''کیا منصور بھائی؟''

''میں شادماں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا اور نوشاد، شادی مرگ کی سی کیفیت کا شکار ہو گیا۔ اور پھر رو پڑا۔

''اور کیا، کیا دو گے مجھے منصور بھائی! تمہارے ان احسانات کا بوجھ اُتارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا میں۔ تم ہمیں اتنی عزت دو گے، کیا ہم اس قابل ہیں؟''

''تم لوگ میرے وجود کا ایک حصہ ہو نوشاد! اگر مجھے اس قابل سمجھو تو یہ عزت مجھے بخش دو۔''

''منصور بھائی! میں شادماں کو تمہارے تحفظ میں دے کر فخر محسوس کروں گا۔ اگر ایسا ہو جائے منصور بھائی تو.....تو.....''

اور ایسا ہو گیا.....سب ہی خوش تھے خالہ شہادت، فرزانہ، نوشاد.....اور شادماں.....''

حجلہ عروسی میں وہ سمٹی سکڑی بیٹھی تھی۔

''شادماں.....'' میں نے جذبات بھری آواز میں کہا۔''میری زندگی کی کہانی بڑی انوکھی ہے۔ لیکن اَب تمہارے وجود میں کھو کر میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ اور تمہیں.....شادماں! تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔ شاید سکون کے لئے میں تمہارے قدموں کی آہٹ کا منتظر تھا.....

شادماں مسکرا دی۔ اور یہ مسکراہٹ میرے وجود میں پھول کی طرح کھل گئی۔ اُمنگوں بھری رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی.....لیکن ہر لمحہ یہی دھڑکا لگا رہا کہ خالہ شہادت دودھ کا برتن لئے گرجتی برستی میرے کمرے میں موجود ہوں گی اور میرے نہ اُٹھنے پر یہ دودھ کا برتن میرے سر پر مار کر یہ حسین خواب توڑ دیں گی.....مگر اب یہ خواب نہیں، ایک حقیقت تھی کہ میں اور شادماں، نوشاد، فرزانہ اور خالہ شہادت ایک پُرکشش زندگی گزار رہے تھے.....

(ختم شد)